وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں

(۵۲/۲۴)

Vol-2

نزهة القاری

شرح

صحیح البخاری

تصنیف

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرید بک سٹال

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نزھۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

الجزء الثانی

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں

(۵۲/۲۴)

نزہۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد دوئم

تصنیف

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالٰی

سابق صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

الطبع الاوّل: ربیع الثانی 1421ھ / جولائی 2000ء
الطبع الثانی: رمضان المبارک 1428ھ / ستمبر 2007ء
مطبع: روبی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

Farid Book Stall
Phone No:092-42-37312173-37123435
Fax No.092-42-37224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۳۷۱۲۳۴۳۵۔۳۷۳۱۲۱۷۳۔۰۹۲۔۴۲
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۳۷۲۲۴۸۹۹
ای میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

انڈکس نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد دوم)

۞۞۞۞۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸- کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

[نماز کا بیان]

صلوٰۃ کے لغوی و شرعی معنی

صلوٰۃ سے یہاں اس کے خاص شرعی معنی مراد ہیں، یعنی اسلام کا دوسرا رکن جو مخصوص ہیئت کے ساتھ مخصوص افعال کی ادائیگی ہے۔ زمانۂ جاہلیت قبل از اسلام میں بھی یہ لفظ مستعمل تھا، جس کے متعدد معانی تھے۔ انگاروں پر سینک سینک کر لکڑی کو سیدھا کرنا۔ بولتے ہیں: "صلیت العود علی النار"۔ "صلوٰۃ"، "صلا" سے ماخوذ ہے۔ صلا سرین کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اسی سے مُصلّی اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھڑ دوڑ میں سب سے آگے نکل جانے والے کے پیچھے ہو۔ اس مناسبت سے کہ اس گھوڑے کا منہ اگلے گھوڑے کی سرین کے پاس ہوتا ہے۔ ان معانی میں اور معنی شرعی میں مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ عہد رسالت میں "صلوٰۃ" بہ معنی دعا شائع و ذائع تھا۔ قرآن مجید میں ہے: "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" (التوبہ:۱۰۳) ان کے لیے دعا کیجیے۔ حدیث میں ہے: "من صام فلیصل" جو روزہ رکھے وہ دعا کرے۔ دعا اور نماز کی مناسبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اس سے بھی ہٹ کر آپ غور کریں۔ خود قریش کی زبان میں ایسے ارکان کی ادائیگی کو کہتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے لیے کیے جاتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً. (الانفال:۳۵) — بیت اللہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹی اور تالی تھی۔

اس کے علاوہ نماز بہ معنی رحمت، اظہار عظمت، استغفار یعنی طلب رحمت میں بھی مستعمل تھا۔ صلوٰۃ کی اسناد اگر اللہ عزوجل کی جانب ہو تو اس کے معنی انزال رحمت کے آتے ہیں اور اگر فرشتوں کی طرف ہو اور متعلق نبی ہو تو دعاء رحمت، اور اگر متعلق غیر نبی ہو تو استغفار کے معنی میں اور اگر اس کی نسبت اللہ عزوجل اور فرشتوں کے علاوہ اُمتی کی جانب ہو تو، صلوٰۃ کے معنی طلب رحمت کے آتے ہیں اور نماز پڑھنے کے معنی میں اس وقت آتا ہے، جب اس کا متعلق اللہ عزوجل ہو۔

۲۴۲- ح: الْاِسْرَاءُ [اسراء کا بیان]

۲۴۲- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَبُوْذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِيْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابوذر حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ میں تھا۔ (اس سے) جبریل علیہ السلام اترے اور

صَدْرِی ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَآءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ
مُّمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَّإِيْمَانًا فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي ثُمَّ أَطْبَقَهُ
ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَلَمَّا جِئْتُ
إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِخَازِنِ
السَّمَآءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ قَالَ هَلْ
مَعَكَ أَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ أَأُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ
قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فُتِحَ عَلَوْنَا السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ
قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ وَّعَلٰى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ إِذَا نَظَرَ
قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى فَقَالَ
مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْإِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرِيْلَ
مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا آدَمُ وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَ
شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ
الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَّمِيْنِهِ ضَحِكَ
وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى حَتّٰى عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَآءِ
الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ
الْأَوَّلُ فَفَتَحَ قَالَ أَنَسٌ فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمٰوٰتِ
آدَمَ وَإِدْرِيْسَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ إِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يُثْبِتْ
كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي السَّمَآءِ
الدُّنْيَا وَإِبْرَاهِيْمَ فِي السَّمَآءِ السَّادِسَةِ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا
مَرَّ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِإِدْرِيْسَ قَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ
فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا إِدْرِيْسُ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰى
فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ
هٰذَا قَالَ هٰذَا مُوْسٰى ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيْسٰى فَقَالَ مَرْحَبًا
بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا
عِيْسٰى ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ
وَالْإِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا إِبْرَاهِيْمُ قَالَ
ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّأَبَا حَبَّةَ
الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

میرے سینے کو شق کیا' پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا' پھر حکمت و
ایمان سے لبریز سونے کا طشت لائے اور اسے میرے سینے میں
انڈیل دیا' اس کے بعد سینے کو درست کر دیا' پھر میرے ہاتھ کو پکڑا
اور مجھے آسمان کی طرف لے چلے' جب میں آسمانِ دنیا تک پہنچا تو
جبریل نے آسمان کے خازن سے کہا: کھولو! اس نے پوچھا: کون
ہے؟ جبریل نے کہا: میں جبریل ہوں' اس نے پوچھا: تمہارے
ساتھ کوئی اور ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں! میرے ساتھ محمد (ﷺ)
ہیں' اس نے پھر پوچھا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرماتے ہیں: جبریل
بولے: ہاں! جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمانِ دنیا پر چڑھے تو کیا
دیکھتے ہیں' ایک صاحب بیٹھے ہیں ان کی دائیں طرف بہت سے
لوگ ہیں اور بائیں طرف بھی' جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے
ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں' انہوں نے مجھے
دیکھ کر فرمایا: صالح نبی صالح فرزند کو خوش آمدید ہو! میں نے جبریل
سے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے بتایا: یہ آدم ہیں اور ان
کے دائیں بائیں جو لوگ ہیں یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں' ان میں
دائیں طرف والے جنتی ہیں' بائیں طرف کی پرچھائیاں جہنمی ہیں'
اس لیے جب دائیں دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور جب بائیں
دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے دوسرے آسمان پر
لے گئے' اس کے خازن سے فرمایا: کھولو! اس کے خازن نے بھی
ویسی ہی گفتگو کی جیسی پہلے والے نے کی تھی' پھر کھولا گیا۔ حضرت
انس نے کہا: حضرت ابوذر نے یہ بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ
نے آسمانوں میں آدم' ادریس' موسیٰ' عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو
پایا۔ انہوں نے ان حضرات کے مقامات نہیں بتائے۔ ہاں! یہ بتایا
کہ آدم کو آسمانِ دنیا میں اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں پایا۔ حضرت
انس نے کہا: نبی ﷺ کو لے کر جبریل علیہ السلام جب حضرت ادریس
کے پاس گزرے تو انہوں نے کہا: نبی صالح برادر صالح کو خوش
آمدید ہو! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا: یہ ادریس
علیہ السلام ہیں' اس کے بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرا' تو
انہوں نے فرمایا: نبی صالح برادر صالح کو مرحبا ہو! میں نے پوچھا: یہ

وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُهٗ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ حَتّٰى انْتَهٰى بِيْ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَّا اَدْرِيْ مَا هِيَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا حَبَائِلُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء ص ۵۰، کتاب بدء الخلق۔ باب: ذکر الملائکۃ ص ۴۵۵، کتاب الانبیاء۔ باب: ذکر ادریس ص ۴۷۰، کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللہ عزوجل ہل اتاک حدیث موسٰی ص ۴۸۱، کتاب المناقب۔ باب: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ ص ۵۰۴، کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللہ تعالٰی ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا ص ۴۸۷، بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: قول اللہ و کلم اللہ موسٰی تکلیما ص ۱۱۲۰، مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الایمان۔ باب: الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۱ تا ۹۴، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: سورہ بنی اسرائیل ص ۱۴۱، نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: فرض الصلوۃ ص ۴۷ تا ۴۸)

کون صاحب ہیں؟ تو جبریل نے بتایا کہ یہ موسیٰ ہیں، اس کے بعد حضرت عیسیٰ کے قریب سے گزرا ہوا، تو انہوں نے فرمایا: نبی صالح اور برادر صالح کو مرحبا ہو! میں نے پوچھا: کون ہیں یہ بزرگ؟ تو جبریل نے بتایا: یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اس کے بعد میں حضرت ابراہیم کے قریب سے گزرا تو انہوں نے بھی فرمایا: نبی صالح اور فرزند صالح کو مرحبا ہو! میں نے دریافت کیا: یہ کون بزرگ ہیں؟ فرمایا: یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ابن شہاب نے کہا: مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس اور ابوحبہ انصاری کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے اور اوپر لے گئے یہاں تک کہ میں مقام ''مستویٰ'' تک پہنچ گیا اور قلموں کی آواز سننے لگا۔ حضرت ابن حزم اور انس بن مالک نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد اللہ عزوجل نے میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں، میں یہ لے کر لوٹا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے دریافت فرمایا: آپ کے لیے آپ کی اُمت پر اللہ عزوجل نے کیا فرض فرمایا؟ میں نے بتایا: پچاس نمازیں، انہوں نے فرمایا: اپنے رب کی بارگاہ میں جایئے، اس لیے کہ آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ یہ سن کر میں لوٹ کر حاضر بارگاہ ہوا تو اللہ عزوجل نے اس کا ایک حصہ کم کر دیا۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ ایک حصہ کم کر دیا گیا ہے، انہوں نے پھر کہا: اپنے رب کی طرف جایئے، آپ کی اُمت اس کی بھی قوت نہیں رکھتی۔ میں نے پھر رجوع کیا تو کچھ اور کم کر دیں، اب میں پھر حضرت موسیٰ کے پاس آیا تو پھر فرمایا: پھر اپنے پروردگار کی جانب رجوع کیجئے، آپ کی اُمت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ میں نے رجوع کیا تو اب اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: یہ پانچ ہیں اور حقیقت میں پچاس ہیں، ہماری بارگاہ میں بات بدلی نہیں جاتی۔ اب پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا: پھر اپنے رب کی طرف رجوع کیجئے، میں نے کہا: (اب) مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے، اس کے بعد جبریل مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا، اس پر نا معلوم طرح طرح کے رنگ چھائے ہوئے تھے، پھر مجھے جنت میں داخل

کیا گیا' کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں موتی کے ہار ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

لغات

''اسودۃ'' یہ سواد کی جمع ہے' جیسے ''زمان'' کی جمع ازمنہ۔ سواد کے معنی شخص کے ہیں' متعدد اور عوام کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ''صالح'' وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرتا ہو' یہ اپنے معنی کی جامعیت کے لحاظ سے تمام پسندیدہ قابل ستائش صفات کو شامل ہے۔ اسی لیے ہر نبی نے ''نبی صالح'' کے ساتھ آپ کو خوش آمدید کہا' امین اور صادق نہیں کہا' اس لیے کہ صالح ان دونوں کو بھی شامل ہے۔ ''نسم'' کے معنی روح کے ہیں۔ ''ظھرت'' کے معنی ہیں: میں چڑھا۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: ''وَالشمس فی حجرتھا لم تظھر'' دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی اور دیوار پر ابھی چڑھی نہ ہوتی۔ ''مُسْتَوٰی'' استواء کا اسم ظرف ہے۔ ''صریف'' فعیل کے وزن پر مصدر ہے' اس کے معنی آواز کرنا ہے' یہاں یہ مراد ہے کہ فرشتے حکم الٰہی کو لکھتے ہیں' اس لکھنے سے قلم میں جو آواز پیدا ہوتی ہے میں وہاں پہنچ کر اس کو سننے لگا تھا۔ ''ارجع الٰی ربك'' اللہ عزوجل شہید و بصیر ہے۔ مکان سے منزہ ہے' اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ لوٹ کر وہاں جایئے جہاں آپ کلامِ الٰہی سے مشرف ہوئے۔ ''شَطْرٌ'' کے معنی آدھے کے ہیں اور مطلق بعض کے بھی۔ یہاں مطلق بعض ہی مراد ہے۔ ''اَلسِّدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی'' بیری کے درخت کو سدرہ کہتے ہیں۔ ''المنتھی'' ''انتھاء'' کا ظرف ہے' یعنی انتہائی حد۔ ساتویں آسمان پر بیر کا ایک درخت ہے' جس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں' جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح چوڑے اور بڑے ہیں اور جس کے پھل ہجر کے بڑے مٹکوں کے برابر ہیں۔ جس کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور جنت تک کو گھیرے ہوئے ہے' اس کے آگے نہ کوئی فرشتہ جا سکتا ہے نہ کوئی نبی۔ یہ عام انبیاء کرام کے لیے ہے۔ رہ گئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضور سدرۃ المنتہٰی سے بھی آگے تشریف لے گئے۔ ان شاء اللہ کتاب المناقب میں اسے مفصل بیان کیا جائے گا۔ اس کی شاخیں ساتویں آسمان کو گھیرے ہوئے ہیں' بلندی ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے' جو کچھ اوپر جاتا ہے' سب کی آخری حد یہی ہے۔ ''حَبَایِلُ اللُّؤلُو'' حبائل یہ یا حبل کی جمع ہے' جس کے معنی لمبائی میں پھیلی ہوئی ریت کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جنت میں موتی اتنے کثیر و وافر ہیں جیسے ریگستان میں ریت ہے' یا یہ حبلۃ کی جمع ہے' جس کے معنی گلے کے ہار کے ہیں' مگر اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ لکھنے والوں کی غلطی ہے۔ صحیح جنابذ ہے' جیسا کہ کتاب الانبیاء وغیرہ میں ہے بلکہ یہاں بھی حضرت ابوذر کی روایت یہی ہے۔ ''جنابذ' جُنْبُذ'' کی جمع ہے' جس کے معنی قُبّے کے ہیں' مگر تصحیف (لکھنے میں غلطی) کے قول کی کوئی حاجت نہیں۔ مراد یہ ہے کہ جیسے زینت و آرائش کے لیے کھڑکیوں اور مسہریوں کے اردگرد موتی کی لڑیاں لٹکا دیتے ہیں اسی طرح جنت میں بھی کھڑکیوں پر اور تخت کے اردگرد موتی کی لڑیاں ہیں۔ اس حدیث پر تفصیلی گفتگو کتاب الانبیاء میں آئے گی۔ یہاں نماز سے متعلق چند ضروری باتیں معروض ہیں۔

قبل معراج نماز

اس حدیث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ نماز پنجگانہ معراج میں فرض ہوئی اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ معراج سے پہلے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نماز پڑھتے تھے۔ حدیث حراء کے بعض طرق میں یہ ہے کہ نزولِ اقراء کے بعد جبریل امین نے پاؤں زمین پر مارا جس سے چشمہ جاری ہو گیا اور اس سے وضو کیا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے رہے' پھر جبریل علیہ السلام نے فرمایا: آپ بھی وضو کر لیں! حضور نے بھی وضو فرمایا' پھر جبریل امین نے دو رکعت کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی' ان کے ساتھ حضور نے بھی پڑھی' پھر دولت

کدہ پر تشریف لائے اور اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا' انہوں نے بھی وضو کیا اور حضور کے ساتھ نماز پڑھی۔

(المواہب اللدنیہ وشرحہا للزرقانی۔ ج۱۔ باب: مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۵۔ ۲۳۴)

اس امت میں سب سے پہلے کس نے نماز پڑھی؟

امتیوں میں نماز پڑھنے کا شرف سب سے پہلے حضرت خدیجہ کو حاصل ہوا اور ان کے بعد اسد اللہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کو اوّل روز نماز پڑھی اور حضرت خدیجہ نے اسی روز آخری حصے میں اور حضرت شیر خدا نے سہ شنبہ کو۔

(جمان التاج بحوالہ طبرانی)

معراج سے قبل نماز کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

اب یہاں چند سوالات ہیں:

(۱) معراج سے پہلے کتنے وقت کی نماز پڑھتے تھے؟ (۲) اور یہ سب فرض تھیں یا ان میں کچھ فرض اور کچھ نفل یا سب نفل؟ (۳) ان نمازوں کے شرائط اور ارکان علیحدہ تھے یا یہی تھے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے رسالے ''جمان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج'' میں ان سب پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ معراج سے پہلے دو وقت کی نماز فرض تھی' طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب سے قبل[۱] یا نماز چاشت اور نمازِ عصر۔ اصابہ میں ہے کہ نمازِ پنجگانہ کے فرض ہونے سے پہلے مسلمان نمازِ چاشت اور عصر پڑھا کرتے تھے۔ عصر کے وقت پہاڑ کی گھاٹیوں میں جا جا کر الگ الگ پڑھتے تھے[۲] ان اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ چاشت بھی پڑھتے تھے اور فجر بھی اور عصر بھی۔ صحیحین میں ہے کہ ابتداء بعثت میں جب جن حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے[۳] مگر اصح یہ ہے کہ قبل معراج صرف تہجد فرض تھی' وہ بھی بعد میں اُمت کے حق میں منسوخ ہوگئی[۴] بر بنائے تحقیق قبل معراج کی نمازیں بھی ایسی تھیں جیسی اب پنجگانہ نمازیں ہیں' یعنی اس کے لیے وضو اور بدن اور کپڑے کی طہارت بھی تھی اور استقبالِ قبلہ اور تکبیر تحریمہ بھی تھی۔ قیام' رکوع' سجود' بلند آواز سے قراءت بھی تھی اور جماعت بھی۔ علامہ احمد خطیب قسطلانی اور علامہ عبدالباقی زرقانی لکھتے ہیں:

ثم ان اللہ تعالی اقرها ای شرعها علی هیئة ما کان یصلی قبل السفر کذلك رکعتین واتمها فی الحضر اربعاً[۵]

معراج سے پہلے جس ہیئت پر نماز پڑھتے تھے' اسی ہیئت کے ساتھ سفر میں دو رکعت اور حضر میں چار رکعت' اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائیں۔

رکوع اس اُمت کے خصائص سے نہیں

عام طور پر علماء لکھتے ہیں کہ اگلی اُمتوں میں رکوع نہیں تھا' مگر یہ بہ ظاہر متعدد نصوصِ قرآنیہ کے معارض ہے۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا گیا:

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ — طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع

۱۔ الدر المختار۔ ج۱۔ کتاب الصلوٰۃ   ۲۔ تذکرہ عزیزہ بنت نجراۃ رضی اللہ عنہا۔ ج۴ ص۳۶۴

۳۔ بخاری۔ ج۲ ص۷۳۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن' مسلم۔ ج۱ ص۱۸۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الجہر بالقرآن

۴۔ المواہب اللدنیہ۔ ج۱۔ باب: مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج۱ ص۲۳۵

۵۔ المواہب اللدنیہ وشرحہا للزرقانی۔ ج۱ ص۲۳۵۔ باب: مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

السُّجُوْدِO (البقرہ:۱۲۵) کرنے والوں‘ سجدہ کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک رکھناO

حضرت سیدنا ابراہیم سے خطاب ہے: ”وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِO“ (الحج:۲۶) میرا گھر پاک رکھو طواف کرنے والوں‘ اعتکاف کرنے والوں‘ رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیےO حضرت داؤد کے احوال میں ہے: ”خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ O“ (ص:۲۴) رکوع کرتے ہوئے جھک گیا اور اللہ کی طرف رجوع کیاO حضرت مریم سے فرمایا: ”يَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَO“ (آل عمران:۴۳) اے مریم! اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرO ان آیات میں رکوع سے اس کا لغوی معنی مراد لینا قاعدے کے خلاف اور عدول عن الظاہر ہے۔

یہی علماء تصریح فرماتے ہیں: ”ان النص يحمل على حقيقة الشرعية مهما امكن“ جہاں تک ممکن ہوگا قرآن و حدیث سے شرعی معنی مراد لیا جائے گا‘ پھر دو پہلے والی اور چوتھی آیتوں میں رکوع اور سجود دونوں مذکور ہیں۔ سجدے سے شرعی معنی مراد لینا اور رکوع سے لغوی یقیناً خروج عن الظاہر ہے۔ علاوہ ازیں حدیث معراج میں یہ بھی ہے: ”ثم دخلت المسجد فعرفت النبيين ما بين قائم وراكع وساجد“[1] اس کے بعد میں مسجد اقصیٰ گیا‘ میں نے انبیاء کو پہچانا‘ کچھ قیام میں کچھ رکوع میں‘ کچھ سجدے میں تھے۔

اس حدیث پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات انبیاء کرام کی ہے‘ اور دعویٰ یہ ہے کہ رکوع اگلی اُمتوں میں نہ تھا۔

مزید افادہ

طبرانی اور بزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ہے: سب سے پہلے ہم نے جس نماز میں رکوع کیا‘ وہ عصر تھی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا۔ خاتم الحفاظ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ عصر سے پہلے‘ ظہر پڑھی تھی اور نماز پنجگانہ کے فرض ہونے سے پہلے‘ تہجد وغیرہ پڑھتے تھے۔ ان نمازوں کا رکوع سے خالی ہونا‘ اس پر قرینہ ہے کہ امم ماضیہ کی نماز میں رکوع نہ تھا‘ مگر اس کے معارض‘ حضرت عفیف کندی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے‘ وہ فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں‘ میں بغرضِ تجارت مکہ آیا اور حضرت عباس کے یہاں ٹھہرا۔ ایک دن کعبہ کے سامنے بیٹھا تھا‘ دن خوب روشن اور سورج بلند ہو چکا تھا۔ ایک جوان آئے اور آسمان کو دیکھ کر کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے‘ اس کے بعد ایک لڑکا تشریف لایا‘ یہ ان کی دائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خاتون آئیں‘ وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں‘ پھر جوان نے رکوع کیا تو یہ دونوں رکوع میں چلے گئے‘ پھر جوان نے سر اُٹھایا تو ان دونوں نے اُٹھایا‘ جوان سجدے میں گئے تو یہ دونوں بھی گئے‘ پھر میں نے حضرت عباس سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے بتایا: یہ جوان اور یہ لڑکا میرے بھتیجے ہیں۔ اور یہ خاتون خدیجہ بنت خویلد‘ ان جوان کی زوجہ ہیں‘ میرے بھتیجے فرماتے ہیں کہ آسمان و زمین کے مالک نے انہیں اس دین کا حکم دیا ہے۔ ان کے ساتھ ابھی یہی دونوں مسلمان ہیں۔ (جمان التاج بحوالہ کامل ابن عدی وابن عساکر)

اس حدیث کے ایک راوی معبد بن خثیم ازدی‘ قدرے متکلم فیہ ہیں اور پہلے والی بزار و طبرانی کا حال معلوم نہیں۔ اگر وہ حدیث صحیح یا حسن ہے‘ تو اس سے استدلال درست ورنہ نہیں۔ اس تقدیر پر نصوص قرآنیہ کے معارض کوئی لائق استدلال حدیث نہ رہے گی‘ تو رکوع کا اس اُمت کے خصائص سے ہونا ثابت نہ ہو سکے گا۔

قال ابن شهاب اخبرني ابن حزم

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن ابی حزم کو بھی ابن حزم کہتے تھے اور ان کے والد محمد بن عمرو کو بھی۔ یہاں ابوبکر بن محمد مراد ہیں اس لیے کہ ان کے والد محمد بن عمرو سے امام زہری کا سماع ثابت نہیں‘ کیونکہ امام زہری ۵۸ھ میں پیدا ہوئے یہ ۶۳ھ واقعہ حرہ میں شہید ہو گئے

[1] جمان التاج بحوالہ حسن بن عرفہ وابونعیم

تھے، مگر ابوبکر بن حزم کی ملاقات حضرت ابوحبہ رضی اللہ عنہ سے نہیں، حضرت ابوحبہ جنگ اُحد میں شہید ہو چکے تھے، اس وقت ابوبکر بن حزم بلکہ ان کے والد محمد بن حزم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس لیے کہ ان کی ولادت ۱۰ھ ہے، اس لیے یہ حدیث منقطع ہوئی۔

(فتح الباری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ ص ۳۹۱، عینی۔ ج ۴۔ کتاب الصلوٰۃ ص ۴۴، بدایہ نہایہ۔ ج ۹ ص ۳۴۱)

قال ابن حزم وانس بن مالك

"قال ابن حزم" میں یہ طے ہے کہ مراد یہ ہے کہ ابن حزم نے اپنے شیخ سے روایت کرتے ہوئے کہا۔ یہ شیخ حضرت ابن عباس بھی ہو سکتے ہیں اور حضرت ابوحبہ بھی، جیسا کہ اس کے قبل والی سند میں ہے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہو، بہر تقدیر یہ حدیث مرسل ہوئی۔ اسی طرح حضرت انس کے بارے میں دو احتمال ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ روایت بواسطہ ابوذر ہو یا کسی اور صاحب کے واسطے سے ہو، اب بھی حدیث مرسل ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے براہِ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو، اس تقدیر پر حدیث متصل ہوئی۔

فوضع شطرها...... (اللہ عزوجل نے اس کا ایک حصہ کم کر دیا)

یہاں روایتیں تین طرح آئی ہیں، ایک یہ جس میں تین بار مراجعت کا تذکرہ ہے اور پہلی مراجعت میں جو بھی تخفیف ہوئی، اس کو "شطرها" سے تعبیر کیا گیا۔ دوسری روایت جو مالک بن صعصعہ سے ہے۔ اور تیسری روایت جو بہ طریق شریک خود حضرت انس سے بلاواسطہ ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانچ بار مراجعت ہوئی۔ چار بار دس دس کی تخفیف ہوئی اور آخر میں پانچ کی۔ اس میں "فجعلها اربعين" ہے، اس سے قبل شریک کی بھی روایت میں ہے اور ثابت کی روایت میں بھی "فحط عني خمسا" ہے۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الایمان۔ ص ۹۱)

حضرت علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ بقیہ تمام روایتوں کو، ثابت والی روایت پر محمول کرنا متعین ہے، یہ ثقہ کی زیادتی ہے جو مقبول ہے، تو راجح اور محقق یہ ہوا کہ نماز میں تخفیف کے لیے مراجعت نو بار ہوئی اور ہر بار، پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف ہوئی۔

اِسْتَحْيَيْتُ من ربي...... (مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے)

ابن منیر نے کہا: یہ حیا فرمانا اس وجہ سے تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمالیا تھا کہ ہر دفعہ پانچ پانچ کی تخفیف ہو رہی ہے۔ اس اسلوب کے مطابق اب مراجعت کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا یہ سوال ہوگا کہ نماز بالکلیہ معاف کر دی جائے، اس لیے حیاء فرمایا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی یہی تھی کہ معراج کا تحفہ اُمت کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور پہنچے، نیز اخیر دفعہ فرمایا: یہ پانچ عمل میں ہیں مگر ثواب میں پچاس ہیں۔ "وَمَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ" میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ تعداد قطعی ہے، اس لیے اب تخفیف کی درخواست کے لیے واپس جاتے ہوئے حیا فرمایا۔

لا ادري ماهي

فرمایا: سدرۃ المنتہیٰ پر نامعلوم طرح طرح کے رنگ چھائے ہوئے تھے۔ مسلم میں ہے: "فراش من ذهب" سونے کے پتنگے تھے[1]۔ مسلم ہی میں ہے: "فلما غشيها من امر الله ما غشي تغيرت فما احد من خلق الله يستطيع ان ينعتها من حسنها" جب سدرہ پر اللہ کے امر سے چھا گیا جو چھا گیا تو وہ اتنا حسین ہو گیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اسے بیان نہیں کر سکتا۔ تفسیر درمنثور[2] میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ ملائکہ تھے۔ اسی میں ہے کہ سلمہ بن دہرام نے کہا: فرشتوں نے اللہ عزوجل سے عرض کیا:

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۹۷۔ کتاب الایمان۔ باب: الاسراء۔ [2] تفسیر درمنثور۔ ج ۶ ص ۱۲۶

ہمیں اجازت مرحمت فرما کہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھیں۔ انہیں اجازت ملی تو یہ پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور سدرہ پر چھا گئے۔ (ایضا)
تفسیر قرطبی میں ہے کہ امام حسن نے فرمایا کہ سدرہ پر رب العلمین کا نور چھایا تھا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سدرہ پر اللہ عزوجل کا نور چھایا ہوا تھا' کسی میں استطاعت نہیں کہ اسے دیکھ سکے' جس پر فرشتے نثار ہو رہے تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں نے سدرہ کے ہر پتے پر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے تسبیح میں مصروف تھے۔[1] درمنثور میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے پوچھا گیا: آپ نے سدرہ کے صحن میں کیا دیکھا؟ تو فرمایا: سونے کے پتنگے۔[2] تفسیر کبیر میں اس قول کو کہ سدرہ پر انوار الٰہی محیط تھے' ظاہر فرمایا۔ اس قول کی بھی تائید کی کہ یہ فرشتے تھے۔[3] ان سب میں کوئی تخالف نہیں' یہ بظاہر مختلف اجزاء ایک سلسلے کی منظم کڑیاں ہیں' ہو ایہ کہ سدرۃ المنتہیٰ پر اس خاص الخاص انوار ربانی کی تجلی ہوئی۔ حضور کی آمد آمد کی خبر سن کر فرشتوں نے زیارت کی درخواست پیش کی جو منظور ہوئی۔ فرشتے پروانوں کی طرح زیارت کے لیے اُمنڈ آئے' سونے کے پتنگوں کی طرح نظر آئے۔ سدرہ پر اس وقت ایسے خاص الخاص انوار کی تجلیات محیط تھیں کہ انہیں حضور بھی نہ پہچان سکے' تو وہ فرمایا جو اس حدیث میں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ عزوجل کی صفات غیر متناہیہ میں سے کن صفات کے ہیں یا اس کی ذات کے۔ اس کو کبھی ''من امر اللّٰہ'' سے تعبیر فرمایا۔ اسی کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰیO (النجم:۱۶) جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھاO

صاحب ایضاح البخاری کا نفی علم غیب پر فاسد استدلال اور اس کا مفصل جواب

ایضاح البخاری کے مصنف وہابی دیوبندی ہیں' جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں[4] اپنے خاتمے کا بھی حال معلوم نہیں[5] یہاں حدیث میں ان کو ''لا ادری'' مل گیا۔ بس کیا تھا طلبہ پر دھونس جمانے کی پرانی عادت رنگ لائی اور یہ فرما دیا:

آپ طرح طرح کے رنگوں کا مشاہدہ فرما رہے ہیں' لیکن یہ فرماتے ہیں کہ ان رنگوں کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔ حیرت ہے سرکارِ دوعالم ﷺ کے لیے علم غیب کا دعویٰ کرنے والے' ترمذی کی روایت'' فتجلی لی کل شیء'' سے استدلال کرتے ہیں کہ خواب میں خداوند قدوس نے آپ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور آپ کے سامنے ہر چیز روشن ہو گئی۔ یہ تو خواب کا معاملہ تھا' آپ بیداری میں مشاہدہ کے بعد بھی حقیقت کے ادراک سے انکار فرما رہے ہیں۔ اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ''فتجلی لی کل شیء'' سے علم غیب پر استدلال کی کیا حقیقت ہے جبکہ چیزوں کے سامنے آنے اور مشاہدہ ہو جانے کے بعد بھی ان چیزوں کی حقیقت کا علم ضروری نہیں۔ (ج ۱۳ ص ۲۶)

ان شیخ الحدیث صاحب کے ارشاد پر پورا کلام کرنے کے لیے تو دفتر چاہیے' ہم ناظرین کے اطمینان کے لیے چند باتیں عرض کیے دیتے ہیں:

اوّلاً: کسی مقابل پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کے عقیدے کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ جلد اوّل[6] میں حدیث جبریل کے ضمن میں ہم نے واضح کر دیا ہے کہ علم غیب کے عقیدے میں ہمارے عقیدے کے دو جز ہیں۔ ایک نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے۔

---

[1] تفسیر قرطبی۔ ج ۱۷ ص ۹۶
[2] تفسیر درمنثور۔ ج ۶ ص ۱۱۶
[3] تفسیر کبیر۔ تفسیر سورۃ النجم۔ ج ۲۳ ص ۲۹۲
[4] براہین قاطعہ ص ۵۱۔ مصنفہ خلیل احمد صاحب انبیٹھی مصدقہ رشید احمد گنگوہی
[5] تقویۃ الایمان' مصنفہ اسمٰعیل دہلوی
[6] نزہۃ القاری۔ ج ۱ ص ۳۱۸۔۳۱۹' رقم: ۴۳

اس درجے میں ہم "جمیع ما کان وما یکون" کا اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ اتنے کثیر اور وافر کا جو عالم کہنے کے لیے کافی ہو یعنی قدر معتد بہ۔ اس درجے میں دو چار چیزوں کا علم نہ ہونا غیب دانی کے منافی نہیں جیسے آپ خود شیخ الحدیث ہیں کیا آپ تمام احادیث اس طرح جانتے ہیں کہ کوئی ایک حدیث آپ سے کسی وقت مخفی نہ ہو؟ یقیناً آپ تو آپ آپ کے اساتذہ بھی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے بلکہ آپ کے کفش بردار تلامذہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے پھر آپ شیخ الحدیث کیسے ہیں؟ صرف اس ادعا کی وجہ سے نہ کہ آپ قدر معتد بہ احادیث کو جانتے ہیں۔ ہزاروں احادیث کی آپ کو ہوا بھی نہیں لگی۔ ہزاروں احادیث سے جاہل رہتے ہوئے بھی آپ حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہیں تو دو ایک باتوں کا اگر بالفرض کسی وقت حضور اقدس ﷺ کو علم نہ تھا تو یہ آپ کی غیب دانی کے منافی نہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہجرت سے ایک سال قبل ہوا۔ اس وقت تک آدھا قرآن مجید بھی نازل نہ ہوا تھا اس لیے اس وقت اگر حضور اقدس ﷺ نے ان الوان کے بارے میں فرما دیا: "لا ادری" تو یہ بھی حضور کے غیب دان ہونے کے منافی نہیں۔

ثانیاً: "جمیع ما کان وما یکون" کی تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنی تصنیفات میں فرما چکے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہ ممکنات ہیں جو پہلے موجود ہو چکے یا اس وقت موجود ہیں یا آئندہ قیامت تک موجود ہوں گے۔ وہ ممکنات جو ابھی موجود نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے ازلاً ابداً معدوم ہیں وہ اس میں داخل نہیں اور نہ ممتنعات داخل ہیں۔ اور نہ باری تعالیٰ کی ذات و صفات داخل ہیں۔ یہ ہمارا عقیدہ نہیں کہ حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کی ذات اور اس کی صفات بتمامہا جانتے ہیں۔ یا اللہ عزوجل کی حقیقت کماحقہ جانتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی ذات و صفات کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ تمام مخلوقات سے زیادہ جانتے ہیں اور اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ عزوجل کی ذات و صفات کا جتنا علم ہے اس کے مقابلے میں تمام مخلوقات حتیٰ کہ انبیاء کرام کے مجموعی علم کو بھی وہ نسبت نہیں جو قطرے کو سمندر سے اور ذرّے کو پوری دنیا کے ریگستان سے ہے مگر اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ کا علم اللہ عزوجل کی ذات و صفات کو محیط نہیں۔ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا علم کثیر در کثیر وسیع در وسیع ہونے کے باوجود متناہی ہے۔ اور اللہ عزوجل کی ذات اور صفات غیر متناہی۔ جس کا جی چاہے الدولۃ المکیہ اور خالص الاعتقاد وغیرہ دیکھ لے۔

سنئے! ترمذی میں یہ حدیث دو صحابہ کرام سے مروی ہے ایک حضرت ابن عباس سے دوسرے حضرت معاذ بن جبل سے۔

حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"فعلمت ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب میں نے جان لیا۔

مشکوۃ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عائش کی حدیث میں بھی یہی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"فعلمت ما بین المشرق والمغرب" مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب میں نے جان لیا۔

مشکوۃ[1] میں بحوالہ امام احمد اور ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "فتجلی لی کل شیء وعرفت" مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔

ثالثاً: اب جبکہ اس حدیث میں "فعلمت ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" بھی ہے اور "فعلمت ما بین المشرق والمغرب" اور "فتجلی لی کل شیء" بھی اور "عرفت" بھی ہے اور "فعلمت" بھی یعنی فرمایا: مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جو کچھ مشرق و مغرب کے درمیان ہے ان سب کو میں نے جان لیا پہچان لیا تو آپ تو دنیا

---

[1] مشکوۃ۔ باب: المساجد ومواضع السجود ص ۷۲

سے چلے گئے' مگر آپ کے تلامذہ سے سوال ہے کہ بولیں وہ کیا بولتے ہیں۔ کیا آپ لوگوں کے شیخ صاحب کے ارشاد کی اس حدیث میں کوئی گنجائش رہی؟ جو فرمایا: "فتجلی لی کل شیء" سے استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

حریف کی پوری بات اور پورا استدلال سن کر سمجھ کر اُلجھنا چاہیے۔ اپنے حریف کے اصل استدلال میں کتر بیونت کر کے اپنے جی سے نیا استدلال گھڑ کر حریف کے منہ لگنے والے کا یہی حال ہوتا ہے۔ ناظرین کے اطمینان مزید کے لیے اس حدیث کے جو معنی علمائے اہل سنت نے بیان فرمائے' اس کو بھی ملاحظہ کریں۔ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قال ابن حجر ای جمیع الکائنات اعنی فی السمٰوٰت بل وما فوقها وجمیع ما فی الا راضی السبع بل وما تحتها کما افاده اخباره علیه السلام عن الثور والحوت الذین علیهما الارضون کلها.

سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے فرمایا' مراد یہ ہے کہ میں نے تمام کائنات کو جو کچھ آسمانوں میں بلکہ ان کو بھی جو اس کے اوپر ہیں اور ان تمام کائنات کو جو ساتوں زمین میں ہیں بلکہ ان کو بھی جو زمین کے اندر ہیں' جان لیا' اس بیل اور مچھلی کے بارے میں حضور نے خبر دی جن کے اوپر ساتوں زمینیں ہیں' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری اپنی ایک توجیہ پیش کرتے ہیں:

ویمکن ان یراد بالسمٰوٰت الجهة العلیا وبالارض الجهة السفلی فیشمل الجمیع. (مرقاۃ ج ۱ ص ۴۶۳)

یہ ہوسکتا ہے کہ سمٰوٰت سے اوپر کی جہت اور ارض سے نیچے کی جہت مراد لی جائے' تو سب کو شامل ہوگا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

پس دانستم ہرچہ در آسمان وہرچہ در زمین بود عبارت ست از حصول تمامہ علوم جزئی و کلی واحاطۂ آں۔ (ج ۱ ص ۳۳۳)

جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' سب کو میں نے جان لیا' یہ تمام علوم کلی اور جزئی کے حاصل ہونے اور انہیں محیط ہونے کی تعبیر ہے۔

رابعاً: یہ سب گفتگو اس تقدیر پر تھی کہ "لا ادری" کے ظاہر معنی مراد ہوں' ورنہ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ "لا ادری ماھی" اللہ عزوجل کے اس ارشاد "اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰیO" جب سدرہ پر چھا رہا تھا وہ جو چھا رہا تھاO کے مثل ایہام کے لیے ہے۔ اس سے مقصود اس کی عظمت کا بیان ہے۔ اسے لازم نہیں کہ وہ معلوم نہ ہوں' ان کے الفاظ یہ ہیں:

هٰذا کقوله اذ یغشی السدرة ما یغشی فی ان الایهام للتفخیم والتهویل وان کان معلوما.

یہ لا ادری فرمانا ایسے ہی ہے جیسے "اذ یغشی السدرة ما یغشی" ہے' یہ ایہام تفخیم وتہویل کے لیے ہے' اگرچہ معلوم ہو۔

ایک نکتہ

مراجعت کا مشورہ دینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتخاب میں یہ حکمت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست پیش کی تھی تو ابتداءً منع فرما دیا گیا اور چالیس دن روزہ رکھنے کے بعد جو دیدار کرایا گیا' اس کا حال معلوم ہے۔ آج موسیٰ علیہ السلام سے بار بار حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کرائی جاتی ہے کہ وہ دیکھ لیں کہ ایک یہ ہیں انہوں نے جی بھر کر بہ قدر ظرف جلوہ دیکھا ہے' آپ اس تجلی کی تاب نہ لا سکے تو اس جلوے سے سرفراز ہونے والے کو دیکھیں اور ایک بار نہیں بار بار دیکھیں۔

لعلی اراھم او اری من راٰھم.

میں دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہا ہوں۔

مسائل

(۱) امام بخاری نے اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم فرمایا:

کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء. اسراء میں نماز کیسے فرض کی گئی۔

اور پھر یہ حدیث ذکر کی جس میں ''فعرج بی الی السماء'' مذکور ہے، یعنی پھر مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اسراء اور معراج ایک ہی ہے۔ اس پر پوری بحث مناقب میں آئے گی اور وہیں یہ ثابت کروں گا کہ یہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی اور یہ کہ آپ کو معراج متعدد بار ہوئی ہے۔

(۲) شوافع وغیرہ کہتے ہیں کہ وتر اور عیدین واجب نہیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں تصریح ہے کہ نمازیں صرف پانچ ہی فرض ہوئیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس وقت وتر اور عیدین کی نماز تھی ہی نہیں، یہ بعد میں واجب کی گئی۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰہ امدکم بصلوٰۃ ھی خیر لکم من حمر النعم الوتر. اللہ عزوجل نے ایک نماز زائد کر کے تمہاری مدد فرمائی، یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے، یہ وتر ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: استحباب الوتر ص ۲۰۱، ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی فضل الوتر ص ۶۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ فرمایا:

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ثلثا. وتر حق ہے، جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، تین بار یہی فرمایا۔

(ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: استحباب الوتر ص ۲۰۱)

ایک حدیث [1] میں ہے: ''زادکم صلوٰۃ'' اللہ عزوجل نے ایک نماز زیادہ فرمائی ہے، مگر چونکہ وتر کا وجوب خبر واحد سے ثابت ہے، جو مفید قطعیت نہیں، اس لیے ہم نے اسے واجب کہا، فرض نہیں کہا۔

(۳) ثابت ہوا کہ آسمان میں دروازے ہیں اور ان پر فرشتے مقرر ہیں، جو اس کے محافظ ہیں۔

(۴) اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے، ابن صالح کہہ کے خوش آمدید کہا۔

(۵) اپنی اولاد اور متعلقین کی اچھی حالت پر خوش ہونا انبیاء کرام کی سنت ہے۔

(۶) اگر اس کا اندیشہ نہ ہو کہ آدمی گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے گا تو اس کے منہ پر اس کی تعریف جائز ہے۔

(۷) جنت اور دوزخ پیدا ہو چکے ہیں اور موجود ہیں۔

(۸) پہلے پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں، پھر تخفیف کے بعد پانچ وقت کی رہ گئیں۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا کہ عبادت کا اس پر عمل سے پہلے بلکہ مامورین کے علم میں آنے سے پہلے منسوخ ہونا جائز ہے، مگر حقیقت میں یہ نسخ ہے ہی نہیں بلکہ اپنے مقصود کو تھوڑا تھوڑا رفتہ رفتہ بیان کرنا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم لوگ جنتیوں کے چوتھائی ہو؟ اس پر خوشی میں ہم نے تکبیر کہی، پھر فرمایا: کیا تم لوگ یہ پسند کرتے ہو کہ جنتیوں کی تہائی ہو؟ اس پر ہم نے تکبیر کہی، پھر فرمایا: کیا تم لوگ پسند کرتے ہو کہ تم لوگ جنتیوں کے آدھے ہو؟ اس پر ہم نے تکبیر کہی [2] اظہار محبت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی سے

---

[1] عینی۔ ج ۴ ص ۷۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء۔ (حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر ہے)

مقصود ہوتا ہے ہلکا کام لینا مگر پہلے بڑے کام کو کہتے ہیں' جب دیکھتے ہیں کہ یہ کچھ عذر کر رہا ہے تو اور ہلکا کر دیتے ہیں' پھر اور ہلکا کر دیتے ہیں یہاں تک کہ مقصود پر معاملہ رک جاتا ہے۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے۔

(۹) ملاقات کرنے والے کا استقبال اس کے شایانِ شان کرنا چاہیے اور اس کے اوصاف' کمال کا تذکرہ کر کے اس کا استقبال کرنا چاہیے۔ اللہ عزوجل کے احکام لکھے جاتے ہیں۔

(۱۰) اس سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی چاہیے کہ علمی باتوں کو قلم بند کر لیا کریں۔

۲۴۳- ح: فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ حِيْنَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ

[اللہ عزوجل نے جب نماز فرض کی تو دو دو رکعتیں فرض کیں]

۲۴۳ - عَنْ عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ حِيْنَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ.

حضرت عائشہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جب نماز فرض کی تو دو دو رکعتیں سفر اور حضر دونوں میں فرض کیں' پس سفر کی نماز (دو رکعت) باقی رکھی گئی اور حضر کی نماز میں زیادتی کر دی گئی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کیف فرضت الصلوٰۃ ص ۵۱' بخاری۔ ایضاً۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: یقصر اذا خرج من موضعہ ص ۱۴۸' بخاری۔ ایضاً۔ کتاب بنیان الکعبۃ۔ باب بلا عنوان ص ۵۶۰' مسلم۔ ج ا۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: فرضت الصلوٰۃ رکعتین ص ۲۴۱۔ ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: صلوٰۃ المسافر ص ۱۶۹' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کیف فرضت الصلوٰۃ ص ۷۹' موطا امام مالک۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: قصر الصلوٰۃ فی السفر ص ۵۵' دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۱۷۹)

مناسبت

حدیث اسراء سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نماز پانچ وقت فرض ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اب جو رکعتوں کی تعداد ہے وہی تعداد اسراء میں بھی تھی یا کم و بیش تھی۔ امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کر کے بتا دیا کہ اسراء میں تمام نمازیں صرف دو رکعت تھیں' جو اضافہ ہے وہ بعد کا ہے' البتہ بروایت مشہور مغرب پہلے بھی تین رکعت تھی اب بھی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ مغرب بھی پہلے دو ہی رکعت تھی' بعد میں ایک رکعت کا اضافہ ہوا' مگر راجح وہی ہے کہ مغرب ابتداء ہی سے تین رکعت ہے۔ سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت اُم المؤمنین نے فرمایا: ابتداء میں نماز دو دو رکعت تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اطمینان ہو گیا تو مغرب کے علاوہ اور نمازوں میں دو رکعت کا اضافہ فرمایا' مغرب میں اس لیے نہیں اضافہ فرمایا کہ یہ دن کی نماز کا وتر ہے۔ اسی طرح مسند امام احمد میں بھی ہے' اُم المؤمنین نے فرمایا: مغرب کے علاوہ بقیہ نمازوں میں اضافہ ہوا' یہ شروع ہی سے تین ہے۔ یہ اضافہ ہجرت سے کم و بیش ایک سال کے بعد ہوا۔

سفر میں دو رکعت پڑھنا عزیمت یا رخصت؟ اختلاف ائمہ

احناف اور ائمہ ثلٰثہ کے مابین اس سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ سفر میں دو رکعت پڑھنی عزیمت ہے یا رخصت؟ اس کا حاصل یہ ہے کہ مسافر کو دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر کوئی چار پڑھے تو چاروں فرض ہوں گی یا دو رکعت فرض اور

ع مسلم۔ ج ا ص ۱۱۷۔ کتاب الایمان۔ باب: کون ھذہ الامۃ شطر اھل الجنۃ' ترمذی۔ ج ۲ ص ۷۷۔ کتاب صفۃ الجنۃ۔ باب: کم صف اھل الجنۃ' ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ باب: سورۃ حج ص ۱۴۶' ابن ماجہ۔ کتاب الزہد۔ باب: صفۃ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۲۶' مسند امام احمد

دو رکعت نفل۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ عزیمت ہے' اس لیے مسافر کو چار رکعت فرض پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھے گا تو فرض دو ہی رکعت ہوں گی اور بقیہ دو نفل۔ احناف کی دلیل یہ حدیث زیر بحث ہے' اس طرح کہ حضرت اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ فرض دو دو رکعتیں ہوئی تھیں' سفر میں یہی باقی رکھی گئیں' حضر میں دو کا اضافہ ہوا' تو ثابت ہوا کہ سفر میں فرض دو ہی رکعت ہے' اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہماری مستدل ہیں۔ مسلم' نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

فرض اللّٰه الصلوٰة علی لسان نبیکم فی الحضر اربع رکعات وفی السفر رکعتین۔ — اللہ عزوجل نے تمہارے نبی کی زبان پر' حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض فرمائی ہیں۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: فرضت الصلوٰة رکعتین ص ۲۴۱' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰة۔ باب: کیف فرضت الصلوٰة ص ۷۹' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰة۔ باب: تقصیر الصلوٰة فی السفر ص ۲۱۱' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰة۔ باب: تقصیر الصلوٰة ص ۷۶)

یہی حدیث طبرانی نے ان الفاظ میں روایت کی ہے:

افترض رسول اللّٰه ﷺ رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعا. (عینی۔ ج ۴ ص ۵۲) — رسول اللہ ﷺ نے سفر میں دو رکعتیں فرض فرمائیں جیسے حضر میں چار فرض فرمائیں۔

نیز نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی' انہوں نے فرمایا:

صلوٰة السفر رکعتان وصلوٰة الاضحٰی رکعتان وصلوٰة الفطر رکعتان وصلوٰة الجمعة رکعتان تمام غیر قصر علی لسان نبیکم محمد صلی الله علیه وسلم. — سفر میں نماز دو رکعت ہے' بقر عید کی نماز دو رکعت ہے' عید الفطر کی نماز دو رکعت ہے' جمعہ کی نماز دو رکعت ہے' کامل ناقص نہیں' تمہارے نبی محمد ﷺ کی زبان پر۔

(نسائی۔ ج ۱۔ عیدین۔ باب: عدد صلوٰة العیدین ص ۲۳۲' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰة۔ باب: تقصیر الصلوٰة فی السفر ص ۷۶)

ائمہ ثلثہ امام مالک' امام شافعی' امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں جو یعلیٰ بن مرہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: مجھے تعجب ہے کہ لوگ آج بھی نماز میں قصر کرتے ہیں' حالانکہ اللہ عزوجل نے یہ فرمایا ہے:

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ کافر کہیں تمہیں ایذا نہ دیں'' (النساء: ۱۰۱)۔

یہ اندیشہ آج نہیں رہا۔ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا' میں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

صدقة تصدق اللّٰه بها علیکم فاقبلوا صدقته. — اللہ عزوجل کا عطیہ ہے جو اس نے تم کو دیا' اسے قبول کرو۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: فرضت الصلوٰة رکعتین ص ۲۴۱' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰة۔ باب: صلوٰة السفر ص ۱۷۰' ابن ماجہ۔ اقامۃ کتاب الصلوٰة۔ باب: تقصیر الصلوٰة فی السفر ص ۷۶' ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: سورة النساء ص ۱۲۸' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب تقصیر الصلوٰة فی السفر ص ۲۱۱)

نیز حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کان رسول اللّٰه ﷺ یقصر فی الصلوٰة ویتم ویفطر ویصوم. (عینی۔ ج ۴ ص ۵۲۷ بحوالہ دار قطنی) — رسول اللہ ﷺ نماز میں قصر بھی کرتے تھے اور پوری بھی پڑھتے تھے اور روزہ چھوڑتے بھی تھے اور رکھتے بھی تھے (یعنی سفر میں)۔

ہمارا جواب

پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ ”اقبلوا صدقتہ“ فرمایا' اللہ کا عطیہ قبول کرو' یہ صیغہ امر ہے۔ اور امر وجوب کے لیے ہے۔ اب بندے کو یہ اختیار نہ رہا کہ اسے قبول کرے یا نہ کرے بلکہ بندے پر واجب ہے کہ اسے ضرور قبول کرے' اس لیے اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سفر میں قصر واجب ہے۔ یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ ان حضرات کی۔

حضرت عائشہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کے معارض بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد ہے' انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا اور حضرت ابوبکر کے ساتھ' حضرت عمر کے ساتھ' حضرت عثمان کے ساتھ بھی رہا مگر کسی نے دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔ (بخاری۔ ج ا۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: ما جاء فی التقصیر ص ۱۴۷' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ المسافرین۔ باب: فرضت الصلوٰۃ رکعتین ص ۲۴۲' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب السفر۔ باب: التقصیر فی السفر ص ۷۱' نسائی۔ ج ا۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ ص ۲۱۱' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: تقصیر الصلوٰۃ فی السفر ص ۷۶)

ت ۸۳ - وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ وَّفِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں گھنڈی لگا لے اگرچہ ایک ہی کانٹے سے۔ اور اس کی سند میں کلام ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الرجل یصلی فی قمیص واحد ص ۹۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی قمیص واحد ص ۱۲۴)

توضیح باب

یہاں باب کے پانچ عنوان ہیں' پہلا اور دوسرا عنوان یہ ہے: ”وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب وقول اللّٰہ عزوجل خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ کپڑوں میں نماز کے واجب ہونے اور اللہ عزوجل کے اس قول کا بیان: اے بنی آدم! جب مسجد میں جاؤ تو اپنی زینت کر لو یعنی کپڑے پہن لیا کرو۔ یہ دونوں عنوان ایک ہی ہیں۔ یہ اس آیت کریمہ کے شانِ نزول کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

(زمانہ جاہلیت میں) عورت ننگی ہو کر طواف کرتی اور کہتی: مجھے کوئی طواف کا کپڑا دے' اگر کوئی دے دیتا تو اسے اپنی شرمگاہ پر ڈال لیتی۔ (اور کہتی:) آج کچھ یا کل کھلا ہے اور جو کھلا ہے' اسے کسی کے لیے حلال نہیں کرتی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ ص ۴۲۲)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس آیت میں زینت سے مراد ستر عورت ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں زینت سے مراد ستر عورت ہے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ ستر عورت مطلقاً فرض ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں فرض ہے یا سنت۔ ہمارا اور امام شافعی اور عام علماء کا مذہب یہ ہے کہ ستر عورت نماز میں بھی فرض ہے' البتہ امام مالک کے نزدیک نماز میں سنت ہے۔ اختلاف کا اثر یہ ہو گا کہ اگر کوئی گھر کے اندر تنہائی میں بغیر ستر عورت نماز پڑھے گا تو ہمارے اور جمہور کے نزدیک نماز نہ ہوگی۔ اور امام مالک کے یہاں ہو جائے گی' اگرچہ کراہت کے ساتھ۔

تکمیل

تعلیق: ۸۳ پوری یہ ہے: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں شکار کرتا ہوں تو کیا صرف کرتا پہنے پہنے نماز پڑھ لوں؟ فرمایا: پڑھ لے اور اس میں گھنڈی لگا لے اگرچہ ایک کانٹے ہی سے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے تعلیقاً صیغہ تمریض یعنی

"یـذکـر" سے ذکر کرنے کی وجہ خود ہی ظاہر فرمادی کہ اس کی اسناد میں نظر ہے۔ نظر یہ ہے کہ اس حدیث کی ایک سند تو یہ ہے: "عن موسی بن ابراھیم عن سلمة بن الاکوع" دوسری سند خود امام بخاری نے بہ طریق اسمٰعیل بن ابی ادریس یہ ذکر کی عن موسیٰ بن ابراہیم عن ابیہ عن سلمۃ اس میں ایک راوی ابراہیم کا اضافہ ہے۔ تیسری سند خود امام بخاری نے بہ طریق عطاف یہ ذکر کی: "حدثنا موسٰی بن ابراھیم قال حدثنا سلمة" اس میں یہ تصریح ہے کہ موسیٰ بن ابراہیم نے حضرت سلمہ سے خود براہِ راست سنا ہے۔ اب یہاں یا تو اسماعیل بن ابی ادریس کی سند میں ایک راوی کا اضافہ وہم ہے۔ یا عطاف کی سند میں تحدیث کی تصریح وہم ہے۔ ایک اُلجھن یہ بھی ہے کہ امام طحاوی نے بہ طریق دراوردی جو سند ذکر کی، اس میں موسیٰ بن محمد بن ابراہیم ہیں، اس نام سے دو راوی مشہور ہیں، ایک تیمی دوسرے مخزومی، تیمی کا سلسلۂ نسب یہ ہے: موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن الحارث۔ اور مخزومی کا یہ ہے: موسیٰ بن ابراہیم ابن عبدالرحمٰن ابن ابی ربیعہ۔ شہرت دونوں کی موسیٰ بن ابراہیم ہی سے ہے۔ تیمی اپنے دادا کی طرف اور مخزومی اپنے والد کی طرف منسوب ہیں، موسیٰ بن محمد بن ابراہیم یقیناً تیمی ہیں۔ امام بخاری اور ابن حبان نے بہ طریق دراوردی ہی موسیٰ بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ کہا، جس سے متعین ہو رہا ہے کہ یہ مخزومی ہیں اور امام طحاوی کی سند سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ تیمی ہیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ موسیٰ بن ابراہیم تیمی اور مخزومی دونوں نے حضرت سلمہ سے یہ حدیث اخذ کی ہے اور دراوردی نے دونوں سے روایت کیا۔ امام طحاوی کی روایت کو شاذ کہنا غلط ہے، اس لیے کہ امام طحاوی ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

چوتھا عنوان یہ ہے: "ومن صلی فی الثوب الذی یجامع فیه ما لم یر فیه اذی" اور جو اس کپڑے میں نماز پڑھے جس میں جماع کیا گیا اگر اس میں نجاست نہ دیکھے۔ یہ عنوان بھی ایک حدیث سے ماخوذ ہے، جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انہوں نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز پڑھتے تھے جس میں جماع کرتے، انہوں نے کہا: اگر اس میں ناپا کی نہ دیکھتے تو اس میں نماز پڑھتے۔ (ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الصلٰوة فی الثوب الذی یصب اهلهٗ فیه ص ۵۳، نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المنی یصیب الثوب ص ۵۶، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الصلوة فی الثوب الذی یجامع فیه ص ۴۱)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ منی ناپاک ہے اور دوسری یہ کہ جب معلوم ہو کہ یہ کپڑا ناپاک ہے تو جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ اس میں نجاست لگ گئی ہے وہ پاک ہے۔ باب کے اس عنوان سے ظاہر ہوا کہ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس زمانے کے غیر مقلدین اور حقیقت میں امام بخاری کے مقلدین ذرا اس جگہ دیکھ لیں۔

ت ۸۴ - وَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا: کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

یہ عنوان بھی ایک حدیث کا جز ہے جسے خود امام بخاری نے اس کے بعد والے آٹھویں باب میں سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں اعلان کرنے والوں کے ساتھ مجھے منٰی میں بھیجا کہ یہ اعلان کر دیں: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا طواف کر سکتا ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلاۃ۔ باب: ما یستر من العورة ص ۵۳)

اس حج سے مراد اسلام کا پہلا حج ہے جو ۹ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت میں ہوا تھا۔

۲۴۴ - ح - صَلّٰى جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ [حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک تہبند میں اس طرح نماز پڑھی کہ اسے گدی پر باندھ لیا تھا]

۲۴۴ - عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلَّى جَابِرٌ فِيْ إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

محمد بن منکدر نے کہا: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تہبند میں اس طرح نماز پڑھی کہ اسے گدی پر باندھ لیا تھا' حالانکہ ان کے کپڑے مشجب پر رکھے ہوتے۔ اس پر کسی نے ان سے کہا: آپ صرف ایک تہبند میں نماز پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا: میں نے یہ اس لیے کیا ہے تا کہ تمہارے جیسا احمق دیکھے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: عقد الازار علی القفا فی الصلوٰۃ ص ۵۱)

۲۴۵ - عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرًا يُّصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ. (ایضاً)

محمد بن منکدر نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں' اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

مشجب کا معنی

مشجب کا ترجمہ کسی نے کھونٹی کیا ہے' کسی نے تپائی' کسی نے اسٹینڈ' مگر یہ سب غلط' اُردو میں اس کے لیے کوئی لفظ نہیں۔ فتح الباری اور عینی میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں: تین لکڑیوں کے سرے ملا کر کھڑی کر دیتے تھے اور نیچے پھیلائے رکھتے۔ اسے مشجب کہتے' یہ کپڑا رکھنے کے کام میں آتا تھا۔

وثیابہ موضوعۃ

کپڑا ہوتے ہوئے صرف ایک کپڑے میں نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حضرت جابر کا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے۔ حدیث سے ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں لوگوں کے پاس کپڑے سے بہت کم تھے' اس لیے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

فقال قائل

یہ کہنے والے عبادہ بن الولید بن عبادہ بن صامت تھے' جیسا کہ مسلم میں حضرت جابر کی حدیث طویل میں تصریح ہے۔

مطابقت

یہاں باب یہ ہے: ''عقد الازار علی القفا فی الصلوٰۃ'' نماز کی حالت میں تہبند کو ''گدی'' پر باندھنا۔

دوسری حدیث کو باب سے تعلق نہیں۔ امام بخاری اس حدیث کو اثبات باب کے لیے لائے ہی نہیں کہ مطابقت تلاش کی جائے' اس کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ پہلی والی حدیث کا مرفوع ہونا صریح نہیں اور یہ صراحۃً مرفوع ہے۔ یہ حدیث لا کر پہلی والی حدیث کے رفع کو مؤکد کر دیا' مگر ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے لیے یہ لازم نہیں کہ اسے گدی پر باندھ کر پڑھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسے گدی پر باندھے بغیر لپیٹ کر نماز پڑھیں' مگر سائل کو حیرت اس پر نہیں تھی کہ گدی پر کیوں باندھا؟ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر تھی۔ اس کا جواب ہو گیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے۔

ت۸۵- قَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْ حَدِيْثِهِ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الْاِشْتِمَالُ

امام زہری نے اپنی حدیث میں کہا: ''ملتحف'' ''متوشح'' ہے' یہ وہ شخص ہے جو کپڑے کے دونوں کنارے ان کے مخالف

عَلٰی مَنْکِبَیْہِ. کندھوں پر ڈالے اور یہی کندھوں پر لپیٹنا بھی ہے۔

لغات

"مُلْتَحِفٌ"، "مِلْحَفٌ"، "مِلْحَفَةٌ" سے اسم فاعل ہے۔ ملحف اور ملحفہ چادر یا اوپر کے لباس کو کہتے ہیں۔ التحاف کے لغوی معنی چادر کو پورے جسم پر لپیٹنے کے ہیں۔ "المتوشح"، "توشح" کا اسم فاعل ہے۔ اس کے معنی ہیں: کپڑے کو بغل کے نیچے سے نکال کر کاندھے پر ڈالنا' اشتمال کے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ چادر کے دائیں کنارے کو بائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال کر اور بائیں کنارے کو دائیں بغل سے نکال کر دائیں کندھے پر ڈال کر سینے پر لا کر باندھنا۔ اور اگر کپڑا بڑا ہو تو اسے بغیر باندھے چھوڑ دینا۔ (تیسیر القاری۔ ج ۲ ص ۱۴۰' شیخ الاسلام ج ۲۔ ۳۶۳)

تکمیل

یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ اور طحاوی[1] میں پوری یوں ہے: محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے اپنی اس حدیث میں جسے التحاف کے بارے میں عن سالم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔ یہ کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ چادر میں لپٹ کر نماز پڑھ رہا ہے' تو اس سے کہا: تم لوگ چادر لپیٹ کر نماز نہ پڑھو اور یہودیوں سے مشابہت نہ کرو۔ اگر کسی کے پاس ایک سے زائد کپڑا نہ ہو تو اس کا تہبند بنا لے۔ اسی کے مثل مسند امام احمد میں بھی امام زہری سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

۲۴۶- ح: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھتے دیکھا

۲۴۶- عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ اَخْبَرَهٗ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُّشْتَمِلًا بِہٖ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَیْہِ عَلٰی عَاتِقَیْہِ.

حضرت عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُم سلمہ کے گھر میں ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ اس کے کناروں کو اپنے کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی الثوب الواحد ملتحفا بہ ص ۵۲' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی ثوب واحد ص ۱۹۸' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: فی الصلوۃ فی الثوب الواحد ص ۴۵' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی الثوب الواحد ص ۴۷' مسند امام احمد)

ابھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جو حدیث بہ طریق ابن شہاب گزری ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک چادر میں لپٹ کر' نماز پڑھنی ممنوع ہے۔ اس کا ایک محمل تو وہی ہے کہ جب دو کپڑے ہوں اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دو کپڑے نہ ہوں تو صرف ایک کپڑے کو اس طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسے یہود لپیٹتے تھے' بلکہ چاہیے کہ اسے ٹانک لے۔ اس کی تائید حضرت ابن عمر ہی کی دوسری حدیث سے ہوتی ہے' انہوں نے نافع کو دو کپڑے عطاء فرمائے' پھر دیکھا۔ کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں اور اسے لپیٹے ہوئے ہیں' ان سے حضرت ابن عمر نے فرمایا: اگر تم گھر کے باہر کسی کام سے جاؤ گے تو دونوں کو پہنو گے یا نہیں؟ نافع نے عرض کیا: دونوں کو پہنوں گا' تو فرمایا: اللہ کے حضور زیب و زینت زیادہ ضروری ہے یا لوگوں کے سامنے؟ نافع نے عرض کیا: اللہ کی بارگاہ میں زیب و زینت زیادہ لائق ہے۔ اب حضرت ابن عمر نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہودیوں

[1] طحاوی۔ ج ا ص ۱۸۳۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی الثوب الواحد

کی طرح کپڑا لپیٹ کر نماز نہ پڑھو جس کے پاس دو کپڑے ہوں تو ایک کا تہبند بنا لے اور ایک کو اوڑھ لے اور اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اس کا تہبند بنا کر نماز پڑھے۔ (طحاوی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ص ۱۸۴)

۲۴۷- ح: لَا يُصَلِّيْ اَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

[ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھنا]

۲۴۷- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ اَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقِهٖ شَيْءٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھو کہ کندھے پر کپڑے کا کچھ حصہ نہ ہو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقه ص ۵۰' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ص ۱۹۸' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ص ۴۵' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: جماع الثوب ما یصلی فیه ص ۹۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ص ۱۲۵' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ص ۷۴' مسند امام احمد)

۲۴۸- ح: مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ (الخ)

[جو ایک کپڑے میں نماز پڑھے]

۲۴۸- عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُهٗ اَوْ كُنْتُ سَاَلْتُهٗ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ.

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرما رہے تھے: جو بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھے' وہ اس کا کنارہ مخالف سمت ڈال لے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقه ص ۵۲' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: جماع الثوب ما یصلی فیه ص ۹۲)

یہاں باب کا عنوان یہ ہے: جب ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کا کچھ حصہ اپنے کندھے پر ڈال لے۔ پہلی حدیث کو باب سے صراحۃً مطابقت ہے اور دوسری کو لزوماً' اس طرح کہ کپڑے کے دونوں کناروں میں مخالفت اسی وقت ہوگی جبکہ اس کا ایک کنارہ کندھے پر ضرور ہو۔

قال سمعته او كنت سالته

یہ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے' یہ شک انہیں کو ہوا کہ حضرت عکرمہ نے یہ حدیث بغیر پوچھے بیان کی تھی اور میں نے سنی یا میں نے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا اور میں نے سنا۔ ابوداؤد کی روایت میں بغیر شک بہ طریق عنعنہ مذکور ہے۔

۲۴۹- ح: فَاِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهٖ وَاِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهٖ

[اگر کپڑا چوڑا ہو تو اسے لپیٹا کرو اور تنگ ہو تو تہبند بنا لو]

۲۴۹- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَاَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ خَرَجْتُ

سعید بن حارث نے کہا: ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک کپڑے میں نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا

مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ اَمْرِيْ فَوَجَدْتُّهٗ يُصَلِّيْ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَّاحِدٌ فَاشْتَمَلْتُ بِهٖ وَصَلَّيْتُ اِلٰى جَانِبِهٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَا السُّرٰى يَا جَابِرُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِحَاجَتِيْ فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ مَا هٰذَا الْاِشْتِمَالُ الَّذِيْ رَاَيْتُ قُلْتُ كَانَ ثَوْبًا قَالَ فَاِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهٖ وَاِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهٖ.

کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ بعض سفر میں گیا تھا' ایک رات اپنی ضرورت کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور کو نماز پڑھتے پایا اور میرے بدن پر ایک ہی کپڑا تھا' میں نے اسے لپیٹ لیا اور حضور کے پہلو میں نماز پڑھی' جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا: اے جابر! رات میں آنے کی وجہ کیا ہے؟ میں نے اپنی ضرورت عرض کی' جب میں ضرورت عرض کر چکا تو فرمایا: یہ جو میں نے (تجھے) دیکھا (تیرا اس طرح) کپڑے میں لپٹنا کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا: کپڑا ایک ہی تھا' تو آپ نے فرمایا: اگر کپڑا چوڑا ہو تو اسے لپیٹا کرو اور تنگ ہو تو تہبند بنالو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا کان الثوب ضیقا ص ۵۲' مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الزہد۔ باب: حدیث جابر الطویل ص ۴۱۷' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا کان الثوب ضیقا ص ۹۳' مسند امام احمد)

یہ سفر غزوہ بُواط کا تھا' جیسا کہ مسلم میں ہے: بواط جہینہ کے پہاڑوں کو کہتے ہیں' یہ ذی خشب کے اطراف میں مدینہ طیبہ سے چار منزل کے فاصلے پر ہے۔ یہ غزوہ ۲ھ میں ہوا تھا۔ ہجرت کے تیرہ مہینہ بعد ربیع الاوّل یا ربیع الآخر میں۔

(زرقانی علی المواہب ج ا ص ۳۹۳)

ما هٰذا الاشتمال

اس سے مراد اشتمال الصماء ہے' یعنی کپڑے میں اس طرح لپٹ جانا کہ ہاتھ باہر نہ ہو' اس طرح نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی کپڑا چادر تہبند کی قسم سے ہو تو اگر وہ اتنا لمبا چوڑا ہے کہ اسے اس طرح اوڑھا جاسکتا ہے کہ پورا بدن مع "عورت" کے چھپ جائے تو اسے اوڑھ لے اور اگر چھوٹا ہے تو تہبند باندھ لے تاکہ ستر عورت ہو جائے۔

۲۵۰- ح: يُصَلُّوْنَ عَاقِدِيْ اُزُرِهِمْ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ

[تہبند گردنوں پر باندھ کر نماز پڑھنا]

۲۵۰- عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ اُزُرِهِمْ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ وَيُقَالُ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوْسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا.

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے ساتھ کچھ لوگ بچوں کی طرح اپنے تہبند گردنوں پر باندھ کر نماز پڑھتے تھے' اور عورتوں سے کہا جاتا کہ اپنے سروں کو اس وقت تک نہ اُٹھاؤ جب تک مرد سیدھے بیٹھ نہ جائیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا کان الثوب ضیقا ص ۵۲' بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: عقد الثیاب وشدها ص ۱۱۳' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: امر النساء ان لا یرفعن رؤسهن حتی یرفع الرجال ص ۱۸۲' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الرجل یعقد الثوب فی قفاہ ص ۹۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی قمیص واحد ص ۱۲۴' مسند امام احمد)

اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو' عورت (ستر) کے علاوہ اور جسم کو بھی چھپائے۔ دوسرا یہ کہ اگر مصلی (نمازی) نے عورت چھپالی ہے' مگر پھر بھی اس پر کسی دوسرے کی نظر پڑ جائے تو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑے گا۔

یقال للنساء

فتح الباری میں جونسخہ ہے اس میں ''یقال'' کے بجائے ''قال'' ہے اس سے ظاہر ہوگیا کہ بعد والا جملہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔ وکیع کی روایت میں ہے: ''فقال قائل یا معشر النساء'' کسی کہنے والے نے کہا: اے عورتوں کے گروہ! دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا ہو اس نے یہ اعلان کیا ہو۔ علامہ ابن حجر کا اندازہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ حضرت بلال ہوں۔

ت۸۶ - وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الثِّيَابِ يَنْسُجُهَا الْمَجُوسُ لَمْ يَرَ بِهَا بَأْسًا. امام حسن بصری نے فرمایا: مجوس جو کپڑے بنتے ہیں ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

نعیم بن حماد نے سند متصل کے ساتھ ان الفاظ میں روایت کیا:

لاباس بالصلوٰة فی الثوب الذی ینسجه المجوس قبل ان یغسل. جس کپڑے کو مجوسی بنیں انہیں دھونے سے پہلے ان میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لم یر

میں دونوں روایتیں ہیں معروف بھی اور مجہول بھی۔ معروف کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام حسن اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے اور مجہول کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے زمانے میں کوئی حرج نہیں جانا جاتا تھا یعنی اس عہد کے فقہاء اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

ت۸۷ - وَقَالَ مَعْمَرٌ رَأَيْتُ الزُّهْرِيَّ يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ. (مصنف عبدالرزاق) اور معمر نے کہا: میں نے امام زہری کو دیکھا کہ وہ یمن کے وہ کپڑے پہنتے تھے جو پیشاب سے رنگے جاتے تھے۔

امام زہری کا یہ فعل اس پر محمول ہے کہ اسے دھوکر پہنتے تھے یا یہ کہ یہ پیشاب حلال جانوروں کا ہوتا تھا۔ حلال جانوروں کا پیشاب ان کے نزدیک پاک ہے۔

ت۸۸ - وَصَلَّى عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي ثَوْبٍ غَيْرِ مَقْصُورٍ. (ابن سعد) اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بغیر دُھلے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھی۔

مراد یہ ہے کہ نیا کپڑا بغیر دھوئے پہنتے تھے۔

مطابقت

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے: جبہ شامیہ میں نماز کا بیان۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلموں کے تیار کیے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ جبہ شامیہ اگرچہ مذکور ہے مگر نہ جبے کی تخصیص ہے نہ شامی کی۔ شام اس عہد میں دار الحرب تھا اس لیے بطور لزوم ثابت ہوا کہ ہر کافر کے تیار کیے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ اب امام حسن بصری کا ارشاد باب کے مطابق ہوگیا۔ رہ گئے حضرت زہری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر تو ان کو باب سے مطابقت نہیں۔ یہ دونوں اثر ضمناً استطراداً ذکر فرما دیئے۔ وہ بھی اس بناء پر کہ ان دونوں کو اس سے یک گونہ مناسبت ہے۔ وہ یہ کہ حضرت حسن کے اثر سے ثابت ہوا کہ کپڑوں میں اصل طہارت ہے اور یہی ان دونوں اثروں کا بھی مفاد ہے۔

مسائل

ان تعلیقات سے یہ ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے' جب تک دلیل سے نجس ہونا ثابت نہ ہوا سے پاک ہی مانا جائے گا۔ دلیلیں دو ہیں: ایک اپنا مشاہدہ' دوسرے عادل ثقہ کی خبر' بغیر اس کے کسی چیز کو ناپاک کہنا شریعت پر زیادتی ہے۔

کفار کے تیار کردہ کپڑوں کا حکم

کفار کے تیار کیے ہوئے اور استعمال کردہ کپڑوں کے بارے میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے' ہمارا اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب تک نجاست کا ثبوت شرعی نہ ملے' ان کا پہننا بھی جائز اور ان میں نماز بھی بلا کراہت درست۔ امام مالک نے فرمایا کہ انہیں پہن کر نماز پڑھنی مکروہ' واجب الاعادہ ہے۔

مولانا انور شاہ کا اجتہاد..... اور اس کا ردّ

امام بخاری نے جو باب یہاں منعقد کیا ہے' اس پر فیض الباری میں ہے: اس باب سے یہ ظاہر ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غیر عرب کے وضع کے کپڑے میں نماز جائز ہے۔ افسوس ہے کہ ان کی نظر اس طرف نہیں گئی کہ اس عہد میں غیر عرب کفار تھے اور کفار کی وضع کے کپڑے پہننا بہ حکم حدیث ممنوع۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''ایاکم وزیّ الا عاجم'' عجمیوں کی وضع سے بچو' اور فرمایا: ''من تشبه بقوم فهو منهم'' جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ اس لیے امام بخاری سے یہ مستبعد ہے کہ وہ کفار کی وضع کے کپڑوں کو جائز کہہ دیں گے اور ان میں نماز کی اجازت دے دیں گے۔ یہاں کشمیری صاحب کو دھوکا لگا۔ جبہ شامیہ شام میں بنتا تھا گر اہل عرب میں بہ کثرت رائج تھا' اس لیے وہ کفار کی وضع نہ تھا۔

۲۵۱- ح: فَمَا رُءِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا

[اس کے بعد کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا]

۲۵۱- سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ اِزَارُهٗ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهٗ يَا ابْنَ اَخِي لَوْ حَلَلْتَ اِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهٗ فَجَعَلَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُءِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ والوں کے ساتھ کعبہ کے لیے پتھر ڈھوتے تھے اور حضور صرف تہبند پہنے تھے۔ حضور سے حضرت عباس حضور کے چچا نے کہا: اے بھتیجے! کاش کہ تم تہبند کھول کر پتھر کے نیچے کندھے پر رکھ لیتے۔ راوی نے کہا: حضور نے تہبند کھول کر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ حضور فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑے' اس کے بعد کبھی ننگے نہیں دیکھے گئے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کراهة التعری ص ۵۲' بخاری۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: قوله تعالٰى واذ جعلنا البيت ص ۲۱۵' بخاری۔ ج ا۔ باب: بنيان الكعبه ص ۵۴۰' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الاعتناء بحفظ العورة ص ۱۵۴' مسند امام احمد)

حضور ﷺ کا تہبند کھول کر کندھے پر رکھنے کا واقعہ

ان میں علمائے سیر کا اختلاف ہے کہ یہ کب کا واقعہ ہے؟ ابن اسحاق وغیرہ نے کہا کہ اس وقت حضور کی عمر مبارک پینتیس سال کی تھی۔ محمد بن جبیر اور مجاہد کا قول ہے کہ پچیس سال تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں اسی کو اختیار کیا۔ ایک قول ہے کہ پندرہ سال تھی زیادہ مشہور قول اول ہے۔ (زرقانی ج ا ص ۲۰۳)

ہوا یہ کہ کعبہ میں ایک عورت دھونی دے رہی تھی' چنگاری اُڑ کر کعبہ کے کپڑوں پر جا پڑی جس سے کعبہ جل گیا۔ جلنے سے کعبہ کی دیواریں کمزور ہوگئیں' پھر سیلاب سے اور زیادہ خستہ ہوگئیں۔ اسی اثناء میں چوری ہوگئی' کعبہ کی غزال زریں اور نذرانے کی کعبہ میں جمع شدہ رقوم کوئی چرا لے گیا' تو قریش نے نئی عمارت بنائی۔

راجح اور مختار یہی ہے کہ انبیاء کرام خصوصاً حضور اقدس ﷺ قبل بعثت بھی ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہیں خواہ وہ صغائر ہوں خواہ کبائر' جیسا کہ شفا اور اس کی شروح وغیرہ میں مفصل مذکور ہے۔

اب یہاں یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ ستر عورت معصیت ہے' پھر حضور اقدس ﷺ نے کیسے تہبند کاندھے پر رکھ لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت وحی نہیں آتی تھی' اس لیے اس وقت نہ اصول کی تشریع تھی نہ فروع کی نہ حلال کی نہ حرام کی' اس لیے اسے معصیت نہیں کہہ سکتے۔ شفا اور اس کی حضرت ملا علی کی شرح میں ہے:

والصحيح ان شاء الله تنزيههم من كل عيب اى سابق ولاحق وعصمتهم من كل ما يوجب الريب فكيف والمسئلة تصورها كالممتنع فان المعاصى كالكبائر والنواهى كالصغائر انما يكون بعد تقرير الشرع. (شرح شفاء للملا علی قاری ج ۲ ص ۲۶۴)

صحیح یہ ہے کہ انبیاء کرام ہر عیب سابق اور لاحق سے منزہ ہیں' اور ہر اس چیز سے جس میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کا شبہہ ہو' معصوم ہیں کیسے نہیں ہوں گے حالانکہ اس کا تصور محال کے مثل ہے' اس لیے کہ گناہ کا حکم تقریر شریعت کے بعد ہی ہوگا خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔

یہ ضرور ہے کہ یہ حضور کی شان ارفع و اعلیٰ کے منافی ہے۔ اسی لیے من جانب اللہ فوراً بلا تاخیر غشی طاری ہوگئی' جس سے تنبہ ہو گیا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضور کی سرشت ہی میں اعلیٰ اخلاق' کامل حیاء رکھی تھی۔ آپ کنواری پردہ نشین سے زیادہ حیاء فرماتے تھے۔ اسی لیے ستر کھلتے ہی بے ہوش ہوگئے' پھر اس کے بعد کبھی بے پردہ نہیں دیکھے گئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا: کوئی صورت ہوتی تو میں اپنے اندرونی کپڑوں سے بھی اپنی شرمگاہ چھپاتا۔ (عینی۔ ج ۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۷۲)

مطابقت

یہاں باب یہ ہے: برہنہ رہنے کی کراہت کا بیان' نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ' یہاں شبہہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ہے قبل نزول وحی کا۔ اور ابھی گزرا کہ اس وقت تقریر شریعت نہیں تھی پھر اس سے کسی حکم پر استدلال کیسے درست ہے' پھر اس حدیث کو باب سے کیا مطابقت ہے۔ جواب یہ ہے کہ مطابقت اس جملے سے ہے: "ما رأى بعد ذٰلك عريانا" اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔ یہ نزول وحی کے بعد کو بھی عام ہے اور حالت نماز و غیر حالت نماز دونوں کو عام ہے۔

امام بخاری پر تطفل

البتہ باب کے عنوان پر یہ شبہہ رہ جاتا ہے کہ انہوں نے باب میں صرف کراہت فرمایا ہے' حالانکہ برہنہ ہونا حرام ہے صرف مکروہ نہیں' اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے صرف مکروہ ہی نہیں ہوتی' جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کی مراد کراہیت سے لغوی معنی ہے۔ یعنی ناپسند ہونا اور ناپسند ہونا حرام و معصیت کو بھی عام ہے۔

۲۵۲ - ح: اَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ

[کیا تمہارے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟]

۲۵۲- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنِ الصَّلٰوةِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک صاحب نبی ﷺ کی خدمت میں کھڑے ہوئے اور ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے

فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ اَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ ثُمَّ سَاَلَ رَجُلٌ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَاَوْسِعُوْا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ صَلّٰى رَجُلٌ فِيْ اِزَارٍ وَّرِدَاءٍ فِيْ اِزَارٍ وَّقَمِيْصٍ فِيْ اِزَارٍ وَّقَبَاءٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَرِدَاءٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَمِيْصٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَبَاءٍ فِيْ تُبَّانٍ وَّقَبَاءٍ فِيْ تُبَّانٍ وَّقَمِيْصٍ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ فِيْ تُبَّانٍ وَّرِدَاءٍ۔

بارے میں پوچھا' تو آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا' تو انہوں نے فرمایا: جب اللہ وسعت دے تو تم بھی وسعت کرو' آدمی اپنے جسم پر چند کپڑے جمع کرے' تہبند اور چادر' تہبند اور کرتے' تہبند اور قباء' پائجامے اور چادر' پائجامے اور کرتے' پائجامے اور قبا' جانگیہ اور قبا' جانگیہ اور کرتے میں نماز پڑھے۔ راوی نے کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ یہ بھی فرمایا: جانگیے اور چادر میں۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب: الصلوٰۃ فی القمیص والسراویل والتبان والقباء ص ۵۳۔۵۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس نے سوال کیا تھا؟ اس کے بارے میں علامہ ابن حجر نے لکھا: میں ان کے نام سے واقف نہ ہو سکا' مگر قسطلانی میں ہے کہ امام سرخسی نے مبسوط میں فرمایا: یہ حضرت ثوبان تھے' البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے کے بارے میں علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں ہے: حضرت ابن مسعود اور حضرت اُبی بن کعب میں اختلاف ہوا۔ حضرت اُبی نے کہا: ایک کپڑے میں نماز بلا کراہت درست ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی کمی تھی۔ حضرت عمر نے سنا تو فرمایا: بات وہی ہے جو اُبی نے کہی ''وابن مسعود لم یقصر'' ابن مسعود نے پوری بات کہی۔ اس پر علامہ عینی نے فرمایا: اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ سائل حضرت ابن مسعود ہی ہوں' ہو سکتا ہے کہ حضرت اُبی ہوں۔

اقول: حدیث کا سیاق اس کی دلیل ہے کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ''ثم سَئَلَ'' پھر ان صاحب نے حضرت عمر سے پوچھا' تو معلوم ہوا جن صاحب نے حضور سے پوچھا تھا انہوں نے ہی حضرت عمر سے بھی پوچھا تھا۔ حدیث میں سوال کرنے کا ذکر ہے جس پر حضرت عمر نے وہ جواب دیا۔ اور مصنف عبدالرزاق میں سوال کا تذکرہ نہیں' پھر دونوں حدیثوں میں حضرت عمر کے ارشادات علیحدہ علیحدہ ہیں' اس حدیث میں مذکور ارشاد سے حضرت ابن مسعود کی تائید ہوتی ہے اور مصنف عبدالرزاق کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت اُبی کا قول صحیح ہے' اس لیے مصنف عبدالرزاق کی حدیث کو سامنے رکھ کر ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کو سائل متعین کرنا بلا دلیل ہے۔ حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ بہ درجہ مجبوری ایک کپڑے میں نماز بلا کراہت درست ہے اور اگر کسی کے پاس چند کپڑے ہوں تو کم از کم دو کپڑے نماز کے لیے ضرور استعمال کرے' بہتر تین ہیں: ایک عمامہ یا ٹوپی' دوسرے کرتا یا چادر' ایسا لباس جس سے کمر کے اوپر کا حصہ چھپ جائے' تیسرے تہبند پائجامہ وغیرہ جس سے شرمگاہ اور کمر کے نیچے کا حصہ ڈھک جائے۔ ابو داؤد میں ہے:

نھی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی فی لحاف ولا یتوشح بہ والاخر ان یصلی فی سراویل ولیس علیہ رداء۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر میں لپٹے بغیر نماز پڑھنے سے اور صرف پائجامے میں بغیر چادر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب: من قال یتزر بہ اذا کان ضیقا ص ۹۳)

پائجامہ انبیاء کا لباس ہے

ان حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں پائجامے پہنے جاتے تھے' پائجامہ بہت

قدیمی لباس ہے جو حضرات انبیاء کرام پہنتے آئے ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ہمارے شیخ علامہ زین الدین بلقینی نے مرفوعاً یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: سب سے پہلے پائجامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہنا' اسے ابونعیم اصبہانی نے بھی روایت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے انہیں لباس پہنایا جائے گا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے' چونکہ انہوں نے اس لباس کو جو سب سے زیادہ عورت چھپانے والا ہے سب سے پہلے پہنا تو انہیں یہ انعام ملا۔

(عینی۔ ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: السراویل ص ۳۰۶)

ترمذی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے کلام فرمایا تھا تو وہ اُون کا کمبل' اُون کی چھوٹی ٹوپی' اُون کا جبہ' اُون کا پائجامہ اور مرے ہوئے گدھے کی کھال کی نعلین پہنے ہوئے تھے۔

(ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب اللباس۔ باب: ما جاء فی لبس الصوف ص ۲۰۶)

حضور نے پائجامہ پہنا یا نہیں؟

ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا یا نہیں۔ اس بارے میں کوئی حدیث صریح نہیں۔ ابویعلی اپنی مسند میں اور طبرانی' معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار گیا' حضور نے بزازوں کے پاس بیٹھے چار درہم میں ایک پائجامہ خریدا' یہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! آپ پائجامہ پہنیں گے؟ فرمایا: ضرور سفر میں بھی پہنوں گا اور حضر میں بھی' رات میں بھی اور دن میں بھی۔ اس لیے کہ مجھے عورت (ستر) چھپانے کا حکم دیا گیا اور اس سے زیادہ ستر پوش کوئی لباس میں نے نہیں پایا۔[۱] اس حدیث کی سند ضعیف ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اسے موضوع بھی کہا ہے' لیکن پائجامے کا خریدنا بروایت صحیح دو صحابہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ ایک حضرت سوید بن قیس کی حدیث سے' دوسری حضرت ابوصفوان بن عمیر کی حدیث سے۔ حضرت سوید بن قیس کہتے ہیں کہ "ھَجَر" سے میں اور مخرفہ مکہ میں کپڑا لائے۔ منیٰ میں میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضور نے ایک پائجامہ خریدا[۲] حضرت ابوصفوان نے کہا کہ ہجرت سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پائجامہ بیچا تو مجھے آپ نے اس کی قیمت کچھ زیادہ دی[۳] اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لیے خریدا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ تہبند کی بہ نسبت پائجامہ پہننا بہتر ہے' اس لیے کہ اس میں ستر پوشی زیادہ ہے۔

۲۵۳- ح: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صماء سے منع فرمایا]

۲۵۳ - عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صماء سے منع فرمایا اور ایک کپڑے میں احتباء سے منع فرمایا' اس صورت میں کہ شرم گاہ پر کچھ کپڑا نہ ہو۔

---

۱ سندی علی النسائی بحوالہ حاشیہ ابوداؤد للسیوطی

۲ ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۱۸۔ کتاب البیوع۔ باب: الرجحان فی الوزن' ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۵۶۔ کتاب البیوع۔ باب: ما جاء فی الرجحان فی الوزن' نسائی۔ ج ۱ ص ۲۲۳۔ کتاب البیوع۔ باب: الرجحان فی الوزن

۳ ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۱۸۔ کتاب البیوع۔ باب: الرجحان فی الوزن

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوۃ۔باب:ما تیسر من العورۃ ص ۵۳' کتاب الصوم۔باب:صوم یوم الفطر ص ۲۶۷' ایضاً۔کتاب البیوع۔باب:بیع الملامسۃ ص ۲۸۷' ایضاً۔باب:بیع المنابذۃ ص ۲۸۸' ج ۲۔کتاب اللباس۔باب:اشتمال الصمّاء ص ۸۶۵' ایضاً۔باب:الاحتباء فی ثوب واحد ص ۸۶۶' ایضاً۔کتاب الاستیذان۔باب:الجلوس کیف ما تیسر ص ۹۳۰' مسلم۔کتاب البیوع۔باب:ابطال بیع الملامسۃ والمنابذۃ ص ۲' ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الصیام۔باب:فی صوم العیدین ص ۳۲۸' ابوداؤد۔ج ۲۔کتاب البیوع۔باب:فی بیع الغرر ص ۱۲۳' نسائی۔ج ۲۔کتاب البیوع۔باب:بیع المنابذۃ ص ۲۱۶' نسائی۔ج ۲۔کتاب الزینت۔باب:النھی عن اشتمال الصماء ص ۲۹۹)

۲۵٤- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ وَاَنْ یَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَاَنْ یَحْتَبِیَ الرَّجُلُ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوطرح کی بیع لماس اور نباذ سے اور دوطرح کے لباس پہننے سے منع فرمایا ہے اشتمال صماء سے اور ایک کپڑے میں احتباء کرنے سے۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوۃ۔باب:ما یستر من العورۃ ص ۵۳' ایضاً۔کتاب مواقیت الصلوۃ۔باب:الصلوۃ بعد الفجر ص ۸۲' بخاری۔ج ا۔کتاب الصوم۔باب: صوم یوم الفطر ص ۲۶۷' بخاری۔ج ا۔کتاب البیوع۔باب:بیع الملامسۃ ص ۲۸۷' ایضاً۔باب:بیع المنابذۃ ص ۲۸۸' بخاری۔ج ۲۔کتاب اللباس۔باب:اشتمال الصماء ص ۸۶۵' ایضاً۔باب:الاحتباء فی ثوب واحد ص ۸۶۶' ابوداؤد۔ج ۲۔کتاب اللباس۔باب: فی لبسۃ الصماء ص ۲۰۸' موطا امام مالک۔کتاب اللباس۔باب:ما جاء فی لبس الثیاب ص ۲۶۷)

اشتمال الصّماء کی وضاحت

اشتمال کے معنی ہیں: پورے جسم پر کپڑا لپیٹنا۔ ''صَمَّاءَ'' اس چٹان کو کہتے ہیں جس میں کوئی سوراخ نہ ہو، یہاں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے، یعنی ایسے اشتمال سے منع فرمایا جو صماء ہو۔ امام بخاری نے کتاب اللباس میں اس کے یہ معنی بتائے ہیں: صرف ایک کاندھے پر کپڑا ڈالے دوسرا کھلا رہے۔ صحاح میں جوہری نے اس کے معنی یہ بتائے: چادر یا کمبل پورے جسم پر اس طرح لپیٹنا کہ دائیں طرف سے بائیں ہاتھ اور کندھے پر لے جا کر دائیں ہاتھ اور کاندھے پر لا کر پورے جسم کو چھپا لینا۔ ابن عبید نے کہا کہ فقہاء کہتے ہیں: جسم پر صرف ایک کپڑا لپیٹنا، پھر اس کے کسی کنارے کو شانے پر رکھ لینا، جس سے شرمگاہ کھل جائے، مگر کتب فقہ کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ فقہاء نے پہلے معنی بھی مراد لیے ہیں۔ اور دوسرا معنی یہ بتایا ہے کہ بغیر تہبند کے صرف ایک چادر لپیٹ لے[1] یہ نماز میں بھی مکروہ ہے اور نماز کے باہر بھی۔ پہلی صورت میں ہاتھ اندر رہے گا تو کسی خطرے کے وقت نکالنے میں دشواری ہوگی اور بے ستری کا بھی اندیشہ ہے۔ دوسری صورت میں ذرا سی غفلت میں بے ستری کا خطرہ ہے۔

احتباء کی وضاحت

یہ ہے کہ سرین پر بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ہاتھ یا کپڑے کو پنڈلی میں حمائل کر دے۔ اس طرح بیٹھنے کو ''حِبْوَة'' کہتے ہیں، جب شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہوگا تو شرمگاہ کے کھلنے کا اندیشہ ہوگا اور یہ حرام ہے، اس لیے یہ بھی اس صورت میں منع ہے، جب شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو ورنہ نہیں منع۔

باب کی توضیح

اس جگہ باب کا عنوان ہے: ''مَا یَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ'' عورت کا چھپانا، جسم کا وہ حصہ جسے کھولنے سے شرم محسوس ہو ''عورت''

---

[1] ردالمحتار۔ج ا ص ۴۳۸۔مکروہات

ہے۔ یہاں ''مِــنْ'' تبعیضیہ ہے یا بیانیہ۔ رضی نے تشریح کی ہے کہ من بیانیہ کے مدخول کے تمام افراد پر حکم عام ہوتا ہے۔ اور من تبعیضیہ کے صرف بعض افراد کو شامل ہوتا ہے' اس لیے یہ متعین ہے کہ یہ من بیانیہ ہے' کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ پوری عورت کا چھپانا واجب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عورت کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے' مگر جو صاحب جن جن اعضاء کو عورت مانتے ہیں' وہ ان سب کے چھپانے کو واجب کہتے ہیں۔ اب باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ اشتمال صماء سے ممانعت کی خاص وجہ یہی ہے کہ کسی ناگہانی ضرورت کے وقت ہاتھ نکالنے میں اعضاء عورت کے کھلنے کا قوی امکان ہے۔ جب ایسا لباس منع ہے جس میں ستر عورت کے کھلنے کا امکان ہے تو ثابت ہوا کہ کشف عورت ممنوع ہے اور عورت کا چھپانا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شرمگاہ ضرور ہی کھلے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف ران یا سرین ہی کھلے' تو ثابت ہوا کہ پوری عورت کا چھپانا واجب ہے۔ رہ گیا احتباء کا ذکر' یہ یا تو اس لیے ہے کہ یہ بھی حدیث کا جز ہے' اس لیے اسے ذکر کردیا۔ اس سے اثباتِ باب مقصود نہیں' یا اس لیے ہے کہ احتباء صرف اس صورت میں ممنوع ہے جب شرمگاہ پر کپڑا نہ ہو' جس سے شرمگاہ کے کھلنے کا اندیشہ ہے' تو تقریر سابق کے مطابق ثابت ہوا کہ شرمگاہ کا چھپانا فرض ہے۔ اور یہ صرف اس لیے ہے کہ شرمگاہ ''عورت'' ہے' تو جب عورت ہونے کی وجہ سے شرمگاہ کا چھپانا فرض ہوا تو ثابت ہوا کہ جو اعضاء بھی عورت ہیں' سب کا چھپانا فرض ہے۔ اس لیے کہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔ رہ گیا یہ کہنا کہ اس سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ وہ یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ عورت صرف سبیلین ہیں' میرے خیال میں درست نہیں۔ اگر بالفرض امام بخاری کا مذہب یہی مان لیا جائے کہ وہ صرف سبیلین ہی کو عورت مانتے ہیں' پھر بھی یہاں کی ذکر کردہ احادیث سے اس کا اثبات متعذر ہے۔ حدیث سے تو یہ صراحۃً ثابت ہے کہ سبیلین عورت ہیں' مگر ان کے علاوہ اور کوئی عضو عورت نہیں' اس کا کہیں اشارہ تک نہیں۔

باب سے مطابقت

ظاہر ہے کہ اشتمال صماء اور احتباء کی ممانعت نماز کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ نماز میں احتباء ہوتا بھی نہیں اور ان کی ممانعت کشف عورت کے مظنہ کی بناء پر ہے' تو ثابت ہوگیا کہ نماز کے باہر بھی کشف عورت ممنوع اور ستر عورت فرض ہے۔

بیع ملامسہ ومنابذہ

ملامسہ اور لماس کا مادہ ''لمس'' ہے' جس کے معنی چھونے کے ہیں۔ ملامست اور لماس دونوں باب مفاعلت کے مصدر ہیں۔ اسی طرح منابذہ اور نباذ کا مادہ ''نبذ'' ہے' اس کے معنی پھینکنے کے ہیں اور یہ دونوں باب مفاعلت کے مصدر ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں خرید وفروخت کے یہ دو طریقے رائج تھے۔ ایک ملامست یا لماس کہ اندھیرے میں یا آنکھ بند کرکے یا لپیٹا ہوا یا تہہ کیا ہوا کپڑا چھو دیتے اور بیع کو لازم مانتے۔ قبول ورد کا اختیار ختم ہو جاتا۔ دوسرے منابذت یا نباذ' اس کی صورت یہ تھی کہ بائع اور مشتری کپڑا اچھی طرح دیکھے بغیر ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتے اور بیع لازم مانتے' قبول ورد کا اختیار نہ ہوتا۔[1] ان دونوں قسم کی خرید وفروخت سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرما دیا' اس لیے کہ ان دونوں میں طرفین کی رضامندی کے بغیر بیع کو لازم قرار دینا تھا' حالانکہ بیع میں طرفین کی رضامندی جزء لاینفک ہے۔

۲۵۵- ح: بَعَثَنِي اَبُوْ بَكْرٍ فِي مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ

[ابوبکر نے مجھے اعلان کرنے والوں میں یوم النحر کو بھیجا]

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۴۔ کتاب البیوع' ردالمحتار۔ ج ۴ ص ۱۰۹۔ باب: البیع الفاسد

۲۵۵ - اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فِيْ تِلْكَ الْحَجَّةِ فِيْ مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى اَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ثُمَّ اَرْدَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّؤَذِّنَ بِبَرَاءَةٍ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِيْ اَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابوبکر نے مجھے اس حج میں اعلان کرنے والوں میں یوم النحر کو بھیجا کہ ہم منیٰ میں یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ راوی حدیث حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ان (ابوبکر) کے پیچھے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ سورۂ براءت کی منادی کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: ہمارے ساتھ حضرت علی نے بھی منیٰ والوں میں یوم النحر کو اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی شخص ننگا ہو کر طواف کرے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما یستر من العورۃ ص ۵۳ 'ایضاً۔ کتاب المناسک۔ باب: لا یطوف بالبیت عریان ولا یحج مشرک ص ۲۲۰ 'ایضاً۔ کتاب الجہاد۔ باب: کیف ینبذ الی اھل العھد ص ۴۵۱ 'ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حج ابی بکر بالناس سنۃ تسع ص ۶۲۶ 'ایضاً۔ کتاب التفسیر۔ سورہ براءت۔ باب: قولہ الا الذین عاھدتم من المشرکین ص ۶۷۱ 'مسلم۔ ج ا۔ باب: لا یحج البیت مشرک ص ۴۳۵ 'ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: یوم الحج الاکبر ص ۲۶۸ 'نسائی۔ ج ۲۔ کتاب المناسک۔ باب: خذوا زینتکم عند کل مسجد ص ۲۸)

تکمیل ..... (اسلام کا پہلا حج)

بر بنائے قول مختار حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ اس وقت تک مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا۔ پورا عرب اس انتظار میں تھا کہ قریش کیا کرتے ہیں؟ جب قریش بھی دامن اسلام میں آ گئے تو اب پورا عرب شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہونے کے لیے ٹوٹ پڑا۔ پورے عرب سے فوج در فوج قبائل کے وفود خدمت اقدس میں آ آ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ اس مصروفیت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس حج کے لیے نہ جا سکے۔ اور اخیر ذوالقعدہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج بنا کر تین ہزار افراد کے ساتھ بھیجا' قربانی کے بیس اونٹ ساتھ کر دیے۔ پانچ اونٹ حضرت صدیق اکبر نے اپنا لیے۔ اکابر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہم راہ تھے۔ بعد میں سورۂ براءت نازل ہوئی۔ اس میں خصوصی اعلانات تھے اور بعض معاہدوں کو اٹھانا تھا اور بعض کی تجدید تھی اور عرب کا دستور تھا کہ کوئی معاہدہ کرنا ہو یا اسے توڑنا ہو' یہ کام قوم کا سردار کرتا یا اس کا قریبی عزیز' حضور خود جا نہیں سکتے تھے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ناقہ مبارکہ عضباء پر سوار کر کے سورۂ براءت کی چالیس یا اسّی آیتیں دے کر بعد میں بھیجا کہ اسے ایام حج میں پڑھ کر سنا دیں اور ساتھ ہی ساتھ مزید ان باتوں کا بھی اعلان کر دیں: جنت میں سوائے مؤمن کے اور کوئی نہیں جائے گا' اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر پائے گا' کوئی ننگا طواف نہیں کر سکے گا' کافروں میں سے جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے وہ مدت معاہدہ تک باقی رہے گا' اس کے بعد ختم' اسے مسلمان ہونا لازم ہے اور جن سے معاہدہ نہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے اس کے بعد انہیں اسلام قبول کرنا لازم ہوگا۔ یہ اس لیے کیا کہ مشرکین کو سرکشی اور حکم عدولی کا موقع نہ ملے کہ یہ اعلان نہ خود حضور نے کیا اور نہ ان کے قریبی عزیز نے اس لیے اس کی پابندی ہم پر ضروری نہیں۔

حضرت صدیق اکبر عرج یا ضجنان کے مقام پر مکہ معظمہ کے قریب پہنچ چکے تھے' صبح کی نماز کے لیے صدیق اکبر کھڑے ہو چکے تھے ابھی نماز نہیں شروع کی تھی کہ ناقہ مبارکہ کی آواز سنی۔ دیکھا تو حضرت علی شیر خدا تھے' دریافت فرمایا: امیر ہو یا مامور؟ شیر خدا نے

فرمایا: مامور ہوں، مگر حکم یہ ہوا ہے کہ سورۂ براءت میں خود پڑھ کر سناؤں۔ اسی کے مطابق عمل درآمد ہوا۔ دسویں ذوالحجہ یوم النحر کو حضرت علی نے سورۂ براءت پڑھ کر سنائی اور دو چار احکام بھی، مزید براں کچھ حضرات کو مقرر کیا گیا کہ وہ گھوم گھوم کر پورے مجمع میں یہ احکام پہنچا دیں۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: اعلان کرتے کرتے میری آواز بدھم پڑ گئی تھی۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس کے دفعات میں یہ بھی تھا کہ فریقین میں سے جو معاہدہ کی خلاف ورزی کرے، اس سے امان اُٹھ جائے گا۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا وہ فریقین میں سے جن کے ساتھ چاہیں رہیں۔ اس کے مطابق بنو خزاعہ نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ۔ سال بھر کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شبخون مارا، جس میں قریش نے ہر طرح ان کی مدد کی، ان کو اسلحہ دیا، بعض رؤساء بنو خزاعہ سے لڑے بھی۔ جب قریش نے خود اس معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی تو مکہ پر حملہ ہوا اور مکہ فتح ہوا۔ اس اعلان کے وقت قبائل عرب کے تین گروہ تھے۔ ایک وہ جنہوں نے کسی مدت تک کے لیے معاہدہ کیا تھا اور وہ اس معاہدے پر قائم تھے۔ اس اعلان کی رو سے اس مدت تک ان سے کوئی تعرض نہ ہوگا، البتہ مدت پوری ہونے کے بعد ضروری ہوگا کہ وہ اسلام قبول کریں ورنہ ان کی جان بخشی نہ ہوگی۔ دوسرے وہ جو معاہدہ کر کے توڑ چکے تھے، مثلاً قریش، تیسرے وہ جن سے کوئی معاہدہ نہ تھا۔ ان دونوں کو چار مہینے کی مہلت دی گئی۔ اگر اس اثناء میں وہ مسلمان ہو جائیں تو بہتر ورنہ پھر ان کی جان، ان کے مال محفوظ نہ رہیں گے۔ مشرکین عرب سے جزیہ نہیں قبول نہیں کیا جائے گا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب. جزیرۂ عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔

(موطا امام مالک۔ باب: ما جاء فی اجلاء الیھود من المدینۃ ص ۳۶۰)

حج اکبر سے مراد

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یوم الحج الاکبر سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ ہے، جیسا کہ خود بخاری میں حمید بن عبدالرحمٰن کا قول کتاب الجہاد میں اور تفسیر میں اور ابوداؤد میں مذکور ہے بلکہ ابوداؤد میں خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یوم عرفہ ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر سے حج مراد ہے، اس لیے کہ اہل عرب عمرے کو حج اصغر کہتے ہیں، اس کے بالمقابل حج کو حج اکبر کہتے۔ پہلے قول اور اس میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ حج کو حج اکبر کہتے تھے، اور دسویں ذوالحجہ یوم النحر، حج کے ایام میں سے سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے اس کو یوم الحج الاکبر کہا گیا۔

باب سے مطابقت

"لا یطوف بالبیت عریان" سے ہے کہ طواف نماز نہیں تو ثابت ہوا کہ نماز کے باہر بھی ستر عورت فرض ہے۔

ت ۸۹، ۹۰ - قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَرْهَدٍ وَّمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ وَّقَالَ اَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَدِيْثُ اَنَسٍ اَسْنَدُ وَحَدِيْثُ جَرْهَدٍ اَحْوَطُ حَتّٰى نَخْرُجَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: حضرت ابن عباس اور حضرت جرہد اور حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ ران عورت ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنی ران کھولی۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: حضرت انس کی حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے اور جرہد کی حدیث میں زیادہ احتیاط ہے تا کہ ہم صحابہ کے اختلاف سے بچ جائیں۔

مرد کے اعضاءِ عورت

مرد کے کتنے اعضاءِ عورت ہیں؟ اس بارے میں معتمد مذہب تین ہیں:

(۱) داؤد ظاہری اور ابن حزم ظاہری کا کہ صرف سبیلین عورت ہیں، بقیہ اعضاء میں کوئی عورت نہیں۔

(۲) ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک سب اعضاء عورت ہیں مگر ناف اور گھٹنے نہیں، یہ امام مالک، امام زفر، امام شافعی کا مذہب ہے اور یہی حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب صحیح ہے۔

(۳) ناف چھوڑ کر ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک تمام اعضاء عورت ہیں اور گھٹنا بھی عورت ہے، یہ احناف کا مذہب صحیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ناف بھی عورت ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ ظاہریہ کو چھوڑ کر ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ ران عورت ہے۔ امام بخاری کا بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے تعلیقاً تین صحابہ سے ذکر فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الفخذ عورة'' ران عورت ہے۔ یہ حدیث ان تینوں حضرات سے مختلف کتابوں میں مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ترمذی[۱] میں یہ حدیث مذکور ہے۔ اس کے بارے میں امام ترمذی نے یہ فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس کے ایک راوی ابو یحییٰ قتات ضعیف ہیں، حضرت جرہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مالک نے موطاء میں اسے ذکر فرمایا۔ نیز امام ترمذی نے اسے تین طریقوں سے بیان فرمایا۔ (ایضا) ان میں سے ایک طریقے کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن ہے، میں اس کی اسناد کو متصل نہیں جانتا۔ دوسرے طریقے کو فرمایا: یہ حسن ہے۔ تیسرے طریقے کو فرمایا: یہ حدیث اس طریقے سے حسن غریب ہے۔ اس کے علاوہ ابن عساکر، ابن حبان اور امام شافعی نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ ابن قطان نے اسے مضطرب بتایا اور جرہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے کی حالت نامعلوم ہونے کی وجہ سے اس پر طعن کیا۔ امام بخاری نے تاریخ میں کہا: یہ صحیح نہیں[۲] اور حضرت محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث ان کتابوں میں موجود ہے: مسند امام احمد، طبرانی، مستدرک للحاکم۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن کثیر کو ابن حزم ظاہری نے مجہول کہا، امام بخاری نے تاریخ میں اس پر کلام فرمایا۔

مذکورہ اختلافِ ائمہ کے بارے میں امام بخاری کا فیصلہ

اخیر میں امام بخاری یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث بہ اعتبار سند کے قوی ہے، مگر حضرت جرہد کی روایت پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے، تاکہ اختلاف سے بچیں، اس کی توضیح یہ ہے کہ محدثین کا طریقہ یہ ہے کہ دو متعارض احادیث میں ترجیح اس کو دیتے ہیں جو سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہو۔ یہ قاعدہ اس کا مقتضی ہے کہ حضرت انس کی حدیث کو ترجیح دی جائے اور یہ کہا جائے کہ ران عورت نہیں، مگر اختلاف کے وقت اس صورت پر عمل کرنا جو متفق علیہ ہو، زیادہ بہتر ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ران کو عورت کہا جائے اس لیے کہ اگر ران کو چھپائے رہیں تو فریقین میں کسی کے نزدیک گناہ نہیں اور نماز بالاتفاق ہو جائے گی، لیکن اگر ران کھلی رکھیں تو جو لوگ ران کو عورت مانتے ہیں، ان کے نزدیک یہ گناہ بھی ہے اور ران کھول کر نماز پڑھنے سے نماز بھی نہ ہو گی تو احتیاط اسی میں ہے کہ ران چھپائے رکھیں۔

حدیث جرہد صحیح ہے

امام بخاری نے فرمایا کہ انس کی حدیث اسند ہے، یعنی بہ اعتبار سند زیادہ قوی ہے۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ جرہد کی بھی حدیث صحیح

---

[۱] جامع ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۰۳۔ کتاب الادب۔ باب: الفخذ عورة

[۲] عینی۔ ج ۴ ص ۸۰۔ باب: ما ذکر فی الفخذ

ہے۔ زیادہ قوی ہونے کی نفی سے مطلقاً قوی ہونے کی نفی لازم نہیں' رہ گیا اس کی سند پر جو تھوڑا بہت کلام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے۔ تعددِ طرق کی وجہ سے اس کا ضعف دور ہو گیا' پھر اسے تلقی بالقبول حاصل ہے' جمہور اُمت بلکہ اب پوری اُمت کا اس پر عمل ہے' اس لیے وہ کم از کم حسن ضرور ہو گئی' جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حسن ہے یا حسن غریب ہے۔ علاوہ ازیں ابن حبان نے حضرت جرہد کی حدیث کو صحیح کہا' نیز امام حاکم نے بھی۔ (اصابہ۔ ج ۱)

اختلافِ ائمہ سے بچنے کا ایک قاعدہ کلیہ

امام بخاری کے اس فیصلے سے سمجھ میں آیا کہ اختلافِ علماء کے موقع پر اختلافِ علماء سے بچنے ہی میں احتیاط ہے' مگر اس میں یہ قید لگانی ضروری ہے کہ جبکہ کوئی شرعی خرابی نہ لازم آئے اور یہاں علماء سے مراد فقہاء مجتہدین ہیں' ہر کس وناکس خصوصاً اس زمانے کے بدمذہب گمراہ فرقوں کے علماء مراد نہیں۔

ت ۹۱- قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ غَطَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَیْهِ حِیْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھٹنوں کو چھپا لیا جب حضرت عثمان داخل ہوئے۔

ت ۹۲- وَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهٗ عَلٰی فَخِذِیْ فَثَقُلَتْ عَلَیَّ حَتّٰی خِفْتُ اَنْ تَرُضَّ فَخِذِیْ.

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی' اس وقت حضور کی ران میری ران پر تھی' اس کا اتنا بوجھ مجھے محسوس ہوا کہ میں ڈرا کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام بخاری نے کتاب المناقب' باب فضائل عثمان ص ۵۲۲ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے کہ حضور ایک باغ میں ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں پانی تھا۔ حضور کے دونوں گھٹنے یا ایک گھٹنا کھلا تھا۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر آئے اور حضور یوں ہی رہے۔ جب حضرت عثمان آئے تو حضور نے گھٹنا ڈھانک لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھٹنا عورت نہیں' گھٹنے کا ایک حصہ ران کی ہڈی بھی ہے' جب گھٹنا عورت نہیں تو ران کا وہ حصہ جو گھٹنے کا جز ہے وہ بھی عورت نہیں' جب جز عورت نہیں تو کل بھی عورت نہیں۔

تکمیل

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری[۱] میں دو جگہ ہے۔ ایک کتاب الجہاد ص ۳۹۷' اور تفسیر سورہ نساء ص ۶۶۰' دونوں جگہ باب: ''قوله تعالٰی: لا یستوی القاعدون من المؤمنین'' میں مفصل یوں ہے: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے یہ آیت کریمہ لکھوا رہے تھے: ''لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' (النساء: ۹۵) جہاد چھوڑ کر بیٹھنے والے مومن اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے برابر نہیں۔ اتنے میں ابن اُم مکتوم آ گئے' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بخدا! اگر مجھے استطاعت ہوتی تو میں ضرور جہاد کرتا' وہ نابینا تھے۔ اس پر پھر اللہ نے وحی نازل فرمائی اور حضور کی ران میری ران پر تھی' میں نے اس کا بوجھ اتنا محسوس کیا کہ میں ڈرا کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے' پھر

---

[۱] اس کے علاوہ یہ ان دو کتابوں میں بھی ہے: ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۲۸۔ کتاب التفسیر۔ سورہ نساء' نسائی۔ ج ۲ ص ۵۳۔ کتاب الجہاد' باب فضل المجاهدين على القاعدين

یہ کیفیت دور ہوگئی اور اللہ عزوجل نے ''غَیْرَ اُوْلِی الضرر'' نازل فرمایا۔

مطابقت

اس حدیث میں استدلال اس جملے سے ہے: ''فخذہ علی فخذی'' حضور کی ران میری ران پر تھی، مگر حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ دونوں حضرات یا ان میں سے کسی کی ران کھلی تھی۔ ہوسکتا ہے اور یہی ظاہر ہے کہ رانیں چھپی ہوئی ہوں۔ ہاں اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ کپڑا حائل ہوتے ہوئے بھی اعضاء عورت کا چھونا جائز نہیں تو استدلال درست ہوسکتا ہے، مگر یہ مفروضہ ہی غلط ہے۔ اس عہد میں سواری پر لوگ آگے پیچھے ساتھ ساتھ بیٹھتے تھے اور آج ٹرین بس وغیرہ پر اس سے احتراز تقریباً ناممکن ہے۔

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ

جرہد بن زراح بن عدی، یہ مدنی صحابی ہیں، اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے بھی ہیں، ان کا ایک واقعہ یہ ہے کہ یہ بائیں ہاتھ سے کھا رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھا۔

انہوں نے عرض کیا: اس میں تکلیف ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر دم فرمایا، پھر اس ہاتھ میں زندگی بھر کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ یزید کے تسلط کے زمانے میں انہوں نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ (اصابہ۔ ج۱)

حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، یہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے بھتیجے تھے مگر منسوب اپنے دادا کی طرف ہیں۔ ان کے والد اور والدہ دونوں صحابی ہیں، ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت ابی حبیش تھا، ان کے والد ماجد احد میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے بارے میں وصیت کر گئے تھے۔ حضور نے ان کے لیے خیبر میں زمین خرید دی اور مدینہ طیبہ سوق الرقیق میں ایک گھر عطا فرمایا۔ بدر میں جو مہاجرین شریک تھے، ان کے صاحبزادگان کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار ہزار وظیفہ مقرر فرمایا تھا، یہ بھی ان میں سے تھے۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے۔[1] جب ان کے والد ماجد ہجرت کر کے حبشہ گئے تو یہ بھی ساتھ تھے، پھر والد کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے۔ (الاستیعاب۔ ج۳)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

انصاری خزرجی ہیں، بنی النجار کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد جنگ بعاث میں کام آگئے تھے جو ہجرت سے قبل اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو یہ گیارہ سال کے تھے۔ ان کو خدمت اقدس میں پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کو سترہ سورتیں یاد ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر انہیں سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، جو انہوں نے سولہ سترہ دن میں سیکھ لی اور اسے لکھنے اور پڑھنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کتابت وحی کی خدمت سپرد فرمائی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی اس جماعت میں شامل فرمایا جو قرآن جمع کرنے کے لیے مقرر فرمائی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب قرآن مجید کے نقل کی ضرورت ہوئی تو انہیں اس پر مامور کیا گیا۔ فقہاء صحابہ میں سے تھے، علم فرائض کے ماہر تھے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں فرائض کے سب سے زیادہ ماہر زید بن ثابت ہیں۔ فرائض کے علاوہ فتویٰ، قراءت، قضاء میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو انہیں اپنا نائب بناتے اور واپسی پر انہیں کھجور کا ایک باغ عطا فرماتے۔ اس درجے کے عالم

[1] اصابہ۔ ج۳

تھے کہ جب سوار ہونے لگتے تو حضرت ابن عباس ان کی رکاب تھامتے۔ یہ فرماتے: اے رسول اللہ کے چچا کے صاحبزادے! کیا کر رہے ہیں؟ تو ابن عباس کہتے: ہم علماء اور بزرگوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ وصال پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حبر امت چل بسا۔ اُمید ہے کہ ابن عباس ان کے جانشین ہوں گے۔ چھپن سال کی عمر پا کر مدینہ طیبہ میں وفات پائی، ۵۹ ھ سن وفات ہے۔

(اصابہ۔ ج ۱، ص ۵۶۴، اکمال)

۲۵۶- ح: ثُمَّ حَسَرَ الْإِزَارُ عَنْ فَخِذِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[تھوڑی دیر کے بعد تہبند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے ہٹ گیا اور ران کھل گئی]

۲۵۶- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلٰوةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاَنَا رَدِيفُ اَبِي طَلْحَةَ فَاَجْرٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ وَاِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ حَسَرَ الْإِزَارُ عَنْ فَخِذِهِ حَتّٰى اِنِّي اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ ﴿فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ وَخَرَجَ الْقَوْمُ اِلٰى اَعْمَالِهِمْ فَقَالُوْا مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُالْعَزِيْزِ وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا وَالْخَمِيسُ يَعْنِي الْجَيْشَ قَالَ فَاَصَبْنَاهَا عَنْوَةً فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَاءَ دِحْيَةُ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَعْطِنِي جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ قَالَ اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً فَاَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرِ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لَكَ قَالَ ادْعُوْهُ بِهَا فَجَاءَ بِهَا فَلَمَّا نَظَرَ اِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا قَالَ فَاَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَزَوَّجَهَا فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ يَا اَبَا حَمْزَةَ مَا اَصْدَقَهَا قَالَ نَفْسَهَا اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالطَّرِيْقِ جَهَّزَتْهَا لَهُ اُمُّ سُلَيْمٍ فَاَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَاَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوْسًا فَقَالَ مَنْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی، ہم لوگوں نے خیبر کے قریب صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لی۔ نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ابوطلحہ بھی سوار ہوئے، میں ابوطلحہ ہی کی سواری پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں سواری کو دوڑایا۔ اس وقت میرا گھٹنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے چھو جاتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تہبند حضور کی ران سے ہٹ گیا اور ران کھل گئی، اتنی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی دیکھ رہا ہوں اور جب آبادی میں داخل ہو گئے تو تین بار فرمایا: اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا، ہم جب کسی قوم کے صحن میں اتر پڑیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح اچھی نہیں ہوتی۔ راوی نے کہا: خیبر والے اپنے کاموں کے لیے نکلے تو چیخے: محمد اور لشکر! حضرت انس نے کہا: ہم نے خیبر طاقت سے فتح کیا، فتح کے بعد قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی آئے اور عرض کیا: یا نبی اللہ! ان قیدیوں میں سے مجھے ایک کنیز عطا فرمائیں۔ فرمایا: جاؤ! اور ایک کنیز لے لو۔ انہوں نے صفیہ بنت حیی کو لیا، اس کے بعد ایک صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ نے صفیہ بنت حیی بنی قریظہ و نضیر کی سیدہ دحیہ کو دے دی، وہ صرف حضور ہی کے لائق ہے، فرمایا: دحیہ کو اس کے ساتھ بلا لاؤ، وہ انہیں لے کر آئے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو دیکھا تو دحیہ سے کہا: قیدیوں میں سے اس کے علاوہ اور کوئی کنیز لے لو۔ حضرت انس نے کہا: انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا اور ان سے شادی کر لی۔ اس پر ثابت نے پوچھا: اے ابوحمزہ! حضور نے انہیں مہر کیا عطا فرمایا؟ تو انہوں نے کہا: خود ان کی ذات کو، ان کو آزاد کیا اور ان

كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ وَبَسَطَ نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالتَّمْرِ وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالسَّمْنِ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيْقَ قَالَ فَحَاسُوْا حَيْسًا فَكَانَتْ وَلِيْمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

سے شادی کر لی۔ راستے ہی میں اُم سلیم نے انہیں دلہن بنایا اور رات میں حضور کی خدمت میں بھیج دیا۔ صبح کے وقت نبی ﷺ دولہا تھے۔ فرمایا: جس کے پاس کچھ بھی ہو تو لے آئے۔ پس چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا گیا' پس کوئی کھجور لایا اور کوئی گھی لایا۔ راوی نے کہا: میرا گمان ہے کہ ستو بھی ذکر فرمایا تھا۔ حضرت انس نے کہا: اس کے بعد سب کو ملا کر لوگوں نے مالیدہ بنایا' یہی رسول اللہ ﷺ کا ولیمہ ہوا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما يذكر في الفخذ ص ۵۳۔۴' ایضاً۔ کتاب صلوٰۃ الخوف۔ باب: التكبير والغلس والصبح والصلوٰة عند الاغارة ص ۱۲۹' ایضاً۔ کتاب الجہاد۔ باب: التكبير عند الحرب ص ۴۲۰' ایضاً۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة خيبر ص ۴۔۶۰۳' ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: من جعل عتق امة صداقها ص ۷۶۱' مسلم۔ ج ا۔ کتاب النکاح۔ باب: فضيلة اعتاق امة ثم تزوجها ص ۹۔۴۵۸' ایضاً۔ ج ۲۔ باب: غزوة خيبر ص ۱۱۱' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الخراج۔ باب: ما جاء في سهم الصفى ص ۶۵' ایضاً۔ کتاب الخراج۔ باب: ما جاء في حكم ارض خيبر ص ۶۹' نسائی۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: التزويج على العتق ص ۸۶' ایضاً۔ باب: البناء في السفر ص ۹۱)

ثم حسر الازار

اس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ران پر سے تہبند ہٹایا' لیکن یہ ترجمہ اس حدیث کے دوسرے طرق کے خلاف ہے۔ مسلم میں ہے: "فانحسر" یعنی تہبند سرک گیا۔ اور یہی امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں طبرانی نے امام بخاری کے شیخ یعقوب بن ابراہیم ہی سے اور اسماعیلی نے بواسطہ قاسم بن زکریا انہیں یعقوب سے اس حدیث کی ان الفاظ میں تخریج کی ہے۔ نبی ﷺ نے خیبر کی گلیوں میں سواری دوڑائی تو آپ کی ران سے تہبند گر گیا۔ اس لیے صحیح ترجمہ وہی ہے جو ہم نے کہا: تہبند ران سے سرک گیا۔ ان لوگوں کی غلطی کی بنیاد اس پر ہے کہ "حسر" صرف متعدی آتا ہے' یہ بھی صحیح نہیں۔ قاموس میں ہے: یہ لازم اور متعدی دونوں آتا ہے' البتہ اس پر شبہہ وارد ہوگا کہ پھر باب کے مطابق یہ حدیث نہ رہے گی۔ یہ کہنا قلت تدبر کی بنا پر ہوگا' اس لیے کہ امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے: ران کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے' اور یہ قصہ ران ہی سے متعلق ہے' اگر امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہوتا کہ ران عورت ہے یا عورت نہیں' تو اس شبہے کی گنجائش تھی۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس سے ران کا عورت نہ ہونا' اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ پھر حضور نے فوراً اسے ڈھانک کیوں نہ لیا' یا بعد میں اس پر تنبیہ کیوں نہ فرمادی' اس پر عرض ہے کہ ذہن میں موقع کی اہمیت اور نزاکت کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ دشمن کی آبادی کے اندر گلیوں میں چل رہے ہیں' جہاد سر پر ہے' دل و دماغ کی پوری توجہ اس طرف ہے' اس وقت اگر حضور اقدس ﷺ کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو تو کیا استبعاد ہے۔

ہمارا جواب

اگر بالفرض اس سے کسی طرح یہ ثابت بھی ہو جائے کہ "ران عورت نہیں" تو عرض ہے کہ یہ ایک مخصوص ہنگامی حالت کا فعل خاص ہے اور ارشاد "الفخذ عورة" قول ہے اور یہ طے ہے کہ ارشاد رسول اور فعل رسول میں تعارض ہو تو ترجیح قول کو ہوگی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ حال ہے اور واقعہ حال کے لیے عموم نہیں۔ اور وہ ارشاد ایک حکم کلی ہے' اس لیے ترجیح اسی کو ہوگی۔ اس حدیث سے متعلق بقیہ ابحاث کتاب النکاح اور مغازی میں آئیں گی۔

ت٩٣ - وَقَالَ عِكْرِمَةُ لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ جَازَ. (مصنف عبدالرزاق)

اور عکرمہ نے کہا: اگر عورت کا جسم ایک کپڑے میں چھپ جائے تو جائز ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ تابعین کرام کے اجلہ فقہاء مفسرین میں سے ہیں۔ ان سے بہ کثرت احادیث بھی مروی ہیں۔ خود فرمایا: میں نے اس مسجد میں دوسو صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے' اُم المومنین حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس' حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری سے احادیث روایت کیں۔ یہ افریقہ کے بربر قوم میں سے تھے۔ حضرت ابن عباس کے غلام اور ان کے تلمیذ خاص تھے۔ حضرت ابن عباس نے اپنی حیات ہی میں ان کو فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی' جس کے بعد یہ ان کی حیات ہی میں فتویٰ دینے لگے تھے۔ انہیں ہدایت تھی جو شخص تم سے ایسا سوال کرے جو اسے مفید ہو تو جواب دینا ورنہ مت دینا۔ کچھ سائلین دماغی عیاشی یا امتحان کے لیے سوالات کرتے ہیں' انہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں' جو حلال وحرام وغیرہ کے بارے میں سوال کرے' جس کا وہ ضرورت مند ہو اسے جواب دینا۔ ایک دفعہ فرمایا: تم نے میرا دوتہائی کام اپنے سر لے لیا ہے۔ حضرت ابن عباس کے تلامذہ میں عطاء' طاؤس' سعید بن جبیر شہید اور عکرمہ سب سے ممتاز ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سعید اور مجاہد ان سے ایک ایک آیت کی تفسیر پوچھتے جاتے' جتنی آیتوں کی تفسیر ان دونوں کو معلوم تھی پوچھ چکے تو پھر عکرمہ نے بتانا شروع کیا' اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے اور اس آیت کا شانِ نزول یہ۔ جابر بن زید نے کہا: اعلم الناس عکرمہ ہیں۔ امام شعبی نے کہا: کتاب اللہ کا ان سے زیادہ علم رکھنے والا اب کوئی نہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ قتادہ نے کہا: تفسیر کے سب سے بڑے عالم عکرمہ ہیں۔ ان پر کچھ بزرگوں نے بہت سخت طعن بھی کیا ہے' یہاں تک کہ قاسم نے کہا: عکرمہ کذاب ہیں' مگر یہ طعن صحیح نہیں۔ امام بخاری نے فرمایا: ہمارے تمام اساتذہ عکرمہ سے احتجاج کرتے ہیں' چالیس سال مسلسل علم حاصل کرتے رہے' تمام بلادِ اسلامیہ مثلاً افریقہ' مصر' شام' عراق' خراسان میں گشت کرکے علم دین پھیلایا۔ اسّی سال کی عمر پائی' ١٠٧ھ میں وصال فرمایا۔ (بدایہ نہایہ ج٦ ص٥۔ ٢٣٤' اکمال حاشیہ اکمال)

مصنف عبدالرزاق میں یہ الفاظ وارد ہیں: اگر عورت کوئی کپڑا لے کر اس طرح اپنے جسم پر ڈال لے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے تو وہ اسے کافی ہے۔

غایت باب

امام بخاری کا یہاں مقصود یہ ہے کہ چونکہ چہرہ اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں کے ماسوا عورت کا پورا جسم عورت ہے' تو کیا عورت کے لیے نماز صحیح ہونے کے واسطے کچھ کپڑوں کی تعداد ضروری ہے یا صرف پورے جسم کا چھپ جانا ہی کافی ہے' اگرچہ ایک ہی کپڑا ہو۔ حضرت عکرمہ کا قول ذکر کرکے امام بخاری نے یہ افادہ فرمایا کہ کپڑوں کی گنتی ضروری نہیں' جسم کا چھپ جانا کافی ہے۔ ایک کپڑے سے عورت کا پورا جسم ڈھک جائے تو نماز ہوجائے گی۔ اس لیے کہ مطلوب سترِ عورت تھا اور وہ حاصل ہوگیا۔

اس بارے میں علماء کے مذاہب مختلف ہیں۔ امام اعظم' امام مالک' امام شافعی نے کہا کہ کم از کم دو کپڑے ضروری ہیں: کرتا اور اوڑھنی۔ امام عطاء نے فرمایا: تین ضروری ہیں' دو یہ اور ایک تہبند۔ امام ابن سیرین نے فرمایا: چار چاہئیں' تین یہ اور ایک بڑی چادر۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ دو یا تین یا چار کی تحدید استحباب کے لیے ہے' یہ خادم تھوڑی تفصیل ضروری جانتا ہے' اگر وسعت ہے تو عورت عادۃً جتنے کپڑے پہنتی ہے' اتنے پہن کر نماز پڑھے اور اگر وسعت نہیں تو ایک میں بھی نماز ہوجائے گی' جبکہ ان سے بدن چھپ جائے بلکہ بہ درجہ مجبوری اس قید کی بھی حاجت نہیں' جیسا کہ مردوں کا حکم ہے۔

۲۵۷- ح: لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ

[رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھتے]

۲۵۷- اَنَّ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَشَهِدَ مَعَهُ نِسَاءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِيْ مُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھتے اور مؤمن عورتیں بھی حضور کے ساتھ حاضر ہوتیں' اپنی چادروں میں لپٹی ہوتیں۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو لوٹتیں انہیں کوئی پہچان نہیں پاتا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی کم تصلی المرأۃ فی الثیاب ص ۵۴' ایضاً۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت الفجر ص ۸۲' ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس ص ۱۲۰' ایضاً۔ باب: سرعۃ انصراف النساء من الصبح ص ۱۲۰' مسلم۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: استحباب التکبیر بالصبح باول وقتها ص ۲۳۰' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: وقت الصبح ص ۶۱' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما جاء فی التغلیس بالفجر ص ۲۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: وقت التغلیس فی الحضر ص ۹۴' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الوقت الذی ینصرف فیه النساء ص ۲۰۰' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: وقت صلوٰۃ الفجر ص ۴۹' موطا امام مالک۔ کتاب وقوت صلوٰۃ۔ ص ۳' مسند امام احمد)

مطابقت

یہاں باب ہے: کتنے کپڑوں میں عورت نماز پڑھے؟ اس حدیث سے باب کا اثبات ظاہر حال اور اس زمانے کی عادت کے اعتبار سے ہے کہ اگر یہ عورتیں پورے کپڑے پہنے ہوتیں تو اس طرح چادروں میں لپٹی نہ رہتیں۔ "ما یعرفھن احدٌ" مراد یہ ہے کہ چادر میں لپٹے رہنے کی وجہ سے کوئی یہ نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ کون عورت ہے۔

فجر کا وقت مستحب

اس روایت کے علاوہ خود بخاری میں بھی اور دوسری کتابوں میں "من الغلس" یا "بالغلس" کا اضافہ ہے "غلس" اخیر رات کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ اس سے امام مالک' امام شافعی' امام احمد نے یہ استدلال کیا کہ فجر کی نماز اوّل وقت میں پڑھنی مستحب ہے۔ ہمارے نزدیک اسفار یعنی جب اُجالا ہو جائے اس وقت پڑھنا مستحب ہے۔ یعنی اتنی تاخیر کہ بہ قدرِ مسنون قراءت کی جائے' بہ طریق مسنون نماز ادا کی جائے اور فراغت کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر نماز میں کوئی نقص ظاہر ہو تو دوبارہ قراءت مسنونہ کے ساتھ بہ طریق مسنون پڑھی جا سکے۔

۲۵۸- ح: اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ خَمِيْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ

[نبی ﷺ نے ایسی چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش تھے]

۲۵۸- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ خَمِيْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَاْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِيْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش تھے' آپ کی ایک نظر اس کے نقوش پر پڑی' جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم کی انجانیہ لاؤ' اس نے ابھی مجھے اپنی نماز سے

اَلْهَتْنِيْ اٰنِفًا عَنْ صَلٰوتِيْ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰى عَلَمِهَا وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَاَخَافُ اَنْ يَّفْتِنَنِيْ.

غافل کر دیا تھا۔ ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے توسط سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نماز کی حالت میں اس کے نقوش دیکھنے لگا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ مجھے فتنے میں نہ ڈال دے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا صلی فی ثوب له اعلام فنظر الی اعلامها ص ۵۴' کتاب الاذان۔ باب: رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ ص ۱۰۴' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: الاکیسۃ والخمائص ص ۸۶۵' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کراھیۃ الصلوٰۃ فی ثوب له اعلام ص ۲۰۸' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: النظر فی الصلوٰۃ ص ۱۳۲' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: الرخصۃ فی العلم وبخط الحریر ص ۲۰۵' نسائی۔ ج ا۔ کتاب القبلہ۔ باب: الرخصۃ فی الصلوٰۃ فی قمیص لها اعلام ص ۱۲۵' ابن ماجہ۔ کتاب اللباس۔ باب: لباس رسول الله صلی الله علیه وسلم ص ۲۶۲' موطا امام مالک۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: النظر فی الصلوٰۃ الی ما یشغلک ص ۳۶' مسند امام احمد)

تکمیل

یہ شامی چادر تھی' جسے حضرت ابوجہم نے حضور کی نذر کیا تھا۔ اسی لیے اسے واپس کر دیا اور اس لیے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو انجانیہ منگوا لیا جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے۔ ''خمیصة'' کا مادہ خمص ہے جس کے معنی پیٹ کا دبلا ہونا ہے' پتلی ریشمی یا اُونی کالی منقش چادر کو کہتے ہیں۔ انجانیہ غیر منقش سادے موٹے اُون کے کمبل کو کہتے ہیں۔ انجان ایک بستی ہے جس کی طرف یہ منسوب ہے۔

مسائل

(ا) منقش پھول دار کپڑے پہن کر نماز پڑھنی جائز ہے (۲) تھوڑی بے توجہی سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا (۳) جو چیز بھی حضور قلب میں حارج ہو اس سے نماز میں بچنا افضل ہے۔

''قال هشام'' علامہ کرمانی نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ سند میں مذکور ابن شہاب پر عطف ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابراہیم بن سعد نے یہ حدیث دو صاحبوں سے سنی ہے' ایک ابن شہاب سے دوسرے ہشام بن عروہ سے' اس تقدیر پر یہ حدیث مسند ہوگی اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ تعلیق ہو۔

فانها الهتنی انفا عن الصلوٰۃ

اس سے مراد یہ ہے کہ قریب تھا کہ یہ مجھے غافل کر دیتی۔ اسی کے افادے کے لیے امام بخاری' ہشام والی روایت لائے ہیں' جس میں یہ تصریح ہے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں مجھے فتنے میں نہ ڈال دے۔ مطلب یہ ہوا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کے نقش و نگار مجھے اس استغراق اور شہود سے جو نماز میں میری شان کے لائق ہے' ہٹا نہ دیں۔ یعنی حضور اس عالم سے نیچے نہیں آئے۔ اس کا صرف اندیشہ پیدا ہو گیا تھا' اس لیے کہ خوبصورت نقش و نگار کی جانب انسانی رجحان فطری ہے۔ حضرت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ تیسیر القاری میں فرماتے ہیں کہ حضور کے درجات غیر متناہی ہیں۔ وہ مرتبہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے' اگر بالفرض اس سے کچھ تنزل بھی ہو جائے پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر رہیں گے کہ دوسرے مقربین ہزار کوشش و فنا کے بعد بھی وہاں تک رسائی نہیں کر سکتے' مگر حضور نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ اس اپنے مخصوص درجے سے بھی تنزل فرمائیں' اس لیے یہ چادر واپس کر دی۔ شیخ الاسلام نبیرہ حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ اُمت کی تعلیم کے لیے تھا اور یہی اس خادم کے نزدیک بھی ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت شارع کی بھی تھی۔ رہ گئی یہ بات کہ جب اپنے لیے نہیں پسند فرمایا تو حضرت ابوجہم کو کیوں دیا؟ گزر چکا کہ یہ انہیں کی نذر تھی

اس لیے انہیں عطا فرمائی۔ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت ابوجہم اسے استعمال ہی کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے صرف میں لائے ہوں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کی چشمان مبارک سفید ہوگئی تھیں' اس لیے انہیں اندیشہ مذکور نہ تھا۔

۲۵۹- ح: كَانَ قِرَامٌ لِّعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا

[حضرت عائشہ کے پاس ایک (تصویردار) پردہ تھا جسے انہوں نے گھر کے ایک گوشے میں لگالیا تھا]

۲۵۹- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلٰوتِي۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس (ایک تصویردار) پردہ تھا جسے انہوں نے گھر کے ایک گوشے میں لگا لیا تھا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان سے) فرمایا: ہمارے سامنے سے اپنا پردہ ہٹا لو' اس لیے کہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے آتی رہیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ان صلی فی ثوب مصلب او تصاویر هل تفسد صلاته و ما ینهی عنه ص ۵۴' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: کراهية الصلوٰة فى التصاوير ص ۸۸۱)

تصویر کا حکم

قرام باریک رنگین اونی پردے کو کہتے ہیں۔ نسائی[1] میں ہے کہ اُم المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے اس پردے کو روشن دان پر لٹکا دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس روشن دان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' اس لیے (کہ وہ دیوار قبلہ میں تھا) مجھ سے فرمایا: اے عائشہ! اسے ہٹا دے! میں نے اسے اتار دیا اور اس کے تکیے بنا دیئے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس پر میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تصویر اگر اہانت کی جگہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اتنی چھوٹی ہو کہ اگر زمین پر رکھی ہو تو کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفصیل نہ دکھائی دیتی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس تصویر کا رکھنا حرام ہے جو اتنی بڑی ہو کہ کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفصیل دکھائی دیتی ہو اور اہانت کی جگہ نہ ہو' مثلاً دیوار میں لٹکی ہو۔ اہانت کی جگہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً فرش پر ہے کہ پاؤں سے روندی جائے گی' اس پر بیٹھا جائے گا یا تکیے میں ہے کہ اس پر ٹیک لگائی جائے گی۔ اس کی دلیل نسائی کی یہ حدیث ہے: رہ گیا تصویر کا بنانا وہ بلاشبہہ حرام ہے خواہ ہاتھ سے بنائیں یا کیمرہ وغیرہ مشینوں سے۔ تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

مناسبت باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: "ان صلى فى ثوب مصلب او تصاوير هل تفسد صلاته و ما ينهى عن ذلك" اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس میں صلیب یا تصویر ہو تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی اور اس سے ممانعت کا بیان۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کپڑا نہیں پہنے ہوئے تھے جس میں تصویریں تھیں بلکہ حضور کے سامنے جو پردہ تھا اس میں تصویریں تھیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے اگر تصویر ہو وہاں نماز پڑھنا منع ہے۔ مناسبت یہ ہے کہ جب ایسے پردے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا منع ہے تو اگر کپڑے پر تصویریں ہوں تو بہ درجہ اولیٰ ممانعت ہوگی۔ صلیب اور تصویر میں وجہ اشتراک یہ ہے کہ صلیب کی بھی پوجا ہوتی ہے اور تصویر کی بھی' اس لیے جیسے وہ کپڑا پہن کر نماز ممنوع ہے جس پر تصویریں بنی ہوں' اسی طرح وہ کپڑا بھی پہن کر نماز ممنوع ہے جس پر صلیب بنی ہو۔ نیز جب اس کے ہٹائے جانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ ایسے کپڑوں کا استعمال مطلقاً منع

[1] نسائی۔ ج ۲' ص ۲۹۸۔ کتاب الصناعة

ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر نمازی کے آگے ایسی چیز ہو جس سے حضور قلب میں خلل کا اندیشہ ہو تو وہاں نماز ممنوع ہے۔ اسی لیے فقہاء نے فرمایا کہ قبلہ کی دیوار میں نقش و نگار بنانا ممنوع اور اسی کے حکم میں مقاماتِ مقدسہ کے نقشے بھی ہیں۔ اسی لیے ہمارے علماء نے فرمایا کہ قیام کی حالت میں نظر موضع سجود پر رکھنی چاہیے۔

٢٦٠- ح: صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ فَنَزَعَهُ

[نبی ﷺ نے ایسے ریشمی قباء میں نماز پڑھی جس کا چاک پشت پر تھا، حضور نے اتار دیا]

٢٦٠- عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُهْدِيَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهُ فَصَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ وَقَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی قبا نذر کیا گیا جس کا چاک پشت پر تھا، حضور نے اسے پہنا اور اس میں نماز پڑھی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسے جلدی سے اتار دیا جیسے اسے ناپسند فرماتے ہوں اور فرمایا: یہ متقیوں کے لائق نہیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من صلی فی فروج حریر ثم نزعہ ص ٥٤، ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: القباء و فروج حریر ص ٨٦٣، مسلم۔ ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: تحریم اناء الذھب و الفضۃ الخ ص ١٩٢، نسائی۔ ج ا۔ کتاب القبلہ۔ باب: الصلوٰۃ فی الحریر ص ١٢٥، مسند امام احمد)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی ہیں، عالم، قاری اور فرائض کے ماہر نہایت ہی فصیح و بلیغ شاعر، کاتب، بزرگ تھے۔ اپنے ہاتھ سے ایک مصحف انہوں نے بھی لکھا تھا۔ یہ خود اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا، انہیں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی بیعت کر لی۔ شام کے معرکوں میں شریک رہے، دمشق کی فتح کی خوشخبری حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہی لائے تھے۔ واقعہ صفین میں حضرت امیر معاویہ کے ساتھ تھے، بعد میں حضرت معاویہ نے انہیں مصر کی ولایت مطلقۃً تفویض کی، یہاں تک کہ امور مذہبی اور وصولی خراج دونوں ان کے سپرد کر دیے، پھر ٤٧ھ میں انہیں معزول کر دیا۔ ٥٨ھ میں ان کا وصال مصر ہی میں ہوا۔ ان سے پچپن احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری نے آٹھ لی ہیں۔

فَرُّوْج حریر

یہاں روایت دو طرح ہے، اضافت کے ساتھ "فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ" اور صفت کے ساتھ "فَرُّوْجٌ حَرِيْرٌ"۔ "فروج" کا مادہ "فرج" ہے، یہ مصدر بھی ہے، کھولنے اور کشادہ کرنے کے معنی میں اور حاصل مصدر بھی، شگاف کے معنی میں۔ "فروج" ایسی قباء کو کہتے ہیں جس کا چاک پیٹھ کی جانب ہو۔ ایسی قباء سب سے پہلے فرعون نے پہنی تھی[1]۔ یہ قباء دومۃ الجندل کے رئیس، اکیدر بن مالک نے پیش کی تھی، جب غزوۂ تبوک کے بعد حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔ اور حضور ﷺ سے اس نے صلح کر لی تھی[2]۔ دومۃ الجندل، شام اور عراق کا سرحدی مقام ہے۔ دمشق سے چھ منزل اور مدینہ طیبہ سے تیرہ منزل ہے۔

[1] شرح تراجم للشاہ ولی اللہ دہلوی
[2] نسائی۔ ج ٢ ص ٢٩٦۔ لباس۔ باب: لبس الدیباج المنسوج بالذھب

تطبیق

ریشمی کپڑا پہننا مردوں کو حرام ہے اور عورتوں کو جائز ہے' حضرت علی رضی اللہ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے دائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا' پھر فرمایا:

ان هذين حرام علي ذكور امتي وحل لاناثهم. — یہ دونوں میری اُمت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لیے حلال۔

(ابوداؤد۔ ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: في الحرير للنساء ص ٢٠٥' نسائی۔ ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: تحريم الذهب للرجال ص ٢٨٤' ابن ماجہ۔ کتاب اللباس۔ باب: لبس الحرير والذهب للنساء ص ٢٦٥)

اور یہی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ سے بھی مروی ہے۔

دوسری حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ سے بھی ہے۔

حرم لباس الحرير والذهب علي ذكور امتي واحل لاناثهم. — ریشم اور سونے کا پہننا میری اُمت کے مردوں پر حرام کیا گیا اور عورتوں کے لیے حلال کیا گیا۔

(ترمذی۔ ج ١۔ کتاب اللباس۔ باب ص ٢٠٥' نسائی۔ ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: تحريم الذهب للرجال ص ٢٨٤)

رہ گیا حضور اقدس ﷺ نے اسے پہنا' اور ناپسند فرما کر اتارا تو یہ ارشاد فرمایا کہ یہ متقیوں کے لائق نہیں۔ یہ اس پر محمول ہے کہ اس وقت تک حرام نہیں کیا گیا تھا' جیسا کہ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دیبا کی قباء میں نماز پڑھی' پھر اسے اتار دیا اور فرمایا: ابھی جبریل نے مجھے اس سے منع کیا ہے۔ (عینی ج ٤)

مولانا کشمیری کی تصحیح

مولانا کشمیری صاحب نے "فروج" کا ترجمہ "کوٹ" کیا ہے جبکہ تمام شارحین اور اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ "فروج" اس قباء کو کہتے ہیں جس میں چاک پشت پر ہوتا ہے' حتیٰ کہ المنجد کے ترجمہ مصباح اللغات میں بھی یہی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ کوٹ آگے کی طرف کھلا رہتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے "فروج" کو ناپسند فرما کر اتار دیا اور فرمایا: یہ متقیوں کے لائق نہیں۔ ابھی جو حضرت جابر کی حدیث بحوالہ مسلم گزری' اس میں یہ ہے کہ مجھے جبریل نے ابھی اس سے منع کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں یا ایک؟ اگر دو ہیں تو بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے یہ پہلے کا ہے' جیسا کہ کشمیری صاحب کا خیال ہے۔ اب اشکال یہ ہے کہ جب ایک بار ریشمی کپڑا ناپسند فرما کر اتار دیا اور یہ فرمایا کہ یہ متقیوں یعنی ان مسلمانوں کے لائق نہیں جو گناہ سے بچتے ہیں تو دوبارہ کیوں پہنا؟ اس لیے کہ یہ ارشاد اس کی حرمت پر دلالت کر رہا ہے' اس طرح کہ گناہ سے بچنے والوں کے لائق کیوں نہیں۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ گناہ ہے' اس لیے اس خادم کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث اُم المؤمنین اور مسلم کی حدیث جابر دونوں میں مذکور ایک ہی واقعہ ہے۔ مضامین میں اجمال و تفصیل ہے۔

٢٦١- ح: وَرَأَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءً [اور میں نے یہ دیکھا کہ حضرت بلال (رضی اللہ)

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لیا]

٢٦١ - عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِىْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَّرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَالِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَرَاَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے بطحاء مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ گول خیمے میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لیا اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس پانی کو ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں۔ اس پانی سے اگر کسی کو کچھ مل جاتا تو اسے اپنے منہ پر ملتا اور جسے کچھ نہ ملتا تو وہ اپنے ساتھ والے کے ہاتھ کی تری لے لیتا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ بلال چھوٹا نیزہ لائے اور اسے گاڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا پہنے تہبند اٹھائے برآمد ہوئے آپ نے اس نیزے کی طرف منہ کر کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے انسانوں اور چوپایوں کو دیکھا کہ اس نیزے کے آگے سے گزرتے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی الثوب الاحمر ص ۵۴' ایضاً۔ کتاب الوضو۔ باب: استعمال فضل وضوء الناس ص ۳۱' ایضاً۔ باب: سترۃ الامام سترۃ من خلفہ ص ۷۲' ایضاً۔ باب: الصلوٰۃ الی العنزۃ ص ۷۱' ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: التشمر فی الثیاب ص ۸۶۱' ایضاً۔ باب: القبۃ الحمراء ص ۸۷۱' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: سترۃ المصلی ص ۱۹۵۔۱۹۶' ابوداود۔ ج ا۔ باب: ما یستر المصلی ص ۱۰۰' ترمذی۔ ج ا۔ باب: ما جاء فی ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان ص ۲۷' نسائی۔ ج ا۔ کتاب القبلۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الثیاب الحمر ص ۱۲۵' ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الزینت۔ باب: اتخاذ القباب الاحمر ص ۳۰۲' ابن ماجہ۔ کتاب الاذان۔ باب: السنۃ فی الاذان ص ۵۲)

تکمیل

اسی بخاری' باب "سترۃ الامام سترۃ من خلفہ" میں ہے: یہ مکہ کے بیرونی حصہ بطحاء میں پیش آیا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی' یعنی ظہر کے اخیر وقت میں ظہر اور عصر کے اوّل وقت میں عصر اور باب "الصلوٰۃ الی العنزۃ" میں ہے کہ یہ واقعہ ہاجرہ یعنی بعد دوپہر ہوا تھا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت بلال نے اذان کہی تو اذان میں (دائیں بائیں "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے وقت) گھومے تھے اور اپنے کانوں میں انگلیاں کر لی تھیں۔

باب کا فائدہ

بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرخ رنگ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔ مثلاً ابوداود[1] اور ترمذی[2] میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' ایک شخص سرخ کپڑے پہنے ہوئے گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا مگر حضور نے جواب نہ دیا۔ ابوداود[3] میں ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہماری سواریوں اور اونٹوں پر ایسی چادریں ہیں جن کے دھاگے سرخ اُون کے ہیں۔ اس پر فرمایا: کیا میں یہ نہیں دیکھتا کہ سرخ رنگ تم پر چھا گیا ہے۔ ہم نے حضور کے اس ارشاد کی وجہ سے اتنی تیزی سے ان چادروں کو اتارا کہ کچھ اونٹ بدک گئے۔ ان

1. ابوداود۔ ج ۲ ص ۲۰۷۔ لباس۔ باب: فی الحمرۃ
2. ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۰۴۔ ادب۔ باب: ما جاء فی لبس المعصفر
3. ابوداود۔ کتاب اللباس۔ باب: فی الحمرۃ ص ۲۰۷

دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سرخ رنگ کے کپڑے ممنوع ہیں۔ امام بخاری کا مذہب غالبًا یہ ہے کہ یہ جائز ہے' اس لیے کہ جن کپڑوں کا استعمال جائز نہیں' انہیں پہن کر نماز مکروہ ہوتی ہے۔ یہی بتانے کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''الصلوۃ فی الثوب الاحمر'' سرخ کپڑے میں نماز کا بیان۔ اس کے ثبوت کے لیے جو حدیث لائے ہیں' اس میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سرخ پوشاک پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ اس سے جواز ثابت ہو گیا۔ ہمارے نزدیک اس مسئلے میں تفصیل ہے۔ کُسم اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے' جیسا کہ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کُسم سے رنگے ہوئے کپڑے سے منع فرمایا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مرد زعفران سے رنگے۔ دوسری کسی چیز سے اگر کپڑا سرخ رنگا گیا ہے اور شوخ ہے تو مکروہ تنزیہی ہے ورنہ نہیں۔ ناپسند ہونا ان احادیث سے ثابت ہوا جو ہم نے ابوداؤد اور ترمذی کی نقل کیں۔ اور اس باب میں امام بخاری جو حدیث لائے اس سے بلاکراہت جواز ثابت ہوتا ہے' دونوں میں تطبیق کی ایک صورت یہی ہے کہ ناپسندیدگی شوخ سرخ رنگ سے تھی اور جو حلہ زیب تن فرمایا' یہ ہلکے سرخ رنگ کا رہا ہوگا۔ بیان جواز کے لیے آپ نے زیب تن فرمالیا۔ ویسے علامہ عینی وغیرہ احناف نے فرمایا کہ یہ حلہ سرخ دھاری دار تھا' اس کی زمین سفید تھی' جیسا کہ ابن عربی کی احکام القرآن میں تفصیل مذکور ہے۔

اَخَذَ وَضُوْءٍ

اس سے مراد یہ ہے کہ وضو کے لیے پانی لائے۔ اس کی دلیل مسلم کی یہ روایت ہے جس میں اس کے بعد مذکور ہے: ''فتوضا'' پھر حضور نے وضو فرمایا۔

ذٰلِكَ الْوَضُوْءِ

اس سے مراد وہ پانی ہے جو وضو فرماتے وقت گرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام' اولیائے عظام کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحراء میں نماز پڑھتے وقت سترہ گاڑ لینا چاہیے۔ امام کا سترہ تمام مقتدیوں کا سترہ ہے۔ مقتدیوں کو اپنے اپنے آگے سترہ قائم کرنے کی حاجت نہیں' سترہ کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث کا کچھ حصہ کتاب الطہارۃ میں گزر چکا ہے۔ سرخ کپڑے کی بحث کے لیے اس کو میں نے دوبارہ ذکر کیا۔

ت ۹۴- وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَاْسًا اَنْ يُّصَلّٰى عَلَى الْجُمْدِ وَالْقَنَاطِيْرِ وَاِنْ جَرٰى تَحْتَهَا بَوْلٌ اَوْ فَوْقَهَا اَوْ اَمَامَهَا اِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ. (بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی السطوح والمنبر والخشب ص ۵۴)

امام حسن بصری نے اس میں کوئی حرج نہیں جانا کہ جم کر برف ہو جانے والے پانی یا پلوں پر نماز پڑھی جائے' اگر چہ ان کے نیچے یا اوپر یا آگے پیشاب (یا اور کوئی نجاست) بہہ رہی ہو' جبکہ دونوں کے درمیان سترہ ہو۔

ت ۹۵- وَصَلّٰى اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ بِصَلٰوةِ الْاِمَامِ. (ایضا ابن ابی شیبہ وسعید بن منصور)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر امام کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

ت ۹۶- وَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الثَّلْجِ. (بخاری۔ ج ا۔ باب: الصلوۃ فی السطوح ص ۵۵)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے برف پر نماز پڑھی۔

''ثلج'' اس برف کو کہتے ہیں جو فضا سے گرتی ہے' اگر یہ جم کر اتنی سخت ہو گئی ہے کہ سجدہ کرنے میں پیشانی اس پر ٹک جائے تو اس پر نماز صحیح ہے اور اگر اتنی سخت نہیں ہے تو جائز نہیں۔ یہی حکم گدے' قالین وغیرہ کا بھی ہے۔

٢٦٢- ح: صِفَةُ مِنبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[رسول اللہ ﷺ کے منبر کی صفت]

٢٦٢- حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ اَنَّ رِجَالًا اَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنبَرِ مِمَّ عُوْدُهٗ فَسَاَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ اَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ وَاَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فُلَانَةَ امْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ اَنْ يَّعْمَلَ لِيْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ اِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَاَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هٰهُنَا ثُمَّ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلَيْهَا وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ فِيْ اَصْلِ الْمِنبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ۔

ابوحازم بن دینار نے یہ حدیث بیان کی: کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان لوگوں کو یہ یقین سے معلوم نہیں تھا کہ منبر اقدس کس لکڑی کا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت سہل سے اس کے بارے میں دریافت کیا' اس پر انہوں نے فرمایا: بخدا! میں جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا تھا اور میں نے اسے اسی دن دیکھا تھا جس دن رکھا گیا تھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اس پر بیٹھے تھے رسول اللہ ﷺ نے انصار کی ایک عورت فلانہ کے پاس کہلایا۔ حضرت سہل نے ان کا نام لیا تھا کہ اپنے غلام کو جو بڑھئی ہے یہ حکم دے کہ میرے لیے ایسی لکڑیاں بنا دے کہ جب مجھے لوگوں سے کچھ کہنا ہو تو ان پر بیٹھوں۔ اس عورت نے اپنے غلام کو حکم دیا' اس نے غابہ کے جھاؤ سے بنایا اور پھر وہ اسے لایا۔ اس عورت نے منبر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضور نے حکم دیا اور منبر یہاں رکھا گیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ اسی پر تشریف رکھتے ہوئے تکبیر پڑھی' پھر اسی پر رہتے ہوئے رکوع فرمایا' پھر اُلٹے قدم پھر کر منبر کی جڑ میں سجدہ کیا' پھر منبر پر تشریف لے گئے' جب نماز سے فارغ ہو چکے' لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! یہ میں نے اس لیے کیا ہے تاکہ تم لوگ میری اتباع کرو اور میری نماز سیکھ لو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الجمعہ۔ باب: الخطبه على المنبر ص ١٢٥' ایضاً۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰة على السطوح والمنبر ص ۵۵' ایضاً۔ باب: الاستعانة بالنجار والصناع فى اعواد المنبر ص ٦٣' ج ٢۔ کتاب الھبہ۔ باب: من استوھب من اصحابه شيئاً ص ٣٤٩' مسلم۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: جواز الخطوة والخطوتين فى الصلوٰة ص ٢٠٦' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الجمعہ۔ باب: اتخاذ المنبر ص ١۵٢' نسائی۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: الصلوٰة على المنبر ص ١٢٠' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: بدء شان المنبر ص ١٠٣' داری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۴۵)

''اِلٰی فُلَانَة'' یہ علم سے کنایہ ہے' اس وجہ سے کہ یہ علیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ ان کا نام کیا تھا؟ اس کی یقینی طور پر تعیین نہیں ہو سکی۔ علامہ عینی کا رجحان یہ ہے کہ ان کا نام عائشہ تھا' جیسا کہ طبرانی کی معجم اوسط میں ہے۔ جس بڑھئی نے بنایا تھا اس کا نام کسی نے قبیصہ مخزومی' کسی نے میمون' کسی نے صلاح' کسی نے مینا' کسی نے باقوم بتایا۔

من طرفاء الغابة

کتاب الصلوٰۃ میں ہے: "من اثل الغابة"۔ "طرفاء" اور "اثل" دونوں جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں جیسا کہ خطابی نے کہا۔ ابن سیدہ نے کہا کہ اثل طرفاء کے مشابہ ہوتا ہے مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے جہاں حضور اقدس ﷺ کے اونٹ چرتے تھے اور عُکل وعُرینہ نے ڈاکہ ڈالا تھا۔ یاقوت نے کہا: یہ مدینہ سے چار میل دوری پر ہے۔ زمخشری نے ایک برید کا فاصلہ بتایا' ان سب میں تنافی نہیں۔ مدینہ سے اس کا ابتدائی حصہ کہیں چار میل کہیں ایک برید اور انتہائی حصہ نو میل ہے۔ غابہ کے معنی جھاؤ کے بھی ہیں۔ اس منبر کی تین سیڑھیاں تھیں[1] اور ایک مستراح بیٹھنے کے لیے تھا[2] حضور اقدس ﷺ سب سے اونچے والے درجے پر قیام فرماتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے درجے اور حضرت فاروق اعظم سب سے نیچے والے تیسرے پر۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے اب کوئی درجہ ہی نہ رہا تو اوپر والے درجہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا' جب لوگوں نے دریافت کیا: ایسا کیوں کیا؟ تو فرمایا: اگر دوسرے پر کھڑا ہوتا تو لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں' تیسرے پر کھڑا ہوتا تو حضرت فاروق کے ساتھ برابری کا وہم ہوتا' اس لیے وہاں کھڑا ہوا جہاں برابری کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

فائدہ باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: چھتوں اور منبر پر نماز کا بیان' اس کی ضرورت یہ پڑی کہ حدیث گزر چکی کہ فرمایا: زمین میرے لیے مسجد یعنی نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہے۔ اور چھت' منبر' تخت وغیرہ زمین نہیں' تو شبہہ ہوتا ہے کہ شاید ان پر نماز درست نہ ہو۔ اس کے ازالے کے لیے یہ باب قائم فرمایا ہے۔

مسائل

امام مقتدیوں سے اونچی جگہ کھڑا ہوئے یہ جائز ہے۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو کراہت بھی نہیں' مثلاً یہاں اُمت کی تعلیم مقصود تھی' بلاضرورت مکروہ ہے' مگر میرا وجدان کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ فعل آپ کے خصائص میں سے تھا۔ حضرات خلفائے راشدین کو بار بار تعلیم کی ضرورت پیش آئی مگر کہیں یہ منقول نہیں کہ ان حضرات نے منبر یا کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی ہو اور نہ کسی صحابی سے منقول ہے۔ نماز میں ایک دو قدم چلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ عملِ قلیل مفسدِ نماز نہیں۔ علماء' مشائخ کا اونچی جگہ بیٹھنا جائز ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد نے علی بن مدینی سے فرمایا: آپ کی روایت کردہ اس حدیث سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ' بلندی یعنی منبر پر تھے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ امام مقتدیوں سے اونچی جگہ ہو۔ علی بن مدینی نے فرمایا: کیا آپ نے سفیان بن عیینہ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ ان سے اکثر اس بارے میں سوالات ہوتے اور وہ یہی حدیث بیان کرتے۔ امام احمد نے فرمایا: نہیں' یعنی یہ حدیث پوری نہیں سنی ہے۔ میں نے پوری کی قید اس لیے لگائی کہ مسند امام احمد میں اس حدیث کا جز سفیان بن عیینہ ہی سے اسی اسناد کے ساتھ مذکور ہے۔ بس اتنا "قال سهل كان المنبر من اثل الغابة"۔

۲۶۳- ح فَجَلَسَ فِیْ مَشْرُبَةٍ لَّهٗ [اس کے بعد اپنے ایک بالاخانے میں قیام فرمایا]

۲۶۳- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

[1] مسلم' ابن ماجہ' مسند امام احمد۔ [2] رد المحتار' ج ۱' ص ۵۵۲- کتاب الجمعۃ' فتاویٰ رضویہ' ج ۳' ص ۷۰۰

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهٖ فَجُحِشَتْ سَاقُهٗ اَوْ كَتِفُهٗ وَ اٰلٰى مِنْ نِّسَائِهٖ شَهْرًا فَجَلَسَ فِيْ مَشْرُبَةٍ لَّهٗ دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوْعٍ فَاَتَاهُ اَصْحَابُهٗ يَعُوْدُوْنَهٗ فَصَلّٰى بِهِمْ جَالِسًا وَّهُمْ قِيَامٌ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا وَاِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَّنَزَلَ لِتِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ اٰلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ.

ﷺ اپنے گھوڑے سے زمین پر آ رہے، جس سے آپ کی پنڈلی یا کاندھا چھل گیا اور حضور نے قسم کھائی کہ ایک مہینے تک اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے، اس کے بعد اپنے ایک بالا خانے میں قیام فرمایا، جس کے زینے کھجور کی لکڑی کے تھے۔ خدمت اقدس میں صحابہ کرام عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو حضور نے انہیں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھائی اور صحابہ کھڑے تھے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضور نے فرمایا: امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کرو، جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو، اور اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو کھڑے ہو کر پڑھو اور حضور انتیس دنوں پر نیچے اترے۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے ایک مہینے کے لیے قسم کھائی تھی۔ فرمایا: یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ ص ٩٢، ایضاً۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوٰة على السطوح والمنبر ص ٥٥، ایضاً۔ باب: اذا كان بين الامام والقوم حائط ص ١٠١، ایضاً۔ باب: یھوی بالتكبير حين يسجد ص ١١٠، ایضاً۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: صلوٰة القاعد ص ١٥٠، ایضاً۔ کتاب الصوم۔ باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم اذا رايتم الهلال فصوموا ص ٢٩٤، ایضاً۔ کتاب المظالم۔ باب: الغرفة والعلية المشرفة وغير المشرفة ص ٣٣٥، ایضاً۔ ج ٢۔ کتاب النکاح۔ باب: قول الله تعالىٰ الرجال قوامون على النساء ص ٧٨٣، ایضاً۔ کتاب الطلاق۔ باب: قوله تعالىٰ للذين يولون من نسائهم تربص اربعة اشهر ص ٧٩٧، ایضاً۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: من حلف لا يدخل على اهله شهرا ص ٩٨٩، مسلم۔ ج ا۔ باب: ائتمام الماموم بالامام ص ١٧٦، ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الامام يصلي من قعود ص ٨٨، ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: اذا صلى الامام قعودا فصلوا قعودا ص ٤٧، نسائی۔ ج ا۔ کتاب الامامۃ۔ باب: الائتمام بالامام يصلي قاعدا ص ١٣٣، ابن ماجہ۔ باب: انما جعل الامام ليوتم به ص ٨٨، موطا۔ باب: صلوٰة الامام وهو جالس ص ٥١، داری۔ کتاب الصلوۃ۔ ص ٤٤، مسند امام احمد)

فجحشت

علامہ خطابی نے فرمایا کہ "جحش" کے معنی کھال چھل جانے کے ہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ کچھ چوٹ بھی آئی تھی اور تکلیف بھی تھی، جس کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکے۔ امام احمد نے حضرت انس ہی سے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت کی "انفكت قدمه" قدم پاک اکھڑ گیا۔ اور یہی اسماعیلی کے یہاں، بشر بن المفضل عن حمید بھی ہے، بلکہ بخاری، باب "اذ رأيتم الهلال فصوموا" میں بھی ہے۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنے سے حاصل یہ نکلا کہ شدید خراش بھی آئی تھی اور پاؤں بھی اکھڑ گیا تھا۔ یہاں شکِ راوی ہے کہ یہ خراش پنڈلی میں تھی یا شانے میں، مگر دوسری روایتوں میں "شقه الايمن" ہے، یعنی دائیں کروٹ میں۔ یہ پنڈلی اور شانہ دونوں کو شامل ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہ "اشمل" ہے۔

یہ واقعہ کب ہوا تھا؟

گھوڑے سے گر کر چوٹ لگنے کا واقعہ ۵ھ میں واقع ہوا، جیسا کہ عینی میں ہے اور ابن حبان نے بھی لکھا ہے۔ حضور اقدس ﷺ

کسی ضرورت سے "غابہ" تشریف لے جارہے تھے۔ کسی ناگہانی افتاد کی وجہ سے ایک کھجور کے درخت کی جڑ میں گر پڑے[1] اور آپ کا دایاں پاؤں اکھڑ گیا اور دائیں جانب شدید خراش آئی' پنڈلی میں بھی اور شانے میں بھی۔

وآلی من نسائه

ایلاء کا مادہ "الیّة" ہے' اس کے معنی قسم کے ہیں۔ شریعت میں ایلاء اسے کہتے ہیں کہ کوئی یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینے یا اس سے زائد مدت تک اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ یہاں حدیث میں "اِیـلاء" سے فقہی معنی مراد نہیں۔ لغوی معنی مراد ہے' یعنی صرف قسم کھانا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ قسم کھائی کہ ایک مہینے تک اپنی ازواج کے قریب نہیں جاؤں گا۔ یہ قسم کس وجہ سے کھائی تھی' اس کے مختلف اسباب' احادیث و کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب النکاح میں آئے گی۔

یہ ایلا کا واقعہ کب ہوا؟

اس حدیث کے ظاہر سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ یہ چوٹ لگنے والا اور ایلاء کا واقعہ ایک ہی ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ دھوکہ شبلی صاحب کو بھی ہو گیا[2] چونکہ دونوں واقعات میں یہ دو باتیں مشترک ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ان ایام میں بالا خانے پر تشریف رکھتے تھے اور یہ قیام انتیس دن رہا' اس لیے بعض رُواۃ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دونوں ایک ہی واقعے ہیں' مگر درحقیقت یہ دو الگ الگ واقعے ہیں اور الگ الگ سن میں رونما ہوئے۔ اس پر سب سے پہلے علامہ زیلعی کی نظر گئی۔ اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں: اس چوٹ کا واقعہ ۵ ھ میں پیش آیا اور واقعہ ایلاء ۹ ھ میں۔ اس چوٹ والے واقعے میں حضور اقدس ﷺ بالا خانہ سے نیچے تشریف نہیں لاتے تھے' نیچے تشریف لانا تو بہت دور ہے' ابتداء میں کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ بالا خانہ ہی پر نمازیں ادا فرماتے وہ بھی بیٹھ کر' صحابہ کرام عیادت کے لیے حاضر ہوتے رہتے۔ صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات میں کسی بے چینی کا کوئی ذکر نہیں' برخلاف واقعۂ ایلاء کے' اس میں تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ بالا خانہ سے نیچے اترتے' مسجد میں آ کر نمازیں پڑھتے' دن میں ایک کنویں پر تشریف لے جاتے جہاں ایک پیلو کا درخت تھا' اس کے سائے میں آرام فرماتے۔ صحابہ کرام میں شدید اضطراب تھا' ازواجِ مطہرات کا سکون رخصت تھا۔ آگے حدیث ایلاء' کتاب النکاح میں مفصل آئے گی' جس میں یہ ہے کہ حضرت عمر کے دوست نے ان سے کہا: ایک بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے' غسان کے حملے سے بھی بڑھ کر۔ حضرت عمر نے فجر کی نماز حضور کے پیچھے پڑھی' نماز سے فارغ ہو کر حضور بالا خانے پر تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام مسجد میں بیٹھے رو رہے تھے' ازواجِ مطہرات الگ رو رہی تھیں۔ دروازے پر دربان تھا' کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی' حضرت عمر کو بھی بمشکل اجازت ملی۔

فتح الباری میں ہے کہ واقعۂ ایلاء میں رات کے وقت بالا خانے پر تشریف رکھتے اور دن میں قریب ہی کے ایک کنویں پر پیلو کے درخت کے نیچے تنہا قیلولہ فرماتے۔ اور یہی وفاء الوفاء میں بھی ہے۔ ان سب سے ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں۔

ان چوٹ کے وقت جب کہ حضور بالا خانے سے نیچے اترتے نہ تھے تو مسجد نبوی میں ان دنوں نماز کس نے پڑھائی؟ یہ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔

ان صلی قائما فصلوا قیاما

بعض حدیثوں میں یہ بھی ہے: "واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا"[3] اور جب امام بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں'

ل (پچھلے صفحہ کا حاشیہ) فتح الباری۔ ج ۲ ص ۱۴۹۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ ل ابن خزیمہ و ابوداؤد

[2] سیرۃ النبی۔ ج ۱ ص ۵۵۱ [3] بخاری۔ ج ۱ ص ۹۵۔۹۶۔ کتاب الاذان۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ

حالانکہ ہمارا اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے امام بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو مقتدی بیٹھیں گے نہیں' کھڑے ہو کر پڑھیں گے۔ اس کا جواب خود امام بخاری نے یہ دیا ہے کہ حمیدی نے کہا کہ یہ ارشاد پہلے کا ہے' یعنی اس واقعے کے وقت ۵ھ کا اور مرضِ وصال میں حضور اقدس ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور تمام صحابہ کرام کھڑے تھے۔ اس وقت حضور نے صحابہ کو کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا اور اعتبار آخر فالآخر کا ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ مرضِ وصال والی حدیث میں اضطراب ہے۔ بعض میں یہ ہے کہ امام حضرت صدیق اکبر تھے' اور حضور مقتدی' جیسا کہ ترمذی اور نسائی میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ نیز نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے' اس لیے اس حدیث سے نسخ نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب علامہ عینی نے امام بیہقی سے یہ نقل کیا کہ مرضِ وصال میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کے بعد آپ دوبار مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے' پہلی بار ہفتہ یا اتوار کو نمازِ ظہر میں' اس میں حضور امام تھے اور حضرت صدیق سمیت تمام صحابہ مقتدی۔ دوسری بار ٹھیک وصال کے روز دوشنبہ کے دن نمازِ فجر میں جبکہ ایک رکعت ہو چکی تھی' دوسری رکعت میں شامل ہوئے' اس میں حضرت صدیق امام تھے اور حضور مقتدی۔ رہ گئی وہ روایت کہ یومِ وصال پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور پردہ چھوڑ دیا' یہ پہلی رکعت میں ہوا۔ بعد میں افاقہ اور کچھ طاقت محسوس ہوئی تو مسجد میں تشریف لائے اور دوسری رکعت میں شریک ہو گئے۔[1] علاوہ ازیں سقوط عن الفرس والی حدیث بھی اضطراب سے خالی نہیں۔ بخاری[2] اور مسلم[3] دونوں میں ایک روایت یہ ہے: "فصلی بنا قاعدًا فصلینا وراءہ قعودًا" حضور نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی' ہم لوگوں نے حضور کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

اقول باللّٰہ التوفیق: یہ نماز فرض تھی جب تو ان ابحاث کی گنجائش ہے' جو شارحین نے یہاں شرح و بسط کے ساتھ تحریر کی ہیں اور اگر نفل تھی تو پھر بحث ہی ختم ہے۔ علامہ قرطبی کی رائے ہے کہ یہ نماز فرض تھی۔ علامہ ابن حجر کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے۔[4] ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں یہ ہے: "فحضرت الصلوٰۃ" اس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ لوگ نماز کے لیے اکٹھے ہو گئے اور جماعت کا وقت ہو گیا' جس کی تعبیر ہمارے عرف میں یہ ہوتی ہے کہ جماعت تیار ہے۔ صحابہ کرام صرف فرض ہی کے لیے اکٹھے ہوتے تھے' اس لیے ثابت ہوا کہ یہ نماز فرض تھی۔ علاوہ ازیں ابوداؤد[5] میں تصریح ہے کہ صحابہ کرام نے ان ایام میں دوبار حضور اقدس ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ایک مرتبہ نفل اور دوبارہ فرض میں اقتداء کی' لیکن اس خادم کی نظر میں امام قاضی عیاض کا قول راجح ہے کہ یہ نماز نفل تھی' کیونکہ ان ایام میں مسجد میں نماز ضرور ہوتی تھی۔ مسجد میں نماز پڑھنا صحابہ نے چھوڑ نہیں دیا تھا' اس لیے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام مسجد میں جماعت سے نماز فرض پڑھ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے۔ اور جب دیکھا کہ حضور نماز پڑھ رہے ہیں تو حصول برکت کے لیے بہ نیت نفل شریک ہو گئے' تو اگرچہ حضور فرض پڑھ رہے تھے مگر صحابہ کرام کی نماز نفل تھی اور نفل قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔ اب حدیث کا مفاد یہ ہوا کہ جب امام کے پیچھے نفل پڑھو اور امام بیٹھا ہو تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور ہمارا دوسرے ائمہ سے جو اختلاف ہے وہ فرض کے بارے میں ہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور نسخ کے

۱؎ عینی۔ ج ۴ ص ۱۰۶۔ باب: الصلوٰۃ علی السطوح' موسیٰ بن عقبۃ فی المغازی

۲؎ بخاری۔ ج ۱ ص ۹۶۔ کتاب الاذان۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ

۳؎ مسلم۔ ج ۱ ص ۱۷۶۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ایتمام الماموم الامام

۴؎ فتح الباری۔ ج ۲ ص ۱۵۱۔ کتاب الاذان۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ

۵؎ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۸۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامام یصلی من قعود

قول کی حاجت نہیں رہتی۔

یہ نماز کون سی تھی؟

فیض الباری میں ادعا ہے کہ یہ نمازِ ظہر تھی، مگر اس پر کوئی سند نہیں پیش کی، اس لیے یہ محض ادعاء ہی ادعا ہے۔ حضرت انس ہی کی ایک روایت میں "فصلی بنا یومئذ" ہے، اس دن ہمیں نماز پڑھائی۔ علامہ ابن حجر نے اس سے استدلال فرمایا کہ یہ دن کی نماز تھی، خواہ ظہر ہو خواہ عصر[1] لیکن اگر نماز نفل تھی جیسا کہ اس خادم کا رجحان ہے تو یہ استدلال تام نہیں۔

مرضِ وصال میں کتنی نمازیں مسجد میں پڑھیں؟

مرضِ وصال میں حضور نے کتنی بار مسجد میں تشریف لا کر نمازیں پڑھیں؟ اس سلسلے میں علامہ عینی کی تحقیق گزری کہ دو بار۔ ایک مرتبہ ہفتہ یا اتوار کو نمازِ ظہر کے لیے، دوبارہ دوشنبہ کو نمازِ فجر میں، لیکن حدیث کے تمام طرق پر جب نظرِ دقیق ڈالی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ چار بار مسجد میں تشریف لائے، ایک تو جمعہ کے بعد ہفتہ کی رات میں عشاء کی نماز کے وقت جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا تھا۔ مسلم شریف میں[2] ہے: "فلما دخل فی الصلوٰۃ وجد من نفسہ خفۃ فقام یہادی بہا الخ" جب حضرت ابوبکر نے نماز شروع کر لی تو حضور نے اپنی طبیعت ہلکی پائی اور کھڑے ہو کر دو آدمیوں کے مابین، دوسری بار ہفتہ یا اتوار کو نمازِ ظہر میں، جیسا کہ گزر چکا۔ تیسری بار دوشنبہ کو نمازِ ظہر میں، جیسا کہ پہلے بھی اور ابھی عینی کے حوالے سے گزرا۔ ان تینوں بار نماز میں شرکت فرمانے کی تصریح ہے۔ چوتھی بار پیشانی اقدس پر پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے، خطبہ دیا، جیسا کہ بخاری[3] ہی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اس روایت میں صراحت کے ساتھ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بھی پڑھی، مگر قیاس یہی کہتا ہے کہ ایسے ہی وقت مسجد میں تشریف لائے ہوں گے کہ نماز کے لیے صحابہ کرام جمع رہے ہوں گے، اس لیے اغلب یہ ہے کہ نماز بھی پڑھی ہوگی۔ اس سے ان تمام روایتوں میں تطبیق ہو جائے گی جن میں سہارا دینے والوں کے نام مختلف آئے ہیں، جیسا کہ گزر چکا۔

انما جعل الامام لیوتَمَّ بہ

ہمارے نزدیک اقتداء صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ امام کی نماز مقتدی کے مساوی ہو یا اعلیٰ، ادنیٰ نہ ہو، اس لیے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والا اقتداء کر سکتا ہے، جیسا کہ ابھی ابوداؤد کی حدیث گزری کہ حضور فرض پڑھ رہے تھے اور صحابہ کرام نے حضور کے پیچھے نفل پڑھی۔ مگر نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والا اقتداء نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اَدْوَن پر اعلیٰ کی بناء درست نہیں۔

ت۹۷- وَصَلّٰى جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَاَبُوْ سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا.

حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

(ج ا۔ باب: الصلوٰۃ علی الحصیر ص ۵۵، ابن ابی شیبہ)

ت۹۸- وَقَالَ الْحَسَنُ تُصَلِّيْ قَائِمًا مَّا لَمْ تَشُقَّ عَلٰى اَصْحَابِكَ تَدُوْرُ مَعَهَا وَاِلَّا فَقَاعِدًا.

اور امام حسن بصری نے فرمایا: (کشتی میں) کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر تمہارے ساتھیوں پر شاق نہ ہو۔ گھومتے رہو اس کے ساتھ ورنہ بیٹھ کر۔

---

[1] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۱۵۱۔ کتاب الاذان۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ۔

[2] مسلم۔ ج ا ص ۱۹۸۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: استخلاف الامام

[3] بخاری۔ ج ا ص ۵۱۲۔ کتاب علامات النبوۃ

یہاں امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے: ''باب الصلوۃ علی الحصیر'' چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان۔ یہ باب قائم کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''عفّر وجهك في التراب'' اپنے چہرے کو دھول سے لتھیڑ۔ اس سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اگر زمین اور نمازی کے مابین جنس ارض کے علاوہ کوئی چیز حائل ہو تو نماز درست نہ ہوگی۔ باب قائم کر کے امام بخاری نے یہ افادہ فرمایا: نماز صحیح ہونے کے لیے استقرار علی الارض شرط ہے' اگر چہ نمازی اور زمین کے مابین کوئی چیز حائل ہو' جیسے چٹائی۔

باب سے مطابقت......اور کشتی میں نماز کا حکم

دونوں اثروں اور باب میں مطابقت یہ ہے: چٹائی کھجور کی پتیوں یا کسی اور نباتات سے بنائی جاتی ہے اور کشتی بھی لکڑی سے بنتی ہے۔ جب لکڑی کی کشتی پر نماز درست ہے' حالانکہ کشتی اور زمین کے مابین پانی حائل ہے تو چٹائی پر بہ درجہ اولیٰ صحیح ہوگی کیونکہ یہ بھی لکڑی ہی کی جنس سے بنی ہے اور اس کے اور زمین کے مابین کچھ حائل نہیں۔

اقول: کشتی پر نماز اس وقت جائز ہے کہ وہ بیچ دریا میں ہو' اگر اُتریں تو بھی پانی ہی ملے گا' یا کنارے ہے اور زمین پر ٹکی نہیں ہے اور اگر کنارے بہ آسانی اُترنا ممکن ہے تو نماز نہ ہوگی' اس لیے کشتی پر چٹائی کا قیاس' قیاس مع الفارق ہے۔ ان حضرات نے جو کشتی میں نماز پڑھی اس کا محمل یہی ہے کہ وہ کشتی بیچ دریا میں تھی۔ فرض و واجب اور ملحق بواجب سنت فجر کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک استقرار علی الارض' یعنی زمین پر ٹکا ہونا' دوسرے اتحاد مکان یعنی تمام ارکان ایک ہی جگہ ادا کیے جائیں۔ اگر ان شرطوں میں سے ایک بھی فوت ہو گئی' نماز صحیح نہ ہوگی۔ مثلاً استقرار علی الارض نہیں تو اگر چہ مکان متحد ہو' نماز نہ ہوگی' استقرار علی الارض ہے مگر مکان بدلتا رہتا ہے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو' مثلاً درندے یا دشمن کا خوف' یا یہ کہ اگر سواری سے اترے تو بھی زمین نہ ملے اور اگر موقع ایسا ہے کہ اترے اور آسانی سے زمین پر نماز پڑھ سکتا ہے تب بھی عذر نہیں' مثلاً کوئی ایسی گاڑی پر سوار ہے' اس کے چار پہیے ہیں' دو آگے دو پیچھے' یا تین ہیں دو آگے ایک پیچھے یا بالعکس۔ اب اگر یہ گاڑی کھڑی ہے' چل نہیں رہی ہے تو اس پر نماز صحیح ہے۔ اس لیے کہ دونوں شرطیں یہاں پائی جا رہی ہیں: استقرار علی الارض بھی' اتحاد مکان بھی اور اگر چل رہی ہے تو صحیح نہیں۔ اس لیے کہ گاڑی مستقر علی الارض نہیں' یا گاڑی ایسی ہے کہ اگر اس کا جوا جانور کی گردن سے اتار دیا جائے تو گاڑی ٹکی نہ رہے تو ایسی گاڑی پر نماز درست نہیں' خواہ وہ کھڑی ہو' خواہ چل رہی ہو۔ کھڑی ہونے کی صورت میں اس لیے کہ بالکلیہ استقرار علی الارض نہیں۔ اس کا جوا جانور کی گردن پر ہے' جانور زمین کے تابع نہیں۔ دوسری صورت میں اس لیے کہ استقرار علی الارض قطعاً نہیں۔

کوئی شخص کشتی پر سوار ہے یا بحری جہاز پر تو اس کی دو صورتیں ہیں: کشتی چل نہیں رہی ہے اور زمین پر ٹکی ہے تو اس پر نماز بلاشبہ درست' استقرار علی الارض بھی ہے اور اتحاد مکان بھی۔ کشتی چل رہی ہے اگر چہ زمین پر ٹکی ہے گھسٹتی ہوئی چلتی ہے' کشتی سے اتر کر زمین پر نماز پڑھنا آسان ہے تو کشتی پر نماز نہ ہوگی' اس لیے کہ استقرار علی الارض نہیں رہا۔ کشتی زمین پر ٹکی نہیں ہے اور کھڑی ہے اور زمین پر اتر کر نماز پڑھنا آسان بھی ہے تو بھی کشتی پر نماز صحیح نہیں' اس لیے کہ استقرار علی الارض نہیں۔ کشتی زمین سے ٹکی نہیں ہے اور چل رہی ہے اور زمین پر اتر کر نماز پڑھنا آسان ہے' یعنی کشتی اگر روک دی جائے تو بہ آسانی زمین پر اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے تو بھی نماز درست نہیں' اس لیے کہ استقرار علی الارض نہیں۔ کشتی بیچ دریا میں ہے کہ اگر روکی جائے تو بھی اُترنے کے بعد زمین نہ ملے گی پانی ہی پانی ہے اور پانی ڈوباؤ ہے اور یہ تیرنا نہیں جانتا تو کشتی پر نماز پڑھ لے' اگر چہ کشتی زمین پر ٹکی نہ ہو' اگر چہ چل رہی ہو۔ فتح القدیر[1] اور شرح

[1] فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۴۱۸۔ قبیل سجدۃ التلاوۃ' نولکشور

منیہ[1] میں ہے:

فی الایضاح فان کانت موقوفة فی الشط وهی علی قرار الارض فصلی قائما یجوز لانها اذا استقرت علی الارض فحکمها حکم الارض فان کانت مربوطة ویمکنه الخروج لم یجز الصلوٰة فیها لانها اذا لم یستقر فهی کالدابة انتهٰی به خلاف ما اذا استقرت فانها حینئذ کالسریر (زاد فی الغنیة) وعلٰی هٰذا ینبغی الّا تجوز الصلوٰة فیها اذا کانت سائرة مع امکان الخروج الی البر وهٰذه المسئلة الناس عنها غافلون.

ایضاح میں ہے: کشتی اگر کنارے کھڑی ہو اور وہ زمین پر ٹکی ہو اس پر نماز درست ہے اس لیے کہ جب وہ زمین پر ٹکی ہے تو اس کا حکم زمین کا ہے اور اگر بندھی ہوئی ہے اور کشتی سے نکلنا ممکن ہے تو اس میں نماز جائز نہیں اس لیے کہ جب وہ زمین پر ٹکی نہیں ہے تو وہ چوپائے کے مثل ہے اور جبکہ وہ زمین پر ٹکی ہو تو تخت کے مثل ہے۔ غنیہ میں یہ زائد ہے: اس بنیاد پر کشتی اگر چل رہی ہو اور اس سے نکل کر خشکی پر آنا ممکن ہو تو کشتی میں نماز صحیح نہ ہوگی اس مسئلہ سے لوگ غافل ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

ظاهر ما فی الهدایة وغیرها الجواز قائما مطلقا ای استقرت علی الارض اولا وصرح فی الایضاح بمنعه فی الثانی حیث امکنه الخروج الحاقا لها بالدابة (نهر) واختاره فی المحیط والبدائع (بحر) وعزاه فی الامداد ایضا الی مجمع الروایات عن المصفی وجزم به. فی نور الایضاح وعلٰی هٰذا ینبغی ان لا تجوز الصلوٰة فیها سائرة مع امکان الخروج الی البر وهٰذه المسئلة الناس عنها غافلون.

(ج ا۔ کتاب صلوٰۃ المریض۔ ص ۵۱۲ نعمانیہ)

ہدایہ وغیرہ کے ظاہر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کشتی اگر کھڑی ہو تو نماز مطلقاً جائز ہے یعنی زمین پر ٹکی ہو یا نہ ٹکی ہو۔ اور ایضاح میں یہ تصریح کی کہ اگر زمین پر ٹکی نہ ہو تو جائز نہیں جبکہ خشکی پر نکلنا ممکن ہو کشتی کو چوپائے کے حکم میں مانتے ہوئے (نہر) اسے بدائع اور محیط میں اختیار فرمایا (بحر) اسے امداد میں مجمع الروایات کی طرف منسوب کیا اس میں مصفٰی سے ہے۔ اس پر نورالایضاح میں جزم فرمایا۔ اس بنیاد پر کشتی اگر چل رہی ہو تو نماز جائز نہیں جبکہ خشکی پر نکلنا ممکن ہو۔ اس مسئلے سے لوگ غافل ہیں۔

تنویرالابصار اور الدرالمختار میں ہے:

ولو صلی علی دابة فی شق محمل وهو یقدر علی النزول بنفسه لا تجوز الصلوٰة علیها اذا کانت واقفة الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض بان رکز تحته خشبة واما الصلوٰة علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر لا فی غیرها ومن العذر المطر وطین یغیب فیه الوجه وذهاب الرفقاء وان لم یکن طرف العجلة علی

اگر چوپائے پر کجاوہ کے ایک طرف نماز پڑھنا اور وہ خود اتر سکتا ہے تو نماز نہ ہوگی جبکہ چوپایہ کھڑا ہو مگر یہ کہ محمل کی لکڑیاں زمین پر ہوں۔ اس طرح کہ اس کے نیچے گاڑ دی گئی ہوں گاڑی پر نماز کا حکم یہ ہے کہ اگر گاڑی کا جوا چوپائے پر ہو تو عذر کی حالت میں صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اور بارش اور ایسا کیچڑ جس میں چہرہ دھنس جائے اور ساتھیوں کا چلا جانا عذر ہے اور اگر گاڑی کا جوا چوپائے پر نہیں تو نماز صحیح ہے اگر گاڑی کھڑی ہو اس لیے کہ یہ اب تخت کے مثل ہے۔

---

[1] شرح منیہ۔ قبیل الثالثۃ من الفرائض۔ ص ۲۷۵

الدابة جاز لو واقفة لتعليمهم بانها كالسرير هذا كله فى الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر بشرط ايقافها للقبلة ان امكنه والا فبقدر الا مكان لئلا يختلف بسير المكان واما فى النفل فتجوز على المحمل والعجلة مطلقا.

یہ حکم فرض اور واجب اور فجر کی سنت کا ہے۔ اگر قبلہ رخ کھڑی ہو جب، اگر ممکن ہو تو، ورنہ قبلہ رخ ہونا بہ قدرِ امکان ہے تاکہ جگہ نہ بدلے۔ نفل محمل اور گاڑی دونوں پر جائز ہے۔

(علیٰ ھامش ردالمحتار آخر باب النوافل ص ۴۷۰، نعمانیہ)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان كلامن اتحاد المكان واستقبال القبلة شرط فى صلوة غير النافلة عند الامكان لا يسقط الا بعذر فلو امكنه ايقافها مستقبلا فعل.

حاصل یہ ہے کہ نفل کے علاوہ اور نمازوں میں جگہ کا ایک ہونا اور قبلہ رو ہونا شرط ہے جبکہ ممکن ہو۔ عذر کی وجہ سے ساقط ہو سکتا ہے، اگر قبلہ رُخ کھڑا کرنا ممکن ہو تو ایسا ہی کرے۔

(آخر باب النوافل)

اسی میں غنیہ سے ہے:

هٰذا بناء على ان اختلاف المكان مبطل ما لم يكن لا صلاحها. (ج ۱۔ مفسدات ص ۴۲۱)

یہ حکم اس بنیاد پر ہے کہ جگہ بدلنا نماز کو باطل کرنے والا ہے، جبکہ نماز کی اصلاح کے لیے نہ ہو۔

شامی میں بحرالرائق اور فتاویٰ ظہیریہ سے ہے:

ان جذبته الدابة حتىٰ ازالته عن موضع سجوده تفسد. (مفسدات الصلوٰۃ ص ۴۲۲)

اگر چوپائے نے کھینچ کر سجدہ کی جگہ سے ہٹا دیا تو نماز فاسد ہوگی۔

ان تمام ارشادات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ سواری پر نماز صحیح ہونے کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں: اتحاد مکان اور استقرار ارض۔ یعنی جہاں نماز شروع کی ہے، وہیں پوری کرے۔ اور سواری پوری کی پوری زمین پر ٹکی ہو، ایسا نہ ہو کہ چل رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کل کی کل یا اس کا کچھ حصہ زمین کے علاوہ کسی ایسی چیز پر ہو جو زمین کے تابع نہ ہو، ہاں اگر یہ سواری ایسی جگہ ہو کہ اگر سواری سے باہر آئے تو بھی زمین نہ ملے یا ایسی زمین ملے کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو، جیسے دلدل یا اتنی کیچڑ کہ سجدہ کرنے سے منہ کیچڑ میں دھنس جائے تو ایسی صورت میں سواری پر نماز ہو جائے گی۔ ساتھ ہی ساتھ ایک اور قاعدہ کلیہ ذہن نشین کر لیں۔ نماز کی شرائط وارکان کی ادائیگی سے مانع اگر کوئی سماوی سبب ہو تو جس حال میں ہو، نماز پڑھ لے اعادہ نہیں، جیسے وہ بیمار جسے پانی نقصان دیتا ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے گا، نماز ہو جائے گی، صحت کے بعد اعادہ نہیں اور اگر یہ مانع بندوں کی طرف سے ہو تو بہ درجہ مجبوری جتنی قدرت ہے، اس کے مطابق نماز پڑھے اور عذر دور ہونے کے بعد اس کا اعادہ واجب ہے، مثلاً کسی کو قید کر دیا گیا، اس کے پاس پانی نہیں، وہ تیمم کر کے نماز پڑھے اور جب پانی ملے اعادہ کرے۔ درمختار میں ہے:

صلى المحبوس بالتيمم ان فى المصر اعاد والا لا.

قیدی نے تیمم کر کے نماز پڑھی، اگر شہر میں ہے تو لوٹائے ورنہ نہیں۔

اسی کے تحت شامی میں ہے:

وعللوه بان الغالب فی السفر عدم الماء فی الحلية وهذا يشير الى انه لو كان بحضرته يقرب منه ماء تجب الاعادة لتمحض كون المنع من العبد.

فقہاء نے اس میں تفریق کی علت یہ بیان فرمائی کہ سفر میں غالب یہی ہے کہ پانی نہ ہو۔ حلیہ میں کہا کہ اگر سامنے یا قریب میں پانی ہو تو اعادہ واجب ہے' اس لیے اب پانی پر قدرت نہ ہونا صرف بندے کی طرف سے ہے۔

اسی میں ہے:

قوله ولا يعيد فی سقوط الشرائط والاركان لعذر سماوی به خلاف ما لو كان من قبل العبد.

اور اگر شرائط اور ارکان عذر سماوی کی وجہ سے ساقط ہوں تو نماز نہیں لوٹائے گا' بہ خلاف اس کے جب بندے کی طرف سے ہو۔

(ج ا۔ کتاب صلوٰۃ المریض۔ ص ۵۱۱)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

لزمه القضاء وان طالت لانه بصنع العباد كالنوم.

اس پر قضاء لازم ہے کتنا ہی زمانہ گزر جائے' اس لیے کہ یہ بندوں کے فعل کی وجہ سے ہے' جیسے نیند۔

اسی کے تحت شامی میں ہے:

وسقوط القضاء عرف بالاثر اذا وصل بآفة سماوية فلا يقاس عليه ما حصل بفعله. (ایضاً ص ۵۱۲)

حدیث سے قضاء کا ساقط ہونا' اس وقت ثابت ہے کہ آفتِ سماوی سے ہو' اس پر خود اس کے فعل سے جو آفت آئے' اسے قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ریل وغیرہ میں نماز کا حکم

ریل گاڑی' بس اگر پلیٹ فارم پر یا کہیں کھڑی ہے تو اس میں نماز صحیح ہے' اور اگر چل رہی ہے تو اس میں نماز درست نہیں۔ اس لیے کہ استقرار علی الارض نہیں پایا گیا اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ نماز قضا ہو جائے گی تو چلتی ٹرین میں نماز پڑھ لے' پھر اعادہ کرے۔ اس لیے کہ ٹرین سے اترنا بہ آسانی ممکن ہے اور اترے گا تو نماز پڑھنے کے لائق زمین ملے گی' مگر چلتی ٹرین سے اترنا ناممکن ہے' مگر یہ دشواری سماوی نہیں' خود بندوں کی طرف سے ہے' اس لیے چلتی ٹرین میں جو نمازیں پڑھیں' اُن کا اعادہ واجب ہے۔

ہوائی جہاز پر نماز کا حکم

ہوائی جہاز اگر اڈے پر کھڑا ہے تو ہوائی جہاز میں نماز صحیح ہے اور اگر فضا میں پرواز کر رہا ہے تو بھی اس میں نماز درست ہے۔ اس لیے کہ اگر ہوائی جہاز سے باہر آئے گا تو زمین نہیں' ہوا میں آئے گا' جہاں نماز پڑھنی ممکن نہیں' جیسے کشتی اور پانی کے جہاز کا حکم ہے کہ اگر بیچ دریا میں ہو تو' اگرچہ چل رہا ہے تو اس میں نماز درست ہے۔ اس لیے اگر کشتی اور بحری جہاز سے باہر آئے گا تو زمین نہیں ملے گی بلکہ پانی جس پر نماز پڑھنی ممکن نہیں ویسے ہی ہوائی جہاز ہے۔

مسائل

کشتی' ہوائی جہاز' ریل' بس' کسی بھی چلتی ہوئی سواری میں نماز پڑھے تو استقبال قبلہ شرط ہے۔ افتتاح کے وقت بھی اور درمیان میں بھی جیسے قبلہ بدلتا جائے یہ اپنی نماز میں گھومتا جائے' جبکہ کوئی عذر نہ ہو۔

نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل' اور اگر کوئی عذر ہو تو جدھر قدرت ہو اُدھر منہ کر کے نماز پڑھے۔ (درمختار' ردالمحتار)

اسی طرح قیام، رکوع، سجدہ بھی فرض ہے بشرطیکہ عاجز نہ ہو ورنہ جیسے قدرت ہو پڑھے۔

٢٦٤- ح: قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّيَ لَكُمْ

[اُٹھو! تمہارے لیے نماز پڑھ دوں]

٢٦٤- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ جَدَّتَهٗ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهٗ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّيَ لَكُمْ قَالَ اَنَسٌ فَقُمْتُ اِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهٗ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيْمُ وَرَاءَهٗ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی دادی ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جو خاص حضور ہی کے لیے انہوں نے بنایا تھا، حضور نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا، پھر فرمایا: اُٹھو! تمہارے لیے نماز پڑھ دوں۔ حضرت انس نے کہا: میں اُٹھا اور ایک چٹائی جو زمانہ دراز تک استعمال کرنے کی وجہ سے کالی ہوگئی تھی میں نے اسے پانی سے دھویا، اب حضور کھڑے ہوئے۔ میں نے اور یتیم نے حضور کے پیچھے اور بوڑھی ماں نے ہمارے پیچھے صف بنائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری (برکت) کے لیے دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد تشریف لے گئے۔

(بخاری۔ ج١۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ علی الحصیر ص٥٥، ایضاً۔ باب: المرأۃ وحدھا تصف ص١٠١، ایضاً۔ باب: صلوۃ النساء خلف الرجال ص١٢٠، کتاب التہجد۔ باب: التطوع مثنٰی مثنٰی ص١٥٦، مسلم۔ ج١۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: جواز الجماعۃ فی النافلۃ ص٢٣٤، ابوداؤد۔ ج١۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون ص٩٠، ترمذی۔ ج١۔ کتاب المواقیت۔ باب: فی الرجل یصلی ومعہ رجال ونساء ص٣٢، نسائی۔ ج١۔ کتاب الامامت۔ باب: اذا کانوا ثلاثۃ وامرأۃ ص٢٩)

"مَا لُبِسَ"، "لبسٌ" کے معنی پہننے کے بھی ہیں اور مطلق استعمال کرنے کے بھی۔ اس کا مفعول "ثوب" (کپڑا) ہو تو پہننے کے معنی میں آتا ہے اور اگر اس کا مفعول ثوب کے علاوہ کچھ اور ہو تو اس کے معنی مطلق استعمال اور نفع اُٹھانے کے آتے ہیں۔ بولتے ہیں: "لَبِسْتُ اِمْرَأَةً، تَمَتَّعْتُ بِهَا زَمَانًا" اس سے ایک زمانہ تک نفع حاصل کیا۔

اَنَّ جَدَّتَهٗ

بخاری کی مختلف روایتوں سے یہی ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے والی اُم سلیم ہی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اُم سلیم کا نام مُلیکہ تھا۔ اس تقدیر پر "جَدَّتَهٗ" کی ضمیر سند میں مذکور اسحٰق بن عبداللہ بن طلحہ کی طرف لوٹے گی۔ اسی پر علامہ ابن عبدالبر، عبدالحق، قاضی عیاض نے جزم فرمایا اور اسی کو نووی نے صحیح کہا۔ بخاری کی جملہ مرویات کو سامنے رکھ کر یہی زیادہ مناسب ہے تاکہ کم از کم بخاری کی مرویات میں تطابق رہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مُلیکہ حضرت اُم سلیم کی والدہ کا نام ہو۔ اس تقدیر پر "جدته" کی ضمیر حضرت انس کی طرف راجع ہے۔ اس پر ابن سعد، ابن مندہ اور ابن الحصار نے جزم کیا۔ امام الحرمین کے کلام کا بھی یہی مقتضی ہے۔ یہاں متن کے سیاق سے یہی ظاہر ہے۔ وہ یتیم جنہوں نے اس وقت حضور کے پیچھے نماز پڑھی تھی، ان کا نام ضمیرہ تھا۔ ان کے والد حضرت ابوضمیرہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔

مرد اور عورت کی محاذات کا حکم

احناف کے یہاں اگر مرد عورت کے محاذات میں ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، جبکہ ان میں سے ایک امام ہو یا دونوں ایک امام کے مقتدی ہوں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ کسی کے اکیلے صف میں کھڑے ہونے کی ممانعت احادیث

میں وارد ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امام احمد فرماتے ہیں: اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؛ پھر بھی کیا وجہ تھی کہ حضرت ام سلیم اگلی صف میں حضرت انس وغیرہ کے ساتھ نہیں کھڑی ہوئیں، پیچھے اکیلے کھڑی ہوئیں، حضور نے بھی انہیں اگلی صف میں نہیں کھڑا کیا۔ بچوں کے بارے میں تو ثابت ہے کہ جب کوئی نہ ہو تو مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا فرمایا مگر عورتوں کو کبھی ایک بار بھی مردوں کے ساتھ کھڑا نہیں فرمایا، جیسے اسی واقعہ میں حضرت ام سلیم اکیلی تھیں، پھر بھی انہیں اکیلے کھڑا کیا اور بچے کو الگ نہیں کھڑا کیا حضرت انس کے ساتھ کھڑا کیا۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ یہ اسی وجہ سے کہ عورت کی محاذات مرد کی نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ اس کے مزید دلائل اپنی جگہ پر آئیں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور اقدس ﷺ نے گھر بھر کے لیے دنیا اور آخرت کی دعا کی۔ حضرت ام سلیم نے عرض کیا: حضور آپ کا چھوٹا خادم (انس) تو حضور نے حضرت انس کے لیے ہر خیر کی دعا کی۔ خصوصیت سے یہ دعا کی: ''اللّٰھم کثر مالہٗ وولدہ'' اے اللہ! اس کے مال و اولاد کو زیادہ کر اور اس کی ذات میں برکت عطا فرما۔[1] اس کی برکت یہ تھی کہ ان کا باغ سال میں دو بار پھلتا تھا، اولاد میں اتنی برکت ہوئی کہ خود ان کے صلب سے اسی یا اس سے بھی زائد اولاد ہوئی، جن میں صرف دو بیٹیاں بقیہ سب بیٹے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں ۱۹۸، اپنی نسل سے دفن کر چکا ہوں، سو سال سے زائد کی عمر پائی۔

جماعت سے نمازِ نفل

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے، ان کا مستدل یہی حدیث ہے۔ احناف کے یہاں تداعی کے ساتھ نفل نماز مکروہ ہے۔ احناف اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ تداعی کے ساتھ نہ تھی اور حضور اقدس ﷺ نے نماز کے طریقے کی تعلیم کے لیے یہ نماز پڑھائی تھی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دن کی نوافل دو رکعت پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ کم از کم چار رکعت پڑھی جائے۔ اگر مقتدی دو ہوں تو امام آگے کھڑا ہو۔ عورتوں کی امامت صحیح نہیں، اس لیے کہ امام کی جگہ سب سے آگے ہے اور عورتوں کی جگہ سب سے پیچھے ہے۔

ت۹۹ - وَصَلَّى أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَلَى الْفِرَاشِ. حضرت انس بن مالک نے بچھونے پر نماز پڑھی۔

(ابن ابی شیبہ و سعید بن منصور)

۲۶۵- ح: كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سوئی رہتی]

۲۶۵- عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ.

نبی ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سوئی رہتی اور میرے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف ہوتے، جب آپ سجدہ فرمانا چاہتے تو مجھے دبا دیتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی، پھر جب کھڑے ہوتے پھیلا لیتی، گھروں میں اس وقت چراغ نہیں تھے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ باب: الصلوٰۃ علی الفراش۔ تین طریقے سے۔ ص۵۶، ایضاً۔ باب: الصلوٰۃ خلف النائم و باب التطوع خلف المرأۃ ص۷۳، باب: ھل یغمز امرأتہ عند السجود ص۷۴، کتاب التہجد۔ باب: ما یجوز من العمل فی الصلوٰۃ ص۱۶۱، مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: سترۃ المصلی ص۱۹۶، ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المرأۃ لا تقطع الصلوٰۃ ص۱۰۳، نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ترک الوضوء من مس الرجل

[1] مسلم۔ ج ۱۔ ص ۲۳۴۔ کتاب المسافرین۔ باب: جواز الجماعۃ فی النافلۃ۔

امو اتہ ص ۳۸' موطا امام مالک۔ کتاب صلوٰۃ اللیل۔ ص ۲' مسند امام احمد)

مطابقت

امام بخاری نے یہاں باب کا عنوان یہ قائم کیا: ''باب الصلوٰۃ علی الفراش'' بچھونے پر نماز کا بیان۔ ظاہر ہے کہ ام المومنین کا پاؤں اتنا قریب ہوتا کہ سجدے کے وقت اسے ہٹانا پڑتا تو حضور اقدس ﷺ بچھونے ہی پر نماز پڑھتے' جیسا کہ یہیں اس حدیث کے دوسرے طریقے میں ہے: ''علی فراش اهله'' سونے والے کے پیچھے نماز ممنوع ہے' جیسا کہ ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''لا تصلوا خلف النائم والمتحدث'' [1] سونے والے اور بات کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ یہ ممانعت کراہت تنزیہہ کی حد تک ہے اور حضور اقدس ﷺ کا فعل بیان جواز کے لیے ہے۔

حدیث مذکور کے بارے میں خود امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث کئی طریقوں سے مروی ہے مگر سب واہی ہیں [2] مگر جب متعدد طرق سے مروی ہے تو کم از کم حسن ضرور ہے' اس لیے احکام میں لائق احتجاج ہے۔ کم از کم کراہت تنزیہہ کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

بچھونے پر نماز پڑھنا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ وہ اتنا دبیز اور نرم نہ ہو کہ اس پر پیشانی ٹک نہ سکے ورنہ نماز نہ ہوگی۔ گدا' قالین وغیر سب میں یہی تفصیل ہے۔

ت ۱۰۰- قَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِيْ كُمِّهٖ.

امام حسن بصری نے فرمایا: لوگ عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے اور ان کا ہاتھ آستین میں ہوتا (اور نماز پڑھتے)۔

(ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق)

پورا اثر یہ ہے: ''ان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یسجدون وایدیهم فی ثیابهم ویسجد الرجل منهم علی قلنسوته وعمامته'' صحابہ کرام اس حالت میں سجدہ کرتے کہ ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں کچھ لوگ اپنی ٹوپی اور عمامہ پر سجدہ کرتے۔ سخت سردی اور سخت گرمی میں اس کی اجازت ہے۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

۲۶۶- ح: فَيَضَعُ اَحَدُنَا طَرَفَ ثَوْبِهٖ [کپڑے کے کنارے کو رکھ دینا]

۲۶۶- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ اَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِيْ مَكَانِ السُّجُوْدِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم میں سے کوئی گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنے کپڑے کے کنارے کو سجدے کی جگہ رکھ دیتا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: السجود علی الثیاب فی شدۃ الحر ص ۵۶' ایضاً۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت الظهر عند الزوال ص ۷۷' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب المساجد۔ باب: استحباب تقدیم الظهر فی اول الوقت ص ۲۲۵' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الرجل یسجد علی ثوبه ص ۹۶' ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب السفر۔ باب: الرخصة علی الثوب فی الحر والبرد ص ۷۶' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الافتتاح۔ باب: السجود علی الثیاب ص ۱۶۷' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: السجود علی الثیاب فی الحر والبرد ص ۷۳)

یہی احناف کا مذہب ہے' امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ دو حدیثیں ہیں: اول ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہم میں کوئی کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر ٹھنڈا کرتا' پھر سجدہ کرتا اور اگر اپنے کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہوتا تو صحابہ یہ طول عمل کیوں

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۰۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ الی المتحدثین والنیام [2] عینی۔ ج ۴ ص ۱۱۳

کرتے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ان صحابہ کے پاس اتنا کپڑا نہ رہا ہو کہ اگر اس پر سجدہ کرتے تو ستر عورت باقی رہتا' یا ایسا کپڑا نہ رہا ہو جسے بچھا کر سجدہ کر سکیں۔ ثانی: حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے خدمت اقدس میں کنکریوں کی گرمی کی شکایت کی تو حضور نے ہماری شکایت نہیں سنی۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ان دیار میں کیا خود ہمارے دیار میں بھی گرمیوں میں عصر کے وقت تک زمین تپتی رہتی ہے اگر زمین کے ٹھنڈی ہونے تک ظہر کو مؤخر کر دیا جاتا تو پھر ظہر کا وقت ہی نہ رہتا۔

۲۶۷- ح: اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ

[کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین پہنے نماز پڑھتے تھے؟]

۲۶۷- اَنَا اَبُو مَسْلَمَةَ سَعِيْدُ بْنُ يَزِيْدَ الْاَزْدِيُّ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ.

ابو مسلمہ سعید بن یزید ازدی نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین پہنے نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا: ہاں!

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی الخفاف ص ۵۶' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح علی الخفین ص ۳-۱۳۲' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح علی الخفین ص ۱۴' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح علی الخفین ص ۳۱' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح علی الخفین ص ۲۱' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح علی الخفین ص ۴۱)

ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم و لا فی خفافہم.

یہود کی مخالفت کرو وہ اپنے نعل اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

(ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ فی النعال ص ۹۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر حاضر ہوئے تو انہیں حکم ہوا:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى○

اپنے نعلین اتار دو تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو○

(طٰہٰ: ۱۲)

اس سے یہود نے سمجھا کہ چپل جوتے پہن کر نماز جائز نہیں' یہود کا یہ گمان غلط تھا۔ اس کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ یہود کے اس گمان فاسد کے علی الرغم تم لوگ جوتوں میں نماز پڑھو یہ صرف جواز کی حد تک ہے۔ وہ بھی ان جوتوں میں جو اتنے نرم ہوں کہ سجدے میں بہ آسانی مڑ سکیں تاکہ انگلیوں کے پیٹ بچھ سکیں' ورنہ نماز نہ ہوگی' اس لیے کہ سجدے میں دونوں پاؤں کی کم از کم ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگنا فرض ہے۔ اور ہر پاؤں کی کم از کم تین انگلیوں کے پیٹ لگنے واجب اور سب کے لگنے سنت' جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۴۰ تا ص ۴۴۳ میں انتہائی محققانہ طور پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ثابت فرمایا ہے۔ اس عہد میں عرب کے نعل یا چپل بہت نرم پتلے چمڑے کے ہوتے تھے۔ وہ بھی اکہرے پرت کے زیادہ پسند کرتے تھے۔ رؤساء و ملوک اسی کو پہنتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے: "ان رجلا شکا الیہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا من الانصار فقال یا خیر من یمشی بنعل فرد" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب نے ایک انصاری کی شکایت کی تو یوں عرض کیا: اے وہ ذات جو اکہری چپل پہن کر چلنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ اسی کے تحت مجمع بحار الانوار میں ہے:

الفردُ وھیَ الّتی تخفف ولم تطارق وانما ھی

فرد سے مراد وہ نعل ہے جو ہلکی ہو اور اس کے تلوے میں کئی

طارق واحد والعرب یمدح برقۃ النعال یجعلُھا من لباس المُلوك. پرت نہ ہوں، صرف ایک پرت ہو۔ عرب پتلی چپلوں کو پسند کرتے ہیں اور اسے بادشاہوں کا لباس جانتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مبارک چپل کی طرح تھے۔ نیچے صرف تلا اور اوپر صرف دو تسمے لگے تھے۔ ایسے نرم ملائم جوتے اور چپل پہن کر نماز درست ہے جو بہ آسانی مُڑ جاتے ہوں جس کی وجہ سے انگلیاں بچھ جاتی ہیں، جبکہ ان میں کوئی نجاست نہ لگی ہو اور اگر نجاست لگی ہو تو نماز قطعاً نہ ہوگی اس لیے کہ مُصلّی کے بدن اور کپڑے کا نجاست قدر مانع سے پاک ہونا شرط ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی عادت یہی تھی کہ نماز کے وقت نعل اتار لیا کرتے تھے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیه عن یمینه ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لا یکون عن یسارہ احد ولیضعھما بین رجلیه.

جب تم لوگ نماز پڑھو تو اپنی چپلیں نہ اپنے دائیں رکھو نہ اپنے بائیں کہ کسی کے دائیں ہوں گی، ہاں اس کے بائیں کوئی نہ ہو تو بائیں طرف رکھو، اپنی چپلیں اپنے پاؤں کے درمیان رکھو۔

(ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی النعال ص ۹۶)

مسجد میں جوتا چپل پہن کر جانا ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ خلاف ادب ہے۔ کیا چیز ادب ہے، کیا نہیں ہے؟ اس کا مدار عُرف ہے، اس زمانے میں کا عرف یہی ہے کہ لوگ جس فرش پر بیٹھتے ہوں، اس پر جوتا چپل پہن کر جانے کو بے ادبی جانتے ہیں۔

۲۶۸- ح: بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّيْهِ

[پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا]

۲۶۸- عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ رَاَیْتُ جَرِیْرَ ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی فَسُئِلَ فَقَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ اِبْرَاهِیْمُ فَكَانَ یُعْجِبُهُمْ لِاَنَّ جَرِیْرًا كَانَ مِنْ اٰخِرِ مَنْ اَسْلَمَ.

ہمام بن حارث نے کہا: میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا، انہوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: یہ حدیث لوگوں کو بہت پسند تھی، اس لیے کہ جریر آخر میں مسلمان ہونے والوں میں سے ہیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی النعال ص ۵۶، ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: النعال السبتیه وغیرھا ص ۸۷۰، مسلم۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: الصلوٰۃ فی النعلین ص ۲۰۸، ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی الصلوٰۃ فی النعال ص ۵۳، نسائی۔ ج ا۔ باب: الصلوٰۃ فی النعلین ص ۱۲۵)

اس حدیث اور اس موضوع پر کلام ہو چکا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ موزوں پر مسح، سورۂ مائدہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اس شبہے کے ازالے کے لیے یہ حدیث بہت محکم دلیل ہے اس لیے کہ سورۂ مائدہ کا نزول غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر ہوا ہے، جو ۵ھ یا ۶ھ میں پیش آیا تھا۔

اور حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قول کی بناء پر، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے چالیس دن پہلے اور بربنائے تحقیق رمضان ۱۰ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور وہ فرما رہے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا، تو ثابت ہوا کہ موزوں پر

مسح منسوخ نہیں۔ ابوداوٗد میں یوں ہے: میں نے جب رسول اللہ ﷺ کو مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے تو موزوں پر مسح کرنے سے مجھے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا: حضور کا مسح کرنا مائدہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت جریر نے فرمایا: میں مائدہ کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوا ہوں۔ حضرت جریر نے نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے حجۃ الوداع میں دیکھا۔

(فتح الباری بحوالہ طبرانی۔ ج ۱ ص ۴۱۶)

۲۶۹- ح: رَاٰی رَجُلًا لَّا یُتِمُّ رُکُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ

[ایک شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا تھا]

۲۶۹ - عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلًا لَّا یُتِمُّ رُکُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَهٗ قَالَ لَهٗ حُذَیْفَةُ مَا صَلَّیْتَ قَالَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰی غَیْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا تھا' جب وہ نماز پوری کر چکا تو اس سے حضرت حذیفہ نے فرمایا: تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اور ابوائل نے کہا: میرا گمان ہے کہ حضرت حذیفہ نے یہ فرمایا کہ اگر اسی حال میں مرے گا تو حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے پر مرے گا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا لم یتم السجود ص ۵۶' ایضاً۔ کتاب الاذان۔ باب: اذا لم یتم الرکوع ص ۱۰۹' ایضاً۔ باب: اذا لم یتم السجود ص ۱۱۲)

کتاب الاذان۔ باب: اذا لم یتم الرکوع' کے تحت زید بن وہب سے جو روایت ہے' اس میں "واحسبہ" نہیں ہے' اور اخیر میں یہ ہے: "لومت مت علٰی غیر الفطرۃ فطر اللّٰہ محمدا ﷺ" اگر اسی پر مرے گا تو اس دینِ فطرت کے غیر پر مرے گا جس پر محمد ﷺ کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔

لا یتم رکوعه

اگر اس سے یہ مراد ہے کہ فرض ادا نہ کرتا تھا تو "ما صلیت" سے حقیقی معنی مراد ہیں۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ فرض تو ادا کرتا تھا واجب یا سنت کو چھوڑ دیتا تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ تو نے کامل نماز نہیں پڑھی۔

علٰی غیر سنة

میں سنت سے فقہی اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی ہے۔ یعنی وہ طریقہ جو فرض' واجب اور سنت تینوں کو شامل ہے۔

۲۷۰- ح: کَانَ اِذَا صَلّٰی فَرَّجَ بَیْنَ یَدَیْهِ

[جب نماز پڑھتے تو (سجدوں میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو کشادہ رکھتے]

۲۷۰ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَیْنَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا صَلّٰی فَرَّجَ بَیْنَ یَدَیْهِ حَتّٰی یَبْدُوَ بَیَاضُ اِبْطَیْهِ

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو (سجدوں میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے کہ آپ کے بغل کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: یبدی ضبعیه ص ۵۶' کتاب الاذان۔ باب: یبدی ضبعیه ص ۱۱۲' کتاب صفۃ النبی ﷺ ص ۵۰۳' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الاعتدال فی السجود ص ۱۹۴' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: صفة السجود ص ۱۶۶)

عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ

یہاں مالک حضرت عبداللہ کے والد ہیں اور بحینہ عبداللہ کی ماں۔ عام دستور سے ہٹ کر یہ اپنے ماں اور باپ دونوں کی طرف منسوب ہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ قراءت میں مالک پر تنوین پڑھنی چاہیے اور ابن بحینہ میں ابن کے الف کو لکھنا بھی چاہیے۔ حضرت عبداللہ قدیم الاسلام صحابی ہیں' عالم فاضل تھے' ہمیشہ روزہ سے رہتے' حضرت معاویہ کے زمانے میں وصال فرمایا۔

فرج بین یدیہ

سے مراد یہ ہے کہ بازوؤں کو کروٹ سے دور رکھتے' اتنا کہ بغل کی سفیدی نظر آتی۔ امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں تحریر کیا کہ بغل کی سفیدی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

ت ۱۰۱- یَسْتَقْبِلُ بِاَطْرَافِ رِجْلَیْهِ الْقِبْلَةَ قَالَ اَبُوْ حُمَیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُو رکھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے یہ ابوحمیدی نے کہا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: فضل استقبال القبلۃ ص۵٦)

یہ ابوحمید رضی اللہ عنہ صحابی ہیں' ان کا نام عبدالرحمٰن یا منذر ہے' ان کے والد کا نام سعد ہے۔ بنی ساعدہ کے فرد صحابی انصاری ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد تک باحیات رہے' انہیں کے عہد میں وصال فرمایا۔

یہ ایک طویل حدیث کا جزو ہے' جو باب "سنة الجلوس" میں مفصل مذکور ہے۔ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سجدے میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں میں سے کم از کم ایک کا پیٹ زمین پر لگنا فرض ہے' اور ہر پاؤں کی کم از کم تین انگلیوں کے پیٹ کا زمین پر لگنا واجب ہے اور دسوں کا سنت۔ حضرت امام بخاری کا مقصود یہاں یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں جن جن اعضاء کا قبلہ رو کرنا ممکن ہو' سب کو قبلہ رو رکھنا ضروری ہے۔

۲۷۱- ح: مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا

[جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے]

۲۷۱- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ.

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: فضل استقبال القبلۃ ص۵٦)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہماری طرح نماز پڑھے' (نماز میں) ہمارے قبلہ کو منہ کرے' ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے' اللہ کے ذمہ میں رخنہ اندازی مت کرو۔

۲۷۲- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِیْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَیْنَا دِمَاؤُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ. (ایضاً ص۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں' جب یہ لوگ کہہ دیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں' ہمارے قبلہ کی جانب (نماز میں) منہ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو ہم پر ان کے خون اور ان کے مال حرام ہو گئے مگر اس کے حق کی

بناء پر اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

۲۷۳- قَالَ سَاَلَ مَيْمُوْنُ بْنُ سِيَاهٍ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا اَبَا حَمْزَةَ وَمَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهُ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ وَقَالَ ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ نَا اَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فضل استقبال القبلة ص ۵۷)

میمون بن سیاہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور کہا: اے ابوحمزہ! بندے کے خون اور مال کو کیا چیز حرام کر دیتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو اس بات کی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور (نماز میں) ہمارے قبلہ کی جانب منہ کرے اور ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے اس کے وہی حقوق ہیں جو کسی مسلمان کے ہیں، اس پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو دوسرے مسلمان پر ہیں۔ حمید نے کہا: ہم سے حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔

''فلا تخفروا'' کا مادہ ''خفر'' ہے، جس کے معنی امان دینے، پناہ دینے، امان کا معاہدہ کرنے کے ہیں۔ باب افعال میں جا کر اس کے معنی نقض امان کے ہو گئے۔ پہلی روایت میں کلمہ طیبہ کے اقرار یا شہادت کا تذکرہ نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر ایمان لائے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے کوئی نماز پڑھنے لگے، ہمارا ذبیحہ کھانے لگے تو وہ مسلمان ہے۔ ایک روایت دوسری روایت کی اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو ایمان لانے کے بعد ہماری طرح اور ہمارے قبلہ کو منہ کر کے نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے۔ چونکہ ہماری طرح ہمارے قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز وہی پڑھتا تھا جو مسلمان ہوتا تھا اور ہمارا ذبیحہ وہی کھاتا تھا جو مسلمان ہوتا تھا، اس لیے صرف اعمالِ ظاہرہ پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا گیا۔ اہل کتاب کا قبلہ بیت المقدس ہے اور یہود کی نماز میں رکوع نہیں، یہ ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے۔ مشرکین اور مجوس نماز ہی نہیں پڑھتے تھے، اس لیے یہ چیزیں مسلمانوں کی خاص علامت قرار دی گئیں۔ اسی سے اہل قبلہ کی اصطلاح استخراج ہوئی، اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان تمام باتوں کو حق کہتے اور مانتے ہوں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی طرف سے لائے ہیں۔ اور ضروریاتِ دین میں سے کسی کا بھی انکار نہ کرتے ہوں، جو شخص اپنے کو مسلمان کہلاتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے، مگر ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے، وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لا نكفر اهل القبلة'' ہم اہل سنت اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے، اس سے مراد اہل قبلہ بہ معنی مذکور ہیں، اس لیے قادیانی، رافضی، نیچری، وہابی وغیرہ جو ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں، ان کو ضرور کافر کہا جائے گا۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول مذکور انہیں قطعاً نفع نہ دے گا۔ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کلمہ طیبہ کا علم ہے، اس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے۔ وہیں اس حدیث پر مکمل گفتگو بھی ہو چکی ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔

قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ

اس متابعت کے ذکر کے دو فائدے ہیں۔ پہلی سند میں صرف یہ ہے کہ حمید نے یہ کہا کہ میمون بن سیاہ نے حضرت انس سے پوچھا، اس میں یہ تصریح نہیں کہ حمید اس مجلس میں موجود تھے اور انہوں نے خود اس کو سنا ہے، مگر دوسری سند میں اس کی تصریح ہے کہ حمید نے یہ کہا: ہم سے حضرت انس نے حدیث بیان کی۔ پہلی روایت حضرت انس پر موقوف ہے، اس میں یہ ہے کہ حضرت انس نے فرمایا۔ دوسری روایت میں یہ ہے: ''عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' جو اس کے مرفوع ہونے پر نص ہے۔

۲۷۴- ح: سَاَلْنَا ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ [حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہم نے دریافت کیا

عَنْهُمَا عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ بِالْعُمْرَةِ

ایسے شخص کے بارے میں جس نے عمرے کا طوافِ بیت اللہ کر لیا]

۲۷٤- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعُمْرَةَ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَّصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ وَّسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی کہ ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا ایسے شخص کے بارے میں جس نے عمرے کا طوافِ بیت اللہ کر لیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔ کیا وہ اپنی عورت کے پاس آئے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا اور مقام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پیروی ہے اور ہم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہرگز قریب نہ جائے جب تک صفا اور مروہ کی سعی نہ کر لے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: قبلة اهل المدينة ص ۵۷ ' کتاب المناسک۔ باب: طاف النبیصلی اللّٰه علیه وسلم وصلی لا سبوعه رکعتین ص ۲۲۰ ' باب: من صلی رکعتی الطواف خلف المقام ص ۲۲۰ ' باب: ما جاء فی السعی بین الصفا والمروة ص ۲۲۱ ' کتاب العمرہ۔ باب: متٰی یحل المعتمر ص ۲۴۱ ' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الحج۔ باب: بیان ان المحرم لا یتحلل بالطواف قبل السعی ص ۴۰۵ ' نسائی۔ ج ۲۔ کتاب المناسک۔ باب: این یصلی رکعتی الطواف ص ۲۹ ' باب: طواف سنن اهل بالعمرة ص ۳۶ ' باب: ذکر خروج النبیصلی اللّٰه علیه وسلم الی الصفا ص ۴۰ ' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک۔ باب: الرکعتین بعد الطواف ص ۲۱۸)

مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے؟

مقام سے مراد مقامِ ابراہیم ہے' یعنی وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم پاک کے نشان ہیں۔ آیت کریمہ "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (البقرہ: ۱۲۵) میں مقام سے کیا مراد ہے؟ اس میں ائمہ مفسرین کے چند قول ہیں۔ حضرت ابن عباس' امام مجاہد اور امام عطاء کا قول یہ ہے کہ پورا حرم' مقامِ ابراہیم ہے۔ امام مجاہد کا دوسرا قول یہ ہے کہ عرفہ' مزدلفہ' منٰی مراد ہے۔ امام عطاء سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ مقامِ ابراہیم سے عرفات' مزدلفہ' منٰی کے ساتھ ساتھ جمرات بھی لیتے ہیں۔ ان اقوال کی بناء پر "مُصَلّٰی" سے مراد دعا کی جگہ ہوگی۔ سدی نے کہا: اس سے مراد وہ پتھر ہے جسے حضرت اسمٰعیل کی اہلیہ نے حضرت ابراہیم کے قدم کے نیچے رکھ کر ان کا سر دھویا تھا۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں یہی امام حسن اور قتادہ سے روایت کیا' مگر صحیح اور راجح یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم سے مراد وہ مقدس پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی جس پر آپ کے نشانِ قدم پڑ گئے تھے اور آج بھی باقی ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقامِ ابراہیم سے گزرے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! اسے نماز کی جگہ بنا لیں؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1] اس قول کی بناء پر مصلّٰی سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے' یعنی مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھو۔ رہ گئی اس حدیث کی بات تو اس میں متعین ہے کہ اس سے مراد وہی مشہور و معروف پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم ہیں۔ ازرقی نے اخبارِ مکہ میں صحیح سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جہاں اس وقت مقامِ ابراہیم

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۵۷۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: التوجه الی القبلة حیث کان' بخاری۔ ج ۲ ص ۶۴۴۔ کتاب التفسیر۔ باب: قوله وقالوا اتخذ اللّٰه ولدا

ہے وہیں حضور ﷺ کے زمانے میں بھی رکھا ہوا تھا اور یہیں حضرات صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی اسی طرح تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک مرتبہ سیلاب آیا اور اس پتھر کو بہا لے گیا۔ تلاش کے بعد مکہ معظمہ کے نیچے ملا۔ لوگ اسے وہاں سے اٹھا لائے اور کعبہ کے پردے میں باندھ دیا۔ جب حضرت عمر مکہ معظمہ آئے تو پہلے یہ تفتیش کی کہ یہ کہاں تھا، جب یقینی طور پر متعین ہو گیا کہ وہ جگہ یہ ہے تو پھر وہیں رکھا اور اس کے ارد گرد عمارت بنوا دی، وہیں آج تک ہے۔

(فتح الباری۔ ج ا۔ باب: قولہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی ص ۴۱۹)

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ عمرے میں سعی واجب ہے۔ عمرہ کرنے والا صفا اور مروہ کی سعی سے پہلے ممنوعات احرام کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ ہر طواف کے بعد دو رکعت پڑھنی چاہیے، ہمارے نزدیک مستحب ہے۔ آیت میں امر استحباب کے لیے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے، بعض کے نزدیک سنت۔ بعض نے کہا کہ طواف اگر واجب ہے تو یہ بھی واجب، وہ سنت تو یہ بھی سنت۔

۲۷۵- ح: صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَاخِلِ الْبَيْتِ

[نبی ﷺ کا کعبہ کے اندر نماز پڑھنا]

۲۷۵- سَمِعْتُ مُجَاهِدًا قَالَ اُتِيَ ابْنُ عُمَرَ فَقِيلَ لَهُ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فَاَقْبَلْتُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ وَاَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ الْبَابَيْنِ فَسَاَلْتُ بِلَالًا فَقُلْتُ اَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَعْبَةِ قَالَ نَعَمْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلٰى يَسَارِهٖ اِذَا دَخَلْتَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلّٰى فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

مجاہد نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی آیا اور اس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت ابن عمر نے کہا: یہ سنتے ہی میں جب آگے بڑھا تو نبی ﷺ باہر تشریف لا چکے تھے اور میں نے حضرت بلال کو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑا پایا۔ میں نے حضرت بلال سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! دو رکعت، ان دونوں ستونوں کے درمیان، جب تم کعبہ کے اندر جاؤ جو بائیں جانب ہیں، اس کے بعد باہر نکلے اور دو رکعت کعبہ کے سامنے پڑھیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: قول اللہ عزوجل واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی ص ۵۷، باب: الابواب و الغلق للکعبۃ و المساجد ص ۶۷، باب: الصلوٰۃ بین السواری ص ۷۲، کتاب الحج۔ باب: اغلاق البیت ص ۲۱۷، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجۃ الوداع ص ۶۳۱، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحج۔ باب: استحباب دخول الکعبۃ ص ۴۱۲، ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: الصلوٰۃ فی الکعبۃ ص ۲۷۷، نسائی۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: الصلوٰۃ فی الکعبۃ ص ۱۱۲، کتاب القبلہ۔ باب: مقدار ذلک ص ۱۲۲، ج ۲۔ کتاب المناسک۔ باب: فی الصلوٰۃ فی الکعبۃ ص ۳۴، موطا امام مالک۔ کتاب الحج۔ باب: الصلوٰۃ فی البیت ص ۱۴۶، مسند امام احمد)

۲۷۶- عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ۔

عطاء نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو اس کے ہر طرف دعا مانگی اور نماز نہیں پڑھی، جب آپ باہر تشریف لائے تو کعبہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: یہ قبلہ ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: قول اللہ عزوجل واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی ص ۵۷، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحج۔ باب: استحباب

دخول البیت ص ۴۲۹' نسائی۔ ج ۲۔ کتاب المناسک۔ باب: موضع الصلوٰۃ فی البیت ص ۳۴)

تکمیل

کتاب المغازی' باب "حجۃ الوداع" میں اس کی تفصیل یہ ہے: حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار کر مسجد حرام تشریف لائے۔ اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے تھے۔ حضور کے ساتھ حضرت بلال' عثمان بن طلحہ حجبی بھی تھے۔ اونٹنی بیت اللہ کے قریب بٹھائی اور عثمان سے کہا: کنجی لاؤ! وہ کنجی لائے اور کعبہ کا دروازہ کھولا۔ حضور' اسامہ' بلال اور عثمان اندر گئے' پھر دروازہ بند کرلیا گیا۔ بہت دیر تک یہ لوگ اندر رہے' پھر باہر نکلے۔ اس کے بعد لوگ بہت تیزی کے ساتھ کعبہ کے اندر جانے کی کوشش کرنے لگے' میں سب سے پہلے اندر گیا۔ دروازے کے پیچھے بلال کھڑے تھے' میں نے ان سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے بتایا: ان دونوں اگلے ستونوں کے درمیان پڑھی ہے' کعبہ کی چھت چھ ستون پر قائم تھی جن کی دو قطاریں تھیں۔ حضور نے اگلی قطار کے دونوں ستونوں کے درمیان نماز پڑھی تھی۔ کعبہ کے دروازے کو اپنے پیچھے کرلیا تھا اور روئے انور اس سمت کیا تھا کہ جب تم کعبہ میں داخل ہوتو وہ تمہارے سامنے ہوگی۔ دیوار اور حضور کے مابین تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: میں حضرت بلال سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ حضور نے کتنی رکعت نماز پڑھی تھی؟ جہاں حضور نے نماز پڑھی تھی وہاں سرخ سنگ مرمر کا فرش تھا۔

قریش کی تعمیر سے پہلے کعبہ کی کوئی چھت نہیں تھی' دیواریں بھی بہت نیچی صرف قد آدم تھیں۔ حطیم کعبہ کے اندر تھا' اس میں صرف دو رکن' یعنی کونے تھے۔ حطیم کی طرف گول دائرہ نما تھا' اس کی لمبائی ستائیس ہاتھ تھی۔ قریش نے اس کی دیواریں اونچی کردیں اور اس پر چھت ڈال دی۔ اخراجات کی کمی کی وجہ سے حطیم کو باہر کردیا اور صرف اٹھارہ ہاتھ لمبائی رکھی اور چوکور بنادیا۔ چھت چھ ستونوں پر تھی جن کی دو قطاریں تھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اگلی قطار کے ستونوں کے مابین نماز پڑھی تھی' دو ستون دائیں طرف اور ایک ستون بائیں طرف تھا۔ "بین الساریتین علی یسارہ اذا دخلت" جب تم کعبہ میں داخل ہوتو بائیں ہاتھ والے دونوں ستونوں کے درمیان' کا یہی مطلب متعین ہے۔ نیز ابوداؤد اور مؤطا میں یہی تفصیل مذکور ہے کہ حضور نے ایک ستون بائیں طرف اور دو ستونوں کو دائیں طرف کرلیا تھا۔ بخاری' باب الحج میں "بین العمودین الیمانیین" مذکور ہے' وہ بھی اسی کی نشان دہی کرتا ہے۔

حضور نے کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھی' اور یہی راجح ہے' رہ گئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی' صرف دعائیں کیں' یہ یا تو اس بناء پر ہے کہ حضرت ابن عباس کو نماز پڑھنے کی روایت نہیں ملی' یا یہ کسی اور موقع کا ذکر ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اصل میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کعبہ میں گئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت اسامہ حضور سے دور رہے ہوں' دروازہ بند تھا' اندر اندھیرا تھا' حضور نے نماز بہت مختصر پڑھی تھی' انہوں نے نہیں دیکھا۔ حضرت بلال چونکہ قریب تھے' اس لیے انہوں نے دیکھا۔ علاوہ ازیں علم حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں نفی ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں اثبات ہے' اس لیے اسے ترجیح ہوگی۔ علاوہ ازیں خود حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت ابوہریرہ' حضرت شیبہ بن عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن صفوان سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر یہ اشکال ہے کہ خود انہیں سے یہ روایت ہے کہ فرمایا: میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ حضور نے کتنی رکعت پڑھی؟ جیسا کہ خود بخاری ہی میں ص ۶۷ اور ۱۳۱ پر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن ابی شیبہ نے کتاب مکہ میں بہ طریق عبد العزیز بن ابوداؤد خود حضرت ابن عمر ہی سے یہ روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ حضور نے کیا کیا؟ تو انہوں نے کلمے اور بیچ والی انگلیوں سے اشارہ فرمایا کہ دو رکعتیں پڑھیں[1] اب ان روایتوں کا محمل کہ "میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں" یہ ہوا کہ میں یہ بھول گیا کہ ان سے زبانی کہلا لیتا کہ دو رکعتیں پڑھیں۔ اشارہ کر کے تو انہوں نے بتایا کہ دو رکعتیں پڑھیں۔

مطابقت باب

یہ تینوں حدیثیں امام بخاری اس باب کے ضمن میں لائے ہیں: "باب قول اللّٰه عزوجل وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (البقرہ: ۱۲۵) یعنی اللہ عزوجل کے اس ارشاد: مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ' کا بیان' بالکل سامنے کی بات ہے۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے قریب نماز پڑھنا مامور ہے۔

پہلی حدیث تو باب کے صریح مطابق ہے کہ اس میں بالتصریح مذکور ہے کہ حضور نے طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی۔ بقیہ دو حدیثوں میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو باب کے مطابق ہوتا' اس لیے شراح نے بڑی عرق ریزی سے مناسبت نکالی ہے لیکن ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ بادی النظر میں آیت مذکورہ سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ شاید حرم پاک میں صرف مقام ابراہیم کے پیچھے ہی نماز درست ہوگی اور کہیں نہیں ہوگی۔ اس شبہے کے ازالہ کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے اور یہ تین حدیث لا کر یہ افادہ فرمایا کہ مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنی مستحب ضرور ہے مگر حرم پاک میں کہیں بھی نماز پڑھو درست ہے حتیٰ کہ کعبہ کے اندر بھی جائز ہے۔

۲۷۷- ح: تَحَوُّلُ الْقِبْلَةِ

[تحویل قبلہ]

۲۷۷ - عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلٰى اَجْدَادِهٖ اَوْ قَالَ اَخْوَالِهٖ مِنَ الْاَنْصَارِ وَاَنَّهٗ صَلّٰى قِبَلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَّكَانَ يُعْجِبُهٗ اَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ وَاَنَّهٗ صَلّٰى اَوَّلَ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا صَلٰوةَ الْعَصْرِ وَصَلّٰى مَعَهٗ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِّمَّنْ صَلّٰى مَعَهٗ فَمَرَّ عَلٰى اَهْلِ مَسْجِدٍ وَّهُمْ رَاكِعُوْنَ فَقَالَ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ قَدْ اَعْجَبَهُمْ اِذْ كَانَ يُصَلِّيْ قِبَلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَاَهْلُ

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے پہل مدینہ تشریف لائے تو اپنے ننہال انصار ماموؤں میں اترے اور بیت المقدس کی جانب منہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور حضور کی خواہش یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ (کعبہ) ہوتا۔ حضور نے کعبہ کی طرف سب سے پہلی جو نماز پڑھی تھی وہ عصر تھی۔ حضور کے ساتھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی تھی' ان میں سے ایک صاحب ایک مسجد کے قریب سے گزرے وہ لوگ رکوع میں تھے' انہوں نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ جس حال میں تھے اسی حال میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے اور یہودیوں

[1] عینی ج ۴ ص ۱۳۱

الْكِتَابِ فَلَمَّا وَلّٰى وَجْهَهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ اَنْكَرُوْا ذٰلِكَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ حَدِيْثِهٖ هٰذَا اَنَّهٗ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ اَنْ تَحَوَّلَ رِجَالٌ وَّقُتِلُوْا فَلَمْ نَدْرِ ﴿مَا نَقُوْلُ فِيْهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۳).

اور اہل کتاب کو یہ بات پسند تھی کہ حضور بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے‘ تو جب حضور نے بیت اللہ کی طرف منہ پھیر لیا تو یہ انہیں برا لگا۔ زہیر نے کہا: ابو اسحٰق‘ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے اپنی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ سے پہلے کچھ لوگ فوت ہو چکے تھے اور کچھ شہید ہو گئے تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کے بارے میں کیا کہیں‘ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اور اللہ عزوجل تمہارے ایمان (نماز) کو اکارت نہیں فرمائے گا۔ (البقرۃ:۱۴۳)

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الایمان۔ باب: الصلوٰۃ من الایمان ص ۱۱‘ ایضاً۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: التوجه الی القبله حیث کان ص ۵۷‘ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قوله سیقول السفهاء من الناس ص ۶۴۴‘ ایضاً۔ باب: قوله تعالٰی ولكل جعلنا وهو موليها ص ۶۴۵‘ کتاب اخبار الاحاد۔ باب: ما جاء خبر الواحد الصدوق ص ۱۰۷۶‘ مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تحويل القبلة من القدس الى الكعبة ص ۲۰۰‘ ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما جاء في ابتداء القبلة ص ۴۵‘ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ بقرہ ص ۱۲۰‘ نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فرض القبلة ص ۸۵‘ ایضاً۔ باب: استقبال القبلة ص ۱۲۱‘ ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القبلة ص ۷۲)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

مشہور انصاری صحابی ہیں‘ غزوۂ اُحد کے موقع پر کم سنی کی وجہ سے یہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ شرکت سے روک دیے گئے تھے۔ سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے‘ اس کے بعد تمام مشاہد میں شریک رہے۔ ۲۴ھ میں ری‘ موجودہ طہران‘ انہوں نے کچھ صلح سے اور کچھ لڑ کر فتح کیا۔ جنگ تستر میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ مشاجرات میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے‘ ان کے ساتھ تمام لڑائیوں میں رہے۔

حضرت مصعب بن زبیر کے عہد ولایت میں کوفہ میں جاں بحق ہوئے‘ سن وصال ۷۲ھ ہے۔ ان کے والد ماجد حضرت عازب بھی صحابی ہیں۔ صحابہ میں عازب نام کا سوائے ان کے اور کوئی نہیں اور نہ براء بن عازب نام کا ان کے صاحبزادے کے علاوہ کوئی اور ہے۔ ان سے تین سو پانچ احادیث مروی ہیں‘ جن میں بائیس متفق علیہ ہیں اور پندرہ افراد بخاری سے اور چھ افراد مسلم سے۔

نَزَلَ عَلٰى اَجْدَادِهٖ اَوْ اَخْوَالِهٖ

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پردادا حضرت ہاشم نے انصار کے مشہور قبیلہ بنی عدی بن نجار میں سلمٰی سے نکاح کیا تھا‘ جن سے حضرت عبد المطلب ہیں۔ اس قبیلہ کے جو افراد تھے‘ ان کو اس قرابت کی وجہ سے نانا یا ماموں کہہ دیا۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں کا ترجمہ ننہال کیا ہے۔

اشکال

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پہلے قباء میں بنی عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدم کے یہاں اترے تھے۔ چوبیس دن یہاں قیام فرما کر جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا‘ یہ مالک بن نجار کے قبیلہ سے تھے اور حضور کے جد امجد کی ننہال بنی عدی میں تھی‘ نہ بنی عمرو بن عوف میں تھی‘ نہ حضرت ابو ایوب کے قبیلہ میں تھی‘ جواب ظاہر ہے کہ عدی اور مالک

دونوں بھائی تھے ایک بھائی کے رشتے کو دوسرے بھائی کی طرف منسوب کرنا پوری دنیا کا عرف ہے۔

ہجرت سے قبل حضور ﷺ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے؟

ہجرت سے قبل حضور اقدس ﷺ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ اس بارے میں تین قول ہیں' ایک یہ کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر یہ مرجوح ہے' اس لیے کہ اس قول کی بناء پر تکرار نسخ لازم آئے گا۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' یہ خلاف ظاہر ہے۔ تیسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا ہے کہ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف منہ ہو' یعنی کعبہ کے جنوب میں کھڑے ہو کر شمال کی طرف منہ کر کے اور یہی صحیح ہے۔ امام حاکم وغیرہ نے اس کی تصحیح کی۔ نیز اس میں اور قول ثانی میں منافات نہیں۔ یہ شارحین کی ترجمانی تھی' اس خادم کو اس میں کلام ہے' اس لیے کہ (۱) امامت جبریل والی حدیث کے بعض طرق میں "وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ بَابِ الْبَیْتِ" ہے[۱] حضور نے جبریل کے ساتھ بیت اللہ کے دروازے کے پاس نماز پڑھی اور دروازہ مشرق جانب ہے۔ (۲) یہ خود ابن عباس کی اس روایت کے معارض ہے جو طبری نے بواسطہ علی بن طلحہ ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ بیت المقدس کی جانب منہ کریں[۲] فاء تعقیب کے لیے آتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی جانب منہ کرنے کا حکم مدینہ منورہ آنے کے بعد ہوا ہے۔

(۳) سیرت ابن اسحاق' سیرت ابن ہشام' المواہب اللدنیہ' افضل القری لقراء ام القری' حاشیہ کنز علامہ سید ابوالسعود ازہری اور حاشیہ درمختار سید احمد طحطاوی میں ہے: نبی ﷺ اعلیٰ مکہ یعنی جبل حراء پر تھے کہ جبریل' حضور کے سامنے عمدہ ترین خوشبو کے ساتھ بہترین شکل میں ظاہر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! اللہ عزوجل آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے فرماتا ہے کہ آپ تمام جن وانس کی جانب رسول ہیں۔ ان کو لا الہ الا اللہ کی طرف بلائیے۔ اس کے بعد اپنا پاؤں زمین پر مارا جس سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اس سے جبریل نے وضو کیا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے' اس کے بعد حضور کو حکم دیا کہ وضو کرلیں۔ جبریل نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور حضور سے کہا کہ میرے ساتھ نماز پڑھیں۔ ابونعیم کی روایت میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ زائد ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ جبریل نے حضور کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا اور آسمان پر چلے گئے۔ حضور جب گھر واپس ہونے لگے تو شجر و حجر' دیوار و در عرض کرتے لگے: السلام علیک یا رسول اللہ! پھر حضرت خدیجہ کو حضور نے حکم دیا تو انہوں نے بھی وضو کر کے نماز پڑھی۔ یہ واقعہ متعدد طرق سے مروی ہے' سب میں کچھ نہ کچھ کلام کیا گیا ہے' مگر تعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے قوی ہو گیا ہے۔

(جمان التاج فی الصلوۃ قبل المعراج۔ فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۱۵۔ ۲۱۴)

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ حراء مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں ہے' وہاں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں بیت المقدس کی طرف کسی طرح منہ نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث میں ہے: نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے تھے' اخیر دن (عصر) کی نماز کے لیے حضور اقدس ﷺ اور صحابہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں متفرق ہو جاتے۔ ان پہاڑی گھاٹیوں میں یہ پابندی کسی طرح ممکن نہ تھی۔ حضرت عفیف کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ انہوں نے ایک بار منیٰ میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ وحضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ اور ظاہر ہے کہ منیٰ میں بھی یہ ممکن نہیں کہ کعبہ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف بھی منہ ہو سکے' اس لیے سب سے قوی اور راجح یہی قول ہے کہ ہجرت سے قبل قبلہ' کعبہ تھا۔ اس سلسلے میں علامہ طبری نے ابن جریج سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابتداء میں حضور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' پھر مکہ ہی میں بیت المقدس

۱۔ فتح الباری۔ ج ۱ ص ۱۰۹۔ کتاب الصلوۃ ۲۔ فتح الباری۔ ج ۱ ص ۴۲۱۔ کتاب الصلوۃ

اسی طرف منہ کرنے کا حکم ہوگیا' مکہ میں حضور تین سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔

(زرقانی علی المواہب۔ ج ۱ص ۴۰۲)

تکرار نسخ کا یہ جواب ہے کہ ابتداءً اس بناء پر کہ اہل عرب کا مرکز عقیدت ہے' اپنے اجتہاد سے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے' پھر مکہ ہی میں یا مدینہ طیبہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز کا حکم ہوا۔ یہ اس موقع پر منسوخ ہوگیا۔ علاوہ ازیں ابن عربی نے کہا: تین چیزوں پر نسخ دوبار ہوا' تعیین قبلہ' متعہ' دیسی گدھوں کی حرمت۔ ابوالعباس غزنی نے کہا: اس سلسلے کی چوتھی کڑی' آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو بھی ہے۔ یعنی عام قاعدے سے یہ تین یا چار چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ (ایضا)

تحویل قبلہ ہجرت کے کتنے دنوں بعد ہوئی؟

تحویل قبلہ' ہجرت کے کتنے دنوں کے بعد ہوئی؟ اس بارے میں چھ اقوال ہیں' دو سال سترہ مہینے' سولہ مہینے' دس مہینے' نو مہینے' دو مہینے کے بعد' کون سا مہینہ تھا؟ اس بارے میں چار اقوال ہیں: جمادی الآخرہ' رجب' شعبان' ذوقعدہ۔ صحیح اور راجح یہ ہے کہ ہجرت کے سولہ مہینے تین دن پر پندرہ رجب دوشنبہ کو تحویل ہوئی۔ یہی امام احمد نے ابن عباس سے روایت کیا۔ امام واقدی نے فرمایا: یہی اثبت ہے۔ علامہ عینی اور علامہ ابن حجر نے اسے صحیح کہا۔ اسی پر جمہور کا جزم ہے۔ بربنائے قول صحیح حضور اقدس ﷺ اٹھائیس صفر کو مکہ سے نکلے' تین دن غار ثور میں رہے۔ پندرھویں دن دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاوّل کو دوپہر کے قریب مدینہ منورہ پہنچے۔ چوبیس دن قبا میں قیام فرمایا' چوبیس دن کے بعد جمعہ کو مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ راستے میں بنی سالم کے محلے میں جمعہ کا وقت ہوگیا' وہیں نماز جمعہ ادا فرمائی اور سال بھر کے بعد پندرہ رجب کو نماز ظہر میں عین حالت نماز میں جبکہ دو رکعت نماز ہوچکی تھی' تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی۔ سولہ اور سترہ مہینے کی تردید حضرت براء رضی اللہ عنہ کی بعض روایتوں میں ہے۔ یہ تردید انہیں کی طرف سے ہے' جیسا کہ عینی میں ہے' مگر نسائی میں ہے کہ یہ شک سفیان کو ہوا۔ "شك سفيان" ص ۸۵' انہیں سے صحیح ابوعوانہ میں' مسلم میں ابوالاحوص کی روایت میں اور نسائی میں ابوزکریا بن زائدہ اور شریک کی روایت میں بغیر تردید کے "ستة عشر شهرا" ہے۔ بہ نظر دقیق ان دونوں میں تعارض بھی نہیں' ربیع الاوّل اور رجب دونوں کو جوڑیں تو سترہ مہینے ہوتے ہیں۔ اور ایک کو چھوڑ دیں جیسا کہ چاہیے تو سولہ ہوتے ہیں' عام طور پر یہ دونوں طریقے رائج ہیں۔ مؤطا میں ہے: بدر سے دو مہینے قبل تحویل قبلہ ہوئی تھی۔ غزوۂ بدر اٹھارہ رمضان کو ہوا تھا' اس حساب سے بھی تحویل قبلہ رجب ہی میں ہوئی' صرف دو دن کا فرق ہے' یہ فرق کوئی قابل لحاظ فرق نہیں۔ مدینہ طیبہ میں حضور اقدس ﷺ بہ حکم ربانی' بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے' جیسا کہ طبری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: "امره الله ان يستقبل بيت المقدس" اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کریں[۱] اس سے یہود کی تالیف قلب بھی تھی' مگر چونکہ اسلام ملت ابراہیمی ہے' اس لیے دلی آرزو یہ تھی کہ قبلہ' کعبہ ہوتا۔ اس میں اہل عرب کے لیے ایک کشش بھی تھی۔ اکثر نماز کی حالت میں آسمان کی طرف ملتجیانہ نظر سے دیکھا کرتے۔ اللہ عزوجل کو خوب معلوم تھا کہ محبوب کی دلی خواہش کیا ہے۔ ایک بار جبریل نے آسمان کی طرف جاتے ہوئے یہ ادائے محبوبانہ دیکھ لی۔ اس پر یہ آیت کریمہ عین حالت نماز میں نازل ہوئی:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (البقرہ: ۱۴۴)

تمہارے آسمان کی طرف بار بار دیکھنے کو ہم دیکھ رہے ہیں ہم ضرور تم کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے' تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلو۔

(ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوۃ۔ باب: القبلۃ ص ۷۲)

---

[۱] فتح الباری۔ ج ۱ ص ۴۲۱۔ کتاب الصلاۃ

تحویل قبلہ کس نماز اور کس مسجد میں ہوئی؟

یہ تحویل قبلہ کس نماز اور کس مسجد میں ہوئی؟ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ عصر میں ہوئی۔ المواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں ہے کہ ابوسعید بن المعلیٰ کی حدیث ہے کہ نمازِ ظہر میں ہوئی[1] اور یہی طبرانی اور بزار کی حدیث میں بھی ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لیکن خود بخاری، مسلم، نسائی میں حضرت ابن عمر سے جو روایت ہے، اس میں یہ ہے کہ لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والے نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اُتارا گیا ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لوگ شام کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ رہے تھے، یہ سنتے ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔ نیز مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی یہی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ تطبیق دی کہ صحیح یہی ہے کہ تحویل قبلہ کی آیت بنی سلمہ کی مسجد میں نمازِ ظہر کی حالت میں اُتری تھی[2] اسی لیے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین ہے اور سب سے پہلے پوری نماز کعبہ کی طرف مسجد نبوی میں عصر کی پڑھی گئی اور اندرونِ شہر کی مساجد میں یہ خبر عصر ہی کے وقت پہنچ گئی۔ قبا چونکہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، وہاں دوسرے دن نمازِ فجر میں پہنچی۔

"فَخَرَجَ رَجُلٌ" یہ صاحب کون تھے، اس بارے میں تین نام آتے ہیں: عباد بن نہیک، عباد بن بشر، عباد بن وہب۔

وَاَهْلُ الْكِتَابِ

اہل کتاب میں نصاریٰ بھی داخل ہیں مگر مراد یہود ہیں، اس لیے کہ نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس نہیں۔ (ایضاً)

"قتلوا" شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت اور تحویل قبلہ کے مابین کوئی مسلمان قتل نہیں ہوا ہے۔ یہ صرف زہیر کی روایت میں ہے، بقیہ طرق میں صرف "مات" مذکور ہے۔

مسائل

(۱) قرآن مجید سے حدیث کا منسوخ ہونا درست ہے (۲) نماز میں قبلہ رو ہونا ضروری ہے (۳) قبلہ، کعبہ ہی ہے (۴) خبر واحد کا قبول کرنا واجب ہے، جب مخبر عادل ہو (۵) ایک نماز چاروں سمت میں پڑھنی درست، مثلاً تحری کر کے ایک سمت نماز پڑھ رہا تھا، نماز ہی میں دوسری سمت پر دل جما تو فرض ہے کہ بلا تاخیر اس سمت پھر جائے، اسی طرح چاروں طرف پھرا، پھر بھی نماز ہو گئی (۶) تحری کرکے کسی سمت نماز پڑھ رہا تھا پھر دل کسی اور سمت پر جما اور اُدھر پھر گیا تو نماز کے اعادہ کی حاجت نہیں (۷) کہیں جائے تو بہتر یہ ہے کہ اگر وہاں اپنا کوئی عزیز ہو تو اس کے وہاں قیام کرے (۸) اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رب العلمین میں عظمت ظاہر ہوئی کہ اگلے حکم کے خلاف جب حضور کی مرضی ہوئی تو بغیر سوال کے اسی کے مطابق اجازت دے دی۔

۲۷۸- ح. كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری ہی پر نماز (نفل) پڑھتے تھے]

۲۷۸- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ فَاِذَا اَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری ہی پر نماز (نفل) پڑھتے تھے، جدھر بھی وہ حضور کا منہ کیے ہو، جب آپ فرض کا ارادہ فرماتے تو اُترتے اور قبلہ کو منہ کرکے نماز پڑھتے۔

---

[1] ج ا ص ۳۰۰ کتاب تحویل القبلہ۔ [2] فتح الباری۔ ج ا ص ۱۹۰

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:التوجه نحو القبلة حيث كان ص ۵۸' کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔باب:التطوع على الدابة۔ باب ينزل للمكتوبة ص ۱۴۸' ج ۲۔کتاب المغازی۔باب:غزوة بني المصطلق ص ۵۹۳)

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نفل نماز سواری پر جائز ہے' اگرچہ قیام اور رکوع وسجدہ نہ ہو سکے اور قبلہ کو منہ ہو' البتہ فرض اور اس کے مثل وتر اور فجر کی سنت درست نہیں۔ ان کے علاوہ تمام نمازیں درست ہیں۔

(۲) یہ بھی ضروری نہیں کہ تحریمہ باندھتے وقت قبلہ کو منہ ہو۔

(۳) یہ شرط ہے کہ مدتِ قصر پر سفر کے لیے نکلا ہو۔

(۴) اس حالت میں جدھر سواری کا منہ ہے' اگر اُدھر رخ نہیں ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔

۲۷۹- ح: اُنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ

[مجھے (بھی) بھلا دیا جاتا ہے جیسے تم بھولتے ہو]

۲۷۹-عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا اَدْرِيْ زَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ اِنَّهٗ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ لَنَبَّاْتُكُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اُنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ ابراہیم نخعی نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ زیادہ کیا تھا یا کم کیا تھا' جب آپ سلام پھیر چکے تو عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے؟ فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حضور نے ایسے ایسے نماز پڑھی ہے' تو حضور نے اپنے دونوں پاؤں موڑے اور قبلہ کو منہ کیا اور دو سجدے کیے' اس کے بعد سلام پھیرا' اس کے بعد جب ہماری طرف منہ کیا تو فرمایا: اگر نماز میں کوئی نئی بات پیدا ہوتی تو تمہیں ضرور بتاتا' لیکن میں بھی بشر ہوں جیسے تم لوگ بشر ہو' مجھے بھلا دیا جاتا جیسے تم لوگ بھولتے ہو' جب مجھے بھول جائے تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تمہیں نماز میں شک ہو جائے تو جس پر دل جمے' اسی کے مطابق پوری کرو پھر سلام پھیرو' پھر دو سجدے کرلو۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:التوجه الى القبلة ص ۸۵' باب:ما جاء في امر القبلة ص ۵۸' ج ۲۔کتاب الایمان والنذور۔باب:اذا حنث ناسيا في الايمان ص ۹۸۶' مسلم۔ج ا۔باب:من شك في صلوته فلم يدر كم صلى ص ۲۱۱' ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:اذا صلى خمسا ص ۱۴۶' نسائی۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:ما يفعل من صلى خمسا ص ۱۸۵' ابن ماجہ۔باب:السهو في الصلوٰة ص ۸۵)

یہ واقعہ نماز ظہر میں ہوا تھا[1] اور آپ نے بجائے چار رکعت کے پانچ پڑھ لی تھی۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مفسد نماز ہے۔ خواہ وہ کلام دنیوی ہو یا دینی۔ نماز کی اصلاح کے لیے ہو یا کچھ اور' جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراءة القران.[2] نماز میں کسی قسم کا کلام درست نہیں' نماز صرف تسبیح' تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے۔

اگر نماز میں سہو ہو جائے تو اس بارے میں فرمایا:

---

[1] بخاری۔ج ا ص ۵۸۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:ما جاء في القبلة

(حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر ہے)

ایھا الناس مالکم حین نابکم شی فی الصلوۃ اخذتم فی التصفیق انما التصفیق للنساء من نابہ شی فی صلوتہ فلیقل سبحان اللہ فانہ لا یسمعہ احد حین تقول سبحان اللہ الا التفت.

اے لوگو! جب نماز میں کچھ ہو جاتا ہے تو تم لوگ تالی کیوں بجانے لگتے ہو' تالی صرف عورتوں کے لیے ہے۔ جب نماز میں کچھ ہو جائے تو سبحان اللہ کہو' جو بھی سبحان اللہ کہے سنے گا' متوجہ ہوگا۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: تقدیم الجماعۃ فیصلی بھم ص ۱۷۹' ابوداؤد۔ ج ۱۔ باب: تصفیق فی الصلوۃ ص ۱۳۶' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الامامت۔ باب: اذا تقدم الرجل من الرعیۃ ثم جاء الوالی ھل یتاخر ص ۱۲۷)

امام طحاوی نے فرمایا: ابتداء نماز میں کلام کی اجازت تھی' بعد میں منسوخ ہو گئی۔

اقول: یہاں خاص بات یہ ہے کہ کلام خود حضور اقدس ﷺ سے ہوا تھا۔ حضور اقدس ﷺ سے کلام مفسدِ نماز نہیں' جیسے سلام' کسی اور کو نماز میں سلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے' مگر حضور اقدس ﷺ کو مخاطب کر کے سلام کہنا مکملِ نماز ہے۔ اسی طرح جماعۃ مؤمنین کا آپس میں کلام نماز کو فاسد کر دیتا ہے مگر حضور اقدس ﷺ سے کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

میں بھی بشر ہوں جیسے تم بشر ہوں۔ علامہ عینی نے فرمایا: ''اِنَّمَا'' حصر کے لیے آتا ہے' کبھی مطلق حصر کے لیے' کبھی خاص حصر کے لیے۔ قرائن اور سیاق سے اس کو معلوم کیا جاتا ہے۔ یہاں حصر مطلق بداہۃً باطل ہے' اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کے ایسے اوصاف کثیرہ ہیں جن میں کوئی بشر آپ کا شریک نہیں۔ مراد صرف بھولنے کے اعتبار سے ہے' یعنی بھولنا عوارضِ بشری میں سے ہے' جیسے تم کبھی بھول جاتے ہو' اسی طرح بتقاضائے بشری میں بھی بھول جاتا ہوں۔

اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ

اس پر دلیل ہے کہ یہاں تشبیہ صرف بھولنے میں ہے۔ صحیح' راجح' محقق یہ ہے کہ اقوال اور اخبار میں انبیاء کرام سے نسیان اور سہو محال ہے۔ افعال میں کسی وقت' وہ بھی کسی دینی مصلحت کی بناء پر ممکن بلکہ واقع ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ اس میں مصلحت' سجدۂ سہو کی تشریع و تعلیم ہے۔

وَاِذَا شَكَّ

اگر کسی کو نماز میں یہ شبہہ ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں' تو وہ سوچے۔ جتنے پر دل جمے اس کے مطابق نماز پوری کرے اور سجدۂ سہو کرے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدۂ سہو سے پہلے سلام پھیرے' پھر سجدۂ سہو کرے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ سلام کے بعد اگر ایسے سہو پر اطلاع ہوئی جس سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اور سلام کے بعد کوئی ایسی بات نہیں پائی گئی جو منافی نماز ہو تو سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر نماز کے منافی کوئی فعل پایا جائے تو اعادہ واجب ہے۔

ت ۱۰۲۔ وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ وَاَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ اَتَمَّ مَا بَقِيَ۔

اور نبی ﷺ نے نمازِ ظہر میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور لوگوں کی جانب اپنا چہرۂ اقدس کر لیا تھا' اس کے بعد مابقیہ پوری فرمائی۔

ف (پچھلے صفحہ کا حاشیہ) مسلم۔ ج ۱ ص ۲۰۳۔ کتاب المساجد۔ باب: جواز الاقعاء علی العقبین' ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۳۴۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: تشمیت العاطس فی الصلوۃ' نسائی۔ ج ۱ ص ۱۷۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الکلام فی الصلوۃ

یہ تعلیق' مشہور و معروف حدیث ذوالیدین کا جزء ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی ابھی گزری ہوئی حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے' وہ اور ہے اور اس حدیث میں جو مذکور ہے یہ اور ہے۔ اُس میں یہ ہے کہ پانچ رکعت پڑھ لی تھیں اور اس میں یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرا تھا۔

توضیح باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''باب ما جاء فی القبلة ومن لم یر الاعادة علی من سهٰی فصلی الی غیر القبلة'' اس کا بیان کہ قبلہ کے بارے میں کیا کیا وارد ہے اور جس نے بھول کر قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی۔ اس نماز کے اعادے کو جو واجب نہ جانے' یعنی اگر کوئی شخص بھول کر قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ اس نماز کے اعادے کی حاجت نہیں۔ امام بخاری نے اسے مطلق رکھا۔ احناف کے یہاں یہ حکم اس قید کے ساتھ ہے کہ قبلہ کی صحیح سمت اسے معلوم نہ ہو اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو اور یہ تحری کر کے نماز پڑھے یعنی خوب سوچ غور کرے' جس طرف دل جمے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔

مطابقت

علامہ عینی نے فرمایا: باب سے اس تعلیق کی مطابقت اس حصے سے ہے کہ سلام پھیر کر حضور اقدس ﷺ نے قبلہ سے منہ پھیر کر مصلیوں کی جانب کر لیا تھا' پھر اسی پر بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لی' جس سے معلوم ہوا کہ حضور اس وقت بھی نماز ہی میں تھے' اور ظاہر ہے کہ یہ فعل سہواً ہوا تھا' تو معلوم ہوا کہ نماز میں سہواً قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ ہو جائے تو نماز ہو گئی' اعادے کی حاجت نہیں۔

اقول: اس واقعے میں قبلہ سے انحراف' سہواً نہیں تھا قصداً تھا۔ اس بنیاد پر کہ نماز پوری ہو گئی' اس لیے باب سے مطابقت کی یہ تقریر درست نہیں۔ حقیقت میں اس تعلیق کو باب کے پہلے جزء سے مطابقت ہے۔

یعنی قبلہ کے بارے میں کیا کیا منقول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قبلہ کے متعلقات کی ایک کڑی یہ بھی ہے۔ اس تعلیق سے ثابت ہوا کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں' ان میں امام سلام کے بعد قبلہ سے انحراف کرے۔

حضور ﷺ سے نماز میں کتنی بار سہو واقع ہوا؟

پوری حیاتِ طیبہ میں حضور اقدس ﷺ سے نماز میں پانچ بار سہو ہوا۔ اوّل: نمازِ ظہر یا بروایت بعض عصر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھیں' جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابھی گزری۔ دوم: نمازِ ظہر میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا' جیسا کہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ذوالیدین والی حدیث میں مذکور ہے اور زیر بحث حدیث میں ہے۔ سوم: قعدۂ اولیٰ ترک ہو گیا' جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عبداللہ بن بحینہ سے مروی ہے۔ چہارم: اثنائے قراءت آیت چھوٹ گئی' نماز کے بعد حضرت ابن مسعود سے فرمایا: کیا تم نماز میں نہیں تھے؟ عرض کیا: تھا' فرمایا: پھر یاد کیوں نہیں دلایا۔ یہ علامہ تقی الدین بن دقیق العید نے جمع فرمایا۔ ایک بار مغرب میں دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا تھا۔

۲۸۰- ح: وَافَقْتُ رَبِّي ثَلَاثًا [میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی]

۲۸۰- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی۔ میں

مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ:۱۲۵) وَاٰيَةُ الْحِجَابِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَ نِسَائَكَ اَنْ يَحْتَجِبْنَ فَاِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ ﴿عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ (التحریم:۵) فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ.

نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو'' (البقرۃ: ۱۲۵) اور آیت حجاب میں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دے دیتے، کیونکہ ان سے اچھے اور برے کلام کرتے ہیں۔ اس پر آیت حجاب اتری اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں نے رشک کے جوش میں آکر حضور کے خلاف ایکا کر لیا، میں نے ان سے (ازواج مطہرات سے) کہا: اگر حضور تم کو طلاق دے دیں تو ان کا رب انہیں تمہارے بدلے تم سے اچھی بیبیاں عطا فرمائے گا جو فرمانبردار ہوں گی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ما جاء فی القبلۃ ص ۵۸، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرہ۔ باب: قولہ واتخذ اللہ ولدا ص ۶۴۴، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ احزاب۔ باب: قولہ لا تدخلوا بیوت النبی ص ۷۰۶، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ تحریم۔ باب: قولہ عسٰی ربہ ان طلقکن ص ۷۳۱، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرہ ص ۱۲۰، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: القبلۃ ص ۷۲)

مطابقت

یہاں باب ہے: ''ما جاء فی القبلۃ'' جو قبلہ کے بارے میں منقول ہے۔ یہاں مطابقت حدیث کے پہلے جزء سے ہے۔ اب یہاں تین احتمال ہیں۔ اگر مقامِ ابراہیم سے کعبہ مراد ہو تو مطابقت پوری اور صریح ہے اور اگر مقام سے مراد حرم ہو تو مطابقت کی تقریر کے لیے باب کی توضیح یہ ہوگی کہ قبلہ اور قبلہ کے متعلقات کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کا بیان اور ظاہر ہے کہ حرم کعبہ کے متعلقات میں سے ہے۔ اور یہی تقریر اس تقدیر پر ہوگی جب مقامِ ابراہیم سے مراد وہ مخصوص پتھر لیا جائے جس پر حضرت خلیل اللہ کے نشانِ قدم ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کا مختار یہ ہو کہ مقام ابراہیم سے کعبہ مراد ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اس باب میں یہ حدیث لائے۔

وَافَقْتُ رَبِّي

یہاں بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمر نے اپنی رائے ظاہر فرمائی۔ اس کے بعد اس کے مطابق آیت نازل ہوئی۔ اب واقعے کے پیش نظر یہ کہنا زیادہ مناسب تھا کہ میرے پروردگار نے میری موافقت کی۔ علامہ عینی وغیرہ نے فرمایا کہ ازراہِ ادب حضرت عمر نے یہ فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے موافقت کی، مگر بہ نظر دقیق دیکھیں تو واقعہ یہی ہے کہ حضرت عمر نے قرآن مجید کی موافقت کی، وہ اس طرح کہ قرآن مجید اللہ عزوجل کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو قدیم ہے، جو نازل ہوا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اس کی ابتداء ہے نہ اس کی انتہاء۔ حضرت عمر نے جو کچھ اپنی رائے دی، یہ حقیقت میں واقعے کے اعتبار سے قرآن سے انہوں نے موافقت کی۔

حضرت عمر کی رائے کے موافق کتنی اور کون کون سی آیات نازل ہوئیں؟

اس حدیث میں تین ہیں، مگر کتب حدیث و تفسیر کے ادنیٰ تتبع سے ان کی تعداد وبیس تک ہے۔ تین موافقات یہ ہوئیں۔ چوتھی بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے، مگر حضرت صدیق اکبر کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ

لے کر چھوڑ دیا جائے۔ رحمت عالم نے اسی کو پسند فرمایا' قیدیوں سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا' جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے تھے' وہ یوں ہی چھوڑ دیئے گئے۔ ان میں جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں[1] حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا[2] اس پر حضرت عمر کی تائید میں یہ آیت کریمہ اتری:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌO لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌO (الانفال:۶۷-۶۸)[3]

نبی کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ کافروں کو قیدی بنائے جب تک زمین میں خوب خون نہ بہالے (اے مومنو!) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے' اور اللہ غالب حکمت والا ہےO اگر اللہ کی طرف سے یہ نوشتہ نہ ہو چکا ہوتا تو تم نے قیدیوں سے جو مال لیا' اس پر بھاری عذاب آتاO

پانچویں' شراب کی حرمت کے بارے میں' حضرت عمر نے یہ عرض کی: "اللّٰھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا" اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان فرما دے۔ اس پر اس کی حرمت نازل ہوئی[4] چھٹی: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍO (المومنون:۱۲)" "ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ" (المومنون:۱۴) تک' ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا' اس کے بعد اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے بے ساختہ کہا: "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَO" (المومنون:۱۴) اس کے بعد یہ حصہ نازل ہوا: "تو اللہ بہت برکت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا ہےO"[5] ساتویں: ایک یہودی نے حضرت عمر سے کہا: جبریل جو تمہارے صاحب کو سکھاتے ہیں ہمارے دشمن ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَO" (البقرہ:۹۸) جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو' اللہ ان کافروں کا دشمن ہےO انہیں الفاظ میں قرآن مجید نازل ہوا[6] آٹھویں: پہلی شریعتوں میں روزے کے دنوں میں بعد عشاء رات میں بھی کھانا پینا' جماع ممنوع تھا۔ ابتداء اسلام میں بھی یہ حکم باقی تھا۔ ایک بار حضرت عمر نے عشاء کے بعد جماع کیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ. (البقرہ:۱۸۷)[7]

روزے کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا' وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو' اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے' اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف کر دیا' اب ان سے صحبت کرو اور تمہارے نصیب میں جو لکھا ہے اسے طلب کرو۔

نویں: ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوا' یہودی نے کہا: میں محمد ﷺ کو حکم مانتا ہوں۔ منافق نے کہا: میں کعب بن اشرف

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل۔ ج ۱ ص ۲۴۷ [2] طبقات ابن سعد۔ ص ۱۲

[3] مسلم۔ ج ۲ ص ۹۳۔ کتاب جہاد و سیر۔ باب: امداد الملئکة فی غزوة بدر' ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۳۴۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الانفال

[4] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۲۱۔ کتاب الاشربہ۔ باب: تحریم الخمر' نسائی۔ ج ۲ ص ۳۲۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: تحریم الخمر' ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۳۰۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ مائدہ

[5] عینی۔ ج ۴ ص ۱۴۴' ابن ابی حاتم فی تفسیرہ' تاریخ الخلفاء ص ۸۷

[6] تاریخ الخلفاء بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم و ابن جریر وغیرہ ص ۸۸ [7] تاریخ الخلفاء بحوالہ مسند امام احمد ص ۸۸

کو مانتا ہوں۔ پھر دونوں خدمت میں حاضر ہوئے' قصہ سنایا۔ اس معاملے میں حق یہودی کے ساتھ تھا۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ منافق نے کہا: یہ فیصلہ تسلیم نہیں' ہم عمر سے فیصلہ کرائیں گے۔ دونوں حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں آئے۔ یہودی نے سب ماجرا سنایا۔ حضرت عمر نے اس منافق سے دریافت فرمایا: کیا یہ سچ ہے؟ منافق نے کہا: ہاں! فرمایا: تم دونوں اپنی جگہ رہو۔ اندر سے تلوار لائے اور منافق کی گردن اُڑا دی اور فرمایا: جو رسول اللہ کا فیصلہ نہ مانے' اس کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ عمر ایک مسلمان کے قتل کی جرأت کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۝ (النساء:۶۰)[1]

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے' اس پر جو اتارا گیا تم پر اور جو تم سے پہلے اتارا گیا' پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو پنچ بنائیں حالانکہ شیطان کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا' ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے۝

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے تاریخ الخلفاء[2] میں اسی قسم کے ایک واقعے پر اس آیت کریمہ کے نزول کی روایت کی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (النساء:۶۵)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حکم نہ بنائیں اور تم جو کچھ حکم دو اپنے دلوں میں اس سے کوئی رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۝

مرقات کی روایت میں ایک فریق کو یہودی بتایا' اور تاریخ الخلفاء میں اس میں سے کسی کے یہودی ہونے کی تصریح نہیں' اگر یہ دونوں دو واقعے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو موافقات کی تعداد بجائے بیس کے اکیس ہو جائے گی۔

دسویں: رأس المنافقین ابن اُبَی جب مرا اس کے فرزند مؤمن مخلص تھے۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور التجا کی: حضور! اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیں۔ حضور نے قبول فرمائی' جب نمازِ جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کے دشمن ابن اُبَی کی نمازِ جنازہ آپ پڑھیں گے؟ اس نے ایسا ایسا کیا ہے' یہ منافق ہے۔ حضور نے پھر بھی اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبۃ:۸۴)

ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما یکرہ من الصلوۃ علی المنافقین ص ۱۸۲)

گیارہویں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقین کے لیے استغفار کرتے تھے۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کیا: "سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ" سب برابر ہیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

---

[1] مرقاۃ۔ ج ۵ ص ۳۹۰۔ ۵۳۸

[2] تاریخ الخلفاء۔ ص ۸۸ بحوالہ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. (المنافقون:٦)

تم ان کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو، یکساں ہے اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ طبرانی ص ۸۸)

بارہویں: غزوۂ بدر کے موقع پر جب ابوسفیان اپنا کاروانِ تجارت بچا کر نکل گئے اور ابوجہل کی لشکر کے ساتھ آمد کی خبر ملی تو حضور اقدس ﷺ نے ابوجہل کے مقابلے کے سلسلہ میں مشورہ فرمایا۔ کچھ صحابہ نے یہ رائے دی کہ مقابلہ نہیں کرنا چاہیے، ہم قافلے کے لیے آئے تھے، تیاری بھی نہیں ہے، تعداد بھی تھوڑی ہے، مگر حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے مقابلے کے لیے آگے بڑھنے کا مشورہ دیا۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَO (الانفال:٥٠) (تاریخ الخلفاء ص ۸۸)

جیسے تمہارے رب نے تم کو تمہارے گھر سے نکالا اور مومنوں کا ایک گروہ اسے پسند نہیں کرتا تھاO

تیرہویں: واقعۂ اِفک کے موقع پر حضور اقدس ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے یہ عرض کیا: یارسول اللہ! عائشہ کے ساتھ کس نے آپ کی شادی کی ہے؟ فرمایا: اللہ نے، عرض کیا: کیا حضور کے گمان میں یہ ہے کہ اللہ ان کے عیب کو پوشیدہ رکھے گا۔ ''سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ'' الٰہی تیرے لیے پاکی ہے، یہ بھاری بہتان ہے۔ اس کے بعد یہی کلمات نازل ہوئے۔

(عینی۔ ج ۴ ص ۱۴۲)

چودہویں: حضرت عمر اپنے مکان پر سو رہے تھے کہ ان کا غلام اندر آ گیا۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ! بلا اجازت اندر آنے کو حرام فرما دے! اس پر آیت استیذان نازل ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۸)

پندرہویں: ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا: اے قاریو! تمہارا کیا حال ہے، جب تم سے سوال کیا جاتا ہے تو تم بزدلی اور بخل کرتے ہو اور جب کھانے بیٹھتے ہو تو بڑے بڑے لقمے اُڑاتے ہو۔ حضرت ابوالدرداء تو خاموش رہے، مگر جب حضرت عمر کو اس کی خبر ہوئی تو اس کی گردن دبوچ کر خدمت اقدس میں لائے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: میں نے یوں ہی مذاق میں کہہ دیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ. (التوبہ:٦٥) (ایضاً ص ۸۹، ازالۃ الخلفاء۔ ج ۱ ص ۳۰۵)

تم اگر ان سے باز پرس کرو گے تو کہہ دیں گے: ہم تو ہنسی و دل لگی کرتے تھے۔

سولہویں: مسلم شریف[1] میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے واقعۂ ایلاء میں جو روایت ہے، اس میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر بالاخانے پر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور ازواجِ مطہرات حضور کے اردگرد بیٹھی ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری بیوی بنت خارجہ اگر مجھ سے نفقہ مانگے تو میں اس کی گردن پر ہاتھ ماروں۔ اس پر حضور ہنس پڑے اور فرمایا: یہ سب میرے اردگرد اسی لیے جمع ہیں، مجھ سے نفقہ مانگ رہی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر (جو پہلے سے حاضر تھے) اُٹھے اور عائشہ کی گردن پر ہاتھ مارا۔ اور عمر اُٹھے اور حفصہ کی گردن پر ہاتھ مارا۔ دونوں یہ کہتے جاتے تھے: تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے وہ مانگتی ہو جو حضور کے پاس نہیں۔ اس پر ازواجِ مطہرات نے عرض کیا: بخدا! ہم رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی ایسی چیز نہیں مانگیں گی جو حضور کے پاس نہ ہو۔ اس کے بعد حضور انتیس دن ازواجِ مطہرات سے الگ رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۴۸۰۔ کتاب الطلاق۔ باب: تخییرہٗ امراتہٗ لایکون طلاقاً الابالنیۃ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ (الاحزاب:۲۸-۲۹)

اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو میں تمہیں مال دوں اور تم کو اچھی طرح چھوڑ دوں O اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت ثواب مہیا فرمایا ہے O

سترہویں: مسلم[1] ہی میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں: میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر جلال دیکھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! عورتوں کے معاملہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پریشان نہ ہوں، اگر حضور نے انہیں طلاق دے دی ہے تو کیا ہوا، اللہ آپ کے ساتھ ہے اور اس کے فرشتے جبریل، میکائیل ہیں اور ابوبکر اور تمام ایمان والے حضور کے ساتھ ہیں، میں اس پر اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ میں نے کوئی بات کہی تو اللہ سے یہی امید رہتی ہے کہ اللہ عزوجل میری تصدیق فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت تخییر یعنی "عَسٰی ربه ان طلقکن" اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۝ (التحریم:۴)[2]

اور اگر ان پر زور باندھو تو یقیناً اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان بھی اور اس کے بعد فرشتے ان کے حامی ہیں O

اٹھارہویں: اسی حدیث کے اخیر میں ہے: حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے دریافت کیا: کیا حضور نے انہیں (ازواج کو) طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: نہیں تو، میں نے عرض کیا: میں جب مسجد میں آیا تو دیکھا کہ لوگ غم زدہ بیٹھے کنکریوں سے کھیل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، اگر اجازت ہو تو انہیں بتا دوں؟ فرمایا: اگر تم چاہو تو بتا دو۔ میں اتر کر مسجد میں آیا اور حضور بھی نیچے اترے۔ میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا: حضور نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:۸۳)

جب انہیں اطمینان یا ڈر کی کوئی خبر ملتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں، اگر اسے رسول کے پاس یا اپنے سرداروں کے پاس لے جائیں تو معاملہ فہمی کی صلاحیت رکھنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔

انیسویں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک موقع پر ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیر تک بیٹھا رہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کئی مرتبہ اٹھے تا کہ وہ حضور کی اکتاہٹ کو سمجھ جائے اور واپس ہو جائے، مگر وہ بیٹھا رہا۔ اتنے میں حضرت عمر آئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کبیدگی کو محسوس کیا اور اس سے کہا: تم نے رسول اللہ کو تکلیف دی۔ اس پر وہ سمجھا اور اٹھ کر چلا گیا۔ حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پردے کا حکم دے دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جاؤ، جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے، مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ، نہ یہ کہ پکنے کا انتظار کرو، پس جب کھا چکو تو چل دو نہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ،

---

[1] مسلم۔ ج اول، ص ۴۸۰۔ کتاب الطلاق۔ باب تخییر امراتہ لا یکون طلاقا الا بالنیۃ
[2] ایضاً، ص ۴۸۱

لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ۔ (الاحزاب:۵۳) بے شک یہ نبی کو ایذاء پہنچاتی ہے وہ تمہارا لحاظ فرماتے ہیں اور اللہ حق بات بیان فرمانے سے حیاء نہیں فرماتا۔

(ازالۃ الخفاء۔ج ا ص ۳۵۸)

بیسویں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب سورۂ واقعہ کی یہ آیت نازل ہوئی: "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ O وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ O" (۱۳۔۱۴) اگلوں میں سے ایک گروہ O اور پچھلوں میں تھوڑے O یعنی جنت میں اگلی اُمت کے افراد زیادہ ہوں گے اور اس اُمت کے کم اور تھوڑے۔ یہ صحابہ کرام پر بہت شاق ہوا۔ حضرت عمر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اگلے زیادہ اور ہم کم۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، سال بھر کے بعد سورۂ واقعہ کے آخری اجزاء نازل ہوئے تو اس میں یہ آیت بھی اُتری: "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ O وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ O" (۳۹۔۴۰) اگلے سے ایک گروہ O اور پچھلے سے ایک گروہ O جب یہ آیت اُتری تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلایا اور فرمایا: یہ بشارت سن لو۔ حضرت آدم سے لے کر مجھ تک ایک گروہ ہے اور میری اُمت ایک گروہ۔ ہمارا گروہ، پہلوں کے برابر اس وقت تک نہ ہوگا جب تک سوڈان کے حبشی اونٹ چرانے والوں کو بھی ہم اپنے گروہ میں شامل نہ کرلیں کہ وہ بھی توحید کی شہادت دیں۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن ابی حاتم وابن مردویہ ص ۸۸)

یہ بیس موافقتیں ہوئیں، مزید تتبع و تلاش کیا جائے تو یہ تعداد اور بھی بڑھ سکتی ہے۔ میں نے ایک بار اس کی کوشش کی تو پچیس موافقتیں ملیں، مجھے وہ سب یاد نہ رہیں اور جو لکھا تھا وہ کہیں غائب ہے۔ یہ موافقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت عظیم فضیلت ہے، اس سے ایک طرف ان کی فراست صادقہ اور جبلت سلیمہ کا پتہ چلتا ہے کہ وہ جو کچھ سوچتے حق ہوتا، دوسری طرف ان کے اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ ہونے کا ثبوت ملتا ہے کہ جو کلمات انہوں نے عرض کیے بعینہٖ وہی قرآن مجید میں نازل ہوئے۔

یہ بیس یا اکیس موافقتیں تو وہ ہیں جو قرآن مجید کے ساتھ ہیں، اس کے علاوہ توراۃ کے ساتھ الگ ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الگ۔ ان سب کو تلاش کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ وہ خصوصی فضل و کمال ہے جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان کلماتِ طیبات میں بیان فرمایا ہے:

لقد كان فيما كان قبلكم من الامم ناس محدثون فان يك في امتي احد فانه عمر۔ پہلی اُمتوں میں کچھ لوگ ہوتے تھے جنہیں الہام ہوتا تھا اگر میری اُمت میں کوئی ایسا ہے تو عمر ہیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المناقب۔ باب: مناقب عمر ص ۵۲۱ عن ابی ہریرۃ، مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الفضائل۔ باب: فضائل عمر ص ۲۷۶، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب المناقب۔ باب: مناقب عمر ص ۲۱۰ عن عائشہ، مسند امام احمد عن کلیھما)

بہ طریق زکریا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت ہے:

قد كان فيمن قبلكم من بني اسرائيل رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء فان يك في امتي منهم احد فعمر۔ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیائے کرام کے علاوہ ایسے بزرگ ہوتے تھے جن سے فرشتے کلام کرتے تھے، اگر میری اُمت میں کوئی ایسا بزرگ ہے تو وہ عمر ہیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المناقب۔ باب: مناقب عمر ص ۵۲۱)

"مُحَدَّثُوْن" کی تفسیر خود مسلم شریف میں "مُلْهَمُوْن" ہے، یعنی جنہیں من جانب اللہ الہام کیا جائے۔ "يُكَلَّمُوْن" مجہول کا صیغہ ہے، اس کے معنی جن سے کلام کیا جاتا ہے، یعنی جن سے فرشتے کلام کرتے ہیں، ورنہ کوئی خصوصیت نہ رہے گی۔ ان دونوں حدیثوں

میں حرفِ شرط شک کے لیے نہیں بلکہ تاکید وتقریر کے لیے ہے' جیسے اپنے بہت گہرے اور سچے دوست کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر میرا کوئی دوست ہے تو فلاں ہے' یا کسی بڑے عالم کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو تو کہتے ہیں: اگر کوئی عالم ہے تو فلاں ہے۔

اسی من جانب اللہ الہام اور فرشتوں سے ہمکلامی کا یہ اثر تھا کہ حضرت شیرِ خدا نے فرمایا: قرآن مجید میں حضرت عمر کی بہت سی رائے کے ساتھ تطابق ہے[1] امام مجاہد نے فرمایا: حضرت عمر ایک رائے دیتے تھے' قرآن اس کے مطابق اترتا۔ (ایضاً بحوالہ ابن عساکر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حق عمر کی زبان اور دل پر کر دیا ہے اور جب کبھی اور لوگ ایک رائے دیں اور حضرت عمر دوسری رائے دیں تو قرآن حضرت عمر کی رائے کے مطابق نازل ہوتا۔ (ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب المناقب۔ باب: مناقب عمر ص ۲۰۹)

۲۸۱- ح: بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءَ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ قَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ.

[لوگ مسجد قباء میں تھے کہ ایک آنے والے آئے اور یہ کہا: حضور کو حکم دیا گیا ہے کہ (نماز میں) کعبہ کی جانب منہ کریں]

۲۸۱- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلٰوةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَّقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوْهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز میں تھے کہ ایک آنے والے آئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات قرآن نازل کیا گیا ہے اور حضور کو حکم دیا گیا ہے کہ (نماز میں) کعبہ کی جانب منہ کریں' اس لیے تم لوگ کعبہ کی جانب منہ کر لو اور ان کے رخ شام کی طرف تھے' پس وہ لوگ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ما جاء فی القبلۃ ص ۵۸' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورہ بقرہ۔ باب: قولہ وما جعلنا القبلۃ التی ص ۶۴۵' کتاب اخبار الاحاد۔ باب: ما جاء فی اجازۃ الخبر الواحد الصدوق ص ۱۰۷۶' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب المساجد۔ باب: تحویل القبلۃ ص ۲۰۰' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الحالۃ التی یجوز علیہما استقبال القبلۃ)

فِي صَلٰوةِ الصُّبْحِ

حدیث: ۲۷۷' میں تفصیلی بحث گزر چکی کہ تحویل قبلہ کا حکم نمازِ ظہر میں نازل ہوا تھا اور یہ خبر قباء میں دوسرے دن نمازِ فجر میں پہنچی۔ "آت" علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ آنے والے عباد بن بشر تھے اور یہی ابن طاہر وغیرہ نے بھی نقل کیا' مگر علامہ ابن حجر کو اس میں کلام ہے' ان کا کہنا یہ ہے کہ عباد بن بشر نے بنی حارثہ کو نمازِ عصر میں اس کی خبر دی تھی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عباد بن بشر نے پہلے بنی حارثہ کو اس کی خبر دی پھر صبح کو اہل قباء کو نمازِ فجر کے وقت خبر دی' مگر مسلم کی جو حضرت انس سے روایت ہے' وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ خبر دینے والے دونوں جگہ دو ہیں۔ اس روایت میں ہے: بنی سلمہ میں سے ایک صاحب گزرے اور وہ لوگ نمازِ فجر کے رکوع میں تھے۔ بنو حارثہ اور بنو سلمہ دو الگ قبیلے ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ عباد بن بشر بنی حارثہ کے فرد ہیں۔ واللہ اعلم!

اللَّيْلَةَ

اس سے قبل گزر چکا کہ تحویل قبلہ کی آیت دن ہی میں ظہر کی نماز میں نازل ہوئی تھی' اس لیے علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۸' بحوالہ ابن مردویہ

"اللیلة" سے مراد مجازاً کل گزشتہ ہے بعلاقۂ مجاورت۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دینیات میں ایک عادل ثقہ کی خبر معتبر ہے' مثلاً نماز کا وقت ہو گیا' نماز کا وقت ختم ہو گیا۔ پانی پاک ہے یا ناپاک ہے' قبلہ کدھر ہے۔

۲۸۲- ح: رَاٰی نُخَامَةً فِی الْقِبْلَةِ فَشَقَّ عَلَیْهِ

[قبلہ میں رینٹ دیکھی' یہ حضور کو شاق ہوا]

۲۸۲- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی نُخَامَةً فِی الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَیْهِ حَتّٰی رُئِیَ فِیْ وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِیَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّهٗ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ اَوْ اِنَّ رَبَّهٗ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا یَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ یَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمَیْهِ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِیْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ یَفْعَلُ هٰكَذَا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ میں رینٹ دیکھی' یہ حضور کو شاق ہوا اتنا کہ اس کا اثر روئے انور پر دیکھا گیا' حضور کھڑے ہوئے اور اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا' پھر فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے رب سے مناجات کرتے ہو' یا یہ فرمایا کہ بے شک اس کا رب اس کے اور قبلہ کے مابین ہے' اس لیے کوئی قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے' اپنے بائیں جانب تھوکے یا اپنے پاؤں کے نیچے۔ اس کے بعد حضور نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اس میں تھوکا' پھر بعض کو بعض پر مل دیا' پھر فرمایا: یا اس طرح کرلے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: حك المخاط بالحصٰی من المسجد ص ۵۸' ایضاً۔ باب: لا یبصق عن یمینه فی الصلوۃ ص ۵۹' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب المساجد۔ باب: النهی عن البصاق فی المسجد ص ۲۰۷)

۲۸۳- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی بُصَاقًا فِیْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ یُصَلِّیْ فَلَا یَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں تھوک دیکھا تو اسے کھرچ دیا' پھر لوگوں کی طرف رخ انور کرکے فرمایا: جب تم نماز پڑھتے رہو تو اپنے سامنے مت تھوکو' اس لیے کہ جب تم نماز پڑھتے ہو تو اللہ سبحانہٗ تمہارے سامنے ہوتا ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: حك البزاق بالید من المسجد ص ۵۸' ایضاً۔ کتاب الاذان۔ باب: هل یلتفت لامر نزل به ص ۱۰۴' ایضاً۔ کتاب التہجد۔ باب: ما یجوز من البصاق والنفخ فی الصلوۃ ص ۱۶۲' مسلم۔ کتاب المساجد۔ باب: النهی عن البصاق فی المسجد ص ۲۰۷' نسائی۔ ج ۱۔ باب: البصاق فی المسجد ص ۱۱۸)

۲۸۴- عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی فِیْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا اَوْ بُصَاقًا اَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهٗ۔

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں رینٹ (ناک کی رطوبت) یا تھوک یا بلغم دیکھا تو اسے کھرچ دیا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: حك البزاق بالید من المسجد ص ۵۸' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب المساجد۔ باب: النهی عن البصاق فی المسجد ص ۲۰۷)

ت [۱۰۳] - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنْ وَّطِئْتَ عَلٰی قَذَرٍ

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگر گیلی نجاست تیرے پاؤں

رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ وَإِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا.

کے نیچے آ جائے تو اسے دھو ڈال اور اگر سوکھی ہو تو ضرورت نہیں۔

۲۸۵- ح: رَاٰى نُخَامَةً فِيْ جِدَارِ الْمَسْجِدِ

[حضور نے مسجد کی دیوار میں کھنکار دیکھا]

۲۸۵ - اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى نُخَامَةً فِيْ جِدَارِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَتَّهَا فَقَالَ اِذَا تَنَخَّمَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى.

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد کی دیوار میں کھنکار دیکھا تو کنکری لی اور اسے کھرچ دیا' اس کے بعد فرمایا: جب تم کھنکارو یا تھوکو تو اپنے سامنے یا اپنے دائیں طرف نہ تھوکو بلکہ بائیں طرف یا بائیں قدم کے نیچے تھوکو۔

۲۸۶- ح: اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ

[مسجد میں تھوکنا گناہ ہے]

۲۸۶ - قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا.

(ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: دفن النخامۃ فی المسجد ص ۵۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کر دینا ہے۔

۲۸۷- ح: اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ اَمَامَهٗ

جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے آگے مت تھوکو]

۲۸۷- عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ اَمَامَهٗ فَاِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكًا وَّلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَيَدْفِنُهَا. (ایضا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے آگے مت تھوکو' اس لیے کہ وہ جب تک نماز پڑھنے کی جگہ ہے' اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہے اور نہ دائیں طرف تھوکے' اس لیے کہ اس کے دائیں طرف بھی فرشتہ ہے' اپنے بائیں تھوکے یا قدم کے نیچے تھوکے' پھر دفن کر دے۔

لغات

''نخامۃ'' وہ بلغم جو ناک یا حلق کے ذریعہ باہر آئے۔ ''بصاق'' تھوک۔ ''مخاط'' ناک سے جو رطوبت نکلے۔ ''مناجاۃ'' اس کا مادہ ''نجوٰی'' ہے' جس کے معنی کان میں بات کہنے کے ہیں' یعنی کسی سے رازدارانہ بات چیت کرنی۔ امام نووی نے فرمایا: یہاں مناجات سے اخلاص اور حضور قلب کے ساتھ ذکر الٰہی میں ہمہ تن مشغول ہونا مراد ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: تحقیق یہ ہے کہ یہ بات تشبیہ سے ہے۔ نماز میں بندے کا خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ عزوجل کی طرف قراءت و ذکر کرتے ہوئے متوجہ ہونے کو اس غلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اپنے آقا سے سرگوشی کرتا ہے کہ اس حالت میں غلام پورے طور سے حسن ادب کا لحاظ کرتا ہے۔ اسی طرح نمازی کو لازم ہے کہ نماز میں حسن ادب کو ملحوظ رکھے۔

اِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ

اس سے مراد خصوصی تجلی ہے' ورنہ اللہ عزوجل اس سے منزہ ہے کہ وہ دو جگہوں کے درمیان محصور ہو یا کسی جگہ متمکن ہو' اس لیے

کہ اس کے لیے متناہی ہونا لازم ہے اور اللہ عزوجل کی ذات تناہی سے منزہ اور غیر متناہی بالفعل ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ''وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا O'' (النساء:۱۲۶) اور فرمایا: ''اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ O'' (حٰم السجدہ:۵۴) اللہ عزوجل ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ اس کے منافی کہ اسے کوئی چیز گھیرے۔ ''مُحِيط''، ''مُحَاط'' نہیں ہوسکتا۔

بعض معتزلہ نے یہ کہہ کر اس حدیث کا انکار کیا کہ اللہ عزوجل ہر جگہ ہے' پھر تخصیص کی کیا وجہ۔ ان جہلا نے یہ نہیں جانا کہ یہ متشابہات میں سے ہے' جیسے ارشاد ہے: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى O'' (طٰہٰ:۵) اور فرمایا: ''يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ'' (الفتح:۱۰) اور ارشاد ہوا: ''وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ'' (الحدید:۴) جیسے یہ آیات اپنے ظاہری معنی پر نہیں اسی طرح اس حدیث کا ارشاد بھی ظاہر معنی سے مؤول ہے' جو تاویل ان آیات کی ہے' وہی اس حدیث کی بھی ہوگی۔ اس طرح ان کا یہ کہنا کہ اللہ عزوجل ہر جگہ ہے' غلط ہے۔ کسی جگہ جو چیز ہوتی ہے جگہ اس چیز کو ہر طرف سے گھیرے رہتی ہے۔ ابھی گزرا کہ اللہ عزوجل کو کوئی چیز گھیر نہیں سکتی۔ اسی لیے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرمایا کہ جو یہ کہے: ''نہ تو در ہیچ مکانے ونہ زتو خالی ہست مکان'' کافر ہے' اس لیے کہ اس نے اللہ عزوجل کے لیے مکان ثابت کیا' مگر اس کے حاشیے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ اس قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی' مگر خاطی ضرور ہے۔

فلا يبزق...... (قبلہ کی جانب تھوکنا)

احناف کے نزدیک قبلہ کی جانب تھوکنا مطلقاً منع ہے' خواہ نماز میں ہو خواہ نماز کے باہر۔ نماز میں کراہت زیادہ سخت ہے۔ اسی طرح مسجد میں تھوکنا منع ہے' خواہ نماز میں ہو خواہ نماز کے باہر۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''البزاق في المسجد خطيئة و كفارتها دفنها'' مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کر دینا۔ اور نماز میں کراہت زیادہ ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ آگے جو ارشاد ہے کہ اپنے بائیں طرف تھوکے' یہ نماز کے علاوہ اور مسجد سے باہر کا حکم ہے۔ علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ یہ حدیث کے سیاق کے منافی ہے۔

اقول: نماز میں اگر بلغم آجائے یا ناک صاف کرنے کی حاجت پیش آجائے' تو اسے اپنے رومال یا کسی کپڑے میں لے کر مل ڈالے جیسا کہ حدیث میں فرمایا' لیکن اگر کوئی کپڑا نہ ہو تو نماز کو فساد سے بچانے کے لیے تھوکنے کی اجازت ہے' اگر بائیں طرف کوئی نہ ہو تو بائیں طرف' ورنہ اپنے قدم کے نیچے' پھر نماز سے فارغ ہو کر اسے یا تو وہیں دفن کر دیں یا صاف کر دیں۔ یہ محض جواز کی حد تک ہے' بہتر یہ ہے کہ نگل لے۔

فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ

اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ میں کنکری یا لکڑی لے کر اسے کھرچ دیا' جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور نے کنکری لی اور اس سے اسے دور فرمایا' یا جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہماری مسجد میں تشریف لائے اور حضور کے دست اقدس میں ''ابن طاب'' کے کھجور کی شاخ تھی۔ حضور نے مسجد میں نظر ڈالی تو مسجد کے قبلہ میں بلغم دیکھا تو اسے اس کھجور کی شاخ سے کھرچ دیا۔ (ابوداؤد ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب في كراهية البزاق في المسجد ص ۶۹)

ولا عن يمينه

دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت کی علت' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ اس کی دائیں جانب فرشتہ ہے۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ بائیں طرف بھی فرشتہ ہے۔ اس کا ایک جواب علامہ عینی نے یہ دیا: بائیں طرف جو فرشتہ ہے وہ گناہ لکھتا ہے اور

نماز کی حالت میں وہ علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ شبہہ وارد ہوا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قضائے حاجت اور جماع کے علاوہ کبھی بھی کراماً کاتبین بندے سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے' لائق حجت نہیں۔

اقول: تطبیق بھی ممکن ہے۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ دونوں کبھی علیحدہ نہیں ہوتے' یہ ممکن ہے کہ ایک رہے' دوسرا علیحدہ ہو جائے۔

مگر اس پر بھی یہ ایراد ہے کہ نماز کے باہر بھی تھوکنے کا یہی ادب ہے کہ بائیں طرف تھوکے' پھر یہی علامہ عینی نے اپنے جواب مذکور کو ناپسند فرمایا' اور حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کے تحت جو "دفن النخامة فی المسجد" کے تحت لائے ہیں' فرمایا کہ بہترین جواب یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے' جسے قرین کہتے ہیں' اس کی جگہ بائیں طرف ہے' جیسا کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے' جسے طبرانی نے روایت کیا ہے' ہوسکتا ہے کہ بائیں طرف' تھوکنے میں تھوک اسی قرین پر پڑتا ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' جس میں بائیں طرف تھوک کر خنزب (شیطان) کو دفع کرنے کا حکم ہے۔

قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت کی علت کیا ہے؟ اس سلسلے میں وارد احادیث پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مختلف اسباب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ عزوجل سے مناجاۃ' دوسرے احترامِ قبلہ' تیسرے احترامِ مسجد' چوتھے احترامِ فرشتہ' پانچویں ایذاء' حدیث: ۲۸۲ کے بعد یہ تعلیق مذکور ہے' ابن عباس نے کہا: اگر گیلی نجاست کو روندے تو اسے دھو اور سوکھی ہو تو نہیں۔

تعلیق مذکور کو ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اخیر میں ہے: "وان کان یابسا فلم یضرہٗ" اگر سوکھی ہے تو یہ کچھ ضرر نہیں دے گی۔ اس تعلیق کے لانے سے امام بخاری کا مقصد ان بعض ائمہ کرام کا رد ہے جو رینٹھ کو ناپاک کہتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ حضرت ابن عباس کی تعلیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر نجاست گیلی کسی چیز کو لگ جائے تو اس کو دھونا ضروری ہے' دھوئے بغیر پاک نہ ہوگی' رینٹھ اگر ناپاک ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف کھرچنے پر اکتفا نہ کرتے' اسے دھوتے بھی ضرور' تو معلوم ہوا یہ پاک ہے۔

۲۸۸- ح اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ [میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوں]

۲۸۸- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفٰی عَلَیَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا منہ ادھر ہے' اللہ کی قسم! مجھ پر تمہارا خشوع' تمہارا رکوع پوشیدہ نہیں' میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوں۔

(ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: عظة الامام الناس ص ۵۹' کتاب الاذان۔ باب: الخشوع فی الصلوۃ ص ۱۰۲' مسلم۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الامر بتحسین الصلوۃ ص ۱۸۰)

۲۸۹- ح اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ كُمْ [میں تم لوگوں کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں]

۲۸۹- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰی لَنَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً ثُمَّ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ فِی الصَّلٰوةِ وَفِی الرُّكُوْعِ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَائِیْ كَمَا اَرَاكُمْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف لے گئے اور نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا: میں تم لوگوں کو پیچھے سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے آگے سے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: عظة الامام الناس ص ۵۹' کتاب الاذان۔ باب: الخشوع فی الصلوٰۃ ص ۱۰۲)

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی دونوں نے فرمایا: اس حدیث سے یہاں یہ باتیں ثابت ہوئیں کہ آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جو بہ طور اعجاز آپ کو حاصل ہے۔ یہاں حقیقی دیکھنا مراد ہے' صرف علم نہیں۔ یہ حدیث ہم اہل سنت کی دلیل ہے کہ دیکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ شی ءمرئی' دیکھی جانے والی چیز کے مقابلے میں ہو۔ نہ یہ ضروری ہے کہ شی ءمرئی کا عکس آنکھ میں چھپے' نہ اس کے لیے کسی عضو' آنکھ وغیرہ کی احتیاج ہے۔ چونکہ دنیا میں ہم اس طرح دیکھتے ہیں' اسی لیے دیکھنے کے لیے ان چیزوں کو لازم جانتے ہیں' ورنہ حقیقت میں ان میں کوئی چیز ضروری نہیں' اس لیے حضرات انبیاء کرام نے دنیا میں اگر دیدار الٰہی کیا یا قیامت کے دن ہر مسلمان کرے گا' اس پر کوئی استحالہ نہیں۔

یہ حدیث روافض اور مجسمہ' دونوں کی رد ہے۔ روافض رویت باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دیکھنے کے لیے شی ءمرئی کا دیکھنے والے کے سامنے اور قریب ہونا لازم ہے۔ اور مجسمہ یہ کہتے ہیں کہ دیدار الٰہی ہوگا مگر اس طرح کہ اللہ عزوجل ہمارے سامنے کسی جگہ ہوگا' انہیں میں ابن تیمیہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جیسے سورج ہمارے سروں پر ہے اور ہم دیکھتے ہیں' اسی طرح قیامت کے دن اللہ عزوجل ہمارے اوپر ہوگا اور ہم دیکھیں گے۔ ابن تیمیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے جسم ہے' اگر چہ نوع بشر جیسا نہیں۔ اس کے عقائد باطلہ و خیالات فاحشہ معلوم کرنے کے لیے اس کے فتاویٰ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آج کل غیر مقلدین ابن تیمیہ کو سر پر لیے گھوم رہے ہیں' ان پر تو زیادہ تعجب نہیں۔ تعجب ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اعلیٰ پر ہے کہ انہوں نے بھی اپنی کتاب ''دعوت و عزیمت'' میں ابن تیمیہ کو آسمان پر اٹھایا ہے۔ افسوس! حنفیت کا دعویٰ اور غیر مقلدوں کے امام کی حمایت' دوسرے یہ کہ دیکھنا صرف نماز کے ساتھ خاص تھا کہ ہمیشہ تھا۔ حق ہے کہ یہ نماز میں بھی تھا اور نماز کے باہر ہمیشہ تھا' جیسا کہ امام مجاہد سے منقول ہے۔ اور امام بقی بن مخلد نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی ایسے ہی دیکھتے تھے جیسے روشنی میں۔ تیسرے یہ کہ آپ کا یہ دیکھنا صرف پیچھے کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ شش جہت یکساں دیکھتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا: ''صواب آنست کہ چنانچہ قلب شریف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احاطہ و وسعتی در درک و علم معقولات داد ند حواس لطیف او نیز احاطہ در درک محسوسات بخشیدہ اند و جہات ستہ را در حکم یک جہت گردانید ند''۔

(مدارج سائز خورد۔ ج ا ص ۹)

صحیح یہ ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب شریف کو معقولات پر احاطہ عطا فرمایا ہے' اسی طرح آپ کے حواس لطیف کو علم محسوسات پر احاطہ بخشا ہے اور شش جہت کو ایک جہت کے حکم میں کر دیا ہے۔

چوتھے یہ کہ اس ارشاد سے کہ فرمایا: ''تمہارا رکوع تمہارا خشوع مجھ پر پوشیدہ نہیں'' یہ افادہ فرمایا کہ یہ شش جہت میں آپ کا دیکھنا صرف ظاہر چیزوں کے ساتھ خاص نہیں' باطنی چیزیں حتیٰ کہ آپ دلوں کے احوال بھی ملاحظہ فرماتے تھے۔ پانچویں یہ کہ جو بعض حضرات نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گردن میں سوئی کے ناکے کے برابر سوراخ تھا جس سے آپ دیکھتے تھے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے' کہیں کوئی ایسی روایت نہیں۔

چھٹے یہ کہ امام پر لازم ہے کہ اگر مقتدیوں کی نماز میں کوئی خامی دیکھے تو انہیں خبردار کرے۔ مسلم شریف میں پوری حدیث یہ ہے کہ ہمیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن نماز پڑھائی' جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرۂ اقدس کیا اور فرمایا: صفیں سیدھی رکھو' خوب مل کر گنجان ہو کر کھڑے ہو' میں تمہارا امام ہوں' مجھ سے پہلے نہ رکوع کرو نہ سجدہ نہ سلام' میں تم کو آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے

بھی۔ اس کے بعد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! جو کچھ میں نے دیکھا اگر تم لوگ دیکھ لیتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ لوگوں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! حضور نے کیا دیکھا؟ فرمایا: جنت اور دوزخ۔

۲۹۰- ح: سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ [گھوڑوں کے درمیان دوڑ]

۲۹۰- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَّاَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيْمَنْ سَابَقَ بِهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کے درمیان جو تیار کیے گئے تھے حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک دوڑ کرائی اور جو تیار نہیں کرائے گئے ان کی ثنیۃ الوداع سے بنی زُریق کی مسجد تک دوڑ کرائی اور عبداللہ بن عمر نے بھی حصہ لیا تھا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: هل يقال مسجد بنى فلان ص ۵۹' کتاب الجہاد۔ باب: الفرس الغطوف' باب: اضمار الفرس للسبق' باب: غاية السبق للفرس المضمر ص ۴۰۲' ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ذکر النبیصلی اللّٰه علیه وسلم ص ۱۰۹۰' مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب: المسابقة بين الخيل ص ۱۳۲' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب: في السبق ص ۳۴۸' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الجہاد۔ باب: في الدهان ص ۲۰۳' نسائی۔ کتاب الخیل۔ باب: غاية السبق التى لم تضمر باب الضمار الخيل للسبق ص ۱۲۴' ابن ماجہ۔ باب: السبق و الدهان ص ۲۰۳' موطا امام مالک۔ باب: ما جاء فى الخيل و المسابقة ص ۱۸۴' دارمی۔ کتاب الجہاد۔ ص ۳۵' مسند امام احمد)

لغات

''مُسَابَقَتْ'' کا مادہ ''سَبَقْ'' ہے' اس کے معنی آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ ''مسابقت'' کے لغوی معنی ''ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا'' یہاں گھڑ دوڑ کا مقابلہ مراد ہے۔ ''اُضمِرت'' کا مادہ ''ضَمْر'' ہے' اس کے معنی دبلا ہوا' چھریرے بدن کا ہوا۔ ''اِضمَار'' اور ''تضمیر'' ایک عمل ہے' گھوڑوں کو پہلے خوب کھلاتے ہیں' جب خوب موٹا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی خوراک گھٹاتے جاتے ہیں یہاں تک کہ پہلی مقدار دینے لگتے ہیں اور گھر میں باندھ کر جُل پہنا کر رکھتے ہیں' جس سے پسینہ کافی نکلتا ہے کہ اس کے نتیجے میں گھوڑا تیز رَو ہو جاتا ہے اور سینے کی قوت بڑھ جاتی ہے' جس سے اس کا بدن چھریرا ہو جاتا ہے' یہ عمل چالیس دن میں پورا کرتے ہیں۔ اس سے گھوڑا چاق و چوبند اور تیز رفتار ہو جاتا ہے۔ ''حفیاء'' عوالی مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے' ''ثنية الوداع'' مدینہ طیبہ سے جانب شمال ایک گھاٹی کا نام ہے۔ اہل مدینہ کا طریقہ یہ تھا کہ کہیں جانے والے کو یہاں تک پہنچا کر رخصت ہوتے تھے۔ حفیاء اور ثنیۃ الوداع کا فاصلہ پانچ یا چھ یا سات میل کا ہے۔ ''بنی زریق'' انصار کا ایک قبیلہ' ابن عامر حارثہ بن عضیف بن جشم بن الخزرج ہے۔ ثنیۃ الوداع اور بنی زریق کی مسجد کا فاصلہ ایک میل ہے۔

ابن تین نے کہا کہ اس مسابقت میں حضور اقدس ﷺ نے یمن سے آئے ہوئے حلّے انعام عطا فرمائے' پہلے نمبر پر تین' دوسرے نمبر پر دو اور تیسرے نمبر پر ایک حلہ' چوتھے نمبر پر ایک دینار' پانچویں نمبر پر درہم اور چھٹے نمبر پر کچھ چاندی عطا فرمائی تھی۔ علامہ عینی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بھی اس مسابقت میں شریک ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ جس گھوڑے پر سوار تھے' یہ سب سے آگے نکل گیا تھا' اس گھوڑے کا نام سکب تھا' اسے بنی فزارہ کے ایک آدمی سے دس اوقیہ میں خریدا تھا' اس نے اس کا نام ضرس رکھا تھا' حضور نے بدل کر سکب رکھا۔ ''سَکْبْ'' کے معنی لگاتار بارش اور تیز دوڑنے والے گھوڑے کے ہیں اور ''ضرس'' کا معنی سخت مزاج' تجربہ کار جنگجو ہے۔ یہ سب سے پہلا گھوڑا ہے' جس پر حضور سوار ہوئے اور جسے آپ نے خریدا اور جس پر مسابقت کی۔ حضور

اقدس ﷺ کے سب سے آگے بڑھنے پر مسلمان بھی خوش ہوئے اور حضور بھی خوش ہوئے۔

مسائل

(۱) اس پر اجماع ہے کہ گھوڑوں کی تضمیر اور مشق کے لیے اسے دوڑانا اور گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرنا جائز ہے' بلکہ امام شافعی نے فرمایا کہ سنت ہے (۲) صحیح یہ ہے کہ ضرورت کے لیے اور جانوروں کی بھی تضمیر یا ان کے مناسب ان میں چستی اور قوت لانے کے لیے کوئی عمل کرنا جائز ہے (۳) گھڑ دوڑ یا کوئی بھی مقابلہ کسی اچھے مقصد کے لیے کرانا جائز ہے (۴) اس پر انعام بھی دینا جائز ہے' البتہ مقابلہ کرنے والوں کا آپس میں جیتنے والوں کو کچھ دینے کی شرط کے ساتھ ناجائز ہے (۵) کسی مسجد کو مخلوق کی طرف منسوب کرنا' جائز ہے مثلاً بانی کی طرف یا اہل محلہ کی طرف وغیرہ وغیرہ۔

۲۹۱- ح: اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَیْنِ

۲۹۱- عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَیْنِ فَقَالَ انْثُرُوْہُ فِی الْمَسْجِدِ وَکَانَ اَکْثَرَ مَالٍ اُتِیَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَلْتَفِتْ اِلَیْہِ فَلَمَّا قَضَی الصَّلٰوۃَ جَآءَ فَجَلَسَ اِلَیْہِ فَمَا رَاٰی اَحَدًا اِلَّا اَعْطَاہُ اِذْ جَاءَہُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَعْطِنِیْ فَاِنِّیْ فَادَیْتُ نَفْسِیْ وَفَادَیْتُ عَقِیْلًا فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ فَحَثَا فِیْ ثَوْبِہٖ ثُمَّ ذَھَبَ یُقِلُّہٗ فَلَمْ یَسْتَطِعْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُؤْمُرْ بَعْضَھُمْ یَرْفَعْہُ اِلَیَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْہُ اَنْتَ عَلَیَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْہُ ثُمَّ ذَھَبَ یُقِلُّہٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُؤْمُرْ بَعْضَھُمْ یَرْفَعْہُ عَلَیَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْہُ اَنْتَ عَلَیَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْہُ ثُمَّ احْتَمَلَہٗ فَاَلْقَاہُ عَلٰی کَاھِلِہٖ ثُمَّ انْطَلَقَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُتْبِعُہٗ بَصَرَہٗ حَتّٰی خَفِیَ عَلَیْنَا عَجَبًا مِّنْ حِرْصِہٖ فَمَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَثَمَّہٗ مِنْھَا دِرْھَمٌ۔

[رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بحرین سے مال آیا]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بحرین سے مال آیا' فرمایا: اسے مسجد میں پھیلا دو۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس سے زیادہ مال کبھی نہیں آیا تھا' رسول اللہ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو اس کی طرف دیکھا بھی نہیں' جب نماز ادا فرما چکے تو تشریف لائے تو مال کے پاس بیٹھے۔ جب کسی کو دیکھتے تو اسے دیتے' اتنے میں حضرت عباس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بھی دیجئے! اس لیے کہ میں نے اپنا بھی اور عقیل کا بھی فدیہ (جنگ بدر کے موقع پر) دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: آپ خود لے لیں' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے کپڑے میں لے لیا' پھر اسے اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے تو عرض کیا: یارسول اللہ! کسی کو حکم دیں مجھے یہ اٹھاوے! فرمایا: نہیں! عرض کیا: آپ ہی اٹھا دیں! فرمایا: نہیں! تو اس میں سے کچھ کم کرایا پھر اٹھانے لگے تو نہ اٹھا سکے' پھر عرض کیا: یارسول اللہ! کسی کو حکم دے اٹھاوے۔ فرمایا: نہیں! عرض کیا: تو آپ ہی اٹھا دیں۔ فرمایا: نہیں! پھر کچھ نکال دیا' پھر اس کے بعد اٹھایا اور اپنے کاندھے پر رکھا' پھر تشریف لے گئے' جب تک وہ ہمیں نظر آتے رہے رسول اللہ ﷺ ان کی حرص پر تعجب کرتے ہوئے دیکھتے رہے رسول اللہ ﷺ وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک کہ اس میں سے ایک درہم بھی رہا۔

(بخاری- ج ۱- کتاب الصلوٰۃ- باب: القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد ص ۶۰' کتاب الجہاد- باب: فداء المشرکین ص ۴۲۸' باب: ما اقطع

النبی صلی اللہ علیہ وسلم من البحرین ص۴۴۸)

مطابقت

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''تعلیق القنو و القسمة فی المسجد'' مسجد میں کھجور کے گچھے لٹکانا اور تقسیم کرنا' اور جو حدیث ذکر کی ہے اس سے صرف تقسیم کرنا ثابت ہوتا ہے' اس میں گچھے لٹکانے کا کوئی ذکر نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: ابومحمد بن قتیبہ نے غریب الحدیث میں اس حدیث کے ابتداء میں یہ اضافہ کیا ہے: نبی ﷺ جب (حجرے) سے نکلے تو دیکھا کہ مسجد میں کھجور کے گچھے لٹکے ہوئے ہیں۔ حضور نے یہ حکم دیا تھا کہ ہر دو دیواروں کے درمیان کھجور کا گچھا لٹکا دیا جائے جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ کھائے۔ حضور کے عہد میں اس پر حضرت معاذ مقرر تھے۔ یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جس حدیث میں کوئی بات ہوتی ہے تو کبھی کبھی اس کے بعض حصے کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں اور جو جزء باب کے مناسب ہوتا ہے اسے ترک کر دیتے ہیں' خواہ بات کو کسی جزء سے مطابقت ہو رہی ہو' وہ ان کی شرط پر ہو یا نہ ہو۔ اس پر ہماری گزارش بار بار ہو چکی کہ یہ ایراد اپنی جگہ رہا ہے کہ جو جزء باب کے ضمن میں ذکر کیا ہے' وہ باب کے مناسب نہیں۔

ہم مقدمے میں بتا آئے کہ حدیث سے اثبات باب کبھی التزاماً ہوتا ہے' یہی یہاں بھی ہے۔ اس حدیث سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں عارضی طور پر اس لیے مال جمع کرنا کہ اسے تقسیم کر دیا جائے' جائز ہے۔ اور کھجوروں کے گچھے اسی لیے رکھے تھے کہ اسے حاجت مند کھائیں۔ یہ رکھنا بھی عارضی ہوا اور حقیقت میں ایک طرح تقسیم کرنے کے لیے ہوا' اس لیے یہ بھی جائز۔

بحرین

بصرہ اور عمان کے مابین مشہور آبادی ہے۔ بصرہ سے اس کا فاصلہ چوراسی فرسخ یعنی دو سو پچیس میل ہے۔ اس کا دوسرا نام ہجر بھی ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جعرانہ میں حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد' حضور اقدس ﷺ نے' حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین منذر بن ساوی عبدی کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

بخاری[1] کتاب المغازی میں ہے کہ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب اہل بحرین کے ساتھ صلح کر لی تو ان پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو والی بنا کر بھیجا' پھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح امین الامۃ رضی اللہ عنہ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا' یہ جب مال لے کر واپس ہوئے اور انصار نے سنا تو صبح کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ پڑھی' حضور جب نماز سے فارغ ہوئے تو انصار سامنے حاضر ہوئے' یہ دیکھ کر حضور نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: شاید تم نے سنا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ مال لائے ہیں۔ انصار نے عرض کیا: ایسا ہی ہے یا رسول اللہ! تو ارشاد فرمایا: تمہیں بشارت ہو اور خوشی ہی کی امید رکھو' میں اس کا اندیشہ نہیں کرتا کہ تم محتاج ہو جاؤ گے' اندیشہ یہ ہے کہ دنیا تمہارے لیے پھیلا دی جائے گی اور تم آپس میں منافست کرو گے جیسے تم سے پہلے والوں نے کیا اور ہلاک ہو جاؤ گے جیسے وہ ہلاک ہوئے۔

یہ صلح ۹ھ میں ہوئی تھی اور یہ پہلا جزیہ خدمت اقدس میں آیا تھا (اور میرا خیال ہے کہ آخری بھی) یہ ایک لاکھ کی رقم تھی۔

(عینی۔ ج۴ ص ۱۶۳۔ ۱۶۲)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

یہ حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے' حضور سے دو سال پہلے پیدا ہوئے' ان کی والدہ کا نام نثلہ یا نثیلہ تھا' یہ بنی نمر کی چشم و چراغ

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۵۷۲۔ باب بلاعنوان

تھیں۔ بڑے صاحبزادے فضل کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کی کنیت ابوالفضل ہے۔ یہ صغر سن میں ایک بار غائب ہو گئے تھے' ان کی ماں نے منت مانی کہ اگر میرا بچہ مل جائے گا تو کعبہ پر پردہ چڑھاؤں گی' جب مل گئے تو ریشمی پردہ چڑھایا۔ یہ پہلی عربی خاتون ہیں جنہوں نے کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ یہ فتح مکہ سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ مدینہ طیبہ حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو حضور نے مکہ ہی میں قیام کا حکم دیا۔ اہلِ مکہ کی خبریں حضور کو پہنچاتے رہتے تھے۔ نیز ان کی وجہ سے ان کمزور مسلمانوں کو جو ہجرت کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے مکہ میں رہتے تھے' تقویت تھی۔ اسلام کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور گرفتار ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ کوئی عباس کو قتل نہ کرے' وہ مجبور کر کے شریک کیے گئے ہیں۔ گرفتاری کے بعد ان کی مشکیں حسب عادت دوسرے قیدیوں کی طرح سخت باندھی گئی تھیں جس سے کراہتے تھے۔ ان کی کراہ سے حضور اقدس ﷺ کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ ایک صاحب نے دریافت کیا: یارسول اللہ! نیند کیوں اچاٹ ہو گئی ہے؟ فرمایا: عباس کی کراہ سے! ایک صاحب نے حضرت عباس کی بندش ڈھیلی کر دی جس سے انہوں نے کراہنا بند کر دیا' حضور کو جب معلوم ہوا تو فرمایا: سارے قیدیوں کی مشکیں ڈھیلی کر دی جائیں' چنانچہ سب کی مشکیں ڈھیلی کر دی گئیں۔

بہت قد آور بزرگ تھے' اس موقع پر ننگے تھے' کسی کا کرتا بدن پر نہ آیا' عبداللہ بن ابی لمبا تھا' اس کا کرتا درست آیا' اس نے اپنا کرتا پہنایا' اس کے مکافات میں اس کے مرنے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے اپنا مبارک پیرہن اس کے کفن میں شامل کرنے کے لیے دیا تھا۔ فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کی' کو کبۂ نبوی مکہ کی تسخیر کے لیے جا رہا تھا' راستے میں ملے' حضور نے انہیں ہم راہ لے لیا اور فرمایا: تم سب سے آخری مہاجر ہو۔ اس کے بعد تمام غزوات' فتح مکہ' حنین' طائف' تبوک میں حضور کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ حنین کے ابتدائی مرحلے میں جب طلقاء بھاگے تو جو جاں نثار حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے ان میں یہ بھی تھے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بہت معزز اور محترم تھے' حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی خدمت انہیں کے ذمے تھی۔ جمعہ کے دن ۱۲ رجب ۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمر مبارک ستاسی سال تھی' بقیع میں آپ کا مزار پر انوار مشہور و معروف ہے۔

۲۹۲- ح: اَرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ

[تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے]

۲۹۲- اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسًا قَالَ وَجَدْتُّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ مَعَهٗ نَاسٌ فَقُمْتُ فَقَالَ لِیْ اَرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو مسجد میں پایا اور حضور کے ساتھ بہت سے لوگ تھے' میں کھڑا ہوا تو مجھ سے فرمایا: تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی! فرمایا: کھانے کے لیے؟ میں نے عرض کیا: جی! تو حضور نے تمام موجودین سے فرمایا: چلو! اس کے بعد حضور بھی چلے اور میں بھی لوگوں کے آگے چلا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: من دعی الطعام فی المسجد ص ۶۰' کتاب المناقب۔ باب: علامات النبوۃ ص ۵۰۵' ج ۲۔ کتاب النذور۔ باب: اذا حلف لا یاتدم ص ۹۸۹' مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: جواز استتباعہ غیرہٗ الی دار من یثق برضاہ بذالک ص ۱۷۸' موطا امام مالک۔ کتاب الجامع۔ باب: ما جاء فی الطعام والشراب ص ۳۷۰)

تکمیل

باب علامات النبوۃ میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں: حضرت ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کی آواز میں ایسی کمزوری محسوس کی، جس سے اندازہ ہوا کہ حضور بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ ہے؟ اُم سلیم نے کہا: ہے، انہوں نے جَو کی چند روٹیاں نکالیں اور اوڑھنی لی اور اوڑھنی کے بعض حصے میں روٹیاں لپیٹ دیں اور روٹیاں میرے ہاتھ میں چھپا دیں اور اوڑھنی کا جو حصہ روٹیوں کی لپیٹ سے بچ گیا تھا، اسے میرے جسم پر لپیٹ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور مسجد میں تھے اور حضور کے ہم راہ کچھ لوگ تھے، میں حاضر ہو کر کھڑا ہو گیا تو حضور نے دریافت فرمایا: تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی! پھر دریافت فرمایا: کھانا دے کر؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: چلو! سب لوگ چلے، سب کے آگے آگے میں چلا اور ابوطلحہ کے پاس جا کر انہیں قصہ سنایا۔ ابوطلحہ نے کہا: اے اُم سلیم! رسول اللہ ﷺ لوگوں کو لے کر آ گئے اور ہمارے پاس اتنا نہیں کہ سب لوگوں کو کھلا سکیں۔ اُم سلیم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ ابوطلحہ نے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، رسول اللہ اور ابوطلحہ ساتھ ساتھ آئے، تشریف لا کر رسول اللہ نے فرمایا: اے اُم سلیم! جو کچھ تیرے پاس ہے، لا! اُم سلیم نے وہ روٹیاں حاضر کیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان روٹیوں کے بارے میں حکم دیا تو ان کو توڑ دیا گیا اور اُم سلیم نے گھی کا کُپہ نچوڑا، جو کچھ نکلا اسے ان روٹیوں میں مل لیا گیا، اس کے بعد جو اللہ نے چاہا رسول نے پڑھ کر دم فرمایا، پھر فرمایا: دس آدمیوں کو کھانے کی اجازت دو۔ دس آدمیوں کو اجازت ملی، وہ آئے، پیٹ بھر کر کھایا اور چلے گئے۔ اسی طرح دس دس آدمیوں کو اجازت ملتی رہی اور باری باری دس دس آدمی آ کر شکم سیر ہو کر کھا کھا کر جاتے رہے، یہاں تک کہ سب لوگوں نے کھایا اور شکم سیر ہو گئے اور یہ لوگ اسّی آدمی تھے۔

مسائل

(۱) حاجب بنانا جائز ہے یعنی یہ جائز ہے کہ علماء، مشائخ، حکام کے آگے آگے کوئی خادم چلا کرے (۲) مسجد میں بیٹھنے والوں کو دنیا کی بات جائز نہیں، مگر انہیں کھانے کے لیے بلانا جائز ہے اور جو مسجد میں ہو اسے مسجد کے حاضرین سے یہ کہنا جائز ہے کہ چلو! کھانا کھا کر آئیں (۳) اگر مہمان معزز ہو اور دعوت ایسی جگہ ہو جہاں اعتماد ہو کہ اگر مہمان اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو مزید لے لے گا تو میزبان بُرا نہ مانے گا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو کہ کھانا بافراط ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ مہمان کچھ ایسے لوگوں کو بھی لے لے جو مدعو نہ ہوں، ورنہ عام حالات میں فرمایا کہ بغیر دعوت کے کھانے کے لیے جانے والا چور ہے اور کھا کر واپس ہونے والا لٹیرا۔

۲۹۳- ح: فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاهِدٌ

[دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں حاضر تھا]

۲۹۳- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلًا اَيَقْتُلُهٗ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاهِدٌ۔[1]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمایئے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا اسے قتل کر دے؟ اس کے بعد دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں حاضر تھا۔

[1] بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القضاء واللعان في المسجد ص ۶۰، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قوله والذين يرمون ازواجهم ص ۶۹۵، کتاب الطلاق۔ باب: اللعان ومن طلق بعد اللعان ص ۷۹۹، ایضاً۔ باب: التلاعن في المسجد ص ۸۰۰، ایضاً کتاب الاعتصام۔ باب: ما يكره من التعمق والغلو في الدين ص ۱۰۸۵، ایضاً کتاب المحاربین۔ باب: كم التعزير والادب ص ۱۰۱۳، ایضاً کتاب الاحکام۔ باب: من قضى ولاعن في المسجد ص ۱۰۶۲۔

ت ۱۰۴- وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً. (رواہ ابن ابی شیبہ بمعناہ)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی۔

تکمیل

پورا واقعہ یہ ہے کہ عویمر بن حارث عاصم بن عدی کے پاس آئے جو بنی عجلان کے سردار تھے' اور کہا: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی کو پائے تو کیا قتل کر دے' پھر تم لوگ اسے قتل کر دو' وہ کیا کرے؟ اس کے بارے میں رسول اللہ سے میرے لیے دریافت کر دو۔ حضرت عاصم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا' مگر حضور کو ناگوار ہوا۔ عویمر نے حضرت عاصم سے پوچھا' انہوں نے بتایا کہ حضور کو یہ سوال ناگوار ہوا۔ اب عویمر نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ضرور پوچھوں گا۔ اب عویمر حاضر ہوئے اور انہوں نے خود دریافت کیا' حضور نے جواب دیا: تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید نے جو طریقہ بتایا ہے اس طرح ان دونوں کو لعان کا حکم دیا۔ حکم کے مطابق دونوں نے لعان کیا' اس کے بعد عویمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں اسے نکاح میں روکے رکھوں تو اس پر ظلم کروں گا۔ انہوں نے اسے طلاق دے دی' ان دونوں کے بعد لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر یہ عورت کالا' آنکھوں کے سیاہ ڈھیلے والا' بڑی سُرین والا' بڑی پنڈلیوں والا جنے تو میرا گمان یہ ہے کہ عویمر نے اس پر صحیح الزام لگایا اور اگر سرخ بچہ جنے گویا وہ ''وحرہ'' ہے تو میں گمان کروں گا کہ عویمر نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ اس عورت نے ویسا ہی بچہ جنا جیسا حضور ﷺ نے عویمر کی تصدیق کے لیے فرمایا تھا۔ یہ بچہ ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا' وحرہ چھپکلی کی قسم کا زہریلا جانور ہے۔

ان رجلا

اس سے مراد یا تو عویمر بن حارث عجلانی ہیں یا ہلال بن امیہ۔ علامہ عینی نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ ہلال بن امیہ کا واقعہ حضرت عویمر سے پہلے کا ہے۔ اور آیت ملاعنت ہلال بن امیہ کے واقعے میں نازل ہوئی ہے' جیسا کہ خود بخاری کی اس روایت سے ظاہر ہے' جو شہادات اور تفسیر میں مذکور ہے۔

لعان کا لغوی و شرعی معنی اور اس کا طریقہ

باب تفعیل کا مصدر ہے' اس کے لغوی معنی آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا' یہاں مخصوص شرعی معنی مراد ہیں' یعنی شوہر جب اپنی زوجہ پر زنا کا الزام لگائے اور زوجہ اس سے انکار کرے اور معاملہ قاضی کے یہاں جائے تو قاضی بشرائط مرد اور عورت دونوں کو حکم کرے کہ پہلے شوہر قسم کے ساتھ چار مرتبہ شہادت دے' یعنی کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی' اس میں اللہ کی قسم! میں سچا ہوں' پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت اگر اس امر میں کہ اس کو زنا کی تہمت لگائی' جھوٹ بولنے والوں سے ہوا اور ہر بار لفظ ''اس'' سے عورت کی طرف اشارہ کرے' پھر عورت چار مرتبہ یہ کہے کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کی قسم! اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے' اس بات میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو' اگر یہ اس بات میں سچا ہو جو مجھے زنا کی تہمت لگائی۔ لعان میں شہادت شرط ہے' اگر یہ کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ سچا ہوں لعان نہ ہوا۔ لعان کے بعد قاضی زوجین میں تفریق کر دے گا اور جو اولاد پیدا ہوگی' اس کا نسب اس شوہر سے ثابت نہ ہوگا۔ لعان کرنے والوں کے مابین تفریق کے لیے طلاق کی حاجت نہیں۔ لعان ہی تفریق کے لیے کافی ہے' بشرطیکہ قاضی تفریق کا حکم دے اور حضرت عویمر کی حدیث میں جو مذکور ہے کہ انہوں نے طلاق دی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے نہیں تھا' جیسا کہ بخاری ہی کی دوسری روایتوں میں تصریح ہے کہ انہوں

نے خود اپنی طبیعت سے دی تھی لعان کے بقیہ احکام اس کے باب میں آئیں گے۔

مسجد میں مقدمات سننا

مسجد میں مقدمات دیکھنا اور فیصلے کرنا سلف میں مختلف فیہ رہا ہے۔ قاضی شریحؒ قاضی ابن ابی لیلیٰ مسجد ہی میں مقدمات دیکھتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر مسجد میں قضا کے لیے کوئی جگہ مقرر کر دی جائے تو مکروہ ہے اور اتفاقیہ کبھی ہو جائے تو حرج نہیں۔ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا: یہ مکروہ ہے اگر مجھے کوئی اختیار ہوتا تو لوگوں کو مسجد میں جھگڑنے نہ دیتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: قاضی مسجد میں نہ بیٹھے کافر مشرک بھی مسجد میں آئیں گے۔ حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے: "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" (التوبہ:۲۸) مشرکین نجس ہیں فی زمانہ مسجد میں مقدمات دیکھنے سے احتراز ہی چاہیے۔

۲۹۴- ح: عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ [عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ]

۲۹۴- اَخْبَرَنِیْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيُّ اَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَّهُوَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَنْكَرْتُ بَصَرِيْ وَاَنَا اُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْاَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ لَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اٰتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَاُصَلِّيَ بِهِمْ وَوَدِدْتُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّكَ تَاْتِيْنِيْ فَتُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَتَّخِذَهٗ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَفْعَلُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنْتُ لَهٗ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتّٰى دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهٗ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلٰى خَزِيْرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهٗ قَالَ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِّنْ اَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْ عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوْا فَقَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ اَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ اَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ مُنَافِقٌ لَّا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت محمود بن ربیع انصاری نے مجھے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ان انصاری اصحاب میں سے تھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ جو میرے اور ان کے درمیان ہے بہنے لگتا ہے تو میں ان کی مسجد تک نہیں جا سکتا کہ انہیں نماز پڑھاؤں میں چاہتا ہوں یارسول اللہ کہ آپ میرے گھر چلیں اور میرے گھر میں نماز پڑھ دیں کہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ حضرت عتبان نے بتایا کہ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر دن چڑھنے کے بعد تشریف لائے رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب فرمائی میں نے حضور کو اجازت دی گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور بیٹھے نہیں فرمایا: تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟ تو میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی کھڑے ہو گئے اور صف بنائی۔ حضور نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیر دیا ہم نے حضور کے لیے خزیرہ تیار کیا تھا اس کے لیے روک لیا۔ اب گھر میں محلے والوں میں سے کثیر تعداد لوگ جمع ہو گئے ان میں سے کسی نے کہا: مالک بن دخیشن یا دخشن کہاں ہے؟ کسی نے کہا: وہ منافق ہے اللہ اور اس کے رسول

لَا تَقُلْ ذٰلِكَ اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُرِيدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّا نَرٰى وَجْهَهٗ وَنَصِيحَتَهٗ اِلَى الْمُنَافِقِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ.

سے محبت نہیں رکھتا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ مت کہو کیا تم نہیں جانتے کہ اس نے اللہ عزوجل کی رضا کے لیے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں ہم اس کی توجہ اور اس کی خیر خواہی منافقین کی جانب دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے لا الہ الا اللہ کہا' اللہ نے اسے جہنم پر حرام فرمادیا ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: المساجد فی البیوت ص ۶۰' ایضاً۔ باب: اذا دخل بیتاً یصلی حیث شاء ص ۶۰' ایضاً۔ کتاب الاذان۔ باب: من زار قوماً فامهم ص ۹۵' ایضاً۔ کتاب الاذان۔ باب: الرخصة فی المطر و العلة ان یصلی فی رحله ص ۹۲' ایضاً۔ باب: من لم یرد السلام علی الامام ص ۱۱۶' کتاب التہجد۔ باب: صلوۃ النوافل جماعة ص ۱۵۸' ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الخزیرة ص ۸۱۳' کتاب الرقاق۔ باب: العمل الذی یبتغی به وجه الله ص ۹۵۰' کتاب استتابۃ المرتدین۔ باب: ما جاء فی المتأولین ص ۱۰۲۵)

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ انصاری سالمی مدنی بدری صحابی ہیں' ان سے دس احادیث مروی ہیں' بخاری میں صرف ایک ہے۔ یہ عہد رسالت ہی سے اپنی قوم کے امام تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ طیبہ ہی میں وصال فرمایا' ان کی بینائی کمزور ہوگئی تھی' بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ بینائی بالکل جاتی رہی تھی۔

خزیرہ

اس کا ترجمہ بعض لوگوں نے حلیم (کھچڑا) کیا ہے' مگر یہ صحیح نہیں۔ گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کاٹ کر پانی میں پکاتے تھے' پھر اس پر آٹا چھڑک دیتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حریرہ ہے۔ حائے حطی کے بعد زائے معجمہ کے بجائے رائے مہملہ' آٹے کو دودھ میں ڈال کر پکاتے تھے' اسے حریرہ کہتے تھے۔

اتی

عام روایات یہی ہیں کہ وہ خود خدمت اقدس میں حاضر ہوئے مگر مسلم شریف[1] کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خدمت اقدس میں کوئی قاصد بھیجا تھا۔ شارحین نے یہ تطبیق دی' ہوسکتا ہے کہ پہلے قاصد بھیجا ہو پھر خود بھی حاضر ہو کر عرض کی ہو۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت عتبان نے جمعہ کو درخواست پیش کی تھی اور ہفتے کے دن حضور ان کے گھر گئے تھے۔

قد انکرت بصری

عام روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت عتبان کی نظر کمزور ہوگئی تھی' بالکلیہ ختم نہیں ہوئی تھی' البتہ بخاری کی باب ''الرخصة فی المطر والعلة'' کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت محمود بن ربیع کہتے ہیں: ''يَؤُمُّ قَوْمَهٗ وَهُوَ اَعْمٰى''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت محمود بن ربیع نے ان سے ملاقات کی تھی' اس وقت ان کی یہ حالت تھی۔ ہاں مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ وہ اسی وقت نابینا تھے۔ (ایضاً) لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ ''قَدْ عَمِيَ'' (وہ نابینا ہو گئے تھے) سے مراد کہ قریب قریب نابینائی کو پہنچ گئے تھے۔

---

[1] مسلم۔ ج ا ص ۴۲۔ کتاب الایمان۔ باب: الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنة

وابوبکر معہ

حضرت ابن شہاب نے صرف ابوبکر کا ذکر کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عمر بھی ہم راہ تھے اور دوسرے صحابہ بھی، جیسا کہ دوسری روایات میں تصریح ہے۔ ابواوجسن کی روایت میں حضرت عمر کا اضافہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عتبان نے کہا: حضور بھی تشریف لائے اور صحابہ میں سے جن جن کو اللہ نے چاہا وہ بھی آئے۔ (ایضاً۔ ص ۴۷) طبرانی میں "فی نفر من اصحابه" ہے، ہوسکتا ہے کہ ابتداءً صرف حضرت ابوبکر رہے، پھر حضرت عمر بھی آ گئے ہوں، پھر مزید صحابہ شریک ہو گئے ہوں۔

مالک بن الدخیشن او ابن الدخشن

یہ بدری صحابی ہیں، بدر کے موقع پر سہل بن عمرو کو انہوں نے ہی گرفتار کیا تھا۔ مسجد ضرار کو جلانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی تھی، اسے انہوں نے انجام دیا۔ جن صاحب نے ان کے بارے میں شک پیش کیا، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مصلحت یا دینی ضرورت کے تحت منافقین سے خلط ملط رکھتے ہوں اور یہ منافقین سے قطع تعلق و بیزاری کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔

قَدْ حرم عَلَى النار

اس سے مراد یہ ہے کہ جو سچے دل سے ایمان لایا اور کوئی عمل ایسا نہ کیا ہو جو استحقاقِ جہنم کا موجب ہو۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عہدِ رسالت ہی میں مدینہ طیبہ میں متعدد ایسی مساجد تھیں جن میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی تھی (۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جن متبرک مقامات پر حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی ہے، ان سے برکت حاصل کرنا، بالقصد وہاں نماز پڑھنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ ظالم گمراہ نجدی دیکھئے اس نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی بے شمار مسجدوں کو ویران کر ڈالا ہے اور "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا" (البقرة: ۱۱۴) اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روک دیا اور اسے ویران کرنے کی کوشش کا مصداق ہے (۳) اگر کسی عالم یا شیخ سے کوئی التماس کرے کہ برکت کے لیے ہمارے گھر چلیں تو قبول کرنا سنت ہے (۴) بارش، کیچڑ راستے میں ہو، تیز دھوپ جس سے ضرر کا اندیشہ ہو، اسی طرح سخت سردی، برف باری جس سے نقصان کا اندیشہ ہو، جماعت چھوڑنے کے اعذار میں سے ہیں (۵) بہتر یہ ہے کہ گھر میں نماز کے لیے کوئی خاص جگہ بنالی جائے (۶) جو ضروریاتِ دین کا مُقر ہو، اس کی تکفیر جائز نہیں جب تک کہ اس سے کوئی کفر سرزد نہ ہو (۷) اور محلے یا شہر میں کوئی عالم یا بزرگ تشریف لائے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کی زیارت کریں۔ اس سے برکت حاصل کریں۔

ت۱۰۵- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنٰى فَاِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرٰى.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مسجد میں جاتے تو پہلے دایاں قدم مسجد میں رکھتے اور جب نکلتے تو بایاں پاؤں نکالتے۔

اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی ہو رہی ہے جسے امام حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ سنت یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں پہلے رکھے اور جب باہر ہو تو بایاں پاؤں نکالے۔ عملی طور پر اس سنت پر عمل کرنے میں ایک دشواری ہے، جوتا پہننے میں سنت یہ ہے کہ پہلے داہنے پاؤں میں پہنا جائے اور اتارنے میں سنت یہ ہے کہ پہلے بائیں پاؤں سے نکالا جائے۔ ظاہر ہے کہ مسجد میں قدم رکھنے سے پہلے جب بائیں پاؤں سے جوتا اتاریں گے تو دو صورتیں ہیں، یا تو اسے مسجد

میں رکھیں تو داخلہ مسجد کی سنت چھوٹتی ہے اور اگر زمین پر رکھیں تو پاؤں گندا ہو جاتا ہے اور یہی دشواری مسجد سے نکلتے وقت بھی ہوگی، اگر بایاں پاؤں نکال کر جوتا پہن لیتے ہیں تو سنت ترک ہوتی ہے، زمین پر رکھتے ہیں تو پاؤں گندا ہوتا ہے۔

اس کا حل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ نکالا کہ مسجد میں داخلے کے وقت بائیں جوتے سے پاؤں نکال کر اسی جوتے پر رکھ لے، پھر دائیں جوتے سے دائیں پاؤں نکال کر مسجد میں رکھے اور نکلتے وقت مسجد سے بایاں پاؤں نکال کر بائیں جوتے پر رکھ لے، پھر دایاں پاؤں نکال کر جوتے میں ڈالے، اس طرح دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا۔

ت ۱۰۶- وَرَأٰی عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یُصَلِّیْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ الْقَبْرَ الْقَبْرَ وَلَمْ یَاْمُرْہُ بِالْاِعَادَۃِ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: قبر قبر اور انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(وکیع بن جراح فی مصنفہ فیما حکاہ ابن حزم و ابو نعیم، عینی)

فتح الباری میں ابو نعیم شیخ بخاری کے حوالے سے یہ تصریح ہے کہ حضرت انس کے سامنے قبر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ پر قبر سے آگے بڑھ کر نماز پوری کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر نماز کی حالت میں کوئی قبر سامنے ہو تو نماز اس معنی میں ہو جاتی ہے کہ فرض ذمے سے ساقط ہو جاتا ہے، مگر نماز مکروہ ہوتی ہے۔

۲۹۵- ح: بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِیْہِ

[قبر پر مسجد بناتے اور اس میں تصویریں بناتے]

۲۹۵- عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ اُمَّ حَبِیْبَۃَ وَاُمَّ سَلَمَۃَ ذَکَرَتَا کَنِیْسَۃً رَاَیْنَہَا بِالْحَبَشَۃِ فِیْہَا تَصَاوِیْرُ فَذَکَرَتَا ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُوْلٰٓئِکَ اِذَا کَانَ فِیْہِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِیْہِ تِلْکَ الصُّوَرَ وَاُولٰٓئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجا کا تذکرہ کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جس میں تصویریں تھیں، اس کا تذکرہ ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو حضور نے فرمایا: ان میں جب کوئی نیک آدمی ہوتا اور مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہ تصویریں بناتے، قیامت کے دن اللہ عزوجل کی بارگاہ میں یہ لوگ بدترین خلق ہوں گے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ص ۶۱، باب: الصلوٰۃ فی البیعۃ ص ۶۳، کتاب الجنائز۔ باب: بناء المسجد علی القبر ص ۱۷۹، باب: ھجرۃ الحبشۃ ص ۵۴۷)

اس گرجا کا نام ماریہ تھا، جیسا کہ باب: "الصلوٰۃ فی البیعۃ" میں تصریح ہے۔ اُمہات المؤمنین نے یہ تذکرہ آپ کے مرض وصال میں کیا تھا، جیسا کہ کتاب الجنائز کی روایت میں بصراحت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ خاص قبر کو بنایا جائے اس طرح کہ قبر ہی پر سجدہ ہو یا قبر کی طرف منہ ہو اور کوئی چیز سترہ نہ ہو اور اگر قبر دائیں بائیں یا پیچھے ہو یا سامنے ہو، مگر کوئی چیز سترہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی نبی، ولی یا دینی پیشوا کے مزار کے قریب مسجد بنانا بلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔ علامہ عینی اور علامہ عسقلانی قاضی بیضاوی سے ناقل لکھتے ہیں:

لما کانت الیھود والنصاری یسجدون لقبور — چونکہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام کے مزارات پر ان کی تعظیم

لانبیاء تعظیما لشانهم ویجعلونها قبلة یتوجهون فی الصلٰوة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم ومنع المسلمین عن مثل ذلك فاما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منهم لا التعظیم لهم ولا التوجه نحوه فلا یدخل فی ذلك الوعید.

کے لیے سجدہ کرتے تھے' اسے قبلہ بناتے تھے' نماز میں اس کی جانب منہ کرتے تھے اور ان کے مزارات کو بت بنالیا تھا' اس لیے ان پر لعنت ہوئی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا لیکن کسی بزرگ کے مزار کے قریب برکت حاصل کرنے کی نیت سے مسجد بنائے' نہ کہ ان کی تعظیم کے لیے' اور اس قبر کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبر پر مسجد بنانا یا قبر پر نماز پڑھنا منع ہے (۲) جاندار کی تصویر بنانا خصوصاً بزرگانِ دین کی حرام ہے۔

۲۹۶- ح: فَقَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ

[نبی ﷺ جب مدینہ آئے]

۲۹۶- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ فَنَزَلَ اَعْلَی الْمَدِیْنَةِ فِیْ حَیٍّ یُّقَالُ لَهُمْ بَنُوْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَاَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهِمْ اَرْبَعًا وَّعِشْرِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی بَنِی النَّجَّارِ فَجَاءُوْا مُتَقَلِّدِیْنَ السُّیُوْفَ فَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ وَاَبُوْ بَكْرٍ رِدْفُهٗ وَمَلَاُ بَنِی النَّجَّارِ حَوْلَهٗ حَتّٰی اَلْقٰی بِفِنَاءِ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَكَانَ یُحِبُّ اَنْ یُّصَلِّیَ حَیْثُ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ وَیُصَلِّیْ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَاَنَّهٗ اَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَاَرْسَلَ اِلٰی مَلَاِ بَنِی النَّجَّارِ فَقَالَ یَا بَنِی النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِیْ بِحَائِطِكُمْ هٰذَا قَالُوْا لَا وَاللّٰهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ اِلَّا اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ اَنَسٌ فَكَانَ فِیْهِ مَا اَقُوْلُ لَكُمْ قُبُوْرُ الْمُشْرِكِیْنَ وَفِیْهِ خِرَبٌ وَّفِیْهِ نَخْلٌ فَاَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِیْنَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخِرَبِ فَسُوِّیَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوْا عِضَادَتَیْهِ الْحِجَارَةَ وَجَعَلُوْا یَنْقُلُوْنَ الصَّخْرَ وَهُمْ یَرْتَجِزُوْنَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ یَقُوْلُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ جب مدینہ آئے تو مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک قبیلہ کے پاس اترے جسے بنی عمرو بن عوف کہا جاتا تھا' نبی ﷺ نے ان میں چوبیس دن قیام فرمایا' پھر بنی نجار کو بلوایا تو وہ لوگ تلواریں لگائے ہوئے آئے' گویا میں نبی ﷺ کو اپنی سواری پر اور ابوبکر کو آپ کے ساتھ پیچھے اور بنی نجار کے لوگوں کو آپ کے ارد گرد دیکھ رہا ہوں' حتیٰ کہ حضرت ابوایوب کے صحن میں اپنا سامان اتارا' حضور کو یہ بات پسند تھی کہ جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھیں اور آپ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے' حضور نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور بنی نجار کے لوگوں کو بلوایا اور فرمایا: اس باغ کو میرے ہاتھ بیچ دو' انہوں نے عرض کیا: جی نہیں! بخدا! ہم اس کی قیمت صرف اللہ عزوجل سے لیں گے۔ حضرت انس نے کہا: اس باغ میں یہ سب تھا جو بتاتا ہوں' کچھ مشرکین کی قبریں تھیں' کچھ حصہ کھنڈر تھا' کچھ میں کھجور کے درخت تھے۔ نبی ﷺ نے مشرکین کی قبروں کے بارے میں حکم دیا تو وہ اُدھیڑ دی گئیں اور کھنڈر برابر کر دیا گیا اور کھجور کے درخت کاٹ ڈالے گئے' درختوں کو مسجد کے قبلہ میں گاڑ دیا گیا اور اس کے دونوں طرف پتھر لگا دیئے اور سب لوگ پتھر ڈھوتے تھے اور رجز پڑھتے جاتے تھے۔ خود نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضور

(بارگاہِ الٰہیہ میں) عرض کرتے:

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ — اے اللہ! بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ — مہاجرین سب کو بخش دے۔

(بخاری۔ج۱۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ص۶۱' کتاب فضائل مدینہ۔باب:حرم المدینۃ ص۲۵۱' کتاب بناء الکعبۃ۔باب:مقدم النبیصلی اللّٰہ علیہ وسلم ص۵۵۸' کتاب البیوع۔باب:صاحب السلعۃ احق بالصوم ص۲۸۳' کتاب الوصایا۔باب:وقف الارض للمسجد ص۳۸۹' ایضاً۔باب:اذا قال الواقف لا نطلب ثمنہ الا الی اللّٰہ ص۳۸۹)

قدم النبی ﷺ ......اور قبا میں قیام

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے مدارج[1] میں تحریر فرمایا ہے: حضور اقدس ﷺ مکہ سے صفر کی ستائیسویں شب کو بہ نیت ہجرت نکلے تھے۔ تین دن غار میں رہے' پہلی ربیع الاوّل کو غار سے نکلے اور یوم دوشنبہ بارہ ربیع الاوّل کو قبا پہنچے' قبا میں کتنے دن رہے یہ مختلف فیہ ہے' چار دن' چودہ دن' بیس دن' چوبیس دن' یہی قرین قیاس ہے کہ چوبیس دن قبا میں قیام فرمایا' اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ قبا سے روانگی جمعہ کے دن ہوئی تھی اور بنی سالم کے محلے میں پہنچتے پہنچتے جمعہ کا وقت ہو گیا' وہیں نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ قبا میں پہنچنے کا دن اور وہاں سے روانگی کا دن نکالیں تو چونکہ پہنچنے کا دن دوشنبہ اور روانگی کا دن جمعہ متعین ہے۔ اب درمیان کے چوبیس دن ہوئے' چار دن قیام کی بھی توجیہ ہو سکتی ہے مگر اسی اثناء میں مسجد قبا کی تعمیر بھی ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ تین چار دن میں مسجد کی تعمیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضور کے قبا پہنچنے کے بعد حضرت اسماء مکہ سے چلیں اور حضور ابھی قبا ہی میں قیام پذیر تھے کہ وہ آ گئیں۔ اور ظاہر ہے کہ صرف دو تین دن میں اتنی لمبی مسافت طے نہیں ہو سکتی' پھر قیاس یہ چاہتا ہے کہ حضرت زبیر قبا کے قریب حضور سے ملے تھے اور کپڑے نذر کیے تھے۔ یہ مکہ معظمہ پہنچے ہوں گے' پھر حضرت اسماء مکہ سے چلی ہوں گی' اس لیے قبا میں چار دن قیام کی روایت بہت ہی ضعیف ہے۔ ہاں خوارزمی نے کہا ہے کہ قبا میں داخلہ پنج شنبہ کو ہوا تھا' اب چودہ دن والی روایت کو ترجیح ہو گی۔ (عینی۔ج۴۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ص۱۷۵)

دیہات میں جمعہ

قبا میں حضور اقدس ﷺ چودہ دن یا چوبیس دن رہے۔ دو یا تین جمعے قبا میں پڑے' مگر حضور نے قبا میں نمازِ جمعہ نہ پڑھی۔ روانگی کے اثناء جب شہر میں داخل ہو گئے تو پڑھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ دیہات میں جمعہ صحیح نہیں' ورنہ لازم آئے گا کہ حضور نے جمعہ بالقصد چھوڑا۔

بنی النجار

یہ انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ ہے' اسی قبیلہ میں حضرت عبدالمطلب کی ننھیال تھی۔ زمانہ طفولیت میں والدہ ماجدہ کے ہمراہ اور جب حضور اقدس ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے تو اسی قبیلہ میں اسی رشتے کی بناء پر قیام فرمایا۔ انہیں خصوصیت سے بلوانے کا سبب بھی یہی رشتہ تھا۔ عرب کا دستور تھا کہ شرفاء کے استقبال میں ہتھیار سجا کر جاتے' اسی کے مطابق بنی النجار تلواریں حمائل کر کے آئے تھے۔

---

[1] مدارج النبوۃ۔ج۲ ص۸۹

حتی القی بفناء

شہر میں داخلہ ہوتے ہی انصار کرام کے قبائل خدمت اقدس میں اپنے اپنے گھر قیام کی درخواست پیش کرنے لگے، حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کو دعائے خیر دیتے اور فرماتے: میری اونٹنی مامور ہے، جہاں حکم خداوندی ہوگا وہیں بیٹھے گی۔ بالآخر اونٹنی حضرت ابوایوب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے صحن میں جہاں اب مسجد ہے، خود بہ خود بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھی اور کچھ دور جا کر پھر لوٹی اور وہیں آ کر بیٹھ
گئی۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت لے کر سامان اپنے گھر لے گئے۔
''شرف المصطفیٰ'' میں ہے کہ جب ناقہ مبارکہ حضرت ابوایوب کے مکان کے صحن میں بیٹھ گئی تو جبار بن صخر نے اپنے پاؤں سے
ٹھوکا دیا تا کہ ناقہ مبارکہ وہاں سے اُٹھ جائے۔ حضرت ابوایوب نے ان سے فرمایا: میرے دروازے سے اونٹنی کو اُٹھا رہا ہے، اگر
اسلام کا رشتہ نہ ہوتا تو تلوار سے تیری خبر لیتا۔
امام مغازی محمد بن اسحاق نے کتاب المبتدا و قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ تبع اوّل تبع بن حسان ولادتِ اقدس سے ہزار سال پہلے
مکہ معظمہ حاضر ہوا تھا تو وہاں سے مدینہ طیبہ بھی آیا، اس کے ساتھ چار سو علماء تھے، انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اب ہم کو یہیں رہنا ہے،
یہاں سے جانا نہیں ہے۔ تبع نے وجہ دریافت کی تو ان لوگوں نے بتایا کہ ایک نبی تشریف لانے والے ہیں جن کا نامِ نامی محمد ہے، یہ ان
کے ہجرت کی جگہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں ان کی زیارت نصیب ہو جائے، ہمیں نہیں تو ہماری نسل کو حاصل ہوگی۔ تبع نے ان سب علماء
کے لیے مکان بنوا دیا، ان کی شادیاں کر دیں، انہیں گزارے کے لیے کثیر مال دیا، اور ایک خط لکھ کر ان علماء کے سردار کو دے دیا کہ یہ
نبی منتظر کو دے دیا جائے جس میں اس نے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے: ''شهدت على احمد انه...... رسول
من الله باري النسم'' میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور ایک مکان اس مقصد سے بنوا دیا کہ وہ نبی جب یہاں تشریف
لائیں تو اسی میں قیام کریں۔ وہی حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا۔

(عینی۔ ج ۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: هل ينبش قبور مشركي الجاهلية ص ۱۷۶)

ثامنونی بحائطکم

ایک روایت میں ہے کہ وہ کھجوروں کا کھلیان لگانے کی جگہ تھی، جہاں کھجوریں سکھائی جاتیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس باغ میں یہ
سب تھا، کچھ قبریں بھی تھیں، کچھ کھنڈر تھا، کچھ درخت تھے، کچھ میدان تھا جہاں کھلیان لگتا تھا۔ یہ باغ سہل اور سہیل نام کے دو یتیموں
کا تھا جو حضرت اسعد بن زرارہ یا حضرت معاذ بن عفراء کی پرورش میں تھے۔ ان کی پیش کش کے باوجود حضور نے حضرت صدیق اکبر
سے اس کی قیمت دس دینار دلوائی۔

فنبشت

یعنی ان قبروں کو کھود کر اس کی ہڈیاں تک اس میں سے نکال کر پھینکوا دیں۔ اب وہ جگہ قبر ہی نہ رہی، اس لیے اس جگہ اور اس کی
طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ قبر پر یا قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے، خواہ وہ قبر مؤمن کی ہو یا
کافر کی، نبی کی ہو یا اُمتی کی، صالح کی ہو یا فاسق کی۔

فصفوا النخل (الخ) ..... مسجد اقدس کی تعمیر

ان کی توجیہ یہ ہے کہ کھجور کے درختوں کو دیوار قبلہ میں بہ طور ستون کھڑا کیا گیا اور بنیاد تک اس کی درمیانی جگہوں کو پتھروں سے
بھر دیا۔ اس لیے کہ صحیح روایات سے جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مسجد اقدس کی بنیاد تین ہاتھ گہری تھی، اسے پتھروں سے بھرا گیا تھا۔ کھجور

کے ستون تھے اور کچی اینٹوں کی دیواریں اور چھت کھجور کے پتوں کی تھی' تین دروازے تھے۔ ایک قبلہ کے مقابل جانب جنوب اور د
اور' ایک باب رحمت جسے باب عاتکہ کہتے تھے اور ایک وہ جس سے حضور اقدس ﷺ تشریف لے آتے اور لے جاتے' دیوار قد آ د
اونچی تھی' اس کا قبلہ جانب شمال بیت المقدس تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس پر نہ کچھ اضافہ کیا اور نہ ترمیم کی' سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کچھ زیادہ فر ما
مگر طرزِ تعمیر وہی رہی۔ لکڑی کے ستون' کچی اینٹوں کی دیواریں' کھجور کے پتوں کی چھت' پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بہت زیا
توسیع فرمائی اور عمارت بھی بدل دی' منقش پتھروں کی دیواریں بنوائیں' منقش پتھر کے ستون لگائے' ساکھو کی چھت ڈالی۔

پھر ولید بن عبدالملک کے زمانۂ تسلط میں مسجد مبارک کی کافی توسیع بھی ہوئی اور عمارت بھی بہت شاندار بنی' اسی دور میں ازوا
مطہرات کے حجرات برابر کر کے مسجد میں داخل کر لیے گئے۔ حجرات مبارکہ برابر کرنے میں ایک پاؤں ظاہر ہو گیا جو بالکل تر و تازہ تھا
کہرام مچ گیا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا پائے اقدس ہے' مگر حضرت عروہ بن زبیر تابعی نے پہچانا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں ہے ت
لوگوں کی جان میں جان آئی۔ ولید کے بعد مہدی نے عمارت کی تجدید کی' پھر مامون نے کچھ اضافہ کیا۔ ابتداءً مسجد اقدس چون ہاتھ
اتر دکھن چوڑی اور مشرق مغرب ساٹھ ہاتھ لمبی تھی' پھر بعد میں خیبر کے بعد اس کی توسیع ہوئی اور سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی ہوئی
اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضور نے مسجد کے ایک پڑوسی انصاری سے فرمایا: اپنی یہ زمین مسجد پر وقف کر دے' انہوں نے
عرض کیا: میں عیال دار ہوں' پھر حضرت عثمان نے دس ہزار درہم میں اسے خرید کر مسجد پر وقف کر دیا[۱] اور یہ طے ہے کہ وصال اقدس
کے وقت مسجد اقدس سو ہاتھ لمبی سو ہاتھ چوڑی تھی تو ثابت ہوا کہ اس اضافے سے پہلے چھوٹی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

وهو يقول

تحقیق یہ ہے کہ رجز بھی شعر کی ایک قسم ہے' ایک دو شعر کبھی کبھار کہہ دینے سے کوئی شاعر نہیں ہو جاتا' اس لیے یہ آیت کریمہ
''وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ'' (یٰسین:٦٨) اور ہم نے انہیں شعر کہنا نہیں سکھایا' اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے' کے منافی
نہیں۔ اس لیے کہ آیت کریمہ میں مراد شعر گوئی کا ملکہ ہے' علم کی نسبت جب کسی فن کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد ملکہ ہوتا ہے
نفس علم نہیں۔

توضیح باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''هل ينبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد'' زمانہ جاہلیت
کے مشرکین کی قبروں کو اُدھیڑ کر وہاں مسجد بنائی جائے۔ اس عبارت میں ''هل'' ''تحقیق کے لیے بہ معنی ''قد'' ہے' جیسے آیت کریمہ ''هَلْ
اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ'' (الدھر:١) میں۔ اس کے بعد فرمایا: ''لقول النبي ﷺ لعن الله اليهود واتخذوا قبور
انبياء هم مساجد'' اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ یہود پر لعنت فرمائے جنہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ اب
سوال یہ ہے کہ دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کیا ہے؟ اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ انبیاء کرام اور جو ان کے ساتھ لاحق ہیں' صلحاء امت کی
قبروں کو مسجد بنانا موجب لعنت ہے' خواہ ان کی نعش قبر میں رہنے دیں یا نکال کر پھینک دیں' مگر کفار کی قبروں پر مسجد بنانے میں کوئی
حرج نہیں جبکہ ان کی ہڈیاں نکال کر پھینک دی گئی ہوں۔ یہ دونوں احکام تو اپنی جگہ درست ہیں' مگر ایک مدعیٰ دوسری دلیل نہیں بنا۔

۱۔ مدارج۔ ج ۲ ص ۹۷ ۲۔ مدارج۔ ج ۲ ص ۹۶

لقول

میں لام تعلیلیہ بتاتا ہے کہ یہ علت ہے اور اس کا ماقبل اس کا مدعیٰ ہے۔

اقول: اس عاجز کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کہیں مشرکین کافرین کی قبریں ہوں اور ضرورت اس بات کی ہو کہ وہاں مسجد بنائی جائے تو ضروری ہے کہ قبروں کو ادھیڑ کر ہڈیاں نکال کر کہیں پھینک دی جائیں تاکہ وہ جگہ قبر ہی نہ رہے۔ ایسا اس لیے کرنا ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا' تو جب انبیاء کے مزارات کو مسجد بنانا موجب لعنت ہے تو مشرکین کی قبروں کو مسجد بنانا بہ درجۂ اولیٰ موجب لعنت ہوگا' اس لیے ان کی قبروں کو ادھیڑ کر ہڈیاں باہر نکال کر پھینک دو کہ وہ قبر ہی نہ رہے کہ وہاں نماز پڑھنا قبر پر نماز پڑھنا کہلائے۔ جب قبر اُدھیڑ کر ہڈیاں پھینک دیں تو وہ عام زمین کی طرح ہو گئی' وہاں نماز پڑھنا عام زمین پر نماز پڑھنے کے مثل ہو گیا۔

۲۹۷- ح: اَلصَّلٰوۃُ اِلَی الْبَعِیْرِ [اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا]

۲۹۷- عَنْ نَّافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یُصَلِّیْ اِلٰی بَعِیْرِہٖ وَقَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُہٗ۔

نافع نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اونٹ کی طرف منہ کیے نماز پڑھتے دیکھا اور انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو۔ اس سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور قطعی ہے۔ امام بخاری یہ باب باندھ کر "اونٹوں کے رہنے کی جگہ نماز کا بیان" یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ ممانعت مطلقاً نہیں' بلکہ اس وقت ہے جبکہ معلوم ہو کہ اونٹ شریر خطرناک ہے یا کچھ معلوم نہ ہو تو یہ کھٹکا رہے گا کہیں شریر نہ ہو کوئی خطرہ کر بیٹھے' لیکن اگر معلوم ہو کہ اونٹ سیدھا سادھا شریف ہے تو اس کے قریب نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں خواہ وہ اکیلا ہو یا کہیں باڑے میں ہو' جیسا کہ حضور نے پڑھی اور حضور کی دیکھا دیکھی حضرت ابن عمر نے بھی پڑھی۔ ایک شبہہ یہ رہ جاتا ہے کہ باب ہے: اونٹوں کے رہنے کی جگہ نماز کا بیان' اور حدیث میں ایک اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز کا ذکر ہے' اس سے اثباتِ باب نہیں ہوا۔

اقول: مواضع ابل' اونٹوں کے رہنے کی جگہ نماز سے ممانعت' صرف اونٹوں کے قرب کی وجہ سے ہے' جگہ یا زمین کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں اور اس باب کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک اونٹ کا قرب نماز میں مخل نہیں تو اسی پر قیاس کر کے یہ بھی ثابت ہے کہ دس بیس اونٹوں کا بھی قرب مخل نہیں۔

یہ حدیث باب "الصلوۃ الی الراحلۃ والبعیر" میں تھوڑے تغیر کے ساتھ ہے' وہاں یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی سواری کو عرض میں آڑے بٹھاتے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔ عبیداللہ بن عمر نے نافع سے پوچھا: بتائیے! سواریاں حرکت کرنے لگتیں تو کیا کرتے؟ نافع نے بتایا کہ پھر کجاوہ لے لیتے اور اسے سیدھا کر کے اس کی اس لکڑی کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے اور ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

۲۹۸- ح: فَلَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ [تم لوگ جو بھی پوچھو گے بتاؤں گا]

۲۹۸- اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ اَنَّ فِيْهَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْاَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْاَلْ فَلَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا فَاَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ وَاَكْثَرَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ ثُمَّ اَكْثَرَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَبَرَكَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ اٰنِفًا فِيْ عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ فَلَمْ اَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ۔ (بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت الظهر عند الزوال ص ۷۷' ایضاً۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: من صلى وقدامه تنور او نار ص ۶۲' ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما يكره من كثرة السوال ص ۱۰۸۳)

صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھل گیا تو باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھی اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور قیامت کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن بڑے بڑے حوادث ہوں گے' اس کے بعد فرمایا: کوئی کچھ پوچھنا چاہے تو پوچھے! میں جب تک یہاں ہوں تم لوگ جو بھی پوچھو گے بتاؤں گا۔ یہ سن کر لوگ زاروقطار رونے لگے اور حضور بار بار فرماتے رہے: مجھ سے پوچھو! تو حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا: میرا باپ کون ہے؟ ارشاد فرمایا: حذافہ ہے' اس کے بعد بھی بار بار فرماتے رہے: مجھ سے پوچھو! اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ہم اللہ کے پروردگار ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد کے نبی ہونے پر (دل و جان سے) راضی ہیں۔ اب حضور نے خاموشی اختیار فرمائی' اس کے بعد فرمایا: ابھی اس دیوار کے گوشے میں میرے سامنے جنت اور دوزخ پیش کی گئی' میں نے (کبھی اتنا) اچھا اور برا منظر نہیں دیکھا۔

اس پر امام بخاری نے کتاب الصلوۃ میں یہ باب باندھا ہے: "من صلى وقدامه تنور او نار او شي يعبد فاراد به وجه الله عزوجل" جس نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے آگے تنور یا آگ یا کچھ اور ہو جس کی پوجا کی جاتی ہو' مگر نمازی نے اللہ عزوجل کی عبادت کی نیت کی۔ حسب عادت باب میں سوال کر کے چھوڑ دیا ہے' مراد ان کی یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں۔ اس کے تحت جو حدیثیں لائے ہیں' ان سے بھی وہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ پہلی حدیث تو یہی اختصار کے ساتھ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے' صرف اتنا حصہ کہ ارشاد فرمایا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میرے سامنے جہنم لائی گئی۔ دوسری حدیث صلوۃ کسوف کی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' جس کا ایک حصہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے اور پوری حدیث صلوۃ الکسوف میں آئے گی۔ یہاں صرف بہ قدر ضرورت یہ حصہ ذکر فرمایا: سورج میں گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی' اتنا خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نماز کی حالت میں سامنے آگ تھی اور آگ کو مجوسی پوجتے ہیں' تو ثابت ہو گیا کہ نمازی کے آگے کوئی ایسی چیز ہو جس کی پرستش ہوتی ہو مگر نمازی کی نیت خالص اللہ کی عبادت کی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ احناف فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے آگے معبودان باطلہ میں سے کچھ ہوں تو نماز مکروہ ہے' اگرچہ نیت خالص اللہ عزوجل کی ہو' بلکہ اگر معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ معبود باطل کی نیت ہو تو نماز کی صحت تو الگ رہی' سرے سے ایمان ہی رخصت اور اس کراہت کی وجہ مشرکین کے ساتھ مشابہت اور عوام کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔

اس حدیث سے امام بخاری کا استدلال تام نہیں' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو جہنم کا پیش کیا جانا خرق عادت کے طور پر عالم غیب کی بات تھی' صحابہ کرام نے کہاں دیکھا' عالم غیب کے جو احوال بہ طور خرق عادت ظاہر ہوں ان پر عالم شہادت کے معتاد احوال کا قیاس صحیح نہیں' مثلاً اسی واقعہ کو لے لیجیے! نمازی کے آگے ایسی چیز ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے' جس سے دل بٹے۔ یہ

جو امام بخاری کو تسلیم ہے[1] اور یہاں جنت اور دوزخ کے سامنے آنے سے حضور کا دل بٹا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور آگے بڑھے کہ جنت سے ایک خوشہ لے لوں' پھر پیچھے ہٹے' نیز جنت میں جنتیوں کو اور جہنم میں جہنمیوں کو دیکھا۔ جہنم کی خوفناکی سے متاثر بھی ہوئے۔ اس کا بھی امکان قوی ہے کہ جنتیوں میں سے اور جہنمیوں میں سے کسی کا منہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہا ہو' حالانکہ نمازی کا کسی مرد یا عورت کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے' تو کیا ان عالم غیب کے احوال پر قیاس کر کے یہ حکم دینا درست ہوگا کہ نمازی کے آگے کچھ بھی ہو' اس سے اس کا کتنا ہی دل بٹے' لوگ نمازی کی طرف منہ کیے ہوں' نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔

ثانیاً: حضرت انس والی حدیث میں یہ تصریح ہے: ''في عُرض هذا الحائط'' جنت اور دوزخ اس دیوار کے گوشے میں دکھائی گئی اس دیوار سے مراد دیوار قبلہ ہے' تو جب جہنم دیوار قبلہ کے ایک گوشے میں تھی اور حضور بیچ مسجد میں تو جہنم حضور کے سامنے کہاں ہوئی؟ رہ گئی حضرت ابن عباس کی حدیث۔ اس میں صرف یہ ہے: ''واریت النار'' مجھے جہنم دکھائی گئی۔ یہ نہیں کہ میرے سامنے لائی گئی تھی۔ ہوسکتا ہے' یہاں بھی کسی گوشے ہی میں دکھائی گئی ہو۔ ثالثاً: جہنم کی آگ کسی کی معبود نہیں' آتش پرست اپنی بھڑکائی ہوئی آگ کو پوجتے ہیں جہنم کی آگ کو نہیں۔ جہنم ''مما یعبد'' میں داخل ہی نہیں' اس لیے جو بعض روایات میں آیا ہے: ''في قبلة هذا الجدار'' اس سے بھی استدلال تام نہیں کہ اس سے استدلال میں بھی پہلا اور تیسرا سقم بہر حال باقی رہے گا۔

۲۹۹- ح: اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلٰوتِكُمْ

[اپنے گھروں میں بھی کچھ نماز پڑھا کرو]

۲۹۹- عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: اپنے گھروں میں بھی کچھ نماز پڑھا کرو' گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔

(بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: كراهية الصلوة في المقابر۔ ج ا ص ۶۲)

اس پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''كراهية الصلوة في المقابر'' قبرستان میں نماز کے مکروہ ہونے کا بیان۔ ظاہر ہے کہ حدیث سے باب کا اثبات نہیں ہو رہا ہے۔ علامہ سفاقسی نے یہ توجیہ کی: یہی حدیث مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے: ''لا تجعلوا بيوتكم مقابر'' ہے' اس سے باب کی مطابقت ظاہر ہے۔ اس پر علامہ عینی نے بہت عمدہ بات کہی' کتنی عجیب بات ہے' باب کا عنوان قائم کریں امام بخاری اور مطابق ہو ان کے اس باب سے وہ حدیث جو کوئی اور صاحب روایت کریں۔

اقول: معمولی غور کے بعد مطابقت ظاہر ہے۔ اس حدیث کے اخیر کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ قبر نماز پڑھنے کی جگہ نہیں اور مقبرہ اسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں قبریں ہوتی ہیں' اس لیے مقبرے میں نماز مکروہ ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ ثابت یہ ہوا کہ قبرستان میں جہاں قبریں ہوں' وہاں ممنوع ہے اور جہاں قبریں نہیں وہاں ممنوع نہیں۔ یہ مطابقت میں حارج نہیں۔

ت ۱۰۷- وَيُذْكَرُ اَنَّ عَلِيًّا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ الصَّلٰوةَ بِخَسْفِ بَابِلَ.

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بابل کے کھنڈر میں نماز پڑھنی مکروہ جانا۔

اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: عبد اللہ بن ابی المحلی العامری نے کہا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور بابل کے کھنڈرات پر گزرے' تو انہوں نے وہاں نماز نہیں پڑھی' اس سے گزرنے کے بعد پڑھی۔ اسی کے ہم معنی ابو داؤد میں بھی

[1] بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: استقبال الرجل الرجل ص ۳۷

ہے کہ حضرت علی سیر کرتے ہوئے بابل پر گزرے تو مؤذن نے آ کر عصر کی اذان کہی جب اس سے گزر گئے تو مؤذن کو حکم دیا اس نے اقامت کہی۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: مجھے میرے حبیب نے مقبرے میں نماز پڑھنے سے اور سرزمین بابل پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا اس لیے کہ یہ زمین ملعون (لعنت زدہ) ہے۔ اس حدیث کی سند پر محدثین نے کئی طرح کلام کیا ہے اور یہ حدیث صحیح کے معارض ہے کہ فرمایا: ''جعلت لی الارض مسجدًا'' اسی لیے خطابی نے کہا کہ میں علماء میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے بابل میں نماز کو حرام بتایا ہو۔

اقول: ابھی حدیث آ رہی ہے کہ جس جگہ عذاب ہوا ہے وہاں جانے سے منع فرمایا جب جانا منع ہے تو نماز بہ درجۂ اولیٰ منع ہونی چاہیے۔

بابل

بابل عراق میں ایک بستی کا نام ہے جہاں کا جادو اور شراب مشہور ہے۔ کبھی پورے عراق کو بابل کہہ دیتے ہیں اسے نمرود نے بسایا تھا اس نے یہاں ایک محل بنایا تھا جو پانچ ہزار ہاتھ اونچا تھا۔ اس نے یہ محل اس لیے بنوایا تھا کہ آسمان پر جا کر آسمان والوں سے لڑ کر آسمان کی بھی حکومت حاصل کر لے۔ اللہ عزوجل نے یہ محل ڈھا دیا۔ اسی کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں ہے: ''فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ'' (النحل:۲۶) تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیاد سے ڈھا دیا۔

یہاں کے باشندوں کی زبان سریانی تھی مگر ایک رات سوئے تو قدرتِ خداوندی سے یہ لوگ بہتر قسم کی زبانیں بولنے لگے۔ ہر شخص اپنی زبان میں بل بل کرتا اس لیے اس کا نام بابل پڑ گیا بلبلانے والے۔

(عینی۔ ج ۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی مواضع الخسف والعذاب ص ۱۸۹)

۳۰۰- ح: لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِيْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ

[ان لوگوں پر جن پر عذاب ہوا ہے مت داخل ہو مگر یہ کہ روتے ہوئے]

۳۰۰- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِيْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ لَا يُصِيْبُكُمْ مَّا اَصَابَهُمْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں پر جن پر عذاب ہوا ہے مت داخل ہو مگر یہ کہ روتے ہوئے اور اگر رو نہ سکو تو مت داخل ہو کہیں تمہیں بھی وہی مصیبت نہ آئے جو ان پر آئی۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی مواضع الخسف والعذاب ص ۶۲ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: نزول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الحجر ص ۶۳۷ کتاب التفسیر۔ سورہ حجر۔ باب: قوله ولقد كذب اصحاب الحجر المرسلين ص ۶۸۲)

هولاء المعذبين

''هولاء المعذبين'' سے قوم ثمود کی بستی حجر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ مغازی اور تفسیر کی روایت میں تصریح ہے اس حدیث میں اگرچہ ایسی جگہ نماز پڑھنے سے بصراحت ممانعت نہیں مگر سیاق حدیث بتا رہا ہے کہ ایسی جگہ جانا ممنوع ہے۔ گریہ طاری ہونا شاذ و نادر ہی ہے۔ شاذ و نادر پر احکام کی بنیاد نہیں ہوتی اور جب جانا ممنوع اور نماز جانے کی فرع ہے تو یہ بھی ممنوع ہے۔

ت ۱۰۸- وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِّنْ اَجْلِ التَّمَاثِيْلِ الَّتِيْ فِيْهَا الصُّوَرُ.

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارے گرجاؤں میں نہیں جاتے ان مجسموں کی وجہ سے جو ان میں ہیں۔

ت۱۰۹- وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي الْبِيْعَةِ إِلَّا بِيْعَةً فِيْهَا تَمَاثِيْلُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما گرجا میں نماز پڑھتے تھے' مگر اس گرجا میں نہیں پڑھتے تھے جس میں مجسمے ہوتے۔

اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امام عبدالرزاق نے موصولاً روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس کے اثر کو بغوی نے جعدیات میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں' کفار کے معابد میں مطلقاً جانا ممنوع لکھا ہے۔ اولاً: ان کے معابد بتوں' مجسموں' تصویروں سے خالی نہیں ہوتے۔ ثانیاً: وہ محل لعنت ہیں۔ ثالثاً: عوام الناس کو بدگمانی میں مبتلا کرنا ہے' ہاں سلطان اسلام بہ ضرورت جا سکتا ہے' جیسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کرنے کے بعد اس کے گرجا میں گئے' مگر نماز باہر آ کر پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو منقول ہے اس میں بیعۃ سے مراد پادریوں کی رہائش گاہ ہے عبادت خانہ نہیں' اس لیے کہ ہر گرجا میں حضرت عیسیٰ و حضرت مریم کی فرضی تصویر ہوتی ہے۔

۳۰۱- ح: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ

[یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو! انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا]

۳۰۱- اَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَا لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فَاِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَّجْهِهٖ فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا.

اُم المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض (وصال) کی شدت ہوئی تو آپ بار بار اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالتے' جب دم گھٹنے لگتا تو چہرے سے ہٹا دیتے' اسی حالت میں فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا' آپ یہود و نصاریٰ نے جو کیا تھا اس سے لوگوں کو ڈرا رہے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب۔ ص ۶۲' کتاب الانبیاء۔ باب: ما ذکر عن بنی اسرائیل ص ۴۹۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۳۹۔ دو طریقے سے' کتاب اللباس۔ باب: الاکسیۃ والخمائص ص ۸۶۵)

۳۰۲- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ج ا ص ۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کو اللہ مار ڈالے! انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

یہود و نصاریٰ کو اپنے انبیاء کرام کے ساتھ جو محبت و عقیدت تھی' صحابہ کرام اور اس اُمت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے کئی گنا زیادہ ہے' اس لیے یہ خطرہ تھا کہ میری اُمت بھی مزار پاک کو مسجد بنا کر اس کی پرستش کرنے لگے۔ اسی لیے دنیا سے جاتے جاتے ہوئے اس اذیت ناک حال میں بھی اس فعل شنیع سے روکا۔ اس کا نتیجہ بھی خاطر خواہ نکلا' آج چودہ سو برس ہو رہے ہیں مگر مزارِ اقدس' مزار اقدس ہی ہے مسجد نہ ہوا۔

۳۰۳- ح: يَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيْبِ رَبِّنَا

[حمائل کا دن ہمارے پروردگار کے عجائب میں سے ہے]

۳۰۳- عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ وَلِيْدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک حبشیہ

الْعَرَبِ فَاَعْتَقُوْهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَّهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ اَحْمَرُ مِنْ سُيُوْرٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ اَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهٖ حُدَيَّاةٌ وَّهُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُوْنِيْ بِهٖ قَالَتْ فَطَفِقُوْا يُفَتِّشُوْنِيْ حَتّٰى فَتَّشُوْا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَقَائِمَةٌ مَّعَهُمْ اِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَاَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ قَالَتْ فَقُلْتُ هٰذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُوْنِيْ بِهٖ زَعَمْتُمْ وَاَنَا مِنْهُ بَرِيْئَةٌ وَّهُوَ ذَا هُوَ قَالَتْ فَجَائَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ اَوْ حِفْشٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تَاْتِيْنِيْ فَتَحَدَّثُ عِنْدِيْ قَالَتْ فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِيْ مَجْلِسًا اِلَّا قَالَتْ وَيَوْمَ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيْبِ رَبِّنَا اَلَا اِنَّهٗ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ اَنْجَانِيْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَاْنُكِ لَا تَقْعُدِيْنَ مَعِيْ مَقْعَدًا اِلَّا قُلْتِ هٰذَا قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ. (بخاری۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: نوم المرأۃ فی المسجد۔ ج ا ص ٦٣)

لونڈی عرب کے ایک قبیلے کی تھی ان لوگوں نے اسے آزاد کر دیا' پھر بھی وہ انہیں کے ساتھ رہی' ان کی ایک لڑکی نکلی' سرخ رنگ کا جڑاؤ حمائل پہنے ہوئے تھی' اب یا تو لڑکی نے کہیں رکھ دیا یا گر پڑا کہ ایک چیل گزری وہ ہار پڑا ہوا تھا' چیل نے اسے گوشت جانا اور اسے اچک لیا' قبیلے والوں نے ہار تلاش کیا مگر انہیں نہیں ملا۔ اس لونڈی نے بتایا' پھر اس کے چرانے کا مجھ پر الزام لگایا اور میری تلاشی لینے لگے حتیٰ کہ اس کی شرمگاہ کی بھی تلاشی لی۔ لونڈی نے بتایا: بخدا! میں ان کے ساتھ کھڑی تھی کہ وہ چیل گزری اور اس نے ہار کو پھینک دیا' ان کے درمیان وہ ہار گرا۔ میں نے کہا: یہی ہے نہ وہ جس کے چرانے کا تم لوگوں نے مجھ پر الزام لگایا تھا' حالانکہ میں اس سے بری ہوں' وہ یہ ہے' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوگئیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: اس لونڈی کا مسجد میں ایک خیمہ یا چھوٹا سا حجرہ تھا' وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میرے پاس باتیں کرتی جب کبھی آ کر بیٹھتی تو یہ ضرور کہتی: اور حمائل کا دن ہمارے پروردگار کے عجائب میں سے ہے' سنو! اسی دن نے کفر کی بستی سے مجھے نجات دی۔ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے اس سے پوچھا: کیا بات ہے تم جب بھی آ کر بیٹھتی ہو تو یہ ضرور کہتی ہو' اس پر اس نے یہ واقعہ بیان کیا۔

ولیدہ' ولید' اس بچے اور بچی کو کہتے ہیں جو ابھی پیدا ہوئے ہیں' عرف میں چھوٹے بچے کو بھی کہتے ہیں' نیز لونڈی اور غلام کو بھی اگرچہ معمر ہوں۔ "وشاح" اس حمائل کو کہتے ہیں جو مرصع اور جڑاؤ ہو۔ اگر مرصع نہ ہو تو وشاح نہیں کہلائے گا' کمر بند کے بھی معنی میں آتا ہے۔ ثابت نے دلائل میں یہ اضافہ کیا کہ یہ لڑکی دلہن تھی' غسل خانے میں نہانے گئی اور اسے اتار کر رکھ دیا۔ اس تقدیر پر اب وشاح کے دونوں معانی درست ہو گئے ہیں' حمائل اور کمر بند۔ جب ان بی بی کا مسجد ہی میں خیمہ یا حجرہ تھا تو یہ مسجد ہی میں سوتی بھی تھیں' تو حدیث سے ثابت ہو گیا کہ عورت کا مسجد میں سونا جائز ہے' مگر یہ قید ضروری ہے' جبکہ وہ بے ٹھکانہ مسافر ہو اور حیض و نفاس کی حالت میں نہ ہو۔

ت ١١٠- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَدِمَ رَهْطٌ مِّنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا فِي الصُّفَّةِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "عکل" کے کچھ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ صفہ میں رہتے تھے۔

ت ١١١- وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ كَانَ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ.

اور عبد الرحمٰن بن ابو بکر نے کہا: اصحاب صفہ محتاج تھے۔

یہاں باب کا عنوان ہے: مرد کا مسجد میں سونا۔ ان دونوں تعلیقوں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی مرد یا چند مرد محتاج ہوں جن کے گھر بار نہ ہوں' وہ مسجد میں سو سکتے ہیں۔ پہلا اثر حدیث طویل کا حصہ ہے جو کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں جتنا مذکور ہے وہ محاربین کی روایت کا جز ہے' دوسرا اثر بھی ایک حدیث کا جز ہے' جو آگے آئے گی۔ مسجد نبوی میں ایک طرف ایک چبوترہ تھا' اس پر چھپر پڑی تھی' اس کو صفہ کہتے تھے' وہ مہاجرین جن کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا' یہیں رہتے تھے۔

٣٠٤- ح: اِنَّ ابْنَ عُمَرَ يَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ

[بے شک ابن عمر مسجد میں سو جاتے تھے]

٣٠٤- اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ اَعْزَبُ لَا اَهْلَ لَهٗ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے خبر دی کہ وہ جوان غیر شادی شدہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوتے تھے۔

٣٠٥- ح: قُمْ يَا اَبَا تُرَابٍ

[اُٹھو اے ابوتراب!]

٣٠٥- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ اَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ قَالَتْ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِيْ فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاِنْسَانٍ انْظُرْ اَيْنَ هُوَ فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهٗ عَنْ شِقِّهٖ وَاَصَابَهٗ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهٗ عَنْهُ وَيَقُوْلُ قُمْ اَبَا تُرَابٍ قُمْ اَبَا تُرَابٍ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور حضرت علی کو گھر موجود نہیں پایا تو حضرت فاطمہ سے پوچھا: تمہارے چچا کا فرزند کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میرے اور ان کے درمیان کچھ بات ہوگئی جس پر وہ خفا ہو کر باہر چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا: دیکھو! وہ کہاں ہیں؟ وہ صاحب آئے اور بتایا کہ یارسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے وہ لیٹے ہوئے تھے' ان کی چادر ان کے پہلو سے گری پڑی تھی اور انہیں دھول لگ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جسم سے دھول پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے: اُٹھو اے ابوتراب! اُٹھو اے ابوتراب! (مٹی والے)

(بخاری۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: نوم الرجال فی المسجد۔ ج ۱ ص ۶۳' مناقب علی ص ۵۲۵' کتاب الاستیذان۔ باب: القائلۃ فی المسجد۔ ج ۲ ص ۹۲۹)

٣٠٦- ح: اَصْحَابُ الصُّفَّةِ

[اصحابِ صفّہ کا بیان]

٣٠٦- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ اِمَّا اِزَارٌ وَاِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهٗ بِيَدِهٖ كَرَاهِيَةَ اَنْ تُرٰى عَوْرَتُهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا' ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کے پاس چادر ہو' یا صرف تہبند تھا یا صرف کمبل جسے وہ اپنی گردنوں میں باندھے رہتے' کسی کے آدھی پنڈلی تک پہنچتا کسی کے ٹخنوں تک' اسے اپنے ہاتھ سے جمع رکھتا' اس ڈر سے کہ کہیں اس کی شرمگاہ نہ دکھائی دے۔

(بخاری۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: نوم الرجل فی المسجد۔ ج ۱ ص ۶۳)

مناقب علی میں یہ زائد ہے کہ ایک صاحب حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شکایت کی کہ مدینہ کا موجودہ حاکم حضرت علی کو برسر منبر برا کہتا ہے۔ حضرت سہل نے پوچھا: کیا کہتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کو ابوتراب کہتا ہے۔ اس پر حضرت سہل ہنسے اور فرمایا: یہ نام تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا ہوا ہے اور حضرت علی کو اس سے زیادہ کوئی نام پسند نہ تھا' میں نے حضرت سہل سے اس سلسلے کی حدیث سننے کی خواہش کی تو انہوں نے مذکورہ بالا حدیث بیان فرمائی۔

ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مردوں کو بھی مسجد میں سونا مطلقاً جائز ہے۔ عام اس سے کہ وہ معتکف ہوں یا نہ ہوں' مسافر ہوں یا نہ ہوں' محتاج ہوں یا نہ ہوں' مگر بہ نظر دقیق ایسا نہیں۔ اصحاب صفہ کی تنگ دستی ظاہر ہے' رہ گئے حضرت ابن عمر تو یہ ابتداء کی بات ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ وہ اعتکاف کر لیتے ہوں اور یہی توجیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ انہوں نے اعتکاف کی نیت کر لی ہوگی۔ حکم یہی ہے کہ معتکف اور مسافر کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونا جائز نہیں۔

این ابن عمك

یہ عرب کے عرف کے لحاظ سے فرمایا کہ دو ہم عمر میں سے ہر ایک کو ابن عم کہتے ہیں' ورنہ رشتہ کے لحاظ سے یہ صحیح نہیں۔ حضور نے حضرت علی کے غائب ہونے سے اندازہ کر لیا تھا کہ کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اس لیے پیار دلانے کے لیے ابن عمک فرمایا۔

قم یا ابا تراب

اس سے معلوم ہوا کہ کنیت کے لیے اولاد کی طرف نسبت ضروری نہیں' غیر اولاد کی طرف بھی نسبت کر کے کنیت رکھی جا سکتی ہے' جیسے ابوجہل' ابولہب وغیرہ۔ اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کے ساتھ کتنی محبت تھی' اس سے ان کا فضل و کمال ظاہر ہوا۔

سبعین

یہ ستر' ان ستر حضرات کے علاوہ ہیں جنہیں حضور نے سریہ "بیر معونہ" کے موقع پر تبلیغ کے لیے بھیجا تھا جو سب کے سب شہید ہو گئے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔

ت ١١٢- وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيْهِ.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے' اس میں نماز پڑھتے۔

یہ اثر ایک طویل حدیث کا جز ہے جو مغازی' غزوۂ تبوک اور کتاب التفسیر وغیرہ میں مذکور ہے۔

٣٠٧- ح: صَلِّ رَكْعَتَيْنِ

[(بیٹھنے سے پہلے) دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو]

٣٠٧- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ اُرَاهُ قَالَ ضُحًى فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِيْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' حضور مسجد میں تھے' مسعر نے کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ چاشت کے وقت' تو حضور نے فرمایا: بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے' اور حضور کے ذمے میرے کچھ پیسے تھے' مجھے ان کو ادا فرمایا اور کچھ زیادہ دیا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلٰوۃ اذا قدم من سفر ص ۶۳' کتاب الاستقراض۔ باب: من اشتری بالدین ص ۳۲۱' ایضاً۔ باب: حسن القضاء ص ۳۵۵' باب: الشفاعة فی وضع الدین ص ۲۴۴' کتاب الھبہ۔ باب: الھبة المقبوضة وغیر المقبوضة ص ۳۵۵'۔ دو طریقے سے۔ کتاب الشروط۔ باب: اذا اشترط البائع ظھر الدابة الی مکان ص ۳۷۵' کتاب الجہاد۔ باب: من ضرب دابة غیرہ ص ۴۰۱' باب: استیذان الرجل الامام ص ۴۱۶' باب: من غزا وھو حدیث عھد بعرس ص ۴۱۶' باب: الصلٰوۃ اذا قدم من سفر ص ۴۳۴' ج ۲۔ باب: الثیبات ص ۷۶۰۔ دو طریقے سے۔ باب: طلب الولد ص ۷۸۹۔ تین طریقے سے' کتاب النفقات۔ باب: عون المرأة زوجھا فی ولدہ ص ۸۰۸' کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء للمزوج ص ۹۴۵)

پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک غزوہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور کے ساتھ گئے تھے' ان کا اونٹ کمزور اور سست رفتار تھا' حضور نے اسے ایک گھونسہ مارا جس سے وہ تیز رو ہو گیا' پھر حضور نے فرمایا: اے جابر! اسے اس شرط پر بیچو گے کہ مدینہ تک سوار ہو کر جاؤ۔ میں نے فروخت کر دیا' جب مدینہ طیبہ واپس ہوا تو اونٹ لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا' حضور نے اونٹ کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی دے دیا اور مال غنیمت کا حصہ بھی دیا۔ قیمت بھی زیادہ دی' اس میں سے کچھ نقد میرے پاس تھا' یہاں تک کہ یوم حرہ کے موقع پر اہل شام اسے لوٹ لے گئے۔ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور نے حضرت جابر سے دریافت فرمایا: گھر لوٹنے کی جلدی کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے شادی کر لی ہے' دریافت فرمایا: کنواری سے کہ شادی شدہ سے؟ عرض کیا: شادی شدہ سے' فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں کی' تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی' تم اس سے ہنسی مذاق کرتے وہ تم سے ہنسی مذاق کرتی۔ عرض کیا: میرے والد نے سات یا نو لڑکیاں چھوڑی ہیں' مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ انہیں جیسی کوئی لڑکی لاؤں' اس لیے میں نے ایسی عورت سے شادی کی جو ان کی دیکھ بھال اور تربیت کرے۔ فرمایا: اللہ عزوجل تمہیں برکت دے! جب سفر سے آؤ تو اچانک گھر نہ جاؤ' اتنا موقع دو کہ جس کا شوہر غائب ہے' وہ استرہ استعمال کر لے اور بالوں کو کنگھا کر لے۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوئے: (۱) سفر سے آنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھے (۲) مسجد میں جاؤ تو پہلے نماز پڑھو' پھر بیٹھو (۳) بہتر ہے کہ کنواری عورت سے شادی کی جائے مگر کسی ضرورت اور مصلحت کی بناء پر ثیب سے بھی نکاح بہتر ہے (۴) شادی کرنے والوں کو دعا دینا سنت ہے' کم از کم اتنا ضرور کہہ دے: "بارك الله علیك" (۵) سفر سے گھر آئے تو پہلے اطلاع دے دے تاکہ گھر والی اپنے آپ کو درست کر لے۔

۳۰۸- عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ السَّلَمِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْكَعْ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ.

حضرت ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین ص ۶۳' کتاب التہجد۔ باب: ما جاء فی التطوع مثنی مثنی ص ۱۵۶)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

ان کا نام حارث بن ربعی ہے' یہ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ہیں' عبدالرحمٰن فزاری کے قاتل یہی ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: "خیر فرساننا ابو قتادة" مدینہ طیبہ ہی میں انہوں نے وصال فرمایا۔ سنہ وصال ۵۴ھ

ہے' ان سے ایک سوستر حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں تیرہ ہیں' اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص مسجد میں جائے وہ کم از کم دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے' اور یہ مستحب ہے اس لیے کہ کبار صحابہ مسجد میں جاتے مگر یہ نماز نہیں پڑھتے تھے' اگر واجب ہوتی تو صحابہ ترک نہ فرماتے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھ رہا ہے تو فرمایا: بیٹھ جا! تو نے ایذاء پہنچائی۔ اسے تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا۔ "قبل ان یجلس" سے کچھ لوگوں نے استدلال کیا کہ بیٹھنے کے بعد تحیۃ المسجد کا وقت جاتا رہا' مگر ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور نے ان سے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: اُٹھ اور انہیں پڑھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر بیٹھنا مخل نہیں جبکہ کوئی فعل منافی صلوۃ نہ کرے۔

ت ۱۱۳ تا ۱۱۵ - وَاَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ اَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَاِيَّاكَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ. قَالَ اَنَسٌ يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُوْنَهَا اِلَّا قَلِيْلًا وَّقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد مبارک کی تعمیر کا حکم دیا اور فرمایا: میں بارش سے لوگوں کو بچانا چاہتا ہوں اور سرخ اور زرد رنگنے سے بچو! اس سے لوگ فتنے میں پڑ جائیں گے۔ حضرت انس نے فرمایا: مسجد کی عمدہ عمارت پر فخر کریں گے اور اسے آباد نہیں رکھیں گے مگر تھوڑے لوگ۔ حضرت ابن عباس نے تشیید المساجد کی تفسیر میں فرمایا: اسے سنوارو جیسے یہود و نصاریٰ نے سنوارا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں مرفوعاً روایت کیا ہے' مسجد کے آباد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں نمازیں پڑھی جائیں' اللہ عزوجل کا ذکر کیا جائے' مراد یہ ہے کہ مسجدوں کی عمارتیں بہت عالی شان ہوں گی' خوبصورت ہوں گی مگر نمازی اور ذاکر تھوڑے ہوں گے۔ اسی کو ایک حدیث میں فرمایا: "مساجدھم عامرۃ ظاھرھا وباطنھا خراب" ان کا ظاہر بہت شاندار اور اندر ویران ہوگا۔

حضرت ابن عباس کا اثر ابوداؤد میں یوں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما امرت بتشیید المساجد قال ابن عباس لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى" مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ مسجدوں کو اونچا بناؤں اور انہیں پختہ کراؤں۔ ابن عباس نے اس کی شرح میں فرمایا: یعنی مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ جیسے گرجاؤں کو یہود و نصاریٰ نے سنوار لیا ہے ویسے ہی مسجدوں کو سنواروں' حتیٰ کہ ایک حدیث میں فرمایا کہ مسجدیں منڈی بناؤ یعنی مینار اور کنگرے نہ بناؤ' یہ حکم اس عہد مبارک کے لیے تھا جبکہ محض کسی جگہ کا مسجد ہونا اس کی تعظیم و تکریم کے لیے کافی تھا مگر اب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جبکہ عوام اپنے گھروں کو بہت عالی شان بناتے ہیں' اگر مسجدیں عالی شان نہ بنائی جائیں تو ان کی عظمت دلوں میں نہ ہوگی' نیز غیر مسلم ہنسیں گے' اس لیے اب وسعت کے مطابق مساجد بھی جتنی عظیم الشان ہوسکیں بنوائی جائیں۔ فقہاء نے فرمایا کہ "کم من احکام تختلف باختلاف الزمان والمکان" بہت سے احکام وقت اور جگہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں' انہیں میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔

۳۰۹- ح: بِنَاءُ الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ [مسجد نبوی کا بنانا]

۳۰۹ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُهُ الْجَرِيْدُ وَعُمُدُهٗ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد اقدس کچی اینٹ کی بنی تھی اور اس کی چھت کھجور کی شاخ کی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑیوں کے تھے اس میں

فِيْهِ أَبُوْ بَكْرٍ شَيْئًا وَّزَادَ فِيْهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلٰى بُنْيَانِهٖ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيْدِ وَأَعَادَ عُمُدَهٗ خَشَبًا ثُمَّ غَيَّرَهٗ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيْهِ زِيَادَةً كَبِيْرَةً وَّبَنٰى جِدَارَهٗ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهٗ مِنْ حِجَارَةٍ مَّنْقُوْشَةٍ وَّسَقَفَهٗ بِالسَّاجِ.

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: بنیان المسجد ص ۶۴)

حضرت ابوبکر نے کچھ اضافہ نہیں کیا اور حضرت عمر نے زیادہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جیسے بنی تھی ویسے ہی کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنائی اور اس کے ستونوں کو بدل دیا' پھر حضرت عثمان نے اس میں بہت زیادہ بدلا اور بہت زیادہ بڑھایا' اس کی دیواریں منقش پتھر اور گچ سے بنوائیں اور منقش پتھر کے ستون لگائے اور ساکھو کی چھت ڈالی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک مسجد اقدس اسی حالت میں رہی جو عہد نبوی میں تھی' جب عہد فاروقی میں تنگی ہو گئی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لمبائی اور چوڑائی میں بھی اضافہ کیا' ستون کھوکھلے ہو گئے تھے تو انہیں بدل دیا' مگر طرز تعمیر وہی رہی۔ وہی کچی اینٹوں کی دیواریں' کھجور کی ٹہنیوں کی چھت' مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اضافہ بھی کافی فرمایا اور طرز تعمیر بھی بدل دیا۔ دیواریں منقش پتھر اور چونے سے بنوائیں' منقش پتھر کے ستون لگوائے' ساکھو کی لکڑی کی چھت ڈلوائی' مگر اس سے زائد زیب و زینت' آرائش نہیں کی۔ سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے مسجد اقدس کافی بڑھائی بھی اور زمانے کے لحاظ سے بہت خوبصورت اور عالی شان بنوایا' چار مینارے بھی بنوائے' مگر پوری اُمت خاموش رہی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ناپسند سب نے کیا مگر فتنے کے اندیشے سے خاموش رہے' لیکن یہ بات نہیں' ناپسند فرماتے تو یہ لوگ چوکنے والے نہیں تھے' پھر یہ تعمیر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔ بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ صحابہ کرام کا اخیر دور تھا' تابعین کا دور شروع ہو چکا تھا۔ لوگوں نے اپنے رہائشی مکانات بہت شاندار بنوا لیے تھے' تو اب ضروری ہوا کہ مسجدیں بھی عالی شان بنوائی جائیں تاکہ عوام کی نظر میں ان کی تحقیر نہ ہو۔

۳۱۰ ح: وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ

[عمار پر افسوس ہے! اسے باغی جماعت شہید کرے گی]

۳۱۰- عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قَالَ لِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّلِابْنِهٖ عَلِيٍّ انْطَلِقَا إِلٰى أَبِيْ سَعِيْدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهٖ فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِيْ حَائِطٍ يُّصْلِحُهٗ فَأَخَذَ رِدَاءَهٗ فَاحْتَبٰى ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتّٰى أَتٰى عَلٰى ذِكْرِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَّعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهٗ إِلَى النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ عَمَّارٌ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ.

عکرمہ نے کہا کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا اور اپنے بیٹے علی سے کہ ابوسعید خدری کے یہاں چلو ان کی حدیث سنو' تو ہم دونوں چلے' وہ اپنے باغ میں ملے جس میں کام کر رہے تھے انہوں نے اپنی چادر لی اور حبوہ مار کر بیٹھ گئے' پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے' جب مسجد اقدس بنانے کی بات آئی تو فرمایا: ہم لوگ ایک ایک اینٹ ڈھوتے تھے اور عمار دو دو' انہیں نبی ﷺ نے دیکھ لیا تو ان کے جسم سے غبار صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے: عمار پر افسوس ہے! اسے باغی جماعت شہید کرے گی' یہ انہیں جنت کی طرف بلاتا ہو گا اور وہ لوگ اسے جہنم کی طرف بلاتے ہوں گے۔ عمار یہ دعا مانگا کرتے: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: التعاون فی بناء المسجد ص ۶۴' کتاب الجہاد۔ باب: مسح الغبار عن الراس فی سبیل اللہ ص ۳۹۴)

عکرمہ

مشہور ائمہ تابعین میں سے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص تلامذہ میں ہیں' یہ ان کے غلام تھے جنہیں بعد میں آزاد کر دیا تھا۔ ان کی اصل بربر سے تھی' مکہ کے فقہاء میں سے ہیں۔ یہ اس درجے کے عالم تھے کہ کسی نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ آپ سے بھی بڑا کوئی عالم ہے؟ فرمایا: ہاں! عکرمہ۔ اسّی سال کی عمر پا کر ۱۰۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔

''علی بن عبد اللّٰہ بن عباس'' ابوالسلاطین' یہ مشہور زمانہ خونخوار درندے سفاح کے دادا ہیں۔ جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے' اسی دن پیدا ہوئے۔ اسی تقریب سے ان کا نام علی رکھا گیا' بڑے عابد' زاہد' شب زندہ دار تھے۔ ان کا ایک باغ تھا جس میں زیتون کے پانچ سو درخت تھے۔ ہر درخت کے پاس دو رکعت نماز روزانہ پڑھتے تھے۔ اس طرح ایک ہزار رکعت روز پڑھتے تھے' اسی لیے ان کو سجاد بھی کہا جاتا تھا۔ اٹھہتر یا اناسی سال کی عمر میں ۱۱۰ھ' لغایت ۱۲۰ھ میں دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔

تقتله الفئة الباغية

اسی ارشاد کی وجہ سے حضرت عمار کی ذات مصیب و مخطی کے مابین معیار جلی بن گئی۔ جنگ صفین میں حضرت شیر خدا کی فوج میں تھے' انہیں شامیوں نے شہید کیا۔ حضرت علی نے ان کے شہید ہوتے ہی اعلان فرمادیا: صواب و خطا کا من جانب اللہ فیصلہ ہو چکا مگر شامی افواج کے کمانڈر انچیف نے تلوار نیام میں نہیں کی۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد حضرت علی کے مخالفین کا شک دور ہو گیا حتیٰ کہ حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ سے کہا کہ اے معاویہ! اب فیصلہ ہو گیا' تمہارے آدمیوں نے عمار کو شہید کیا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ تم باغی ہو' مگر حضرت معاویہ نے یہ کہہ کر بات بدل دی کہ ان کا قاتل وہ ہے جو انہیں میدانِ جنگ میں لایا تھا۔

فسبحان الملك الصمد الذى غنى عن العٰلمين

مسائل

(۱) مسجد کی تعمیر میں خود کام کرنا یا کسی قسم کا تعاون کرنا بہت بڑی عبادت ہے (۲) ہر صاحبِ علم سے علم طلب کرنا چاہیے' اگرچہ طالب علم ہو (۳) اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا سنت ہے اور اس میں تکبر اور نخوت کا ازالہ بھی ہے (۴) جب کوئی علم طلب کرنے آئے تو شیخ کو چاہیے کہ پوری توجہ وانہماک سے پڑھائے' اسے بتائے (۵) اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا' یہ بھی معلوم تھا کہ کون کب اور کہاں اور کیسے مرے گا۔

۳۱۱- ح: مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا

[جو شخص اللہ (کی رضا) کے لیے مسجد بنوائے]

۳۱۱- اَنَّهٗ سَمِعَ عُبَيْدَاللّٰهِ الْخَوْلَانِيَّ اَنَّهٗ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيْهِ حِيْنَ بَنٰى مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ اَكْثَرْتُمْ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا قَالَ بُكَيْرٌ حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ مِثْلَهٗ فِي الْجَنَّةِ۔

عبید اللہ خولانی نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا' اس وقت جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت لوگ انہیں جو جی میں آتا تھا کہہ رہے تھے' تم لوگ بہت کچھ کہہ چکے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: جو شخص مسجد بنوائے اور اس کی اس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو تو اللہ عزوجل اس کے لیے اس کے مثل جنت میں گھر بنائے گا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: من بنی مسجدا ص ۶۴)

یہ حدیث تھوڑے سے الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ تئیس صحابہ کرام سے مروی ہے جن میں چاروں خلفاء راشدین بھی ہیں'

بعض میں یہ زائد ہے: اگر چہ قطا کے گھونسلے کے برابر بنائے۔ کسی میں یہ زائد ہے: جنت میں اس سے زیادہ وسیع مکان بنائے گا۔ مراد یہ ہے کہ اگر کوئی چھوٹی سی بھی مسجد بنائے یا کسی مسجد میں تھوڑا سا بھی اضافہ کر دے اللہ عزوجل جنت میں اس کے لیے وسیع و کشادہ مکان بنائے گا۔

عند قول الناس فیہ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد اقدس کی توسیع کے ساتھ ساتھ اس کو از سر نو منقش پتھروں اور چونے سے بنانا چاہا تو کچھ لوگوں نے اسے ناپسند کیا اور چاہا کہ جیسے ہے ویسے ہی رہنے دیا جائے[1] اس موقع پر لوگوں نے چہ میگوئیاں کی تھیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا جواب دیا۔

۳۱۲- ح: اَمْسِكْ بِنِصَالِهَا [اس کا پھل پکڑے رہ]

۳۱۲- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرٍو اَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بِنِصَالِهَا.

سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی کہ میں نے عمرو بن دینار سے کہا: کیا آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ نہیں سنا ہے؟ وہ کہتے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں گزرا اور اس کے ساتھ تیر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا پھل پکڑے رہ۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: یاخذ بنصول النبل ص ۶۴، ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب: من حمل علینا السلاح ص ۱۰۴۷)

۳۱۳- ح: فَلْيَاْخُذْ بِنِصَالِهَا [ان کے پھلوں کو پکڑے رہ]

۳۱۳- سَمِعْتُ اَبَا بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَرَّ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ مَسَاجِدِنَا اَوْ اَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ فَلْيَاْخُذْ عَلٰى نِصَالِهَا لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهٖ مُسْلِمًا.

ابو بردہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہماری مسجدوں، ہمارے بازاروں کے کسی حصہ سے تیر لے کر گزرے تو ان کے پھلوں کو پکڑے رہے، اپنے ہاتھ سے کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المرور فی المسجد ص ۶۴، ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب: من حمل علینا السلاح ص ۱۰۴۷)

حضرت عمرو بن دینار کا جواب مذکور نہیں، مگر کتاب الفتن میں ہے کہ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: ہاں! ان دو حدیثوں سے استخراج کر کے فقہاء یہ حکم دیتے ہیں کہ ہر ایسی چیز مسجد میں لے جانا منع ہے، جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔

۳۱۴- ح: اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ [اے اللہ! اس کی روح القدس سے مدد فرما]

۳۱۴- اَنَّهٗ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ اَبَا هُرَيْرَةَ اَنْشُدُكَ اللّٰهَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَا حَسَّانُ اَجِبْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ نَعَمْ.

حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے گواہی طلب کر رہے تھے، کہہ رہے تھے کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا ہے: اے حسان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دے، اے اللہ! حسان کی روح القدس سے مدد فرما! حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: ہاں! میں نے سنا

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۴۱۲۔ کتاب الزہد۔ باب: فضل بناء المساجد

ہے۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:الشعر فی المسجد ص ۶۴ 'کتاب بدء الخلق۔باب:ذکر الملئکۃ ص ۴۵۶ 'ج ۲۔کتاب الادب۔باب هجو المشرکین ص ۹۰۹)

اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ حضرت حسان' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد نبوی میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ حضرت فاروق اعظم گزرے اور اس پر انکار فرمایا تو حضرت حسان نے حضرت ابو ہریرہ سے گواہی دلوائی۔ یہاں بھی امام بخاری حسب عادت حدیث کا اتنا حصہ لائے جو باب کے مناسب نہیں۔ باب کا عنوان یہ ہے: "باب الشعر فی المسجد" مسجد میں شعر پڑھنا۔ حدیث کا جتنا حصہ یہاں ذکر کیا ہے' اس میں نہ شعر کا ذکر ہے نہ مسجد کا' مگر اسی حدیث کی تکمیل جو ہم نے ذکر کی' اس میں شعر کا بھی ذکر ہے اور مسجد میں پڑھنے کا بھی' اس لیے امام بخاری پر یہ اعتراض بہرحال قائم ہے کہ اس باب کے تحت جتنی حدیثیں لائے ہیں وہ باب کے مطابق نہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا: "لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیر من ان یمتلی شعرا" کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے' یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ شعر سے بھرے۔ اور پھر حضرت حسان کو اجازت بھی دی' اہتمام بھی کیا کہ ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور دعائے خیر بھی دی۔ یہ سب شعر پڑھنے کی وجہ سے ہوا۔ اس کا جواب انتہائی واضح ہے کہ شعر اچھا بھی ہوتا ہے' برا بھی ہوتا ہے۔ اچھے اشعار کا مسجد میں پڑھنا جائز' مستحسن بلکہ سنت اور برے اشعار کا مسجد میں پڑھنا ممنوع' برے اشعار کے لیے وہ وارد ہوا۔ ورنہ خود فرمایا: "اِنَّ من الشعر لحکمۃ" بعض شعر حکمت ہوتے ہیں' جو اشعار حمد' نعت' منقبت' دین کی تائید' دینی باتوں پر مشتمل ہوں وہ اچھے ہیں۔ اور جو جھوٹ' فریب' لغو' بے ہودہ' فرضی معشوقوں کے لب و رخسار وغیرہ خرافات پر مشتمل ہوں' وہ برے ہیں۔ انہیں کہیں بھی پڑھنا جائز نہیں' مسجد میں خصوصیت سے منع ہے۔

۳۱۵- ح: وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ

[اور حبشی مسجد میں نیزہ بازی کر رہے تھے]

۳۱۵- اَنَّ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَآئِهٖ اَنْظُرُ اِلٰى لَعِبِهِمْ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا کہ مجھے اپنی چادر کا پردہ بنا کر آڑ کیے ہوئے ہیں اور حبشی مسجد میں نیزہ بازی کر رہے ہیں' میں اُن کے کھیل کو دیکھ رہی تھی۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:اصحاب الحراب فی المسجد ص ۶۵ 'کتاب العیدین۔باب:الحراب و الدرق یوم العید ص ۱۳۰ 'کتاب مناقب قریش۔باب:قصۃ الحبشۃ ص ۵۰۰)

کتاب العیدین میں ہے کہ یہ عید کا دن تھا اور حبشی ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیل رہے تھے۔ ام المومنین فرماتی ہیں: اب یا تو میں نے خواہش ظاہر کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں! تو مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا۔ میرا رخسار حضور کے رخسار پر تھا' حضور حبشیوں کو للکارتے جاتے تھے' جب میرا جی بھر گیا تو مجھے فرمایا: بس! میں نے عرض کیا: بس! فرمایا: جاؤ!

مناقب قریش میں ہے کہ یہ ایام منیٰ تھے۔ حضرت عمر تشریف لائے اور حبشیوں کو ڈانٹا تو حضور نے فرمایا: رہنے دو۔

مسائل

(۱) مشق و تمرین کے لیے آپس میں ہتھیاروں سے مقابلہ جائز ہے بلکہ باعث اجر ہے اگرچہ مسجد میں ہو (۲) ایسے مقابلہ کو دیکھنا بھی جائز ہے (۳) جس طرح مردوں کو جائز ہے ویسے ہی عورتوں کو بھی دیکھنا جائز ہے (۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المومنین حضرت

عائشہ صدیقہ پر خصوصی کرم اور بارگاہِ نبوت میں ان کی عظمت اس حدیث سے ظاہر ہے۔

۳۱۶- ح: اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ

[ولاء صرف اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا]

۳۱۶- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَتَتْهَا بَرِيْرَةُ تَسْاَلُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا فَقَالَتْ اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتُ اَهْلَكِ وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لِيْ وَقَالَ اَهْلُهَا اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً اِنْ شِئْتِ اَعْتَقْتِهَا وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لَنَا فَلَمَّا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَّرَتْهُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِبْتَاعِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا فَاِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فَصَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَّيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَّيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهٗ وَاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان کے پاس بریرہ آئیں، بدل کتابت ادا کرنے کے سلسلے میں کچھ رقم کا سوال کیا، اس پر اُم المؤمنین نے فرمایا: اگر تو چاہے تو تیری پوری قیمت تیرے مالک کو دے دوں اور حق ولاء میرے لیے رہے گا۔ اور بریرہ کے مالک نے کہا: (اے) اُم المؤمنین! بریرہ کو مابقیہ قیمت دیجئے، اور سفیان کبھی یہ کہتے کہ بریرہ کے مالک نے کہا: اگر آپ چاہیں تو اسے آزاد کر دیں اور حق ولاء ہمارے لیے رہے گا۔ اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے حضور سے اس کا تذکرہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اسے خرید لے، پھر اسے آزاد کر دے، اس لیے کہ ولاء صرف اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے۔ سفیان نے کبھی کہا: رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور ارشاد فرمایا: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، جو ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں تو اس شرط کا اسے حق نہیں، اگر چہ سو مرتبہ شرطیں لگائے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد ص ۶۵، کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقۃ علی موالی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۰۲، کتاب العتق۔ باب: بیع الولاء وھبۃ ص ۳۴۴، کتاب المکاتب۔ چھ طریقے سے۔ ص ۳۴۸۔ ۳۴۹، ۳۴۹، کتاب الھبہ۔ باب: قبول الھدیۃ ص ۳۵۰، کتاب البیوع۔ باب: الشراء والبیع مع النساء۔ دو طریقے سے۔ ص ۲۸۹، باب: اذا اشترط فی البیع شروطا ص ۲۹۰، کتاب الشروط۔ تین طریقے سے۔ ص ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷، ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: لا یکون بیع الامۃ طلاقا ص ۷۹۵، باب ص ۷۹۵، کتاب الفرائض۔ باب: الولاء لمن اعتق ص ۹۹۹، کتاب الاطعمۃ۔ باب: الادم ص ۸۱۶، کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا اعتق عبدا ص ۹۹۴)

تکمیل

حضرت بریرہ، اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کی بارگاہ میں امداد حاصل کرنے حاضر ہوئیں، اس سلسلے میں کہ وہ کسی کی کنیز تھیں۔ اس نے ان سے نو اوقیہ چاندی کے عوض عقد کتابت کر لیا تھا کہ ایک ایک اوقیہ سال بسال نو سال میں ادا کر دو تو تم آزاد ہو۔ بریرہ، حضرت اُم المؤمنین کو پسند آ گئیں، فرمایا: اگر میں ایک مشت پوری رقم ادا کر دوں تو تمہارا مالک میرے ہاتھ تم کو بیچے گا؟ خرید کر پھر تمہیں آزاد کر دوں گی۔ اس پر بریرہ کے مالک نے کہا: منظور ہے، مگر شرط یہ ہے کہ رشتہ ولاء ہم سے رہے گا۔ یہ سن کر حضرت اُم المؤمنین خاموش ہو گئیں۔ جب حضور تشریف لائے تو سارا قصہ سنایا۔ اس پر حضور آخر دن میں منبر پر تشریف لے گئے اور وہ فرمایا۔ بریرہ شادی شدہ تھیں، جب حضرت اُم المؤمنین نے خرید کر انہیں آزاد کر دیا تو انہیں اپنے شوہر کے نکاح میں رہنے نہ رہنے کا اختیار انہیں مل گیا۔ انہوں

نے کچھ مطالبہ کیا جوان کے شوہر پورا نہ کر سکے' اس لیے بریرہ نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا اور یہ ان کے نکاح سے باہر ہو گئیں۔ ان کے شوہر کا حال یہ تھا کہ وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے گلیوں میں روتے ہوئے چلتے' اتنا روتے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دن حضرت عباس سے کہا: دیکھو! بریرہ کے شوہر کو اسے بریرہ سے کتنی محبت ہے اور بریرہ کو کتنی نفرت ہے۔ حدیث ہے کہ رحمت عالم نے حضرت عباس کی فہمائش پر حضرت بریرہ سے فرمایا: رجعت کر لے۔ حضرت بریرہ نے عرض کیا: کیا حضور حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: نہیں سفارش کرتا ہوں۔ عرض کیا: تو پھر نہیں۔ ان کے شوہر کا نام مغیث تھا' یہ بھی حبشی غلام تھے۔ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' حضرت اُم المؤمنین کے گھر تشریف لائے' سوکھی روٹی پیش کی گئی' فرمایا کہ ہانڈی تو گوشت سے اُبل رہی ہے۔ عرض کیا گیا: یہ صدقے کا گوشت ہے جو بریرہ کو دیا گیا ہے۔ فرمایا: یہ اس کے لیے صدقہ ہے میرے لیے ہدیہ ہے۔ حضرت اُم المؤمنین نے فرمایا: بریرہ کی ذات سے تین احکام معلوم ہوئے: وہ آزاد ہوئی تو اسے اختیار دیا گیا' حضور نے فرمایا: ولاء صرف اس کے لیے ہے جو آزاد کرے اور بریرہ کو جو صدقہ کا گوشت دیا گیا تھا' اس پر فرمایا: اس کے لیے صدقہ ہے میرے لیے ہدیہ ہے۔ ایک اوقیہ میں دس دینار سونا یا چالیس درہم چاندی ہوتی ہے۔ انگریزی چہرے دار روپے سے ایک اوقیہ گیارہ روپے سے کچھ زائد ہوتا ہے۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوئے: (۱) مکاتبت جائز ہے (۲) لونڈی کا نکاح درست ہے (۳) ولاء کا حق آزاد کرنے والے کے لیے ہے مطلقاً' ولاء مثل ایک رشتے کے ہوتا ہے جو آقا اور آزاد شدہ غلام کے مابین قائم ہوتا ہے حتیٰ کہ آقا غلام میں سے کوئی مر جائے اور کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو آقا' غلام کا غلام آقا کا وارث بھی ہوگا۔ مطلقاً شرط سے بیع فاسد نہیں ہوتی' بیع ایسی شرط سے فاسد ہوتی ہے جو مقتضائے عہد کے خلاف بھی ہو' اس کے مناسب بھی نہ ہو اور اس پر عرف بھی جاری نہ ہو' جیسے یہ غلہ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ نہ اسے ہبہ کر سکتا ہے نہ فروخت کر سکتا ہے (۵) اپنی زوجہ کو جو باندی ہو بدل کتابت جمع کرنے سے نہیں روک سکتا (۶) لونڈی جب آزاد ہو جائے تو اس پر طلاق نہیں پڑتی' البتہ اسے خیارِ عتق حاصل ہو جاتا ہے' وہ چاہے تو اسی شوہر کے نکاح میں رہے' چاہے اپنے نفس کو اختیار کر کے اس کے نکاح سے باہر ہو جائے (۷) بہ وقت ضرورت حیلہ کر کے صدقاتِ واجبہ' زکوٰۃ' فطرہ وغیرہ غیر مستحق پر صرف کیا جا سکتا ہے مگر دو شرطیں ضروری ہیں: ایک ضرورت' ضرورتِ شرعیہ تک پہنچی ہو' دوسرے غیر مستحق پر صرف بھی کار خیر ہو' اس لیے کہ حیلے کی اجازت بہ وجہ ضرورت دی گئی اور جو چیز ضرورۃً ثابت ہوتی ہے' وہ بہ قدرِ ضرورت رہے گی

۳۱۷- ح: كَعْبٌ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ تَقَاضٰى اِبْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ

[حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اس قرض کا تقاضا کیا جو حضرت کعب کا ان پر تھا]

۳۱۷ - عَنْ كَعْبٍ اَنَّهٗ تَقَاضٰى اِبْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے اس قرض کا تقاضا کیا جو حضرت کعب کا ان پر تھا تو ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سن لیا اور حضور اپنے گھر کے اندر تھے' حضور باہر تشریف لائے یہاں تک کہ اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور پکارا: اے کعب! انہوں نے عرض کیا: حاضر ہوں

هٰذَا وَاَوْمَا اِلَيْهِ اَىِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ.

یارسول اللہ! تو فرمایا: اپنے قرض سے اتنا معاف کر دے' اشارہ فرمایا آدھے کی طرف۔ کعب نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کر دیا۔ اب حضور نے ابن ابی حدرد سے فرمایا: جاؤ! ادا کر دو۔

(بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: التقاضی والملازمۃ فی المسجد ص ۶۵' باب: رفع الصوت فی المسجد ص ۶۷' کتاب الخصومات۔ باب: کلام الخصوم بعضھم بعضا ص ۳۲۶' باب: الملازمۃ ص ۳۲۷' کتاب الصلح۔ باب: ھل یشیر الامام بالصلح ص ۳۷۳' باب: الصلح بالدین والعین ص ۳۷۴)

مسجد میں آواز بلند کرنا منع ہے' ابن ماجہ میں حدیث میں ہے کہ فرمایا: "جنبوا مساجدکم صبیانکم و خصوماتکم" اور ایک روایت میں ہے: "ولا ترفع فیھا الاصوات" اپنی مسجدوں کو بچوں اور جھگڑوں سے بچاؤ' ان میں آواز بلند نہ کرو' پھر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کیسے مسجد میں خصومت بھی کی اور اپنی آواز بھی اونچی کی؟ جواب یہ ہے کہ ممنوع وہ خصومت ہے جس میں جھگڑے' فحش کلامی کی نوبت آ جائے' ایسے ہی وہ بلند آواز کرنا منع ہے کہ جس میں بہت زیادہ چیخ و پکار ہو۔ یہاں رفع صورت سے مراد صرف یہ ہے کہ صحابہ کرام عام طور پر جتنی آواز سے بات چیت کرتے تھے' آواز اس سے کچھ اونچی ہو گئی تھی۔ یہاں صرف اتنا ہی ہے اور باب میں "والملازمۃ" بھی ہے' یہاں حدیث میں "فلزمہ" نہیں مگر باب الصلح میں یوں ہے: "فلقیہ فلزمہ" کہ ابن ابی حدرد سے ملے اور اس کے ساتھ چپک گئے' اس سے باب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے۔

۳۱۸- ح: اَنَّ رَجُلًا اَسْوَدَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ

[ایک حبشی مرد مسجد میں جھاڑو دیتا تھا]

۳۱۸- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا اَسْوَدَ اَوِ امْرَاَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَسَاَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِىْ بِهٖ دُلُّوْنِىْ عَلٰى قَبْرِهٖ اَوْ قَالَ قَبْرِهَا فَاَتٰى قَبْرَهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا ایک حبشی عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی' پھر وہ مر گیا (یا وہ عورت مر گئی) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ مر گئے' فرمایا: مجھے تم لوگوں نے اس کی خبر کیوں نہیں کی' مجھے اس کی قبر بتاؤ' تو حضور اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کنس المسجد ص ۶۵' باب: الخدم للمسجد ص ۶۵' کتاب الجنائز۔ باب: الصلوٰۃ علی القبر بعد ما یدفن ص ۱۷۸)

علامہ جلال الدین سیوطی نے انموذج اللبیب میں لکھا ہے: بعض احناف نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر اس امتی کی نمازِ جنازہ پڑھنا فرضِ عین ہے جو ظاہری حیات میں فوت ہوا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی بے دشواری کے میسر ہو سکے۔ یہ بات محلِ نظر ہے واللہ تعالیٰ اعلم' اگر اتنی بات ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث کے اختتام میں یہ فرمایا ہے: "ان ھٰذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا وان اللّٰہ ینورھا لھم بصلوتی علیھم"[1] قبریں تاریک رہتی ہیں میرے نماز پڑھنے سے اللہ عزوجل انہیں روشن کر دیتا ہے۔

---

[1] مسلم۔ ج۱ ص ۳۱۰۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوٰۃ علی القبر

۳۱۹- ح: ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ

[پھر آپ نے خمر (شراب) کی تجارت حرام فرمادی]

۳۱۹- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اُنْزِلَتِ الْاٰيَاتُ مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَاَهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ.

ام المؤمنین حضرت عائشہ نے فرمایا: جب سود کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیتیں نازل ہوئیں تو نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور اسے پڑھ کر لوگوں کو سنایا' اس کے بعد آپ نے شراب کی تجارت حرام فرمادی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تحريم تجارة الخمر في المسجد ص ۶۵' کتاب البیوع۔ باب: اكل الربا و موكله ص ۲۷۹' باب: تحريم تجارة الخمر ص ۲۹۷' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البقرۃ۔ چار طریقے سے۔ ص ۶۵۱)

سورۂ بقرہ کی آیاتِ ربٰو سے مراد: "اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" سے لے کر "لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" تک پانچ آیتیں ہیں' علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ شراب کی حرمت' سود کی حرمت سے پہلے نازل ہوچکی تھی' البتہ شراب کی تجارت کے حرام ہونے کا اعلان مسجد میں ان آیات کے نزول کے بعد ہوا۔

ت ۱۱۶- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾ (آل عمران: ۳۵) لِلْمَسْجِدِ يَخْدُمُهُ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ (آیۂ کریمہ) میں نے تیرے لیے منت مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ محرر ہے یعنی مسجد کے لیے آزاد ہے کہ صرف مسجد کی خدمت کرے گا۔

یہ منت عمران کی اہلیہ حنہ کی ہے' یہ ساٹھ سال کی معمر ہوگئی تھیں اور ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑیا کو دیکھا جو اپنے بچے کو دانہ بھرا رہی تھی' اس سے بچے کا شوق ہوا' دعا کی جو قبول ہوئی اور حنہ حاملہ ہوئیں تو یہ منت مانی' اس تعلیق اور آیت کے لانے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ "مسجد کی خدمت کرنا امم سابقہ میں بھی عبادت تھا"۔

۳۲۰- ح: اِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ

[جن اچانک میرے پاس آ گیا]

۳۲۰- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلٰوةَ فَاَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهُ اِلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا وَتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ اَخِيْ سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهُ خَاسِئًا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس آ گیا یا اس کے ہم معنی کوئی کلمہ فرمایا' تاکہ میری نماز میں خلل ڈال دے تو اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون میں باندھ دوں یہاں تک کہ صبح ہو اور تم سب لوگ اسے دیکھو' پھر مجھے میرے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی جو انہوں نے کی تھی: "اے پروردگار! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو"۔ روح نے کہا کہ حضور نے اس شیطان کو نامراد واپس فرمادیا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الاسير و الغريم يربط في المسجد ص ۶۶' کتاب الانبیاء۔ باب: قول الله عزوجل و وهبنا لداؤد سليمن ص ۴۸۷' کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة ابليس و جنوده ص ۴۶۴' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ ص۔ باب: قوله رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي ص ۷۱۰' کتاب التہجد۔ باب: ما يجوز من العمل في الصلوٰة ص ۱۶۱)

عفریت کے معنی سرکش کے ہیں، جن ابلیس کی اولاد کو کہتے ہیں جو اپنی فطرت میں ناری لطیف جسم رکھتے ہیں، انہیں یہ قدرت ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: قیدی اور مقروض کو مسجد میں باندھنا۔ قیدی کے باندھنے کا ثبوت ظاہر ہے، رہ گیا غریم کے باندھنے کا ثبوت تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ یہ جائز ہے کہ مقروض قرض نہ ادا کرے تو اسے قید کر لیا جائے، اس منزل پر وہ بھی قیدی ہو جائے گا (۲) جنات پر حضور اکرم ﷺ کو قبضہ واختیار حاصل ہے۔ حضور تو حضور صحابہ کرام کو بھی حاصل ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صدقہ والی حدیث سے ظاہر ہے (۳) جنات خواہ اپنی فطری شکل میں ہوں خواہ کسی اور شکل میں، خواص ان کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ آیہ کریمہ "یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" (الاعراف: ۲۷) "وہ اور اس کا کنبہ تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے" میں مرا عوام ہیں (۴) حضور اقدس ﷺ کے سامنے وہ بلی کی شکل میں آیا تھا جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے، مگر مسلم میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا کہ روئے انور پر ڈال دے، یہی راجح ہے (۵) یہ حدیث اس کے منافی نہیں کہ حضور اقدس ﷺ شہنشاہ کونین و مالک السموات والارض ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ عیاناً کھلے بند ظاہری طور پر کسی کو ایسی سلطنت نہ عطا فرمانا۔ تنبیہ! قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے الفاظ یہ مذکور ہیں: "رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا" مگر بخاری شریف کے عام نسخوں میں ہے: "رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا" علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ امام بخاری نے یہ آیت نہیں نقل کی ہے بلکہ یہ اقتباس ہے، صرف ابو ذر کی روایت میں "رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا" ہے۔

ت ۱۱۷ - وَكَانَ شُرَیْحٌ یَأْمُرُ الْغَرِیْمَ اَنْ یُحْبَسَ اِلٰی سَارِیَةِ الْمَسْجِدِ.

اور قاضی شریح اس کا حکم دیتے کہ مقروض کو مسجد کے ستون کے پاس قید کیا جائے۔

قاضی شریح جب کسی پر ثبوت حق کا حکم دے دیتے تو اسے مسجد میں (جس میں وہ فیصلہ کرتے تھے) قید رکھتے جب تک وہ ادا نہ کر دے، اگر ادا نہ کر پاتا تو جیل خانے بھیج دیتے۔

۳۲۱- ح: ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ

[ثمامہ بن اُثال کا بیان]

۳۲۱- اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ یُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِیَةٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰی نَخْلٍ قَرِیْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے نجد کی جانب کچھ سوار بھیجے تھے، یہ لوگ بنی حنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ کر لائے اور انہیں مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا، ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ثمامہ کو کھول دو! کھلتے ہی وہ قریب کے ایک کھجور کے باغ میں گئے، غسل کیا، پھر مسجد میں آئے اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

(بخاری ج ۱ کتاب الصلوۃ باب الاغتسال ص ۶۶، باب دخول المشرک فی المسجد ص ۶۷، کتاب الخصومات۔ باب: التوثق ممن تخشی معرتہ ص ۳۲۶، باب: الربط والحبس فی الحرم ص ۳۲۷)

۵ھ یا ۶ھ میں دس محرم کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں تیس آدمیوں کی ٹولی قرطا بھیجی تھی جو نجد کی طرف ہے۔ مقصد ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرنا تھا۔ یہ اپنے علاقے کے بڑے ذی اثر سردار تھے۔ انیس دن میں یہ سریہ ثمامہ کو گرفتار کر کے کامیاب و کامران مدینہ طیبہ واپس آ گیا۔ ثمامہ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ صبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثمامہ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا: اے ثمامہ! تیرے جی میں کیا ہے؟ ثمامہ نے عرض کیا: بھلائی ہے' اے محمد! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو قاتل کو قتل کرو گے' اگر احسان کرو گے تو شکر گزار پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہتے ہو تو بتاؤ جتنا کہو گے پیش کیا جائے گا۔ صحابہ کرام کی یہی رائے تھی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے' اس کو قتل کرنے سے کیا ملے گا۔ حضور نے انہیں نہیں چھوڑا۔ دوسرے دن پھر صبح کو وہی گفتگو ہوئی' تیسرے دن بھی ہوئی' اب حکم دیا: ثمامہ کو کھول دو! لوگوں نے کھول دیا' وہ قریب ہی حضرت ابوطلحہ کا باغ تھا وہاں گئے' غسل کیا' پھر مسجد میں آئے اور کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے اور عرض کیا: اے محمد! آپ کی ذات سے زیادہ کوئی ذات مجھے مبغوض نہ تھی اور اب آپ کی ذات سب سے زیادہ محبوب ہو گئی' آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھے ناپسند نہ تھا مگر اب تمام دینوں سے زیادہ پیارا ہو گیا' کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا مگر اب سارے شہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے' یا رسول اللہ! آپ کے سواروں نے پکڑ لیا میں عمرہ کرنے جا رہا تھا' اب کیا حکم دیتے ہیں؟ انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دے دی' جب مکہ آئے تو کسی کہنے والے نے کہا: صابی ہو گئے ہو؟ تو ثمامہ نے فرمایا: نہیں! میں مسلمان ہو گیا ہوں' سن لو! یمامہ سے ایک دانہ مکہ نہیں آ سکتا جب تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے۔

قبل نجد

جزیرہ عرب کے پانچ حصے یا صوبے ہیں: یمن' حجاز' تہامہ' عروض' نجد' جنوبی ساحلی علاقے کو یمن' اس کے بعد جانب شمال حجاز' حجاز کے مشرق عراق تک نجد' عروض' یمامہ و بحرین کا علاقہ ہے' اسلام لانے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

۳۲۲ - ح: طُوْفِيْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ　[لوگوں کے پیچھے سے طواف کر لو]

۳۲۲- عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ اَشْتَكِيْ قَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَاُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ.

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: (حجۃ الوداع کے موقع پر) میں نے اپنی بیماری کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا' فرمایا: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کر لو۔ فرماتی ہیں: میں نے اسی طرح طواف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے' سورۂ والطور و کتاب مسطور پڑھ رہے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ادخال البعير فى المسجد ص ٦٦' کتاب المناسک۔ باب: طواف النساء مع الرجال ص ۲۱۹' باب: المريض يطوف راكبًا ص ۲۲۱' باب: من صلى ركعتى الطواف خارجا من المسجد ص ۲۲۰' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ والطور ص ۷۲۰)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہ وجہ علالت طواف نہ کر سکی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس ہونے لگے' حضور نے ان کو یہ ترکیب بتائی کہ جب لوگ نماز فجر پڑھ رہے ہوں تو تم اونٹ پر بیٹھ کر طواف کر لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بہ وجہ علالت یا نقاہت طواف نہ کر سکے تو سواری پر طواف کر سکتا ہے۔ رہ گیا امام بخاری کا اس حدیث سے استدلال کہ مسجد میں ضرورۃً اونٹ داخل کرنا جائز ہے' اس لیے ساقط ہے کہ عہد مبارک میں مسجد صرف مطاف تک تھی اور مسجد حرام کی کوئی چہار دیواری نہیں تھی' ہو سکتا ہے حضرت اُم المومنین نے یہ طواف مسجد کے باہر کیا ہو۔

۳۲۳- ح: مَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ　[ان دونوں کے ساتھ دو چراغوں کی مثل تھا]

۳۲۳- حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَاَحْسِبُ الثَّانِيَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فِيْ لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ وَّمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمَا وَاحِدٌ حَتّٰى اَتٰى اَهْلَهٗ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے اندھیری رات میں چلے ایک عباد بن بشر اور گمان کرتا ہوں کہ دوسرے صاحب اُسید بن حضیر تھے اور ان دونوں کے ساتھ دو چراغوں کے مثل تھا جو ان کے آگے روشنی کیے ہوئے تھا' جب یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہو گیا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب۔ ص ۶۶' کتاب علامات النبوۃ۔ باب۔ ص ۵۱۴' باب: مناقب اسید بن حضیر و عباد بن بشر ص ۵۳۷)

مشکوٰۃ باب الکرامات میں بخاری کے حوالہ سے یہ تشریح ہے کہ ان دو حضرات میں سے ایک کا عصا روشن ہو گیا تھا اور جب ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے تو دوسرے صاحب کا عصا بھی روشن ہو گیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں۔

۳۲۴- ح: اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ

[اللہ سبحانہ نے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا' اس بندے نے آخرت اختیار کر لی]

۳۲۴- عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَبَكٰى اَبُوْ بَكْرٍ فَقُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ مَا يُبْكِيْ هٰذَا الشَّيْخَ اِنْ يَّكُنِ اللّٰهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْعَبْدُ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اَعْلَمَنَا قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ وَّلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ وَّلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابُ اَبِيْ بَكْرٍ. (بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الخوخة والممر فی المسجد ص ۶۶' کتاب المناقب۔ باب: سدوا الابواب الا باب ابی بکر ص ۵۱۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ سبحانہ نے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا' اس بندے نے آخرت اختیار کر لی۔ اس پر حضرت ابو بکر روئے' میں نے اپنے جی میں کہا: ان شیخ کو کس چیز نے رُلایا' اگر اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے مابین اختیار دے دیا اور اس بندے نے آخرت اختیار کر لی (تو اس میں رونے کی کیا بات ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ بندے تھے اور حضرت ابو بکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ حضرت ابو بکر کے رونے پر حضور نے ان سے فرمایا: اے ابو بکر! مت رو! رفاقت اور مال کے اعتبار سے سب سے زیادہ مجھ پر احسان ابو بکر کا ہے' اگر اپنی اُمت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا' مگر اسلام کا رشتہ اور محبت (کافی) ہے' مسجد میں جتنے دروازے نکلتے ہیں سب بند کر دیئے جائیں' مگر ابو بکر کا دروازہ باقی رکھا جائے۔

اس حدیث سے حضرت صدیق اکبر کے مندرجہ ذیل فضائل و مناقب ثابت ہوئے:

(۱) یہ تمام صحابہ کرام سے زیادہ ذہین و فطین ذکی اور سب سے زیادہ علم والے خاص رازدانِ نبوت تھے (۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ خاص اور اسلام کی جان و مال سے جتنی مدد انہوں نے کی' کسی نے نہیں کی (۳) پوری اُمت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

سب سے زیادہ محبوب تھے (۴) حضور اقدس ﷺ کے بعد بلا فصل خلافت کی طرف اشارہ فرمایا۔ دروازہ باقی رہنا اسی مقصد کے لیے تھا کہ نمازوں کے لیے اور کاروبارِ خلافت کو سرانجام دینے کے لیے بار بار مسجد میں آنے کی ضرورت پڑے گی' مسجد میں دروازہ رہے گا تو آسانی ہوگی۔ حدیث ''سدوا الابواب الا باب علی'' ''سوائے علی کے سب کے دروازے بند کردو'' بھی علمائے محققین کی تصریح کے بموجب ''حسن'' ہے موضوع نہیں جیسا کہ ابن جوزی نے تہوراً وجزافاً کہا ہے۔ اس کی توجیہیں علماء نے دو کی ہیں' ایک یہ کہ ابتداء پڑوسیوں کے بہت سے دروازے مسجد میں کھلتے تھے تو حضور نے فرمایا: علی کے علاوہ سب کے دروازے بند کردیئے جائیں۔ اس حکم میں حضرت صدیق اکبر کا دروازہ بھی آ گیا' وہ بھی بند کردیا گیا' صرف ایک کھڑکی باقی رہ گئی' پھر جب یہ فرمایا کہ سوائے ابوبکر کے سب کے دروازے بند کردیئے جائیں تو حضرت علی کا دروازہ بھی بند ہوگیا۔ اس توجیہ میں کئی وجہ سے سقم ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی کہ چونکہ حضرت علی کے گھر میں سوائے اس دروازے کے جو مسجد میں کھلتا تھا کوئی اور دروازہ نہیں تھا' اس لیے بہ درجۂ مجبوری ان کا دروازہ آمدورفت کی آسائش کے لیے مسجد میں رہنے دیا گیا اور حضرت صدیق اکبر کا دروازہ اُمورِ خلافت کی انجام دہی کے لیے رکھا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر کے مکان کا دروازہ مسجد کے باہر بھی تھا۔ خاص مسجد میں کھڑکی کی اجازت صرف کاروبارِ خلافت میں آسانی کے لیے دی گئی تھی۔

۳۲۵- ح: سُدُّوْا عَنِّیْ کُلَّ خَوْخَۃٍ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ اِلَّا خَوْخَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ

[مسجد میں جتنی بھی کھڑکیاں ہیں سب بند کردو' سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے]

۳۲۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ عَاصِباً رَّاْسَہٗ بِخِرْقَۃٍ فَقَعَدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِہٖ وَمَالِہٖ مِنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً مِّنَ النَّاسِ خَلِیْلًا لَّاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَّلٰکِنْ خُلَّۃُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ سُدُّوْا عَنِّیْ کُلَّ خَوْخَۃٍ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرَ خَوْخَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرضِ وصال میں سر پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے' اللہ کی حمد وثناء کی' اس کے بعد فرمایا: کوئی بھی ابوبکر سے زیادہ مجھ پر اپنی جان و مال کے اعتبار سے زیادہ احسان کرنے والا نہیں' اور اگر میں لوگوں میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کا تعلق کافی ہے' مسجد میں جتنی کھڑکیاں ہیں سب بند کردو سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ باب: الخوخۃ والممر فی المسجد ص ۶۷)

پہلے میں ''باب'' وارد ہے اور اس میں ''خوخہ'' ہے۔ خوخہ اس چھوٹے دروازے کو کہتے ہیں جو ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے کے لیے بنایا جائے۔ یہ حدیث پہلے والی حدیث کی تفسیر ہے' یعنی اُس حدیث میں باب سے مراد کھڑکی ہے۔

۳۲۶- ح: لَوْ رَاَیْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ

[اگر آپ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی مساجد دیکھتے]

۳۲۶- قَالَ لِیَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ یَا عَبْدَالْمَلِکِ لَوْ رَاَیْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَبْوَابَھَا۔

ابن ابی ملیکہ نے مجھ سے کہا: اے عبدالملک! اگر تم ابن عباس کی مسجدوں اور ان کے دروازوں کو دیکھتے۔

(بخاری۔ باب: الابواب و الغلق للکعبۃ ص ٦٧)

٣٢٧- ح: تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[(تم لوگ) رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو]

٣٢٧- عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَلَدِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(بخاری۔ باب: رفع الصوت فی المسجد ص ٦٧)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مسجد اقدس میں کھڑا تھا کہ مجھے کسی صاحب نے کنکری ماری، میں نے مڑ کر انہیں دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔ مجھ سے فرمایا: جاؤ! اور ان دونوں کو بلا لاؤ۔ میں ان کو لایا، ان سے فرمایا: کس قبیلے کے ہو یا یہ فرمایا: کہاں رہتے ہو؟ ان دونوں نے بتایا کہ ہم لوگ طائف کے ہیں، فرمایا: اگر تم لوگ اس شہر کے باشندے ہوتے تو میں تم لوگوں کو ضرور مارتا، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا جائز نہیں، خصوصاً مسجد نبوی میں کہ وہاں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں۔ جس طرح حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں حضور کے سامنے آواز بلند کرنا حرام تھا۔ ارشاد ہے: ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' (الحجرات: ٢) اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو۔ اسی طرح بعد وصال بھی مواجہہ اقدس میں آواز اونچی کرنی حرام ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں ''فی مسجد رسول اللّٰہ'' کی قید احترازی نہیں، واقعی ہے۔ ان کے فعل کی شناعت کو مزید واضح کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے:

(١) تعلیم و تعلم اور ذکر کے لیے مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھنا سنت ہے (٢) خطیب خطبہ پڑھتے وقت مسائل شرعیہ بتا سکتا ہے (٣) جو تہجد کا عادی ہو یا اسے اعتماد ہو کہ پچھلے پہر جاگ جائے گا، اسے بہتر یہی ہے کہ وتر بعد میں رات کے پچھلے پہر پڑھے (٤) وتر کی تین رکعتیں ہیں، اس پر تھوڑی سی بحث گزر چکی اور بقیہ آئندہ آئے گی۔

٣٢٨- ح: صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى

[رات کی نماز نفل (تہجد) دو دو رکعت ہے]

٣٢٨- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ مَا تَرٰى فِيْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ قَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى وَاحِدَةً فَاَوْتَرَتْ لَهٗ مَا صَلّٰى وَاِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِهٖ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک صاحب نے نبی ﷺ سے دریافت کیا اور حضور منبر پر تھے کہ رات کی نماز نفل (تہجد) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: دو دو رکعت، جب تم کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو، جو کچھ پڑھ چکے ہو اسے وتر بنا دو۔ نیز ابن عمر فرماتے تھے کہ رات کی نمازوں میں سب سے آخر میں وتر پڑھو اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

(بخاری۔ ج ١۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الحلق والجلوس فی المسجد ص ٦٨، الوتر۔ باب: ما جاء فی الوتر ص ١٣٥۔ دو طریقے سے، تہجد۔ باب: کیف صلوٰۃ اللیل ص ١٥٣)

۳۲۹- ح: رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ

[رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا]

۳۲۹- عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِیْمٍ عَنْ عَمِّہٖ اَنَّہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْہِ عَلَی الْاُخْرٰی۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے اور ایک قدم کو دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے دیکھا۔

(بخاری۔ج۱۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:الاستلقاء فی المسجد ص۶۸' ج۲۔کتاب اللباس۔باب:الاستلقاء ووضع الرجل علی الاخرٰی ص۸۸۲' کتاب الاستیذان۔باب:الاستلقاء ص۹۳۰)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ چت لیٹ کر ایک پاؤں دوسرے پر رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ حدیث باب اور اس حدیث کے مابین تطبیق میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ ایک یہ کہتا ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس طرح لیٹے جس سے ستر عورت کھلنے کا اندیشہ ہو اور اگر اس کا اندیشہ نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نہی منسوخ ہے۔ علاوہ وسطین یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان کے اور دیگر صحابہ کرام سے بھی منقول ہے کہ وہ چت لیٹے لیٹے ایک پاؤں دوسرے پر رکھتے تھے' مثلاً حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (عینی۔ج۴۔کتاب الصلوٰۃ۔ص۲۵۵)

ت۱۱۸- عَنِ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ کَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ یَفْعَلَانِ ذٰلِکَ۔

سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی ایسا کرتے تھے۔

ت۱۱۹- صَلّٰی ابْنُ عَوْنٍ فِیْ مَسْجِدٍ فِیْ دَارٍ یُّغْلَقُ عَلَیْہِمُ الْبَابُ۔

ابن عون نے ایسے گھر کی مسجد میں نماز پڑھی جس میں دروازہ تھا جو بند ہوتا تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا: چونکہ احناف گھر کے اندر مسجد بنانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ یہ اثر ان پر تعریض کے لیے امام بخاری لائے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کرمانی نے صحیح سمجھا ہو اور کرمانی کی طرح امام بخاری کو بھی غلط فہمی ہوئی ہو جیسے کہ انہیں بہت سے مسائل میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک ہے نماز کا صحیح ہونا کسی جگہ بھی آدمی نماز پڑھے' اگر وہاں نماز پڑھنے سے شرعاً ممانعت نہیں تو نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی گھر کے اندر کوئی جگہ مخصوص بنام مسجد نامزد کر دے تو وہاں بھی نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہو جائے گی' نیز اسے مسجد بیت کہنا بھی صحیح ہے۔ وہ فقہی اصطلاح کے مطابق مسجد نہ ہوگی اور نہ اس میں نماز پڑھنے کا وہ ثواب ہے جو مسجد میں پڑھنے کا ہے' جب تک اسے برائے مسجد وقف کر کے اس کا راستہ گھر کے راستے سے الگ کر کے ایسا نہ کر دے کہ مسلمان جب چاہیں نماز پڑھیں۔ ہمارے اس مسلک کے خلاف یہ اثر نہیں۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ابن عون مسجد دار مسجد بیت میں نماز پڑھتے تھے' وہ نماز بلاشبہ ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے۔

۳۳۰- ح: صَلٰوۃُ الْجَمْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوتِہٖ فِیْ بَیْتِہٖ خَمْسًا وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً

[اپنے گھر میں تنہا نماز پڑھنے کے بہ نسبت جماعت سے نماز پڑھنے پر پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے]

۳۳۰- عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوۃُ الْجَمْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلَاتِہٖ فِیْ بَیْتِہٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اپنے گھر میں یا اپنے بازار میں تنہا نماز پڑھنے کے بہ نسبت

وَصَلٰوةِ فِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً اَوْ حُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا كَانَتْ تَحْبِسُهٗ وَتُصَلِّيْ الْمَلٰئِكَةُ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُؤْذِ يُحْدِثْ فِيْهِ.

جماعت سے نماز پڑھنے پر پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے' جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور مسجد آئے' اور صرف نماز ہی کے ارادے سے آئے تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ بلند فرمائے گا یا اس کا ایک گناہ مٹائے گا' یہاں تک کہ وہ مسجد میں آ جائے اور جب مسجد میں آ گیا تو جب تک مسجد میں رہے گا نماز میں رہے گا' فرشتے اس کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں گے جب تک وہاں بیٹھا رہے گا' اے اللہ! اسے بخش دے' اے اللہ! اس پر رحم فرما! جب تک ایذاء نہ دے' حدث نہ کرے۔

(بخاری۔ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب:الصلوٰۃ فی مسجد السوق ص ۶۹' باب:الحدث فی الصلوٰۃ ص ۶۳' کتاب الاذان۔ باب:فضل صلوٰۃ الجماعۃ ص ۸۹' کتاب البیوع۔ باب:ما ذکر فی الاسواق ص ۲۸۴)

عام روایات میں یہی ہے کہ نماز باجماعت بہ نسبت تنہا کے پچیس درجے زائد ہے' مگر بعض روایتوں میں ستائیس درجے بھی آیا ہے' بلکہ ایک روایت میں چھتیس درجے بھی وارد ہے' بعض میں پچاس بھی۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ سب سے عمدہ توجیہ یہ ہے کہ یہ نمازی اور وقت اور حالت کے اعتبار سے مختلف ہے۔

۳۳۱- ح: شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو آپس میں گتھ لیا]

۳۳۱- عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَوِ ابْنِ عَمْرٍو وَقَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر یا ابن عمرو نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو آپس میں گتھ لیا۔

ت ۱۲۰- قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو كَيْفَ بِكَ اِذَا بَقِيْتَ فِيْ حُثَالَةٍ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! تیرا کیا حال ہوگا جب تم خراب لوگوں میں رہ جاؤ گے۔

۳۳۲- ح: اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ

[مؤمن کے لیے مؤمن مثل عمارت کے ہے]

۳۳۲- عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَّشَبَّكَ اَصَابِعَهٗ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: مؤمن کے لیے مؤمن مثل عمارت کے ہے' بعض بعض کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ نے اپنی انگلیاں آپس میں گتھ لیں۔

(بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب:تشبک الاصابع ص ۶۹' کتاب المظالم۔ باب:نصر المظلوم ص ۳۳۱' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب:تعاون المؤمنین ص ۸۹۰)

۳۳۳- ح: ذُوالْيَدَيْنِ

[ذوالیدین کا بیان]

۳۳۳- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰی صَلَاتَیِ الْعَشِیِّ قَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَیْرَةَ وَلٰکِنْ نَسِیْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰی بِنَا رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰی خَشَبَةٍ مَّعْرُوْضَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَاتَّکَاَ عَلَیْهَا کَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی وَشَبَّكَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَیْمَنَ عَلٰی ظَهْرِ کَفِّهِ الْیُسْرٰی وَخَرَجَتِ السَّرْعَانُ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ وَفِی الْقَوْمِ اَبُوْ بَکْرٍ وَّعُمَرُ فَهَابَاهُ اَنْ یُّکَلِّمَاهُ وَفِی الْقَوْمِ رَجُلٌ فِیْ یَدَیْهِ طُوْلٌ یُّقَالُ لَهٗ ذُو الْیَدَیْنِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُو الْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَکَبَّرَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَکَبَّرَ فَرُبَّمَا سَاَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں دن کے پچھلے پہر کی دو نمازوں میں سے ایک پڑھائی۔ ابن سیرین نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ نے اس کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا اور حضور نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا' مسجد میں ایک لکڑی آڑی رکھی ہوئی تھی' اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر ٹیک لگا لی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور غضب ناک ہیں' اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور انگلیوں کو گتھ لیا اور اپنا رخسار بائیں ہتھیلی کی پیٹھ پر رکھا' جلد باز لوگ مسجد کے دروازے سے نکل گئے۔ لوگوں نے آپس میں کہا: نماز میں کمی کر دی گئی ہے؟ اور قوم میں حضرات ابوبکر و عمر بھی تھے' ان پر ہیبت تھی۔ حضور سے بات نہ کر سکے' قوم میں ایک صاحب تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے' ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور بھول گئے یا نماز میں قصر کا حکم ہو گیا ہے؟ فرمایا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں قصر کا حکم آیا ہے' پھر حاضرین سے دریافت فرمایا کہ ذوالیدین نے جو کچھ کہا' صحیح ہے؟ سب نے کہا: جی ہاں! اب حضور آگے بڑھے اور جتنا چھوڑا تھا اسے پڑھا' اس کے بعد سلام پھیرا' پھر تکبیر کہی' پھر سجدہ کیا' پہلے سجدے کے برابر یا اس سے بھی زیادہ لمبا' اس کے بعد سر اٹھایا اور تکبیر کہی' پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا' پہلے سجدے کے برابر یا اس سے لمبا' پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ کبھی کبھی ابن سیرین سے لوگ پوچھتے: اس کے بعد سلام پھیرا؟ تو وہ جواب دیتے: مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین نے کہا: اس کے بعد آپ نے سلام پھیرا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تشبك الاصابع فی المسجد وغیرہ ص ۶۹' کتاب الاذان۔ باب: هل یاخذ الامام بقول الناس اذا شك ص ۹۹' کتاب التہجد۔ باب: اذا سلم فی رکعتین ص ۱۶۳' باب: لم یتشهد فی سجدتی السهو ص ۱۶۴' باب: یکبر فی سجدتی السهو ص ۱۶۴' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما یجوز من ذکر الناس نحو قولهم الطویل و القصیر ص ۹۴' کتاب الاخبار۔ باب اول ص ۱۰۷۷)

صحیح یہ ہے کہ ذوالیدین' ذوالشمالین اور خرباق ایک ہی صاحب کے القاب ہیں' ان کا نام عمیر تھا' ان کے ہاتھ بہت لمبے لمبے تھے۔ اس لیے یا اس وجہ سے کہ دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کر لیا کرتے تھے' ان کو ذوالشمالین کہا جاتا تھا۔ حضور نے بدل کر ذوالیدین نام رکھا' یہ غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے۔ بنی خزاعہ کی ایک شاخ سلیم بن ملکان ہے' اسی قبیلے سے تھے۔ اس طرح یہ سلمی بھی ہیں اور خزاعی بھی۔

ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ

"نماز پوری کر کے سلام پھیرا' پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا" اس سے شوافع یہ دلیل لاتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں تشہد نہیں۔ ہم کہتے ہیں: "ثُمَّ" تراخی کے لیے ہے۔ "فَصَلّٰی مَا تَرَكَ" کے بعد اور سلام کے درمیان کیا حضور خاموش رہے؟ اس حصے سے احناف یہ دلیل لاتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں سلام سجدے سے پہلے ہے' حضور نے پہلے سلام پھیرا' پھر سجدۂ سہو کیا۔

نُبِّئْتُ

یہاں جو حدیث مروی ہے وہ بواسطہ حضرت ابوہریرہ ہے' اس روایت میں بعد والا جملہ "ثُمَّ سَلَّمَ" نہیں مگر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے' کچھ لوگوں نے بلاوجہ کی یہ بحث کھڑی کر دی کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمران والی دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں یا دو واقعات سے۔ حالانکہ اس اختلاف کے تحت کوئی خاص فائدہ نہیں۔ سجدۂ سہو میں بعد میں سلام کے بھی قائل ہیں۔ ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے' ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

۳۳۴- ح: اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْكَ الْاَمْكِنَةِ

[انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان جگہوں میں نماز پڑھتے دیکھا ہے]

۳۳۴- قَالَ مُوْسَی بْنُ عُقْبَةَ رَاَیْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَتَحَرّٰی اَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِیْقِ فَیُصَلِّیْ فِیْهَا وَیُحَدِّثُ اَنَّ اَبَاهُ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْهَا وَاَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْكَ الْاَمْكِنَةِ قَالَ وَحَدَّثَنِیْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْكَ الْاَمْكِنَةِ وَسَاَلْتُ سَالِمًا فَلَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِی الْاَمْكِنَةِ كُلِّهَا اِلَّا اَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِیْ مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: المساجد التی علی طرق المدینۃ ص ۶۹)

موسیٰ بن عقبہ نے کہا: میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین کے) راستے میں کچھ جگہوں کو ڈھونڈتے تھے اور وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد بھی ان جگہوں میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی بیان کرتے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان جگہوں میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: مجھ سے نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بارے میں بیان کیا کہ وہ ان جگہوں میں نماز پڑھتے تھے اور میں نے سالم سے پوچھا تو شرف روحاء کی مسجد چھوڑ کر بقیہ تمام جگہوں میں انہوں نے نافع کی موافقت کی۔

شرف روحاء' شرف کے معنی بلندی' ٹیلہ۔ روحا' مدینہ طیبہ سے دو دن کی دوری پر ایک بہت بڑی بستی کا نام ہے۔ مشہور ہے کہ مضر بن نزار کی قبر یہیں ہے۔

(ا) - اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَنْزِلُ بِذِی الْحُلَیْفَةِ حِیْنَ یَعْتَمِرُ وَفِیْ حَجَّتِهٖ حِیْنَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَةٍ فِیْ مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ بِذِی الْحُلَیْفَةِ وَكَانَ اِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوَةٍ وَكَانَ فِیْ تِلْكَ الطَّرِیْقِ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ فَاِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِیْ عَلٰی شَفِیْرِ الْوَادِی الشَّرْقِیَّةِ فَعَرَّسَ ثَمَّ حَتّٰی یُصْبِحَ لَیْسَ عِنْدَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عمرے کے لیے جاتے اور جب حج کیا تھا تو حج کے لیے جاتے ہوئے اس ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا جو مسجد ذی الحلیفہ کی جگہ ہے اور جب کسی غزوہ سے لوٹتے اور راستہ یہی ہوتا یا حج یا عمرے سے واپس ہوتے تو وادی (عقیق) کے اندر اترتے' اور جب وادی کے نشیب سے اوپر آ جاتے تو وادی کے مشرقی کنارے بطحا میں اونٹنی بٹھاتے اور پچھلی رات کو اتر کر وہیں صبح کرتے' اس مسجد

الْمَسْجِدِ الَّذِی بِحِجَارَةٍ وَّلَا عَلَى الْاَكَمَةِ الَّتِي عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ كَانَ ثَمَّ خَلِيجٌ يُصَلِّي عَبْدُاللهِ عِنْدَهُ فِي بَطْنِهِ كُثُبٌ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَّ يُصَلِّي فَدَحَا فِيْهِ السَّيْلُ بِالْبَطْحَاءِ حَتّٰى دَفَنَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ الَّذِی كَانَ عَبْدُاللهِ يُصَلِّي فِيْهِ.

کے پاس نہیں جو پتھر کی بنی ہے اور نہ ٹیلے والی مسجد کے پاس۔ وہاں ایک گہرا نالہ تھا' حضرت عبداللہ وہاں نماز پڑھتے تھے' اس کے نشیب میں بہت سے ٹیلے تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں نماز پڑھا کرتے تھے' سیلاب کنکریاں وہاں بہا کر لایا اور وہ جگہ پٹ گئی' جہاں عبداللہ نماز پڑھتے تھے۔

(٢) - وَاَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيرُ الَّذِي دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِی بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَقَدْ كَانَ عَبْدُاللهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ صَلّٰى فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَمَّ عَنْ يَّمِيْنِكَ حِيْنَ تَقُوْمُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّيْ وَذٰلِكَ الْمَسْجِدُ عَلٰى حَافَةِ الطَّرِيْقِ الْيُمْنٰى وَاَنْتَ ذَاهِبٌ اِلٰى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْاَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے یہ بیان کیا کہ نبی ﷺ نے روحاء کے ٹیلے والی مسجد کے قریب چھوٹی مسجد میں نماز پڑھی اور عبداللہ اس جگہ کے نشانات بتاتے تھے جہاں حضور نے نماز پڑھی تھی' فرماتے تھے: یہاں تیری دائیں جانب جب تو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور یہ مسجد راستے کے دائیں کنارے ہے جب تو مکہ جائے' اس میں اور بڑی مسجد میں پتھر پھینکنے کا یا اس سے قریب قریب فاصلہ ہے۔

(٣) - وَاَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّيْ اِلَى الْعِرْقِ الَّذِي عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَذٰلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلٰى حَافَةِ الطَّرِيْقِ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَاَنْتَ ذَاهِبٌ اِلٰى مَكَّةَ وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَّسَارِهِ وَوَرَائَهُ وَيُصَلِّيْ اَمَامَهُ اِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ وَكَانَ عَبْدُاللهِ يَرُوْحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ فَلَا يُصَلِّي الظُّهْرَ حَتّٰى يَاْتِيَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّيْ فِيْهِ الظُّهْرَ وَاِذَا اَقْبَلَ مِنْ مَّكَّةَ فَاِنْ مَّرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ اَوْ مِنْ اٰخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتّٰى يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ.

اور حضرت ابن عمر اس چھوٹی پہاڑی پر نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے اخیر کنارے پر ہے اور اس پہاڑی کا سرا راستے کے کنارے پر ختم ہوتا ہے' اس مسجد کے قریب جو روحاء کے آخری حصے کے درمیان ہے جبکہ تو مکہ جا رہا ہو وہاں مسجد بنا دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور اسے بائیں ہاتھ اور اپنے پیچھے چھوڑ دیتے تھے' اس کے آگے پہاڑی کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ سورج ڈھلنے کے بعد روحاء سے کوچ کرتے مگر ظہر اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاتے' یہاں پہنچ کر ظہر پڑھتے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو اگر صبح سے کچھ پہلے یا آخر سحر میں پہنچتے تو اتر پڑتے یہاں تک کہ وہاں صبح کی نماز پڑھتے۔

(٤) - وَاَنَّ عَبْدَ اللهِ حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُوْنَ الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَّمِيْنِ الطَّرِيْقِ وَوِجَاهَ الطَّرِيْقِ فِيْ مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ حَتّٰى يُفْضِيَ مِنْ اَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيْدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيْلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ اَعْلَاهَا فَانْثَنٰى فِيْ جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلٰى سَاقٍ وَّفِيْ سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيْرَةٌ.

اور حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ ایک بڑے موٹے درخت کے نیچے اترے جو رویثہ کے قریب ہے' راستہ کے دائیں اور راستے کے سامنے نرم کشادہ ہموار جگہ میں یہاں تک کہ رویثہ سے دو میل کے قریب جو ٹیلہ ہے اس سے گزر جاتے' اس درخت کے اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے' بیچ میں دوہرا ہو گیا ہے اور وہ ایک جڑ پر کھڑا ہے اور اس کی جڑ میں بہت سے ٹیلے ہیں۔

(٥) - وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ طَرَفِ تَلْعَةٍ مِّنْ وَّرَاءِ الْعَرْجِ وَاَنْتَ ذَاهِبٌ اِلٰى هَضْبَةٍ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ اَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُوْرِ رَضَمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ يَّمِيْنِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ سَلِمَاتِ الطَّرِيْقِ بَيْنَ اُولٰئِكَ السَّلِمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوْحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ اَنْ تَمِيْلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ.

اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے اس ٹیلے کے کنارے نماز پڑھی جو عرج کے پیچھے ہے جب تم ہضبہ کو جا رہے ہو' اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں' ان قبروں پر پتھر کے ٹکڑے پڑے ہیں' راستے کے دائیں جانب' راستے کے پتھروں کے قریب۔ حضرت عبداللہ بعد زوال دوپہر میں ''عرج'' سے چلتے تو اسی مسجد میں ظہر پڑھتے۔

(٦) - وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَّسَارِ الطَّرِيْقِ فِيْ مَسِيْلٍ دُوْنَ هَرْشٰى ذٰلِكَ الْمَسِيْلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ قَرِيْبٌ مِّنْ غَلْوَةٍ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ اِلٰى سَرْحَةٍ هِيَ اَقْرَبُ السَّرَحَاتِ اِلَى الطَّرِيْقِ وَهِيَ اَطْوَلُهُنَّ.

اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان درختوں کے پاس اترے جو راستے کے بائیں ہرشیٰ کے قریب والے نالے میں ہیں جو نالہ ہرشیٰ کے کنارے سے مل گیا ہے' راستے اور اس کے درمیان ایک تیر پھینکنے کے قریب کا فاصلہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر اس درخت کے پاس نماز پڑھتے تھے جو راستے میں سب سے قریب ہے اور سب سے زیادہ لمبا ہے۔

(٧) - وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيْلِ الَّذِيْ فِيْ اَدْنٰى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ تَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ تَنْزِلُ فِيْ بَطْنِ ذٰلِكَ الْمَسِيْلِ عَنْ يَّسَارِ الطَّرِيْقِ وَاَنْتَ ذَاهِبٌ اِلٰى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ اِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ.

اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ اس نالے میں اترتے تھے جو مدینہ کی جانب سے مرالظہران کے قریب ہے' جب تو صفراوات سے نیچے آئے تو اس وادی کے نشیب میں اترے گا راستے کے بائیں جانب' جب تو مکہ جائے رسول اللہ ﷺ کی منزل اور راستے کے درمیان ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہے۔

(٨) - وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِيْ طُوًى وَّيَبِيْتُ حَتّٰى يُصْبِحَ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ وَمُصَلّٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ عَلٰى اَكَمَةٍ غَلِيْظَةٍ لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بُنِيَ ثَمَّهٗ وَلٰكِنْ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى اَكَمَةٍ غَلِيْظَةٍ.

اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ ذی طویٰ میں اترتے تھے وہیں صبح تک قیام فرماتے اور صبح کی نماز یہیں پڑھتے' مکہ جاتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ذی طویٰ میں ایک بڑے ٹیلے پر ہے' وہ مسجد نہیں جو وہاں بنائی گئی ہے' اس سے نیچے بڑے ٹیلے پر۔

(٩) - وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِيْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيْلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِيْ بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْاَكَمَةِ وَمُصَلّٰى

اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع کو بتایا کہ نبی ﷺ نے اس پہاڑ کے دونوں کونوں کی طرف رخ کیا جو آپ کے اور کعبہ کی طرف والے لمبے پہاڑ کے درمیان ہے' جو مسجد وہاں بنی ہوئی ہے اسے اس مسجد کے بائیں جانب کیا جو ٹیلے کے کنارے پر بنی ہے

النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ تُصَلِّي مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ.

اور نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ اس کے نیچے کالے ٹیلے پر ہے ٹیلے سے دس ہاتھ کے قریب چھوڑ کر اس پہاڑ کے دونوں کونوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو جو تیرے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

(بخاری۔ج ۱۔کتاب الصلوٰۃ۔باب: المساجد اللتی علٰی طریق المدینۃ ص ۷۱۔ ۷۰)

لغات

ذوالحلیفہ' مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی جانب چار میل کے فاصلے پر ایک قدیم مشہور بستی ہے جو اہلِ مدینہ کی میقات ہے' اس کو اب بیر علی کہا جاتا ہے' میقاتوں میں سب سے دور یہی میقات ہے۔ "سَمُرَہ" ببول کا درخت جو عرب میں بہت بڑا ہوتا ہے۔ "بطحاء" وہ کشادہ نالہ جس میں ریت اور کنکریاں ہوں۔ "شفیر" کنارہ۔ "تعریس" مسافر کا اخیر رات میں آرام کرنے کے لیے پڑاؤ کرنا۔ "خلیج" بڑے دریا یا سمندر سے جو پانی کی چھوٹی سی چھیر نیز کسی بڑے نالے سے جو چھوٹا گہرا نالہ نکلے اسے خلیج کہتے ہیں۔ "اَکَمَۃٌ" پہاڑی' ٹیلہ۔ "کثب"، "کثیبۃ" کی جمع ہے' ریت کا ٹیلہ۔ "فَدَحَا' دِحْوٌ" کا فعل ماضی۔ "دَحَا" پر فاء داخل ہے' بہالے گیا' برابر کر دیا۔ "حَافَّۃٌ" کنارہ۔ "عِرْقٌ" چھوٹا پہاڑ۔ "سَرْحَۃٌ" بڑا گنجان درخت۔ "ضَخْمَۃٌ" موٹا' بڑا۔ "رُوَیْثَۃٌ" مدینہ سے سترہ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام۔ "وِجَاہٌ" سامنے۔ "بَطْحٌ" کشادہ ریت' کنکریلی زمین۔ "سَهْلٌ" نرم ہموار زمین۔ "یُفْضِی" مصدر "اِفْضَاء" کے معنی واپس ہونا' پلٹنا ہے۔ چلے جانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ "تلعۃ" اونچی زمین۔ "عرج" حرمین کے راستے میں ایک بستی ہے' رویثہ سے چودہ میل کے فاصلے پر۔ "هَضْبَطَۃٌ" زمین کے برابر ایک پہاڑی ہے۔ "رَضْمٌ" بڑا پتھر یا اس کا کچھ حصہ۔ "سَلْمَاتٌ"، "سَلْمَۃٌ" کی جمع ہے' اس کے معنی بڑے پتھر کے ہیں۔ "رَوْحَاء" مدینہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ایک بڑی آبادی ہے۔ "هَرْشَی" مدینہ طیبہ اور شام کے راستے میں ایک پہاڑ ہے جو جحفہ کے قریب ہے۔ "کراع' اطراف' غلوۃ" درمیانی قوت سے کمان سے تیر چلایا جائے تو جہاں جا کر گرے۔ "صفراوات" "مرالظہران" کے بعد کچھ پہاڑیوں یا وادیوں کا نام ہے۔

امام بخاری نے تناسب کی وجہ سے نو احادیث کو اکٹھا ذکر کر دیا ہے۔ ناظرین غور کریں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان مقامات پر نماز پڑھنے کا کتنا اہتمام فرمایا کرتے تھے جہاں حضور اقدس ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں' یہ سوائے حصولِ برکت کے اور کس مقصد سے ہو سکتا ہے' اس لیے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام' صحابہ عظام و اولیائے اُمت و صالحین اُمت نے جہاں نماز پڑھی ہو' عبادت کی ہو' قیام کیا ہو' وہاں سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام کی سنت اور کم از کم مستحب ضرور ہے۔ یہی تمام علماء سلف و خلف کا مذہب ہے۔ علامہ عینی و علامہ عسقلانی و علامہ قسطلانی نے یہی لکھا ہے۔ امام قاضی عیاض فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کی تعظیم و اجلال شان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ حضور کے تمام متعلقات کی تعظیم کرے۔ حضور کی طرف منسوب ان تمام جگہوں کی اور مشاہد و معابد کی جو حرمین طیبین کے راستے میں ہیں' اکرام کرے' بلکہ کہیں بھی ہوں سب کی تعظیم و تکریم کرے' بلکہ ان چیزوں کا بھی جن کو دستِ مبارک نے مس کیا ہو۔ حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اپنے سر مبارک کے اگلے حصے کے بال نہیں مونڈواتے تھے' دریافت کیا گیا تو فرمایا: ان کو کس دل سے الگ کراؤں' ان کو حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک نے مس کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منبرِ اقدس کے اس حصے پر ہاتھ رکھ کر چوم لیتے جہاں سرکار بیٹھتے تھے۔ تفصیل کے لیے شفاء قاضی عیاض کا مطالعہ کریں۔

ہم نے بخاری کی ان تمام احادیث پر تنبیہ کر دی ہے اور کرتے جائیں گے جن میں آثار صالحین سے تبرک کا جواز ثابت ہوتا

ہے۔

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان نو احادیث میں جن جن مساجد کا تذکرہ ہے' ان میں سے اکثر کے جاننے والے نہیں رہے۔ صرف مسجد ذوالحلیفہ اور روحاء کے جاننے والے ہیں' پوچھنے پر نشان بتا دیتے ہیں' یہ نویں ہجری کی بات ہے۔ اب کیا حال ہے؟ اللہ جانے۔ موٹر کا سفر اب کسے موقع دیتا ہے کہ تلاش کرے' کوئی تلاش بھی کرنا چاہے تو ظالم نجدی کیوں تلاش کرنے دیں گے' جن کے نشانات تھے بھی انہیں بھی ان درندوں نے مٹا دیا ہے' مساجد ڈھا دی ہیں یا ان کو بند کر کے پہرہ بٹھا دیا ہے کہ کوئی ان میں نماز نہ پڑھنے پائے۔ ''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'' (البقرۃ:۱۱۴) اس سے بڑھ کر کون ظالم جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کی یاد کرنے سے روکے اور اسے ویران کرنے کی کوشش کرے۔

علامہ عینی نے مراسیل ابوداؤد کے حوالے سے مدینہ طیبہ میں ایسی نو مساجد کا ذکر کیا ہے جن میں حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ مسجد قبا' مسجد بنی قریظہ' مسجد فضیح' یہ قبا کے مشرق میں واقع ہے' مسجد مشربہ' اُم ابراہیم' مسجد بنی ظفر یہ بقیع کے مشرق میں واقع ہے' مسجد بنی معاویہ جسے مسجد اجابت بھی کہتے ہیں۔ مسجد فتح جو سلع پہاڑ کے نزدیک ہے' مسجد قبلتین جو بنی سلمہ کے محلے میں ہے' مسجد تامہ جو مسجد نبوی کے شمال مغرب میں واقع ہے۔

۳۳۵- ح: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ

[رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے علاوہ (کسی اور چیز کی طرف منہ کر کے) نماز پڑھا رہے تھے]

۳۳۵- اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ اَتَانٍ وَّاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں گدھی پر سوار ہو کر آیا اور میں اس دن بلوغ کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے' دیوار کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف منہ کر کے' میں صف کے کچھ حصے سے گزرا اور اترا اور گدھی کو چھوڑ دیا' وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا' اس معاملہ کی وجہ سے کسی نے مجھے کچھ نہیں کہا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلاۃ۔ باب: سترۃ الامام سترۃ من خلفه ص ۷۱' کتاب العلم۔ باب: متی یصح سماع الصغیر ص ۱۷)

مطابقت باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''سُتْرَةُ الْاِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهٗ'' امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے۔ بہ ظاہر حدیث میں نہ سترے کا صراحۃً بیان ہے نہ کوئی ایسا لفظ ہے جس سے سترے پر استدلال کیا جا سکے' اس لیے علامہ ابن حجر نے لکھا کہ حدیث سے باب کے اثبات میں نظر ہے۔ اسی وجہ سے امام بیہقی نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے' وہ یہ ہے: ''من صلی الی غیر سترة'' مگر علامہ عینی کی دقیق نظر نے سراغ لگا لیا جہاں سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے' وہ فرماتے کہ حدیث میں ''الی غیر جدار'' ہے' غیر ہمیشہ صفت ہوتا ہے تو اب تقدیر عبارت یہ ہوئی: ''الی شیء غیر الجدار'' دیوار کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے' یہی چیز سترہ تھی' یہ لاٹھی ہو' نیزہ ہو' کچھ بھی ہو۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوئے: (۱) نابالغ بچہ اگر کامل سمجھ رکھتا ہو تو اس کا سماع درست ہے' خصوصاً جو قریب بلوغ ہو

(۲) امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے' ہر مقتدی کو سترہ کی حاجت نہیں (۳) گدھی یا کسی بھی چیز کے آگے سے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۳۳۶- ح: إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ

[جب عید کے دن نمازِ عید کے لیے (عیدگاہ) تشریف لے جاتے تو حکم دیتے' چھوٹا نیزہ حضور کے سامنے کھڑا کیا جاتا]

۳۳۶- عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب عید کے دن نمازِ عید کے لیے (عیدگاہ) تشریف لے جاتے تو حکم دیتے' چھوٹا نیزہ حضور کے سامنے کھڑا کیا جاتا' حضور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے بقیہ لوگ حضور کے پیچھے ہوتے' سفر میں بھی حضور ایسا ہی کرتے تھے' اسی وجہ سے حکام نے نیزہ رکھنا شعار بنالیا ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: سترۃ الامام سترۃ من خلفه ص ۷۱' باب: الصلوٰۃ الی الحربة ص ۷۱' کتاب العیدین۔ باب: الصلوٰۃ الی الحربة یوم العید ص ۱۳۳' باب: حمل العنزة او الحربة بین یدی الامام ص ۱۳۳)

فتوضع

اس کا ترجمہ ہم نے یہ کیا کہ "کھڑا کیا جاتا" اس لیے کہ "عیدین میں" حضرت ابن عمر کی جو روایت ہے اس میں "یر کز وینصب" کا لفظ آیا ہے' بلکہ ابھی حدیث آ رہی ہے اس میں بھی "یرکز" ہے' گھر سب کے اپنی حفاظت کا سامان رہتا ہی ہے' مگر گھر سے باہر نکلے تو بھی ضرور اپنے ساتھ رکھ لے۔ میدان میں نماز پڑھے تو سترہ کھڑا کر لینا چاہیے۔ سترہ کی موٹائی ایک انگل اور لمبائی کم از کم ایک ہاتھ ہونی ضروری ہے۔ سترے کا کھڑا ہونا ضروری ہے' آڑے ترچھے رکھنا غیر مفید ہے۔

۳۳۷- ح: كَانَ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلّٰى وَالْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ

[مصلیٰ اور دیوار کے درمیان بکری گزر جاتی]

۳۳۷- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُصَلّٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مصلیٰ اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ بکری گزر جاتی۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترة ص ۷۱)

اس حدیث میں مصلیٰ سے مراد شارحین نے موضع قدم بھی لیا ہے اور موضع سجود بھی۔ میری رائے یہ ہے کہ موضع سجود مراد لینا ضروری' یہ اس لیے کہ موضع قدم سے "ممر الشاة" کے فاصلے میں رکوع اور سجدہ نہ ہو سکے گا۔ بکری کے گزرنے کے لیے ایک ہاتھ کی چوڑائی کافی ہے۔ موضع قدم سے دیوار تک ایک ہاتھ کے فاصلے پر نہ رکوع ہو پائے گا نہ سجدہ۔

۳۳۸- ح: كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ

[مسجد کی دیوار منبر کے بالکل قریب تھی]

۳۲۸- عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوزُهَا. (ایضاً)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد کی دیوار منبر کے بالکل قریب تھی، دونوں کے درمیان بکری کا گزر مشکل تھا۔

یہ حدیث امام بخاری کی ثلاثیات میں سے دوسری ہے، پہلی کی طرح یہ بھی حضرت مکی بن ابراہیم، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلمیذ کے ذریعہ ملی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث سلمہ پر موقوف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ مرفوع ہے۔ اسماعیلی نے بہ طریق ابوعاصم عن یزید بن عبید جو روایت کی ہے، اس میں یہ لفظ ہے: ''کان المنبر علی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم''۔

مطابقت باب

اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلو میں کھڑے ہوتے تو لازم کہ جو فاصلہ منبر اور دیوارِ قبلہ میں تھا، وہی فاصلہ مصلائے نبوی اور دیوارِ قبلہ میں ہو۔ مصلّے اور دیوارِ قبلہ میں جو فاصلہ ہوتا تھا وہی سترہ اور مصلے میں ہونا چاہیے۔ سابقاً گزر چکا کہ منبر اقدس کی تین سیڑھیاں اور ایک مستراح تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ منبر اقدس کی لمبائی ایک ہاتھ سے زیادہ تھی، اس لیے اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ابتدائے منبر سے دیوارِ قبلہ تک کا فاصلہ اتنا تھا کہ بکری بمشکل گزر سکتی تھی، لامحالہ یہ مراد متعین ہے کہ منبر اقدس دیوارِ قبلہ سے بالکل متصل نہیں تھا بلکہ اتنے فاصلہ پر تھا کہ بکری بہ مشکل گزر لیتی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث اوّل میں مصلی سے موضع سجود مراد لینا متعین ہے۔

ت ۱۲۱- وَقَالَ عُمَرُ الْمُصَلُّوْنَ اَحَقُّ بِالسَّوَارِيْ مِنَ الْمُتَحَدِّثِيْنَ اِلَيْهَا.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز پڑھنے والے بات کرنے والوں کے بہ نسبت ستونوں کے زیادہ مستحق ہیں۔

ت ۱۲۲- وَرَاَى ابْنُ عُمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بَيْنَ اُسْطُوَانَتَيْنِ فَاَدْنَاهُ اِلٰى سَارِيَةٍ فَقَالَ صَلِّ اِلَيْهَا.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دو ستونوں کے بیچ میں نماز پڑھتے دیکھا تو اسے ایک ستون کی طرف کر دیا اور فرمایا: اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ۔

دونوں تعلیقوں کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔ پہلی تعلیق کا مفاد یہ ہے: مسجد کی تعمیر کی غرض و غایت ذکر الٰہی اور نماز ہے۔ اس لیے جو نماز و ذکر الٰہی کرنا چاہتے ہیں وہ لوگ مسجد میں بات کرنے والوں کے بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ نیز بات کرنے والے کہیں بھی بات کر سکتے ہیں، لیکن اگر نمازی ستونوں کی آڑ لے کر نماز نہ پڑھیں تو مسجد میں رہنے والوں کو دشواری ہو گی۔ دوسری تعلیق کا حاصل یہی ہے کہ دو ستونوں کے مابین نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ستون کے پیچھے کھڑا کر دیا۔

۳۲۹- ح: يُصَلِّيْ عِنْدَ الْاُسْطُوَانَةِ الَّتِيْ عِنْدَ الْمُصْحَفِ

[وہ اس ستون کے پاس جہاں مصحف رکھا تھا، نماز پڑھا کرتے تھے]

۳۲۹- قَالَ كُنْتُ اٰتِيْ مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ الْاُسْطُوَانَةِ الَّتِيْ عِنْدَ الْمُصْحَفِ فَقُلْتُ يَا اَبَا مُسْلِمٍ اَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَ هٰذِهِ الْاُسْطُوَانَةِ قَالَ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا. (بخاری، ج ۱، کتاب الصلوۃ، باب: الصلوۃ الی الاسطوانة ص ۷۲)

یزید بن عبید نے کہا: میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ہم راہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتا تھا، وہ اس ستون کے پاس جہاں مصحف رکھا تھا نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اے ابو مسلم! میں دیکھتا ہوں کہ آپ کوشش کر کے بالقصد اس ستون کے پاس نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالقصد اس ستون کے پاس نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

عِنْدَ الْمُصْحَفِ

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی' دونوں نے اس ستون سے اسطوانۂ مہاجرین مراد لیا ہے' مگر علامہ عسقلانی کے تلمیذ علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں دلائلِ قویہ سے ثابت کیا ہے کہ اسطوانۂ مصلی الشریف ہے۔ ابتداءً مصلائے نبوی شمال کی جانب تھا جبکہ قبلہ بیت المقدس تھا۔ سولہ یا سترہ مہینے حضور اقدس ﷺ نے یہیں نمازیں پڑھائیں' تحویلِ قبلہ کے بعد چند روز اسطوانۂ عائشہ کے پاس کھڑے ہو کر نمازیں پڑھیں' پھر اسی کے متصل جانب غرب اسطوانۂ علم مصلیٰ شریف کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے اور اخیر تک یہی مصلیٰ مبارک رہا۔ اسی کے دائیں طرف صندوق میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصحف کبیر رکھ دیا تھا۔

تتحری الصّلٰوۃ

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی تھی' اس جگہ کو تلاش کر کر کے صحابہ کرام نمازیں پڑھتے تھے۔ آخر اس میں کوئی خاص بات تھی جبھی تو ایسا کرتے تھے' اس سے بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام و صلحائے اُمت جہاں عبادت و ذکرِ الٰہی کریں وہاں تبرکاً نمازیں پڑھنی عبادت کرنی کم از کم مستحب ضرور ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز پڑھے تو ستون وغیرہ کی آڑ میں پڑھے۔

۳۴۰- ح: يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ

[مغرب کے وقت ستونوں کی طرف تیزی سے (نماز پڑھنے کے لیے) لپکتے]

۳۴۰- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ كِبَارَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ وَزَادَ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَنَسٍ حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بڑے بڑے صحابہ کرام کو دیکھا کہ مغرب کے وقت ستونوں کی طرف تیزی سے (نماز پڑھنے کے لیے) لپکتے' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ الی الاسطوانۃ ص ۷۲)

اس حدیث کا سیاق یہ بتا رہا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف نہ رکھتے تو صحابہ کرام ستونوں کی آڑ میں جلدی سے دو رکعت نماز پڑھ لیتے اور اگر حضور مسجد میں تشریف رکھتے تو بہ ظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس وقت نہیں پڑھتے تھے۔ احناف کے یہاں اذانِ مغرب اور فرض کے مابین نفل مکروہ ہے' البتہ امام ابن ہمام نے دو رکعتِ خفیف کی اجازت دی ہے۔ (دلائل مواقیت الصلوۃ میں آئیں گے)۔

۳۴۱- ح: اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ اِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ

[حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کعبہ کے اندر جاتے]

۳۴۱- اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشٰى قِبَلَ وَجْهِهٖ حِيْنَ يَدْخُلُ وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهٖ فَمَشٰى حَتّٰى يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِيْ قِبَلَ وَجْهِهٖ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلَاثَةِ اَذْرُعٍ صَلّٰى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِيْ اَخْبَرَهٗ

(نافع نے کہا کہ) حضرت عبداللہ بن عمر جب کعبہ کے اندر جاتے تو سامنے سیدھے چلتے اور دروازہ اپنی پیٹھ پر کر لیتے' اسی طرح اور آگے بڑھتے رہتے یہاں تک کہ جب سامنے والی دیوار اور ان میں تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا تو نماز پڑھتے' بالقصد وہیں نماز

بِهٖ بِلَالٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْهِ قَالَ وَلَيْسَ عَلٰى اَحَدِنَا بَاْسٌ اِنْ صَلّٰى فِيْ اَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ.

پڑھتے جہاں کے بارے میں حضرت بلال نے انہیں بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے یہیں نماز پڑھی ہے اور فرمایا: اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ بیت اللہ کے جس گوشے میں چاہے نماز پڑھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ ص ۷۲)

ان ذکی الحس مُوحدین سے پوچھئے جنہیں ہر چیز میں شرک کا جھٹکا لگتا ہے کہ جب بیت اللہ میں ہر جگہ نماز کی اجازت ہے اور ہر جگہ نماز پڑھنا یکساں ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کیا ہو گیا تھا کہ تلاش کر کے قصداً وہیں نماز پڑھتے' جہاں حضور اقدس ﷺ نے پڑھی تھی۔ ماننا پڑے گا کہ کم از کم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس خاص جگہ کوئی خاص کشش محسوس ہوتی تھی' اسی خاص کشش کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ جہاں جہاں انبیائے کرام' صلحائے اُمت نے عبادت کی ہے' قیام کیا ہے' وہاں سے برکت حاصل کرنی مستحب ہے۔

مطابقت باب

اکثر کی روایت میں باب' بلاعنوان ہے' البتہ اصیلی کی روایت میں باب بھی نہیں۔ اب یہ حدیث بھی پہلے باب کی ہوئی۔ اس تقدیر پر مطابقت کی تقریر یہ ہوگی کہ جب حضرت ابن عمر اپنے سامنے دیوار سے تین ہاتھ کی دوری پر دروازے کے بالمقابل کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے' تو لامحالہ دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی' اور یہاں باب تھا: بغیر جماعت کے دوستونوں کے بیچ میں نماز پڑھنی۔ جماعت کے ساتھ ستونوں کے درمیان یا دروں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے' اس لیے کہ اس سے قطع صف لازم آتا ہے' منفرد کو کوئی حرج نہیں۔

۳۴۲- ح: اِعْتَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ

[تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا ہے]

۳۴۲- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِعْتَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ فَيَجِيْءُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ فَيُصَلِّيْ فَاَكْرَهُ اَنْ اُسَنِّحَهٗ فَاَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيْرِ حَتّٰى اَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِيْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا ہے' میں چارپائی پر لیٹی رہتی اور نبی ﷺ تشریف لاتے' چارپائی کے بیچ میں کھڑے نماز پڑھتے۔ مجھے بُرا معلوم ہوتا کہ حضور کے سامنے لیٹی رہوں' اس لیے چارپائی کی پائتی کی طرف سے کھسک کر اپنے لحاف سے باہر آ جاتی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ الی السریر ص ۷۲' باب: من لا یقطع الصلوٰۃ شیء ص ۷۳' باب: استقبال الرجل الرجل وھو یصلی ص ۷۳' باب: یغمز الرجل امرأتہ عند السجود ص ۷۴' ج ۲۔ کتاب الاستیذان۔ باب: السریر ص ۹۲۸)

تکمیل

پوری حدیث یہ ہے کہ اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کسی نے یہ کہا کہ کتے' گدھے' عورتیں اگر نمازی کے آگے سے گزر جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس پر حضرت اُم المؤمنین نے یہ محققانہ جواب ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے مشابہ کر دیا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ فرمایا: ہم کو کتا اور گدھا بنا دیا۔ نبی ﷺ نماز پڑھتے ہوتے اور میں اسی چارپائی پر حضور اور قبلہ کے مابین لیٹی رہتی' جب مجھے کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو میں یہ نہیں پسند کرتی کہ حضور کے سامنے بیٹھوں اور

حضور کو ایذاء پہنچاؤں میں پائنتی سے سرک لیتی۔ بعض میں یہ بھی ہے کہ جب حضور سجدہ کرنا چاہتے' میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے' میں سمیٹ لیتی' ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔

پس منظر

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسے اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا:

اذا لم يكن بين يديه مثل أخرة الرحل فانه يقطع صلوته الحمار والمرأة والكلب الاسود.

جب نمازی کے آگے کجاوے کے پچھلے حصے کے مثل نہ ہو تو اس کی نماز گدھا' عورت' کالا کتا توڑ دے گا۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے' جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْكَلْبُ الاسود والمرأةُ الحائض.

کالا کتا اور حائضہ عورت نماز کو توڑ دیتی ہے۔

اسی بناء پر یہ شہرت تھی کہ ان تین چیزوں کے آگے گزرنے سے اگر سترہ نہ ہو' نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ دونوں میں تطابق کی کوئی صورت نہیں۔ لامحالہ ان احادیث کو منسوخ مانا جائے گا۔ حضرت اُم المؤمنین کو یہ حدیثیں نہیں پہنچی ہوں گی' اس لیے برہمی کا اظہار فرمایا۔

ت۱۲۳- وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ وَقَالَ إِنْ أَبٰى إِلَّا أَنْ يُّقَاتِلَهُ فَقَاتِلْهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے آگے گزرنے والے کو تشہد میں اور کعبہ میں لوٹایا اور فرمایا: اگر وہ نہ مانے اور لڑنے پر آمادہ ہو جائے تو اس سے لڑے۔

۳۴۳- ح: إِذَا أَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ

[ایک جوان نے چاہا کہ سترے اور حضرت ابو سعید کے درمیان میں گزر جائے تو اس کے سینے میں دھکا دیا]

۳۴۳- قَالَ رَأَيْتُ أَبَا سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيَّ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ يُّصَلِّيْ إِلٰى شَيْءٍ يَّسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ شَابٌّ مِّنْ بَنِيْ أَبِيْ مُعَيْطٍ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَدَفَعَ أَبُوْ سَعِيْدٍ فِيْ صَدْرِهِ فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا إِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ فَعَادَ لِيَجْتَازَ فَدَفَعَهُ أَبُوْ سَعِيْدٍ أَشَدَّ مِنَ الْأُوْلٰى فَنَالَ مِنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ ثُمَّ دَخَلَ عَلٰى مَرْوَانَ فَشَكَا إِلَيْهِ مَا لَقِيَ مِنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَّدَخَلَ أَبُوْ سَعِيْدٍ خَلْفَهُ عَلٰى مَرْوَانَ فَقَالَ مَا لَكَ وَلِابْنِ أَخِيْكَ يَا أَبَا سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْءٍ يَّسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ.

ابو صالح السمان نے کہا: میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن سترہ کی طرف نماز پڑھتے دیکھا' اتنے میں بنی ابی معیط کے ایک جوان نے چاہا کہ سترے اور حضرت ابو سعید کے درمیان سے گزر جائے تو حضرت ابو سعید نے اس کے سینے میں دھکا دیا' اس جوان نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر سوائے ان کے سامنے کے اور کہیں راستہ نہیں پایا' اس لیے پھر آیا کہ گزر جائے' اب کی بار حضرت ابو سعید نے پہلے سے سخت دھکا دیا۔ اس (بدتمیز) نے حضرت ابو سعید کو گالی دی' اس کے بعد مروان کے پاس آیا اور حضرت ابو سعید سے اسے جو تکلیف پہنچی تھی اس کی شکایت کی' اور حضرت ابو سعید بھی اس کے پیچھے ہی وہاں پہنچے۔ مروان نے کہا: اے ابو سعید! تمہارا اور تمہارے بھتیجے کا کیا قصہ ہے؟ حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے: جب تم سترے کی طرف

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:لیرد المصلی من مر بین نماز پڑھو اور کوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے ہٹا دو اگر
بدایہ ص ۲۷' بدء الخلق۔باب:صفة ابلیس و جنوده ص ۴۶۳) نہ مانے تو اس سے لڑو اس لیے کہ وہ شیطان ہے۔

امام نووی نے فرمایا کہ "فلیدفعه" میں امر ندب کے لیے ہے' دفع بھی تسبیح اور اشارے سے کرے' اس کو دفع کرنے کے لیے چلے نہیں بلکہ اگر نماز جہری ہے تو قراءت اور زیادہ بلند آواز سے کرے۔ سرّی ہے تو ایک آیت بلند آواز سے پڑھے اور اگر قراءت کے علاوہ اور کوئی موقع ہے تو بلند آواز سے تسبیح پڑھے' نماز میں لڑائی ہرگز نہ کرے' اس میں نماز کے فاسد ہو جانے کا اندیشہ ہے' اور حدیث میں جو فرمایا: "فلیقاتله" یہ مبالغے کے لیے ہے اور اسے شیطان کہنا یا تو لغوی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی وہ متمرد وسرکش ہے' یا جو قرآن میں فرمایا: "شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ" (الانعام:۱۱۲) اس لحاظ سے شیطان فرمایا گیا' یا یہ کہ چونکہ اسے شیطان نے بہکایا تھا اس لیے اسے بھی شیطان کہہ دیا گیا۔ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ واقعی وہ شیطان ہے جو انسان کی شکل اختیار کر کے نمازی کے آگے سے گزر رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۳۴۴- ح: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ

[اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کیا وبال ہے]

۳۴۴- عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ اَرْسَلَهٗ اِلٰى اَبِيْ جُهَيْمٍ يَسْاَلُهٗ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ فَقَالَ اَبُوْ جُهَيْمٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَّقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِيْ قَالَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ سَنَةً.

بُسر بن سعید نے کہا کہ زید بن خالد نے انہیں حضرت ابوجہیم کے پاس یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ انہوں نے نمازی کے آگے گزرنے والے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے' تو حضرت ابوجہیم نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کیا وبال ہے تو چالیس تک کھڑے رہنے کو گزرنے سے بہتر جانتا۔ ابوالنضر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ چالیس دن کہا کہ مہینہ کہ سال؟

(بخاری۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:الصلوٰۃ خلف النائم ص ۷۳' کتاب الوتر۔باب:ایقاظ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اهله بالوتر ص ۱۳۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنا گناہ ہے' گزرنے والا ضرور گنہگار ہوتا ہے۔ آگے سے کیا مراد ہے؟ اس میں تفصیل ہے' اگر سامنے سترہ ہے تو سترے کے اندر اندر گزرنا' سترہ نہیں میدان یا مسجد کبیر میں نماز پڑھ رہا ہے تو موضع سجود کے اندر اندر اور مسجد صغیر ہے جیسے عام مساجد تو دیوار قبلہ تک کہیں سے گزرنا ناجائز و گناہ ہے۔

ت ۱۲۴- وَكَرِهَ عُثْمَانُ اَنْ يُّسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّيْ

اور حضرت عثمان نے اسے مکروہ جانا کہ نماز پڑھنے کی حالت میں کسی کی طرف منہ کیا جائے۔

مصنف عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس پر ایک شخص کو زجر کیا تھا۔ احناف کا خلفاء راشدین کے مطابق یہی مذہب ہے کہ نمازی کو کسی کے منہ کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے' البتہ امام بخاری کا مذہب' اس میں تفصیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اگر کسی کے چہرے کی طرف منہ کرنے سے دل بٹے تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ ان کی دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے۔

ت ۱۲۵- قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا بَالَيْتُ اِنَّ الرَّجُلَ لَا

مجھے کوئی پرواہ نہیں' مرد مرد کی نماز کو قطع نہیں کرتا۔

يَقْطَعُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ.

گویا امام بخاری دونوں اثروں میں تطبیق دے رہے ہیں مگر حقیقت میں یہ تطبیق کچھ نہیں' اس لیے کہ دل کا بٹنا یہ مصلی کا فعل ہے' وہ بھی خفی ہے۔ دل چیر کے نہ حضرت عثمان نے دیکھا نہ حضرت عمر نے' اس لیے ان حضرات کا حکم عام ہر حال میں ماننا لازم ہے' اور یہ دونوں حضرات بہر حال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بہ درجہا لائق ترجیح ہیں۔ ارشاد ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين. تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے۔

۳۴۵- ح: إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوْتِرَ أَيْقَظَنِي [جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگاتے]

۳۴۵- عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوْتِرَ أَيْقَظَنِيْ فَأَوْتَرْتُ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے اور میں حضور کے سامنے آڑے حضور کے بچھونے پر سوتی رہتی' جب حضور وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگاتے تو میں وتر پڑھتی۔

اس مضمون کی امام بخاری نے گیارہ احادیث ذکر کی ہیں کہ حضرت اُم المومنین فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے لیٹی رہتی' سوئی رہتی اور حضور نماز پڑھتے رہتے۔ کہیں یہ ہے کہ اس بچھونے پر ہوتی' کہیں ہے کہ اس چارپائی پر ہوتی' کہیں ہے کہ چارپائی کے نیچے حضور نماز پڑھتے' مگر اس کے برخلاف دوسری احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بات کرنے والے اور سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی کہ اس باب میں جتنی احادیث وارد ہیں وہ سب ضعیف ہیں' احکام میں ناقابل اعتماد ہیں' مگر بایں ہمہ سونے والے کے قریب نماز پڑھنے سے بچنا ہی بہتر ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ سونے کی حالت میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ یہ مجبوراً نماز توڑ بیٹھے۔ اسی طرح جب آگے کوئی بات کر رہا ہو تو بھی نماز نہ پڑھے' خشوع و خضوع نہ ہوگا۔ رہ گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور اس سے مامون تھے کہ اپنی نماز توڑ بیٹھیں۔ نیز اُم المومنین سے ایسی کوئی بات صادر ہو جو نماز توڑنے کی طرف مفضی ہو مستبعد ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ایک بار کا نہیں' تقریباً دس سال خدمت اقدس میں حاضر رہیں' ہمیشہ حضور کا یہی معمول تھا مگر کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو نماز توڑنے کا سبب بنے' یا خشوع و خضوع میں مخل ہو۔ حدیث گزر چکی کہ کسی ضرورت کے لیے اُٹھنا ہوتا تو یہ حضور کے سامنے تخت پر نہ بیٹھتیں۔ پائنتی سے سرک لیتیں کہ حضور کو کسی قسم کا خلل نہ ہو۔ اس خادم کی رائے یہ ہے کہ اسے بھی خصائص حضور میں شمار کیا جائے۔

۳۴۶- ح: كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا [نماز پڑھتے ہوئے حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو گود میں اُٹھائے رہتے]

۳۴۶- عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِشَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا.

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بنت ابوالعاص بن ربیعہ بن عبدشمس کو گود میں اُٹھائے رہتے' جب سجدہ کرتے رکھ دیتے' جب کھڑے ہوتے اُٹھا لیتے۔

(بخاری- ج ا- کتاب الصلوۃ- باب: اذا حمل جارية صغيرة على عنقه ص ۷۴' ج ۲- کتاب الادب- باب: رحمة الولد وتقبيله ومعانقته ص ۸۸۶)

چھوٹے بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھنے کے بارے میں یہی خیال ہے کہ نماز نہیں ہوگی۔ اس واہمہ کو ختم کرنے کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا اور یہ حدیث ذکر فرمائی۔ اگر چھوٹے بچے کا جسم اور کپڑے پاک ہوں اور اتارنے اور گود لینے میں عمل کثیر نہ ہوتا ہو تو چھوٹے بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت اُمامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی رشتہ ہے جو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا ہے۔

روافض کو جانے دیں، انہیں اہلِ بیت سے نہ کوئی غرض ہے نہ مطلب، ان کو تو اپنی ہزار سالہ مجوسی سلطنت کی پائمالی کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔

افسوس اہل سنت کے واعظین پر ہے کہ یہ لوگ واقعۂ کربلا میں گرمی پیدا کرنے کے لیے یہ روایت بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سجدے میں پشت اقدس پر بیٹھے، مگر حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ صحیح روایت کبھی کوئی سنی مقرر نہیں بیان کرتا، اس لیے کہ اس کا واقعۂ کربلا سے کوئی جوڑ نہیں۔

حضرت اُمامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بے پناہ محبت تھی، اس کا ایک اندازہ اس حدیث کے علاوہ اور بھی احادیث سے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے خدمت اقدس میں ہار پیش کیا تو فرمایا: اپنے اہل میں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اسے یہ ہار دوں گا۔ عورتوں نے کہا: اب یہ ہار ابن ابی قحافہ کی بیٹی (عائشہ) لے جائے گی۔ حضور نے حضرت اُمامہ کو بلایا اور انہیں پہنا دیا۔ ایک بار نجاشی نے کچھ زیور بھیجے جس میں سونے کی انگوٹھی تھی، یہ بھی حضرت اُمامہ کو عطا کی۔ حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد یہ حضرت شیرِ خدا کے حبالۂ عقد میں آئیں اور حضرت کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ نے پیغام اور ایک لاکھ دینار کی پیشکش کی۔ حضرت شیرِ خدا کی وصیت کے مطابق رد کر دیا اور مغیرہ بن نوفل بن حارث سے نکاح فرمایا اور انہیں کی زوجیت میں واصل بحق ہوئیں۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۹- كِتَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ

[نمازوں کے اوقات کا بیان]

۳۴۷- ح:اَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ فَصَلّٰى

[حضرت جبریل علیہ السلام اترے (اور) نماز پڑھی]

۳۴۸- ح: كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عصر اس وقت پڑھتے جب دھوپ ان کے حجرے میں رہتی]

۳۴۸،۳۴۷ - اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا وَّهُوَ بِالْعِرَاقِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ اَبُوْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا مُغِيرَةُ اَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ فَصَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ.

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن نماز میں تاخیر کر دی تو ان کے پاس حضرت عروہ بن زبیر آئے اور انہیں بتایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایک دن نماز میں تاخیر کر دی جب کہ وہ عراق میں تھے تو اُن کے پاس حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: یہ کیا ہے؟ اے مغیرہ! کیا تم نہیں جانتے کہ جبریل علیہ السلام اترے اور نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، اس کے بعد پھر جبریل نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، اس کے بعد پھر جبریل نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، اس کے بعد پھر جبریل نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، اس کے بعد پھر جبریل نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، اس کے بعد فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔

فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ اِعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهٖ اَوَاَنَّ جِبْرِيْلَ هُوَ اَقَامَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الصَّلٰوةِ قَالَ عُرْوَةُ كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِيْ

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عروہ سے کہا: تم جانو کیا بیان کرتے ہو؟ کیا جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نماز کے اوقات مقرر فرمائے تھے؟ تو حضرت عروہ نے کہا کہ حضرت بشیر بن ابی مسعود اپنے والد سے اسی طرح حدیث بیان کرتے

عَائِشَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِیْ حُجْرَتِہَا قَبْلَ اَنْ تَظْہَرَ۔

تھے۔ حضرت عروہ نے کہا: مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب دھوپ ان کے حجرے میں رہتی، ابھی اوپر نہ چڑھی ہوتی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ ص ۷۵، کتاب بدء الخلق۔ باب: ذکر الملائکۃ ص ۴۵۷، ج ۲۔ کتاب مغازی۔ باب۔ ص ۵۷۱، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث میں یہاں اختصار ہے۔ ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور نسائی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز کے اوقات بتانے کے لیے حاضر ہوئے، حضرت جبریل آگے کھڑے ہوئے، ان کے پیچھے حضور اقدس کھڑے ہوئے، حضور کے پیچھے صحابہ کرام صف بستہ کھڑے ہوئے، ظہر کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھی اور جب سایہ ایک مثل ہو گیا تو آئے اور ویسے ہی کیا جیسے (پہلے) کیا تھا، جبریل علیہ السلام آگے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے اور صحابہ حضور کے پیچھے، اس وقت عصر پڑھی، پھر جب سورج چھپ گیا تو جبریل آئے، وہ آگے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے، اب مغرب پڑھی، پھر شفق ڈوبنے کے بعد آئے، وہ آگے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے، اب انہوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ فجر طلوع ہوتے وقت جبریل پھر آئے اور وہ آگے کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اب انہوں نے صبح کی نماز پڑھی، پھر دوسرے دن اس وقت آئے جب ہر شخص کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، کل کی طرح آج بھی کیا اور ظہر پڑھی، پھر اس وقت آئے جب مرد کا سایہ دو مثل ہو گیا اور ویسے ہی کیا اور عصر پڑھی، اس کے بعد پھر اس وقت آئے جب سورج ڈوب گیا اور کل کی طرح کیا اور مغرب پڑھی، ان کے بعد ہم سو گئے پھر اُٹھے، پھر سوئے پھر اُٹھے، اس کے بعد جبریل آئے اور کل کی طرح کیا اور عشاء پڑھی، اس کے بعد جب فجر پھیل گئی اور اجالا ہو گیا مگر ستارے ابھی گتھے ہوئے موجود تھے کہ پھر آئے اور کل کی طرح کیا اور صبح کی نماز پڑھی، پھر عرض کیا: ان وقتوں کے درمیان نمازوں کے اوقات ہیں۔

(نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: آخر وقت العصر ص ۸۹)

ان عمر بن عبد العزیز

یہ نمازِ عصر تھی جیسا کہ بخاری بدء الخلق میں ہے، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ وہ ولید بن عبدالملک کی جانب سے مدینہ منورہ کے والی تھے اور یہ تاخیر بہت تھوڑی تھی جیسا کہ وہیں ہے: ''اخّر العصر شیئا'' عصر تھوڑی سی مؤخر کر دی۔ مراد یہ ہے کہ جس وقت مستحب پر نماز پڑھنے کی ان کی عادت تھی، کسی اہم مصروفیت کی وجہ اس وقت نہ پڑھی کچھ دیر کے بعد پڑھی۔ اور طبرانی میں جو یہ ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے شام ہو گئی تھی، اس سے مراد یہ ہے کہ شام قریب ہو گئی تھی۔

یوماً

اس سے معلوم ہوا کہ اہم مصروفیت کی وجہ سے ایک دن یہ تاخیر ہو گئی تھی۔ بنی امیہ کے دیگر افراد کی طرح ان کی یہ عادت نہ تھی۔ حضرت عروہ کی تنبیہ اس بناء پر تھی کہ بنی امیہ نمازوں کو عموماً قضا کر کے پڑھتے تھے، جیسا کہ ولید نے ایک بار شام کے وقت جمعہ پڑھایا اور حجاج کی بھی یہی عادت تھی، جس پر حضرت ابن عمر نے اسے ایک بار ٹوکا بھی کہ سورج تیرا انتظار نہ کرے گا۔ ولید بن عقبہ عصر ہمیشہ دیر کر کے پڑھتا تھا، جس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے ٹوکا کرتے، اس ماحول میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک بار ایسا ہو گیا جو

ان کی شان کے مناسب نہ تھا (اس لیے حضرت عروہ نے تنبیہ فرمائی)۔

اخّر الصلٰوۃ یوما

یہ بھی نمازِ عصر ہی تھی جیسا کہ بخاری کی مغازی والی روایت میں ہے' یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے' ان سے اتفاقیہ ایک بار تھوڑی سی تاخیر ہوگئی تھی۔

نزل فصلی

امام ابن اسحاق نے مغازی میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کی صبح کو پیش آیا' یعنی معراج کی شب گزرنے کے بعد جو دن تھا اس دن۔ صبح سے مراد بعد میں آنے والا دن ہے' اس لیے کہ واقعہ صبح کو نہیں پیش آیا تھا بلکہ سورج ڈھلنے کے بعد۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ جبریل امین نے بیت اللہ شریف کے پاس امامت کی تھی۔ صحیح یہی ہے کہ ان نمازوں میں جبریل علیہ السلام امام تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقتدی' جیسا کہ بخاری ہی کی بدء الخلق والی حدیث میں ہے: ''فامّنی جبریل'' جبریل نے میری امامت کی۔ نیز ترمذی میں حضرت ابن عباس کی حدیث میں بھی یہی ہے' نیز نسائی کی جو تفصیلی حدیث ہم نے ذکر کی اس سے بھی یہی ظاہر ہے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مفضول اپنے سے افضل کی امامت کرے۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم امامت فرماتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے۔ اخیر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اکٹھے ہوں گے تو امام حضرت امام مہدی ہوں گے۔ میں نے ''فصلی'' کا ترجمہ' اور نماز پڑھی کیا ہے' اس لیے کہ فاء واؤ کے معنی میں ہے' جیسا کہ امراؤالقیس کے پہلے شعر ''بین الدخول فحومل'' میں ہے' اس لیے کہ تعقیب مراد لینا خلاف واقعہ ہے اور سببیت میں بُعد ہے۔

بھٰذا اُمِرْتُ

اس میں دونوں روایتیں ہیں' تاء کو ضمہ واحد متکلم کا صیغہ' مجھے اس کا حکم دیا گیا اور تاء کو فتحہ واحد مخاطب کا صیغہ آپ کو اس کا حکم دیا گیا ہے' یعنی نمازوں کے اوقات کی یہ تحدید من جانب اللہ ہے۔

اِعْلَم ما تحدث بہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ ارشاد اس وجہ سے تھا کہ حضرت عروہ نے حدیث کی سند نہیں بیان کی تھی' اس لیے بعد میں حضرت عروہ نے سند بیان کردی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تک اس سے پہلے یہ حدیث نہ پہنچی ہو اور یہ کہنا کہ یہ ان کی جلالت شان کے مناسب نہیں۔ ایسی مشہور و معروف حدیث اور انہیں نہ پہنچی ہو' صحیح نہیں۔ ہر ذی علم جانتا ہے کہ ایک دو احادیث سے ناواقف ہونا' ان کی یا کسی کی بھی عظمت کے منافی نہیں۔

اقول: پہلا جواب بھی خلل سے خالی نہیں ہے' اس لیے کہ حضرت عروہ نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا نام لیا تھا کہ وہ حضرت مغیرہ کے پاس گئے۔ حضرت عروہ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ حضرت معاویہ کے زمانے کا ہے' ان کی حکومت ۴۲ھ میں قائم ہوئی۔ اس وقت حضرت عروہ کم از کم بیس سال کے تھے' وہ اس واقعے کے چشم دید گواہ ہوسکتے ہیں اور اس حدیث کو براہِ راست حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے سن سکتے ہیں' پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ انہوں نے یہ حدیث بلا سند بیان کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ مدینہ طیبہ رہتے تھے اور حضرت ابو مسعود انصاری کوفہ میں بس گئے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو شبہ ہوا کہ تم کس طرح یہ بیان کرتے ہو جبکہ تم اس وقت موجود بھی نہ تھے اور تمہاری ان سے ملاقات بھی نہیں' تو انہوں نے بیچ کا واسطہ بیان کردیا۔

کہ میں نے ان کے صاحبزادے بشیر سے سنا ہے' وہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں۔

کان بشیر بن ابی مسعود......(اس حدیث کے راوی اس نماز میں شریک نہیں تھے)

امامت جبریل والی حدیث جتنے بھی صحابہ کرام سے مروی ہے' ان میں کسی کا بھی اس نماز میں شریک ہونا تو بڑی بات ہے' اس وقت ان میں سے کوئی صاحب وہاں موجود بھی نہ تھے۔ حضرت ابوہریرہ' حضرت انس' حضرت جابر' حضرت ابو مسعود انصاری' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت ابوسعید خدری' حضرت براء' حضرت عمرو بن حزم' ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا اور حضرت ابن عباس ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے' اس لیے یہ حدیث مرسل ہے مگر صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق متصل کے حکم میں ہے۔ اس لیے کہ ان صحابی نے یا تو اسے خود حضور سے سنا ہے یا کسی صحابی سے سنا ہے جو شریک واقعہ تھے' اس سے جناب شبلی نعمانی صاحب اور ان کے تلمیذ رشید سلیمان ندوی صاحب کی اس تحقیق کی حقیقت معلوم ہوگئی جو انہوں نے کثیر احادیث کو صرف اس بناء پر ردّ کر دیا ہے کہ اس کا راوی شریک واقعہ نہ تھا۔

عصر کا وقت

ہم نے نسائی کی جو مفصل روایت ذکر کی ہے' اس میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پہلے دن مثل اوّل میں پڑھی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ مثل اوّل میں عصر کا وقت ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت نکل جاتا ہے جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب مفتی بہ جو ظاہر روایت ہے' یہ ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک ہے اور عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث' تین احادیث صحیحہ کے معارض ہے۔ ایک حدیث ''ابردوا'' کے' دوسرے ''حتی اذا ساوی ظل التلول'' کے' تیسرے وہ حدیث جس میں اس اُمت کی اگلی اُمتوں سے تفضیل بیان کی گئی جو مفصلاً بہت جلد مذکور ہوگی۔ اس تعارض کے دفع کی کوئی صورت نہیں' لامحالہ امامت جبریل والی حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے' اس لیے کہ امامت جبریل کی حدیث ان سب پر مقدم ہے۔

پہلا اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث پر ایک اشکال یہ ہے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کی نماز مثل اوّل ہونے پر پڑھی یعنی مثل ثانی میں' تو ثابت ہو گیا کہ ظہر کا وقت مثل ثانی تک ہے اور پہلے دن عصر کی نماز مثل اوّل ختم ہونے کے بعد مثل ثانی میں پڑھی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مثل ثانی کے شروع ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بہت سے ائمہ نے یہ قول کیا ہے کہ مثل ثانی ظہر اور عصر کا مشترک وقت ہے مگر ان کا یہ قول مسلم شریف کی اس حدیث کی بناء پر ناقابل قبول ہے کہ فرمایا: ''وقت الظهر ما لم تحضر العصر''[1] جب تک عصر کا وقت نہ آ جائے' ظہر کا وقت ہے' اسی حدیث سے بعض شوافع اور داؤد ظاہری کا یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ ظہر اور عصر کے مابین کچھ وقفہ ہے جس میں کسی نماز کا وقت نہیں ہے۔ حضرات شوافع اس کی تاویل کرتے ہیں کہ ''حين كان ظل الرجل مثل شخصه'' سے مراد یہ ہے کہ قریب تھا کہ سایہ ایک مثل ہو جاتا۔

دوسرا اشکال اور اس کا جواب

فرشتوں پر نماز پنجگانہ فرض نہیں' اس لیے حضرت جبریل کی نماز نفل تھی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نمازیں فرض تھیں' تو لازم آیا کہ فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کی نماز پنجگانہ حضرت جبریل پر فرض تھی جیسا کہ ان کے ارشاد ''بهٰذا اُمِرْتُ'' مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے' سے ظاہر ہے۔ اگرچہ فرضیت صرف اس لیے تھی کہ وہ حکم

[1] مسلم ج ۱ ص ۲۲۳۔ باب: اوقات الصلوات الخمس

الٰہی کی تبلیغ کر دیں اور نماز پڑھ کے نماز کے اوّل وآخر اوقات کی تعیین کر دیں۔

"والشمس فی حجرتھا" کی تقریر حدیث: ۳۶۱ میں آ رہی ہے۔

۳۴۹- ح: حَدِيْثُ حُذَيْفَةَ فِي الْفِتْنَةِ

۳۴۹- حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ قُلْتُ أَنَا كَمَا قَالَهُ قَالَ إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيْءٌ قُلْتُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ قَالَ لَيْسَ هٰذَا أُرِيْدُ وَلٰكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَا يَمُوْجُ الْبَحْرُ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ قَالَ يُكْسَرُ قَالَ إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا قُلْنَا أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا أَنَّ دُوْنَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيْطِ فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ فَأَمَرْنَا مَسْرُوْقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ الْبَابُ عُمَرُ. (بخاری- ج ا- کتاب المواقیت- باب: الصلوۃ كفارة ص ۷۵ ج ا- کتاب الصیام- باب: الصوم كفارة ص ۲۵۴ ج ا- کتاب الزکوٰۃ- باب: الصدقة تكفر الخطيئة ص ۱۹۳ ج ۲- کتاب الفتن- باب: الفتنة التى تموج كموج البحر ص ۱۰۵۱ مسلم ترمذی ابن ماجہ)

[حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث فتنہ سے متعلق]

شقیق نے کہا: میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ فتنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سب سے زیادہ تم میں سے کس نے یاد رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسی طرح یاد رکھا ہے جیسے حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا: تم اس پر جری ہو؟ میں نے عرض کیا: مرد کا فتنہ جو اس کے اہل اور اس کے مال اور اس کی اولاد اور اس کے پڑوس میں ہوتا ہے نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا: میری مراد ایسا فتنہ نہیں میں اس فتنے کو پوچھنا چاہتا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اُٹھے گا۔ حذیفہ نے کہا: اے امیر المومنین! اس سے آپ کو کوئی ضرر نہ ہوگا اس کے اور آپ کے درمیان بند دروازہ ہے۔ فرمایا: دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ عرض کیا: توڑا جائے گا فرمایا: تو کبھی بند نہ کیا جا سکے گا؟ ہم نے حضرت حذیفہ سے عرض کیا: کیا حضرت عمر دروازے کو جانتے تھے؟ فرمایا: ہاں! ایسے جانتے تھے جیسے کل سے پہلے رات ہے میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی جو غلط نہیں (دروازہ کون تھا؟) یہ دریافت کرنے میں ہم حضرت حذیفہ سے مرعوب ہو گئے تو ہم نے مسروق سے کہا انہوں نے پوچھا تو فرمایا: دروازہ حضرت عمر تھے۔

۳۵۰- ح: أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً

۳۵۰- عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود: ۱۱۴) فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلِي هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ.

[ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اس کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بتایا: اس پر اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں" اس پر ان صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ صرف خاص میرے لیے ہے؟ فرمایا: میری تمام اُمت کے لیے۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب المواقیت۔باب:الصلوٰۃ کفارۃ ص ۷۵ ج ۲۔کتاب التفسیر۔سورہ ھود۔باب:قولہ ان الحسنات یذھبن السیئات ص ۶۷۸ ، مسلم۔کتاب التوبہ ترمذی۔کتاب التفسیر نسائی ابن ماجہ۔کتاب الصلوٰۃ)

فتنة......(فتنہ کا معنی واستعمال)

اس کے اصل معنی آزمائش اور امتحان کے ہیں مگر اس کا استعمال کفر وشرک معاصی جنگ وجدال اور کبھی مطلق شروفساد کے معنی میں ہوتا ہے۔اور اب اردو میں شروفساد ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔

تکفرها الصلوٰة......(حسنات صرف صغائر کے لیے کفارہ ہیں)

مرجیہ نے اس قسم کی احادیث سے استدلال کیا ہے کہ طاعات وعبادات صغیرہ وکبیرہ ہر گناہ کا کفارہ ہیں۔اہل سنت کا مسلک ہے کہ طاعات وعبادات صرف صغائر کے لیے کفارہ ہیں کبائر بغیر توبہ وادائے حقوق کے معاف نہیں ہوں گے۔ارشاد ہے:

إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ. (النساء:۳۱)
اگر ایسی منہیات سے بچو گے جو کبیرہ ہوں تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ (نیکیوں کو) بنادیں گے۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا:

الصلواة الخمس والجمعة الى الجمعة و رمضان الى رمضان مكفرات لما بينهم اذا اجتنب الكبائر. (ج ا۔کتاب الطہارۃ۔ص ۱۲۲)
نماز پنجگانہ اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے جب تک کبائر سے بچے۔

یکسر

اس سے مراد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے اس کی تصدیق تاریخ کی ایک ایک سطر کر رہی ہے۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک اسلام کا کلمہ متحد ہے مسلمان شیر وشکر تھے نہ کوئی مذہبی اختلاف تھا نہ کوئی سیاسی ان کی شہادت کے بعد ہی سے جو فتنے پیدا ہونے شروع ہوئے تو آج چودہ سو برس ہو گئے ختم نہیں ہوئے ختم کیا ہوں گے ایک کچھ ٹھنڈا پڑتا ہے تو دوسرا سر اٹھاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

کما یموج البحر

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی کے قابو کا نہ ہوگا اور جیسے سمندر کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں یہ بھی ایک دوسرے سے ٹکراتے رہیں گے۔اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام بھی علم غیب رکھتے تھے حتیٰ کہ یہ بھی تفصیل جانتے تھے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔

حدیث:۵۰۳ میں جو آیت کریمہ ہے اس میں "طَرَفَيِ النَّهَارِ" (ھود:۱۱۴) سے بربناء قول راجح نماز فجر اور نماز عصر مراد ہے۔یہی امام مجاہد اور امام ضحاک کا قول ہے۔علامہ عینی نے اس سے استدلال فرمایا کہ فجر میں اسفار اور عصر میں تاخیر مستحب ہے وہ اس طرح کہ دن کے دو کنارے طلوع اور غروب ہیں۔طلوع آفتاب کے وقت یا اس کے بعد فوراً کوئی نماز نہیں اس لیے مجازاً اس سے مراد قرب طلوع ہوگا جب کہیں معنی حقیقی متعذر ہو تو معنی مجازی متعین ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ نماز فجر طلوع آفتاب کے قریب پڑھی جائے یہی اسفار ہے۔اسی طرح وقت غروب سے مراد قریب غروب ہے غروب سے قبل آفتاب میں زردی پیدا ہونے کے بعد وقت مکروہ ہے تو مراد یہ ہوئی کہ وقت مکروہ سے پہلے اس کے قریب پڑھو۔اسی طرح "زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ" (ھود:۱۱۴) سے نماز وتر کا بھی اثبات ہوتا

ہے اس طرح کہ "زلفا" جمع ہے اور اقل جمع تین ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رات کے تین حصوں میں نماز پڑھو مغرب اور عشاء سب کو معلوم ہے تیسری نماز وتر ہے۔

۳۵۱- ح: اَحَبُّ الْاَعْمَالِ الصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا

[سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اپنے وقت پر نماز پڑھنا ہے]

۳۵۱- سَمِعْتُ اَبَا عَمْرٍو الشَّیْبَانِیَّ یَقُوْلُ حَدَّثَنَا صَاحِبُ ھٰذِہِ الدَّارِ وَاَشَارَ اِلٰی دَارِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ۔

ابوعمرو شیبانی کہتے ہیں کہ اس گھر کے مالک نے مجھ سے حدیث بیان کی اور اشارہ کیا حضرت عبداللہ کے گھر کی طرف انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کو سب سے زیادہ کون سا عمل محبوب ہے؟ فرمایا: اپنے وقت پر نماز انہوں نے پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: پھر ماں باپ کے ساتھ بھلائی انہوں نے پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد انہوں نے کہا: انہیں حضور نے بیان فرمایا اگر میں مزید پوچھتا تو حضور اور بھی بتاتے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: مواقیت الصلوٰۃ ص ۷۶ ج ا۔ کتاب الجہاد۔ باب: فضل الجہاد ص ۳۹۰ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب قولہ تعالی وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بوالدیہ ص ۸۸۲ ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ عملا ص ۱۱۲۴ مسلم۔ کتاب الایمان ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب البر والصلۃ نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۳۵۲- ح: لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ

[اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر دریا ہو]

۳۵۲- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا مَّا تَقُوْلُ ذٰلِکَ یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِہٖ قَالُوْا لَا یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِہٖ شَیْئًا قَالَ فَذٰلِکَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰہُ بِھَا الْخَطَایَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بتاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر دریا ہو جس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس کے میل میں سے کچھ رہ جائے گا؟ لوگوں نے عرض کیا: اس کے میل میں سے کچھ نہیں باقی رہے گا فرمایا: یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے ان کی وجہ سے اللہ عزوجل گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ الخمس کفارۃ للخطایا ص ۷۶ مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ ترمذی۔ کتاب الامثال نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

الٰی دار عبد اللّٰہ

یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہیں جیسا کہ جہاد اور توحید میں تصریح ہے۔

احب الی اللّٰہ

اکثر روایتوں میں افضل ہے مراد ایک ہی ہے اس لیے کہ دونوں میں تلازم ہے جو عمل اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ پیارا ہوگا وہ

کے نزدیک سب سے افضل ہوگا اور جو افضل ہوگا وہ سب سے زیادہ پیارا ہوگا۔ احادیث میں مختلف اعمال کو افضل الاعمال فرمایا گیا ہے' اس کی توجیہ نزہۃ القاری' ج ا۔ حدیث: ۱۲ میں دیکھیں۔

الصلوٰۃ علی وقتہا

مراد یہ ہے کہ نماز وقت کے اندر اندر ادا کرے' قضا نہ کرے۔ بعض شارحین نے یہ کہا کہ وقت مستحب میں ادا کرنا مراد ہے اور دلیل میں ترمذی کی یہ حدیث لائے:

اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰہِ. (ج ا ص ۲۴)

نماز کا اوّل وقت اللہ کی رضامندی ہے اور آخر وقت معافی ہے۔

ابن حبان نے کہا کہ اس حدیث کی روایت تنہا یعقوب بن ولید نے کی ہے اور یہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ ابوحاتم رازی نے کہا: حدیث موضوع ہے۔ میمونی نے کہا: اس مضمون کی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (عینی۔ ج ۵ ص ۱۴)

۳۵۳- ح: وَھٰذِہِ الصَّلٰوۃُ قَدْ ضُیِّعَتْ

[اور یہ نماز (بھی) ضائع کردی گئی ہے]

۳۵۳- سَمِعْتُ الزُّھْرِیَّ یَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقُلْتُ مَا یُبْکِیْكَ فَقَالَ لَا اَعْرِفُ شَیْئًا مِّمَّا اَدْرَکْتُ اِلَّا ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ وَھٰذِہِ الصَّلٰوۃُ قَدْ ضُیِّعَتْ. (بخاری۔ ج ا۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: فی تضییع الصلوٰۃ عن وقتہا ص ۷۶)

امام زہری کہتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' جب وہ دمشق تشریف لائے تھے (تو دیکھا) وہ رو رہے ہیں' میں نے عرض کیا: آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: میں نے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں) جو کچھ دیکھا تھا' ان میں نماز کے سوا کچھ نہیں پاتا اور یہ نماز بھی ضائع کردی گئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ دمشق شہنشاہِ وقت ولید بن عبدالملک کے پاس ظالم حجاج کی زیادتیوں سے تنگ آکر فریاد لے کر گئے تھے' خصوصاً نماز کے بارے میں' مگر ولید نے بھی کچھ تدارک نہیں کیا۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت انس رو رہے تھے' ویسے حضرت انس بصرہ رہتے تھے' وہیں مدفون بھی ہیں۔ دمشق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اخیر ایامِ خلافت میں فتح ہوا' جب سے آج تک وہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں ہے اور شام کا صدر مقام رہا۔ حضرت معاویہ نے جب اپنی سلطنت قائم کی تو اسی کو دارالسلطنت بنایا' بنی امیہ کی جب تک حکومت رہی' یہی ان کا دارالسلطنت رہا۔ آج کل بھی دمشق ہی دارالسلطنت ہے۔

۳۵۴- ح: اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ

[سجدوں میں اعتدال رکھو]

۳۵۴- عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا یَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْہِ کَالْکَلْبِ وَاِذَا بَزَقَ فَلَا یَبْزُقَنَّ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلَا عَنْ یَّمِیْنِہٖ فَاِنَّہٗ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدوں میں اعتدال رکھو اور اپنی کلائیاں کتے کی طرح نہ بچھاؤ اور جب تھوکو تو سامنے اور دائیں طرف نہ تھوکو' اس لیے کہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔

سجدے میں اعتدال سے مراد یہ ہے کہ زمین پر صرف ہتھیلیاں رکھے' کلائیاں اُٹھائے رکھے۔ انہیں بازوؤں سے اور بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھے۔ اسی طرح پنڈلیاں زمین سے اُٹھائے رکھے اور انہیں زانوؤں سے اور رانوں کو پیٹ سے علٰیحدہ کیے رہے۔ یہ مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ سمٹ کر سجدہ کریں' یعنی بازو کروٹوں سے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں

سے اور پنڈلیاں زمین سے ملائے ہوئے سجدہ کریں[1] اسی سے ظاہر ہو گیا کہ عورتوں کے لیے پاؤں کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر ...
ضروری نہیں، ورنہ پنڈلیاں مل نہ پائیں گی۔

فلا یبزقنّ

اسی جلد کے صفحہ ۱۲۶ پر تفصیلی کلام ہو چکا ہے، یہاں اس نکتے پر روشنی ڈالنی ہے کہ "فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ" آگے نہ تھوکنے کی علت بن سکتا ہے مگر دائیں طرف تھوکنے سے ممانعت کی علت نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ موجودہ جلد کے صفحہ ۱۲۵ پر یہ حدیث گزر چکی کہ فرمایا "وَإِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ" نیز حدیث گزری کہ دائیں طرف اس لیے نہ تھوکو کہ اس جانب فرشتہ ہے۔

اقول: حل کے لیے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے جملوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی۔ "يُنَاجِي رَبَّهُ" پہلے تھا جیسے کہ حدیث: ۲۸۲ میں ہے۔ یہاں راوی نے بعد میں ذکر کر دیا، اگر حدیث: ۲۸۲ میں "فان ربه بينه وبين القبلة" ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ حکم واحد کی دو علتیں ہو سکتی ہیں، دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت مناجاۃ بھی ہے اور فرشتے کا ہونا بھی۔

۳۵۵- ح: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا

[گرمی کی شدت میں (نماز) ٹھنڈی کر کے ادا کرو]

۳۵۵- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلٰوةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ.

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: الابراد بالظهر ص ۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، حضور نے فرمایا: جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو اس لیے کہ سخت گرمی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے، جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرے بعض نے بعض کو کھا لیا تو اسے دو سانسوں کی اجازت دے دی، ایک سانس کی جاڑے میں اور ایک سانس کی گرمی میں اور یہی وہ سخت گرمی ہے جسے تم محسوس کرتے ہو اور سخت سردی ہے جسے تم محسوس کرتے ہو۔

۳۵۶- ح: فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

[گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے]

۳۵۶- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وقت ٹھنڈا کر کے ظہر پڑھو اس لیے کہ سخت گرمی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: الابراد بالظهر فی شدة الحر ص ۷۷، باب: اذان للمسافر ص ۸۷، کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة النار ص ۴۶۲، ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: الابراد بالظهر فی السفر ص ۷۷)

۳۵۷- ح: حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ

[حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا]

۳۵۷- عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ فَقَالَ النَّبِيُّ

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھنڈا کر، پھر کچھ دیر کے بعد اذان کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا: ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا تو

[1] بہار شریعت۔ حصہ ۳، ص ۸۳-۸۴

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (تَتَفَیَّؤُا) یَتَمَیَّلُ. (ابن ابی حاتم فی تفسیرہ)

ﷺ نے فرمایا: بے شک سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے، جب گرمی سخت ہو تو وقت ٹھنڈا کر کے نماز پڑھو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''یَتَفَیَّؤُا'' کے معنی ''یَتَمَیَّلُ'' کے ہیں، یعنی جھکتی ہیں۔

اذا اشتد الحر......(ظہر کا وقت کب تک ہے اور مستحب وقت کیا ہے؟)

یہاں ''رَأَیْنَا فَیْءَ التُّلُوْل'' ہے اور باب اذان المسافر میں ''حتی ساوی ظِلُّ التُّلُوْل'' ہے، یہ حدیث اس پر نص ہے کہ ظہر کا وقت مستحب مثل ثانی ہے، نیز اس پر نص ہے کہ مثل ثانی تک ظہر کا وقت رہتا ہے، وہ اس طرح کہ اس میں صریح حکم موجود ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ کتنا ٹھنڈا کرنا چاہیے؟ وہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے کہ حضرت بلال نے اذان کہنی چاہی تو فرمایا: ٹھنڈا کر۔ تین بار یہی فرمایا، جیسا کہ اذان المسافر[1] میں ہے بلکہ ''حَتّٰی سَاوٰی ظِلُّ التُّلُوْل'' کا ظاہر یہ بتا رہا ہے کہ یہ تین ہی بار میں منحصر نہیں، اس سے زیادہ بھی ارادۂ اذان اور حکم ابراد ہوا ہوگا۔ اور یہی یہاں کی روایت اور اذان المسافر کی روایت میں وجہ تطبیق ہے۔ یہاں دو بار مذکور ہے بلکہ اس سے پہلی روایت میں ایک ہی بار مذکور ہے اور اذان المسافر میں تین بار ہے۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ ایک یا دو یا تین تحدید کے لیے نہیں، حضرت بلال اذان کا ارادہ بار بار فرماتے اور حضور بار بار ابراد کا حکم دیتے، جب ٹیلوں کے سائے نظر آنے لگے اور ٹیلوں کے برابر ہو گئے تو اذان ہوئی اور اگر سیاق حدیث سے صرف نظر کر کے تین ہی بار مانیں تو بھی کیا کم ہے، اسی سے تاخیر کے مبالغہ کا اندازہ کرنا چاہیے۔ ہر دو ارادوں میں اس قدر فاصلہ یقیناً تھا جس کو ابراد کہہ سکیں اور دوسرا وقت بہ نسبت پہلے وقت کے ٹھنڈا ہو، ورنہ لازم آئے گا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم نہ کی، جب اذان میں یہ تاخیر ہوئی تو نماز تو اور بعد میں ہوئی۔ علماء فرماتے ہیں کہ ٹیلے عموماً پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے سائے دوپہر کے بہت بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ امام احمد خطیب قسطلانی شافعی، ارشاد الساری شرح بخاری[2] میں فرماتے ہیں: ٹیلوں کا سایہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت نکل جاتا ہے، یعنی اکثر مثل اوّل اس لیے کہ امام شافعی کے یہاں ظہر کا وقت صرف مثل اوّل تک ہے۔ ظاہر ہے جب ٹیلوں کے سائے اکثر مثل اوّل گزرنے کے بعد شروع ہوں گے تو ٹیلوں کے برابر مثل ثانی کے اخیر حصے میں ہوں گے۔ اس وقت تک حضور نے اذان نہ ہونے دی، نماز تو یقیناً اس کے بھی بعد ہی ہوئی۔ اب اس میں کوئی شبہہ نہیں رہ جاتا کہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہے۔ اس حدیث کو جمع بین الصلوٰتین پر محمول کرنا خود اسی حدیث سے باطل۔ اوّلاً: حضور یہاں ابراد کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں، یعنی یہ کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصے میں پڑھی جائے، نہ یہ کہ وقت نکال کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھی جائے۔ ثانیاً: یہاں ایک حکم عام ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو تو یوں ہی ٹھنڈے وقت میں پڑھو، یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملا کر پڑھو۔

نانوتوی صاحب پر تعقب

مطبوعہ ہند بخاری کے حاشیے پر (خ) کا رمز دے کر ہمارے استدلال مذکور پر یہ ریمارک ہے، لیکن ''قَدْ قِیْلَ مقدار الفیٔ کان باقیا بعدٗ'' غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ سایۂ اصلی نکالنے کے بعد یہ وقت دو مثل نہ رہے گا۔

اقول: افسوس اس کا ہے کہ محشی صاحب اپنے کو حنفی کہتے ہیں بلکہ دیوبندیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ حاشیہ نانوتوی صاحب کا لکھا ہے جو اپنے استاذ کے نام سے انہوں نے ازراہِ انکساری چھپایا ہے اور مذہب حنفی کو مجروح کرنے کے لیے یہ رکیک بات، محشی صاحب نے اسے ہمارے یورپ پر قیاس کیا ہے۔ وہ بھی اپنے گھر کی دیوار پر، حرمین طیبین اور ان کے بلاد میں گرمیوں میں سایۂ اصلی کبھی کبھی دو انگل

---

1. بخاری۔ ج ا ص ۸۷۔ کتاب الاذان
2. ارشاد الساری۔ ج ا ص ۴۹۷۔ کتاب مواقیت۔ باب: الابراد بالصلوٰۃ فی شدۃ الحر

سے زائد نہیں ہوتا اور مکہ مکرمہ میں کبھی کبھی بالکل نہیں ہوتا' بجائے شمال کے جانب جنوب ہو جاتا ہے۔ ابو داؤد[1] اور ترمذی[2] میں امامت جبریل کی حدیث میں ہے: ''فَصَلّٰى بِي الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ قَدْرَ الشِّرَاكِ'' سورج ڈھلنے کے بعد مجھے ظہر پڑھائی اور سایہ تسمہ کی مقدار تھا۔ البحر الرائق[3] میں مبسوط سے ہے:

واعلم ان لکل شی ظلا وقت الزوال الا بمکۃ والمدینۃ فی اطول ایام السنۃ.

زوال کے وقت ہر چیز کا سایہ ہے مگر سال کے سب سے لمبے دنوں میں حرمین میں نہیں۔

اس کے حاشیے پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس نے فرمایا:

کانہ رحمہ اللّٰہ تعالٰی اطلق العدم واراد القلۃ والا فالمدینۃ الطیبۃ عرضھا الہ زائد علی المیل الکلی بدرجۃ وثلث وثلثین دقیقۃ فکیف ینعدم فیھا الظل ومکۃ عرضھا. کام. اقل من المیل الاعظم بدرجۃ وسبع واربعین دقیقۃ فلا ینعدم فیھا الظل فی اطول الایام بل یکون جنوبیا وانما ینعدم حیث ما ذکرنا واللّٰہ تعالٰی اعلم.

حضرت امام رحمہ اللہ بولے عدم ہیں اور مراد لیا ہے قلت (کالعدم) ورنہ مدینہ طیبہ کا عرض الہ ہے' میل کلی پر ایک درجہ تینتیس دقیقہ زائد ہے تو وہاں سایۂ اصلی کیسے معدوم ہوگا اور مکہ مکرمہ کا عرض کام ہے' میل اعظم سے ایک درجہ سینتالیس دقیقے کم ہے' اس لیے یہاں سایۂ اصلی سب سے بڑے دنوں میں بھی معدوم نہ ہوگا' بلکہ جنوبی ہوگا۔ معدوم اس وقت ہوگا جس وقت ہم نے ذکر کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا یہ ارشاد اس پر ہے کہ فرمایا: اطول ایام میں سایہ نہیں ہوتا' ورنہ اس سے اتفاق ہے کہ بعض ایام میں مکہ معظمہ میں سایۂ اصلی بالکل نہیں ہوتا۔ فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۴۴۳ میں فرمایا:

مکہ معظمہ میں تو بعض اوقات یعنی جب آفتاب سمت الراس سے گزرے...... مطلقاً (سایۂ اصلی) نہیں ہوتا۔ یہ بات وہاں اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب' ہشتم جوزا یا بست و دوم سرطان پر ہو' یعنی ۳۰ مئی اور ۲۴ جولائی کو۔

مولوی محمود الحسن اور کشمیری صاحبان پر تعقب

دیو بند کے شیخ الہند صاحب نے تقریر ترمذی میں کہا: بعض راسخ فی الحنفیت نے کہا کہ ''ساوی فی التلول'' کے معنی یہ ہیں کہ سائے ٹیلوں کے طول وعرض میں برابر ہو گئے' مثلاً ٹیلہ اگر دس ہاتھ لمبا ہے تو سایہ بھی دس ہاتھ لمبا ہو جائے' یہ درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز غروب کے وقت پڑھی۔ غالباً اپنے استاذ محترم کی تحقیق انیق کی بناء پر انور شاہ کشمیری نے فرمایا: اگر چہ میرے نزدیک مساواۃ فی ء التلول سے حنفیہ کو بھی استدلال نہ کرنا چاہیے کیونکہ بہ ظاہر راوی کا ارادہ حقیقی مساواۃ کا نہ ہوگا اور نہ مثل و مثلین ثابت کرنا تھا۔ (انوار الباری۔ ج ۱۲ ص ۱۷۱)

اس ترقی پسندانہ منطق کی بنیاد غالباً اس پر ہے کہ علماء نے فرمایا کہ سایہ زمین پر مثل اوّل کے اکثر حصہ کے گزرنے کے بعد نظر آئے گا' تو لازم ہوا کہ برابر ہوگا مثل ثانی کے بعد اس لیے کہ زمین پر نظر آنے کے لیے ایک دو انگل سائے کا زمین پر پڑنا کافی ہے' تو جب ایک دو انگل سایہ مثل اوّل کے اکثر حصے کے گزرنے کے بعد زمین پر پڑا تو ٹیلوں کے برابر ہوتے ہوتے ضرور آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو جائے گا' بلکہ اس حساب سے غروب ہو جانا چاہیے۔

---

[1] ابو داؤد۔ ج ۱ ص ۵۶۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المواقیت

[2] ترمذی۔ ج ۱ ص ۲۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: مواقیت الصلوٰۃ

[3] البحر الرائق۔ ج ۱ ص ۲۰۸۔ کتاب الصلوٰۃ

اقول: سایہ کے زمین پر آتے آتے مثل اوّل کے اکثر حصے گزر جانے کی وجہ یہ ہے کہ ٹیلوں کی ساخت ترچھی ہوتی ہے' مثلاً زمین پر اس کی چوڑائی دس ہاتھ ہے تو اس کی چوٹی پانچ ہاتھ یا اس سے بھی کم ہوگی۔ اب ایک ٹیلہ پانچ ہاتھ اونچا ہی مان لیجیے تو لامحالہ چوٹی کا سایہ پہلے ٹیلے کی ڈھال پر پڑے گا' اسے طے کر کے زمین پر آئے گا' ڈھال پر سایہ کے سرکنے کا وہ تناسب نہ ہوگا جو مسطح زمین پر ہوتا ہے' بلکہ اس سے کم ہوگا' اس لیے زمین پر آتے آتے مثل اوّل کا اکثر حصہ گزر جائے گا' مگر زمین پر آ جانے کے بعد اس کا تناسب وہی ہوگا جو عمودی اشیاء کا ہوتا ہے' اس لیے مثل ثانی گزرنے سے پہلے پہلے ٹیلے کے برابر ہو جائے گا اور جب حدیث میں صراحۃً ساوی ظل التلول ہے تو یہ کہنا کہ راوی کا ارادہ حقیقی مساواۃ کا نہ ہوگا' بلا وجہ نص صریح میں تشکیک پیدا کرنا ہے۔

دوسری دلیل

"ساوی ظل التلول" سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف "ابرد" یا "ابردوا" پر انصاف کے ساتھ غور کریں تو اسی سے ثابت ہو جائے گا کہ مثل ثانی تک ظہر کا وقت ہے۔ گرمیوں میں تجربہ کر کے دیکھ لیں' زوال کے وقت گرمی میں جو شدت ہوتی ہے' مثل اوّل تک اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگرچہ زوال کے بعد سورج کی کرنیں زمین پر آڑی ترچھی پڑنے لگتی ہیں' مگر چونکہ زمین' پہاڑ' دیواریں تپتی رہتی ہیں' اس لیے گرمی کا احساس دوپہر کے برابر ہوتا ہے' گرمی کی شدت مثل ثانی ہی میں کم ہونا شروع ہوتی ہے۔ اس لیے اگر ساوی ظل التلول نہ بھی ہوتا اور وقفہ وقفہ کے بعد تین بار' ابرد ابرد نہ ہوتا تو بھی ثابت تھا کہ ظہر کا وقت مثل ثانی تک ہے' مگر اس میں معاند مجادل کے لیے گنجائش ہے' لیکن حضرت ابوذر کی حدیث نے اس گنجائش کو بالکلیہ ختم کر دیا۔

فالحمد على ذالك

کشمیری صاحب پر تعقب

ظاہر الروایہ یہی ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے اور عصر کا وقت اس کے بعد شروع ہوتا ہے جیسا کہ تمام متون میں ہے اور متون ہی نقل مذہب کے لیے موضوع ہیں۔ امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں یہی قول امام لکھا۔ نہایہ میں ہے: امام سے یہی ظاہر الروایہ ہے۔ غایۃ البیان میں ہے: یہی امام کا مذہب مشہور ماخوذ ہے۔ محیط میں ہے: مذہب امام یہی ہے۔ ینابیع میں ہے: صحیح یہ ہے کہ یہی امام کا قول ہے[1] اس کے برخلاف کشمیری صاحب فرماتے ہیں: کہاں سے لوگوں نے اسے ظاہر الروایت کر دیا حالانکہ آخر وقت ظہر کو نہ جامع کبیر میں ذکر کیا اور نہ صغیر میں اور نہ زیادات میں اور نہ مبسوط میں۔ سرخسی نے تصریح کی ہے کہ (امام) محمد نے آخر وقت ظہر کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اسی طرح سیر کبیر میں بھی اس کا ذکر نہیں اور میں نے سیر صغیر دیکھی نہیں ہے۔ (فیض الباری۔ ج ۲ ص ۹۴)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں تحقیق فرمائی کہ ہمارے بلاد میں فصول کی تقسیم یہ ہے: جب آفتاب بروج' حوت' حمل' ثور میں ہو تو موسم بہار ہوگا اور جب جوزا' سرطان' اسد میں ہو تو گرمی اور جب سنبلہ' میزان' عقرب میں ہو تو خریف اور جب قوس' جدی' دلو میں ہو تو جاڑا۔ انگریزی مہینوں سے شدت گرمی کا وقت ۲۲ مئی سے ۲۴ اگست تک ہے۔ (ص ۲۷۶)

کشمیری صاحب پر دوسرا تعقب

کشمیری صاحب نے اس پر بھی بہت زور دیا ہے کہ مثل ثانی ظہر اور عصر کا مشترک وقت ہے' یہ اس حدیث صحیح سے باطل ہے جسے امام مسلم نے[2] اور ابوداؤد[3] و نسائی[4] نے اپنی اپنی سنن اور امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

[1] البحرالرائق۔ ج ۱ ص ۸-۲۵۷۔ کتاب الصلوۃ (بقیہ حوالہ جات اگلے صفحہ پر)

کہ فرمایا: "وقت الظهر مالم تحضر العصر" جب تک عصر کا وقت نہ آئے ظہر کا وقت ہے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں' ایک یہ کہ ظہر اور عصر کے مابین کوئی وقت مشترک نہیں۔

دوسرے یہ کہ ظہر اور عصر کے مابین کوئی ایسا وقت نہیں جس میں نماز فرض کا وقت نہ ہو۔ رہ گئیں تاویلات باردہ تو اس سے کون سی نص محفوظ رہ سکتی ہے' اس لیے وہ مسموع نہیں۔

فاذن لها بنفسين...... (ایک مشہور اعتراض کا تحقیقی جواب)

اس حدیث پر آج کل یہ بہت اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے تو یہ ضروری ہونا چاہیے تھا کہ گرمیوں میں دن رات چوبیس گھنٹے یکساں گرمی ہوتی' اسی طرح جاڑوں میں جاڑا بھی۔ نیز پوری دنیا میں ایک ہی ساتھ گرمی اور ایک ہی ساتھ جاڑا رہتا۔ حالانکہ خط استواء کے جانب شمال جب گرمی پڑتی ہے تو جانب جنوب جاڑا رہتا ہے اور جب اُدھر جاڑا رہتا ہے تو اِدھر گرمی۔ نیز خط استواء پر ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے' حالانکہ وہاں بھی گرمی اور جاڑا دیگر بلاد کی طرح رہنا چاہیے۔

اقول باللہ التوفیق: اگر جہنم ایک ہی سانس لیتا تو خطِ استواء کے شمالی اور جنوبی بلاد میں موسم کے تضاد سے استحالہ درست تھا۔ حدیث میں ہے: دو سانس لیتا ہے' یعنی پوری دو سانس' ایسا نہیں کہ سانس ایک ہی لیتا ہے' اندر باہر کرنے کو دو سے تعبیر کر دیا۔ پوری سانس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر سے اندر کھینچے اور اندر سے باہر پھینکے' جو بلاد اندر کھینچتے وقت اس کی زد میں آتے ہیں وہاں جاڑا پڑتا ہے' جو باہر پھینکنے کی زد میں آتے ہیں وہاں گرمی۔ کبھی شمالی بلاد کی طرف باہر پھینکنے کا رخ ہوتا ہے تو ادھر گرمی ہوتی ہے اور کبھی جنوبی بلاد کی طرف باہر پھینکنے کا رخ ہوتا ہے تو ادھر گرمی اسی طرح جاڑا بھی۔

نفس فی الشتاء

یہاں "الشتاء" اور "الصیف" سے مدینہ طیبہ اور اس کے نواح کا جاڑا اور گرمی مراد ہے' یعنی وہ بلاد جو خط استواء کے شمال میں واقع ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس نواح کے جاڑے میں ایک سانس لیتا ہے' اس کی پوزیشن یہ ہوتی ہے کہ اس نواح کے بلاد کے رخ سے سانس اندر کھینچتا ہے اور بلادِ جنوبی کی جانب پھینکتا ہے' اس کے نتیجے میں بلادِ شمالی میں جاڑا رہتا ہے اور بلادِ جنوبی میں گرمی۔ اسی طرح نواح مدینہ طیبہ یعنی بلادِ شمالی کے گرمیوں کے دنوں میں بلادِ جنوبی سے سانس اندر کھینچتا ہے اور بلادِ شمالی کی طرف نکالتا ہے۔ اس کے نتیجے میں بلادِ جنوبی میں جاڑا اور بلادِ شمالی میں گرمی رہتی ہے۔ هذا غاية ما قيل في هذا الباب والعلم بالحق جل مجده وعند رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم.

یتفیّؤا یتمیّل

قرآن مجید میں ہے: "يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ" (النحل: ۴۸) اس کی پرچھائیاں دائیں بائیں جھکتی ہیں' اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے۔ "يَتَفَيَّؤُا" کا مادی فیئی ہے' فیئی کا لفظ اس حدیث میں آیا ہے' اس لیے حسب عادت امام بخاری نے اس سے مشتق "یتفیؤا" کی جو قرآن مجید میں آیا ہے' تفسیر فرمائی۔ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ "فیئی" کے معنی جھکنے کے ہیں۔ پرچھائیں کو فیئی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف سے دوسری طرف جھکتی رہتی ہے' یعنی معنی عرفی اور لغوی میں مناسبت بتائی۔

---

۲ (گزشتہ صفحہ کے حوالہ جات) مسلم۔ ج ۱ ص ۲۲۳۔ کتاب المساجد۔ باب: اوقات الصلوات الخمس

۳ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۵۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: المواقیت

۴ نسائی۔ ج ۱ ص ۹۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: تعجیل المغرب

۳۵۸- ح: فَلَا تَسْأَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ

[تم جس چیز کے متعلق بھی مجھ سے پوچھو گے میں اس کے بارے میں تمہیں بتاؤں گا]

۳۵۸- اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِیْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّی الظُّھْرَ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَذَکَرَ السَّاعَۃَ وَذَکَرَ اَنَّ فِیْھَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّسْاَلَ عَنْ شَیْءٍ فَلْیَسْاَلْ فَلَا تَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ مَادُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا فَاَکْثَرَ النَّاسُ فِی الْبُکَاءِ وَاَکْثَرَ اَنْ یَّقُوْلَ سَلُوْنِیْ فَقَامَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ حُذَافَۃَ السَّھْمِیُّ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَۃُ ثُمَّ اَکْثَرَ اَنْ یَّقُوْلَ سَلُوْنِیْ فَبَرَکَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ فَقَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَسَکَتَ ثُمَّ قَالَ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ اٰنِفًا فِیْ عُرْضِ ھٰذَا الْحَائِطِ فَلَمْ اَرَ کَالْخَیْرِ وَالشَّرِّ۔ (بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت الظھر عند الزوال ص ۷۷' کتاب العلم۔ باب: من برك علی رکبتیه عند الامام او المحدث ص ۲۰' کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من صلی وقدامه تنور او نار ص ۶۲' ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکرہ من کثرۃ السوال ص ۱۰۸۳۔ دو طریقے سے)

امام زہری نے فرمایا کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلتے ہی باہر تشریف لائے اور ظہر پڑھی' اس کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا' اور یہ بیان فرمایا کہ اس میں بڑے بڑے حوادث ہوں گے' اس کے بعد فرمایا: جو شخص بھی مجھ سے کچھ پوچھنا چاہے تو پوچھ لے' جب تک میں یہاں ہوں' اس وقت تک جو چیز بھی پوچھو گے میں اُسے بتاؤں گا۔ اس پر لوگ بہت زیادہ رونے لگے اور حضور اقدس بار بار فرماتے: مجھ سے پوچھو! تو حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے۔ اس کے بعد بار بار فرماتے رہے: مجھ سے پوچھو! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھٹنوں پر کھڑے ہو کر عرض کیا: ہم اللہ کے پروردگار ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد کے نبی ہونے پر راضی ہیں' اب حضور نے سکوت فرمایا' پھر فرمایا: جنت اور دوزخ ابھی اس دیوار کے گوشے میں مجھ پر پیش کی گئی' ایسی عمدہ اور بُری چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

تکمیل

یہاں صرف اتنا ہی ہے کہ حضرت عبداللہ نے سوال کیا' لیکن کتاب العلم اور کتاب الاعتصام میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک اور صاحب بھی جن کا نام "سعد بن سالم" تھا کھڑے ہوئے اور یہی سوال کیا تو فرمایا: تمہارے والد کا نام سالم مولیٰ شیبہ ہے' نیز کتاب الاعتصام میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی زائد ہے کہ کسی نے پوچھا: میں کہاں جاؤں گا (جنت یا دوزخ میں)؟ تو فرمایا: جہنم میں۔ دوسری روایت میں یہ بھی زائد ہے کہ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔ (المائدہ: ۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔

حِیْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سورج ڈھلتے ہی ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے' اور یہ کہ اوّل وقت میں نماز بلا کراہت درست ہے۔ نیز یہ کہ جاڑوں میں یہی مستحب ہے کہ ظہر کی نماز اوّل وقت پڑھی جائے۔ اختلاف اس میں ہے کہ گرمیوں کے موسم میں ظہر کا مستحب وقت کیا ہے' ہمارے نزدیک ابراد مستحب ہے' اس کی پوری بحث ابھی گزر چکی۔ ابن بطال نے کرخی سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ

نقل کیا ہے کہ اوّل وقت میں نماز نفل ہوگی۔ علامہ عینی نے فرمایا: امام اعظم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام سرخسی نے مبسوط میں فرمایا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورج ڈھلتے ہی ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ہاں کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ظہر کا وقت اس وقت تک نہیں ہوگا' جب تک کہ سایہ تسمے کی مقدار نہ ہو جائے۔

اقول: غالباً اس قول کی بنیاد اس حدیث پر ہے جو ابوداؤد[1] وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جبریل امین نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمے کے برابر ہو گیا' مگر ظاہر ہے یہ کچھ مخصوص ایام کی بات ہے پورے سال کی بات نہیں' اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے کہ گرمی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز ظہر پڑھنے کے وقت سایہ کی مقدار تین قدم سے پانچ قدم تھی اور جاڑے میں پانچ قدم سے سات قدم تک[2] اس لیے حدیث ابن عباس سے یہ استدلال کہ جب تک سایہ تسمے کے برابر نہ ہو جائے' ظہر کا وقت نہیں ہوتا ساقط ہے۔

۳۵۹- ح: يُصَلِّي الصُّبْحَ وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ

[صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے کہ ہم اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کو پہچان لیتے]

۳۵۹- عَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ وَيُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قَالَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ وَقَالَ مُعَاذٌ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ لَقِيتُهُ مَرَّةً فَقَالَ أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ.

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے کہ ہم اپنے برابر بیٹھنے والے کو پہچان لیتے اور اس میں ساٹھ سے لے کر سو آیت تک پڑھتے اور جب سورج ڈھل جاتا تو ظہر پڑھتے اور عصر اس وقت پڑھتے کہ ہم سے کوئی لوٹ کر مدینہ کے کنارے تک چلا جاتا اور سورج متغیر نہیں ہوتا۔ (ابوالمنہال نے کہا:) میں بھول گیا کہ حضرت ابوبرزہ نے مغرب کے بارے میں کیا کہا تھا اور تہائی رات تک عشاء کی تاخیر کی پرواہ نہیں کرتے تھے' پھر فرمایا کہ آدھی رات تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ شعبہ نے کہا: میں نے ایک بار ان سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا: یا تہائی رات تک۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: وقت الظهر الى الزوال ص ۷۷' ایضاً۔ باب: وقت العصر ص ۷۸' ایضاً۔ باب: ما يكره من النوم قبل العشاء ص ۸۰' ایضاً۔ باب: ما يكره من السمر بعد العشاء ص ۸۴' ایضاً۔ کتاب الاذان۔ باب: القراءة فی الفجر ص ۱۰۶' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

اس کے بعد وقت صلوٰۃ العصر اور اذان میں یہ زائد ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اسی روایت میں یہ ہے کہ ایسے وقت نماز فجر پڑھتے کہ ہم اپنے برابر والے کو پہچان لیتے اور ان دونوں جگہوں میں یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہوتے تو ہم اپنے برابر بیٹھنے والے کو پہچان لیتے۔ احناف کے یہاں نماز فجر میں اسفار مستحب ہے۔ اس کی بحث آگے آئے

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۵۸۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: مواقيت الصلوٰۃ' ترمذی۔ ج ۱ ص ۲۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: مواقيت الصلوٰۃ

[2] ابوداؤد۔ باب: وقت صلوٰۃ الظهر ص ۵۸' نسائی۔ ج ۱ ص ۸۸۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: آخر وقت الظهر

کی یہاں قابل بحث حدیث کا یہ حصہ ہے: "والعصر واحدنا یذهب الی اقصی المدینة رجع والشمس حیة" ہم عصر پڑھ کر مدینہ کے کنارے لوٹ کر جاتے اور سورج متغیر نہیں ہوتا۔ بعض مترجمین نے یہ ترجمہ کیا ہے: ہم میں سے کوئی مدینہ کے کنارے تک جا کر لوٹ آئے' مگر یہ ترجمہ اس حدیث کے دوسرے طرق کے معارض ہے۔ "ثم یرجع احدنا الی رحلة فی اقصی المدینة والشمس حیة" کتاب الاذان میں بھی اسی طرح ہے' البتہ "رحله" نہیں' یعنی ہم مدینہ کے کنارے اپنے گھر لوٹتے تو بھی سورج متغیر نہ ہوتا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ رجع کا متعلق محذوف "الی رحله" ہے نہ کہ مسجد نبوی' اس لیے صحیح ترجمہ وہی ہوا جو ہم نے کیا: لوٹ کر مدینہ کے کنارے تک جاتے اور سورج متغیر نہ ہوتا۔

اس حدیث سے یہ استدلال باطل ہے کہ حضور اقدس ﷺ مثل ثانی کے شروع ہوتے ہی عصر کی نماز پڑھتے' اس لیے کہ ہمارے دیار میں مثل ثانی ختم ہونے کے بعد گرمی کے دنوں میں دو گھنٹے کبھی اس سے زائد بھی وقت رہتا ہے' اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ابوداؤد[1] میں ہے: اس میں اقصی المدینہ کے بجائے العوالی ہے' اس میں وہیں امام زہری کا قول منقول ہے کہ عوالی مدینہ کا فاصلہ دو یا تین میل تھا' یا زیادہ سے زیادہ چار میل۔ اوسط درجے کی رفتار سے ایک گھنٹے میں چار میل طے کیا جا سکتا ہے' اس صورت میں مسجد نبوی میں نمازِ عصر پڑھ کر عوالیٔ مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سورج متغیر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ سورج میں تغیر بیس منٹ غروب سے پہلے ہوتا ہے' فرض کیجیے پندرہ منٹ میں نماز ہوئی' ایک گھنٹے میں عوالی پہنچ گئے تو ابھی سورج ڈوبنے میں پینتالیس منٹ باقی رہتے ہیں' ہمارے نزدیک عصر میں تاخیر مستحب ہے' ایسے وقت پڑھے کہ وقت مکروہ آنے سے پہلے سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد اگر نماز میں کسی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے تو دوبارہ سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ پڑھی جا سکے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے' نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد دنیوی باتیں کرنا ممنوع ہے۔ میزبان کا مہمان سے' زوجین کا آپس میں بات کرنا مستثنیٰ ہے' اسی طرح دینی باتیں بھی' بلکہ بربنائے تحقیق مسلمانوں کے مفاد کے لیے دنیوی باتوں کی بھی اجازت ہے۔

۳۶۰- ع: صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا

[آپ (ﷺ) نے سات اور آٹھ (رکعتیں) مدینہ میں پڑھیں]

۳۶۰- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَقَالَ اَيُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ مَّطِيْرَةٍ قَالَ عَسٰى.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سات رکعت اور آٹھ رکعت مدینہ میں نماز پڑھی' ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی۔ ایوب نے جابر سے پوچھا: شاید بارش والی رات میں ہوا ہو؟ انہوں نے کہا: ہو سکتا ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: تاخیر الظهر الی العصر ص ۷۷' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر ایک ساتھ ملا کر آٹھ رکعت اور مغرب و عشاء ملا کر سات رکعت پڑھی۔ اس کے معارض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے بخاری[2] اور مسلم[3] نے روایت کیا کہ مزدلفہ کے علاوہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ

---

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۵۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: وقت العصر

[2] بخاری۔ ج ا ص ۲۲۸۔ کتاب المناسک۔ باب: متی یصلی الصبح بجمع

[3] مسلم۔ ج ا ص ۴۱۷۔ کتاب الحج۔ باب: الافاضة من عرفات الی المزدلفة

ﷺ نے کسی نماز کو اس کے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھا ہو اس لیے اس سے مراد جمع صوری ہے یعنی ظہر کو مؤخر فرمایا اور آخیر وقت میں ادا فرمایا اور عصر اوّل وقت میں پڑھی' ظہر اپنے وقت میں' اسی طرح مغرب کی نماز آخیر وقت میں اور عشاء اوّل وقت میں ادا فرمائی۔

٣٦١- ح: يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا

[آپ (ﷺ) عصر اس وقت پڑھتے' جب دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی]

٣٦١- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلٰوةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا (وَفِي رِوَايَةٍ) وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا (وَفِي أُخْرٰى) وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي وَلَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ (وَفِي أُخْرٰى) وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے کہ دھوپ (ابھی) ان کے حجرے سے باہر نہ ہوتی' (دوسری روایت میں ہے) دھوپ ان کے حجرے میں رہتی اس کا سایہ حجرے (کی زمین سے) اوپر نہ چڑھا ہوتا (دوسری روایت میں ہے) اور دھوپ میرے حجرے میں چمکتی رہتی اور سایہ اس وقت تک اوپر نہ چڑھا ہوتا' (دوسری روایت میں ہے) دھوپ اوپر ہونے سے پہلے۔

ابوذر اور اصیلی اور کریمہ کی روایت میں باب کے عنوان میں یہ تعلیق بھی ہے: "وَقَالَ اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ. عَنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا" یعنی ابواسامہ نے ہشام سے جو روایت کی اس میں "حُجْرَتِهَا" سے پہلے قعر کا لفظ زائد ہے۔ اس پر شارحین کا اتفاق ہے کہ ان احادیث میں بھی شمس سے مراد دھوپ ہے۔ اور ان سب سے مراد یہ ہے کہ دھوپ حجرے کی زمین پر ہوتی' دیوار پر چڑھی نہ ہوتی اور دھوپ کے بعد جو سایہ ہوتا وہ بھی زمین ہی پر ہوتا' اس لیے کہ دھوپ کے ساتھ ساتھ سایہ بھی آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے' جب دھوپ دیوار پر نہیں چڑھی تھی تو اس سے متصل جو سایہ ہوگا' وہ بھی نہیں چڑھے گا۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "لم یظهر الفیء بعد" سے مراد مسجد اقدس کی دیوار کا سایہ ہو' یا اگر حجرہ مبارک کے آگے کوئی آنگن رہا ہو' اس کی غربی دیوار کا سایہ مراد ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ فرماتی ہیں: دھوپ میرے حجرے میں رہتی' بیرونی دیوار کا سایہ حجرے کی شرقی دیوار پر ابھی چڑھا نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے بیرونی دیوار اور دروازے کا تناسب یہ رہا ہو کہ جب بیرونی دیوار کا سایہ حجرے کی شرقی دیوار پر چڑھتا تو حجرہ مبارکہ سے دھوپ غائب ہو جاتی۔ میرے خیال میں یہ دوسرا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

عصر کی نماز مثلِ اوّل میں پڑھنے پر شوافع کا استدلال

اس حدیث سے شوافع نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ عصر کی نماز مثل اوّل میں پڑھتے تھے' اس لیے کہ حجرۂ مبارکہ بہت چھوٹا تھا' مثل ثانی کے بعد دھوپ ضرور دیوار پر چڑھ جاتی ہے۔

شوافع کے استدلال کا جواب

حضرات شوافع کے استدلال کے جواب سے پہلے چند تنقیح طلب اُمور کی تحقیق ضروری ہے: (۱) حجرۂ مبارکہ مسجد اقدس سے بالکل متصل تھا۔ حدیث گزر چکی کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کی حالت میں حضور اقدس ﷺ سر اقدس میری طرف بڑھا دیتے' میں اس میں کنگھا کر دیتی اور میں حالت حیض میں ہوتی۔ علاوہ ازیں مسجد اقدس کا نقشہ دیکھنے سے بھی یہی ظاہر ہے کہ مسجد مبارک حظیرہ اقدس کی مغربی دیوار تک ہے اور جانب مغرب جالیاں مسجد میں لگائی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

اسطوانہ سریر اور اسطوانہ حرس تک جالیاں ہیں (۲) مسجد اقدس پر چھت تھی (۳) حظیرۂ اقدس اور حجرہ مبارکہ کی غربی دیواریں بالکل متصل ہیں' درمیان میں کوئی خلا نہیں' جیسا کہ علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں اپنا مشاہدہ تحریر کیا ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حظیرہ مقدسہ کے بنائے جانے سے پہلے مسجد مبارک حجرۂ اقدس کی غربی دیوار تک تھی (۴) اس سے ظاہر ہو گیا کہ حجرہ مبارک کے جانب غرب کوئی صحن نہیں تھا نہ اندرونی جسے آنگن کہتے ہیں نہ بیرونی (۵) حضرت عائشہ کے حجرہ مبارکہ کی جانب جنوب قبلہ کی طرف دیگر ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اسی طرف تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حجرہ مبارکہ میں دھوپ کدھر سے آتی تھی۔

اقول وباللہ التوفیق: مسجد اقدس ابتداءً مشرق مغرب ساٹھ ہاتھ چوڑی تھی۔ غزوۂ خیبر کے بعد اس میں اضافہ ہوا اور سو ہاتھ چوڑی اور سو ہاتھ لمبی کی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مشرق مغرب چالیس ہاتھ کا اضافہ ہوا۔ یہ اضافہ مشرق بھی ہوا اور مغرب بھی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ غزوۂ خیبر سے پہلے مسجد اقدس اور حجرہ مبارکہ میں فصل تھا۔ ہوسکتا ہے یہ فصل بیس ہاتھ کے قریب ہو۔ ہوسکتا ہے اس سے کم ہو۔ ہوسکتا ہے ان ایام میں مغرب جانب کچھ آنگن بھی رہا ہو۔ اس سے حجرہ مبارکہ میں دھوپ آتی تھی۔ ہوسکتا ہے کوئی آنگن نہ رہا ہو' درمیانی فاصلے سے دھوپ آتی ہو' جو لوگ اسلوب کلام سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' ان پر ظاہر ہے کہ حضرت ام المومنین کے ارشاد ''والشمس فی حجرتها لم يظهر'' اور ''لم يظهر الفيئ بعد'' سے یہ ظاہر ہے کہ دھوپ شرقی دیوار کے بہت قریب پہنچی ہوتی' البتہ دیوار پر چڑھی نہ ہوتی۔ اگر حضرت ام المومنین کی مراد یہ نہ ہوتی تو یوں فرماتیں: دھوپ حجرے کے بیچ میں ہوتی' چوتھائی میں ہوتی۔ اس وقت سایہ دو مثل کے اندر اندر رہتا یا دو مثل سے زائد ہوتا۔ اس کا فیصلہ اس پر موقوف ہے کہ حجرہ مبارکہ کتنا چوڑا تھا' دروازہ کتنا اونچا تھا اور اگر آنگن تھا تو اس کی دیوار کتنی اونچی تھی' آنگن کتنا چوڑا تھا۔ حجرہ مبارکہ کی مشرق مغرب چوڑائی کا اندازہ حظیرہ مقدسہ سے لگانا مشکل ہے' اس لیے کہ حظیرہ مقدسہ کی دیواروں کی چوڑائی حجرہ مبارکہ کی دیواروں کی چوڑائی اور ان کے درمیان کتنی دوری ہے' اس میں مؤرخین کا اتنا اختلاف ہے کہ کسی ایک بات کا اب فیصلہ بہت مشکل ہے' پھر اسے مدارِ حکم ٹھہرانا کسی طرح صحیح نہیں اور قیاسات سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ شوافع کے خلاف اور ہمارا مؤید ہے۔ (۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مرقد مبارک میں پائنتی کی جانب سے اتارا گیا تھا[1] اس سے معلوم ہو گیا کہ مزار مبارک کے مشرق جانب قد آدم جگہ تھی (۲) مرقد اقدس قد آدم سے کچھ زیادہ ضرور ہو گی' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرقد اطہر کے سرہانے سے شرقی دیوار تک لگ بھگ دس فٹ کا فاصلہ موجود تھا (۳) ذوقِ سلیم بتاتا ہے کہ مرقد اطہر غربی دیوار کے بالکل متصل ہی سے نہیں کھودی گئی ہو گی بلکہ حجرہ مبارکہ کے بیچوں بیچ میں کھودی گئی ہو گی۔ مواجہہ اقدس کا نشان بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ جانب مغرب بھی قد آدم جگہ چھوٹی تھی۔ اس تقدیر پر حجرہ مبارکہ چودہ پندرہ فٹ شرقاً غرباً چوڑا تھا (۴) حجرہ مبارکہ کی چھت قد آدم سے ایک ہاتھ زائد تھی' لمبے قد کا آدمی پانچ فٹ ہوتا ہے تو چھت کی بلندی زیادہ سے زیادہ ساڑھے چھ ہاتھ تھی (۵) اس عہد میں دروازے بہت نیچے ہوتے تھے' حجرہ مبارکہ کی دیوار بھی اسی کی مقتضی ہے' ہوسکتا ہے چار فٹ رہا ہو' ہوسکتا ہے پانچ فٹ رہا ہو (۶) اگر جانب غرب کوئی آنگن تھا تو اس کی بھی مغربی دیوار حجرے کی چھت سے اونچی نہ رہی ہو گی' کچھ کم ہی رہی ہو گی یا زیادہ سے زیادہ اس سے برابر رہی ہو گی۔

اب جبکہ حجرہ مبارکہ چودہ پندرہ فٹ چوڑا تھا اور دروازہ پانچ فٹ مان لیجئے تو مثل ثانی ہو جانے کے بعد بھی دھوپ شرقی دیوار سے دور رہے گی' شرقی دیوار پر مثل ثالث کے اختتام کے قریب پہنچے گی' اسی طرح اگر کوئی آنگن تھا اور اس کی بلندی چھت کے برابر

---

[1] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۸

ساڑھے چھ فٹ مانیں تو اس کی دیوار کا سایہ مثل ثانی تک شرقی دیوار کے قریب نہیں پہنچے گا' بلکہ بیچ حجرے کے قریب رہے گا' اس لیے کہ آخر آنگن بھی کچھ چوڑا رہا ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں گرمیوں کے دنوں میں کبھی کبھی سایہ اصلی انگل دو انگل رہتا ہے۔

غرض کہ کسی تقدیر پر شوافع کا استدلال اس حدیث سے دونوں مدعا میں سے کسی پر صحیح نہیں' نہ اس پر کہ مثل ثانی میں نماز پڑھی اور نہ اس پر کہ اوّل وقت پڑھی' اس لیے کہ ان کے یہاں اوّل وقت مثل ثانی کے شروع میں ہے۔ اور تقدیر مذکور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مثل ثالث میں نماز پڑھی۔ ہمارے مذہب کے مطابق بھی یہ نماز اوّل وقت میں نہ ہوئی' اس لیے کہ حجرہ مبارکہ کے آگے آنگن نہ ہونے کی صورت میں مثل ثانی کے اختتام تک دھوپ تہائی حجرے سے کچھ آگے ہوگی۔ شرقی دیوار تک پہنچنے کے لیے ایک تہائی کے قریب حجرہ طے کرنا باقی ہے اور آگے آنگن مانیے تو آنگن جتنا چوڑا مانیں گے' مثل ثانی کے بعد شرقی دیوار تک پہنچنے کے لیے اتنی اور مسافت طے کرنا باقی رہے گی۔ ہم اوپر بتا آئے کہ حضرت ام المؤمنین کے ارشاد کا اسلوب بتا رہا ہے کہ دھوپ شرقی دیوار تک پہنچی ہوتی' البتہ ابھی دیوار پر چڑھی نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نماز مثل ثالث کا معتد بہ حصہ گزرنے کے بعد پڑھی جاتی تھی نہ کہ اوّل وقت میں۔ اگرچہ ہمارے اس معروض میں کلام کی بہت گنجائش ہے مگر ہم مستدل نہیں مانع ہیں' مستدل امام شافعی ہیں' ایک مخالف احتمال بھی استدلال کی پوری عمارت ڈھا دیتا ہے۔

۳۶۲- ح: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ

[ہم عصر کی نماز پڑھ لیتے' پھر کوئی انسان (بنی عمرو بن عوف میں) جاتا]

۳۶۲- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم عصر کی نماز پڑھ لیتے' پھر کوئی انسان بنی عمرو بن عوف میں جاتا تو انہیں نمازِ عصر پڑھتے ہوئے پاتا۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب مواقیت۔ باب: وقت صلوٰۃ العصر ص۷۸' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۳۶۳- ح: دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ

[ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے]

۳۶۳- سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَقُلْتُ يَا عَمِّ مَا هَذِهِ الصَّلَوٰةُ الَّتِي صَلَّيْتَ قَالَ الْعَصْرُ وَهَذِهِ صَلَوٰةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ.

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی' اس کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں نمازِ عصر پڑھتے پایا۔ میں نے عرض کیا: اے چچا! آپ نے یہ کون سی نماز پڑھی ہے؟ فرمایا: عصر' یہی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نماز کے پڑھنے کا ہے' ہم اسی وقت حضور کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: وقت العصر ص۷۸۔ مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۳۶۴- ح: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ

[ہم عصر کی نماز پڑھ لیتے' پھر ہم میں سے جانے والا قبا جاتا]

وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ

[اور سورج بلند رہتا]

۳۶۴- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا اِلٰى قُبَاءٍ فَيَاْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم عصر کی نماز پڑھ لیتے، پھر ہم میں سے جانے والا قبا تک جاتا اور وہاں پہنچ جاتا اور سورج بلند رہتا۔

۳۶۵- ح: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ

[رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عصر پڑھ لیتے، اور پھر بھی سورج بلند روشن رہتا]

۳۶۵- حَدَّثَنِي اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِيْ فَيَاْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوِهٖ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز پڑھ لیتے تو بھی سورج بلند روشن رہتا، اس کے بعد جانے والا عوالی تک جاتا وہاں پہنچ جاتا اور سورج بلند رہتا۔ (امام زہری نے) کہا کہ مدینہ سے بعض عوالی کا فاصلہ چار میل یا اس کے مثل ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: باب وقت العصر ص ۷۸، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

کنا نصلی

یہ حدیث موقوف یا مرسل ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اس پر علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صحابی کا یہ قول ہم ایسا کرتے تھے، مرفوع کے حکم میں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا: یہ حکماً مرفوع ہے، یہی امام حاکم کا مختار ہے۔ امام بخاری نے اسے جس طرح ذکر کیا ہے، وہ اس کی جانب مشعر ہے کہ یہ مسند ہے، اگر چہ صراحۃً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اضافت نہیں۔ دار قطنی، خطیب اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ موقوف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظاً موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے، اس لیے کہ یہاں حضرت انس اسے استدلال کے لیے لائے ہیں، اس لیے اس پر محمول کرنا ضروری ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسا کرتے تھے۔ اس مخصوص حدیث کے مرفوع ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ نسائی[1] میں حضرت عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھ لیتے۔ الخ

الی بنی عمرو بن عوف

یہ قبیلہ قبا میں رہتا تھا، اس طرح اس حدیث اور حدیث: ۳۶۴ کا حاصل ایک ہوا۔ فرق اس کے بعد ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد دیکھتے کہ وہ لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں اور حدیث: ۳۶۴ میں ہے کہ سورج بلند رہتا۔ نسائی میں حضرت انس سے دو صاحبان نے روایت کی ہے۔ امام زہری نے اور امام اسحٰق بن عبداللہ نے دونوں "الی قباء" تک متفق ہیں، آگے یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ دوسرے نے کہا: اور سورج بلند رہتا۔ ان دونوں میں تعارض نہیں، دونوں باتیں صحیح ہو سکتی ہیں، وہاں پہنچنے کے بعد انہیں نماز پڑھتے بھی پایا اور سورج بھی بلند تھا۔ قبا شریف مسجد نبوی سے تین میل ہے۔ ہم پہلے بتا

[1] نسائی۔ ج ا ص ۸۸۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تعجیل العصر

آئے کہ متوسط رفتار سے تین میل پینتالیس میل میں طے کیا جا سکتا ہے' تو اگر فرض کریں کہ حضور اقدس ﷺ نے مثل ثانی ختم ہونے کے بعد نماز پڑھی' پھر کوئی قبا گیا تو بھی سورج بلند اور روشن ہوگا اور وہ وقت بھی عصر کا وقت غیر مکروہ ہے۔ اس وقت اگر اہل قبا عصر کی نماز پڑھتے ہوں تو کوئی حرج نہیں' پھر یہ بھی تصریح نہیں کہ جانے والا پیدل ہی جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے سواری سے جاتا ہو اور سواری کو دوڑ کر لے جاتا ہو' تو اور بھی کوئی اُلجھن نہیں رہتی۔

والشمس حية

اس کی تفسیر حضرت امام زہری سے ابوداؤد میں یہ مروی ہے کہ اس کی گرمی محسوس ہو۔ مراد یہی ہے کہ اس میں زردی پیدا نہ ہوئی ہوتی۔

والعوالي......(عوالی کا مسجد اقدس سے فاصلہ)

عوالی' عالیہ کی جمع ہے' جس کے معنی بلند کے ہیں۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ کے نواحی کا وہ حصہ ہے جو اپنے مقابل کے اعتبار سے بلند ہے۔ مدینہ طیبہ سے نجد کی جانب یعنی مشرقی حصے کو عالیہ کہتے ہیں اور اس کے مقابل تہامہ کی جانب جو مغربی حصے ہیں انہیں سافلہ کہتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امام زہری کا ارشاد ہے کہ عوالی مدینہ طیبہ سے چار میل یا اس کے مثل ہے' یعنی کم و بیش چار میل ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ انہوں نے دو یا تین بتایا۔ راوی نے یہ بھی کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ بھی کہا: یا چار میل ہے۔ یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ عوالی مدینہ طیبہ سے دو میل سے لے کر آٹھ میل تک ہے۔ قبا شریف بھی عوالی میں ہے۔ ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے' اس لیے یہاں بولے تو العوالی ہیں مگر غالباً مراد قبا شریف ہی ہے' اس لیے ان روایات میں کوئی تعارض نہیں اور نہ ہمارے مذہب کے معارض۔

کشمیری صاحب پر تعقب

انوار الباری میں کشمیری صاحب کا یہ قول نقل کیا: مؤطا امام مالک میں سیر راکب کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں سیر عنق بھی وارد ہے یعنی نمازِ عصر پڑھ کر سوار تیز رفتاری کے ساتھ دو تین فرسخ تک غروب سے قبل پہنچ سکتا تھا۔[1] اتنی اونچی دوکان سے اتنا پھیکا پکوان۔

گفتگو ہو رہی تھی بخاری کی اس حدیث پر کہ عصر پڑھ کر جانے والا عوالی تک جاتا اور سورج بلند رہتا۔ آپ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ جانے والا پیدل نہ جاتا' سوار ہو کر جاتا' وہ بھی تیز رفتاری سے جاتا اور پیش کر رہے ہیں مؤطا کی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ ایک سوار دو فرسنگ یا تین فرسنگ تک جاتا سورج ڈوبنے سے پہلے۔ کہاں عوالی کی بات اور کہاں فرسنگ دو فرسنگ چلنے کی بات' کہاں یہ کہ سورج بلند چمکتا رہتا اور کہاں سورج ڈوبنے سے پہلے کی بات۔ اور سیر عنق والی حدیث میں نہ فرسنگ کا تذکرہ ہے اور نہ عوالی کا اور نہ سورج کے بلند اور روشن رہنے کا' اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ عصر پڑھ کر سوار تیز رفتاری سے چلتا اور سورج ڈوبنے سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ جاتا۔[2] مگر تحقیق شی دیگر ہے اور خام کار طلبہ پر دھونس جما لینا اور بات ہے۔

تاخیر عصر میں احناف کا مذہب

احناف کا مذہب یہ ہے کہ عصر میں تاخیر مستحب ہے' اتنی کہ تمام سنن و مستحبات کے ساتھ ادا کی جا سکے' پھر بھی وقت مکروہ کے علاوہ اتنا وقت بچے کہ اگر نماز میں کوئی فساد پیدا ہو جائے تو دوبارہ سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ ادا کی جا سکے' ہماری مستدل یہ احادیث

---

[1] انوار الباری۔ ج ۱۲ ص ۱۷۹
[2] نسائی۔ ج ۱ ص ۹۱۔ کتاب مواقیت الصلوۃ۔ باب: آخر وقت المغرب

ہیں:

(۱) حضرت علی بن شیبان کہتے ہیں: ہم مدینہ طیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (یہ دیکھا کہ) حضور عصر کی نماز دیر کر کے پڑھتے جب تک سورج سفید ستھرا رہتا۔ (ابوداؤد۔ ج۱۔ کتاب الصلٰوۃ۔ باب: صلٰوۃ العصر ص ۵۹)

(۲) بیہقی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں عصر کے مؤخر کرنے کا حکم دیتے۔

(۳) ترمذی میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر میں تم سے زیادہ جلدی کرتے تھے اور تم عصر میں جلدی کرتے ہو۔ (ترمذی۔ ج۱۔ کتاب الصلٰوۃ۔ باب: ما جاء فی تاخیر صلٰوۃ العصر ص ۲۳)

امام حاکم' زیاد بن عبداللہ نخعی سے راوی ہیں کہ ہم کوفہ کی مسجد اعظم میں حضرت علی کے ساتھ بیٹھے تھے' مؤذن آیا اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! نمازِ عصر۔ فرمایا: بیٹھ جا! تو وہ بیٹھ گیا' پھر آیا اور وہی کہا۔ اس پر فرمایا: یہ کتا ہم کو سنت سکھاتا ہے' اس کے بعد ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ عصر سے فارغ ہو کر ہم اسی جگہ آئے جہاں پہلے بیٹھے تھے تو ہم گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے کہ شاید سورج ڈوب گیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عصر اس وقت پڑھ کہ سورج میں زردی نہ آئے' وہ سفید چمکتا ہوا ہو۔ (وقوت الصلٰوۃ۔ ص ۳)

رہ گئیں وہ احادیث جن سے تعجیل مستفاد ہوتی ہے' وہ عصر کا اوّل وقت بتانے کے لیے ہیں اور پھر ہمارے معارض بھی نہیں' ہم نے کب یہ کہا ہے کہ اوّل وقت میں عصر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے' اس کا بھی احتمال ہے کہ یہی بتانے کے لیے کہ اوّل وقت میں عصر کی نماز مکروہ نہیں' کبھی کبھی اوّل وقت میں عصر کی نماز پڑھ لی ہے۔

۳۶۶- ح: اَلَّذِیْ تَفُوْتُـهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُـهٗ

[جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی' گویا اس کے اہل' مال برباد ہوگئے]

۳۶۶- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِیْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ كَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ ﴿يَتِرَكُمْ﴾ (محمد:٦٦) وَتَرْتُ الرَّجُلَ اِذَا قَتَلْتَ لَهٗ قَتِيلًا اَوْ اَخَذْتَ لَهٗ مَالًا.

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب مواقیت الصلٰوۃ۔ باب: اثم من فاتته العصر ص ۷۸' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصلٰوۃ' ترمذی' نسائی۔ کتاب المواقیت' ابن ماجہ۔ کتاب الصلٰوۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی' گویا اس کے اہل' مال برباد ہوگئے۔ ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) نے فرمایا: قرآن مجید میں آیا ہے: "لن یترکم اعمالکم" (محمد:۶۶) اور اللہ تمہارے اعمال ہرگز ہرگز برباد نہ کرے گا۔ "وتر الرجل" اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کے کسی آدمی کو قتل کر دے یا اس کے مال کو لے لے۔

امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث میں جو لفظ "وُتِرَ" آیا ہے' اس کے معنی ہیں: کسی کو نقصان پہنچانا' بے دست و پا کرنا۔

۳۶۷- ح: فِیْ يَوْمٍ ذِیْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ

[بدلی والے دن عصر کی نماز جلدی پڑھنا]

۳۶۷- عَنْ اَبِی الْمَلِيحِ قَالَ كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِیْ غَزْوَةٍ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فَاِنَّ النَّبِیَّ

ابوالملیح نے کہا کہ ہم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنگ میں بدلی والے دن میں تھے تو انہوں نے فرمایا: عصر کی نماز جلد پڑھ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ.

تو اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے عصر کی نماز چھوڑی اس کا عمل اکارت ہوگیا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب مواقیت الصلٰوۃ۔ باب: اثم من فاتته صلٰوة العصر ص ۷۸' ایضاً۔ باب: التکبیر بالصلٰوة فی یوم غیم ص ۸۳' نسائی۔ کتاب الصلٰوۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الصلٰوۃ)

ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ اگر بدلی ہو تو عصر کی نماز جلد پڑھنی مستحب ہے' بلکہ عشاء میں بھی تعجیل مستحب ہے۔

۳۶۸- ح: اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ

[تم یقیناً اپنے رب کو دیکھو گے]

۳۶۸- عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ (ق:۳۹) قَالَ إِسْمَاعِيْلُ افْعَلُوْا لَا تَفُوْتَنَّكُمْ.

حضرت جریر بن عبداللہ (بجلی) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ایک دن نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے' حضور نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور ارشاد فرمایا: تم اپنے پروردگار کو یقیناً اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو' اس کے دیکھنے میں ذرا بھی شک نہ کرو گے' پس اگر تم سے ہو سکے کہ آفتاب نکلنے سے پہلے کی اور آفتاب ڈوبنے سے پہلے کی نماز پر مغلوب نہ ہو تو ضرور انہیں ادا کر لو' پھر حضور نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: آفتاب نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح کرو' اس کی حمد کے ساتھ۔ اسماعیل (یعنی امام بخاری) نے کہا: "افعلوا" کا مطلب یہ ہے کہ تم سے یہ نمازیں فوت نہ ہوں۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب مواقیت الصلٰوۃ۔ باب: فضل صلٰوة العصر ص ۷۷' ایضاً۔ باب: فضل صلٰوة الفجر ص ۸۱' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب قوله فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ص ۷۱۹' کتاب التوحید۔ باب: قوله عزوجل وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة ص ۱۱۰۵' مسلم۔ کتاب الصلٰوۃ' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ)

"تضامّون" اس میں دو روایتیں ہیں' ایک تاء کا ضمہ اور میم ساکن (اس کا مادہ ضیم ہے) جس کے معنی تعب' زحمت' دقت' مشقت ہے۔ دوسرے تاء کے فتحہ کے ساتھ اور میم مشدد' اس کا مادہ "ضمّ" ہے' ملنا' معنی یہ ہوئے کہ ایک دوسرے پر گر پڑو گے نہیں۔

لَيْلَةً

بخاری[1] ہی کی دوسری روایت میں یہ زائد ہے: "ليلة البدر" اور تفسیر میں "ليلة اربع عشرة" زائد ہے' یعنی چودھویں رات کو۔ نیز مسلم[2] میں بھی اسی کے مثل ہے۔ باب "فضل صلٰوة الفجر" میں ابن شہاب زہری سے اور کتاب التوحید میں ہے: "سترون ربكم عيانا" تم لوگ اپنے پروردگار کو کھلے بند دیکھو گے۔

"سترون ربكم" اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین کو اللہ عزوجل کا دیدار ہوگا اور چشم سر سے ہوگا۔ روافض' معتزلہ' بعض مرجئہ اس کے منکر ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ کی احادیث بیس صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۸۱۔ کتاب مواقیت الصلٰوۃ۔ باب: فضل صلٰوة الفجر

[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۲۸۔ باب: بيان ان اول وقت المغرب عند غروب الشمس

ہیں تو معناً ضرور مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ نیز قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ بہت سے منہ اس دن تروتازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے ۝ (القیامۃ: ۲۲۔۲۳)

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ہاں! یہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے ۝ (المطففین: ۱۵)

جب کفار دیدار خداوندی سے محروم ہوں گے تو ثابت کہ مؤمن سرفراز ہوں گے۔

عدم رؤیت باری تعالیٰ پر روافض کے مستدلات اور ان کے جوابات

(۱) قرآن مجید میں ہے: "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ" (الانعام: ۱۰۳) اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد احاطہ بالبصر ہے یعنی آنکھیں اللہ عزوجل کو اپنی شعاعوں سے مکمل طور پر گھیر نہیں سکتیں۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھنے کی تمنا پیش کی تو ارشاد ہوا: "لَنْ تَرٰىنِيْ" (الاعراف: ۱۴۳) اور "لَنْ" دوامی نفی کے لیے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہی غلط ہے کہ "لَنْ" دوامی نفی کے لیے آتا ہے۔ ارشاد ہے: "وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ" (البقرہ: ۹۵) یہود موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن دیگر کفار کی طرح یہ بھی تمنا کریں گے۔ عرض کریں گے: "يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا" (النباء: ۴۰) اے کاش کہ میں مٹی ہو جاتا۔

(۳) ارشاد ہے: "مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا" (الشوریٰ: ۵۱) کسی بشر کی طاقت نہیں کہ اللہ عزوجل سے کلام کرے سوائے اس کے کہ بہ طور وحی ہو یا یہ کہ یہ بشر پردہ جلال کے ادھر ہو یا یہ کہ کوئی فرشتہ بھیجے۔ جب کلام کرنے کے وقت کوئی انسان اللہ عزوجل کو نہیں دیکھ سکتا تو دوسرے اوقات میں بہ درجہ اولیٰ نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس دنیا کے ساتھ خاص ہے۔

(۴) بنی اسرائیل نے جب یہ خواہش کی: "اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً" (النساء: ۱۵۳) اللہ عزوجل کو ہمیں کھلے بند دکھا دیجئے ان پر عذاب آیا۔ اگر یہ ممکن تھا تو عذاب کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ سوال سرکشی اور عناد کی بنیاد پر تھا اس لیے مبتلائے عذاب ہوئے۔ ان کا یہ سوال بالکل اسی طرح ہے جیسے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تھا: "لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝" (الفرقان: ۲۱) کیوں نہیں ہم پر فرشتے اتارے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے۔ یہ اپنے جی میں بہت اونچی اڑان اڑے حد درجہ سرکشی کی ۝

کیا فرشتوں کا اترنا بھی ناممکن ہے؟

روافض وغیرہ اپنے اس عقیدے پر نقلی دلیلوں سے عاجز آ کر یہ کہتے ہیں کہ عقلاً دیکھنے کے لیے آٹھ باتیں ضروری ہیں: نظر کا سلامت رہنا، دیکھی جانے والی چیز ایسی ہو کہ اس کا دیکھنا صحیح ہو سکے، رائی مرئی آمنے سامنے ہوں یا آمنے سامنے کے حکم میں ہوں جیسے اعراض کہ یہ جسم کے مقابل نہیں اس لیے کہ عرض جسم کے مقابل نہیں ہو سکتا مگر چونکہ اعراض جسم میں حلول کیے ہوئے ہیں اور جسم رائی کے مقابل ہے تو اعراض پر یہ حکم کرنا کہ وہ بھی رائی کے مقابل میں ہیں صحیح ہے۔ مرئی چیز رائی کے بہت قریب نہ ہو اور غایت دوری پر بھی نہ ہو اور نہ بہت زیادہ چھوٹی ہو اور نہ بہت زیادہ باریک اور یہ کہ رائی اور مرئی کے مابین حجاب نہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اخیر کی شرطیں جسم اور جو چیزیں جسم کے حکم میں ہوں انہیں دیکھنے کے لیے شرط ہیں اور اللہ عزوجل نہ جسم ہے اور نہ جسم کے حکم میں ہے لہٰذا

اس کے دیدار کے لیے ان شرائط کی حاجت نہیں ہے' البتہ دو پہلی والی شرطیں ضروری ہیں' یعنی آنکھ کا صحیح وسالم ہونا اور مرئی کا ایسا ہونا کہ اس کا دیکھنا صحیح ہو۔ رؤیت باری تعالیٰ میں یہ دونوں شرطیں حاصل ہیں' اس لیے باری تعالیٰ عز اسمہٗ کی رؤیت کے امکان پر کوئی استحالہ نہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس کا دیدار بلا کیف ہوگا۔ دیکھیں گے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے' جس چیز کو دیکھتے ہیں' وہ دیکھنے والے سے کچھ فاصلے پر ہوتی ہے۔ وہاں یہ نہیں' نیز اس کا دیدار بلا جہت ہوگا۔ جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ دیکھنے والے کے آگے اوپر نیچے دائیں بائیں ہوتی ہے۔ رؤیت باری اس سے منزہ اور پاک ہے۔ رہا یہ کہ پھر کیسے دیکھیں گے۔ یہی تو کہا جا رہا ہے کہ اس کے دکھائی دینے میں کیسے کیوں کر کو کوئی دخل نہیں۔ ان شاء اللہ جب دیکھیں گے تو بتا دیں گے۔ حاصل یہ کہ جیسے اللہ عزوجل تک عقل کی رسائی نہیں' اسی طرح اس کے صفات تک بھی رسائی نہیں۔

دنیا میں اللہ عزوجل کا دیدار بیداری میں حضور اقدس ﷺ کے لیے خاص ہے اور آخرت میں ہر سنی مسلمان کے لیے ممکن بلکہ واقع ہوگا۔ قلبی دیدار یا خواب میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بلکہ اولیاء کے لیے بھی حاصل ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو خواب میں سو بار زیارت ہوئی[1] کافروں کو اللہ عزوجل کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ منافقین کو بھی نصیب نہ ہوگا' اگرچہ اس امت کے منافق ہوں۔

ثم قرأ

اس کے فاعل حضرت جریر ہیں جیسا کہ مسلم شریف میں ہے: "ثم قرأ جریر"۔ (مسلم۔ ج ۱ ص ۲۲۸)

۳۶۹- ح: يَتَعَاقَبُوْنَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ

[کچھ فرشتے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں]

۳۶۹- عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ فرشتے رات میں اور کچھ فرشتے دن میں یکے بعد دیگرے تم میں آتے رہتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر میں اکٹھے ہوتے ہیں' پھر وہ فرشتے جو تم میں رات بھر رہے اوپر جاتے ہیں تو ان سے ان کا رب پوچھتا ہے' حالانکہ وہ ان کے حال کو خوب جانتا ہے' تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے پاس جب گئے تو بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: فضل صلوٰۃ العصر ص ۷۹' باب: ذکر الملائکۃ ص ۴۵۷' ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: قول اللہ عزوجل تعرج الملائکۃ والروح الیہ ص ۱۱۰۵' ایضاً۔ باب: کلام الرب مع جبریل ص ۱۱۱۵' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

يتعاقبون

جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندوں کی حفاظت اور ان کے نامۂ اعمال لکھنے کے لیے مقرر ہیں' لیکن قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ محافظین اور کاتبین کے علاوہ اور فرشتے ہوں' ان کا قیاس اس پر قائم ہے کہ حضرت آدم کی

[1] بہار شریعت۔ حصہ اول ص ۸

تخلیق کے وقت فرشتوں نے بنی آدم پر تعریض کرتے ہوئے یہ کہا تھا: ''اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ'' (البقرہ:۳۰) ''کیا زمین میں ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد مچائیں گے اور خون ریزیاں کریں گے''۔ اسی پر توبیخ کے لیے اللہ عزوجل ان سے پوچھے گا کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا؟ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا غایت کرم اور اس کی انتہائی مہربانی ہے کہ ان فرشتوں کو ہمارے معاصی کی اطلاع نہیں ہوتی' اب یہ بات کراماً کاتبین پر صادق نہیں آتی' اس لیے کہ کراماً کاتبین میں سے ایک برائیاں لکھتا ہے تو کم از کم ان میں سے ایک انسان کے معاصی پر ضرور مطلع ہوتا ہے' رہ گئے محافظین تو کسی وقت انسان سے جدا نہیں ہوتے' لامحالہ وہ بھی برائیوں پر مطلع ہوتے ہوں گے' اس لیے اس حدیث سے نہ تو مراد محافظین ہیں اور نہ کراماً کاتبین۔

اقول وباللہ التوفیق: اس حدیث کی اس پر قطعاً کوئی دلالت نہیں کہ یہ فرشتے معاصی پر مطلع نہیں ہوتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ہم پر شفقت کی وجہ سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض نہیں کرتے۔ حدیث میں اللہ عزوجل کا جو سوال مذکور ہے' وہ یہ ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ چونکہ نمازیوں کو انہوں نے نماز پڑھتے چھوڑا تھا' وہی عرض کر دیں گے' اگر اللہ عزوجل کا سوال یہ ہوتا کہ میرے بندوں نے دن بھر کیا کیا؟ یا رات بھر کیا کیا؟ پھر وہ اتنا ہی عرض کرتے تو امام قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کے استدلال کی گنجائش تھی' پھر غور طلب بات یہ ہے کہ فرض کیجئے کوئی بندہ اس وقت گناہ کر رہا ہو تو وہ فرشتے اس کے بارے میں کیا عرض کریں گے اور بے نمازیوں یا جس نے عصر کی نماز قضا کی' اس کے بارے میں کیا عرض کریں گے؟ اس لیے خادم کے نزدیک جمہور کی رائے صحیح ہے' اس کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ. (الرعد:۱۱) آدمی کے آگے اور پیچھے کچھ فرشتے ہیں جو بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان کی تعداد کتنی ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: دو' چار' پانچ' دس' ایک سو ساٹھ وغیرہ۔ حدیث میں ملائکہ جمع ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں معقبات بھی جمع وارد ہے۔ اقل جمع تین ہے' اس لیے دو کا قول ساقط' اگرچہ کبھی کبھی جمع کا اطلاق مافوق الواحد پر بھی ہوتا ہے مگر یہ خلاف اصل ہے۔ (شامی۔ ج۱۔ باب: صفۃ الصلوٰۃ ص ۳۷۰)

مشہور یہ ہے کہ کاتب سیئات' جماع اور قضائے حاجت اور نماز کے وقت علیحدہ ہو جاتے ہیں' بلکہ شرح جوہر کبیر میں علامہ لقانی نے لکھا ہے کہ اس حالت میں دونوں فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس حالت میں بندہ جو کچھ کرتا ہے' اسے خاص علامتوں کے ذریعے لکھ لیتے ہیں۔ اس پر علامہ شامی نے فرمایا کہ اس پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں پیش کی اور یہی حلیہ میں علامہ حلبی نے بھی لکھا ہے۔ اس پر کچھ لوگوں نے اس حدیث سے دلیل پیش کی تھی کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے: اے مجھ پر مقرر کیے ہوئے فرشتو! یہاں بیٹھو' میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ بیت الخلاء میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس کے جواب میں صاحب حلیہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

فائدہ

اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر صرف وہی فرشتے جاتے ہیں جو رات کو بندوں کے ساتھ رہتے ہیں لیکن واقع میں اہل زبان' کلام کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ دو متقابل باتوں میں سے ایک کو ذکر کر دیتے ہیں اور دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں' جبکہ ایک کے ذکر سے دوسری مستفاد ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ'' (النحل:۸۱) اور تمہارے لیے لباس بنائے جو تم کو

گرمی سے بچائیں حالانکہ لباس جاڑے سے بھی بچاتا ہے مگر صرف گرمی سے بچانے کو ذکر فرمایا جس سے بہ طور التزام جاڑے سے بچانا ثابت ہو گیا۔ اسی طرح یہاں صرف رات کے فرشتوں کے جانے کا ذکر فرمایا مگر جب کہ پہلے یہ مذکور ہو چکا ہے کہ دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے باری باری آتے جاتے ہیں تو اس سے بھی بہ طور التزام یہ ثابت ہو گیا کہ دن کے فرشتے بھی عصر کے وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث سے نمازِ فجر اور عصر کی یہ عظیم فضیلت ثابت ہوئی کہ ان دونوں نمازوں کے وقت رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ نیز اس سے بھی عظیم یہ فضیلت ثابت ہوئی کہ ان نمازوں کے وقت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نمازیوں کا ذکر خیر ہوتا ہے۔

وھو اعلم بھم......(سوال لاعلمی کی دلیل نہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ سوال اس کی دلیل نہیں ہے کہ سائل مسئول عنہ سے ناواقف ہے۔ واقف ہوتے ہوئے بھی کبھی کبھی کچھ مصلحتوں کی بناء پر سوال کیا جاتا ہے۔ اسی سے وہابیوں کی جہالت ظاہر ہوئی کہ احادیث میں اگر کہیں مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کوئی سوال کیا تو کہہ دیتے ہیں کہ اگر حضور کو علم ہوتا تو کیوں پوچھتے؟ اس سوال میں حکمت یہ ہے کہ فرشتے خیر کی شہادت دیں اور فرشتوں کو یہ تلقین بھی کرنا ہے کہ ان بندوں پر مہربانی کریں۔ نیز یہ کہ جو انہوں نے کہا تھا: کیا تو زمین میں ایسے لوگوں کو اپنا نائب بنائے گا جو زمین میں فساد مچائیں گے اور خون ریزیاں کریں گے حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس اور حمد کرتے ہیں۔ اس کا فرشتوں کو جواب دینا مقصود ہے کہ تم علائق دنیوی سے منزہ ہو کر تسبیح و تقدیس کرتے ہو اور میرے یہ بندے علائق دنیوی کے باوجود میری تسبیح و تقدیس اور حمد کرتے ہیں۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب نے فرمایا: جب فجر کی فضیلت کا باب قائم کیا تو وہاں بھی اس حدیث کو نہیں لائے اور صرف آیت کریمہ "اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝" (بنی اسرائیل:۷۸) ذکر کی[1] آپ حضرات بخاری شریف کا مطالعہ کریں انگشت بدندان رہ جائیں گے۔ اس باب میں اس آیت کا بھی ذکر نہیں اور اگر کشمیری صاحب کی مراد کتاب الاذان میں جو باب "فضل صلوۃ الفجر بالجماعۃ" ہے وہ ہے تو وہاں یہ حدیث بھی ہے اگرچہ بالاختصار ہے۔ اور آیت امام بخاری نے نہیں ذکر کی ہے بلکہ حضرت ابو ہریرہ نے خود حدیث بیان کر کے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھو دیکھئے ص ۹۱ کشمیری صاحب کی دونوں باتیں غلط ہو گئیں انہوں نے کہا کہ امام بخاری یہ حدیث نہیں لائے حالانکہ لائے انہوں نے کہا کہ صرف آیت مذکورہ ذکر کی حالانکہ امام بخاری نے یہ آیت نہیں ذکر کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے بیان فرمایا ہے۔

۳۷۰- ح: اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً

[جب تم میں سے کوئی ایک سجدہ پالے]

۳۷۰- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهٗ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے عصر کا ایک سجدہ پالو تو اپنی نماز پوری کر لو اور جب تم سورج نکلنے سے پہلے پہلے صبح کی نماز کا ایک سجدہ پالو تو اپنی نماز پوری کر لو

[1] انوار الباری۔ ج ۱۲ ص ۱۸۵

فلیتم صلاتہ۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب المواقیت۔باب:من ادرک رکعۃ من العصر ص ۷۹ ' باب:من ادرک رکعۃ من الفجر ص ۸۲ ' نسائی۔کتاب الصلوۃ)

سجدۃ

اس سے مراد رکعت ہے جیسا کہ بخاری[1] ہی میں خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے بجائے ''سَجْدَةً'' کے ''رَكْعَةً'' بھی مروی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کا کچھ بھی حصہ ملا تو اس کے لیے یہ حکم ہے۔ نمازِ عصر کے بارے میں اجماع ہے کہ اگر کسی نے سورج ڈوبنے سے پہلے شروع کی اور نماز پوری ہونے سے پہلے پہلے سورج ڈوب گیا تو وہ اپنی نماز پوری کرلے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس میں وجہ یہ ہے کہ اس نے نماز وقت مکروہ میں شروع کی تھی اور وقت مکروہ ہی میں پوری کی۔ ناقص شروع کی تھی' ناقص ادا ہوئی۔ نماز صبح کے بارے میں بھی امام مالک' امام شافعی' امام احمد وغیرہ کا یہی مذہب ہے مگر ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی' ان لوگوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔

اس مسئلے کو لے کر آج کل کے غیر مقلدین احناف کے متعلق بہت کچھ زہر اُگلتے ہیں' اس لیے ہم اس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان اوقات میں نماز سے ممانعت اتنی کثرت سے مروی ہے کہ اتنی کثرت ان اوقات میں نماز کے مباح ہونے کی روایات کی نہیں ہے' تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ان اوقات میں نماز کا مباح ہونا' ان احادیث سے منسوخ ہے' جن میں ممانعت وارد ہے۔ وہ اس طرح کہ یہاں محرم اور مبیح دونوں اکٹھے ہیں اور جب محرم اور مبیح اکٹھے ہوں گے تو ترجیح محرم کو ہوگی' وہ اس طرح کہ ناسخ کا متاخر ہونا ضروری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حرمت اباحت سے متاخر ہے' اس لیے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور تحریم عارض ہے' اس لیے تحریم متاخر ہوگی اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ مبیح اور محرم میں اجتماع کے وقت مبیح محرم سے متاخر ہو' ورنہ دو مرتبہ نسخ لازم آئے گا' وہ اس طور پر کہ جب اصل اشیاء میں اباحت ہے تو وہ چیز پہلے مباح رہی ہوگی' پھر تحریم کے حکم کے بعد اباحت منسوخ ہو گئی' اب اس کے بعد پھر اگر کوئی اباحت کا حکم آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حرمت منسوخ ہوگئی' اب ہوا یہ کہ ایک مرتبہ محرم نے اباحت اصلیہ کو منسوخ کیا' پھر محرم کو بعد والے مبیح نے منسوخ کیا' اس طرح نسخ دو دفعہ لازم آیا۔

اقول وباللہ التوفیق: یہی تقریر امام ابوجعفر طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار میں کی ہے' مگر مجھے اس میں کلام ہے۔ اوّلاً: اباحت اصلیہ کا ارتفاع نسخ نہیں کہ مبیح کے بعد محرم ہو تو نسخ مرتین لازم آئے گا جیسا کہ قبلہ کے بارے میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آنے سے پہلے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' جیسا کہ اہل عرب کا دستور تھا' پھر جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو قبلہ بنائیں' پھر یہ منسوخ ہو گیا' یہاں نسخ مرتین نہیں۔ صرف اس لیے کہ مکہ معظمہ میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بغیر حکم خداوندی کے تھا' اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ مدینہ طیبہ میں جب بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تو اس نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ پہلے من جانب اللہ کوئی قبلہ متعین نہیں تھا' مدینہ طیبہ میں اس کا تصریحی حکم نازل ہوا' پھر یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا' اس کو یوں سمجھے کہ نسخ کے لیے کوئی سابق حکم ضروری ہے اور یہاں پہلے سے کوئی حکم تھا ہی نہیں کہ منسوخ ہو۔ ثانیاً جب یہ حدیث اوقات ثلثہ میں نماز سے ممانعت والی حدیث سے منسوخ ہو گئی اور منسوخ پر عمل جائز نہیں تو چاہیے کہ اس صورت میں عصر کی بھی نماز صحیح نہ ہو فاسد ہو جائے' حالانکہ ہمارے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ نمازِ عصر اس صورت میں بھی صحیح ہے۔

صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ احادیث اوقات ثلثہ میں نماز سے ممانعت والی حدیث کے معارض ہیں اور دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت

---

[1] بخاری۔ج اص ۸۲۔کتاب المواقیت۔باب:من ادرک من الفجر رکعۃ

نہیں تو ہم نے قیاس پر عمل کیا جیسا کہ ہم احناف کا اصول ہے اور جس کی صحت دلائل سے ثابت ہے‘ جیسا کہ اصولِ فقہ میں مبرہن ہے‘ قیاس اس کا مقتضی ہے کہ فجر کی نماز اس صورت میں فاسد ہو جائے اور عصر کی نماز صحیح ہو جائے‘ وہ اس طرح کہ فجر کی نماز میں کوئی وقت مکروہ نہیں‘ یعنی اس کا کوئی وقت ناقص نہیں۔ پورا کا پورا کامل ہے بہ خلاف عصر کے کہ اس کا اخیر وقت جبکہ سورج میں زردی پیدا ہو جائے مکروہ اور ناقص ہے اور نماز کا سببِ وجوب وقت کا وہ جز ہے جو ادا کے مقارن ہو‘ وہ اس طرح کہ اوقات نماز کے لیے معیار نہیں بلکہ ظرف ہیں‘ یعنی جیسے روزہ دن بھر رکھنا فرض ہے‘ اس طرح نماز پورے اوقات میں پڑھنا فرض نہیں‘ بلکہ وقت کے کسی بھی جز میں پڑھیں‘ نماز صحیح ہو جائے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر نماز کو اوقات کے لیے معیار مانیں تو ادا کی وقت سے تاخیر لازم آئے گی۔ اس لیے یہ متعین ہے کہ وقت کا کچھ جز سببِ وجوب ہے اور یہ ابتداءِ وقت کا پہلا جز ہے‘ اب اگر ادا اسی جز سے متصل رہی تو سببیت جزءِ اوّل کی باقی رہی ورنہ یہ سببیت جزءِ اوّل سے جزءِ ثانی‘ پھر جزءِ ثانی سے جزءِ ثالث حتیٰ کہ درجہ بہ درجہ وقت آخر تک منتقل ہوتی رہے گی‘ یہاں تک کہ وقت کا اتنا جز باقی رہ جائے جس میں تحریمہ باندھی جا سکے۔ اب اگر یہ جزءِ اخیر کامل ہے‘ ناقص اور مکروہ نہیں جیسا کہ فجر میں ہے تو مصلی پر نماز کا کامل طور پر ادا کرنا واجب ہے۔ اب اگر سورج نکل آیا اور نماز پوری نہیں ہوئی تو نماز فاسد ہو جائے گی‘ اس لیے کہ نماز واجب ہوئی تھی کامل‘ اور سورج نکلنے کے بعد وقت آ گیا ناقص و مکروہ‘ تو اب بقیہ نماز ادا ہو گی ناقص‘ جو چیز کامل واجب ہوتی ہے تو ناقص ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی جیسے کسی نے روزے کی مطلق منت مانی یا اس کے ذمہ قضا کا روزہ تھا‘ یہ روزہ عید کے دن یا ایامِ نحر و تشریق میں کوئی رکھے تو روزہ ادا نہ ہو گا اور عصر میں چونکہ نماز وقت ناقص اور مکروہ میں شروع کی اور یہی اس کا سبب بنا تو ناقص واجب ہوئی‘ اس لیے کہ نقصان سبب نقصان مسبب میں مؤثر ہے‘ جب سورج ڈوب گیا تو وقت ناقص ختم ہو گیا‘ وقت کامل آ گیا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ واجب ہوئی تھی ناقص اور اس کا کچھ جز وقت کامل میں ادا کیا گیا‘ یہ فساد کا موجب نہیں جیسے کسی نے صومِ نحر کی منت مانی اور اسے علاوہ ایامِ ممنوعہ کے کسی دن ادا کر لیا۔ یہ قیاس پر عمل نہیں بلکہ قیاس سے عصر کے بارے میں زیرِ بحث حدیث کو ترجیح دی گئی اور فجر کے بارے میں اُس حدیث کو جن میں اوقاتِ ثلثہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے‘ یہ ترکِ حدیث نہیں ہوا بلکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو گیا‘ اپنے اپنے موقع کے اعتبار سے بہ خلاف غیر مقلدین کے کہ وہ اس حدیث پر تو عمل کرتے ہیں اور اوقاتِ ثلثہ میں نماز سے ممانعت والی احادیث کو ترک کرتے ہیں۔

۳۷۱- ح: اِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ

[تمہارا دنیا میں قیام اگلی (امتوں) کی بہ نسبت ایسے ہی ہے]

۳۷۱ - عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ اُوْتِىَ اَهْلُ التَّوْرٰاةِ التَّوْرٰاةَ فَعَمِلُوْا حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ اُوْتِىَ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ الْاِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ اُوْتِيْنَا الْقُرْاٰنَ فَعَمِلْنَا اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا‘ فرماتے تھے: تمہارا دنیا میں رہنا اگلی اُمتوں کی بہ نسبت ایسے ہی ہے جیسے عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت‘ توراۃ والوں کو توراۃ دی گئی‘ انہوں نے عمل کیا یہاں تک کہ دوپہر کا وقت ہوا تو تھک گئے‘ ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا‘ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی‘ انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا‘ پھر تھک گئے تو اُن کو بھی ایک ایک قیراط دیا گیا‘ پھر ہم کو قرآن دیا گیا اور ہم نے سورج ڈوبنے تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط دیا گیا۔ اس پر اہل

فَاُعْطِينَا قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ فَقَالَ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ اَیْ رَبَّنَا اَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ وَاَعْطَيْتَنَا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا وَّنَحْنُ كُنَّا اَكْثَرَ عَمَلًا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ اَجْرِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهُوَ فَضْلِیْ اُوْتِيْهِ مَنْ اَشَاءُ.

توریت و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو (صرف) ایک ایک قیراط عطا فرمایا حالانکہ ہم نے ان لوگوں سے زیادہ کام کیا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا میں نے تمہاری مزدوری میں کچھ کمی کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا فضل ہے جسے چاہتا ہوں عطا فرماتا ہوں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب ص۷۹' کتاب الاجارہ۔ باب: الاجارۃ الی صلوٰۃ العصر ص ۳۰۲' کتاب الانبیاء۔ باب: ما ذکر عن بنی اسرائیل ص۴۹۱' ج ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: فضل القرآن علی سائر الکلام ص۷۵۱' کتاب التوحید۔ باب: قولہ عزوجل قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین' مسلم' ترمذی)

۳۷۲- ح: مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی

[مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال]

۳۷۲- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَاْجَرَ قَوْمًا يَّعْمَلُوْنَ لَهٗ عَمَلًا اِلَی اللَّيْلِ فَعَمِلُوْا اِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوْا لَا حَاجَةَ لَنَا اِلٰی اَجْرِكَ فَاسْتَاْجَرَ اٰخَرِيْنَ فَقَالَ اَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِیْ شَرَطْتُ فَعَمِلُوْا حَتّٰی اِذَا كَانَ حِيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَالُوْا لَكَ مَا عَمِلْنَا فَاسْتَاْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَكْمَلُوْا اَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ.

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب ص۷۹' کتاب الاجارہ۔ باب: الاجارۃ الی صلوٰۃ العصر ص ۳۰۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر رکھا کہ اس کے لیے رات تک کام کریں' انہوں نے دوپہر تک کام کیا' پھر کہا: ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں۔ اب اس شخص نے دوسرے لوگوں کو مزدوری پر رکھا اور کہا: جتنا دن باقی ہے تم اس میں کام کرو اور تمہارے لیے وہی مزدوری ہے جو میں نے مقرر کی ہے انہوں نے بھی کام کیا' یہاں تک کہ جب عصر کا وقت ہوا تو انہوں نے کہا: جو کچھ ہم نے کیا وہ تمہارا (ہمیں چھٹی دو)' پھر اس شخص نے دوسروں کو مزدوری پر رکھا' انہوں نے باقی دن کام کیا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا' انہوں نے دونوں فریقوں کے برابر مزدوری حاصل کی۔

انما بقاء کم

''انما بقاء کم'' فی ظرفیت کے لیے آتا ہے' اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس اُمت کی بقاء اُمم سابقہ کے زمانہ میں واقع ہوئی حالانکہ ایسا نہیں۔ علامہ ابن حجر نے یہ توجیہ فرمائی کہ فی معنی میں الیٰ کے ہے اور بقاء اور کما سے پہلے نسبت محذوف ہے' مطلب یہ ہوا کہ تمہاری بقاء کی نسبت اُمم ماضیہ کے اعتبار سے وہی ہے جو عصر کے وقت کو پورے دن سے حاصل ہے' یہ حدیث احناف کی مؤید ہے کہ عصر کا وقت دو مثل گزرنے کے بعد ہے' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کی تین تقسیمیں فرمائی ہیں۔ ایک صبح سے دوپہر تک' دوسری دوپہر سے عصر تک اور تیسری عصر سے لے کر مغرب تک۔ یہود نے دوپہر تک کام کیا اور نصاریٰ نے دوپہر سے عصر کے وقت تک اور ان دونوں نے یہ شکایت کی کہ ہم نے اس اُمت کی بہ نسبت زیادہ کام کیا۔ یہ اسی وقت درست ہو

گا جب ظہر کا وقت عصر سے زیادہ مانا جائے' اس کی صورت کی سبیل صرف یہی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد ہو' ورنہ اگر ظہر کا وقت صرف مثل اوّل تک مانا جائے اور عصر کا وقت مثل ثانی سے غروبِ آفتاب تک تو بعض موسموں میں' عصر کا وقت ظہر سے زیادہ ہو جائے گا یا کم از کم برابر ہو گا اور یہ تاویل کرنی کہ ''نحن اکثر عملا'' اپنے مشترکہ وقت کے لحاظ سے کہا ہے یا یہ کہنا کہ اکثر عملاً سے مراد تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنا ہے' سیاقِ حدیث کے خلاف ہے۔

التوراۃ......(تورات اور انجیل عجمی کلمے ہیں)

بعض لوگوں نے کہا: یہ ''الوراء'' سے مشتق ہے ''تَفْعَلَةٌ'' کے وزن پر اور انجیل ''نَجْلٌ'' سے مشتق ہے' مگر یہ صحیح نہیں' اس لیے کہ یہ دونوں عجمی کلمے ہیں' عربی نہیں۔ امام حسن بصری کی قراءت ''اَنجیل'' ہے' ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ' یہ اس کے عجمی ہونے کی دلیل ہے' اس لیے کہ ''اَفْعِیلٌ'' کا وزن عرب کی زبان میں نہیں۔

عجزوا

اس سے مراد یہ ہے کہ ان سے طے یہ تھا کہ دن بھر کام کریں گے اور ان لوگوں نے دن بھر کام نہیں کیا' ایک فریق نے دو پہر تک کام کیا پھر انکار کر دیا' دوسرے نے عصر کے وقت تک کام کیا اور انکار کر دیا۔

قیراط کی تحقیق

قیراط اصل میں قِرّاطٌ تھا' اس لیے کہ اس کی جمع قراریط آتی ہے' جیسے دینار اصل میں دِنّار تھا' اس کی جمع دنانیر آتی ہے۔ قیراط میں راء اوّل کو' دینار میں نون اوّل کو خلافِ قیاس یاء سے بدل دیا۔ قاموس میں ہے کہ قیراط کا وزن مختلف بلاد میں مختلف ہے۔ مکہ معظمہ میں دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے اور ایک دینار ساڑھے چار ماشے کا تو قیراط ڈیڑھ رتّی کا ہوا اور عراق میں قیراط دینار کا بیسواں حصہ ہے' اب قیراط پونے دو رتّی سے کچھ زیادہ ہو گا۔ غیاث اللغات میں ہے کہ اکثر کا مختار یہ قول ہے کہ قیراط آدھے دانگ کا ہے اور ایک دانگ آٹھ جو کا' اس حساب سے قیراط چار جو کا ہوا۔ علامہ عینی نے بھی یہی لکھا ہے کہ قیراط نصف دانگ ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر ایک کام کرنے والے کو ایک ایک قیراط چاندی دی گئی۔

ایک شبہہ کا ازالہ

بعض محدثین نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس اُمت کا زمانہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت سے لے کر ہزار سال ہے' وہ اس طرح کہ حضور اقدس ﷺ نے دن کے دو حصے کیے' نصف اوّل یہود کے لیے' ان کی مدت ایک ہزار چھ سو سال اور کچھ زیادہ تھی' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نصف آخر کو نصاریٰ اور مسلمانوں کے لیے کیا' نصاریٰ کی مدت چھ سو سال ہے' اب مسلمانوں کے لیے ہزار سال بچا۔ علامہ عینی نے اس پر اعتراض فرمایا کہ مدت فترت میں اختلاف ہے۔ امام حاکم نے اکلیل میں فرمایا کہ ایک سو پچیس سال ہے اور کچھ لوگوں نے ذکر کیا کہ چار سو سال۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچ سو چالیس سال۔ امام ضحاک سے مروی ہے کہ چار سو تیس سے کچھ اوپر' جب فترت کا زمانہ ہی متعین نہیں تو نصاریٰ کے مدت کی تعیین مشکل ہے۔

اقول: اگر حدیث کا مذکورہ بالا مطلب لیا جائے تو قول مذکور اس حدیث کے معارض ہو گا' اس لیے کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ اس اُمت کا زمانہ نصاریٰ سے کم ہے اور اس استدلال کی بناء پر لازم آئے گا کہ اس اُمت کا زمانہ نصاریٰ سے زیادہ ہو' نصاریٰ کا زمانہ صرف چھ سو سال اور مسلمانوں کا ایک ہزار سال۔ ویسے علامہ سہیلی نے حضرت ابن عباس سے ایک حدیث موقوف ذکر کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دنیا سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ ایک دوسری حدیث میں بھی ایسے ہی آیا ہے کہ دنیا سات ہزار

سال کی ہے اور حضور اقدس ﷺ اس کے آخر میں مبعوث ہوئے اسی بناء پر ایک ہزار سال پورے ہونے سے پہلے کچھ لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ۱۰۰۰ ہجری کے اختتام پر قیامت آجائے گی جس کے رد میں علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ لکھا تھا: ''الکشف بتجاوز الامۃ عن الالف''۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ عزوجل اپنے کرم سے میری اُمت کو نصف یوم اور عطا فرمائے گا۔ اس حساب سے پندرھویں صدی کے اختتام پر قیامت آنی چاہیے۔ پندرھویں صدی شروع ہو بھی گئی لیکن اشراطِ کبریٰ میں سے کسی ایک کا بھی ظہور نہیں ہوا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس اُمت کو اور بھی مدت عطا فرمائے۔

عن ابی موسیٰ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اہل توراۃ نے دوپہر تک کام کیا اور عاجز ہو گئے اور اہل انجیل نے دوپہر سے عصر کے وقت تک کام کیا اور عاجز آگئے اس پر ہر ایک کو ایک ایک قیراط دیا گیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ یہود نے یہ کہا کہ تمہاری مزدوری کی ہمیں حاجت نہیں اور نصاریٰ نے کہا: جو ہم نے کیا وہ تیرے لیے ہے یعنی ہمیں مزدوری نہیں چاہیے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ دونوں دو حدیثیں الگ الگ ہیں یہی علامہ ابن حجر عسقلانی کی رائے ہے اور یہی ظاہر بھی ہے۔ ابن رشد نے کہا کہ حضرت ابن عمر کی حدیث کا مفاد یہ ہے کہ وہ کام کرنے سے عاجز آ گئے تھے اس لیے ان کو کچھ اُجرت ملی۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر عذر کی وجہ سے مامور بہ ادا نہ ہو سکے تو کوئی مواخذہ نہیں بلکہ تھوڑے بہت اجر کا بھی مستحق ہوگا۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مفاد یہ ہے کہ وہ کام کرنے سے عاجز نہیں ہوئے تھے کاہلی یا سستی کی وجہ سے کام سے انکار کر دیا تھا اس لیے ان کو مزدوری نہیں ملی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شرارت یا کاہلی کی وجہ سے جو مامور بہ ادا نہیں کرے گا وہ ثواب کا مستحق نہیں۔

اقول وباللہ التوفیق: علامہ ابن حجر قدس سرہٗ کے اس ارشاد سے کہ یہ دونوں دو حدیثیں ہیں اصل اشکال دفع نہ ہوا کہ دونوں میں تعارض ہے اس لیے اصل جواب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ اختصار اور کچھ تفصیل ہے۔ حضرت ابن عمر کی حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ ان دونوں کو کتنی مزدوری ملی مگر یہ مذکور نہیں کہ عاجز آنے کے بعد کیا کہہ کے کام چھوڑا۔ اور حضرت ابوموسیٰ کی حدیث میں مزدوری کا ذکر نہیں مگر یہ مذکور ہے کہ انہوں نے کام کیا کہہ کے چھوڑا تھا۔ دونوں کو ملایئے تو پوری حدیث یہ ہوئی کہ یہود صبح سے دوپہر تک اور نصاریٰ دوپہر سے عصر کے وقت تک کام کر کے تھک گئے اور یہ کہا کہ تمہاری مزدوری کی ہم کو حاجت نہیں ہم نے جو کچھ کیا وہ تمہارا ہے۔ مستاجر نے از راہ کرم ان لوگوں کو ایک ایک قیراط دیا۔

باب سے مطابقت

امام بخاری نے یہاں یہ باب باندھا ہے: ''من ادرک رکعۃ من العصر قبل المغرب'' جس نے مغرب سے پہلے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی (اس کا حکم کیا ہے؟) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کو باب سے کیا مناسبت ہے؟ علامہ ابن حجر نے یہ مناسبت بیان فرمائی کہ مہلب نے کہا: امام بخاری اس حدیث کو اس ترجمے میں اس لیے لائے ہیں کہ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ کبھی تھوڑا کام کرنے پر پورا اجر ملتا ہے جیسے اس امت نے عصر سے غروب آفتاب تک کام کیا اور مزدوری دن بھر کے کام کی ملی۔ اسی کی مثل یہ بھی ہے کہ کسی نے عصر کی ایک رکعت پائی اور سورج ڈوب گیا تو بقیہ تین رکعتیں قضا ہو گئیں مگر اس کو ثواب پوری نماز کا ملا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس میں یہ بھی اضافہ کر لیا جائے کہ اللہ عزوجل کے جس فضل نے عصر کے وقت سے غروب آفتاب تک کے کام کو

پورے دن کے کام کے قائم مقام کیا، وہی اس کا مقتضی ہے کہ عصر کی ایک رکعت پوری نماز کے قائم مقام کردے۔ دونوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ بعض عمل پورے کے قائم مقام ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری[1] میں ہے: ابن ماجہ میں ہے کہ میری اُمت کے لیے نصف یوم ہے۔ میں نے ابن ماجہ کا ایک ایک ورق دیکھ ڈالا مگر ابن ماجہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں۔ ہاں! ابوداؤد[2] میں ہے صرف اتنا کہ اللہ عزوجل اس اُمت کو نصف یوم سے عاجز نہیں فرمائے گا۔ نیز یہ بھی ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میری اُمت اپنے رب کے حضور اس سے عاجز ہوگی کہ اسے نصف یوم تک مؤخر فرمائے۔ راوی حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ نصف یوم کتنا ہے؟ فرمایا: پانچ سو برس۔

اس کی معذرت کرتے ہوئے انوار الباری میں لکھا کہ میری یادداشت میں ابوداؤد کا حوالہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہوسکتا ہے کہ فیض الباری کے کاتب سے یہ غلطی ہوئی ہو، مگر آپ نے ابوداؤد کا حوالہ دیا، وہ بھی تو صحیح نہیں، آپ کے حضرت نے تو حدیث یہ بتائی ہے: میری اُمت کے لیے نصف یوم ہے، یہ کہاں ابوداؤد میں ہے۔ ابوداؤد کی حدیث کا جو ترجمہ آپ نے کیا ہے، وہ یہ ہے: حق تعالیٰ اس اُمت کو آدھے دن کی مزدوری سے عاجز یا محروم نہ کرے گا۔ دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: مجھے توقع ہے کہ میری اُمت حق تعالیٰ کی جناب میں اتنی وجاہت پانے سے عاجز نہیں ہے کہ آدھے دن تک سربلندی کا موقع میسر کرے، اس میں اور فیض الباری میں بنام حدیث منقول عبارت میں کتنا فرق ہے۔

ت۱۲۶- وَقَالَ عَطَاءٌ يَجْمَعُ الْمَرِيْضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ. (مصنف عبدالرزاق)

امام عطاء نے فرمایا: بیمار مغرب اور عشاء کے مابین جمع کرے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب کو مغرب کے اخیر وقت میں اتنی دیر میں پڑھے کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی مغرب کا وقت ختم ہو جائے اور عشاء کا شروع ہو جائے، اب فوراً عشاء کو اوّل وقت میں پڑھ لے، اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ یہ بہ ظاہر جمع ہے حقیقت میں جمع نہیں۔ مغرب اپنے وقت میں پڑھی ہے اور عشاء کو اس کے وقت میں۔ یہاں امام بخاری نے باب کا عنوان یہ رکھا ہے: "وقت المغرب" اس تعلیق میں اگر جمع سے حقیقی مراد لیا جائے تو نہ مغرب کے اوّل وقت کا پتہ چلتا ہے نہ آخر وقت کا۔ اس طرح تعلیق کو باب سے کوئی مناسبت نہ رہے گی، لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام بخاری نے بھی یہاں جمع سے جمع صوری ہی سمجھا ہے۔ اس طرح اس تعلیق کو باب سے یہ مناسبت ہو جائے گی کہ اس سے ثابت ہوگا کہ مغرب کا وقت عشاء تک ہے، اس سے مغرب کے آخر وقت کا اثبات ہوگیا۔

۳۷۳- ح: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ فَيَنْصَرِفُ

[ہم (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ) مغرب پڑھتے، پھر لوٹتے]

۳۷۳- قَالَ سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ يَقُوْلُ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے، پھر لوٹتے تو اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ لیتے۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت المغرب ص۷۹، مسلم، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

[1] فیض الباری۔ ج۲ ص۱۲۵ [2] ابوداؤد۔ ج۲ ص۲۴۲۔ کتاب الفتن۔ باب: قیام الساعۃ

ینصرف

اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ کہاں پلٹتے' مگر دوسری احادیث میں ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم اپنے اہل میں' بنی سلمہ کے محلے میں جاتے۔ اور یہی حضرت جابر کی حدیث میں بھی ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ مغرب میں تعجیل فرماتے تھے' یعنی وقت ہوتے ہی بلا تاخیر پڑھ لیا کرتے تھے۔

۳۷۴- ح: يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظہر دوپہر میں پڑھتے]

۳۷۴- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ وَّالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَآءَ أَحْيَانًا وَّأَحْيَانًا إِذَا رَاٰهُمْ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ وَإِذَا رَاٰهُمْ أَبْطَوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ كَانُوْا أَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا بِغَلَسٍ۔

محمد بن عمرو بن حسن بن علی نے فرمایا کہ حجاج (مدینہ طیبہ میں) آیا تو ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کو پڑھتے تھے اور عصر کی ایسے وقت کہ سورج چمکتا ہوتا اور مغرب جب سورج ڈوب جاتا اور عشاء کی کبھی کسی وقت' کبھی کسی وقت' جب حضور دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلد پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ لوگوں نے دیر کر دی تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز لوگ' یا یہ کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت المغرب ص ۷۹' ایضاً۔ باب: وقت العشاء ص ۸۰' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

قَدِمَ الحجاج

حجاج مشہور ظالم سفاک ہے' جس کے بارے میں کسی نے کہا ہے کہ اگر قیامت کے دن حجاج کی مغفرت ہو گئی تو پھر کوئی مسلمان جہنم میں نہ جائے گا۔ حجاج کی عادت تھی کہ وہ نماز بہت دیر میں پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرنے کے بعد جب عبد الملک نے حرمین طیبین بھی اس کی ولایت میں دے دیا تو یہ مدینہ طیبہ آیا اور حسب عادت دیر میں نماز پڑھا کرتا' اس بناء پر لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ کریمہ کیا تھی؟ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا۔

ہاجرہ

یہ ہجرت سے مشتق ہے' جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں' مراد زوال کے بعد کا وقت ہے۔ اس کو ہاجرہ اس لیے کہتے ہیں کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ اپنے کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے تھے۔ یہ حدیث ابراد کے معارض نہیں' اس لیے کہ وہ مخصوص وقت کے لیے ہے' یعنی گرمی کے دنوں کے لیے ہے اور یہاں عام دنوں کی عادتِ کریمہ کا بیان مقصود ہے۔ علاوہ ازیں ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ ہاجرہ کے معنی یہ نہیں کہ زوال کے بعد فوراً بلکہ جب تک گرمی میں شدت ہو' وہ سب وقت اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

وَاِذَا رَاٰهُم اَبطَاُوا

ہم پہلے بھی بتا آئے کہ عشاء یا کسی بھی نماز کو اس کے اوّل وقت میں پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔ اس کے افادے کے لیے کبھی کبھی عشاء بھی اوّل وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ عشاء کا مستحب وقت تہائی رات ہے' جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیا کرتے تھے' نمازیوں کے اکٹھا ہونے کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔ احناف کے یہاں

مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز اجالا ہونے پر پڑھی جائے جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے۔ ترمذی[1] نسائی[2] میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر. فجر کی نماز اجالے میں پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے۔

حضرات شوافع نے اس کی تاویل یہ کی کہ مراد یہ ہے کہ فجر کے طلوع ہونے کا یقین ہو جائے اس وقت فجر پڑھو لیکن یہ تاویل صحیح نہیں، اس لیے کہ "اعظم" اسم تفضیل ہے جو مفضل منہ چاہتا ہے تو بالمقابل کوئی ایسا وقت ہونا چاہیے جس میں اگر نماز پڑھی جائے تو وہ صحیح بھی ہو اور باعث اجر بھی ہو اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب نماز کے وقت ہونے میں شک ہو تو نماز صحیح نہیں، اگر شوافع کی تاویل درست مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ فجر کے طلوع میں اگر شک ہو تو بھی نمازِ فجر صحیح بھی ہو اور باعث اجر بھی ہو اس لیے یہ حدیث اپنے ظاہر معنی پر محمول ہے، یعنی اگر تم نمازِ فجر کے طلوع ہوتے ہی پڑھو گے تو بھی نماز صحیح ہوگی اور اس پر بھی اجر ملے گا، لیکن اگر خوب اجالا ہونے پر پڑھو تو اس میں زیادہ ثواب ہے۔

۳۷۵- ح: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ

[ہم نماز مغرب پڑھتے جب سورج پردے میں چھپ جاتا]

۳۷۵- عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ.

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز جب سورج پردے میں چھپ جاتا تو پڑھتے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت المغرب ص ۷۹، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہ چوتھی ثلاثی حدیث ہے، یہ بھی حضرت مکی بن ابراہیم سے امام بخاری کو ملی جو سیدنا امام الائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ہیں۔

۳۷۶- ح: لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ

[دیہاتی تم پر غالب نہ ہو جائیں]

۳۷۶- قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُولُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَآءُ.

حضرت عبد اللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری نماز مغرب کے نام پر دیہاتی غالب نہ ہو جائیں۔ راوی نے کہا: دیہاتی لوگ اسے عشاء کہتے تھے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: من کرہ ان یقال للمغرب العشاء ص ۸۰)

عشاء کے لغوی معنی رات کی ابتدائی تاریکی کے ہیں، دیہاتی لوگ مغرب کو عشاء کہنے لگے تھے، اس پر تنبیہ فرمانے کے لیے حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ مغرب کو مغرب ہی کہا کرو دیہاتیوں سے متاثر ہو کر اسے عشاء نہ کہنے لگنا۔

هي العشاء

اس حدیث کے متن میں اختلاف ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے اپنی مستخرج میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایسے ہی روایت کیا ہے لیکن ابو مسعود رازی نے عبد الصمد سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "دیہاتی تمہاری نماز کے نام پر غالب نہ ہوں، دیہاتی اس کو عتمہ کہتے ہیں"۔ ایسے ہی علی بن عبد العزیز بغوی نے امام بخاری کے استاذ ابو معمر سے اور طبرانی نے بھی روایت کیا

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۲۲۔ باب: ماجاء فی الاسفار بالفجر [2] نسائی۔ ج ۱ ص ۹۴۔ کتاب المواقیت۔ باب: الاسفار

ے۔ اسماعیلی نے ابومسعود رازی کی روایت کو ترجیح دی ہے' اس لیے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے موافق ہے۔
ے امام مسلم نے بہ طریق ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ان الفاظ میں روایت کیا ہے: دیہاتی تمہارے نماز کے نام پر تم پر غالب نہ ہو
جائیں' یہ اللہ کی کتاب میں عشاء ہے' وہ اندھیرے میں پڑھی جاتی ہے' اونٹوں کے دودھ دوہنے تک[1] نیز ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ
کی حدیث بھی اسی کے مثل ہے۔ اور ابویعلیٰ اور بیہقی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یوں ہی ہے۔ یعنی بخاری
کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی مغرب کو عشاء کہتے تھے' اس پر صحابہ کرام کو متنبہ کیا گیا' لیکن دوسری حدیثوں سے نیز اسی
حدیث کا جو متن دوسری کتابوں میں ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی عشاء کو عتمہ کہتے تھے' اس لیے صحابہ کرام کو اس کی تاکید کی گئی
کہ تم لوگ دیہاتیوں سے سن کر عشاء کو ''عتمہ'' مت کہنے لگنا' عشاء کو عشاء ہی کہنا۔ عتمہ کے معنی سخت اندھیرے کے ہیں' چونکہ
دیہاتیوں کی عادت تھی کہ سورج ڈوبنے کے بعد جب اندھیرا پھیل جاتا تو وہ اونٹوں کو دوہتے تھے' اس کے بعد عشاء پڑھتے تھے' اس
لیے عشاء کو عتمہ کہتے تھے' حالانکہ قرآن مجید میں اس کو عشاء فرمایا گیا: ''وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ'' (النور: ۵۸)۔

بعض احادیث میں عتمہ کا اطلاق عشاء پر آیا ہے' اس کی توجیہ امام نووی نے یہ فرمائی کہ اس حدیث میں نہی تحریم کے لیے نہیں'
تنزیہہ کے لیے ہے یا اس بناء پر ہے کہ اس وقت زیادہ تر لوگ عشاء کو عتمہ ہی کہتے تھے۔ ان کے بولنے کا لحاظ کرتے ہوئے عتمہ
ارشاد فرمایا' تاکہ وہ لوگ صحیح طور پر سمجھ لیں۔

کشمیری صاحب کا خبط

فیض الباری' ج ۲ ص ۱۲۹ پر اس باب کے تحت ہے: ''والعرب یعکسون فی التسمیۃ فکانوا یسمون العشاء العتمۃ''
اور اہل عرب الٹا نام رکھتے تھے' عشاء کو عتمہ کہتے تھے۔ یہاں باب تو یہ ہے: جو مغرب کو عشاء کہنے کو مکروہ جانے' پھر توضیح میں اس کے
ذکر سے کیا فائدہ کہ عشاء کو عتمہ کہتے تھے۔ ایک اور تنگ بندی ملاحظہ ہو' لکھتے ہیں: ''ولذا یوجد اطلاق العتمۃ فی الاحادیث
الخ'' اسی وجہ سے عتمہ کا اطلاق احادیث میں وارد ہے۔ اس سے اس باب کا کیا تعلق؟ عتمہ کا اطلاق عشاء پر آیا ہے نہ کہ مغرب پر۔
اس حدیث میں تنبیہ اس پر ہے کہ دیہاتی مغرب کو عشاء کہتے تھے' نہ اس پر ہے کہ عشاء کو عتمہ کہتے تھے۔ اس قسم کے لطائف وظرائف
سے فیض الباری بھری ہوئی ہے۔ اگر ہم تمام کو قلم بند کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی' اس لیے صرف کہیں کہیں ذکر کر دیتے ہیں۔
یہ اپنی جماعت کے وہ بزرگ ہیں جن کی تعریف میں زمین و آسمان ہی نہیں' تحت الثریٰ اور عرش کے قلابے ملائے جاتے ہیں' اور حال
یہ ہے کہ ایسی بے تکی بلکہ اَن مِلی بے جوڑ باتیں کرتے ہیں کہ معمولی طالب علم بھی متحیر ہو جاتا ہے۔ بات وہی ہے کہ ہنگام درس جو جی
میں آئے زیادہ سے زیادہ بول کر دھونس جمانے کی ان بزرگوں کی عادت تھی' جو بات سمجھ کی ہو تو ٹھیک ہے اور بے تکی ہو تو یہ پروپیگنڈا
کر دیا جاتا تھا کہ اتنی دقیق بات کرتے تھے کہ طلبہ کے فہم سے بالاتر تھی۔

۳۷۷- ح صَلّٰی لَنَا صَلٰوۃَ الْعِشَآءِ وَھِیَ الَّتِیْ یَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَۃَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عشاء کی نماز پڑھائی' جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں]

۳۷۷- اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ قَالَ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً صَلٰوۃَ الْعِشَآءِ وَھِیَ الَّتِیْ یَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَۃَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا فَقَالَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی' وہی جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں' پھر حضور نے رخِ انور ہماری طرف کیا اور فرمایا: کیا تم نے اس

[1] مسلم- ج ۱ ص ۲۲۹- کتاب المساجد- باب: وقت العشاء

أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ.

رات کو دیکھا اس رات سے سو برس گزرنے پر جتنے لوگ آج زمین پر ہیں، ان میں کوئی باقی نہ رہے گا۔

(بخاری۔باب:ذکر العشاء والعتمۃ ومن راہ واسعاص۸۰)

یہ حدیث کتاب العلم، باب ''السمر بالعلم'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس پر مفصل کلام ہو چکا ہے۔ یہاں چونکہ یہ زائد تھا کہ عشاء کی نماز پڑھی جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں، اس لیے اس کو ذکر کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ عہد رسالت میں بہت سے لوگ عشاء کو عتمہ کہتے تھے۔ اسی لیے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اعراب تمہاری نماز کے نام پر تم پر غالب نہ ہو جائیں، دیہاتی اس کو عتمہ کہتے ہیں۔ غالباً ممانعت سے قبل اس کو لوگ عتمہ کہتے ہوں گے، بلکہ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہا، عتمہ کا معنی ہم نے پہلے ذکر کیا کہ ''رات کی سخت تاریکی'' کے ہیں۔ یہ امام نووی نے ارشاد فرمایا، خلیل نے کہا کہ شفق ڈوبنے کے بعد کا وقت ہے، نیز عتمہ کے معنی دیر کرنے کے ہیں، نیز اس دودھ کو بھی کہتے ہیں، جو اونٹنی کے تھن میں چھوڑ دیا جاتا تھا کہ دودھ اسی وقت دوہا جاتا تھا، اس لیے اس وقت کا نام عتمہ پڑ گیا اور اسی مناسبت سے اس وقت پڑھی جانے والی نماز کو دیہاتی عتمہ کہنے لگے، اس وقت اندھیرا بھی خوب پھیل جاتا تھا اور رات کا ثلث اوّل بھی ہو جاتا تھا۔

۳۷۸- ح: لَيْسَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ

[تم لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں جو اس وقت نماز (عشاء) پڑھتا ہو]

۳۷۸ - عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِيَ الَّذِيْنَ قَدِمُوْا مَعِيْ فِي السَّفِيْنَةِ نُزُوْلًا فِيْ بَقِيْعِ بُطْحَانَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِّنْهُمْ فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَأَصْحَابِيْ وَلَهٗ بَعْضُ الشُّغْلِ فِيْ بَعْضِ أَمْرِهٖ فَأَعْتَمَ بِالصَّلٰوةِ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهٗ عَلٰى رِسْلِكُمْ أَبْشِرُوْا إِنَّ مِنْ نِّعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهٗ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ أَوْ قَالَ مَا صَلّٰى هٰذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ لَا يَدْرِيْ أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ قَالَ أَبُوْ مُوْسٰى فَرَجَعْنَا فَرِحٰى بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اور میرے وہ ساتھی جو کشتی میں میرے ساتھ تھے، بقیع بطحان میں اترے تھے اور نبی ﷺ مدینہ میں تھے، نبی ﷺ کی خدمت میں نماز عشاء کے وقت ان میں سے کچھ لوگ ہر رات کو باری باری حاضر ہوتے تھے، ایک بار میں اور میرے ساتھی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور اپنے کام میں مصروف تھے، اس لیے نماز میں دیر کر دی، یہاں تک کہ رات نصف کے قریب ہو گئی، تو نبی ﷺ باہر تشریف لائے تو لوگوں کو نماز پڑھائی، جب نماز پڑھ چکے تو حاضرین سے فرمایا: اپنی جگہ بیٹھے رہو، تمہیں بشارت ہو! تم پر اللہ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے سوا کوئی بھی نہیں جو اس وقت نماز پڑھتا ہو، یا یہ فرمایا کہ تمہارے سوا کسی نے بھی اس وقت نماز نہ پڑھی، معلوم نہیں ان دونوں جملوں میں کیا فرمایا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا: ہم نے جو رسول اللہ ﷺ سے سنا اس پر خوش خوش لوٹے۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب المواقیت۔باب: فضل العشاء ص۸۰، مسلم۔کتاب الصلوۃ)

لغات

''نزولا'' یہ مصدر نہیں، نازل کی جمع ہے، جیسے ''شاھد'' کی جمع شہود ہے۔ ''بقیع'' لمبی چوڑی وسیع زمین کے معنی میں ہے۔

بطحان' مدینہ طیبہ کے متصل جنوب کی جانب ایک جگہ کا نام ہے جو اس وقت میدان تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے چل کر بحری راستے سے خیبر کے موقع پر خیبر ہی میں حاضر ت ہوئے تھے۔ حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ عنہ ذو الجناحین بھی ہم راہ تھے۔ حضرت ابو موسیٰ یمن کے باشندے تھے' بلکہ مکہ معظمہ میں ضر ہو کر مسلمان ہوئے' جب یہ اطلاع ملی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ہے تو یہ یمن سے بہ ذریعہ کشتی مدینہ طیبہ کے ارادے سے چلے مگر آندھی اور طوفان کی وجہ سے کشتی حبشہ پہنچ گئی' سات سال وہاں قیام فرمایا' پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور یہیں ت اختیار کرلی۔ (الاستیعاب وغیرہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تاخیر کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک لشکر کی تیاری فرما رہے تھے' جیسا کہ معجم برانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (عینی۔ ج ۵ ص ۶۵)

۳۷۹- ح: اَعْتَمَ بِالْعِشَآءِ حَتّٰی نَادَاهُ عُمَرُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عشاء میں تاخیر فرمائی حتیٰ کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے حضور کو آواز دی]

۳۷- عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَآءِ حَتّٰى نَادَاهُ عُمَرُ الصَّلٰوةَ نَامَ النِّسَآءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا يَنْتَظِرُهَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَحَدٌ غَيْرُكُمْ قَالَ وَلَا يُصَلّٰى يَوْمَئِذٍ اِلَّا بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ.

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار عشاء کی نماز میں تاخیر فرمائی' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کو آواز دی: نماز' عورتیں اور بچے سو گئے' اب حضور باہر تشریف لائے' فرمایا: تمہارے سوا کوئی بھی روئے زمین پر اس کا انتظار نہیں کر رہا ہے۔ راوی نے کہا: اس وقت سوائے مدینہ کے کہیں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ راوی نے کہا: لوگ شفق ڈوبنے اور رات کی پہلی تہائی تک نماز پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: النوم قبل العشاء لمن غلب ص ۸۱' ایضاً۔ باب: فضل العشاء ص ۸۰' ایضاً۔ کتاب الاذان۔ باب: وضوء الصبیان ص ۱۱۹' مسلم)

۳۸۰- ح: شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَاَخَّرَهَا حَتّٰى رَقَدْنَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک رات کسی کام میں مصروف ہو گئے (عشاء کو) مؤخر کر دیا حتیٰ کہ ہم سو گئے]

۳۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَاَخَّرَهَا حَتّٰى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ غَيْرُكُمْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِيْ اَقَدَّمَهَا اَمْ اَخَّرَهَا اِذَا كَانَ لَا يَخْشٰى اَنْ يَّغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا وَقَدْ كَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ وَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِالْعِشَآءِ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہم سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات عشاء کے وقت کسی کام میں مصروف ہو گئے اور اسے مؤخر کر دیا' یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو گئے' پھر ہم جاگے' پھر سو گئے' پھر جاگے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے' پھر فرمایا: اہل زمین میں سوائے تمہارے کوئی بھی (اس وقت) نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے اور ابن عمر اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اسے اوّل وقت میں پڑھ لیا یا دیر کر کے پڑھی' جب اس کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا کہ نیند کی وجہ سے قضا ہو جائے اور عشاء کے پہلے سوتے تھے۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا

حَتّٰى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوْا وَرَقَدُوْا وَاسْتَيْقَظُوْا فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ الصَّلٰوةَ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ الْاٰنَ يَقْطُرُ رَاْسُهٗ مَآءً وَّاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ يُّصَلُّوْهَا هٰكَذَا فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَاْسِهٖ يَدَهٗ كَمَا اَنْبَاَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ فَبَدَّدَ لِيْ عَطَاءٌ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ شَيْئًا مِّنْ تَبْدِيْدٍ ثُمَّ وَضَعَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ عَلٰى قَرْنِ الرَّاْسِ ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذٰلِكَ عَلَى الرَّاْسِ حَتّٰى مَسَّتْ اِبْهَامُهٗ طَرَفَ الْاُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ لَا يَعْصِرُ وَلَا يَبْطِشُ اِلَّا كَذٰلِكَ وَقَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ يُّصَلُّوْا هٰكَذَا.

(بخاری۔ج ا۔کتاب المواقیت۔باب:النوم قبل العشاء لمن غلب ص ۸۱' مسلم۔کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔کتاب الطہارۃ' نسائی)

کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر کر دی کہ لوگ سو گئے اور پھر جاگے اور پھر سو گئے پھر جاگے تو حضرت عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور (جا کر حضور سے) عرض کیا: نماز۔ عطاء نے کہا: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نبی ﷺ باہر تشریف لائے' گویا میں آپ کو اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے اور آپ اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے ہیں' پھر فرمایا: اگر میں یہ نہ سمجھتا کہ اپنی اُمت کو مشقت میں ڈالوں گا تو انہیں حکم دیتا کہ عشاء کی نماز اس طرح (یعنی اس وقت) پڑھا کریں۔ (ابن جریج نے کہا:) پھر میں نے عطاء سے تحقیق حال کے لیے پوچھا کہ نبی ﷺ نے اپنے سر پر ہاتھ کس طرح رکھا تھا جیسے ان کو ابن عباس نے بتایا تھا' تو عطاء نے (مجھے دکھانے کے لیے) اپنی انگلیوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا' اس کے بعد انگلیوں کے سرے کو سر کے ایک جانب رکھ دیا' پھر ان کو ملا کر اس طرح سر پر کھینچا کہ حضور کا انگوٹھا حضور کے کان کی لو سے اور چہرہ کے قریب ڈاڑھی کا جو کنارا ہے اس سے مل گیا' حضور جب بھی بالوں سے پانی نچوڑتے اور انہیں پکڑتے تو ایسے ہی کیا کرتے اور فرمایا: اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ عشاء کی نماز اسی طرح (یعنی اسی وقت) پڑھا کریں۔

یہاں امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے: "النوم قبل العشاء لمن غلب" جو نیند سے مغلوب ہو جائے' اسے عشاء سے پہلے سونا' چونکہ عشاء سے پہلے سونے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی حالت میں سونے کی اجازت نہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس کی توضیح کر دی جائے۔ اس مقصد کے لیے یہ باب قائم کیا اور یہ بتایا کہ جو شخص نیند سے مغلوب ہو جائے' اسے سونے کی اجازت ہے۔

حتی ناداہ عمر

مسلم میں یہ زائد ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے رسول سے نماز کے لیے اصرار کرنا تمہیں مناسب نہیں۔

(ج ا۔کتاب المساجد۔باب: وقت العشاء وتاخیرها ص ۲۲۸)

ما ینتظرها

اس کی توجیہ خود اس حدیث کے راوی نے کر دی کہ اس وقت سوائے مدینہ کے اور کہیں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ یعنی علانیہ جماعت کے ساتھ' اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں جو کمزور مسلمان تھے وہ تنہا تنہا چھپ چھپا کر نماز پڑھتے تھے۔

اقول: حضرت ابوموسیٰ اشعری ۷ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اس وقت مدینہ طیبہ میں کئی مسجدیں تھیں۔ دار قطنی نے فرمایا کہ نو مساجد تھیں جن میں باجماعت نماز ہوتی تھی اور مسجد قبا تو اوّل روز سے موجود تھی مگر ان مساجد کے لوگ اس وقت تک نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ اب اس توجیہ کی توضیح یہ ہے کہ ان دنوں مدینہ طیبہ کے علاوہ اور کہیں علانیہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہوتی تھی اور مدینہ طیبہ کی دوسری مساجد میں اس وقت سے پہلے نماز ہو چکی تھی اس لیے یہ ارشاد اپنے ظاہر معنی کے اعتبار سے بھی درست ہے۔

حین یغیب الشفق...... (شفق کی تحقیق)

امام مالک امام شافعی امام احمد امام محمد امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ شفق اس سرخی کا نام ہے جو غروب کے بعد اُفق پر رہتی ہے امام اعظم رضی اللہ کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی کے بعد اُفق پر اتر دکھن پھیلی رہتی ہے اور یہی حضرت سیدنا صدیق اکبر معاذ بن جبل ابوہریرہ اُبی بن کعب اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کی بناء پر حضرت ابن عباس کا بھی مذہب ہے۔ نیز عمر بن عبدالعزیز عبداللہ بن مبارک امام زفر امام اوزاعی (فی روایۃ) مزی بن منذر ابوثور اور مبرد فراء اور ثعلب کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام ابن ہمام نے فتح القدیر[1] میں بحوالہ ترمذی بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وان اٰخر وقت المغرب حین یغیب الافق وان اوّل وقت العشاء حین یغیب الافق۔ بے شک مغرب کا آخر وقت وہ ہے جب اُفق غائب ہو جائے اور عشاء کا اوّل وقت وہ ہے جب اُفق غائب ہو جائے۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جب تک سفیدی رہے گی اُفق غائب نہ ہوگا تو ثابت ہو گیا کہ سفیدی کے غروب ہونے تک مغرب کا وقت ہے۔ ترمذی کے ہندوستانی مطبوعہ نسخے میں حدیث کے اوّل جز میں بجائے "افق" کے "شفق" ہے مگر اخیر کا حصہ بعینہٖ موجود ہے۔ اس لیے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ مغرب اور عشاء کے مابین نہ کسی اور نماز کا وقت ہے اور نہ کوئی وقت نماز سے خالی ہے تو جب یہ موجود ہے کہ عشاء کا اوّل وقت "افق" غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب کا وقت اُفق غائب ہونے تک ہے بلکہ اس نسخے نے واضح کر دیا کہ جن احادیث میں "شفق" آیا ہے اس سے مراد "سفیدی" ہے سرخی نہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی قدس سرہٗ نے ہدایہ[2] میں اس پر اس حدیث سے استدلال فرمایا: "وآخر وقت المغرب اذا اسود الافق" مغرب کا وقت وہ ہے جب اُفق تاریک ہو جائے۔ اس پر درایہ میں فرمایا: میں نے اس کو نہیں پایا۔

اقول: امام ابن ہمام نے ترمذی کے حوالے سے جو روایت مذکورہ ذکر فرمائی ہے وہ اسی کے ہم معنی ہے اس لیے کہ اُفق کے غائب اور تاریک ہونے کا مطلب ایک ہی ہے اور روایت بالمعنی شائع ذائع ہے۔ ہو سکتا ہے امام مرغینانی کی مراد یہی حدیث ہو علاوہ ازیں ہم مقدمہ میں بتا آئے ہیں کہ اس کا قوی امکان ہے کہ ہزار ہا ہزار احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔ صاحب درایہ کا مطلب واضح ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کی کتابوں میں اسے نہیں پایا۔ ان کے عہد میں کتنی کتب حدیث ناپید ہو گئی تھیں اس لیے ان کے اس فرمانے سے کہ "میں نے نہیں پایا" یہ لازم نہیں کہ یہ حدیث بے اصل ہے پھر ہم مقدمہ ہی میں بتا آئے کہ فقیہ جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ثابت اور لائق استدلال ہے۔ اس کی مثال بخاری کی تعلیقات ہیں۔ کتنی تعلیقوں کا حدیث کی کتابوں میں کہیں پتہ نہیں مگر سب کا اتفاق ہے کہ جب امام بخاری نے اسے اپنی جامع صحیح میں ذکر فرمایا

[1] فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۱۹۷۔ باب: الاوقات۔ نولکشور [2] ہدایہ۔ ج ۱ ص ۶۶

ہے تو ضرور اس کی اصل ہے۔ ہمارے نزدیک فقہاء کا کسی حدیث سے استدلال اس کی دلیل ہے کہ وہ ضرور ضرور لائق استدلال ہے یعنی صحیح ورنہ حسن ضرور ہے۔

کشمیری صاحب کا خبط

فیض الباری[1] میں ہے کہ ہماری دلیل ترمذی کی یہ حدیث ہے: "حتی یسود الافق" آج کل ایسے حوالے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعینہ یہ لفظ موجود ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ ترمذی میں یہ لفظ نہیں۔ ترمذی کیا کسی حدیث کی کتاب میں یہ لفظ نہیں۔

نماز مغرب کے وقت پر قیاس سے استدلال

احادیث میں تصریح ہے کہ مغرب کا آخری وقت غروب شفق ہے اور شفق کا اطلاق، سرخی اور سفیدی دونوں پر ہوتا۔ سورج ڈوبتے ہی مغرب کا وقت یقینی طور پر شروع ہو گیا تھا۔ سرخی کے غروب سے وقت نکلا یا نہیں' یہ مشکوک ہے اور شک یقین کو زائل نہیں کرتا۔

نمازِ مغرب' نمازِ فجر کے مماثل ہے' اس معنی میں کہ وہ طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز ہے اور یہ غروب کے بعد کی۔ فجر کا وقت سفیدی و سرخی دونوں کا مجموعہ ہے تو مغرب کا بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ شفق کے اصلی معنی رقت کے ہیں' اسی لیے شفقت قلب بہ معنی رقت قلب کے ہے۔ معنی منقول اور منقول عنہ میں مناسبت ضروری ہے۔ سرخی میں رقت نہیں غلاظت ہوتی ہے۔ رقت سفیدی میں ہوتی ہے اس لیے شفق سفیدی کا نام ہے نہ کہ سرخی کا۔ امام شافعی وغیرہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفق سرخی ہے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا' مگر بیہقی اور نووی نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے' جو حدیث مرفوع اور دیگر اجلہ صحابہ عظام کے ارشاد کے معارض بھی ہے۔ (فتح القدیر۔ ج ا۔ باب: الاوقات ص ۸۷۔ نولکشور)

فاخرھا

اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت عموماً عشاء پڑھتے تھے' اس سے مؤخر فرمایا۔

حتی رقدنا

اس سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں' جو کہتے ہیں کہ نیند ناقض وضوء نہیں' اس لیے کہ حدیث میں یہ نہیں کہ ان حضرات نے جاگنے کے بعد وضو فرمایا ہو۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ اس طرح بیٹھے بیٹھے سوئے تھے کہ نہ ٹیک لگائی تھی' نہ ان کی بیٹھک ایک یا دونوں زمین سے جدائی ہوئی تھی کہ وضو ٹوٹتا۔ اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے۔

کان ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عشاء کی نماز کبھی ابتداء ہی میں پڑھ لیتے تھے' کبھی تاخیر سے پڑھتے' اس لیے کہ آدھی رات تک عشاء کا وقت کراہت سے خالی ہے۔ کبھی عشاء سے پہلے سو بھی رہتے' جب انہیں قضا ہو جانے کا خطرہ نہیں رہتا' اس میں کوئی حرج بھی نہیں' اس لیے کہ عشاء سے پہلے سونا مکروہ تنزیہی ہے' وہ بھی اس کے لیے جسے عشاء قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو اور کوئی جگانے والا نہ ہو۔

قال ابن جریج

چونکہ یہ بات مشہور تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء سے پہلے سونے کو ناپسندیدہ فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر کی اس حدیث اور ان کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشاء سے پہلے سونے میں کوئی حرج نہیں' اس لیے ابن جریج نے حضرت عطاء سے اسے بیان کر

[1] فیض الباری۔ ج ۲ ص ۱۳۱

کے اس کی تصدیق چاہی تو امام عطاء نے حضرت ابن عباس کی حدیث بیان کر کے اس کی تائید کر دی۔

عتم

صحیح یہ ہے کہ واقعہ متعدد بار ہوا ہے' اس لیے کہ ہر راوی واقعے کو اس طرح بیان کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چشم دید بیان کر رہا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں اپنی حاضری کے ابتدائی دنوں کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ ۷ھ میں مدینہ حاضر ہوئے تھے' حضرت ابن عباس ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں' البتہ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ اور حضرت ابن عمر ابتداء ہجرت ہی سے مدینہ طیبہ میں تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں کافی مماثلت ہے۔ دونوں میں تاخیر کی علت کسی اہم معاملے میں مشغولیت مذکور ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عرض کا ذکر نہیں۔ ہوسکتا ہے یہ دونوں ایک ہی واقعہ ہو' مگر اُم المؤمنین اور حضرت ابن عباس کی احادیث یقیناً دو واقعے ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ابوموسیٰ اشعری' اُم المؤمنین اور حضرت ابن عمر کی احادیث ایک واقعے سے متعلق ہوں۔ روایت میں تفصیل و اجمال ہو گیا' مگر حضرت ابن عباس کی حدیث یقیناً الگ واقعہ ہے۔

لولا ان اشق

اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ اسی طرح یعنی اس وقت عشاء پڑھیں' مراد یہ ہے کہ یہی عشاء کا وقت مقرر کر دیتا۔ یہی ہماری دلیل ہے کہ عشاء میں تاخیر مستحب ہے۔ اگر تقلیل جماعت کا اندیشہ نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارع ہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار حاصل تھا کہ نمازوں کے اوقات جو چاہیں' مقرر فرمائیں۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احکام شرعیہ میں ترمیم و تبدیل کا حق عطا فرمایا' جسے اس کی پوری تفصیل دیکھنی ہو' وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ "منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب" کا مطالعہ کرے۔ یہ رسالہ "الامن والعلی" کے ساتھ اور علیحدہ بھی چھپ چکا ہے۔

عشاء کا آخری وقت

عشاء کا وقت کب تک ہے؟ اس سلسلے کی تمام احادیث پر جب نظر کرتے ہیں تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غروب شفق سے لے کر پوری رات عشاء کا وقت ہے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے یہ روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تہائی رات تک مؤخر فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ' حضرت انس رضی اللہ عنہما نے یہ روایت کی کہ آدھی رات تک مؤخر فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ روایت کیا کہ رات کی دو تہائی تک مؤخر فرمایا۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت کی کہ اتنی تاخیر فرمائی کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا۔ ان سب کے مجموعے سے ظاہر ہو گیا کہ پوری رات عشاء کا وقت ہے' اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: رات میں جس وقت چاہو عشاء پڑھو' البتہ اس سے غافل ہو کر قضا مت کر بیٹھنا۔[1] اوقات صلوٰۃ بالایدرک الابالسماع ہیں' یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا اسی وقت فرمایا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ پوری رات عشاء کا وقت ہے۔ حدیث ہی سے ثابت ہے کہ فجر و ظہر کے علاوہ بقیہ نمازوں کے اوقات میں ایسا

---

[1] مسلم ج ا ص ۲۳۹ - کتاب المساجد باب: قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ

تسلسل ہے کہ جب تک دوسری نماز کا وقت نہیں آ جاتا' سابقہ نماز کا وقت باقی رہتا ہے۔ مسلم[1] میں ہے: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لیلۃ التعریس کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیند میں تفریط نہیں۔ تفریط اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے' یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آ جائے' پہلی نماز کا وقت باقی ہے۔ صاحب ہدایہ اس پر اس حدیث سے دلیل لائے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلوع فجر تک عشاء کا وقت ہے۔ یہ حدیث موجودہ کتب حدیث میں نہیں' مگر ہم بتا آئے ہیں کہ فقیہ جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ اس کے لائق استدلال ہونے کے لیے کافی ہے' جیسے امام بخاری کی تعلیقات ہیں۔ عشاء کے وقت میں یہ تفصیل ہے کہ تہائی رات تک افضل ہے اور اس کے بعد آدھی رات تک بلا کراہت صحیح' آدھی رات کے بعد مکروہ۔

ت۱۲۷- وَقَالَ اَبُوْ بَرْزَةَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَاْخِيْرَهَا.

اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی تاخیر کو پسند فرماتے تھے۔

یہ حدیث: ۳۵۹ کے اخیر حصے کی ایک روایت ہے' گزشتہ روایت کے الفاظ یہ تھے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز تہائی یا آدھی رات تک اگر مؤخر ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ان دونوں روایتوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس تعلیق کی باب سے مطابقت واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں باب کا عنوان ہے: عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔

۳۸۱- ح: اَخَّرَ صَلٰوةَ الْعِشَآءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز عشاء کو آدھی رات تک مؤخر کیا]

۳۸۱- عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَخَّرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَآءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلّٰى ثُمَّ قَالَ قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوْا اَمَا اِنَّكُمْ فِیْ صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُوْهَا وَزَادَ ابْنُ اَبِیْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِیْ حُمَيْدٌ سَمِعَ اَنَسًا قَالَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ خَاتَمِهٖ لَيْلَتَئِذٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں آدھی رات تک تاخیر فرمائی' اس کے بعد پڑھی' پھر فرمایا: لوگ نماز پڑھ کر سو گئے' سنو! تم لوگ جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے نماز ہی میں تھے۔ ابن ابی مریم نے یہ روایت کیا (کہ حضرت انس نے یہ بھی فرمایا تھا:) گویا میں اس وقت حضور کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت العشاء الی نصف اللیل ص ۸۱' کتاب الاذان۔ باب: من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ ص ۹۰' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: ۸۷۲' مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد)

الی نصف اللیل

اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس روز عشاء کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھی' مگر مسلم کی روایت اس پر نص ہے کہ اس سے مراد آدھی رات کا قرب ہے۔ اس میں بہ طریق قتادہ یہ الفاظ ہیں: ''حتی کان قریبا من نصف اللیل''۔

۳۸۲- ح: مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ

[جو دونوں ٹھنڈی نمازیں پڑھے گا' وہ جنت میں داخل ہوگا]

۳۸۲- عَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰى عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ ﷺ نے فرمایا: جو دونوں ٹھنڈی نمازیں پڑھے گا' جنت میں داخل ہوگا۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب المواقیت۔باب:فضل صلوٰۃ الفجر ص ٨١' مسلم۔کتاب الصلوٰۃ' دارمی' مسند احمد بن حنبل)

بردین سے مراد نمازِ عصر و فجر ہے اور مراد پابندی کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ان دونوں نمازوں کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ فجر کا وقت سونے کا ہے اور عصر کے بعد لوگ بازاروں میں خرید و فروخت میں مشغول ہوتے ہیں یا دوسرے کاموں میں۔ نیز گزر چکا کہ ملائکہ ان دونوں اوقات میں بدلتے ہیں' جو ان نمازوں کا پابند ہوگا اس کا آخری عمل جو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا' وہ نماز ہوگی۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ایک حدیث میں ہے: نمازِ صبح کے وقت منادی ندا دیتا ہے: اے بنی آدم! اُٹھو اور اپنے اوپر جو جلا رہے ہو بجھاؤ۔ اسی طرح نمازِ عصر کے بعد بھی یہ ندا دیتا ہے' اس پر جو لوگ طہارت کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں تو جب سوتے ہیں' ان پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ (عینی۔ج ۵ ص ٧٢ بحوالہ طبرانی و ابوالقاسم جزری)

٣٨٣- ح: بَیْنَ السَّحَرِ وَالصَّلٰوۃِ قَدْرُ خَمْسِیْنَ اٰیَۃً

[سحر کے درمیان نماز میں پچاس آیات پڑھنے کی فضیلت]

٣٨٣- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَہٗ اَنَّھُمْ تَسَحَّرُوْا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قُلْتُ کَمْ بَیْنَھُمَا قَالَ قَدْرُ خَمْسِیْنَ اَوْ سِتِّیْنَ یَعْنِیْ اٰیَۃً.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان فرمائی کہ ان لوگوں نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی' پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت انس نے فرمایا: میں نے پوچھا کہ دونوں کے مابین کتنا فصل تھا؟ فرمایا: پچاس یا ساٹھ آیت پڑھنے کا۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب المواقیت۔باب: وقت الفجر ص ٨١' کتاب الصوم۔باب: قدر کم بین السحور وصلوٰۃ الفجر ص ٢٥٧' مسلم' ترمذی' نسائی۔کتاب الصوم' ابن ماجہ' دارمی' مسند امام احمد)

''تسحروا'' کا مادہ ''سحرٌ'' ہے' جس کے معنی وہ کھانا اور مشروب ہے جو سحری کے وقت کھایا جائے۔ ''سُحُوْر'' سین کے ضمہ کے ساتھ بھی آتا ہے' یہ مصدر بھی ہے اور حاصل مصدر بھی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سحری دیر کر کے طلوعِ فجر کے وقت کھانی مستحب ہے' احناف کے یہاں فجر میں اسفار اگرچہ رمضان میں بھی مستحب ہے' مگر یہ حدیث اُس کے معارض نہیں' اس لیے کہ اوّل وقت بھی فجر کی نماز بلا کراہت درست ہے۔ سحری کھانے کے بعد سونے سے غفلت کی نیند آجاتی ہے' جس سے جماعت بلکہ بعض اوقات نماز کے چھوٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے اور آج مسلمانوں کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے' اس لیے اس خادم نے اپنے یہاں اسی حدیث کے مطابق اوّل وقت میں نمازِ فجر پڑھنی رائج کی ہے۔ اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ اسے ہر طبقے نے پسند کیا اور اب اس پر عمل بہت دور تک ہو رہا ہے۔

اسی حدیث کو اس کے بعد امام بخاری نے حضرت انس ہی سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل کے نبی ﷺ اور حضرت زید بن ثابت نے سحری کھائی۔ سحری سے فارغ ہو کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اخیر میں یہ ہے کہ سحری اور نماز میں اتنا وقفہ تھا کہ کوئی پچاس آیت پڑھ لیتا۔ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت کی بناء پر یہ حدیث مسانید زید بن ثابت سے ہے اور دوسری کی بناء پر مسانید انس سے۔ نیز پہلی میں تردید ہے کہ پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھنے کی مقدار کا وقفہ تھا۔ دوسری میں تعیین ہے کہ

پچاس آیتوں کا وقفہ تھا۔ امام مسلم[1] نے میں صرف پہلی روایت ذکر کی ہے' اس سے ظاہر ہے کہ پہلی روایت راجح ہے۔ طحاوی[2] میں بہ طریق ہشام دستوائی' حضرت انس اور حضرت زید بن ثابت دونوں سے یوں روایت ہے کہ ہم نے سحری کھائی۔

۳۸۴- ح: كُنْتُ اَتَسَحَّرُ فِيْ اَهْلِيْ ثُمَّ تَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِيْ [میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ سحری کھاتا پھر مجھے جلدی ہوتی]

۳۸۴- عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ ابْنَ سَعْدٍ يَقُوْلُ كُنْتُ اَتَسَحَّرُ فِيْ اَهْلِيْ ثُمَّ تَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِيْ اَنْ اُدْرِكَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ابو حازم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں اپنے اہل کے ساتھ سحری کھاتا' پھر مجھ کو جلدی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پالوں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: وقت الفجر ص ۸۲' کتاب الصوم۔ باب: تعجیل السحور ص ۲۵۷)

یہاں امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے: "وقت الفجر" اس حدیث سے فجر کا اوّل وقت اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت سہل کی جلدی اسی بناء پر تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر طلوع ہوتے ہی نمازِ فجر شروع فرمادیتے تھے تو معلوم ہوا کہ فجر کا اوّل وقت طلوعِ فجر ہے۔ ان احادیث سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فجر کی نماز اوّل وقت میں پڑھنی افضل ہے۔ اگرچہ باب سے یہ ظاہر نہیں' اس کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رمضان المبارک میں یہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی۔

اسفار کے استحباب پر ایک نیا استدلال

مگر ان سب کے معارض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے مناسک[3] میں ذکر فرمایا ہے کہ جب فجر طلوع ہوگئی تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت (طلوعِ فجر کے وقت) کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے مگر صرف یہ نماز اس جگہ اس دن یہ نمازیں اپنے وقت سے ہٹا دی گئی ہیں۔ مغرب مزدلفہ میں آنے کے بعد اور فجر' فجر طلوع ہوتے ہی۔ "عن وقتها" سے مراد جس وقت عادۃً پڑھی جاتی تھیں' ورنہ ظاہر ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد فجر کا وقت ہوگیا تو وقت سے کہاں ہٹائی گئیں۔ نفی کا استغراق یہ چاہتا ہے' رمضان میں بھی فجر کی نماز اوّل وقت نہیں پڑھتے تھے' اس لیے دونوں میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں نفی سے مراد عادت ہے' یعنی اس وقت نماز پڑھنے کی عادت مستمرہ نہیں تھی' نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں۔ اور ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ کبھی کبھار رمضان میں اوّل وقت پڑھ لیا کرتے تھے' یہ بالکل ظاہر ہے' اس لیے کہ حضرت انس کی حدیث میں صرف ایک بار کا واقعہ مذکور ہے' البتہ حضرت سہل کی حدیث میں استمرار کا پہلو ظاہر ہے' مگر وہ اس پر نص نہیں کہ نمازِ فجر اوّل وقت ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے ان کا گھر میل دو میل کی دوری پر رہا ہو' اس لیے وہ جلدی کرتے تھے۔ امام نووی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کر دیا کہ عرفہ میں عصر وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے' پھر یہ حصر درست نہیں۔ اس وجہ سے یہ حدیث معناً معلول ہے' لائق اعتبار نہیں۔

اقول: موقع کے اعتبار سے روایت میں اختصار پسندی راویوں کی عام عادت ہے' اسی کے مطابق یہاں بھی اختصار ہے' ورنہ نسائی[4] میں یہی حدیث حضرت ابن مسعود ہی سے یوں ہے:

---

[1] مسلم۔ ج ا ص ۳۵۰۔ کتاب الصیام۔ باب: فضل السحور [2] طحاوی۔ ج ا ص ۱۰۲۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الوقت الذی یصلی فیہ الفجر

[3] بخاری۔ ج ا ص ۲۵۷۔ باب: من اذن واقام لکل واحدۃ منهما

[4] نسائی۔ ج ۲ ص ۴۴۔ کتاب المناسک۔ باب: الجمع بین الظهر والعصر بعرفۃ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الصلوٰة لوقتها الا بجمع وعرفات.

رسول اللہ ﷺ تمام نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا فرماتے تھے مگر جمع (مزدلفہ) اور عرفات میں۔

۳۸۵- ح: مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ

[جس نے نماز کی ایک رکعت پالی (اس نے نماز پالی)]

۳۸۵ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ. (بخاری۔ باب: من ادرك من الصلٰوة ركعة ص ۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

یعنی اس نے جماعت پالی اسے جماعت کا ثواب ملے گا۔ رکعت سے پوری رکعت مراد نہیں بلکہ مطلقاً نماز کا جزء مراد ہے اس لیے اگر کوئی قعدہ اخیرہ میں سلام سے قبل شامل ہوا اور ایک تسبیح کی مقدار اسے نماز مل گئی تو وہ بھی شامل جماعت ہو گیا اسے بھی جماعت کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح اگر کوئی رکوع میں شامل ہوا تو اسے وہ رکعت مل گئی۔

۳۸۶- ح: نَهْىٌ عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ

[آپ (ﷺ) نے صبح (کی نماز) کے بعد سورج چمکنے تک نماز سے منع فرمایا]

۳۸۶- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدَ عِنْدِیْ رِجَالٌ مَّرْضِيُّوْنَ وَاَرْضَاهُمْ عِنْدِیْ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے پسندیدہ لوگوں نے یہ بتایا اور ان سب میں سب سے زیادہ میرے نزدیک پسندیدہ حضرت عمر ہیں کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج چمکے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: الصلٰوة بعد الفجر ص ۸۲، مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ)

نمازِ فجر کے بعد سورج نکلنے تک صرف نوافل مکروہ ہیں، فرائض مثلاً قضا بلا کراہت درست ہے۔ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک بھی پورا وقت مکروہ ہے مگر اس کی تفصیل ہے۔ غروب سے بیس منٹ پہلے تک صرف نوافل مکروہ ہیں فرائض نہیں اور بیس منٹ سے لے کر غروب تک نوافل، فرائض سبھی مکروہ ہیں اور وہ جو حضور اقدس ﷺ سے مروی ہے کہ آپ بعد عصر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے وہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے، ممانعت کی احادیث تیئس صحابہ کرام سے مروی ہیں، جن کے مشہور ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ اس حدیث میں "شَهِدَ" کے معنی "اخبر" کے ہیں، جیسے آیۂ کریمہ "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" میں ہے۔ جلالین میں ہے: "بين لخلقه" اللہ نے اپنی مخلوق پر واضح کر دیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۳۸۷- ح: لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ

[قصداً سورج طلوع (اور غروب) کے وقت نماز نہ پڑھو]

۳۸۷- حَدَّثَنِیْ ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بالقصد آفتاب نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز نہ پڑھو۔ (عروہ نے کہا:)

وَلَا غُرُوْبَهَا وَقَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَغِيبَ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سورج کا کنارہ نکل جائے تو اس وقت نماز نہ پڑھو جب تک کہ بلند نہ ہو جائے اور جب ڈوبنے لگے تو بھی نہ پڑھو یہاں تک کہ پورا غروب ہو جائے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: الصلوٰۃ بعد الفجر حتی ترتفع ص ۸۲' کتاب بدء الخلق۔ باب: صفۃ ابلیس وجنودہ ص ۴۶۳' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

صفۃ جنود ابلیس میں بجائے "تَحَرَّوْا"، "تَحَيَّنُوْا" ہے' یعنی وقت بنالو۔ یعنی بلا عذر بالقصد نماز کو مؤخر نہ کرو اور طلوع وغرب کے وقت پڑھو۔ اتنا زائد ہے' اس لیے کہ سورج شیطان کی دونوں سینگوں کے مابین نکلتا ہے۔ حاجب کے تین معنی ہیں: کنارہ' وہ کرنیں جو طلوع سے پہلے اُفق پر نظر آتی ہیں' اردگرد۔ یہاں مراد کنارہ ہے۔ طلوع سے مراد' سورج کے بالائی کنارے کے چمکنے سے لے کر بیس منٹ تک ہے' اسی طرح غروب سے مراد سورج کے بالائی کنارے کے ڈوبنے کے وقت سے بیس منٹ پہلے تک ہے۔ ان دونوں اوقات میں نہ نفل کی اجازت ہے نہ فرض کی۔ بعض لوگوں نے یہ وقت پندرہ منٹ رکھا ہے' مگر صحیح یہ ہے کہ بیس منٹ ہے' اس کی مکمل تحقیق فتاویٰ رضویہ' ج ۲ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمائی ہے۔

۳۸۸- ح: لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

[صبح کے بعد سورج بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں]

۳۸۸- اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ صبح کے بعد کوئی نماز نہیں' یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد (بھی) کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: لا تتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس ۸۲' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۳۸۹- ح: لَقَدْ نَهٰى عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ

[عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا منع ہے]

۳۸۹- عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تم لوگ ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' ہم نے حضور کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور اس سے آپ نے منع بھی فرمایا ہے۔ یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: لا تتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس ص ۸۳)

۳۹۰- ح: لَا تَحَرَّوْا طُلُوْعَ

[سورج کے طلوع اور غروب کے وقت

الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا [بالقصد نماز نہ پڑھو]

۳۹۰- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اُصَلِّيْ كَمَا رَاَيْتُ اَصْحَابِيْ يُصَلُّوْنَ لَا اَنْهٰى اَحَدًا يُّصَلِّيْ بِلَيْلٍ وَّلَا نَهَارٍ مَّا شَآءَ غَيْرَ اَنْ لَّا تَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے' میں بھی پڑھوں گا' میں کسی کو رات یا دن میں جب چاہے کسی وقت بھی نماز سے منع نہیں کرتا۔ ہاں! سورج کے طلوع اور غروب کے وقت بالقصد نماز نہ پڑھو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: من لم یکرہ الصلوٰۃ الا بعد العصر والفجر ص ۸۳)

تکمیل

اسماعیلی نے اس حدیث کی ابتداء میں یہ زیادہ کیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دن کے ابتدائی حصے میں زوال کے وقت تک کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ زوال کے وقت نماز پڑھتے تھے۔ حضرت امام مالک کے یہاں زوال کے وقت نماز مکروہ نہیں۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔

زوال کے وقت نماز مکروہ ہونے پر احناف کی دلیل

احناف کے نزدیک زوال کے وقت بھی نماز مکروہ ہے۔ ان کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے:

ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهانا ان نصلي فيهن او ان نقبر فيهن موتانا' حين يطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور مردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے' جب سورج چمکتا ہوا نکلے یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور ٹھیک دوپہر کو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج ڈوبنے کے لیے جھکے' یہاں تک کہ ڈوب جائے۔

(مسلم۔ ج ا۔ باب: الاوقات التي نهى عن الصلوٰة فيها ص ۲۷۶' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الجنائز۔ باب: الدفن عند طلوع الشمس وغروبها ص ۹۸' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: في كراهية الصلوٰة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها ص ۱۲۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: النهي عن الصلوٰة نصف النهار ص ۹۶' ابن ماجہ' داری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۲ ۱۴۲' مسند امام احمد)

''حين يقوم قائم الظهيرة'' کا لفظی ترجمہ یہ ہے: جب دوپہر کو کھڑے ہونے والے کا سایہ سیدھا قائم ہو جائے نہ مشرق جھکا ہو نہ مغرب۔ اس کا حاصل ٹھیک دوپہر ہے۔ ''ان نقبر فيهن موتانا'' سے مراد نمازِ جنازہ ہے' جیسے کہ ابوداؤد کی روایت میں یہ تفصیل ہے: ''ان نصلي فيهن او ان نقبر فيهن موتانا'' یعنی ان اوقات میں مردے پر نماز پڑھنے اور انہیں دفن کرنے سے منع فرمایا۔ یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ جنازہ پہلے سے تیار ہو اور کسی وجہ سے دیر ہو گئی' مثلاً کسی کے انتظار میں اور زوال کا وقت آ گیا۔ اور اگر جنازہ اسی وقت تیار ہوا تو کراہت نہیں۔ اب زوال کے وقت کے نکلنے کے وقت تک انتظار ممنوع ہے' اس لیے کہ جنازے کے تیار ہو جانے کے بعد دفن میں جلدی کرنے کا تاکیدی حکم احادیث میں آیا ہے' اس لیے تاخیر ان احادیث کے معارض ہے۔

زوال سے کیا مراد ہے؟

عوام اس وقت کو زوال کہتے ہیں' حالانکہ اس کا صحیح نام نصف النہار ہے' ہم نے عرف کا لحاظ کرتے ہوئے اسے زوال سے تعبیر کیا۔ ورنہ حقیقت میں زوال کے معنی ڈھلنا ہے' اس وقت ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور مکروہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد ضحوہ کبریٰ ہے

یعنی نصف النہار شرعی اور نصف النہار حقیقی کے درمیان کا وقت۔ شرعی دن صبح صادق سے لے کر سورج ڈوبنے تک اور عرفی دن سورج نکلنے سے لے کر سورج ڈوبنے تک۔ صبح صادق سے لے کر سورج ڈوبنے تک کا جو وقت ہے' اس کے نصف سے ضحوۂ کبریٰ شروع ہوتا ہے اور خط استواء سے سورج کے ڈھلنے تک رہتا ہے' یہ پورا وقت نصف النہار ہے۔ اس وقت نماز مکروہ ہے' ضحوۂ کبریٰ ہمارے بلاد میں کم از کم ۳۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۴۷ منٹ ہوتا ہے[1] نصف النہار سے ضحوۂ کبریٰ مراد ہے۔ یہ قول ائمہ خوارزم کی جانب منسوب ہے۔ امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتویٰ دیا' اس لیے کہ نصف النہار عرفی کے بعد بلاکسی فصل کے زوال ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی بھی نماز ممکن نہیں اور اس وقت نماز کی ممانعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کا ظاہر منطوق بھی یہی ہے کہ فرمایا:

نهى عن الصلوٰة نصف النهار حتى تزول الشمس. (مشکوٰۃ ص ۹۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت نماز سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے علاوہ اور بھی احادیث احناف کی مؤید ہیں' مثلاً حضرت عمرو بن عنبسہ اور حضرت عبداللہ بن الصنابحی' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہم کی احادیث۔

یوم جمعہ وقت زوال نماز کا استثناء

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو قتادہ کی حدیث میں وقت استواء نماز کی ممانعت سے جمعہ کا دن مستثنیٰ ہے' اسی کے مطابق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حاوی میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ درمختار میں اشباہ سے نقل فرمایا کہ یہی صحیح اور معتمد ہے' مگر علامہ شامی نے اس پر یہ اعتراض نقل فرمایا کہ متون اور شروح اس کے خلاف ہیں' یعنی حکم ممانعت جمعہ کے دن کو بھی شامل ہے اور ان احادیث کا جواب علماء احناف سے یہ نقل فرمایا کہ یہاں مبیح و محرم میں تعارض ہے' اس لیے ترجیح محرم کو ہوگی۔

مکہ معظمہ میں استثناء کا جواب

اسی طرح ابوداؤد' ترمذی اور نسائی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی عبد مناف! کوئی کسی وقت بھی کعبہ کا طواف کر لے یا نماز پڑھے تو اسے منع نہ کرو[2] اس سے ثابت ہوا کہ مکہ معظمہ میں کوئی نماز کسی وقت پڑھنی ممنوع نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سابقہ احادیث پر نظر کرتے ہوئے اس سے مراد یہ ہے کہ غیر اوقات مکروہہ میں جس وقت جس کا جی چاہے طواف کرے' نماز پڑھے اسے نہ روکو۔ تاکہ احادیث میں تطبیق ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جدالممتار میں فرمایا: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس قبیل سے ہو جو فرمایا گیا کہ عوام اگر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھیں تو منع نہ کیا جائے۔ عدم جواز اور ہے اور منع اور چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ واقف کار خود ان اوقات میں مکہ معظمہ میں بھی نماز نہ پڑھیں لیکن اگر کوئی پڑھتا ہے تو اسے منع نہ کیا جائے۔ نماز ایسا فعل حسن ہے' جس سے روکا نہ جائے۔ (جدالممتار ص ۲۴۹)

ت ۱۲۸- وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ شَغَلَنِي نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ.

کریب نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھی اور فرمایا: عبدالقیس کے کچھ لوگوں نے مجھے مشغول رکھا اور میں ظہر کے بعد کی دو رکعت نہیں پڑھ سکا تھا۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۴۱۶

[2] مشکوٰۃ۔ ص ۹۵

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: ما یصلی بعد العصر من الفوائت و نحوھا ص ۸۳ ' کتاب التہجد۔ باب: اذا کلم وھو یصلی فاشار بیدہ و استمع ص ۱۶۴ ' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: وفد عبد القیس ص ۶۲۷ ' مسلم ' ابوداؤد)

تکمیل

ابواب السہو اور مغازی میں یہ تعلیق امام بخاری نے پوری سند کے ساتھ مفصل تحریر فرمائی ہے۔ کریب کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس اور مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن ازہر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ حاضر ہو کر ان کی خدمت میں ہم سب کا سلام عرض کرو' پھر عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں ان سے سوال کرو اور عرض کرو کہ ہم لوگوں کو یہ خبر ملی ہے کہ آپ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتی ہیں' حالانکہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور حضرت ابن عباس نے بتایا کہ حضرت عمر کے ساتھ میں لوگوں کو یہ نماز پڑھنے پر مارا کرتا تھا۔ کریب نے کہا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان لوگوں کا پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے فرمایا: اُم سلمہ سے پوچھو! میں وہاں سے ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عائشہ کا ارشاد بتایا۔ اب ان حضرات نے مجھے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے ہوئے سن چکی تھی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ عصر پڑھنے کے بعد جب میرے گھر میں تشریف لائے تو انہیں پڑھ رہے ہیں۔ میرے پاس بنی حرام کی کچھ انصار کی عورتیں تھیں' اس لیے میں نے اپنی خادمہ کو حضور کے نزدیک بھیجا اور سکھایا کہ آپ کے پہلو میں کھڑی ہو جا اور عرض کر: اُم سلمہ خدمت اقدس میں عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کو ان رکعتوں سے منع کرتے ہوئے میں نے سنا ہے اور دیکھ رہی ہوں کہ حضور انہیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا۔ خادمہ نے ایسا ہی کیا تو حضور نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ ہٹ آئی۔ جب حضور نماز سے فارغ ہو چکے تو فرمایا: اے ابواُمیہ کی بیٹی! عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں تو نے پوچھا ہے۔ بات یہ ہوئی کہ عبدالقیس کے کچھ لوگ میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے مشغول رکھا' جس کی وجہ سے ظہر کے بعد والی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا' یہ وہی دونوں ہیں۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوافل کی قضا ہے' مگر آگے مفصل آ رہا ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے۔

مطابقت

یہاں امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے: عصر کے بعد فوت شدہ نمازوں اور اس کے مثل کو پڑھنا' مگر جب یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے تو اس سے باب ثابت نہ ہوگا۔ اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک تفصیل ہے۔ غروب سے بیس منٹ پہلے تک صرف نوافل مکروہ ہیں۔ فرائض و واجبات بلا کراہت درست ہیں' پھر غروب آفتاب تک کوئی نماز جائز نہیں' سوائے اس دن کی عصر کے اور اس نماز جنازہ کے جو اسی وقت تیار ہوا ہو اور اس سجدۂ تلاوت کے جو اس وقت تلاوت سے واجب ہوا ہو۔

نحوھا

باب میں "نحوھا" تھا۔ ابن منیر نے فرمایا: اس میں نوافل راتبہ یعنی سنن مؤکدہ داخل ہیں۔ اور حدیث میں ممانعت ان نوافل سے ہے جن کے لیے کوئی سبب نہ ہو' یعنی جو اپنی مرضی سے پڑھی جائیں۔ اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا: ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ "نحوھا" نوافل راتبہ کو داخل کرنے کے لیے بڑھایا' بلکہ اس سے مراد وہ نمازِ جنازہ ہے جو اس وقت تیار ہوا ہو اور سجدۂ تلاوت ہے جو اسی وقت واجب ہوا ہو' یعنی واجبات و فرائض۔ اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اور دیگر احادیث سے اس وقت مطلقاً ہر نفل کی

ممانعت ثابت ہے خواہ ان کا کوئی سبب ہو خواہ نہ ہو۔ وہ احادیث اپنے عموم کے لحاظ سے تمام نوافل کو شامل ہیں۔

اقول: علامہ عینی کے اس ارشاد کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ اس کو ابن منیر نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ فوائت سے مراد فوت شدہ فرائض ہیں تو ان کے مثل وہی نمازیں ہوں گی جو فرض یا کم از کم واجب ہوں جیسے نمازِ جنازہ جو فرض ہے اور سجدۂ تلاوت جو واجب ہے اور نوافل کی قضا بالاتفاق نہ فرض نہ واجب' اس لیے وہ "نحوھا" میں داخل نہیں ہوسکتیں۔

۳۹۱- ح: مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (عصر کے بعد) دو رکعت کبھی نہیں چھوڑیں حتیٰ کہ اللہ عزوجل سے ملاقات کی]

۳۹۱- اَنَّهُ سَمِعَ عَآئِشَةَ قَالَتْ وَالَّذِیْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ وَمَا لَقِيَ اللّٰهَ حَتّٰى ثَقُلَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَكَانَ يُصَلِّیْ كَثِيْرًا مِّنْ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا تَعْنِی الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا وَلَا يُصَلِّيْهِمَا فِی الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ يُّثَقِّلَ عَلٰى اُمَّتِهٖ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس ذات کی قسم جو حضور کو دنیا سے لے گئی! عصر کے بعد کی دو رکعتیں حضور نے کبھی نہیں چھوڑی یہاں تک کہ حضور نے اللہ عزوجل سے ملاقات کی اور اللہ عزوجل سے ملاقات اس وقت کی جب آپ نمازیں پڑھنے سے تکان محسوس فرمانے لگے تھے اور حضور اکثر نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے یعنی عصر کے بعد کی دونوں رکعتیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پڑھتے تھے اور مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اس اندیشے کی وجہ سے کہ اُمت پر گراں نہ ہوجائے اور یہ آپ پسند فرماتے تھے کہ اُمت پر تخفیف رہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: ما یصلی بعد العصر من الفوائت ص ۸۳' مسلم)

۳۹۲- ح: مَا تَرَكَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عصر کے بعد دو رکعت نہیں چھوڑیں]

۳۹۲- قَالَ قَالَتْ عَآئِشَةُ ابْنَ اُخْتِیْ مَا تَرَكَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِیْ قَطُّ.

عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے بھانجے! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں میرے پاس کبھی نہیں چھوڑیں۔

۳۹۳- ح: رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے]

۳۹۳- عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَّلَا عَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے نہ خفیہ نہ علانیہ۔ نماز صبح سے پہلے دو رکعت اور نمازِ عصر کے بعد دو رکعت۔

۳۹۴- ح: مَا كَانَ يَاْتِيْنِیْ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عصر کے بعد جب تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے]

۳۹۴- قَالَ رَاَيْتُ الْاَسْوَدَ وَمَسْرُوْقًا شَهِدَا عَلٰى عَآئِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اسود اور مسروق نے حضرت عائشہ پر گواہی دی کہ انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی عصر کے بعد میرے پاس تشریف لاتے

یَأْتِینِی فِی یَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ. تو دو رکعتیں پڑھتے۔

(ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: ما یصلی من الفوائت ص ۸۲' ابوداؤد' نسائی)

عصر کے بعد نماز نفل حضور ﷺ کے خصائص سے ہے' اس کی دلیل

صحیح یہی ہے کہ عصر کے بعد نفل مطلقاً مکروہ ہیں اور حضور اقدس ﷺ کا پڑھنا حضور کے خصائص میں سے ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ابھی گزری ہوئی بخاری کی حدیث: ۵۹۱ میں یہ تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ان دو رکعتوں کو اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ اُمت پر بوجھ نہ پڑے اور یہ پسند فرماتے تھے کہ اُمت پر تخفیف رہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ اُمت اس نماز کو پڑھے' یہی دلیل تخصیص ہے۔

(۲) حضرت ذکوان مولیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے' صومِ وصال رکھتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من رخص فیھا ص ۱۸۱)

(۳) ابھی حدیث گزری کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں متعدد سندوں کے ساتھ یہ ذکر فرمایا اور یہ تمام صحابہ کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ (شرح معانی الآثار۔ ج ا۔ باب: الرکعتین بعد العصر ص ۱۸۰)

(۴) نیز حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بعض روایتیں اس کے خلاف بھی آئی ہیں' مثلاً تعلیق: ۱۲۸ میں ہے کہ جب کریب نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: اُم سلمہ سے پوچھو! اگر اُم المؤمنین حضرت عائشہ کو اس بارے میں کچھ معلوم تھا تو خود کیوں نہیں بتایا۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ کے پاس کیوں بھیجا' بلکہ امام طحاوی نے ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت معاویہ نے انہیں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا تو فرمایا: ''لا ادری'' میں نہیں جانتی[۱] نیز حضرت معاویہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا: ''لیس عندی صلاھما'' میرے پاس ان دونوں رکعتوں کو نہیں پڑھا۔ غالباً اسی معنوی سقم کی بناء پر امام ترمذی نے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت صرف اس وجہ سے پڑھی تھی کہ خدمت اقدس میں کچھ مال آ گیا تھا' اس میں مشغولیت کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعت نہیں پڑھی تھیں' انہیں کو عصر کے بعد پڑھا۔ ''ثم لم یعدھما'' پھر کبھی نہیں پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا:

وقد روی غیر واحد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ صلی بعد العصر رکعتین وھذا خلاف ما روی عنہ انہ نھی عن الصلوٰۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس وحدیث ابن عباس اصح حیث قال لم یعدھما.

متعدد حضرات نے نبی ﷺ کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ حضور نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھی ہیں۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو مروی ہے کہ حضور نے عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث زیادہ صحیح ہے کہ انہوں نے فرمایا: پھر کبھی نہیں پڑھی۔

[۱] شرح معانی الآثار۔ ج ا ص ۱۸۰ ۔ باب: الرکعتین بعد العصر

(ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما جاء فی الصلوٰۃ بعد العصر ص ۲۶)

ایک اشکال اور اس کا حل

متعدد احادیث میں آیا ہے کہ عصر کے بعد جو دو رکعت حضور اقدس ﷺ نے پڑھی وہ ظہر کے بعد کی سنت کی قضا تھی۔ نیز دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ عصر کے وقت بلال نے اقامت جلدی کہہ دی اور میں عصر کے پہلے کی سنت نہ پڑھ سکا تھا۔ یہ عصر کے بعد جو پڑھ رہا ہوں' یہ اسی کی قضا ہے حالانکہ سنتوں کی قضا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ اس کی دلیل دار قطنی کی یہ روایت ہے کہ حضرت ام المؤمنین نے جب دریافت فرمایا: کیا ہم لوگ بھی قضا کریں؟ تو فرمایا: نہیں!

(عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۸۴)

علامہ عسقلانی پر تطفل

حضرت علامہ ابن حجر نے بعد والی روایت کو ضعیف کہا ہے مگر تلخیص میں امام احمد سے روایت کر کے سکوت اختیار فرمایا۔ علاوہ ازیں ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ الزوائد ج ۲ ص ۲۲۴ میں ہے کہ امام احمد کی اس حدیث کے رجال' رجال صحیح ہیں' اس لیے علامہ ابن حجر کی تضعیف ساقط' پھر یہ کہ علامہ کی جرح مبہم ہے اور جرح مبہم عند التحقیق لائق استناد ہونے میں حارج نہیں۔ غالباً علامہ ابن حجر کا ضعیف کہنا یزید بن ہارون عن حماد بن سلمہ کی وجہ سے ہے' اگر یہی بات ہے تو ان کا اس حدیث کو ضعیف کہنا غلط ہے' اس لیے کہ یہ دونوں ثقہ رجال مسلم سے ہیں۔ امام بخاری پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انہوں نے حماد بن سلمہ سے کم درجے کے لوگوں کی روایت لی اور ان کی نہیں لی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

کشمیری صاحب کا رد

علامہ ابن حجر نے حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا حدیث پر یہ تنقید کی: "وفیہ جریر عن عطاء وسماعہ منہ بعد الاختلاط" مگر فیض الباری ج ۲ ص ۱۴۱ میں کشمیری صاحب نے اسے حضرت عائشہ کی حدیث پر فٹ کر دیا ہے۔

کشمیری صاحب کا تہور

انوار الباری ج ۱۳ ص ۳۴ پر حدیث: ۳۹۱ کے بارے میں ہے' حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: اصل مضمون حدیث کا اس طرح تھا: "ما ترکھما حتی لقی اللّٰہ' تعنی الرکعتین بعد العصر. وما لقی اللّٰہ تعالٰی حتی ثقل عن الصلوٰۃ وکان یصلی کثیرا من صلوتہ قاعدًا وکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ" راوی نے "قاعدًا" کے ساتھ "تعنی" والے جملے کو جوڑ کر ترتیب ومعنی بگاڑ دیا۔ اس پر بجنوری صاحب نے یہ عنوان قائم کیا: امام بخاری کا تسامح۔

اقول: اوّلاً راوی نے ترتیب بگاڑ دی' تو یہ امام بخاری کا تسامح کیسے ہو گیا' یہ ان کی اعلیٰ درجے کی دیانت ہے کہ جیسے سنا ویسے ہی یاد رکھا ویسے ہی تحریر فرمایا۔ ثانیاً: راوی نے ترتیب بدل دی' اس پر کیا دلیل ہے۔ صحیح ترتیب کا آپ کو علم کیسے ہوا؟ ثالثاً: معنی بگاڑنے کا الزام بھی غلط ہے۔ آپ یہی نا کہنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اخیر عمر مبارک میں اکثر نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے خواہ وہ بعد عصر کے ہوں خواہ کوئی اور۔ اور بخاری میں مذکورہ ترتیب سے یہ معلوم ہوتا ہے: صرف عصر کے بعد والے نفل اکثر بیٹھ کر پڑھتے تھے' لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ کسی خاص موقع پر کسی خاص چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے حکم عام کو ایسے بیان کیا جاتا ہے جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ حکم اس خاص چیز کے ساتھ خاص ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے: "لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" (آل عمران: ۱۳۰) دونا دون سود نہ کھاؤ۔ اور فرمایا: "لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا" (النور: ۳۳) اپنی باندیوں کو

بہ مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی چاہیں' حالانکہ سود مطلقاً حرام ہے اگر چہ دون نہ ہو۔ زنا پر کسی کو مجبور کرنا بہر حال حرام ہے۔ اسی طرح حضرت اُم المومنین عصر کے بعد کے نفل کی اہمیت بتانے کے لیے فرماتی ہیں کہ حضور کا جسم اقدس جب بھاری ہو گیا اور نوافل بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے' اس وقت بھی انہیں نہیں چھوڑا' پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اثناء کلام میں کوئی مبہم بات کہہ دی جاتی ہے اور توجہ نہ ہونے کی وجہ سے سلسلہ کلام آگے بڑھ جاتا ہے' پھر خیال آتا ہے کہ فلاں بات مبہم تھی' اب تفسیر کر دی جاتی ہے۔

تتمہ

امام لیث بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے طبقات میں لکھا ہے کہ وہ ایامِ حج میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے' عصر کے بعد سورج میں گہن لگا' مگر کسی نے بھی ''نمازِ کسوف'' نہیں پڑھی۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ چونکہ اس وقت نماز مکروہ ہے' اس لیے نمازِ کسوف نہیں پڑھی گئی۔ یہ صحابہ کا اخیر دور تھا' تابعین کا اوّل' ہزاروں تابعین موجود تھے مگر کسی نے بھی نہیں پڑھی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جمہور تابعین کا بھی یہی مذہب ہے کہ عصر کے بعد نماز نفل مطلقاً مکروہ ہے' اسی سے حضرات شوافع کا یہ کہنا بھی ساقط ہو گیا کہ عصر کے بعد صرف وہ نمازیں مکروہ ہیں جو ذوات الاسباب نہ ہوں اور ذوات الاسباب مکروہ نہیں' اس لیے نمازِ کسوف ذوات الاسباب میں سے ہے۔ یہ امام لیث بن سعد اس درجے کے مقتدا ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: یہ امام مالک سے کم نہیں مگر ان کے تلامذہ نے انہیں ضائع کر دیا۔

تین کے علاوہ بقیہ اوقات مکروہہ میں فرائض وواجبات کی تخصیص کی وجہ

احناف کے یہاں طلوع' استواء' غروب کے وقت کوئی بھی نماز جائز نہیں۔ نہ فرائض نہ واجبات نہ نوافل۔ بقیہ اوقاتِ مکروہہ میں صرف نوافل مکروہ ہیں۔ فرائض اور واجبات مثلاً نمازِ جنازہ وسجدۂ تلاوت مکروہ نہیں۔ اس پر امام ابن ہمام نے فرمایا: نہی عام ہے' پھر ان تین کے علاوہ بقیہ اوقات میں فرائض اور واجبات کی تخصیص کس وجہ سے ہے۔

اقول: ان تینوں اوقات میں نماز کی ممانعت کی علت خود شارع علیہ السلام نے بیان فرما دی کہ طلوع وغروب کے وقت آفتاب شیطان کی سینگوں کے درمیان رہتا ہے اور استواء کے وقت جہنم بھڑکایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں اوقات میں ممانعت ایسی وجہ سے ہے جو وقت میں پائی جاتی ہے' جس کی وجہ سے یہ اوقات نماز کے اوقات ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے' اس لیے ان اوقات میں کسی نماز کی اجازت نہیں۔ بہ خلاف دیگر اوقات کے کہ ان میں ممانعت کی علت شارع نے نہیں بتائی' مگر احادیث ہی سے ثابت ہے کہ دیگر اوقات نماز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خود حضور اقدس ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھی' اس لیے ان اوقات میں ہم نے تفصیل کی کہ فرائض وواجبات جائز اور نوافل ممنوع۔ اس میں ایک خاص لم ہے' فرائض وواجبات اللہ عزوجل کے فرض وواجب کرنے سے ہیں اگر ادا نہ ہوئے تو ذمے رہ جائیں گے اور بندہ ماخوذ ہوگا۔ ان سے جلد از جلد بری الذمہ ہونا ضروری ہے۔ پہلے توفیق نہ ہوئی انہیں اوقات میں توفیق ہوئی تو دیر کیوں کرے' بہ خلاف نوافل کے کہ وہ اختیاری ہیں۔ اور ان اوقات میں نماز سے جب ممانعت ہے تو اس کا مورد کوئی نہ کوئی نماز ضرور ہونی چاہیے۔ ہم نے نوافل کو اس کا مورد بنانا زیادہ مناسب جانا۔ ثانیاً: علاوہ ازیں طلوع وغروب اور استواء کے وقت ممانعت کی احادیث اتنی کثیر ہیں کہ معناً متواتر ہیں اور ان کے معارض کوئی حدیث نہیں' یہ اپنی قوت کے اعتبار سے فرائض و واجبات کو بھی عام ہوئیں۔ بہ خلاف دوسرے اوقات میں ممانعت کی احادیث کے کہ وہ اتنی کثیر نہیں اور ان کے مزاحم دوسری احادیث بھی ہیں اور فرائض وواجبات قوی' اس لیے ان احادیث کو نوافل کے ساتھ ہی خاص رکھا گیا۔ ثالثاً: دوسرے اوقات میں ممانعت کی احادیث میں تعارض ہے۔ ان میں تطبیق کی احناف نے یہ صورت پیدا کی کہ احادیث اجازت کو فرائض وواجبات کے ساتھ خاص کیا

اوراحادیث ممانعت کونوافل کے ساتھ" هذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی وعلمه جل مجده اتم واحکم"۔

- ان اوقات میں طواف کے بعد کی نماز بھی صحیح نہیں حالانکہ وہ واجب ہے' وجہ فرق یہ ہے کہ ان اوقات میں فرائض اور ان واجبات کی اجازت ہے جو فرائض کے مثل واجب لعینہ ہوں اور طواف کے بعد کی نماز واجب لعینہ نہیں بلکہ طواف کی وجہ سے واجب ہوئی۔

۳۹۵- ح: وَاَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ

[حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اونٹ پر پیٹھ لگائی تو آپ کی آنکھیں آپ پر غالب آ گئیں]

۳۹۵- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سِرْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَخَافُ اَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ بِلَالٌ اَنَا اُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَاَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَیْقَظَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ یَا بِلَالُ اَیْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا اُلْقِیَتْ عَلَیَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَكُمْ حِیْنَ شَآءَ وَرَدَّهَا عَلَیْكُمْ حِیْنَ شَآءَ یَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فَتَوَضَّاَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْیَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰی۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: الاذان بعد ذهاب الوقت ص ۸۲' ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: فی المشیئة والارادة ص ۱۱۱۲' ابوداؤد' نسائی)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر رات کے اخیر میں ہم سب کے ساتھ قیام فرما لیتے (تو اچھا تھا) فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم لوگ نماز سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ۔ حضرت بلال نے عرض کیا: میں آپ سب کو جگا دوں گا۔ اب سب لوگ لیٹ گئے اور حضرت بلال نے اپنے اونٹ پر پیٹھ لگائی' ان کی آنکھیں ان پر غالب آ گئیں اور سو گئے' سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے' اس وقت کہ سورج کا کنارہ نکل چکا تھا' حضور نے فرمایا: اے بلال! کہاں ہے وہ جو تو نے کہا تھا؟ عرض کیا: ایسی نیند مجھ پر کبھی نہیں ڈالی گئی۔ فرمایا: بے شک جب اللہ نے چاہا تمہاری روحوں کو قبض کر لیا اور جب چاہا واپس کر دیا۔ اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے اذان دو۔ اب حضور نے وضو فرمایا اور جب سورج بلند ہوا اور سفید ہو گیا تو حضور اٹھے اور نماز پڑھی۔

کشمیری صاحب پر تعقب

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث: ۲۴۰ کی شرح میں ہم بتا آئے کہ اخیر رات میں قیام کر کے سو جانے کی وجہ سے نماز فجر تین بار قضا ہوئی ہے' اگرچہ کشمیری صاحب اس کا انکار کرتے ہیں۔ صرف ایک بار مانتے ہیں' فیض الباری ج ۲ ص ۱۴۳' مگر یہ ان کا خیال خام ہے۔ واقعات میں اتنا تفاوت ہے کہ یہ سب واقعات ایک نہیں ہو سکتے' مثلاً حضرت عمران والی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر جاگے اور پھر فلاں اور فلاں' پھر حضرت عمر جاگے۔ ان کی بلند آواز سے تکبیر سن کر حضور بیدار ہوئے' اس حدیث میں یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد وہاں سے کچھ دور جا کر نماز فجر پڑھی۔ اس حدیث کا سیاق یہ بتا رہا ہے کہ وہیں نماز پڑھی' اس حدیث میں ہے کہ ہمیں دھوپ کی گرمی نے جگایا۔ اس میں یہ ہے: جب حضور بیدار ہوئے تو سورج کا کنارہ نکلا تھا اور نماز کا مکروہ وقت تھا' اس لیے حضور نے توقف فرمایا' جب سورج اتنا بلند ہو گیا کہ زردی ختم ہو گئی اور سورج سفید ہو گیا تو نماز پڑھی۔

مؤطا امام مالک میں حضرت زید بن مسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مکہ معظمہ کے راستے میں فجر قضا ہوئی تھی اور حضرت عمران والی حدیث کا قصہ خیبر سے واپسی پر ہوا تھا۔ حضرت قتادہ والی حدیث میں مذکور اور حضرت زید بن مسلم والی حدیث میں مذکور

واقعہ بھی ایک نہیں اس لیے کہ اُس میں یہ ہے کہ ارشاد فرمایا: یہاں سے چلو! اس وادی میں شیطان ہے۔ (باب: النوم عن الصلوٰۃ ص ٦)

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر پوری جماعت کی نماز قضا ہو جائے تو اس کے لیے اذان بھی کہہ سکتے ہیں اور اسے باجماعت پڑھ بھی سکتے ہیں' اگر انسان نماز کا پابند ہے اور سو جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو گئی تو کوئی گناہ نہیں' ایسے وقت سونے سے بچنا چاہیے کہ نماز قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو' ہاں! اگر کوئی جگانے کا ذمہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ ان احادیث میں فجر کی سنت پڑھنے کا ذکر نہیں' مگر دوسری احادیث میں ہے۔ مثلاً مسلم شریف[1] اور طحاوی[2] میں حضرت ابوقتادہ ہی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے دو رکعتیں پڑھی' پھر فجر کی نماز پڑھی۔ حضرت ابومریم[3] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما[4] کی حدیث میں ہے: پہلے حضور نے فجر سے پہلے والی دو رکعتیں پڑھیں' نیز طحاوی[5] ہی میں حضرت عمران والی حدیث میں ہے: اذان کے بعد ہم نے دو رکعتیں پڑھیں' پھر اقامت کہی گئی۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے' ہمارے نزدیک صحیح و مختار یہ ہے کہ اگر زوال سے پہلے قضا پڑھے تو فجر کی سنت بھی پڑھ لے' آفتاب نکلنے کے بعد جب تک اس میں زردی باقی رہے' قضا نماز جائز نہیں جب تک کہ سفید نہ ہو جائے۔ اس سے قبل گزر چکا کہ اس کی مقدار بیس منٹ ہے۔

٣٩٦- ح: مَا كِدْتُّ أُصَلِّي الْعَصْرَ

[میں عصر نہیں پڑھ سکا تھا]

٣٩٦- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كِدْتُّ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَقُمْنَا اِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ وَتَوَضَّاْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورج ڈوبنے کے بعد غزوۂ خندق کے دن آئے اور کفارِ قریش کو بُرا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں عصر نہیں پڑھ سکا تھا کہ سورج ڈوبنے لگا (یعنی عصر نہیں پڑھ سکا)' نبی ﷺ نے فرمایا: بخدا! میں نے بھی عصر نہیں پڑھی ہے' اس کے ہم سب بطحان پر گئے' حضور نے بھی نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی' سورج ڈوبنے کے بعد ہم نے عصر پڑھی' اس کے بعد مغرب پڑھی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: من صلی بالناس جماعۃ بعد ذھاب الوقت ص ٨٣' ایضاً۔ باب: قضاء الصلوات الاولیٰ فالاولیٰ ص ٨٤' کتاب الاذان۔ باب: قول الرجل ما صلینا ص ٨٩' کتاب صلوٰۃ الخوف۔ باب: الصلوٰۃ عند منا ھضۃ الحصون ص ١٢٩' کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ الخندق ص ٥٩٠' مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث میں دو اشکال ہیں:

پہلا اشکال...... ("کاد" کی نفی اثبات کے لیے ہے یا نفی کے لیے)

یہ کہ "ما كدت ان اصلي العصر الخ" کے کیا معنی ہیں؟ یعنی حضرت عمر نے عصر کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ علامہ عینی کی تحقیق

[1] مسلم۔ ج ا ص ٢٣٩۔ باب: قضاء الفائتۃ [2] شرح معانی الآثار۔ ج ا ص ٢٣٣۔ باب: الرجل یدخل فی صلوٰۃ الغداۃ الخ

[3] طحاوی۔ ج ا ص ١٠٢۔ باب: کیف یقضی الفائت [4] مسلم۔ ج ا۔ باب مذکور' نسائی۔ ج ا۔ باب مذکور

[5] طحاوی۔ ج ا ص ٢٣٣۔ باب مذکور

یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ علامہ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ پڑھ لی تھی۔ اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ "کَادَ" اثبات ونفی میں دوسرے افعال کی طرح ہے یا اس کی نفی اثبات اور اثبات نفی ہے۔ علامہ عینی کا مختار یہ مذہب ہے کہ یہ اثبات ونفی میں دوسرے افعال کی طرح ہے' اسی کو علامہ ابن حاجب نے کافیہ میں اصح کہا ہے اور یہی راجح ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا. (النور:۴۰) جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے نہ دیکھ سکے۔

علامہ ابن حجر کا مختار یہ مذہب ہے کہ کاد کی نفی اثبات کے لیے اور اثبات نفی کے لیے ہوتا ہے' تو حضرت عمر کے ارشاد کا حاصل یہ نکلا کہ میں نے نماز اس وقت پڑھی کہ سورج ڈوبنے کے قریب تھا' مگر ابھی ڈوبا نہیں تھا' مگر چونکہ یہ مذہب قرآنی محاورے کے خلاف ہے' اس لیے مرجوح ہے اور صحیح مطلب وہی ہے کہ حضرت عمر کی مراد یہ ہے کہ میں نماز عصر نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہو گیا' یعنی ڈوبنے لگا اور اس وقت چونکہ نماز ممنوع ہے' اس لیے میں نے نہیں پڑھی' اس کی دلیل اس کے بعد والی روایت ہے جس میں ہے: "حتی غربت الشمس" یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا' اس لیے کہ حضرت عمر سے یہ بعید تھا کہ حضور نماز نہ پڑھیں اور تنہا حضرت عمر پڑھ لیں' جب کہ قرآن مجید میں اس کی ممانعت وارد ہے۔ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (الحجرات:۱) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ وہ کفار قریش کو برا کہہ رہے تھے' اگر نماز پڑھ لی تھی تو برا کہنے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی۔

دوسرا اشکال......(غزوۂ خندق میں کتنی نمازیں قضاء ہوئیں؟)

یہ ہے کہ غزوۂ خندق میں کتنی نمازیں قضا ہوئی تھیں اور قضا ہونے کا سبب کیا تھا؟ اس سلسلے میں روایتیں مختلف آئی ہیں:

(۱) ترمذی[۱] اور نسائی[۲] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: چار وقت کی نمازیں قضا ہوئی تھیں: ظہر' عصر' مغرب' عشاء۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ[۳] کی ایک حدیث میں ہے: ظہر' عصر' مغرب نہیں پڑھ سکے تھے' یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔

(۳) صرف عصر قضا ہوئی تھی جیسا کہ حدیث زیر بحث سے بہ ظاہر متبادر ہوتا ہے۔ نیز بخاری[۴]' مسلم[۵]' نسائی[۶]' ابن ماجہ[۷]' ترمذی[۸] اور مسند امام احمد[۹] میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان (کفار قریش) کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے' انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ (عصر) نہیں پڑھنے دی' یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔

---

۱ ترمذی۔ ج۱ ص۲۵۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی النوم عن الصلوٰۃ

۲ نسائی۔ ج۱ ص۱۰۷۔۱۰۸۔ کتاب الاذان۔ باب: الاجتزاء لذلک کلها باذان واحد

۳ مسند امام احمد۔ ج۳ ص۵۹' نسائی۔ ص۱۰۷

۴ بخاری۔ ج۱ ص۵۹۰۔ کتاب الجهاد۔ باب: الاحزاب

۵ مسلم۔ ج۱ ص۲۲۶۔۲۲۷۔ کتاب المساجد۔ باب: الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ هی صلوٰۃ العصر

۶ نسائی۔ ج۱ ص۸۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المحافظة علی صلوٰۃ العصر

۷ ابن ماجہ۔ باب: المحافظة علی الصلوٰۃ الوسطیٰ ص۵۰

۸ ترمذی۔ ج۲ ص۱۲۳۔ کتاب التفسیر۔ باب: سورۃ البقرۃ

۹ مسند امام احمد۔ ج۱ ص۷۹

توجیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عشاء کا بھی ذکر ہے' مگر عشاء کے قضا ہونے کا سوال ہی نہیں' اس لیے کہ وہ رات میں کسی وقت بھی پڑھی جائے قضا نہ ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ وقت معہود پر نہیں پڑھ سکے' اس لیے اس حدیث کا بھی مفاد یہی ہوا کہ تین نمازیں قضا ہوئی تھیں: ظہر' عصر' مغرب۔ جن روایتوں میں صرف عصر کا ذکر ہے جس میں دعاء ہلاکت مذکور ہے' اس کی توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو ذکر فرمایا' اور دعاء ہلاکت کی وجہ اسے قرار دیا' مگر ہم بتا آئے کہ حدیث زیر بحث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف عصر قضا ہوئی تھی' اس لیے صحیح توجیہ یہی ہے کہ حادثہ دو بار ہوا' ایک دفعہ صرف عصر قضا ہوئی اور ایک بار ظہر' عصر' مغرب تینوں۔

نماز قضا ہونے کا سبب

مسند امام احمد میں ابن لھیعہ کی حدیث میں ہے کہ ابو جمعہ حبیب بن سباع نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مغرب پڑھی' پھر دریافت فرمایا کہ کسی کو معلوم ہے کہ میں نے عصر پڑھی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور نے نہیں پڑھی ہے' تو حضور نے پھر اقامت کہلائی اور عصر پڑھی' پھر دوبارہ مغرب پڑھی۔ اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ نسیان کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی۔

اقول: مگر اس نسیان کا سبب دشمنوں کا سخت ہجوم اور خطرناک یورش کی مدافعت میں مصروفیت تھی' اس لیے اصل سبب کفار کا ہجوم عام اور سخت حملہ تھا۔

مطابقت باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: وقت گزر جانے کے بعد جو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ امام بخاری جو حدیث لائے ہیں' اس میں جماعت کا دور تک کہیں پتہ نہیں۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ یہاں حدیث کے سیاق میں اختصار ہے۔ مفصل حدیث سے امام بخاری نے باب کا مضمون اخذ کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کی تائید میں فرمایا کہ اسماعیلی کی روایت میں ''فصلی بنا العصر'' موجود ہے۔

اقول: صحیح یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز قضا جماعت سے پڑھی تھی جیسا کہ مسند امام احمد[1] اور نسائی[2] میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث مفصل یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کے لیے اقامت کہی تو حضور نے ظہر ایسے ہی پڑھی جیسے وقت پر پڑھتے تھے' الخ۔ نیز نسائی[3] ہی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے' اس میں اس طرح ہے: ''فاقام لصلوۃ الظھر فصلینا'' ظہر کی اقامت کہی تو ہم نے ظہر پڑھی' الخ۔ اور حضرت ابو عبیدہ کی حدیث میں بھی قریب قریب یہی ہے اور اقامت جماعت کے ساتھ خاص ہے' اس لیے اس سے بھی ثابت ہوا کہ قضا با جماعت ہوئی تھی' بلکہ مسند امام احمد[4] میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے: ''فصلی بنا الظھر'' حضور نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی۔

مسائل

(۱) اگر جان و مال کی حفاظت میں نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں (۲) اگر دشمن کا ہجوم اتنا زبردست ہو کہ نماز خوف پڑھنے میں

---

[1] مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۹ [2] نسائی ج ۱ ص ۸-۱۰۷ کتاب الصلوۃ۔ باب: الاذان للفائتۃ من الصلوۃ

[3] نسائی- ایضاً ص ۱۰۷ [4] مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۲۳

بھی ان کے غالب آنے کا اندیشہ صحیح ہو تو نماز مؤخر کی جا سکتی ہے' ویسے غزوۂ خندق کے وقت تک نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی۔ سابقاً گزر چکا کہ یہ ۷ھ میں نازل ہوئی۔ (۳) اگر پوری جماعت کی نماز قضا ہو جائے تو اذان و اقامت اور جماعت کے ساتھ قضا کی جا سکتی ہے (۴) اگر چہ نمازیں اکٹھی پوری جماعت کے ساتھ فوت ہو جائیں تو پہلی کے لیے اذان کہے اور بقیہ کے لیے اقامت۔ یہ بھی اختیار ہے کہ سب کے لیے الگ الگ اذان بھی کہے اور اقامت بھی (۵) اگر کسی کی چند نمازیں قضا ہو جائیں اور وہ صاحب ترتیب ہو تو ترتیب سے ادا کرنا فرض ہے۔ اگر قضا شدہ ادا کیے بغیر وقتیہ پڑھے تو وہ نہ ہو گی' مگر یہ کہ وقت میں تنگی ہو اور اگر صاحب ترتیب نہیں تو قضا میں ترتیب ضروری نہیں' صاحب ترتیب وہ ہے جس کے ذمے پانچ سے زائد نمازیں نہ ہوں۔

ت ۱۲۹ - قَالَ اِبْرَاهِيْمُ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً وَّاحِدَةً عِشْرِيْنَ سَنَةً لَّمْ يُعِدْ اِلَّا تِلْكَ الصَّلٰوةَ.

ابراہیم نے فرمایا: جو ایک نماز بیس سال چھوڑے تو صرف اسی نماز کو لوٹائے۔

یہ اثر جامع ثوری میں منصور وغیرہ سے سند متصل کے ساتھ مذکور ہے' اس اثر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کے نزدیک فوت شدہ نمازوں میں ترتیب فرض نہیں' اس لیے کہ اگر ترتیب فرض ہوتی تو مسلسل پانچ نمازیں صحیح نہ ہوتیں' تو کم از کم اس فوت شدہ کے علاوہ پانچ مزید نمازوں کی قضا فرض ہوتی' صرف اسی ایک ہی کی فرض نہ ہوتی۔

۳۹۷- ح: مَنْ نَّسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ

[کوئی نماز بھول جائے تو جب یاد آ جائے' پڑھے]

۳۹۷- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَّسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طٰہٰ:١٤).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی نماز بھول جائے تو جب اسے یاد آ جائے اس وقت پڑھے' اس کا کفارہ سوائے اس کے کچھ نہیں (اللہ عزوجل نے فرمایا:) میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المواقیت۔ باب: من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر ھا ص ۸۴' مسلم' ابوداؤد' کلاہما فی الصلوٰۃ)

مسلم[1] میں یہ زائد ہے: ''او نام عنها'' یعنی بھول گیا یا سو گیا اور نہیں پڑھی تو یہی حکم ہے۔

انوار الباری کا رد

یہاں امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے: جو کوئی نماز بھول جائے' جب یاد آئے تو اسے پڑھ لے۔ اور صرف اس کے علاوہ کسی کا اعادہ نہ کرے' یہ احناف پر کھلی ہوئی تعریض ہے' اس پر شاہ ولی اللہ صاحب نے شرح تراجم بخاری میں لکھا ہے کہ اس باب کا مقصود یہ ہے کہ وقتیہ اور فوت شدہ نمازوں کے درمیان ترتیب نہیں۔ اس کے خلاف جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے' اس پر انوار الباری[2] میں ہے: حضرت شاہ صاحب کا یہ ارشاد اس لیے صحیح نہیں کہ حنفیوں کے نزدیک ترتیب کا وجوب تین وجہوں سے ساقط ہے: بھولنے سے' تنگی وقت سے اور پانچ سے زیادہ نمازوں کے قضا ہو جانے سے۔ جب ایسی بات ہے تو یہاں امام بخاری نسیان والی صورت ذکر کر کے امام صاحب کا رد کیسے کر سکتے تھے۔ ان بزرگ نے امام بخاری کے ارشاد کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ کوئی نماز پڑھنا بھول گیا اور یاد آنے سے پہلے اس نے دوسرے وقت کی نماز پڑھ لی' پھر فوت شدہ یاد آئی' تو اب اس پر صرف اسی فوت شدہ نماز کی قضا ہے' اس وقتیہ کی نہیں۔ امام بخاری کے ظاہر کلام سے یہی مستفاد ہوتا ہے' مگر امام بخاری کی مراد تعمیم ہے اور ''من نسی'' کا تعلق صرف فائتہ سے ہے

[1] مسلم۔ ج ا ص ۲۴۱۔ کتاب المساجد۔ باب: قضاء الفائتة [2] انوار الباری۔ ج ۱۳ ص ۴۲

وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی نماز پڑھنا بھول گیا اور اس کے بعد وقتیہ پڑھی تو وقتیہ ہوگئی' خواہ اسے فوت شدہ یاد ہو خواہ نہ یاد ہو۔ اس پر قرینہ حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ہے کہ فرمایا: جس نے ایک نماز بیس سال تک چھوڑ دی تو صرف اسی ایک کی قضا کرے۔ اور ظاہر ہے بھولی ہوئی نماز بیس سال کے بعد یاد آئے' بیس سال تک یاد نہ آئے' عادۃً قریب قریب محال ہے' پھر ''تـرك'' کا مدلول یہ ہے کہ بالقصد چھوڑے۔ اب اگر امام بخاری کے ارشاد کا وہ مطلب لیا جائے جو آپ نے سمجھا تو پھر اس اثر کو باب سے مناسبت نہیں رہے گی' بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ''نسی'' کی قید صرف متبعاً للحدیث ہے' احترازی نہیں۔ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اگر کوئی قصداً بھی نماز چھوڑے اور اس کے بعد وقتیہ پڑھ لے تو بھی صرف اسی ایک فوت کردہ کی قضا واجب ہے۔ اور اگر یہ امام بخاری کی مراد کوئی نہ مانے تو سوال یہ ہوگا کہ جس کی سونے کی وجہ سے نماز قضا ہوئی یا بالقصد چھوڑی اور یاد آتے ہوئے وقتیہ پڑھ لی تو امام بخاری کا کیا فتویٰ ہے۔

مسائل

(۱) اس ارشاد سے: اس کا کفارہ سوائے اس کے کچھ نہیں' یہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز میں نیابت نہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے (۲) قضا نماز کے عوض فدیہ نہیں کہ کچھ مال دے کر بری الذمہ ہو جائے۔ ہمارے فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ نمازیں رہ گئی ہیں اور وہ مرض الموت میں وصیت کر گیا کہ میری نمازوں کے عوض فدیہ دے دینا اور وارثین نے فدیہ دے دیا تو اُمید ہے کہ وہ بری الذمہ ہو جائے گا' بلکہ اگر بلا وصیت بھی وارث فدیہ دے دے تو اُمید قبول ہے۔

ہدایت خاص

جو لوگ فاتحہ میں خرچ کرتے ہیں' ان کو چاہیے کہ میت کی فوت شدہ نمازوں' روزوں کے فدیے کی نیت سے مساکین کو کھلائیں تو یہ ایصال ثواب سے زیادہ ان کے لیے مفید ہوگا۔ ایک نماز اور ایک روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار ہے۔

ت ۱۳۰ - قَالَ مُوسٰى قَالَ هَمَّامٌ سَمِعْتُهُ يَقُولُ بَعْدُ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِلذِّكْرٰى﴾ (طٰہٰ:۱۴).

موسیٰ بن اسمٰعیل نے کہا کہ ہمام نے کہا: اس کے بعد میں نے سنا کہ حضرت قتادہ کہتے تھے: ''اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ''۔

پہلی روایت میں آیت کریمہ کا اخیر حصہ ''لـلـذكـرى'' تھا' الف لام کے ساتھ یہ ابن شہاب زہری کی قراءت ہے۔ قراءت متواترہ ''لذكرى'' بغیر الف لام کے ہے۔ موسیٰ بن اسمٰعیل جو پہلی روایت کے بھی دو راویوں میں سے ایک ہیں' کہتے ہیں: ایک دفعہ قتادہ نے جو حضرت انس کے تلمیذ ہیں' ''لـلـذكـرى'' روایت کیا' جیسا کہ ابن شہاب کی قراءت ہے' پھر کچھ دن کے بعد میں نے قتادہ ہی سے قراءت متواترہ کے مطابق ''لذكرى'' سنا۔ اس کے بعد امام بخاری نے باب کا یہ عنوان قائم فرمایا: قضا نمازوں کو ترتیب سے پڑھنے کا بیان۔ اس کے ثبوت میں وہی حضرت جابر والی حدیث: ۹۶۳ ذکر فرمائی ہے کہ حضور نے غزوۂ خندق کے موقع پر پہلے فوت شدہ عصر پڑھی' پھر مغرب پڑھی۔

اقول: اس حدیث سے مختلف قضا شدہ نمازوں کے مابین ترتیب نہیں ثابت ہوتی ہے' اس لیے کہ اس حدیث میں صرف عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے' بلکہ اس سے پہلے والے باب کے خلاف ثابت یہ ہوتا ہے کہ فائتہ اور وقتیہ میں ترتیب ضروری ہے۔

نیز فائتہ اور وقتیہ میں اور متعدد فوت شدہ نمازوں کے مابین ترتیب کا ضروری ہونا' ان احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جو حدیث: ۹۶۱ کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم سے گزر چکی ہیں' جن میں تصریح ہے کہ پہلے ظہر پڑھی' پھر عصر پڑھی' پھر مغرب پڑھی' پھر عشاء پڑھی۔ نیز مسند امام احمد[1] میں ابو جمعہ حبیب بن سباع کی حدیث بھی اس کی

[1] مسند امام احمد' ج ۴ ص ۱۰۶

دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب پڑھنے کے بعد دریافت فرمایا: تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ میں نے عصر پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور نے عصر نہیں پڑھی ہے' تو موذن کو اقامت کا حکم دیا' عصر پڑھی پھر مغرب لوٹائی۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی پر تعقب

مولانا موصوف نے التعلیق المجد میں ترتیب کے مسئلے میں مذہب شوافع کو ترجیح دی ہے۔ شاید انہیں یہ احادیث نہیں ملیں۔

۳۹۸- ح: اَنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ

۳۹۸- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَّاِنْ اَرْبَعٌ فَخَامِسٌ اَوْ سَادِسٌ وَّاَنَّ اَبَا بَكْرٍ جَآءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ قَالَ فَهُوَ اَنَا وَاَبِیْ وَاُمِّیْ وَلَا اَدْرِیْ هَلْ قَالَ وَامْرَاَتِیْ وَخَادِمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَيْتِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّاَنَّ اَبَا بَكْرٍ تَعَشّٰى عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَآءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰى تَعَشَّى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَ بَعْدَ مَا مَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَآءَ اللّٰهُ قَالَتْ لَهٗ اِمْرَاَتُهٗ مَا حَبَسَكَ عَنْ اَضْيَافِكَ اَوْ قَالَتْ ضَيْفِكَ قَالَ اَوَمَا عَشَّيْتِيْهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰى تَجِیْءَ قَدْ عُرِضُوْا فَاَبَوْا قَالَ فَذَهَبْتُ اَنَا فَاخْتَبَاْتُ فَقَالَ يَا غُنْثَرُ فَجَدَّعَ وَسَبَّ وَقَالَ كُلُوْا لَا هَنِيْئًا لَّكُمْ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَطْعَمُهٗ اَبَدًا وَّاَيْمُ اللّٰهِ مَا كُنَّا نَاْخُذُ مِنْ لُّقْمَةٍ اِلَّا رَبَا مِنْ اَسْفَلِهَا اَكْثَرُ مِنْهَا قَالَ شَبِعُوْا وَصَارَتْ اَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا اَبُوْ بَكْرٍ فَاِذَا هِیَ كَمَا هِیَ اَوْ اَكْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ لِامْرَاَتِهٖ يَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ لَا وَقُرَّةِ عَيْنِیْ لَهِیَ الْاٰنَ اَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ فَاَكَلَ مِنْهَا اَبُوْ بَكْرٍ وَّقَالَ اِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ يَعْنِیْ يَمِيْنَهٗ ثُمَّ اَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْاَجَلُ فَفَرَّقَنَا اثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا مَّعَ كُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ اُنَاسٌ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ كَمْ مَعَ

[اصحاب صفہ]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے' (ایک بار) نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے' اور اگر چار کا کھانا ہو تو پانچویں کو' پانچ کا ہو تو چھٹے کو' اور حضرت ابوبکر تین آدمیوں کو لے گئے اور نبی ﷺ دس کو۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: (گھر میں) میں اور میرے والد اور میری والدہ تھیں۔ (راوی حدیث ابوعثمان نہدی نے کہا:) میں نہیں جانتا کہ یہ بھی کہا تھا یا نہیں؟ اور میری بیوی اور ایک خادم جو میرے اور حضرت ابوبکر کے گھر میں مشترک تھا اور حضرت ابوبکر نے نبی ﷺ کے گھر شام کا کھانا کھالیا' پھر وہیں رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی پڑھ لی گئی۔ اس کے بعد لوٹ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہیں رہے یہاں تک کہ نبی ﷺ نے رات کا کھانا بھی تناول فرمالیا' اس کے بعد جب اتنی رات گزر گئی جتنی اللہ نے چاہا تو گھر آئے تو ان سے ان کی بیوی نے کہا: اپنے مہمانوں کی خبر گیری سے کس چیز نے تم کو روک لیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: کیا تم نے ان کو شام کا کھانا نہیں کھلایا ہے؟ ان کی بیوی نے کہا: آپ کے آئے بغیر کھانے سے انہوں نے انکار کردیا۔ ان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا مگر انہوں نے منع کردیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: میں وہاں سے ہٹ گیا اور چھپ گیا تو حضرت ابوبکر نے کہا: او پاجی! "جدعك الله انفك!" اللہ تیری ناک کاٹے اور سخت سست کہا اور کہا: کھاؤ! تمہیں گوارانہ ہو اور کہا: بخدا! میں یہ کھانا کبھی نہیں کھاؤں گا اور بخدا! ہم جو بھی لقمہ لیتے اس کے نیچے سے اس سے زیادہ بڑھ جاتا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: مہمانوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا جتنا پہلے تھا اس سے زیادہ ہو گیا۔ اب حضرت ابوبکر نے اسے دیکھا تو جوں کا توں یا زیادہ نظر آیا اب

كُلِّ رَجُلٍ فَاَكَلُوْا مِنْهَا اَجْمَعُوْنَ اَوْ كَمَا قَالَ.

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب المواقیت۔ باب: السمر مع الاھل والضیف ص ۸۴' کتاب علامات النبوۃ ص ۵۰۶' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما یکرہ من الغضب والجزع عند الضیف ص ۹۰۶' باب: قول الضیف لصاحبہ لا آکلُ حتی تاکل ص ۹۰۷' مسلم۔ کتاب الاطعمۃ' ابوداؤد۔ کتاب الایمان والنذور' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۹۷)

اپنی زوجہ سے کہا: اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میری آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم! یہ اب پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ اب حضرت ابوبکر نے اس میں سے کھایا اور کہا: وہ شیطان کے وسوسے سے تھی' یعنی ان کی قسم۔ اس کے بعد ایک لقمہ اس سے کھایا' پھر اسے نبی ﷺ کی خدمت میں لائے' وہاں صبح تک رہا' اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا' اس کی میعاد ختم ہوگئی تھی' ہم نے بارہ آدمی الگ کر لیے اور ہر آدمی کے ساتھ بہت سے لوگ تھے' اللہ ہی کو معلوم ہے ایک آدمی کے ساتھ کتنے آدمی تھے۔ ان سب نے اس کھانے میں سے کھایا۔ (ابوعثمان نے کہا:) حضرت عبدالرحمٰن نے ایسے ہی فرمایا تھا' یا پھر اس کے مثل کچھ اور فرمایا تھا۔

تکمیل

اس حدیث کی دوسری روایتوں میں نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں اختصار بھی ہے اور اُلٹ پھیر اور ادل بدل بھی ہے' مثلاً کتاب الادب میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے کچھ لوگوں کو مہمان بنایا' اور عبدالرحمٰن سے کہا: اپنے مہمانوں کو دیکھنا' میں نبی ﷺ کی خدمت میں جارہا ہوں۔ میرے آنے سے پہلے ان کی مہمانداری سے فارغ ہو لینا۔ عبدالرحمٰن گئے اور جو کچھ ان کے پاس تھا' مہمانوں کے سامنے لائے۔ اور کہا: آپ لوگ کھائیے! مہمانوں نے کہا: گھر کے مالک کہاں ہیں؟ عبدالرحمٰن نے کہا: آپ لوگ کھا لو۔ انہوں نے کہا: جب تک گھر کے مالک نہیں آجائیں گے' ہم لوگ نہیں کھائیں گے۔ عبدالرحمٰن نے کہا: ہماری مہمانداری قبول کرلو' کیونکہ اگر تم نے نہیں کھایا اور وہ آئے تو ہمیں بہت کچھ بھگتنا پڑے گا' پھر بھی مہمان نہیں مانے۔ اب میں جان گیا کہ والد صاحب مجھ پر خفا ہوں گے۔ جب حضرت ابوبکر گھر آئے تو میں وہاں سے ہٹ گیا' انہوں نے پوچھا: تم نے کیا کیا؟ تو ان کو لوگوں نے بتایا' اب فرمایا: اے عبدالرحمٰن! میں چپ رہا' پھر پکارا: اے عبدالرحمٰن! میں اب بھی چپ رہا' تو فرمایا: اے پاجی! میں تم کو قسم دیتا ہوں اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو کیوں نہیں آتے۔ اب میں نکلا اور عرض کیا: اپنے مہمانوں سے دریافت فرمالیں۔ اس پر مہمانوں نے کہا: انہوں نے سچ کہا' وہ کھانا لائے تھے۔ فرمایا: تو تم لوگوں نے میرا انتظار کیا' قسم اللہ کی! آج رات میں نہیں کھاؤں گا۔ دوسروں نے بھی کہا: قسم اللہ کی! ہم بھی نہیں کھائیں گے جب تک آپ نہیں کھائیں گے۔ فرمایا: اس رات جیسی برائی کبھی نہیں دیکھی' تم لوگوں کے لیے خرابی ہو' کیا ہوا کہ تم لوگ ہماری مہمانداری نہیں قبول کرتے۔ (مجھ سے فرمایا:) اپنا کھانا لا! تو میں کھانا لایا' اب اس میں ہاتھ رکھا اور پڑھا: بسم اللہ! پہلی بات (قسم) شیطان کی وجہ سے تھی' اب انہوں نے بھی کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوگیا کہ زیر بحث روایت میں بہت اختصار ہے' وہیں بہت سی اُلجھنیں بھی دور ہوگئیں۔ اب حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق مہمانوں کو لا کر حضرت عبدالرحمٰن کے حوالے کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں واپس چلے گئے تھے اور ان سے کہہ گئے تھے کہ مہمانوں کو کھانا کھلا دینا' میرا انتظار نہ کرنا۔ خفگی کا سبب یہی تھا اور اسی لیے حضرت عبدالرحمٰن چھپ گئے تھے اور سخت سست انہیں کو کہا تھا' نہ مہمانوں کو کہا تھا نہ اپنی زوجہ کو۔

اصحاب الصفہ

مسجد نبوی کے شمال مشرق کے گوشے میں ایک چبوترہ تھا اور اب بھی ہے' جس پر چھپر پڑی ہوئی تھی۔ اس میں وہ لوگ رہتے تھے جن کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا' اور نہ ذریعہ معاش۔ ان کی کفالت حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کرتے تھے۔ بخاری' رقاق میں ہے: ''واھل الصفة اضياف الاسلام''[1] عموماً ان کی تعداد ستر رہتی۔ بخاری' کتاب الصلوۃ[2] میں ہے:'' رايت سبعين من اصحاب الصفة'' مگر یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی۔ ابونعیم استاذ امام بخاری نے حلیہ میں سو سے زائد نام گنائے ہیں۔ (عینی۔ ج ۵ ص ۹۹)

تعشي مع النبي ﷺ

عرب کی عادت تھی کہ سورج ڈوبنے سے پہلے کھالیتے' اسے عَشاء کہتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر مہمانوں کو اپنے گھر پہنچا کر پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہیں شام کا کھانا کھالیا۔ کسی اہم معاملے میں تبادلہ خیال کرنا تھا' اس لیے رُک گئے۔ اور جب نماز عشاء کے بعد حضور اقدس ﷺ آرام فرمانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تو گھر واپس آئے۔

حتى تعشى النبي ﷺ

مسلم شریف میں یہاں ''تعشى'' کے بجائے ''نَعَسَ'' ہے' امام قاضی عیاض نے فرمایا: یہ اصوب ہے' یعنی زیادہ درست ہے۔ علامہ عسقلانی نے اسے اوجہ فرمایا' اس لیے کہ جب پہلے آچکا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ساتھ شام کا کھانا کھالیا تھا تو اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت حضور نے بھی تناول فرمالیا تھا' پھر اس کا کیا مطلب کہ نمازِ عشاء کے بعد رُکے رہے' یہاں تک کہ نبی ﷺ نے شام کا کھانا کھالیا' اگرچہ علامہ ابن حجر وغیرہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر خدمت اقدس میں اتنی دیر رُکے کہ وہیں شام کا کھانا کھایا اور عشاء کی نماز پڑھی اور گھر رات گزرنے کے بعد واپس ہوئے' مگر کلام کی سلاست ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ''حتى نعس النبي ﷺ'' کی روایت کو اصوب کہنے کے بجائے صواب کہنا ہی صواب ہے۔

ما كنا ناخذ لقمة

یہاں تقدیم و تاخیر ہے' نیز حذف بھی' جیسا کہ کتاب الادب کی روایت سے ظاہر ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر نے اس رات کو کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی تو ان کی اہلیہ اور ان کے مہمانوں نے بھی قسم کھالی' تو حضرت صدیق اکبر نے کھانا منگایا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد ہے کہ لوگ جو لقمہ بھی اُٹھاتے اس کے نیچے سے اس سے زیادہ بڑھ جاتا۔

يا اخت بني فراس

اس سے مراد حضرت عبدالرحمٰن اور اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کی ماں اُم رومان رضی اللہ عنہا ہیں۔ بنی کنانہ کی چشم و چراغ تھیں' ان کا نام زینت تھا یا دعد' یہ پہلے عبدالرحمٰن بن حارث ازدی کی زوجیت میں تھیں۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبر نے ان سے نکاح کرلیا' انہیں کے بطن سے اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت عبدالرحمٰن ہیں۔ قدیم الاسلام خاتون ہیں۔

جب مدینہ طیبہ پہنچ کر حضور اقدس ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع کو بھیجا کہ وہ حضور کے اہل و عیال کو لے آئیں تو حضرت صدیق اکبر نے بھی عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ وہ ان کے اہل و عیال کو لے آئے۔ چنانچہ دونوں حضرات کے اہل و

---

[1] بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب: كيف كان عيش النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه ص ۹۵۵

[2] بخاری۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: نوم الرجال في المسجد ص ۶۳

بعد حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: جو حور عین کو دیکھنا چاہے وہ اُم رومان کو دیکھے۔ ان کے تاریخ وسن وصال کے بارے میں کثیر اختلافات ہیں۔ ابوعمود نے کہا کہ ذوالحجہ ۴ھ یا ۵ھ خندق کے سال ہوا۔ امام واقدی نے کہا: ذوالحجہ ۶ھ میں ہوا لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ حدیث زیر بحث سے ثابت کہ حضرت عبدالرحمٰن کے مدینہ طیبہ آنے کے بعد تک یہ زندہ تھیں۔ اور حضرت عبدالرحمٰن صلح حدیبیہ کے بعد قبل فتح مشرف باسلام ہو کر مدینہ طیبہ آئے ہیں۔ صلح حدیبیہ اوّل ذوالقعدہ ۶ھ میں ہوئی تھی اور فتح مکہ رمضان المبارک ۸ھ میں، بلکہ یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ واقعہ تخییر کے وقت تک باحیات تھیں اس لیے کہ مسند امام احمد[1] میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت صدیقہ سے فرمایا تھا: یہ معاملہ والدین ابوبکر اور اُم رومان کے سامنے پیش کرو۔ جب حضور نے آیت تخییر سنائی تو اُم المؤمنین نے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ حضور کے معاملے میں ابوبکر اور اُم رومان سے مشورہ نہیں کروں گی۔ اور واقعہ تخییر ۹ھ میں ہوا تھا۔ امام بخاری نے تاریخ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد بھی ایک زمانے تک زندہ رہیں، اس لیے کہ امام مسروق نے ان سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "حدثتنی ام رومان" مجھ سے اُم رومان نے حدیث بیان کی۔ ابراہیم حربی نے کہا کہ جب امام مسروق نے اُم رومان سے یہ حدیث سنی تو ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرت عمر کے عہد تک زندہ رہیں۔ بہر حال اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں، اس لیے کہ امام مسروق وصالِ اقدس کے بعد مدینہ آئے ہیں۔ خطیب وغیرہ نے اس پر اعتراضات کیے ہیں مگر علامہ ابن حجر کی رائے یہی ہے، جو امام بخاری نے فرمایا، وہی صحیح ہے[2]

واللہ تعالیٰ اعلم!

لا وقرة عيني

یہ لاء زائد ہے جو قسم کی تاکید کے لیے آتا ہے، جیسے آیت کریمہ "فلا وربك" (النساء:۶۵) میں ہے۔ "لا" نافیہ بھی ہوسکتا ہے جس کا اسم محذوف ہے، یعنی "لاشي غير ما اقول" علامہ داؤدی نے فرمایا کہ اُم رومان کی "قرة عيني" سے مراد حضور اقدس ﷺ ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوں۔ یہ فقہی قسم نہیں، اظہار محبت کے لیے ہے۔

كان بيننا وبين قوم عقد

یعنی ہمارا مشرکین کی ایک قوم سے مدتِ معین تک کے لیے معاہدہ تھا، وہ میعاد پوری ہوگئی تھی۔ اس قوم کے لوگ حاضر ہوئے تھے۔ ہم نے ان میں سے بارہ آدمی چن لیے تھے۔ علامات النبوۃ کی روایت میں "تعرفنا" ہے، یعنی بارہ آدمی عریف بنا دیئے یعنی نگراں، جو ان کے احوال وضروریات کی خبر رکھتے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان بارہ آدمیوں کو ان لوگوں کے حصے کا کھانا دے دیا گیا جو ان کے ماتحت تھے، جیسا کہ "علامات النبوة وبعث معهم" سے مستفاد ہوتا ہے۔

مسائل

(۱) عشاء کے بعد مہمان اور اپنے گھر والوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں (۲) مہمانوں کی خدمت بہت بڑی سعادت ہے (۳) گھر کا مالک نہ موجود ہو تو جو لوگ گھر رہیں انہیں لازم ہے کہ مہمانوں کی خدمت کریں (۴) جس قسم کا توڑنا بہ نسبت قسم پوری کرنے کے زیادہ اچھا ہو تو قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے (۵) اس حدیث سے حضرت صدیق اکبر کی کرامت معلوم ہوئی کہ کھانا سے وہ کم نہ ہوا، زیادہ ہو گیا اور اسے کثیر آدمیوں نے کھایا۔

---

[1] مسند امام احمد، ج ۶ ص ۲۱۲
[2] الاستیعاب الاصابہ، ج ۴ ص ۴۵۰-۴۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۰- كِتَابُ الْاَذَانِ

[اذان کا بیان]

اذان کے معنی

اذان، باب تفعیل کا مصدر قیاسی ہے، کلام وسلام کے وزن پر، اس کا مادہ ''اَذَنٌ'' ہے، سننے کے معنی میں۔ اس کے لغوی معنی اعلام یعنی خبر دینے کے ہیں۔ اور شریعت میں اعلام مخصوص کا نام ہے، جو خاص الفاظ اور خاص ہیئت کے ساتھ کیا جائے، جو سب کو معلوم ہیں۔ اذان اھ میں مشروع ہوئی۔

۳۹۹- ح: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ

[(لوگوں نے) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا]

۳۹۹- عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا تو لوگوں نے یہود ونصاریٰ کا ذکر کیا، اس کے بعد حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہیں اور اقامت کے ایک ایک بار۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: بدء الاذان ص ۸۵، باب: ذکر بنی اسرائیل ص ۴۹۱، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۰۰- ح: فَيَتَحَيَّنُوْنَ الصَّلٰوةَ لَيْسَ يُنَادِيْ لَهَا

[نماز کے لیے نداء نہیں ہوتی تھی]

۴۰۰- اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ الصَّلٰوةَ لَيْسَ يُنَادٰى لَهَا فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُّنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو اندازہ کر کے نماز کے لیے اکٹھے ہو جاتے تھے، نماز کے لیے ندا نہیں ہوتی تھی، تو لوگوں نے آپس میں اس بارے میں ایک دن گفتگو کی۔ بعض نے کہا: نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ایک ناقوس بنا لو اور بعض نے کہا: یہودیوں کے سینگ کی طرح ایک سینگ بنا لو۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا: کیوں نہیں کسی آدمی کو بھیج دیتے جو نماز کے لیے ندا کرے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! اٹھ اور نماز کے لیے ندا دے۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب الاذان۔ باب: بدء الاذان ص ۸۵، مسلم، ترمذی، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

حدیث: ۹۹۳ مختصر ہے، پوری حدیث یوں ہے: لوگوں نے کہا: اگر ہم ناقوس بنالیں! تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ نصاریٰ کے لیے ہے، تو لوگوں نے کہا: اگر ہم سینگ بنالیں! تو فرمایا: یہ یہودیوں کے لیے ہے۔ اب لوگوں نے کہا: اگر ہم کسی اونچی جگہ آگ جلائیں! تو فرمایا: یہ مجوس کے لیے ہے۔[۱] دوسرا اختصار یہ ہے کہ اس میں یہود کے سینگ کا ذکر نہیں۔ تیسرا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کا تذکرہ نہیں۔ اسی طرح حدیث: ۴۰۰ میں "ناد بالصلوٰۃ" میں ابہام ہے، یہ نہیں ہے کہ کن الفاظ میں ندا کریں۔ علامہ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت بلال گلیوں میں پکارتے تھے: "الصلوٰۃ جامعۃ" جیسا کہ طبقات ابن سعد میں مراسیل سعید بن میسّب سے ہے، اس کے بعد اذان مشروع ہوئی، مگر اسماعیلی نے اس حدیث کی جو تخریج کی ہے، اس میں "فناد بالصلوٰۃ" کی جگہ "فاذن" ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "فناد بالصلوٰۃ" سے اذان مشروع مراد ہے، اگرچہ یہ احتمال ہے کہ یہاں اذان کے لغوی معنی مراد ہوں اور یہی ظاہر ہے۔ احادیث میں باحسن وجوہ تطبیق کے لیے یہ ضروری ہے۔

اذان کیسے مشروع ہوئی؟

اس بارے میں احادیث اتنی مختلف اور بہ ظاہر متعارض ہیں کہ سب کو ذکر کرنا اور سب کی تنقیح اور سب میں تطبیق کے لیے دفتر چاہیے، اس لیے میرے خیال میں جو راجح اور صحیح ہے اس کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس خصوص میں سب سے صحیح وہ روایت ہے جسے ابوداؤد اور ترمذی و ابن ماجہ نے ذکر کیا[۲] کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بنائے جانے کا حکم دیا، تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کرنے کے لیے بجایا جائے تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے میرے پاس گھوم رہا ہے۔ انہوں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! اسے بیچو گے؟ اس نے پوچھا: تم اسے کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے عمدہ بات نہ بتادوں! انہوں نے کہا: ضرور بتاؤ! تو اس نے کہا: یوں کہو (اور اس نے پوری اذان بتائی)۔ حضرت زید کہتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے جو خواب دیکھا تھا عرض کیا۔ ارشاد فرمایا: یہ خواب حق ہے، بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاؤ۔ وہ اذان دیں، اس لیے کہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔ اب میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا، میں انہیں بتاتا وہ اذان دیتے۔ اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر سنا تو اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے یہ کہتے ہوئے نکلے: یارسول اللہ! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے بھی وہی دیکھا ہے جو اس نے دیکھا ہے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فللّٰہ الحمد! دوسری حدیث ابوداؤد[۳] میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اس معاملے میں بہت متردد تھے کہ نماز کے لیے لوگوں کو کیسے اکٹھا کیا جائے! عرض کیا گیا: نماز کا وقت ہو جانے کے بعد ایک جھنڈا نصب کیا جائے کہ لوگ جب اُسے دیکھیں تو ایک دوسرے کو بتا دیں۔ یہ حضور کو پسند نہیں آیا۔ لوگوں نے یہود کے سینگ کا ذکر کیا تو یہ بھی پسند نہ آیا، اور فرمایا: یہ یہودیوں کا طریقہ ہے اور لوگوں نے ناقوس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ عبداللہ بن زید وہاں سے لوٹے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی اُلجھن کی وجہ سے خود بھی پریشان تھے، تو خواب

---

[۱] عینی۔ ج۵ ص۱۰۳، بحوالہ ابوالشیخ، مسلم۔ ج۱ ص۱۶۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: بدء الاذان۔ باختصار

[۲] ابوداؤد۔ ج۱ ص۷۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: بدء الاذان، ترمذی۔ ج۱ ص۲۶۔ باب: بدء الاذان، ابن ماجہ۔ ایضاً۔ ص۵۱

[۳] ابوداؤد۔ ج۱ ص۷۱۔ باب: کیف الاذان

میں اذان دیکھی اور صبح کو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان بتائی، اور حضرت عمر بن خطاب نے بھی اس سے پہلے اسے دیکھا تھا اور بیس دن چھپائے رہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ ارشاد فرمایا: مجھے بتانے سے کس چیز نے تمہیں روکا؟ تو انہوں نے عرض کیا: بتانے میں عبداللہ بن زید مجھ سے سبقت کر گئے تو مجھے حیا آئی۔ ان دونوں حدیثوں کا مضمون ایک ہی ہے۔

تنقیحات

(۱) ابوداؤد کی پہلی حدیث کے ابتدائی حصے پر یہ اشکال ہے کہ جب نصاریٰ کی وجہ سے ناقوس کو ناپسند فرمالیا تھا تو اس کے بنانے کا حکم کیسے دیا؟

اقول: ہوسکتا ہے کہ پھر یہ خیال فرما کر کہ کفار میں ہم سے سب سے زیادہ قریب نصاریٰ ہیں، اس کا حکم دے دیا ہو۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب تک ممانعت نہ ہو، حضور اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے۔

(۲) پہلی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اذان سن کر حضرت عمر تیزی سے حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں نے بھی یہی خواب میں دیکھا۔ اس سے بہ ظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ اسی رات خواب دیکھا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ بیس دن پہلے دیکھا تھا اور حیاء کی وجہ سے نہیں بتایا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں: عمر اتنے بڑے ہو گئے کہ خواب میں انہیں احکام کا القاء ہوتا ہے، اور یہ واقعہ بالکل ابتداء کا ہے، لوگ حضرت عمر کی جلالت شان سے واقف نہ تھے۔

اقول: کوئی تعارض نہیں۔ خواب بیس دن پہلے دیکھا تھا مگر حیاء کی وجہ سے نہیں بتایا۔ جب اذان سنی تو تیزی سے حاضر ہوئے اور بتایا۔ "فاستحييت" میں تاخیر ہے، اس کا تعلق پہلے سے ہے، یعنی جب حضور نے دریافت فرمایا کہ تجھے بتانے سے کیا چیز مانع ہوئی؟ تو عرض کیا: مجھے حیا آئی، جب عبداللہ بن زید نے بتایا تو اب میں بھی بتاتا ہوں۔ روایتوں میں حذف، اختصار، تقدیم و تاخیر کی کثیر مثالیں ہیں۔

(۳) طبقات ابن سعد کے حوالے سے گزر چکا کہ ابتداء میں حضرت بلال "الصلوٰة جامعة" گلیوں میں پکارتے تھے، پھر ناقوس بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

اقول: اس میں بہت زحمت تھی، پورے شہر میں پانچوں وقت ہر ہر محلے میں جا جا کر آواز لگانا بہت مشکل کام ہے۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لیے یہ مشورہ ہوا تھا۔ اس پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ مشورہ دوبارہ ہوا، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) غیر نبی کا خواب حجت شرعی نہیں، پھر حضرت عبداللہ بن زید کے خواب پر کیوں عمل ہوا؟

اقول: صرف ان کے خواب پر بناء نہیں، بناء اس پر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "انه لرؤيا حق" یہ خواب حق ہے۔ حضور اقدس ﷺ شارع ہیں، حضور کا قول حجت ہے۔ اس کے علاوہ مصنف عبدالرزاق و مراسیل ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت عمر سے فرمایا: "سبقك بذالك الوحي" "تمہارے کہنے سے پہلے وحی آ چکی ہے"[1]۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضور کا یہ ارشاد کہ یہ خواب حق ہے، وحی تھا اور وحی حجت ہے۔

فَاُمِرَ بلال

صیغہ مجہول کے ساتھ یعنی بلال کو حکم دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم دینے والے وہی ہو سکتے ہیں جنہیں یہ حق تھا اور وہ حضور اقدس

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۰۷

ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ نسائی[1] میں تصریح ہے: "ان النبی ﷺ امر بلالا" کہ حضور اقدس ﷺ نے بلال کو حکم دیا۔

کشمیری صاحب کی نکتہ آفرینی

اسی سے کشمیری صاحب کا وہ نکتہ ہوا ہو گیا، جو برسہا برس کی عرق ریزی کے بعد ان کو ہاتھ آیا تھا۔ جسے فیض الباری۔ ج ۲ ص ۱۵۹ پر درج کیا گیا ہے، جس پر ان کے تلمیذ بدر عالم صاحب نے بہت فخریہ انداز میں تعلّی کی ہے۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد "اُمِـرَ بِلَال" صیغہ مجہول پر تھی اور جب بروایت صحیحہ صیغہ معروف موجود ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف صریح اسناد کے ساتھ تو اس کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ ویسے بھی وہ نکتہ صرف بے پڑھے لکھے لوگوں پر دھونس کے سوا اور کچھ نہیں۔

ان یوتر الاقامة......(احناف کے نزدیک اقامت بھی اذان کی مثل ہے)

حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو بار کہیں اور اقامت کے ایک ایک بار، احناف کے یہاں اقامت بھی اذان کی طرح ہے۔ اس کے کلمات بھی دو بار کہے جائیں گے، احناف کی مستدل یہ احادیث ہیں:

(۱) امام ترمذی نے[2] بہ طریق عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اذان اور اقامت دو دو بار ہوتی تھی۔ اس پر امام ترمذی نے یہ جرح کی کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے حضرت عبداللہ بن زید سے حدیث نہیں سنی۔ اس جرح کا حاصل یہ ہوا کہ یہ حدیث منقطع ہے، مگر ثقہ کا انقطاع ہمارے اور جمہور کے یہاں قادح نہیں جیسا کہ مقدمہ میں گزر چکا۔

(۲) یہی امام ترمذی[3] اور ابوداؤد[4] نسائی[5] ابن ماجہ[6] حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے اذان کے انیس کلمے اور اقامت کے سترہ کلمے سکھائے، اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا۔

(۳) بیہقی نے سنن کبریٰ میں، ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن زید سے روایت کیا کہ انہوں نے اذان کے کلمات بھی دو بار کہے اور اقامت کے بھی۔ (عینی۔ ج ۵ ص ۱۰۳)

(۴) امام طحاوی نے روایت کیا کہ حضرت سلمہ بن اکوع اذان کے کلمات بھی دو دو بار کہتے اور اقامت کے بھی۔

(شرح معانی الآثار۔ باب: الاقامة کیف هو ص ٦٦)

(۵) نیز اسی میں ہے: امام اسود روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال اذان کے بھی کلمات دو دو بار کہتے اور اقامت کے بھی۔

(۶) اسی میں ہے کہ حضرت محذورہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اقامت کے کلمات دو دو بار سکھائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔

(۷) اسی میں ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو بار کہتے، اقامت کے بھی۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ایک مؤذن پر ہوا تو اسے حکم دیا کہ اقامت کے کلمات بھی دو دو بار کہہ، تیری ماں نہ رہے۔

(عینی۔ ج ۵ ص ۱۰۴)

(۹) طحاوی میں ہے: امام مجاہد نے اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہنے کے بارے میں فرمایا کہ اسے بعض بادشاہوں نے گھڑ لیا

---

[1] نسائی۔ ج ۱ ص ۱۰۳۔ باب: بدء الاذان [2] ترمذی۔ ج ۱ ص ۲٦۔ کتاب الصلوٰة۔ باب: فی افراد الاقامة

[3] ترمذی۔ ج ۱ ص ۲٦۔ کتاب الصلوٰة۔ باب: فی الترجیع [4] ابوداؤد۔ باب: کیف الاذان ص ۷۱

[5] نسائی۔ باب: کم للاذان کلمة ص ۱۰۲ [6] ابن ماجہ۔ باب: الترجیع فی الاذان ص ۵۲

ہے اصل یہی ہے کہ دو دو بار کہی جائے۔

ان سب سے ظاہر ہو گیا کہ اذان کی طرح اقامت کے بھی کلمات دو دو بار کہے جائیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: اسی پر اہل مکہ کا ئل ہے۔ حالانکہ وہاں پوری دنیا کے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حنین کے موقع پر ہوا تھا' اس لیے یہی راجح ہے' یہاں تک کہ بعض احناف نے فرمایا کہ حضرت انس کی یہ حدیث حضرت ابومحذورہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ اس پر امام احمد نے فرمایا: اگر منسوخ ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس ہو کر حضرت بلال کو یہ حکم دیتے کہ اقامت کے کلمات دو دو بار کہو۔ علامہ عینی نے اس پر فرمایا کہ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن زید نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت دونوں شفعہ تھی' یعنی ان کے کلمات دو دو بار تھے' اس لیے نسخ کے دعویٰ میں کوئی قباحت نہیں۔

ترجیع کی بحث

امام شافعی کے یہاں اذان میں ترجیع ہے یعنی پہلے شہادتین پست آواز سے کہی جائے پھر دوبارہ بلند آواز سے' ہمارے نزدیک ترجیع نہیں۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ہے' اس میں فرشتے نے جو اذان سکھائی' اس میں ترجیع نہیں۔ اسی کے مطابق حضور نے حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ امام شافعی کی دلیل حضرت محذورہ کی حدیث ہے' جو پوری تفصیل سے نسائی اور ابن ماجہ میں یوں مذکور ہے: حضرت ابومحذورہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس ہو رہے تھے تو میں دس[1] نفر کے ساتھ نکلا راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن کی آواز سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اذان دے رہا تھا اور ہم اس سے بیزار تھے۔ اس لیے اس کی نقل اتارنے کے لیے چیخے' ہم اس کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور ہمارے پاس کچھ لوگوں کو بھیجا' ان لوگوں نے ہمیں پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بٹھا دیا' حضور نے ارشاد فرمایا: تم میں کس کی آواز بلند ہے؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا اور انہوں نے صحیح اشارہ کیا تھا۔ حضور نے سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا: کھڑا ہو اور اذان کہہ! میں کھڑا ہو گیا' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ جس کا مجھے حکم دے رہے تھے' اس سے زیادہ مجھے کوئی چیز ناپسند نہ تھی' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ حضور نے بنفس نفیس مجھے اذان سکھائی۔ فرمایا کہ کہہ: اللہ اکبر' اللہ اکبر' اللہ اکبر' اللہ اکبر۔ شہادتین تک کہلانے کے بعد فرمایا: اپنی آواز بلند کر اور پھر شہادتین دو دو بار کہلائی' آخر اذان تک۔ اذان پوری ہونے کے بعد مجھے بلایا اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی' پھر اپنا دست مبارک ابومحذورہ کے اگلے سر کے بالوں پر رکھا اور اسے چہرے اور سینے پر پھیرتے ہوئے ناف تک لے گئے' پھر فرمایا: اللہ تیرے لیے اور تیرے اوپر برکت دے! اب میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مکہ میں اذان کہنے پر مجھے مقرر فرما دیں! فرمایا: ٹھیک ہے! میں نے تم کو وہاں اذان دینے پر مقرر فرمایا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی بالکلیہ ختم ہو گئی اور اس کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آ گئی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے عامل حضرت عتاب بن اُسید کے پاس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہاں اذان دی۔ ابوداؤد[2] میں ہے کہ ابومحذورہ سر کے اگلے حصے کے اس بال کو نہ کاٹتے تھے نہ اپنی جگہ سے کھسکاتے تھے' جب تک یہ باحیات رہے اذان دیتے رہے۔ ان کے بعد یہ منصب ان کے صاحبزادے عبداللہ کو ملا' ان کی آواز بہت ہی دلکش تھی اور اتنی بلند کہ ایک بار حضرت فاروق اعظم نے سنی تو ان سے فرمایا: ایسا لگتا ہے کہ تمہارا حلق پھٹ جائے گا۔[3] اس کا جواب علمائے احناف نے یہ دیا کہ شہادتین کی تکرار ان کی تعلیم کے لیے تھی' ظاہر ہے کہ انہوں نے اذان کی نقل اتاری تھی' یقیناً ڈرتے رہے ہوں گے پھر وہ اس وقت حالت کفر میں تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور اذان کو سخت ناپسند کرتے تھے' تو اس کا قوی امکان ہے کہ شہادتین کے

۱۔ الاستیعاب۔ ج ۴ ص ۱۷۹ ۲۔ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۷۳۔ باب: کیف الاذان ۳۔ الاستیعاب۔ ج ۴ ص ۱۷۸

وقت جھجکے ہوں گے' جس کی وجہ سے آواز پست کر دی ہوگی تو حضور نے انہیں تنبیہ فرمائی: آواز بلند کر کے شہادتین ادا کر۔ اگر واقعی حضور اقدس ﷺ کا مقصود ترجیع کی تعلیم تھی تو بعد میں حضرت بلال کو کیوں حکم نہیں دیا کہ اب ترجیع کیا کرو۔ یہ اس پر قرینہ واضح ہے کہ وہ صرف ان کی تعلیم کے لیے تھا۔ حضرت بلال نے برسہا برس حضور اقدس ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حضور اذان دی اور اس میں ترجیع نہ کی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اصل اذان میں ترجیع نہیں' بلکہ طبرانی نے معجم اوسط میں خود حضرت ابو محذورہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے اذان کا ایک ایک حرف سکھایا' اللہ اکبر' اللہ اکبر الخ[1] اس میں ترجیع نہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے کبھی اذان دی یا نہیں؟

سہیلی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس ﷺ نے اذان دی۔ اس حالت میں صحابہ کو نماز پڑھائی کہ وہ اپنی سواریوں ہی پر تھے' اوپر سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے کیچڑ تھا۔ اسے امام ترمذی[2] نے ایسے طریقے سے تخریج کیا ہے جو عمر بن رماح کے گرد گھومتا ہے۔ یہ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں۔ امام نووی نے بھی لکھا ہے کہ حضور نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی۔ اسے امام ترمذی کی طرف منسوب کیا اور اس کی تقویت کی۔ علامہ ابن حجر نے اس پر یہ تعقب فرمایا: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے نہیں بلکہ حضرت یعلیٰ بن مرہ سے مروی ہے۔ ہم نے اسے مسند احمد میں اسی طریقے سے جس سے امام ترمذی نے تخریج کی ہے' یوں پایا: ''فامر بلالا فاذن'' اس سے معلوم ہوا کہ ترمذی کی روایت میں اختصار ہے اور حکم کرنے کی وجہ سے حضور کی طرف مجازاً اسناد ہے' جیسے ''اعطی الملك فلانا'' میں ہے' مسند امام احمد[3] میں ہے: ''فامر الموذن''۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۴۰۱- ح: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطٰنُ

[جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے]

۴۰۱- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطٰنُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ فَاِذَا قَضَی النِّدَآءَ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قَضَی التَّثْوِیْبَ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطِرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ یَقُوْلُ اُذْکُرْ کَذَا اُذْکُرْ کَذَا لِمَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے' یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا' جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو آ جاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے اور آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ کہتا ہے: یہ یاد کر' یہ یاد کر' جو باتیں اسے یاد نہیں تھیں' یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی (رکعتیں) پڑھیں۔

(بخاری- ج۱- کتاب الاذان- باب: فضل التاذین ص ۸۵' کتاب العمل فی الصلوۃ- باب: یفکر الشی فی الصلوۃ ص ۱۶۳' کتاب السھو- باب: اذا لم یدر کم صلی ص ۱۶۴' کتاب بدء الخلق- باب: صفة ابلیس وجنودہ ص ۴۶۴' مسلم' ابوداؤد' نسائی' دارمی' موطا' مسند امام احمد)

---

[1] عینی- ج ۵ ص ۱۰۸ ——— [2] ترمذی- ج ۱ ص ۵۵- کتاب الصلوۃ- باب: فی الصلوۃ علی الدابة فی الطین والمطر

[3] مسند امام احمد- ج ۴ ص ۱۷۴

تکمیل

سہواور بدء الخلق میں یہ زائد ہے:''فاذا لم یدر کم صلی ثلثا او اربعا فلیسجد سجدتین''پس یہ نہ یاد رہے تین پڑھیں کہ چار تو دو سجدے کرلے۔

حتی لا یسمع التاذین

مسلم[1] میں حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ روحاء تک بھاگتا ہے۔ حضرت جابر ہی نے بتایا کہ روحا مدینہ سے چھتیس میل دور ہے۔ یہاں ایک اشکال ہے کہ اذان اور اقامت سن کر شیطان بھاگتا ہے اور قرآن مجید واذکار نماز کے وقت آجاتا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ بات یہ ہے کہ اذان کے بارے میں ایک حدیث[2] میں آیا ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے جن وانس اور جو چیز بھی اذان سنتی ہے وہ قیامت کے دن مؤذن کے لیے گواہی دے گی۔ شیطان اس ڈر سے بھاگتا ہے کہ مجھے بھی گواہی نہ دینی پڑے۔ وہ اگرچہ شہادت کا اہل نہیں، مگر اپنے آپ کو شاید اہل سمجھتا ہے، پھر یہ شہادت بہ منزلہ خبر متواتر ہوگی اور خبر متواتر میں مخبرین کا عادل ہونا بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔

حتی اذا ثوب

''تثویب'' کے اصل معنی کسی چیز کے بتانے اور اس کے وقوع سے ڈرانے کے ہیں، پھر اکثر اس کا استعمال بلند آواز سے بتانے کے معنی میں ہوگیا۔ نیز کسی چیز کو ایک بار بتانے کے بعد دوبارہ بتانے کے معنی میں بھی ہے۔ یہاں اقامت مراد ہے جیسا کہ مسلم میں ہے، کیونکہ اذان بھی نماز کے بتانے کے لیے ہے اور یہ بھی، تو اعلام بعد اعلام ہوگیا۔ ویسے اُس عہد میں تثویب ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کو کہتے تھے اور اب اذان واقامت کے مابین متعارف الفاظ کے ساتھ نماز کے وقت کے اعلان کو کہتے ہیں، جیسے بہت سی جگہ صلوٰۃ وسلام اس کے لیے مقرر ہے، حتیٰ کہ اس کو بہت سی جگہ صلوٰۃ کہتے بھی ہیں۔ یہ باتفاق متاخرین فقہاء احناف مستحسن ہے جیسا کہ ہدایہ سے لے کر شامی تک میں تصریح ہے۔

اذکر کذا و کذا...... (امام اعظم کی ایک نفیس حکایت)

فتح الباری[3] میں ہے کہ ایک شخص گھر میں مال دفن کرکے بھول گیا، ہر چند سوچا مگر یاد نہیں آیا کہ کہاں ہے؟ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت امام نے فرمایا: گھر جاکر رات بھر نفل نماز پڑھ، اس کی پوری کوشش کرنا کہ حضور قلب رہے، ادھر اُدھر دل نہ بٹے۔ اس نے گھر جاکر نفلیں پڑھنی شروع کیں۔ شیطان نے سوچا کہ یہ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نفلیں پڑھ کر ایک رات میں اللہ کا مقرب بندہ بن جائے گا، اس لیے اس کو جلدی سے اس کے دفینے کی جگہ یاد دلا دی، اس نے نماز ختم کرکے اس جگہ کھودا اور دفینہ نکل آیا۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شیطان کو بھگانے کے لیے اذان بہت ہی مؤثر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اثر صرف اسی اذان کے لیے ہے جو نماز کے لیے کہی جاتی ہے یا جب بھی کہی جائے یہی اثر ہوگا۔ نیز یہ کہ اذان نماز ہی کے ساتھ خاص ہے یا نماز کے علاوہ دوسرے وقت بھی مشروع ہے۔ ہم جب احادیث اور اقوال صحابہ واسلاف پر نظر ڈالتے ہیں تو ثابت یہ ہوتا ہے کہ اذان صرف

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۶۷۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فضل الاذان [2] بخاری۔ ج ۱ ص ۸۶۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع الصوت بالنداء

[3] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۶۰

نماز کے ساتھ خاص نہیں۔ دوسرے مواقع پر بھی مشروع ہے' مثلاً بچے کی پیدائش کے بعد۔ حدیث میں ہے: حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حسن بن علی جب پیدا ہوئے تو ان کے کان میں آپ نے نماز والی اذان کہی[۱] امام ترمذی[۲] نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور اس پر عمل ہے۔ اسد الغابہ[۳] میں ہے کہ جب حضرت حسین پیدا ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کے کان میں اذان کہی۔ مرقاۃ[۴] میں شرح السنۃ سے ہے کہ عمر بن عبدالعزیز جب بچہ پیدا ہوتا تو اس کے دائیں کان میں اذان دیتے اور بائیں میں اقامت کہتے۔ مسند ابویعلیٰ موصلی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: جس کے بچہ پیدا ہو اور اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہے تو ام الصبیان اسے ضرر نہیں پہنچائے گی۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ فرمایا: جب بھوت پریشان کریں تو اذان دو[۵] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے غمگین دیکھا تو فرمایا: اے ابن ابی طالب! کیا بات ہے کہ میں تم کو غمگین دیکھ رہا ہوں' اپنے کسی اہل سے کہو کہ تمہارے کان میں اذان دے' یہ غم کو دور کرنے والی ہے۔ حضرت علی نے فرمایا: میں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ اس حدیث کے تمام راویوں نے کہا: میں نے اس کا تجربہ کیا تو ویسا ہی پایا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کوئی انسان یا جانور بد خلقی کرے تو اس کے کان میں اذان کہو۔

دیوبندی اکابر کی شہادت

اوجز المسالک' ج ۱ ص ۱۸۳ میں ہے: حدیث نبوی سے بعض سلف نے اذان غیر وقت صلوٰۃ میں بھی دفع اثرات' شیاطین و جنات کے لیے ثابت کی ہے۔ مسلم شریف[۶] میں سہیل بن ابی صالح کی روایت ہے' جس میں یہ ہے کہ انہوں نے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سننے کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا تو انہوں نے فرمایا: جب کوئی ایسی آواز سنو تو اذان کہو۔ علامہ ابن عبدالبر نے امام مالک سے نقل کیا کہ زید بن اسلم' معدن بنی سلیم پر عامل بنا کر بھیجے گئے جہاں لوگوں کو جن ستاتے تھے' جب ان لوگوں نے شکایت کی تو حضرت زید نے انہیں بلند آواز سے اذان دینے کا مشورہ دیا' انہوں نے ایسا کیا تو پھر جنوں نے نہیں ستایا[۷] حضرت عمر کی خدمت میں بھوت پریت کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بھی اذان کا حکم دیا۔ سعایہ میں ہے کہ اذان کی اصل وضع تو نماز ہی کے لیے تھی' پھر دوسرے مواضع میں مستعمل ہوئی' مثلاً ولادتِ مولود پر دائیں کان میں اذان' بائیں میں اقامت مسنون ہوئی۔ جن بھوت پریت کا جہاں اثر ہو' وہاں بھی اذان دی جاتی ہے۔ جب سواری کا جانور سرکشی کرے یا کسی بدکردار بداخلاق آدمی سے واسطہ پڑے تو اس کے کان میں اذان دی جائے۔ غمزدہ' مرگی کے مریض اور غضب ناک آدمی کے لیے بھی اذان اس کے کان میں دینا مفید ہے۔ لڑائی کے میدان میں جنگ کے وقت آگ لگ جانے پر اور جنگل میں راستہ گم ہو جانے پر بھی اذان دینی چاہیے' علامہ ابن عابدین شامی نے دس مواقع شمار کرائے۔ (انوار الباری۔ ج ۱۳ ص ۵۸)

اذانِ قبر کا اثبات

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اذان نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں' نماز کے علاوہ بھی بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں اذان مشروع

---

۱ ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۳۴۰۔ کتاب الادب۔ باب: فی المولود یؤذن فی اذنه

۲ ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۸۳۔ کتاب الاضاحی۔ باب: الاذان فی اذن المولود

۳ اسد الغابہ۔ ج ۲ ص ۱۸ ۴ مرقاۃ۔ ج ۲ ص ۶۰۳۔ الفصل الثالث ۵ مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۵۴۔ ۱۶۴

۶ مسلم۔ ج ۱ ص ۱۶۷۔ باب: الاذان وھرب الشیطان ۷ فتح الباری۔ ج ۲ ص ۷۲

ہے' خصوصاً جہاں شیاطین کا دخل ہو۔ سہیل بن ابی صالح کی جو روایت مسلم شریف کے حوالے سے مذکور ہوئی' اُن کے آخر میں ہے میں نے اس وقت اذان کا حکم اس لیے دیا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو منہ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکلتا رہتا ہے۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ جہاں شیطان کا دخل ہو' اسے بھگانے کے لیے اذان تیر بہدف ہے۔ اب آیئے! اذانِ قبر کے متعلق غور کیجئے۔ امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے: تیرا پروردگار کون ہے؟ تو شیطان وہاں پہنچ کر اپنی طرف اشارہ کرتا ہے' یعنی مجھے بتا' مجھے بتا۔ جب قبر میں بھی شیطان کی مداخلت ہے تو اس کو بھگانے کے لیے اگر قبر پر اذان کہی جاتی ہے تو یہ جرم کیسے ہے؟ عقل میں آنے والی بات نہیں۔

ت ۱۳۱- قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ اَذِّنْ اَذَانًا سَمْحًا وَّاِلَّا فَاعْتَزِلْنَا.

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: سیدھی سادھی اذان کہہ ورنہ ہم سے دور ہو۔

(بخاری۔ مواقیت۔ باب: رفع الصوت بالنداء ص ۸۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں' پورا اثر یوں ہے کہ ایک مؤذن نے اذان دی اور اس نے اپنی اذان میں لے نکالی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: سیدھی سادھی اذان دے ورنہ ہم سے علیحدہ ہو جا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ممانعت کی وجہ لے نکالنا ہے' یعنی وہ آواز لمبی کرتے اور بلند کرتے وقت گانے والوں کی طرح سے لے اور نغمہ پیدا کرتا تھا' جس کی وجہ سے کلمات کی فصاحت ختم ہو جاتی تھی' مد کی جگہ قصر اور قصر کی جگہ مد کرتا تھا۔

۴۰۲- ح: فَاِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ اَوْ بَادِيَتِكَ فَاَذَّنْتَ

[جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں رہو اور اذان دو]

۴۰۲- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ صَعْصَعَةَ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهٗ اِنِّيْ اَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَاِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ اَوْ بَادِيَتِكَ فَاَذَّنْتَ لِلصَّلٰوةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ فَاِنَّهٗ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن صعصعہ نے خبر دی کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تم بکری اور جنگل پسند کرتے ہو' جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں رہو اور اذان دو تو اپنی اذان کے ساتھ اپنی آواز بلند کرو' اس لیے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک جو بھی جن اور انسان یا کوئی چیز بھی اذان سنے گی' وہ قیامت کے دن مؤذن کے لیے گواہی دے گی۔ حضرت ابو سعید نے کہا: میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع الصوت بالنداء ص ۸۴' باب: ذکر الجن وثوابهم وعقابهم ص ۴۶۵' ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۱۲۶' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الاذان' موطاء امام مالک۔ نداء' مسند امام احمد)

مسائل

(۱) اذان بلند آواز سے دی جائے (۲) اکیلا آدمی اگرچہ جنگل میں ہو' اسے اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے (۳) جنگل میں بھی اذان پوری آواز سے دینی چاہیے (۴) جن ایک مخلوق ہے جو انسان کی آواز سنتے ہیں (۵) ہر چیز میں ایک قسم کی زندگی ہے' جس کی وجہ سے وہ انسان کی آواز سنتے ہیں۔

ابوداؤد[1] میں یہ حدیث ہے کہ جنگل میں ایک نماز پر پچاس نماز کا ثواب ملتا ہے' بلکہ دوسری روایت میں ہے کہ نماز باجماعت کا پانچ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص نماز باجماعت کا پابند ہو اور کسی ضرورت سے جنگل میں چلا گیا' یا وہ اپنی کسی تجارتی یا دنیاوی ضرورت سے جنگل میں رہتا ہو۔

۴۰۳- ح: لَمْ يَكُنْ يُغِيرُ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ

[جب تک صبح نہ ہو جاتی' حملہ نہ کرتے]

۴۰۳- عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يُغِيرُ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا إِلٰى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتایا کہ حضور ہمیں لے کر جب کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے اور انتظار فرماتے۔ اگر اذان سنتے تو رُک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ حضرت انس نے کہا: ہم خیبر کے لیے نکلے' اہل خیبر تک ہم رات میں پہنچ گئے' جب حضور نے صبح کی اذان نہیں سنی تو سوار ہوئے۔ (اس کے بعد حدیث: ۲۵۶ کا مضمون اختصار کے ساتھ ہے)

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: ما يحقن بالاذان من الدماء ص ۸۴' کتاب الجہاد۔ باب: دعوة اليهود والنصارىٰ على ما يقاتلون ص ۴۱۱' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد' ترمذی۔ کتاب السیر' دارمی۔ کتاب السیر)

''يغير'' قاعدے کے اعتبار سے ''يُغِرْ'' حذف یاء اور رائے ساکن کے ساتھ ہونا چاہیے' اور ایک نسخہ یہ بھی ہے۔ اور مذکورہ بالا نسخہ اصیلی کا ہے' یہاں مزید تین اور نسخے ہیں: ''لَمْ يَغْزُوْ' لَمْ يَغْزُ' لم يغدو'' اس حدیث میں یہ بھی ہے: ''خرجوا الينا بمكاتيلهم ومساحيهم'' خیبر کے باشندے ہمارے سامنے اپنی ٹوکریاں اور پھاوڑے لے کر نکلے۔ خمیس کی طرح جیش بھی اس لشکر کو کہتے ہیں جس کے یہ حصے ہوں: میمنہ' میسرہ' قلب' مقدمہ' ساقہ۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اذان شعائرِ اسلام سے ہے' جو قوم باوجود قدرت کے اذان چھوڑے اس سے قتال واجب ہے اور جو قوم اذان کہے اس کو مسلمان سمجھا جائے گا' بشرطیکہ اس سے کوئی کفر سرزد نہ ہوا ہو اور اگر معلوم ہے کہ یہ قوم اذان کہنے کے باوجود کفر کا ارتکاب کرتی ہے تو اذان کے بعد بھی اس سے قتال کیا جائے گا' جیسا کہ فتح الباری میں عیسویہ فرقہ کے بارے میں تصریح ہے' یہ یہودیوں کا ایک ایسا فرقہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول مانتا ہے مگر صرف عرب کے لیے۔ اس کا بانی ابوعیسیٰ ہے جو بنی امیہ کے اخیر دور میں پیدا ہوا تھا۔ اس طرح باغیوں سے بھی قتال کیا جائے گا' اگرچہ وہ اذان کہیں' جیسا کہ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا' دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت تکبیر مستحب ہے۔

۴۰۴- ح: إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا

[جب تم اذان سنو تو کہو]

۴۰۴- عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہے وہی کہو۔

[1] ابوداؤد۔ باب: فضل المشی الی الصلوٰۃ ص ۸۳

(بخاری۔ج ا۔کتاب الاذان۔باب:ما یقول اذا سمع المؤذن ص۸۶ 'مسلم۔کتاب الصلوٰۃ' نسائی۔کتاب الصلوٰۃ۔کتاب الیوم واللیلۃ' ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔کتاب الصلوٰۃ' ابن ماجہ)

۴۰۵- ح: سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا فَقَالَ بِمِثْلِهِ

[(انہوں نے) معاویہ کو سنا کہ انہوں نے بھی اسی کی مثل کہا]

۴۰۵- حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا فَقَالَ بِمِثْلِهِ إِلَى قَوْلِهِ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

عیسیٰ بن طلحہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے ایک دن معاویہ کو سنا کہ جو مؤذن کہتا تھا وہی یہ بھی کہتے تھے: اشہد ان محمدا رسول اللہ تک۔

(بخاری۔ج ا۔باب:ما یقول اذا سمع المنادی ص۸۶' نسائی۔کتاب الیوم واللیلۃ)

۴۰۶- ح: لَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ

[جب (مؤذن) نے ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ'' کہا]

۴۰۶- قَالَ يَحْيٰى وَحَدَّثَنِي بَعْضُ إِخْوَانِنَا أَنَّهُ قَالَ لَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَقَالَ هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ.

یحییٰ نے کہا: میرے بعض بھائیوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو معاویہ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا' اور کہا: ہم نے تمہارے نبی ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الاذان۔باب:ما یقول اذا سمع المنادی ص۸۶)

فقولوا

یہ امر کا صیغہ ہے' جس میں اصل وجوب ہے۔اس لیے اس سے ثابت ہوا کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے' حتیٰ کہ اگر تلاوت یا وظیفے میں ہو تو اسے بند کر کے اذان سنے اور اس کا جواب دے۔

مثل ما يقول

یہ بہ اعتبار اغلب واکثر کے ہے' ورنہ حی علی الصلوٰۃ' حی علی الفلاح کے جواب میں ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کہے اور صبح کو ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ'' کہے۔

قال يحيى

یہ تعلیق نہیں مسند ہے' اور اس سے قبل جو سند یحییٰ تک مذکور ہے' اسی سند کے ساتھ یہ بھی امام بخاری کو پہنچی ہے: ''یعنی حدثنا اسحق بن راھویہ. الخ'' اس میں ''بعض اخواننا'' سے مراد یا تو علقمہ بن وقاص لیثی ہیں' یا ان کے صاحبزادوں' عبداللہ اور عمر میں سے کوئی ایک مراد ہے' اس لیے کہ یہ حدیث طحاوی' نسائی' ابن خزیمہ' دارمی' طبرانی وغیرہ میں حضرت علقمہ سے ان کے دونوں صاحبزادوں کے ذریعہ مروی ہے۔اب اگر یحییٰ بن کثیر کی علقمہ سے ملاقات ہے تو وہ مراد ہیں' ورنہ ان کے دونوں لڑکوں میں سے کوئی ایک۔

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری' ج ۲ ص ۱۶۴' میں ہے کہ مسلم' ص ۱۶۷' پر ہے کہ اذان میں شہادتین کے وقت حضور فرماتے: ''انا انا'' حالانکہ یہ حدیث مسلم میں اس صفحہ پر کیا کہیں نہیں ہے' البتہ ابوداؤد' ج ا ص ۷۷' پر ہے۔بجنوری صاحب نے اس سے کشمیری صاحب کو بری

بتایا ہے اور اسے بدر عالم صاحب کے پلے باندھا ہے۔ بجنوری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ حضرت نے یہ فرمایا تھا: ایک حدیث میں آیا ہے۔ جامع یعنی بدر عالم صاحب نے اپنی طرف سے یہ حوالہ حضرت کے سرتھوپ دیا ہے' اگر یہ صحیح ہے تو بدر عالم صاحب نے دو غلطیاں کیں' ایک حوالہ غلط دیا۔ دوسرے اسے اپنے شیخ کی طرف منسوب کر دیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے شیخ کی دھونس باقی رکھنے کے لیے بلکہ جمانے کے لیے اپنی وضع کردہ باتیں بھی اپنے مشائخ کے نامہ اعمال میں درج کر دیتے ہیں۔ ثابت ہو گیا کہ فیض الباری تنہا کشمیری صاحب کی امالی نہیں' ان کے تلامذہ کی بھی تحقیقات کا مجموعہ ہے جو ان کی طرف منسوب ہے۔

۴۰۷- ح: مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ [جب کوئی اذان سنے تو یہ کہے]

۴۰۷- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِالْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَا نِالَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی اذان سنے اور یہ کہے: اے اس دعوتِ تام اور نمازِ قائم کے مالک! (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور اس مقامِ محمود پر انہیں قائم فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے' تو وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق ہو گا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: الدعاء عند النداء ص ۸۶' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ بنی اسرائیل ص ۹۸۶' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الیوم واللیلۃ' ابن ماجہ)

وسیلة

کے معنی یہ ہیں: ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی کی قربت حاصل کی جائے' بادشاہ کے حضور بلند منصب۔ یہاں جنت کا خاص الخاص درجہ مراد ہے' جیسا کہ مسلم[1] میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو' اس لیے کہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا' اللہ عزوجل اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا' پھر میرے لیے وسیلے کا سوال کرو' یہ جنت میں ایک درجہ ہے۔ اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک کے لیے ہے' مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا' جو میرے لیے وسیلے کا سوال کرے گا' وہ میری شفاعت کا مستحق ہو گا۔

"الفضیلة" اور "مقام محمود"

"الفضیلة" یعنی ایسا رتبہ جو سارے خلائق سے بڑھ کر ہو۔

"مقام محمود" یعنی ایسا مقام جس پر فائز ہونے والے کی ہر شخص حمد کرے' اسے ایسے ایسے فضائل و مناقب سے نوازا جائے جو موجب ستائش ہوں۔ علامہ ابن جوزی نے کہا: اکثر علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد شفاعت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ عرش پر جلوس مراد ہے۔ ایک قول ہے کہ کرسی پر جلوس مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں اولین و آخرین سب حضور کی حمد کریں گے' جس کی وجہ سے تمام مخلوقات پر حضور کی برتری ظاہر ہو گی' حضور جو مانگیں گے دیا جائے گا' جس کی شفاعت کریں گے قبول کی جائے گی' سب ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔[2] شیخ ابن حبان میں حضرت کعب بن مالک کی حدیث مرفوع ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل مجھے سبز حلہ پہنائے گا تو اللہ جو چاہے گا میں کہوں

---

[1] مسلم۔ ج ا ص ۱۶۶۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: استحباب القول مثل قول المؤذن' نیز ابوداؤد' نسائی' طحاوی

[2] عمدة القاری۔ ج ۵ ص ۱۲۳

گا' یہی مقامِ محمود ہے۔ (فتح الباری۔ ج۲ص۷۵)

ان اقوال میں تنافی نہیں' ہوسکتا ہے کہ عرش پر کرسی رکھی جائے جس پر حضور اقدس ﷺ تشریف رکھیں' اسی وقت اللہ عزوجل سبز حلہ پہنائے اور حضور اللہ عزوجل کی حمد وثنا کریں' پھر آپ کو اذن شفاعت ملے' وہیں رونق افروز ہوکر آپ شفاعت فرمائیں' اور اسی موقع پر اوّلین و آخرین حضور کی حمد وثناء کریں۔ اسی سے ظاہر ہوجائے گا کہ خدائی میں سب سے برتر و افضل یہی ہیں۔

وعدته

یہ آیت کریمہ "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل:۷۹) کی طرف اشارہ ہے' یعنی تمہارا پروردگار جلد ہی تم کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے وعدہ فرمالیا تو دعا سے کیا فائدہ۔ اس دعا کا فائدہ دعا کرنے والے کو ملے گا کہ وہ شفاعت کا حق دار ہوجائے گا۔

حلت له

اس کا ترجمہ امام نووی نے فرمایا: "وجبت" طحاوی میں حضرت ابن مسعود کی حدیث میں یہی ہے: اس کی شفاعت میرے ذمے واجب ہوگئی۔ اور علامہ عینی نے فرمایا: "استحقت" اس سے خاص شفاعت مراد ہے' مثلاً جنت میں بلاحساب و کتاب داخل کرانا' درجے بلند کرانا' ورنہ مطلق شفاعت کے لیے تو خود ارشاد فرمادیا ہے: "شفاعتی لاهل الكبائر من امتی" "میری اُمت کے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے میری شفاعت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ اس خصوص میں صریح احادیث بھی وارد ہیں۔ فرمایا: "ساعتان لا يرد فيهما الدعاء حضرة النداء بالصلوٰة وحضرة الصف في سبيل الله" "دو وقتوں میں دعا رد نہیں ہوتی' نماز کے لیے اذان کے وقت اور راہِ خدا میں جہاد کے لیے صف بندی کے وقت[١] اور فرمایا: "لا يرد الدعاء بين الاذان والاقامة" "اذان و اقامت کے مابین (کی جانے والی) دعا رد نہیں کی جاتی۔

(ابوداؤد۔ ج۱۔ کتاب الاذان۔ باب: الدعاء بين الاذان والاقامة' ترمذی۔ ج۱۔ باب: لا يرد الدعاء بين الاذان والاقامة ص۲۹' ج۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: ص۱۹۹)

نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کتنا ہی بلند مرتبہ ہو' اسے چاہیے کہ مسلمانوں سے دعا کے لیے کہے' خصوصاً صالحین سے اور خصوصاً اوقاتِ اجابت میں۔

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت اور کشمیری صاحب کا ردّ

فیض الباری میں ہے کہ اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اُٹھانا بدعت ہے' اس لیے کہ اس دعا میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں اور عمومات کا سہارا لینا لغو ہے۔ اس کے بعد ہے کہ اس میں حضور اقدس ﷺ کا خاص فعل وارد ہے۔ ہاں اگر اس میں حضور کا خاص فعل وارد نہ ہوتا تو عمومات کا سہارا مفید ہوتا' مگر جبکہ حضور کا خاص فعل منقول ہے تو وہی اسوۂ حسنہ ہے۔ (ج۲ص۱۶۷)

مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ ارشاد کشمیری صاحب ہی کا ہے' مگر جب ان کے تلامذہ نے ان کی طرف منسوب کیا ہے تو یقین ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ شاید کشمیری صاحب کے نزدیک ایسی کوئی روایت ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اذان کے بعد والی دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے' اس لیے عمومات سے استدلال صحیح نہیں۔

اقول: شاید کشمیری صاحب کے خزانہ عامرہ میں بند کسی صندوق میں ایسی کوئی حدیث ہو' جو اب دستِ بُردِ زمانے سے برباد ہوگئی

[١] عمدۃ القاری۔ ج۵ص۱۲۳

ہو۔ ورنہ احادیث کی کسی کتاب میں ایسی کوئی روایت نہیں، جس میں یہ تصریح ہو کہ حضور اقدس ﷺ نے اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھائے، اور جب ایسی کوئی روایت نہیں تو بہ قول کشمیری صاحب عمومات سے استدلال حق۔ احادیث میں مطلقاً دعا کر کے طریقہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگو۔ ابوداؤد[1] میں ہے کہ فرمایا:

اِذَا سَئَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْا بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْا بِظُهُوْرِهَا.

اللہ سے جب تم سوال کرو تو ہتھیلیوں سے مانگو، پشت دست سے مت مانگو۔

اسی میں وہیں چند احادیث کے بعد ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَنَّ النّبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان اذا دعا فرفع یدیه مسح وجهه بیدیه.

نبی ﷺ جب دعا مانگتے تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے، ان کو چہرے پر ملتے۔

مشکوۃ[2] میں بیہقی کی دعوات کبیر کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یرفع یدیه فی الدُّعاءِ حتّٰی یُرٰی بیاضُ ابطیه.

رسول اللہ ﷺ دعا میں اپنے ہاتھ اُٹھاتے اتنا کہ آپ کی بغل کی سفیدی دکھائی دیتی۔

ابوداؤد میں وہیں ایک حدیث سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد منقول ہے:

المسئالة ان ترفع یدیك حذو منکبیك اَو نحوهما.

سوال یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اپنے مونڈھوں تک اُٹھاؤ یا اس کے قریب قریب۔

حدیث فعلی اور قولی دونوں سے ثابت ہو گیا کہ مطلقاً دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں اوپر کر کے مونڈھوں تک اُٹھائی جائیں اور بعد دعا منہ پر مل لی جائیں۔ اس میں نہ کسی دعا کی تخصیص ہے نہ دعا بعد اذان کا استثناء، اس لیے کشمیری صاحب کے علی الرغم یہ ثابت کہ بعد اذان والی دعا میں بھی سنت یہی ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کی جائے۔ کوئی صاحب اس دعا کا استثناء کہیں دکھا دیں تو ہم ان کے مشکور ہوں گے۔

کلماتِ دعا

اذان کے بعد کی دعا میں دوسرے بہت سے کلمات وارد ہیں، مگر اُمت کا معمول مذکورہ بالا دعا کا پڑھنا ہے: ''الدرجة الرفیعة'' کو بھی علماء نے اضافہ فرمایا ہے۔ بیہقی[3] کی روایت میں ''انك لا تخلف المیعاد'' زائد ہے، اس کا بھی اضافہ کرے، دعا سے پہلے درود شریف پڑھے جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث گزری۔ شامی[4] میں ہے:

قوله یدعو ای بعد ما یصلی علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لما رواه مسلم وغیره.

دعا کرے اس کے بعد کہ نبی ﷺ پر درود پڑھ لے، کیونکہ مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ت ۱۳۲ - وَيُذْكَرُ اَنَّ قَوْمًا اخْتَلَفُوْا فِي الْاَذَانِ فَاَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ. (باب: الاستهام فی الاذان ص ۸۶)

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک قوم نے اذان دینے کے لیے اختلاف کیا تو ان میں حضرت سعد نے قرعہ ڈالا۔

یہ واقعہ ۱۵ھ ہجری میں فتح قادسیہ کے دن پیش آیا تھا۔ مؤذن اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ دوپہر سے پہلے پہلے قادسیہ فتح ہو

---

[1] ابوداؤد، ج ا ص ۲۰۹، باب: الدعاء [2] مشکوۃ، کتاب الدعوات، فصل ثالث، ص ۱۹۶

[3] عمدۃ القاری، ج ۵ ص ۱۲۳ [4] فتاویٰ شامی، ج ا ص ۲۷۸

گیا' ظہر کے وقت چند حضرات اس منصب کے اُمیدوار ہوئے اور بات بڑھ گئی تو معاملہ حضرت سعد کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کیا۔ قادسیہ حاجیوں کے راستے پر کوفہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ یہیں ۱۵ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایرانیوں سے مجاہدین اسلام کا سب سے بڑا اور فیصلہ کن معرکہ پیش آیا تھا' جو تین دن تک مسلسل جاری رہا' چوتھے دن اللہ عزوجل نے مجاہدین اسلام کو زبردست فتح عطا فرمائی۔ ایرانیوں کا سپہ سالار رستم مارا گیا' اس اثر کو سعید بن منصور' بیہقی اور سیف بن عمر نے الفتوح میں اور ابن جریر طبری نے روایت کیا۔

٤٠٨- ح: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ؟

[اگر لوگ جانتے کہ اذان کہنے اور صفِ اول میں کتنا ثواب ہے؟]

٤٠٨- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ جانتے کہ اذان کہنے اور صف اوّل میں کتنا ثواب ہے اور قرعہ اندازی کے بغیر (اس کا حل) نہ پاتے تو ضرور قرعہ ڈالتے' اور اگر لوگ جانتے کہ دوپہر کی نماز میں کتنا ثواب ہے تو اس کی طرف دوڑ کے آتے اور اگر لوگ جانتے کہ عشاء اور صبح کی نماز میں کتنا ثواب ہے تو گھسٹتے ہوئے آتے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: الاستهام فی الاذان ص ۸٦' باب: فضل التهجیر بالظهر ص ۹۰' باب: الصف الاوّل ص ۱۰۰' کتاب الشہادات۔ باب: القرعة فی المشکلات ص ۳۷۰' مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

ابوالشیخ کی روایت میں "من الخیر والبرکة" زائد ہے' یہ ما کی تفسیر ہے۔ "لاستهموا علیه" "استهام" کا مادہ "سهم" ہے' اس کا ترجمہ ہوگا: حصہ طلب کرنا۔ عرف میں اس کے معنی قرعہ ڈالنے کے ہیں۔ علیہ کا مرجع بتاویل مذکور نداء اور صف اوّل دونوں ہیں' جیسے آیت کریمہ: "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا۝" (الفرقان: ٦٨) اوپر شرک' قتل ناحق' زنا' تین جرائم کا ذکر تھا۔ ان تینوں کی طرف "ذٰلِكَ" واحد کے صیغے سے اشارہ کیا گیا' جو ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے وہ سزا پائے گا۔ "تهجير" کے معنی اوّل وقت آنا' اور ہاجرہ میں آنا۔ پہلی تقدیر پر مراد یہ ہے کہ وقت مستحب کے اوّل میں آنا یا یہ کہ مسجد میں حاضر ہو کر نماز کا انتظار کرنا۔ ورنہ یہ حدیث ان احادیث کے معارض ہوگی جن میں فجر میں اسفار' ظہر میں ابراد' عشاء میں تاخیر کا حکم ہے۔ دوسری تقدیر پر چونکہ ہاجرہ کا اطلاق دوپہر سے لے کر قبل عصر تک ہوتا ہے' جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر آئے' تو یہ حدیث ابراد کے معارض نہیں۔ "لاستبقوا" سے واقعی دوڑنا مراد نہیں' اس لیے کہ نماز کے لیے دوڑ کر چلنا ممنوع ہے۔ تیزی سے لپکنا مراد ہے۔ "حبوًا" کے معنی ہیں: بچے کا گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنا یا سرین پر گھسٹنا۔

فضائل صف اوّل

مسلم[1] میں ہے کہ حضور نے فرمایا: مردوں کی سب سے بہتر صف پہلی ہے۔ طبرانی[2] کی معجم اوسط میں ہے کہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صف اوّل کے لیے تین بار دعاء مغفرت فرمائی اور صف ثانی کے لیے دو بار' ثالث کے لیے ایک بار۔ مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ صف اوّل سے پیچھے ہوتے جائیں گے' یہاں تک کہ اللہ ان کو پیچھے کر دے گا۔[3] ابن ماجہ میں

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۸۲۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: امراء النساء المصلیات [2] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۲۵ [3] (بقیہ حوالہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت نازل کرتے ہیں[1] ابن حبان نے بھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا[2] مسلم[3] میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور نے فرمایا: تم لوگ اس طرح کیوں نہیں صف بناتے جیسے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور صف بناتے ہیں' وہ پہلی صف پوری کرتے ہیں اور خوب مل کے کھڑے ہوتے ہیں۔

ت ۱۳۳ - وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي اَذَانِهِ. اور حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے اپنی اذان میں کلام کیا۔

ت ۱۳۴ - وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ اَنْ يَّضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ اَوْ يُقِيْمُ. اور حضرت حسن بصری نے کہا: اذان دیتے اور اقامت کہتے وقت ہنسنے میں حرج نہیں۔

اثر: ۱۲۹ کو امام بخاری نے تاریخ میں' ان کے استاد ابونعیم نے کتاب الصلوٰۃ میں اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد لشکر میں تھے اور اذان کہتے تھے اور اپنی ضروریات کے لیے اذان ہی کی حالت میں خادم کو حکم دیا کرتے تھے۔ علامہ عینی نے فرمایا: اثر: ۱۳۰ کو باب سے کوئی مطابقت نہیں' اس لیے کہ باب یہ ہے: اذان میں کلام کا بیان۔ اور ضحک کلام نہیں' اس لیے کہ ضحک اس طرح ہنسنے کو کہتے ہیں کہ خود سنے اور بغل والا نہ سنے۔ اگر بجائے اس کے اس اثر کو ذکر کرتے تو باب کے زیادہ مطابق ہوتا کہ ابن علیہ نے اذان واقامت میں کلام کے بارے میں یونس سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ محمد سے عبیداللہ بن غلاب نے حضرت حسن بصری کے بارے میں بتایا کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

اقول: لیکن فقہاء نے ضحک کو مفسد صلوٰۃ اسی بناء پر ٹھہرایا کہ یہ ملحق بالکلام ہے' اس لیے اس اثر کی بھی باب سے مطابقت ظاہر ہے۔

۴۰۹ - ح: اَلصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ [اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھنا]

۴۰۹ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ رَزْغٍ فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ فَاَمَرَهُ اَنْ يُّنَادِيَ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ فَعَلَ هٰذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَاِنَّهَا عَزْمَةٌ.

عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک کیچڑ والے دن ہم کو خطبہ دیا' جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو اسے حکم دیا' یہ اعلان کر دے: اپنے اپنے ٹھکانوں پر لوگ نماز پڑھ لیں۔ اس پر حاضرین نے ایک دوسرے کو دیکھا تو فرمایا: یہ اس ہستی نے کیا ہے جو اس سے بہتر تھی' اور یہ یعنی جمعہ فرض ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: الکلام فی الاذان ص ۸۶' باب: هل يصلي الامام لمن حضر ص ۹۲' کتاب الجمعہ۔ باب: الرخصة ان لم يحضر الجمعة في المطر ص ۱۲۳' مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

باب: "هل يصلي الامام لمن حضر" میں اتنا زائد ہے: میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تم کو حرج میں ڈالوں۔ وہیں دوسری روایت میں ہے: میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تم کو گنہگار کروں' تم لوگ گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنستے ہوئے آؤ۔ کتاب الجمعہ میں یوں ہے

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۸۲۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تسوية الصفوف واقامتها (سابقہ صفحہ کا حوالہ)

[2] ابن ماجہ۔ باب: اقامة الصفوف ص ۷۱

[3] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۲۵ [3] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۸۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامر بالسکون فی الصلوٰۃ

کہ حضرت ابن عباس نے اپنے مؤذن سے بارش والے دن میں کہا: جب تو "اشھد ان محمد رسول اللہ" کہہ چکے تو "حی علی الصلوٰۃ" مت کہنا' یہ کہنا: اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو' خیر میں ہے: میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تم کو حرج میں ڈالوں اور تم لوگ کیچڑ اور پھسلن میں آؤ۔

رزغ کے معنی "الغیم البارد" ٹھنڈک پیدا کرنے والے بادل کے بھی ہیں' اور کیچڑ کے بھی۔ عام طور پر اس کا ترجمہ جاڑے اور بادل' کیا جاتا ہے' مگر دوسرے طریق میں جب یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں نے یہ نہیں پسند کیا کہ تم لوگ کیچڑ میں گھٹنوں تک دھنستے ہوئے آؤ۔ یہ اس پر نص ہے کہ رزغ سے مراد کیچڑ ہی ہے۔ اس دن بارش ہوگئی تھی' جس کی وجہ سے کیچڑ پیدا ہو گئی تھی۔ ایک روایت میں "اؤثمکم" بھی آیا ہے' یعنی میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تم کو گنہگار کروں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ کیچڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی' تو ناگواری کے ساتھ نماز کے لیے آؤ گے' یہ گناہ ہے۔ دوسرے یہ کہ کیچڑ سے لتھڑے ہوئے پیروں کے ساتھ مسجد میں آؤ گے جس سے مسجد آلودہ ہوگی۔

الصلوٰۃ فی الرحال

کتاب الجمعہ میں ہے: "فی البیوت" اس سے ظاہر ہوا کہ یہ قصہ کسی شہر میں پیش ہوا' وہیں یہ بھی ہے کہ مؤذن کو حکم دیا: حی علی الصلوٰۃ مت کہنا" صلوا فی بیوتکم" کہنا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نظم اذان میں تبدیلی کا حکم دیا اور اثناء اذان میں یہ کہلایا' آگے باب الاذان للمسافر میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اذان کے بعد یہ اعلان کرایا تھا۔ حضور ﷺ کا فعل بلاشبہہ لائق ترجیح ہے' علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اضطراب بھی ہے۔ کتاب الصلوٰۃ کی دونوں روایتوں میں ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو فرمایا کہ "الصلوٰۃ فی الرحال" پکار دو! اور کتاب الجمعہ کی جو روایت ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اذان شروع کرنے سے پہلے ہی مؤذن کو ہدایت کردی تھی کہ حی علی الصلوٰۃ مت کہنا" صلوا فی بیوتکم" کہنا' اگرچہ یہ اضطراب دور ہوسکتا ہے تو ترجیح کی اصل وجہ وہی ہوئی کہ ارشاد رسول فعل صحابی پر مقدم ہوگا۔

اثناء اذان میں کلام

باب سے مطابقت ظاہر ہے کہ مؤذن نے حضرت ابن عباس کے حکم کے مطابق "الصلوٰۃ فی الرحال" یا "صلوا فی بیوتکم" ضرور پکارا ہوگا۔ یہ کلمات اذان سے نہیں' عوام سے خطاب ہے' تو ثابت ہوا کہ اثناء اذان میں کلام جائز ہے۔ ہمارے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے' اس لیے کہ عہد نبوی میں کبھی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ مؤذنوں نے اثناء اذان میں کلام کیا ہو۔ رہ گیا حضرت ابن عباس اور حضرت سلیمان بن صرد کا ارشاد و عمل تو یہ مکروہ تنزیہی کے منافی نہیں۔ کتاب الصلوٰۃ کی دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن اذان کے درمیان بات کرسکتا ہے اور ہمارے نزدیک ممنوع ہے۔ اس کا جواب کتاب الجمعہ کی روایت ہے جس سے ظاہر ہے کہ اذان سے پہلے یہ ہدایت دی تھی۔ جب اس حدیث کی روایات متعارض ہیں تو اس سے استدلال ساقط۔

"والھا عزمۃ" ضمیر منصوب کا مرجع جمعہ ہے' جو "خطبنا" سے مفہوم ہوتا ہے' یہ دلیل ہے کہ جمعہ فرض ہے۔

۴۱۰- ح: اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ

[حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) رات میں اذان دیتے]

۴۱۰- عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ قَالَ وَکَانَ رَجُلًا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال رات میں اذان دیتا ہے اس کی اذان کے بعد کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دینے لگے۔ حضرت عبداللہ نے

أَعْمٰى لَا يُنَادِي حَتّٰى يُقَالَ لَهُ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ.

کہا: اور وہ نابینا تھے، وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک ان سے یہ نہ کہا جاتا: تم نے صبح کر لی، تم نے صبح کر لی۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: اذان الاعمٰی ص ۸۶، باب: الاذان بعد الفجر ص ۶۷، باب: الاذان قبل الفجر ص ۸۷، کتاب الصوم۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعکم من سحورکم اذان بلال ص ۲۵۷، ج ۲۔ کتاب الآحاد۔ باب اوّل ص ۱۰۷۶، مسلم۔ کتاب الصیام، ترمذی، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

اذان قبل فجر، ائمہ ثلثہ وغیرہ اور امام ابو یوسف اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فجر کی اذان قبل فجر درست ہے، ہمارے نزدیک درست نہیں۔ اگر کوئی وقت سے پہلے اذان کہے تو وقت ہونے کے بعد اس کا اعادہ ضروری ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: ایک بار حضرت بلال نے طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو انہیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ جاؤ اور یہ پکار دو: بندہ سو گیا تھا۔[1] اس حدیث پر امام ترمذی کی تنقید کا محققانہ جواب عمدۃ القاری میں ملاحظہ کریں۔ بعینہٖ یہی مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[2] ابوداؤد[3] میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مؤذن نے ایک بار طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو اسے یہی حکم دیا۔ ابوداؤد (ایضا) ہی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب تک اس طرح فجر ظاہر نہ ہو جائے، اذان نہ دے اور حضور نے ہاتھ کو چوڑائی میں پھیلایا۔ رہ گئی زیر بحث حدیث تو آگے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث آ رہی ہے، جس میں یہ فرمایا کہ بلال اس لیے اذان دیتے ہیں تاکہ تمہارا تہجد پڑھنے والا لوٹے اور سونے والا جاگ جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت بلال کی اذان نماز کے لیے نہ تھی بلکہ تہجد اور سحری کے لیے تھی۔ اس کی مکمل بحث شرح معانی الآثار اور عمدۃ القاری و فتح القدیر میں مطالعہ کریں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نابینا کی اذان بلا کراہت درست ہے، اگر کوئی اسے وقت بتانے والا ہو، ہاں اگر کوئی وقت بتانے والا نہ ہو تو مکروہ ہے۔

۴۱۱- ح: كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ

[جب مؤذن صبح کی اذان کے لیے کھڑا ہو جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی تو آپ (ﷺ) ہلکی دو رکعت پڑھتے]

۴۱۱- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخْبَرَتْنِي حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ تُقَامَ الصَّلٰوةُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مجھے حفصہ نے خبر دی: جب مؤذن صبح کی اذان کے لیے کھڑا ہو جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ ہلکی دو رکعت اقامت سے پہلے پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ باب: الاذان بعد الفجر ص ۸۷، کتاب التہجد۔ باب: التطوع بعد المکتوبۃ ص ۱۵۷، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۱۲- ح: يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْاِقَامَةِ

[(صبح کی) اذان اور اقامت کے درمیان دو ہلکی رکعت پڑھنا]

۴۱۲- عَنْ عَائِشَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صبح کی

---

[1] ابوداؤد۔ باب: فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۷۹، طحاوی۔ ج ۱ ص ۶۷۔ باب: التاذین ای وقت هو

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۳۱ [3] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۷۹۔ باب: الاذان قبل دخول الوقت

يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ. اذان اور اقامت کے درمیان ہلکی دو رکعت پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ باب: الاذان بعد الفجر ص ۸۷، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ فجر میں فرض سے پہلے دو رکعت سنت ہے اور یہ کہ اسے بہت مختصر پڑھنا چاہیے۔

۴۱۳- ح: لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ

[تم میں سے کسی کو (سحری سے) بلال کی اذان نہ روکے]

۴۱۳- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَوْ اَحَدًا مِّنْكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سَحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ يُؤَذِّنُ اَوْ يُنَادِيْ بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ وَلَيْسَ اَنْ يَقُوْلَ الْفَجْرُ اَوِ الصُّبْحُ وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ وَرَفَعَهَا اِلٰى فَوْقٍ وَطَاطَا اِلٰى اَسْفَلَ حَتّٰى يَقُوْلَ هٰكَذَا وَقَالَ زُهَيْرٌ بِسَبَابَتَيْهِ اِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْاُخْرٰى ثُمَّ مَدَّهُمَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کو سحری سے بلال کی اذان نہ روکے اس لیے کہ وہ رات میں اذان دیتا ہے تاکہ تہجد پڑھنے والا لوٹے اور سونے والا جاگ جائے۔ یہ نہیں کہ کوئی کہے: فجر یا صبح ہوگئی اور حضور نے اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا، اور انہیں اوپر اٹھایا اور نیچے جھکایا، یہاں تک کہ ایسے ہو جائے اور زہیر نے اپنی کلمے کی دونوں انگلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا، پھر ان کو دائیں بائیں کھینچا۔

(بخاری۔ باب: الاذان قبل الفجر ص ۸۷، ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: الاشارۃ فی الطلاق والامور ص ۷۹۸، کتاب الآحاد۔ باب اول۔ ص ۱۰۷۶، مسلم۔ کتاب الصوم، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الصوم، ابوداؤد۔ کتاب الصوم، ابن ماجہ)

۴۱۴- ح: اَذَانُ بِلَالٍ وَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ

[حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہما) کی اذان]

۴۱۴- عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهٗ لَا يُؤَذِّنُ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ. قَالَ الْقَاسِمُ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ اَذَانِهِمَا اِلَّا اَنْ يَّرْقٰى ذَا وَيَنْزِلَ ذَا.

حضرت ابن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ بلال رات میں اذان دیتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ پیو! یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں اس لیے کہ جب تک فجر طلوع نہیں ہو جاتی یہ اذان نہیں دیتے۔ امام قاسم نے فرمایا: ان دونوں کی اذان میں فرق اتنا ہی تھا کہ یہ چڑھتے اور وہ اترتے۔

(بخاری۔ کتاب الصوم۔ باب: لا یمنعکم من سحورکم اذان بلال ص ۲۵۷، کتاب الاذان۔ باب: الاذان قبل الفجر ص ۶۷)

پہلی حدیث اس پر نص ہے کہ حضرت بلال طلوع فجر سے پہلے جو اذان کہتے تھے وہ نماز کے لیے نہ تھی بلکہ یہ بتانے کے لیے تھی کہ فجر کا وقت قریب آ رہا ہے، جو لوگ تہجد پڑھ رہے ہوں، وہ اب کچھ دیر آرام کر لیں تاکہ فجر کی نماز نشاط کے ساتھ ادا کریں، وتر نہیں پڑھے تو پڑھ لیں، سحری نہیں کھائی ہے تو کھالیں۔ سونے والے جاگ جائیں، ضروریات سے فارغ ہو لیں۔ نماز فجر کے لیے تیار ہو جائیں۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ صبح کاذب رات کا جز ہے۔ مقابلتاً یہ ثابت ہوا کہ صبح صادق دن کا جز ہے۔ نیز یہ ثابت ہوا کہ صبح کاذب کی سفیدی لمبائی میں ہوتی ہے، یعنی افق سے اوپر کی جانب اور صبح صادق جنوباً و شمالاً پھیلی ہوتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ صبح کاذب

کے نیچے اُفق تاریک ہوتا ہے اور صبح صادق اُفق کی جڑ سے اُبھرتی ہے اور بلند ہونے کے ساتھ ساتھ کنارہ اُفق پر پھیلتی ہے۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال اور حضرت ابن اُم مکتوم کی اذانوں کے مابین بہت زیادہ فصل نہیں ہوتا تھا۔

قال القاسم

حضرت قاسم عہد رسالت کے بعد ۲۹ھ میں پیدا ہوئے' اس لیے یہ روایت مرسل ہوئی۔

اقول: جمہور اور ہمارے نزدیک ثقہ کی مرسل حدیث حجت ہے۔ علاوہ ازیں نسائی کی جو روایت ہے' اس میں یہ ہے: ''قالت عائشة فلم يكن بين اذانيها الا ان ينزل هذا ويصعد هذا'' اس سے ثابت ہو گیا کہ یہاں بخاری میں ''قال القاسم'' کا مطلب یہ ہے: ''عن عائشة''۔

٤١٥- ح: بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ

[ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے]

٤١٥- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَآءَ.

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے' جو چاہے۔

(بخاری۔ باب: کم بین الاذان والاقامة ص ۸۷' باب: بین کل اذانین صلوٰة ص ۸۷' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔ کتاب التطوع' ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ' نسائی۔ کتاب الاذان' ابن ماجہ۔ کتاب الاقامۃ)

اس عموم سے نمازِ مغرب مستثنیٰ ہے' اس لیے کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین مغرب میں فرض سے پہلے نفل نہیں پڑھتے تھے' مگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد صحابہ تیزی سے مسجد کے ستونوں کی طرف بڑھتے' اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے تو وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہتے۔ دو رکعت مغرب کے فرض سے پہلے پڑھتے' اذان اور اقامت کے درمیان بہت مختصر فصل رہتا۔

٤١٦- ح: اِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَامَ

[جب مؤذن فجر کی پہلی اذان کہہ کر خاموش ہو جاتا' تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھڑے ہو جاتے]

٤١٦- اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بَعْدَ اَنْ يَّسْتَبِيْنَ الْفَجْرُ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب فجر کی پہلی اذان کہہ کے مؤذن چپ ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے' اور نمازِ فجر سے پہلے فجر کے ظاہر ہو جانے کے بعد دو رکعت مختصر پڑھتے' اس کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹتے' یہاں تک کہ اقامت کی اجازت لینے کے لیے مؤذن حاضر ہوتا۔

(بخاری۔ باب: من انتظر الاقامة ص ۸۷' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سنتیں گھر میں پڑھنی بہتر ہیں اور یہ کہ گھر میں رہ کر بھی نماز کا انتظار درست ہے' خواہ وہ امام ہو خواہ مقتدی' لیکن گھر پر انتظار کرنے میں اگر صف اوّل میں جگہ ملنا مشتبہ ہو تو مسجد میں آ کر انتظار کرے' جو شخص تہجد کا عادی ہو' وہ فجر کی سنت پڑھ کر کچھ دیر لیٹ لے تو بہتر ہے مگر گھر میں۔ مسجد میں غیر مقلدین کی طرح نہ لیٹے کہ نمازی بیٹھے اور اوراد میں مشغول ہوتے ہیں' سنتیں پڑھتے ہیں اور یہ ٹانگ پھیلا کر لیٹ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ قرآن مجید ہاتھ میں لیے تلاوت کر رہے ہوتے

ہیں اور یہ قرآن مجید کی طرف پاؤں کر کے پھیل جاتے ہیں۔

۴۱۷- ح: وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ

[اور تم میں جو (سب سے) بڑا ہو وہ امامت کرے]

۴۱۷- عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِي فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَّكَانَ رَحِيْمًا رَفِيْقًا فَلَمَّا رَاٰى شَوْقَنَا إِلٰى أَهْلِيْنَا قَالَ ارْجِعُوْا فَكُوْنُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَصَلُّوْا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر ہوا' بیس راتیں ہم وہاں حاضر رہے اور حضور بہت مہربان مشفق تھے' چنانچہ جب آپ نے اپنے اہل کی جانب ہمارے اشتیاق کو محسوس فرمایا تو ارشاد فرمایا: اب جاؤ! اور ان میں رہو اور انہیں تعلیم دو اور نماز پڑھتے رہنا جب نماز کا وقت آ جائے تو کوئی تم میں سے اذان کہے اور تم لوگوں میں جو سب سے بڑا ہو' وہ امامت کرے۔

(بخاری۔ باب: من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد ص ۸۷' باب: الاذان للمسافر ص ۸۸' باب: اثنان فما فوقھا جماعۃ ص ۹۰' باب: اذا استووا فی القراءۃ فلیؤمھم اکبرھم ص ۹۴' کتاب الجھاد۔ باب: سفر الاثنین ص ۳۹۹' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: رحمۃ الناس والبھائم ص ۸۸۸' کتاب الآحاد۔ باب اوّل۔ ص ۱۰۷۶' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

حضرت مالک بن الحویرث لیثی رضی اللہ عنہ بصرہ میں سکونت پذیر تھے' وہیں ۹۴ھ میں وصال فرمایا۔ یہ بھی ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کا زمانہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پایا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ زیارت بھی کی ہے۔

تکمیل

بخاری شریف کے متعدد ابواب میں اس حدیث کے اندر جو زیادتیاں ہیں' سب کو ملانے کے بعد یہ حدیث یوں ہے: حضرت مالک بن الحویرث کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور ہم سب جوان ہم عصر تھے' ہم وہاں بیس دن اور بیس رات رہے اور حضور بہت مہربان مشفق تھے' ہمیں اپنے اہل کا اشتیاق ہوا' جب حضور نے یہ محسوس فرمایا تو ہم سے پوچھا: اپنے گھر کس کو چھوڑا ہے؟ ہم نے بتایا' تو فرمایا: اپنے اہل میں جاؤ! اور انہیں میں رہو اور انہیں حکم دو۔ حضور نے کچھ باتیں بیان فرمائی تھیں جنہیں میں بھول گیا' جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے' ویسے ہی نماز پڑھنا اور انہیں تعلیم دو اور فلاں وقت فلاں نماز پڑھو اور فلاں وقت فلاں نماز۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو کوئی اذان کہے اور جو تم میں زیادہ عمر کا ہو' وہ امامت کرے۔ یہ سب لوگ علم میں مساوی تھے۔ اس لیے کہ ساتھ ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ واپس ہوئے' اس لیے کہ امامت کے لیے زیادہ عمر والے کو ترجیح کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امامت اذان سے افضل ہے۔

مطابقت

یہاں باب تھا: جس نے یہ کہا کہ سفر میں ایک مؤذن اذان دے۔ اس سے مطابقت یوں ہوئی کہ انہیں رخصت فرماتے ہوئے فرمایا: جب نماز کا وقت آ جائے تو کوئی اذان کہے۔ رخصتی کے بعد یہ حکم نافذ ہو گیا' اس لیے راستے کے لیے بھی یہی حکم ہو گیا اور جب تک گھر نہیں پہنچیں گے' مسافر رہیں گے تو ثابت ہوا کہ مسافر بھی اذان کہے۔

۴۱۸- ح: إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا

[جب تم دونوں نکلو تو اذان دو]

۴۱۸- عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَى رَجُلَانِ

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدَانِ السَّفَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَاَذِّنَا ثُمَّ اَقِيْمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا.

کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ سفر کا ارادہ رکھتے تھے تو ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم دونوں نکلو تو اذان دو پھر اقامت کہو اور تم میں جو زیادہ عمر کا ہو وہ امامت کرے۔

(بخاری۔ باب: الاذان للمسافر ص ۸۸)

یہ حدیث حقیقت میں پہلی والی ہی ہے، ان دو شخصوں سے مراد مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی ہیں، جیسا کہ کتاب الجہاد میں ہے، مگر بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو شخص ان کے علاوہ تھے، اس لیے ہم نے اسے مع متن کے لکھا۔ ''اذنا''، ''اقیما'' تثنیہ کا صیغہ ہے، مگر مراد یہ ہے کہ تم دونوں میں سے ایک اذان کہے اور اقامت کہے۔ یہ مراد نہیں کہ تم دونوں ساتھ ساتھ یا باری باری اذان و اقامت کہو، اس لیے کہ ایک اذان و اقامت پوری جماعت کے لیے کافی ہے۔

۴۱۹- ح: صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ

[اپنے پڑاؤ میں نماز پڑھ لو]

۴۱۹- حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ قَالَ اَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ ثُمَّ قَالَ صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَاَخْبَرَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْلُ عَلٰى اِثْرِهٖ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ اَوِ الْمَطِيْرَةِ فِي السَّفَرِ.

نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ضجنان میں جاڑے کی حالت میں اذان دی، پھر کہا: تم لوگ اپنے پڑاؤ میں نماز پڑھ لو اور ہمیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کسی مؤذن کو اذان کا حکم دیتے، پھر فرماتے: پڑاؤ میں نماز پڑھو، جاڑے یا بارش کی رات میں سفر کی حالت میں۔

(بخاری۔ باب: الاذان للمسافر ص ۸۸، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

ضجنان

مکہ معظمہ سے پچیس میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سنت یہی ہے کہ کلماتِ اذان میں کچھ داخل نہ کیا جائے۔ بعد میں ''صلوا فی الرحال'' پکارا جائے۔ ''فی السفر'' کی قید واقعی ہے احترازی نہیں، سخت جاڑا، بارش، کیچڑ ہو تو آبادی میں اور مقیم ہوتے ہوئے بھی مسجد میں حاضری اور جماعت معاف ہے۔

اثباتِ باب

یہاں باب ہے: مسافر کے لیے اذان و اقامت جب جماعت ہو۔ ایسے ہی عرفہ اور جمع یعنی مزدلفہ میں بھی، اور بارش اور سردی کی رات میں مؤذن کا یہ کہنا کہ اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لو۔ جتنی حدیثیں اس باب میں مذکور ہیں، ان میں عرفہ اور مزدلفہ کا ذکر نہیں، یعنی کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ عرفہ اور مزدلفہ میں بھی اذان و اقامت سے نماز پڑھو، مگر چونکہ عرفات اور مزدلفہ میں حجاج حالت سفر ہی میں رہتے ہیں اور مطلق سفر میں اذان و اقامت ثابت ہے تو ان دونوں جگہوں میں بھی ثابت۔

ت۱۳۵- وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ اَنَّهٗ جَعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ

حضرت بلال کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی انگلیاں کانوں میں کر لیتے تھے۔

اس تعلیق کو ابن ماجہ اور طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ت۱۳۶- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں نہیں کرتے تھے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔نُسیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو دیکھا کہ اپنے اونٹ پر بیٹھے اذان دے رہے تھے۔سفیان نے پوچھا: وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالے تھے یا نہیں؟ تو نسیر نے کہا: نہیں! مگر جب حضور اقدس ﷺ کے حضور حضرت بلال نے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان کہی تو یہی سنت ہوئی۔ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اس لیے کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالیں کہ ان کے ہاتھ میں اونٹ کی نکیل رہی ہو۔

ت ۱۳۷- قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لَا بَأْسَ اَنْ یُّؤَذِّنَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ. ابراہیم نخعی نے فرمایا: بغیر وضو اذان دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اس اثر کو بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، ہمارے نزدیک بغیر وضو اذان دینا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی بغیر وضو اذان دے دے تو اذان ہو جائے گی۔

ت ۱۳۸- وَقَالَ عَطَاءٌ اَلْوُضُوْءُ حَقٌّ وَّسُنَّةٌ. اور امام عطاء نے کہا کہ وضوء ثابت ہے اور سنت ہے۔

اس تعلیق کو عبد الرزاق نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: عطاء نے کہا کہ یہ ثابت اور سنت ہے کہ مؤذن باوضو ہی اذان دے۔یہ نماز سے ہے، یہ نماز کا فاتح ہے۔ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت عطاء ہی کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ بغیر وضو اذان دینے کو مکروہ جانتے تھے۔اور یہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: باوضو شخص ہی اذان دے۔

ت ۱۳۹- قَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ اَحْیَانِهٖ. اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

(بخاری۔باب: هل یتتبع المؤذن فاه هٰهنا و هٰهنا ص ۸۸، مسلم۔ج ا۔کتاب الطهارة۔باب: ذکر الله فی حال الجنابة وغیرها ص ۱۶۲)

مناسبت باب

یہاں باب یہ ہے: کیا مؤذن اپنا منہ اِدھر اُدھر پھیرے؟ کیا اِدھر اُدھر دیکھ سکتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ ان چاروں تعلیقات کو باب سے کوئی تعلق نہیں، قصہ صرف یہ ہے کہ اذان کے سلسلے میں چار باتوں میں اختلاف ہے (۱) مؤذن اپنی انگلیاں کانوں میں کرے گا یا نہیں؟ (۲) حیعلتین کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرے گا یا نہیں؟ (۳) اذان میں اِدھر اُدھر دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۴) بلاوضو اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ ان چاروں باتوں میں سے صرف ایک کا عنوان قائم کیا اور بیان چاروں کو کر دیا۔امام بخاری کا مسلک کیا ہے؟ وہ معلوم نہیں ہوسکتا۔ہمارا مذہب یہ ہے کہ صرف حیعلتین کے وقت دائیں بائیں منہ کرے، بقیہ اوقات میں نہیں۔کانوں میں انگلیاں دے کر اذان کہے اور باوضو کہے۔

۴۲۰- ح: اَنَّهٗ رَاٰى بِلَالًا یُؤَذِّنُ [انہوں نے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو اذان کہتے ہوئے دیکھا]

۴۲۰- عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ رَاٰى بِلَالًا یُؤَذِّنُ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا بِالْاَذَانِ. حضرت ابو جحیفہ نے کہا کہ انہوں نے حضرت بلال کو اذان کہتے ہوئے دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں بھی ان کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر منہ کرنے لگا۔

(بخاری۔باب: هل یتتبع المؤذن فاه هٰهنا وهٰهنا ص ۸۸)

ت ۱۴۰- وَكَرِهَ ابْنُ سِیْرِیْنَ اَنْ یَّقُوْلَ فَاتَتْنَا الصَّلٰوةُ ابن سیرین اس کو مکروہ جانتے تھے کہ کوئی یہ کہے: ہماری نماز

وَلْيَقُلْ لَمْ نُدْرِكْ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ. (بخاری۔باب:قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ ص:٨٨)

فوت ہو گئی' یہ کہے: ہم نے نہیں پائی اور نبی ﷺ کا ارشاد صحیح ہے۔

٤٢١- ح: إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ

[جب نماز کے لیے آؤ تو اطمینان اور سکون کے ساتھ آؤ]

٤٢١- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ مَا شَأْنُكُمْ قَالُوا اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور نے کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنی' جب آپ نماز پڑھ چکے تو دریافت فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نماز کے لیے ہم نے جلدی کی' فرمایا: ایسا مت کرو! جب نماز کے لیے آؤ تو اطمینان وسکون کے ساتھ آؤ' امام کے ساتھ جتنی پاؤ پڑھو اور جو فوت ہو جائے اسے بعد میں پوری کرو۔

(بخاری۔باب:قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ ص٨٨' مسلم۔کتاب الصلوٰۃ)

٤٢٢- ح: فَامْشُوا إِلَى الصَّلٰوةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ

[نماز کے لیے سکون اور وقار کے ساتھ چلو]

٤٢٢- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلٰوةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب اقامت سنو تو نماز کے لیے سکون ووقار کے ساتھ چلو' دوڑو مت' جو امام کے ساتھ پا جاؤ' اسے امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے' اسے بعد میں پوری کرو۔

(بخاری۔باب:ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا ص٨٨' کتاب الجمعۃ۔باب:باب المشی الی الجمعۃ ص ١٢٤' مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب الجمعۃ' ابن ماجہ۔ کتاب المساجد)

یہاں ایک اختلاف یہ ہے کہ مسبوق نے امام کے ساتھ جو نماز پڑھی ہے' یہ مسبوق کی ابتدائی نماز ہے یا انتہائی۔ امام شافعی وغیرہ کا قول ہے کہ یہ اس کی ابتدائی نماز ہے۔ احناف اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ انتہائی ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا استدلال اس حدیث کے ارشاد "فاتموا" سے ہے' اس لیے کہ اتمام کو لازم ہے کسی چیز کی سابقیت جو ناقص رہ گئی ہو' جسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ ہمارا استدلال اسی حدیث کے دوسرے طرق میں وارد لفظ "فاقضوا" سے ہے جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔ نیز مسلم[1] میں بھی یہ ہے: "واقض ما سبقك"۔ نیز ابوداؤد[2] میں بھی ہے۔ نیز بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا' اور قضا چاہتا ہے فوت کو' تو اس ارشاد کی صحت کے لیے لازم ہے کہ مسبوق کو جتنی نماز امام کے ساتھ نہیں ملی' وہ فوت ہو گئی۔ اس کی نماز اس وقت سے شروع ہوئی ہے' جس وقت وہ امام کے ساتھ شریک ہوا ہے' اس لیے مسبوق کی ابتدائی نماز وہ ہوئی جو اس نے امام کے ساتھ پائی۔ اور امام کے سلام کے بعد جو پڑھے گا وہ اخیر اور انتہائی نماز ہو گی۔ "ما فاتكم" نے بتا دیا ہے کہ اسے جو نماز نہیں ملی ہے' وہ فوت ہو گئی تو امام کی

[1] مسلم۔ ج١ ص٢٢٠۔ باب: استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار وسکینۃ

[2] ابوداؤد۔ ج١ ص٨٤-٨٥۔ باب: السعی الی الصلوٰۃ

فراغت کے بعد اسے جو پڑھنی ہے وہ بھی فوت شدہ پڑھنی ہے اور وہ ابتدائی نماز ہے اور "فاتموا" کا جواب یہ ہے: اسی روایت کے لفظ "ما فاتکم" سے ثابت کہ اس کی نماز کا وہ حصہ جو اسے نہیں ملا فوت ہو گیا ہے اس لیے نماز ناقص ہے اسے قضا پڑھ کر نماز پوری کر لو۔

۴۲۳- ح: فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِی

[تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو]

۴۲۳- عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِی قَتَادَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِی وَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَۃُ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اقامت کہی جائے تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جاؤ جب تک مجھے دیکھ نہ لو کہ (میں حجرے سے باہر آ گیا ہوں) اور سکون کے ساتھ رہو۔

(بخاری۔ باب: لا تقوموا الی الصلوٰۃ مستعجلا ص ۸۹ کتاب الجمعہ۔ باب: المشی الی الجمعۃ ص ۱۲۴ مسلم۔ کتاب المساجد ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ نسائی۔ کتاب الاذان۔ کتاب الامامۃ دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ مسند امام احمد۔ ج ۵)

جب صحابہ کرام نماز کے لیے جمع ہو جاتے اور جماعت کا وقت ہو جاتا تو حضرت بلال اجازت لے کر اقامت شروع کر دیتے۔ ابتداء میں صحابہ کرام شروع اقامت ہی سے کھڑے ہو جاتے اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ دیکھ نہ لو کہ میں حجرے مبارکہ سے باہر آ گیا ہوں کھڑے نہ ہوا کرو اگرچہ اقامت ختم ہو جائے۔ اسی بناء پر علماء نے فرمایا کہ اگر اقامت کے وقت امام مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں اگرچہ اقامت پوری ہو جائے۔ اور جب امام و مقتدی مسجد ہی میں ہوں تو اقامت کے وقت سب بیٹھے رہیں۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ تک پہنچے تو کھڑے ہونا شروع کریں۔ حی علی الفلاح پر سیدھے کھڑے ہو جائیں کھڑے ہو کر اقامت سننا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات عالمگیری شامی میں ہے۔

دیوبندیوں کا عناد

دیوبندی عوام و خواص علماء جہلاء بھی اہل سنت و جماعت کے ساتھ عناد کی وجہ سے کھڑے ہو کر اقامت سنتے ہیں جبکہ حنفی ہونے کے مدعی بھی ہیں یہاں تک کہ قریب قریب یہ مسئلہ اہل سنت کے شعار کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

۴۲۴- ح: اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ حَتّٰی نَامَ الْقَوْمُ

[اقامت کہی جا چکی تھی آپ نماز کے لیے اس وقت کھڑے ہوئے جب لوگ سو گئے]

۴۲۴- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُنَاجِیْ رَجُلًا فِیْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَمَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ حَتّٰی نَامَ الْقَوْمُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اقامت کہی جا چکی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص سے مسجد کے کنارے سرگوشی کرتے رہے نماز کے لیے اس وقت کھڑے ہوئے جب لوگ سو گئے۔

(بخاری۔ باب: الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة وباب الكلام اذا اقيمت الصلوٰة ص ۸۹ ج ۲۔ کتاب الاستیذان۔ باب: طول النجوی ص ۹۳۱ مسلم۔ کتاب الحیض مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۲۰ ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ نسائی۔ کتاب الامامۃ)

علامہ ابن حجر نے فرمایا: اس کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ ہو سکتا ہے یہ شخص اپنی قوم کا رئیس رہا ہو حضور نے ان کی تالیف قلب کے لیے دیر تک سرگوشی فرمائی۔ علامہ عینی نے فرمایا: ہو سکتا ہے فرشتہ رہا ہو۔

اقول: ہو سکتا ہے وہ شخص کوئی اہم بات بتا رہا ہو جس کی تحقیق و تفتیش کے لیے سوالات و جوابات نیز آئندہ کے لیے ہدایات دیئے

میں تاخیر ہوگئی ہو۔ اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ کسی اہم دینی وقومی کام میں مجمع عام میں بھی کسی خاص آدمی سے سرگوشی کی جاسکتی ہے۔

ت ۱۴۱- وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ مَنَعَتْهُ اُمُّهٗ عَنِ الْعِشَآءِ فِی الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَّمْ يُطِعْهَا.

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا: اگر عشاء کی جماعت سے شفقت کی وجہ سے اسے اس کی ماں روکے تو ماں کی یہ بات نہ مانے۔

۴۲۵- ح: اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ

[میں کچھ لوگوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں]

۴۲۵- عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں' پھر نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں' پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ امامت کرے' اس کے بعد انہیں چھوڑ کر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں اور ان کے گھروں کو جلاڈالوں' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! یہ لوگ اگر یہ جانتے کہ فربہ ہڈی اور عمدہ گوشت بھری ہڈیاں پائیں گے تو ضرور عشاء میں شریک ہوتے۔

(بخاری۔ باب: وجوب الجماعۃ ص۸۹' کتاب الخصومات۔ باب: اخراج اھل المعاصی والخصوم من البیوت ص۳۲۶' ج۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: اخراج الخصوم واھل الریب من البیوت ص۱۰۷۲' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

الی رجال

دوسری روایتوں میں ہے: پھر میں ان کو جو بلا کسی سبب کے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں جلادوں[1] اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی اقامت کہلاتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ ان کے گھروں کو جلادیں[2] اس سے ثابت ہوا کہ جماعت سے نماز واجب ہے اور بلا عذر جماعت چھوڑنا گناہ ہے' اور جو جماعت چھوڑنے کا عادی ہو' وہ فاسق معلن ہے۔

ت ۱۴۲- وَكَانَ الْاَسْوَدُ اِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ اِلٰى مَسْجِدٍ اٰخَرَ.

(بخاری۔ باب: فضل صلوۃ الجماعۃ ص۸۹' ابن ابی شیبہ)

اور اسود رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت جب چھوٹ جاتی تو دوسری مسجد میں جاتے۔

ت ۱۴۳- وَجَاءَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اِلٰى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّیَ فِيْهِ فَاَذَّنَ وَاَقَامَ وَصَلّٰى جَمَاعَةً. (ایضا)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جس میں نماز ہوچکی تھی تو انہوں نے اذان اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔

اپنی مسجد میں جماعت چھوٹ جائے تو دوسری مسجد میں جماعت کے لیے جانا ضروری نہیں' چاہے تو جائے' یہ بہتر ہے مگر مسجد حرام'

[1] ابوداؤد' ج۱' ص۸۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: التشدید فی ترک الجماعۃ [2] مسند امام احمد

مسجد نبوی سے نہ جائے اسی طرح بیت المقدس سے۔ اس لیے کہ ان مساجد میں جو ثواب ہے وہ دوسری مساجد میں نہیں، جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو اس میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز باجماعت اس وقت جائز ہے جبکہ وہ بازار یا عام گزرگاہ کی مسجد ہو، جس میں کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہو، جس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں، اس میں ہیئت اولیٰ پر جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ ہیئت اولیٰ بدل کر بلاکراہت درست ہے۔ محراب سے ہٹنے کے بعد ہیئت اولیٰ بدل جاتی ہے۔ (ردالمحتار، عالمگیری وغیرہ)

۴۲۶- ح: صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً

[نماز باجماعت اکیلے نماز پڑھنے پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے]

۴۲۶- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز باجماعت اکیلے نماز پڑھنے پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔

(بخاری۔ باب: فضل صلوٰۃ الجماعۃ ص۸۹، مسلم، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۲۷- ح: صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً

[نماز باجماعت تنہا کی نماز پر پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے]

۴۲۷- عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز باجماعت تنہا کی نماز پر پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔

(بخاری۔ باب: فضل صلوٰۃ الجماعۃ ص۸۹)

حدیث: ۳۴۰ کے ضمن میں ہم بتا آئے کہ یہ پچیس، ستائیس، یا پچاس درجے کا فرق نمازی کے اخلاص، حضورِ قلب، خشوع و خضوع کی بناء پر ہے۔

۴۲۸- ح: اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا

[سوائے اس کے کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ لیتے تھے]

۴۲۸- سَمِعْتُ سَالِمًا قَالَ سَمِعْتُ اُمَّ الدَّرْدَاءِ تَقُوْلُ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا.

سالم نے کہا: میں نے اُم الدرداء سے سنا، وہ کہہ رہی تھیں کہ میرے پاس حضرت ابوالدرداء آئے اور وہ غضب ناک تھے، میں نے پوچھا۔ غصے کا کیا سبب ہے؟ تو فرمایا: اللہ کی قسم! میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی کوئی بات اب نہیں دیکھتا سوائے اس کے کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

(باب: فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ ص۹۰)

اُم الدرداء سے مراد اُم الدرداء صغریٰ ہیں جن کا نام جُہیمہ ہے۔ یہ تابعیہ ہیں، اُم الدرداء کبریٰ جن کا نام خیرہ ہے وہ مراد نہیں۔ اس لیے کہ سالم بن ابی الجعد راوی کی ان سے ملاقات نہیں۔ اُم الدرداء کبریٰ، حضرت ابوالدرداء کی حیات ہی میں وفات پا چکی تھیں۔

من امر

اکثر نسخوں میں ''امر'' کی جگہ ''امۃ'' ہے۔ اسماعیلی اور ابونعیم کی روایت میں ''ما اعرف'' کے بعد ''فیھم'' کا اضافہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس شہر کے لوگوں میں اس سے مراد دمشق ہے جہاں حضرت ابوالدرداء رہتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ دین کی جو پابندی اور لحاظ عہد نبوی میں اور شیخین کے زمانے میں تھا' وہ اب اس درجہ باقی نہ رہا۔

حضرت ابوالدرداء کا وصال حضرت عثمان غنی کے عہد میں ۳۲ھ میں ہوا۔

۴۲۹- ح: اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشًی

[نماز کا سب سے زیادہ ثواب' سب سے زیادہ دور والے کو ہے]

۴۲۹- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشًی وَّالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِّنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ۔ (بخاری۔ باب: فضل صلٰوۃ الفجر فی جماعۃ ص۹۰' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کا سب سے زیادہ ثواب اسے ہے جو مسجد سے سب سے زیادہ دور ہو' پھر اس کا جو اس سے بھی زیادہ دور ہو' اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے' اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز یا کسی کار خیر کے لیے چلنا بھی باعث ثواب ہے' اسی وجہ سے مسجد جتنی زیادہ دور ہو گی' اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔ امام کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے' بہ نسبت تنہا پڑھنے کے۔

مطابقت باب

یہاں باب ہے: فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت۔ اس حدیث کی باب سے مطابقت' حدیث کے عموم سے ہے۔

۴۳۰- ح: اَلشُّھَدَآءُ خَمْسَۃٌ

[شہید پانچ (قسم کے) ہیں]

۴۳۰- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِطَرِیْقٍ وَّجَدَ غُصْنَ شَوْکٍ عَلَی الطَّرِیْقِ فَاَخَّرَہٗ فَشَکَرَ اللّٰہُ لَہٗ فَغَفَرَ لَہٗ ثُمَّ قَالَ اَلشُّھَدَآءُ خَمْسَۃٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِیْقُ وَصَاحِبُ الْھَدْمِ وَالشَّھِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص راستے پر چل رہا تھا کہ کانٹے کی شاخ راستے پر پائی تو اسے ہٹا دیا' اللہ نے اسے قبول فرما لیا اور اسے بخش دیا' پھر فرمایا: شہید پانچ ہیں' طاعون میں مرنے والا اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا اور ڈوب کر مرنے والا اور کہیں دب کر مرنے والا اور راہِ اللہ میں شہید۔

(بخاری۔ باب: فضل التھجیر الی الظھر ص۹۰' ج۱۔ کتاب الجہاد۔ باب: الشھادۃ سبع ص۳۹۷' مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ کتاب البر' ابوداؤد۔ کتاب الادب' ترمذی۔ کتاب البر۔ موطا امام مالک۔ کتاب الجماعۃ' مسند امام احمد)

بینما

یہ اصل میں ''بَیْنَ'' تھا' اشباع کے لیے الف کا اضافہ کیا' پھر میم زائد کی گئی' اس طرح ''بینما'' ہو گیا' کبھی بغیر میم کے ''بینا'' بھی آتا ہے' یہ ظرف زمان ہے' جو مفاجاۃ کے لیے آتا ہے۔

والشهداء

یہ شہید کی جمع ہے اس کا مصدر شہادۃ ہے جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں یہ یا تو مشہود کے معنی میں ہے۔ اس بناء پر کہ اس کی موت کے وقت مخصوص ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں یا اس وجہ سے کہ اس کے لیے جنت کی گواہی دی جاتی ہے یا شاہد کے معنی میں ہے اس لیے کہ یہ زندہ ہے اور بارگاہِ قدس میں حاضر ہے یا اس بناء پر کہ اس کے لیے اللہ عزوجل نے جو مدارج مہیا فرمائے تھے وہاں پہنچ گیا۔

خمس

اس روایت میں پانچ کی تعداد ہے موطا امام مالک[1] اور ابوداؤد نسائی طبرانی ابن حبان کی حدیث میں "شہید فی سبیل اللہ" کے علاوہ سات کی تعداد ہے چار یہ:

نمونیے میں فوت ہونے والا جل کر فوت ہونے والا جو عورت بچے کی پیدائش میں فوت ہو۔ ابن ماجہ[2] میں مسافرت میں فوت ہونے والے کا اضافہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں ہے: وہ عاشق جو پاک دامن رہا اور چھپائے رکھا اور اسی میں مرگیا وہ بھی شہید ہے[3] مسند امام احمد[4] میں چوپائے سے گر کر مرنے والے کو بھی شہید فرمایا۔ علاوہ ازیں ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا: شریق (پانی وغیرہ پیتے وقت گلے میں کوئی چیز پھنس جانے سے جو مرجائے) اور جسے درندے نے پھاڑ ڈالا ہو وہ بھی شہید ہے یہ کل چودہ ہوئے مگر اس میں بھی حصر نہیں۔ بہارِ شریعت میں حضرت صدر الشریعۃ قدس سرہٗ نے چھتیس گنایا مگر یہ بھی حصر کے لیے نہیں۔ مشہور حدیث ہے:

من قتل دون ماله فهو شهيد. جو مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المظالم۔ باب: من قتل دون ماله ص ۳۳۷ مسلم۔ کتاب الایمان ابوداؤد۔ کتاب السنۃ ترمذی۔ کتاب الدیات نسائی۔ کتاب التحریم ابن ماجہ۔ کتاب الحدود مسند امام احمد)

من قتل دون اهله او دون دمه فهو شهيد من قتل دون دينه فهو شهيد. جو اپنے اہل کو یا خون کو بچانے کے لیے مارا جائے وہ شہید ہے جو اپنا دین بچانے کے لیے مارا جائے وہ شہید ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب السنۃ۔ باب: فی قتال اللصوص ص ۳۰۲ ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الدیات۔ باب: من قتل دون ماله فهو شهيد ص ۱۷۰)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ علامہ اجہوری مالکی نے ساٹھ تک پہنچایا ہے۔

شہداء کے سلسلے میں جو احادیث وارد ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو کسی وبائی بیماری سے مرے جو کسی حادثے کی وجہ سے مرے جو سخت اذیت ناک بیماری سے مرے جو اپنی یا کسی مسلمان کی جان مال آبرو بچانے میں مرے وہ شہید ہے۔

المبطون

صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد پیٹ کی ہر بیماری ہے خواہ وہ استسقا ہو اسہال ہو یا قبض شدید یا درد شدید ہو۔

---

[1] موطا امام مالک۔ کتاب الجنائز۔ باب: النهي عن البكاء على الميت ص ۸۸ ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۸۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: في فضل من مات في الطاعون نسائی۔ ج ا ص ۲۶۱۔ کتاب الجنائز۔ باب: النهي عن البكاء على الميت

[2] ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: فيمن مات غريبا ص ۱۱۷ [3] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۷۱ [4] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۴۴۱

شہید کا حکم

بہ اعتبار احکام شہید کی دو قسمیں ہیں: اوّل شہید فقہی' یہ وہ شہید ہے جسے جنگ کے موقع پر کافروں نے مار ڈالا ہو' یا میدانِ جنگ میں مردہ ملا اور اس کے جسم پر زخم ہو' یا اسے مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا ہو اور اس کے قتل سے قصاص یا دیت واجب نہ ہو' اسے بغیر غسل دیئے ہوئے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا۔ دوسرے شہید غیر فقہی' مذکورہ بالا شہداء کے علاوہ بقیہ تمام شہداء کو غسل دینا فرض ہے' ان کے شہید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں شہداء کے مثل ثواب ملے گا۔

مطابقت باب

یہاں باب ہے: ظہر کی نماز کے لیے جلد جانے کی فضیلت کا بیان۔ مذکورہ متن کے آگے وہ حصہ ہے جو حدیث: ۴۰۸ میں ہے' جس کے اخیر میں ہے: اگر لوگ جانتے کہ اوّل وقت نماز کے لیے جانے میں کیا ثواب ہے تو لوگ سبقت کرتے۔

غالباً امام بخاری نے تہجیر کے معنی زوال کے فوراً بعد جانے کے سمجھ رکھا تھا' اس لیے اسے اس باب میں بھی لائے۔ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ ہاجرہ سے مشتق ہے جس کے معنی زوال کے بعد کا وقت ہے' یہ دو وجہ سے صحیح نہیں۔ اوّلاً ہروی نے کہا کہ تہجیر کے معنی تبکیر ہے' یعنی اوّل وقت جانا' یا آنا۔ دوپہر کے وقت کی تخصیص نہیں' دوسرے ہم پہلے بتا آئے کہ ہاجرہ کے معنی تیز گرمی کے ہیں' اس لحاظ سے یہ دوپہر سے لے کر عصر تک پر صادق آتا ہے۔ امام بخاری نے تہجیر کے جو معنی سمجھے ہیں' اس سے مطابقت ظاہر ہے۔ اور معنی صحیح کے لحاظ سے مطابقت اس کی دلالت عام سے ہے' مگر اس حکم عام سے گرمیوں کی ظہر اور عصر' عشاء' فجر دوسری احادیث سے خاص ہے۔

۴۳۱- ح: اِنَّ بَنِیْ سَلِمَةَ اَرَادُوْا اَنْ یَّتَحَوَّلُوْا عَنْ مَّنَازِلِهِمْ

[بنی سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے محلّہ سے منتقل ہو جائیں گے]

۴۳۱- حَدَّثَنِیْ اَنَسٌ اَنَّ بَنِیْ سَلِمَةَ اَرَادُوْا اَنْ یَّتَحَوَّلُوْا عَنْ مَّنَازِلِهِمْ فَیَنْزِلُوْا قَرِیْبًا مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَکَرِهَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّعْرُوا الْمَدِیْنَةَ فَقَالَ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَکُمْ قَالَ مُجَاهِدٌ خُطَاهُمْ اٰثَارُ الْمَشْیِ فِی الْاَرْضِ بِاَرْجُلِهِمْ۔

حمید نے کہا: مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بنی سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے محلہ سے منتقل ہو جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہیں۔ حضرت انس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مدینہ کو کھلا ہوا چھوڑ دیں' اس لیے فرمایا: کیا چل کر آنے کو ثواب نہیں سمجھتے۔ امام مجاہد نے فرمایا: "خطاهم" کے معنی وہ نشانات ہیں جو زمین پر پیدل چلنے سے پڑتے ہیں۔

(بخاری۔ باب: احتساب الآثار ص ۹۰' ج ا۔ فضائل المدینہ۔ باب: کراھیۃ ان یعری المدینۃ ص ۲۵۲' مسلم' ابن ماجہ۔ کتاب المساجد' مسند امام احمد ج ۳)

تکمیل

مسلم[1] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ مسجد نبوی کے اردگرد کچھ زمینیں خالی ہوئیں تو بنو سلمہ نے چاہا کہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں۔ اس کی اطلاع جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو ان سے دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا: ہمارے گھر مسجد

[1] مسلم۔ کتاب المساجد۔ باب: فضل الصلوۃ المکتوبۃ فی الجماعۃ ص ۲۳۵

سے دور ہیں؛ ہم نے یہ چاہا کہ انہیں بیچ کر مسجد کے قریب آ جائیں تو حضور نے فرمایا: تمہارے لیے ہر قدم پر ایک درجہ ہے۔ ابن ماجہ[1] میں ہے کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ'' (یٰس:۱۲) جو پہلے کر چکے اور ان کے نشانِ قدم ہم لکھ رہے ہیں۔ مسند السراج میں ہے کہ ان کے گھر ''سلع'' کے پاس تھے۔ سلع، مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

(عمدۃ القاری۔ ج۵ ص ۱۷۳)

مسائل

صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ نماز کے لیے چلنے پر ہر قدم پر نیکی ہے۔ اور لزوماً یہ ثابت ہوا کہ کسی بھی کارِ خیر کے لیے چلنے میں بھی یہی فضیلت ہے۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور کی مسجد میں بہ نسبت قریب کے زیادہ ثواب ہے؛ مگر پڑوسی کا حق مقدم ہے۔ اس لحاظ سے قریب کی مسجد میں نماز افضل ہے؛ خصوصاً جب کہ مسجد کے ویران ہونے کا اندیشہ ہو؛ مسجد کو ویران کرنا ممنوع ہے۔

قال مجاهد

آیہ کریمہ ''وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ'' (یٰس:۱۲) میں ''آثارھم'' کی تفسیر میں امام مجاہد نے فرمایا: ''خُطَاهُمْ'' یعنی ان کے قدم کے نشانات۔

۴۳۲- ح: صَلٰوةٌ اَثْقَلُ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ

[منافقین پر سب سے زیادہ بھاری نماز ہے]

۴۳۲- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَآءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيْمَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اٰخُذَ شُعَلًا مِّنْ نَارٍ فَاُحَرِّقَ عَلٰى مَنْ لَّا يَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ بَعْدُ.

(بخاری: باب: فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعۃ ص ۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافقین پر فجر اور عشاء سے زیادہ اور کوئی نماز بھاری نہیں، اگر وہ یہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا ثواب ہے تو ان دونوں میں ضرور آتے؛ اگرچہ گھسٹتے ہوئے۔ میں نے ارادہ فرمایا ہے کہ مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دوں؛ پھر کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے؛ پھر آگ کے انگارے لے کر ان لوگوں کو جلا ڈالوں جو اس وقت تک نماز کے لیے گھر سے نہیں نکلے۔

حدیث: ۴۲۵ میں یہ تہدید عام ہے اور یہاں خاص منافقین کے لیے ہے؛ ہوسکتا ہے کہ یہ ارشاد کسی ایسے موقع کا ہو جس میں منافقین غیر حاضر رہے ہوں۔ واقعہ یہی تھا کہ یہ دونوں نمازیں منافقین پر شاق تھیں؛ اس وجہ سے وہ غائب رہتے۔ ہوسکتا ہے انہیں دیکھ کر بعض مخلصین مؤمنین میں بھی کچھ سستی ملاحظہ فرمائی ہو تو زجر و توبیخ کے لیے یہ فرمایا ہو۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ حدیث: ۴۲۵ میں بھی روئے سخن منافقین ہی کے لیے ہو؛ جیسا کہ ''لو يعلم احدهم انه يجد عرقا سمينا الخ'' سے اس طرف خیال جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۳۳- ح: سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ

[اللہ تعالیٰ سات لوگوں کو اپنے سایہ میں رکھے گا]

۴۳۳- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَاَ فِىْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: سات آدمیوں کو اللہ عزوجل اس دن اپنے سائے میں رکھے گا، جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، انصاف

[1] ابن ماجہ۔ کتاب المساجد۔ باب: الابعد فالابعد من المسجد ص ۵۷

قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَآءً حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.

کرنے والا سلطان اور وہ جوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں بچپن سے جوان ہوا' اور وہ شخص جس کا دل مساجد میں لگا رہتا ہے' اور وہ دو شخص جنہوں نے آپس میں اللہ کے لیے محبت کی' اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے اور وہ شخص جسے کسی معزز خوبصورت عورت نے بلایا تو اس نے کہہ دیا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں' اور وہ شخص جس نے پوشیدہ صدقہ کیا' یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کی یاد کی تو اس کی آنکھیں بہہ گئیں۔

(بخاری۔ باب: من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ ص۹۱' ج۱۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الصدقة بالیمین ص۱۹۱' ج۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: البکاء من خشیة اللّٰہ ص۹۵۹' کتاب المحاربین۔ باب: فضل من ترك الفواحش ص۱۰۰۵' مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ' ترمذی۔ کتاب الزہد' نسائی۔ کتاب القضاء۔ کتاب الرقاق)

سبعة

سات ہی کی تخصیص نہیں' مفہوم عدد معتبر نہیں' اس لیے کہیں بھی عدد کا ذکر حصر کا افادہ نہیں کرتا' جب تک حصر پر قرینہ نہ ہو۔ مسلم[1] میں حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من انظر معسرا او وضع له اظله اللّٰه فی ظله.

جو کسی تنگ دست مقروض کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے' اسے اللہ اپنے سایہ میں رکھے گا (جب اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا)۔

یوم لا ظل

اس سے مراد قیامت کا دن ہے' جیسا کہ ظاہر ہے' نیز کتاب الحدود میں حضرت عبداللہ بن مبارک' تلمیذ حضرت امام اعظم واستاذ الاستاذ امام بخاری سے جو روایت ہے' اس میں اس کی تصریح ہے۔ سایہ صرف جسم کثیف کا پڑتا ہے' اللہ عزوجل کثافت اور جسم سے منزہ ہے اس لیے علماء نے اس کی تاویلیں کی ہیں' یہ اضافت اظہارِ عظمت وشرافت کے لیے ہے' جیسے بیت اللہ۔ مراد عرش کا سایہ ہے' جیسا کہ سعید بن منصور نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

سبعة یظلهم اللّٰه فی ظل عرشه.

سات اشخاص کو اللہ عزوجل اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا۔

یا جیسا کہ دعاء طواف میں ہے:

اللّٰهم اظلنی تحت ظل عرشك یوم لا ظل الا ظلك. (عمدۃ القاری۔ ج۵ ص۱۷۷)

اے اللہ! مجھے اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے' جس دن تیرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔

یا مراد پناہ اور رحمت ہے' جیسے کہتے ہیں: "انا فی ظل فلان" "میں فلاں کی پناہ میں ہوں" یا جنت کا سایہ مراد ہے یا طوبیٰ کا۔

[1] مسلم۔ ج۲ ص۴۱۶۔ کتاب الزہد۔ باب: حدیث جابر الطویل

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: جو مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرے اور مسجدوں کی فضیلت۔ اس حدیث کے اس جز: وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے' کو باب کے دوسرے جز سے مطابقت ہے۔ اگر مسجد میں کوئی فضیلت نہ ہوتی تو مسجد سے دل لگائے رکھنے والا اتنی بڑی عزت کا مستحق کیوں ہوتا۔

افادہ

اس کے بعد حدیث: ۳۸۱ مذکور ہے' یہاں یہ زائد ہے: "ثم اقبل علینا بوجھه بعد ما صلّٰی" نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے ہماری جانب رخ انور کیا۔ یہ نمازِ عشاء تھی جس کے بعد سنت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں' ان کے بعد بھی امام سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف پیٹھ کیے نہ بیٹھا رہے' یہی سنت ہے۔

۴۳۴- ح: مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ وَرَاحَ [جو صبح یا شام کو مسجد جائے]

۴۳۴- عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْرَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کو یا شام کو مسجد میں جائے تو اللہ عزوجل جنت میں اس کی مہمانی کا سامان مہیا فرماتا ہے' جب بھی صبح یا شام جائے۔

(بخاری۔ باب: فضل من خرج الی المسجد ومن راح ص ۹۱' مسلم)

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ بعض روایتوں میں "غدا او راح" کے بجائے "غدا او راح" ہے' دونوں میں فرق یہ ہوا کہ "او" والی روایت میں اعداد ان دونوں میں سے ایک پر بھی ہوگا اور واؤ کی روایت کی بناء پر دونوں کے مجموعے پر۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ "غدا او راح" "صبح وشام گیا" کنایہ ہے بلاناغہ پابندی کے ساتھ جانے سے' جیسا کہ آیت کریمہ "وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّاO" (مریم: ۶۲) ان کے لیے جنت میں صبح وشام کھانا ہےO میں دوام وہمیشگی مراد ہے۔

۴۳۵- ح: اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا؟ [کیا صبح چار (رکعت پڑھنا) ہے؟]

۴۳۵- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَیْنَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ یُقَالُ لَهٗ مَالِكُ بْنُ بُحَیْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا وَّقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ یُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ءَ اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا.

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب کے قریب سے گزرے۔ بہ طریق حفص بن عاصم یوں روایت ہے کہ میں نے ازد کے ایک صاحب مالک ابن بحینہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں حالانکہ اقامت ہو چکی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا' ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صبح چار ہے؟

(بخاری۔ باب: اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ص ۹۱' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۴۵)

لغات

"ازد" زائے معجمہ ساکن' ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے' ان کو اسلم بھی کہا جاتا ہے' ان کو ازدشنوہ بھی کہتے ہیں۔ "لاث" کے معنی

دار احاطہ کے ہیں یعنی انہیں گھیر لیا۔ ''بہ'' کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں یعنی صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئے مگر علامہ عینی نے فرمایا کہ یہاں کی روایت کا سیاق یہ بتا رہا ہے کہ اس ضمیر کا مرجع ''رجل'' ہے یعنی ان صاحب کو لوگوں نے گھیر لیا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ صاحب خود مالک ابن بحسینہ تھے جیسا کہ مسند امام احمد میں انہیں کی روایت کردہ حدیث سے ظاہر ہے۔

اقول: مسند امام احمد[1] کی جس روایت کا علامہ عینی نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: نبی ﷺ ان کے قریب سے گزرے یہ نماز فجر سے پہلے والی سنتیں پڑھ رہے تھے جنہیں بہت لمبا پڑھا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اس نماز کو ظہر سے پہلے اور بعد والی کے مثل نہ بنالو۔ ان دونوں کے مابین فصل رکھو۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ وہ نہیں جو زیر بحث حدیث میں ہے اس لیے اس سے یہ استدلال کہ اس حدیث میں رجل سے مراد خود راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحسینہ ہی ہیں صحیح نہیں۔ خود مسند امام احمد میں یہ حدیث متعدد طریقوں سے مروی ہے۔ سب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اور کوئی صاحب تھے۔

''الصبح اربعا'' یہ ''الصبح'' تصلی فعل محذوف کا مفعول بہ ہے۔

علامہ کرمانی نے فرمایا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''الصبح'' مرفوع ہو اور ''تصلی'' محذوف بعد میں ہو یعنی ''الصبح'' مبتدا اور ''تصلی اربعا'' اس کی خبر۔ دونوں تقدیروں پر معنی یہ ہوں گے: کیا صبح چار رکعت پڑھتا ہے؟ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔

فجر کی اقامت کے بعد سنت پڑھنا

اس پر اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ بقیہ نمازوں میں اقامت کے بعد سنتیں پڑھنی جائز نہیں البتہ فجر میں اختلاف ہے۔ امام شافعی امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ سنت فجر بھی اقامت کے بعد جائز نہیں۔ ان کی دلیل حدیث مذکور ہے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ اگر اسے یقین ہو کہ دوسری رکعت مل جائے گی تو مسجد کے باہر پڑھ لے۔ جامع صغیر اور بدائع میں امام صاحب کا یہی مذہب مذکور ہے۔ ہدایہ میں اسی کو اختیار فرمایا البتہ اتنی توسیع کی کہ مسجد کے دروازے پر پڑھ لے۔ امام محمد نے فرمایا کہ اسے یہ یقین ہو کہ قعدہ اخیرہ میں امام کو پالے گا تو سنت پڑھ لے اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ امام طحاوی نے اسی کو اختیار فرمایا البتہ یہ وسعت دی کہ جس حصے میں جماعت ہو رہی ہو اس میں نہ پڑھے۔ اگر جماعت اندر ہو رہی ہو تو باہر پڑھے باہر ہو رہی ہو تو اندر پڑھے۔ مزید یہ کہ اسے تینوں ائمہ امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد کا مذہب بتایا[2] ذخیرہ میں اسی کو اختیار فرمایا[3] ہمارے دلائل یہ ہیں:

(۱) وہ حدیث جسے امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا اقیمت الصلٰوۃ فلا صلٰوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر۔ جب اقامت کہی جائے تو فرض کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں سوائے فجر کی دو رکعتوں کے۔

اس پر امام بیہقی نے یہ فرمایا: اس زیادتی یعنی سنت فجر کے استثناء کی کوئی اصل نہیں اور حجاج اور عباد ضعیف ہیں۔ علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ امام ابن معین نے فرمایا کہ حجاج بن نصیر صدوق ہیں۔ امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا اور عباد صالحین میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۸۴)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اقامت ہو چکی تھی۔ انہوں نے ایک ستون کی آڑ میں سنتیں پڑھیں۔ حضرت ابو حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ موجود تھے۔ (شرح معانی الآثار۔ باب مذکور۔ ص ۱۸۳)

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۴۵ [2] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۱۸۴۔ باب: الرجل یدخل المسجد والامام فی صلٰوۃ الفجر

[3] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۸۴

(۳) ابومجاز کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا۔ امام نماز پڑھا رہا تھا' حضرت ابن عمر تو نماز میں شامل ہو گئے مگر حضرت ابن عباس نے دو رکعتیں (سنت فجر) مسجد کے اندر پڑھیں' پھر جماعت میں شامل ہوئے۔

(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیا ہے کہ مسجد میں جاتے اور لوگ نمازِ فجر پڑھتے ہوتے' یہ مسجد کے کسی گوشے میں فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتے۔

(۵) ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے پاس اگر فجر کی سنتیں پڑھے بغیر آتے' وہ نماز میں ہوتے تو ہم لوگ مسجد کے آخری حصے میں سنتیں پڑھ کر نماز میں شریک ہوتے۔

(۶) حضرت ابن عمر ایک بار مسجد میں آئے' جماعت ہو رہی تھی' وہ حضرت حفصہ کے گھر میں گئے اور سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہوئے۔ (شرح معانی الآثار۔ ج ا۔ ص ۱۸۳)

سنت فجر کی خصوصیت

دیگر سنتوں کے برخلاف فجر کی سنتوں کی یہ خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ اس کے بارے میں بہت تاکید آئی ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لا تدعوهما وان طردتكم الخيل. ان دونوں کو مت چھوڑنا' اگرچہ تم کو دشمن کے گھوڑے روند ڈالیں۔

(ج ا۔ باب: رکعتی الفجر ص ۱۷۹)

اسی میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا:

لم تكن على شي من النوافل اشد معاهدة منه على الركعتين قبل الفجر. (ج ا۔ باب: رکعتی الفجر) کسی نفل کے حضور اتنے پابند نہ تھے جتنے زیادہ فجر کی سنتوں کے پابند تھے۔

نوافل کی قضا نہیں اور اگر ہے بھی تو جو بات ادا میں ہے وہ قضا میں کہاں۔ اب اگر فرض سے پہلے نہ پڑھے گا تو یہ قضا ہو جائیں گی' اس لیے ہمارے علماء نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا' تاکہ اس کی فضیلت بھی پالے اور جماعت کی بھی۔

اور اگر کسی کی فجر کی سنتیں قضا ہو جائیں تو آفتاب بلند ہونے کے بعد زوال سے پہلے پہلے پڑھ لے' جیسا کہ ابوداؤد ہی میں ہے کہ ایک صاحب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے طلوع آفتاب کے بعد اس کی قضا پڑھتے ہوئے دیکھا تو سکوت فرمایا۔

(ج ا۔ باب: من فاتته متى يقضيها ص ۱۸۰)

حدیث باب کی توجیہ

رہ گئی حدیث باب تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ صف کے متصل پڑھ رہے تھے' بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صف میں داخل ہو کر پڑھ رہے ہوں' اس لیے انہیں منع فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ جب اقامت ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ پر موقوف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ابھی بیہقی کی حدیث گزری کہ اس سے سنت فجر مستثنیٰ ہے۔

سند میں تسامح اور ضروری تصحیح

ہم مقدمے میں بتا آئے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں تین تسامح ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث کا راوی مالک کو بتایا' حالانکہ مالک ایمان سے محروم رہا۔ راوی بتانے سے گمان کیا یقین ہوتا ہے کہ صحابی تھا۔ دوسرے یہ راوی نہیں' راوی اس کے صاحبزادے عبداللہ ہیں

جو صحابی تھے۔ تیسرے یہ کہ مالک بن بحینہ کہنے سے شبہہ ہوتا ہے کہ مالک بحینہ کا بیٹا ہے حالانکہ وہ شوہر ہے۔ ابن بحینہ عبداللہ کی صفت ہے، بحینہ ان کی ماں ہیں۔ اسی لیے ابن بحینہ میں، ابن کے ہمزے کو لکھا جاتا ہے، جیسے محمد بن علی ابن حنفیہ۔

جواب

اقول وباللہ التوفیق: اگر امام بخاری نے صرف ایک ہی سند ذکر کی ہوتی جس میں مالک بن بحینہ ہے تو قطعی تھا کہ ضرور امام بخاری سے لغزش ہوئی، مگر یہاں متابعات کو لے کر اس کی پانچ سندیں بیان فرمائی ہیں۔ دو صحیح ہیں جن میں عبداللہ بن مالک ابن بحینہ راوی ہیں اور تین میں عبداللہ نہیں مالک بن بحینہ ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ تسامح امام بخاری سے نہیں ہوا۔ اوپر کے راویوں سے ہوا ہے۔ امام بخاری نے جیسا اپنے اساتذہ سے سنا، نقل کر دیا۔ اب امام بخاری پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ پھر ایسی غلط سند اپنی صحیح میں ذکر کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس تسامح کی طرف ان کا ذہن نہ گیا ہو، یا اس بارے میں تحقیق نہ ہو کہ اصل راوی کون ہے، عبداللہ یا مالک اور مالک مسلمان ہوا یا نہیں؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ بحینہ عبداللہ کی ماں ہیں یا مالک کی۔ ابو نعیم اصبہانی نے کہا کہ یہ مالک کی ماں ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے بھی اس میں اختلاف بتایا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ بحینہ مالک کی زوجہ اور عبداللہ کی ماں ہیں۔ حضرت بحینہ، حارث بن عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں اور قدیم الاسلام صحابیہ ہیں۔

۴۳۶- ح: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[جب نبی ﷺ مرض میں مبتلا ہوئے]

۴۳۶- قَالَ الْاَسْوَدُ كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلٰوةِ وَالتَّعْظِيْمَ لَهَا قَالَتْ لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَضَهُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَاُذِّنَ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ لَهُ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ اَسِيْفٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَاَعَادَ فَاَعَادُوْا لَهُ فَاَعَادَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَخَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ فَوَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ الْاَرْضَ مِنَ الْوَجْعِ فَاَرَادَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنْ يَّتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ مَكَانَكَ ثُمَّ اُتِيَ بِهٖ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى جَنْبِهٖ فَقِيْلَ لِلْاَعْمَشِ فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهٖ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ بِرَاْسِهٖ نَعَمْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ بَعْضَهٗ وَزَادَ

اسود نے کہا: ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھے، ہم نے نماز کی پابندی اور عظمت کا تذکرہ کیا تو حضرت ام المومنین نے فرمایا: جب نبی ﷺ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ نے وصال فرمایا (ایک دن ایسا ہوا) کہ نماز کا وقت ہو گیا اور اذان کہی جا چکی تو فرمایا: ابو بکر سے کہو: لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر عرض کیا گیا کہ ابو بکر نرم دل انسان ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ حضور نے پھر وہی فرمایا تو حاضرین نے پھر اپنی بات دہرائی، تیسری بار حضور نے پھر اسی کا اعادہ فرمایا اور یہ بھی فرمایا: تم یوسف کو گھیرے میں لینے والیوں کی مثل ہو۔ ابو بکر کو حکم دو وہ نماز پڑھائیں۔ اب ابو بکر نکلے اور نماز پڑھانی شروع کی، اس کے بعد نبی ﷺ نے مرض میں کچھ افاقہ محسوس کیا تو دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے گویا میں دیکھ رہی ہوں کہ حضور کے پاؤں بیماری کی وجہ سے زمین پر لکیر بنا رہے ہیں۔ ابو بکر نے چاہا کہ پیچھے ہو جائیں تو نبی ﷺ نے اشارہ فرمایا: اپنی جگہ رہو، پھر حضور کو ان کے قریب لایا گیا یہاں تک کہ حضور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اعمش سے کہا گیا کہ نبی ﷺ

اَبُوْ مُعَاوِيَةَ جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا.

نماز پڑھ رہے تھے اور ابوبکر حضور کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے؟ تو انہوں نے سر سے اشارہ کیا: ہاں! ابوداؤد نے از شعبہ از اعمش اس روایت کا بعض حصہ روایت کیا اور معاویہ نے یہ زیادہ روایت کیا کہ حضور ابوبکر کے بائیں بیٹھے اور ابوبکر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

(بخاری۔ باب: حد المریض ان یشھد الجماعۃ ص۹۱' باب: من اسمع الناس تکبیر الامام ص۹۸' باب: الرجل یاتم بالامام ویاتم الناس الماموم ص۹۹' مسلم' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

مرضِ وصال کی ابتداء یوں ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقیع میں کسی جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر اقدس میں درد تھا۔ جب حضور جنازے سے واپس ہوئے تو اُم المؤمنین کو دیکھا کہ وہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے "وا راساہ" ہائے میرا سر کہہ رہی ہیں۔ حضور نے فرمایا: "بل انا وا راساہ" اور فرمایا: تمہارا کیا نقصان ہے؟ اگر تم مجھ سے پہلے مرو اور میں تم کو غسل دوں اور کفن پہناؤں' تمہارا جنازہ پڑھوں' تم کو دفن کروں۔ اُم المؤمنین نے نازِ محبوبانہ کے ساتھ عرض کیا: پھر اس کے بعد حضور میرے گھر میں اپنی کسی زوجہ کے ساتھ رہیں۔ اس پر حضور مسکرا دیئے۔ اسی کے بعد وہ مرض شروع ہوا جس میں وصال فرمایا[1] یہ بالکل ابتدائی بات ہے' ورنہ مرض مبارک کی شدت چہار شنبہ[2] کے دن حضرت اُم المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری میں ہوئی[3] حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدھی رات میں بقیع تشریف لے گئے' واپس ہوئے تو شدید بخار اور دردِ سر شروع ہو گیا۔ بعض جہلاء نے یہ لکھ دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نمونیہ ہو گیا تھا' یہ غلط ہے۔ اُم المؤمنین حضرت سلمہ و حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی یہی شبہہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسی پر قسط ہندی دی تھی۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: نمونیہ شیطان کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ شیطان کو مجھ پر قابو نہ دے گا۔[4] پانچ دن دیگر ازواجِ مطہرات کے گھر رہے۔ دوشنبہ کو اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کی باری تھی' دوسری ازواج کی اجازت سے آٹھ دن انہیں کے گھر رہے۔ کل ایامِ علالت تیرہ دن ہوئے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ ایامِ علالت کل پانچ دن ہوں۔ چہار شنبہ کو ابتداء ہوئی' پنجشنبہ کو حضرت صدیقہ کے گھر تشریف لائے اور دوشنبہ کو وصال ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

یہ واقعہ پنجشنبہ کو رات میں عشاء کے وقت ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تین دن سترہ وقتوں کی نمازیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائیں' جن میں ایک جمعہ بھی تھا۔

فقیل

حدیث: ۴۴۳ میں اس کی تفصیل مذکور ہے کہ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کو یہ خیال ہوا' انہوں نے اُم المؤمنین حضرت حفصہ سے کہا' حضرت حفصہ نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔

ان کن صواحب یوسف

صواحب صاحبۃ کی خلافِ قیاس جمع ہے۔ اس سے مراد تنہا زلیخا ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی بناء پر جمع بولتے ہیں اور

---

[1] مسند امام احمد۔ ج۶ ص۲۲۸' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: فی غسل الرجل امرأتہ ص۱۰۷ [2] زرقانی علی المواھب۔ ج۱ ص۱۰۸

[3] مسلم۔ ج۱ ص۱۷۸۔۱۰۷۔ باب: استخلف الامام اذا عرض لہ عذر [4] مدارج۔ ج۱ ص۱۵۲۱۔ خورد

مراد واحد ہوتا ہے' جیسے کہتے ہیں: "فلان یمیل الی النساء" حالانکہ اس کا میلان کسی ایک ہی کی طرف ہوتا ہے۔ خطاب بہ ظاہر حضرت حفصہ سے ہے' مگر مراد حضرت صدیقہ ہیں' کیونکہ انہوں نے ہی حضرت حفصہ سے کہلایا تھا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت صدیقہ اور حضرت حفصہ دونوں مراد ہوں۔ حضرت زلیخا کے قصے اور اس قصے میں قدر مشترک یہ ہے کہ زلیخا نے مصری عورتوں کو ضیافت کے بہانے بلایا تھا اور مقصود حضرت یوسف علیہ السلام کا جلوہ دکھانا اور اپنا عذر ظاہر کرنا تھا۔ ظاہر میں ضیافت کی اور دل میں کچھ اور تھا۔ اسی طرح حضرت صدیقہ نے کہلایا تھا تو یہ کہ ابوبکر رقیق القلب ہیں' حضور کو مصلّٰی پر نہ دیکھیں گے تو ضبط نہ کر سکیں گے' رونے لگیں گے اور نماز نہ پڑھا سکیں گے اور دل میں یہ تھا کہ لوگ کہیں حضرت ابوبکر کی امامت کی وجہ سے بدفالی نہ لیں' جیسا کہ بخاری الٰہی میں ہے کہ مجھے بار بار عرض پر اس خیال نے اُبھارا کہ جو شخص حضور کی جگہ نماز پڑھائے گا' اسے لوگ پسند نہیں کریں گے' اس سے لوگ فال بد لیں گے یعنی یہ کہ یہ کھڑا ہوا اور حضور کا وصال ہو گیا' اس لیے میں چاہتی تھی کہ نماز کوئی اور پڑھائے۔ ظاہر کچھ کیا اور دل میں کچھ اور تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ جیسے مصری عورتیں حضرت یوسف کو ان کی مرضی کے خلاف عمل کرنے کو کہتی تھیں' ویسے تم مجھ سے میری مرضی کے خلاف حکم صادر کرانا چاہتی ہو' یا یہ کہ مصر کی ان عورتوں کی طرح تم بھی اپنی بات منوانا چاہتی ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مریض مسجد نہ جا سکے تو اس پر جماعت واجب نہیں۔

۴۳۷- ح: اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ الصَّلٰوۃَ مَعَکَ [میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا]

۴۳۷- سَمِعْتُ اَنَسًا یَقُوْلُ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ الصَّلٰوۃَ مَعَکَ وَکَانَ رَجُلًا ضَخْمًا فَصَنَعَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فَدَعَاہُ اِلٰی مَنْزِلِہٖ فَبَسَطَ لَہٗ حَصِیْرًا وَّنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِیْرِ فَصَلّٰی عَلَیْہِ رَکْعَتَیْنِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ الْجَارُوْدِ لِاَنَسٍ اَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَ مَا رَاَیْتُہٗ صَلَّاھَا اِلَّا یَوْمَئِذٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حضور کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں' وہ موٹے تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور حضور کو گھر بلایا اور حضور کے لیے چٹائی بچھائی اور چٹائی کے کنارے کو دھویا۔ حضور نے اس پر دو رکعت نماز پڑھی۔ آل جارود کے ایک شخص نے حضرت انس سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ چاشت پڑھتے تھے؟ تو حضرت انس نے بتایا: اس روز کے علاوہ کبھی آپ کو اسے پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(بخاری۔ باب: ھل یصلی الامام بمن حضر ص ۹۲' باب: صلٰوۃ الضحی فی الحضر ص ۱۵۷' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: الزیارۃ ص ۸۹۸' ابوداؤد)

نمازِ چاشت' صحیح یہی ہے کہ نمازِ چاشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا پڑھی ہے' البتہ پابندی کے ساتھ نہیں پڑھی ہے اور یہ مستحب ہے۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ اور حضرت ابن عمر سے جو انکار مروی ہے' وہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے حضور کو پڑھتے ہوئے نہ دیکھا ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ موٹاپا بھی جماعت چھوڑنے کے اعذار میں سے ہے جبکہ اتنا ہو کہ مسجد میں جانا دشوار ہو۔

ت ۱۴۴- وَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ مِنْ فِقْہِ الْمَرْءِ اِقْبَالُہٗ عَلٰی حَاجَتِہٖ حَتّٰی یُقْبِلَ عَلٰی صَلَاتِہٖ وَقَلْبُہٗ فَارِغٌ.

اور حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: انسان کی عقلمندی یہ ہے کہ اپنی حاجت پوری کر لے تا کہ جب نماز کی جانب متوجہ ہو تو اس کا دل مطمئن رہے۔

(بخاری۔ باب: اذا حضر الطعام واقیمت الصلٰوۃ ص ۹۲)

لے بخاری۔ ج ۲ ص ۶۳۹۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایسے وقت نماز مکروہ ہے کہ انسان کو ایسی کوئی حاجت درپیش ہو، جس کے ساتھ دل کا شدید تعلق ہو، جس سے نماز میں حضور نہ ہو سکے، دل بٹے۔

۴۳۸- ح: اِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَاُقِيْمَتْ

[جب رات کا کھانا رکھا جا چکا ہو اور اقامت کہی جائے]

۴۳۸- عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ.

حضرت عروہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا کھانا رکھا جائے اور اقامت کہی جائے تو پہلے کھانا کھا لو۔

(بخاری۔ باب: اذا حضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ ص ۹۲، ج ۲۔ الاطعمۃ۔ باب: اذا حضر العشاء فلا تعجل عن عشاء ہ ص ۸۲۱ مسلم۔ کتاب المساجد، ابوداود۔ کتاب الاطعمۃ، ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ، نسائی۔ کتاب الامامۃ، ابن ماجہ۔ کتاب الاقامۃ، مسند امام احمد۔ ج ۳)

۴۳۹- ح: اِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوْا

[جب رات کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے (قبل نماز) کھانا کھا لو]

۴۳۹- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوْا بِهٖ قَبْلَ اَنْ تُصَلُّوْا صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجَلُوْا عَنْ عَشَائِكُمْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھا لو، کھانا چھوڑ کر نماز کے لیے جلدی مت کرو۔

(بخاری۔ باب: اذا حضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ ص ۹۲، ج ۲۔ کتاب الاطعمۃ۔ باب: اذا حضر العشاء فلا یعجل عن عشائہ ص ۸۲۱)

۴۴۰- ح: اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ

[جب تمہارے سامنے رات کا کھانا رکھ دیا جائے]

۴۴۰- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَاْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ.

(بخاری۔ باب: اذا حضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ ص ۹۲، مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے سامنے تمہارے شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور اقامت کہی جائے تو پہلے کھانا کھا لو، نماز کے لیے جلدی نہ کی جائے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو لے۔ اور حضرت ابن عمر کے آگے کھانا رکھا جاتا اور اقامت کہی جاتی، پھر بھی وہ نماز کے لیے نہ آتے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، حالانکہ وہ امام کی قراءت سنتے رہتے۔

ت ۴۴۵- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ وَاِنْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کھانے پر ہو تو جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ اپنی حاجت پوری کر لو اگرچہ اقامت ہو گئی ہو۔

(بخاری۔ باب: اذا حضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ ص ۹۲، مسلم)

ان تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو یا وہ کھا رہا ہو کہ جماعت شروع ہو گئی تو کھانا چھوڑ کر جماعت کے لیے جانا واجب نہیں اور اسی کے حکم میں وہ صورت بھی ہے کہ بھوک شدت کی لگی ہو اور کھانا تیار ہو۔ سیدنا امام اعظم نے فرمایا: نماز کو کھانا بنا دوں کہ نماز کے وقت دل کھانے میں لگا رہے اس سے بہتر کہ کھانے کو نماز بنا دوں کہ کھاتے وقت دل نماز میں لگا رہے۔ یہ اس وقت ہے جب نماز کے وقت میں گنجائش ہو اور اگر اس کا اندیشہ ہو کہ کھاتے کھاتے نماز کا وقت نکل جائے گا یا وقت مکروہ آ جائے تو بہر حال نماز پہلے پڑھ لے۔

صلوٰۃ المغرب

حدیث: ۴۳۹ میں مغرب کے وقت کی قید ہے مگر یہ حکم تمام نمازوں کے لیے عام ہے مغرب کے وقت کی قید کی وجہ صرف یہ ہے کہ مغرب کا وقت غیر مکروہ بہت کم ہے۔ اس میں اس کا شدید خطرہ ہے کہ کھاتے کھاتے مکروہ وقت آ جائے یا اس وجہ سے کہ اس عہد میں اہل عرب سورج ڈوبتے ہی کھاتے تھے اس لیے اسی میں کھانے اور نماز کا تصادم اکثر ہوتا تھا۔

۴۴۱- ح: يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ [اپنے اہل خانہ کے لیے کام میں مصروف رہنا]

۴۴۱- عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ تَعْنِيْ خِدْمَةَ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ.

امام اسود نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا: اپنے اہل کے کام میں رہتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

(بخاری۔ باب: من كان فى حاجة اهله فاقيمت الصلوٰة ص ۹۳ ج ۲۔ کتاب النفقات۔ باب: خدمة الرجل فى اهله ص ۸۰۸ کتاب الادب۔ باب: كيف يكون الرجل فى اهله ترمذی۔ کتاب الزہد)

"مهنة" کے معنی کام کاج کے ہیں۔ اس کی تفصیل شمائل ترمذی وغیرہ میں یہ ہے: بکری دوہ لینا کپڑے سی لینا نعلین درست کر لینا ڈول میں پیوند لگانا وغیرہ وغیرہ۔

۴۴۲- ح: مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ مَرَضُهٗ [نبی ﷺ بیمار ہوئے تو شدتِ مرض میں مبتلا ہو گئے]

۴۴۲- عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ مَرَضُهٗ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ قَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّهٗ رَجُلٌ رَقِيْقٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ قَالَ مُرِيْ اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَعَادَتْ فَقَالَ مُرِيْ اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ بیمار ہوئے اور حضور کی بیماری سخت ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: یہ نرم دل انسان ہیں جب حضور کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے پھر وہی لوٹایا تو فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تم یوسف پر گھیرا ڈالنے والیوں کی طرح ہو اب حضرت ابوبکر کے پاس قاصد آیا اور انہوں نے نبی ﷺ کی حیات میں نماز پڑھائی۔

(بخاری۔ باب: اھل العلم والفضل احق بالامامۃ ص ۹۳، کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللہ عزوجل لقد کان فی یوسف واخوتہ ص ۴۷۹، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۴۳- ح: مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ

[ابوبکر کو کہو: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں]

۴۴۳- عَنْ عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهٖ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ قَالَتْ عَآئِشَةُ قُلْتُ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اِذَا قَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ قُلْتُ لِحَفْصَةَ قُوْلِيْ لَهٗ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اِذَا قَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَآئِشَةَ مَا كُنْتُ لِاُصِيْبَ مِنْكِ خَيْرًا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے کہا کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں پائیں گے' آپ حضرت عمر کو حکم دیں وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے حفصہ سے کہا کہ تم عرض کرو۔ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں پائیں گے' حضور عمر کو حکم دیں وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت حفصہ نے ایسا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو! تم یوسف پر گھیرا ڈالنے والیوں کی طرح ہو! ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اب حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا: تمہاری جانب سے مجھے کوئی بھلائی نہیں پہنچی۔

(بخاری۔ باب: اھل العلم والفضل احق بالامامۃ ص ۹۳' ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکرہ من التعمق والتنازع والغلو فی الدین والبدع ص ۱۰۸۵' ترمذی۔ کتاب المناقب' مؤطا)

مروا ابا بکر...... (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت)

اس سلسلے میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ پہلی یہ کہ اگر اس وقت امامت کا حکم بغیر کسی خاص مقصد کے صرف اس لیے ہوتا کہ جماعت ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا کہ حضرت عمر یا اور کوئی صاحب نماز پڑھا دیتے۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے بار بار عرض و معروض کے بعد بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمانا کہ ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں' پھر اپنی سب سے زیادہ چہیتی رفیقہ حیات کو جھڑک دینا' وہ بھی اتنی سختی سے' یہ بتا رہا ہے کہ اس وقت امامت کی تقرری اور اس کے لیے حضرت ابوبکر کا تعین کسی بہت اہم مقصد کے پیش نظر تھا اور یہ مقصد اپنی مستقل اور مکمل جانشینی تھی۔ مصلّی پر کھڑا کرنا حقیقت میں اپنی جگہ قائم کرنا ہے اور یہ حکم اصل میں من جانب اللہ تھا' جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا:

ادعی لی ابا بکر اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمنٍ ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔

میرے پاس اپنے والد ابوبکر اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں لکھ دوں' مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے: میں زیادہ مستحق ہوں حالانکہ اللہ اور مؤمنین سوائے ابوبکر کے کسی کو پسند نہیں کریں گے۔

(مسلم۔ ج ۲۔ کتاب فضائل صحابہ۔ باب: من فضل ابی بکر ص ۲۷۳' مسند امام احمد)

بخاری کا مضمون یہ ہے: میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے (عبدالرحمٰن) کو بلاؤں اور ابوبکر کو ولی عہد کر دوں' کہ کہیں کوئی کہنے والا کہے یا آرزو کرنے والا آرزو کرے' پھر میں نے کہا: اللہ اور مومنین سوائے ابوبکر کے کسی اور کو نہیں پسند کریں گے۔ ان کے سوا کوئی بھی ہو' دفع کر دیں گے۔[1] باب: مدینۃ العلم' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس نکتے کو خوب سمجھا' ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا' حالانکہ میں موجود تھا' کہیں گیا نہیں تھا اور نہ مریض تھا' اس لیے ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسے پسند کیا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند کیا۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن عساکر ص ۴۷)

یہ حدیث اس مسئلے میں مُستدَل ہے کہ امامت کا حق اسے ہے جو سب سے زیادہ علم والا ہو اور یہی امام بخاری کا بھی مذہب ہے۔ انہوں نے اس پر باب کا عنوان یہ قائم کیا: "اهل العلم و الفضل احق بالامامة" صحابہ کرام میں سب سے زیادہ اعلم حضرت صدیق اکبر تھے' اس لیے حضور نے انہیں امام بنایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما صب الله فی صدری الا صببت فی صدر ابی بکر" اللہ نے جو کچھ میرے سینے میں انڈیلا' میں نے وہ سب ابوبکر کے سینے میں انڈیل دیا۔ مسلم شریف وغیرہ کی حدیث میں جو "اقرأ" کی تقدیم آئی ہے' اس سے مراد اعلم ہی ہے' اس لیے کہ اس عہد میں جو اقرأ ہوتا تھا' وہ اعلم ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ جب حضور غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت علی کو مدینہ میں چھوڑا اور انتظامی اُمور ان کے سپرد فرمائے' مگر امامت نہیں سپرد فرمائی' امامت حضرت ابن اُم مکتوم کو عطا فرمائی۔ کیوں اس لیے کہ یہ اخیر سفر تھا' اس وقت امام بنانے سے ہو سکتا تھا کوئی ان کی خلافت بلافصل پر دلیل لائے۔

دوسرے یہ کہ پہلے حج اسلام کے لیے اپنا نائب حضرت ابوبکر کو بنایا' بعد میں سورۂ براءت کے اعلان کے لیے حضرت علی کو بھیجا' مگر ان کو حضرت ابوبکر کے ماتحت رکھا۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ ان دونوں میں سے منصبِ امامت و امارت کا حق حضرت ابوبکر ہی کو ہے۔

٤٤٤- ح: فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرَ الْحُجْرَةِ

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا]

٤٤٤- اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ فِيْ وَجَعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوْفٌ فِي الصَّلٰوةِ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ اِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَاَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا اَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَكَصَ اَبُوْ بَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجٌ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَشَارَ

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے خبر دی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعدار اور خادم اور صحابی تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری میں جس میں حضور کا وصال ہوا' حضرت ابوبکر انہیں نمازیں پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور صحابہ صف باندھے نماز میں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور ہماری طرف دیکھنے لگے اور حضور کھڑے تھے' حضور کا چہرۂ انور ایسا لگتا تھا گویا وہ مصحف کا ورق ہے' پھر حضور مسکراتے ہوئے ہنسے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کی خوشی کی وجہ سے ہم قریب تھے کہ نماز چھوڑ بیٹھتے' ابوبکر اپنی ایڑیوں پر پیچھے پلٹے تاکہ صف میں آ جائیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لا رہے ہیں' اس پر نبی

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲ کتاب الاحکام باب: استخلاف

اِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ وَاَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ﷺ نے ہمیں اشارہ فرمایا: اپنی نماز پوری کرو اور پردہ چھوڑ دیا پھر اسی دن آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

(بخاری۔باب: اھل العلم و الفضل احق بالامامۃ ص ۹۳' ج ۲۔کتاب المغازی۔باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ ص ۶۴۰
مسلم۔کتاب الصلوٰۃ)

۴۴۵- ح: فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ اَعْجَبَ اِلَيْنَا

[جب نبی ﷺ کا روئے انور ظاہر ہوا تو ہم نے کوئی بھی منظر آپ کے روئے انور سے اچھا نہیں دیکھا]

۴۴۵- عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَذَهَبَ اَبُوْ بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهٗ فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ اَعْجَبَ اِلَيْنَا مِنْ وَّجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَحَ لَنَا فَاَوْمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ اَنْ يَّتَقَدَّمَ وَاَرْخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَابَ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ تین دن حجرے سے باہر تشریف نہیں لائے' اقامت کہی گئی اور حضرت ابوبکر آگے بڑھ رہے تھے کہ نبی ﷺ نے پردہ اٹھایا' جب نبی ﷺ کا چہرہ انور ظاہر ہوا تو اسے دیکھا اور کوئی بھی منظر نبی ﷺ کے روئے انور سے اچھا ہم نے نہیں دیکھا اور نبی ﷺ نے ابوبکر کی جانب اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ وہ آگے بڑھیں اور نبی ﷺ نے پردہ لٹکا دیا' اس کے بعد حضور کھڑے نہ ہو سکے یہاں تک کہ وصال فرمایا۔

(بخاری۔باب: اھل العلم و الفضل احق بالامامۃ ص ۹۴' کتاب التہجد۔باب: من رجع القھقری فی صلوتہ ص ۱۶۰' مسلم۔کتاب الصلوٰۃ)

یہ قصہ دوشنبہ کو نمازِ فجر میں ہوا جیسا کہ یہاں بھی اور مغازی کی روایت میں "یوم الاثنین" ہے' بخاری میں "فھممنا" ہے اور مسلم میں "فَبُهِتْنَا" ہے۔ "فھممنا" کے معنی ہیں: ہم نے ارادہ کرلیا۔ اور "فَبُهِتْنَا" کے معنی ہیں: ہم مبہوت ہو گئے۔ "اَنْ نَّفْتَتِنَ" فتنے کے معنی آزمائش کے ہیں۔ یہاں آزمائش یہ تھی کہ اقامت ہو چکی تھی' امام مصلّٰی پر کھڑا ہو چکا تھا' نماز شروع ہو رہی تھی اس وقت صحابہ کرام کو نماز میں مشغول ہونا لازم تھا۔ ادھر صحابہ کرام کو تین دن ہو گئے تھے اس جمال جہاں آراء کی زیارت سے محروم تھے۔ جب پردہ ہٹا کر جانِ جانانِ عالم کھڑے ہو گئے تو دیدار کی پیاسی نظریں بے اختیار اس جانب اٹھ گئیں۔ دل کیا کہہ رہا تھا یہ تو صحابہ کرام ہی جانیں۔ وقت کا تقاضا تھا کہ نماز میں مشغول ہو جائیں' کسی طرف نہ دیکھیں اور جذبات کا تلاطم اس پر مجبور کر رہا تھا کہ جی بھر کر نظارہ کرلو۔ حضرت جامی فرماتے ہیں:

صبح دم چوں رخ نمودی شد نمازِ من قضا ۔۔۔ سجدہ کے گردد روا چوں آفتاب آید بروں

فاوما

اس سے رافضیوں کا رد ہو گیا' جو یہ کہتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کے بعد خود حضور نے تشریف لا کر نماز پڑھا دی تو استخلاف ختم ہو گیا' جواب ظاہر ہے کہ یہ اشارہ بہ منزلہ حکم کے ہے اور استخلاف ہے۔

فنکص

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی امام کی جگہ پہنچے نہیں تھے۔ تطبیق یہ ہے کہ "ذهب يتقدم" کے معنی یہاں یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر کچھ آگے بڑھ چکے تھے۔ اور "فنکص علی عقبیه" کے معنی ہیں کہ جہاں تک پہنچے تھے وہاں سے پلٹے یہ مراد نہیں کہ امام کی جگہ سے پلٹے۔ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے: اس وقت حضور اقدس ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کے پیچھے نماز بھی پڑھی ایک رکعت اخیر کی ملی پہلی رکعت میں مسبوق ہو گئے تھے لیکن صحاح کی روایتوں میں مسجد میں آنے کا ذکر نہیں۔ پردہ ہٹا کر دروازے پر کھڑے کھڑے دیکھنے کا تذکرہ ہے تو دونوں روایتوں میں تطبیق کے لیے یہی کہا جائے گا کہ حجرہ مبارکہ میں اقتداء فرمائی۔

٤٤٦- ح: اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيْقٌ اِذَا قَرَاَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ

[حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نرم دل ہیں جب قراءت کریں گے تو ان پر رونے کا غلبہ طاری ہوگا]

٤٤٦- عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قِيْلَ لَهُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ قَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيْقٌ اِذَا قَرَاَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ قَالَ مُرُوْهُ فَلْيُصَلِّ فَعَاوَدَتْهُ قَالَ مُرُوْهُ فَلْيُصَلِّ اِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ. وَقَالَ عُقَيْلٌ وَّمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَمْزَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(بخاری۔ باب: اهل العلم والفضل احق بالامامة ص ۹۴، نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء)

حمزہ بن عبداللہ (ابن عمر) نے اپنے والد سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کی علالت سخت ہو گئی تو حضور سے نماز کے بارے میں عرض کیا گیا فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: ابوبکر نرم دل انسان ہیں جب قراءت کریں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہو جائے گا۔ فرمایا: ان سے کہو کہ نماز پڑھائیں اب پھر حضرت صدیقہ نے وہی بات لوٹائی تو پھر فرمایا: ان سے کہو کہ نماز پڑھائیں تم سب یوسف پر گھیرا ڈالنے والیاں ہو اور عقیل اور معمر نے زہری سے وہ حمزہ سے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث بعض طرق میں متصل ہے بعض میں مرسل۔ اسی کو بتانے کے لیے امام بخاری نے یہ متابعت ذکر کی بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں طریقوں سے یہ مرسل ہے اس لیے کہ حمزہ کی ملاقات حضور اقدس ﷺ سے نہیں ہوئی۔ ذہلی نے زہریات میں عقیل کے طریقے کو موصول ذکر کیا ہے اور معمر والے طریقے کو حضرت عبداللہ بن مبارک بن سعد اور ابویعلیٰ نے مرسل ہی ذکر کیا ہے البتہ عبدالرزاق نے موصولاً ذکر کیا ہے مگر بجائے حضرت ابن عمر کے حضرت عائشہ کے واسطے سے اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔

٤٤٧- ح: فَخَرَجَ فَاِذَا اَبُوْ بَكْرٍ يَؤُمُّ النَّاسَ

[جب آپ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے]

٤٤٧- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي مَرَضِهٖ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ قَالَ عُرْوَةُ فَوَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَخَرَجَ فَاِذَا اَبُوْ بَكْرٍ

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت میں حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ نماز پڑھائیں تو وہ نماز پڑھانے لگے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا اور مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت

يَؤُمُّ النَّاسَ فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اِسْتَأْخَرَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ كَمَا أَنْتَ فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلٰوةِ أَبِي بَكْرٍ.

ابوبکر امامت کر رہے ہیں' جب حضرت ابوبکر نے حضور کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے' اس پر حضور نے اشارہ فرمایا کہ جیسے ہو ویسے ہی رہو اور رسول اللہ ﷺ ' ابوبکر کے برابر ان کے پہلو میں بیٹھ گئے تو حضرت ابوبکر' رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی۔

(باب: من قام الى جنب الامام لعلة ص ۹۴' مسلم' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

انکما انت

اس میں ''ما'' اسم موصول اور ''انت'' مبتدا ہے' جس کی خبر علیہ یا فیہ وغیرہ ہے۔ یعنی جس حال میں ہو' اسی حال میں رہو' جبکہ کاف کو زائدہ مانیں اور اگر تشبیہ کے لیے مانیں تو لفظی ترجمہ یہ ہوگا: جس حال پر پہلے تھے' اسی کے مثل یا اسی طرح اب بھی رہو۔ تشبیہ زیادہ انسب ہے' اس لیے کہ اب کچھ تغیر ہوا' بعینہ وہی حال نہیں رہا۔ پہلے امام مستقل تھے اور اب حضور کے مقتدی ہو گئے' صرف قوم کے امام رہے۔

قال عروۃ

اس سے علامہ کرمانی کو شبہہ ہو گیا کہ یہ حصہ تعلیق ہے' حالانکہ ایسا نہیں۔ ابن ماجہ میں پورا متن اسی سند کے ساتھ مذکور ہے' اس لیے پورا متن موصول ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ عذر کی وجہ سے امام کے پہلو میں اس کے برابر کھڑا ہونا درست ہے' انہیں عذروں میں جگہ کی تنگی بھی ہے۔

مناسبت باب

یہاں عنوان ہے: جو کسی وجہ سے امام کے پہلو میں کھڑا ہو' اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ اس وقت کھڑے نہیں تھے' بیٹھے تھے۔ علامہ عینی نے یہ توجیہ بیان فرمائی کہ حضور ابتداء میں کھڑے ہوئے پھر بیٹھے' یا یہ کہا جائے کہ حضور اور ابوبکر میں امام حضور ہی تھے اور حضرت ابوبکر حضور کے مقتدی اور یہ کھڑے تھے۔

اقول: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیام سے مراد لیا جائے ''کون'' یعنی ہونا' یہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے دونوں کو عام ہے' یا یہ کہ قیام کو عام کر دیا جائے حقیقی ہو یا حکمی اور ظاہر ہے کہ بیماری کی وجہ سے قیام کے وقت بیٹھنا قیام کے حکم میں ہے۔

٤٤٨- ح: ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ

[آپ بنی عمرو بن عوف میں تشریف لے گئے]

٤٤٨ - عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ قَالَ نَعَمْ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ فَتَخَلَّصَ حَتّٰى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ بنی عمرو بن عوف کے مابین صلح کرانے کے لیے (قبا) تشریف لے گئے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا تو مؤذن حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں؟ ابوبکر نے فرمایا: ہاں! (پڑھا دوں گا) پس حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور لوگ نماز میں تھے پس آپ صفوں میں ہو کر آگے بڑھے یہاں

اَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ اِلْتَفَتَ فَرَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا اَمَرَهٗ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ اَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَثْبُتَ اِذْ اَمَرْتُكَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَا كَانَ لِابْنِ اَبِي قُحَافَةَ اَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِيْ رَاَيْتُكُمْ اَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ مَنْ نَّابَهٗ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهٖ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّهٗ اِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ اِلَيْهِ وَاِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ۔

تک کہ پہلی صف میں کھڑے ہو گئے' یہ دیکھ کر لوگوں نے تالیاں بجائیں اور حضرت ابوبکر نماز کی حالت میں کسی طرف نہیں دیکھتے تھے جب لوگوں نے کثرت سے تالیاں بجائیں تو نظر گھمائی اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر اللہ کی حمد کی' اس کے بعد حضرت ابوبکر پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور آپ نے نماز پڑھائی' جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: اے ابوبکر! میں نے حکم دے دیا تھا تم اپنی جگہ کیوں نہ رہے؟ اس پر حضرت ابوبکر نے عرض کیا: ابوقحافہ کے بیٹے کی مجال نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں نماز پڑھائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں نے اتنی زیادہ تالیاں کیوں بجائیں؟ جب نماز میں کوئی حادثہ ہو جائے تو سبحان اللہ پڑھو کیونکہ جب کوئی سبحان اللہ پڑھے گا تو امام اس کی طرف متوجہ ہو گا' تالی صرف عورتوں کے لیے ہے۔

(بخاری۔ باب: من دخل لیؤم الناس فجاء الامام الاوّل ص ۹۴' کتاب التہجد۔ باب: ما یجوز من التسبیح والحمد فی الصلوٰۃ للرجال ص ۱۶۰' باب: رفع الایدی فی الصلوٰۃ لامر ینزل ص ۱۶۲' کتاب التہجد۔ باب: الاشارۃ فی الصلوٰۃ ص ۱۶۵' کتاب الصلح۔ باب: ما جاء فی الاصلاح بین الناس ص ۳۷۰' کتاب الاحکام۔ باب: الامام یاتی قوما فیصلح بینھم ص ۱۰۶۶' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد)

تکمیل

بنی عمرو بن عوف' اوس کی شاخ تھی' جو قبا میں آباد تھی' ان کے مابین جھگڑا ہو گیا' یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھر پھینکے۔ اس کی خبر حضور اقدس ﷺ کو ظہر کے بعد ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کو ساتھ لے کر ان کے محلے میں تشریف لے گئے تاکہ ان کے مابین صلح کرا دیں۔ جاتے وقت حضرت بلال سے کہہ گئے تھے کہ اگر میں عصر کے وقت تک واپس نہ ہوں تو ابوبکر سے کہنا کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ (بخاری۔ ج ۲۔ الاحکام۔ ص ۱۰۶۶)

تخلص

دوسرے ابواب میں یہ ہے: ''یمشی فی الصفوف یشقھا شقا'' صفوں کو چیرتے ہوئے چلے۔

لا یلتفت

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خشوع میں مخل بھی ہے اور حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع بھی فرمایا ہے' یہاں تک فرمایا: یہ شیطان کا حصہ ہے جو نماز سے اچک لیتا ہے۔

انما التصفيق للنساء

عورتوں کو تالی کا حکم اس وجہ سے ہے کہ ان کی آواز بھی عورت ہے' عورتوں کو یہ جائز نہیں کہ اتنی آواز نکالیں کہ غیر محرم سن سکے' اس وجہ سے وہ بلند آواز سے تسبیح نہیں پڑھ سکتیں' تالی بھی اس طرح بجائیں گی کہ داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں بائیں ہاتھ کی پشت پر ماریں گی۔

رفع اشتباہ

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقررہ امام کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھا رہا ہو اور اثناء نماز میں امام مقرر آ جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ شخص پیچھے ہٹ جائے اور امام مقرر آگے بڑھ کر نماز پڑھائے' مگر اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ بلاعذر یہ جائز نہیں۔ اس حدیث میں جو مذکور ہے یہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے' جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: اب کسی کو یہ جائز نہیں۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۲۱۰)

مسائل

نماز میں ماثورہ اذکار کے علاوہ دوسرے اذکار بھی جائز ہیں' ان سے نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ذکر سے مقصود کچھ اور ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی] جیسے چھینک کا جواب دینا' اچھی خبر سن کر الحمدللہ کہنا' بُری خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا' وغیرہ وغیرہ' البتہ اگر کوئی نابینا ہے اور آگے کنواں ہے' یا سانپ ہے یا درندہ ہے تو اس کو آگاہ کرنے کے لیے تسبیح پڑھ سکتا ہے۔

نماز میں دائیں بائیں دیکھنا مکروہ ہے' مگر یہ کہ کوئی ضرورت ہو جیسے ابوداؤد[1] میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہرہ دینے کے لیے گھاٹی کی جانب سوار بھیجا تھا' نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو گھاٹی کی جانب دیکھتے تھے' عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی' جیسے کہ حضرت صدیق اکبر مصلّی سے ہٹ کر اگلی صف میں آ گئے۔ امام کو لقمہ دینا جائز ہے' بلکہ اگر غلطی ایسی ہے جس سے فسادِ نماز کا اندیشہ ہو تو واجب ہے۔ دینی منصب ملنے پر اللہ عزوجل کا شکر کرنا چاہیے۔

ت ۱۴٦- وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ يَعُوْدُ فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ ثُمَّ يَتْبَعُ الْإِمَامَ.

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب امام سے پہلے سر اُٹھا لے تو لوٹ جائے اور جتنی دیر تک سر اُٹھائے رہے' رُکا رہے' پھر امام کی اتباع کرے۔

(بخاری۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵)

اس تعلیق کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے' اگرچہ اس سند میں ارسال ہے۔ مراد یہ ہے کہ امام رکوع یا سجدے میں تھا اور مقتدی نے سر اُٹھا لیا تو اسے واجب ہے کہ پھر رکوع یا سجدے میں چلا جائے اور جتنی دیر تک رکوع یا سجدے سے سر اُٹھائے رہا' اتنی دیر تک رکوع یا سجدے میں رہے' ورنہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ یہ حکم اس تقدیر پر ہے کہ بہ قدر فرض یعنی ایک تسبیح کی مقدار امام کے ساتھ رکوع یا سجدہ پا چکا تھا' جب سر اُٹھایا ورنہ لوٹنا فرض ہو گیا' اگر نہیں لوٹے گا نماز نہیں ہوگی۔

ت ۱۴۷- وَقَالَ الْحَسَنُ فِيْمَنْ يَّرْكَعُ مَعَ الْإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى السُّجُوْدِ يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الْأُوْلَى بِسُجُوْدِهَا وَفِيْمَنْ نَّسِيَ سَجْدَةً حَتّٰى قَامَ يَسْجُدُ.

اور امام حسن بصری نے کہا: اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے اور سجدہ نہ کر سکے تو آخر رکعت کے دونوں سجدے کرنے کے بعد پہلی رکعت مع سجدے کے قضا پڑھے اور جو سجدہ بھول کر کھڑا ہو گیا' اس کے بارے میں فرمایا کہ فوراً سجدہ کرے۔

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۳۲۔ کتاب الصلاۃ۔ باب: الرخصۃ فی ذالک

(بخاری۔باب:انما جعل الامام لیوتم بہ ص ٩٥)

اس اثر کے پہلے جز کو سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں: بھیڑ کی وجہ سے جمعہ کے دن اگر کوئی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کر سکا تو امام کی نماز پوری ہونے کے بعد پہلی رکعت مع سجدے کے پڑھے' پھر دوسری بھی پڑھے۔

دوسرے جز کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: اگر کوئی پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا' اور اسے اخیر رکعت میں یاد آیا تو وہ تین سجدے کرے اور اگر سجدہ کرنے کے بعد سلام سے پہلے یاد آیا تو فوراً ایک اور سجدہ کر لے اور اگر سلام کے بعد یاد آیا تو نماز پھر سے پڑھے۔

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔اور امام حسن بصری کا ارشاد اس صورت میں ہے کہ مقتدی نے امام کی مخالفت کی۔مناسبت یہ ہے کہ اس اثر سے یہ ثابت ہوا کہ تھوڑی سی اس قسم کی مخالفت سے اقتداء باطل نہیں ہوتی۔

٤٤٩- ح: وَاِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا

[اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو]

٤٤٩- عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهٖ وَهُوَ شَاكٍ فَصَلّٰی جَالِسًا وَّصَلّٰی وَرَآئَهٗ قَوْمٌ قِيَامًا فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنِ اجْلِسُوْا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں علالت کی حالت میں نماز بیٹھ کر پڑھی اور حضور کے پیچھے لوگوں نے کھڑے ہو کر تو حضور نے ان کی جانب اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو' جب وہ سر اٹھائے تم بھی اٹھاؤ' جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو' اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔

(بخاری۔باب:انما جعل الامام لیوتم بہ ص ٩٥' کتاب السہو۔باب:الاشارۃ فی الصلوۃ ص ١٦٥' ج ٢۔کتاب المرضی۔باب:اذا عاد مریضا فحضرت الصلوۃ ص ٨٤٥' ابوداؤد۔کتاب الصلوۃ)

فی بیتہ

اس سے مراد وہ بالاخانہ ہے جو اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے اوپر تھا۔

وھو شاک

حضرت اُم المومنین نے اس علالت کی تشریح نہیں فرمائی کہ کیا تھی؟ لیکن آگے ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھائی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پاؤں میں چوٹ لگنے کے وقت کا واقعہ ہے' جو حدیث: ٢٦٣ میں مفصل مذکور ہو چکا ہے کہ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے پاؤں اکھڑ گیا تھا اور آپ کو دائیں طرف چوٹ بھی آئی تھی۔

اذا صلى جالسا الحديث

حدیث: ۲۶۳ میں ہم بتا آئے کہ یہ حدیث منسوخ ہے' اس لیے کہ مرضِ وصال میں حضور نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر اور تمام صحابہ نے کھڑے ہو کر پڑھی۔

افادہ

حدیث: ۲۶۳ میں ہم نے بحث اُٹھائی تھی کہ جب حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف نہیں لاتے تھے تو نماز کون پڑھاتا تھا؟ علامہ عینی نے اس حدیث کے تحت فرمایا کہ قاضی عیاض نے کہا: ہوسکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجرے ہی میں رہتے ہوئے امامت فرماتے ہوں اور کچھ صحابہ حجرے میں ساتھ رہتے ہوں اور بقیہ مسجد میں رہتے ہوئے اقتداء کرتے ہوں۔

٤٥٠ - ح: إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِنَّا

[جب آپ (ﷺ) ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہتے تو ہم فوراً (پیٹھ) نہ موڑتے]

٤٥٠- حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهٗ حَتّٰى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُوْدًا بَعْدَهٗ۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم لوگ فوراً سجدے کے لیے اپنی پیٹھ نہیں موڑتے تھے جب تک حضور سجدہ نہ کر لیتے' اس کے بعد ہم لوگ سجدہ کرتے۔

(باب: متى يسجد من خلف الامام ص ۹۶' باب: رفع البصر الى الامام فى الصلوٰة ص ۱۰۳' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ' ترمذی' مسند امام احمد۔ ج ۴)

تکمیل

عبداللہ بن یزید' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جانب سے کوفہ کے والی تھے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق وہی نماز بھی پڑھاتے تھے۔ ان کے مقتدی ان سے پہلے سجدہ کر لیتے اور ان سے پہلے سجدے سے سر اُٹھا لیتے۔ اس پر انہوں نے خطبہ دیا اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث ذکر کی۔

غیر کذوب

صحیح یہ ہے کہ غیر کذوب عبداللہ بن یزید کا قول ہے اور حضرت براء کی صفت ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی ابواسحاق سے بعض طرق میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ عبداللہ بن یزید خطبہ دے رہے تھے' میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے براء نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹے نہیں اور یہی صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ عبداللہ بن یزید نے یہ اس لیے نہیں کہا ہے کہ کوئی حضرت براء کو متہم بالکذب مانتا تھا' بلکہ اپنی بات کی توثیق کے لیے کہا ہے تاکہ لوگ ان کی بات پر یقین کامل کر لیں' جیسے ہمارے عرف میں بولتے ہیں کہ فلاں نے مجھ سے یہ بات کہی ہے اور وہ جھوٹے نہیں ہیں۔

ابوداؤد میں یہی حدیث یوں ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب رکوع کرتے' ہم بھی رکوع کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو جب تک حضور اپنی پیشانی زمین پر نہیں رکھتے ہم کھڑے رہتے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رکوع ساتھ ساتھ کرتے' اسی طرح دوسرے افعال بھی۔ صرف سجدے کے لیے انتظار کرتے' جب حضور اقدس ﷺ سر اقدس سجدے میں رکھتے تو یہ لوگ جھکنا شروع کرتے

غالباً یہ اخیر عمر مبارک کا حال ہوگا' جب حضور اقدس ﷺ پر جسمانی ضعف طاری ہو گیا تھا اور سجدے کے لیے جانے میں کچھ تکلف ہوتا تھا' جس کی وجہ سے تاخیر ہوتی تھی۔ اس کا اندیشہ تھا کہ اگر ساتھ ہی ساتھ سجدے میں جائیں گے تو حضور سے قبل سجدہ ہوگا جو ممنوع ہے' جیسا کہ مسند امام احمد[1] اور ابوداؤد[2] اور ابن ماجہ[3] میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہے کہ فرمایا: مجھ سے پہلے رکوع اور سجدہ نہ کرو' اگر بالفرض کبھی میں رکوع تم سے پہلے کرلوں گا تو میرے سر اٹھانے کے بعد تم اسے ادا کرلو گے۔ اس لیے کہ اب میرا جسم بھاری ہو گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ اب میرا جسم بھاری ہو گیا ہے' جتنی تیزی سے تم لوگ ایک رکن سے دوسرے رکن کی جانب منتقل ہوتے ہو' میں اتنی تیزی سے منتقل نہیں ہو سکتا' اگر میرے ساتھ ساتھ منتقل ہونا شروع کرو گے تو مجھ سے پہلے رکوع اور سجدے میں چلے جاؤ گے اور تمہاری مجھ پر سبقت ہو جائے گی۔ اس لیے تم لوگ میرے بعد انتقالات شروع کرو تاکہ مجھ پر سبقت نہ ہو۔ اس کی وضاحت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ فرمایا: میرا بدن بھاری ہو گیا ہے' جب میں رکوع کرلوں تو رکوع کرو اور جب سر اٹھا لوں تو اٹھاؤ اور جب سجدہ کرلوں تو سجدہ کرو' کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ مجھ سے پہلے رکوع سجدہ میں چلا جاتا ہو۔ (ابن ماجہ ص ۶۱)

کشمیری صاحب کا وہم

اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فیض الباری میں ہے کہ مسلم میں ہے کہ حضور نے یہ حکم اس وقت دیا تھا جب آپ کا جسم بھاری ہو گیا تھا۔ مسلم شریف میں اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں جو صاحب' مسلم میں اس مضمون کی کوئی حدیث دکھا دیں گے ہم ان کے مشکور ہوں گے۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن یزید باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں۔ اسی طرح حضرت براء بن عازب بھی' صحابی کے صاحبزادے نے صحابی کے صاحبزادے سے روایت کی۔

۴۵۱- ح: اَمَا يَخْشٰى اَحَدُكُمْ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ؟

[جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے' کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے گا؟]

۴۵۱- قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا يَخْشٰى اَحَدُكُمْ اَوْ اَلَا يَخْشٰى اَحَدُكُمْ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ صُوْرَتَهٗ صُوْرَةَ حِمَارٍ.

میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے' کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ عزوجل اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے' یا یہ فرمایا کہ اللہ اس کی صورت گدھے کی صورت بنادے۔

(بخاری۔ باب: الم من رفع راسہٗ قبل الامام ص ۹۶' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

اما' الا

حرف نفی پر ہمزہ استفہام داخل ہے' یہ استفہام زجر و توبیخ کے لیے ہے۔

اذا رفع

یہ عام ہے خواہ رکوع سے سر اٹھائے یا سجدے سے۔ مراد مطلق امام پر سبقت ہے' خواہ سر جھکانے میں ہو یا سر اٹھانے میں' یہ

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۹۸-۹۲ [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۹۱

[3] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: النھی ان یسبق الامام بالرکوع والسجود ص ۶۵

باب اکتفاء سے ہے۔ یعنی متقابلین میں سے ایک کے ذکر پر اکتفاء کر دیا کہ اسی سے اس کے مقابل کو معلوم کر لیا جائے جیسے "سرابیل تقیکم الحر" حالانکہ لباس گرمی سے بھی محفوظ رکھتا ہے اور جاڑے سے بھی۔

راس حمار کر دینے سے یا تو اس کا حقیقی معنی مراد ہے کہ واقعی اس کا سر گدھے جیسا بنا دے یا معنی مجازی مراد ہے، یعنی بیوقوفی و کم عقلی۔ یہی علامہ کرمانی اور قاضی ابوبکر کی رائے ہے۔ علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ معنی حقیقی مراد ہے۔ قاضی ابوبکر بن العربی نے معنی مجازی مراد ہونے پر یہ دلیل دی تھی کہ یہ اُمت مسخ کے عذاب سے مامون ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ بہ کثرت صحابہ مثلاً حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس اُمت کے آخر میں مسخ، خسف اور قذف ہو گا۔

اقول: قاضی ابوبکر کا یہ ارشاد بھی حق ہے کہ یہ اُمت مسخ سے مامون ہے۔ اس سے مراد پوری اُمت کا مسخ ہے، یعنی یہ اُمت پوری کی پوری مسخ نہ ہو گی جیسے بنی اسرائیل میں اصحاب ایلہ کا مسخ ہوا۔ اور اخیر زمانے میں جو ہو گا جزئی طور پر ہو گا۔ رہ گیا یہ سوال کہ بہت لوگ امام سے پہلے انتقالات کرتے ہیں اور ان کی صورت نہیں بگڑتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی شانِ کریمی ہے کہ اسے معاف فرما دیتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قبر یا آخرت میں یہ سزا دی جائے۔

ت١٤٨- وَكَانَتْ عَآئِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ. (بخاری۔ باب: امامة العبد والمولی ص٩٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان ان کی امامت کرتے، مصحف سے دیکھ کر پڑھتے۔

مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اُم المؤمنین وغیرہ کو ذکوان رمضان شریف میں تراویح مصحف سے دیکھ کر پڑھاتے تھے۔ اور یہ اس وقت آزاد نہیں ہوئے تھے[1] غلام اس بچے کو کہتے ہیں جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔ اب اس تعلیق کی وجہ سے دو بحثیں اُٹھ کھڑی ہوئیں، ایک یہ کہ مصحف میں دیکھ کر پڑھنے سے نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ حافظ ہے اور صرف احتیاط کے لیے مصحف سامنے رکھے ہوئے ہے تو نماز ہو جائے گی اور یہی اس تعلیق کا محمل ہے کہ ذکوان حافظ رہے ہوں گے۔ اس لیے کہ اس نماز میں اور لوگ بھی شریک ہوئے تھے، جیسا کہ امام شافعی نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ، عبید بن عمر، مسور بن مخرمہ اور بہت سے لوگ اس جماعت میں شریک ہوتے تھے، پھر ذکوان میں کیا خصوصیت تھی جس کی بناء پر انہیں امام بنایا جاتا، جبکہ حضرت مسور بن مخرمہ صحابی بھی تھے۔ غالباً یہ خصوصیت حافظ قرآن ہونے کی تھی، دوسرے یہ کہ نابالغ کے پیچھے بالغین کی تراویح صحیح ہے اور اسی پر قیاس کر کے دوسری نوافل بھی جبکہ احناف کے یہاں مختار یہ ہے کہ نابالغ کی اقتداء میں بالغ کی نماز صحیح نہیں۔ ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ فرمایا: "لا یوم الغلام حتی تجب علیه الحدود"[2] جب تک بچہ اس عمر کو نہ پہنچ جائے کہ اس پر حد جاری ہو سکے امامت نہ کرے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "لا یوم الغلام حتی یحتلم" (ایضا) جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے امامت نہ کرے۔ تعلیق مذکور کا جواب یہ ہے کہ اکثر استعمال یہی ہے کہ غلام نابالغ بچے کو کہتے ہیں، مگر کبھی کبھی نوعمر ایسے بچے کو بھی غلام کہتے ہیں جو بالغ ہو گیا ہو، جیسا کہ ابھی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس کے ارشادات سے بھی ظاہر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے جب کنویں میں ڈالا تھا تو ان کی عمر مبارک ایک روایت کے مطابق سترہ سال کی تھی، پھر بھی ان کو غلام کہا گیا۔

رہ گئی غلام کی امامت تو اس سلسلے میں ہمارا مسلک بہت واضح ہے کہ اگر غلام ہی اعلم اقرأ ہو تو ادنیٰ کراہت بھی نہیں۔

---

[1] عینی۔ ج ٥ ص ٢٢٥ [2] عینی۔ ج ٥ ص ٢٢٦

ت ۱۴۹- لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ.

نبی ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے کہ جو شخص سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو وہ قوم کی امامت کرے۔

(بخاری۔ باب: امامة العبد والمولی ص۹۶)

امام بخاری نے یہاں باب یہ قائم کیا ہے: غلام اور آزاد شدہ غلام اور مجہول النسب اور دیہاتی اور اس بچے کی امامت جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔ دو پہلے والوں کے لیے حضرت اُم المؤمنین کا وہ عمل نقل فرمایا اور ان دونوں کے لیے بھی اور بقیہ کے لیے بھی۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مذکور پیش فرمایا کہ جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو وہ قوم کی امامت کرے۔ اس میں آزاد شہری صحیح النسب کی تخصیص نہیں' اس لیے یہ اپنے عموم کے لحاظ سے سب کو شامل ہوئی۔ ہمارے نزدیک اس میں تفصیل ہے' اگر قوم میں اور کوئی دوسرا اعلم ہو تو وہی امامت کے لیے قابل ترجیح ہے' اور ان کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اس لیے کہ ان کی امامت میں تقلیل جماعت ہے۔ اور اگر یہی اعلم القوم ہوں تو ان کی امامت مکروہ تنزیہی بھی نہیں۔ اس تعلیق کو امام مسلم[1] نے اور اصحاب سنن نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امامت کا مستحق کون ہے؟

یہ بحث حدیث: ۴۴۲ میں گزر چکی کہ ہمارے نزدیک حق تقدیم اعلم اور افقہ کو ہے' چونکہ اس مبارک عہد میں جو اقرأ ہوتا تھا وہ اعلم بھی ضرور ہوتا تھا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے اخیر حیاتِ مبارکہ میں باصرار تمام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے مقرر فرمایا۔ اور یہی ضروری بھی ہے' اس لیے کہ قراءت کی احتیاج صرف ایک رکن قیام میں ہے اور علم کی احتیاج اس رکن میں بھی ہے اور بقیہ ہر رکن میں ہر وقت ہے۔ فقیہ ہوگا تو نماز میں ایسا خلل نہ ہو پائے گا کہ نماز فاسد ہو جائے یا مکروہ ہو جائے۔ اور اگر سہواً کوئی ایسی بات ہوگئی جس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو تو وہ سجدۂ سہو کر لے گا' نماز کے اعادے کی حاجت نہ ہوگی۔

علامہ نووی کی لغزش

شرح مسلم میں علامہ نووی نے یہ تحریر فرما دیا کہ امامت کے لیے اقرأ کی افقہ پر تقدیم حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے' البتہ حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اقرأ افقہ پر مقدم ہے' ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے۔

۴۵۲- ح: يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا

[سالم ان کی امامت کرتے اور ان میں سب سے زیادہ یہی قرآن پڑھے ہوئے تھے]

۴۵۲- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْعُصْبَةَ مَوْضِعًا بِقُبَاءٍ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے جب مہاجرین اوّلین عصبہ میں آئے جو قباء میں ایک جگہ تھی تو حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ان کی امامت کرتے تھے' ان میں سب سے زیادہ یہی قرآن پڑھے ہوئے تھے۔

(بخاری۔ باب: امامة العبد والمولی ص۹۶' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰة)

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ یہ فارسی النسل اصطخر یا کرمان کے تھے۔ یہ ایک انصاری خاتون کے غلام تھے' اس نے جب

[1] مسلم کتاب المساجد۔ باب: من احق بالامامة ص۲۳۶' ابوداؤد۔ ج۱ ص۸۶۔ کتاب الصلوٰة۔ باب: من احق بالامامة' نسائی۔ ج۱ ص۱۲۶۔ کتاب الامامة۔ باب: من احق بالامامة' ابن ماجہ۔ کتاب اقامة الصلوٰة۔ باب: من احق بالامامة ص۷۰

انہیں آزاد کردیا تو یہ حضرت ابوحذیفہ کے ساتھ رہنے لگے' انہوں نے ان کو متبنیٰ کرلیا' جس کی وجہ سے لوگ ان کو سالم بن ابی حذیفہ کہنے لگے۔ جب آیت کریمہ "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ" (الاحزاب:۵) نازل ہوئی' متبنیٰ کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو' تو ان کو مولیٰ ابی حذیفہ کہا جانے لگا' یہ دونوں بزرگ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کی لاش اس شان سے ملی کہ حضرت سالم کا سر حضرت ابوحذیفہ کے پاؤں کے پاس اور حضرت ابوحذیفہ کا سر حضرت سالم کے پاؤں کے پاس ملا۔ یہ دونوں سابقین اولین میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ کبار مہاجرین واصحاب بدر میں سے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آزاد شدہ غلام' اگر قوم سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔

۴۵۳- ح: اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ

[اگرچہ تم پر کوئی حبشی حاکم بنادیا جائے اس کی بات سنو اور مانو]

۴۵۳- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَاْسَهٗ زَبِيْبَةٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر تم پر ایسا کوئی حبشی حاکم بنادیا جائے گویا اس کا سر منقیٰ ہے' پھر بھی اس کی بات سنو اور مانو۔

(بخاری۔ باب: امامة العبد والمولی ص۹۶' باب: امامة المفتون والمبتدع ص۹۷' ج۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: السمع والطاعة للامام ص۱۰۵۷' ابن ماجہ۔ کتاب الجہاد)

ان استعمل

اس کے بعد والے باب میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حضرت ابوذر سے فرمایا تھا۔ کتاب الاحکام میں "علیکم" زائد ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر تم پر عامل حاکم کسی بدصورت یا بیوقوف حبشی کو بنادیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو' اس لیے کہ مخالفت میں فتنے اٹھیں گے' قتل وغارت ہوگا اور بالکل وہی مثال ہوگی کہ ایک گھر بنانے کے لیے پورا شہر برباد کیا جائے۔ خلیفہ اسلام مراد نہیں' اس لیے کہ اس کے لیے قریشی ہونا بالاجماع شرط ہے' اس لیے کسی حبشی کے خلیفہ بنائے جانے کا سوال ہی نہیں۔ ہاں اگر اپنی قوت سے غلبہ حاصل کرلے تو یہ دوسری بات ہے۔ نیز مراد یہ ہے کہ اگر وہ کسی گناہ کا حکم نہ دے' اطاعت صرف جائز اُمور کے ساتھ مشروط ہے۔ فرمایا: "لا طاعة للمخلوق فی معصية الخالق" خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت نہیں۔

کان راسه

زبیب سوکھے انگور یعنی منقیٰ کو کہتے ہیں' مراد یہ ہے کہ وہ بدوضع ہو' اس کے بال اُلجھے ہوں' یا اس کا سر چھوٹا ہو' جو کنایہ ہے بیوقوفی سے۔ یہ جملہ کنایہ ہے' تحقیر سے یعنی کتنا ہی حقیر ہو۔ عامل کے محض حقیر ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت سے انکار نہ کرو۔

۴۵۴- ح: يُصَلُّوْنَ لَكُمْ

[(عنقریب کچھ حاکم ہوں گے) جو تمہیں نماز پڑھائیں گے]

۴۵۴- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَكُمْ وَاِنْ اَخْطَئُوْا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: (عنقریب کچھ حاکم ہوں گے) جو تمہیں نماز پڑھائیں گے' اگر صحیح نماز پڑھائیں گے تو بھی تم کو ثواب ملے گا اور اگر غلط

طریقہ سے (پڑھائیں گے) تو بھی تم کو ثواب ملے گا اور غلطی کا وبال ان پر رہے گا۔ (بخاری۔باب:اذا لم یتم الامام واتم من خلفہ ص۹۶)

امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی' اس لیے کہ ان کے نزدیک اقتداء صرف متابعت کا نام ہے اور ہمارے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے' ہمارے نزدیک امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔

ہمارا استدلال

جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''الامام ضامن''[1] اس حدیث کو امام حاکم نے بشرطِ مسلم حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔ ابھی حدیث گزری کہ فرمایا: ''انما جعل الامام لیوتم بہ'' امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' اور اقتداء متفرع ہے صحت صلوٰۃ پر۔ جب نماز ہی فاسد ہو جائے گی تو اقتداء کاہے میں ہوگی۔

اس حدیث کی توجیہ

اس حدیث میں ''فان اخطأوا'' سے مراد وقت مسنون گزار کر وقت مکروہ میں نماز پڑھنا ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یوں روایت ہے:

یکون علیکم امراء من بعدی یوخرون الصلوٰۃ فھی لکم وھی علیھم فصلوا معھم ما صلوا القبلۃ. (عمدۃ القاری۔ج۵ص۲۲۹)

میرے بعد تم پر کچھ حکام ہوں گے جو نماز کو وقت سے ہٹا کر پڑھیں گے' یہ تمہارے لیے باعث ثواب اور ان کے لیے وبال ہے' ان کے ساتھ نماز پڑھو جب تک وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔

علاوہ ازیں مسلم وغیرہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیف بک اذا کانت علیک امراء یوخرون الصلوٰۃ عن وقتھا او یمیتون الصلوٰۃ عن وقتھا قال قلت فما تامرنی قال صل الصلوٰۃ لوقتھا فان ادرکتھا معھم فصل فانھا لک نافلۃ. (مسلم۔ج۱۔کتاب المساجد۔ باب:کراھیۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتھا ص۲۳۰)

تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام ہوں گے جو نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں گے' یا وقت گزار کر پڑھیں گے' انہوں نے عرض کیا: پھر مجھے آپ کا کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا: نماز اپنے وقت پر پڑھ لے' ان کے ساتھ نماز ملے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لے' یہ تیرے لیے نفل ہوگی۔

ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے' اس لیے ''اخطأوا'' سے یہی مراد ہے کہ وقت مسنون کے بعد پڑھیں۔

ت ۱۵۰- وَقَالَ الْحَسَنُ صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ. (بخاری۔باب:امامۃ المفتون والمبتدع ص۹۶)

امام حسن بصری نے فرمایا: اور نماز پڑھ اور اس کی بدعت کا وبال اس پر ہے۔

بدمذہب کے پیچھے نماز کا حکم

اس تعلیق کو سعید بن منصور نے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بصری سے بدمذہب کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: نماز پڑھ لو' اس کی بدعت اس پر ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو' ورنہ ان کے پیچھے

[1] عمدۃ القاری۔ج۵ص۲۲۹ بحوالہ حاکم

نماز قطعاً نہ ہوگی' اس لیے کہ نماز کی صحت ایمان پر متفرع ہے۔ جب ایمان ہی نہیں تو نماز کیسی؟ اور جب امام کی نماز نہیں ہوئی تو مقتدیوں کی کیسے ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام بصری کے عہد میں جو بدمذہب تھے' ان کی بدمذہبی حد کفر تک نہیں پہنچی تھی۔ میرا ظن غالب یہ ہے کہ ان کا یہ ارشاد خوارج کے بارے میں ہے' جن کا تسلط کچھ دنوں کے لیے بصرہ پر ہو گیا تھا۔ حالت امن واختیار میں ایسے بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے' مگر جب ان کا تسلط ہو اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں عزت آبرو' جان ومال کا خطرہ ہو تو کراہت نہیں۔ نیز یہ حکم اس وقت ہے کہ حکام ہی امامت کرتے ہوں یا اپنے مقررہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور کرتے ہوں ورنہ حالت اختیار میں بدمذہب کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز وگناہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ اگرچہ اس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔

۴۵۵- ح: اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَّقَدْنَزَلَ بِكَ مَا تَرٰی

۴۵۵- عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَّقَدْ نَزَلَ بِكَ مَا تَرٰى وَيُصَلِّيْ لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ وَّنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ اِسَائَتَهُمْ. (بخاری۔ باب: امامة المفتون والمبتدع ص۹۶)

[آپ (ﷺ) امام کُل برحق ہیں اور آپ پر جو افتاد ہے وہ ملاحظہ فرما رہے ہیں]

عبیداللہ بن عدی بن الخیار سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب محصور تھے تو یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ آپ امام کُل برحق ہیں اور آپ پر جو افتاد ہے وہ ملاحظہ فرما رہے ہیں اور ہمیں فسادیوں کا امام نماز پڑھا رہا ہے' اس سے ہمیں انقباض ہوتا ہے' ارشاد فرمایا: یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں' ان میں سب سے بہتر نماز ہے جب یہ لوگ اچھا کام کریں تو تو بھی ان کے ساتھ اچھا کام کر اور جب وہ بُرا کام کریں تو ان سے دور رہ۔

قال لنا

عام دستور کے برخلاف یہاں بجائے "حدثنا" وغیرہ کے "قال لنا" فرمایا۔ صاحب تلویح نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے یہ حدیث امام بخاری نے بہ طور مذاکرہ اخذ کی ہو' اس لیے "حدثنا" نہیں فرمایا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہ صیغہ یعنی "قال لنا" اسی وقت کہتے ہیں جبکہ حدیث موقوف ہو' یا اس کا کوئی راوی ان کی شرط پر نہ ہو' علامہ عینی نے فرمایا: اگر کوئی راوی ان کی شرط پر نہ ہوگا تو اس کو اپنی صحیح میں کیسے ذکر فرمائیں گے۔

وهو محصور

یہ حادثہ ۳۵ھ میں پیش آیا۔ شوال میں بلوائی مدینہ طیبہ پہنچ گئے تھے۔ ذوالقعدہ میں انہوں نے حضرت عثمان پر محاصرہ سخت کر دیا۔ غذا اور پانی اندر جانا بند کر دیا۔ چالیس دن محاصرہ رہا' اٹھارہ ذوالحجہ کو جمعہ کے دن چاشت کے وقت آپ شہید کر دیے گئے۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ ایام تشریق میں یہ المیہ پیش آیا' مگر یہ صحیح نہیں' اس لیے کہ شہادت سے ایک دن پہلے اور یوم شہادت میں بھی روزے سے تھے۔ اور ایام تشریق میں روزہ ممنوع ہے' اور اس روزے سے مراد محض فاقہ نہیں بلکہ بالقصد روزہ رکھنا ہے' اس لیے کہ حضرت نائلہ کہتی ہیں کہ افطار کے وقت کوئی غذا اور پانی نہ مل سکا۔ صبح صادق کے قریب ایک پڑوسی نے ایک کوزہ پانی دیا میں نے پیش کیا' مطلع کی طرف نظر کی' دیکھا کہ صبح صادق چمک چکی ہے تو فرمایا: میں روزے سے ہوں[1] نزھۃ القاری' ج۱ ص ۲۴۵' رقم: ۱۲۔

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج۷ ص ۱۸۳

وقت شہادت بعد عصر لکھا ہے' مگر یہ سطور لکھتے وقت البدایہ والنہایہ' ج ۶ ص ۱۹۰' پر دیکھا کہ دونوں قول نقل کیے ہیں اور چاشت کے وقت کو "ذلك اشبه" لکھا ہے' اس لیے یہاں اسے اختیار کیا۔

امام فتنة

اس سے مراد عبدالرحمٰن بن عدلیس بلوائی اور کنانہ بن بشر رئیس الخوارج ہے۔ اوّل الذکر وہ فتنہ گر ہے جو مصریوں کو بھڑکا کر لایا تھا۔ ابتداءً جب شورش میں کی تھی حضرت ذوالنورین مسجد میں تشریف لا کر خود نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن جمعہ کے بعد منبر اقدس پر تشریف لے گئے اور شورش برپا کرنے والوں کو افہام و تفہیم کر رہے تھے کہ ان ظالموں نے پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ سرِ اقدس زخمی ہو گیا' عصاءِ رسول جو حضرت ذوالنورین کے دست مبارک میں تھا چھین کر جہجاہ غفاری نے گھٹنے پر مارا' عصا مبارک ٹوٹ گیا اور حضرت ذوالنورین غش کھا کر گر پڑے۔ لوگ اٹھا کر گھر لائے' اس کے بعد پھر ظالموں نے مسجد میں نہیں آنے دیا۔ پہلے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے نماز پڑھائی مگر ان شورش پسندوں نے انہیں روک دیا' تو کبھی عبدالرحمٰن بن عدلیس بلوائی اور کبھی کنانہ بن بشر نماز پڑھاتا' دس دن تک یہی حال رہا۔ ایامِ محاصرہ میں کبھی کبھی حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت ایوب انصاری' حضرت ابوہریرہ' حضرت سہل بن حنیف رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی نماز پڑھائی ہے' مگر یہ لوگ کسی طرح مراد نہیں ہو سکتے' اس لیے کہ یہ لوگ حضرت عثمان کی اجازت سے نماز پڑھاتے تھے' پھر ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں انقباض کا سوال ہی نہیں اور نہ یہ حضرات فتنے میں شریک تھے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۲۳۱' البدایہ والنہایہ۔ ج ۶ ص ۱۷۶' لغایت ص ۱۹۰)

تحرج

حرج کے معنی دل میں تنگی کھٹک محسوس کرنا اور گناہ کے بھی معنی میں آتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بلوائی امام برحق پر خروج ناحق کر کے بدترین گناہ کے مرتکب فاسق معلن ہیں۔ ہمیں یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ ہے۔

فاسق معلن کی امامت

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاسق معلن کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' مگر یہ صرف حضرت عثمان کا ارشاد ہے۔ عامہ صحابہ و تابعین اسے مکروہ ہی جانتے تھے۔ عمدۃ القاری میں ہے کہ یوسف انصاری نے فرمایا کہ اور لوگ محاصرہ کرنے والوں کے پیچھے نماز کو مکروہ جانتے تھے سوائے حضرت عثمان کے۔

اقول: فاسق معلن کے پیچھے نماز حالت امن میں مکروہ ہے' فتنے اور شورش کے وقت اجازت ہے اور یہی محمل ہے' حدیث "صلوا خلف كل بر و فاجر" کا۔

ت ۱۵۱ - قَالَ الزُّهْرِيُّ لَا نَرٰى اَنْ يُّصَلِّيَ خَلْفَ الْمُخَنَّثِ اِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ لَّابُدَّ مِنْهَا.

امام زہری نے فرمایا: ہیجڑے کے پیچھے نماز ہم جائز نہیں جانتے مگر جبکہ مجبوری ہو۔

(بخاری۔ باب: امامة المفتون والمبتدع ص ۹۷)

مخنث کی اقسام اور ان کے پیچھے نماز کا حکم

مخنث تین قسم کے ہوتے ہیں' ایک وہ جس میں عورتوں کی علامت غالب ہو' یہ عورت کے حکم میں ہے۔ دوسرے وہ جس میں مردانہ علامتیں غالب ہوں' یہ بہت سے احکام میں مردوں کے مثل ہے۔ تیسرے وہ جس میں مردانہ اور زنانہ علامتوں میں سے کوئی غالب نہ ہو' یہ خنثیٰ مشکل کہلاتا ہے۔ ان میں سے کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ پہلی قسم عورتوں کے حکم میں ہے اور عورتوں کی امامت

درست نہیں' دوسرے تیسرے قسم کے ہیجڑوں میں اغلب واکثر بدکرداری کی خو ہوتی ہے' نیز انہیں امام بنانے میں تقلیل جماعت بھی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ ایک مخنث خلقی ہوتا ہے جس کے اعضاء میں نسوانی لچک ہوتی ہے' اسے بھی امام بنانا مکروہ ہے۔ دوسرے وہ جو بہ تکلف وتصنع زنانہ پن اختیار کرتا ہے' اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے۔ ابوعبدالملک نے کہا کہ امام زہری کی مراد مفعول بہ ہے' اس کے پیچھے نماز مکروہ ہونے میں کیا شبہہ ہے۔

باب سے مطابقت

باب سے مطابقت یوں ہے کہ ہیجڑا پن فتنہ ہے اور ہیجڑا مفتون ہے۔ اس لیے امام بخاری نے اس باب میں ذکر فرمایا۔ اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے ان الفاظ میں روایت کیا: ''قلت فالمخنث قال لا کرامة لا تاتم به'' میں نے عرض کیا: ہیجڑے کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کوئی عزت نہیں' اس کی اقتداء مت کرو۔

٤٥٦- ح: فَقَالَ: فَتَّانٌ فَتَّانٌ فَتَّانٌ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: فتان ہے' فتان ہے' فتان ہے]

٤٥٦- سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلَّى الْعِشَآءَ فَقَرَاَ بِالْبَقَرَةِ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَكَانَ مُعَاذٌ يَنَالُ مِنْهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَتَّانٌ فَتَّانٌ فَتَّانٌ ثَلَاثَ مِرَارٍ اَوْ قَالَ فَاتِنًا فَاتِنًا فَاتِنًا وَاَمَرَهُ بِسُوْرَتَيْنِ مِنْ اَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ قَالَ عَمْرٌو لَا اَحْفَظُهُمَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبل' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر جاتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے۔ ایک دن عشاء پڑھی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھی' اس پر ایک شخص چلا گیا' اس کی وجہ سے حضرت معاذ اس پر نکتہ چینی کرتے۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا: فتان ہے' فتان ہے' فتان ہے' تین مرتبہ' یا فرمایا: فاتن ہے' فاتن ہے' فاتن ہے۔ اور انہیں اوساطِ مفصل کی دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ عمرو راوی نے کہا: میں انہیں بھول گیا۔

(بخاری۔ باب: اذا طول الامام ص۹۷' باب: من شکا امامه اذا طول ص۹۸' باب: اذا صلی ثم ام قوما ص۹۸' ج۲۔ کتاب الادب۔ باب: من لم یرا کفارا من قال متاولا ص۹۰۲' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ' ابن ماجہ)

تکمیل

اس کے بعد والے صفحہ پر یوں ہے کہ ایک صاحب پانی کھینچنے والے دو اونٹوں کے ساتھ آئے اور رات اتنی گزر چکی تھی کہ اندھیرا چھا چکا تھا۔ حضرت معاذ کو نماز پڑھتے پایا' انہوں نے اپنے اونٹ بٹھا دیے اور حضرت معاذ کی طرف بڑھے' حضرت معاذ نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء شروع کر دی اور وہ صاحب چلے گئے اور تنہا مختصر نماز پڑھ لی۔ اس پر حضرت معاذ نے انہیں منافق کہہ دیا' انہیں خبر ملی کہ حضرت معاذ نے انہیں منافق کہا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے حضرت معاذ کی شکایت کی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا فتان ہے تو' یا فرمایا: کیا فاتن ہے تو' تین بار' کیوں نہیں تو ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی'' (الاعلیٰ:۱) اور ''والشمس وضحٰها'' (الشمس:۱) اور ''واللیل اذا یغشٰی'' (اللیل:۱) پڑھتا' اس لیے کہ تیرے پیچھے بوڑھے کمزور ضرورت مند (سبھی) نماز پڑھتے ہیں۔ مسلم میں یہ بھی ہے کہ ایک صاحب الگ ہو گئے اور سلام پھیر دیا اور اکیلے نماز پڑھی۔

يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم

حضور اقدس ﷺ کے پیچھے حضرت معاذ نفل پڑھتے تھے تاکہ حضور اقدس ﷺ کی اقتداء اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت حاصل کرلیں۔

فانصرف الرجل

مسند امام احمد میں ہے کہ ان کا نام سلیم تھا اور بنی سلمہ کے فرد تھے۔ انہوں نے یہ عرض کیا تھا: یارسول اللہ! ہم دن بھر کام کرتے ہیں، شام کو گھر آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ معاذ آپ کے یہاں سے آ کر اذان کہلاتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں تو لمبی کر دیتے ہیں۔ اسی میں ہے کہ ایک بار حضور نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی، حضرت معاذ حضور کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم میں آئے اور بقرہ پڑھی۔

مسند ابوداؤد طیالسی اور بزار میں ہے کہ ان کا نام حزم بن کعب تھا۔ مسند امام احمد میں حضرت انس کی روایت میں ہے کہ ان کا نام حرام بن ملحان تھا۔ یہ حضرت انس کے ماموں تھے، مسلم میں یہ ہے کہ ایک صاحب تھے۔

فتان. فاتن

فتان مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہوئے: زیادہ فتنہ برپا کرنے والا۔ فاتن اسم فاعل ہے، اس کے معنی ہیں: فتنہ برپا کرنے والے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہاری وجہ سے لوگ جماعت چھوڑ بیٹھیں اور پھر آپس میں درشت کلامی ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا یہ جلال صرف نماز دراز کرنے پر نہیں تھا بلکہ ان صاحب کو منافق کہنے پر بھی تھا۔

اوساط مفصل

سورۂ حجرات سے لے کر آخر قرآن کو مفصل کہتے ہیں، اس کے تین حصے ہیں، سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک طوالِ مفصل، سورۂ طارق سے لے کر سورۂ لم یکن تک اوساطِ مفصل، سورۂ زلزال سے لے کر اخیر تک قصارِ مفصل۔

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز

امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ خصوصیت سے وہ زیادتی جو بہ طریق ابن جریج میں ہے: ”هي له تطوع ولهم فريضة“ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ زیادتی صحیح نہیں، جیسا کہ امام طحاوی اور علامہ عینی نے بدلائل ثابت فرمایا ہے۔ ثانیاً یہ راوی کا اپنا گمان ہے۔ حضرت معاذ سے کہیں منقول نہیں کہ انہوں نے یہ بتایا ہو کہ میں اپنی قوم کو جو نماز پڑھاتا تھا، نفل کی نیت سے پڑھاتا تھا۔ جب تک فاعل خود نہ بتائے نیت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ثالثاً یہ صلوٰۃ خوف سے منسوخ ہے۔ یہ واقعہ غزوۂ اُحد سے پہلے کا ہے[1] اور صلوٰۃ خوف ٦ھ میں نازل ہوئی۔ اگر یہ جائز ہوتا کہ امام کچھ لوگوں کو فرض کی نیت سے پڑھا دے اور کچھ لوگوں کو نفل کی نیت سے تو صلوٰۃ خوف کی کوئی حاجت نہ تھی۔ خصوصاً اس ہیئت کے ساتھ کہ دوسری صورتوں میں اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نیز امام احمد اور امام طحاوی نے سلیم بن حارث کی حدیث میں یہ زیادتی نقل فرمائی ہے:

لا تكن فتانا اما ان تصلي معي واما ان تخفف — فتان مت بن یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ یا اپنی قوم کو مختصر نماز

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۷۴

عن قومك. (مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۷۴، شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۹۹) پڑھا۔

اس لیے کہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کے ساتھ پڑھو تو مختصر پڑھو، دونوں کو جمع مت کرو کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے اور قوم کو مختصر نماز پڑھانے میں کوئی منافات نہیں، پھر ترديد لغو ہوگی۔ ابن جریج کی زیادتی سے قطع نظر کرتے ہوئے اصل حدیث سے یوں استدلال تام نہیں کہ ہوسکتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کے ساتھ فرض، جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری میں کشمیری صاحب نے ج ۲ ص ۲۲۹-۲۳۰ پر یہ زور باندھا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عادت یہ نہ تھی کہ وہ عشاء حضور کے پیچھے پڑھ کر پھر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے، صرف ایک بار ایسا ہوا، عادت یہ تھی کہ مغرب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے اور عشاء اپنے محلے بنی سلمہ میں آ کر پڑھتے تھے۔ اس پر وہ ترمذی[1] کی اس حدیث سے دلیل لائے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ معاذ مغرب حضور کے پیچھے پڑھتے، پھر اپنی قوم میں آ کر ان کی امامت کرتے۔

اقول: یہ تطویل لاطائل کے ساتھ اس سلسلے کی تمام احادیث پر نظر نہ رکھنے کا ثمرہ ہے۔ ترمذی کی اس حدیث کے خلاف مسند امام احمد[2] میں انہیں حضرت جابر سے بجائے مغرب کے عشاء ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھ کر اپنی قوم میں آ کر امامت فرماتے پھر جب آپ ایک بار مانتے ہیں کہ ایسا ہوا تو امام شافعی کا استدلال اپنی جگہ رہا اور ہمیں جواب کے لیے وہی کہنا پڑے گا جو ہم لکھ چکے تو کوہ کندن کاہ برآوردن سے کیا حاصل، سوائے اس کے کہ کچی سمجھ کے طالب علم یہ ہانکیں کہ شاہ صاحب نے اس حدیث پر اتنے گھنٹے تقریر کی۔

ہمارا استدلال

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الامام ضامن والمؤذن موتمن. امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ۱۔ باب: ما یجب علی المؤذن تبعا هذا الوقت ص ۲۶، ترمذی۔ ج ۱۔ باب: الامام ضامن والمؤذن موتمن ص ۲۹)

یعنی امام سب مقتدیوں کی نماز کو اپنی نماز کے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور یہ بالکل واضح ہے کہ اعلیٰ کے ضمن میں ادنیٰ آ سکتا ہے مگر ادنیٰ کے ضمن میں اعلیٰ نہیں آ سکتا۔ فرض اعلیٰ ہے، اس لیے کہ وہ دو باتوں پر مشتمل ہے: فرضیت اور تعبد۔ اور نفل اس سے ادنیٰ کیونکہ اس میں صرف تعبد ہے، اس لیے فرض کے ضمن میں نفل آ سکتی ہے مگر نفل کے ضمن میں فرض نہیں آ سکتا۔ اسی طرح ضمن میں آنے کے لیے مماثلت ضروری ہے۔ مغایرت کے بعد تضمن صحیح نہ ہوگا، اس لیے ایک فرض پڑھنے والے کے پیچھے دوسرا فرض پڑھنے والا اقتداء نہیں کرسکتا۔ مثلاً عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہر کی قضا پڑھنے والا یا کل کی عصر ہی کی قضا پڑھنے والا اقتداء نہیں کرسکتا۔

۴۵۷- ح: اِنِّي لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ [فلاں کی وجہ سے نماز فجر میں شریک نہیں ہوتا (کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھاتے ہیں)]

۴۵۷- اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِّمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ایک صاحب نے عرض کیا: بخدا یا رسول اللہ! میں فلاں کی وجہ سے فجر کی نماز میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہمیں لمبی نماز پڑھاتے ہیں ان دن سے زیادہ

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۷۵۔ کتاب الجمعہ [2] مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۳۰۲

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِّنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَّا صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ.

میں نے کسی وعظ میں رسول اللہ ﷺ کو غضب ناک میں نے نہیں دیکھا۔ فرمایا: تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں جو کوئی بھی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اختصار کرے، اس لیے کہ ان میں کمزور بوڑھے، ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

(بخاری۔ باب: تخفیف الامام فی القیام ص ۹۷، باب: من شکا امامه اذا طول ص ۹۸، کتاب العلم۔ باب: الغضب فی الموعظة ص ۱۹، ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما یجوز من الغضب والشدة لامر اللّٰہ ص ۹۰۲، کتاب الاحکام۔ باب: هل یقضی الحاکم او یفتی وهو غضبان ص ۱۰۰۷، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، نسائی۔ کتاب العلم)

۴۵۸- ح: اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ

[جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے۔]

۴۵۸- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالسَّقِيْمَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَآءَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو مختصر پڑھاؤ، اس لیے کہ ان میں کمزور بیمار اور بوڑھے بھی ہیں اور جب تنہا پڑھو تو جتنی چاہو لمبی پڑھو۔

(بخاری۔ باب: اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء ص ۹۷، ابوداؤد، ابن ماجہ)

فلاں

اس سے مراد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، وہ قبا میں امام تھے، اختصار سے مراد یہ ہے کہ قیام میں اتنی لمبی قراءت نہ کرے کہ مقتدیوں پر شاق ہو۔ رہ گیا رکوع و سجدہ انہیں بہ طریق مستحب ادا کرے، البتہ انہیں بھی بہت لمبا نہ کرے۔ اور یہ ممانعت بھی کراہت تنزیہہ کی حد تک ہے، کیونکہ خود حضور اقدس ﷺ سے مروی ہے کہ نمازوں میں بہت لمبی لمبی قراءت فرمایا کرتے۔ حتیٰ کہ بخاری ہی میں ہے کہ مغرب میں حضور نے سورۂ والمرسلت پڑھی، اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ غصے کی حالت میں وعظ کہنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ غصے کی حالت میں قاضی کو فیصلہ کرنا یا مفتی کو فتویٰ دینا ممنوع ہے۔ کسی خاص آدمی کو بھی تنبیہ کرنی ہو تو بہتر یہ ہے کہ خطاب عام کرے۔ ہر وہ کام جو اجتماعی طور پر ہو، اس میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ لوگوں پر شاق نہ ہو، اگرچہ وہ کتنا ہی اہم اور دینی کام ہو۔

ت ۱۵۲- وَقَالَ اَبُوْ اُسَيْدٍ طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ.

حضرت ابواُسید نے فرمایا: اے بیٹے! تو نے ہمارے ساتھ نماز لمبی کر دی۔

(بخاری۔ باب: من شکا امامه اذا طول ص ۹۸)

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت اُسید کے صاحبزادے منذر کہتے ہیں کہ میرے والد میرے پیچھے نماز پڑھتے تھے، کبھی کبھی یہ فرماتے: اے بیٹے! آج تو نے سورہ والصافات پڑھ کر نماز لمبی کر دی۔

حضرت اسید بن حضیر ساعدی انصاری بہت مشہور و معروف صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ سے لے کر تمام مشاہد میں شریک ہوئے۔ اصحاب بدر میں سب کے بعد وصال فرمایا، غالباً ۶۰ھ میں۔

۴۵۹- ح: يُوْجِزُ الصَّلٰوةَ وَيُكَمِّلُهَا

[آپ (ﷺ) مختصر اور مکمل نماز پڑھاتے تھے]

۴۵۹- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْجِزُ الصَّلٰوةَ وَيُكْمِلُهَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز مختصر اور مکمل پڑھتے تھے۔

(بخاری۔باب:الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالھا ص ۹۸' مسلم' ابن ماجہ۔کتاب الصلوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اب جو کچھ لوگ لمبی لمبی قراءت کرتے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنی لمبی قراءت نہیں کرتے تھے' البتہ ارکان بہت سکون واطمینان کے ساتھ ادا فرماتے تھے' بعض روایتوں کے الفاظ یہ ہیں: ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہنے کے بعد کھڑے ہوتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہمیں اندیشہ ہوتا کہ آپ پر نسیان طاری ہو گیا اور جب دونوں سجدوں کے مابین بیٹھتے تو اتنی دیر بیٹھتے کہ شبہہ ہوتا کہ آپ پر نسیان طاری ہو گیا ہے۔ (مسلم۔باب: اعتدال ارکان الصلوٰۃ وتخفیفھا فی تمام ص ۱۸۹)

۴۶۰- ح: فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ

[میں اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں]

۴۶۰- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَقُوْمُ فِي الصَّلٰوةِ اُرِيْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِيْهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهِيَةَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمِّهٖ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں' چاہتا ہوں کہ اس میں (قراءت) لمبی کروں کہ بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں' یہ پسند نہیں کہ اس کی ماں کو مشقت میں ڈالوں۔

(بخاری۔باب: من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی ص ۹۸' باب: خروج النساء الی المساجد ص ۱۲۰' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ۳)

۴۶۱- ح: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَّلَا اَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی]

۴۶۱- سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَّلَا اَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی اور اگر آپ بچے کے رونے کی آواز سنتے تو مختصر کر دیتے' اس اندیشے سے کہ کہیں اس کی ماں فتنے میں نہ پڑ جائے۔

(بخاری۔باب: من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی ص ۹۸۔ تین طریقے سے' مسلم' ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ)

بخاری ہی میں مزید دو طریقوں سے حضرت انس والی حدیث تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔ ان کی ابتداء میں یہ ہے: میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ اسے لمبی کروں کہ بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں الخ۔ اخیر میں یوں ہے: کیونکہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کی سخت بے چینی کو میں جانتا ہوں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں مقتدی یا غیر مقتدی کی تکلیف یا ضرورت کے خیال سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا' مگر ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ کسی آنے والے کے لیے رکوع کو لمبا کرنا ممنوع ہے' جبکہ اس کی ریاست کی وجہ سے ہو۔ اور اگر اس میں اس کی ریاست کا خیال نہ ہو بلکہ نیت یہ ہو کہ وہ رکعت پالے تو کوئی حرج نہیں' دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں آنے والے کی عظمت کا لحاظ کیا گیا اور دوسری صورت میں اعانت علی الطاعۃ ہے۔

''انما الاعمال بالنیات'' اسی طرح اگر وہ شریر ہے کہ اگر رکوع کو دراز نہ کرے گا تو وہ ایذاء پہنچائے گا' تو بھی اپنے آپ کو ضرر سے بچانے کے لیے لمبا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس حدیث میں بھی اعانت علی الطاعۃ ہی ہے اور مصلی سے دفع ضرر بھی' اس لیے حضور ﷺ نے اختصار فرمایا۔

کشمیری صاحب کا بخاری میں اضافہ

فیض الباری' ج ۲ ص ۲۳۳ پر ہے: ''قوله عن محمد اخشى عليه عظيما'' میں نے اس جملے کو بخاری میں اسی جگہ نہیں' پوری بخاری میں تلاش کیا' کہیں نہیں ہے اور نہ شارحین نے کسی نسخے میں اس کا پتہ بتایا۔ ہوسکتا ہے کہ کشمیری صاحب کے مخصوص صندوق میں بخاری کا کوئی خاص نسخہ محفوظ ہو' اس میں یہ جملہ ہو۔

ت ۱۵۳- وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِئْتَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ.

نبی ﷺ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم لوگ میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں۔

(بخاری۔ باب: الرجل یاتم بالامام ویاتم الناس بالماموم ص ۹۹)

اس تعلیق کو امام مسلم نے' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پوری حدیث یہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا کہ صحابہ نماز میں پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو فرمایا: آگے آؤ! میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں' کچھ لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے' یہاں تک کہ اللہ ان کو پیچھے کردے گا۔

فائدہ باب

امام شعبی کا مذہب ہے کہ اگلی صف والے امام کے مقتدی ہیں اور دوسری صف والے اگلی صف والے کے' اسی طرح سلسلہ بسلسلہ۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ بخاری کا بھی یہی مذہب تھا' اس لیے یہ باب باندھا کہ مرد امام کی اقتداء کرے اور لوگ مقتدی کی۔
اس مذہب کی بناء پر اگر امام رکوع سے سر اٹھالے اور اگلی صف کے مقتدی رکوع میں ہوں اور ان کے پیچھے کوئی انہیں رکوع میں پالے تو اسے رکعت مل گئی' مگر ظاہر ہے کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی' اس لیے کہ یہاں دین میں پیروی کرنا مراد ہے۔ اور ''من بعدکم'' سے بعد میں آنے والی نسل مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگلی صف میں کھڑے ہو کر میری نماز کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور اسی کے مطابق ادا کرو تاکہ تمہیں دیکھ کر بعد والی نسلیں بھی ویسے ہی نماز پڑھیں۔
امام بخاری نے جزء القراءۃ میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع میں پالے تو اسے وہ رکعت نہیں ملی' صرف اس کی اقتداء صحیح ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام بخاری کا مسلک وہ نہیں جو امام شعبی کا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے حدیث کے لفظ کی رعایت سے یہ باب قائم کیا ہو۔
اس کے بعد باب کی تائید میں امام بخاری نے مرض وصال والی حدیث نقل فرمائی ہے' جس کے اخیر میں ہے: ''یقتدی ابو بکر بصلوۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والناس مقتدون بصلوۃ ابی بکر'' حضرت ابوبکر' رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء کرتے تھے۔ اسی سے باب کو مناسبت ہے۔ جمہور اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر حضور اقدس ﷺ کے رکوع وسجدہ کرنے پر رکوع وسجدہ وغیرہ کرتے تھے' اور بقیہ حضرات حضرت ابوبکر کی تکبیر سن کر انتقالات کرتے تھے' جیسا کہ اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے: ''وابوبکر یسمع الناس التکبیر'' اور حضرت ابوبکر لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔

ت ۱۵۴- وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ سَمِعْتُ نَشِيجَ عُمَرَ وَاَنَا فِي اٰخِرِ الصُّفُوْفِ يَقْرَأُ ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّي وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (یوسف:۸۶).

اور عبداللہ بن شداد نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے کو سنا اور میں آخر صف میں تھا، آپ یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے: میں اپنے غم اور پریشانی کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں۔

(بخاری۔باب:اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ ص۹۹)

غایت باب

یہاں باب یہ ہے: جب امام نماز میں روئے۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی خشیت خداوندی میں یا جنت دوزخ کے ذکر کے وقت نماز میں روئے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر کسی اور وجہ سے روئے، مثلاً کسی تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے روئے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ رونا ملحق بالکلام ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری احناف کے مسلک سے کماحقہٗ واقف نہ ہوں اور تعریضاً یہ باب باندھا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ اگر امام بخاری کا مقصد احناف پر تعریض ہے تو ان کا نشانہ خطا کر گیا، اس لیے کہ حضرت عمر کا رونا نہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھا نہ کسی مصیبت کی وجہ سے، بلکہ خشیتِ خداوندی کی وجہ سے تھا، پھر ہمیں کیا مضر۔ اسی طرح اس ضمن میں جو حدیث ذکر کی ہے، اس سے بھی باب کو کوئی علاقہ نہیں۔ نماز میں حضرت صدیق اکبر کے رونے کا کوئی ذکر ہی نہیں، صرف اُم المؤمنین نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ جب حضور کو نہیں دیکھیں گے تو اپنے اوپر قابو نہ پاسکیں گے، رقیق القلب ہیں، شدتِ گریہ کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہ سکیں گے، جب نماز میں رونے کا ذکر نہیں تو اس سے ثبوتِ باب کو کیا علاقہ؟ پھر حضرت صدیق اکبر کا رونا کسی جسمانی یا دنیوی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے جو دینی وجہ سے ہوتا۔

۴۶۲- ح: قَالَ فِيْ مَرَضِهٖ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ

[آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنی علالت میں فرمایا: ابوبکر سے کہو: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں]

۴۶۲- عَنْ عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهٖ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ قَالَتْ عَآئِشَةُ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اِذَا قَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُوْلِيْ لَهٗ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اِذَا قَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ قَالَتْ حَفْصَةُ لِعَآئِشَةَ مَا كُنْتُ لِاُصِيْبَ مِنْكِ خَيْرًا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی علالت میں فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے کہا: میں نے عرض کیا کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں پائیں گے، حضور حضرت عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حضور نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: اب میں نے حفصہ سے کہا کہ تم عرض کرو کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں پائیں گے، حضور حضرت عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت حفصہ نے ایسا ہی کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بس! تم یوسف پر گھیرا ڈالنے والی ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا: تم سے کوئی بھلائی مجھے نصیب نہیں ہوئی۔

(بخاری۔باب:اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ ص۱۰۰۔۹۹)

مرض وصال کی تفصیل حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف طرق سے مروی ہے اور حضرت ابوبکر کی امامت پر باصرار تقرری کی تفصیل تین طریقے سے ہے: بہ طریق اسود بہ طریق ہشام بن عروہ بہ طریق عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ ہم نے اپنی عادت کے خلاف اس حدیث کو تینوں طریقے سے درج کیا ہے اس لیے کہ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر آئے کہ یہ حدیث حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کی ایک بہت ہی مستحکم دستاویز ہے۔ جس طرح چند صحابہ کی روایت سے حدیث کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے اسی طرح ایک ہی صحابی سے چند تابعین کی روایت سے بھی حدیث کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس حدیث پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔ اب مزید توضیح کی ضرورت نہیں۔

٤٦٣- ح: لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ

[اپنی صفیں سیدھی رکھو]

٤٦٣- قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اپنی صفوں کو سیدھی کرو ورنہ اللہ تمہارے اندر اختلاف پیدا فرمادے گا۔

(بخاری۔ باب: تصویۃ الصفوف ص ۱۰۰، مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ، نسائی۔ کتاب الامامۃ، مسند امام احمد۔ ج ۴)

٤٦٤- ح: اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا

[صفیں درست کرو اور خوب مل کر کھڑے ہو]

٤٦٤- حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور ہماری طرف کیا اور فرمایا: صفیں ٹھیک کرو اور خوب مل کر کھڑے ہو میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(بخاری۔ باب: اقبال الامام علی الناس عند تصویۃ الصفوف ص ۱۰۰، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، نسائی۔ کتاب الامامۃ)

صفوں کے بارے میں تین چیزوں کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے: اوّل اگلی صف پوری کر لی جائے، دوسرے خوب مل کر کھڑے ہوں، تیسرے صفیں بالکل سیدھی رہیں۔ اس سلسلے میں دو باتوں کا ثبوت اس حدیث سے ہے۔ بقیہ پہلی بات پر حدیث گزر چکی کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ صف اوّل میں کیا ہے، پھر بغیر قرعہ کے صف اوّل میں جگہ نہ پاتے تو لوگ قرعہ اندازی کرتے۔ ایک حدیث نسائی[1] میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف پر تین بار دعا فرماتے اور دوسری پر ایک بار۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل رحمت پہلے اگلی صفوں پر نازل فرماتا ہے[2] خوب مل کر کھڑے ہونے کے بارے میں فرمایا: ''من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله'' جو صف ملائے گا، اللہ عزوجل اسے ملائے اور جو صف قطع کرے، اللہ اس کا رشتہ قطع کر دے گا۔ (نسائی۔ کتاب الامامۃ۔ باب: من وصل صفا ص ۱۳۱، ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ، باب: تسویۃ الصفوف ص ۹۷، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۹۸)

صفوں کی درستگی کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا اہتمام تھا، وہ ظاہر ہے۔ بعد میں خلفاء راشدین بھی اس کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مقرر فرما دیا تھا، جب تک وہ لوگ یہ اطلاع نہیں دے دیتے کہ صفیں درست ہو گئیں، نماز نہیں شروع فرماتے تھے۔ حضرت علی، حضرت عثمان غنی بھی اس کا خصوصی اہتمام کرتے، حضرت علی کی عادت یہ تھی کہ نام لے لے کر فرماتے:

---

[1] نسائی۔ کتاب الامامۃ۔ باب: فضل الصف الاوّل علی الثانی ص ۱۳۱

[2] نسائی۔ کتاب الامامۃ۔ باب: کیف یقوم الامام الصفوف ص ۱۳۰

اے فلاں! آگے بڑھ' اے فلاں! پیچھے ہٹ[1] مسلم شریف میں حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث میں یہ تفصیل مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح صفوں کو سیدھا فرماتے' معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان سے تیر سیدھے فرمائیں گے' یہاں تک کہ حضور نے یقین فرمالیا کہ اب ہم یہ خوب سمجھ گئے' ایک دن ایسا ہوا کہ حضور باہر تشریف لائے' قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہہ دیں کہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنا سینہ آگے کیے ہوئے ہے' فرمایا: اللہ کے بندو! صفیں سیدھی کرلو ورنہ اللہ تمہارے اندر اختلاف پیدا فرمادے گا۔

فانی اراکم

بعض لوگوں نے کہا تھا کہ اس سے مراد جاننا ہے حقیقۃً دیکھنا نہیں۔ حضرت علامہ عینی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: یہ تاویل ہے' اس کی کوئی حاجت نہیں۔ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور یہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل میں سے ہے۔ اسے علامہ قرطبی نے فرمایا اور امام احمد اور جمہور علماء نے فرمایا کہ مراد آنکھ کے دیکھنے کی طرح حقیقۃً دیکھنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۵ ص ۲۵۴)

ضروری تنبیہ

ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے بعد بھی اگر صفیں درست نہ ہوں تو جب تک صفیں درست نہ ہوں' تکبیر تحریمہ میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔ اور یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا معمول تھا۔ یہ جو جاہل عوام میں مشہور ہے کہ جب تک امام مصلے پر نہ آجائے اور صفیں درست نہ ہوجائیں' تکبیر کہنے کو جائز نہیں جانتے' شریعت پر افتراء ہے۔

٤٦٥- ح: اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ

[امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے]

٤٦٥- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ فَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ وَاَقِيْمُوا الصَّفَّ فِى الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلٰوةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' امام کے خلاف مت کرو' جب وہ رکوع کرے تو تم لوگ رکوع کرو اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا لک الحمد کہو اور جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو اور جب بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو اور نماز میں صفوں کو سیدھی کرو' صفوں کا سیدھا کرنا نماز کے حسن میں سے ہے۔

(بخاری۔ باب: اقامة الصف من تمام الصلوٰة ص ١٠٠' باب: ایجاب التکبیر و افتتاح الصلوٰة ص ١٠١' مسلم۔ کتاب الصلوٰة)

٤٦٦- ح: سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ

[صفیں سیدھی کرو]

٤٦٦- عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیں سیدھی کرو' اس لیے کہ صفوں کا سیدھا کرنا کما حقہ نماز کے قیام کا جز ہے۔

(بخاری۔ باب: اقامة الصف من تمام الصلوٰة ص ١٠٠' مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰة)

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۲۵۴

حدیث اوّل کے مثل حضرت اُم المومنین عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے حدیث گزر چکی ہے "اجمعون" تک اور اس پر بہ قدرِ ضرورت کلام بھی ہو چکا ہے۔ صرف "اجمعون" کے بعد کا حصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں زائد ہے۔

مطابقت باب

امام بخاری نے یہاں یہ عنوان قائم کیا ہے: صف سیدھی کرنی نماز کے اتمام میں سے ہے۔ دو حدیثیں لائے ہیں، دونوں میں تمامیت کا کوئی ذکر نہیں۔ امام بخاری کے ابواب کے دقائق کو سمجھنا کارے دارد۔ حضرت انس کی حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تسویت صف، اقامت صلوٰۃ کا جز ہے۔ اس لیے کہ من تبعیضیہ کا یہی مدلول ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر صف سیدھی نہ ہو تو نماز ہی نہ ہو گی۔ اس شبہہ کے ازالے کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ افادہ یہ فرمایا کہ مراد کمال نماز سے ہونا ہے۔ اس کی دلیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پہلے پیش کیا، جس میں "من حسن الصلوٰۃ" ہے۔ حسن شی، شی کا جز نہیں ہوتا کمال ہوتا ہے۔ ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس لیے معلوم ہو گیا کہ حضرت انس والی حدیث میں "من اقامۃ الصلوٰۃ" سے مراد کمال اقامت ہے یعنی کما حقہ اقامت صلوٰۃ کا ایک جز تسویت صفوف بھی ہے۔

٤٦٧- ح: مَا اَنْكَرْتُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّكُمْ لَا تُقِيْمُوْنَ الصُّفُوْفَ

[اس کے سوا تم میں کوئی بات خلاف نہیں دیکھی کہ تم لوگ صفیں سیدھی نہیں رکھتے]

٤٦٧- عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَقِيْلَ لَهُ مَا اَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْكَرْتُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّكُمْ لَا تُقِيْمُوْنَ الصُّفُوْفَ وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ قَدِمَ عَلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْمَدِيْنَةَ. (بخاری۔ باب: اثم من لم یتم الصفوف ص۱۰۰)

بشیر بن یسار انصاری سے روایت ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے تو ان سے پوچھا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے خلاف ہم میں کون کون سی بات آپ نے دیکھی؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے سوائے اس کے کہ تم لوگ صفیں سیدھی نہیں رکھتے اور کوئی بات خلاف نہیں دیکھی۔ اور عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے یوں روایت کیا کہ حضرت انس مدینہ میں ہمارے نزدیک آئے۔

تسویت صفوف کا حکم

یہاں باب یہ ہے: جس نے صف پوری نہیں کی، اس کا گناہ۔ مطابقت یوں ہے کہ حضرت انس نے اسے منکر جانا، اس لیے یہ گناہ ہے۔ ابن حزم ظاہری نے کہا کہ صفوں کو سیدھی کرنا نماز کا جز ہے۔ اس لیے اگر صف سیدھی نہ ہو تو نماز باطل ہو گی۔ غیر مقلدین کے یہ امام بھی عجیب و غریب بزرگ ہیں۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ اگر پوری صف میں ایک شخص آگے یا پیچھے ہو گیا تو اس صف کے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گی، حالانکہ جرم صرف ایک کا ہے۔

یہ قول جمہور کے مذہب ہی کے نہیں احادیث کے بھی خلاف ہے۔ اسی حدیث سے ثابت ہے کہ لوگ اس وقت صفیں ٹیڑھی رکھتے مگر حضرت انس یا کسی صاحب نے انہیں نماز کے اعادے کا حکم نہیں دیا۔ نیز اس سے پہلے والی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں "من حسن الصلوٰۃ" آیا ہے، یعنی جن چیزوں سے نماز میں حسن آتا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے۔ اسبابِ حسن میں سے ایک ہی نہیں سرے سے حسن ہی مفقود ہو تو کیا شی معدوم ہو جاتی ہے۔ کیا بدصورت انسان، انسان نہیں۔ جمہور اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک صف

سیدھی رکھنی سنت مؤکدہ ہے اور ترک سنت مؤکدہ بھی منکر اور موجب اثم ہوتا ہے۔

ایک تطبیق

بخاری ہی میں حضرت انس ہی سے دو اور باتیں منقول ہیں۔ پہلی بات: ج ۱ ص ۷۸ پر باب وقت العصر میں ہے کہ حضرت امامہ کہتے ہیں کہ ہم ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت انس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون سی نماز ہے؟ فرمایا: عصر کی۔ ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانے میں اسی وقت عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے' اس وقت مدینہ طیبہ کے حاکم حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ ناگوار ہوا کہ ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی جائے کہ عصر کے وقت سے متصل ہو جائے۔

دوسری بات: ج ۱ ص ۷۶ پر باب: "تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا" میں ہے کہ امام زہری کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ دمشق میں تشریف لائے' میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا رو رہے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا: حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک کی چیزوں میں صرف نماز رہ گئی تھی' اب وہ بھی ضائع کر دی گئی۔ یعنی وقت نکلنے کے بعد پڑھی جانے لگی۔

اور ایک اس حدیث میں ہے' بہ ظاہر ان تینوں میں تعارض ہے' مگر حقیقت میں نہیں۔ بصرہ' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا' حضرت انس بصرہ میں آ کر بس گئے تھے۔ یہ مختلف اوقات میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے' ایک بار حاضر ہوئے تو صرف یہ خرابی دیکھی کہ صفیں ٹیڑھی رہتی ہیں' پھر کبھی آئے تو دیکھا کہ نماز دیر کر کے پڑھی جاتی ہے' اگرچہ وقت ہی میں پڑھی جاتی ہے' یہ دونوں باتیں خاص مدینہ طیبہ کی ہیں۔

اور بخاری' ج ۱ ص ۷۶ پر جو مذکور ہے' وہ بصرہ اور دمشق کی بات ہے جبکہ بصرہ میں حجاج حاکم تھا اور پورے ملک کا فرمانروا ولید بن عبدالملک تھا۔ اس میں یہ ہے: "وھذہ الصلوٰۃ قد ضیعت" اور اسی باب کی پہلی حدیث یہ ہے کہ فرمایا: حضور کے عہد مبارک کی کوئی بات نہیں دیکھتا' لوگوں نے عرض کیا: نماز تو ہے' فرمایا: "الیس صنعتم فیھا ما صنعتم" اس میں تم نے کیا کیا کر لیا ہے۔ مہلب نے کہا کہ اس سے مراد وقت مستحب گزار کر پڑھنا ہے' مگر علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ وقت گزار کر پڑھنا مراد ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے' اس لیے کہ حضرت انس نے مطلقاً فرمایا کہ عہد مبارک کی کوئی بات میں نہیں دیکھتا۔ یہ ارشاد خاص بصرہ اور دمشق کے لیے ہے اور حجاج اور ولید کے لیے' یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت سے پہلے مدینہ کا بھی یہی حال رہا ہو۔ بہر صورت یہ مختلف ارشادات مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں' یا تیسرا خاص دمشق اور بصرہ کے لیے ہے۔ اس مسئلے پر غور کرتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ۸۳ھ' لغایت ۹۴ھ مدینہ طیبہ کے والی رہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال بر بناء مشہور ۹۳ھ میں ہو گیا تھا۔ نیز یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ حجاج ۷۳ھ اور ۷۴ھ میں حرمین اور طائف کا والی بنایا گیا اور ۷۵ھ میں کوفہ اور بصرہ کا۔

ت ۱۵۵- وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ. (بخاری۔ باب: الزاق المنکب بالمنکب و القدم بالقدم فی الصف ص ۱۰۰)

اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا ٹخنہ اپنے برابر والے کے ٹخنے سے ملا دیتا تھا۔

۴۶۸- ح: يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ

[اپنے کندھے کو اپنے سے برابر والے کے کندھے سے ملائے]

٤٦٨- عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهٖ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو میں تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے برابر والے کے مونڈھے اور اپنے قدم اس کے قدم سے ملائے رکھتا۔

(بخاری۔باب:الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فی الصف ص١٠٠)

تعلیق مذکور کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں یوں روایت کیا ہے: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کی جانب روئے انور فرمایا اور تین بار ارشاد فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو، اپنی صفیں سیدھی کرو، ورنہ بخدا اللہ عز وجل تمہارے درمیان اختلاف پیدا فرمادے گا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ہر شخص اپنا کندھا اپنے برابر والے کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملائے رکھتا۔ (کتاب الصلوۃ۔باب:تسویة الصفوف ص٩٧)

کعبه بمنکب صاحبه

غیر مقلدین اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہر نمازی اپنے پاؤں کے ٹخنے اپنے برابر والے کے ٹخنوں سے چپکا کر کھڑا ہو۔ اسی وجہ سے یہ نماز میں ٹانگوں کو اس طرح پھیلا کر کھڑے ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ کشتی لڑنے کے لیے کھڑے ہیں۔ اسی لیے جیسے پہلوان کشتی سے پہلے سینہ پر دونوں ہاتھ باندھتے ہیں، یہ بھی سینے پر ہی باندھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ عمل پوری اُمت کے تعامل کے خلاف ہے۔ پوری اُمت نے ''الزاق منکب بمنکب و کعب بکعب'' کے معنی یہ مراد لیے ہیں کہ خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پر محمول ہے، انسان کے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھوں سے مونڈھے اچھی طرح ملانے کے بعد بھی ٹخنوں سے ٹخنے ملانے میں کافی تکلف و مشقت اُٹھانی پڑے گی۔ اور کھڑے ہونے کی ہیئت بھی انتہائی بھونڈی ہو جائے گی۔ تکلف اور مشقت کی وجہ سے خشوع و خضوع میں بھی خلل واقع ہوگا۔ کسی حدیث میں یہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قدم کو قدم سے ملانے کا حکم دیا ہو۔ اور اس حدیث میں جو ہے یہ اصل میں راوی نے اتصال کا جو منظر دیکھا تھا اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے دونوں قدم ملائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، تو فرمایا: اس نے سنت کو چھوڑ دیا ہے، اگر یہ مراوحہ کرتا تو مجھے اچھا لگتا۔ یعنی دونوں پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نماز میں ایسی ہیئت رکھنی چاہیے، جس میں تکلف اور مشقت نہ ہو۔ ہمارے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ دونوں قدموں کے مابین تین یا چار انگل کا فاصلہ رکھے۔

علاوہ ازیں باء کبھی اتصال مجازی بہ معنی قرب مکانی کے بھی آتا ہے، جیسے ''مررت بزید'' میں ہے، اس تقدیر پر اتصال کا مطلب یہ ہوتا ہے، اتنا قریب ہو جسے عرف میں اتصال کہہ سکیں۔ بالکل چپکنا مراد نہیں ہوتا ہے، تو اب الزاق کعب بکعب کا مطلب ہوا کہ ایک کے ٹخنے دوسرے سے اتنے قریب ہوتے جو نمازی کے حال کے مناسب ہے۔ جسے عرف میں اتصال کہہ سکیں۔

یہاں یہ خاص بات قابل لحاظ ہے کہ تعامل سلف ایسی اہم چیز ہے کہ اس سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا۔ امام ترمذی یہ قول غیر مقلدین کے اہل حدیث ہیں، ان کی کتاب اُٹھا کے دیکھو کتنی جگہ فرمایا: حدیث صحیح حسن ہے مگر عمل اس پر نہیں، کتنی جگہ فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے مگر اس پر عمل ہے۔

اسی طرح یہاں تعامل اُمت اس پر ہے کہ وہ مونڈھوں کو مونڈھوں سے خوب ملا کر کھڑے ہوتے ہیں مگر قدم کو قدم سے بالکل

چپکاتے نہیں، بلا تکلف فطری ہیئتوں پر قدموں میں جتنا فاصلہ ہونا چاہیے، اتنا رکھتے ہیں۔

ت۱۵۶- وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ اَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ نَهْرٌ.

اور امام حسن بصری نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کہ امام اور مقتدی یا دو صفوں کے درمیان (چھوٹی) نہر ہو۔

(بخاری۔ باب: اذا کان بین الامام والقوم حائط او سترۃ ص۱۰۱)

ت۱۵۷- وَقَالَ اَبُوْ مِجْلَزٍ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيْقٌ اَوْ جِدَارٌ اِذَا سَمِعَ تَكْبِيْرَ الْإِمَامِ.

اور ابو مجلز نے کہا: امام اور قوم کے درمیان راستہ یا دیوار ہو جب بھی اقتداء کرے، جب کہ امام کی تکبیر سنے۔

(بخاری۔ باب: اذا کان بین الامام والقوم حائط او سترۃ ص۱۰۱)

ابو مجلز کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔ امام حسن بصری سے بعض روایتوں میں نہر صغیر بھی مروی ہے۔ ان دونوں اثروں کا مطلب یہ ہوا کہ اگر امام اور مصلی یا دو صفوں کے مابین دریا، دیوار یا راستہ حائل ہو تو اقتداء صحیح ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ضروری ہے کہ راستہ بہت مختصر ہو، جس میں بیل گاڑی بھی نہ جا سکے۔ اسی طرح نہر اتنی چھوٹی ہو کہ اس میں کشتی نہ چل سکے تو درست ہے، ورنہ اگر صفیں متصل نہیں اور بیچ میں اتنا چوڑا راستہ ہے جس میں بیل گاڑی چل سکتی ہے، تین صفیں قائم ہو سکتی ہیں تو اقتداء درست نہیں۔ اسی طرح اگر دیوار حائل ہو اور صفیں متصل ہیں اور امام کا حال مشتبہ نہیں ہوتا تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ان دونوں تعلیقات کا محمل یہی ہے کہ یہ حکم میدان یا مسجد کبیر کا ہے، رہ گئی مسجد صغیر تو اس میں امام اور مقتدی کے درمیان کتنا ہی فاصلہ ہو، اقتداء درست ہے جبکہ امام کا حال معلوم ہوتا ہو۔

۴۶۹- ح: اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ

[مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں رات کی نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے]

۴۶۹- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيْرٌ فَرَاَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ اُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ فَاَصْبَحُوْا فَتَحَدَّثُوْا بِذٰلِكَ فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ فَقَامَ مَعَهٗ اُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ صَنَعُوْا ذٰلِكَ لَيْلَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا حَتّٰى اِذَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَخْرُجْ فَلَمَّا اَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ النَّاسُ فَقَالَ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اپنے حجرے میں نماز پڑھا کرتے تھے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی، لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور حضور کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے۔ جب صبح ہوئی تو اس کو خوب بیان کیا۔ دوسری رات بھی حضور نے قیام کیا تو کچھ لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور حضور کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے۔ دو تین رات لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے اور باہر نہیں نکلے، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے (حضور سے) اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: میں نے اندیشہ کیا کہ کہیں رات کی نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

(بخاری۔ باب: اذا کان بین الامام والقوم حائط او سترۃ ص۱۰۱، کتاب التہجد۔ باب: تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل ص۱۵۲، ج۲۔ کتاب اللباس۔ باب: الجلوس علی الحصیر ونحوہ ص۸۷۱، ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۰- ح: كَانَ لَهٗ حَصِيْرٌ يَبْسُطُهٗ بِالنَّهَارِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی چٹائی کو دن میں بچھاتے

وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ

اور رات کو حجرہ بنا لیتے]

۴۷۰- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهُ حَصِيرٌ يَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ فَثَابَ اِلَيْهِ نَاسٌ فَصَفُّوْا وَرَاءَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چٹائی تھی' جسے دن میں بچھاتے اور رات میں اسی کا حجرہ بنا لیتے تو حضور کے پاس لوگ جمع ہو گئے اور حضور کے پیچھے صف بنائی۔

(بخاری۔ باب: صلوٰۃ اللیل ص۱۰۰' ج۲۔ کتاب اللباس۔ باب: الجلوس علی الحصیر ونحوہ ص۸۷۱' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۱- ح: اِتَّخَذَ حُجْرَةً قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهُ قَالَ مِنْ حَصِيرٍ فِيْ رَمَضَانَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک حجرہ بنایا' میں نے گمان کیا کہ چٹائی کا' رمضان میں اس حجرے میں (چند راتیں نمازیں پڑھیں)]

۴۷۱- عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ حُجْرَةً قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهُ قَالَ مِنْ حَصِيرٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ فَصَلّٰى بِصَلٰوتِهِ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهِ فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ قَدْ عَرَفْتُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلٰوةِ صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حجرہ بنایا' میں نے گمان کیا کہ چٹائی کا' رمضان میں' اس حجرے میں چند راتیں نمازیں پڑھیں' پھر حضور کی اقتداء میں کچھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی' جب حضور کو علم ہوا تو حضور بیٹھے رہنے لگے' پھر ایک دن ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگوں نے جو کچھ کیا میں نے جانا' اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو' گھر میں نماز افضل ہے سوائے فرض کے۔

(بخاری۔ باب: صلوٰۃ اللیل ص۱۰۱' ج۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما یجوز من الغضب والشدة لامر اللّٰہ ص۹۰۳' کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکرہ من کثرۃ السوال ص۱۰۸۲' مسلم' ابوداؤد' ترمذی)

پہلی حدیث میں یہاں یہ مذکور نہیں کہ یہ واقعہ کب ہوا؟ مگر تہجد میں تصریح ہے کہ یہ رمضان میں ہوا تھا۔ دوسری حدیث جو کتاب اللباس میں ہے اس میں یہ زائد ہے: جب لوگ زیادہ ہو گئے تو لوگوں کی طرف روئے انور کر کے فرمایا: اے لوگو! اتنا ہی عمل اختیار کرو جس کی طاقت رکھو۔ اللہ عزوجل ہرگز نہیں تھکے گا' تم البتہ تھک جاؤ گے اور اللہ عزوجل کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ ہو' اگرچہ تھوڑا ہو۔ تیسری حدیث کے الفاظ کتاب الاعتصام میں یہ ہیں: ایک رات لوگ جمع ہو گئے اور آواز نہیں سنی تو کچھ لوگوں نے گمان کیا کہ حضور سو گئے ہیں۔ کھنکھارنے (کھانسنے) لگے تاکہ حضور باہر تشریف لائیں۔ کتاب الادب میں یہ ہے کہ ایک رات لوگ حاضر ہوئے' دیر ہو گئی اور حضور باہر نہیں تشریف لائے تو کچھ لوگوں نے اپنی آوازیں بلند کیں اور دروازے پر کنکریاں ماریں تو حضور غضب ناک حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے' اگر فرض کر دی جاتی تو تم اسے ادا نہ کر پاتے۔

یہ نماز کون سی تھی؟

یہ نماز تراویح تھی جسے حضور نے زیادہ سے زیادہ تین دن با جماعت پڑھا۔ کتنی رکعتیں پڑھیں؟ یہ کسی حدیث میں مذکور نہیں'

مگر بیہقی میں حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور یہی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بھی عہد مبارک میں ہوتا تھا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۵)

فی حجرتہ

بعد کی روایتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مسجد اقدس میں چٹائی سے گھیر کر حجرہ بنالیا تھا' اور یہی صحیح ہے' جیسا کہ کتاب اللباس میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے یہ تفصیل مذکور ہے کہ رات کو چٹائی سے حجرہ بنا لیتے تھے۔ اور باب التہجد میں حضرت عروہ کی روایت میں ''فی المسجد'' کی تصریح ہے' اس لیے کہ اسی حدیث میں ہے کہ حضور نظر آ رہے تھے' حجرہ مبارکہ سے نظر آنے کا سوال ہی نہیں' اس لیے کہ اگر حجرے سے مراد وہ حصہ ہے جس پر چھت تھی تو بالکل قطعی ہے کہ نظر نہیں آسکتے اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ حجرہ مبارکہ میں جانب غرب آنگن تھا' وہاں یہ نماز پڑھی' وہاں سے نظر آئے تو یہ بعید ہے کہ آنگن کی دیوار اتنی چھوٹی رہی ہو کہ کھڑے ہونے پر باہر سے دکھائی دے' کیونکہ پھر دیوار کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ قطعی ہے کہ صحابہ کرام مسجد میں تھے۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور حجرہ عائشہ میں تھے' تو اقتداء کیسے درست ہوئی؟ حضور کے پیچھے صحابہ کرام نہ ہوئے بلکہ دائیں طرف ہوئے۔ رہ گئی ابونعیم کی وہ روایت جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج کے حجروں میں سے کسی حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے' یہ غالباً روایت بالمعنی کا ثمرہ ہے۔ ترجیح صحاح کی روایت کو ہوگی۔ ابوداؤد[1] میں ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا: میں نے یہ حجرہ اپنے گھر کے دروازے پر بنایا تھا' تعدد واقعہ پر محمول کرنا بُعد سے خالی نہیں' اس لیے کہ جب حضور نے ایک بار منع فرمادیا تو پھر صحابہ کرام نے کیسے اس کی جرأت کی۔ یہ قول کہ دوبارہ پہلی جماعت کے علاوہ دوسرے لوگ رہے ہوں گے ابعد ہے'' فتحدثوا '' ہوسکتا ہے کہ حضور نے خود بیان فرمایا ہو' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے حضرات نے بیان کیا ہو' جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا تھا۔

افضل الصلوٰۃ

یعنی نفل نماز گھر میں پڑھنا بہ نسبت مسجد کے افضل ہے' حتیٰ کہ ابوداؤد[2] میں حضرت زید والی حدیث میں بہ طریق احمد بن صالح یہ ہے کہ فرائض چھوڑ کر میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل گھر میں نماز پڑھنا ہے' اس لیے کہ نوافل میں اخفاء اور ستر زیادہ اچھا ہے تاکہ ریا و نمود کو دخل نہ ہو۔ نیز یہ کہ اس سے گھروں میں نزول رحمت و برکت ہوگی۔ شیطان کا اثر دور ہوگا' لیکن آج کل مساجد ہی میں نوافل کا عام رواج ہو گیا ہے' اگر کوئی مسجد میں نفل نہ پڑھے تو عوام اسے متہم کر دیں گے' اس لیے عوام کو بدگمانی سے بچانے کے لیے مسجد ہی میں پڑھنا ایک حد تک ضروری ہے۔

کچھ نوافل کا استثناء

اس حکم عام سے کچھ نوافل مستثنیٰ ہیں: تحیۃ المسجد' نماز قبل احرام' جبکہ میقات کے قریب مسجد ہو' استسقاء' کسوف' اسی طرح تراویح بھی۔

ایک شبہہ کا ازالہ

احناف کے یہاں تداعی کے ساتھ نفل مکروہ ہے۔ تداعی کا مطلب یہ ہے کہ امام کے علاوہ تین مقتدی ہوں' اور حضور نے پڑھے۔ جواب یہ ہے کہ یہ نماز تراویح تھی۔ اور تراویح اسی حدیث کی وجہ سے با جماعت مسنون ہے۔

---

[1] ابوداؤد۔ باب: قیام شهر رمضان۔ ج ۱ ص ۱۹۵' فتح الباری۔ ج ۲ ص ۱۷۸
[2] ابوداؤد۔ باب: الرجل يتطوع فی بیتہ ص ۱۴۹

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب نے فرمایا کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں‘ اس لیے کہ جدار الحجرہ سے چٹائی کی دیوار مراد لینا ان کے نزدیک بہت بڑا مجاز ہے‘ شاید حضرت کے نزدیک دیوار کے لیے مٹی‘ پتھر‘ اینٹ کا ہونا ضروری ہے۔ ہم ثابت کر آئے کہ یہ سب ایک ہی واقعے کا بیان ہے۔

انوار الباری پر تعقب

اس سلسلے میں انوار الباری میں ہے: ان کے پاس بھی روایتیں ہیں‘ اگلے باب میں ۲۔ ۳ حدیث بعد بخاری میں بھی ہے۔ اب جس کا جی چاہے بخاری اُٹھا کر دیکھ لے‘ اس مضمون کی حدیث اگلے باب میں ۲۔ ۳ حدیث کے بعد کون سی حدیث ہے؟ دو حدیثیں ہیں‘ مگر دونوں اُم المؤمنین کی حدیث سے متصل ہیں۔ ایک اسی باب میں‘ دوسری حضرت زید بن ثابت والی حدیث‘ باب صلوٰۃ اللیل‘ دو تین حدیث کے بعد حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ”انما جعل الامام لیوتم به“ ہے‘ نہ کہ مذکورہ بالا حدیث۔

تنبیہ

باب صلوٰۃ اللیل‘ یہاں صرف مستملی کی روایت میں ہے‘ بقیہ روایتوں میں نہیں۔ یہاں اس باب کا کوئی موقعہ بھی نہیں‘ اس لیے کہ بیان چل رہا تھا‘ صفوں سے متعلق اور اس کے بعد صفۃ الصلوٰۃ ہے۔ نیز کتاب الصلوٰۃ کے اخیر میں یہ باب ہے بھی تو اس کی توجیہ وہی صحیح ہے جو علامہ ابن حجر نے فرمائی ہے کہ اس سے پہلے والی حضرت اُم المؤمنین کی حدیث کا اخیر حصہ‘ صلوٰۃ اللیل تھا۔ غالباً لکھنے میں سہواً یہ جملہ مکرر ہو گیا تو راوی نے سمجھا کہ یہ عنوان باب ہے۔ لفظ باب لکھنے سے رہ گیا ہے‘ تو اس نے اسے باب صلوٰۃ اللیل کر دیا۔

۴۷۲- ح: اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ

[آپ (ﷺ) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے]

۴۷۲- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِيْنَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوْعِ وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے مقابل تک اُٹھاتے اور جب رکوع سے اُٹھتے تو بھی ایسا ہی کرتے اور جب اپنا سر رکوع سے اُٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بھی ایسا ہی کرتے تھے اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب رفع الیدین۔ باب: اذا کبر واذا رکع واذا رفع ص ۱۰۲‘ باب: رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ ص ۱۰۲‘ باب: الی این یرفع یدیہ ص ۱۰۲‘ مسلم‘ ابوداؤد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۷۳- ح: اِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ

[جب وہ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے]

۴۷۳- عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ اَنَّهٗ رَاٰى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ اِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ

ابوقلابہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور اپنے

وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا.

دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو اُٹھاتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو اُٹھاتے' اور بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع الیدین اذا کبر ص ۱۰۲' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

٤٧٤- ح: إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ

[جب نماز میں داخل ہونا چاہتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے]

٤٧٤- عَنْ نَّافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہونا چاہتے تو تکبیر پڑھتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو اُٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے تو اُٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے اُٹھتے تو اُٹھاتے۔ حضرت ابن عمر نے اسے نبی ﷺ تک پہنچایا۔ اسے حماد بن سلمہ نے عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ روایت کیا۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ص ۱۰۲' ابوداؤد)

تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے؟

تحریمہ کے وقت کہاں تک ہاتھ اُٹھائے؟ ہمارے اور شوافع کے مابین نماز کے سلسلے میں کثیر اختلافات ہیں' ان میں سے دو اختلافات کی بنیاد مذکورہ بالا احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں کی لو تک اُٹھائے جائیں یا صرف کندھوں تک۔ امام شافعی' امام احمد کا قول یہ ہے کہ کندھوں تک اُٹھائے' امام مالک کا اصح قول بھی یہی ہے۔[۱] حضرات شوافع وغیرہ کی دلیل حدیث: ۴۷۲ ہے۔

احناف کا مذہب اور دلائل

ہمارا مذہب یہ ہے کہ کانوں تک اُٹھائے' اس طرح کہ انگوٹھے کانوں کی لو تک پہنچ جائیں' ہماری دلیل یہ احادیث ہیں:

(۱) امام مسلم[۲] نے حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: نبی ﷺ جب تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اتنا اُٹھاتے کہ کانوں کے برابر ہو جاتے۔ ایک روایت یہ ہے کہ کانوں کی فروع کے برابر ہو جاتے۔

(۲) اسی کے مثل دار قطنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۲۷۴)

(۳) امام طحاوی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' نبی ﷺ ہاتھوں کو اتنا اُٹھاتے کہ حضور کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہو جاتے۔ (شرح معانی الآثار۔ باب: رفع الیدین فی افتتاح الصلوٰۃ ص ۹۶)

تطبیق

امام ابو جعفر طحاوی نے ان دو متضاد احادیث میں تطبیق یہ دی کہ جب سردی کی وجہ سے گرم لباس اور چادر اوڑھے رہتے تو کندھوں تک اُٹھاتے' ورنہ کانوں تک' اس لیے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں

[۱] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۲۷۳
[۲] مسلم۔ باب: استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص ۱۶۸

حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ تکبیر کے وقت ہاتھ کانوں تک اُٹھاتے تھے اور جب دوبارہ حاضر ہوا تو دیکھا کہ لوگ اپنے سینوں تک ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور وہ گرم کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور کمبل اوڑھے ہوئے ہیں۔ (ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: رفع الیدین ص ۱۰۵)

تحقیق یہ ہے کہ اس سلسلے میں روایتیں تین طرح آئی ہیں' کندھوں تک' کانوں کی لَو تک' کانوں کے اوپر تک۔ ہاتھ ہتھیلی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک ہے' آپ جب ہاتھوں کو اتنا اُٹھائیں کہ انگوٹھے کے سرے کانوں کی لَو تک پہنچ جائیں تو ہتھیلیوں کی جڑیں کندھوں تک رہیں گی اور بقیہ انگلیاں کانوں کے اوپر تک' اس لیے ان تمام احادیث کا ماحصل ایک ہوا۔ اس کی دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد[1] نے روایت کیا' وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہاتھوں کو اٹھایا' یہاں تک کہ وہ کندھوں کی سیدھ میں ہو گئے اور انگوٹھے کانوں کے' پھر آپ نے تکبیر کہی۔

رفع یدین

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ ہی کے وقت مشروع ہے یا دوسرے مواقع پر بھی۔ امام شافعی' امام احمد وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے' رکوع سے اُٹھتے ہوئے اور سجدے میں جاتے وقت بھی رفع یدین مسنون ہے۔ ان کی دلیل یہ مذکورہ بالا احادیث اور اس کے مثل اور دوسری احادیث ہیں۔

احناف کا مذہب اور دلائل

ہمارا مذہب یہ ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے اس کے بعد نہیں' امام مالک کا مذہب معتمد یہی ہے۔ ہماری دلیل یہ احادیث ہیں:

(۱) امام ابوداؤد[2] امام ترمذی[3] امام نسائی[4] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھا دوں؟ انہوں نے نماز پڑھی اور ہاتھ صرف ایک بار اُٹھایا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا اور فرمایا: صحابہ اور تابعین میں سے متعدد حضرات کا یہی قول ہے۔

(۲) امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار[5] میں تین طریقوں سے اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں[6] حضرت براء بن عازب سے روایت کیا' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اتنا اُٹھاتے کہ انگوٹھے کانوں کی لَو کے قریب ہو جاتے' پھر دوبارہ ایسا نہیں کرتے۔

(۳) طبرانی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ صرف سات جگہ اُٹھائے جائیں: نماز شروع کرتے وقت' اور قبلہ کے سامنے ہونے کے وقت اور صفا و مروہ پر' عرفات اور جمع (مزدلفہ) میں' مقامین میں اور جمرتین کے قریب۔ اسے امام بخاری نے رسالہ رفع یدین میں حضرت ابن عمر سے بھی مرفوعاً روایت کیا۔

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۰۵۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: رفع الیدین

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۰۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من لم یذکر الرفع عند الرکوع

[3] ترمذی۔ ج ۱ ص ۳۵۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: رفع الیدین عند الرکوع

[4] نسائی۔ ج ۱ ص ۱۵۸۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ترک ذلک

[5] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۱۱۰۔ باب: التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود

[6] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۰۹۔ باب: من لم یذکر الرفع عند الرکوع

(۴) امام بیہقی نے خلافیات میں حضرت عباد بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اوّل نماز میں ہاتھوں کو اُٹھاتے' پھر کہیں نہیں اُٹھاتے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے۔ (کشف الرین للشیخ محمد ہاشم السندی)

(۵) امام مسلم اپنی صحیح میں' حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا: کیا بات ہے کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو یوں اُٹھاتے ہو' گویا وہ چنچل گھوڑوں کی دُم ہیں۔ نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔ (ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامر بالسکون فی الصلوٰۃ ص ۱۸۱)

اور بار بار ہاتھ اُٹھانا بداہۃً سکون کے منافی ہے اور چنچل گھوڑوں کے دُم اُٹھانے اور گرانے کے مثل ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں سکون کا حکم دیا' تو اس حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ بار بار رفع یدین ممنوع ہے۔

تنقیح و تمحیص

اس سلسلے میں قول محقق وہ ہے جو امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں فرمایا کہ ابتداءِ اسلام میں رفع یدین کا حکم تھا' بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جن بزرگوں سے رفع یدین مروی ہے' خود انہیں کا فعل یہ مروی ہے کہ وہ رفع یدین تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں نہیں کرتے تھے' مثلاً اس سلسلے کی سب سے قوی حدیث جس پر مخالفین کو بہت غرّہ ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث زیر بحث ہے' مگر خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل مروی ہے کہ وہ رفع یدین تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار[1] میں روایت کیا کہ امام مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی۔ تکبیر اوّل کے علاوہ وہ کہیں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔

اسی طرح حضرت علی سے بھی رفع یدین کی روایت آئی ہے' مگر ان کا عمل اس کے برخلاف تھا' اُسی میں بہ طریق عاصم بن کلیب عن ابیہ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھاتے' پھر کہیں نہیں اُٹھاتے تھے۔ امام طحاوی کے علاوہ اسے ابو بکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۲۷۴)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بھی رفع یدین کی حدیث مروی ہے' مگر ان کا عمل ترک رفع یدین تھا۔ امام طحاوی اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے امام اسود سے روایت کیا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے تھے' پھر کہیں نہیں اُٹھاتے تھے۔

یہ بات بہت اہم ہے کہ ایک صحابی خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فعل روایت کریں اور خود اُس کے برخلاف عمل کریں۔ کیا صحابہ کے بارے میں ایسا سوچا جا سکتا ہے؟ کہ سنت رسول کی مخالفت کریں گے جبکہ صحابہ کرام کا طریقہ معلوم ہے کہ وہ عبادات تو عبادات ہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات میں بھی مکمل طور پر پیروی کرتے تھے' خصوصاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حال سب کو معلوم ہے۔ حدیث گزر چکی کہ مکہ معظمہ کے راستے میں جن جن مقامات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیں پڑھی تھیں' یہ انہیں تلاش کر کر کے بالقصد ان مقامات پر نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عبادت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فعل کی مخالفت کریں' اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ انہوں نے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے' اس کا منسوخ ہونا ان کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے' اسی لیے انہوں نے اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کیا۔ اس طرح تمام احادیث میں تعارض دور ہو جاتا ہے اور بات منقح ہو جاتی ہے۔

[1] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۱۱۰۔ باب: التکبیر فی الرکوع والتکبیر فی السجود

چند شبہات اور ان کے جوابات

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پر مندرجہ ذیل شبہات مختلف حضرات نے کیے ہیں، جن کے علماء احناف نے تحقیقی جوابات دیے ہیں۔ ان شبہات و جوابات کو ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

(۱) امام عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا: رفع یدین کی حدیث بہ طریق زہری عن سالم عن ابیہ ثابت ہے، مگر حضرت ابن مسعود کی حدیث ثابت نہیں۔ اس کا جواب ابن دقیق العید مالکی شافعی نے اپنی کتاب الامام میں یہ دیا: حضرت ابن مبارک کے نزدیک ثابت نہ ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ حقیقت میں ثابت نہ ہو، اور اگر اس پر کسی نے کچھ کہا ہے تو اس کا جواب ممکن نہ ہو۔ اس حدیث کے ایک راوی عاصم بن کلیب ہیں، ان پر کچھ کلام کیا گیا مگر وہ حقیقت میں ثقہ ہیں جیسا کہ ابھی مفصل آتا ہے۔

(۲) ابن القطان نے کتاب الوہم والایہام میں یہ شبہہ وارد کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، البتہ وکیع نے جو یہ کہا: ''ثم لا یعود'' یہ منکر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کبھی اسے اپنی طرف سے کہتے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کے فعل کی حکایت کر رہے ہیں اور کبھی حدیث کے تابع بیان کرتے، گویا وہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ اب یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ہو جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ یہ حدیث امام وکیع ہی سے متعدد کتب میں متعدد طرق سے مروی ہے، سب میں ''ثم لا یعود'' کا ہم معنی حضرت ابن مسعود کا ارشاد منقول ہے۔ نیز نسائی[۱] میں بہ طریق عبد اللہ بن مبارک ہے: ''ثم لم یعد''۔ ابوداؤد[۲] میں بہ طریق معاویہ و خالد بن عمرو و ابو حذیفہ ہے: ''فرفع یدیه اول مرة وقال بعضهم مرة واحدة'' یہ کہنا کہ دوبارہ رفع یدین نہیں کیا، اور یہ کہنا کہ پہلی بار ہاتھ اُٹھایا یا ایک بار اُٹھایا، سب کے معنی ایک ہی ہیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ تنہا امام وکیع ہی کی روایت نہیں بلکہ سفیان ثوری کے دیگر تلامذہ حضرت ابن مبارک وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔

(۳) دار قطنی نے کہا کہ امام احمد بن حنبل اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے ''لم یعد'' نہیں روایت کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسند امام احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ اس کی تکذیب کر رہے ہیں، مسند امام احمد نیز مصنف ابن ابی شیبہ اُٹھا کر دیکھ لو اس میں صاف ہے:

فلم یرفع یدیه الا مرة واحدة. حضور نے صرف ایک ہی بار ہاتھ اُٹھایا۔

یہ یعنی ''مرة واحدة''، ''ثم لم یعد'' کے ہم معنی اور ہمارے دعوے پر زیادہ قطعی ہے۔ اس میں اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں جو مخالفین کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دوسری رکعت میں اُٹھتے ہوئے تکبیر کے وقت رفع یدین نہیں کیا، حالانکہ یہ تاویل بھی جیسی بے ظاہر ہے۔

(۴) دار قطنی نے یہ شبہہ کیا کہ وکیع کے تلامذہ نے یہ حدیث روایت کی اور اس میں ''لم یعد'' نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ امام وکیع کے متعدد اصحاب نے اس کے ہم معنی روایت کیا۔ ابھی گزرا کہ امام احمد بن حنبل، امام ابن ابی شیبہ نے ''فلم یرفع یدیه الا مرة'' روایت کیا۔ نیز طحاوی میں نعیم بن حماد اور یحییٰ بن یحییٰ نے، ابوداؤد میں عثمان بن شیبہ نے، ترمذی میں ھناد نے، نسائی میں محمود بن غیلان نے امام وکیع ہی سے اس کے ہم معنی روایت کی ہے، پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ امام وکیع کے تلامذہ نے یہ روایت نہیں کیا ہے۔

(۵) امام بخاری اور ابو حاتم نے کہا کہ اس میں سفیان سے وہم ہو گیا ہے، اس لیے کہ عاصم سے ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز شروع فرمائی، اور ہاتھوں کو اُٹھایا، دونوں ہتھیلیاں ملائیں اور دونوں گھٹنوں کے درمیان کر لیا، کسی

[۱] نسائی۔ ج ۱ ص ۱۵۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ترک ذلک [۲] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۰۹۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: من لم یذکر الرفع عند الرکوع

نے بھی وہ نہیں کہا جو سفیان ثوری نے کہا۔

امام احمد نے فرمایا کہ مجھ سے یحییٰ بن آدم نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن ادریس عن عاصم والی کتاب دیکھی۔ اس میں ''ثم لم یعد'' نہیں اور جو کتاب میں ہو وہ زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ اس کے تین جوابات ہیں: اوّل' یہ دونوں دو حدیثیں ہیں' جس پر دونوں حدیثوں کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ ثانی' یہ کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ دونوں دو حدیثیں نہیں تو ابن ادریس کے بالمقابل ترجیح سفیان کی حدیث کو ہوگی' سفیان بہ نسبت ابن ادریس کے زیادہ ثقہ اور زیادہ معتمد ہیں۔ علامہ ابن حجر نے سفیان کو ثقہ حافظ امام حجت کہا ہے۔ ثالث' یہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اس کا یہ جواب دیا کہ بخاری اور ابو حاتم نے کہا: سفیان سے وہم ہوا اور ابن قطان وغیرہ نے کہا: وکیع سے وہم ہوا۔ تعارض کی وجہ سے دونوں قول ساقط اور حدیث چونکہ ثقات سے مروی ہے' اس لیے حجت ہوئی۔

(٦) امام بیہقی نے اپنی سنن میں' پھر ابن عبدالہادی نے تنقیح میں' ابوبکر بن اسحاق کا یہ قول نقل کیا: ہو سکتا ہے حضرت ابن مسعود دیگر مواقع پر رفع یدین بھول گئے ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر احادیث کے صریح مضامین یہ کہہ کر رد کرنے کی راہ کھول دی جائے تو دین کا اللہ حافظ۔ کوئی گستاخ دریدہ دہن رفع یدین کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ مکھی اڑانے کے لیے کیا تھا۔

(٧) اس حدیث کے راوی عاصم بن کلیب غیر مقبول ہیں' جواب یہ ہے کہ اُن کو ابن معین' نسائی اور ابو صالح نے ثقہ کہا' البتہ ابن مدینی نے کہا: اگر یہ تنہا کوئی حدیث بیان کریں تو وہ لائق حجت نہیں' مگر وہ یہاں منفرد نہیں۔ اس کی متابع روایت موجود ہے۔ دار قطنی اور ابن عدی نے محمد بن جابر عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ' ان الفاظ میں روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ حضرات نماز شروع کرنے کے علاوہ اور کہیں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ اس حدیث کے راوی محمد بن جابر کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے' مگر راجح یہ ہے کہ ان کی حدیث معتبر ہے' پھر متابعت کے لیے ضعاف بھی کافی ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی متابع سیدنا امام اعظم کی یہ حدیث ہے' جو امام[1] نے بہ طریق حماد عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ' روایت کی' جس میں یہ ہے: وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے' پھر کہیں نہیں اُٹھاتے تھے۔

(٨) عبدالرحمٰن نے علقمہ سے نہیں سنا ہے' امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کا یہ جواب دیا: یہ قول باطل ہے' کسی نامعلوم شخص کا قول ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا اور کہا کہ یہ ٩٩ھ میں فوت ہوئے۔ بروایتے اسی سال حضرت ابراہیم نخعی کا بھی وصال ہوا' اور امام نخعی کا علقمہ سے سماع بالاتفاق ثابت تو علقمہ سے عبدالرحمٰن کے سماع سے کیا چیز مانع ہے۔ خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبدالرحمٰن کے حالات میں لکھا: انہوں نے اپنے والد اور علقمہ سے سنا۔

حدیث براء

حدیث براء پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں ''ثم لم یعد'' حضرت ابن مسعود کا قول نہیں' یہ یزید ابن ابی زیاد نے اپنی طرف سے بڑھا دیا' جسے ادراج کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہیں سے امام شعبہ' امام ثوری وغیرہ حفاظ نے اس حدیث کو روایت کیا' مگر کسی نے ''لم یعد'' ذکر نہیں کیا۔ حمیدی نے کہا: یہ زیادتی صرف یزید روایت کرتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا: یہ صحیح نہیں' یوں ہی امام بخاری' یحییٰ' دارمی' حمیدی وغیرہ نے اسے ضعیف کہا۔ امام احمد نے فرمایا: یہ حدیث واہی ہے' یزید کے زمانے تک یہ حدیث روایت

[1] فتح القدیر۔ ج ١ ص ١٢٥

کرتے رہے مگر "ثم لم یعد" روایت نہیں کرتے تھے۔ جب اہل کوفہ نے انہیں تلقین کی تو اُسے ذکر کرنے لگے۔ الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی میں ہے کہ امام بیہقی نے سفیان بن عیینہ کی یہ حدیث ذکر کی کہ حضرت براء نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع فرماتے تو ہاتھوں کو اُٹھاتے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: جب میں کوفہ آیا تو یزید کو یہ حدیث بیان کرتے سنا اور یہ زیادہ کیا: "ثم لا یعود" میں نے گمان کیا کہ کوفہ والوں نے انہیں سکھادیا ہے۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ان بزرگوں پر رحم فرمائے۔ محض گمان سے اتنی بڑی بات کہنی جائز نہیں۔ "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" اگر یہ بات صحیح تھی تو طعن کے لیے ادراج کے قول کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یزید کے غیر معتبر ہونے کے لیے یہی کافی تھا کہ ایک غلط بات محض کوفہ والوں کے کہنے سے حضور کی طرف منسوب کردی۔ اب ان کی روایات کا کیا اعتبار؟ پھر یہ کہ یہی حدیث یزید بن ابی زیاد کے علاوہ دوسرے حضرات نے اس زیادتی کے ساتھ روایت کی، مثلاً امام طحاوی، امام ابوداؤد، امام بیہقی نے عیسیٰ بن ابی لیلیٰ اور حکم بن عتیبہ سے اور ان دونوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے یہی حدیث "ثم لا یعود" کی زیادتی کے ساتھ روایت کی ہے۔

نیز یہ کہ خود یزید بن ابی زیاد سے سفیان بن عیینہ کے دوسرے بہت سے تلامذہ نے "ثم لا یعود" کی زیادتی کے ساتھ روایت کی ہے، مثلاً اسمٰعیل بن زکریا، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، شریک، ہشیم، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق وغیرہ ایک جماعت نے۔

اب اس حدیث کی صحیح پوزیشن یہ ہوئی کہ یزید بن ابی زیاد کی روایت کو عیسیٰ اور حکم کی روایت سے قوت ملی اور محمد بن عبدالرحمٰن کی روایت کو محدثین کی ایک جماعت کی روایت سے تقویت ملی۔

امام احمد اور ابن عیینہ کا یہ فرمانا کہ پہلے "ثم لا یعود" کے بغیر روایت کرتے تھے، کوفہ آنے کے بعد اس اضافے کے ساتھ روایت کرنے لگے۔ یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں، کبھی صرف حدیث کا اتنا حصہ بیان کیا جتنے کی اس وقت ضرورت تھی اور کبھی پوری مکمل حدیث روایت کی، اس قسم کے اختصار کی بے شمار مثالیں خود بخاری میں موجود ہیں۔

حدیث ابن عباس

اس پر پانچ شبہات وارد کیے گئے ہیں:

(۱) اسے تنہا ابن ابی لیلیٰ نے روایت کیا ہے اور وہ قابلِ احتجاج نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عجلی نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ فقیہ صاحب سنت بہت سچے اور جائز الحدیث تھے، یعنی ان کی حدیث مقبول ہے۔ یعقوب بن ابی سفیان نے کہا: یہ ثقہ عادل ہیں، ان کی حدیث میں کچھ کلام ہے اور ذرا نرم تھے۔ ابوحاتم نے احمد بن یونس سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: یہ یعنی ابن ابی لیلیٰ پوری دنیا والوں سے زیادہ فقیہ تھے۔

(۲) امام شعبہ نے فرمایا کہ حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں، ان میں یہ حدیث نہیں۔ اس کا یہ جواب ہے کہ امام شعبہ نے اپنی دانست کے مطابق کہا، ورنہ ترمذی نے حکم عن مقسم کثیر احادیث روایت کی ہیں اور اُن کے اکثر میں تحدیث اور سماع کی تصریح ہے، جیسا کہ مقدمہ تنسیق النظام میں ہے۔

(۳) امام وکیع نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ کبھی موقوفاً روایت کیا اور کبھی مرفوعاً جیسے خود حضرت ابن عمر کی حدیث بھی دونوں طرح مروی ہے۔ اس سے مرفوع ہونے کی نفی کیسے ثابت ہوئی۔ دوسرے یہ کہ یہ معاملہ عبادت کا ہے، اس میں قیاس کو دخل نہیں اس لیے یہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔

(۴) اس حدیث کے ظاہر سے جو حصر متبادر ہے وہ قطعی مراد نہیں، اس لیے کہ ان سات جگہوں کے علاوہ اور دوسرے مواقع پر بھی رفع

یدین ثابت ہے' مثلاً تکبیرات عیدین اور قنوت میں دعا کے وقت۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو موقوف مانیں تو یہ حضرت ابن عباس کے اپنے علم کی بات ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرے مواقع پر رفع یدین کا انہیں اس وقت تک علم نہ ہوا ہو مگر پنج وقتہ نمازوں میں رفع یدین کا علم ان صحابہ کو نہ ہونا جو دائم حاضر باش تھے بہ منزلۂ عدم ضرور ہے' اس لیے کہ روزانہ پانچ پانچ بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھیں اور رفع یدین نہ دیکھیں' قریب قریب محال ہے۔

اور اگر یہ حدیث مرفوع ہے جیسا کہ حقیقت میں ہے' تو جواب یہ ہے کہ نصوص میں ایسا بہت ہے کہ کچھ احکام صیغۂ حصر سے بیان ہوتے ہیں مگر دوسری نصوص سے وہ حکم انہیں میں منحصر نہیں رہتا' مثلاً قرآن کریم میں ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ. (البقرہ:۱۷۳) — اللہ نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے غیر کے نام پر ذبح کیا گیا ہو' حرام فرمایا ہے۔

کیا اس حدیث کے حصر کو سامنے رکھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان چار چیزوں کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں' سب حلال ہیں۔

(۵) خود حضرت ابن عباس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد رکوع میں رفع یدین کیا اور احناف کا یہ قاعدہ ہے کہ راوی جب اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرے تو وہ حدیث قابل استدلال نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قاعدہ کا اجراء اس وقت ہے' جب یہ معلوم ہو کہ راوی نے یہ عمل روایت کے بعد کیا ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کب کیا ہے یا یہ معلوم ہو کہ روایت سے پہلے کیا ہے تو حدیث مجروح نہیں ہوتی' لائق استدلال رہتی ہے اور یہاں تاریخ معلوم نہیں' اس لیے حدیث لائق احتجاج ہے۔

حدیث جابر بن سمرہ

اس پر امام بخاری نے اپنی شانِ جلال کے ساتھ بہت ہی سخت لہجے میں یہ اعتراض کیا ہے۔ اس حدیث سے بے علم نے استدلال کیا ہے' حالانکہ یہ حدیث قیام ورکوع کے بارے میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ تو اس بارے میں ہے کہ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ قعدہ اخیرہ میں سلام کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرتے اور ہاتھوں سے اشارہ کرتے۔ چنانچہ خود مسلم ہی میں حضرت جابر بن سمرہ ہی سے بہ طریق عبید اللہ بن القبطیہ یہ تفصیل مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں: جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! اور اپنے ہاتھوں سے دونوں جانب اشارہ کرتے تو حضور نے یہ فرمایا۔ اس کا جواب امام جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں یہ دیا: ہم نے جو حدیث ذکر کی وہ بہ طریق تمیم بن طرفہ الطائی ہے۔ وہ اور ہے اور یہ جو بہ طریق عبید اللہ بن القبطیہ مروی ہے یہ دوسری حدیث ہے۔ دونوں میں دو الگ الگ مواقع کے الگ الگ واقعات مذکور ہیں۔ اس کی دلیل دونوں کے سیاق ہیں' ہماری مستدل تمیم بن طرفہ والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن رافعوا ايدينا. — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر داخل ہوئے اور ہم اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے تھے۔

جیسا کہ ابوداؤد اور مسند امام احمد میں ہے' اور نسائی اور مسلم میں یوں ہے:

خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث. — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر نکل کر آئے۔

اور عبید اللہ بن القبطیہ کی حدیث بخاری میں یوں ہے:

کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلنا السلام علیکم. ہم جب نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو السلام علیکم کہتے۔

ابوداؤد میں یوں ہے:

کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلم احدنا اشار بیدہ عن یمینہ وعن یسارہ. الحدیث ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے اور سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھ سے دائیں بائیں اشارہ کرتے (تو حضور نے وہ فرمایا)۔(الحدیث)

غور کیجیے! تمیم کی روایت میں ہے کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نماز پڑھ رہے تھے اور ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے، تو فرمایا: اس کا صریح مفاد یہ ہے کہ صحابہ تنہا تنہا نماز پڑھ رہے تھے اور اثناء نماز میں ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے، اور یہ اُٹھانا صرف رکوع میں جاتے اور اُٹھتے اور سجدے میں جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا، تو حضور نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے تم ہاتھوں کو یوں اُٹھاتے ہو جیسے چنچل گھوڑوں کی دُم، نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ ارشاد خاص متنازع رفع یدین کے بارے میں ہے، اس لیے یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ متنازع رفع یدین منسوخ ہوگیا۔ اور عبیداللہ کی روایت میں صاف صاف ہے کہ ہم حضور کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور نماز سے باہر ہونے کے لیے سلام کے وقت ہم نے اشارہ کیا تو حضور نے وہ فرمایا۔ دونوں کے مضمون میں کتنا فرق ہے، پھر یہ کہ ایک حدیث دوسری کی تفسیر کیسے ہوسکتی ہے۔ اب ظاہر ہوگیا کہ علم والا کون ہے؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ سلام کے وقت اشارہ کرنے والے کو "اسکنوا فی الصلوٰۃ" (نماز میں سکون کے ساتھ رہو) کہنا لغو ہے، وہ اب نماز میں کہاں ہے، وہ نماز سے باہر ہوگیا۔ "اسکنوا فی الصلوٰۃ" دلیل ہے کہ نماز کے اندر سکون کے خلاف کوئی بات ہوتی تھی، جس پر یہ فرمایا تو دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ دونوں حدیثوں میں دو الگ الگ واقعے مذکور ہیں، دوسرے یہ کہ طرفہ کی حدیث اور ہے اور عبیداللہ کی حدیث اور ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث پر جو یہ فرمایا کہ اگر یہ نماز میں رفع یدین کے بارے میں ہو تو لازم آئے گا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اور قنوت میں اور تکبیرات عیدین میں بھی رفع یدین ممنوع ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً اگر دوسری حدیثوں سے ان مواقع پر رفع یدین ثابت نہ ہوتا تو مشروع نہ ہوتا، مگر دوسری احادیث کی وجہ سے مذکورہ بالا مواقع پر رفع یدین اس حکم عام سے مستثنیٰ ہوگیا اور تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین نماز میں ہے کہاں؟ تکبیر تحریمہ ہمارے نزدیک نماز کی شرط ہے رکن نہیں۔ نیز عیدین کی تکبیرات زوائد میں رفع یدین احناف میں مختلف فیہ بھی ہے۔ امام ابو یوسف اس کے قائل نہیں۔

حدیث عباد بن زبیر

اس پر امام ابن دقیق العید نے یہ فرمایا کہ عباد تابعی ہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احناف اور امام مالک امام احمد اور جمہور فقہاء کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے، اس لیے یہ شبہہ ساقط ہوگیا۔

دعویٰ نسخ پر شبہہ اور جواب

امام طحاوی نے رفع یدین والی حدیث کو فرمایا کہ منسوخ ہے، امام زیلعی نے اس پر نصب الرایہ میں فرمایا۔ شیخ نے "الامام" میں فرمایا: رفع یدین کی حدیث منسوخ ہونے کا دعویٰ اس لیے صحیح نہیں کہ بہ طریق موسیٰ بن عقبہ عن نافع، حضرت ابن عمر ہی سے یہ بھی مروی ہے: "فما زالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللہ تعالٰی" رسول اللہ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل

سے ملے۔ (اس زیادتی کو بیہقی نے ذکر کیا ہے) بیہقی نے یہ حدیث ذکر کرکے فرمایا: اس سے ثابت ہو گیا کہ امام مجاہد کی وہ روایت خطا ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر تکبیر افتتاح کے علاوہ اور کہیں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ایک نہیں' دو دو راوی متہم بوضع الحدیث ہیں۔ ایک عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہروی' میزان میں امام ذہبی نے لکھا کہ سلیمان نے انہیں متہم بوضع الحدیث کہا۔ دوسرے عصمہ بن محمد انصاری کے بارے میں کہا۔ ابو حاتم نے کہا: یہ قوی نہیں' یحییٰ نے کہا: کذاب ہے' حدیث گڑھا کرتا تھا۔ عقیلی نے کہا: ثقات سے باطل احادیث بیان کرتا تھا۔ دار قطنی وغیرہ نے کہا: یہ متروک ہے۔

خلاصۂ ابحاث

ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتداءً رفع یدین کیا کرتے تھے' مگر بعد میں منع فرمایا' اس لیے وہ منسوخ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عمر حضور کے وصال کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے' لہٰذا صحیح و محقق یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور مواقع پر رفع یدین ممنوع ہے۔

خاص نکتہ

یہاں خاص امر یہ غور طلب ہے کہ رفع یدین کے سلسلے میں ہمارے مخالفین کو تسلیم ہے کہ سب سے صحیح حضرت ابن عمر کی حدیث ہے۔ بقیہ احادیث پر بوجوہ کلام کیا گیا ہے' جسے طول ممل ہونے کی وجہ سے میں نے بیان نہیں کیا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ خود حضرت ابن عمر سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دو رکعت کے بعد اٹھتے تو بھی تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے' جیسا کہ خود بخاری میں ہے۔ زیر بحث احادیث میں تیسرے نمبر کی حدیث ہے' نیز ابو داؤد میں حضرت ابو حمید ساعدی اور حضرت علی کی حدیث میں بھی ہے۔ نیز ابو وائل کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب (دوسری رکعت کے لیے) سجدے سے سر اٹھاتے تو بھی رفع یدین کرتے' بلکہ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت رفع یدین کرتے تھے' تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رفع یدین کے شائقین سجدوں سے اٹھتے وقت پہلی رکعت کے سجدۂ اخیرہ سے اٹھتے ہوئے اور دوسری رکعت کے قعدہ سے اٹھتے ہوئے کیوں رفع یدین نہیں کرتے۔ اگر آپ کہیں کہ یہ حصہ متکلم فیہ ہے تو گزارش ہے کہ آپ لوگوں کی پسندیدہ جگہوں کے بارے میں جتنی بھی احادیث آئی ہیں وہ سب متکلم فیہ ہیں' پھر آپ لوگ اسے بھی کیوں نہیں چھوڑتے۔ رفع یدین ان مسائل میں سے ہے جسے آج کل غیر مقلدین نے اپنے وقار کا مسئلہ بنا رکھا ہے' اس لیے ہم نے اس پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا۔ اگرچہ ابھی اس کے بہت سے گوشے رہ گئے ہیں' مگر انصاف پسند کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اور معاند و مجادل کے لیے دفتر کا دفتر بیکار ہے' جو حضرات چاہیں وہ فتح القدیر' عینی' شرح ہدایہ' عمدۃ القاری' شرح بخاری' انتصار الحق وغیرہ کا مطالعہ کریں' آخری کتاب اردو میں ہے۔

لطیفہ

رفع یدین کے سلسلے میں علامہ ابن حجر نے یہاں تک لکھا ہے کہ میرے شیخ حافظ ابو الفضل نے تلاش و جستجو کی تو اس کے راوی صحابہ کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی ہے۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے سفر السعادۃ میں لکھا کہ اس سلسلے کے اخبار و آثار چار سو تک ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ سب روایات و اخبار ان لوگوں نے تحریر نہیں فرمائے' ورنہ ہم بھی دیکھتے کہ ان کی حیثیت کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ رفع یدین کی احادیث صحیح و سقیم کل ملا کر پندرہ صحابہ سے مروی ہیں' مگر چونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ رفع یدین ابتداء میں تھا' بعد میں منسوخ ہو گیا' تو کثرت رواۃ و قلت رواۃ سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر صراحۃً ترک رفع یدین کی احادیث میں ان صحابہ کرام کی احادیث شامل کر دی جائیں جنہوں نے نماز کے ارکان بتائے اور رفع یدین کا صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ذکر کیا' حالانکہ ضرورت اس

کی داعی تھی کہ اگر تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین ان کے نزدیک ثابت تھا تو اسے ضرور بیان کرتے اور ضرورت کے وقت سکوت بیان ہے تو ترک رفع یدین کی احادیث روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد رفع یدین کی روایت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہو جائے گی۔

رفع یدین نہ کرنے والے صحابہ

بدائع میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرات عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ان دس حضرات کے علاوہ حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت براء بن عازب' جابر بن سمرہ' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم۔[1] یہ پندرہ صحابہ ہیں جن کے بارے میں روایت موجود ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ بقیہ صحابہ سے روایت نہیں آئی' مگر سب کو معلوم ہے۔ عدم روایت' روایات عدم نہیں۔

رفع ذلك الى النبي صلى الله عليه وسلم

حدیث: ۴۷۴ میں یہ زائد ہے کہ حضرت ابن عمر جب دو رکعت کے بعد اُٹھتے تو بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے' یعنی یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا۔ یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع' اس بارے میں محدثین کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کا قول ہے مرفوع نہیں۔ بیہقی نے العلل میں اختلاف ذکر کر کے کہا: اشبہ بالصواب' عبد الاعلیٰ کا قول ہے جو بخاری میں ہے' یعنی یہ حدیث مرفوع ہے۔ بعض روایات میں ''الرکعتین'' کے بجائے ''السجدتین'' آیا ہے' جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ ہر سجدہ کے بعد اُٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے' مگر سجدہ کے معنی رکعت بھی آتا ہے' اس لیے ''حين يرفع رأسه من السجود'' اور سجدے سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے' کے ساتھ تطبیق کے لیے ''السجدتین'' سے ''الرکعتین'' مراد لیا جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی حدیث جابر بن سمرہ سے منسوخ ہے' جس کی بحث ابھی گزری۔

ایک فریب کا ازالہ

آج کل غیر مقلدین رفع یدین کے سلسلے میں صرف احناف کو نشانہ بناتے ہیں' جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ صرف احناف ہی تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین نہیں کرتے حالانکہ یہی امام مالک کا بھی مذہب ہے' ان کے علاوہ ابوبکر بن عیاش نے فرمایا: میں نے کسی فقیہ کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ یہ امام ثوری' امام عبد اللہ بن مبارک' امام احمد کے استاذ اور امام بخاری کے استاذ الاستاذ ہیں۔ نیز قیس' شعبی' ابن ابی لیلیٰ' اسود' علقمہ' ابو اسحٰق وغیرہ کا بھی یہی مذہب تھا' بلکہ امام مالک کے زمانے میں اہل مدینہ کا اس پر تعامل تھا۔

٤٧٥- ح- اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى

[مرد (نماز میں) اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی پر رکھے]

٤٧٥- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اَبُوْ حَازِمٍ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا يَنْمِيْ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی پر رکھے۔ ابو حازم نے کہا: میں یہی جانتا ہوں کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے۔

---

[1] عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۲

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ يُنْمٰى ذٰلِكَ وَلَمْ يَقُلْ يَنْمِي. اسمٰعیل نے کہا: اس کو پہنچایا جاتا تھا' یہ نہیں کہا کہ پہنچاتے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: وضع اليمنى على اليسرى في الصلوٰة ص ۱۰۲)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے' مگر ابوداؤد[1] اور نسائی[2] میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور بایاں ہاتھ دائیں پر رکھے ہوئے تھے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ان کے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہاتھ کو ہاتھ پر رکھا جائے گا کلائی پر نہیں۔ بعض روایتوں میں اس کی تصریح بھی ہے کہ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھا۔ نسائی میں حضرت وائل سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑے ہوئے تھے۔ احناف نے ان تمام احادیث کے مابین یوں جمع فرمایا ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑے' بیچ کی تین انگلیاں بائیں کلائی پر رکھے اور دائیں ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے۔

ہاتھ کہاں باندھے؟

امام مالک کا مذہب معروف اور مالکیہ کا مختار یہ ہے کہ قیام میں ہاتھ باندھا نہ جائے۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ سینے کے نیچے ناف کے اوپر باندھا جائے اور یہی امام شافعی کا بھی مذہب ہے۔ امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں' ایک مذہب یہ ہے کہ باندھنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے۔ یہ امام اوزاعی اور ابن منذر کا مذہب ہے۔ اسلاف کا اس کے علاوہ اور کوئی مذہب نہیں۔ اس لیے غیر مقلدین کا یہ قول کہ ہاتھ سینے پر باندھا جائے۔ اسلاف کے مذہب سے خارج اور ان کے اجماع مرکب کے خلاف ہے۔ اس پر غیر مقلدین حضرت وائل بن حجر کی حدیث سے سند لاتے ہیں' جس میں یہ ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا' پھر انہیں سینے پر رکھا۔ اسے امام بیہقی نے اپنی سنن میں دو طریقے سے ذکر کیا' دونوں مجروح ہیں۔ اسی طرح یہ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے' مگر وہ بھی مطعون ہے۔ امام شافعی کا استدلال حضرت جریر کی حدیث[3] سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کے گٹے کو دائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھے' ناف کے اوپر۔ حضرت سعید بن جبیر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا[4] کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے' مگر یہ دونوں حدیثیں لائق احتجاج نہیں۔ پہلی حدیث ابوبدر شجاع بن الولید عن ابی طالوت عبدالسلام بن ابی حازم تنہا روایت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ابن حجر نے مقدمہ میں اور امام ذہبی نے میزان میں فرمایا: لین الحدیث ہے' متقن نہیں' اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیر کے اثر پر بھی کلام کیا گیا ہے' اس لیے وہ لائق احتجاج نہیں' پھر وہ تابعی ہیں اور حضرت امام اعظم بھی تابعی' اس لیے دونوں قول مساوی ہو گئے۔ سابقاً گزر چکا کہ حضرت امام اعظم نے فرمایا: تابعین سے ہم نزاع کرتے ہیں اور وہ ہم سے۔

ہماری دلیل

ابوداؤد بروایت ابن الاعرابی اور مسند امام احمد[5] میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت

---

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۱۱۰۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: وضع اليمنى على اليسرى في الصلوٰة

[2] نسائی۔ ج ا ص ۱۴۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: في الامام اذا رأى الرجل قد وضع شماله على يمينه

[3] ابوداؤد۔ ج ا۔ باب: وضع اليمنى على اليسرى في الصلوٰة بروايت ابن الاعرابي

[4] ابوداؤد۔ بروایت ابن الاعرابی۔ ایضاً [5] مسند امام احمد۔ ج ا ص ۱۱۰

ہے اور اسی میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے پکڑنا۔ ان دونوں حدیثوں کے ایک راوی عبدالرحمن بن اسحاق کوفی ضعیف ہیں۔

ابن حزم نے محلی میں تعلیقاً حضرت انس رضی اللہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: اخلاق نبوت میں سے تین چیزیں ہیں: افطار میں جلدی کرنا' سحری میں دیر کرنا' نماز میں ناف کے نیچے داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھنا' اس پر کوئی کلام نہیں کیا گیا ہے' اس لیے یہ صحیح ہے' اسی پر احناف کا عمل ہے۔

٤٧٦- ح: اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ [رکوع اور سجدے اچھی طرح کرو]

٤٧٦- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِيْ وَرُبَّمَا قَالَ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِيْ اِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرو' بخدا! میں اپنے پیچھے اور کبھی کہتے: پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں' جب تم رکوع اور سجدہ کرتے ہو۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: الخشوع فی الصلوٰۃ ص ١٠٢' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

مطابقت

یہاں باب یہ ہے: نماز میں خشوع کا بیان۔ خشوع کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ فروتنی وعاجزی کرنا' ڈرنا۔ حضرت علی نے فرمایا: خشوع دل میں ہوتا ہے اور یہ کہ مومن کے ساتھ نرم برتاؤ کرے اور ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ امام مجاہد نے فرمایا: نظر نیچی رکھنا اور بازو جھکائے رکھنا۔ حضرت عمرو بن دینار نے فرمایا: رکوع اور سجدے کا نام خشوع نہیں' سکون اور عمدہ ہیئت کا نام ہے۔ ابن سیرین نے فرمایا: موضع سجود سے نظر نہ ہٹانا۔ ایک قول یہ ہے کہ نماز میں ہمہ تن متوجہ ہونا اور ماسوا سے اعراض کرنا۔ ابوبکر واسطی نے کہا: سچے دل سے اللہ کے لیے نماز پڑھنا بغیر کسی عوض کے' خشوع کے ان مختلف معانی میں سے ایک یہ بھی ہے جو حضرت عمرو بن دینار نے بتایا کہ سکون اور عمدہ حالت کا نام ہے۔ جب نمازی صحیح طریقے سے رکوع اور سجدہ کرے گا تو اچھی ہیئت ہوگی' اسی کا اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے' اس حدیث کا آخری حصہ گزر چکا ہے۔

٤٧٧- ح: كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ [آپ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" سے نماز شروع کرتے]

٤٧٧- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر وعمر' الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع فرماتے تھے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: ما یقرء بعد التکبیر ص ١٠٣' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

جہری نمازوں میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی چاہیے یا آہستہ؟

احناف کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت الحمد للہ سے شروع کرتے ہیں' بسم اللہ آہستہ پڑھتے ہیں' برخلاف شوافع کے کہ وہ بسم اللہ ہی سے بلند آواز سے جہری نمازوں میں قراءت کرتے ہیں۔ شوافع کی دلیل دوسری احادیث ہیں'

جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور نے نماز شروع کی تو بسم اللہ پڑھی۔ یہ سب احادیث مجروح ہیں اور صحیح ہونے کی تقدیر پر ان کی تاویل یہ ہے کہ ہم بسم اللہ پڑھنے کا کب انکار کرتے ہیں؛ ہمیں بلند آواز سے پڑھنے سے انکار ہے۔ رہ گیا یہ کہ اگر بسم اللہ آہستہ پڑھی تو راوی کو کیسے معلوم ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری دعائیں جو بالاتفاق آہستہ پڑھی جاتی ہیں اور راویانِ حدیث روایت کرتے ہیں ان کا کیسے علم ہوا؟ ہوسکتا ہے تعلیم سے معلوم ہوا ہو؛ ہوسکتا ہے کہ بہت قریب رہے ہوں اور سن لیا ہو۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی؛ یہ روایتیں صحیح نہیں۔ یہ اختلاف اس کی فرع ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے؛ اس لیے وہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ اسے بھی بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ کا جز نہیں؛ اس لیے ہم اسے آہستہ پڑھتے ہیں۔ یہی حضرت سفیان ثوری؛ امام احمد اور اسحاق کا بھی مذہب ہے۔ اس پر ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی دوسری حدیث ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا؛ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں نے نماز (سورۂ فاتحہ) اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کردی ہے اور میرا بندہ جو مانگے وہ اسے ملے گا؛ جب بندہ نے کہا: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے؛ تو اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی[1]۔ نیز مسلم[2] اور طحاوی[3] میں حضرت ابوہریرہ ہی سے مروی ہے؛ انہوں نے کہا: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو الحمد للہ سے شروع فرماتے؛ سکوت نہ فرماتے؛ نیز مسلم[4] ہی میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قراءت کو الحمد للہ سے شروع فرماتے۔ بسم اللہ جس طرح سورۂ فاتحہ کا جز نہیں؛ اسی طرح کسی سورہ کا بھی جز نہیں؛ البتہ قرآن کا جز ہے؛ جو سورتوں میں امتیاز کے لیے نازل ہوئی ہے۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں۔ فریقین کے دلائل اور جوابات کتب تفاسیر نیز شروح بخاری خصوصاً عمدۃ القاری میں مطالعہ کیے جاسکتے ہیں۔

٤٧٨- ح: يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ

[آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تکبیر اور قراءت کے درمیان کچھ سکوت فرماتے]

٤٧٨ - حَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ هُنَيَّةً فَقُلْتُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ أَقُوْلُ اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکبیر اور قراءت کے درمیان کچھ سکوت فرماتے۔ ابوزرعہ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: بہت مختصر۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! تکبیر اور قراءت کے درمیان سکوت کے وقت آپ کیا پڑھتے ہیں؟ فرمایا: یہ پڑھتا ہوں: اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کردے جتنی مشرق و مغرب کے درمیان ہے؛ اے

---

1. مسلم۔ ج ۱ ص ۱۷۰۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ
2. مسلم۔ ج ۱ ص ۲۱۹۔ کتاب المساجد۔ باب: ما یقال بین تکبیرۃ للاحرام والقراءۃ
3. طحاوی۔ ج ۲ ص ۹۸۔ باب: قراءۃ بسم اللہ فی الصلوٰۃ
4. مسلم۔ ج ۱ ص ۱۹۴۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ما یجمع صفۃ الصلوۃ

...الْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ.

اللہ! مجھے خطاؤں سے یوں پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف ہوتا ہے' اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی' برف اور اولے سے دھو دے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: ما یقراء بعد التکبیر ص ۱۰۳' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ والاخیر فی کتاب الطہارۃ ایضاً' ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

"ھُنَیَّۃٌ" یہ "ھُنَوَۃٌ" کی تصغیر "ھُنَیْوَۃ" سے ہے' واؤ یا اکٹھے ہوئے' ان میں پہلا ساکن تھا' واؤ کو یا سے بدل کر ادغام کر دیا' "ھُنَیَّۃ" ہو گیا۔ "بابی انت وامی" باء کا متعلق محذوف ہے' یا تو اسم یعنی "مَفْدِیٌّ" یا فعل' اب تقدیر یہ ہوئی: "فَدَیْتُکَ بابی وامی" احناف کے یہاں یہ جملہ ہر مؤمن کے لیے بولا جا سکتا ہے' اس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ دعا پڑھنا یا تو اُمت کی تعلیم کے لیے تھا' یا تواضعاً یا مراد وہ زلات ہیں جو حضور اقدس ﷺ کی شانِ رفیع واعلیٰ کے مناسب نہ تھیں' جیسے کہا گیا ہے: "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ"۔

ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ اس دعا کے بجائے "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ" پڑھے جیسا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے۔ امام حاکم نے بھی ابوداؤد اور ترمذی کی سند کے ساتھ اس کو روایت کر کے فرمایا: اس کے بارے میں اس سے زیادہ صحیح اور کوئی حدیث مجھے یاد نہیں۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ اس کو پڑھتے تھے۔ نیز ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کے بعد سبحانک اللھم پڑھتے۔ امام ترمذی نے فرمایا: اس باب میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ' حضرت جابر' حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث آئی ہے۔ فرائض میں صرف اسی پر اکتفاء کرے' اس لیے کہ فرائض کا مدار تخفیف پر ہے' نوافل میں اختیار ہے' چاہے تو سب دعائیں پڑھے۔

۴۷۹- ح: صَلّٰی صَلٰوۃَ الْکُسُوْفِ

[آپ (ﷺ) نے سورج گہن کی نماز پڑھی]

۴۷۹- عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْکُسُوْفِ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ ثُمَّ رَکَعَ فَاَطَالَ الرُّکُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ ثُمَّ رَکَعَ فَاَطَالَ الرُّکُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ ثُمَّ رَکَعَ فَاَطَالَ الرُّکُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ ثُمَّ رَکَعَ فَاَطَالَ الرُّکُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ قَدْ دَنَتْ مِنِّی الْجَنَّۃُ حَتّٰی لَوِ اجْتَرَاْتُ عَلَیْھَا لَجِئْتُکُمْ بِقِطَافٍ مِّنْ قِطَافِھَا وَدَنَتْ مِنِّی النَّارُ حَتّٰی قُلْتُ اَیْ رَبِّ اَوَ اَنَا مَعَھُمْ فَاِذَا امْرَاَۃٌ حَسِبْتُ اَنَّہٗ قَالَ تَخْدِشُھَا ھِرَّۃٌ قُلْتُ مَا شَاْنُ

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھی' حضور نے قیام فرمایا تو قیام کو طویل کیا' پھر رکوع کیا تو رکوع کو طویل کیا' پھر کھڑے ہوئے تو قیام کو طویل فرمایا' پھر رکوع کیا تو رکوع کو طویل فرمایا' پھر سر اُٹھایا' پھر سجدہ کیا تو سجدے کو طویل فرمایا' پھر سر اُٹھایا پھر سجدہ کیا تو سجدے کو طویل فرمایا' پھر قیام فرمایا تو طویل قیام فرمایا' پھر رکوع کیا تو طویل رکوع کیا' پھر سر اُٹھایا تو طویل قیام فرمایا' پھر رکوع کیا تو رکوع کو طویل کیا' پھر سر اُٹھایا' پھر سجدہ کیا تو سجدے کو طویل فرمایا' پھر سر اُٹھایا' پھر سجدہ کیا تو سجدے کو طویل فرمایا' پھر فارغ ہوئے اور فرمایا: جنت مجھ سے قریب ہوئی اتنی کہ اگر میں چاہتا تو اس کے خوشوں میں سے کوئی خوشہ تمہارے پاس لاتا اور جہنم مجھ سے قریب ہوئی' اتنی کہ میں کہہ

هٰذِهٖ قَالُوْا حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا لَا اَطْعَمَتْهَا وَلَا اَرْسَلَتْهَا تَاْكُلُ قَالَ نَافِعٌ حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ مِنْ خَشِيْشِ الْاَرْضِ اَوْ خَشَاشِ.

(بخاری۔ج ا۔کتاب الاذان۔باب ص ۱۰۳' کتاب المساقاۃ۔ باب:فضل سقی الماء ص ۳۱۸' نسائی' ابن ماجہ۔کتاب الصلوٰۃ)

اُٹھا: اے پروردگار! کیا میں ان کے ساتھ ہوں؟ اچانک ایک عورت پر نظر پڑی۔نافع نے کہا: مجھے اس کا ظن ہے کہ (ابن ابی ملیکہ نے یہ) کہا کہ ایک بلی اس عورت کو پنجوں سے نوچ رہی ہے۔(حضور نے فرمایا:) میں نے دریافت کیا: اس عورت کا کیا حال ہے؟ تو فرشتوں نے بتایا کہ اس نے اس بلی کو باندھ لیا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی' نہ اسے کھلاتی نہ اسے چھوڑتی کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی۔

''کسوف'' سورج گہن' ''خسوف'' چاند گہن' کبھی ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ اگر گہن چاند یا سورج کے کچھ حصے میں ہو تو کسوف ہے' اور پورا ہو تو خسوف ہے۔''لو اجترأت''؛ ''اجتراء'' کا مادہ ''جرء ت'' ہے' جس کے معنی جسارت کے ہیں' یہاں صرف ارادہ مراد ہے۔

مسائل

گہن لگتے وقت استغفار' ذکر و دعا مسنون ہے اور نماز بھی۔سورج گہن کی نماز باجماعت سری قراءت کے ساتھ دو رکعت ہے۔ اس کے شرائط وہی ہیں جو جمعہ اور عیدین کے ہیں' چاند گہن کی نماز دو رکعت تنہا تنہا جہری قراءت کے ساتھ ہے۔یہ نماز بھی دوسری نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ پڑھی جائے گی۔اس حدیث کی تاویل اور اپنے مذہب کی دلیل کتاب الکسوف میں بیان کی جائے گی۔

۴۸۰- ح: يَقْرَاُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظہر اور عصر میں قراءت فرماتے]

۴۸۰- عَنْ اَبِيْ مَعْمَرٍ قَالَ قُلْنَا لِخَبَّابٍ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَالَ نَعَمْ قُلْنَا بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ ذَاكَ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهٖ.

ابو معمر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے حضرت خباب سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! پھر ہم نے پوچھا: آپ لوگ یہ کیسے معلوم کرتے تھے؟ تو فرمایا: حضور کی ڈاڑھی کے ہلنے سے۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الاذان۔باب:رفع البصر الی الامام ص ۱۰۳' باب:القراءۃ فی الظهر ص ۱۰۵' باب:القراءۃ فی العصر ص ۱۰۵' باب:من خافت القراءۃ فی الظهر والعصر ص ۱۰۷' ابوداؤد' ابن ماجہ۔کتاب الصلوٰۃ)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت میں قید ہو گئے' انہیں ایک خزاعی عورت نے خرید لیا۔یہ اسلام لانے والوں میں سابقین اولین میں سے ہیں۔ان کا اسلام قبول کرنے میں چھٹا نمبر ہے۔غلام اور بے سہارا ہونے کی وجہ سے انہیں مکہ کے ظالموں نے سخت سے سخت اذیتیں دیں۔دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا' جس سے ان کی پشت مبارک پر داغ پڑ گئے تھے' جو مدۃ العمر استقامت و عزیمت کے نشان رہے۔عام غزوات میں شریک ہوئے' ۳۷ھ میں کوفہ میں وصال فرمایا۔جنگ صفین سے واپسی کے بعد یہ پہلے شخص ہیں' جن کی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھی' ان سے بتیس احادیث مروی ہیں' پانچ بخاری نے روایت کی ہیں۔

مسائل

فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ساتھ مزید قراءت بھی واجب ہے' کچھ لوگوں نے اسی حدیث سے اس پر استدلال کیا۔ انہیں میں امام بخاری بھی ہیں' جیسا کہ آگے وہ اس پر یہ باب قائم کریں گے: ظہر میں قراءت' عصر میں قراءت' مگر ریش مبارک کی حرکت سے قراءت پر استدلال تام نہیں' ہوسکتا ہے کہ قراءت کے بجائے تسبیح ذکر و دعا پڑھتے رہے ہوں۔ اس کا اثبات دوسری احادیث سے ہے' جو آگے آرہی ہیں۔

۴۸۱- ح: لَقَدْ رَاَیْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّیْتُ لَکُمُ الصَّلٰوۃَ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ

[ابھی جب میں تمہیں نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو (شکل مثالی) کے ساتھ دیکھا]

۴۸۱- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ صَلّٰی لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فَاَشَارَ بِیَدَیْہِ قِبَلَ قِبْلَۃِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّیْتُ لَکُمُ الصَّلٰوۃَ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَیْنِ فِی قِبْلَۃِ ھٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ کَالْیَوْمِ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دونوں ل ہاتھوں سے مسجد کے قبلہ کی جانب اشارہ فرمایا اور فرمایا: ابھی جب میں تمہیں نماز پڑھا رہا تھا' جنت اور دوزخ کو ان کی مثالی شکل کے ساتھ اس قبلہ کی دیوار میں دیکھا' میں نے جیسا خیر و شر آج دیکھا کبھی نہیں دیکھا' تین بار فرمایا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع البصر الی الامام ص ۱۰۳' ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: القصد و المداومۃ علی العمل ص ۹۵۷)

مطابقت

باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی حالت میں جنت و دوزخ کو دیکھا' تو جب جنت و دوزخ کا دیکھنا جائز' تو امام کو دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز۔ "منذ صلیت" سے مراد یہ ہے کہ جب میں ابھی نماز پڑھا رہا تھا' یعنی جنت دوزخ کا دیکھنا نماز کی حالت میں تھا۔ ممثلتین' اس سے مراد یہ ہے کہ جنت دوزخ اپنے مثالی وجود کے ساتھ میرے سامنے پیش کی گئیں' جیسے حضرت جبریل کبھی حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں' کبھی اعرابی کی شکل میں حاضر ہوتے تو جیسے اس شکل میں بھی حضرت جبریل' حضرت جبریل ہی ہوتے۔ اسی طرح یہاں واقعی جنت و دوزخ ہی تھیں نہ کہ محض ان کی تصویر۔ اس پر دلیل حضرت اسماء و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے کہ اگر میں چاہتا تو جنت کا ایک خوشہ لے لیتا' اور اگر لے لیتا تو تم قیامت تک اس سے کھاتے۔ تصویر سے یہ بات کہاں حاصل ہوتی۔

۴۸۲- ح: مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَّرْفَعُوْنَ اَبْصَارَھُمْ اِلَی السَّمَآءِ؟

[لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ نماوں میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟]

۴۸۲- اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ حَدَّثَھُمْ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَّرْفَعُوْنَ اَبْصَارَھُمْ اِلَی السَّمَآءِ فِی صَلَاتِھِمْ فَاشْتَدَّ قَوْلُہٗ فِی ذٰلِکَ حَتّٰی قَالَ لَیَنْتَھُنَّ عَنْ ذٰلِکَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُھُمْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ اپنی نمازوں میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھاتے ہیں' تو آپ کا یہ ارشاد شاق ہوا' یہاں تک کہ فرمایا: لوگ اس سے باز رہیں ورنہ ان کی نظریں اُچک لی جائیں

گی۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع البصر الی السماء ص ۱۰۳' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ فی الصلوٰۃ)

احکام

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا اس حدیث کی وجہ سے مکروہ ہے' رہ گیا نماز کے باہر دعاؤں میں' تو قاضی شریح وغیرہ نے اسے بھی مکروہ فرمایا' مگر اکثر اسے بلا کراہت جائز لکھتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جیسے نماز کا قبلہ کعبہ ہے' اسی طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے' نماز میں آنکھیں بند کر لینا ہمارے نزدیک مکروہ ہے' اس لیے کہ یہ خلاف سنت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز شروع کرنے کے بعد صرف موضع سجود پر نظر مبارک رکھتے تھے۔

۴۸۳- ح: اَلْاِلْتِفَاتُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ

[نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا شیطان کا حصہ ہے جو بندے کی (نماز) اچک لیتا ہے]

۴۸۳- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا' آپ نے فرمایا: یہ شیطان کا حصہ ہے جو بندے کی نماز اُچک لیتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الالتفات فی الصلوٰۃ ص ۱۰۴' کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة ابليس و جنوده ص ۴۶۵' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

"اختلاس" زبردستی کسی چیز کو اُچک لینا۔ یہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے' نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ تنزیہی ہے' جبکہ صرف چہرہ اِدھر اُدھر مڑے اور اگر پورا بدن مڑ گیا تو نماز فاسد ہو گئی۔

۴۸۴- ح: شَكَا اَهْلُ الْكُوْفَةِ سَعْدًا اِلٰى عُمَرَ

[اہل کوفہ نے حضرت سعد کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شکایت کی]

۴۸۴- عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ شَكَا اَهْلُ الْكُوْفَةِ سَعْدًا اِلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَعَزَلَهٗ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا فَشَكَوْا حَتّٰى ذَكَرُوْا اَنَّهٗ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا اَبَا اِسْحَاقَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُوْنَ اَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي قَالَ اَمَّا اَنَا وَاللّٰهِ فَاِنِّي كُنْتُ اُصَلِّي بِهِمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَخْرِمُ عَنْهَا اُصَلِّي صَلٰوةَ الْعِشَاءِ فَاَرْكُدُ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَاُخِفُّ فِي الْاُخْرَيَيْنِ قَالَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا اَبَا اِسْحَاقَ فَاَرْسَلَ مَعَهٗ رَجُلًا اَوْ رِجَالًا اِلَى الْكُوْفَةِ يَسْأَلُ عَنْهُ اَهْلَ الْكُوْفَةِ وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا اِلَّا سَاَلَ عَنْهُ وَيُثْنُوْنَ مَعْرُوْفًا حَتّٰى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِيْ عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ يُقَالُ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کوفہ والوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حضرت عمر سے شکایت کی تو حضرت عمر نے انہیں معزول کر دیا' پھر حضرت عمار کو ان پر والی بنایا' اہل کوفہ نے ان کی شکایت کی' یہاں تک کہ یہ بھی ذکر کیا کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے' حضرت عمر نے انہیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا: اے ابواسحٰق! یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے' انہوں نے جواب دیا: بخدا! میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز پڑھاتا تھا' اس میں کچھ بھی کمی نہیں کرتا تھا' میں نماز عشاء پڑھاتا تھا تو پہلی دو رکعتوں کو لمبی کرتا تھا اور آخر کی دو رکعتوں کو مختصر پڑھتا تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: تمہارے بارے میں یہی گمان تھا اے ابواسحٰق! اب ان کے ساتھ ایک آدمی یا چند آدمیوں کو کوفہ بھیجا کہ حضرت سعد کے

لَهُ أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ قَالَ أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ قَالَ سَعْدٌ أَمَا وَاللّٰهِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَّسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمْرَهُ وَأَطِلْ فَقْرَهُ وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُوْلُ شَيْخٌ كَبِيْرٌ مَفْتُوْنٌ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ قَالَ عَبْدُالْمَلِكِ فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلٰى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ. (بخاری۔کتاب الاذان۔باب:وجوب القراءۃ للامام والماموم ص۱۰۴'باب:القراءۃ فی الظھر ص۱۰۵'باب:یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص۱۰۶'مسلم'ابوداؤد'نسائی۔کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

بارے میں کوفہ والوں سے پوچھیں' جانے والے نے کوئی مسجد نہیں چھوڑی' جہاں ان کے بارے میں نہ پوچھا ہو اور لوگ ان کی خوبی ہی بیان کرتے' یہاں تک کہ بنی عبس کی مسجد میں گیا تو ان میں ایک شخص کھڑا ہوا' جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا' اس کی کنیت ابوسعدۃ تھی' اس نے کہا: سنو! جب تم نے قسم دلا دی ہے تو سنو! سعد لشکر کے ساتھ نہیں جاتے تھے' مال برابر تقسیم نہیں کرتے تھے اور فیصلے میں انصاف نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد نے کہا: سنو! بخدا میں تین دعائیں کروں گا: اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور نام ونمود اور دکھاوے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر اور اس کی تنگ دستی کو دراز کر اور اسے فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا: فتنہ زدہ بڈھا ہوں' مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔ عبدالملک نے کہا: میں نے اسے اس کے بعد دیکھا ہے' بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بھویں گر پڑی تھیں اور وہ راستے میں لونڈیوں کو چھیڑتا' ان پر دست درازی کرتا۔

کوفہ

کوفہ کے معنی ریت کے گول ٹیلے کے ہیں' یہ جہاں آباد ہے وہاں پہلے ایک گول ٹیلہ تھا' اس لیے اس کا نام کوفہ پڑا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ "کوہ سانید" اس کو گھیرے ہوئے ہے' اس لیے اس کو کوفہ کہا جانے لگا۔ اسے قادسیہ کی فتح کے بعد ۱۷ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا۔ یہاں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام آ کر آباد ہوئے' جن میں تین سو اصحاب بیعت رضوان اور ستر بدری صحابہ تھے۔ محمد بن سعد نے کہا: یہیں حضرت نوح علیہ السلام کی سکونت تھی اور اس کی مسجد انہیں کی تعمیر کردہ ہے۔ یعقوبی نے کہا: یہ عراق کا سب سے بڑا شہر ہے' جو قبۃ الاسلام ہے' بغداد سے اس کا فاصلہ نوے میل ہے' یہی وہ اہم مقام ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا دارالخلافہ بنایا اور یہیں واصل بحق ہوئے۔ یہ شکایت کوفہ کے چند گنواروں نے کی تھی' جیسا کہ مسلم[1] کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے فرمایا: گنوار مجھے نماز سکھائیں گے؟

سعدًا...... (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا والی بنایا' جیسے مدینہ طیبہ میں ہمیشہ کچھ منافقین رہے' اسی طرح کوفہ میں بھی ہمیشہ کچھ شرپسند عناصر تھے۔ انہوں نے حضرت سعد کی دربار خلافت میں شکایت کی' جن کی تعداد چار پانچ اشرار سے زیادہ نہ تھی۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا اور مدینہ طیبہ طلب فرمایا اور باز پرس کی کہ تمہاری ہر بات میں لوگوں نے شکایت کی حتی کہ نماز میں بھی' مگر تحقیقات کے بعد تمام شکایات غلط ثابت ہوئیں تو حضرت فاروق اعظم نے ان سے فرمایا: میرا گمان تمہارے بارے میں یہی تھا اور اپنی وصیت میں فرمایا: میں نے سعد کو نااہلی یا خیانت کی وجہ سے نہیں معزول کیا ہے' حضرت

[1] مسلم۔ج۱ ص۱۸۶۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:القراءۃ فی الظھر والعصر

سعد کوفہ کے گورنر ۱۷ھ میں بنائے گئے اور ۲۱ھ میں معزول کیے گئے۔

صلوٰۃ العشاء

یہاں سوائے جرجانی کے سب کی روایتیں ''صلوٰۃ'' صیغہ واحد کے ساتھ اور ''العشاء'' کے ساتھ ہیں' البتہ جرجانی کی روایت یہاں بھی ''العشاء'' کے بجائے ''العَشِی'' ہے' البتہ اس کے بعد باب: ''القراء ۃ فی الظھر والعصر'' میں ''صلوٰتی العشی'' ہے' یعنی صلوٰۃ' صیغہ تثنیہ کے ساتھ اور بجائے العشاء کے العشی ہے' اس کے معنی اخیر دن کی نمازیں ہیں۔ یعنی ظہر اور عصر' اور یہی روایت ارجح ہے' البتہ کشمیہنی کی روایت یہاں بھی ''العشاء'' ہے۔ سب روایتوں کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت سعد نے ظہر اور عصر یا عشاء کی نماز کے بارے میں بتایا کہ میں اس طرح پڑھتا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔ خصوصیت سے ان نمازوں کے بارے میں اس لیے بتایا کہ ان جہلاء کا اعتراض انہیں نمازوں کے بارے میں رہا ہوگا۔ بعض لوگوں نے ''صلوٰتی العشاء'' کی روایت کی توجیہ یہ کی کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء ہے' مگر ان حضرات نے بعد کے الفاظ پر غور نہیں کیا کہ وارد ہے: ''اخف فی الاخریین'' مغرب میں اخریین کہاں ہے' صرف ایک رکعت ہے ''صلوتی العشی'' والی روایت احناف کی اس بارے میں مؤید ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی تک ہے ورنہ ظہر دوپہر کی نماز ہوگی' اخیر دن کی نہ ہوگی۔

اخف فی الاخریین

یعنی بعد والی دو رکعتوں میں قراءت مختصر کرتا ہوں' اس کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں' جیسا کہ احناف کا مسلک ہے کہ فرائض کی اخیر کی رکعتوں میں صرف فاتحہ کا پڑھنا کافی ہے' یہاں کشمیہنی کی روایت ''اَحْذِفُ'' ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: اس حدیث کے ان تمام طرق میں' جن پر میں واقف ہوا' یہی ہے' البتہ محمد بن کثیر کی روایت میں اسماعیل کے یہاں ''احزم'' ہے۔ ''احزم'' کا معنی اسرع ہے' یعنی جلدی کرتا ہوں۔ ''احذف'' کا معنی یہ ہے کہ اخیر کی رکعتوں میں قراءت حذف کر دیتا ہوں' یعنی قراءت نہیں کرتا ہوں' جیسا کہ احناف کا مذہب ہے کہ فرائض کی اخیر رکعتوں میں قراءت فرض نہیں' اور یہ کہنا کہ ''احذف'' کا مفعول ''الرکود'' ہے' خلاف ظاہر ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

یہاں فیض الباری ج ۲ ص ۲۸۱ پر ہے کہ انصاف یہ ہے کہ ''احذف'' سے مراد تخفیف ہے۔ سبحان اللہ! حذف کا لفظ صریح ہے' اس بارے میں حذف کر دیتا تھا' رکود کے حذف کا کوئی معنی نہیں' اس لیے قراءت کا حذف متعین ہے' پھر بھی آپ لفظ کے معنی صریح کے خلاف کو انصاف بتا رہے ہیں؟

فارسل معہ رجلا او رجالا

یہ محمد بن مسلمہ تھے جیسا کہ سیف اور طبری نے ذکر کیا ہے۔ عمال کے بارے میں شکایات کی تحقیق انہیں کے سپرد تھی۔ ابن تین نے نقل کیا کہ یہ صاحب عبداللہ بن ارقم تھے۔ ابن سعد نے ملیح بن عوف سلمی سے روایت کی کہ حضرت عمر نے مجھے محمد بن مسلمہ کے ساتھ اس لیے بھیجا تھا کہ ان کو راستہ بتاؤں۔ ہو سکتا ہے ان تینوں کو ساتھ ساتھ بھیجا ہو' اس لیے روایت میں یہاں شک ہے۔

بالسریۃ

اس کا مادہ ''السری'' ہے' جس کے معنی نفیس کے ہیں۔ یہ چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ چار سو افراد ہوں

چونکہ چھوٹے لشکر میں منتخب افراد ہوتے ہیں' اس لیے اس کو سریہ کہتے ہیں۔

اصابتنی دعوة سعد

حضرت سعد بہت مستجاب الدعوات بزرگ تھے' ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کب سے مستجاب الدعوات ہوئے؟ تو فرمایا: غزوۂ بدر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یہ دعا فرمائی: "اللّٰھم استجب لسعدٍ" اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما! (عمدۃ القاری۔ ج ٦ ص ٨)

للجواری

بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ بچیاں کیا ہے' مگر یہ صحیح نہیں' مراد لونڈیاں ہیں' اس لیے کہ طبرانی اور ابویعلیٰ کی روایت میں "للاماء" ہے جو کنیزوں کے معنی میں متعین ہے۔

یغمزهن

اس کا بھی ترجمہ بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اشارہ کرتا تھا' مگر یہ صحیح نہیں۔ علامہ عینی نے اس کی شرح میں فرمایا: "یعصر اعضاء هن بالاصابع" ان کے اعضاء کی چٹکی لیتا تھا' اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وہ اندھا ہو گیا' اس کی دس بچیاں تھیں' جب کسی عورت کو سنتا کہ وہ حسین ہے تو اسے پکڑتا' جب ڈانٹ پڑتی تو کہتا: سعد کی دعا کا نتیجہ ہے۔ یہ مختار ثقفی کذاب کے فتنے میں قتل ہوا۔

مطابقت

یہاں باب کا عنوان چھ مسائل پر مشتمل ہے۔ ہر نماز میں امام کی قراءت' مقتدی کی قراءت' حضر میں بھی اور سفر میں بھی اور جہری نمازوں میں جہری اور سرّی میں سرّی قراءت۔ یہ حدیث صرف پہلے جزء پر صراحۃً دلالت کرتی ہے' نیز عنوان کے پانچویں جز پر بھی' اس لیے کہ حضرت سعد نے اپنی جس نماز کو بیان فرمایا' وہ حضر کی حالت کی تھی۔ دوسرے جز کو چھوڑ کر بقیہ پر یوں استدلال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد نے فرمایا: میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح پڑھاتا ہوں۔ اور یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوں یا حضر میں ہر نماز میں قراءت کرتے تھے۔ نیز جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ اور سری نمازوں میں سر کے ساتھ قراءت کرتے تھے البتہ باب کا جز ثانی' یعنی: مقتدی کی قراءت۔ یہ اس حدیث کے کسی جز سے ثابت نہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث میں "احذف فی الاخریین" والی روایت سے ثابت ہوا کہ فرائض کی پہلی رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ اخیر میں اختیار ہے خواہ قراءت کرے خواہ تسبیح پڑھے۔ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: پہلی رکعتوں میں قرآن پڑھو اور اخیر والی میں تسبیح' جیسا کہ ابن منذر نے روایت کیا اور مصنف عبد الرزاق میں ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ[۱] اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے۔ (ایضاً ص ٨)

(۲) مستحب یہ ہے کہ بعد کی رکعت پہلی والی کی بہ نسبت مختصر پڑھے۔ احناف کے یہاں یہ فجر کے ساتھ خاص ہے' بقیہ نمازوں میں مساوی قراءت ہونی چاہیے۔

---

[۱] عمدۃ القاری۔ ج ٦ ص ٩

(۳) صرف شکایات پر بلا تحقیق بھی عامل کو کسی مصلحت کی بناء پر معزول کرنا درست ہے‘ حضرت سعد کے معزول کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ فتنہ دب جائے‘ یا یہ مصلحت تھی کہ حضرت عمر انہیں مشورے کے لیے اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وجہ اصل یہ تھی کہ حضرت عمر کسی عامل کو ایک جگہ چار سال سے زائد نہیں رکھتے تھے‘ مگر یہ صحیح نہیں۔ حضرت معاویہ ۱۷ھ سے شام کے والی بنے اور حضرت عمر کی زندگی بھر وہاں کے والی رہے‘ مگر انہیں معزول نہیں فرمایا۔ کاش کہ اسی قاعدے پر عمل ہوتا تو وہ ناگوار حوادث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آئے‘ شاید پیش نہ آتے۔

(۴) صرف شکایت سن کر کسی کے بارے میں کوئی رائے نہیں قائم کرنی چاہیے‘ تحقیق کرنی ضروری ہے۔

(۵) اگر اپنے کسی اقدام سے کسی مسلمان خصوصاً صاحب حشمت کو تکلیف پہنچے تو معذرت کرنی چاہیے۔

(۶) اگر کوئی بہتان باندھے‘ اذیت پہنچائے تو اس کے لیے بددعا کی جاسکتی ہے۔

(۷) اللہ عزوجل کے محبوب بندوں کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔

۴۸۵- ح: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَاب [جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں]

۴۸۵ - عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی‘ اس کی نماز نہیں۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوات کلها ص ۱۰۴‘ مسلم‘ ابوداؤد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

[سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض ہے یا واجب؟]

اس حدیث سے متعلق دو اہم بحثیں ہیں‘ ایک یہ کہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض ہے یا واجب۔ امام شافعی وغیرہ اسے نماز کا فرض اور رکن مانتے ہیں‘ اگر کسی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو فرض کے ترک سے اس کی نماز قطعاً نہیں ہوئی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ یہ لوگ لا کو نفی جواز پر محمول کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا حقیقی معنی نفس ماہیت کا انتفاء ہے‘ اسے نفی جواز لازم ہے‘ ہمارے نزدیک نماز میں مطلقاً قرآن مجید کا پڑھنا وہ کوئی بھی سورت کوئی بھی آیت ہو‘ فرض اور نماز کا رکن ہے‘ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: ''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ'' (المزمل: ۲۰) قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔ اس میں ما کلمۂ عموم ہے جو قرآن مجید کے چھوٹے سے چھوٹے اس حصے پر بھی صادق ہے‘ جسے قرآن کہا جاسکے۔ اس کی مقدار فقہاء نے ایک چھوٹی آیت رکھی ہے۔ اب اس آیت کا مفاد یہ ہوا کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی آیت کا پڑھنا فرض ہے‘ خواہ وہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہو یا کسی اور سورہ کی۔ اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے‘ اس لیے کہ فرضیت کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی ضروری ہے۔ اور یہ حدیث خبر واحد ہے‘ اسے خبر مشہور کہنا ادعاء محض ہے‘ اس لیے کہ خبر مشہور وہ حدیث ہے جس کے رواۃ کی تعداد عہد تابعین ہی سے اتنی زیادہ ہو کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کرنے کو عقل محال جانے۔ اس حدیث کا حال یہ ہے کہ عہد تابعین میں اس کے رواۃ کی اتنی کثرت نہیں اسی وجہ سے تابعین خود اس مسئلے میں مختلف ہیں۔ اس حدیث کی تاویل ہم یہ کرتے ہیں کہ لائے نفی جنس نفی کمال میں شائع وذائع ہے۔ حدیث میں ہے: ''لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد'' مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ اور کہیں نہیں اور وارد ہے: ''لا صلوٰۃ

لحضرة الطعام" کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں باتفاق فریقین لاء نفی کمال کے لیے ہے۔ اس حدیث میں لاء کو اگر نفی جواز کے لیے لیا جائے تو یہ قرآن مجید اور دوسری احادیث کے معارض ہو جائے گی۔ قرآن و احادیث میں رفع تعارض اور تطبیق کے لیے ضروری ہے کہ لاء کو نفی کمال پر محمول کیا جائے۔

اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں "ما" عموم کے لیے قطعی ہے اور حدیث میں "لا" محتمل ہے۔ نفی جواز اور نفی کمال دونوں میں، قطعی کو محتمل پر بہر حال ترجیح ہوگی۔

علاوہ ازیں حدیث کی تفسیر جو حدیث ہی کرتی ہو دوسری تفاسیر پر راجح ہوگی۔ مسلم[1] وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: جس نے کسی نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، وہ ناقص ہے۔ نیز انہیں سے بعض روایتوں میں غیر تمام وارد ہے، غیر تمام ناقص، کامل کے مقابلے کا لفظ ہے، اس لیے جن احادیث میں لاء ہے، اسے نفی کمال پر محمول کرنا ضروری ہے۔

قراءة خلف الامام

دوسرا مسئلہ اس حدیث سے متعلق قراءت خلف الامام کا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں کہ امام کی طرح مقتدی پر بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے خواہ نماز جہری ہو خواہ سری۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے، اس طرح کہ اس میں "مَنْ" عموم کے لیے ہے جو امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کو بھی شامل ہے، اس لیے جیسے امام پر قراءت فرض ہے، مقتدی پر بھی فرض ہے۔

ہمارا مذہب مختار یہ ہے کہ مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں خواہ جہری نماز ہو خواہ سرّی، بلکہ ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ۔ ج ٣ میں فرماتے ہیں: مذہب حنفیہ در بارہ قراءت مقتدی عدم اباحت و کراہت تحریمہ ہے۔ نماز سرّی میں روایت استحباب کہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی گئی ہے، محض ضعیف جیسا کہ محقق علی الاطلاق فقیہ النفس مولانا کمال الملۃ والدین محمد رحمۃ اللہ علیہ نے شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، جیسا کہ درمختار میں فرمایا، خود تصانیف امام محمد میں جابجا عدم جواز مصرح۔ آثار میں فرماتے ہیں: یہی مذہب ہمارا مختار اور انہیں پر عامۂ حدیث و اخبار وارد۔ اور فرمایا: ایک جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قراءت مقتدی کو مفسد نماز کہتی ہے۔ اور اقوی الدلیلین پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ مؤطا میں بہت آثار روایت فرمائے، جن سے عدم جواز ثابت، اسے شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے لمعات میں فرمایا، بایں ہمہ خلاف تصریحات امام ایک روایت موجود ہے، نماز سرّی میں جواز خواہ استحباب قراءت، ان کا مذہب ٹھہرانا اور فقہ حنفی میں اس کا وجود سمجھنا محض باطل و وہم عاطل۔ ہمارے علماء باتفاق عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی مذہب جمہور صحابہ و تابعین کا ہے۔ (اوجہ اللمعات۔ ج ١ ص ٨٨)

ہمارے دلائل

احناف یہ کہتے ہیں: اولاً فرضیت خبر واحد سے ثابت نہ ہوگی، اس کے لیے دلیل قطعی کی حاجت ہے اور خبر واحد ظنی الثبوت ہے۔ اس سے اگر ثابت ہوتا تو وجوب ثابت ہوتا، مگر چونکہ اس کا عموم دوسری احادیث سے خاص ہو گیا ہے، اس لیے اب مقتدی کے لیے قراءت کی اجازت نہیں نہ سورۂ فاتحہ کی۔ نہ قرآن مجید کے کسی اور جز کی، وہ احادیث یہ ہیں:

(١) امام احمد اپنی مسند[2] میں، امام مسلم اپنی صحیح[3] میں، ابن ماجہ اپنی سنن[4] میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور

---

[1] مسلم۔ ج ١ ص ١٧٠۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ
[2] مسند امام احمد۔ ج ٤ ص ٤١٥
[3] مسلم۔ ج ١ ص ١٧٤۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: التشہد
[4] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوات۔ ص ٦١

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليومكم احدكم فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا.

جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنی صفوں کو درست کرو' پھر کوئی تمہاری امامت کرے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو چپ رہو۔

(۲) امام احمد اپنی مسند[1] میں' امام ابوداؤد[2] اور امام نسائی'[3] ابن ماجہ اپنی سنن[4] میں' امام طحاوی شرح معانی الآثار[5] میں' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا. اللفظ للنسائي.

امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے' پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو خاموش رہو۔

امام مسلم نے اپنی صحیح[6] میں فرمایا: میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) امام ترمذی نے اپنی جامع (ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جهر ص ۴۲) میں اور امام مالک نے اپنی مؤطا[7] میں موقوفاً اور امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار[8] میں مرفوعاً حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام.

جس نے کوئی رکعت بے سورۂ فاتحہ کے پڑھی' اس نے نماز نہیں پڑھی' مگر جب امام کے پیچھے ہو (تو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے)۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔

(۴) موطا امام محمد[9] میں ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمائی:

حدثنا ابو الحسن موسى بن ابى عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس شخص کا بھی پڑھنا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے' اس کے راوی سب کے سب صحاح ستہ کے ہیں۔ یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہے۔ خود امام محمد نے اس سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد دوسرے طریقے سے ذکر فرمایا۔ ابن ماجہ[10] میں بہ طریق جابر اور

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۷۶ [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۸۹۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الامام یصلی قعودا

[3] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۴۶۔ کتاب الافتتاح۔ باب: قول اللہ عزوجل واذا قرأ القرآن فاستمعوا له

[4] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوات۔ باب: القراءۃ خلف الامام ص ۶۱

[5] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۱۰۶۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: القراءۃ خلف الامام

[6] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۷۴۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: التشہد

[7] مؤطا امام مالک۔ باب: فی ام القرآن ص ۳۰

[8] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۱۰۷۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: القراءۃ خلف الامام

[9] مؤطا امام محمد۔ باب: القراءۃ خلف الامام ص ۹۸ [10] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصفوف۔ باب: اذا قرأ الامام فانصتوا ص ۶۱

ابوالزبیر مذکور ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ "من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة"۔ نیز امام طحاوی نے شرح معانی الآثار[1] میں اپنی سند کے ساتھ بہ طریق موسیٰ بن ابی عائشہ الخ روایت فرمایا۔ علاوہ اس کے مختلف چار سندوں کے ساتھ روایت فرمایا۔ علاوہ ازیں مسند امام احمد بن حنبل[2] میں بھی ان کی خاص سند کے ساتھ مذکور ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن عدی نے کامل میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ادنیٰ تغیر کے ساتھ، نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں بھی روایت فرمایا۔ نیز دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

يكفيك قراء ة الامام خافت او جهر. تجھے امام کی قراءت کافی ہے آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے پڑھے۔

اس طرح یہ حدیث چھ صحابہ کرام سے معمولی الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ مروی ہے۔ ان سب پر دار قطنی نے طعن کیا ہے، ہمیں بھی تسلیم ہے کہ سوائے اس طریقہ کے جو حضرت امام اعظم سے مروی ہے، سب میں کچھ نہ کچھ کلام ہے، مگر وہ ہمیں قطعاً مضر نہیں۔ اوّلاً حضرت امام اعظم نے جو روایت کی، وہ ہر قسم کے طعن سے منزہ ہے۔ اور بلا شک و شبہہ صحیح ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ سب رجال صحاح ستہ کے ہیں۔ اگر کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور ان میں ایک طریقے سے بھی صحیح ہو تو وہ فی نفسہٖ صحیح ہی ہے۔ دوسرے طریقوں میں ضعف کی وجہ سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ثانیاً جب ایک حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ لائقِ احتجاج ہے، اگرچہ وہ سب طریقے ضعیف ہوں، جس کی بحث مقدمے میں گزر چکی۔ ثالثاً دار قطنی کے جرح کے جوابات علامہ عینی نے عمدۃ القاری وغیرہ میں بہت شرح و بسط کے ساتھ دیئے ہیں، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ اب حقیقت میں یہ نو حدیثیں ہوئیں، جن سے امام کے پیچھے قراءت سے ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اور جو حدیث "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب" کی مخصص ہے کہ اس سے مراد صرف امام ہے، مقتدی اس سے مستثنیٰ ہے، وہ بھی بہ نظر ظاہر ورنہ بہ نظر دقیق دونوں مضامین کی احادیث میں تعارض ہے ہی نہیں، جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

تطبیق

رہ گئیں وہ حدیثیں جن سے مطلقاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھے نماز نہ ہوگی، ان کا سب سے عمدہ وہ جواب ہے جو سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۸۹ پر دیا ہے، فرماتے ہیں:

جواب اس حدیث کا چند طور پر ہے یہاں اس قدر کافی کہ یہ حدیث نہ تمہارے لیے مفید نہ ہمارے لیے مضر۔ ہم مانتے ہیں کہ کوئی نماز ذات رکوع و سجود بے فاتحہ کے تمام نہیں، امام کی ہو یا ماموم کی، مگر مقتدی کے حق میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لیے امام کی قراءت کافی ہے اور امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے، جیسا کہ حدیث گزر چکی، بس خلاف ارشاد حضور والاتم نے کہاں سے نکال لیا کہ مقتدی جب تک خود نہ پڑھے گا، نماز اس کی بے فاتحہ رہے گی اور فاسد ہو جائے گی۔

اب انصاف پسند ناظرین غور کریں کہ احناف کا مذہب تمام احادیث پر منطبق ہے، بہ خلاف غیر مقلدین کے کہ وہ اس سلسلے کی چند حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اور اکثر کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور دعویٰ عمل بالحدیث کا، صحیح فرمایا حضرت سلیمان اعمش نے "الحديث مضلة الا للفقهاء"۔

[1] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۱۰۷-۱۰۸۔ باب: القراء ة خلف الامام [2] مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۳۳۹

کچھ شبہات اور ان کے جوابات

اوّل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں امام ابوداؤد نے فرمایا: ''اذا قرأ فانصتوا'' کی زیادتی محفوظ نہیں' یہ ابوخالد سے وہم ہو گیا ہے۔

جواب

علامہ عینی نے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا: (۱) ابوخالد رجال صحاح ستہ سے ہیں' امام وکیع استاذ امام شافعی نے فرمایا: ابوخالد کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے' حالانکہ امام ابوہشام رافعی نے کہا: ہم نے ابوخالد احمد سے حدیث بیان کی جو ثقہ امین ہیں' اور ثقہ کی زیادتی مقبول۔ (۲) اس زیادتی میں ابوخالد منفرد نہیں' اس کے متابع اور بھی روایتیں ہیں' مثلاً نسائی میں محمد بن سعد کے طریقے سے اور طبرانی میں بہ طریق اسماعیل بن ابان مروی ہے۔ (۳) امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس زیادتی کو فرمایا کہ صحیح ہے' نیز ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح کہا۔

ثانی

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں دارقطنی وغیرہ نے کہا کہ یہ زیادتی محفوظ نہیں' یہ ابن عجلان کی تخلیقات سے ہے۔

جواب

اس کا علامہ عینی نے یہ جواب دیا: (۱) صحیح یہ ہے کہ ابن عجلان ثقہ ہیں' جیسا کہ عجلی نے کہا' اکمال میں کہا: یہ ثقہ کثیر الحدیث ہیں۔ دارقطنی نے کہا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایت لی' بلکہ امام بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کے تمام اصحاب نے ان کی روایت کو بہ طور استشہاد لیا۔ غرضیکہ یہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ (۲) بیہقی کی سنن کبریٰ میں خارجہ بن مصعب اور یحییٰ بن العلاء سے اس کے متابع روایت موجود ہے' یعنی ایسا بھی نہیں کہ ابن عجلان اس زیادتی میں منفرد ہیں۔

ثالث

مسلم شریف وغیرہ میں خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ جب انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ جس نے سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے' تمام نہیں' تو کسی نے عرض کیا: ہم لوگ کبھی امام کے پیچھے ہوتے ہیں' تو فرمایا: اے فارسی! اپنے جی میں پڑھ لے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے: (۱) یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے' جیسے انہوں نے خود استخراج فرمایا ہے۔ ان کے اس فتویٰ کے بالمقابل ان سے بہ درجہا افضل و اعلم و ارفع دوسرے اکابر صحابہ کا فتویٰ ہے' مثلاً خلفاء راشدین' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی فتویٰ کے مقابلے میں ان اکابر صحابہ کا فتویٰ بلاشبہ لائق ترجیح ہے۔ (۲) انہوں نے ''اقرأ بها نفسك'' فرمایا ہے' اسے اپنے جی میں پڑھ لے۔ یہ نہیں فرمایا: ''اقرأ بها مخافة'' اسے چپکے سے پڑھ لے اور جی میں قراءت نہیں ہوتی' غور و تدبر ہوتا ہے۔ اب ان کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے الفاظ و معانی کا تصور کر۔

رابع

حدیث چہارم کے مختلف طرق میں اس طریقے کو ہم نے صحیح کہا جو سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حالانکہ دارقطنی نے خود امام کو ضعیف کہا۔

جواب

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہنا دارقطنی کا اتنا بڑا تعصب اور عناد ہے کہ حضرت علامہ عینی کو یہاں جلال آ گیا اور انہیں لکھنا پڑا کہ امام اعظم کو ضعیف کہنے کی وجہ سے دارقطنی خود تضعیف کے مستحق ہو گئے۔ اگر دارقطنی ادب کرتے تو امام اعظم کے بارے میں یہ لفظ نہ نکالتے جن کا علم شرق و غرب پر چھا گیا ہے۔ امام النقد والتعدیل ابن معین سے جب امام اعظم کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: وہ ثقہ مامون ہیں' میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں سنا کہ اس نے انہیں ضعیف کہا ہو' شعبہ جیسے امام حدیث نے ان کو لکھا کہ وہ حدیث بیان کریں' شعبہ شعبہ ہی ہیں' انہوں نے ہی فرمایا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ دین دار سچے تھے' یہ جھوٹ کے ساتھ متہم نہیں تھے۔ اللہ کے دین پر مامون اور حدیث میں اعلیٰ درجے کے سچے تھے۔ بڑے بڑے ائمہ نے ان کی تعریف کی ہے' جیسے عبداللہ بن مبارک یہ ان کے تلمیذ تھے' سفیان بن عیینہ' سفیان ثوری' حماد بن زید' عبدالرزاق اور امام وکیع' حتیٰ کہ بقیہ تینوں ائمہ مذہب امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور لاتعداد لوگوں نے۔ اس کی قدرے تفصیل مقدمے میں گزر چکی ہے۔

یہ جرح اس قابل نہ تھی کہ اسے ذکر کیا جاتا مگر میں نے صرف اس لیے ذکر کی ہے کہ ناظرین کے علم میں یہ بات آ جائے کہ حضرت امام اعظم ہمیشہ محسود رہے اور آج بھی ہیں۔ اسی کا ثمرہ زمانہ ماضی میں دارقطنی اور امام بخاری کے ارشادات ہیں اور آج کل بدمذہب ہوا پرست غیر مقلدین بھی اسی آگ میں جل بھن رہے ہیں' کیا کریں ان کے مقدر میں دنیا و آخرت میں جلنا ہی ہے۔

جمہور صحابہ کا مسلک

مقتدی کو قراءت جائز نہیں' یہی جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک ہے۔ صحابہ کرام کی غالب اکثریت اس کی قائل ہے کہ مقتدی کو قراءت جائز نہیں' حتیٰ کہ صاحب ہدایہ امام برہان الدین مرغینانی نے فرمایا کہ اس پر اجماع صحابہ ہے' جن میں سے اسّی صحابہ کرام سے بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ وہ مقتدی کے لیے قراءت خلف امام کو جائز نہیں جانتے تھے۔ جن میں خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی ہیں۔ نیز عبادلہ ثلثہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ارشادات اتنے کثیر ہیں کہ سب کو ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کو اس بارے میں اتنا تشدد تھا کہ انہوں نے یہاں تک فرما دیا: کاش کہ جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے' اس کے منہ میں انگارہ ہوتا' جیسا کہ موطا امام محمد[1] میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت فاروق اعظم کا ارشاد منقول ہے۔ اور یہ شدت قرآن عظیم کے احترام کی وجہ سے ہے۔ بدیہی بات ہے کہ اگر کسی بادشاہ کا فرمان کسی کے سامنے پڑھا جائے تو حاضرین پر لازم ہوگا کہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر بغور سنیں۔ اگر بالفرض کوئی نہ سنے تو یقیناً وہ بادشاہ کے عقاب کا مستحق ہوگا' تو جبکہ عام بادشاہوں کی یہ سطوت ہے تو اس جبار' قہار' مالک الملک والملکوت کے فرمان کی حیثیت کیا ہوگی! کیا کسی بھی عقل والے کے نزدیک یہ بات پسندیدہ ہوگی کہ وہ اسے بغور نہ سنے اور اپنے کو مشغول رکھے اور کیا اس میں سوء ادب کا پہلو نہیں؟ اس پہلو کو سامنے رکھ کر ''اشدھم فی امر اللہ'' سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا کہ کاش کہ اس کے منہ میں انگارہ ہوتا۔

---

[1] موطا امام محمد- باب: القراءۃ خلف الامام ص ۱۰۱-۱۰۲

مخالفین کے عناد اور مکابرے کی وجہ سے یہ بحث ابھی بہت تفصیل چاہتی ہے' مگر میں نے بہ قدرِ ضرورت ہی لکھا جو منصف دین دار کے لیے کافی ہے۔ اس موضوع پر رفع یدین کی طرح بہت رسائل فریقین نے لکھے ہیں جو تفصیل چاہتا ہے ان کا مطالعہ کرے۔

اس موضوع پر ہماری مستدل آیت کریمہ: ''وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ O'' (الاعراف: ۲۰۴) بھی ہے۔ بیہقی نے حضرت امام احمد کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے نماز میں قرآن پڑھنے کو بھی شامل ہے' اس لیے نماز میں مقتدی کے لیے قراءت کا ممنوع ہونا ضرور اس سے ثابت' چونکہ ہم نے مقدمے میں یہ بحث ذکر کر دی ہے' اس لیے یہاں دوبارہ نہیں لائے۔

اخیر میں حدیث: ۴ سے متعلق وہ تفصیل جو امام محمد نے مؤطا میں مرسلاً اور کتاب الآثار میں متصلاً حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر میں امامت فرمائی' تو ایک شخص نے حضور کے پیچھے قراءت کی' اس پر جو صاحب اُن کے متصل تھے۔ انہوں نے ان کی چٹکی لی' نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے پوچھا: تم نے میری چٹکی کیوں لی؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے آگے امام تھے' میں نے اسے مکروہ جانا کہ تو حضور کے پیچھے پڑھے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا تو فرمایا: جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے' اس کے رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں' اسے امام محمد کے علاوہ دار قطنی نے بھی روایت کیا اور کہا: اسے جریر بن سفیان' ابوالاحوص' شعبہ' زائدہ' زہیر' ابوعوانہ' ابن ابی لیلیٰ' قیس' شریک وغیرہ نے بھی روایت کیا۔ اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو امام کے پیچھے قراءت کا حکم نہیں دیا (۲) جن بعض صحابہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے قراءت کی' یہ ان کا اپنا فعل تھا جسے وہ اپنی صوابدید سے کرتے تھے (۳) صحابہ کرام کی غالب اکثریت مقتدی کے لیے قراءت کو ناپسند کرتی تھی (۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت خلف الامام سے منع فرمایا (۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کا استثناء نہیں فرمایا' اور موقع ایسا تھا کہ اگر وہ حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہوتی تو ضرور استثناء فرماتے تو ثابت ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری ج ۲ ص ۲۷۲ پر ہے کہ میرے نزدیک امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ جہری نماز میں قراءت ممنوع ہے اور سرّی میں جائز ہے' جیسا کہ صاحب ہدایہ نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ اگرچہ امام ابن ہمام نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ میں نے اسے مؤطا اور کتاب الآثار میں نہیں پایا۔

اقول: کاش کہ کشمیری صاحب اس مقام پر فتح القدیر[1] پر دیکھ لیتے تو امام ابن ہمام کے سر جھوٹ نہ باندھتے۔ امام ابن ہمام نے کتاب الآثار اور مؤطا دونوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام محمد کا قول یہی ہے کہ کسی نماز میں مقتدی کو قراءت جائز نہیں نہ جہری میں نہ سرّی میں۔ فرماتے ہیں:

حق یہ ہے کہ امام محمد کا قول اس مسئلہ میں بھی شیخین کے قول کے مثل ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کی عبارتیں اس بارے میں تصریح کر رہی ہیں کہ وہ شیخین سے اس مسئلہ میں الگ نہیں' جیسا کہ کتاب الآثار باب: ''القراءۃ خلف الامام'' میں پہلے علقمہ بن

[1] فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۲۹۵۔ فصل فی القراءۃ' نول کشور

قیس کا یہ فعل سند کے ساتھ بیان فرمایا کہ انہوں نے کبھی قراءت نہیں کی نہ جہری میں نہ سرّی میں، پھر فرمایا: اسی کو ہم لیتے ہیں، اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ کسی نماز میں جہری ہو یا سرّی، قراءت کو جائز نہیں جانتے، پھر دوسرے آثار کو سندوں کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: کسی نماز میں امام کے پیچھے قراءت مناسب نہیں۔ اور موطا میں اس سلسلے کے آثار نقل کرنے کے بعد فرمایا: امام کے پیچھے قراءت نہیں نہ جہری میں نہ سرّی میں۔ اسی کے مطابق عامہ اخبار وارد ہیں، یہی ابوحنیفہ کا قول ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ کشمیری صاحب نے کس طرح آنکھوں میں دھول جھونکی ہے۔ امام ابن ہمام تو صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ کتاب الآثار اور موطا دونوں میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ امام کے پیچھے نہ جہری نماز میں قراءت ہے نہ سرّی میں۔ اور یہ امام ابن ہمام کے سر منڈھ رہے ہیں کہ انہوں ں نے صرف اس بناء پر اسے امام محمد کا قول تسلیم نہیں کیا کہ انہیں کہیں نہیں ملا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ غیر مقلدین کے آگے سپر اندازی کا نتیجہ ہے یا آپ کے اعلیٰ درجے کے حافظے کی خوبی ہے۔

گنگوہی صاحب پر تعقب

تذکرۃ الرشید، حصہ اوّل ص ۹۲ پر گنگوہی صاحب کی جلالت علم کے ثبوت میں ان کے عاشق میرٹھی صاحب نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ان کے ایک شاگرد حج کے لیے گئے تو شیخ الدلائل حضرت مولانا احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں درس ترمذی میں شریک ہوتے تھے۔ قراءت خلف امام کی بحث کے اثناء گنگوہی صاحب کے نیازمند نے گنگوہی صاحب کی اس نکتہ سنجی کا تذکرہ کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث موقوفاً، صحیح مسلم میں مروی ہے کہ قراءت فاتحہ ہر رکعت میں ضروری ہے "الا ان یکون وراء الامام" مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو میں نے سنا کہ فرماتے تھے کہ یہ حدیث ہر چند کہ موقوف جابر رضی اللہ عنہ پر ہے، مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ احکام کے متعلق ہے کہ صحابی اپنی طرف سے یہ استثناء نہیں کر سکتے۔ مولانا عبدالحق صاحب اس تقریر کو سن کر پھڑک اٹھے اور بڑے شوق کے ساتھ باصرار فرمایا کہ ہند میں پہنچ کر جناب مولانا رشید احمد صاحب سے اس حدیث کا پتہ دریافت کر کے مجھے ضرور لکھنا کہ کس جگہ اور کس صفحہ پر ہے۔ چنانچہ میں نے واپس ہو کر گنگوہ کی حاضری میں حضرت سے اس حدیث کا پتہ دریافت کیا اور بقید صفحہ و سطر لکھ کر مولانا عبدالحق صاحب کو ۱۳۰۴ھ میں اطلاع دی۔

اقول: گنگوہی صاحب اور ان کے یہ شاگرد اور ان کے عاشق میرٹھی سب آنجہانی ہو گئے۔ اب ہم کس سے پوچھیں کہ یہ حدیث مسلم میں کہاں ہے۔ ناظرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت شیخ الدلائل اعظم علماء مکہ میں سے تھے اور نارہ ضلع الٰہ آباد ان کی جائے پیدائش ہے، ہجرت کر کے مکہ معظمہ جا بسے تھے۔ یہ قصہ صرف ان کی شان گھٹانے کے لیے گڑھا گیا، ان کا جرم صرف یہ ہے کہ انہوں نے حسام الحرمین کی تصدیق فرما دی تھی، مگر سنت الٰہی ابھی جاری ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد … میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

مثل مشہور ہے کہ چور بھاگتا جاتا ہے نشانِ قدم چھوڑتا جاتا ہے۔ وہی حال یہاں ہوا، یہ حدیث مسلم میں نہیں، ترمذی جلد اوّل ہی میں ہے۔ حضرت شیخ الدلائل بہ قول اس کذاب کے ترمذی جلد اوّل کا درس دے رہے تھے، تو ان سے یہ حدیث کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی جبکہ یہ ترمذی کے ص ۴۲ ہی پر ہے، وہ بھی قراءت خلف الامام ہی کے باب میں پھر اس حدیث کا صفحہ سطر پوچھنا کیا معنیٰ؟ اور جو نکتہ آفرینی گنگوہی صاحب کی طرف منسوب ہے۔ وہ اصول حدیث کا ایسا مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ اہل سنت کے مدارس کے سب طلبہ جانتے ہیں، پھر کس کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ حضرت شیخ الدلائل کس بات پر پھڑکے۔ یہ صرف حضرت شیخ الدلائل کی شان ارفع و اعلیٰ کو گھٹانے کے لیے گڑھا گیا ہے ورنہ ان کی جلالت علم کے سامنے گنگوہی صاحب جیسے لوگوں کی کیا حقیقت؟ اس ایک واقعے میں

اتنے جھوٹ ایک ساتھ ہیں: (۱) یہ حدیث مسلم میں ہے (۲) اسے سن کر شیخ الدلائل پھڑک گئے (۳) اس کا پتہ پوچھا (۴) اور اس دیوبندی کو گنگوہی صاحب نے مسلم شریف کا صفحہ وسطر بتایا (۵) پھر اس دیوبندی نے شیخ الدلائل کو اس کی اطلاع دی۔

٤٨٦ - ح: اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ

[لوٹ جا' پھر نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی]

٤٨٦ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ وَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ يُصَلِّيْ كَمَا صَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَيْرَهٗ فَعَلِّمْنِیْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَّافْعَلْ فِیْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا' حضور نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: لوٹ اور پھر نماز پڑھ' اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی' وہ لوٹا اور اس نے پھر نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی' پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا' پھر حضور نے فرمایا: لوٹ اور پھر نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار ایسا ہی ہوا' اب اس نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا' حضور مجھے سکھا دیں' تو ارشاد فرمایا: جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر پڑھ' پھر جتنا قرآن تمہیں یاد ہو اس میں سے جو ہو سکے پڑھو' اس کے بعد رکوع کرو یہاں تک کہ باطمینان رکوع ہو جائے' پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے' پھر سجدہ کر یہاں تک کہ باطمینان سجدہ ہو جائے' پھر سر اٹھا اور باطمینان بیٹھ جا اور ایسے ہی اپنی ہر نماز میں کر۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا ص ۱۰۴' باب: امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹' ج ۲۔ کتاب الاستیذان۔ باب: من رد فقال علیک السلام ص ۹۲۴' کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا حنث ناسیا ص ۹۸۶' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ' ترمذی۔ کتاب المواقیت۔ کتاب الاستیذان' نسائی۔ کتاب الافتتاح۔ کتاب التطبیق۔ کتاب السہو' دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۲۷)

مطابقت

سابقاً گزر چکا کہ اس باب کے چھ اجزاء ہیں' چھٹا جز یہ ہے کہ سری نمازوں میں بھی قراءت ہے۔ اس حدیث میں جو واقعہ مشہور ہے وہ دن کی نماز کا ہے' جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سری قراءت کی ہے۔ یہ قصہ جن صاحب کا ہے ان کا نام خلاد بن رافع ہے' ترمذی میں ہے کہ ایک صاحب آئے جو دیہاتی کی طرح تھے نماز پڑھی اور بہت ہلکی پڑھی۔

مسائل

(۱) سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

(۲) تعدیل ارکان واجب ہے' فرض نہیں' اس لیے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں اخیر کا جملہ یہ ہے: "اذا فعلت ھذا فقد تمت

صلوتك وما انتقصت من هذا انتقصت من صلوتك"[1] حضور اقدس ﷺ نے نقصان کے باوجود اسے نماز قرار دیا' یہ اس بات کی دلیل ہے: "لم تصل" میں نفی کمال مراد ہے' علاوہ ازیں خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت نہیں ثابت ہوتی۔

(۳) نماز کا افتتاح تکبیر سے ہونا ضروری ہے' امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں کہ خاص لفظ اللہ اکبر ہونا فرض ہے' ہمارے نزدیک ہر وہ صیغہ جو اللہ عزوجل کی عظمت و کبریائی پر دلالت کرے' کافی ہے' اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے: "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى" اور اس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔ اور ذکر تمام ایسے صیغوں کو عام ہے جو جلالت و کبریائی پر دلالت کرتے ہیں' جیسے اللہ اکبر' اللہ اعظم' الرحمٰن اکبر' الرحمٰن اجل' سبحان اللہ' الحمد للہ وغیرہ' مگر اس حدیث کی وجہ سے لفظ اللہ اکبر ہونا واجب ہے۔

(۴) "ثم اقرأ ما تيسر من القرآن" پھر تمہیں جتنا قرآن یاد ہو' اس میں سے جتنا تمہیں آسان ہو اتنا پڑھو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بعینہٖ سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔ قرآن مجید کا جو بھی حصہ پڑھیں فرض ادا ہو جائے گا' اگرچہ سورۂ فاتحہ نہ ہو' اس لیے کہ یہ موقع تعلیم کا تھا' اگر بعینہٖ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو حضور اقدس ﷺ انہیں ضرور تعلیم دیتے۔

(۵) البتہ سورۂ فاتحہ اور تین چھوٹی آیتوں کا امام و منفرد کو پڑھنا واجب ہے۔

(۶) حدیث "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب" کے معارض ہوگی' اگر اس میں لاء کو نفی جواز کے لیے لیں گے' دفع تعارض کے لیے ضروری ہے کہ اس حدیث میں لاء کو کمال کی نفی کے لیے لیا جائے۔

(۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز سے باہر آنے کے لیے لفظ السلام فرض نہیں' اس لیے کہ اگر فرض ہوتا تو حضور انہیں ضرور تعلیم دیتے' تعلیم کے موقع پر ترک اس کی دلیل ہے کہ وہ فرض نہیں۔ اس پر نص صریح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا اخیر حصہ ہے کہ فرمایا: "اذا قلت هذا وفعلت هذا فقد تمت صلوتك" جب تو نے اتنا پڑھ لیا یا اتنا کر لیا تو تیری نماز ہو گئی۔ اس میں بھی لفظ السلام کا ذکر نہیں۔

(۸) واجب کے ترک سے اعادہ واجب ہے۔

(۹) نفل شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا لازم ہے' اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ نماز نفل تھی۔

۴۸۷- ح: يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ

[ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں (فاتحۃ الکتاب) پڑھتے تھے]

۴۸۷- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ يُطَوِّلُ فِي الْأُوْلٰى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيُسْمِعُ الْآيَةَ أَحْيَانًا وَّكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْأُوْلٰى وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب اور دو سورتیں پڑھتے تھے' پہلی میں لمبی قراءت کرتے تھے اور دوسری میں کم' اور کبھی کبھی ہمیں آیت سنا دیتے اور عصر میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پہلی میں قراءت لمبی کرتے اور صبح کی پہلی رکعت میں قراءت لمبی کرتے اور دوسری میں کچھ کم کرتے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: القراءة في الظهر ص ۱۰۵' باب: القراءة في العصر ص ۱۰۵' باب: يقرأ في الاخريين بفاتحة الكتاب

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۱۶

ص ۱۰۷' باب: اذا اسمع الامام الآية ص ۱۰۷' باب: يطول في الركعة الاولى ص ۱۰۷)

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظہر اور عصر اور فجر کی پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری کے قراءت طویل ہونی سنت ہے' مگر چونکہ اس کے معارض دوسری احادیث بھی ہیں' مثلاً حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسلم شریف[1] میں یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی ہر رکعت میں تیس آیات کی مقدار پڑھتے تھے' اس لیے ہمارا مذہب یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی دونوں رکعتوں میں قراءت برابر رہنی سنت ہے' اور اس حدیث میں جو وارد ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ ثناء' تعوذ' تسمیہ کی وجہ سے پہلی رکعت بہ نسبت دوسری کے طویل ہو جاتی تھی۔ یہ حدیث آگے باب ''يقرأ في الاخريين بفاتحة الكتاب'' میں اس زیادتی کے ساتھ وارد ہے اور اخیر کی رکعتوں میں فاتحہ الکتاب پڑھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اخیر کی رکعتوں میں سورت ملانا واجب نہیں۔ ہماری یہاں اخیر کی رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ اگر چاہے تو تسبیح پر بھی اکتفاء کر سکتا ہے' جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن منذر نے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعتوں میں قرآن مجید پڑھ اور اخیر والیوں میں تسبیح پڑھ۔ نیز مصنف عبدالرزاق میں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کا عمل یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ پہلی رکعتوں میں قرآن مجید پڑھتے اور اخیر والیوں میں تسبیح۔ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی یہی مروی ہے۔ تابعین کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ جن روایتوں میں اخیر کی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے' وہ استحباب پر محمول ہیں' اس لیے کہ طبرانی نے اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نماز میں قراءت کی سنت یہ ہے کہ پہلی رکعتوں میں ام القرآن اور سورت پڑھی جائے اور اخیر والی میں ام القرآن۔ رہ گیا یہ کہ حضرت ابوقتادہ کو اس کا علم کیسے ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھا کرتے تھے۔ اس کو وہ خود بیان کر چکے ہیں کبھی کبھی حضور ہمیں آیت سنا دیتے تھے' یہ سنانا دو طرح ہو سکتا ہے' ایک یوں کہ تعلیم کے لیے' کبھی کبھار یا ابتداء میں حضور نے بلند آواز سے قراءت کی ہو' یا اس طرح کہ کبھی آہستہ پڑھنے میں قریب کے آدمی قراءت سن لیا کرتے ہیں' اسی طرح حضرت ابوقتادہ نے سنا ہو۔

٤٨٨- ح: سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا

[انہوں نے سنا: وہ (سورۂ) ''والمرسلت عرفا'' پڑھ رہے تھے]

٤٨٨ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ وَاللّٰهِ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَائَتِكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ام الفضل نے سنا اور وہ (سورۂ) والمرسلت عرفا پڑھ رہے تھے تو انہوں ں نے کہا: اے بیٹے! تو نے اپنی قراءت سے یہ سورت مجھے یاد دلا دی' آخری قرآن جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے یہی ہے' حضور اسے مغرب میں پڑھ رہے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: القراءة في المغرب ص ۱۰۵' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبي صلى الله عليه وسلم ص ۶۳۷ مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

کتاب المغازی میں یہ زائد ہے: پھر اس کے بعد حضور نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی' یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے اٹھا لیا۔

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۸۶۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القراءة في الظهر والعصر

نسائی میں یہ تصریح ہے کہ یہ مغرب کی نماز تھی اور یہ کہ حضور نے اپنے کاشانہ اقدس میں پڑھائی تھی۔ ترمذی میں ہے کہ حضور ہماری طرف اپنی بیماری میں تشریف لائے اور حضور سر پر پٹی باندھے ہوئے تھے اور مغرب پڑھی، جس میں مرسلات پڑھی۔ اس کے بعد وصال کے وقت تک (مغرب کی) نماز نہیں پڑھائی۔ ترمذی کی روایت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور مسجد اقدس میں تشریف لائے اور مسجد ہی میں آپ نے نماز پڑھائی۔ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ گھر کے اندر پڑھائی۔ علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ ترمذی کی روایت "خرج الینا" سے مراد یہ ہے کہ کاشانہ اقدس میں جہاں لیٹے تھے، وہاں سے نکلے۔ یہ نہیں کہ حجرہ مبارکہ سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے۔ اس حدیث کے کل طرق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے غالباً حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لانے کے بعد یہ قصہ انہیں کے گھر ہوا ہوگا، اور چند افراد جو حجرہ مبارکہ میں تھے انہیں آپ نے نماز پڑھائی۔ نیز بقیہ روایتوں کے اس حصہ سے کہ پھر ہمیں نماز نہیں پڑھائی قیاس کیا جاتا ہے کہ یوم وصال سے ایک دن قبل اتوار کی مغرب تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۴۸۹- ح: تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ [تو مغرب میں قصار پڑھتا ہے]

۴۸۹- عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِطُولَى الطُّولَيَيْنِ۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم سے روایت کی کہ اس نے کہا: مجھ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو مغرب میں قصار پڑھتا ہے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ دو بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورت پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: القراءۃ فی المغرب ص ۱۰۵، ابوداؤد، نسائی۔ کلاھما فی کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کا ایک راوی مروان بن حکم مشہور زمانہ عیار کھیاد فتنہ پرور ہے، جس کی وجہ سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، جس کی وجہ سے اسلام کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور ہزارہا مسلمان قتل کیے گئے، یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ امام بخاری جیسے متشدد محتاط محدث نے اپنی اصح الکتب میں اس کی روایت کیسے لی؟ اس کا باپ حکم بن العاص وہ بدطینت خبیث تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارتا تھا۔ کاشانہ اقدس میں جھانکتا تھا، جس کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ اس کنگھے سے تیری آنکھ پھوڑ دوں۔ انہیں خباثتوں کی وجہ سے حکم کو طائف جلاوطن کر دیا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کا یہ فسادی بیٹا بھی طائف چلا گیا تھا۔ ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ مروان نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی ہے۔

"طولی الطولیین"، "طولی" طویل سے اسم تفضیل مؤنث فعلی کے وزن پر ہے اور "الطولیین" اسی کا تثنیہ ہے۔ ان دو بڑی سورتوں میں سے ایک تو اعراف ہے اور دوسری بر بناء قول محفوظ انعام ہے[۱] قصار سے مراد قصار مفصل ہے جیسا کہ کشمیہنی کی روایت بھی ہے، سورہ "لم یکن الذین کفروا" سے لے کر آخر تک کو قصار مفصل کہتے ہیں۔

۴۹۰- ح: قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مغرب میں (سورۂ) طور پڑھی]

۴۹۰- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ۔

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے مغرب میں سورۂ طور پڑھی۔

---

[۱] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۴

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الجھر فی المغرب ص ۱۰۵، کتاب الجہاد۔ باب: فداء المشرکین ص ۴۲۸، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب ص ۵۷۳، کتاب التفسیر۔ سورۂ والطور ص ۷۲۰، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ، ترمذی۔ کتاب المواقیت، نسائی۔ کتاب الافتتاح، دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۲۴، مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۸۰)

تکمیل

کتاب الجہاد اور المغازی میں اتنا زائد ہے کہ یہ یعنی جبیر بن مطعم غزوۂ بدر کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے تاکہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ سے سفارش کریں کہ حضور انہیں چھوڑ دیں۔ اسی وقت مغرب میں انہوں نے آپ کو سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا تھا' فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر گیا' کتاب التفسیر میں یہ بھی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ اس آیت پر پہنچے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ ○ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ○

کیا وہ کسی اصل سے نہیں بنائے گئے ہیں یا وہی بنانے والے ہیں ○ کیا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا' بلکہ انہیں یقین نہیں ○ کیا ان کے پاس تمہارے رب کی رحمت کے خزانے ہیں یا وہ نگہبان ہیں ○ (الطور: ۳۵۔۳۷)

تو معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اُڑ جائے گا۔

ان کی سفارش پر فرمایا: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان ناپاکوں کے بارے میں سفارش کرتا تو میں انہیں چھوڑ دیتا۔

مطابقت

چونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' پھر بھی انہوں نے سنا تو ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ بلند آواز سے قراءت فرما رہے تھے۔

مسائل

(۱) ان تینوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں لمبی سورتیں پڑھنی سنت ہیں' یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ ہمارے نزدیک مستحب یہ ہے کہ مغرب میں قصار مفصل پڑھی جائیں۔ ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت جابر و حضرت انس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم مغرب پڑھ کے اپنے گھر اقصیٰ مدینہ تیر پھینکتے ہوئے جاتے تو اتنا اُجالا رہتا کہ تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیتے' نیز ابن ماجہ[1] میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مغرب میں "قل یا ایھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے۔ بزار نے اپنی مسند میں سند صحیح کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب اور عشاء میں "واللیل اذا یغشی" اور "والضحی" اور ظہر اور عصر میں "سبح اسم ربک الاعلی" اور "ھل اتاک" پڑھتے تھے۔ ابن مردویہ نے اپنی کتاب اولاد المحدثین میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ شب جمعہ کی مغرب میں "قل یا ایھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے۔ نیز اجلہ صحابہ کرام کا اسی پر عمل تھا' مثلاً حضرت صدیق اکبر' فاروق اعظم' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم۔ اسی لیے امام مالک فرماتے ہیں کہ مغرب میں لمبی سورتیں پڑھنا مکروہ ہے۔ ان احادیث کا جواب یہ

[1] ابن ماجہ۔ باب: القراءۃ فی المغرب ص ۶۰

ہے کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے یا صحابہ کرام کے نشاط کے وقت یہ سورتیں پڑھی ہیں' ہوسکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی قراءت میں بھی زبان کا اعجاز رہا ہو کہ تھوڑے سے وقت میں آپ زیادہ سے زیادہ قراءت فرماتے تھے' جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ سواری پر زین کسنے کا حکم دے کر زبور کی تلاوت شروع فرماتے اور زین کسنے سے پہلے پہلے پوری زبور شریف کی تلاوت فرما لیتے[1] ورنہ جبکہ حضور اقدس ﷺ نے لمبی قراءت کی بناء پر حضرت معاذ پر عتاب فرمایا تو خود کیسے یہ پسند فرماتے کہ سورۂ اعراف وانعام جیسی لمبی سورتیں مغرب میں پڑھتے۔

(۲) حدیث:۴۸۹ ''بطولی الطولیین'' اس کی دلیل ہے کہ مغرب کا وقت شفق احمر ہی تک نہیں' شفق ابیض کے غروب تک ہے' اس لیے کہ شفق احمر اتنی دیر نہیں رہتی کہ سورۂ اعراف یا انعام پڑھی جا سکے۔

٤٩١ - ح: فَقَرَاَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ

[(عشاء میں) انہوں نے ''اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ'' کی قراءت کی تو سجدہ کیا]

٤٩١ - عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَاَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ مَا هٰذِهٖ قَالَ سَجَدْتُّ بِهَا خَلْفَ اَبِی الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا اَزَالُ اَسْجُدُ فِيْهَا حَتّٰى اَلْقَاهُ۔

ابو رافع نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی' اس میں انہوں نے ''اذا السماء انشقت'' پڑھی تو سجدہ کیا' میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے' میں اس پر ہمیشہ سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ ان سے جا ملوں۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الجهر فی العشاء ص۱۰۵' باب: القراءة فی العشاء بالسجدة ص۱۰۶' کتاب سجود القرآن۔ باب: سجدة اذا السماء انشقت ص۱۴۶' باب: من قرأ السجدة فی الصلوٰة فسجد ص۱۴۷' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: عشاء کی نماز میں بلند آواز سے قراءت۔ اس کا ثبوت اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا۔ مقتدی پر سجدہ اسی وقت واجب ہے جبکہ امام آیت سجدہ بلند آواز سے پڑھے تو ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے عشاء میں بلند آواز سے قراءت کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورۂ انشقاق میں سجدہ ہے بخلاف امام مالک کے۔ ان کے نزدیک اس سورہ میں سجدہ نہیں' پھر علماء کرام کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیت سجدہ کیا ہے؟ ہمارے نزدیک آیہ کریمہ ''وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝'' (الانشقاق:۲۱) ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سورت کی آخری آیت' اس لیے بہتر یہ ہے کہ سورت پوری کرنے کے بعد سجدہ کرے۔

٤٩٢ - ح: فَقَرَاَ فِی الْعِشَآءِ فِیْ اِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ

[آپ (ﷺ) نے عشاء کی ایک رکعت میں سورۂ ''وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ'' پڑھی]

٤٩٢ - عَنْ عَدِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ سَفَرٍ فَقَرَاَ فِی الْعِشَآءِ فِیْ

عدی نے کہا: میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی ﷺ نے سفر کی حالت میں عشاء کی ایک رکعت میں (سورۂ) التین

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۶

اِحْدَی الرَّکْعَتَیْنِ بِالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ. والزیتون پڑھی۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الجهر فی العشاء ص ۱۰۵' باب: القراء ة فی العشاء ص ۱۰۶' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ تین ص ۷۲۹' کتاب التوحید۔ باب: قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الماهر بالقران مع السفرة الكرام البررة ص ۱۱۲۶' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

ہمارے نزدیک عشاء میں اوساطِ مفصل پڑھنا مستحب ہے' جیسا کہ ابھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء میں سورۂ انشقاق پڑھی۔ نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عشاء میں سورۂ والنجم' اور حضرت ابن عمر نے "لم یکن الذین کفروا" پڑھی اور اس حدیث میں جو مذکور ہے' وہ سفر کا واقعہ ہے اور سفر میں تخفیف ہوتی ہی ہے اور باب سے مطابقت ظاہر سے ہور ہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے پڑھا تھا جبھی تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ سورت پڑھی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ سفر میں جہاں تک ہو' معمولات میں تخفیف کرنی سنت ہے۔ اس کے بعد والی روایت میں یہ زائد ہے: "وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صوتا منه او قراء ةً" اور میں نے حضور سے زیادہ اچھی آواز یا عمدہ قراءت کسی کی نہیں سنی۔

٤٩٣- ح: فِیْ كُلِّ صَلٰوةٍ یُقْرَاُ [ہر نماز میں قرآن پڑھا جائے]

٤٩٣- اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ فِیْ كُلِّ صَلٰوةٍ یُقْرَاُ فَمَا اَسْمَعَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا اَخْفٰی عَنَّا اَخْفَیْنَا عَنْكُمْ وَاِنْ لَّمْ تَزِدْ عَلٰی اُمِّ الْقُرْاٰنِ اَجْزَاَتْ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ. (بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: القراء ة فی الفجر ص ۱۰۶' مسلم' نسائی۔ کلاھما فی کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد)

عطاء نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نماز میں قرآن پڑھا جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جن نمازوں میں سنایا' ہم نے تم کو سنایا اور جن میں آہستہ پڑھ کر ہم سے چھپایا' ہم بھی ان میں آہستہ پڑھ کر چھپاتے ہیں' اگر سورۂ فاتحہ سے زائد نہ پڑھا جائے تو بھی کافی ہے اور اگر تم زیادہ کرو تو یہ بہتر ہے۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر نماز میں قراءت فرض ہے۔ نیز یہ حدیث حضرت امام شافعی کی دلیل ہے کہ نماز میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ضم سورت واجب نہیں' مستحب ہے' ہمارا مذہب یہ ہے کہ فرائض کی دو رکعتوں میں ضم سورت واجب ہے' ہماری دلیل یہ احادیث ہیں:

لا صلٰوة الا بفاتحة الكتاب وسورة معها. سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت ملائے بغیر نماز ہی نہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں انہیں سے ان الفاظ میں مروی ہے:

لا صلٰوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فی فريضة او فی غيرها. جس نے سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت نہیں پڑھی' اس کی نماز نہیں فرض ہو یا کوئی اور نماز۔

امام احمد اور ابوداؤد نے انہیں سے ان الفاظ میں روایت کیا:

امرنا رسول الله صلی الله عليه وسلم ان نقرا الفاتحة وما تيسر. واللفظ للامام احمد. ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سورۂ فاتحہ اور جتنا آسان ہو' اتنا پڑھیں۔ الفاظ حدیث امام احمد کے ہیں۔

نیز ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجزیٔ المکتوبۃ الا بفاتحۃ الکتاب وثلاث ایات فصاعدا.

فرض نماز سورۂ فاتحہ اور تین یا اس سے زائد آیتیں پڑھے بغیر نہ ہوگی۔

ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجزیٔ صلٰوۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب وشیءٌ معھا.

جس نماز میں سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھا جائے' وہ نہ ہوگی۔

اور اس حدیث میں جو مذکور ہے: ''وان لم تزد علی ام القران الخ'' ظاہر ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ ہے۔

٤٩٤- ح: حَدِيْثُ الْجِنِّ

[جن کے متعلق حدیث]

٤٩٤- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طَائِفَةٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ عَامِدِيْنَ اِلٰى سُوْقِ عُكَاظٍ وَّقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِيْنِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ وَاُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِيْنُ اِلٰى قَوْمِهِمْ فَقَالُوْا مَا لَكُمْ فَقَالُوْا حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ وَاُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالُوْا مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ اِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوْا مَا هٰذَا الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ فَانْصَرَفَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ تَوَجَّهُوْا نَحْوَ تِهَامَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِيْنَ اِلٰى سُوْقِ عُكَاظٍ وَّهُوَ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْاٰنَ اسْتَمَعُوْا لَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ فَهُنَالِكَ حِيْنَ رَجَعُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ وَقَالُوْا يَا قَوْمَنَا ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا﴾ (الجن:۱-۲) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ﴾ (الجن:۱) وَاِنَّمَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ. (بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب الجهر بقراءة صلوٰة الفجر ص۱۰۶' ج۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ جن ص ۷۳۲' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ترمذی۔ کتاب التفسیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ایک گروہ کے ساتھ بازار عکاظ کی جانب قصد کر کے چلے اور اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک لگا دی گئی تھی اور ان پر شعلے پھینکے جاتے تھے' تو شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے' انہوں نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان روک لگا دی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کسی نئی چیز نے رکاوٹ پیدا کی ہے' تو زمین کے شرق و غرب میں گھومو اور دیکھو کہ وہ کون سی چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہے' ان میں جو تہامہ کی جانب گئے تھے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور حضور نخلہ میں تھے' بازار عکاظ جا رہے تھے اور اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو اسے بغور سنا اور کہا: بخدا! یہی ہے وہ جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہے۔ وہیں سے اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے اور ان میں جا کر کہا: اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اپنے پروردگار کا ہرگز کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نازل فرمایا: تم فرما دو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے' حالانکہ حضور کی طرف جن کے قول کی وحی کی گئی تھی۔

عکاظ

اہل عرب اشہر حرم میں تین بازاروں (عکاظ' مجنہ' ذوالمجاز) میں اکٹھے ہوتے تھے' جس میں سامانوں کے لین دین کے علاوہ آپس

میں مفاخرت بھی کرتے۔ پہلی ذوالقعدہ کو عکاظ میں جمع ہوتے' بیس دن یہاں رہتے' پھر مجنہ آتے دس دن یہاں' اس کے بعد ذوالمجاز میں آتے اور پھر یہیں سے منیٰ جاتے۔ عکاظ کا بازار عام الفیل کے پندرہ سال بعد قائم ہوا اور ۱۰۹ھ تک رہا۔ عکاظ کا جائے وقوع کیا ہے' یہ متعین نہ ہو سکا۔ صحاح میں ہے کہ مکہ کے آس پاس تھا' کسی نے کہا: عرفات کے قریب نجد جاتے ہوئے۔ کسی نے کہا کہ یہ طائف کے مضافات میں قرن المنازل کے پیچھے ایک منزل صنعاء کے راستے میں تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ طائف سے دس میل پہلے طائف اور نخلہ کے درمیان تھا۔ اس حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے' اس لیے کہ اس میں یہ ہے کہ عکاظ جاتے ہوئے نخلہ میں تھے۔

طائفة من اصحابه

نزہۃ القاری' ج۱ ص۴۹۵۔۴۹۶' تعلیق: ۵۴ میں جو حدیثیں گزری ہیں' ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''لیلۃ الجن'' میں حضور اقدس ﷺ کے ہم راہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے' بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کوئی نہ تھا۔ اور یہاں اس حدیث کا صریح مدلول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ تھے اور انہیں نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔ نیز ابن اسحاق نے کہا کہ جب حضور اقدس ﷺ طائف سے واپس آ رہے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا۔ اور یہ متفق ہے کہ طائف میں حضور کے ساتھ صرف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اقول باللہ التوفیق: علامہ عینی نے ارشاد فرمایا کہ متعدد بار جنوں کا وفد مکہ میں بھی اور مدینہ بھی حاضر خدمت اقدس ہوا ہے۔ اس سے مذکورہ بالا سارے خدشات دور ہو گئے' نیز اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے' اس میں ملاقات کا ذکر نہیں' اور نزہۃ القاری' ج۱ ص۵۹۵۔۵۹۶ پر جو مذکور ہے' اس میں ملاقات' گفتگو کا بھی ذکر ہے۔ امام واقدی نے ذکر کیا کہ طائف سے واپسی کے بعد تین ماہ پر جن خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ اب بات بالکل صاف ہو گئی کہ حضور نے طائف سے واپسی کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ عکاظ جا رہے تھے۔ اسی وقت یہ قصہ پیش آیا' اس تقدیر پر ابن اسحاق کی روایت مرجوح ہو گی۔ اور ظاہر ہے صحیح بخاری کے مقابلے میں ابن اسحٰق کی اس روایت کا کیا وزن۔

شیاطین

شیطان کی جمع ہے' اس کا مادہ یا تو ''شطن'' ہے جس کے معنی ہیں: دور ہوا' چونکہ شیطان اللہ کی رحمت سے دور ہے' اس لیے شیطان کو شیطان کہتے ہیں۔ اس قول پر اس میں یاء اور الف زائد ہوں گے۔ اب یہ فیعال کے وزن پر ہوا' یا اس کا مادہ ''شیط'' ہے۔ اس کے معنی ہیں: غصے میں جل بھن گیا' اب اس میں الف نون زائدتان ہے اور یہ فعلان کے وزن پر سکران کے مثل ہے۔ چونکہ راندہ درگاہ ہونے کی وجہ سے یہ ہمیشہ غصے میں جلا بھنا رہتا ہے' اس لیے اس کو شیطان کہتے ہیں۔ عرف میں شیطان کے معنی خبیث' بدطینت' سرکش کے ہیں' خواہ وہ جن ہو خواہ انسان خواہ چوپایہ۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ شیطان اور جن ایک ہی نوع ہیں' ان میں سرکش بدطینت کو شیطان کہتے ہیں اور جن عام ہے' نیک طینت و بدطینت دونوں کو' صحیح یہ ہے کہ جن' ابلیس کی اولاد ہیں۔

الشهب

یہ شہاب کی جمع ہے' اس کے معنی شعلہ' انگارہ کے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے پہلے بھی شہاب گرتے تھے' مگر حضور اقدس ﷺ کی بعثت تک ان سے شیاطین کے بھگانے کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔ بعثت کے بعد انہیں شیاطین کو آسمان پر جانے سے روکنے کے کام میں لگا دیا گیا۔

صلوۃ الفجر

یہ واقعہ ہجرت کے تین سال پہلے کا ہے' اور معراج سے قبل کا ہے۔ معراج سے پہلے نماز پنجگانہ فرض نہ تھی تو یہ نماز فجر کیسی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہی حدیث اس کی دلیل ہے کہ قبل معراج نماز فجر بھی فرض تھی' جیسا کہ نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۵۰۔۵۱' رقم: ۲۴۲ میں جمان التاج کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

فانزل اللّٰہ

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت حضور اقدس ﷺ کو جنوں کی حاضری اور قراءت کی سماعت کی خبر نہ ہوئی' جب وحی نازل ہوئی تو معلوم ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنوں کی ملاقات اور ہم کلامی سے مشرف ہونے کے واقعات اس کے علاوہ ہیں۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنوں کا وجود ہے' جن مؤمن اور کافر بھی ہوتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ انسانوں کی طرح جنوں کی جانب بھی مبعوث ہیں۔ قبل معراج بھی نماز باجماعت مشروع تھی' نماز فجر میں قراءت بلند آواز سے ہونی چاہیے۔

ازالۂ شبہات

ہم بتا آئے کہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے' یعنی شہاب ثاقب گرتے تھے۔ اس پر نص صریح مسند امام احمد[۱]' مسلم[۲]' ترمذی[۳] کی یہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ لوگ ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا' جس نے روشنی پھیلا دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم لوگ زمانۂ جاہلیت میں جب ستارہ پھینکا جاتا تھا تو کیا کہتے تھے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں' ہم یہ کہتے تھے کہ آج کی رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا مرا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: کسی کے مرنے اور پیدا ہونے پر یہ نہیں پھینکا جاتا۔ ''الحدیث بطولها''۔

اس پر شبہہ یہ ہے کہ حدیث زیر بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت کے بعد شیاطین کو آسمان تک جانے سے روکنے کے لیے ان پر شہاب پھینکا جانے لگا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کی بعثت سے پہلے ان کا وجود نہ تھا۔

اقول باللہ التوفیق: یہ مخصوص شہاب جو شیاطین پر مارے جاتے ہیں' یہ یقیناً حضور اقدس ﷺ کی بعثت سے پہلے نہ تھے اور جو شہاب پہلے نظر آتے تھے وہ حقیقت میں زمین و آسمان کے درمیان اسی طرح پیدا ہوتے تھے' جیسے اہل طبیعات کہتے ہیں۔ اس کے انکار پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں اور نہ اس کے تسلیم کر لینے سے کوئی خرابی لازم آتی ہے۔

دوسرا شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ چودہ سو برس سے زائد ہو گئے' ستاروں کو توڑ توڑ کے فرشتے شیاطین کو مارتے ہیں' اگر یہ صحیح ہوتا تو ستارے ختم ہو گئے ہوتے۔

اقول باللہ التوفیق: اولاً ان گنت ستاروں میں سے ہزار دو ہزار ختم بھی ہو گئے ہوں تو کیا پتہ۔ ثانیاً آپ ستاروں کو اتنا ہی بڑا سمجھتے ہیں جتنا بڑا دیکھتے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں' ان میں سب سے باریک تارہ صیدُق ہے جس کو سُہا بھی کہتے ہیں جو دُبِ اکبر میں بنت وسطیٰ کے پہلو پر ہے' جس سے آنکھ کی روشنی کا امتحان کرتے ہیں۔ یہ ہماری زمین سے تمیس گنا بڑا ہے۔

۱۔ مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۱۸ ۲۔ مسلم۔ ج ۲ ص ۲۳۲۔ کتاب السلام۔ باب: تحریم الکهانة واتیان الکاهن

۳۔ ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۵۴۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الملائکہ

اب بتایئے! اگر یہی مان لیا جائے کہ ستاروں کو توڑ توڑ کر شیاطین کو مارتے ہیں تو بھی ان میں کہاں کمی ہوگی۔ آپ جے پور وغیرہ جا کر دیکھ لیں' پہاڑ کاٹ کاٹ کر پورا شہر آباد ہو گیا' مگر پہاڑ اپنی جگہ سے صرف چھوٹا سا ٹکڑا کٹا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پوری زمین کے مقابلے میں اس کٹاؤ کی کیا حیثیت' پھر زمین سے تیئس گنا بڑے کرہ میں سے چنگاریاں لے کر شیاطین کو مارا جائے تو اس میں کیا فرق پڑے گا۔ اس کے حسی کروی ہونے پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا' پھر یہ تو ایک ننھا تارہ تھا۔ جدید تحقیقات کی رو سے بعض تارے سورج سے بھی سینکڑوں گنا بڑے ہیں جبکہ سورج زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ نئی سائنسی تحقیقات کے مطابق سورج سے روزانہ کروڑوں ٹن گیس باہر آتی ہے' جس سے پوری دنیا کو گرمی اور روشنی ملتی ہے۔ نئی تحقیقات کے مطابق سورج کی عمر کا حساب لگا کر بتایئے کہ کتنے اَن گنت مہاسنکھ ٹن سورج گیس پھینک چکا مگر سورج میں کیا کمی آئی۔ ثالثاً یہی بنیادی غلطی ہے کہ آپ نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ ستاروں کو توڑ توڑ کر اس کے ٹکڑوں سے شیاطین کو مارا جاتا ہے؟ پوری تحقیق کتاب التفسیر میں آئے گی۔

۴۹۵- ح: قَرَأَ فِيمَا اُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا اُمِرَ

[آپ ﷺ کو جن (نمازوں) میں پڑھنے کا حکم ہوا' ان میں پڑھا اور جن میں سکوت کا حکم ہوا' ان میں سکوت فرمایا]

۴۹۵ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا اُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا اُمِرَ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم:٦٤) ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:٢١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن نمازوں میں نبی ﷺ کو پڑھنے کا حکم ہوا' ان میں آپ نے پڑھا اور جن میں سکوت کا حکم ہوا' سکوت فرمایا اور تمہارا پروردگار بھولتا نہیں اور بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: الجهر بالقراءة في صلوٰة الفجر ص ۱۰۶)

اس حدیث میں قراءت سے مراد بلند آواز سے پڑھنا ہے اور سکوت سے مراد آہستہ پڑھنا۔ سکوت سے بالکل نہ پڑھنا مراد نہیں' چونکہ یہ روایتیں حد شہرت تک پہنچی ہوئی ہیں کہ عشاء اور مغرب کی دو پہلی رکعتوں میں اور صبح کی نماز میں آپ بلند آواز سے قراءت فرماتے تھے اور یہ سب بہ حکم الٰہی تھا' اس لیے ہم پر اس کے مطابق عمل لازم تو ثابت ہوا کہ ہم پر لازم ہے کہ فجر میں بلند آواز سے قراءت کریں۔

ت۱۵۸ - وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الصُّبْحِ حَتّٰى إِذَا جَآءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ.

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں سورۂ مؤمنون پڑھی۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو حضور کو کھانسی آ گئی تو آپ نے رکوع فرمالیا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: الجمع بين السورتين ص ۱۰۶' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القراءة في الصبح ص ۱۸۶)

یہاں باب کا عنوان ہے: ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنا اور اخیر کی آیتیں پڑھنا اور جو سورت پڑھ چکا ہے' اس سے پہلے کی پڑھنا اور ابتداء کی سورہ پڑھنا۔ یہ چار عنوانات ہیں۔ ان سب پر مختلف آثار سے استدلال فرمایا ہے' مگر اس میں کامیاب ہوئے کہ نہیں' یہ آگے آ رہا ہے۔

اثر مذکور سے اخیر کا جز ثابت ہے' اس لیے کہ اس میں مذکور ہے کہ سورۂ مؤمنون پڑھی۔ اس کا ظاہر مفاد یہی ہے کہ شروع سے

پڑھی اور حضرت موسیٰ وہارون یا عیسیٰ کے ذکر پر کھانسی اُٹھی اور رکوع کر دیا تو ثابت ہو گیا کہ کسی نماز میں پوری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے' کچھ حصہ پڑھنا کافی ہے' جو نماز کے لیے کافی ہو' اگر چہ وہ ابتدائی حصہ ہو۔

اذا جاء ذکر موسٰی

اس سے مراد اس سورت کی پینتالیسویں یہ آیت ہے: ''ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاہُ ھٰرُوْنَ'' (المؤمنون:۴۵) اور ذکر عیسیٰ سے مراد پچاسویں یہ آیت ہے: ''وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ آيَةً'' (المومنون:۵۰) اس سورت میں حضرت عیسیٰ کا ذکر نام کے ساتھ نہیں' یہ شک محمد بن عباد سے ہوا۔ امام بخاری نے اس اثر کو صیغہ تمریض ''یذکر'' سے اس لیے ذکر کیا کہ اس کی سند میں اختلاف ہے۔ ابن عیینہ نے یہ ذکر کی: ''عن ابن جريج عن ابن ابی مليكة عن عبد الله بن السائب'' اور ابو عاصم نے کہا: ''عن محمد بن عباد عن ابی سلمة بن ثعبان او ثعبان بن ابی سلمة'' اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال ہے کہ یہ حدیث جبکہ امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہے تو اس سے دلیل کیوں لائے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف بھی لائق عمل ہے۔

ت ۱۵۹- وَقَرَأَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى بِمِائَةٍ وَّعِشْرِيْنَ اٰيَةً مِّنَ الْبَقَرَةِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْمَثَانِيْ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں ایک سو بیس آیات سورۂ بقرہ کی پڑھیں اور دوسری میں مثانی کی ایک سورت پڑھی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: الجمع بين السورتين ص ۱۰۷)

مثانی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو سو آیت سے کم ہوں' ویسے مثانی سورۂ فاتحہ کو بھی اور قرآن عظیم کو بھی کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ براءۃ تک کو مثانی کہتے ہیں۔

مطابقت

اس اثر کو بھی پہلے جزء سے یوں مطابقت ہو سکتی ہے کہ سورۂ بقرہ کی ان آیتوں کو ابتدائی آیات پر محمول کیا جائے ورنہ باب کے کسی جزء سے اس اثر کو کوئی مطابقت نہیں۔ اس کے قریب قریب ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ایک اثر ذکر کیا ہے کہ ابو رافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ کی سو آیتیں پڑھتے اور اس کے بعد مثانی یا ابتدائی مفصل کی کوئی سورت پڑھتے اور سورۂ آل عمران کی سو آیتیں پڑھتے اور اس کے بعد مثانی یا ابتدائی مفصل کی کوئی سورت پڑھتے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی سو آیتوں کے ساتھ مثانی یا مفصل کی کوئی سورت پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران اور مثانی کی کوئی سورت یا مفصل کی ابتدائی سورت پڑھتے۔ اس تقدیر پر یہ اثر باب کے دو جزوں کے مطابق ہو گیا' پہلے کے بھی اور تیسرے کے بھی۔ ایک احتمال یہ ہے کہ ہر رکعت میں یہ سب پڑھتے۔ اب بھی دونوں مذکورہ بالا اجزاء سے مطابقت ہو گئی۔

ت ۱۶۰- وَقَرَأَ الْاَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْاُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِيُوْسُفَ اَوْ يُوْنُسَ وَذَكَرَ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ عُمَرَ الصُّبْحَ بِهِمَا۔ (ایضاً ص ۱۰۷)

اور حضرت احنف نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں یوسف یا یونس پڑھی اور ذکر کیا کہ انہوں نے اسی طرح حضرت عمر کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔

اس اثر کو موصولاً ابو نعیم نے المستخرج میں ذکر کیا ہے' ہمارے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ سورتوں کو معکوس پڑھا جائے' اس لیے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو قرآن کو الٹ کر پڑھتا ہے' وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا دل اُلٹ جائے۔ اس پر اتفاق ہے کہ آیتوں کی ترتیب من جانب اللہ ہے' سورتوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے یا صحابہ کرام کی صوابدید سے رکھا ہے۔ باقلانی نے کہا: صحیح یہی ہے' اگر چہ وہ بھی احتمال ہے کہ من جانب اللہ ہو۔

ت ۱۶۱- وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِأَرْبَعِيْنَ آيَةً مِّنَ الْأَنْفَالِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ.

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انفال کی چالیس آیتیں پڑھیں اور دوسری میں مفصل کی ایک سورت۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الاذان۔باب:الجمع بین السورتین ص ۱۰۷)

اس اثر کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے' نیز عبدالرزاق نے بھی' اس کے ایک طریقے میں یہ لفظ ہے: "فافتتح الانفال" اور بخاری میں جو مذکور ہے' اس سے یہ ظاہر یہی متبادر ہے' اس طرح اسے باب کے پہلے جز سے مطابقت ہوگئی۔

ت ۱۶۲- وَقَالَ قَتَادَةُ فِيْمَنْ يَقْرَأُ سُوْرَةً وَّاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ يُرَدِّدُ سُوْرَةً وَّاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ كُلٌّ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

اور قتادہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جو ایک ہی سورت دونوں رکعتوں میں پڑھے یا ایک سورت کو دوسری رکعت میں دُہرائے' سب کتاب اللہ ہے۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب الاذان۔باب:الجمع بین السورتین ص ۱۰۷)

اس اثر کو باب کے چاروں اجزاء میں سے کسی سے تعلق نہیں۔ غالباً تکثیر فائدہ کے لیے' امام بخاری نے اس اثر کو ذکر فرمایا ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک سورت کا کچھ حصہ پہلی میں اور کچھ دوسری میں یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم وغیرہ سے مروی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ایک ہی سورت پوری کی پوری دونوں رکعتوں میں پڑھے' یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ معاذ بن عبید جہنی کہتے ہیں کہ جہینہ میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز صبح کی دونوں رکعتوں میں سورۂ "اذا زلزلت الارض" کو پڑھتے ہوئے سنا' میں نہیں جانتا کہ حضور کو نسیان لاحق ہوا یا کہ حضور نے بالقصد ایسا کیا۔

ت ۱۶۳- عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَّكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ أُخْرٰى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ فَقَالُوْا إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ ثُمَّ لَا تَرٰى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتّٰى تَقْرَأَ بِأُخْرٰى فَإِمَّا تَقْرَأُ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرٰى فَقَالَ مَا أَنَا بِتَارِكِهَا إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذٰلِكَ فَعَلْتُ وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ وَكَرِهُوْا أَنْ يَّؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوْهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلٰى لُزُوْمِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ إِنِّيْ أُحِبُّهَا فَقَالَ حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ.

(بخاری۔کتاب الاذان۔باب:الجمع بین السورتین ص ۱۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک صاحب مسجد قباء میں انصار کی امامت کرتے تھے اور جن نمازوں میں قراءت کی جاتی ہے ان میں وہ سورۂ فاتحہ کے بعد جب کبھی کوئی سورت شروع کرتے جسے نماز میں پڑھنی چاہتے تو قل ھو اللہ احد سے شروع کرتے یہاں تک کہ اسے پوری پڑھتے' پھر اس کے ساتھ دوسری سورت پڑھتے اور وہ ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے تھے۔ اس پر ان کے ساتھیوں نے ان سے بات کی اور کہا: آپ اس سورت سے شروع کرتے ہیں' پھر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آپ کو کافی ہے کہ دوسری پڑھتے ہیں' یا تو آپ صرف اسے پڑھیں یا اسے چھوڑ دیں اور صرف دوسری پڑھیں' تو اس نے کہا: میں اسے چھوڑوں گا نہیں' اگر تم لوگ اس طرح امامت کو پسند کرتے ہو تو امامت کروں گا اور اگر ناپسند کرتے ہو تو چھوڑ دوں گا۔ اور لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ ان میں افضل ہیں اور انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ اس کے علاوہ کوئی اور ان کی امامت کرے' اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو حضور کو لوگوں نے یہ واقعہ سنایا' اس پر ارشاد فرمایا:

اے فلاں! تیرے ساتھی جو کہتے ہیں اس کے ماننے سے تجھے کیا مانع ہے اور کس چیز نے تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے بالالتزام پڑھنے پر آمادہ کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں اسے پسند کرتا ہوں' تو ارشاد فرمایا: اس کی پسندیدگی تجھے جنت میں داخل کرے گی۔

اس تعلیق کو امام ترمذی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے[1] یہ صاحب کلثوم بن عدم تھے جو بنی عمرو بن عوف ساکنان قباء کے سردار تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس عہد میں صرف یہی ایسا کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ اور دیگر اماموں کی یہ عادت نہیں تھی' اس سے ظاہر ہو گیا کہ اصل طریقہ یہی تھا کہ ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی جائے اور ایک ہی سورت ہر رکعت میں دہرائی نہ جائے' ورنہ صحابہ کرام اس پر اعتراض کیوں کرتے؟ ویسے اس سے بھی نماز ہو جائے گی۔

حضور اقدس ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہیں ہر رکعت میں ''قل ھو اللہ'' پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا: میں اسے پسند کرتا ہوں' مگر سوال یہ ہے کہ ہر رکعت میں پڑھنے کی وجہ تو درست ہے' مگر یہی نماز مکمل ہونے کے لیے کافی ہے۔ مزید اور کوئی سورت پڑھنے کی کیا حاجت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری سورت سنت کی اتباع میں پڑھتے تھے چونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نمازوں میں لمبی لمبی قراءت فرماتے ہیں اور یہ سورۂ مبارکہ بہت مختصر ہے' تو اتباع سنت میں دوسری سورت بھی ملا دیتے تھے' چونکہ دوسری سورتوں کا پڑھنا معہود و معتاد تھا۔ اس پر اعتراض نہیں تھا کہ اس کے بارے میں صفائی کی ضرورت تھی۔ اعتراض تو صرف ہر رکعت میں بار بار ایک ہی سورت پڑھنے پر تھا' جو ایک نئی بات تھی' اس لیے صفائی میں صرف اسی پہلو کو اختیار کیا۔

اس حدیث کو باب کے پہلے اور ایک تقدیر پر تیسرے جز سے مطابقت ہے۔ سورۂ اخلاص کے ساتھ جو سورت ملاتے تھے' وہ اس سے پہلے کی ہوتی یا بعد کی' دونوں امکان ہیں۔ اگر بعد کی ہوتی تو ثابت ہوا کہ نماز میں سورتوں کی ترتیب بدلنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امر مستحسن کا التزام دخول جنت کا سبب ہے۔

٤٩٦- ح: فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ

[انہوں نے کہا: یہ اس قدر جلدی شعر پڑھ جاتا ہے]

٤٩٦- سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ.

ابو وائل نے کہا: ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا: آج کی رات مفصل ایک رکعت میں نے پڑھی ہے' تو انہوں نے فرمایا: اس قدر جلدی جیسے شعر پڑھا جاتا ہے' میں ان مماثل سورتوں کو جانتا ہوں جنہیں نبی ﷺ نماز میں ملا کر پڑھا کرتے تھے' انہوں نے مفصل کی بیس سورتیں ذکر کیں اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ صرف دو سورتوں کو ہر رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الجمع بین السورتین ص ١٠٧' ج ٢۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: تالیف القرآن ص ٧٤٧' باب: الترتیل فی القرآن ص ٧٥٢' مسلم۔ کتاب المسافرین' ابوداود۔ کتاب الرمضان' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ١ ص ٣٨٠)

یہ صاحب نھیک بن سنان تھے' جیسا کہ مسلم میں ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ ابو وائل کہتے ہیں کہ نھیک بن سنان' حضرت ابن مسعود کی

[1] ترمذی۔ ج ٢ ص ١١٣۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب: سورۃ الاخلاص

خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ یہ آیت "مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ" (محمد:۱۵) الف کے ساتھ پڑھتے ہیں" یا غیر یاسن "یاء کے ساتھ" تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: اس کے علاوہ بقیہ پورے قرآن کی بھی سب قراءتیں یاد کر لی ہیں' تو اس نے بتایا کہ میں مفصل ایک رکعت میں پڑھتا ہوں۔الخ

فقال هذا

عام مترجمین نے اسے نھیک بن سنان ہی کا قول قرار دے کر ترجمہ کیا ہے' مسلم میں تصریح ہے: "فقال عبد الله هذا كهذ الشعران اقواما يقرأون القرآن ولا يجاوز تراقيهم. الحديث" "شعر کی طرح جلدی سے پڑھتا ہے' کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا' ہاں قرآن جب دل میں اُتر جاتا ہے تو نفع دیتا ہے' نماز کا افضل رکن رکوع اور سجود ہے' الخ۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کو باطمینان ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے اور اس کے معانی پر غور و فکر کرنا چاہیے' تو قرآن مجید سے پورا نفع ہوتا ہے۔

عشرين سورة

فضائل القرآن میں ہے: مفصل کی اٹھارہ سورتیں اور حٰم والی دو سورتیں۔ سابقاً گزر چکا کہ سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک کو مفصل کہتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۂ محمد سے ایک قول کی بناء پر' سورۂ فتح سے ایک قول پر' سورۂ ق سے مفصل شروع ہوتی ہے۔ ان میں حٰم والی سورتیں داخل نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی تالیف پر یہ دو حٰم والی مفصل میں داخل ہیں' جیسا کہ باب تالیف القرآن ص ۷۴۷ میں ہے: "عشرون سورة من اوّل المفصل على تاليف ابن مسعود آخرهن حٰم الدُّخان" اوّل مفصل کی بیس سورتیں جن کی اخیر "حٰم الدخان" ہے' حضرت ابن مسعود کی تالیف کے مطابق۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جس ترتیب سے قرآن جمع فرمایا تھا' وہ حضرت عثمان کی ترتیب کے علاوہ ہے' اس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ' پھر نساء' پھر آل عمران ہے۔ اور فضائل القرآن میں راوی نے ترتیب عثمانی کے مطابق ذکر کیا ہے' قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب میں صحابہ کرام کے مابین اختلاف اس کی دلیل ہے کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کرام نے اپنی صوابدید پر رکھی ہے' یہ منزل من اللہ نہیں' ہمارا یہ کہنا ہے کہ مصحف عثمان میں سورتوں کی جو ترتیب ہے وہ صحابہ کرام کے اجماع سے ہے اور متواتر ہے' اس لیے اس کی رعایت واجب ہے' نماز میں اس کے خلاف پڑھنا مکروہ ہے۔

ابوداؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل تفصیل کے ساتھ سورتوں کو ملاتے تھے: سورۂ رحمٰن اور سورۂ النجم ایک رکعت میں' سورۂ اقتربت اور الحاقہ ایک رکعت میں۔ سورہ والذاریات اور الطور ایک رکعت میں اور الواقعہ اور نون ایک رکعت میں۔ سأل سائل اور النازعات ایک رکعت میں اور ویل للمطففین اور عبس ایک رکعت میں' المدثر اور المزمل ایک رکعت میں اور ہل اتی اور لا اقسم ایک رکعت میں' عم یتساءلون اور مرسلات ایک رکعت میں' اذا الشمس کورت اور الدخان ایک رکعت میں۔

ت ۱٦٤ - وَقَالَ عَطَاءٌ اٰمِيْنُ دُعَاءٌ اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَّرَاءَهُ حَتّٰى اِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً.

امام عطاء نے فرمایا: آمین دعا ہے ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین اتنی آواز سے کہا کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الجهر بالتامين ص ۱۰۷)

آمین دعا ہے

اسم فعل "استجب" کے معنی میں ہے' یعنی میری دعا قبول فرما! اسے آمین بغیر مد کے بھی پڑھ سکتے ہیں اور مد کے ساتھ بھی۔

مصنف عبدالرزاق میں ایک ضعیف روایت آئی ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ہے اور اسی کے مثل ہلال بن یساف تابعی سے بھی منقول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو دعا آمین پر ختم کی جائے وہ ضرور قبول ہوگی۔ تامین باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے معنی آمین کہنا۔ نماز میں امام مقتدی منفرد اور نماز کے باہر قاری کو سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ آمین قرآن مجید کا جز نہیں۔

امام عطاء کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آمین دعا ہے اس لیے اسے امام اور مقتدی بھی کہیں گے۔ قرآن مجید نہیں کہ صرف امام پڑھے مقتدی نہ پڑھیں۔ اپنے اس قول کی تائید میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر فرمایا۔ اس اثر کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں تھوڑے سے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ت١٦٥- وَكَانَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ يُنَادِي الْاِمَامَ لَا تَفُتْنِيْ بِاٰمِيْنَ. (ایضا ص ١٠٧)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام سے بلند آواز میں کہتے: میری آمین مت فوت کرنا۔

تکمیل

مصنف ابن ابی شیبہ محلی لابن حزم میں ہے: بحرین میں علاء بن حضرمی امام تھے اور حضرت ابو ہریرہ موذن۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ شرط کی تھی کہ مجھ سے پہلے آمین مت کہنا۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے موذن تھے۔ مروان سے یہ شرط کر رکھی تھی کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ یعنی ابو ہریرہ صف میں داخل ہو گئے ولا الضالین نہ کہنا۔ ہوتا یہ کہ جب مروان آمین کہتا تو حضرت ابو ہریرہ آمین کہتے اس پر اپنی آواز کھینچتے اور فرماتے: جب زمین والوں کا آمین کہنا آسمان والوں کے آمین کہنے کے موافق ہوگا تو انہیں یعنی زمین والوں کو بخش دیا جائے گا۔ ان دونوں میں تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ بحرین میں حضرت علاء کے بھی موذن رہے ہوں اور کبھی مدینہ میں مروان کے بھی۔

ان آثار کے لانے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ آمین امام اور مقتدی دونوں کو کہنی ہے اور یہ کہ بلند آواز سے کہنی ہے۔

ت١٦٦- وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهُ وَيَحُضُّهُمْ وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِيْ ذٰلِكَ خَيْرًا.

(بخاری۔ ج ١۔ کتاب الاذان۔ باب: الجہر بالتامین ص ١٠٧)

اور نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے چھوڑتے نہیں تھے اور لوگوں کو اس پر ابھارتے تھے اور میں نے ان سے اس بارے میں بہت اچھی بات سنی ہے۔

امام عبدالرزاق نے اس کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اُم القرآن (سورۂ فاتحہ) ختم کرتے تو آمین کہتے جب بھی اسے ختم کرتے تو اسے نہیں چھوڑتے تھے اور لوگوں کو اس پر اُبھارتے تھے۔ یہ امام مقتدی منفرد سب کو عام ہے نماز و بیرونِ نماز سب کو شامل ہے۔

٤٩٧- ح: اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا [جب امام آمین کہے]

٤٩٧- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو اس لیے کہ جس کا آمین کہنا ملائکہ کے آمین پڑھنے کے موافق ہوگا اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بخاری۔ ج ١۔ کتاب الاذان۔ باب: الجہر بالتامین ص ١٠٨، ج ٢۔ کتاب الدعوات۔ باب: التامین ص ٩٤٧، مسلم، ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ۔

کتاب الملائکہ' ابن ماجہ' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ)

۴۹۸- ح: اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ اٰمِيْنَ

[جب تم میں سے کوئی آمین کہے]

۴۹۸- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ اٰمِيْنَ وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَآءِ اٰمِيْنَ فَوَافَقَتْ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور آسمان میں فرشتے بھی آمین کہیں اور ایک جماعت کا قول دوسرے کے موافق ہو جائے تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(بخاری۔ باب: فضل التامین ص ۱۰۸' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ ملائکہ)

۴۹۹- ح: اِذَا قَالَ الْاِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (الفاتحہ:۷) فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ

[جب امام ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کہے تو تم بھی آمین کہو]

۴۹۹- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (الفاتحہ:۷) فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام ''غیر المغضوب علیہم ولا الضالین'' کہے تو تم لوگ آمین کہو' اس لیے کہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو گیا' اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: الجهر المامون و التامین ص ۱۰۸' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورہ فاتحہ ص ۶۴۲' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ)

آمین بالجہر کی بحث

امام بخاری نے آمین بالجہر پر دو باب باندھے۔ ایک مطلق اس میں نہ امام کی تخصیص اور نہ مقتدی کی۔ دوسرا باب خاص مقتدی کے لیے۔ حیرت اس پر ہے کہ امام بخاری جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث اور امام ائمۃ المحدثین کو ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملی جس سے امام اور مقتدی یا ان میں سے کسی ایک کے لیے بلند آواز سے آمین کہنے کا اثبات ہوتا۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ امام بخاری کی شرط پر کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں جس سے بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت مل سکے۔ اس مسئلہ پر دو باب باندھ کر کوئی حدیث نہ لانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور جو حدیث لائے ہیں ان سے کسی طرح بلند آواز سے آمین کا ثبوت نہیں ہوتا' جیسا کہ ہر ذی عقل پر ظاہر ہے۔

آج کل غیر مقلدین مسلمانوں میں فساد اور شورش مچانے کے لیے بلند آواز سے آمین کہنے پر چھیڑ خانیاں کرتے رہتے ہیں' آمین بالجہر زبردستی کہلاتے ہیں۔ اس میں اتنا تشدد برتتے ہیں کہ جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں احناف اگر رفع یدین نہیں کرتے' یا آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تو انہیں مسجدوں میں نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ ایک غیر مقلد مجتہد نے اس حدیث سے آمین بالجہر یوں ثابت کیا ہے کہ حدیث میں جب یہ ہے کہ امام جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' اگر امام بلند آواز سے آمین نہیں کہے گا تو مقتدیوں کو پتہ کیسے چلے گا کہ امام نے آمین کہا۔

اقول: اولاً اس شانِ اجتہاد کی داد نہیں دی جا سکتی' جب ایک ہی حدیث کے بعد یہ حدیث موجود ہے کہ امام جب ''ولا الضالین'' کہے تو آمین کہو۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ امام کب آمین کہے گا۔ اس حدیث سے سب کو معلوم ہو گیا کہ امام ''ولا الضالین''

کے بعد آمین کہے گا۔ اب پہلی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ امام ولا الضالین کے بعد آمین کہتا ہے، اسی وقت تم بھی آمین کہو۔ آپ کی اس مجتہدانہ اپج سے یہ قول آپ کے یہ تو ثابت ہو گیا کہ امام بلند آواز سے آمین کہے مگر مقتدی کے لیے بلند آواز سے آمین کا اثبات اب بھی نہ ہوا۔

تطفل بر ابن حجر

اس پر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مقتدی کو کسی وجہ سے یہ حکم نہ معلوم ہو تو...... کیا عرض کروں بہت بڑے بزرگ کی بات ہے، مگر ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ مقتدی دور ہو، امام کی آواز نہ سنتا ہو تو، نیز یہی حکم نہ معلوم ہو کہ امام کے ساتھ آمین ہمیں بھی کہنی ہے تو، نیز سرّی نمازوں میں مقتدی آمین کب پڑھے گا، آپ تو سرّی نمازوں میں بھی آمین پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔

لطیفہ

یہی حال ان تمام احادیث کا ہے جن سے یہ قول غیر مقلدین آمین بالجہر کا اثبات ہوتا ہے کہ اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف امام کے لیے، مقتدیوں کو بھی بلند آواز سے کہنا چاہیے، اس کا ثبوت کسی حدیث سے کسی طرح نہیں۔

لطیفہ ثانیہ

بلکہ ان احادیث میں نظر دقیق ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آمین کہیں گے، اس لیے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں، اگر وہ بلند آواز سے کہتے تو ضرور سنائی دیتا۔ اور موافقت میں اصل کمال موافقت ہے، یعنی جہاں تک ہو سکے، ہر طرح موافقت ہو، یعنی وقت میں بھی موافقت ہو اور وصف میں بھی ہو۔ وصف میں موافقت یہ ہے کہ جیسے فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں، ویسے ہی نمازی بھی آمین کہیں، تو بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آہستہ آمین کہنا سنت ہے۔

اس پر یہ شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ بخاری ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں اور ظاہر ہے کہ آسمان کی آواز ہم کیسے سنیں گے۔

اقول باللہ التوفیق: یہ صحیح ہے کہ بعض روایتوں میں "فی السماء" ہے مگر بخاری کی یہاں مذکور تیسری حدیث میں "فی السماء" نہیں، اس لیے ملائکہ سے صرف آسمان کے فرشتے مراد نہیں، بلکہ وہ فرشتے ہیں جو اس نماز میں شریک ہیں خواہ وہ آسمان کے ہوں خواہ زمین کے، جیسا کہ سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے فتح الباری[1] میں فرمایا۔ اب اگر آسمان کے فرشتوں کی آواز نہیں سن سکتے تو اگر زمین والے بلند آواز سے آمین کہتے تو یہ ضرور سنائی دینا چاہیے تھا۔

فائدہ

یہاں اس سلسلے کی مذکور تیسری حدیث میں جو "جهر المأموم بالتامين" کے تحت ہے، یہ ہے کہ جب امام "ولا الضالين" کہے تو تم آمین کہو۔ اس سے بہ ظاہر امام کے آمین کہنے کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ تقسیم سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام آمین نہیں کہے گا، لیکن جب دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ امام بھی کہے گا تو وہ احادیث اس کی مبین ہوئیں۔

اس حدیث سے آمین بالجہر پر استدلال کرتے ہوئے ابن منیر نے کہا ہے کہ جب قول کا حکم ہوتا ہے تو اصل یہ ہے کہ وہ جہری ہو اور اگر اس سے مراد سرّی ہوتا ہے تو سرّ کی قید ضروری ہوتی ہے، اس لیے اصل کے لحاظ سے جہری قول مراد ہوگا۔

اقول باللہ التوفیق: یہ قاعدہ صحیح نہیں، بہت سی جگہ قول مطلق ہے اور مراد سرّی یا نفسی ہے، مثلاً حدیث: ٥٠٩ میں گزر

---

[1] فتح الباری۔ ج ٢ ص ٢٢٠

چکا کہ حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اور جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "ربنا ولك الحمد" کہو: "ربنا ولك الحمد" بالاتفاق آہستہ کہا جاتا ہے۔

آمین بالسّر کے دلائل

ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آمین آہستہ کہیں گے اور یہی امام مالک کا بھی ایک قول ہے اور امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔ غالباً احناف کے دلائل پر مطلع ہو کر رجوع فرمایا' ورنہ قول قدیم ان کا یہ ہے کہ بلند آواز سے کہنی چاہیے۔ یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے ورنہ بالاتفاق دونوں جائز ہیں' مگر ہمارے نزدیک آہستہ افضل ہے اور امام شافعی کے قول قدیم میں بلند آواز سے' ہمارے دلائل یہ ہیں:

اوّل: امام احمد' ابوداؤد طیالسی اور ابو یعلیٰ اپنی اپنی مسانید میں اور طبرانی اپنی معجم میں' دار قطنی اپنی سنن میں اور امام حاکم اپنی مستدرک میں' شعبہ کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

عن سلمة بن كهيل عن حجر بن العنبس عن علقمة بن وائل عن ابيه انه صلّٰى مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال امين واخفى بها صوته. ولفظ الحاكم فى العزاء ات وخفض بها صوته.

علقمہ اپنے والد حضرت وائل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی' جب حضور "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" پر پہنچے تو آمین کہا اور اپنی آواز پست فرما لی۔

امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔

شبہات اور ان کے جوابات

امام ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت سفیان کے طریقے سے اپنی سند کے ساتھ باسقاط علقمہ اس حدیث کو روایت کیا' اس میں "فجهر بآمين" ہے' یعنی آمین بلند آواز سے کہا۔ نیز نسائی نے اپنی سند کے ساتھ عبد الجبار بن وائل عن ابیہ روایت کیا' اس میں ہے: "رفع بها صوته"۔

علامہ بدر الدین محمود عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ابوداؤد اور ترمذی نے جو روایت کیا' اس کے معارض خود امام ترمذی کی وہ حدیث ہے جو امام شعبہ سے اسی سند کے ساتھ تھوڑے تغیر کے ساتھ مروی ہے' بجائے حجر بن عنبس کے حجر ابی العنبس ہے' اس میں ہے: "وخفض بها صوته" اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے امام ترمذی نے کہا:

میں نے محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری سے سنا' وہ کہتے تھے: سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ شعبہ نے کئی جگہ خطا کی' انہوں نے حجر ابی العنبس کہا حالانکہ حجر بن العنبس ہے' ان کی کنیت ابو السکن ہے اور اس میں علقمہ کو بڑھا دیا حالانکہ علقمہ کے واسطے کے بغیر حجر ابو وائل راوی ہیں" "خفض بها صوته" کہا حالانکہ "مد بها صوته" ہے۔

اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا: امام شعبہ جیسے جلیل القدر مسلم الثبوت محدث کے لیے یہ کہنا کہ انہوں نے خطا کی' خطا ہے۔ کیسے ان کی طرف خطا کی نسبت درست ہو سکتی ہے' جبکہ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں اور یہ کہنا کہ حجر ابی العنبس نہیں' غلط ہے۔ یہ ابو العنبس بھی ہیں اور حجر بن عنبس بھی۔ اس پر ابن حبان نے الثقات میں جزم کیا اور کہا: ان کی کنیت ان کے والد کے نام پر ہے' یہ ہو

سکتا ہے کہ ان کی کنیت ابوالسکن بھی ہو اور ابوالعنبس بھی ہو۔ ایک شخص کی دو کنیتیں ہو سکتی ہیں۔ نیز ابوداؤد[1] میں حجر ابی العنبس ہے' اور علقمہ کا زائد ہونا مضر نہیں' ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ خصوصاً شعبہ جیسے امام کی' رہ گیا ''خفض بها صوته'' اور ''مد بها صوته'' کا معاملہ تو ''خفض بها صوته'' کی مؤید دار قطنی کی روایت ہے' جو انہیں حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے' اس میں ''اخفى بها صوته'' ہے' اس روایت پر دار قطنی نے یہ طعن کیا کہ اس میں شعبہ سے وہم ہو گیا ہے' اس لیے کہ سفیان ثوری اور محمد بن سلمہ بن کہیل وغیرہ نے انہیں سلمہ بن کہیل سے جو روایت کی ہے' اس میں ''ورفع بها صوته'' ہے۔ اسی طرح صاحب تنقیح نے اس پر یہ طعن کیا کہ بیہقی نے بہ طریق ابوالولید طیالسی خود شعبہ سے جو روایت کیا ہے' اس میں ''رافعًا صوته'' ہے۔ یہ خود شعبہ کی روایت سفیان کی روایت کے موافق ہے۔ بیہقی نے معرفت میں کہا: اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔ شعبہ نے خود کہا کہ سفیان احفظ ہیں۔ یحییٰ قطان اور یحییٰ بن معین نے کہا: جب شعبہ اور سفیان میں مخالفت ہو تو سفیان کی بات قبول کی جائے گی۔ یہ بھی کہا کہ امام بخاری وغیرہ نے اجماع کیا کہ اس روایت میں شعبہ سے خطا ہوئی۔ ان سب کے جواب میں علامہ عینی فرماتے ہیں:

شعبہ اور سفیان دونوں امام عظیم ہیں اور دونوں ایک پائے کے ہیں' پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ شعبہ ہی سے وہم ہوا' ہو سکتا ہے سفیان سے وہم ہوا ہو۔ اگر شعبہ معصوم نہیں تو سفیان بھی معصوم نہیں' پھر اس پر اصرار کہ شعبہ ہی سے وہم ہوا' مکابرہ ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں اسناد صحیح ہوں۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ جہر کے ساتھ آمین کہنا بھی ثابت ہے اور پست آواز سے بھی کہنا ثابت ہے' اور ہر ایک پر ایک ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔

اقول: امام شعبہ نے جو یہ کہا کہ سفیان مجھ سے احفظ ہیں' مگر خود سفیان ثوری نے کہا کہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ ابوطالب نے امام احمد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ شعبہ حدیث میں سفیان سے احسن ہیں' شعبہ کے زمانے میں شعبہ کے مثل یا ان سے اچھا حدیث میں کوئی نہیں تھا' ان کو اس کا پورا پورا حصہ ملا تھا۔ امام نسائی نے کہا: میں نے ابوعبداللہ بخاری سے پوچھا: شعبہ اثبت ہیں یا سفیان؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سفیان حافظ اور صالح شخص تھے' شعبہ ان سے زیادہ اثبت اور اتقی تھے۔ یہ سب تہذیب التہذیب میں ہے۔

ایسی صورت میں جبکہ حدیث میں تعارض ہے تو ان میں کسی ایک کو کسی اور دلیل سے ترجیح دیں گے۔ حدیث کے بعد دلیل شرعی صرف قیاس ہے' اس لیے اس سے ترجیح دی جائے گی اور قیاس اس کا مقتضی ہے کہ ترجیح سرّاً آمین کہنے کو ہے' اس لیے کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل بہتر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ (الاعراف:۵۵)
اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ' بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں ○

ابن قطان نے مذکورہ بالا جرحوں کے علاوہ ایک اور جرح کی تھی کہ حجر کا حال معلوم نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: حجر کا حال اگر آپ کو نہیں معلوم تو نہ معلوم ہو' مگر صرف آپ کے نہ جاننے سے وہ مجہول نہ ہو جائیں گے' ان کا حال کیسے نہیں معلوم حالانکہ وہ صحابی ہیں۔ بغوی ابوالفرج ابن اثیر وغیرہ نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے' اگر کوئی صحابی نہ مانے تو تابعی یقیناً ہیں۔ ایک جماعت نے ان کی تعریف کی انہیں ثقہ کہا' انہیں میں خطیب بغدادی بھی ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ یہ نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور مدائن میں ان کے ساتھ رہے۔ یہ ثقہ ہیں ان کی حدیث سے متعدد ائمہ دلیل لائے ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا۔ ابن معین نے کہا:

[1] ابوداؤد' کتاب الصلوۃ' باب: التامین وراء الامام' ص ۱۳۴

کوفہ کے رہنے والے ثقہ مشہور ہیں۔ رہ گیا حجر اور حضرت وائل کے بیچ میں علقمہ کا توسط ہوسکتا ہے یہ حدیث انہوں نے علقمہ سے بھی سنی ہو اور وائل سے بھی۔ کبھی علو سند کے لیے علقمہ کو ساقط کر کے براہِ راست حضرت وائل سے روایت کیا، کبھی علقمہ کے واسطے سے، یہ کیا اعتراض کی بات ہے۔

دوم

امام محمد نے کتاب الآثار میں یہ حدیث روایت کی:

حدثنا ابو حنيفة حدثنا حماد بن ابی سليمان عن ابراهيم النخعی قال اربع يخفيهن الامام التعوذ و بسم الله الرحمٰن الرحيم و سبحانك اللّٰهم و امين.

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: چار چیزوں کو امام آہستہ کہے گا: "اعوذ بالله" اور "بسم الله" اور "سبحانك اللّٰهم" اور آمین۔

اس اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں تھوڑے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے، اس میں "سبحانك اللّٰهم" کے بجائے "اللّٰهم ربنا ولك الحمد" ہے، پھر دوسری سند کے ساتھ اس کی تخریج کی، اس میں یہ ہے: پانچ چیزوں کو امام آہستہ ادا کرے، اس میں "سبحانك اللّٰهم" بھی ہے۔

سوم

طبرانی نے تہذیب الآثار میں روایت کیا کہ حضرت عمر اور حضرت علی بسم اللہ اور آمین کو بلند آواز سے نہیں ادا کرتے تھے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ آمین پست آواز سے کہتے تھے۔

چہارم

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے ہیں، ایک سکتہ تکبیر کے بعد اور ایک سکتہ غیر المغضوب علیہم "ولا الضالين" کے بعد۔ عمران بن حصین نے اس سے انکار کیا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ سمرہ نے سچ کہا۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ما يستفتح به الصلوٰۃ ص ۱۱۳، ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ما جاء في السكتتين ص ۳۴)

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ "ولا الضالين" کے بعد جو سکتہ تھا وہ سانس درست کرنے کے لیے تھا، ورنہ لازم آئے گا کہ مقتدی پہلے آمین کہتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں۔ یہ حدیث صحیح کے معارض ہے، ابھی حدیث گزری کہ فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اور فاء تعقیب کے لیے ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہ سکتہ آمین کہنے کے لیے تھا۔

تنقیح

ابوداؤد میں بہ طریق ابو مسعود جو روایت ہے وہ یہی ہے، جو مذکور ہوئی۔ اس کے بعد خود ابوداؤد میں اور ترمذی میں بہ طریق محمد بن مثنیٰ جو روایت ہے، اس میں یہ ہے: سعید نے قتادہ سے پوچھا کہ یہ دونوں سکتے کیا ہیں؟ تو انہوں نے بتایا: نماز شروع کرنے کے بعد اور قراءت سے فارغ ہونے کے بعد، پھر اس کے بعد کہا: جب ولا الضالین پڑھ لیتے۔

اقول بالله التوفيق: بظاہر اس حدیث میں اضطراب ہے، دوسرے سکتے کے بارے میں بعض روایتوں میں یہ ہے کہ پوری قراءت سے فارغ ہونے کے بعد یا سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھنے کے بعد، اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ "ولا الضالين" پڑھنے کے بعد۔ اس اضطراب کو یوں دور کیا جاسکتا ہے کہ اصل میں تین سکتے ہیں، ایک تکبیر تحریمہ کے بعد، دوسرا "ولا الضالين" کے بعد

تیسرا سورت کی قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ روایتوں میں اختصار ہوگیا ہے' سب کو جمع کیا جائے تو حاصل یہی نکلتا ہے۔ اس پر قرینہ ترمذی کی روایت کی یہ زیادتی ہے کہ حضور کو یہ پسند تھا کہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد کچھ سکوت فرمائیں تاکہ سانس درست ہو جائے۔ حالانکہ ترمذی میں یہ بھی ہے کہ ایک سکتہ "ولا الضالین" کے بعد تھا' اگر اس وقت سانس درست کرنے کے لیے سکتہ مانا جائے تو احادیث صحیحہ پر کما حقہ عمل نہیں ہو پائے گا' اس لیے کہ ابھی حدیث گزری کہ جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو' فاء تعقیب بلا تراخی کے لیے ہے' تو اس حدیث کے مطابق امام کے "ولا الضالین" کہتے ہی مقتدی بلا تاخیر آمین کہیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ امام جب آمین کہے تو تم آمین کہو۔ یہاں بھی فاء ہے' اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ امام کے آمین کہنے کے بعد مقتدی آمین کہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ اگر ترمذی کی اس زیادتی کو "ولا الضالین" کے بعد کے لیے مانیں تو امام پہلے سانس درست کرے گا پھر آمین کہے گا۔ اب مقتدی آمین کہیں گے تو امام کے "ولا الضالین" کہنے اور مقتدی کے آمین کہنے کے مابین فصل ہو گیا اور ابھی گزرا کہ امام کے "ولا الضالین" کہتے ہی فوراً بلا تاخیر مقتدی آمین کہیں' اس لیے جمع بین الاحادیث' ترمذی کی اس زیادتی "حتی یتراد نفسه" کو رکوع سے پہلے مانیں۔ اب ترمذی کی اس روایت سے تین سکتوں کا ثبوت ہو گیا' اس طرح اس حدیث کا اضطراب دور ہو گیا۔ "فللّٰه الحجة السامیه"

۵۰۰- ح: فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ

[آپ (ﷺ) نے صف تک پہنچنے سے قبل رکوع کر لیا]

۵۰۰- عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ اَنَّهٗ اِنْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ کی جانب آئے اور حضور رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر لیا' نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تیرے شوق کو اور زیادہ کرے' دوبارہ ایسا مت کرنا۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: اذا رکع دون الصف ص۱۰۸' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

ولا تعد

"ولا تعد" کی تین توجیہیں ہیں' ایک یہ کہ آئندہ ایسا مت کرنا کہ صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لینا' جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لیے آؤ تو صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع مت کیا کرو' جب تک صف میں اپنی جگہ نہ لے لو۔ دوسرا یہ کہ نماز کے لیے دوڑ کر مت آنا کہ سانس پھول جائے' جیسا کہ انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز قائم ہو جائے تو دوڑ کر مت آؤ' اطمینان کے ساتھ آؤ' جو پاؤ پڑھ لو' جو رہ جائے بعد میں پوری کر لو۔ تیسرا یہ بھی معنی بن سکتا ہے کہ آئندہ اتنی دیر مت کرنا۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

اس حدیث کی سند میں ہے: "عن الحسن عن ابی بکرة" کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت حسن کا حضرت ابوبکرہ سے سماع ثابت نہیں یہ بہ ذریعہ احنف حضرت ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ حضرت حسن نے حضرت ابوبکرہ سے سنا ہے۔ اس کی دلیل اسی حدیث کی نسائی میں جو سند مذکور ہے' وہ دلیل ہے۔ اس میں یہ ہے: "اخبرنا الحسن ان ابا بکرة حدثه"۔

مسائل

صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر کے صف تک جانا مفسد صلوٰۃ نہیں' کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکرہ کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا' البتہ یہ مکروہ ہے' البتہ یہ فاصلہ اگر زائد ہو کہ چلنا عمل کثیر میں داخل ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر کوئی صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی' البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ مقتدی امام کو جس حال میں پائے شریک ہو جائے' اس بارے میں حدیث میں صریح حکم بھی مذکور ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھے حالت قیام یا حالت رکوع یا حالت سجود میں پائے' تو اسی حالت میں میرے ساتھ ہو جائے۔ رواہ سعید بن منصور۔ (عمدۃ القاری۔ ج۶ ص۵۶)

۵۰۱- ح: ذَكَّرَنَا هٰذَا الرَّجُلُ صَلٰوةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[انہوں نے وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے]

۵۰۱ - عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ صَلّٰى مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ ذَكَّرَنَا هٰذَا الرَّجُلُ صَلٰوةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی تو کہا: ان صاحب نے وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے' حضرت عمران نے ذکر کیا کہ وہ جب بھی سر اٹھاتے اور جھکاتے تو تکبیر کہتے تھے۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب الاذان۔ باب: اتمام التکبیر فی الرکوع ص۱۰۸' باب: اتمام التکبیر فی السجود ص۱۰۸' باب: یکبر وھو ینھض من السجدتین ص۱۱۴)

بصرہ

اس میں چھ لغات ہیں' باء کو فتحہ' کسرہ' ضمہ اور صاد کو سکون اور فتحہ اور کسرہ۔ اس کی طرف نسبت میں بھی دو لغتیں ہیں' بصری باء کو فتحہ اور کسرہ دونوں۔ بصرہ بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آباد کردہ ہے' جس کی بنیاد ان کے حکم سے حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں رکھی تھی۔ یہ اس وقت دو فرسنگ چوڑا اور تین فرسنگ لمبا تھا' ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے۔ بصرہ کا لغوی معنی وہ نرم پتھر ہے جس میں سفیدی جھلکتی ہو' چونکہ یہ ایسے ہی سنگستان پر آباد ہے' اس لیے اس کا نام بصرہ پڑ گیا۔ بصرہ میں کبھی بتوں کی پرستش نہیں ہوئی' اسے بھی قبۃ الاسلام اور خزانۃ العرب کہا جاتا ہے' یہ واقعہ جنگ جمل کے بعد کا ہے۔

تکمیل

اس کے بعد والے باب میں تھوڑی تفصیل ہے کہ حضرت علی جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے' جب اپنا سر اٹھاتے تو کہتے اور جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو کہتے۔

فائدہ باب

اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت تکبیرات انتقالات کو لوگوں نے چھوڑ دیا تھا جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی نے ہمیں وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے یا تو ہم بھول گئے تھے یا ہم نے قصداً

چھوڑ دیا تھا' جیسا کہ امام احمد اور امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض صحابہ اور تابعین کے بارے میں مذکور ہے کہ رکوع سے سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر نہیں کہتے تھے۔ بعض دوسرے سجدے میں جاتے ہوئے تکبیر نہیں کہتے تھے۔ بنی امیہ کے بہت سے افراد مثلاً زیاد' ولید بن عقبہ' حتیٰ کہ عمر بن عبدالعزیز بلکہ حضرت معاویہ کے بارے میں بھی ایسا ہی کچھ منقول ہے' اس لیے امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا: رکوع میں تکبیر پوری کرنے کا بیان' اور بعد میں سجدے کے بارے میں بھی یہی باب قائم فرمایا۔ ظاہریہ اور امام احمد ان تکبیرات کو واجب کہتے ہیں۔ جمہور خصوصاً امام اعظم' امام مالک' امام شافعی وغیرہ سنت کہتے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رکوع میں جانا شروع کرے تو تکبیر بھی ساتھ ہی کہنی شروع کرے اور جب مکمل رکوع کر لے تو بند کرے اور اسی طرح سارے انتقالات میں کرے اور تکبیر میں مد کرے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مد اسم جلالت پر کرے اور کہیں نہ کرے' ورنہ معنی فاسد ہونے کی وجہ سے نماز بھی فاسد ہو جائے گی' مثلاً اسم جلالت کے الف پر مد کرے گا تو جملہ سوالیہ ہو جائے گا' یعنی کیا اللہ سب سے بڑا ہے' اور اگر اکبر کی باء پر مد کرے گا تو اکبار ہو جائے گا۔

۵۰۲- ح: فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ

[جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے]

۵۰۲- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ اِنِّي لَاَشْبَهُكُمْ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تو جب جھکتے اور اُٹھتے تو تکبیر کہتے اور جب فارغ ہوتے تو فرماتے: میں نماز میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوں۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: اتمام التکبیر فی الرکوع ص ۱۰۸)

۵۰۳- ح: يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَّرَفْعٍ

[ہر ایک جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہتے]

۵۰۳- عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَّرَفْعٍ وَّاِذَا قَامَ وَاِذَا وَضَعَ فَاَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اُمَّ لَكَ.

عکرمہ نے کہا: میں نے مقام ابراہیم کے پاس ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت تکبیر کہتے اور جب کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو تکبیر کہتے تھے۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہیں' تیری ماں نہ رہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: اتمام التکبیر فی السجود ص ۱۰۸' باب: التکبیر اذا قام من السجود ص ۱۰۸)

تکمیل

اس کے بعد والے باب میں یہی حدیث یوں ہے: میں نے ایک بوڑھے شخص کے پیچھے مکہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس تکبیریں کہیں میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ وہ احمق ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے کہا: تیری ماں تجھے کھو دے! یہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ امام طحاوی اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے اوسط میں یہ روایت کیا کہ یہ بزرگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس کو جلال آیا کہ ایک عظیم المرتبت صحابی کو جو سنت کی پابندی کرتے تھے' عکرمہ نے احمق کہہ دیا تھا اور یہ نماز ظہر تھی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تکبیرات انتقالیہ سنت ہیں۔

۵۰۴- ح: يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ

[جب کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور

ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ

[جب رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے]

٥٠٤ - اَخْبَرَنِی اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِىْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ وَلَكَ الْحَمْدُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے' پھر رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے' جب رکوع سے اپنی پیٹھ اُٹھاتے تو "سمع الله لمن حمده" کہتے' پھر کھڑے کھڑے "ربنا لك الحمد" کہتے' پھر جھکتے ہوئے تکبیر کہتے اور جب اپنا سر اُٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے' پھر جب سر اُٹھاتے تو تکبیر کہتے' پھر ایسے ہی اپنی پوری نماز میں کرتے' یہاں تک کہ پوری فرما لیتے اور جب دو رکعت کے بعد بیٹھ کر اُٹھتے تو تکبیر کہتے۔ اور عبداللہ بن صالح نے لیث سے روایت کرتے ہوئے "ولك الحمد" کہا۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: التكبير اذا قام من السجود ص ١٠٩' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ امام بھی "ربنا ولك الحمد" کہے گا' یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور احناف کا بھی مختار ہے۔ تحمید میں کئی صیغے آئے ہیں۔ بہتر یہ کہ سب کو جمع کرے یوں کہے: "اللّٰهم ربنا ولك الحمد" راجح یہ ہے کہ اس میں واو زائد ہے' جیسے بولتے ہیں: "بعنى هذا الثواب" اس کے جواب میں مخاطب کہتا ہے: "نعم وهو لك بدرهم" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واو عاطفہ ہو اور معطوف علیہ محذوف' اب عبارت یہ ہوگی: "ربنا حمدناك ولك الحمد"۔

وہ حدیثیں جن میں یہ مذکور ہے کہ ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت تکبیر کہتے تھے۔ ان کی مخصص یہ حدیث ہے۔ اب ان احادیث کا حاصل یہ ہوا کہ رکوع سے اُٹھنے کو مستثنیٰ کر کے ہر جھکنے اور اُٹھنے میں تکبیر کہتے تھے۔ اسی لیے اس سے پہلی والی حدیث میں تکبیروں کے عدد بائیس ہی ہیں' وہ اسی تقدیر پر ہے کہ تسبیح کو ان میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔

٥٠٥ - ح: فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ

[میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا لیا]

٥٠٥ - سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ يَقُوْلُ صَلَّيْتُ اِلٰى جَنْبِ اَبِىْ فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ فَنَهَانِىْ اَبِىْ وَقَالَ كُنَّا نَفْعَلُهٗ فَنُهِيْنَا عَنْهُ وَاُمِرْنَا اَنْ نَضَعَ اَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ.

مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص) کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملایا' پھر ان کو اپنی دونوں رانوں کے درمیان رکھا تو میرے والد نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا: ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں۔

(بخاری۔ ج ١۔ کتاب الاذان۔ باب: وضع الاكف على الركب فى الركوع ص ١٠٩' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

"كنا نفعله. فنهينا. وامرنا" جب کوئی صحابی فرمائیں تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حکم اور ممانعت اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے' کیونکہ صحابی کا مقصود اس سے شریعت کے حکم پر دلیل لانا ہوتا ہے۔ اسی لیے راجح یہ ہے کہ اس قسم کے صیغے مرفوع کے حکم میں ہیں۔ اب اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کرتے تھے اور ہمیں حضور ہی نے

منع فرمادیا اور حضور ہی نے یہ حکم دیا کہ ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھیں۔ اس کی تائید حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے سیف نے الفتوح میں ذکر کیا کہ اس کے بارے میں مسروق نے حضرت اُم المؤمنین سے پوچھا تو انہوں نے بیان فرمایا کہ تطبیق یہود کا طریقہ تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا' (ابتداء میں) اہل کتاب کی موافقت ان چیزوں میں پسند تھی جن میں کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو' پھر اخیر میں ان کی مخالفت کا حکم دے دیا گیا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۳ ص ۶۴)

۵۰۶- ح: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ (الخ)

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکوع اور سجدے کرنا]

۵۰۶ - عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِّنَ السَّوَاءِ.

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور دونوں سجدوں کا درمیانی وقفہ اور رکوع سے سر اُٹھانے (اور سجدے میں جانے) کا وقفہ علاوہ قیام وقعود کے قریب قریب برابر تھا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: حد اتمام الركوع ص ۱۰۹' باب: الطمانية حين يرفع راسه من الركوع ص ۱۱۰' باب: المكث بين السجدتين ص ۱۱۳)

قريبا من السواء

''قريبا من السواء'' سے متبادر ہوتا ہے کہ قیام وقعود کے علاوہ مذکورہ افعال میں بھی تفاوت ہوتا تھا مگر کم' نیز یہ بھی کہ ان میں وقفہ تھا جو ان افعال کے معنی حقیقی کے مصداق سے کچھ زائد تھا۔ اسی وقفہ کو ہم طمانیت اور اعتدال کہتے ہیں۔

۵۰۷- ح: يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ (الخ)

[آپ رکوع اور سجود میں ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ'' پڑھتے]

۵۰۷ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں یہ پڑھتے تھے: اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم تیری تسبیح' تیری حمد کے ساتھ کرتے ہیں' اے اللہ! مجھے بخش دے!

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الدعاء في الركوع ص ۱۰۹' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: منزل النبي صلى الله عليه وسلم ص ۶۱۵' کتاب التفسیر۔ سورہ والفتح ص ۷۴۲' باب: التسبيح والدعاء في السجود ص ۱۱۳' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

کتاب التفسیر میں یہ زائد ہے کہ سورۂ اذا جاء کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی نماز پڑھی' اس میں دعاء مذکور پڑھی۔ وہیں دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں بہ کثرت یہ دعا پڑھتے تھے' قرآن پر عمل فرماتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رکوع اور سجدے میں ذکر سنت ہے۔ مخصوص اس دعا کا پڑھنا ضروری نہیں اور بھی متعدد دعائیں آئی ہیں۔ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ رکوع میں ''سبحان ربی العظيم'' اور سجدے میں ''سبحان ربی الاعلی''[۱] پڑھا جائے' جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت ''فسبح بحمد ربك العظيم'' نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے رکوع میں کرلو اور جب ''سبح اسم ربك الاعلی'' نازل ہوئی تو فرمایا: اسے سجدے میں کرلو۔

---

[۱] شرح معانی الآثار۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما يقال في الركوع والسجود ص ۱۱۵

اسے ابوداؤد نے[1] اور ابن حبان نے اپنی صحیح اور حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۶۹)

ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ فرائض جب باجماعت پڑھے تو اسی پر اکتفاء کرے کیونکہ جماعت میں تخفیف کا حکم ہوا ہے کیونکہ اس میں ضرورت مند، بوڑھے، بیمار بھی ہوتے ہیں۔ بقیہ دعائیں جب تنہا پڑھے تو پڑھا کرے، خواہ فرائض ہوں خواہ نوافل، سنت یہ ہے کہ ان تسبیحات کو تین بار پڑھے، جیسا کہ ابوداؤد[2] ہی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رکوع کرو تو تین بار سبحان ربی العظیم اور جب سجدہ کرو تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھو۔

اللّٰھم اغفرلی

علامہ عینی نے فرمایا کہ دعائے مغفرت اللہ عزوجل کی طرف احتیاج اور اللہ پر یقین اور عبودیت کے اظہار اور بہ طور شکر کے ہے یا یہ ترکِ اولیٰ سے ہے، یا یہ کہ اللہ عزوجل کی شانِ ارفع و اعلیٰ کے اعتبار سے عبادت میں جو تقصیر ہوئی، اس سے ہے۔ علاوہ ازیں دعا کوئی بھی ہو وہ عبادت ہے۔

۵۰۸- ح: اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ (الخ)

[جب کہتے: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" تو کہتے]

۵۰۸ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ يُكَبِّرُ وَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ لیتے تو "اللّٰھم ربنا ولک الحمد" کہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرنے لگتے اور جب رکوع سے سر اُٹھانے لگتے تو تکبیر کہتے اور جب دونوں سجدوں سے سر اُٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: ما یقول الامام ومن خلفہ اذا رفع راسہ من الرکوع ص ۱۰۹)

یہاں باب ہے: امام اور مقتدی جب رکوع سے سر اُٹھائے تو کیا کہے؟ اس حدیث سے صرف امام کا تسمیع و تحمید کہنا ثابت ہوتا ہے، مقتدی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ لزوماً اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صلوا کما رأیتمونی اصلی" جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو۔

اذا رفع راسہٗ

اس میں حذف ہے، مراد یہ ہے کہ سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت تکبیر کہتے، جیسا کہ طیالسی کی روایت میں ہے: دونوں سجدوں کے درمیان تکبیر کہتے ورنہ رکوع سے اُٹھتے ہوئے تکبیر نہیں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تھے، جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ تحمید کے لیے افضل یہی ہے کہ "اللّٰھم ربنا ولک الحمد" کہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ مختلف روایتوں میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں یہ ان سب کا جامع ہے۔ معنوی حیثیت سے یہ افضل اس وجہ سے ہے کہ اس میں ندا دوبار ہے۔

۵۰۹- ح: اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ

[جب امام کہے: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ"]

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۲۶۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما یقول الرجل فی الرکوع والسجود

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۲۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: مقدار الرکوع والسجود

لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا (الخ) [تو تم کہو]

۵۰۹- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم لوگ "ربنا ولك الحمد" کہو اس لیے کہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہوگا اسے بخش دیا جائے گا۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: فضل اللّٰهم ربنا ولك الحمد ص ۱۰۹، کتاب بدء الخلق۔ باب: اذا قال احدكم آمين ص ۴۵۸)

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ امام اور منفرد تسمیع و تحمید دونوں کہیں گے اور مقتدی صرف تحمید۔ اس پر یہ حدیث دلیل صریح ہے۔ رہ گیا امام اور منفرد کا تحمید کہنا وہ پہلے والی حدیث سے ثابت ہے۔

معارضہ

جو لوگ حدیث: ۴۹۹ سے یعنی "اذا قال الامام آمين فقولوا آمين" سے آمین بالجہر پر اس منطق سے استدلال کرتے ہیں کہ قول میں اصل بلند آواز ہے جب تک کہ اس کے خلاف قرینہ نہ ہو۔ وہ لوگ اس حدیث کے بارے میں کیا کہیں گے؟ یہاں بھی ہے: "فقولوا ربنا ولك الحمد" اور پست ہونے پر کوئی قرینہ نہیں، پھر وہ لوگ تحمید بھی آمین کی طرح بلند آواز سے کیوں نہیں کہتے۔

۵۱۰- ح: يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ (الخ) [ظہر کی آخری رکعت میں قنوت پڑھنا]

۵۱۰- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَاُقَرِّبَنَّ صَلٰوةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقْنُتُ فِی الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَصَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَصَلٰوةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَیَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَلْعَنُ الْكُفَّارَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قریب کر دوں تو حضرت ابو ہریرہ ظہر، عشاء اور صبح کی نماز کی اخیر رکعت میں قنوت پڑھتے، سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد مسلمانوں کے لیے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب ص ۱۱۰، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

۵۱۱- ح: كَانَ الْقُنُوْتُ فِی الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ [فجر اور مغرب میں قنوت تھی]

۵۱۱- عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ الْقُنُوْتُ فِی الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فجر اور مغرب میں قنوت تھی۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب ص ۱۱۰، کتاب الوتر۔ باب: القنوت قبل الركوع بعده ص ۱۳۶)

یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے: ظہر، عشاء، فجر اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف دو نمازوں میں فجر اور مغرب میں۔

لیکن خود اسی بخاری، کتاب التفسیر[1] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر بددعا یا کسی قوم کے لیے دعاءِ خیر کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۔ یہاں کسی نماز کی تخصیص نہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ صرف کسی ایک نماز میں پڑھتے تھے اور اس کا بھی ہے کہ سبھی نمازوں میں پڑھتے تھے، یا صرف انہیں تین مذکورہ نمازوں میں، البتہ مسلم شریف[2] میں ان کی جو حدیث ہے، اس میں صلوٰۃ الفجر مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ بخاری، تفسیر، سورۂ نساء اور کتاب الدعوات[3] میں ہے کہ عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے اور سجدے سے پہلے قنوت پڑھی۔ جس میں آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! عیاش بن ربیعہ اور ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام کو نجات دے! اے اللہ! تمام کمزور مسلمانوں کو نجات دے! اے اللہ! مضر پر اپنی پکڑ سخت کر! اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کی طرح قحط سالی کر! اس کے ایک باب کے بعد جو حدیث آ رہی ہے، اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ تمام نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے۔ ابوداؤد[4] میں یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک مہینے تک ہر نماز کے بعد قنوت پڑھتے تھے، جب آخری رکعت میں "سمع الله لمن حمده" پڑھتے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ دعائے قنوت کے دو مواقع ہیں، ایک جبکہ مکہ معظمہ میں مجبور و بےکس مسلمان پھنسے ہوئے تھے، تو ان کی رہائی کے لیے اور مضر کی ہلاکت کے لیے دعا فرمائی۔ اس کا امکان ہے کہ یہ دعا تمام نمازوں میں کی ہو، جس کی مدت ان کی رہائی ہے۔ اور ایک ماہ تک نمازِ فجر میں جو قنوت پڑھی، وہ بیر معونہ اور سریہ رجیع کے واقعے کے بعد پڑھی، جس میں رعل، ذکوان، عصیہ وغیرہ کی بربادی کی دعا کی۔ اس لیے ان روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

يلعن الكفّار

کسی شخص معین پر لعنت کرنا اس وقت جائز ہے جب یہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ کفر پر مرا ہے، جیسے فرعون، ابولہب وغیرہ۔ رہ گئے وہ لوگ جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ کفر پر مرے ہیں، ان پر لعنت جائز نہیں، اگرچہ وہ زندگی بھر حالت کفر میں رہے ہوں، البتہ کسی جماعت پر لعنت جائز ہے جیسے کافروں پر لعنت، جیسا کہ امام غزالی وغیرہ نے لکھا ہے۔

۵۱۲- ح: فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور کہا: (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)]

۵۱۲ - عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ.

حضرت رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم لوگ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب حضور نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور "سمع الله لمن حمده" کہا تو ایک صاحب نے حضور کے پیچھے کہا: "ربنا ولك الحمد حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه"۔ جب حضور نماز سے فارغ ہو گئے تو پوچھا: ان کلمات کا کہنے والا کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں! تو فرمایا: میں نے تیس سے اوپر کچھ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کی طرف تیزی سے بڑھے کہ ان کو

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: ۔ ص ۱۱۰، ابوداؤد، نسائی)

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب: ليس لك من الامر شیء ص ۶۵۵

[2] مسلم۔ باب: استحباب القنوت ص ۲۳۷

[3] بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب: قوله فعسى الله ان يعفو عنهم ص ۶۶۱، کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء على المشركين ص ۹۴۶

[4] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۰۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القنوت فی الصلوٰت

پہلے لکھ لیں۔

یہ صاحب خود حضرت رفاعہ ہی تھے' جیسا کہ نسائی میں یوں اس کی تفصیل مذکور ہے: میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو مجھے چھینک آئی اور میں نے یہ کہا: ''الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه مباركًا عليه كما يحب ربنا ويرضى'' نماز کے بعد حضور نے پوچھا تو کوئی نہیں بولا۔ دوبارہ دریافت فرمایا تو میں نے بتایا' اخیر میں لکھنے کے بجائے یہ ہے کہ اسے اوپر لے جائے اور یہ نماز مغرب کی تھی' جیسا کہ بشر بن عمر زہرانی کی روایت میں ہے۔ یہ فرشتے' مقررہ کراماً کاتبین کے علاوہ تھے۔

ان تینوں حدیثوں پر امام بخاری نے صرف ''باب'' بلا عنوان لکھا ہے۔ اصیلی کی روایت میں یہ بھی نہیں ہے' اس سے پہلے ''ربنا ولك الحمد'' کا باب باندھا تھا۔ اس باب میں خاص ''ربنا ولك الحمد'' کی فضیلت مذکور نہیں' مگر اس کے متصل اذکار و ادعیہ کا ذکر ہے' جن میں سے بعض کے فضائل بھی مذکور ہیں' تو اسے اگلے باب سے یک گونہ مناسبت ہوگئی اور چونکہ یہاں نماز کی ترکیب کا تذکرہ چل رہا ہے اور ان احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں' وہ عام نمازوں کی نہیں' بلکہ مخصوص نمازوں کی ہیں' اس لیے ان احادیث کو باب بلا عنوان قائم کر کے علیحدہ ذکر فرمایا۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بلند آواز سے ذکر جائز ہے' اگرچہ وہاں لوگ نماز و اذکار میں مصروف ہوں' مگر یہ ضروری ہے کہ اس سے ان لوگوں کو خلل نہ ہو۔

ت۱۶۷- وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

اور نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (سجدے میں جاتے تو) گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھتے۔

(بخاری۔ باب: يهوى بالتكبير حين يسجد ص ۱۱۰)

یہاں باب یہ ہے: سجدہ کرتے وقت تکبیر کہتے ہوئے جھکے۔ اس اثر میں سجدے کے لیے جھکنے کی ایک کیفیت مذکور ہے' اتنی مناسبت بھی کافی ہے۔ اس اثر کو حاکم' ابن خزیمہ' دار قطنی' بیہقی' طحاوی نے روایت کیا ہے۔ حضرت امام مالک کا اور یہ روایتے امام احمد کا یہی مذہب ہے کہ سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھے' پھر گھٹنے۔ ہمارا اور امام شافعی اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ' پھر سر۔ یعنی جو عضو زمین سے زیادہ قریب ہے اسے پہلے زمین پر رکھے اور جو جتنا دور ہو اسی ترتیب سے بعد میں۔ اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کے برعکس سب سے پہلے سر' پھر ہاتھ' پھر گھٹنے اٹھائے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ اگر موزے پہنے ہوں تو پہلے ہاتھ رکھے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۷۸)

۵۱۳- ح: كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلٰوةٍ

[آپ ہر نماز میں تکبیر کہتے]

۵۱۳- اَخْبَرَنِي اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَّاَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلٰوةٍ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ وَغَيْرِهَا فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ فَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَقُوْلُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ اَنْ يَسْجُدَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ حِيْنَ يَهْوِي سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ

عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں فرض یا کچھ اور' رمضان میں ہو یا اور دنوں میں تکبیر کہتے تھے' جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے' پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے' پھر کہتے: ''سمع الله لمن حمده'' پھر سجدہ کرنے سے پہلے ربنا ولک الحمد کہتے' پھر جب سجدے کے لیے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے' پھر جب اپنا سر سجدے سے اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے' پھر جب سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے' پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے' پھر دو رکعت

ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الِاثْنَتَيْنِ وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَنْصَرِفُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَتْ هٰذِهِ لَصَلٰوتَهُ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا قَالَا وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَدْعُو لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَيَقُولُ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِّنْ مُّضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ.

کے بعد بیٹھ کر کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور یہ ہر رکعت میں کرتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد کہتے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ساتھ مشابہت میں تم سب سے زیادہ قریب ہوں' جب تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہی حضور کی نماز تھی۔ ان دونوں نے کہا: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اور رسول اللہ ﷺ جب اپنا سر اُٹھاتے تو ''سمع الله لمن حمده'' اور ''ربنا ولك الحمد'' کہہ لیتے' تو کچھ لوگوں کے لیے نام لے کر دعاء خیر فرماتے' اور کہتے: اے اللہ! ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اور کمزور مومنوں کو نجات دے! اے اللہ! مضر پر اپنی پکڑ سخت کر اور انہیں یوسف علیہ السلام کی قحط سالی کی طرح قحط سالی میں مبتلا فرما! اور اس وقت اہل مشرق میں سے مضر حضور کے مخالف تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: یهوی بالتكبير حين يسجد ص ۱۱۰' ابوداؤد' نسائی۔ کلاهما فی کتاب الصلوٰۃ)

ان كانت

''ان كانت'' میں ''ان'' ''اِنَّ'' مشددہ کا مخفف ہے' اصل میں ''انّہ'' تھا' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مروان نے انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب بنایا تھا۔ ''قالا'' اس سے مراد عبدالرحمٰن بن حارث اور سلمہ بن ہشام ہیں۔ اس حدیث کا سیاق یہ بتا رہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہر نماز میں یہ دعا کرتے تھے۔

ولید بن ولید

حضرت خالد بن ولید کے بھائی تھے' غزوۂ بدر میں قریش کے ساتھ آئے تھے اور گرفتار ہو گئے تھے۔ انہیں عبداللہ بن جحش نے گرفتار کیا تھا' ان کے بھائی حضرت خالد اور سلمہ نے فدیہ دے کر انہیں چھڑایا' قید سے آزاد ہونے کے بعد ذوالحلیفہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ فدیہ ادا کرنے سے پہلے ہی کیوں نہ اسلام قبول کر لیا؟ فرمایا: اس لیے کہ کسی کو بدگمانی نہ ہو کہ قید کی مشقت سے گھبرا کر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس جرم میں ان کے بھائیوں نے انہیں مکہ معظمہ میں قید کر دیا۔ حضور اقدس ﷺ کی دعا کی برکت سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ نے انہیں کو مکہ معظمہ بھیجا کہ عیاش بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام کو بھی رہا کریں۔ مکے میں ایک لوہار مسلمان ہو گئے تھے' ارشاد ہوا: ان کے یہاں ٹھہرنا اور کسی تدبیر سے ان دونوں کو نکال لانا۔ یہ گئے اور ان دونوں کو مدینہ لائے۔ خالد بن ولید نے کچھ آدمیوں کے ساتھ تعاقب بھی کیا مگر یہ بچ گئے۔ عمرۃ القضاء میں حضور کے ہمرکاب تھے' انہیں کے ذریعہ خالد بن ولید کے پاس پیغام بھجوایا کہ اگر خالد آ جائے تو میں اس کا شایان شان اکرام کروں گا۔ حیرت ہے خالد جیسا انسان اب تک کیسے اسلام سے دور ہے۔ حضرت خالد کو پیغام ملا تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ ان کا حضور کی حیات مبارکہ میں ہی وصال ہو گیا۔

سلمہ بن ہشام

اس اُمت کے فرعون ابوجہل کے بھائی تھے' قدیم الاسلام ہیں' پہلے حبشہ ہجرت کی' پھر مکہ آئے اور چاہا کہ مدینہ ہجرت کریں تو انہیں قید کر دیا گیا اور طرح طرح کا عذاب دیا گیا۔ غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ آ گئے۔ غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کے عہد مبارک میں شامیوں سے لڑی جانے والی مشہور جنگ مرج الصفر یا اجنادین میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

عیاش بن ابی ربیعہ

یہ حضرت خالد کے چچازاد بھائی ابوربیعہ عمرو بن مغیرہ کے فرزند تھے اور ابوجہل کے اخیافی بھائی تھے۔ یہ بھی قدیم الاسلام ہیں' ابوجہل نے انہیں مکہ میں باندھ کر رکھا تھا۔ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ کے عہد مبارک میں شامیوں سے فیصلہ کن معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔ اصابہ میں حضرت عبدالرزاق کے حوالے سے مذکور ہے کہ یہ تینوں صاحبان جب مکہ سے کسی طرح باہر نکل آئے اور ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے لیے دعاء مذکور کی۔

واشدد وطأتك

''وطـــأ'' کے معنی پاؤں سے روندنے کے ہیں' مراد معنی مجازی ہے' یعنی انہیں تباہ و برباد کر دے۔ انہیں اپنی سخت گرفت میں لے۔

مضر

عدنان کے پڑپوتے کا نام ہے' یہ شجرۂ نبویہ میں اٹھارھویں پیڑھی میں ہیں۔ مضر کے معنی کھٹے دودھ کے ہیں' ان کی نسل سے جو شاخیں نکلیں' ان سب کو بنی مضر کہتے ہیں مثلاً قریش' ہذیل' اسد' تمیم' ضبہ' مزینہ اور ضباب وغیرہ۔

اهل المشرق

اس سے مراد مضر کی یہ شاخیں ہیں: بنولحیان' رعل' ذکوان' عصیہ' عضل' قارہ۔ ان کا جرم یہ تھا کہ ان میں سے بنی لحیان نے مقام رجیع پر غزوۂ اُحد کے بعد ۳ھ میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ اور ان کے ہمراہیوں میں سے سات حضرات کو شہید کر ڈالا تھا۔ اور حضرت خبیب اور زید بن دثنہ اور ایک اور صاحب کو گرفتار کر لیا اور مکہ لے جا کر بیچ دیا۔ اور رعل' ذکوان' عصیہ' عضل' قارہ نے بیر معونہ پر اوائل ۴ھ میں ستر قراء کو شہید کر ڈالا تھا' جن میں صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ کو براء بن عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی' اس لیے تم کو آزاد کرتا ہوں اور ان کے سر کے اگلے حصے کے بال کاٹ دیئے۔ انہوں نے آ کر اطلاع دی۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ ان دونوں واقعات کی اطلاع ایک ہی وقت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی' جس سے آپ کو عظیم صدمہ ہوا اور حضور نے قنوت پڑھی۔

ایک تنقیح

یہاں اور کتاب التفسیر میں روایت جو حضرت ابوہریرہ سے ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے ان اسیرانِ جفا کی رہائی اور قبائل مضر پر بربادی کی دعا ایک ساتھ کی۔ حضرت انس کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قبائل کی بربادی کی دعا صرف ایک مہینہ تک کی تھی۔ اور مسلم میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی حدیث ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک یہ مظلوم آ نہیں گئے' دعا جاری رہی۔

مسلم[1] کے الفاظ یہ ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا ترک کر دی' پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ دیکھتے نہیں' وہ لوگ آ گئے۔ اور کتب سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مظلوم غزوۂ خندق کے بعد آ گئے تھے' اس لیے کہ ان میں سب سے پہلے حضرت ولید بن ولید کسی طرح رہا ہو کر آ گئے' پھر انہیں کو حضور اقدس ﷺ نے بھیجا تو ان دونوں کو چھڑا لائے۔ غزوۂ خندق ۵ھ میں ہوا' تو اب دو اشکال پیدا ہو گئے' ایک یہ کہ جب سریہ رجیع ۳ھ اور بیر معونہ ۴ھ کے اوائل میں ہوا۔ اور حضور نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھ کر بند کر دی اور یہ مظلوم اس کے بہت بعد کم از کم ایک سال بعد آئے تو یہ دعا ان کے آنے تک کیسے جاری رہی۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ حضرت انس کی اکثر روایات میں صرف فجر میں قنوت پڑھنے کا تذکرہ ہے اور صرف ان قبائل کی بربادی کی دعا کا۔ یہ مخصوص قنوت نمازِ فجر میں ایک مہینے تک رہی پھر بند کر دی گئی اور ان مظلوموں کی رہائی کی دعا اس وقت شروع فرمائی جب یہ اطلاع ملی کہ قید سے رہا ہو کر مکہ سے نکل چکے ہیں اور اس وقت تک ہوتی رہی جب تک وہ آ نہیں گئے' انہیں کی رہائی کی دعا کے ساتھ تبعاً ان ظالموں پر بددعا بھی فرمائی' یا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں مضر سے مراد خاص قریش ہوں۔ اور اخیر کا جملہ "اهل المشرق من مضر مخالفون له" کسی راوی کا اضافہ ہو۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ خیبر میں حاضر ہوئے جو ۷ھ میں ہوا اور یہ مظلوم اس سے بہت پہلے آ چکے تھے۔ اور حضرت ابو ہریرہ واقعہ یوں بیان کر رہے ہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت موجود تھے۔ اس کا حل سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ نے کسی سے سن کر بیان کیا ہے اور اخیر کا حصہ روایت بالمعنی کی وجہ سے بدل گیا ہے۔ اصل مضمون یہ رہا ہو گا کہ پھر حضور نے دعا ترک کر دی' دریافت کیا گیا تو فرمایا: وہ آ گئے' مگر تبدیل ہو کر وہ ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ حضور نے یہ دعا ترک کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

۵۱۴- ح: فَيَقُوْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ

[(اللہ عزوجل) فرمائے گا: جو جس کو پوجتا ہے اس کے پیچھے ہو جائے]

۵۱۴- اَخْبَرَنِیْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ اَخْبَرَهُمَا اَنَّ النَّاسَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ هَلْ تُمَارُوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُوْنَهُ سَحَابٌ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَهَلْ تُمَارُوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّتَّبِعُ الشَّمْسَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّتَّبِعُ الْقَمَرَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّتَّبِعُ الطَّوَاغِيتَ وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْاُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوْهَا فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ اَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَاْتِيَنَا رَبُّنَا فَاِذَا جَآءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُوْلُ اَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا فَيَدْعُوْهُمْ فَيُضْرَبُ

سعید بن مسیب اور عطاء بن یزید لیثی نے مجھے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو خبر دی کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم لوگ اپنے رب کو دیکھیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: کیا چودھویں رات کے چاند میں شک کرتے ہو' جبکہ اس پر بادل نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: نہیں! یا رسول اللہ! فرمایا: کیا سورج کے دیکھنے میں شبہہ کرتے ہو' جب اس کے اوپر بادل نہ ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں! یا رسول اللہ! تو فرمایا: تم لوگ اللہ عزوجل کو اسی طرح ضرور دیکھو گے' قیامت کے دن لوگ اکٹھے کیے جائیں گے' اللہ عزوجل فرمائے گا: جو جس کو پوجتا ہو اس کے پیچھے ہو جائے' تو کچھ لوگ سورج کے پیچھے ہو جائیں گے اور کچھ لوگ چاند کے اور کچھ لوگ بتوں کے اور یہ اُمت رہ جائے گی جس میں اس اُمت کے منافقین بھی ہوں گے تو اللہ عزوجل اس تجلی کے

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۳۷۔ باب: استحباب القنوت

الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّجُوْزُ
مِنَ الرُّسُلِ بِاُمَّتِهٖ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اَحَدٌ اِلَّا الرُّسُلُ
وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِي جَهَنَّمَ
كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَاَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ
قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا
يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا اِلَّا اللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ
فَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُوْ
حَتّٰى اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةَ مَنْ اَرَادَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ اَمَرَ
اللّٰهُ الْمَلَآئِكَةَ اَنْ يُّخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ
فَيُخْرِجُوْنَهُمْ وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِاٰثَارِ السُّجُوْدِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ
عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ
فَكُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ النَّارُ اِلَّا اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيُخْرَجُوْنَ
مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَّاءُ الْحَيَاةِ
فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيْلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ
اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ
وَالنَّارِ وَهُوَ اٰخِرُ اَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا اَلْجَنَّةَ مُقْبِلًا بِوَجْهِهٖ
قِبَلَ النَّارِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِيْ عَنِ النَّارِ فَقَدْ
قَشَبَنِيْ رِيْحُهَا وَاَحْرَقَنِيْ ذَكَاؤُهَا فَيَقُوْلُ هَلْ عَسَيْتَ
اِنْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ لَا
وَعِزَّتِكَ فَيُعْطِي اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَا يَشَاءُ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيْثَاقٍ
فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ فَاِذَا اَقْبَلَ بِهٖ عَلَى الْجَنَّةِ
رَاٰى بَهْجَتَهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ ثُمَّ قَالَ
يَا رَبِّ قَدِّمْنِيْ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ اَلَيْسَ قَدْ
اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنْتَ
سَاَلْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا اَكُوْنُ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ
فَمَا عَسَيْتَ اِنْ اُعْطِيْتَ ذٰلِكَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ
لَا وَعِزَّتِكَ لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيُعْطِيْ رَبَّهٗ مَا شَاءَ
مِنْ عَهْدٍ وَّمِيْثَاقٍ فَيُقَدِّمُهٗ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَاِذَا بَلَغَ
بَابَهَا فَرَاٰى زَهْرَتَهَا وَمَا فِيْهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُوْرِ

ساتھ جسے وہ پہچانتے نہ ہوں گے جلوہ فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' اس پر لوگ کہیں گے: ہم یہیں ٹھہرے رہیں یہاں تک کہ ہمارا رب ہم پر جلوہ فرمائے' پس جب ہمارا رب ہم پر جلوہ فرمائے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ اب اللہ عزوجل ان پر جلوہ فرمائے گا' اس تجلی کے ساتھ جسے وہ پہچانتے ہوں گے اور فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' اب لوگ کہیں گے: ہاں! تو ہمارا رب ہے۔ اب اللہ عزوجل انہیں بلائے گا اور جہنم کی پشت پر صراط قائم کیا جائے گا' رسولوں میں سب سے پہلے میں اپنی اُمت کے ساتھ اسے پار کروں گا اور اس دن رسولوں کے سوا کوئی کلام نہ کرے گا اور رسولوں کا کلام اس دن یہ ہوگا: اے اللہ! سلامت رکھ' سلامت رکھ۔ اور جہنم میں سعدان کے کانٹے کے مثل آنکڑے ہوں گے' کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: وہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کے مثل ہیں' مگر وہ کتنا بڑا ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' وہ آنکڑے اعمال (بد) کی وجہ سے لوگوں کو جھپٹ لیں گے کچھ اپنے عمل بد کی سزا میں ہلاک ہوں گے اور کچھ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' پھر نجات پا جائیں گے' یہاں تک کہ اللہ عزوجل جہنمیوں میں جس کے ساتھ مہربانی کا ارادہ فرمائے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو اللہ کی عبادت کرتے تھے ان کو نکالو۔ اب فرشتے انہیں نکالیں گے اور انہیں سجدے کے نشانات سے فرشتے پہچانیں گے اور اللہ نے جہنم پر حرام فرمایا ہے کہ وہ سجدے کے نشان کو کھائے' یہ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے۔ ابن آدم کے پورے جسم کو آگ کھائے گی سوائے سجدے کے نشان کے' یہ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے تو سیاہ کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ اب ان پر آب حیات ڈالا جائے گا' تو ان کے اعضاء ایسے اُگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے بہاؤ میں پھوٹتا ہے' اس کے بعد اللہ بندوں کے مابین فیصلے سے فارغ ہو جائے گا اور ایک شخص جنت و دوزخ کے درمیان رہ جائے گا اور یہ جہنمیوں میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا' اس کا چہرہ جہنم کی طرف ہوگا۔ اب وہ عرض کرے گا: اے رب! میرا چہرہ جہنم سے پھیر دے! اس کی بدبو نے میرا دم

فَيَسْكُتُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَدْخِلْنِيْ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَيْحَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَا اَغْدَرَكَ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعَهْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِيْ اُعْطِيْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَضْحَكُ اللّٰهُ مِنْهُ ثُمَّ يَاْذَنُ لَهٗ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَ اُمْنِيَّتُهٗ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ زِدْ مِنْ كَذَا وَكَذَا اَقْبَلَ يُذَكِّرُهٗ رَبُّهٗ حَتّٰى اِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اَلْخُدْرِيُّ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَمْ اَحْفَظْهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَوْلَهٗ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اِنِّيْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ.

(بخاری۔کتاب الاذان۔باب:فضل السجود ص۱۱۱۔۱۱۲، ج ۲۔کتاب الرقاق۔باب:الصراط جسر جهنم ص۹۷۲، کتاب التوحید۔باب:قول اللّٰه عزوجل وجوه یومئذ ناضرة ص۱۱۰۶، مسلم۔کتاب الایمان، مسند امام احمد۔ج ۳ ص۲۷۵)

گھونٹ دیا ہے اور اس کی گرمی نے مجھے جھلسا دیا ہے۔ اس پر اللہ عزوجل فرمائے گا: اگر تیرے ساتھ یہ کر دیا جائے تو کیا تو اس کے علاوہ اور کچھ مانگے گا! تو بندہ کہے گا: تیری عزت کی قسم! نہیں! اب اللہ عزوجل جتنا چاہے گا اس سے عہد و پیمان لے گا، پھر اللہ اس کے چہرے کو جہنم کی طرف سے پھیر دے گا، اب وہ جنت کی طرف منہ کر لے گا، اس کی تروتازگی دیکھے گا، جب تک اللہ چاہے گا چپ رہے گا پھر کہے گا: اے رب! مجھے جنت کے دروازے کے پاس کر دے! تو اللہ عزوجل اس سے فرمائے گا: کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ جو مانگ چکا ہوں، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا! تو وہ عرض کرے گا: اے رب! تیری مخلوق میں سب سے زیادہ میں بدنصیب نہ رہوں۔ اب اللہ عزوجل فرمائے گا: اگر تجھے یہ دے دیا جائے تو اس کے علاوہ اور کچھ تو نہیں مانگے گا! اس پر عرض کرے گا: تیری عزت کی قسم! اس کے علاوہ اب اور کچھ نہیں مانگوں گا، اب اس کا رب اس سے قول و قرار جتنا چاہے گا لے گا، پھر اسے جنت کے دروازے پر پہنچا دے گا، پھر جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچے گا اور اس کی شادابی اور اس میں جو تروتازگی اور خوشی ہے دیکھے گا تو جب تک اللہ چاہے گا چپ رہے گا، پھر عرض کرے گا: اے رب! مجھے جنت میں داخل فرما دے! اس پر اللہ عزوجل فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! تیرے لیے خرابی ہو! کس چیز نے تجھ کو عہد شکن بنا دیا! کیا تو نے قول و قرار نہیں کیا تھا کہ جو کچھ مجھے دیا گیا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا! تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے اپنی مخلوق کا سب سے زیادہ نصیب نہ بنا، اس پر اللہ عزوجل ہنسے گا جیسا ہنسنا اس کی شان کے لائق ہے، پھر اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے گا اور فرمائے گا: آرزو کر! یہاں تک کہ اس کی آرزو ختم ہو جائے گی، تو اللہ عزوجل فرمائے گا: یہ بھی زیادہ کر دے، یہ بھی زیادہ کر دے، اسے یاد دلاتا جائے گا یہاں تک کہ اس کی سب آرزوئیں ختم ہو جائیں گی، تو اللہ عزوجل فرمائے گا: تیرے لیے یہ ہے اور اس کے برابر اور۔ اور حضرت ابوسعید خدری نے حضرت ابوہریرہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل

نے فرمایا: تیرے لیے یہ ہے اور اس کا دس گنا' تو ابو ہریرہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ سے یاد نہیں' مگر صرف یہ یاد ہے کہ تیرے لیے یہ ہے اور اس کے برابر اور۔ ابو سعید نے کہا: میں نے حضور سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ یہ تیرے لیے ہے اور اس کا دس گنا اور۔

یہاں باب ہے: سجدے کی فضیلت کا بیان۔ باب کو حدیث کے اس جز سے مناسبت ہے کہ فرمایا: فرشتے سجدے کے نشانوں سے انہیں پہچانیں گے اور سجدے کے نشانوں کو آگ نہیں کھائے گی۔

لغات

''هَل نری'' یہاں ''نری'' ''نبصر'' کے معنی میں متعین ہے کیونکہ اگر علم کے معنی میں ہوتا تو ایک اور مفعول ضروری ہوتا' نیز یوم القیامۃ کے ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ ''هل تمارون'' تاء کے فتح کے ساتھ جیسا کہ اصیلی کی روایت ہے۔ باب تفاعل سے اس کا مصدر ''تماری'' تھا' ایک تاء تخفیفاً حذف کر دی گئی' جیسے ''نارا تلظّی'' میں اس کا مادہ ''مریٌ'' بہ معنی شک ہے۔ جمہور کی روایت ''تُمَارُوْنَ'' تاء کے ضمے کے ساتھ ہے' باب مفاعلت سے۔ اس باب سے اس کے معنی ہوتے ہیں: مشکوک بات پر بحث کرنا۔ ''الطواغیت'' یہ طاغوت کی جمع ہے' اس کا مادہ ''طغوٌ'' ہے۔ طاغوت کے معنی ہر وہ چیز جس کی اللہ عزوجل کے علاوہ عبادت کی جائے' کبھی صرف بت کے معنی میں آتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ معانی آتے ہیں: شیطان' کاہن' ہر گمراہ کا سر براہ' یہاں بت مراد ہے۔ ''کلالیب'' ''کَلُّوْب'' کی جمع ہے' آنکڑے۔ ''سعدان'' اونٹ کی بہت مرغوب غذا ہے' یہ ایک کانٹے دار گھاس ہے جو نجد کے علاقہ میں بہت ہوتی ہے۔ ''امتحشوا'' اس کا مادہ ''مَحْشٌ'' ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ آگ سے کھال کا اس طرح جل جانا کہ ہڈی دکھائی دینے لگے' جل کر کالا ہو جانا' مطلق جلنا۔ ''الحبۃ'' جنگلی پودوں کا بیج۔ ''حمیل السیل'' سیلاب سے جو مٹی بہہ کر آئے اور کہیں جم جائے' جس کو ہماری زبان میں بھاٹھ کہتے ہیں۔ ''قشبنی'' ضرب یضرب سے آتا ہے' اس کے معنی زہر دینے کے ہیں' ''قشب'' کے معنی زہر کے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ''قشب'' صرف اس زہر کا نام ہے جو جانوروں کا قاتل ہو۔ ایک زہریلی گھاس جس کے کھانے سے جانور مر جاتا ہے' دھوئیں سے دم گھٹنا' مطلقاً دم گھٹنا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے کہ انہیں عطر کی خوشبو محسوس ہوئی تو فرمایا: کس نے ہمارا دم گھونٹ دیا' معاویہ موجود تھے۔ عرض کیا: ام حبیبہ کے پاس گیا تھا تو اس نے عطر مل دیا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۸۶)

منافقوھا

جب یہ اعلان ہو جائے گا کہ جو جس کی پرستش کرتا تھا' اس کے ساتھ ہو جائے۔ منافقین نے غیر اللہ کی پرستش نہیں کی اور نہ اللہ کی حقیقت میں کی ہے تو حیران کھڑے رہیں گے' چونکہ معبودانِ باطلہ کے پرستار چھٹ جائیں گے تو اب جو مجمع بچے گا وہ اس امت کا اور ان کے منافقین کا ہوگا' یا یہ کہ منافقین قصداً مومنین میں گھس آئیں گے' اس گمان پر جیسے دنیا میں ہم نے اپنے کفر کو چھپا کر منافع حاصل کیے ہیں' آج بھی اسی طرح نفع حاصل کر لیں۔ مسلم شریف[1] میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل ہر مومن اور منافق کو ایک روشنی عطا فرمائے گا' پھر بعد میں منافقین کی روشنی بجھ جائے گی۔

[1] مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب: اثبات الشفاعۃ ص ۱۰۷

فیاتیهم

بدء الخلق میں یہ ہے: ''في غير الصورة التي يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون نعوذ بالله منك'' جس تجلی سے لوگ اللہ عزوجل کو پہچانتے ہوں گے' اس کے علاوہ دوسری تجلی کے ساتھ جلوہ فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' تو لوگ کہیں گے: ہم اللہ کی تجھ سے پناہ مانگتے ہیں' اس کے بعد بدء الخلق اور توحید دونوں میں یہ ہے: ''فياتيهم الله في الصورة التي يعرفون'' اس کے بعد اللہ عزوجل اپنی اس تجلی میں جلوہ دکھائے گا جسے وہ لوگ پہچانتے ہوں گے' پھر تینوں جگہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں' تو لوگ عرض کریں گے: ہاں! تو ہمارا رب ہے۔ یہاں اس کے بعد ''فيدعوهم'' ہے' پھر اللہ عزوجل انہیں پکارے گا اور ان دونوں جگہ ''فَيَتَّبِعُوْنَهٗ'' ہے' یعنی وہ اللہ عزوجل کی اس تجلی کے ساتھ ہو جائیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اللہ عزوجل آنے جانے اور صورت سے منزہ ہے' یہ سب متناہی اور اجسام کی صفات ہیں۔ اللہ عزوجل جسم و جسمانیات سے پاک ہے' لامحالہ علماء نے اس کی تاویل کی کہ آنے سے مراد اس حجاب کو اُٹھا دینا ہے جو ہماری نظروں اور اللہ عزوجل کی رؤیت میں حائل تھا۔ اور صورت سے تجلی مراد ہے' چونکہ جو غائب ہو اس کا دیکھنا بغیر آئے ممکن نہیں' اس لیے رؤیت کو آنے سے تعبیر فرمایا۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ متشابہات میں سے ہے' اس لیے اسلم یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور معنی کو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا جائے۔ خطابی نے کہا کہ یہ رؤیت اس کے علاوہ ہے جو جنت میں نصیب ہوگی۔

فیضرب الصراط

صراط جہنم کے اوپر ایک پل ہوگا جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا' جس سے سب کو گزرنا ہے۔ اس پر فرشتے مقرر ہیں جو سات جگہ بندوں کو روکیں گے اور سات چیزوں کے بارے میں سوال کریں گے: ایمان' نماز' زکوۃ' رمضان کا روزہ' حج و عمرہ' وضو' جنابت سے غسل۔

ولا یتکلم

مراد یہ ہے کہ اس وقت یعنی صراط سے گزرتے وقت' یا مراد یہ ہے کہ بلا اذن ورنہ قرآن و احادیث اس سے مملو ہیں کہ انسان وہاں بھی مجادلہ و مکابرہ کرے گا۔

اثار السجود

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ سات اعضاء ہیں جو سجدے کے وقت زمین پر لگتے ہیں۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: اس سے صرف پیشانی مراد ہے۔ اس کی تائید بعد کے لفظ ''الا اثر السجود'' سے ہوتی ہے۔ نیز مسلم[1] کی اس روایت سے بھی تائید ہوتی ہے' جس میں فرمایا: لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے جو جلے ہوں گے مگر چہرہ کی گولائی' مگر امام نووی نے پہلے کو اختیار کیا اور اس کی توجیہ یہ کی کہ اس سے مراد مخصوص قوم ہے۔ رؤیت باری عزوجل کی مکمل بحث گزر چکی۔

۵۱۵- ح: اَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سات اعضاء پر سجدہ کرنا]

۵۱۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۰۷۔ کتاب الایمان۔ باب: اخراج الموحدين من النار

وَسَلَّمَ اَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ وَّلَا يَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا اَلْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ.

ساعت اعضاء پر سجدہ کرنے کا' بال اور کپڑا نہ سمیٹنے کا حکم دیا گیا: پیشانی' دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔

(بخاری۔ ج ا۔ باب: السجود علی سبعة اعظم ص ١١٢' باب: یکف شعرًا۔ باب: لا یکف ثوبه فی الصلوٰة ص ١١٣' باب: السجود علی الانف ص ١١٢)

اس کے چند سطر بعد "باب السجود علی الانف" میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر اور ہاتھ سے ناک پر اشارہ فرمایا' الحدیث۔ یعنی ناک پر بھی سجدے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدے میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی زمین پر لگانی ضروری ہے' اگر صرف پیشانی لگی' ناک نہ لگی یا صرف ناک لگی پیشانی نہ لگی تو سجدہ صحیح نہ ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب مختار و مفتٰی بہ ہے۔

ولا یکف

یعنی بالوں یا کپڑوں کو غیر معتاد طریقے سے سمیٹنا' مثلاً بالوں کا جوڑا باندھنا یا ان کو سمیٹ کر عمامے کے اندر کر لینا یا آستین چڑھا لینا یا تہبند اور پائجامے کو گھرس لینا۔ اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

٥١٦- ح: حَدِّثْنِيْ مَا سَمِعْتَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

[آپ (ﷺ) سے شبِ قدر میں جو سنا' بیان کیجیے]

٥١٦- عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰى اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ فَقُلْتُ اَلَا تَخْرُجُ بِنَا اِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ فَخَرَجَ فَقَالَ قُلْتُ حَدِّثْنِيْ مَا سَمِعْتَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ اعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَرْجِعْ فَاِنِّيْ اُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَاِنِّيْ نُسِّيْتُهَا وَاِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِيْ وِتْرٍ وَّاِنِّيْ رَاَيْتُ كَاَنِّيْ اَسْجُدُ فِيْ طِيْنٍ وَّمَاءٍ وَّكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيْدَ النَّخْلِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا فَجَاءَتْ قَزَعَةٌ فَاُمْطِرْنَا فَصَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ عَلٰى جَبْهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

ابو سلمہ نے کہا: میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا اور ان سے عرض کیا: کیا آپ ہمارے ساتھ کھجور کے باغ میں نہیں چلیں گے تاکہ ہم باتیں کریں تو وہ تشریف لے گئے' میں نے ان سے عرض کیا کہ نبی ﷺ سے شب قدر کے بارے میں جو کچھ سنا ہے' بیان کیجیے! تو انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا اور ہم نے بھی حضور کے ساتھ اعتکاف کیا تو حضور کی خدمت میں جبریل آئے اور بتایا کہ جسے آپ طلب کر رہے ہیں وہ آپ کے آگے ہے' تو حضور نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا تو ہم نے بھی حضور کے ساتھ اعتکاف کیا' پھر خدمت اقدس میں جبریل حاضر ہوئے اور عرض کیا: جسے آپ طلب کر رہے ہیں وہ حضور کے آگے ہے' اس کے بعد حضور بیس رمضان کی صبح کو کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا' فرمایا: جس نے نبی ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ لوٹے' یعنی پھر اعتکاف کرے' کیونکہ مجھے شب قدر دکھائی گئی تھی اور میں بھول گیا ہوں' وہ اخیر کے دس دنوں کے وتر میں ہے اور میں نے دیکھا گویا کیچڑ اور پانی میں سجدہ کر رہا ہوں اور مسجد کی چھت کھجور کی شاخ کی تھی۔ اور ہم آسمان میں کچھ نہیں

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَرْنَبَتِهٖ تَصْدِيقَ رُؤْيَاهُ.

دیکھ رہے تھے کہ اچانک بادل کا ایک ٹکڑا آیا تو ہم پر بارش برسائی گئی اور ہمیں نبی ﷺ نے نماز پڑھائی یہاں تک کہ میں نے کیچڑ اور پانی کا اثر رسول اللہ ﷺ کی پیشانی اور ناک کے بانسے پر دیکھا' یہ حضور کے خواب کی تصدیق تھی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: السجود علی الانف فی الطین ص ۱۱۲' کتاب الصوم۔ باب: تحری لیلۃ القدر ص ۲۷۰' باب: الاعتکاف فی العشر الاواخر ص ۲۷۱' باب: من خرج من اعتکافہ عند الصبح ص ۲۷۳' مسلم۔ کتاب الصیام' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ' مؤطا امام مالک ص ۱۰۴' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۷۴' ابن ماجہ۔ کتاب الاعتکاف)

حضور اقدس ﷺ کی عادتِ کریمہ تھی کہ رمضان مبارک کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے اور اکیسویں کی صبح کو ختم کر دیتے تھے۔ اس سال یہ ہوا کہ عشرہ اوّل میں بھی اعتکاف فرمایا اور اوسط میں بھی اور اکیسویں کو حضور نے بھی اور اعتکاف کرنے والے صحابہ نے بھی اپنا اپنا سامان منتقل فرما دیا تو حضور نے وہ خطبہ دیا جو اس حدیث میں مذکور ہے اور حکم دیا کہ جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ سب لوٹ آئیں اور اعتکاف کریں' اس لیے کہ شب قدر انہیں دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہے۔ اس کے بعد سے رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرمانے لگے۔ شب قدر کی جو نشانی اس میں مذکور ہے' وہ خاص اس رات کے لیے ہے۔ ویسے بعض عرفاء نے لکھا ہے کہ اگر رمضان شریف کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں بارش ہو تو امید ہے کہ وہ شب قدر ہو گی۔

اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ اعتکاف اور شب قدر کے بارے میں تفصیلی گفتگو اس کے باب میں آئے گی' اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ناک پر سجدہ کرنا ضروری ہے' وہ بھی اس طرح کہ ناک کا نرم حصہ دبائے تاکہ ہڈی زمین پر ٹک جائے' کیچڑ میں بھی سجدہ درست ہے' بشرطیکہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ پیشانی اور ناک ٹک نہ سکے۔

٥١٧- ح: اَلَا اُنَبِّئُكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

[کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق نہ بتاؤں؟]

٥١٧- عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ اَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَذَاكَ فِيْ غَيْرِ حِيْنِ صَلٰوةٍ فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَامَ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ هُنَيَّةً فَصَلّٰى صَلٰوةَ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ شَيْخِنَا هٰذَا قَالَ اَيُّوْبُ كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ اَرَهُمْ يَفْعَلُوْنَهٗ كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ قَالَ فَاَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ لَوْ رَجَعْتُمْ اِلٰى اَهْلِيْكُمْ صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ.

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتا دوں! ابوقلابہ نے کہا: وہ کسی نماز کے وقت میں نہ تھا' تو وہ کھڑے ہوئے' پھر رکوع کیا پھر تکبیر کہی' پھر رکوع سے سر اُٹھایا اور تھوڑی دیر کھڑے رہے' پھر سجدہ کیا پھر سجدے سے سر اُٹھایا' تھوڑی دیر بیٹھے رہے' پھر سجدہ کیا' پھر اپنا سر سجدے سے اُٹھا کر تھوڑی دیر کے رہے' ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی' ایوب نے کہا: وہ ایک ایسا کام کرتے تھے کہ میں نے اور لوگوں کو وہ کرتے نہیں دیکھا' وہ تیسری یا چوتھی رکعت میں بیٹھے تھے' حضرت مالک بن حویرث نے بتایا کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' ہم نے وہاں قیام کیا تو آپ نے فرمایا: جب تم اپنے اہل و عیال میں جاؤ تو اس وقت یوں نماز

پڑھنا اور اس وقت میں یوں نماز پڑھنا' جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان کہے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: المكث بين السجدتين ص ۱۱۳' کتاب الاذان۔ باب: من صلّى بالناس وهو لايزيد ارادت يعلمهم ص ۹۳' باب: من استوى قاعدا في وتر ص ۱۱۳' باب: كيف يعتمد على الارض اذا قام من الركعة ص ۱۸۱' باب: الطمانية حين يرفع راسهٗ من الركوع ص ۱۱۰' ابوداؤد' نسائی۔ کلاھما فی کتاب الصلوٰۃ)

في الثالثة او الرابعة

یہ شک راوی ہے' مراد یہ ہے کہ شک کرنے والے راوی کے شیخ نے ''في الثالثة'' کہا تھا یا ''في الرابعه'' مراد یہ ہے کہ تیسری رکعت سے فارغ ہونے کے بعد کہا تھا یا یہ کہا تھا کہ چوتھی رکعت کی ابتداء میں۔ اس سے مراد جلسہ استراحت ہے' جو یہاں تیسری اور چوتھی کے مابین مذکور ہے اور باب ''من صلى بالناس وهو لا يريد الا ان يعلم الخ'' میں ہے کہ پہلی رکعت میں سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھتے تھے۔ دونوں سے ثابت ہوا کہ پہلی اور دوسری نیز تیسری اور چوتھی رکعت کے درمیان دوسرے سجدے سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھتے تھے۔ اس کی تائید انہیں کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو اس کے بعد باب ''من استوى قاعدا في وتر من صلوته'' میں مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نماز کی طاق رکعت میں جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے' کھڑے نہ ہوتے۔ اسے جلسہ استراحت کہتے ہیں' وہیں ابتداء میں یہ زائد ہے کہ مالک بن حویرث ہماری اس مسجد میں آئے' اس سے مراد بصرہ کی مسجد ہے۔

جلسۂ استراحت

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جلسہ استراحت سنت ہے' ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ ہمارے نزدیک اور امام مالک اور امام احمد کے ہاں جلسہ استراحت مشروع نہیں' اور یہی حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ نعمان بن ابو عیاش نے کہا: میں نے ایک نہیں کئی صحابہ کو پایا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔ امام ترمذی نے فرمایا: اسی پر اہل علم کا عمل ہے[1] عبدالملک نے کہا: جلسہ استراحت اہل مدینہ سے کیسے چھوٹ گیا حالانکہ انہیں دس سال رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی' اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور دوسرے صحابہ نے پڑھائی اور یہ ان سے رہ گیا۔ خود اسی حدیث میں تصریح ہے کہ یہ ایک کام ایسا کرتے تھے جو لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جلسہ استراحت وہاں یعنی بصرہ میں اس وقت ان کے سوا کوئی نہیں کرتا تھا' حالانکہ وہ صحابہ کرام کا عہد تھا' انہیں کی یہ حدیث باب ''كيف يعتمد على الارض'' میں بھی مذکور ہے' جس کے اخیر میں ہے کہ زمین پر ٹیک لگاتے پھر کھڑے ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عادت تھی کہ دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے وقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اُٹھتے' مگر ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے بغیر کھڑا ہو۔ اور اس مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جب حضرت مالک بن حویرث نے دیکھا ہو' حضور اقدس ﷺ نے کسی عذر کی بناء پر جلسہ استراحت کیا ہو' یہ خدمت اقدس میں بیس دن رہے۔

اقول: اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر خفض اور ہر رفع کے وقت تکبیر کہتے' یعنی ہر جھکتے اور ہر اُٹھتے وقت تکبیر کہتے تھے۔ جلسہ استراحت کرنے والوں کا بہر حال اس حدیث پر عمل نہ ہوگا' اگر جلسہ استراحت سے پہلے تکبیر کہیں گے تو جلسہ

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۵۔ ص ۳۰۱

استراحت سے اُٹھتے وقت رہ جائے گی اور اگر جلسہ استراحت کے بعد کہیں گے تو سجدے سے اُٹھتے وقت رہ جائے گی تو ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کے معارض ہونے کی وجہ سے جلسہ استراحت مسنون نہیں۔ اور حضرت مالک بن حویرث کی حدیث حالت عذر پر محمول ہے۔

۵۱۸ - ح: لَا اٰلُوْ اَنْ اُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[میں اس میں کمی نہیں کروں گا کہ تمہیں ویسی نماز پڑھاؤں جیسے نبی ﷺ نے ہمیں پڑھائی]

۵۱۸- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنِّي لَا اٰلُوْ اَنْ اُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا قَالَ ثَابِتٌ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَّصْنَعُ شَيْئًا لَمْ اَرَكُمْ تَصْنَعُوْنَهُ كَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس میں کمی نہیں کروں گا کہ تمہیں ویسی نماز پڑھاؤں جیسے نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ ثابت نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کچھ ایسا کام کرتے تھے جو میں تم کو کرتے ہوئے نہیں دیکھتا، وہ جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ کہنے والا کہتا: وہ بھول گئے، اور دونوں سجدوں کے مابین بھی، یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: وہ بھول گئے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: المكث بين السجدتين ص ۱۱۳، باب: الطمانية حين يرفع راسه من الركوع ص ۱۱۲)

رکوع اور سجدے اور دونوں سجدوں کے مابین حضرت انس رضی اللہ عنہ کا دیر تک ٹھہرنا ان دعاؤں کے پڑھنے کے لیے تھا، جو بعض احادیث میں وارد ہیں۔ اسی بناء پر امام احمد فرماتے ہیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان "اللّٰھم اغفرلی" بار بار پڑھے۔ اس سے قبل گزر چکا کہ ہمارے نزدیک یہ نوافل میں ہیں یا منفرد کے لیے فرائض میں نہیں، جبکہ باجماعت ہوں، اس لیے کہ فرائض میں تخفیف پسندیدہ ہے، جیسا کہ حدیث گزر چکی جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے، تنہا پڑھے تو جتنی چاہے، لمبی کرے۔

۵۱۹- ح: اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ

[سجدے میں اعتدال کرو]

۵۱۹- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: سجدے میں اعتدال کرو، تم میں کوئی کتے کی طرح اپنی کلائیاں نہ بچھائے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: لا يفترش ذراعيه في السجود ص ۱۱۳، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

سجدے میں اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ نہ بہت پھیلو اور نہ بہت سکڑو۔ دونوں کی درمیانی حالت میں رہو۔ حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس ﷺ سجدے میں ہاتھوں کو اتنا پھیلاتے کہ بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔ مسلم شریف[1] میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ فرماتی ہیں کہ حضور ہاتھوں کے درمیان اتنی کشادگی رکھتے کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا، کتے کی طرح بچھانے کا مطلب یہ ہے کہ پوری کلائی زمین پر بچھا دی جائے، یہ مکروہ ہے۔

ت ۱۶۸- وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ.

اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر کہتے تھے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: يكبر وهو ينهض من

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۹۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اعتدال فی السجود

السجدتین ص ۱۱۴)

۵۲۰- ح: فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ

[جب سجدے سے سر اٹھایا تو بلند آواز سے تکبیر کہی]

۵۲۰- عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلّٰى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَحِينَ سَجَدَ وَحِينَ رَفَعَ وَحِينَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت سعید بن حارث نے کہا: ہمیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو بلند آواز سے تکبیر کہی، جب سجدے سے سر اُٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب اُٹھایا اور جب دو رکعت سے کھڑے ہوئے، اور بتایا کہ میں نے ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: یکبر وھو ینھض من السجدتین ص ۱۰۴)

اثر ابن زبیر کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً بیان کیا ہے، یہاں مراد حضرت عبداللہ بن زبیر ہیں، ابن زبیر جب مطلق بولے جاتے ہیں تو یہی مراد ہوتے ہیں۔

غایت باب

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تشہد کے بعد جب تیسری رکعت کے لیے سیدھا کھڑا ہو جائے، تو تکبیر کہے۔ جمہور کہتے ہیں: کھڑے ہونے کی ابتداء کرے تو تکبیر کہنا شروع کرے۔ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے لیے یہ عنوان قائم فرمایا کہ جب دونوں سجدوں یعنی رکعتوں سے کھڑا ہونے لگے تو تکبیر کہے۔ اس باب میں سجدتین سے مراد رکعتین ہے۔ اب اثر ابن زبیر اور حدیث کی باب سے مطابقت واضح ہے۔ یہ علامہ عینی کی تقریر ہے۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ سجدتین سے اس کا معنی حقیقی مراد لیا جائے اور ابن رشید کا یہ شبہہ کہ پھر ایک مضمون کے دو باب ہو جائیں گے، اس لیے کہ پہلے یہ باب قائم کر چکے ہیں، جب سجدے سے کھڑا ہو تو تکبیر کہے۔ لائق التفات نہیں، اس لیے کہ اگر صرف یہی ایک باب مکرر ہو تو تکرار باب سے ایراد درست تھی۔ بخاری میں متعدد ابواب مکرر ہیں، مثلاً "یبدی ضبعہ ویجافی جنبہ فی السجود" کتاب الصلوٰۃ، صفحہ ۵۶، پر بھی ہے اور کتاب الاذان، صفحہ ۱۱۲، پر بھی۔ اسی طرح "اذا لم یتم السجود" بھی، انہیں دونوں صفحات پر مکرر ہیں، یہاں تو الفاظ بدلے ہیں اور ان دونوں ابواب میں الفاظ بھی بعینہ وہی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری نے یہ نماز مدینہ طیبہ میں مروان خبیث کی امارت کے ایام میں پڑھائی۔ سابقاً گزر چکا کہ مروان نے امام حضرت ابوہریرہ کو بنایا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک نماز میں نہیں آئے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، اور دیگر مواقع کی طرح دوسری رکعت سے اُٹھتے وقت بھی بلند آواز سے تکبیر پڑھی۔ نماز کے بعد لوگوں نے عرض کیا: آپ کی نماز مختلف ہوئی، تو فرمایا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میری یہ نماز تمہاری نماز سے مختلف ہوئی یا نہیں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ مروان اور دوسرے بنی امیہ اس وقت تکبیر آہستہ کہتے تھے۔ اس پر کسی نے وہ کہا تھا۔ (فتح الباری۔ ج ۲ ص ۲۵۱)

ت ۱۶۹- وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً.

حضرت اُم الدرداء رضی اللہ عنہا نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں، اور وہ فقیہہ تھیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: سنۃ الجلوس فی التشہد)

اُم الدرداء دو ہیں

ایک کبریٰ جن کا نام خیرہ تھا' دوسری صغریٰ جن کا نام ھجیمہ تھا۔ کبریٰ صحابیہ ہیں اور صغریٰ تابعیہ۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہاں مراد صغریٰ ہیں' کیونکہ کبریٰ کی مکحول سے ملاقات نہیں اور یہ اثر حضرت مکحول ہی سے مروی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ''وکانت فقیھة'' دلیل ہے کہ مراد کبریٰ ہیں' مگر اس خادم کا خیال یہ ہے کہ علامہ ابن حجر کی رائے زیادہ وقیع ہے۔ تابعیہ بھی فقیہہ ہوسکتی ہیں۔ ''وکانت فقیھة'' امام مکحول کا قول ہے' اس لیے کہ مسند فریابی میں بھی ''وکانت فقیھة'' تک مروی ہے[۱] اگر یہ امام بخاری کا قول ہوتا تو مسند فریابی میں نہ ہوتا' اس اثر کو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں اور ابن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔

اقول: ہمارے نزدیک عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنا مسنون نہیں' وہ اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف کر کے سرین پر بیٹھیں گی۔ اس اثر کا اخیر حصہ ''جلسة الرجل'' سے ظاہر ہے کہ اس عہد میں بھی مردوں کی نشست الگ تھی اور عورتوں کی الگ۔

تنبیہ

مردوں کے سجدے میں پیر کی دس انگلیوں میں ایک کا پیٹ زمین پر لگنا فرض ہے اور ہر پیر کی تین تین انگلیوں کے پیٹ کا لگنا واجب اور سب کے سنت' مگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں' اس لیے کہ انہیں پنڈلیاں زمین پر لگانا ضروری ہے اور پاؤں کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگانے میں پاؤں کا کھڑا رکھنا ضروری ہوگا' جس کی وجہ سے پنڈلیاں زمین سے چپک نہ پائیں گی۔

۵۲۱- ح: يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ إِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهُ

[نماز میں بیٹھتے وقت پالتی مار کر بیٹھتے ہیں میں نے بھی ایسا ہی کیا]

۵۲۱- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ إِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ فَنَهَانِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِي.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے عبداللہ نے خبر دی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ نماز میں بیٹھتے وقت پالتی مار کر بیٹھتے ہیں' (وہ کہتے ہیں:) تو میں نے بھی ایسا ہی کیا اور میں اس وقت نوعمر تھا' تو حضرت عبداللہ بن عمر نے مجھے اس سے منع فرمایا اور بتایا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھ اور بایاں موڑ دے' میں نے عرض کیا: آپ پالتی مار کر بیٹھتے ہیں' تو فرمایا: میرے پاؤں میرا بار برداشت نہیں کر پاتے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: سنة الجلوس فی التشهد ص ۱۱۴' ابوداؤد' نسائی۔ کلاھما فی کتاب الصلوٰۃ)

انما سنة الصلوٰة

اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث مرفوع ہے ''وتثنی الیسرٰی'' اس روایت میں یہ تصریح نہیں کہ پاؤں پر بیٹھے گا یا سرین پر' مگر مؤطا امام مالک[۲] میں جو روایت ہے' اس میں ہے کہ وہ اپنے بائیں سرین پر بیٹھے' مگر نسائی[۳] میں بہ طریق عمرو بن حارث جو روایت ہے اس میں یہ ہے کہ نماز کی سنت دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا اور بائیں پر بیٹھنا ہے۔

---

[۱] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۲۵۲
[۲] مؤطا امام مالک۔ باب: العمل فی الجلوس فی التشهد ص ۳۳
[۳] نسائی۔ ج ۱ ص ۱۷۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الاستقبال باطراف اصابع القدم

ان رجلای

"اِنَّ" حرف مشبہ بالفعل ہے اور "رجلای" اس کا اسم تو چاہیے تھا "رِجْلَیَّ" اور یہی اکثر روایت ہے مگر ایک روایت میں جسے ابن تین نے بیان کیا "رجلای" الف کے ساتھ ہے اس کی دو توجیہیں ہیں ایک یہ کہ "اِنَّ" حرف مشبہ بالفعل نہیں ہے بلکہ حرف ایجاب ہے معنی میں نعم کے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد میں ہے جب کہ ایک شاعر نے کہا: "لعن اللّٰہ ناقۃ حملتنی الیک" اللہ اس اونٹنی پر لعنت کرے جو مجھے تیرے پاس لائی تو فرمایا: "انّ وراکبھا" ہاں اور اس کے سوار پر بھی۔ دوسرے یہ کہ یہ بنی الحارث کی لغت پر ہے۔ یہ "اِنَّ" کے اسم کو نصب نہیں دیتے انہیں کی لغت پر "ان ھٰذان لساحران" کی قراءت ہے۔

مسائل

ہمارے نزدیک دونوں قعدوں میں سنت یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں کھڑا رکھے جیسا کہ ابھی حدیث زیر بحث میں نسائی کی روایت گزری نیز ہماری دلیل ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے۔ (مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما یجمع صفۃ الصلوٰۃ ص ۹۵)

۵۲۲- ح: رَاَیْتُهٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْهِ حَذْوَ مَنْکِبَیْهِ

[(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) دیکھا جب آپ نے تکبیر کہی تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر لے گئے]

۵۲۲- عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ اَنَّهٗ کَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْنَا صَلٰوةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیُّ اَنَا کُنْتُ اَحْفَظَکُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُهٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْهِ حَذْوَ مَنْکِبَیْهِ وَاِذَا رَکَعَ اَمْکَنَ یَدَیْهِ مِنْ رُکْبَتَیْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ اسْتَوٰی حَتّٰی یَعُوْدَ کُلُّ فَقَارٍ مَکَانَهٗ وَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ یَدَیْهِ غَیْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ جَلَسَ عَلٰی رِجْلِهِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِهٖ وَسَمِعَ اللَّیْثُ یَزِیْدَ بْنَ اَبِیْ حَبِیْبٍ وَّیَزِیْدُ مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ حَلْحَلَةَ وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنِ ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ عَنِ اللَّیْثِ کُلُّ فَقَارٍ مَکَانَهٗ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ یَحْیَی بْنِ اَیُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَزِیْدُ ابْنُ اَبِیْ حَبِیْبٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ حَدَّثَهٗ کُلُّ فَقَارٍ۔

محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو یاد رکھنے والا ہوں۔ میں نے حضور کو دیکھا کہ جب آپ نے تکبیر کہی تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے مقابل لے گئے اور جب رکوع کیا تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر جما دیا پھر اپنی پیٹھ کو جھکایا اور جب اپنا سر اُٹھایا تو اتنے سیدھے ہو گئے کہ پیٹھ کا ہر مہرہ اپنی جگہ لوٹ گیا اور جب سجدہ کیا تو اپنے ہاتھوں کو اس طرح رکھا کہ نہ وہ بچھے تھے اور نہ سمٹے ہوئے تھے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کے سروں کو قبلہ رخ کر لیا پھر جب دو رکعت پر بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں کو کھڑا کیا اور جب اخیر رکعت میں بیٹھے تو بایاں پاؤں آگے کر لیا اور دوسرے کو کھڑا کر لیا اور اپنی بیٹھک پر بیٹھے۔ اور لیث نے یزید بن ابی حبیب سے اور یزید نے محمد بن حلحلہ سے سنا ہے اور ابن حلحلہ نے ابن عطاء سے اور ابو صالح نے لیث سے روایت کرتے ہوئے کہا: ہر مہرہ اپنی جگہ لوٹ گیا اور ابن مبارک نے کہا: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے

حدیث بیان کی کہ محمد بن عمرو بن حلحلہ نے حدیث بیان کی: ہر مہرہ۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: سنة الجلوس فی التشهد ص ۱۱۴، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

مع نفر

ابوداؤد میں ہے کہ میں نے ابوحمید کو دس صحابہ میں بیٹھے دیکھا اور سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ دس صحابہ کے ساتھ دیکھا، یعنی حضرت ابوحمید ساعدی کے علاوہ دس صحابہ تھے، ان میں مندرجہ ذیل حضرات کا نام معلوم ہو سکا۔ حضرت ابوقتادہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت محمد بن مسلمہ، ابوالعباس، سہل بن سعد، ابواُسید الساعدی رضی اللہ عنہم [1] اس پر لوگوں کو تعجب ہوا اور فرمایا: کیسے بخدا! تم نہ ہم سے زیادہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور نہ ہم سے پہلے تمہیں صحبت نصیب ہے [2] لوگوں نے کہا: بیان کرو! تو انہوں نے بتایا کہ میں نے اس کا تتبع کیا اور یاد رکھا [3] ابوداؤد [4] میں ہے کہ امام احمد نے یہ زائد کیا کہ بعد میں سب نے ان کی تصدیق کی اور کہا کہ تم نے سچ کہا، حضور اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔

مسائل

(۱) امام شافعی رضی اللہ عنہ اس سے دلیل لاتے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ میں دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھے، مگر قعدۂ اخیرہ میں سرین پر بیٹھے، اور بائیں پاؤں کو موڑ کر دائیں طرف کر دے، مگر ہمارے نزدیک دونوں قعدوں میں ایک ہی طرح بیٹھے یعنی دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے۔ ہمارے دلائل اس سے پہلے والی حدیث میں گزر چکے۔ امام ابوجعفر طحاوی رضی اللہ عنہ اس پر اس حدیث [5] سے دلیل لائے کہ حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو ضرور ضرور یاد رکھوں گا، جب حضور تشہد کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا اور اس پر بیٹھے۔ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور امام طحاوی نے حضرت ابوحمید ساعدی کی اس حدیث کا یہ جواب دیا کہ محمد بن عمرو بن عطاء نے یہ حدیث نہ تو حضرت ابوحمید ساعدی سے سنی ہے اور نہ اس مجمع میں موجود حضرات میں سے کسی سے۔ ان کے درمیان ایک مجہول شخص ہے۔ نیز محمد بن عمرو نے اپنی حدیث میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت قتادہ اس مجمع میں تھے، حالانکہ حضرت ابوقتادہ کی ملاقات محمد بن عمرو سے ممکن نہیں، کیونکہ حضرت قتادہ، شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی نمازِ جنازہ حضرت شیر خدا نے پڑھائی تھی۔ یہی ہیثم بن عدی نے کہا اور علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: یہی صحیح ہے۔ (۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا سنت ہے، اس کی بحث گزر چکی۔ ایک جواب یہ ہے کہ جب یہ حدیث ضعیف ہے تو صحاح کو اس پر ترجیح ہو گی، جن میں یہ مذکور ہے کہ کانوں تک ہاتھ اُٹھایا۔ (۳) یہ بھی ثابت ہوا کہ سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہونا چاہیے، یہ اسی وقت ہو گا کہ انگلیوں کے پیٹ زمین پر رہیں۔

وسمع اللیث

یہ حدیث معنعن تھی لیث سے لے کر محمد بن عمرو تک ہر جگہ عن عن تھا، اس کے لیے سماع لازم نہیں تو امام بخاری نے مناسب جانا کہ یہ واضح فرما دیں کہ لیث نے یزید بن ابی حبیب سے اور یزید نے محمد بن حلحلہ سے اور ابن حلحلہ نے ابن عطاء سے سنا ہے۔

---

۱ فتح الباری۔ ج ۲ ص ۲۵۳ ۲ ابوداؤد۔ باب: افتتاح الصلوٰۃ ص ۱۰۶، ترمذی۔ ج ۱ ص ۴۰۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: باب صفة الصلوٰۃ

۳ فتح الباری۔ ج ۲ ص ۲۵۴ ۴ ابوداؤد۔ باب: من ذکر التورک ص ۱۳۸

۵ طحاوی۔ باب: صفة الجلوس فی الصلوٰۃ کیف ہو ص ۱۲۶

"وقال ابو صالح" اور "كل فقار مكانه" کی توجیہ

یعنی یہ طریق ابوصالح بھی وہی لفظ ہے جو بہ طریق یحییٰ بن بکیر ابھی مذکور ہوا' یعنی "كل فقار مكانه"؛ "وقال ابن المبارك" اس کا مطلب یہ ہے کہ بہ طریق عبداللہ بن مبارک جو روایت ہے' اس میں صرف فقار ہے مکانہ' نہیں۔ "حتى يعود كل فقار مكانه" پر یہ اشکال ہے کہ مکانہ کی ضمیر کا مرجع فقار ہے اور یہ جمع ہے اور جمع مؤنث کے حکم میں ہے' اس کی طرف واحد مذکر کی ضمیر کا لوٹانا درست نہیں۔ اس کا جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ اس میں لفظ فقار کی رعایت کی گئی ہے یا مجموعہ فقار کو مجازاً واحد مان لیا گیا۔ "فقار" "فقارة" کی جمع ہے' ریڑھ کے مہرے کے معنی میں ہے' اور قفار' قفر کی جمع ہے' جس کے معنی جنگلی میدان کے ہیں' یہ یہاں درست نہیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج٦ ص ١٠٤)

٥٢٣- ح: فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ

[(جب) کھڑے ہو گئے تو پہلی دو رکعتوں میں نہیں بیٹھے]

٥٢٣- اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ قَالَ وَهُوَ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَهُوَ حَلِيْفٌ لِبَنِيْ عَبْدِمَنَافٍ وَّكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهٗ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور یہ قبیلۂ ازد شنوءہ سے تھے جو بنی عبدمناف کے حلیف تھے' اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ظہر پڑھائی تو دو پہلی رکعتوں میں بیٹھے نہیں' کھڑے ہو گئے اور حضور کے ساتھ سب لوگ کھڑے ہو گئے' جب نماز پوری ہو گئی اور لوگ حضور کے سلام پھیرنے کا انتظار کر رہے تھے کہ حضور نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور دو سجدے کیے سلام پھیرنے سے پہلے' اس کے بعد سلام پھیرا۔

(بخاری۔ ج١۔ کتاب الاذان۔ باب: من لم ير التشهد الاول واجبا ص ١١٤' باب: التشهد في الاولى ص ١١٥' کتاب التہجد۔ باب: ما جاء في السهو اذا قام من ركعتي الفريضة ص ١٦٣' ج٢۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا حنث ناسيا في الايمان ص ٩٨٦' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: جو پہلے تشہد کو واجب نہ جانے۔ امام بخاری کے علاوہ امام شافعی' امام مالک وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ پہلا قعدہ اور اس میں تشہد پڑھنا واجب نہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر واجب ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہونے کے بعد یاد آتے ہی لوٹتے اور قعدہ کرتے اور تشہد پڑھتے' مگر ہمارا مذہب مختار اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ قعدۂ اولیٰ بھی واجب ہے اور اس میں تشہد بھی واجب۔ ہماری دلیل یہ حدیث بھی ہے' وہ اس طرح کہ اگر قعدۂ اولیٰ اور تشہد واجب نہ ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے پر حضور سجدۂ سہو کیوں کرتے۔ علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مداومت اور ایسی پابندی فرمائی ہے کہ ایک بار بھی ترک نہیں فرمایا' بالفرض اگر کبھی بھول گئے تو تلافی کے لیے سجدۂ سہو کیا؛ یہ وجوب کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں متعدد احادیث بھی ہیں' حضرت ابن عباس کی تشہد والی حدیث میں "قولوا" اور حضرت ابن مسعود کی حدیث میں "فقولوا" ہے' یہ صیغہ امر ہے جو وجوب کی دلیل ہے۔

٥٢٤- ح: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ

[بے شک اللہ سلام ہے]

٥٢٤ - قَالَ عَبْدُاللّٰهِ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ وَمِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوْهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو کہتے: جبریل اور میکائیل پر سلام ہو فلاں اور فلاں پر سلام ہو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری طرف رخ انور فرمایا اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ سلام ہے' جب تم نماز پڑھو تو کہو: تمام قولی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں' ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو! جب تم یہ کہو گے تو آسمان وزمین میں جتنے اللہ کے نیک بندے ہیں' سب کو سلام پہنچ جائے گا' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

(بخاری۔ باب: التشہد فی الآخرہ ص ١١٥' باب: ما یتخیر من الدعاء بعد السلام ص ١١٥' کتاب التہجد۔ باب: من سمی قومًا او سلم فی الصلٰوۃ ص ١٦٠' ج ٢۔ کتاب الاستیذان۔ باب: السلام اسم من اسماء اللّٰہ ص ٩٢٠' باب: الاخذ بالیدین ص ٩٢٦' کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء فی الصلٰوۃ ص ٩٣٦' کتاب التوحید۔ باب: قول اللّٰہ السلام المؤمن ص ١٠٩٨' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصلٰوۃ' ترمذی۔ کتاب الصلٰوۃ۔ کتاب النکاح' نسائی۔ کتاب التطبیق۔ کتاب السہو' ابن ماجہ۔ کتاب الاقامۃ۔ کتاب النکاح' دارمی۔ کتاب الصلٰوۃ' مؤطا امام مالک' مسند امام احمد۔ ج ١ ص ٢٩٢' وغیرہ)

تکمیل

اس کے بعد باب ''ما یتخیر من الدعاء بعد السلام'' میں یہ ہے کہ ہم لوگ یہ کہتے تھے: اللہ پر سلام ہو اس کے بندوں کی طرف سے۔ اور الاستیذان باب ''الاخذ بالیدین'' میں ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح تشہد سکھایا کہ میرا ہاتھ حضور کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا جیسے آپ قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے۔ ابوداؤد میں امام بخاری کے شیخ مسدد کی روایت میں یہ اضافہ ہے: جب ہم بیٹھتے۔ نیز دوسرے طرق میں ہے کہ اس (تشہد) کے پڑھنے کے بعد جو دعا اسے سب سے زیادہ پسند ہو' پڑھے۔

السّلام علٰی فلان

ابن ماجہ میں ہے کہ فلاں اور فلاں سے مراد فرشتے لیتے۔ بخاری ہی میں التہجد۔ باب: ''من سمی قوما فی الصلٰوۃ'' میں یہ بھی ہے کہ ہم میں سے بعض بعض کو سلام کرتے۔

فالتفت

کتاب التہجد' باب: ''من سمی قوما فی الصلٰوۃ'' میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن لیا' تو فرمایا: یہ کہو۔

فان اللّٰہ ھو السّلام

اس روایت میں اختصار ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے کہ وہ یہ بھی کہتے تھے: ''السلام علی اللّٰہ من عبادہ'' یہ ارشاد اسی سے ممانعت کے لیے ہے۔ ممانعت کی وجہ ظاہر ہے کہ ہر نعمت ہر خیر کا عطاء فرمانے والا اللہ عزوجل ہی ہے' اگر بندے عیوب ونقائص سے پاک ہیں' یا آفات وحوادث سے محفوظ رہتے ہیں تو اسی کے فضل سے رہتے ہیں۔ اب بندوں کا مذکورہ بالا باتوں کا کہنا اُلٹا ہے۔

فلیقل

کب کہتے یہ اس روایت میں نہیں ہے، مگر الاستیذان۔ باب: ''السلام اسم من اسماء اللّٰہ'' میں اور الدعوات۔ باب: ''الدعاء فی الصلوٰۃ'' میں ہے کہ جب تم نماز میں بیٹھو تو کہو۔ نسائی میں ہے: جب تم دو رکعت پر بیٹھو تو کہو۔ اسی میں بہ طریق اسود ہے: ہر جلسہ میں کہو۔ ہمارے نزدیک ہر قعدہ میں تشہد واجب ہے، دلیل یہی امر ہے۔ علاوہ ازیں دار قطنی وغیرہ نے اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ تشہد کے فرض ہونے سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے کہ کیا کہیں! مگر چونکہ یہ خبر واحد ہے، خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، وجوب ثابت ہوتا ہے۔

التحیات

یہ تحیۃ کی جمع ہے اس کے یہ معانی ہیں: سلام، بقاء، عظمت، آفات و نقائص سے سالم رہنا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی ملک بادشاہ کے ہیں۔ ابو سعید ضریر نے کہا: اس سے خود بادشاہ مراد نہیں، بلکہ وہ کلمات مراد ہیں جن سے بادشاہ کو سلام کیا جاتا تھا، یہاں تعظیم مراد ہے۔

والصّلوات

یہاں نور محمد اور رشیدیہ کے مطبوعہ نسخے میں بغیر واؤ کے ہے، مگر مطبع ہاشمی کے مطبوعہ میں واؤ ہے۔ نیز فتح الباری اور عمدۃ القاری اور ارشاد الساری اور تیسیر القاری میں بھی یہاں واؤ ہے۔ نیز مصری مطبوعہ جو حاشیہ سندی کے ساتھ چھپی ہے، اس میں بھی واؤ ہے۔ اس کے علاوہ بخاری میں یہ روایت جتنی جگہ ہے ہر جگہ واؤ ہے، یعنی ''و الصلوات'' اس سے یا تو تمام نمازیں مراد ہیں خواہ وہ فرائض ہوں، خواہ نوافل خواہ واجبات، یا تمام عبادات مراد ہیں یا تمام دعائیں یا رحمت۔

والطیبات

اس سے اچھے اقوال مراد ہیں یا اقوال و اعمال دونوں۔ شیخ حافظ الدین نسفی نے فرمایا کہ تحیات سے عبادات قولیہ اور الصلوات سے عبادات بدنیہ اور الطیبات سے عبادات مالیہ مراد ہیں۔

السّلام علیك

ہم یہ پہلے ذوالیدین والی حدیث میں بتا آئے ہیں کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ نماز میں حضور سے کلام کرنا مفسد نماز نہیں۔ اسی طرح یہ بھی خصائص سے ہے کہ مخاطب کر کے سلام کرنا بھی نماز کو فاسد نہیں کرتا بلکہ مکمل کرتا ہے۔

ایک نکتہ

تشہد کا سیاق یہ چاہتا تھا کہ بجائے خطاب کے یوں ہوتا: ''السلام علی النبی'' کیونکہ ابتداء میں ہے: ''التحیات للّٰہ'' اور آخر میں ہے: ''السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین'' تو مناسب یہی تھا کہ یوں ہوتا: ''السلام علی النبی''۔ علامہ طیبی نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہم بعینہ ارشادِ رسول کی اتباع کرتے ہیں جو حضور نے صحابہ کو تعلیم دی، وہی پڑھنا لازم ہے۔ اہل عرفان کے طریقے پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ نمازی نے تحیات پیش کر کے جب باب ملکوت کھولنے کی درخواست پیش کی تو انہیں حی الذی لا یموت کے حریم قدس میں حاضری کی اجازت ملی۔ مناجات سے مشرف ہو کر باغ باغ ہوئے تو انہیں خبردار کیا گیا کہ یہ شرف نبی رحمت کے واسطے اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔ اب انہوں نے دیکھا کہ حبیب، حبیب کی حریم میں جلوہ فرما ہے، تو حضور اقدس ﷺ

کی طرف یہ عرض کرتے ہوئے حاضر ہوگئے: آپ پر سلام ہو! اے اللہ کے نبی! امام غزالی نے احیاء العلوم[1] میں فرمایا:

واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیه وسلم وشخصه الکریم وقل سلام علیك ایها النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته لیصدق املك فی انه یبلغه ویرد علیك ما هو اوفی منه.

حضور کی ذاتِ مکرم کو اپنے دل میں حاضر کر اور کہہ: اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں تاکہ تیری یہ اُمید پوری ہو کہ تیرا سلام ان کی بارگاہ تک پہنچتا ہے اور وہ تیرے اس سلام کا جواب عمدہ دیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناضر ہیں

اقول باللہ التوفیق: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غیوبت بہ اعتبار ظاہر کے ہے ورنہ اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم میں حاضر وناظر ہیں۔ شفاء شریف میں حضرت عمرو بن دینار کا یہ ارشاد منقول ہے: جب تم گھر میں داخل ہو اور کوئی نہ ہو تو کہو: ''السلام علی النبی ورحمة اللہ وبرکاته'' اس کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

لان روحه صلی اللہ علیه وسلم حاضر فی بیوت اهل الاسلام.

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہر مسلمان کے گھر میں حاضر ہے۔

(ج ۲۔ فصل: فی المواطن التی یستحب فیها الصلوٰة والسلام ص ۱۱۷)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ ''سلوک اقرب السبل فی التوجہ الی الرسل'' میں فرماتے ہیں: یہ رسالہ اخبار الاخیار کے حاشیے میں چھپا ہے' ص ۱۵۵' سے ص ۱۶۲ تک ہے۔

باچندیں اختلافات وکثرت مذاہب در علماء اُمت است یک کس رادریں مسئله خلافے نیست که آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بلاشائبه مجاز و توهم تاویل دائم وباقی اندوبر احوال امت حاضر و ناظر۔ (ص ۱۶۱)

علماءِ اُمت کے درمیان اتنے کثیر اختلافات اور مذاہب کے باوجود اس مسئلے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرت حقیقی زندگی کے ساتھ جس میں نہ مجاز کا شائبہ ہے نہ تاویل کا وہم دائم اور باقی ہیں اور اُمت کے احوال پر حاظر وناظر ہیں۔

یہ مضمون خود قرآن مجید سے ثابت ہے' ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًاO (الاحزاب: ۴۵)

ہم نے تم کو حاضر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجاO

اور بعینہ یہی کلمات طیبات سورۂ فتح آٹھویں آیت میں بھی ہیں۔

شاہد کے حقیقی معنی حاضری کے ہیں' حدیث میں نماز جنازہ کی دعا میں ہے:

اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا.

اے اللہ! ہمارے زندہ ہمارے مردہ ہمارے حاضر ہمارے غائب کو بخش دے!

مشہور حدیث ہے:

[1] احیاء العلوم۔ ج ا ص ۱۵۱

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. حاضر غائب کو میرا پیغام پہنچادے۔

ان دونوں حدیثوں میں غائب سے تقابل نے متعین کر دیا ہے کہ شاہد بہ معنی حاضر ہے اور وہ حاضر جو بینا ہو ناظر ضرور ہو گا' تو حاضر کے لیے ناظر ہونا لازم۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ فرمایا: اے محبوب! ہم نے تم کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا۔

اور ارشاد ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (الاحزاب:۶) نبی مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان سے قریب ہیں۔

بانی مدرسہ دیوبند مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس (ص ۱۰) میں لکھا ہے: "النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم" بعد لحاظ صلہ من انفسہم کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اُمت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں' کیونکہ اولیٰ بہ معنی اقرب ہے اور اگر بہ معنی احب یا اولی بالتصرف ہو' جب بھی یہی بات لازم آئے گی کیونکہ احبیت اور اولویت بالتصرف کے لیے اقربیت تو وجہ ہو سکتی ہے' پر بالعکس نہیں ہو سکتا۔ قرب کے لیے حاضر ناظر ہونا لازم ہے' تو اس آیت سے بھی ثابت کہ حضور اقدس ﷺ حاضر ناظر ہیں۔

جب حضور اقدس ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو حضور کی غیوبت بہ اعتبار ظاہر ہوئی' ورنہ حقیقت میں حضوری ہے۔ اس لیے صیغہ خطاب کے ساتھ ندا اور سلام بلا کسی دغدغے کے درست۔ حضرت شیخ اپنے دوسرے رسالے میں فرماتے ہیں:

بعضے عرفاء از ارباب تحقیق گفته اند که آنحضرت باعتبار سریان حقیقت وے صلی اللہ علیه وسلم در ذرائر موجودات و احاطه ذات' بابرکات وے بسائر ممکنات در ذات مصلی حاضر و شاهد است درود بصیغه خطاب در حقیقت ملاحظه آن حضور و شهود است صلی الله علیک یا رسول الله وسلم۔

(اشعۃ اللمعات۔ ص ۳۲۳)

بعض عرفاء اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اس اعتبار سے کہ حضور اقدس ﷺ کی حقیقت موجودات کے تمام ذروں میں سرایت کیے ہوئے ہے اور حضور کی ذات تمام ممکنات کو محیط ہے۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ مصلی کی ذات میں حاضر و شاہد موجود ہیں اور درود بصیغہ خطاب حقیقت میں حضور اقدس ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے لحاظ سے ہے۔

الفاظ تشہد

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ مزید گیارہ صحابہ کرام سے تشہد مروی ہے' جن میں کچھ الفاظ کی کمی زیادتی اور ردّ و بدل ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عمر' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ' حضرت ابن زبیر' حضرت جابر' حضرت ابو سعید خدری' حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت معاویہ' حضرت سلمان' حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہم' حضرت سمرہ' حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہم۔ احناف کا مختار حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی ترجیح کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) ترمذی[1] نے فرمایا: تشہد کے بارے میں نبی ﷺ سے مروی

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۳۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب التشہد

احادیث میں سب سے زیادہ صحیح حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے' اور صحابہ تابعین میں سے اکثر اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ حصیف سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ تشہد کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے تو فرمایا: تم ابن مسعود کے تشہد کو اختیار کرو[1] طبرانی میں یہ ہے کہ ابو بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: تشہد کے بارے میں ابن مسعود کی حدیث سے زیادہ اچھی کوئی حدیث میں نے نہیں سنی' کیونکہ انہوں نے اسے نبی ﷺ تک پہنچایا ہے۔ ابن منذر اور ابو علی طوسی نے کہا کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث متعدد طریقوں سے مروی ہے۔ اور یہ نبی ﷺ سے تشہد کے بارے میں مروی احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ خطابی نے کہا کہ اس سلسلے کی تمام روایتوں سے صحیح ترین اور مشہور ترین حدیث ابن مسعود کے تشہد کی ہے۔ ابو عمرو نے کہا کہ حضرت ابن مسعود کے تشہد کو اکثر اہل علم نے اختیار کیا' اس لیے کہ یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اسے پڑھا۔ امام نووی نے فرمایا: بہ اتفاقِ محدثین سب سے زیادہ صحیح ابن مسعود کی حدیث ہے' پھر ابن عباس کی۔ بزار نے کہا: تشہد میں سب سے زیادہ صحیح ابن مسعود کی حدیث ہے' یہ بیس سے زائد طریقوں سے ابن مسعود سے مروی ہے۔ میں تشہد میں اس سے زیادہ ثابت اور بہ اعتبارِ سند کے زیادہ صحیح جس کے رواۃ سب سے زیادہ مشہور ہوں' کوئی حدیث نہیں جانتا ہوں۔ امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اسے بارہ طریقوں سے روایت فرمایا' پھر فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ دیگر دعاؤں کی طرح تشہد نہیں کہ جن الفاظ سے چاہیں پڑھ لیں۔ اس کے لیے ماثور الفاظ ضروری ہیں اور تشہد کے دوسرے صیغے دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان کے الفاظ میں اختلافات ہیں اور حضرت ابن مسعود کے تشہد میں کسی روایت میں اختلاف نہیں' سب طرق ان الفاظ پر متفق ہیں' اور ظاہر ہے کہ مختلف کے بجائے متفق لینا زیادہ بہتر ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں: میں نے اسے حضور اقدس ﷺ کے دہن مبارک سے اخذ کیا ہے' حضور نے ایک ایک کلمہ مجھے سکھایا۔ بخاری کی روایتیں گزریں کہ اس طرح سکھایا کہ جیسے قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے اور میرا ہاتھ حضور کے دونوں مبارک ہاتھوں میں تھا۔ امام برہان الدین مرغینانی' صاحب ہدایہ نے اس تشہد کی ترجیح میں فرمایا کہ اس میں امر ہے' جو اصل میں وجوب کے لیے اور "الاقل استحباب" کے لیے۔ اس میں الف لام استغراق کے لیے ہے' اس میں واؤ ہے جو تجدید کلام و تاکید تعلیم پر دلالت کرتا ہے۔ ان الفاظ کی پابندی حضرت ابن مسعود کے نزدیک اتنی تھی کہ اگر کوئی کچھ زیادہ کر دیتا تو منع فرماتے۔ طبرانی کی معجم اوسط میں ہے کہ حضرت ابن مسعود ایک شخص کو تشہد سکھا رہے تھے' اس نے پہلی شہادت پر "وحدہٗ لا شریك له" کہہ دیا تو فرمایا کہ اللہ عزوجل ایسا ہی ہے مگر میں نے جو بتایا ہے اسی پر اکتفاء کر۔ بزار میں ہے کہ آپ ایک شخص کو بتا رہے تھے' اس نے "اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ" کہتے وقت اشہد چھوڑ دیا' تو آپ نے اسے ٹوکا۔ بار بار یہی ہوا تو فرمایا: ہم کو ایسے ہی سکھایا گیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ تشہد میں بسم اللہ پڑھتا ہے تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: بسم اللہ کھانے پر ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

بخاری' کتاب الاستیذان' باب: "الاخذ بالیدین" میں ہے' جب تک حضور ہماری نظروں کے سامنے تھے' ہم یوں ہی تشہد پڑھتے رہے' جب ہم سے اٹھا لیے گئے تو ہم السلام علی النبی ﷺ پڑھنے لگے۔ علاوہ بخاری کے متعدد محدثین نے اپنی اپنی کتب میں اسے ذکر کیا ہے۔ مثلاً ابو عوانہ' سراج' جوزقی' ابو نعیم' بیہقی بلکہ مصنف عبد الرزاق میں تو یہاں تک ہے کہ صحابہ نے بعد وصال السلام علیک کہنا چھوڑ دیا تھا۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۱۱۴

اقول: ان روایات کے باوجود پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ تشہد میں صیغہ خطاب ہی کے ساتھ سلام عرض کیا جائے گا۔

تشہد میں اخفاء

ابوداؤد[1] میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ فرمایا: تشہد کو آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

تشہد دونوں قعدوں میں ہے

نسائی میں ہے کہ فرمایا: جب تم کسی بھی دو رکعت پر بیٹھو تو تشہد پڑھو۔ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے: حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط نماز میں اور آخر نماز میں تشہد پڑھنے کی تعلیم دی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ٦ ص ١١١)

٥٢٥- ح: كَانَ يَدْعُوْ فِي الصَّلٰوةِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز میں (یہ) دعا کرتے تھے]

٥٢٥- عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ فِي الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَّا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ سَمِعْتُ خَلَفَ بْنَ عَامِرٍ يَقُوْلُ فِي الْمَسِيْحِ وَالْمَسِّيْحِ لَيْسَ بَيْنَهُمْ فَرْقٌ وَّهُمَا وَاحِدٌ أَحَدُهُمَا عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْآخَرُ الدَّجَّالُ. وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيْذُ فِيْ صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اس پر ایک کہنے والے نے آپ سے کہا: حضور! اکثر قرض سے پناہ کیوں مانگتے رہتے ہیں؟ تو فرمایا: انسان قرض لیتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا ہے۔ اور محمد بن یوسف نے کہا: میں نے خلف بن عامر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مسیح اور مسّیح میں فرق نہیں، دونوں ایک ہیں، ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرا دجال ہے۔ زہری، عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ اپنی نماز میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الدعاء قبل السلام ص ١١٥، کتاب الاستقراض۔ باب: من استعاذ من الدين ص ٣٢٢، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ تمام فی کتاب الصلوٰۃ، باب: الدعاء قبل السلام ص ١١٥)

یہ دعاء قعدۂ اخیرہ میں درود کے بعد مانگی جائے گی۔ اس کا محل بتانے کے لیے امام بخاری نے اس پر یہ عنوان قائم فرمایا ہے: سلام سے قبل دعا۔ اس پر قرینہ عقلیہ یہ قائم ہے کہ نماز کے بقیہ ارکان کے لیے اذکار مخصوص ہیں، مثلاً قیام میں قراءت، رکوع و سجود میں تسبیح، قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد اور ثانیہ میں تشہد اور درود، تو دعا کے لیے اس کے بعد ہی گنجائش ہے اور قرینہ منقولہ یہ ہے: ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے۔ ابن ماجہ[2] میں ہے: جب تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے پناہ مانگو: جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب

---

[1] ابوداؤد۔ ج ١ ص ١٤٢، کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اخفاء التشہد

[2] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: ما یقال بعد التشہد والصلوٰۃ ص ٦٦

سے' زندگی اور موت کے فتنے سے' مسیح دجال کے فتنے سے۔ نیز اسی میں[1] حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں ہے: جب قعدہ کا وقت آئے تو تمہارا پہلا ذکر تشہد ہونا چاہیے' علاوہ ازیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد والی احادیث کی بعض روایتوں میں ہے: اس کے بعد جو چاہے دعا پڑھنا اختیار کر لے۔

فتنة

فتنہ کے معنی امتحان' آزمائش کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کو مخاطب کر کے عرض کیا: ''اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ'' (الاعراف:۱۵۵) یہ تیری ہی آزمائش ہے' مگر مطلقاً آزمائش کے معنی میں اس کا استعمال عرف میں کم ہے۔ اب اس کا اکثر استعمال ناگوار بات کے آزمانے میں ہوتا ہے' اور اب گناہ' کفر' قتال' جلانے اور کسی چیز سے پھیرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

المحیا و الممات

یہ دونوں مصدر میمی ہیں' بہ معنی حیات و موت۔ ثلاثی معتل العین سے مصدر میمی اور ظرف ایک ہی ہوتا ہے' اس لیے اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ ظرف مکان یا ظرف زمان ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ زندگی اور موت کی جگہ یا موت کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں۔ زندگی کا فتنہ دنیا پر فریفتہ ہو کر اس میں پھنس جانا اور شہوات و جہالتوں میں گرفتار ہونا ہے' ان میں سب سے سخت سوءِ خاتمہ ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ! موت کے فتنے سے مراد یا تو جانکنی کی سختی ہے' یا قبر میں نکیرین کی آمد اور ان کے سوالات اور شیطان کی دخل اندازی ہے۔

المغرم

غرم کا مصدر میمی ہے' بہ معنی قرض۔ اس کا فتنہ یہ ہے کہ انسان بلاضرورتِ شرعیہ قرض لے۔ یا مراد یہ ہے کہ قرض لے کر ہڑپ کرنے کی نیت ہو یا ادائیگی کی استطاعت ہوتے ہوئے ادا میں تاخیر کرے' ورنہ عند الضرورت قرض خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے لیا ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' (المائدہ:۶۸) اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا' پھر اس تعوذ کے کیا معنی' دجال کے بارے میں خود فرمایا کہ اخیر زمانے میں آئے گا' پھر اس سے تعوذ کی کیا حاجت؟ شراحِ حدیث نے فرمایا کہ یہ اُمت کی تعلیم کے لیے ہے اور اس کے شر کے بہت زیادہ خطرناک ہونے کو بتانے کے لیے ہے' نیز اظہار عبودیت اور تواضع کے لیے بھی۔

مسیح اور مسیّح

لفظ مسیح کی تحقیق جلد اوّل میں گزر چکی۔ ابوالہیثم نے کہا تھا کہ دجال مسیّح سین کے تشدید کے ساتھ ''سکّیت'' کے وزن پر ہے اس کے معنی وہ ہیں: جس کی خلقت بگاڑ دی گئی ہو۔ اس کے ازالے کے لیے امام بخاری نے خلف بن عامر ہمدانی مشہور محدث کا قول نقل فرمایا کہ لفظ مسیح اور مسیّح میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ہوتا ہے اور دجال پر بھی' لیکن مطلق بول کر حضرت عیسیٰ ہی کو مراد لیتے ہیں اور دجال کو صرف مسیح نہیں کہتے' مسیح دجال کہتے ہیں۔ مسیح کا مادہ مَسْح ہے' جس کے معنی پونچھنے کے ہیں۔ دجال کو مسیح کہتے ہیں' بہ معنی مفعول پونچھا ہوا' چونکہ وہ کانا ہے' اس کی ایک آنکھ غائب ہے' گویا پونچھی ہوئی ہے یا اس لیے کہ خیر سے دور

---

[1] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: اذا قرأ الامام فانصتوا ص۶۱

خالی ہے' گویا خبر پوچھ لیا گیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح بہ معنی فاعل بولتے ہیں کیونکہ وہ بیمار پر ہاتھ پھیر دیتے تھے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا' یا اس کا مادہ مساحت ہے' اب مسیح بہ معنی فاعل کے معنی ہوئے سیاحت کرنے والا' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تبلیغ کے لیے ہمیشہ چلتے رہے اور کہیں مکان نہیں بنوایا' اس لیے ان کو مسیح کہا جاتا ہے اور دجال چالیس دن میں پوری دنیا میں گشت کرے گا' اس لیے اس کو بھی مسیح کہا جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ مسیح کو عربی مانیں' مگر یہ طے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مسیح کا اطلاق انجیل میں بھی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے' البتہ انجیل میں بجائے چھوٹی سین کے بڑی شین ہے' معرب کر کے چھوٹی سین بولتے ہیں۔ عبرانی میں مشیح بہ معنی صدیق ہے' البتہ یہ طے ہے کہ دجال کے ساتھ جو مسیح ہے' وہ عربی ہے۔

وعن الزهری

مراد یہ ہے کہ سند مذکور کے ساتھ یہ حدیث امام زہری سے مطول اور مختصر دونوں طرح مروی ہے۔ مطول پہلے ذکر کی اور اب مختصر بیان فرمایا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سننے کی تصریح فرما رہی ہیں۔

مسائل

نماز میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعاء سنت ہے' احناف کے یہاں دعاء ماثورہ کے علاوہ ایسی دعا بھی کر سکتا ہے جو ماثورہ دعاؤں اور قرآن مجید کے کلمات کے مشابہ ہو۔ ایسی دنیوی باتوں کی دعا جو انسان بھی پوری کر سکتا ہو' نماز میں جائز نہیں۔ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی' اس لیے کہ یہ ملحق بالکلام ہے۔ مسلم شریف[1] میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہماری اس نماز میں کلام ناس کی قطعاً گنجائش نہیں' یہ صرف تسبیح تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے۔ امام شافعی اور امام مالک ہر قسم کی دعا کی اجازت دیتے ہیں۔

٥٢٦- ح: عَلِّمْنِي دُعَاءً اَدْعُوْا بِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ

[مجھے کوئی دعا سکھا دیں جسے میں نماز میں مانگا کروں]

٥٢٦ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً اَدْعُوْا بِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیں جسے میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو فرمایا: یہ دعا مانگو: اے اللہ! میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا' گناہ صرف تو ہی بخشتا ہے' مجھے بخش دے' ایسی بخشش جو تیری بارگاہ قدس سے ہو اور مجھ پر رحم فرما' یقیناً تو بخشش والا مہربان ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الدعاء قبل السلام ص ۱۱۵' ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء فی الصلوۃ ص ۹۳۶' مسلم' ترمذی۔ کتاب الدعوات' نسائی۔ کتاب الصلوۃ۔ کتاب القنوت' ابن ماجہ۔ کتاب الدعاء)

٥٢٧- ح: اِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَآءُ

[جب سلام پھیرتے تو عورتیں اٹھ کھڑی ہوتیں]

٥٢٧ - عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہند بنت الحارث سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام پھیر کر فارغ ہو

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۰۳۔ کتاب المساجد۔ باب: تحریم الکلام فی الصلوۃ

إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَآءُ حِيْنَ يَقْضِى تَسْلِيْمَهُ وَمَكَثَ يَسِيْرًا قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأُرٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَنَّ مَكْثَهُ لِكَىْ يَنْفُذَ النِّسَآءُ قَبْلَ اَنْ يُّدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ.

جاتے تو عورتیں اُٹھ کھڑی ہوتیں اور حضور کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہرتے۔ ابن شہاب نے کہا: میرا گمان ہے' واللہ اعلم کہ حضور کا ٹھہرنا اس لیے تھا کہ عورتیں چلی جائیں' اس سے پہلے کہ نمازیوں میں سے واپس ہونے والے ان سے مل سکیں۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: التسلیم ص ۱۱۶' باب: مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام ص ۱۱۷' ابوداؤد' نسائی۔ کلاھما فی کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

باب: ''مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام'' میں ہند بنت الحارث کا یہ تعارف مذکور ہے کہ یہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے تلامذات میں سے تھیں۔ نیز یہ بھی ہے کہ یہ ازواجِ مطہرات کی خدمت میں آتی جاتی تھیں۔ اور معبد بن مقداد کی زوجہ تھیں' جو بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ ایک طریقے میں اخیر میں یہ ہے کہ حضور سلام پھیرتے اور حضور کے لوٹنے سے پہلے عورتیں واپس ہو جاتیں اور اپنے گھر پہنچ جاتیں۔

''فِرَاسِيَّة'' یا ''قُرَشِيَّة''

اس باب میں تین طریقوں سے ان کی صفت ''الفراسية'' آئی ہے اور دو طریقوں سے ''القرشية'' اور ایک طریقے میں ''امراۃ من قریش'' آیا ہے۔ ''فراسية'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ بنی فراس سے تھیں' شجرۂ نسب یہ ہے: فراس بن غنم بن ثعلبہ بن مالک بن کنانہ۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ اب ان کو قرشیہ کہنا درست نہیں۔ اس لیے کہ قریش بر بنائے قول صحیح' یا تو نضر بن کنانہ کا لقب ہے یا فہر بن مالک بن نضر کا۔ ہم نے نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۲۴۲' رقم: ۷ میں بتا آئے ہیں کہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے' اس لیے کہ نضر کی نسل صرف مالک سے اور مالک کی صرف فہر سے چلی' تو جو بھی نضر کی نسل سے ہوگا وہ فہر کی بھی نسل سے ضرور ہوگا۔ اور فراس کے شجرۂ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ فراس نضر کی اولاد نہیں' پھر ہند بنت الحارث' قرشیہ کیسے ہوئیں؟ اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ قریش کنانہ کا لقب ہے' مگر یہ صحیح نہیں۔ اس کے معارض صحیح حدیث موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اولادِ اسمٰعیل میں سے کنانہ کو' اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا[1]۔ علامہ عینی نے ابن تین سے نقل فرمایا کہ ان کو قرشیہ اس لیے کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کے شوہر معبد بن مقداد' قریش کے حلیف ہو گئے تھے۔ اس کی تائید امام بخاری کی اس تصریح سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے شوہر بنی زہرہ کے حلیف تھے' یہ تابعیہ خاتون ہیں۔

ت ۱۷۰ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ اَنْ يُّسَلِّمَ مَنْ خَلْفَهُ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے پسند کرتے تھے کہ جب امام سلام پھیرے تو امام کے پیچھے والے بھی سلام پھیریں۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: یسلم حین یسلم الامام ص ۱۱۶)

سلام فرض نہیں' واجب ہے

یہاں امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے: امام کے ساتھ مقتدی سلام پھیرے' مگر اثر میں ''اذا'' ہے جو بہ ظاہر شرط کے لیے ہے اور مشروط کا تحقق شرط کے بعد ہوتا ہے' جس سے متبادر ہوتا ہے کہ مقتدی امام کے بعد سلام پھیرے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ یہاں

[1] مسلم۔ کتاب الفضائل۔ ج ۲ ص ۲۴۵۔ باب: فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم' ترمذی۔ ج ۲ ص ۲۰۱۔ باب: ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۰۷

"اذا" شرط کے لیے نہیں بلکہ اپنے اصلی معنی ظرف کے لیے ہے' تو اس کا معنی یہ ہوا کہ جس وقت امام سلام پھیرے' مقتدی بھی اسی وقت اس کے ساتھ سلام پھیریں' مقارنت مستحب ہے۔ اور نفس سلام یہاں واجب ہے اور امام شافعی' امام مالک' امام احمد وغیرہ کے ہاں فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مفتاح الصلٰوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم.

نماز کی کنجی پاکی ہے اور اس کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارة۔ باب: فرض الوضوء ص ۹' ایضاً۔ کتاب الصلٰوة۔ باب: تحريم الصلٰوة وتحليلها ص ۹۱' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارة۔ باب: مفتاح الصلٰوة الطهور ص ۳' ایضاً۔ باب: مفتاح الصلٰوة الطهور ص ۲۴' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارة۔ باب: مفتاح الصلٰوة الطهور ص ۲۴' دارمی۔ کتاب الوضوء ص ۲۲' مسند امام احمد۔ ج ا ص ۱۲۹)

ان کا استدلال یہ ہے کہ یہاں مصدر مضاف مبتدا ہے اور مصدر معرف باللام خبر' یہ ترکیب مفید حصر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز سے باہر آنا منحصر ہے سلام کہنے میں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ (۱) اس حدیث کے ایک راوی ابن عقیل ضعیف ہیں۔ (۲) یہ خبر واحد ہے۔ یہ ثبوت فرضیت کے لیے کافی نہیں۔ (۳) ان اعرابی کو جنہوں نے نماز صحیح نہیں پڑھی تھی' انہیں صحیح نماز کی تعلیم دی مگر سلام کو ذکر نہیں فرمایا' اگر سلام فرض ہوتا تو اسے بھی ضرور ذکر فرماتے۔ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تو نے یہ کہہ لیا یا کر لیا تو تیری نماز پوری ہو گئی۔ اس میں بھی سلام کا ذکر نہیں۔ (۵) نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۱۱۴ میں حدیث: ۲۷۹ گزری کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھائی اور سلام پھیر دیا' پھر جب عرض کیا گیا تو اپنے پائے اقدس کو موڑا اور قبلہ کو منہ کیا اور سجدۂ سہو فرمایا' اگر سلام فرض ہوتا تو جبکہ چار رکعت پر سلام نہیں پھیرا تھا تو نماز فاسد ہو جانی چاہیے تھی' سجدۂ سہو سے کام نہ چلتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں' واجب ہے' جس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہے۔ نیز امام شافعی وغیرہ کی مستدل حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث مذکور "تحليلها التسليم" بھی ہے' جو وجوب ہی کی دلیل ہے' اس لیے کہ خبر واحد مفید وجوب ہے نہ کہ مفید فرضیت۔

۵۲۸- ح: اَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ [نماز سے فارغ ہونے پر بلند آواز سے ذکر کرنا]

۵۲۸- اَخْبَرَنِىْ عَمْرٌو اَنَّ اَبَا مَعْبَدٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَعْلَمُ اِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ اِذَا سَمِعْتُهٗ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں لوگوں کے نماز سے فارغ ہونے کو ذکر سے جانتا تھا جب میں اس کو سنتا تھا۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الذكر بعد الصلٰوة ص ۱۱۶' مسلم' ابوداؤد۔ کلاھما فی کتاب الصلٰوة)

۵۲۹- ح: كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ [نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کو تکبیر (کی آواز) سے پہچاننا]

۵۲۹- اَخْبَرَنِىْ اَبُوْ مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کو تکبیر سے پہچانتا تھا۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ. (ایضاً)

علم ومعرفت کا فرق

پہلی حدیث میں ''اَعْــلَـمُ'' ہے اور دوسری حدیث میں ''اَعْــرِفُ'' ہے، حالانکہ علم ومعرفت میں فرق ہے۔ معرفت کا استعمال جزئیات میں ہے اور علم کا کلیات میں، یہاں واقعہ جزئیہ ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں علم بہ معنی معرفت ہے۔ پہلی حدیث میں ذکر اور دوسری میں تکبیر ہے، تکبیر ذکر ہی کا فرد ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقصود تکبیر میں انحصار نہیں مطلقاً ذکر مسنون ہے۔ مثلاً کلمہ طیبہ پڑھنا، درود شریف پڑھنا سب ذکر کے افراد ہیں۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، ورنہ سلام سے نماز کے اختتام کو جان لیتے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ وہ عہد نبوی میں بالغ نہ تھے، مگر اس کا بھی احتمال ہے کہ بچہ ہونے کی وجہ سے پچھلی صفوں میں ہوتے ہوں اور سلام نہ سنتے ہوں مگر ذکر اور تکبیر بلند آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سبھی مقتدی کرتے تھے، اس لیے اس کو سن لیتے تھے۔

ت ۱۷۱ - قَالَ عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ كَانَ اَبُوْ مَعْبَدٍ اَصْدَقَ مَوَالِي ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَلِيٌّ وَّاسْمُهُ نَافِذٌ.

علی بن مدینی نے کہا کہ ہمیں سفیان نے عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلاموں میں سب سے سچے معبد ہیں اور علی بن مدینی نے کہا: ان کا نام نافذ ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۱۱۶، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

اس کے ذکر کی ضرورت یہ آن پڑی کہ مسند امام احمد[1] اور مسلم[2] میں ہے کہ حضرت عمرو بن دینار نے بعد میں حضرت ابو معبد سے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے اس سے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمرو بن دینار نے کہا: آپ نے اسے مجھ سے ذکر کیا ہے، اس وجہ سے اس حدیث کی صحت میں شبہہ ہو گیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن مدینی سے مذکورہ بالا روایت ذکر کر کے یہ بتانا چاہا ہے کہ اس سے اس حدیث کی صحت میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ یعنی یہ حدیث امام بخاری کے نزدیک اس درجے کی اعلیٰ صحیح ہے کہ اس صحیح میں درج کے قابل ہے۔ اور یہی امام مسلم نے بھی افادہ فرمایا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ راوی حدیث ذکر کرنے کے بعد بھول جائے اور روایت کرنے والا عادل ہو تو اس کی روایت امام شافعی کی طرح ان دونوں بزرگوں کے نزدیک مقبول ہے، مگر ہمارا مذہب مختار تفصیل ہے، جو عمدۃ القاری میں مذکور ہے۔

۵۳۰- ح: ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ [دولت مند حضرات]

۵۳۰ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ الْفُقَرَآءُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ مِنَ الْاَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَا وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِّنْ اَمْوَالٍ يَّحُجُّوْنَ بِهَا وَيَعْتَمِرُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِمَا اِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تنگ دست افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دولت مند حضرات نے بڑے بڑے درجے اور دوامی نعمت حاصل کر لی، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں وہ لوگ بھی رکھتے ہیں اور انہیں مال کی وجہ سے برتری حاصل ہے، وہ اس سے حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے

[1] مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۲۲ [2] مسلم۔ کتاب المساجد۔ باب: الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۲۱۷

اَخَذْتُمْ بِهٖ اَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ اَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ اَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ اِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهٗ تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ خَلْفَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا فَقَالَ بَعْضُنَا نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ تَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُنَّ كُلُّهُنَّ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ.

ہیں (جن سے ہم محروم ہیں)' یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو ایسا عمل نہ بتا دوں کہ اگر اسے کرو تو جو لوگ تم سے آگے بڑھے ہیں' انہیں پالو اور تمہارے بعد والے تمہیں نہ پاسکیں اور موجودہ لوگوں میں تم سب سے بہتر ہو جاؤ؟ مگر وہ جو اس کے مثل عمل کرے' سبحان اللہ اور الحمد للہ' اور اللہ اکبر ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار پڑھا کرو۔ اس کے بعد ہم نے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار' تو میں نے حضور سے پھر پوچھا تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر کہو' یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس بار ہو جائے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الذکر بعد الصلٰوۃ ص۱۱۶' ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء بعد الصلٰوۃ ص ۹۳۷' کتاب الرقاق۔ باب: ما یکرہ من قیل و قال ص۹۵۸' کتاب القدر۔ باب: لا مانع لما اعطی ص۹۷۹' کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکرہ من کثرۃ السوال ص۱۰۲۸' مسلم۔ کتاب الصلٰوۃ۔ کتاب المساجد' ابوداود۔ کتاب الصلٰوۃ۔ کتاب الوتر' ترمذی۔ کتاب المواقیت' نسائی۔ کتاب السہو' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلٰوۃ' دارمی۔ کتاب الصلٰوۃ' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۹۳)

"دثور"، "دثر" کی جمع ہے' اس کے معنی مالِ کثیر کے ہیں' یعنی زیادہ مال والے۔ ابوداود[1] میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے اور سوال کرنے والے بھی یہی تھے۔ ترمذی[2] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اللہ اکبر چونتیس بار پڑھنے کو فرمایا اور لا الٰہ الا اللہ' دس مرتبہ۔ مسلم[3] میں اس حدیث کا اخیر حصہ یہ ہے کہ اس کے بعد فقراء پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے مال دار بھائیوں نے سن لیا اور انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا تو ارشاد فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطاء فرمائے۔ بزار میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں یہ زائد ہے: اے محتاجو! کیا تمہیں یہ بات خوش نہیں کرتی کہ تم لوگ مال داروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جاؤ گے۔[4] ابوداود[5] میں ہے کہ اسے اس دعا پر ختم کرے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خلف کل صلٰوۃ

یعنی فرائض کے بعد جیسا کہ مسلم[6] میں حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث میں مکتوبہ کی قید ہے' جن فرائض کے بعد نوافل ہیں' ان میں نوافل کے بعد پڑھے۔

---

[1] ابوداود۔ ج ۱ ص ۲۱۱۔ کتاب الصلٰوۃ۔ باب: التسبیح بالحصا

[2] ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۵۔ کتاب الصلٰوۃ۔ باب: التسبیح فی ادبار الصلٰوۃ

[3] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۱۹۔ کتاب المساجد۔ باب: استحباب الذکر بعد الصلٰوۃ

(بقیہ حوالہ جات اگلے صفحہ پر)

مسائل

اس میں اختلاف ہے کہ فقیر صابر افضل ہے کہ غنی شاکر۔ حضراتِ صوفیہ کا مختار یہ ہے کہ فقیر صابر افضل ہے' اس لیے کہ وصول الی اللہ کا مدار تہذیب نفس اور ریاضت اور دل جمعی پر ہے اور یہ دولت فقراء کے حصے میں ہے' مگر یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ غنی شاکر اگر عبادات میں فقیر صابر کے برابر ہے اور صدقات و دیگر عباداتِ مالیہ کرتا ہے تو وہ افضل ہے۔ غبطہ' رشک اچھی باتوں میں مذموم نہیں' البتہ حسد مذموم ہے' رشک یہ ہے کہ کسی کے فضل و کمال' نعمت و عزت کو دیکھ کر یہ آرزو کرے: کاش کہ مجھے بھی یہ نعمت ملی ہوتی بغیر اس کے کہ اس کے زوال کی خواہش کرے۔ اور حسد یہ ہے کہ یہ تمنا ہو کہ وہ نعمت اس سے زائل ہو جائے اور مجھے مل جائے۔ اعمالِ حسنہ میں مسابقت مستحسن ہے۔

۵۳۱- ح: كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ

[آپ (ﷺ) کا ہر فرض نماز کے بعد دعا پڑھنا]

۵۳۱ - عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اَمْلٰى عَلَيَّ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِيْ كِتَابٍ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بِهٰذَا وَقَالَ الْحَسَنُ جُدٌّ غِنًى.

حضرت مغیرہ بن شعبہ کے کاتب ورّاد نے کہا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے معاویہ کے نام ایک خط میں مجھ سے لکھوایا کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے: سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے ملک ہے' اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' اے اللہ! جو تو عطاء فرمائے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جسے تو منع فرما دے اسے کوئی دینے والا نہیں[۱] تیرے مقابلے میں کسی دولت مند کو اس کی دولت نفع نہ دے گی۔ اور شعبہ نے عبد الملک سے کہا' اور حسن نے کہا کہ جد کے معنی غنی ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۱۱۷)

''الجد'' امام نووی نے فرمایا: مشہور روایت جس پر جمہور ہیں' جیم کا فتح ہے' اس کے معنی یہ ہیں: غنی' حظ' بخت' عظمت' یہاں سب معنی درست نہیں۔ ظاہر ہے کہ ''مِنْ'' بدل کے لیے ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ. (التوبہ: ۳۸) — کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے۔

اور فرمایا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ○ (الزخرف: ۶۰) — اگر ہم چاہیں تو تمہارے بدلے زمین میں فرشتے کر دیں جو تمہاری جگہ لے لیں ○

اور مضاف محذوف ہے یعنی طاعت' اب یہ معنی ہوئے: کسی دولت مند کو اس کی دولت تیری طاعت کے عوض نفع نہیں دے گی جوہری نے کہا کہ مِنْ معنی میں عند کے ہے۔ اب معنی یہ ہوئے کہ کسی دولت مند کو اس کی دولت تیرے حضور نفع نہ دے گی یعنی اگر اس

---

۴ عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۱۲۸

۵ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۱۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: التسبیح بالحصی

۶ مسلم۔ ج ۱ ص ۲۱۹۔ کتاب المساجد۔ باب: استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ

نے اسے طاعت میں صرف نہیں کیا ہے۔ ابن تین نے کہا: یہاں من نہ تو عند کے معنی میں ہے اور نہ بدل ہے' بلکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''لا ینفعك منی شی ان انا اردتك بسوء'' اگر میں تیرے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرلوں تو تجھے کوئی چیز نفع نہ دے گی۔ اب یہاں معنی یہ ہوئے کہ اگر اللہ عزوجل کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو کسی کو اس کی دولت وعظمت وغیرہ نفع نہ دے گی۔ ترجمہ یہ ہوگا: تیرے مقابلے میں کسی دولت مند کو اس کی دولت نفع نہ دے گی۔

مسند عبد بن حمید میں بہ روایت معمر بن عبدالملک بن عمر ''ولا راد لما قضیت'' ہے اور ''ولا معطی لما منعت'' نہیں' بہتر یہ ہے کہ دونوں کو پڑھ لیا جائے۔

قال الحسن

اس اثر کو ابن ابی حاتم اور عبد بن حمید نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے' اللہ عزوجل کے ارشاد ''وَاَنَّـهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا'' (جن: ۳) کی تفسیر میں امام حسن بصری نے فرمایا کہ ''جـد'' بہ معنی غنٰی ہے' ترجمہ یہ ہوا: اور بے شک ہمارے رب کی غنٰی بلند ہے۔ اس نے نہ بیوی بنائی نہ اولاد' یعنی قطعاً اسے کسی کی کوئی حاجت نہیں' وہ ہر مستغنی سے بڑھ کر مستغنی ہے۔ اثر میں ''جـد'' بلاتنوین ضمہ کے ساتھ ہے برسبیل حکایت۔

۵۳۲- ح: اِذَا صَلّٰی صَلٰوۃً اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ

[آپ (ﷺ) کا نماز کے بعد روئے انور (صحابہ) کی طرف پھیرنا]

۵۳۲ - عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی صَلٰوۃً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب کسی بھی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا روئے انور ہماری طرف فرماتے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: یستقبل الامام الناس اذا سلم ص ۱۱۷' کتاب الجنائز۔ باب ص ۱۸۵' مسلم' ترمذی' نسائی۔ کلھم فی کتاب الرؤیا)

یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے جو کتاب الجنائز میں مفصل مذکور ہے۔ مفصل حدیث وہیں مذکور ہوگی۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس حدیث کا سیاق یہ بتا رہا ہے کہ حضور کی عادتِ کریمہ یہی تھی کہ ہر نماز کے بعد سلام پھیر کے رُخ انور صحابہ کرام کی طرف کرلیا کرتے تھے۔ ''اذا صلی صلوۃ'' میں ''صلوۃ'' کی تنکیر بھی اسی پر دلالت کرتی ہے' مگر یہ عموم کلی طور پر صحیح نہیں' اس لیے کہ متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ کبھی رخ انور دائیں طرف کرتے' کبھی بائیں طرف۔

۵۳۳- ح: كَافِرٌ بِیْ وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ

[میرے منکر اور ستاروں کو ماننے والے]

۵۳۳ - عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ اَنَّهٗ قَالَ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰی اِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی' بارش کے بعد جو رات میں ہوچکی تھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب رخ انور فرمایا اور دریافت فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ (فرمایا:) اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں میں کچھ

فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِیْ وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

مؤمن ہوئے' کچھ کافر۔ جن لوگوں نے یہ کہا: اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی' یہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں' ستاروں کے انکار کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم پر بارش فلاں فلاں پچھتر (ستارے) سے ہوئی' یہ میرے منکر اور ستاروں کے ماننے والے ہوئے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: یستقبل الامام الناس اذا سلّم ص ۱۱۷' کتاب الاستقاء۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل اتجعلون رزقکم انکم تکذبون ص ۱۴۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ حدیبیہ ص ۵۹۷' مسلم۔ کتاب الایمان' ابوداؤد۔ کتاب الطب' ترمذی۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب الاستقاء)

حدیبیہ

مکہ معظمہ کے قریب ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنویں کا نام ہے۔ اسی کے نام پر وہاں کی بستی کو بھی حدیبیہ کہتے ہیں' یہ حرم کے حدود میں سب سے زیادہ دور ہے' اس کا بعض حصہ حل میں ہے' بعض حرم میں ہے۔ ۶ھ کے ذوالقعدہ میں حضور اقدس ﷺ عمرے کی نیت سے تشریف لے جا رہے تھے۔ حدیبیہ پہنچے کہ مشرکین مکہ نے روک دیا اور صلح کا معاہدہ کر کے حضور اقدس ﷺ واپس ہو گئے۔ حسب قرارداد سال آئندہ ۷ھ میں عمرہ فرمایا' یہیں بیعت رضوان ہوئی تھی۔ حدیبیہ' حُدبا کی تصغیر ہے' جو ایک درخت کا نام ہے۔ اہل حجاز اسے بلاتشدید حُدَیْبِیَہ پڑھتے ہیں اور عراقی اخیر یا کی تشدید کے ساتھ' اور اکثر محدثین بھی مشدد ہی پڑھتے ہیں۔

مطرنا بنوء کذا

"نوء۔ نَاءَ یَنُوْءُ" نصر ینصر سے آتا ہے' اس کے معنی مشقت کے ساتھ اُٹھنا ہے۔ "نوء" کی جمع "انواء" ہے۔ یہ اٹھائیس ستارے ہیں' تیرہ دنوں پر ان میں سے ایک مغرب میں ڈوبتا ہے اور اس کے مقابل مشرق میں ایک طلوع ہوتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی ڈوبتا اور اس کا مقابل طلوع ہوتا تو زمانہ جاہلیت میں عرب کہتے ہیں کہ اب بارش ہوگی یا نفع ہوگا' جیسے ہمارے ہندوستان میں پچھتروں (ستاروں) کے بارے میں بارش کے سلسلے میں اعتقاد ہے۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ ستارے ہی بارش برساتے ہیں تو یہ اعتقاد کفر ہے اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ بارش باذنِ الٰہی برستی ہے' مختلف ستاروں کا طلوع و غروب اس کی علامت ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں' اس لیے یہ کہنا کہ فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی' ممنوع ہے اور یہ کہنا کہ فلاں پچھتر (ستارے) میں بارش ہوئی' جائز ہے۔

کذا

تین طرح آتا ہے' اوّل کاف تشبیہ' ذا اسم اشارہ' جیسے "زید فاضل و عمرو کذا"۔ دوسرے یہ کہ دو کلموں سے مرکب ہو کر ایک کلمہ ہو گیا اور یہ عدد کنایہ سے نہ ہو' جیسے حدیث میں ہے کہ بندے سے قیامت کے دن کہا جائے گا: "اتذکر یوم کذا و کذا فعلت کذا و کذا"۔ تیسرے دو کلمہ سے مرکب ہو کر کلمہ واحدہ ہے اور کنایہ عدد سے ہو' جیسے یہاں ہے۔ نسائی میں ہے: "مطرنا بنوء المجدح" مجدح کا دوسرا نام دبران ہے' یہ ایک سرخ تارہ ہے جو ثریا کے پیچھے رہتا ہے۔

کافر بی و مؤمن بالکوکب

یہاں کفر اور ایمان کے معنی لغوی ہیں' یعنی میرا منکر اور پچھتر (ستارے) کا ماننے والا ہے۔ سودا کا ایک شعر ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی نہ چھوٹے شیخ سے تسبیح زنار سلیمانی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا تو تحریر فرمایا:

شعر کا ظاہر مطلب جہاں تک شاعر نے مراد لیا ہوگا' یہ ہے کہ دانہ سلیمانی میں جس کی تسبیح عباد و زہاد رکھتے ہیں' شکل زنار موجود ہے۔ اس پر جمائلی لکیر ہوتی ہے اس کا رکھنا تمغائے فقر ہے' شاعر نے اس سے زائد غالباً کچھ نہ سمجھا ہوگا' یہ ایک بے ہودہ معنی ہے' مگر اتفاقاً اس کے قلم سے ایک لفظ ایسا نکل گیا جس نے اس شعر کو بامعنی و پر مغز کر دیا۔ وہ لفظ ثابت ہے۔ زنار کفار باندھتے ہیں۔ زنار زائل ہے کہ ایک جھٹکے میں ٹوٹ سکتا ہے اور دانہ سلیمانی میں جو اس کی تصویر ہے' وہ ثابت ہے کہ جب تک دانہ رہے گا' قائم رہے گی۔ یوں کفر دو قسم کا ہے' ایک کفر زائل جو کفار کا کفر ہے' ہر کافر موت کے بعد اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ قال تعالیٰ:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ (مریم:۸۲_۸۱)

انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنایا تاکہ ان کی عزت ہو ۝ ہرگز نہیں! عنقریب یہ ان کی عبادت سے کفر کریں گے اور ان کے مخالف ہوں گے ۝

دوسرا کفر ثابت ہے جسے علمائے دین نے جزو ایمان فرمایا ہے' یہ وہ ہے جسے قرآن عظیم فرماتا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۵۶)

جو شیطان کے ساتھ کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے' اس نے بلاشبہ مضبوط گرہ تھام لی جو کبھی نہ کھلے گی اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۝

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی قوم سے فرمایا:

اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ. (الممتحنہ:۴)

ہم بیزار ہیں تم سے اور اللہ کے سوا تمہارے معبودوں سے' ہم نے تم سے کفر و انکار کیا۔

اس کی پوری تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ فرمایا: ''مُؤْمِنٌ بِیْ کَافِرٌ بِالْکَوْکَبِ'' پھر فرمایا: ''کافر بی مؤمن بالکوکب''۔

نماز کے بعد انحراف

یہاں باب یہ باندھا ہے: سلام پھیرنے کے بعد امام لوگوں کی طرف رخ کرے' یہی ہمارا مذہب ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ فرض کے بعد نفل نہ ہو تو مڑے اور نفل ہو تو نہ مڑے' جیسا کہ دیوبندی کہتے ہیں۔ اوّلاً احادیث مطلق ہیں ان میں تخصیص نہیں۔ ثانیاً اس باب میں تیسری حدیث انس جو مذکور ہے اس میں نمازِ عشاء کا واقعہ ہے کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز آدھی رات تک مؤخر فرمائی' پھر ہم میں تشریف لائے' جب نماز پڑھ چکے تو ہماری جانب روئے انور فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں' ان میں بھی سلام کے بعد مصلیوں کی طرف رُخ کرنا سنت ہے اور تخصیص اس حدیث کے خلاف ہے۔ یہ حدیث نزہۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۴' رقم: ۳۸۱ پر گزر چکی ہے۔

۵۳۴- ح- يُصَلِّيْ فِيْ مَكَانِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ الْفَرِيْضَةَ

[آپ (ﷺ) جہاں فرض پڑھتے وہاں نفل بھی پڑھتے]

۵۳۴- عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ مَكَانِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ الْفَرِيْضَةَ

نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جہاں فرض پڑھتے وہیں نفل پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام ص ۱۱۷)

ت ۱۷۲ - وَفَعَلَهُ الْقَاسِمُ. (ایضا) اور یہی قاسم بن محمد نے بھی کیا۔

اس تعلیق کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ ان الفاظ میں روایت کیا کہ قاسم اور سالم فرض پڑھ کر اسی جگہ نفل پڑھتے تھے۔

ت ۱۷۳ - وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِي مَكَانِهِ وَلَمْ يَصِحَّ. (بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام ص ۱۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ امام اپنی جگہ نفل نہ پڑھے، انہوں نے اسے مرفوع کیا اور صحیح نہیں۔

جہاں فرائض پڑھے وہاں نوافل نہ پڑھے

احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جہاں فرائض پڑھے جائیں، وہیں نوافل نہ پڑھیں وہاں سے دائیں بائیں ہٹ کر پڑھیں۔ ابن ابی شیبہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام جب تک اپنی جگہ سے ہٹ نہ لے نفل نہ پڑھے[1] ابوداؤد[2] ابن ماجہ[3] اور مسند امام احمد میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام نے جہاں نماز (فرض) پڑھی وہیں نفل نہ پڑھے یہاں تک کہ ہٹ جائے، اس حدیث میں انقطاع ہے مگر انقطاع جمہور محدثین اور ہمارے نزدیک مضر نہیں۔

ویذکر

اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: کیا تم نماز میں آگے پیچھے دائیں بائیں ہونے سے عاجز ہو، یعنی نفل پڑھتے وقت۔ (ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی الرجل یتطوع فی مکانہ الذی صلی فیہ ص ۱۴۴، ابن ماجہ۔ باب: فی صلوٰۃ النافلۃ حیث یصلی المکتوبۃ)

ولم یصح

اس لیے کہ اس میں ابراہیم بن اسماعیل ہیں، جسے ابوحاتم نے مجہول کہا۔ نیز یہ حدیث تنہا لیث بن ابی سلیم نے روایت کی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کو بہ اختلاف الفاظ ابوداؤد نے روایت کیا اور اس پر سکوت کیا۔ ان کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ نیز مسلم میں اس کی مؤید دوسری حدیث موجود ہے۔ سائب بن یزید بن اخت نمر نے حضرت امیر معاویہ کے مقصورہ میں نماز پڑھی اور وہیں نفل بھی پڑھے تو حضرت معاویہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ آئندہ ایسا مت کرنا۔ جمعہ پڑھنے کے بعد وہیں نماز مت پڑھنا جب تک بات نہ کر لو یا وہاں سے نکل نہ جاؤ، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔

۵۳۵- ح: فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تیزی سے کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اپنی ازواج کے بعض حجروں

---

[1] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۴۷۸ [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۹۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامام یتطوع فی مکانہ

[3] ابن ماجہ۔ باب: ما جاء فی صلوٰۃ النافلۃ حیث یصلی المکتوبۃ ص ۱۰۴

حُجَرِ نِسَآئِهٖ

کی طرف تشریف لے گئے]

۵۳۵- عَنْ عُقْبَةَ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَآئِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ فَقَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ.

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ میں عصر پڑھی، حضور سلام پھیر کر تیزی سے کھڑے ہو گئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اپنی بیبیوں کے بعض حجروں کی جانب تشریف لے گئے، حضور کے تیزی کے ساتھ جانے پر لوگ گھبرا گئے، پھر حضور لوگوں کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ اس پر تعجب میں ہیں، پھر ارشاد فرمایا: میں نے یاد کیا کہ کچھ سونا ہمارے پاس ہے، میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ وہ مجھے (قیامت کے دن) روکے، اس لیے میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الاذان۔ باب: من صلی بالناس فذکر حاجته فتخطاهم ص ۱۱۷، باب: تفکر الرجل الشیء فی الصلوٰۃ ص ۱۶۳، کتاب الزکوٰۃ۔ باب: من احب تعجیل الصدقة من یومها ص ۱۹۲، ج ۲۔ کتاب الاستیذان۔ باب: من اسرع فی مشیه لحاجة او قصد ص ۹۲۸، نسائی، فتح الباری۔ ج ۲ ص ۸۷۴، ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامام یتطوع فی مکانه ص ۹۱، باب: ما جاء فی صلوٰۃ النافلة حیث یصلی المکتوبة ص ۱۰۲، ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی الرجل یتطوع فی مکانه الذی صلی فیه ص ۱۴۴، باب: فی صلوٰۃ النافلة حیث یصلی المکتوبة)

کتاب الزکوٰۃ میں "تبرا من الصدقة" ہے، اخیر میں یہ ہے کہ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ اسے رات بھر رکھوں۔ یہاں کی روایت میں یہ ہے: میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ وہ مجھے روکے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کا مال روکنا اچھا نہیں، جس قدر جلد ہو سکے مستحق کو دے دیا جائے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بہ ضرورت گردن پھلانگنا جائز ہے، اگرچہ وہ ضرورت واجب اور فرض نہ ہو۔ جمعہ کی اذانِ خطبہ مسجد کے باہر دینی سنت ہے۔ اس پر مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ لازم آئے گا کہ مؤذن اقامت کہنے کے لیے گردنیں پھلانگ کر آئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ ضرورت ہے اور ضرورۃً گردن پھلانگنا جائز ہے۔

ت ۱۷۴- وَكَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَّنْفَتِلُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ وَيَعِيْبُ عَلٰى مَنْ يَّتَوَخّٰى اَوْ مَنْ تَعَمَّدَ الْاِنْفِتَالَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ.

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (نماز کے بعد) اپنی دائیں اور بائیں دونوں طرف مڑتے تھے اور اس پر عیب لگاتے تھے جو بالقصد صرف دائیں طرف ہی مڑتا تھا۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال ص ۱۱۹)

۵۳۶- ح: لَا يَجْعَلْ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطٰنِ شَيْئًا مِّنْ صَلَاتِهٖ

[تم اپنی نماز سے کچھ شیطان کا حصہ مت کرو]

۵۳۶- قَالَ عَبْدُاللّٰهِ لَا يَجْعَلْ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطٰنِ شَيْئًا مِّنْ صَلَاتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَّمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَّنْصَرِفُ عَنْ يَّسَارِهٖ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنی نماز میں سے کچھ شیطان کا حصہ مت کرو، یہ سمجھ کر کہ صرف دائیں طرف پھیرنا واجب ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ دیکھا ہے کہ آپ بائیں جانب بھی روئے انور کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال ص ۱۱۸، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجه)

ہر فرض نماز کے بعد رخ موڑے

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اکثر یہی دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف روئے انور کرتے تھے' اسی میں اسی کے متصل نیز ابوداؤد[1] میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

وہ فرماتے ہیں: ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو یہ پسند کرتے تھے کہ دائیں طرف رہیں کہ حضور اپنا روئے انور ہماری طرف کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر دائیں طرف رُخ انور پھیرا کرتے تھے۔ حضرت انس کی حدیث میں اکثر' اور حضرت ابن مسعود کی حدیث میں کثیراً۔ دونوں میں تطبیق ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہمیشہ دائیں ہی طرف نہیں مڑتے تھے' زیادہ تر دائیں طرف مڑتے تھے۔ اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ بائیں طرف بھی مڑتے۔ ان احادیث میں اس کی تخصیص نہیں کہ صرف انہیں نمازوں کے بعد مڑتے تھے جن کے بعد نوافل نہیں' مطلق ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ہر نماز کے بعد مڑتے تھے خواہ اس کے بعد نوافل ہوں' خواہ نہ ہوں۔ ابھی حدیث گزری کہ نمازِ عشاء کے بعد رُخ انور صحابہ کی طرف پھیرا۔ ابوداؤد[2] میں ہے کہ حضرت ابورمثہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہی نماز یا اس جیسی کوئی اور نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی' حضرات ابوبکر اور عمر پہلی صف میں حضور کے دائیں کھڑے ہوتے تھے' اور ایک صاحب تھے جو تکبیر اولیٰ کے وقت حاضر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو دائیں بائیں سلام پھیرا' یہاں تک کہ ہم نے حضور کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھی' پھر ایسے ہی مڑے جیسے ابورمثہ یعنی خود وہ مڑے تھے۔ اس کے بعد وہ صاحب جو تکبیر اولیٰ کے وقت حاضر تھے' نفل پڑھنے لگے تو عمران کی طرف تیزی سے جھپٹے اور ان کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا' اور فرمایا: بیٹھ جا! اس لیے کہ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فصل نہیں ہوتا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک اُٹھائی اور فرمایا: اللہ نے تیری حق کی طرف رہنمائی کی۔ یہ حدیث بھی اس پر نص ہے کہ جن نمازوں کے بعد نوافل ہیں' ان کے بعد بھی انحراف مسنون ہے۔ اس میں "لِـمَ" یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف بلاضرورت پیٹھ کرنا' مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا اور ان کی بے ادبی ہے۔ یہ بات ہر نماز کے بعد پائی جاتی ہے' نماز میں تو بحکم شریعت اجازت ہے مگر نماز کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی طرف پیٹھ کی جائے۔

۵۳۷- ح: مَنْ اَكَلَ الثُّوْمَ فَلَا يَغْشَانَا

[جس نے لہسن کھایا وہ ہمیں نہ ملے]

۵۳۷- سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يُرِيْدُ الثُّوْمَ فَلَا يَغْشَانَا فِي مَسْجِدِنَا قُلْتُ مَا يَعْنِيْ بِهٖ قَالَ مَا اُرَاهُ يَعْنِيْ اِلَّا نِيئَهٗ وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اِلَّا نَتْنَهٗ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس درخت یعنی لہسن سے کھائے تو وہ ہماری مسجد میں ہم سے نہ ملے۔ عطاء نے کہا: میں نے پوچھا کہ اس سے آپ کی کیا مراد تھی؟ تو حضرت جابر نے بتایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ کچا لہسن مراد ہے۔ مخلد بن یزید نے ابن جریج سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بدبو مراد ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: ما جاء في الثوم النيّ ص ۱۱۸' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ترمذی۔ کتاب الاطعمۃ' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الولیمہ)

۵۳۸- ح: مَنْ اَكَلَ مِنَ الثُّوْمِ

[جس نے لہسن کھایا وہ ہرگز ہماری

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۹۰۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامام ينصرف بعد التسليم

[2] ابوداؤد۔ ج ا ص ۱۴۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: في الرجل يتطوع في مكانه الذى صلى فيه المكتوبة

فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا

[مسجدوں کے قریب نہ آئے]

٥٣٨- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّومَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں فرمایا: جو اس درخت یعنی لہسن میں سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: ما جاء فی الثوم النیی ص ۱۱۸' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ابوداؤد۔ کتاب الاطعم)

یہاں باب میں یہ بھی ہے: ''وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو لہسن یا پیاز کھائے خواہ بھوک کی وجہ سے خواہ بغیر بھوک کے' وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ ہو۔ ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث مروی نہیں' یہ امام بخاری کے تصرفات میں سے ہے' انہوں نے روایت بالمعنی کیا ہے۔ حضرت جابر کی اس حدیث کے بعض طرق میں 'البصل' پیاز' الکراث' گندنا کا بھی اضافہ ہے' اس لیے امام بخاری نے عنوان باب میں ''البصل'' کا اضافہ فرمایا۔ کچے لہسن' پیاز میں ایک تیز اور ناگوار بو ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد دیر تک منہ سے آتی رہتی ہے' اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کچا پیاز' کچا لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرما دیا۔ اسی پر قیاس کر کے فقہاء نے فرمایا کہ لہسن و پیاز کی تخصیص نہیں' ہر ایسی چیز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے' جس سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے' جیسے کراث' گندنا یا بیڑی سگریٹ' حقہ وغیرہ پی کر بو دور ہونے سے پہلے پہلے مسجد میں آنا' بلکہ مطلقاً کوئی بھی بدبودار چیز مسجد میں لانا منع ہے' جیسے مٹی کا تیل وغیرہ۔ اسی کے حکم میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے منہ میں بیماری کی وجہ سے بدبو ہو' یا جس سے لوگوں کو گھن آتی ہو جیسے مجذوم وغیرہ اور یہ حکم مسجد کے ساتھ خاص نہیں' مسلمانوں کے ہر مجمع کا یہی حکم ہے۔ اس کی علت مسلمانوں کی ایذاء رسانی بھی ہے اور فرشتوں کی بھی۔

٥٣٩- ح: مَنْ اَكَلَ ثُومًا اَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا

[جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ ہے]

٥٣٩- زَعَمَ عَطَاءٌ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ زَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ ثُومًا اَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا اَوْ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا فَسَاَلَ فَاُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ فَقَالَ قَرِّبُوهَا اِلَى بَعْضِ اَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ فَلَمَّا رَاٰهُ كَرِهَ اَكْلَهَا قَالَ كُلْ فَاِنِّي اُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ اُتِيَ بِبَدْرٍ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَاَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ فَلَا اَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ اَوْ فِي الْحَدِيثِ.

عطاء نے گمان کیا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لہسن یا پیاز کھائے تو ہم سے علیحدہ رہے' یا یہ فرمایا: ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر بیٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہانڈی پیش کی گئی جس میں کچھ سبز ترکاریاں تھیں۔ حضور نے اس میں بو محسوس فرمائی تو دریافت فرمایا: اس میں جو ترکاری تھی بتائی گئی' اس پر فرمایا: ان کے قریب کرو' اپنے بعض اصحاب کی طرف اشارہ فرمایا جو حضور کے ساتھ تھے' جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس کے کھانے کو ناپسند کیا' اس پر حضور نے فرمایا: تم کھاؤ! میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم نہیں کرتے۔ احمد بن صالح نے ابن وہب سے روایت کرتے ہوئے ''قدر'' کی جگہ ''بدر'' روایت کیا۔ ابن وہب نے کہا: یعنی سینی جس میں سبزیاں تھیں۔ لیث اور ابو صفوان نے یونس سے جو روایت کی ہے' اس میں

ہانڈی کا قصہ نہیں۔ اب میں نہیں جانتا یہ زہری کا قول ہے یا حدیث میں ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: ما جاء فی الثوم و البصل ص ۱۱۸، ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: ما یکرہ من اکل الثوم و البقول ص ۸۲۰، ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: الاحکام التی تعرف بالدلائل ص ۱۰۹۲، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد۔ کتاب الاطعمہ، نسائی۔ کتاب الولیمہ)

الٰی بعض اصحابہ

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ بعض اصحاب سے مراد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، اس لیے کہ مسلم[۱] میں ہے: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم تھے، اس وقت حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی عادت یہ تھی کہ کھانا تیار کر کے کل کا کل خدمت اقدس میں بھیج دیتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تناول فرما لینے کے بعد جو بچ رہتا خود وہ اور ان کے گھر والے کھاتے، کھانا جب واپس آتا تو پوچھتے: حضور کی انگلیاں کہاں پڑی تھیں؟ وہیں سے کھاتے۔ ایک دن کھانے میں لہسن ڈال دیا، حضور نے تناول فرمائے بغیر واپس فرما دیا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا لہسن حرام ہے؟ ارشاد فرمایا: حرام تو نہیں مگر مجھے پسند نہیں۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کچا لہسن کھانا جائز ہے اور پکا ہوا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے، البتہ اگر بو ہو تو جب تک اس کی بُو دور نہ ہو جائے تو مسجد یا مسلمانوں کے مجمع میں جانا منع ہے۔

قال احمد بن صالح

یعنی ابن وہب ہی نے امام زہری کے دونوں لفظ "قِدْر" اور "بِدْر" روایت کیے ہیں۔ کتاب الاعتصام میں امام بخاری نے "بدر" والی روایت کو اختیار فرمایا۔ اختلاف لفظ بتانے کے لیے امام بخاری نے یہ ذکر فرمایا ہے۔

لا ادری

یعنی یہ حدیث جابر بہ طریق یونس، لیث اور ابوصفوان دونوں نے روایت کی ہے، اس میں ہانڈی کا قصہ نہیں۔ "لا ادری" ہوسکتا ہے ابن وہب کا قول ہو۔ ہوسکتا ہے امام بخاری کا ہو، ہوسکتا ہے سعید بن عفیر امام بخاری کے شیخ کا ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ جب بہ طریق یونس میں "اتی بقدر" نہیں تو ہوسکتا ہے کہ یہ امام زہری کے بلاغات میں سے ہو۔

٥٤٠- ح: مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّا [جو اس درخت سے کھائے وہ ہمارے قریب نہ آئے]

٥٤٠ - عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مَا سَمِعْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الثُّوْمِ فَقَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ

عبدالعزیز نے کہا: ایک شخص نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لہسن کے بارے میں کیا سنا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص

[۱] مسلم۔ ج ۲ ص ۱۸۳۔ کتاب الاشربہ۔ باب: اباحۃ اکل الثوم، ترمذی۔ ج ۲ ص ۳۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: فی الرخصۃ فی اکل الثوم مطبوخا، مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۹۴

هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّا اَوْ لَا يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا.

اس درخت سے کھائے وہ ہمارے قریب نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: من اکل الثوم ص ۱۱۸، ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: ما یکرہ من الثوم والبقول ص ۸۲۰، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی کچا لہسن وغیرہ کھا کر مجمع میں آنا منع ہے۔

۵۴۱- ح: مَرَّ عَلٰى قَبْرٍ مَّنْبُوْذٍ فَاَمَّهُمْ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الگ تھلگ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں کی امامت کی]

۵۴۱- سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ مَّرَّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرٍ مَّنْبُوْذٍ فَاَمَّهُمْ وَصَفُّوْا عَلَيْهِ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

امام شعبی نے فرمایا: مجھے ان بزرگ نے خبر دی جو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے: حضور ایک الگ تھلگ قبر پر گزرے تو ان لوگوں کی امامت کی، لوگوں نے صف باندھی، میں نے پوچھا: اے ابوعمرو! کس نے یہ آپ سے بیان کیا؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباس نے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: وضوء الصبيان ومتى يجب الغسل ص ۱۱۸، کتاب الجنائز۔ الصفوف علی الجنائز۔ باب: صفوف الصبيان مع الرجال۔ باب: سنة الصلوٰة على الجنازة ص ۱۷۶، باب: صلوٰة الصبيان مع الناس على الجنائز ص ۱۷۷، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الجنائز)

تکمیل

"کتاب الجنائز. باب صفوف الصبيان مع الرجال" میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی قبر پر گزرے جسے رات میں دفن کیا گیا تھا۔ حضور نے دریافت فرمایا: اسے کب دفن کیا گیا ہے؟ عرض کیا: آج رات میں، فرمایا: مجھے کیوں نہیں بتایا؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے انہیں رات کی تاریکی میں دفن کیا ہے، ہم نے یہ پسند نہیں کیا کہ حضور کو بیدار کریں، حضور کھڑے ہوئے، ہم نے حضور کے پیچھے صف بندی کی۔ ابن عباس نے کہا: میں نے بھی، اس کے بعد حضور نے نماز پڑھائی۔ اور باب "الصفوف علی الجنائز" میں یہ زائد ہے کہ حضور نے چار تکبیریں پڑھیں۔

مطابقت وتوضیح

یہاں باب یہ ہے: بچوں کا وضو کرنا اور ان پر کب غسل اور طہارت واجب ہوتی ہے اور بچوں کی جماعت عیدین اور جنازوں میں شرکت اور ان کی صف کا حکم۔ اس باب میں چھ جزء ہیں، بچوں کے وضو کا حکم، ان پر غسل اور طہارت کب واجب ہوتی ہے، عیدین میں شرکت، جنازے میں شرکت، ان کا صف میں شامل ہونا۔ اس حدیث سے صراحۃً دو جز ثابت ہوئے ہیں، جنازے میں شرکت اور صف میں شامل ہونا۔ اور بہ طور لزوم وضو اور طہارت ثابت ہوتا ہے اور بہ طور قیاس عیدین میں شرکت کا حکم نکلتا ہے، یہ البتہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا ہے کہ ان پر غسل اور طہارت کب واجب ہوتی ہے، یہ دوسری حدیث سے ثابت کریں گے۔ امام بخاری نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ بچوں پر وضو واجب ہے یا نہیں، اس لیے کہ اگر واجب کہتے تو لازم آتا کہ وضو چھوڑنے سے گنہگار ہوں گے اور بچے مکلف نہیں اور اگر یہ کہتے کہ مستحب ہے تو لازم آتا کہ اگر بغیر وضو بھی نماز پڑھیں تو ان کی نماز درست ہو، اس لیے اس کو مبہم چھوڑ دیا۔ صحیح یہی ہے کہ نابالغ بچوں پر وضو یا غسل واجب نہیں، مگر جیسے فرمایا گیا:

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھو ابناء عشر سنین۔ بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نہ پڑھیں تو انہیں مارو۔

یہ حکم تعلیم وعادت ڈالنے کے لیے ہے اسی طرح انہیں وضو غسل اور طہارت کا بھی حکم دیتے تھے اور اگر کوتاہی کریں گے تو ان کی تادیب بھی کی جائے گی تاکہ وضو اور غسل کا طریقہ بھی سیکھ لیں اور انہیں عادت بھی پڑ جائے۔ بربنائے مذہب صحیح بعد دفن قبر پر اس وقت تک نماز پڑھی جاسکتی ہے جب تک کہ میت کا جسم پھٹے نہیں یہ چونکہ رات ہی میں دفن ہوئے تھے اس لیے بہر حال ان کا جسم محفوظ ہی رہا ہوگا۔ اغلب یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ ہو چکی تھی پھر حضور اقدس ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ انہیں خیر و برکت پہنچانے کے لیے پڑھی جیسا کہ خود ارشاد فرمایا کہ یہ قبریں تاریک رہتی ہیں۔ میری نماز سے اللہ عزوجل انہیں روشن فرماتا ہے اس کی نظیر حضور اقدس ﷺ کا آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز پڑھنا بھی ہے حالانکہ دفن سے پہلے بھی ان کی نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ یہ آٹھ سال کے بعد نماز صرف ان پر اظہار شفقت وترحم اور ایصال خیر و برکت کے لیے تھی چونکہ حضور اقدس ﷺ شارع بھی ہیں تو اپنے اختیار خصوصی سے اس قسم کے اقدامات فرما سکتے ہیں۔

٥٤٢- ح: اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ [جمعہ کے دن غسل واجب ہے]

٥٤٢ - عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل واجب ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: وضوء الصبیان ص ١١٨ کتاب الجمعہ۔ باب: فضل الجمعۃ ص ١٢١ باب: ھل علی من لا یشھد الجمعۃ غسل ص ١٢٣ کتاب الشہادات۔ باب: بلوغ الصبیان ص ٢٦٦، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث میں واجب کا لغوی معنی مراد ہے اس پر قرینہ واضحہ یہ ہے کہ عہد مبارک میں وجوب کے وہ فقہی معنی جو فقہاء نے بعد میں وضع کیے رائج نہ تھے۔ نیز اس کے معارض وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف[1] میں ابوداؤد[2] ترمذی[3] نسائی[4] ابن ماجہ[5] نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا تو وہ کافی ہے اور اچھا ہے اور جس نے غسل کر لیا تو اچھا ہے۔ یہ حدیث مختلف کتابوں میں سات صحابہ کرام سے مروی ہے۔ ابوداؤد ترمذی نسائی میں حضرت سمرہ بن جندب سے ابن ماجہ طحاوی بزار طبرانی میں حضرت انس سے بیہقی اور بزار میں حضرت ابو سعید خدری سے مسند عبد بن حمید مصنف عبد الرزاق اور مسند اسحٰق بن راھویہ کامل ابن عدی میں حضرت جابر سے حضرت ابو ہریرہ سے بزار میں اوسط طبرانی میں عبد الرحمٰن بن سمرہ سے اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے[6] اس حدیث کو باب کے اس جملے سے تعلق ہے کہ بچوں پر غسل کب واجب ہوتا ہے؟ مگر یہ اثبات اس پر موقوف ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری کے نزدیک جمعہ کا غسل واجب ہے۔

٥٤٣- ح: اَتَى الْعَلَمَ الَّذِىْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ [آپ (ﷺ) اس نشانی کے پاس تشریف لائے جو کثیر بن صلت کے مکان کے پاس ہے]

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ٦ ص ١٥٣
[2] ابوداؤد۔ ج ١ ص ٥١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرخصۃ فی ترک الغسل
[3] ترمذی۔ کتاب الجمعہ۔ باب: فی الوضوء یوم الجمعۃ۔ ج ١ ص ٦٥
[4] نسائی۔ ج ١ ص ٢٠٥۔ کتاب الجمعہ۔ باب: الرخصۃ فی ترک الغسل
[5] ابن ماجہ۔ کتاب الجمعہ۔ باب: فی الرخصۃ فی ذلک ص ٧٨
[6] عمدۃ القاری۔ ج ٦ ص ١٥٣۔ ١٦٥

٥٤٣- سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَقَالَ لَهُ رَجُلٌ شَهِدْتَ الْخُرُوْجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِيْ مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِيْ مِنْ صِغَرِهٖ اَتَى الْعَلَمَ الَّذِيْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ اَنْ يَتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تَهْوِيْ بِيَدِهَا اِلٰى حَلْقِهَا تُلْقِيْ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ اَتٰى هُوَ وَبِلَالٌ اَلْبَيْتَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا: (عید کی نماز کے لیے) جب حضور تشریف لے گئے تو آپ حضور کے ہمراہ تھے' انہوں نے فرمایا: ہاں تھا' اور اگر میرا یہ قریبی رشتہ نہ ہوتا تو میں ہمراہ نہ رہ پاتا کیونکہ میں بچہ تھا' حضور اس نشانی کے پاس تشریف لائے جو حضرت کثیر بن صلت کے مکان کے پاس ہے' پھر نماز کے بعد خطبہ دیا' پھر عورتوں کے پاس تشریف لائے' انہیں وعظ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ صدقہ کریں' تو ہوا یہ کہ عورت اپنے چھلوں کی طرف ہاتھ لے جاتی اور بلال کے کپڑے میں پھینک دیتی' اس کے بعد حضور اور حضرت بلال گھر واپس آئے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: وضوء الصبیان ص ١١٩' کتاب العیدین۔ باب: العلم بالمصلی ص ١٣٣' ج ٢۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ١٠٨٩' ابوداؤد' نسائی فی کتاب الصلوٰۃ)

کتاب الاعتصام میں یہ زائد ہے کہ حضرت ابن عباس نے نہ اذان کا تذکرہ کیا اور نہ اقامت کا' حضور نے صدقہ کا حکم دیا تو عورتیں کانوں اور ہاتھوں کے چھلے اتارنے لگیں تو حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا تو وہ ان کے پاس گئے۔ الحدیث

اتی العلم

علم کے معنی مینارہ' پہاڑ' جھنڈا' نشان علامت کے ہیں۔ یہاں مراد مطلق علامت ہے' جہاں حضور اقدس نماز عیدین پڑھتے تھے' وہاں کچھ نشانات بنا لیے گئے تھے۔ یہ جگہ مسجد نبوی سے ہزار ہاتھ کے فاصلے پر جانب مغرب کچھ شمال کو ہٹی ہوئی ہے۔ وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس جگہ عہد مبارک میں کثیر بن صلت کندی کا مکان نہیں تھا' بعد میں اس جگہ کے جنوب میں بنا ہے۔ کثیر بن صلت تابعی ہیں' عہد نبوی میں پیدا ہوئے' پھر مدینہ آئے اور بنی جموح کے حلیف بن گئے۔ ان کا اصلی نام قلیل تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کثیر رکھا' وہاں ان کا بہت بڑا گھر تھا۔ عہد اقدس میں وہاں کوئی عمارت نہیں تھی بلکہ بعد میں بھی میدان ہی رہا۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ عیدین صحرا میں پڑھنی مستحب ہے۔ اس حدیث سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سمجھدار بچہ مردوں کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور اگر امام بخاری کی مراد یہ ہو کہ بچوں کی مستقل صف بنانا اس سے ثابت ہے تو مشکل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس نابالغ ہوتے ہوئے جماعت میں شریک ہوئے اور نابالغ بچوں کی مردوں کے پیچھے مستقل صف ہوتی تھی' تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ اس وقت بھی اسی ترتیب سے صف بندی ہوئی ہوگی تو ثابت ہوا کہ نابالغ بچوں کو مستقل صف بنانا جائز ہے۔

٥٤٤- ح: اِذَا اسْتَاْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسْجِدِ

[جب تمہاری عورتیں تم سے رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں]

٥٤٤- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَاْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاْذَنُوْا لَهُنَّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہاری عورتیں تم سے رات کو مسجدوں میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: خروج النساء الی المساجد باللیل ص ١١٩' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

٥٤٥- ح: مَا اَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ

[آپ (ﷺ) اسے دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں جانے سے روک دیتے]

٥٤٥ - عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ قُلْتُ لِعَمْرَةَ اَوَمُنِعْنَ قَالَتْ نَعَمْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورتوں نے جو نیا ڈھنگ بنا رکھا ہے اگر رسول اللہ ﷺ اسے دیکھ لیتے تو انہیں مسجد سے روک دیتے' جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا۔ میں (یحییٰ بن سعید) نے عمرہ سے کہا: کیا انہیں روک دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں!

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب: خروج النساء الی المساجد ص ١٢٠' مسلم' ابوداود۔ کتاب الصلوٰۃ)

٥٤٦- ح: اِذَا اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَةُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا

[تم میں سے جب کسی کی بیوی تم سے (اجازت) چاہے تو اسے منع نہ کرے]

٥٤٦ - عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَةُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا.

سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کی بیوی تم سے اجازت چاہے تو اسے منع نہ کرے۔

(بخاری۔ کتاب الاذان۔ کتاب الاستیذان۔ باب: المرأۃ زوجھا بالخروج الی المسجد ص ١٢٠)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث میں دو قیدیں ہیں: رات کو اجازت اور مسجد جانے کی اجازت۔ اور دوسری حدیث مطلق ہے نہ مسجد کی قید ہے نہ رات کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کہیں بھی جانے کی اور کسی بھی وقت اجازت چاہیں تو اجازت دینی چاہیے مگر احادیث ایک دوسرے کی تفسیر ہوتی ہیں' مطلق کو مقید پر محمول کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ عینی نے پہلی حدیث کی شرح میں فرمایا: مگر میرے خیال میں دوسری حدیث کو پہلی حدیث کے ساتھ مقید کرنا مناسب نہیں' اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ماں باپ سے ملنے کی اجازت مانگیں تو نہ دی جائے' اس لیے ضروری ہے کہ دوسری حدیث پہلی حدیث سے مقید نہ کی جائے۔ دوسری حدیث کا مفاد یہ ہے کہ کسی فرض یا واجب یا مستحب کی ادائیگی کی اجازت مانگیں تو دے دی جائے۔ اس کے عموم سے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے بھی اجازت داخل ہے' اگرچہ دن میں اجازت چاہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث سے دن میں مسجد میں نماز کے لیے جانے کی اجازت ممنوع ہو' بقیہ اُمور کے لیے اجازت بدستور ہو۔

عورتوں کے لیے مسجد کی حاضری

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دونوں حدیثوں سے اس کی اجازت نکلتی ہے کہ عورتیں مسجد میں نماز باجماعت کے لیے جا سکتی ہیں' خواہ وہ پنجگانہ ہوں خواہ جمعہ و عیدین ہوں۔

اور یہی اصل حکم ہے' مگر یہ عہد رسالت کی بات ہے' جو عہد سراپا خیر و برکت کا تھا۔ نورِ نبوت سے عورتوں کے بھی اور مردوں کے بھی سینے معمور تھے۔ اللہ عزوجل کا شہود دلوں میں جاگزیں تھا۔ خشیت خداوندی غالب تھی' مگر آج جبکہ فتنہ و فساد' ہوا و ہوس کا تسلط ہے اس کی اجازت دینی ایسے فتنوں کا دروازہ کھولنا ہے' جس کے نتیجے میں مسلم معاشرہ تباہ و برباد ہوسکتا ہے۔ ایک خوش مزاج صاحب نے

ایک بار کہا تھا کہ اگر عورتوں کو مسجدوں میں حاضری کی اجازت دے دی جائے تو پھر سارے مرد پکے نمازی ہو جائیں گے۔ آج کی بات تو بہت دور پہنچ چکی ہے۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عہد کی بات بتائی ہے جو عہد صحابہ تھا کہ عورتوں نے جو ڈھنگ بنا لیے ہیں اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دیکھ لیتے تو مسجدوں میں انہیں آنے سے روک دیتے۔ یہ صرف اُم المؤمنین ہی سے نہیں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے' اللہ عزوجل سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ گھر کے اندر ہوتی ہے۔ جب باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانکتا ہے۔ نیز انہوں نے بڑے مبالغے کے ساتھ قسم کھا کر فرمایا: عورت کی گھر کے اندر کی نماز سے زیادہ پیاری اور کوئی چیز نہیں۔ ہاں! حج وعمرہ کی بات اور ہے۔ ایک عورت نے ان سے مسجد میں جمعہ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: گھر کے اندرونی حصے میں تیری نماز گھر والی سے بہتر ہے اور گھر کے اندر تیری نماز بیرونی کمرے سے بہتر ہے اور بیرونی کمرے میں نماز تیری قوم کی مسجد میں نماز سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن جو عورتیں مسجد میں آتیں انہیں کنکری مارتے تھے۔ آج کے حالات کی وجہ سے عورتوں کو مسجد میں آنے سے مطلقاً ممانعت ہے' دفع فتنہ اہم واجبات میں سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱- كِتَابُ الْجُمُعَةِ

[جمعہ کا بیان]

۵۴۷- ح: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

[ہم سے پچھلے (قیامت کے دن) سب سے آگے رہنے والے ہیں]

۵۴۷ - اَنَّ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ الْاَعْرَجِ مَوْلٰى رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ.

(کتاب الجمعۃ۔باب: فرض الجمعۃ ص ۱۲۰ باب: هل من لا يشهد الجمعة غسل ص ۱۲۳ مسلم نسائی۔ کتاب الجمعۃ)

عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج نے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ہم سب سے پچھلے قیامت کے دن سب سے آگے رہنے والے ہیں، ہاں! ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی، پھر یہ وہ دن ہے جس میں ان پر نماز فرض کی گئی تو وہ آپس میں اس کے بارے میں لڑ پڑے، اللہ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی تو یہ لوگ ہم سے پیچھے ہیں، یہودی ایک دن اور نصاریٰ دو دن۔

جمعہ فرض ہے

اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ جمعہ فرض ہے۔ اس کی فرضیت قرآن مجید اور احادیث اور قیاس سے ثابت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ. (الجمعۃ: ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی جانب تیزی سے بڑھو اور خریداری چھوڑ دو۔

امر وجوب کے لیے آتا ہے، ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے، تو اس آیت سے ثابت ہوا کہ خطبہ سننا فرض ہے اور خطبہ شرائط میں سے ہے، جب شرط کے لیے حضور فرض تو مشروط کے لیے بہ درجہ اولیٰ فرض ہوگا، پھر ترک بیع کا حکم اس کو اور مؤکد کرتا ہے، اس لیے کہ بقاء حیات کے لیے خرید و فروخت فرض اور ترک فرض، فرض کی ادائیگی ہی کے لیے ہو سکتا ہے، کسی مستحب کے لیے نہیں۔

احادیث اس بارے میں کثیر وارد ہیں۔ بیہقی نے حضرت جابر اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ. جان لو کہ اللہ عزوجل نے تم پر جمعہ فرض فرمایا ہے۔

ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الجمعة على من سمع النداء. جو اذان سنے اس پر جمعہ واجب ہے۔

(ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من تجب عليه الجمعة ص ۱۵۱)

نسائی نے سند صحیح علیٰ شرط مسلم کے ساتھ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

رواح الجمعة واجب على كل محتلم. جمعہ کے لیے جانا ہر بالغ پر واجب ہے۔

(نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: التشديد في التخلف عن الجمعة ص ۲۰۲)

قیاس سے اس طرح ثابت ہے کہ ظہر کا بدل ہے اور ظہر فرض ہے فرض کا بدل فرض ہی ہوگا۔ مستحب سنت نہیں ہوسکتا اور صحیح یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں جمعہ کی فرضیت قطعی ہے جو اس کا انکار کرے کافر ہے۔

بَيْدَ

''بَيْدَ''، ''غَيْرَ'' کا ہم وزن، ہم معنی اور ہم اعراب ہے۔ داؤدی نے کہا کہ یہ ''عَلٰی'' اور ''مَعَ'' کے معنی میں ہے اس صورت میں ظرفیت کی بناء پر منصوب ہوگا اور غیر کے معنی میں ہوگا تو استثناء کی بنا پر۔

الذی فرض

اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ عزوجل نے ان پر جمعہ کی تعیین فرمادی تھی اگر ہوتا تو مؤمن ہوتے ہوئے اسے ترک کیسے کرتے۔ ابن بطال نے کہا کہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا مگر ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ اختیار دے دیا تھا کہ چاہیں تو بدل لیں تو انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور جمعہ کا دن اختیار کرنے کی انہیں توفیق نہ ہوئی۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ ان کے لیے جمعہ کا دن بعینہ اللہ عزوجل نے متعین فرمایا مگر وہ نہ مانے اور دوسرے دن کو اختیار کیا تو اللہ عزوجل نے ان کے پسندیدہ دن کو مقرر فرما دیا۔ اس کی تائید امام سدی کے اس قول سے ہوتی ہے جسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا اللہ عزوجل نے یہود کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا مگر وہ نہ مانے اور عرض کیا: اے موسیٰ! اللہ عزوجل نے ہفتہ کے دن کچھ نہیں پیدا فرمایا اسی کو ہمارے لیے مقرر فرما دیں تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہفتے کے دن کو مقرر فرما دیا اور یہ ان سے مستبعد نہیں۔

فهدانا الله

اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اللہ عزوجل نے بالتصریح جمعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا دوسرے یہ کہ اس بارے میں ''من جانب اللہ'' کوئی نص نہیں مگر اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے دل میں القاء فرمایا۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن سیرین نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے پہلے ہی اہل مدینہ جمعہ پڑھنے لگے تھے۔ ابوداؤد[1] اور ابن ماجہ[2] میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے اسعد بن زرارہ نے پہلا جمعہ پڑھایا۔ اس سے مراد خاص نماز جمعہ پڑھنا ہے ورنہ جمعہ کا دن عرب میں پہلے ہی سے مکرم تھا۔

[1] ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الجمعة في القرى ص ۱۵۳ [2] ابن ماجہ۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فرض الجمعة ص ۷۷

حضور اقدس ﷺ کے اجداد کرام میں مرہ بن کعب کو یہ شرف حاصل ہوا کہ عروبہ کے دن لوگوں کو جمع کرتے اور انہیں خطبہ دیتے، نصیحت فرماتے۔ خاص کر انہیں اس کی تاکید کرتے کہ میری اولاد سے پیغمبر آخر الزماں پیدا ہوں گے، تم سب ان پر ایمان لانا۔ جمعہ ہی کو پہلے عروبہ کہتے تھے۔ (مدارج النبوۃ۔ ج۲ ص۱۱)

الیھود غدا

عبارت کی تقدیر یوں ہے: "یعظم الیھود غدا. یعظم النصاریٰ بعد غدٍ" یہود نے ہفتے کا دن اس لیے اختیار کیا کہ اللہ عزوجل نے دنیا کی تخلیق جمعہ کو مکمل کر لی، ہفتے کو کچھ بنانا باقی نہ تھا، تو انہوں نے کہا کہ اس دن ہم بھی کاروبار بند کریں گے اور اللہ عزوجل کا شکر کریں گے۔ نصاریٰ نے کہا کہ چونکہ اتوار سے عالم کی تخلیق شروع فرمائی تھی، اس لیے اس دن ہم اس کی عبادت کریں گے۔

۵۴۸- ح: اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیَغْتَسِلْ

[جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرے]

۵۴۸ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیَغْتَسِلْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم جمعہ کے لیے آؤ تو غسل کرو۔

(بخاری۔ کتاب الجمعہ۔ باب: فضل الغسل یوم الجمعۃ ص ۱۲۰، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الجمعۃ)

یہاں باب کے تین جز ہیں: جمعہ کے دن غسل کی فضیلت، بچوں کا جمعہ میں حاضر ہونا، عورتوں کا حاضر ہونا۔ حدیث کو پہلے جز کے ساتھ مناسبت ہے، مگر دوسرے اجزاء کے ساتھ نہیں، اگرچہ "احدکم" کے عموم میں بچے اور عورتیں داخل ہیں، مگر چونکہ ابھی حدیث گزری کہ فرمایا: جمعہ کا غسل ہر بالغ پر ہے، تو بچے نکل گئے۔ اور ابھی حدیث گزری کہ عورتوں کو مسجد میں نماز کے لیے جانے کی اجازت صرف رات کے ساتھ خاص ہے، اس لیے وہ بھی نکل گئیں، اس لیے امام بخاری نے کوئی حکم نہیں بیان فرمایا اور سوال کر کے چھوڑ دیا۔ "احدکم" کے عموم کو سامنے رکھ کر سوال بہر حال قائم ہی ہے، اگر عورتیں اور بچے اس عموم میں داخل ہیں تو ان کے لیے حاضری ضروری ہے اور اگر داخل نہیں تو ان کے لیے جمعہ کی حاضری ضروری نہیں۔ آگے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر ہے۔ اس سے جواب ہو گیا کہ بچوں پر جمعہ کی حاضری ضروری نہیں، رہ گئیں عورتیں تو وہ اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں جو گزر چکی کہ رات کو مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو دے دو۔ رات کے ساتھ تخصیص دلیل ہے کہ دن میں اجازت نہ دی جائے تو ثابت ہوا کہ ان پر جمعہ نہیں۔

افادہ

حدیث میں "اِذَا" اسم شرط ہے اور قضیہ شرطیہ کے صدق کے لیے مقدم و تالی کا صدق یا وجود ضروری نہیں، تو اس حدیث کی دلالت وقوع پر نہ ہوئی۔ اس سے ترشح ہوتا ہے کہ جمعہ فرض نہیں۔ اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ "اذا" اسی پر داخل ہوتا ہے جس کا وقوع یقینی ہو۔

یہ غسل جمعہ کے دن کی تعظیم کے لیے یا نماز جمعہ کے لیے۔ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ یہ نماز جمعہ کے لیے ہے۔ اور یہی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غسل کرنے کے بعد اگر اسی غسل سے نماز پڑھنے کا تو

غسل کا ثواب پائے گا' اور اگر غسل کے بعد کوئی ناقض وضو پایا گیا پھر وضو کیا اور نماز پڑھی تو غسل کا ثواب نہیں ملے گا۔ امام حسن بن زیاد نے فرمایا کہ یہ غسل جمعہ کے دن کی اظہار فضیلت کے لیے ہے' اس لیے صبح سے لے کر نماز سے پہلے پہلے جب بھی غسل کرے گا' غسل کا ثواب پائے گا اور یہی جمہور کا مذہب ہے' مگر اس پر بہت بڑا نقض یہ ہے کہ اگر نمازِ جمعہ کے بعد کوئی غسل کرے تو اسے غسل کا ثواب ملنا چاہیے' حالانکہ اس کا قائل کوئی نہیں۔

۵۴۹- ح: فَقَالَ وَالْوُضُوْءُ اَيْضًا [فرمایا: اور وضوء پر اکتفاء کرو]

۵۴۹ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ عُمَرُ اَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهٖ قَالَ اِنِّيْ شُغِلْتُ فَلَمْ اَنْقَلِبْ اِلٰى اَهْلِيْ حَتّٰى سَمِعْتُ التَّاْذِيْنَ فَلَمْ اَزِدْ اَنْ تَوَضَّاْتُ فَقَالَ وَالْوُضُوْءُ اَيْضًا وَّقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ بِالْغُسْلِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خطبہ میں جمعہ کے دن کھڑے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین اوّلین میں سے ایک صاحب آئے۔ حضرت عمر نے ان سے بلند آواز سے کہا: یہ کون سا وقت ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں کام میں مشغول تھا' اپنے اہل تک لوٹا بھی نہ تھا کہ میں نے اذان سنی اور صرف وضو کیا۔ حضرت عمر نے کہا: صرف وضو ہی پر اکتفاء! حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فضل الغسل یوم الجمعۃ ص ۱۲۰' مسلم' ترمذی)

رجل

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے' جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے" المهاجرين الاوّلين" مہاجرین اوّلین سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں' امام شعبی نے فرمایا: یہ وہ حضرات ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے' اور سعید بن مسیب نے فرمایا: یہ مہاجرین ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھی۔ کشاف میں ہے: یہ شرکاء بدر ہیں۔

ایۃ ساعۃ

مطلب یہ تھا کہ آپ کو اوّل وقت آنا چاہیے تھا' اتنی دیر کیوں کر دی؟ اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ آپ نماز سے کیوں رُکے رہے؟ " والوضوء ایضا" واؤ عاطفہ ہے' جس کا معطوف وہ جملہ ہے جو" ایة ساعة" کا مدلول ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ یہ واؤ ہمزۂ استفہام کا عوض ہے جیسے اس آیت" قَالَ فِرْعَوْنُ اٰٰمَنْتُمْ بِهٖ" (الاعراف: ۱۲۳) میں ایک قراءت" وَآمَنْتُمْ بِهٖ" بھی ہے' اس میں واؤ ہمزۂ استفہام کا عوض ہے۔

کان یامر بالغسل

اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جمعہ کے لیے جائے اسے چاہیے کہ غسل کرے' جو لوگ جمعہ کے دن غسل واجب جانتے ہیں' ان کی ایک دلیل اس حدیث کا یہ جملہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے' اور امر وجوب کے لیے ہے' مگر یہی حدیث ہماری بھی مستدل ہے کہ اگر جمعہ کے دن غسل واجب ہوتا تو حضرت عثمان بغیر غسل کے جمعہ کے لیے نہ آتے' اور اگر آ گئے تھے تو حضرت عمر انہیں غسل کے لیے واپس کرتے۔ یہ سب جمعہ کے دن صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا' تو ثابت ہو گیا کہ غسل واجب نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جن احادیث میں " فليغتسل" آیا ہے' ان میں امر وجوب کے لیے نہیں' نیز یہ بھی کہ

"واجب علی کل محتلم" میں واجب کے لغوی معنی مراد ہیں۔

ہمارا مذہب مختار یہ ہے کہ اذان اوّل ہی سے خرید وفروخت ممنوع ہے کیونکہ اگر اذان ثانی تک خرید وفروخت کی اجازت دی جائے تو بسا اوقات جمعہ فوت ہو جائے گا' چونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ابھی اذان اوّل شروع ہی نہ ہوئی تھی۔ اسے تو حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں شروع فرمایا ہے' اس لیے اس عہد میں خرید وفروخت کی ممانعت میں اسی کا اعتبار تھا۔ ہمارے نزدیک خرید وفروخت کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت خرید وفروخت کرنے والے گنہگار ہوں گے' مگر عقد بیع درست ہو جائے گا۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک بیع منعقد ہی نہ ہوگی۔

۵۵۰- ح: اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ

[جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل واجب ہے]

۵۵۰ - عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ اَشْهَدُ عَلٰى اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ اَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَّاَنْ يَّسْتَنَّ وَاَنْ يَّمَسَّ طِيْبًا اِنْ وَجَدَ قَالَ عَمْرٌو اَمَّا الْغُسْلُ فَاَشْهَدُ اَنَّهٗ وَاجِبٌ وَاَمَّا الْاِسْتِنَانُ وَالطِّيْبُ فَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَوَاجِبٌ هُوَ اَمْ لَا وَلٰكِنْ هٰكَذَا فِي الْحَدِيْثِ.

عمرو بن سلیم انصاری نے کہا کہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے فرمایا: جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل واجب ہے اور مسواک کرنا اور خوشبو لگانا اگر پائے۔ راوی حدیث عمرو نے کہا: غسل کے بارے میں تو گواہی دیتا ہوں کہ وہ واجب ہے لیکن مسواک اور خوشبو تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ واجب ہے یا نہیں' لیکن حدیث میں یوں ہی ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فضل غسل یوم الجمعۃ ص ۱۲۱' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الطہارۃ)

جمعہ کے دن مسواک کرنے اور خوشبو لگانے کا حکم

"قال عمرو" اس سے مراد راوی حدیث عمرو بن سلیم ہیں' یہ تشریک فی الذکر کے لیے تشریک فی الحکم ضروری نہیں جانتے تھے اس لیے غسل کے واجب ہونے پر یقین کیا اور مسواک اور خوشبو کے بارے میں شک کیا۔ ہمارے نزدیک اگرچہ یہ مسلم ہے کہ ذکر میں شرکت سے حکم میں شرکت لازم نہیں' مگر دوسرے دلائل سے غسل بھی مسواک اور خوشبو کی طرح واجب نہیں جیسا کہ گزر چکا۔ صحابہ کرام کو جمعہ کے دن خوشبو کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم ہر جمعہ کو کپڑوں کو خوشبو میں بساتے تھے۔ حضرت معاویہ بن قرہ نے کہا کہ میں نے اہل مدینہ میں تیس افراد کو دیکھا کہ وہ بھی یہی کرتے تھے۔

۵۵۱- ح: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ

[جو جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح غسل کرے پھر (جمعہ کے لیے) جائے]

۵۵۱ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَّمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَّمَنْ رَّاحَ فِيْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کو جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے پھر (جمعہ کے لیے) جائے تو گویا اس نے اونٹ صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا تو اس نے گائے صدقہ کی اور جو تیسری ساعت میں

السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا اَقْرَنَ وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَّمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ.

گیا تو گویا اس نے سینگوں والا مینڈھا صدقہ کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا تو گویا اس نے مرغی صدقہ کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا تو گویا اس نے انڈا صدقہ کیا' پس جبکہ امام (خطبہ کے لیے) نکل آیا تو فرشتے (خطبہ سننے کے لیے) حاضر ہو جاتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فضل الجمعۃ ص ۱۲۱' باب: الاستماع للخطبۃ ص ۱۲۷' کتاب بدء الخلق۔ باب: ذکر الملائکۃ ص ۴۵۶' مسلم۔ کتاب الجمعۃ' ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ' ترمذی' نسائی' مؤطا امام مالک۔ کتاب الجمعۃ' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۴۶۰)

تکمیل...... (جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے رہتے ہیں)

یہ حدیث تھوڑے سے تغیر کے ساتھ باب ''الاستماع للخطبة'' اور ''بدء الخلق'' میں بھی ہے۔ ان میں یہ زائد ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اوّل فالاوّل کی ترتیب سے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں۔ اخیر میں ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکل آتا ہے تو صحیفے لپیٹ دیتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں۔

ابوالفضل جوزی کی کتاب الترغیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مرفوع مروی ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتوں کو جھنڈے دے کر ہر اس مسجد میں بھیجا جاتا ہے جس میں جمعہ ہوتا ہے اور جبریل مسجد حرام میں تشریف لے جاتے ہیں' ہر فرشتے کے ساتھ لکھنے والے بھی رہتے ہیں' جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوتے ہیں' ان کے ساتھ چاندی کے قلم اور چاندی کے کاغذ ہوتے ہیں' جو آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے ہیں' جو امام سے پہلے آیا' اسے سابقین میں لکھتے ہیں اور جو امام کے آنے کے بعد آیا تو لکھتے ہیں: یہ خطبہ میں شریک ہوا اور جو نماز کے وقت آتے ہیں' ان کے بارے میں لکھتے ہیں: جمعہ میں حاضر ہوا' اور جب امام سلام پھیر لیتا ہے تو فرشتے نمازیوں کے چہرے پر تجسس کی نگاہ ڈالتے ہیں' اگر کسی ایسے شخص کو نہیں پاتے ہیں جو پہلے سابقین میں سے تھا تو عرض کرتے ہیں: اے رب! ہم نے فلاں کو نہیں پایا' ہم نہیں جانتے آج کیوں نہیں آیا' اگر تو نے اسے اُٹھا لیا ہے تو اس پر رحم فرمانا' اگر بیمار ہے تو اسے شفاء دے اور اگر سفر میں گیا ہے تو اسے اچھا ساتھی نصیب فرمانا اور لکھنے والے فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۱۷۱)

غسل الجنابة

اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے جنابت کا غسل اچھی طرح کیا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق اچھی طرح غسل کرے اور حقیقی معنی کا بھی احتمال ہے' یعنی وہ غسل جنابت ہی کرے۔ اس کی مؤید ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث ہے جو حضرت اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو جمعہ کے دن غسل کرے اور کرائے اور سویرے لے جائے اور جائے خطبہ کا اوّل حصہ پائے اور پیدل چلے' سوار ہو کر نہ جائے اور امام کے قریب رہے' بغور خطبہ سنے اور کوئی لغو کام نہ کرے تو اسے ہر قدم پر سال بھر کے روزوں اور قیام کا ثواب ملے گا۔[1]

ثم راح

''رواح'' کے معنی زوال کے بعد چلنے کے ہیں' قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فرش کے بارے میں ہے: ''غُدُوُّهَا

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۵۰۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: یوم الجمعۃ' نسائی۔ ج ۱ ص ۲۰۴۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فضل غسل یوم الجمعۃ (بقیہ حوالہ اگلے صفحہ پر)

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ'' (سبا:۱۲) صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کرتا اور شام کو ایک ماہ کی۔ اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو بعد زوال فوراً جمعہ کے لیے سب سے پہلے حاضر ہوا' اسے اونٹ صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا' اور جو اس کے بعد آیا تو اسے گائے صدقہ کرنے کا ثواب' تو جن روایتوں میں ''الساعة الاولى و الثانيه'' آیا ہے' اس سے مراد مطلق وقت ہے' یعنی جو سب سے پہلے آیا پھر جو اس کے بعد آیا۔ یہی امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ساعات سے مراد لحظات خفیفہ ہیں' مگر امام شافعی اور جمہور ساعت سے مراد اس کا عرفی معنی لیتے ہیں یعنی دن کے بارہ حصوں میں سے ایک حصہ۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو دن کی پہلی ساعت میں' پھر جو دن کی دوسری ساعت میں۔ عام روایتوں میں پانچ ہی کا ذکر ہے مگر ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو پانچویں ساعت میں آیا' گویا اس نے ایک چڑیا صدقہ کی اور جو چھٹی ساعت میں آیا اس نے انڈا صدقہ کیا' چھٹی ساعت کے بعد زوال ہو جاتا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال فوراً جمعہ کے لیے تشریف لاتے تھے' اگر ان ساعات کے بعد زوال کی ساعتیں مراد لی جائیں تو پھر تفصیل مذکور کی گنجائش نہ رہے گی۔ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ نمازِ فجر کے بعد ہی سے مسجد اقدس میں حاضر رہتے اور جمعہ پڑھ کر گھر جاتے۔

اقول بالله التوفيق: اسی بخاری میں حدیث:۵۶۸ آرہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سخت جاڑا ہوتا تو جمعہ کی نماز اوّل وقت میں پڑھتے اور جب گرمی سخت ہوتی تو جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھتے' پھر مطلقاً یہ حکم لگانا کہ ہمیشہ بعد زوال فوراً پڑھتے' صحیح نہیں اور رَواح کے معنی مطلق جانے کے بھی آتے ہیں۔ نیز زوال سے لے کر سورج ڈوبنے سے پہلے چلنے پر رَوَاحٌ صادق ہے' اس لیے اس حدیث کی توجیہ وہی راجح ہے جو حضرت امام مالک نے فرمائی: گرمیوں میں جمعہ میں بھی تاخیر مستحب ہے' اس کی مکمل بحث اس کے باب میں مذکور ہوگی۔

حضرت الملائكة

صحیح یہی ہے کہ یہ فرشتے انسان پر مقرر فرمودہ فرشتوں کے علاوہ ہیں جو خاص اسی خدمت کے لیے آسمان سے آتے ہیں' جیسا کہ ابوالفضل کی کتاب الترغیب سے حدیث گزری کہ جبریل امین علیہ السلام مسجد حرام میں آتے ہیں' پھر اس کی یہ تشریح کہ ہر فرشتے کے کاتب ہوتے ہیں' یہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ علاوہ ازیں دوسری روایتوں میں ہے کہ فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر رہتے ہیں اور لکھتے ہیں اور کراماً کاتبین اور حافظین علیحدہ نہیں ہوتے ہیں' جس پر مقرر ہیں اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اخیر میں یہ ہے کہ جب امام آ جاتا ہے تو صحیفے لپیٹ دیتے ہیں اور کراماً کاتبین کے صحیفے اس وقت بھی کھلے رہتے ہیں۔

۵۵۲- ح: اَنَّ عُمَرَ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (الخ)

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے]

۵۵۲ - عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِمَ تَحْتَبِسُوْنَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ تَوَضَّاْتُ فَقَالَ اَلَمْ تَسْمَعُوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاحَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ. (بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب ص ۱۲۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک صاحب (حضرت عثمان) داخل ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: آپ اوّل وقت نماز کے لیے آنے سے کیوں رُکے رہے؟ تو انہوں نے بتایا: ہوا یہ کہ میں نے اذان سنی اور وضو کیا' تو حضرت عمر نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جمعہ کے لیے آؤ

ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: فی الغسل یوم الجمعۃ ص ۷۷' دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۹ - ۲ ج ۴ ص ۱۰۰

مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ) تو غسل کر لیا کرو۔

۵۵۳- ح: لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ (الخ)

[جو جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنا ہو سکے خوب پاک ہو لے]

۵۵۳- عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى.

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی جمعہ کو غسل کرے اور جتنا ہو سکے خوب پاک ہو لے اور تیل لگا لے یا خوشبو مل لے پھر (جمعہ کے لیے) نکلے اور دو کے درمیان تفریق نہ کرے، پھر اس کے مقدر میں جتنا لکھا ہو، نماز پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو چپ رہے تو اس کے اور دوسرے جمعہ کے مابین جو کچھ کرے، سب بخش دیا جائے گا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الدھن للجمعۃ ص ۱۲۱، دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ)

ہفتہ بھر کے گناہوں سے مغفرت حاصل کرنے کی سات شرطیں اس حدیث میں مذکور ہیں، اوّل: غسل، دوم: استطاعت بھر طہارت، اس سے یا تو صفائی ستھرائی میں مبالغہ مراد ہے یا سر کو اچھی طرح دھونا مراد ہے، یا اچھے سے اچھا جو کپڑا میسر ہو اس کا پہننا مراد ہے۔ سوم: سر اور ڈاڑھی میں تیل لگا کر اس کی پراگندگی دور کرنا، یعنی تیل لگا کر کنگھا بھی کرے۔ چہارم: میسر ہو تو خوشبو لگانا، پنجم: مسجد میں حاضر ہو کر دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان گھس کر نہ بیٹھے، جس سے انہیں تنگی ہو جائے۔ ششم: جتنی ہو سکے نماز پڑھے۔ ہفتم: خطبہ کے وقت خاموش رہے۔ ان سات کے علاوہ سات اور دوسری احادیث میں مذکور ہیں: ہشتم: پیدل چل کر مسجد میں حاضر ہونا لیکن اگر گھر دور ہے کہ پیدل چل کر جانے میں جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سواری سے جانا ضروری ہے۔ نہم: راستے میں یا مسجد میں کسی کو ایذا نہ دے۔ دہم: کسی کی گردن پھلانگ کر نہ جائے، جب کہ معلوم ہے کہ آگے جگہ نہیں ہے اور اگر معلوم ہے کہ جگہ ہے تو ضرور آگے جائے، اگرچہ گردنیں پھلانگنی پڑیں کہ اس نے آگے جگہ چھوڑ کر پیچھے بیٹھ کر خود ہی اپنی حرمت کھو دی، یازدہم: وقار و اطمینان کے ساتھ چلے۔ دوازدہم: امام سے قریب رہے۔ سیزدہم: کوئی لغو کام نہ کرے، مثلاً کنکریوں سے کھیلنا، کپڑے سے کھیلنا۔ چہاردہم: بغور خطبہ کو سننا۔ "الجمعۃ الاخرٰی" سے مراد اگلا آنے والا جمعہ بھی ہو سکتا ہے اور پچھلا گزشتہ بھی۔

مسائل

احناف کے نزدیک امام جب اپنی جگہ سے خطبہ کے لیے اُٹھے یا حجرے میں ہو اور حجرے سے نکلے تو نماز، سلام، کلام، ذکر، تلاوت سب ممنوع ہیں، یہاں تک کہ خطبہ پورا ہو جائے، پوری بحث آگے آتی ہے۔

۵۵۴- ح: اَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ وَاَمَّا الطِّيْبُ فَلَا اَدْرِيْ

[غسل تو ٹھیک ہے لیکن خوشبو کے متعلق تو میں نہیں جانتا]

۵۵۴- قَالَ طَاؤُسٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ذَكَرُوْا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوْا رُءُوْسَكُمْ وَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا جُنُبًا وَاَصِيْبُوْا

طاؤس نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرو اور اپنے سروں کو دھوؤ، اگرچہ جنب نہ ہو اور خوشبو لگاؤ، تو حضرت

مِنَ الطِّيْبِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ وَاَمَّا الطِّيْبُ فَلَا اَدْرِیْ.

ابن عباس نے فرمایا: غسل تو ٹھیک ہے لیکن خوشبو تو میں نہیں جانتا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الدهن للجمعة ص ۱۲۱ نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۵۵۵- عَنْ طَاوٗسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَيَمَسُّ طِيْبًا اَوْ دُهْنًا اِنْ كَانَ عِنْدَ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا اَعْلَمُهٗ. (بخاری۔ کتاب الجمعہ۔ باب: الدهن للجمعة ص ۱۲۱، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جمعہ کے دن غسل کے بارے میں ذکر کیا گیا تو میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: کیا خوشبو یا تیل اگر اس کے اہل کے پاس ہو تو استعمال کرے گا؟ تو فرمایا: میں نہیں جانتا۔

یہاں باب ہے: جمعہ کے دن تیل لگانا۔ دوسری روایت کی تو صریح مطابقت ہے، البتہ پہلی حدیث میں تیل کا ذکر نہیں۔ اس کو باب سے مطابقت یوں ہے کہ نہانے کے بعد لوگ تیل ضرور لگاتے ہیں تو گویا نہانے کو تیل لگانا عادۃً لازم ہے۔

ذکروا

صیغہ جمع ذکر کیا مگر اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ شرح معانی الآثار[۱] اور ابن خزیمہ اور ابن حبان[۲] میں بہ طریق عمرو بن دینار جو روایت ہے، اس میں ان کے نام کی تصریح ہے۔

لا ادری، لا اعلمه

یعنی مجھے یہ نہیں معلوم کہ خوشبو یا تیل لگا لو۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا نہیں؟ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ مراد ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سنت ہے یا نہیں! یہ مجھے معلوم نہیں۔

۵۵۶- ح: اَنَّ عُمَرَ رَاٰى حُلَّةً سِيَرَاءَ (الخ)

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (مسجد کے دروازے پر) ریشمی جوڑا دیکھا]

۵۵۶- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَاٰى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهٖ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ اِذَا قَدِمُوْا عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ ثُمَّ جَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حُلَلٌ فَاَعْطٰى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَسَوْتَنِيْهَا وَقَدْ قُلْتَ فِیْ حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر ریشمی جوڑا دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ اسے خرید لیتے اور جمعہ کے دن اور جب وفد حاضر ہوتے اس وقت پہنتے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ویسے ہی جوڑے آئے تو ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیا، تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مجھے پہننے کے لیے عطا فرما رہے ہیں حالانکہ حلہ عطارد کے بارے میں وہ فرما چکے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو پہننے کے لیے نہیں دیا ہے، تو حضرت عمر بن

---

[۱] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۵۹۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الغسل یوم الجمعة [۲] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۱۷۷

الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخًا لَّهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا. خطاب نے یہ جوڑا مکہ کے باشندے اپنے ایک مشرک بھائی کو پہننے کے لیے دے دیا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: ما يلبس احسن ما يجده ص ١٢١' کتاب الھبۃ۔ باب: هدية ما يكره لبسها ص ٣٥٦' باب: الهدية للمشركين ص ٣٥٧' ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: ما يرخص للرجال من الحرير للحكة ص ٨٦٨' لباس۔ باب: صلة الاخ المشرك ص ٨٨٥' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب اللباس' نسائی۔ کتاب الزینۃ' ابن ماجہ' مؤطا امام مالک۔ کتاب اللباس' مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ١٠٣)

لغات

''حُلَّة'' چادر' تہبند۔ ''سِيَرَاء'' خالص ریشمی۔ ''عُطَارِد'' ایک صاحب کا نام ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حلّہ اپنے جس بھائی کو دیا تھا' ان کا نام عثمان بن حکیم تھا' یہ ان کے اخیافی بھائی تھے یا رضاعی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے' جیسا کہ بخاری ہی کی کتاب الصید اور کتاب الادب کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ فرمایا: اسلام لانے سے پہلے یہ ہدیہ دیا تھا۔

مطابقت باب

یہاں باب کا عنوان یہ ہے: جمعہ کے دن سب سے عمدہ لباس پہنے۔ داؤدی نے کہا کہ اس حدیث کی باب سے مطابقت نہیں' اس لیے کہ حضرت عمر کی عرضداشت کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ردّ فرما دیا تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا: مطابقت اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت عمر نے جو گزارش کی اس کو اس بنیاد پر نہیں ردّ فرمایا کہ جمعہ کے دن عمدہ لباس کو ناپسند فرمایا' بلکہ خاص اس ریشمی حلّے کے سلسلے میں انکار فرمایا کہ وہ مردوں کو پہننا جائز نہ تھا' بقیہ حضرت عمر کی گزارش سے التزاماً یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن عمدہ لباس زیب تن فرمائیں' اسے ردّ نہیں فرمایا' اس پر سکوت فرمایا۔ جس سے اس کی تائید مفہوم ہوتی ہے' نیز اسی التماس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ یہی تھی کہ جمعہ کے دن عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔

٥٥٧- ح: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ

[اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا]

٥٥٧- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ اَوْ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى النَّاسِ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلٰوةٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا' یا یہ فرمایا: اگر لوگوں پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: السواك يوم الجمعة ص ١٢٢' کتاب الصوم۔ باب: السواك الرطب واليابس ص ٢٥٩' ج ٢۔ کتاب التمنی۔ باب: ما يجوز من اللو ص ١٠٧٥' مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔ کتاب الطہارۃ' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب المواقیت' ابن ماجہ' دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ' مؤطا۔ کتاب الطہارۃ' مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ٢٤٥)۔

اس حدیث پر باب کا عنوان ہے: جمعہ کے دن مسواک۔ اس کا اثبات ''كُلِّ صَلٰوةٍ'' کے عموم سے ہوتا ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چیز چاہیں واجب کر دیں اور جسے چاہیں موقوف کر دیں۔ ظاہر حدیث سے متبادر ہوتا ہے کہ ہر نماز کے وقت مسواک مستحب ہے مگر بعض روایات میں ''مع كل وضوء'' بھی آیا ہے' چونکہ عام طور پر ہر نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے تو بہ اعتبار اغلب واکثر دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا' ہمارے اکثر اصحاب نے فرمایا کہ اس کا وقت وضو میں کلی

کرنے کا وقت ہے۔ محیط میں ہے کہ عورت کے لیے منجن وغیرہ مسواک کے قائم مقام ہے کیونکہ ان کے مسوڑھے نازک ہوتے ہیں مسواک سے اس کا اندیشہ ہے کہ ان کے دانت جلد گر جائیں' مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ فَمِيْ وَنَوِّرْ قَلْبِيْ وَطَهِّرْ بَدَنِيْ وَحَرِّمْ جَسَدِيْ عَلَى النَّارِ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ.

اے اللہ! میرے منہ کو پاک فرما اور میرے دل کو روشن فرما اور میرے بدن کو پاک فرما اور میرے جسم کو جہنم پر حرام فرما اور اپنی مہربانی سے اپنے نیک بندوں میں مجھے شامل فرما!

سب سے عمدہ پیلو کی مسواک ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اسے استعمال فرمایا۔ اسی طرح زیتوں کی بھی۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بہترین مسواک زیتون ہے' برکت والے درخت کی' منہ کو صاف کرنے والی' بُو لے جانے والی' یہ میری اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کی مسواک ہے۔ خوشبودار پھولوں والے درخت کی مسواک ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ریحان کی مسواک سے منع فرمایا' اس سے جذام کی تحریک ہوتی ہے۔ (ایضا)

۵۵۸- ح: اَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ (الخ)

[میں نے مسواک کے بارے میں تم سے بہت کچھ فرمایا ہے]

۵۵۸ - **حَدَّثَنَا** اَنَسٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے مسواک کے بارے میں تم سے بہت کچھ فرمایا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: السواك يوم الجمعة ص ۱۲۲' نسائی۔ کتاب الطہارۃ' دارمی۔ کتاب الوضوء' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۴۳)

یہاں بھی باب سے مطابقت عموم ہی سے ہے' جب عام طور پر مسواک کے بارے میں بہ کثرت ارشاد ہے تو اس میں جمعہ بہ درجہ اولیٰ شامل ہے' اس لیے کہ مسلمانوں کے مجمع میں رہنا ہے تو منہ صاف رہنا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

۵۵۹- ح: دَخَلَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّمَعَهٗ سِوَاكٌ (الخ)

[عبدالرحمٰن بن ابوبکر اندر آئے اور ان کے پاس مسواک تھی (جسے وہ استعمال کر رہے تھے)]

۵۵۹ - **قَالَ** هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّمَعَهٗ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهٖ فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهٗ اَعْطِنِيْ هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ فَاَعْطَانِيْهِ فَقَصَمْتُهٗ ثُمَّ مَضَغْتُهٗ فَاَعْطَيْتُهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ بِهٖ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰى صَدْرِيْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر اندر آئے اور ان کے پاس مسواک تھی جسے وہ استعمال کر رہے تھے۔ اس کی جانب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو میں نے ان سے کہا کہ اے عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھے دے دو! انہوں نے مسواک مجھے دے دی تو میں نے اس کو توڑا پھر چبا کر رسول اللہ ﷺ کو دیا تو حضور نے اسے استعمال فرمایا' اس حال میں کہ آپ میرے سینے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من تسوك بسواك غيره ص ۱۲۲' کتاب الجہاد۔ باب: بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم ص ۴۲۷' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبي صلى الله عليه وسلم ص ۶۳۸۔ ۶۴۰' مسلم۔ باب: فضل عائشة' مسند امام احمد)

تکمیل

کتاب المغازی میں ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن اندر آئے تو حضور اقدس ﷺ میرے سینے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے' ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ کھجور کی تازہ ٹہنی تھی' حضور مسواک کی طرف دیکھنے لگے تو میں نے سمجھا مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا: آپ کے لیے اسے لے لوں؟ سر اقدس سے اشارہ فرمایا: ہاں! میں نے مسواک پیش کر دی مگر حضور اسے چبا نہ سکے تو میں نے عرض کیا: اسے نرم کر دوں؟ تو اشارہ فرمایا: ہاں! میں نے اسے کوچ کر نرم کر دیا' مسواک کر کے مجھے دی کہ آپ کا دست اقدس ڈھلک گیا۔ اخیر میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس وقت مسواک کی' میں نے اس سے زیادہ اچھی طرح مسواک کرتے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپ کا وصال ہو گیا۔ بس اتنا ہی ہوا کہ مسواک سے فارغ ہونے کے بعد اپنا دست مبارک یا انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور تین بار فرمایا: اے اللہ! رفیق اعلیٰ میں۔ اور آپ کی روح پرواز کر گئی' آپ یہ بھی فرماتی تھیں کہ حضور کا وصال اس حال میں ہوا کہ حضور میرے سینے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

تطبیق

کتاب المغازی ہی میں خود حضرت ام المومنین ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ کا سر اقدس میرے زانو پر تھا[1] مگر یہ حقیقت میں تعارض نہیں' ابتداء نزع اس حال میں ہوا کہ حضور اقدس ﷺ' حضرت ام المومنین کے سینے کے سہارے بیٹھے تھے اور سر اقدس ان کی ٹھوڑی اور پیٹ کے درمیان تھا یعنی سینے پر۔ جب حالت غیر ہوئی تو لٹا دیا اور فرطِ محبت میں سر اقدس اپنے زانو پر رکھ لیا اور اسی حالت میں حضور واصل بحق ہوئے' جانکنی کے وقت مریض کا بیٹھنا رہنا موجبِ تکلیف ہوتا ہے اور لیٹنے میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے جب آثارِ نزع ام المومنین نے ملاحظہ فرمائے تو لٹا دیا۔

٥٦٠- ح: يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الم تَنْزِيلُ

[جمعہ کے دن فجر میں ''الم تنزیل'' پڑھتے]

٥٦٠- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر میں سورہ الم تنزیل اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: مایقرأ فی صلٰوۃ الفجر یوم الجمعۃ ص ١٢٢' مسلم' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

کرمانی نے کہا کہ ''کَانَ'' جب مضارع پر داخل ہو تو اس سے استمرار و دوام سمجھا جاتا ہے' مگر احادیث میں یہ کلیہ نہیں' اس لیے کہ احادیث پر نظر کرنے سے یہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً مسلم[2] میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' اور ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ'' پڑھا کرتے تھے۔ اسی میں انہیں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ جمعہ میں' سورہ جمعہ اور ''هل اتاك حديث الغاشيه'' پڑھتے تھے[3] نیز اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقین پڑھتے تھے[4] ''الٓمّ تنزيل'' سے مراد سورہ سجدہ ہے اور ''هَلْ اَتٰى عَلَى

[1] بخاری۔ ج ٢ ص ٦٣٨۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم
[2] مسلم۔ ج ١ ص ٢٨٨۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فضل فی قراۃ الٓمّ تنزیل وھل اتی
[3] ایضاً [4] ایضاً۔ باب: فضل فی قراءۃ سورۃ الجمعۃ والمنافقین

الْاِنْسَانِ" سے مراد سورۂ دھر ہے۔ اتباعِ سنت کے خیال سے اس پر عمل بہتر ہے۔

٥٦١- ح: اَوَّلُ جُمُعَةٍ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ

[بحرین کے علاقہ جواثی میں پہلا جمعہ]

٥٦١ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ اَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَسْجِدِ عَبْدِالْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد پہلا جمعہ بحرین کے علاقہ جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں قائم کیا گیا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الجمعة فی القری والمدن ص ۱۲۲، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: وفد عبد القیس ص ۶۲۷)

تکمیل...... (دیہات میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟)

ابوداؤد[1] میں یہ حدیث یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد اسلام میں سب سے پہلا جمعہ جواثی میں قائم ہوا جو بحرین کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ امام شافعی، امام احمد وغیرہ اسی حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ صحیح ہے، اس لیے کہ قریہ کے معنی دیہات کے ہیں۔ امام شافعی جمعہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط کرتے ہیں کہ کم از کم اس بستی میں چالیس آدمی ایسے ہوں جن پر جمعہ فرض ہو۔ چالیس کی قید وہ اس حدیث سے لگاتے ہیں کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے "ہزم النبیت" مدینہ طیبہ کے ایک محلے کا نام ہے، میں جمعہ قائم کیا تھا، اس وقت کل چالیس مسلمان تھے۔

(ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الجمعة فی القری ص ۱۵۳، ابن ماجۃ۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فرض الجمعة ص ۷۷)

ہمارا جواب

احناف یہ کہتے ہیں کہ قریہ کے معنی دیہات متعین نہیں، اس کا اطلاق مکہ معظمہ، طائف شریف اور انطاکیہ پر خود قرآن عظیم میں ہے، ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا. (النساء: ۷۵)

مظلوم مسلمان یہ عرض کرتے: اے ہمارے رب! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔

اس سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ اور فرمایا:

لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (الزخرف: ۳۱)

کافروں نے کہا: دونوں بستیوں کے کسی عظیم شخص پر قرآن کیوں نہیں اُتارا گیا○

ان سے مراد مکہ معظمہ اور طائف شریف ہے۔ اور ارشاد ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ. (یٰسین: ۱۳)

ان کے سامنے اس بستی والوں کا حال بیان کرو۔

اس سے مراد انطاکیہ ہے۔

اس لیے قریہ سے دلیل لانا کہ جواثی دیہات تھا درست نہیں، جواثی حقیقت میں شہر تھا جس کی آبادی چار ہزار تھی۔ محدث ابن تین نے شیخ ابوالحسن سے نقل کیا کہ جواثی شہر تھا۔ ابوعبید بکری نے کہا: یہ بحرین میں ایک شہر ہے، جوہری نے صحاح میں، زمخشری نے البلدان میں کہا کہ جواثی، بحرین میں ایک قلعہ ہے۔ نیز یہ ثابت نہیں کہ یہ جمعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اذن سے قائم کیا گیا اور نہ یہ

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۵۳۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الجمعة فی القری

ثابت ہے کہ حضور کو اس کی خبر بھی ملی؛ لہٰذا جواثی میں جمعہ کے قائم ہونے سے دیہات میں جمعہ کے صحیح ہونے پر استدلال تام نہیں۔
رہ گیا مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری سے پہلے چالیس آدمیوں کا جمعہ قائم کر لینا' یہ بھی اس کی دلیل نہیں' مدینہ طیبہ بلاشبہہ اس وقت شہر تھا اور شہر میں چالیس تو بہت ہیں' صرف چار مسلمان ہوں تو بھی جمعہ قائم ہو سکتا ہے' پھر یہ ثابت نہیں کہ وہ حضور کے حکم سے تھا۔

ہماری دلیل

شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے: ''لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع (وفي رواية اخرىٰ) لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطر ولا اضحى الا في مصر جامع او مدينة عظيمة'' (جمعہ' تکبیر تشریق' نماز عید الفطر و اضحیٰ صرف مصر جامع اور بڑے شہر میں ہے) اسے امام عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنفات میں بہ طریق حجاج عن ابی یوسف روایت کیا' نیز بہ طریق جریر عن منصور بھی مروی ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۱۸۸)

ایک اشکال اور اس کا جواب

امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اس کا ضعف متفق علیہ ہے اور حضرت علی پر موقوف ہے' اس کی سند منقطع ہے۔ علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ حجاج بن ارطاۃ ضرور ضعیف ہیں' مگر جو روایت بہ طریق جریر عن منصور ہے اس میں کوئی ضعف نہیں۔ امام نووی صرف اسی طریقے پر مطلع ہوئے جو بہ طریق حجاج بن ارطاۃ مروی ہے۔ جریر عن منصور والے طریقے پر مطلع نہ ہوئے۔ امام نووی سے پہلے کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا' اس لیے یہ کہنا کہ اس کا ضعف متفق علیہ ہے' صحیح نہیں۔ موقوف ہونا یوں مضر نہیں کہ یہ حکم عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا' اس لیے مرفوع کے حکم میں ہے۔

مصر جامع کی تعریف

مصر جامع وہ آبادی ہے جہاں متعدد کوچے گلیاں ہوں' جہاں ایسا دائمی بازار ہو جس میں روزمرہ کی ضروریات بہ آسانی ملتی ہوں' اس سے متعلق دیہات ہوں اور وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے' لینے کا اختیار رکھتا ہو' اگرچہ بہ وجہ بد طینتی نہ لیتا ہو' یہی تعریف صحیح اور مختار ہے' یہی ظاہر الروایت ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت نادرہ یہ بھی آئی ہے کہ وہ آبادی مصر ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں اگر وہ سب لوگ اکٹھے ہوں جن پر جمعہ فرض ہے تو سما نہ سکیں' یہ تعریف بوجوہ صحیح نہیں۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ حرمین طیبین پر صادق نہیں' مگر یہ تعریف بھی بہت سے فقہائے احناف کی مختار ہے[1] درمختار میں ہے: اسی پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے۔ شامی (ایضا) میں ہے: ابوشجاع[2] نے کہا کہ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے سب سے اچھی بات یہی ہے۔ ولوالجیہ میں ہے: یہی صحیح ہے۔ وقایہ اور درمختار اور اس کی شرح میں اسی پر اقتصار کیا۔ دُرَر کے متن میں اسی کو مقدم کیا' اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اس کو ترجیح ہے۔ صدر الشریعہ نے شرح میں اس کو یہ کہہ کر مؤید کیا کہ احکام شرع میں سستی ظاہر ہے' خصوصاً حدود قائم کرنے کے سلسلے میں۔

اور آج حال یہ ہے کہ پہلی مذکورہ بالا تعریف ہندوستان کی بہت سی بڑی آبادیوں پر صادق نہیں' مثلاً ہمارے ضلع میں مبارک پور' سونا تھ بھجن وغیرہ' تو اگر مدار کار پہلے قول پر رکھتے ہیں' تو فتنہ عظیمہ کا اندیشہ ہے' اس لیے اگر دفع حرج و فتنے کے لیے اس روایت نادرہ

---

[1] درمختار۔ ج ۱ ص ۵۳۶۔ باب: الجمعۃ

[2] ابوشجاع کے بجائے ابن شجاع زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ عنایہ وغیرہ میں ہے' ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے' یہ محمد ثلجی ہیں۔ جد الممتار۔ ج ۱ ص ۲۶۷

پر فتویٰ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

مصر کی جو تعریف علماء نے کی ہے' حد نہیں

اقول: اس خادم کا گمان یہ ہے کہ مصر جامع کی جو بھی تعریف علماء نے کی ہے' وہ حد نہیں' بلکہ اس زمانے کے لحاظ سے شہر کی جو خصوصیات تھیں ان کو سامنے رکھ کر فقہاء نے علامتیں بتائی ہیں۔ اُس عہد میں آمد و رفت و اطلاع و اخبار کے ذرائع بہت ہی محدود تھے اس لیے دستور یہ تھا کہ ہر بڑی آبادی میں ایک ایسا حاکم رہتا تھا جسے مقدمات کے فیصلہ کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کا اختیار رہتا تھا تا کہ امن عامہ برقرار رہے اور آج موٹر' ریل گاڑی وغیرہ سے آمد و رفت اور تیز ہو گئی ہے۔ تار' ٹیلیفون سے اخبار و اطلاع بہت آسان ہو گئی ہے' اس لیے یہ ضروری نہیں رہا کہ ہر بڑی آبادی میں ضرور کوئی نہ کوئی حاکم رہے۔ کسی بھی فتنہ و فساد کے وقت آناً فاناً صدر مقام پر اطلاع ہو جاتی ہے اور حکام پہنچ جاتے ہیں' اس لیے کسی مناسب جگہ کو ضلع کا صدر مقام قرار دے کر وہیں پورے ضلع کے حکام رہتے ہیں' حتیٰ کہ حکام پرگنہ' پرگنہ کے بجائے ضلع کے صدر مقام ہی پر رہتا ہے اور یہی حال منصف کا بھی ہے۔ اب صحت جمعہ کے لیے حاکم کا وجود ضروری قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی بڑی بڑی آبادیوں میں جمعہ صحیح نہ ہو۔ خود ہمارے ضلع اعظم گڑھ کا حال یہ ہے کہ ضلع کی سب سے بڑی آبادی مئوناتھ بھنجن ہے۔ اس کے بعد مبارک پور' مگر ان دونوں جگہوں میں سے کسی میں کوئی حاکم نہیں رہتا حتیٰ کہ تحصیلدار بھی نہیں۔ اس سے دلچسپ حال جین پور کا ہے' جین پور میں کوئی حاکم نہیں اور اس کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں سگڑی تحصیل ہے' وہاں تحصیلدار رہتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اب حاکم کے وجود کی شرط ختم کر کے بقیہ باتوں پر مدار حکم رکھا جائے' یا پھر امام ابو یوسف کے اس قول پر جو روایت نادرہ ہے' فتویٰ دیا جائے۔ هذا ما سنح لی' لعل الله يحدث بعد ذلك امرا

٥٦٢- ح: كَتَبَ رُزَيْقُ بْنُ حُكَيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ (الخ)

٥٦٢ - قَالَ يُونُسُ كَتَبَ رُزَيْقُ بْنُ حُكَيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ وَّأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِوَادِي الْقُرٰى هَلْ تَرٰى أَنْ أُجَمِّعَ وَرُزَيْقٌ عَامِلٌ عَلٰى أَرْضٍ يَّعْمَلُهَا وَفِيهَا جَمَاعَةٌ مِّنَ السُّوْدَانِ وَغَيْرِهِمْ وَرُزَيْقٌ يَوْمَئِذٍ عَلٰى أَيْلَةَ فَكَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ وَّأَنَا أَسْمَعُ يَأْمُرُهُ أَنْ يُّجَمِّعَ يُخْبِرُهُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَّعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ أَبِيْهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ۔

[رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا]

یونس نے کہا: رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا اور میں اس وقت ان کے ساتھ وادی القریٰ میں تھا' کیا آپ یہ جائز جانتے ہیں کہ میں یہاں جمعہ قائم کر لوں' اور رزیق ان دنوں ایک زمین میں تھے جہاں کاشت کاری کرتے تھے اور وہاں حبشیوں اور کچھ اور لوگوں کی ایک جماعت تھی اور رزیق ایلہ پر عامل تھے' تو ان کو ابن شہاب نے لکھا اور میں سن رہا تھا کہ انہیں حکم دے رہے ہیں کہ وہاں جمعہ قائم کر لیں اور یہ خبر دے رہے ہیں کہ سالم نے ان سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے: تم سب نگہبان ہو' اور سب سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا' امام (یعنی بادشاہ یا خلیفہ) نگہبان ہے' اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی' مرد اپنے اہل کا نگہبان ہے' اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے اس

(بخاری۔ باب: الجمعة في القرى والمدن ص ۱۲۲' کتاب الوصایا۔ باب: تاويل قوله من بعد وصية يوصى بها او دين ص ۳۸۴' ج۲۔ کتاب النکاح۔ باب: المرأة راعية في بيت زوجها ص ۷۸۳' مسلم۔ کتاب المغازی' ترمذی)

سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا' نوکر اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے' اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی' اور میں نے یہ گمان کیا کہ انہوں نے یہ بھی ضرور کہا ہے اور مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے' اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا' اور تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

یہ حدیث یہاں بخاری میں امام زہری کے تلمیذ یونس بن یزید ایلی سے ان کے دو تلامذہ کے ذریعہ مروی ہے' حضرت عبداللہ بن مبارک اور لیث بن سعد سے' البتہ جو قصہ مذکور ہے' وہ صرف تعلیقاً لیث سے مروی ہے۔ اس تعلیق کو ذہلی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

رزیق

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے ایلہ کے حاکم تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ ایلہ' بحر قلزم کے کنارے مدینہ طیبہ اور مصر کے درمیان ایک شہر ہے۔ جہاں مصر' شام' غزہ کے حجاج اکٹھے ہوتے ہیں۔ اب یہ ویران ہے' کھنڈرات موجود ہیں' مگر عمدۃ القاری میں یعقوبی کے حوالے سے ہے کہ سمندر کے کنارے یہ ایک بہت بڑا شہر ہے جو مغرب مصر شام کے حجاج کا راستہ ہے' قلزم سے سات منزل ہے۔ عہد رسالت میں یہاں کے حاکم نے خود ہی حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی تھی اور جزیہ دینا منظور کر لیا تھا۔ رزیق نے جہاں کے لیے اجازت طلب کی تھی' وہ ایلہ کے نواح کی کوئی بستی تھی جہاں وہ کاشت کرتے تھے۔

فكتب و انا اسمع

علامہ ابن حجر نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ حکم بھی لکھا اور حدیث بھی اور یونس نے دونوں کو سنا۔

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: دیہاتوں اور شہروں میں جمعہ۔ شہروں میں جمعہ کا صحیح ہونا متفق علیہ ہے' اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں' تاہم پہلی حدیث کے اس لفظ "بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم" سے اس کا ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ رہ گیا دیہاتوں میں تو امام بخاری' جواثی میں جمعہ کے قیام سے اس پر دلیل لائے' مگر آپ نے دیکھا کہ وہ تام نہیں' اس لیے کہ جواثی دیہات نہیں' شہر تھا۔ اس حدیث سے اس پر کسی طرح دلیل نہیں قائم ہوتی' البتہ یہ جگہ اگر دیہات تھی تو ابن شہاب کے حکم سے یہ ثابت ہوتا کہ دیہات میں جمعہ درست ہے' مگر ابن شہاب تابعی ہیں اور تابعی کا قول ہم پر حجت نہیں' خصوصاً جبکہ حدیث کے معارض ہو۔ علاوہ ازیں اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ جگہ فناء شہر میں رہی ہو اور رزیق کو فناء شہر کا حکم معلوم نہیں تھا تو ابن شہاب سے پوچھا۔

استدلال

اس حدیث سے ثبوت اس طرح ہوتا ہے کہ جب حاکم پر بلکہ ہر شخص پر اپنی رعایا کی نگہبانی فرض ہے۔ نگہبانی میں یہ بھی داخل ہے کہ رعایا گناہ میں مبتلا نہ ہو' جمعہ فرض ہے اور ترک فرض گناہ' اس لیے نگہبانی کی فرع یہ بھی ہے کہ جہاں جمعہ فرض ہو اور قائم نہ ہو' وہاں قائم کیا جائے تاکہ لوگ گناہ سے محفوظ رہیں۔

رعيّة

یہ مصدر بہ معنی اسم مفعول ہے' مراد یہ ہے کہ جو کسی کی نگہبانی میں ہو۔ اس طرح عوام سلطان اور حاکم کے' اولاد ماں باپ کے' تلامذہ اساتذہ کے' مریدین پیر کے رعایا ہوئے۔ یونہی جو مال زوجہ یا اولاد یا نوکر کی سپردگی میں ہو' اس کی نگہداشت ان پر واجب ہے۔

كلكم راع

جس کے ماتحت کوئی نہ ہو' وہ اپنے اعضاء و جوارح' افعال و اقوال' اپنے اوقات اور اپنے اُمور کا راعی ہے۔ ان سب کے بارے میں وہ جواب دِہ ہوگا۔ یہ ارشاد بھی جوامع الکلم میں سے ہے۔

ت۱۷۵- وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنَّمَا الْغُسْلُ عَلٰى مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غسل اس پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: هل على من لا يشهد الجمعة غسل ص ۱۲۲)

اس اثر کو بیہقی نے موصولاً روایت کیا ہے' یہاں باب یہ ہے: کیا جن پر جمعہ کے لیے حاضر ہونا نہیں' ان پر غسل ہے؟ مثلاً عورتیں' بچے' مسافر۔ یعنی جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں' ان پر بھی غسل ہے یا صرف ان لوگوں پر ہے جن پر جمعہ فرض ہے۔ باب میں صرف سوال کر کے چھوڑ دیا گیا' مگر اس کے ضمن میں جو اثر اور حدیث لائے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غسل صرف انہیں لوگوں پر ہے جن پر جمعہ فرض ہے۔ اس سے بہ ظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہی امام بخاری کا مسلک ہے۔ اثر سے اس کا اثبات صراحۃً لفظ "انّما" سے ہے' جو کلمۂ حصر ہے۔ اور حدیث سے بہ طریق مفہوم مخالف کہ جب حضور نے یہ فرمایا کہ جو جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرے تو مفہوم مخالف یہ نکلا کہ جو جمعہ کے لیے نہ آئے' اس پر غسل نہیں' مگر ہمارے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ ہمارے طور پر تقریر یہ ہوگی کہ اصل یہی ہے کہ غسل واجب نہ ہو۔ وجوب کے لیے دلیل درکار ہے' اور اس حدیث میں صرف انہیں لوگوں کے غسل کا حکم ہے' جو جمعہ کے لیے آئیں' تو ثابت ہوا کہ جو نہ آئیں ان پر غسل نہیں' اصل کے اعتبار سے۔

فائدہ باب

چونکہ اس سلسلے کی احادیث مختلف مضامین کی تھیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہر مسلمان پر جمعہ کا غسل ثابت واجب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں' عورتوں' اندھوں' قیدیوں' مسافروں سب پر واجب ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہر بالغ پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کے علاوہ سب پر ہے' تو اس کی تنقیح ضروری ہوئی' اس کے لیے امام بخاری نے باب قائم فرمایا ہے۔

۵۶۳- ح: حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ (الخ)

[ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ (ہر ہفتہ میں ایک دن) غسل کرے]

۵۶۳- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ ہر ہفتے میں ایک دن غسل کرے جس میں اپنا سر اور جسم دھوئے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: هل على من لا يشهد الجمعة غسل ص ۱۲۲' باب: ما ذكر عن بني اسرائيل ص ۶-۴۹۵' مسلم' نسائی۔

کتاب الجمعہ)

کتاب الجمعہ کی پہلی حدیث کا یہ بھی جز ہے۔ اس حدیث میں ''کل مسلم'' دوسری احادیث سے خاص ہے' بالغ کے ساتھ۔ اور قرائن عقلیہ سے صرف ان لوگوں کے ساتھ جن پر جمعہ ہے' اور ''یوماً'' سے مراد یوم جمعہ ہے۔ حدیث کا اوّل حصہ اس پر قرینہ ہے اور حق بہ معنی ثابت ہے' مراد استحباب ہے۔

٥٦٤- ح: اِئْذَنُوْا لِلنِّسَآءِ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسَاجِدِ

[رات میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت دے دیں]

٥٦٤ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ائْذَنُوْا لِلنِّسَآءِ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسَاجِدِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: رات کو مسجد جانے کی عورتوں کو اجازت دے دیں۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: هل على من لا يشهد الجمعة غسل ص ۱۲۳)

یہ حدیث سند اور لفظ کے تغیر کے ساتھ گزر چکی ہے' وہیں اس سے متعلق ابحاث بھی مذکور ہیں۔ یہاں حدیث کے ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ عورتوں پر جمعہ اور جمعہ کا غسل نہیں' اس لیے کہ عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت صرف رات میں ہے اور جمعہ دن میں پڑھا جاتا ہے' تو ثابت ہوا کہ انہیں جمعہ کی اجازت نہیں۔

٥٦٥- ح: لَا تَمْنَعُوْا اِمَآءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ

[اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو]

٥٦٥ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ امْرَاَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلٰوةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَآءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهَا لِمَ تَخْرُجِيْنَ وَقَدْ تَعْلَمِيْنَ اَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ قَالَتْ وَمَا يَمْنَعُهُ اَنْ يَنْهَانِيْ قَالَ يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا اِمَآءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ. (بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: هل على من لا يشهد الجمعة ص ۱۲۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عمر کی ایک بیوی' صبح اور عشاء کی جماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہوتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں جاتی ہیں حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمر اسے ناپسند کرتے ہیں اور اس پر ان کو غیرت آتی ہے' تو انہوں نے کہا: پھر انہیں مجھے مسجد میں جانے سے روکنے پر کون سی چیز مانع ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان زوجہ مبارکہ کا نام عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نُفیل تھا' جیسا کہ مسند امام احمد اور مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ یہ حضرت سعید بن زید کی بہن تھیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے خاندان کے دو افراد عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عاتکہ سے کہنے والے حضرت عمر ہی تھے[1] باب سے مناسبت یوں ہے کہ وہ جب جماعت کی اتنی شوقین تھیں تو اگر جمعہ کی حاضری کی اجازت ہوتی تو جمعہ کے لیے بھی ضرور حاضر ہوتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو جمعہ کی حاضری کی اجازت نہیں۔ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کمال اطاعت ثابت ہو رہی ہے کہ اس کے باوجود کہ عورتوں پر جماعت واجب نہیں اور وہ اپنی زوجہ مبارکہ کے مسجد جانے کو ناپسند کرتے تھے' مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے منع نہیں فرمایا۔

ت ١٧٦- وَقَالَ عَطَاءٌ اِذَا كُنْتَ فِيْ قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ   اور امام عطاء نے کہا کہ جب تو قریہ جامعہ میں ہو اور جمعہ

[1] عمدۃ القاری۔ ج ٦ ص ١٩٥

فَنُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَحَقٌّ عَلَيْكَ اَنْ تَشْهَدَهَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ اَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ. کے دن اذان دی جائے تو تجھ پر واجب ہے کہ جمعہ میں حاضر ہو اذان سنے یا نہ سنے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من این توتی الجمعۃ ص ۱۲۳)

اس اثر کو عبدالرزاق نے روایت کیا اور اخیر میں یہ زیادہ کیا: ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا: قریہ جامعہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: جو بستی جماعت والی ہو جہاں امیر قاضی ہو جس کے گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے اکٹھے ہوں جیسے جدہ۔ مصر جامع کی قریب قریب یہی تعریف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ سابقاً گزر چکا قریہ کا اطلاق مکہ معظمہ طائف انطاکیہ پر قرآن کریم میں آیا ہے۔

سمعت النداء

چونکہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جمعہ ہر اس شخص پر ہے جو اذان سنے[1] اس سے بہ ظاہر شبہہ ہوتا ہے کہ شہر میں رہتے ہوئے جو اذان نہ سنے تو اس پر جمعہ فرض نہیں۔ اس کے ازالے کے لیے امام بخاری نے امام عطاء کا یہ فتویٰ نقل فرمایا کہ شہر کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے اذان سنیں یا نہ سنیں۔ جمعہ کی فرضیت وعدم فرضیت میں اذان کو کوئی دخل نہیں حدیث مذکور صحیح نہیں۔ اس پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے۔

ت ۱۷۷ - وَكَانَ اَنَسٌ فِی قَصْرِهٖ اَحْيَانًا يُّجَمِّعُ وَاَحْيَانًا لَّا يُجَمِّعُ وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلٰى فَرْسَخَيْنِ. اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کبھی اپنے محل میں جمعہ پڑھتے اور کبھی محل میں نہ پڑھتے بصرہ آتے وہ زاویہ میں رہتے تھے جو بصرہ سے دو فرسنگ (چھ میل) کے فاصلے پر تھا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من این توتی الجمعۃ ص ۱۲۳)

اس تعلیق کے دو جز ہیں ایک یہ کہ زاویہ میں جمعہ پڑھتے دوسرا یہ کہ وہاں نہیں پڑھتے تھے بصرہ آ کر پڑھتے۔ جزء اخیر کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔ زاویہ بصرہ سے ملحق ایک بستی کا نام ہے امام بخاری کا مقصود غالباً یہ ہے کہ دیہاتیوں پر شہر میں آ کر جمعہ پڑھنا فرض نہیں لیکن اگر آ کر پڑھ لیں تو بہتر ہے۔

اشکال

زاویہ دیہات تھا وہاں حضرت انس کے جمعہ پڑھنے پر دو اشکال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دیہات میں جمعہ کیسے پڑھتے تھے؟ دوسرے وہاں کوئی حاکم نہیں تھا۔ یہ از خود کیسے جمعہ قائم کر لیتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ زاویہ دیہات تھا؟ ہو سکتا ہے قصبہ اور شہر رہا ہو۔ نیز یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ بلا اذن حاکم جمعہ پڑھتے تھے۔ ہو سکتا ہے انہیں اس کا من جانب حاکم اذن رہا ہو۔ اگر نہ بھی ہو تو جہاں حاکم نہیں وہاں کے باشندوں کو جمعہ قائم کرنے کا حق ہے۔ نیز جہاں حاکم نہ ہو وہاں اعلم علماء بلد کو اقامت جمعہ کا حق ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ میں متعدد جگہ اس کی تصریح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت انس اس بستی میں اعلم علماء بلد تھے۔

۵٦٦- ح: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ [لوگ باری باری جمعہ کے لیے آتے]

۵٦٦ - عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيّ ام المومنین حضرت عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات نے فرمایا: لوگ باری باری اپنے محلوں اور عوالی سے جمعہ کے لیے غبار

[1] ابوداود۔ ج ۱ ص ۱۵۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من تجب علیہ الجمعۃ

فَيَأْتُوْنَ فِي الْغُبَارِ يُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْسَانٌ مِّنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا.

میں آتے، ان پر غبار پڑ جاتا اور ان کا پسینہ نکلتا، ان میں ایک صاحب (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور میرے پاس تشریف فرما تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: آج کے دن کے لیے اگر تم غسل کر لیتے تو اچھا ہوتا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من این توتی الجمعۃ ص ۱۲۳، مسلم، ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ)

اس سے قبل گزر چکا کہ عوالی مدینہ طیبہ کے مشرقی بالائی حصے کا نام ہے، جس کا فاصل مسجد نبوی سے دو میل سے لے کر آٹھ میل تک ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے: اس شخص پر جمعہ ہے جو رات کو گھر واپس آ سکے۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ اہل قبا کو حضور اقدس ﷺ نے جمعہ کا حکم دیا۔[1] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کے باشندوں پر بھی جمعہ ہے، اس کے ازالے کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا کہ کتنی دور سے جمعہ کے لیے آیا جائے۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ دیہات والوں پر جمعہ فرض نہیں، لیکن اگر وہ شہر میں آ کر پڑھ لیں تو بہتر ہے، اس لیے کہ اگر دیہات والوں پر جمعہ فرض ہوتا تو ہر مکلف حاضر ہوتا، لوگ باری باری کیوں حاضر ہوتے۔ حدیث "الجمعة على من آواه الليل الى اهله" صحیح نہیں۔ خود امام ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ کچھ نہیں اور بھی اس میں سقم ہے اور اہل قبا کو حکم دینا حصولِ افضلیت کے لیے تھا۔ یہی ہمارا مذہب ہے کہ جمعہ صرف شہر اور قصبے کے لوگوں پر فرض ہے، دیہات والوں پر نہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دیہات میں جمعہ صحیح نہیں، ورنہ حضور اقدس ﷺ قبا شریف میں جمعہ قائم فرما دیتے، جبکہ وہاں مسجد بھی تھی جس میں پنج وقتہ جماعت ہوتی تھی۔

۵٦٧- ح: كَانَ النَّاسُ مِهْنَةَ اَنْفُسِهِمْ

[لوگ اپنے کام خود کر لیا کرتے تھے]

۵٦٧ - اَخْبَرَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَاَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّاسُ مِهْنَةَ اَنْفُسِهِمْ وَكَانُوْا اِذَا رَاحُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوْا فِيْ هَيْئَتِهِمْ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ.

یحییٰ بن سعید نے خبر دی کہ انہوں نے عمرہ سے جمعہ کے دن غسل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگ اپنے کام خود کر لیا کرتے تھے اور جب جمعہ کے لیے آتے تو اسی حالت میں چلے آتے تو ان سے کہا گیا: اگر تم غسل کر لیتے تو اچھا ہوتا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: وقت الجمعة اذا زالت الشمس ص ۱۲۳، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ)

عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعید مدینہ طیبہ کی باشندہ انصاری خاتون تھیں، جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کی سب سے زیادہ روایت کرنے والی ہیں۔ یہاں باب ہے: جمعہ کا وقت سورج ڈھلنے پر ہے۔ اس حدیث کو باب سے یوں مناسبت ہے کہ رواح، زوال کے بعد چلنے کو کہتے ہیں۔

لو اغتسلتم

اس میں "لو" تمنی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا: کاش کہ تم لوگ غسل کر لیتے۔ اور حرف شرط بھی ہو سکتا ہے، اس تقدیر پر جزاء محذوف ہوگی یعنی "لكان حسنا" اس سے ثابت ہوا کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں، بہتر ہے۔

---

[1] ترمذی۔ ج ا ص ٦٦۔ باب: من کم توتی الجمعۃ

۵٦٨- ح: كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب سورج ڈھل جاتا تو جمعہ پڑھتے]

٥٦٨ - عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سورج ڈھل جاتا تو جمعہ پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: وقت الجمعة ص ۱۲۳، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۵٦٩- ح: كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيْلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

[ہم پہلے وقت میں جمعہ کے لیے جاتے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے]

٥٦٩ - عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيْلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اوّل وقت جمعہ کے لیے جاتے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: وقت الجمعة ص ۴-۱۲۳، ایضاً۔ باب: قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض ص ۱۲۸، ترمذی، نسائی۔ کتاب الجمعۃ، ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ)

''نبکر'' کا مادہ ''بُكْرَة'' ہے، جس کے معنی صبح کے ہیں۔ اب ''نبکر'' کے معنی ہوئے: ہم صبح کو جاتے تھے، اس معنی کے لحاظ سے اس حدیث کو باب سے کوئی مناسبت نہ ہوگی، جوہری نے کہا کہ ''بكّر'' کے معنی سبقت کرنے کے بھی ہیں، اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم جمعہ کے لیے سبقت کرتے تھے، یعنی اوّل وقت جاتے تھے۔ اب باب سے یک گونہ مناسبت ہو جائے گی۔ باب یہ ہے: جمعہ کا وقت سورج ڈھلنے کے وقت ہے۔ پہلی حدیث: ۵٦٨ سے ثابت ہے کہ زوال ہوتے ہی جمعہ کا وقت ہو جاتا ہے، اس سے ابتداء وقت معلوم ہو گیا، رہ گیا کب تک ہے؟ یہ دوسری حدیث سے معلوم ہو گیا۔

۵۷۰- ح: إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ (الخ)

[جب سردی کی شدت ہوتی تو نماز اوّل وقت میں پڑھتے]

٥٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ هُوَ خَالِدُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ وَقَالَ يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ أَخْبَرَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ وَقَالَ بِالصَّلٰوةِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ صَلّٰى بِنَا أَمِيْرُ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَالَ لِأَنَسٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ. (بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: اذا اشتد الحر یوم الجمعة ص ۱۲۴، نسائی)

ابوخلدہ جو کہ خالد بن دینار ہیں، نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو نماز اوّل وقت میں پڑھتے اور جب گرمی کی شدت ہوتی تو ٹھنڈا کرتے، یعنی جمعہ کو۔ اور یونس بن بکیر نے کہا کہ ہمیں ابوخلدہ نے خبر دی اور بالصلوٰۃ کہا، اور جمعہ کا ذکر نہیں کیا، اور بشر بن ثابت نے کہا کہ ہم سے ابوخلدہ نے حدیث بیان کی کہ ہمیں حاکم نے جمعہ پڑھایا، پھر حضرت انس سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ظہر پڑھتے تھے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کا اوّل وقت زوال کا وقت ہے' البتہ امام مجاہد کہتے ہیں کہ زوال سے پہلے بھی جمعہ صحیح ہے' اور امام احمد بن حنبل سے بھی مروی ہے' یہ لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ یومِ عید ہے۔ اس کی نماز کا وقت بھی وہی ہے جو عیدین کی نمازوں کا ہے' اس لیے امام بخاری نے وقت جمعہ کا باب باندھ کر یہ ثابت کیا کہ جمعہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور حضرت انس کی حدیث: ۵۶۹ لاکر بتادیا کہ اس حدیث میں "نبکر" سے مراد اوّل وقت میں نماز پڑھنا ہے۔

جمعہ کا وقت بعینہٖ وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے' یعنی زوال سے لے کر مثل ثانی تک ہمارے نزدیک اور مثل اوّل تک امام شافعی وغیرہ کے نزدیک۔ اور اس میں بھی وہی تفصیل ہے کہ جاڑوں میں جلد پڑھنی مستحب ہے اور گرمیوں میں جب گرمی میں تخفیف ہوجائے' اس وقت۔ اس پر یہ حدیث صراحۃً دلالت کر رہی ہے۔

یعنی الجمعة

یہ متعین نہیں ہوسکا کہ پہلی روایت میں "یعنی الجمعة" ابوخلدہ کا قول ہے جو تابعی ہیں یا کسی اور کا' اس لیے کہ بہ طریق یونس انہیں ابوخلدہ سے جو روایت ہے اس میں "یعنی الجمعة" کا لفظ نہیں۔ "الصلوٰۃ" کو اگر عام رکھا جائے تو یہ ظہر اور جمعہ دونوں کو شامل ہے' اور اگر اس سے مراد جمعہ لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں' بلکہ بعد کی تعلیقات اسی پر قرینہ ہیں کہ "الصلوٰۃ" سے مراد جمعہ ہی ہے۔

قال یونس

اس تعلیق کو امام بخاری نے الادب المفرد میں سند متصل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مکمل یوں ہے: (ابوخلدہ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ حاکم بصرہ حَکَم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ فرما رہے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جاڑا سخت ہوتا تو نماز جلد پڑھتے اور جب گرمی سخت ہوتی تو ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔

وقال بشر

"امیر الجمعة" سے مراد حجاج بن یوسف کا چچازاد بھائی' حکم بن ابی عقیل ہے۔ یہ بھی حجاج کی طرح خطبہ طویل دیتا تھا۔
جمعہ پڑھا کر' حکم کا حضرت انس سے یہ سوال کرنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ظہر پڑھتے تھے؟ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ بات اس عہد میں بھی سب کو مسلم تھی کہ ظہر اور جمعہ کا ایک ہی وقت ہے۔

ت۱۷۸- قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِيْنَئِذٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس وقت (یعنی اذانِ جمعہ کے وقت) خرید و فروخت حرام ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: باب المشی الی الجمعۃ ص ۱۲۴)

ت۱۷۹- وَقَالَ عَطَاءٌ تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا. (ایضا)

امام عطاء نے کہا کہ اس وقت تمام کام حرام ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی تعلیق کو ابن حزم نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام عطاء والی تعلیق کو عبد بن حمید نے اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے۔ جب جمعہ کی اذان ہو تو جمعہ کے لیے حاضر ہونا فرض ہے' اور اپنے سارے کام کاج چھوڑ دینا واجب ہے۔ اس پر نص جلی اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ. (الجمعہ:۹)

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو خرید و فروخت چھوڑ دو اور اللہ عزوجل کے ذکر کی طرف تیزی سے بڑھو۔

آیت میں اگر چہ صرف خرید و فروخت کا ذکر ہے مگر "فاسعوا الی ذکر اللّٰه" سے ظاہر ہے کہ ہر وہ کام حرام ہے جو جمعہ کے لیے حاضری میں مخل ہو۔ اسی بناء پر امام عطاء نے فرمایا کہ سارے کاروبار حرام ہیں' امام بخاری کو اس مضمون کی کوئی صحیح حدیث نہ مل سکی' اس لیے انہوں نے پہلے آیت سے استدلال فرمایا' پھر اقوالِ رجال سے۔

امام شافعی' امام احمد اور اکثر فقہاء' حتیٰ کہ احناف میں سے امام ابو جعفر طحاوی نے فرمایا کہ اس سے مراد خطبہ کی اذان ہے' اس لیے کہ عہدِ رسالت میں یہی اذان تھی۔ اذان اوّل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے' مگر احناف کے نزدیک صحیح مختار یہ ہے کہ اذان اوّل ہوتے ہی خرید و فروخت ممنوع ہے' یہ اگر چہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجاد سے ہے مگر اس پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا' سب نے اسے پسند کیا' تو اس پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہو گیا۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین"[1] تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ جب یہ اذان مشروع ہے تو "اذا نودی للصلوٰة" کے اطلاق میں داخل ہوئی' اس لیے وجوب سعی میں اور دیگر مشاغل میں مصروفیت کی حرمت میں اسی کا اعتبار لازم۔ نیز اذان خطبہ کے وقت گھر سے چلنے میں پہلے کی سنت مؤکدہ بھی چھوٹے گی اور شروع سے خطبہ بھی نہ سن سکے گا اور گھر دور ہو گا تو نماز بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

ت ۱۸۰- وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ مُسَافِرٌ فَعَلَيْهِ اَنْ يَّشْهَدَ.

امام زہری سے مروی ہے کہ جب مؤذن جمعہ کے دن اذان دے اور وہ مسافر ہو تو اس پر جمعہ کے لیے حاضر ہونا لازم ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعة۔ باب: المشی الی الجمعة ص ۱۲۴)

مسافر پر جمعہ ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تقریباً اجماع ہے کہ واجب نہیں' البتہ امام زہری سے دونوں روایتیں منقول ہیں' دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں' مگر اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ حاضر ہو جائے۔

۵۷۱- ح: مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الخ)

[جس کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے]

۵۷۱ - حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ قَالَ اَدْرَكَنِيْ اَبُوْ عَبْسٍ وَّاَنَا اَذْهَبُ اِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ.

عبایہ بن رفاعہ نے کہا: میں جمعہ کے لیے جا رہا تھا کہ ابو عبس مجھے ملے اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس کے قدم اللہ کے راستے میں گرد آلود ہوں' اللہ اسے جہنم پر حرام فرما دے گا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعة۔ باب: المشی الی الجمعة ص ۱۲۴' کتاب الجهاد۔ باب: من اغبرت قدماه فی سبیل اللّٰه ص ۳۹۴' ترمذی' نسائی' دارمی۔ کلھم فی کتاب الجهاد' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۴۷۹)

نسائی میں تھوڑے سے تغیر اور زیادتی کے ساتھ یوں ہے کہ ابو مریم نے کہا کہ میں جمعہ کے لیے جا رہا تھا تو عبایہ بن رفاعہ ملے اور انہوں نے کہا: تمہیں بشارت ہو' تمہارا یہ قدم اللہ کے راستے میں ہے۔ میں نے ابو عبس سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' الحدیث۔

علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ ہو سکتا ہے کہ ابو مریم سے عبایہ نے وہ کہا ہو اور عبایہ سے حضرت ابو عبس نے یہ کہا ہو: "فی سبیل اللّٰه" عام ہے ہر کارِ خیر کے لیے چلنے کو اور اس میں مشغولیت کو۔

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۲۷۹۔ کتاب السنة۔ باب: فی لزوم السنة' ابن ماجہ۔ مقدمہ۔ باب: اتباع الخلفاء الراشدین ص ۵' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۲۶

۵۷۲- ح: اَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ اَخَاهُ (الخ)

[کوئی اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر (خود نہ بیٹھے)]

۵۷۲ - سَمِعْتُ نَافِعًا قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ اَخَاهُ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيهِ قُلْتُ لِنَافِعٍ اَلْجُمُعَةَ قَالَ الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا.

نافع نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اُٹھا کر خود بیٹھے (ابن جریج نے کہا:) میں نے نافع سے پوچھا: جمعہ کو؟ تو نافع نے کہا: جمعہ ہو یا کوئی اور مجمع۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: لا يفرق بين اثنين ص ۱۲۴، مسلم۔ کتاب الاستیذان)

جمعہ میں یا کسی مجمع میں جس نے جو جگہ لے لی، وہ اس کا حق ہو گئی، اسے اُٹھا کر خود بیٹھنا یا کسی کو بٹھانا منع ہے، اس لیے کہ اس میں اُٹھانے والے کا تکبر ہے اور جسے اُٹھایا اس کی تحقیر بھی ہے اور اسے ایذاء دینا بھی ہے۔ ہاں! اگر کوئی خود اپنی جگہ کسی کو دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

۵۷۳- ح: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهٗ (الخ)

[(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں) جمعہ کے دن صرف پہلی اذان تھی]

۵۷۳ - عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهٗ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الزَّوْرَاءُ مَوْضِعٌ بِالسُّوقِ بِالْمَدِينَةِ.

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کے دن صرف پہلی اذان تھی اور یہ اس وقت ہوتی جب امام منبر پر تشریف رکھتے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہو گئی تو انہوں نے تیسری ندا (اذان اوّل) زائد کی جو زوراء پر دی جاتی تھی۔ ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) نے کہا: زوراء مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الاذان يوم الجمعة ص ۱۲۴، باب: المؤذن الواحد يوم الجمعة ص ۱۲۴، باب: الجلوس على المنبر عند التاذين ص ۱۲۵، باب: التاذين عند الخطبة ص ۱۲۵، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ کتاب الجمعۃ)

تکمیل...... (اذان خطبہ مسجد کے باہر ہونا مسنون ہے)

ابوداؤد[1] نیز طبرانی[2] وغیرہ میں یہ زائد ہے: "عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ" یعنی یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی، پہلی اذان کے اضافے کے بعد بھی اذان خطبہ وہیں دی جاتی رہی، جہاں عہد نبوی سے ہوتی آ رہی تھی، منبر کے متصل خطیب کے سر پر نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ آج کل عامہ مساجد میں مروّج ہے۔ اس کے باوجود کہ شہنشاہ ہشام بن عبدالملک نے اذان اوّل زوراء سے منتقل کر کے مسجد اقدس کے مینارے پر کر دی، مگر خطبہ کی اذان وہیں ہوتی رہی جہاں عہد نبوی سے ہوتی آئی تھی۔ زرقانی علی المواہب[3] میں علامہ محمد بن عبدالباقی لکھتے ہیں:

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۵۵۔ باب: النداء یوم الجمعة [2] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۳۲۷ [3] شرح زرقانی علی المواہب۔ ج ۷ ص ۴۳۵

لـمـا كان عثمان امر بالاذان الاوّل يفعله على الزوراء ثـم نـقله هشام الى المسجد اى امر بفعله فيـه وجـعل الآخر الذى بعد جلوس الخطيب على الـمـنبر بين يديه يعنى انه القاه بالمكان الذى يفعله فيـه فلم يغيره به خلاف ما كان بالزوراء فحولّها الى المسجد على المنار.

جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء میں دلوائی‘ پھر اس پہلی اذان کو ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کر دیا‘ یعنی مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری جو خطیب کے سامنے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی‘ اسے خطیب کے مواجہہ میں رہنے دیا‘ یعنی جہاں ہوتی تھی وہیں باقی رکھی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطبہ کی اذان میں بھی سنت یہ ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔ مسجد کے اندر کہیں بھی دینا خصوصاً منبر کے متصل خطیب کے سر پر بدعت ہے۔ فقہاء احناف نے مسجد کے اندر اذان دینے کو مطلقاً ممنوع اور مکروہ لکھا ہے‘ اس میں نہ اذان پنجگانہ کی تخصیص کی اور نہ اذان خطبہ کو مستثنیٰ فرمایا اس لیے یہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی‘ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ[1] میں لکھتے ہیں:

قوله مستقبل الامام اى بين يديه داخل المسجد او خارجه والمسنون هو الثانى.

مستقبل الامام کے معنی ہیں: سامنے کے اور سامنے ہونا‘ داخل مسجد پر بھی صادق ہے اور خارج مسجد پر بھی‘ اذان میں سنت یہ ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔

ہاں! اگر قبل تمام مسجدیت اذان کے لیے کوئی جگہ متعین کر دی جائے یا کوئی جگہ متعین تھی پھر مسجد میں توسیع ہوگئی‘ جس کی وجہ سے وہ جگہ اندرون مسجد آ گئی تو وہاں اذان دینے میں حرج نہیں‘ جیسا کہ زمانہ اقدس حضور ﷺ میں اذان خطبہ مسجد حرام میں مطاف کے کنارے ہوتی تھی۔ اس عہد میں مسجد حرام مطاف ہی تک تھی[2] بعد میں جب مسجد حرام کی توسیع ہوئی تو وہ جگہ اندرون مسجد آ گئی‘ اب وہاں اذان دینے میں حرج نہیں‘ چنانچہ مسجد حرام میں اذان خطبہ اب بھی وہیں ہوتی ہے‘ اگر چہ مسجد کی توسیع ہوگئی یا جیسے دہلی کی جامع مسجد میں یہ اذان صحن میں بنے ہوئے مکبرہ پر ہوتی ہے‘ یہ مکبرہ قبل تمام مسجدیت اس کے لیے خاص کر دیا گیا تھا۔

انبیٹھی صاحب پر ردّ

خلیل احمد انبیٹھی خلیفہ گنگوہی صاحب نے بذل المجہود[3] میں اپنے دل کے پھپھولے یوں پھوڑے ہیں:

وتمسك به رئيس اهل البدعة فى زماننا احمد رضا البريلوى واذا ع الفتن والشرور فى هذه المسئلة وكتب فيها الكتب والرسائل.

اسی ابوداؤد کی حدیث سے ہمارے زمانے میں بدعتیوں کے رئیس احمد رضا بریلوی اس مسئلے پر دلیل لایا ہے اور فتنے اور شر پھیلایا ہے اور اس مسئلے میں کتابیں اور رسالے لکھے ہیں۔

ناظرین کرام! دیوبندیوں کا تیر ونشتر اور تہذیب ملاحظہ کریں۔ حدیث کی شرح لکھنے بیٹھے ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ پر تبرا کر رہے ہیں۔ دل کی دبی کہاں چین لینے دیتی ہے۔ حدیث میں نص صریح ہے کہ اذان عہد رسالت اور خلفاء راشدین میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی‘ جس کا نہایت واضح مفہوم یہ ہے کہ مسجد کے باہر ہوتی تھی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس اذان میں بھی سنت یہ ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔ اب لامحالہ ثابت ہوا کہ مسجد کے اندر یہ اذان دلوانا بدعت وہ بھی بدعت سیئہ‘ اس لیے کہ سنت کے معارض ومزاحم ہے۔ آپ کو خود تسلیم ہے کہ فقہاء مسجد کے اندر اذان دینے کی کراہت پر اسی حدیث سے دلیل لائے ہیں۔ چنانچہ اسی تیر ونشتر

[1] عمدۃ الرعایہ۔ ج ا ص ۲۰۲۔ باب: الجمعة [2] مسلک متقسط۔ ص ۲۸۰ [3] بذل المجہود ج ۲ ص ۱۸۰

[...]تے پہلے ہے:

هٰذَا الْحَدِيْثُ اسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰى كَرَاهَةِ الْاَذَانِ [فِ]ى الْمَسْجِدِ وَقَالُوْا اِنَّ بَابَ الْمَسْجِدِ كَانَ خَارِجًا [فَ]اُذِّنَ عَلَيْهِ فَيُكْرَهُ الْاَذَانُ فِي الدَّاخِلِ وَقَدْ صَرَّحَ [بِ]هٖ صَاحِبُ الْعَوْنِ نَاقِلًا عَنْ شَيْخِهٖ صَاحِبِ غَايَةِ [الْمَ]قْصُوْدِ.

مسجد کے اندر اذان کے مکروہ ہونے پر اسی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے لوگوں نے کہا کہ مسجد کا دروازہ خارج مسجد تھا' اس لیے وہاں دی گئی' مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے' صاحب عون نے اپنے استاذ صاحب غایۃ المقصود سے نقل کرتے ہوئے اس کی [...] تصریح کی ہے۔

آپ کو جب اس کا اقرار ہے کہ مسجد میں اذان کے مکروہ ہونے پر یہ حدیث دلیل ہے' اور یہ حدیث خاص اذان جمعہ میں وارد [...]ے تو اذان جمعہ اندرونِ مسجد بہ درجہ اولیٰ مکروہ۔ اور کراہت سے عند الاطلاق کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب [ن]اجائز وگناہ ہے۔

اب کوئی منصف بتائے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ایک مردہ سنت کو زندہ کیا اور ایک بدعت کو ختم کیا تو یہ فعل عند الشرع بلاشبہہ [مس]تحسن اور باعث ستائش ہے یا باعث لعن وطعن؟ احیاء سنت پر لعن وطعن کس مسلمان کا کام ہے؟ مگر جو گروہ اہانت رسول کا خوگر ہو' اس [س]ے کیا شکایت۔

[ک]شمیری صاحب پر تعقب

اس خصوص میں ناظرین ایک اور دلچسپ تحقیق اسی گروہ کے بہت بڑے بزرگ کی سن لیں۔ کشمیری صاحب فیض الباری[1] میں [لک]ھتے ہیں:

ولم اجد على كون هٰذا الاذان فى داخل [ال]مسجد دليلا عند المذاهب الاربعة الا ما قال صاحب [ال]هداية انه جرى به التوارث ثم نقله الآخرون ايضا [ف]همت منه انهم ليس عندهم دليل غير ما قاله صاحب [ال]هداية لذا يلجؤن الى التوارث.

اذانِ جمعہ مسجد کے اندر ہونے پر چاروں مذاہب کے نزدیک میں نے کوئی دلیل نہیں پائی' سوائے اس کے جسے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اسی پر توارث ہے' پھر اسی کو دوسروں نے بھی نقل کیا' اس سے سمجھ میں آیا کہ اذان کے مسجد کے اندر ہونے پر ان کے پاس دلیل نہیں' سوائے اس کے جو صاحب ہدایہ نے کہا ہے' اسی لیے یہ لوگ توارث کی آڑ لیتے ہیں۔

یہ کشمیری صاحب کون ہیں؟ آپ کی جماعت کے وہ نادر روزگار شخصیت ہیں کہ ان جیسا وسیع المطالعہ' ذہین فطین' قوی الحافظہ' جمیع [عل]وم وفنون کا ماہر' کوئی بہ قول آپ لوگوں کے پیدا ہی نہیں ہوا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان خطبہ دیئے جانے پر میں نے کوئی دلیل نہیں پائی اور جب اس پر کوئی دلیل نہیں تو اس پر عمل بلاشبہہ حرام وگناہ ہوا۔ ایک فعل حرام کے بند کرنے کی کوشش انیٹھی صاحب [ک]و ناگواری لگی کہ وہ آپے سے باہر ہیں' مگر ہونا بھی یہی چاہیے اس لیے کہ گستاخ رسول سے سوائے اس کے اور کیا توقع کی جا سکتی [ہ]ے۔

ہدایہ کی عبارت کی توجیہ

رہ گیا صاحب ہدایہ کے اس ارشاد "بذلك جرى التوارث" سے یہ استدلال کہ اذان خطبہ کے اندرون مسجد پر توارث ہے'

[1] فیض الباری ج ۲ ص ۳۳۵

بہت بڑی جہالت ہے' یہاں کی پوری عبارت ملاحظہ کریں:

اذا صعد الامام المنبر واذن المؤذنون بين يدى المنبر بذلك جرى التوارث. (ج۱۔ کتاب الجمعۃ۔ ص۱۵۱)

جب امام منبر پر آ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان کہیں۔

ظاہر ہے کہ ''ذلک'' کا مشار الیہ اذان ''بین یدی المنبر'' ہے اور ''بین یدی المنبر'' کے لیے مسجد کے اندر ہونا لازم نہیں۔ ابوداؤد کی حدیث میں ''بین یدی'' بھی ہے اور ''علی باب المسجد'' بھی ہے' تو یہ حدیث اس پر نص ہے کہ ''بین یدی'' خارج مسجد پر بھی صادق۔ یہ خود کشمیری صاحب کو تسلیم ہے۔ العرف الشذی[1] میں ہے:

ولكن فى سنن ابى داؤد ص ۱۵۵' ما يدل على انه يكون فى خارج المسجد على الباب.

لیکن سنن ابوداؤد' ص ۱۵۵ پر جو مذکور ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہونی چاہیے۔

اور انبیٹھی صاحب کو بھی تسلیم ہے' وہ لکھتے ہیں:

ولا منافاة بين قوله بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين على باب المسجد.

سائب بن یزید کے اس قول ''بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''علی باب المسجد'' میں منافات نہیں۔

عہد نبوی میں مسجد اقدس سو ہاتھ لمبی سو ہاتھ چوڑی تھی۔ منبر اقدس زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ رہا ہوگا۔ منبر اور دیوار کا فاصلہ ایک ہاتھ مان لیجئے۔ سو میں سے چار ہاتھ نکال دیجئے تو چھیانوے ہاتھ کا فاصلہ ہوا۔ چھیانوے ہاتھ کے فاصلے کے باوجود ''بین یدی'' صادق' تو صاحب ہدایہ کے ''بین یدی المنبر'' کا یہ مطلب لینا کہ مسجد کے اندر خطیب کے سر پر اذان کہی جائے۔ دیوبندی مجتہدین کا کام ہوسکتا ہے' کسی علم والے کا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔

صاحب ہدایہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اور اذانوں کے بارے میں کوئی پابندی نہیں' مسجد کے باہر کہیں بھی دی جاسکتی ہیں مگر اذانِ خطبہ کے لیے ضروری ہے کہ مسجد کے باہر خطیب کے سامنے ہو۔ اس اذان کے خطیب کے سامنے ہونے پر توارث ہے۔

ابن اسحٰق کی توثیق

محمد بن اسحٰق کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ابوداؤد کی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں۔ محمد بن اسحاق اس پائے کے راوی ہیں کہ امام بخاری نے تعلیقاً اپنی صحیح میں ان کی روایت لی۔ کتاب المغازی کے شروع میں ہے:

قال ابن اسحق اوّل ما غزا النبى صلى الله عليه وسلم الابواء ثم بواط ثم العشيرة.

ابن اسحٰق نے کہا: نبی ﷺ نے سب سے پہلے جو غزوہ فرمایا وہ ابواء تھا' پھر بواط پھر عشیرہ۔

متابعات میں امام مسلم نے ان کی روایتیں بہ کثرت لی ہیں' اگر یہ ساقط الاعتبار ہوتے تو امام بخاری اور امام مسلم ان کی روایت کبھی نہ لیتے۔ تہذیب التہذیب میں علامہ ابن حجر نے ان کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل نے جو کچھ کہا ہے سب کچھ جمع فرمادیا ہے۔ ان کی اعلیٰ درجے کی تعریف اور توثیق بھی ذکر کی ہے اور کچھ جرحیں بھی اور کچھ جرحوں کے جواب بھی نقل فرمائے ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم کا ان کی روایت کو کسی بھی درجے میں لینا' اس کی دلیل ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ اسی میں امام بخاری کے ان کے بارے

[1] العرف الشذی۔ ج۱ص ۱۱۶۔ کتاب الجمعۃ

یں یہ ارشادات منقول ہیں کہ میں نے علی بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ ابن اسحٰق کی حدیث سے دلیل لاتے ہیں، اور علی نے کہا: میں نے ابن اسحٰق کو متہم کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے ان کی کتابوں سے بہت زیادہ منتخب کیا ہے۔ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کہا ہے اگر وہ صحیح ہے تو کبھی ایک شخص کسی پر ایک طعن کرتا ہے، تمام معاملات میں متہم نہیں جانتا۔ بہت سے لوگ بعض لوگوں کے نشانہ بنتے ہیں، جیسے ابراہیم نے شعبی کے بارے میں جو کہا اور جو شعبی نے عکرمہ کے بارے میں کہا، مگر اہل علم نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ شعبہ نے انہیں ان کے حافظے کی بناء پر امیر المؤمنین کہا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ امام بخاری کے نزدیک وہ ثقہ ہیں۔

فتنہ کس نے برپا کیا؟

رہ گیا انبیٹھی صاحب نے جو فرمایا کہ شر اور فتنے پھیلائے۔ اگر احیاء سنت کا نام شر و فتنہ پھیلانا ہے تو کیا آپ کے مذہب میں احیاء سنت، شر و فتنہ پھیلانا ہے؟ پھر آپ بتایئے اس حدیث کا کیا مطلب ہے:

من احیی سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فلہ مثل اجور من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا۔ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو مردہ ہو چکی تھی تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، سب کے برابر اسے ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

کبھی آپ نے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھا کہ آپ نے براہین قاطعہ میں یہ لکھ کر کتنا بڑا فتنہ پیدا کیا ہے:

"شیطان و ملک الموت کو یہ (علم کی وسعت) نص سے ثابت ہے۔ فخر دو عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ (ص ۵۱)

جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے لیے وسعت علم ماننا شرک ہے اور شیطان کے وسعت علم پر ایمان لانا واجب ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ شیطان لعین کا علم حضور اقدس ﷺ کے علم سے زائد ہے۔ اس طرح صریح کفری عبارت کو جب مسلمانوں نے برداشت نہیں کیا تو کتنا شر و فساد پھیلا اور دن بدن پھیلتا جا رہا ہے، وہ لوگوں پر مخفی نہیں۔

زاد النداء الثالث

اس سے مراد جمعہ کی پہلی اذان ہے، اس کو ثالث بہ اعتبار مشروع ہونے کے کہا گیا ہے، پہلی اذان خطبہ اور دوسری اقامت۔ ان دونوں کے بعد اس کا احداث ہوا اس لیے یہ ثالث ہوئی۔

اقامت پر اذان کا اطلاق خود حدیث میں ہے، فرمایا: "بین کل اذانین صلٰوۃ" ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ حضرت ابن عمر اور امام حسن بصری نے اسے بدعت کہا، مگر ان کی بدعت سے مراد لغوی معنی ہے، یعنی یہ عہد نبوی میں نہ تھی۔ حضرت عثمان نے ایجاد فرمائی جیسے حضرت فاروق اعظم نے خود جماعت کے ساتھ تراویح کا حکم دیا تو فرمایا: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" یہ اچھی بدعت ہے، اور اگر یہ بدعت سیئہ مذمومہ ہوتی تو صحابہ کرام اس پر سکوت نہ فرماتے، جب مکہ معظمہ میں "تاَھُّل" کے بعد منیٰ میں حضرت عثمان نے قصر ترک کر کے پوری نمازیں پڑھیں تو لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ اس اذان پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اسی پر عمل درآمد آج تک ہوتا آیا ہے۔

خلفائے راشدین اور تشریع

اس حدیث سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین بھی مقام تشریع پر فائز تھے، حضرت صدیق اکبر نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم نے تراویح کو با جماعت کیا اور حضرت عثمان نے پہلی اذان کا اضافہ فرمایا۔ یہ سب اس کی دلیل ہیں، اور

یہی ارشادِ کریم "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کشمیری صاحب کو بھی اتنا تسلیم ہے کہ خلفاء راشدین کا منصب، تشریع اور اجتہاد کے مابین ہے[1] اگرچہ تشریع اور اجتہاد کے مابین کا مطلب ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

علامہ ابن حجر پر تطفل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام پہلے منبر پر بیٹھے گا، پھر اذان دی جائے گی اور یہی ہمارا مذہب ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ علامہ ابن حجر سے یہاں لغزش ہوگئی ہے۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اذان پہلے ہوگی، امام منبر پر بعد میں بیٹھے گا۔

یہ حدیث اسی باب میں دوسرے طریقے سے بھی مروی ہے، اس میں یہ زائد ہے:

لم یکن للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد. — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سے زائد مؤذن نہیں تھے۔

اس سے مراد ہے: مسجد نبوی میں مستقل مؤذن صرف ایک تھے، یعنی حضرت بلال، بقیہ حضرات یا تو دوسری مساجد کے مؤذن تھے یا عارضی مثلاً عبداللہ بن اُم مکتوم۔ ان کا اذان دینا صرف صبح کے لیے وہ بھی صرف رمضان میں ثابت ہے۔ حضرت ابومحذورہ مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے مؤذن تھے، حضرت سعد القرظ قباء کے، اور حضرت ابن حارث صدائی کی اذان کا ثبوت صرف ایک بار ملتا ہے، جیسا کہ انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فجر کی اذان کا حکم دیا تو میں نے اذان کہی، بلال نے اقامت کہنی چاہی تو فرمایا: صدائی بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دے، وہی اقامت کہے[2] ابن ماجہ میں یہ زائد ہے کہ آپ نے انہیں ایک سفر میں یہ حکم دیا تھا، اس لیے یہ بھی مستقل نہ تھے۔ اور حدیث کے سیاق سے یہ ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ جمعہ کے لیے صرف ایک مؤذن تھا۔

٥٧٤- ح: اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ اللّٰهُ (الخ) — [مؤذن اذان دے رہا تھا، مؤذن نے کہا: (اللہ اکبر)]

٥٧٤ - عَنْ اَبِی اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِی سُفْيَانَ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ مُعَاوِيَةُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَاَنَا فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَاَنَا فَلَمَّا اَنْ قَضَى التَّاْذِيْنَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا الْمَجْلِسِ حِيْنَ اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُوْلُ مَا سَمِعْتُمْ مِنِّیْ مِنْ مَّقَالَتِیْ.

ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے کہا: میں نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان سے سنا وہ منبر پر بیٹھے تھے، مؤذن اذان دے رہا تھا، مؤذن نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر! تو حضرت معاویہ نے بھی کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر! پھر مؤذن نے کہا: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، تو معاویہ نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں، مؤذن نے کہا: اشہد ان محمد رسول اللہ، حضرت معاویہ نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں، جب اس نے اذان پوری کر لی تو حضرت معاویہ نے کہا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جگہ سنا ہے کہ جو مؤذن اذان کہتا حضور بھی وہی کہتے جو تم نے مجھ سے میری بات سنی ہے۔

[1] فیض الباری۔ ج ٢ ص ٣٣٦

[2] ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من اذن فھو یقیم ص ٧٦، ترمذی۔ ج ١ ص ٢٨۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من اذن فھو یقیم، ابن ماجہ۔ باب: السنۃ فی الاذان ص ٥٣

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: يجيب الامام على المنبر اذا سمع النداء ص ۱۲۵ ' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

خطیب اذان خطبہ کا جواب دے گا' اس لیے کہ اس کے لیے چپ رہنے کا حکم نہیں' البتہ حاضرین کو اذان خطبہ کا جواب دینا ممنوع ہے' جیسا کہ فرمایا: ''اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام'' جب امام (اپنے حجرے سے) نکلے تو نہ نماز ہے نہ کلام ہے' جب نماز کی اجازت نہیں تو اذان کے جواب کی کیسے اجازت ہوگی۔ تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۵۷۵- ح: كَانَ جِذْعٌ يَقُوْمُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[کھجور کے تنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے وقت) کھڑے ہوتے تھے]

۵۷۵ - اَخْبَرَنِی ابْنُ اَنَسٍ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ جِذْعٌ يَقُوْمُ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ اَصْوَاتِ الْعِشَارِ حَتّٰى نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهِ. (بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الخطبة على المنبر ص ۱۲۵' کتاب علامات النبوۃ ص ۵۰۶-۷ ' نسائی' ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: ایک کھجور کا تنا تھا جس پر خطبہ کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے' جب حضور کے لیے منبر رکھا گیا تو ہم نے اس سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی آواز سنی' یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور اس پر ہاتھ رکھا۔

تکمیل

بخاری' علامات النبوۃ میں ہے: مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو ان میں سے ایک پر ٹیک لگاتے' انصار کی ایک خاتون یا ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کے لیے منبر نہ بنادوں! ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو بنا دو۔ انہوں نے منبر بنایا' جب جمعہ کا دن آیا اور حضور منبر پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا درخت بچے کی طرح چیخا' تو حضور اُترے اور اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا تو وہ اس بچے کی طرح سسکنے لگا' جسے بہلایا جائے۔ وہ اس لیے روتا تھا کہ ذکر سنتا تھا۔ ابن ماجہ[1] میں ہے کہ وہ چیخا یہاں تک کہ پھٹ گیا' اس کے بعد حضور اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے۔ وہ وہیں رہا یہاں تک کہ مسجد شہید کی گئی' تو اسے کعب بن مالک اپنے گھر لے گئے' وہ انہیں کے پاس رہا یہاں تک کہ اسے دیمک کھا گئی۔ ابن ماجہ ہی میں ہے کہ اس کے رونے کو تمام مسجد والوں نے سنا' اگر حضور اسے سینے سے نہ لگاتے تو قیامت تک روتا۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ حضور نے اس پر ہاتھ رکھا تو اس نے رونا بند کردیا اور زمین میں دھنس گیا[2] مشہور یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: اگر تو چاہے تو ہرا بھرا رہے' لوگ قیامت تک تیرا پھل کھاتے رہیں' اگر تو چاہے تو جنت میں جائے اور جنتی تیرا پھل کھائیں۔ اس نے دوسری صورت پسند کی اور اسے وہیں حضور نے دفن فرمادیا۔

ابن انس

ان کا نام حفص بن غیاث تھا' ابن سعد نے کہا کہ منبر ۷ھ میں رکھا گیا تھا' مگر یہ صحیح نہیں۔ واقعہ افک میں حضرت اُم المؤمنین کا قول مذکور ہے کہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے بھڑ گئے' قریب تھا کہ لڑ پڑتے اور رسول اللہ منبر پر تشریف رکھتے تھے' آپ منبر سے اُترے اور انہیں ٹھنڈا فرمایا۔ سابقاً گزر چکا کہ واقعہ افک غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر رونما ہوا تھا اور یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا ہے' جیسا کہ ہم نزہۃ القاری ج ا ص ۶۸۲' رقم: ۲۳۵۰ میں ثابت کر آئے ہیں' اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ ۵ھ میں منبر بن چکا تھا۔

---

[1] ابن ماجہ۔ باب: بدء شان المنبر ص ۱۰۳ [2] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۱۵

٥٧٦- ح: كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خطبہ دیتے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے]

٥٧٦ - عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ كَمَا تَفْعَلُوْنَ الْآنَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے' پھر بیٹھتے' پھر کھڑے ہوتے جیسے تم اس وقت کرتے ہو۔

(بخاری۔کتاب الجمعۃ۔باب:ص ١٢٥' مسلم۔کتاب الصلوٰۃ' ترمذی۔کتاب الجمعۃ)

خطبہ کے لیے قیام امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط ہے' یعنی اگر بیٹھ کر خطبہ دیں گے تو صحیح نہ ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث اور آیت کریمہ ہے: ''وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا'' (الجمعۃ:١١) اور تمہیں خطبہ میں کھڑا چھوڑ گئے۔ احناف کے نزدیک کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے' اگر کوئی بیماری یا کمزوری کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکے' بیٹھ کر خطبہ دے تو بھی کوئی حرج نہیں اور صحابہ کرام کا بنی اُمیہ پر اعتراض اس لیے تھا کہ انہوں نے سنت' قدرت کے باوجود ترک کر دی تھی۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت معاویہ پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتے اور دوسرا خطبہ کھڑے ہو کر۔ یہ انہوں نے اس وقت کیا جب ان کا جسم بھاری ہو گیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ عذر کی وجہ سے ایک خطبہ بیٹھ کر دیتے' اور مروان بلا عذر پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتا' اسی وجہ سے حضرت ابن عمر نے فرمایا۔

ت ١٨١ - وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَسٌ وَّالْإِمَامَ.

حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ کے وقت امام کی طرف منہ کیا۔

(بخاری۔کتاب الجمعۃ۔باب: استقبال الناس الامام ص ١٢٥)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر کو بیہقی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر امام کے خطبہ کے لیے نکلنے سے پہلے نفل سے فارغ ہو جاتے اور جب امام آ جاتا تو وہ بیٹھنے بھی نہ پاتا کہ یہ اپنا رُخ اس کی طرف کر لیتے۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں۔ مستمر بن ریان نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ جب امام خطبہ شروع کرتا تو یہ اپنا رخ اس کی طرف کر لیتے' جب تک خطبہ سے وہ فارغ نہیں ہوتا' اسی کی طرف رُخ کیے رہتے۔

٥٧٧- ح: جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک دن منبر پر بیٹھے اور ہم آپ کے اِرد گرد بیٹھے]

٥٧٧- حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ.

عطاء بن یسار نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن منبر پر بیٹھے اور ہم لوگ حضور کے ارد گرد بیٹھے۔

(بخاری۔کتاب الجمعۃ۔باب: استقبال الناس الامام ص ١٢٥)

یہ حدیث ایک طویل حدیث کا جز ہے جو کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔ وہیں پوری حدیث کی توضیح ہوگی' یہاں جو حصہ مذکور ہے اس کے متعلق ضروری باتیں معروض ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر بیٹھ کر بھی خطبہ دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت کھڑا رہنا واجب یا فرض نہیں۔

مطابقت باب

یہاں باب کا عنوان ہے: جب امام خطبہ دے تو لوگوں کا امام کی طرف منہ کرنا لازم ہے' اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رُخ کرنا مسنون ہے۔

آج تمام مسلمانوں نے یہ سنت چھوڑ رکھی ہے۔ خطبہ کے وقت بھی قبلہ رُخ بیٹھے رہتے ہیں' لوگوں کو چاہیے کہ اس وقت امام کی طرف رُخ کرلیا کریں۔

۵۷۸- ح: اُتِیَ بِمَالٍ اَوْ بِشَیْءٍ فَقَسَمَهٗ (الخ)

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا تو آپ نے اسے تقسیم فرما دیا]

۵۷۸ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِمَالٍ اَوْ بِشَیْءٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰی رِجَالًا وَّتَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهٗ اَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اَثْنٰی عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَاَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِیْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیْ اُعْطِیْ وَلٰكِنْ اُعْطِیْ اَقْوَامًا لِّمَا اَرٰی فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِّنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَاَكِلُ اَقْوَامًا اِلٰی مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِّنَ الْغِنٰی وَالْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ.

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ مال یا کچھ آیا' تو حضور نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہیں دیا' اس کے بعد حضور کو یہ خبر ملی (کہ یہ کہا جا رہا ہے:) جن لوگوں کو کچھ نہیں دیا وہ ناخوش ہیں' یہ سن کر حضور نے اللہ کی حمد وثناء کی' پھر فرمایا: حمد وثناء کے بعد کہنا یہ ہے کہ میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا' حالانکہ جسے نہیں دیتا وہ مجھے ان لوگوں سے زیادہ پیارے ہیں جنہیں دیتا ہوں' لیکن میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جن کے دلوں میں بے صبری اور حرص دیکھتا ہوں اور کچھ لوگوں کو اس کے حوالے کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں سیر چشمی اور بھلائی پیدا فرما دی ہے' انہیں میں عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ حضرت عمرو بن تغلب کہتے ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ کے اس ارشاد کے مقابلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی پسند نہیں۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من قال فی الخطبة بعد الثناء اما بعد ص۱۲۶' کتاب الجہاد۔ باب: من لم یخمس الاسلاب ص۴۴۵' ج۲۔ کتاب التوحید۔ باب: قوله ان الانسان خلق هلوعا ص۱۱۲۴-۵)

یہ حدیث افراد بخاری سے ہے' یہاں یہ باب ہے: جس نے خطبہ میں ثناء کے بعد اما بعد کہا۔ اس کے ضمن میں ایک تعلیق ذکر کی' جو ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے' جو تین حدیثوں کے بعد مذکور ہے' اور حدیث: ۶۸ جو جلد اوّل کے صفحات ۳۵۹ تا ۳۶۰ پر ہے' وہاں جو الفاظ ہیں ان میں اما بعد نہیں' مگر یہاں ہے کہ سورج گہن کی نماز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی ان الفاظ کے ساتھ حمد کی جو اس کے لائق ہے' پھر فرمایا: اما بعد! اس سے ثابت ہوا کہ خطبہ میں حمد وثناء' تشہد و درود کے بعد اما بعد کہنا سنت ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اما بعد سب سے پہلے کس نے کہا: کسی نے کہا کہ سب سے پہلے اما بعد یعرب بن قحطان نے کہا' کسی نے کہا کہ سب سے پہلے کعب بن لوی' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد نے کہا۔ کسی نے کہا کہ سحبان بن وائل نے' کسی نے کہا کہ قس بن ساعدہ نے کہا' مگر طبرانی کی ایک ضعیف حدیث مرفوع میں ہے کہ سب سے پہلے داؤد علیہ السلام نے کہا۔ دار قطنی کی غرائب مالک میں سند ضعیف کے ساتھ یہ روایت ہے کہ جب ملک الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو ان سے حضرت یعقوب نے جو گفتگو کی' اس

میں اما بعد کہا تھا۔ خطبہ میں اما بعد کے استعمال کو تیس صحابہ نے روایت کیا ہے۔

اتي بمال او بشيئ

بعض روایتوں میں بجائے ''بشيءٍ'' کے ''بسبيٍ'' ہے اور بعض میں بغیر باء کے صرف ''سبيٍ'' ہے' اسماعیلی کی روایت میں ''بمال من البحرين'' ہے۔

عتبوا

یہ خیال اس بناء پر پیدا ہوا کہ داد و دہش دلیل محبت ہے' اس لیے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جنہیں دیا ہے وہ لوگ محبوب ہیں اور جنہیں نہیں دیا' وہ مبغوض ہیں' مگر واقعہ یہ نہیں تھا' حضور اقدس ﷺ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ داد و دہش دلیل محبت ہے مگر ہمیشہ نہیں' کبھی معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے' کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے کبھی احتیاط کی وجہ سے دوسروں پر جود و نوال ہوتا ہے۔

۵۷۹- ح: صَعِدَ الْمِنبَرَ وَكَانَ اٰخِرُ مَجْلِسٍ (الخ)

[آپ (ﷺ) منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آپ کی (مسجد میں) آخری مجلس تھی]

۵۷۹ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنبَرَ وَكَانَ اٰخِرُ مَجْلِسٍ جَلَسَهُ مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلٰى مَنْكِبَيْهِ قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِلَيَّ فَثَابُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يَقِلُّوْنَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِّنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ فَاسْتَطَاعَ اَنْ يَّضُرَّ فِيْهِ اَحَدًا اَوْ يَنْفَعَ فِيْهِ اَحَدًا فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُّسِيْئِهِمْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ حضور کی مسجد میں آخری مجلس تھی' آپ اپنے کاندھے پر چادر لپیٹے ہوئے اور سر اقدس پر روغن آلود پٹی باندھے ہوئے تھے' پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی' اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! میرے قریب آؤ! لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے' پھر فرمایا: اما بعد! یہ انصار کا قبیلہ کم ہو جائے گا اور لوگ زیادہ ہوں گے تو جو بھی اُمت محمد کا والی ہو اور یہ استطاعت رکھے کہ جسے چاہے نقصان پہنچائے اور جسے چاہے نفع' تو اسے لازم ہے کہ ان کے احسان کرنے والوں کے احسان کو قبول کرے اور ناپسندیدہ اقدام کرنے والوں کو معاف کرے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من قال في خطبته بعد الثناء اما بعد ص ۱۲۷' کتاب علامات النبوۃ ص ۵۱۲' باب: مناقب الانصار ص ۵۳۶' ترمذی)

علامات النبوۃ میں ہے کہ انصار کم ہوتے جائیں گے جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے' اس عہد میں انصار کی تعداد مدینہ طیبہ میں کافی تھی' مگر ارشادِ رسول کی صداقت دیکھئے کہ سوائے معدودے چند ایوبی حضرات کے اور انصار کرام کی اولاد کا پتہ نہیں۔ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی غیب دانی' اس موقع پر نماز پڑھانے کا ذکر نہیں' مگر اغلب یہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت مسجد اقدس میں تشریف لائے ہوں گے کہ نماز کے لیے صحابہ کرام مسجد اقدس میں جمع ہوئے ہوں۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نماز بھی پڑھائی ہو گی۔ اگر یہ صحیح ہے تو مرضِ وصال میں چار بار صحابہ کرام کے ساتھ باجماعت نماز حضور اقدس ﷺ نے پڑھی' جیسا کہ نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۹۳' رقم: ۲۶۳' پر ہم نے تفصیل سے لکھا ہے۔

۵۸۰- ح: يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا

[آپ (ﷺ) دونوں خطبات پڑھتے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے]

۵۸۰ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے پڑھتے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة ص ۱۲۷ مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

جمعہ صحیح ہونے کے لیے خطبہ شرط ہے' خطبہ مطلق ذکر الٰہی کا نام ہے' اگرچہ طویل نہ ہو' اس لیے ایک بار الحمدللہ یا سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا' البتہ اتنا طویل ہونا جسے عرف عام میں خطبہ کہیں سنت ہے اور دو خطبوں کا ہونا مسنون۔ اور دونوں کے درمیان تین آیت کی مقدار میں بیٹھنا بھی سنت ہے۔

۵۸۱- ح: جَآءَ رَجُلٌ وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ (الخ)

[ایک آدمی آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے]

۵۸۱ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ اَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ فَقَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ ایک صاحب حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا: اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: نہیں! تو فرمایا: اُٹھ اور نماز پڑھ۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: اذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب امره ان يصلى ركعتين ص ۱۲۷' باب: من جاء والامام يخطب صلى ركعتين خفيفتين ص ۱۲۷' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ اُٹھ اور دو رکعت نماز پڑھ۔ یہ آنے والے بزرگ سلیک غطفانی تھے' جیسا کہ مسلم[1] کی روایت میں تصریح ہے۔ اخیر میں یہ اضافہ ہے: اور مختصر پڑھ۔

امام شافعی وغیرہ کا مسلک

امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کہتے ہیں: خطبہ کی حالت میں نماز کی اجازت ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

ہمارا مسلک اور دلائل

ہمارا اور امام مالک وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اثناء خطبہ نہ کسی کلام کی اجازت ہے نہ کسی نماز کی' ہمارے دلائل یہ ہیں: خواہر زادہ نے اپنی مبسوط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام. امام جب خطبہ کے لیے نکلے تو نہ نماز ہے نہ کلام۔

(۱) عمدۃ القاری[2] میں اسی حدیث کی کتاب الاسراء کے حوالے سے ان الفاظ میں تخریج کی:

اذا جاء احدكم والامام على المنبر فلا صلوٰة ولا كلام. جب تم میں سے کوئی آئے اور امام منبر پر ہو تو نہ نماز کی اجازت ہے نہ کلام کی۔

دار قطنی نے اس حدیث پر یہ طعن کیا کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا کھلا ہوا وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امام زہری پر موقوف ہے' جیسا

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۸۷' کتاب الجمعۃ۔ باب: من دخل المسجد والامام يخطب او خرج للخطبة فليصل ركعتين

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۳۲

کہ مؤطا امام مالک[1] میں ہے۔

اقول : ہم نے مقدمہ میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ فقہاء جس حدیث سے استدلال فرمالیں وہ صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے' پھر سند دیکھنے کی حاجت نہیں' اس کی حیثیت امام بخاری کی تعلیقات کی ہے' جنہیں صیغہ تمریض سے ذکر نہ فرمایا ہو۔

(۲) صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة و الامام يخطب انصت فقد لغوت. جمعہ کے دن خطبہ کی حالت میں اپنے ساتھی سے اگر تو نے یہ کہا: چپ رہ! تو تو نے لغو کام کیا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور اس وقت کی نماز' سنت یا نفل۔ خطبہ کی حالت میں جب فرض ادا کرنے کی اجازت نہیں تو سنت اور نفل کی بہ درجہ اولی نہ ہوگی۔

(۳) ثعلبہ بن ابی مالک نے کہا کہ حضرت عمر جب خطبہ کے لیے نکلتے تو ہمیں چپ کرا دیتے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان خطبہ کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے[2] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضرت علی' ابن عباس' ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لیے امام کے نکلنے کے بعد نماز اور کلام سے منع فرماتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام کا یہی مذہب تھا' جیسے عقبہ بن عامر جہنی' ثعلبہ بن ابی مالک قرظی' عبداللہ بن صفوان بن امیہ۔ (فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۲۵۵۔ لکھنؤ)

(۴) حدیث: ۵۴۹ گزر چکی کہ حضرت عثمان جمعہ کے لیے اس وقت آئے جب حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے' دیر سے آنے اور غسل نہ کرنے پر حضرت عمر نے ان سے مواخذہ فرمایا' مگر نفل پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصلوا و الامام يخطب. امام خطبہ دے رہا ہو تو نماز نہ پڑھو۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۳۲)

شوافع کے استدلال کا جواب

(۱) حضرت سلیک کو نماز پڑھنے کا حکم دینے کے بعد حضور نے خطبہ بند کر دیا' جب وہ نماز پوری کر چکے تو پھر حضور نے خطبہ دیا' جیسا کہ دار قطنی نے حضرت انس سے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت محمد بن قیس سے روایت کیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۳)

(۲) حضرت سلیک' حضور کے خطبہ شروع فرمانے سے پہلے حاضر ہوئے تھے' جب یہ نماز سے فارغ ہوئے تو حضور نے خطبہ شروع فرمایا۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: من دخل المسجد و الامام يخطب ص ۲۸۷' عمدۃ القاری۔ ج ۶ بحوالہ سنن کبریٰ للنسائی ص ۲۳۲)

(۳) یہ واقعہ نماز میں کلام کی ممانعت سے پہلے کا ہے' جب نماز میں کلام سے منع فرما دیا گیا تو خطبہ میں بھی منع ہوا' اس لیے کہ خطبہ نماز جمعہ کا جز یا شرط ہے۔

(۴) چونکہ حضرت سلیک پھٹے پرانے کپڑوں میں بہت خستہ حالت میں آئے تھے تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا کہ لوگ ان کی حالت دیکھ لیں' اس کے بعد لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی' جس پر بہت سے کپڑے آئے جن میں سے حضور نے دو کپڑے انہیں عطا فرمائے۔

(نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: حث الامام على الصدقة يوم الجمعة في خطبته ص ۲۰۸)

(۵) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شارع ہیں' حضور کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں جس وقت چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔

---

[1] مؤطا امام مالک۔ باب: الانصات يوم الجمعة و الامام يخطب ص ۳۸

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۳۲

(٦) علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں اس حدیث سے استدلال فرمایا' جس میں ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ دیتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں' اگر اس وقت نماز یا کسی اور عمل کی اجازت ہوتی تو فرشتے اپنے صحیفے نہ لپیٹتے' اس لیے کہ ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌO وہ جو لفظ بھی اپنی زبان سے نکالتا ہے' اس کا محافظ تیار ہےO

(ق:١٨)

اقول: یہ استدلال اس وقت تام ہوتا جبکہ جمعہ کے دن آنے والے فرشتوں سے کراماً کاتبین مراد ہوتے۔ ہم اس حدیث کے ضمن میں بتا آئے ہیں کہ یہ مخصوص فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں۔ اس پر واضح دلیل یہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی خطبہ کے وقت نماز پڑھے یا کلام کرے یا کوئی ناجائز حرکت کرے تو وہ لکھا جائے گا۔ ہمارے نزدیک صحیح وراجح مفتی بہ' حضرت امام اعظم کا قول ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے اپنے حجرے سے نکلے یا اپنی جگہ سے اُٹھے' اس وقت سے لے کر خطبہ ختم ہونے کے وقت تک نماز' ذکر ہر قسم کا کلام ممنوع ہے' بلکہ ہر وہ فعل ممنوع ہے جو خطبہ کے سننے میں خلل انداز ہو' مثلاً پنکھا جھلنا' کچھ لکھنا۔

حدیث[1] میں ہے: "من مس الحصى فقد لغا" جو (امام جب خطبہ دے رہا ہو) کوئی کنکری چھوئے تو اس نے لغو کیا۔ یہ حکم دور و نزدیک والے سبھی کے لیے ہے' خواہ وہ خطبہ سنتا ہو خواہ نہ سنتا ہو' اگر کوئی جمعہ کی سنت یا اور کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور خطبہ کی اذان ہونے لگے تو وہ دو رکعت پر سلام پھیر دے۔

۵۸۲- ح: اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ (الخ) [لوگوں کو قحط پہنچا]

۵۸۲ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ قَزَعَةً فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِيُّ اَوْ قَالَ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَمَا يُشِيْرُ بِيَدِهٖ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِيْ قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ مِنْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قحط ہو گیا' ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مال تباہ ہو گیا' اہل و عیال بھوکے ہیں' آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں' تو حضور نے اپنے دونوں دست مبارک اُٹھائے اور حالت یہ تھی کہ ہم آسمان میں بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں دیکھتے' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ حضور نے ابھی اپنے دست مبارک نیچے نہیں کیے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل اُٹھا' حضور منبر پر ہی تھی کہ میں نے دیکھا کہ بارش حضور کی ریش مبارک پر گر رہی ہے' اس دن' دن بھر بارش ہوئی اور اس کے بعد والے دن بھی اور اس کے بعد والے دن بھی' دوسرے جمعہ تک مسلسل ہوتی رہی' دوسرے جمعہ کو وہی دیہاتی یا کوئی اور کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! گھر گر گئے' مال ڈوب گئے' اللہ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ اب حضور نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور

[1] مسلم - ج ١ ص ٢٨٣ - کتاب الجمعة

نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.

عرض کیا: اے اللہ! ہمارے ارد گرد برسا ہم پر مت برسا۔ حضور اپنے ہاتھ سے جس طرف اشارہ فرماتے' بادل چھٹ جاتا اور مدینہ گول حوض کے مثل ہو گیا اور وادی قناۃ ایک مہینہ تک بہتی رہی' جس طرف سے جو آیا اس نے بارش کی کثرت کی خبر دی۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة ص ۱۲۷' باب: رفع الیدین فی الخطبة ص ۱۲۷' کتاب الاستسقاء۔ باب: الاستسقاء فی المسجد ص ۱۳۷' ایضاً۔ باب: الاستسقاء فی الخطبة ص ۱۳۸' باب: الاستسقاء علی المنبر ص ۱۳۸' ایضاً۔ باب: من اکتفی بصلوٰۃ الجمعة فی الاستسقاء ص ۱۳۸' ایضاً۔ باب: الدعاء اذ انقطعت السبل ص ۱۳۸' ایضاً۔ باب: ما قیل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما حول رداءہ ص ۱۳۹' ایضاً۔ باب: اذا استشفعوا الی الامام ص ۱۳۹' باب: الدعاء اذا کثر المطر ص ۱۳۹' باب: رفع الناس ایدیھم فی الاستسقاء ص ۱۴۰' ایضاً۔ باب: من تمطر فی المطر حتی یتحادر علی لحیته ص ۱۴۰' کتاب علامات النبوۃ ص ۵۰۶' ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعا غیر مستقبل القبلة ص ۹۳۹' مسلم' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

تکمیل

الاستسقاء میں ہے کہ ایک صاحب اس دروازے سے حاضر ہوئے جو منبر کے ساتھ تھا' یعنی مسجد کے شمالی دروازے سے۔ اس نے عرض یہ کیا کہ مال ہلاک ہو گیا اور راستے بند ہو گئے' یعنی چارہ نہ ملنے کی وجہ سے سواریاں کمزور ہو گئیں۔ اس لائق نہیں کہ ان پر سفر کیا جا سکے' اتنا پانی نہیں کہ ساتھ لے جایا جائے اور راستے میں ملنے کی امید نہیں' چراگاہیں سوکھ گئیں۔ اتنا چارہ نہیں کہ ہمراہ لے لیا جائے اور راستے میں چارہ ملنے کی اُمید نہیں' اس لیے لوگ کہیں سفر نہیں کرتے' آگے ہے: ہم آسمان میں نہ بادل دیکھ رہے تھے اور نہ بادل کا ٹکڑا اور نہ کچھ اور' ہمارے اور کوہ سلع کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا کہ اچانک کوہ سلع کے پیچھے سے ڈھال کے برابر بادل کا ٹکڑا اُٹھا اور آسمان کے بیچ میں آکر پھیل گیا' پھر برسا' اتنا کہ ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہیں دیکھا۔ آئندہ جمعہ کو جو عرض تھی وہ یہ تھی کہ مال ہلاک ہو گئے اور راستے بند ہو گئے' دوسرے جمعہ کو بارش بند ہونے کی دعا میں یہ اضافہ ہے: اے اللہ! ٹیلوں پر' پہاڑوں پر' نالیوں پر اور درخت اُگنے کی جگہوں پر برسا۔ یہ بھی ہے کہ بارش بند ہو گئی اور ہم مسجد سے نکلے تو دھوپ میں چلے۔

رفع یدیه

عام روایتوں میں یہی ہے کہ ہاتھ اُٹھائے' مگر یہیں اس سے پہلے والی مختصر روایت میں ہے: "فمد یدیه" یعنی حضور نے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا۔ دونوں کا حاصل ایک ہے' یعنی جیسے عام دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے تھے ویسے اُٹھائے' جیسے نمازِ استسقاء میں وارد ہے کہ ہاتھوں کو خوب بلند کرتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی' یہ مراد نہیں اور یہی ظاہر ہے۔

فما یشیر بیدیه

اپنے دست مبارک سے جس طرف اشارہ فرماتے' بادل پھٹ جاتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو عالم میں تصرف کی قوت عطا کی گئی ہے اور آپ کا تصرف عالم میں نافذ ہے۔

مثل الجوبة

"جوبة" کے معنی گول حوض کے ہیں' دوسری روایتوں میں ہے کہ مدینہ طیبہ تاج کے مثل ہو گیا۔ دونوں کا حاصل ایک ہے' یعنی مدینہ طیبہ کے اوپر بادل اس طرح پھٹ گیا کہ تاج کے مثل گول دائرہ بن گیا۔

بالجود

"جود" کے معنی بہت زیادہ بارش کے ہیں' مراد یہ ہے کہ بارش بہت زور کی ہوئی اور صرف مدینہ طیبہ ہی میں نہیں بلکہ دور دور تک ہوئی۔

تطبیق

عام روایتوں میں ہے کہ ایک صاحب دیہات کے رہنے والے حاضر ہوئے اور انہوں نے قحط کی شکایت مذکورہ بالا الفاظ میں کی' مگر استسقاء میں بہ طریق ثابت یہ ہے کہ لوگ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے یہ عرض کیا: بارش رک گئی' درخت سوکھ کر سرخ ہو گئے' چوپائے ہلاک ہو گئے' یا تو یہ دونوں دو واقعے ہیں یا یہ کہ چونکہ صحابہ کرام حضور کے رعب کی وجہ سے عرض نہیں کرتے تھے مگر جب ان دیہاتی نے عرض کر دیا تو ہمت بندھی اور دوسرے لوگوں نے بھی عرض کیا۔

توجیہ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ کے درمیان حاضرین اپنی ضرورت امام کے سامنے پیش کر سکتے ہیں' حالانکہ صحیح یہ ہے کہ سامعین خاموشی کے ساتھ بغور خطبہ سنیں گے۔ امام سے بھی کلام کی اجازت نہیں' اس لیے ضروری ہے کہ اس واقعے کو اس پر حمل کیا جائے کہ یہ ممانعت سے پہلے ہوا' یا یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کلام کی اجازت ہے' جیسے نماز میں ہے کہ حضور کے ساتھ کلام کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

۵۸۳- ح: اِذَا قُلْتَ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ

[جب تم نے خطبہ کے دوران اپنے ساتھی سے کہا: چپ رہ' تو تم نے لغو کیا]

۵۸۳ - اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو اور تم نے اپنے ساتھی سے کہا: چپ رہ! تو تم نے لغو کیا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الانصات یوم الجمعة والامام یخطب ص ۱۲۸٫۷' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

لغو کے معنی وہ کام اور بات جس میں کوئی فائدہ نہ ہو' بے ہودہ بات' بیہودہ کام' چونکہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تمام حاضرین پر خاموش رہنا اور خطبہ کو بغور سننا واجب ہے۔ اور یہ کہنا کہ چپ رہ۔ اس میں مخل ہونے کی وجہ سے گناہ ہے اور ہر گناہ بے ہودہ' اس لیے خطبہ کی حالت میں کسی سے اچھی بات بھی کہنی جائز نہیں' اور وہ بے ہودہ بات میں داخل ہے' یہاں لغوًا حاصل کلام کے معنی میں نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ اس وقت بھی اس کلام میں فائدہ ہے کہ جو بات کر رہے ہوں گے انہیں حکم شرعی بتایا۔ یہ حدیث احناف کی مستدل ہے کہ خطبہ کی حالت میں نہ دنیوی باتوں کی اجازت ہے نہ دینی۔

۵۸۴- ح: فِیْهِ سَاعَةٌ

[(جمعہ کے دن) کی ساعت]

۵۸۴ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُوَافِقُهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن ایک

عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا. ایسی ساعت ہے کہ اس وقت جو بھی بندۂ مؤمن جو کچھ بھی نماز پڑھتے ہوئے اللہ سے مانگے گا اللہ اسے عطا فرمائے گا اور آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا کہ یہ ساعت بہت کم ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الساعة اللتی یوم الجمعة ص ۱۲۸' مسلم۔ کتاب الجمعۃ' نسائی۔ باب: العمل فی الیوم واللیلة)

یہ ساعت کون سی ہے؟ اس کی تعیین میں علامہ عینی نے چالیس اقوال ذکر فرمائے ہیں' مگر جن کو انہوں نے اصح الاحادیث سے ثابت مانا ہے' وہ دو ہیں:

اوّل: جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھے' اس وقت سے لے کر نماز پوری ہونے تک۔ ثانی: نمازِ عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک۔ پہلے قول کی تائید مسلم شریف[۱] کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ ساعت' امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز پوری ہونے کے درمیان ہے۔

دوسرے قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام مالک نے مؤطا[۲] میں' امام احمد نے اپنی مسند میں' امام ابوداؤد[۳] اور امام نسائی[۴] اپنی سنن میں اور امام ترمذی[۵] نے اپنی جامع میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی' انہوں نے مجھ سے کہا: میں جانتا ہوں وہ ساعت کون سی ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا: مجھے بتایئے بخل مت کیجئے! تو انہوں نے کہا کہ یہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ نے یہ اشکال پیش کیا کہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت کیسے ہوسکتی ہے' جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو مسلمان بندہ اسے پالے' اس حالت میں کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو اور اس وقت نماز پڑھی نہیں جاتی' تو حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ جو نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو' وہ نماز ہی میں ہے' جب تک نماز نہ پڑھ لے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: ہاں! یہ فرمایا ہے' تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: اس حدیث میں نماز سے یہی مراد ہے۔ نیز اس کی تائید حضرت جابر کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابوداؤد نے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے عصر کے بعد آخری ساعت میں تلاش کرو۔

(ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الاجابة اية ساعة هي ص ۱۵۰)

ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان جب امام بیٹھے۔ وہ یہ ساعت ہے[۶] ایک قول یہ بھی ہے کہ اس ساعت کا وقت معین نہیں' پورے دن میں کسی وقت ہے' جیسے شب قدر عشرۂ اخیرہ کی طاقت راتوں میں سے کسی میں ہے۔

فیض الباری پر تعقب

فیض الباری[۷] میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکالمہ مذکورہ کے حوالے میں' ابن ماجہ بھی تحریر ہے' حالانکہ ابن ماجہ میں مکالمہ مذکورہ کہیں نہیں' البتہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مضمون مذکور اس طرح مذکور ہے کہ انہوں نے پوری

۱۔ مسلم۔ ج ۱ ص ۲۸۱۔ کتاب الجمعۃ ۲۔ مؤطا امام مالک۔ ص ۴۰

۳۔ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۵۰۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تفريع ابواب الجمعة

۴۔ نسائی۔ ج ۱ ص ۲۱۰۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: ذکر الساعة اللتی یستجاب

۵۔ ترمذی۔ ج ۱ ص ۶۵۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: فی الساعة اللتی ترجی یوم الجمعة

۶۔ عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۴۳ ۷۔ فیض الباری۔ ج ۲ ص ۳۴۶

تفصیل خود حضور اقدس ﷺ سے سنی ہے[1] چند سطر بعد یہ لکھنا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں اسے مرفوع بتایا' یہ مدرج ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ابن ماجہ میں جو مذکور ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام کا قول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور ان کا مذاکرہ تو پھر بھی مذکور نہ ہوا' اور اگر آپ کی بات صحیح ہے تو یہ حدیث مدرج کیسے ہوئی' موقوف ہوئی۔

وهو قائم يصلي

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن سلام کے مکالمے سے ظاہر ہو گیا' بلکہ ابن ماجہ کی حدیث کے بموجب خود حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہاں ''یصلی'' کے معنی مجازی مراد ہیں یعنی نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ''قائما'' معنی میں دائما کے ہو جیسے آیت کریمہ ''ما دمت عليه قائما'' میں ''قائما''، ''مواظبا'' کے معنی میں ہے' اب معنی یہ ہوئے کہ اس مخصوص ساعت میں بھی دعا کا قبول ہونا اس شرط پر ہے کہ وہ نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتا ہو۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ مجازاً ''فاعلا'' کے معنی میں ہو اور ''یصلی'' بہ معنی دعا و ذکر ہو۔

صحیح یہ ہے کہ ساعت اجابت اب بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی اور یہ ہر جمعہ کو ہوتی ہے۔

ساعة...... [ساعت کے معنی]

ساعت کے چھ معنی آتے ہیں: (۱) ایک گھنٹے کی' اس طرح دن رات میں برابر چوبیس ساعات ہوئیں (۲) غروب آفتاب سے طلوع آفتاب کا پورا وقت بارہ پر تقسیم کرنے کے بعد اس کا ایک حصہ اسی طرح طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کے وقت کا بارھواں حصہ۔ اب بھی ساعات چوبیس ہوئیں' مگر برابر نہ ہوئیں' کم و بیش ہوتی رہیں گی' یہ نجومیوں اور اہل ہندسہ کی اصطلاح ہے (۳) زمانے کا وہ جز جو ذو مقدار نہ ہو (۴) مطلق وقت (۵) وقت حاضر (۶) قیامت' یہاں مطلق وقت مراد ہے۔

۵۸۵- ح: نَحْنُ نُصَلِّي إِذْ أَقْبَلَتْ عِيرٌ [ہم نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک قافلہ آیا]

۵۸۵ - حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَقْبَلَتْ عِيرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا فَالْتَفَتُوا إِلَيْهَا حَتَّى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ (الجمعة: ١١).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ غلے سے لدا ہوا ایک قافلہ آیا' سب لوگ قافلے کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اور جب ان لوگوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا تو اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعہ۔ باب: اذا نفر الناس عن الامام ص ۱۲۸' کتاب البیوع۔ باب: قول الله واذا رأوا تجارة اولهوا انفضوا اليها ص ۲۷۶' باب قول الله واذا رأوا تجارة او لهوا انفضوا اليها ص ۲۷۷' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الجمعہ۔ باب: قوله واذا رأوا ص ۷۲۷' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ترمذی۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

''ونحن نصلی'' مسلم کی ایک روایت میں ہے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے[2] اور یہی ابو عوانہ' ترمذی[3] اور دار قطنی کی بھی روایت میں ہے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ ''نصلی'' سے مراد یہ ہے کہ ہم نماز کا انتظار کر رہے تھے' البتہ اس توجیہ

---

[1] ابن ماجہ۔ باب: فی الساعۃ ترجی یوم الجمعۃ ص ۸۱

[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۸۴۔ کتاب الجمعۃ [3] ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۶۴۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الجمعۃ

پر یہ لازم آئے گا کہ اس حدیث کو باب سے مطابقت نہ رہے' اس لیے کہ یہاں یہ باب ہے: جب لوگ جمعہ کی نماز میں امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو امام اور باقی ماندہ لوگوں کی نماز درست ہے۔

اذا اقبلت عیرٌ

''عیر'' ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن پر سامان لدا ہو' کبھی مطلق قافلے کے معنی میں بھی آتا ہے' یہ قافلہ شام سے دحیہ بن خلیفہ کلبی لے کر آئے تھے' جو غلہ لایا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا قافلہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قافلہ عبدالرحمن بن عوف کی ملک ہو اور حضرت دحیہ اس کے کارپرداز رہے ہوں' ہوسکتا ہے دونوں کا مشترک رہا ہو۔

فالتفتوا

التفات کے اصلی معنی کنکھیوں سے کسی کو دیکھنا ہے' مگر یہاں مراد چھوڑ کر چلا جانا ہے' جیسا کہ کتاب البیوع کی روایت میں ''فانفض الناس'' ہے' نیز اس معنی پر قرینہ بعد کے الفاظ کریمہ ہیں کہ فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے۔
تفسیر طبری اور ابن ابی حاتم میں قتادہ سے اسنادِ صحیح کے ساتھ یہ ہے کہ حاضرین سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ کتنے رہ گئے؟ لوگوں نے گنا تو بارہ مرد ایک اور عورت تھی۔ حضرت جابر[1] اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر[2] باقی ماندہ حضرات میں یقیناً تھے۔ بقیہ ناموں میں اختلاف ہے۔ اسمٰعیل بن ابی زیاد شامی کی تفسیر میں ہے کہ حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ بھی تھے۔ سہیلی نے کہا کہ اسد بن عمرو نے سند منقطع کے ساتھ یہ روایت کیا کہ دس عشرہ مبشرہ تھے اور حضرت بلال اور حضرت ابن مسعود یا حضرت عمار تھے۔ عقیلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ چاروں خلفاء اور انصار کے لوگ تھے۔ یہ واقعہ ابتداء کا ہے' اس وقت تک جمعہ کے خطبہ کی اہمیت صحابہ کرام کو معلوم نہ تھی اور شاید غلے کی حاجت شدید تھی' اس لیے لوگ چلے گئے۔ مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ ابتداءً جمعہ کا خطبہ بھی عیدین کی طرح نماز کے بعد تھا اور عیدین کے خطبہ میں حاضری واجب نہ تھی۔ نسائی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین کے بعد اعلان فرمادیتے تھے: جو ٹھہرنا چاہے ٹھہرے اور جو جانا چاہے چلا جائے۔ اس پر صحابہ کرام نے جمعہ کے خطبہ کو قیاس کیا' اگر یہ روایت صحیح ہے تو ''کنا نصلی'' سے مراد متعلقاتِ صلوٰۃ میں مشغولیت ہوگی۔

۵۸۶- ح: كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظہر سے قبل دو رکعتیں پڑھتے]

۵۸۶ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت اور مغرب کے بعد دو رکعت گھر میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعت اور جمعہ کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے' یہاں تک کہ گھر واپس ہو کر دو رکعت پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب: الصلوٰۃ بعد الجمعۃ وقبلہا ص ۱۲۸' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

یہاں باب یہ ہے: جمعہ کے بعد اور اس سے پہلے نماز کا بیان۔ حدیث میں صرف جمعہ کے بعد کی نماز کا ذکر ہے' پہلے کی نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ علامہ عینی نے اس کے دو جواب دیئے' ایک یہ کہ یہی حدیث ابوداؤد اور ابن حبان میں اس زیادتی کے ساتھ مروی ہے

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۸۴۔ کتاب الجمعۃ [2] ترمذی۔ ج ۲ ص ۱۶۴۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الجمعۃ

کہ حضرت ابن عمر جمعہ سے پہلے لمبی نماز پڑھتے اور جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے۔ اور بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور اسی پر عمل کی عادت ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ چونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے تو ظہر کی سنتوں کے مثل جمعہ کی بھی سنتیں ہوں گی، مگر یہ توجیہ اس لیے درست نہیں کہ بدل ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ جمعہ صحیح ہونے کے لیے کچھ شرطیں ہیں اور ظہر کے لیے یہ شرائط نہیں۔ ظہر کی چار رکعتیں ہیں، جمعہ کی دو، ظہر میں قراءت سری ہے اور جمعہ میں جہری، پھر ظہر کا بدل ہونے کی وجہ سے جمعہ میں بھی انہیں سنتوں کا ہونا کیسے مستفاد ہوگا، جو ظہر کی ہیں۔ بات وہی ہے کہ امام بخاری کو اپنی شرائط پر کوئی حدیث ایسی نہیں ملی جو جمعہ سے قبل سنت کی دلیل ہو۔

جمعہ کی سنن

طبرانی، معجم اوسط میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل بھی اور بعد بھی چار چار رکعت پڑھتے تھے۔ نیز ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر فرض نماز سے پہلے (کم از کم) دو رکعتیں ہیں۔ ابن ماجہ[1] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے، ان کے درمیان فصل نہ فرماتے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں یہی حدیث اس زیادتی کے ساتھ ابن ماجہ ہی کے رواۃ سے روایت کی۔ اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

رہ گئی جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں ہیں؟ تو اس سلسلے میں اس حدیث میں دو کا ذکر ہے، مگر ترمذی[2] اور ابن ماجہ[3] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھے اسے تو چاہیے کہ چار رکعت پڑھے۔ سنن سعید بن منصور میں ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت ابن مسعود نے جمعہ کے بعد چار رکعت کی تعلیم دی تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں چھ رکعت کی تعلیم دی۔ اور اسی میں احتیاط ہے کہ چھ پڑھی جائیں تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے، یہی ہمارا مختار ہے۔

۵۸۷- ح: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ

[ہم میں سے ایک (سن رسیدہ) خاتون جو (اپنے کھیت) کی نالیوں پر (چقندر بوتی تھیں)]

۵۸۷ - عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِي مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِنْ شَعِيرٍ تَطْحَنُهَا فَتَكُونُ أُصُولُ السِّلْقِ عَرْقَهُ وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا فَنَلْعَقُهُ وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں ایک (سن رسیدہ) خاتون تھیں جو اپنے کھیت کی نالیوں میں چقندر بوتی تھیں، جب جمعہ کا دن آتا تو چقندر کی جڑیں اکھاڑتیں اور اسے ایک ہانڈی میں پکاتیں، پھر ایک مٹھی جو پیس کر اس میں ڈالتیں تو چقندر اس کی بوٹیاں ہو جاتیں، اور ہم لوگ جمعہ پڑھ کے لوٹتے تو (ان کے پاس جاتے) انہیں سلام کرتے، وہ ہمارے قریب وہ کھانا لاتیں تو ہم اسے کھاتے، اس کھانے کی وجہ سے ہمیں جمعہ کا انتظار رہتا۔

(بخاری۔ کتاب الجمعہ۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل فاذا قضیت الصلٰوۃ ص۱۲۸، کتاب الحرث۔ باب: ما جاء فی الغرس ص۳۱۶، ج۲۔

[1] ابن ماجہ۔ کتاب الجمعہ۔ باب: فی الصلٰوۃ قبل الجمعۃ ص۸۰

[2] ترمذی۔ ج۱ ص۱۹۔ کتاب الجمعہ۔ باب: الصلٰوۃ قبل الجمعۃ وبعدھا [3] ابن ماجہ۔ باب: الصلٰوۃ بعد الجمعۃ ص۸۰

کتاب الاطعمۃ۔باب:السلق والشعیر ص ۸۱۳' کتاب الاستیذان۔باب:تسلیم الرجال علی النساء ص ۹۲۳)

۵۸۸- ح:مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ

[جمعہ کے بعد ہی ہم کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے]

۵۸۸ - عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا وَقَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم جمعہ کے بعد ہی کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے۔

(بخاری۔کتاب الجمعۃ۔باب:قول اللّٰہ عزوجل فاذا قضیت الصلٰوۃ فانتشروا ص ۱۲۸)

آیۂ کریمہ "فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" (الجمعہ:۸) جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' میں "فَضْلُ اللّٰهِ" سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "فضل اللّٰہ" سے مراد دنیا کی طلب نہیں بیمار کی بیمار پرسی' جنازے میں شرکت' دینی بھائی کی ملاقات مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے نماز نفل مراد ہے۔ امام حسن بصری' سعید بن جبیر شہید' مکحول نے فرمایا کہ طلب علم مراد ہے۔ امام بخاری نے یہ حدیث اور بعد والی حدیث ذکر کر کے یہ افادہ فرمایا کہ یہ اپنے عموم پر ہے' جو چیز بھی اللہ کے فضل کی مصداق ہو سکتی ہے' وہ سب مراد ہیں' مثلاً رزق کی تلاش' کسی سے ملاقات وغیرہ بھی اس میں داخل ہے۔ آیت کا سیاق بھی اس کی تائید کرتا ہے' اس سے پہلے مذکور ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت چھوڑ دو' اور جب کچھ لوگ خطبہ کے وقت خرید وفروخت میں مشغول ہوئے تو ان پر عتاب ہوا۔ اب فرمایا گیا: جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو جہاں چاہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ یعنی اذانِ جمعہ سے لے کر نماز کے اختتام تک جو چیز ممنوع تھی' اب اس کی اجازت ہے' اور ممنوع خصوصیت سے خرید وفروخت تھی تو اس کا مراد ہونا یقینی ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا "فانتشروا" اور "وابتغوا" کا امر وجوب کے لیے نہیں' اباحت کے لیے ہے' جیسے "وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" (المائدہ:۲) جب احرام کھول چکو تو شکار کرو' میں ہے۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲- اَبْوَابُ [كِتَابُ] صَلٰوةِ الْخَوْفِ

[نمازِ خوف کا بیان]

۵۸۹- ح: غَزَوْتُ قِبَلَ نَجْدٍ (الخ)

۵۸۹ - اَخْبَرَنَا سَالِمٌ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهٗ تُصَلِّيْ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ۔

[نجد کی جانب ایک غزوہ]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے نجد کی جانب ایک غزوہ میں شرکت کی، دشمن سے ہمارا آمنا سامنا ہوا تو ہم نے ان کے مقابل صف بندی کی (جب نماز کا وقت آ گیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اس طرح) نماز پڑھائی کہ ایک گروہ حضور کے ساتھ کھڑا ہوا اور ایک گروہ دشمن کے مقابل رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والوں کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کیے، پھر یہ گروہ وہاں چلا گیا جہاں وہ گروہ تھا جس نے نماز نہیں پڑھی تھی، اب وہ لوگ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکوع کیا اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک نے تنہا تنہا ایک رکوع اور دو سجدے کیے۔

(بخاری۔ کتاب صلوٰۃ الخوف ص ۱۲۸، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ ذات الرقاع ص ۵۹۲، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

نزہۃ القاری، ج ا ص ۶۸۳، رقم: ۲۳۵ پر ہم بتا آئے ہیں کہ صلوٰۃِ خوف، حدیبیہ کے موقع پر عسفان میں ظہر اور عصر کے مابین نازل ہوئی تھی، اور یہ بھی کہ غزوہ ذات الرقاع ۷ھ میں ہوا ہے۔ یہ نماز جو غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی گئی، عصر تھی، جیسا کہ ابوداؤد[1] اور نسائی[2] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صلوٰۃِ خوف کے مختلف طریقے احادیث میں مروی ہیں۔ مذکورہ بالا طریقہ احناف کا مختار ہے۔ یہ طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[3] امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلے گروہ والے جب اپنی نماز پڑھیں گے تو اس میں قراءت نہیں کریں گے، اس لیے کہ یہ لاحق ہیں اور حکماً امام کے پیچھے ہیں، البتہ دوسرے گروہ والے قراءت کریں گے اس لیے کہ یہ ایک رکعت میں مسبوق ہیں، اور اگر چار رکعت پڑھنی ہیں تو امام ہر گروہ کو دو دو رکعت پڑھائے اور مغرب کی نماز ہے تو

---

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۱۷۵۔ کتاب صلوٰۃ الخوف۔ باب: من قال یکبرون جمیعا [2] نسائی۔ ج ا ص ۲۲۹۔ کتاب صلوٰۃ الخوف

[3] ابوداؤد۔ ج ا ص ۱۷۷۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من قال یصلی لکل طائفۃ لم یسلم فیقوم الذین خلفہ

دو رکعت پہلے گروہ کو اور ایک رکعت دوسرے گروہ کو۔

نمازِ خوف اس وقت ہے کہ دشمن بہت قریب ہو اور اس کا ظن غالب ہو کہ اگر سب لوگ نماز میں مشغول ہوں گے تو یک بیک حملہ کردیں گے۔

۵۹۰- ح: اِذَا اخْتَلَطُوْا قِيَامًا (الخ) [جب دو فریق گتھم گتھا ہو جائیں]

۵۹۰ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِّنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ اِذَا اخْتَلَطُوْا قِيَامًا وَّزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيُصَلُّوْا قِيَامًا وَّرُكْبَانًا.

(بخاری۔ کتاب صلوۃ الخوف۔ باب: صلوۃ الخوف رجالا ورکبانا ص ۱۲۹، مسلم، نسائی، موطا امام مالک)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام مجاہد کے قول کے مثل مروی ہے کہ جب دو فریق گتھم گتھا ہو جائیں تو کھڑے کھڑے (اشارے سے) نماز پڑھیں، اور حضرت ابن عمر نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا کہ اگر دشمن زیادہ ہوں تو کھڑے کھڑے اور سوار ہونے کی حالت میں اشارے سے پڑھیں۔

نسائی میں "وان كانوا اكثر من ذلك" کے بجائے "وان كان الخوف اكثر من ذلك" ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے یعنی جب خوف اس سے زیادہ ہو، یعنی اس کا ظن غالب ہو کہ دو گروہ کر کے نماز پڑھنے کی حالت میں بھی حملہ کردیں گے تو جہاں ہوں وہیں اسی حال میں خواہ قبلہ رخ ہوں یا نہ ہوں، اشارے سے نماز پڑھیں۔ نسائی میں یہ زائد ہے: "يومي ايماء" اشارے سے پڑھیں۔ موطا امام مالک میں یہ زائد ہے: قبلہ رخ ہوں یا نہ ہوں۔

نحوا من قول مجاهد

امام مجاہد نے یہ فرمایا کہ جب فریقین گتھم گتھا ہو جائیں تو کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھیں۔ یہی حضرت ابن عمر کا بھی ارشاد ہے۔ امام مجاہد نے جو فرمایا وہ ان کا اپنا ارشاد ہے لیکن حضرت ابن عمر نے جو فرمایا بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا اپنا فتویٰ ہے، مگر امام بخاری نے جو یہ کہا: "زاد ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم" یہ اس پر نص ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، یہی ہمارا مسلک ہے کہ جب خوف سخت ہو تو جہاں رہے، وہیں جس حالت میں ہو اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اور اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو نماز مؤخر کردے، جیسا کہ غزوۂ خندق میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

اقول: اس استدلال میں ایک شبہہ یہ ہے کہ اس وقت نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی، اس لیے مؤخر فرمائی۔ "ثم اقول وباللہ التوفیق" "نمازِ خوف مشروع نہ ہونے کے باوجود واقعۂ خندق سے یہ مستفاد ہوا کہ دشمن کے ہجوم کی وجہ سے نماز کی مہلت نہ ہو تو نماز کا مؤخر کرنا فرض ہے۔ اور یہاں جبکہ نماز خوف کا بھی موقعہ نہ ہو تو یہ صادق ہے کہ نماز کی مہلت نہیں۔ دونوں میں علت مشترکہ نماز کی مہلت نہ ہونا ہے، اس لیے قیاس درست ہے، البتہ نزہۃ القاری، ج ۱ ص ۶۸۳، رقم: ۲۳۵، پر ہم نے جو یہ لکھا تھا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر نمازِ خوف نہیں پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی، یعنی غزوۂ خندق میں نماز نہ پڑھنے سے یہ استدلال کہ اس وقت نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی، درست نہیں۔ اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ اس وقت تک نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے بعد حدیبیہ کے موقع پر مشروع ہوئی ہے، جیسا کہ مسند امام احمد[1]، ابوداؤد[2] اور نسائی[3] کے حوالے سے گزر چکا۔

۵۹۱- ح: وَقَامَ النَّاسُ [اور کچھ لوگ آپ کے ساتھ (نماز کے لیے)]

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۵۹

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۷۴۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: صلوۃ الخوف من رای ان یصلی بھم

[3] نسائی۔ ج ۱۔ کتاب صلوۃ الخوف

مَعَهُ فَكَبَّرَ

کھڑے ہوئے تو آپ (ﷺ) نے تکبیر کہی]

۵۹۱ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوْا مَعَهُ وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِّنْهُمْ مَعَهُ ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوْا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِيْنَ سَجَدُوْا وَحَرَسُوْا اِخْوَانَهُمْ وَاَتَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَرَكَعُوْا وَسَجَدُوْا مَعَهُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِيْ صَلٰوةٍ وَّلٰكِنْ يَّحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

(بخاری۔ کتاب صلوٰۃ الخوف۔ باب: یحرس بعضهم بعضا فی صلوٰۃ الخوف ص۱۲۹' نسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ (خوف کے وقت) نبی ﷺ (نماز کے لیے کھڑے ہوئے) اور کچھ لوگ حضور کے ساتھ کھڑے ہوئے' حضور نے تکبیر کہی اور ان لوگوں نے بھی حضور کے ساتھ تکبیر کہی اور حضور نے رکوع کیا تو ان لوگوں نے رکوع کیا' پھر حضور نے سجدہ کیا تو ان لوگوں نے بھی حضور کے ساتھ سجدہ کیا' پھر دوسری رکعت کے لیے حضور کھڑے ہوئے تو جو لوگ سجدہ کر چکے تھے وہ چلے گئے اور اپنے بھائیوں کی حفاظت کرنے لگے اور دوسرا گروہ آیا اور انہوں نے حضور کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا اور سب لوگ نماز میں رہے لیکن بعض بعض کی حفاظت کرتے رہے۔

نسائی[1] ہی کی روایت میں بہ طریق ابوبکر بن ابی الجہم یہ زائد ہے: "ولم یقضوا" انہوں نے ایک رکعت اور نہیں پڑھی۔ نیز یہ بھی کہ یہ نماز ذوقرد میں پڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ دشمن مسلمانوں اور قبلہ کے درمیان تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے کہ جب دشمن ہمارے اور قبلہ کے مابین ہو تو نماز خوف کا یہی طریقہ ہے کہ امام کے سلام پھیرتے ہی دونوں گروہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مزید ایک ایک رکعت نہیں پڑھنی۔ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ امام کے تحریمہ باندھنے کے بعد وہ گروہ جو دشمن کے مقابل ہے' امام کے پیچھے نہیں' لیکن حکماً نماز میں شریک ہے یعنی نمازِ خوف حقیقت میں دو رکعت ہے' اگرچہ ایک رکعت معلوم ہوتی ہے اور وہ جو بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نمازِ خوف ایک رکعت ہے' اس سے مراد امام کے ساتھ ایک رکعت ہے' اور یہی امام شافعی سے بھی ابن قصار نے روایت کیا۔ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس صورت میں یہی حکم ہے' البتہ جب دشمن قبلہ کی جانب نہ ہو تو دو رکعت اس طریقے سے پڑھیں گے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ نص قرآنی کے معارض ہے۔ ارشاد ہے: "وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ" (النساء:۱۰۲) اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی ہے' وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے۔ اس ارشاد میں تصریح ہے کہ امام نے جب پہلی رکعت پڑھی تو جو گروہ دشمن کے مقابل تھا اس نے نماز نہیں پڑھی۔ اور حضرت ابن عباس کے مذہب کا مفاد یہ ہے کہ وہ بھی ایک رکعت پڑھ چکا۔

ت ۱۸۲ - وَقَالَ الْاَوْزَاعِيُّ اِنْ كَانَ تَهَيَّاَ الْفَتْحُ وَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ صَلَّوْا اِيْمَاءً كُلُّ امْرِئٍ لِّنَفْسِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الْاِيْمَاءِ اَخَّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى يَنْكَشِفَ الْقِتَالُ اَوْ يَاْمَنُوْا فَيُصَلُّوْا رَكْعَتَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَقْدِرُوْا صَلَّوْا رَكْعَةً وَّسَجْدَتَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَقْدِرُوْا لَا يُجْزِئُهُمُ التَّكْبِيْرُ وَيُؤَخِّرُوْنَهَا حَتّٰى يَاْمَنُوْا وَبِهٖ قَالَ

امام اوزاعی نے فرمایا: اگر فتح قریب ہو اور نماز پر قادر نہ ہوں تو اشارے سے ہر شخص اپنی نماز پڑھے اور اگر اشارے پر قادر نہ ہوں تو نماز مؤخر کر دیں' حتیٰ کہ جب جنگ ختم ہو جائے یا لوگ امن میں ہوں تو دو رکعت پڑھیں' اگر اس پر قادر نہ ہوں تو ایک رکعت اور دو سجدے کریں' اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو صرف تکبیر کافی نہیں' نماز مؤخر کریں یہاں تک کہ خوف جاتا رہے اور یہی مکحول نے بھی

[1] السنن نسائی ص ۲۲۸

مَكْحُوْلٌ. کہا۔

(بخاری۔ کتاب صلوۃ الخوف۔ باب: الصلوة عند مناهضة الحصون ولقاء العدو ص ۱۲۹)

امام ثوری، امام مجاہد اور حکم کا مذہب یہ ہے کہ اگر لڑائی اس درجے پر ہے کہ اشارے سے بھی نماز پڑھنی ممکن نہیں تو تکبیر کافی ہے۔ بعد میں نماز پڑھنے کی حاجت نہیں، اس کے برخلاف امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی اور امام ابوعبداللہ مکحول فقیہ اہل شام تابعی فرماتے ہیں کہ تکبیر کافی نہیں۔ اس وقت نماز مؤخر کرے، پھر جب خوف جاتا رہے تو پڑھے۔ ان لوگوں کی دلیل غزوۂ خندق کا واقعہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز کے بجائے تکبیر نہیں کہی بلکہ نماز مؤخر فرمائی اور بعد میں پڑھی۔ علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ اس وقت نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی۔ ہم ابھی بتا آئے کہ اس سے استدلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ت ۱۸۳ - **وَقَالَ** اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ حَضَرْتُ مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ عِنْدَ اِضَائَةِ الْفَجْرِ وَاشْتَدَّ اِشْتِعَالُ الْقِتَالِ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ فَلَمْ نُصَلِّ اِلَّا بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ فَصَلَّيْنَاهَا وَنَحْنُ مَعَ اَبِيْ مُوْسٰى فَفُتِحَ لَنَا وَقَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَّمَا يَسُرُّنِيْ بِتِلْكَ الصَّلٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صبح چمکنے کے وقت تستر کے قلعے پر حملے کے وقت میں موجود تھا، اور جنگ کی آگ سخت بھڑکی ہوئی تھی، ہم نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے، اس لیے دن بلند ہونے کے بعد لوگوں نے نماز پڑھی اور ہم حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ تھے، قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا: اس نماز کے عوض دنیا و مافیہا مجھے خوش نہیں کر سکتی۔

(بخاری۔ کتاب صلوۃ الخوف۔ باب: الصلوة عند مناهضة الحصون ولقاء العدو ص ۱۲۹)

تُستر، فارس کے صوبہ خوزستان میں اہواز کے علاقہ میں مشہور شہر ہے۔ اسے اُس وقت وہاں شُستر کہا جاتا تھا، یہ دوبار فتح ہوا ہے۔ ایک مرتبہ صلح سے دوبار جنگ سے۔ امام واقدی نے فرمایا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سوس کی فتح سے فارغ ہو کر ۲۰ھ میں تستر پر حملہ آور ہوئے۔ ان دنوں تستر کا حاکم ہرمزان تھا، تستر فتح ہوا اور ہرمزان کو گرفتار کر کے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جب وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوا تو اس سے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تو نے بار بار غداری کی، اس کا عذر تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ آپ بتانے سے پہلے مجھے قتل نہ کر دیں۔ ارشاد فرمایا: ڈرمت! اس نے پانی مانگا، جب پیالہ ہاتھ میں لیا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور اس نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ میں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: جب تک پانی نہیں پی لے گا، اس وقت تک کچھ نہ ہوگا۔ اس نے پانی گرا دیا۔ حضرت عمر نے دوسرا پانی لانے کا حکم دیا اور فرمایا: اس پر قتل اور پیاس جمع مت کرو۔ اس نے کہا: مجھے پانی کی حاجت نہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: میں تجھے قتل کروں گا، اس نے کہا: آپ مجھے امن دے چکے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: تو جھوٹا ہے، اس نے کہا: آپ نے یہ نہیں فرمایا ہے: جب تک بتائے گا نہیں جب تک پانی نہیں پیے گا، اس وقت تک کچھ نہ ہوگا۔ اس کی تائید سب موجودین نے بھی کی حتیٰ کہ حضرت انس نے بھی، تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: تو نے مجھے فریب دے دیا، اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت فاروق اعظم نے اسے مدینہ طیبہ ہی میں رکھا اور دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں اسے داخل فرمایا۔ یہ ہر وقت حضرت فاروق اعظم کے ساتھ رہتا، فارس کی مہمات میں آپ اس سے مشورہ بھی فرماتے۔ حضرت فاروق اعظم کے قاتل ابولولو مجوسی سے اس کا ملنا جلنا تھا۔ اسی لیے جب ابولولو نے حضرت فاروق اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا تو سازش میں ملوث ہونے کے شبہہ پر حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبیداللہ بن عمر نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم کے حکم سے عبیداللہ قید کر دیئے گئے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو پہلا معاملہ یہی ان

کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا: اس کو چھوڑنا انصاف نہیں۔ حضرت عثمان نے عبید اللہ کے قتل کا حکم دیا۔ اس پر بعض مہاجرین نے کہا: سبحان اللہ! کل اس کا والد قتل کیا گیا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان نے ہرمزان کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے معاملہ رفع دفع کیا۔ (البدایہ والنہایہ۔ ج ۷ ص ۱۴۸۔۹۸۸)

اس فوج میں کثیر صحابہ کرام تھے ان کے عمل سے ثابت ہوا کہ جب جنگ کی وجہ سے نماز کا موقع نہ ہو یا نماز میں مشغولیت کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ فتح میں دشواری پیدا ہو جائے گی اور جنگ جاری رکھنے میں اُمید قوی ہو کہ فتح عنقریب ہو جائے گی تو نماز کو مؤخر کر دیا جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اس وقت بھی محض تکبیر یا ذکر نماز کے قائم مقام نہیں ہو سکتا' بعد میں نماز پڑھی جائے گی۔ اس اثر کو ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے موصول کیا ہے۔

ت ۱۸۴- وَقَالَ الْوَلِيدُ ذَكَرْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ صَلٰوةَ شُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ وَاَصْحَابِهٖ عَلٰى ظَهْرِ الدَّابَّةِ فَقَالَ كَذٰلِكَ الْاَمْرُ عِنْدَنَا اِذَا تُخُوِّفَ الْفَوْتُ.

اور ولید نے کہا: میں نے اوزاعی سے حضرت شرحبیل بن السمط اور ان کے ہمراہیوں کی نماز کا تذکرہ کیا کہ انہوں نے سواریوں پر پڑھی' تو انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے جبکہ نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

(بخاری۔ کتاب صلوۃ الخوف۔ باب: صلوۃ الطالب والمطلوب راکبا و ایماء ص ۱۲۹)

یہ ولید بن مسلم القرشی اموی دمشقی ہیں' انہیں ایک جماعت نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ شرحبیل بن السمط کندی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ اکمال میں انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ ابن سعد نے انہیں طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے' یہ حضور کی خدمت میں وفد کے ساتھ حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ علامہ عینی نے ابن بطال کا قول نقل فرمایا کہ میں نے تلاش کیا کہ کس موقع پر شرحبیل نے اس طرح نماز پڑھی تھی مگر مجھے نہیں ملا۔ اگر یہ پتہ چل جاتا کہ یہ کس موقع پر ہوا تو یہ طے ہو جاتا کہ یہ لوگ کسی کا تعاقب کر رہے تھے یا ان کا کفار تعاقب کر رہے تھے۔ جس شخص کا کوئی پیچھا کر رہا ہو' اسے سواری پر اشارے سے نماز جائز ہے' لیکن وہ لوگ جو کسی دشمن کا تعاقب کر رہے ہوں' ان کو ایسا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ طالب ہے یعنی کسی کا پیچھا کر رہا ہے تو اشارے سے نماز جائز نہیں۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک درست ہے' اگر پیدل چل رہے ہوں تو اشارے سے نماز درست نہیں' اگر سوار ہوں تو درست ہے' اور اگر مطلوب ہے کہ دشمن اس کا پیچھا کر رہا ہے تو سواری پر اشارے سے ہمارے نزدیک بھی نماز کی اجازت ہے۔ اس وقت شرحبیل سوار تھے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام اوزاعی ہی سے ہے کہ شرحبیل نے کہا: کوئی بھی اتر کر نماز نہ پڑھے' سواری کی پیٹھ پر پڑھے۔ مالک بن اشتر نخعی نے اُتر کر نماز پڑھی تو شرحبیل نے ان کے حق میں یہ کہا: یہ مخالف ہے' اس نے اللہ کی مخالفت کی۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مطلوب تھے۔ علامہ عینی نے ابن بطال کا قول نقل فرمایا کہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ واقعہ کس موقع کا ہے؟ جس سے پتہ چلتا کہ یہ لوگ طالب تھے کہ مطلوب۔ اگر کشمیری صاحب نے کہیں اس کی تفصیل دیکھی تھی تو حوالہ سر دری تھا' یہ صرف رجما بالغیب کہا ہے۔

۵۹۲- ح: لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ

[جب تک بنی قریظہ نہ پہنچ جاؤ کوئی عصر نہ پڑھے]

۵۹۲ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْاَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِي بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَاَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيْقِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّيْ حَتّٰى نَاْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّيْ لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذٰلِكَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب احزاب سے لوٹے تو ہم سے فرمایا: جب تک بنی قریظہ نہ پہنچ جاؤ کوئی عصر نہ پڑھے' کچھ لوگ راستے ہی میں تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا' ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: جب تک ہم وہاں پہنچ نہیں جائیں گے عصر نہیں پڑھیں گے اور ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: ہم (یہیں) پڑھیں گے' حضور کا مقصد یہ نہیں تھا' ان دونوں باتوں کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو حضور نے کسی کی سرزنش نہیں کی۔

(بخاری۔ کتاب صلوٰۃ الخوف۔ باب: صلوٰۃ الطالب والمطلوب ص۱۲۹' ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرجع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الاحزاب ص۵۹۱' مسلم۔ کتاب المغازی)

ولید نے اسی حدیث سے امام اوزاعی کے قول کی تائید کی۔ امام بخاری بھی اس کو باب کی تائید میں لائے ہیں۔ یہاں باب یہ ہے کہ طالب اور مطلوب کی نماز سوار ہونے کی حالت میں اشارے سے۔ ولید کا استدلال یہ ہے کہ جن لوگوں نے نماز راستے میں نہیں پڑھی' انہوں نے عصر کو وقت کے بعد پڑھا تو جبکہ طالب کو نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے تو اشارے سے پڑھ لینا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال تام نہیں' اس لیے کہ وقت کے بعد پڑھنے میں صرف ایک شرط' وقت فوت ہوگا اور اشارے سے پڑھنے میں رکوع' سجدہ' قعدہ کئی ارکان چھوٹیں گے۔

لم نرد منا ذلك

جن لوگوں نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی' انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ فرمایا: جب تک بنی قریظہ نہ پہنچ لو کوئی نماز نہ پڑھے' یہ سمجھا کہ حضور بہت تیزی سے بنی قریظہ پہنچنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور تاکید کو مؤکد کرنے کے لیے یہ فرمایا ہے۔ اس حدیث سے اتنا بہرحال ثابت ہوا کہ اگر نماز پڑھیں گے تو اس کا اندیشہ ہو کہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا یا اپنی قوت بڑھا لے گا تو نماز مؤخر کر سکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٣- کِتَابُ الْعِيْدَيْن

[عیدین کا بیان]

٥٩٣- ح: عِنْدِيْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ (الخ)

٥٩٣- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ وَدَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِيْ وَقَالَ مِزْمَارَةُ الشَّيْطٰنِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ دَعْهُمَا فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا وَكَانَ يَوْمَ عِيْدٍ يَلْعَبُ السُّوْدَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ فَاِمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِمَّا قَالَ تَشْتَهِيْنَ تَنْظُرِيْنَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَاَقَامَنِيْ وَرَائَهُ خَدِّيْ عَلٰى خَدِّهِ وَهُوَ يَقُوْلُ دُوْنَكُمْ يَا بَنِيْ اَرْفِدَةَ حَتّٰى اِذَا مَلِلْتُ قَالَ حَسْبُكِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاذْهَبِيْ۔

[میرے پاس دو بچیاں گانا گا رہی تھیں]

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ایک دفعہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس دو بچیاں بعاث کے حالات پر مشتمل گانا گا رہی تھیں' حضور بستر پر لیٹ گئے اور اپنا چہرہ پھیر لیا اور حضرت ابوبکر آئے تو انہوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا: شیطان کا راگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور۔ اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی طرف رخ انور فرمایا اور ارشاد فرمایا: جانے دو! (آج عید کا دن ہے) جب حضرت ابوبکر نے ان سے توجہ ہٹالی تو میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا' وہ چلی گئیں اور یہ عید کا دن تھا' حبشی مسجد میں ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیلتے تھے' اب یا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا خود حضور ہی نے مجھ سے پوچھا: دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو حضور نے اپنے پیچھے مجھے کھڑا کر لیا' میرا رخسار حضور کے رخسار پر تھا' حضور یہ فرماتے: اے بنی ارفدہ! اور یہاں تک کہ میں تھک گئی تو مجھ سے فرمایا: بس! میں نے عرض کی: جی ہاں! تو فرمایا: تو جاؤ!

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الحراب والدرق یوم العید ص ١٣٠' کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اصحاب الحروف فی المسجد ص ٦٥' باب: سنۃ العیدین لاھل الاسلام ص ١٣٠' باب: اذا فاتہ العید یصلی رکعتین ص ١٣٥' کتاب الجہاد۔ باب: الدرق ص ٤٠٧' ج ٢۔ کتاب النکاح۔ باب: حسن المعاشرۃ ص ٧٨٠' باب: نظر المرأۃ الی الحبشۃ ص ٧٨٨' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' نسائی۔ کتاب العیدین)

''درق'' چمڑے کی ڈھال کو کہتے ہیں۔ ''حراب''' ''حَرْبَة'' کی جمع ہے' چھوٹا نیزہ۔ ''السودان''' ''اسود'' کی جمع ہے' کالے رنگ والی کوئی چیز' یہاں حبشی مراد ہیں۔ ''مزمارۃ'' کا مادہ ''زمر'' جس کے معنی وہ آواز ہے جس میں سیٹی ہو نیز ''زمر'' کے

معنی اچھی آواز کے ہیں، بانسری کو بھی مزمار کہتے ہیں، یہاں مراد گانا ہے۔ "ارفدہ" یہ حبشیوں کے مورثِ اعلیٰ کا نام ہے۔ کتاب النکاح میں ہے: اور اندازہ لگاؤ کہ نوعمر بچی جو کھیل کی شوقین ہو کتنی دیر کھڑی رہی ہوگی؟ اس کے بعد والے باب میں ہے کہ انصار کی دو بچیاں گاتی تھیں۔ طبرانی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: ان میں سے ایک حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب العین میں تخریج کی ہے، ان میں سے ایک کا نام حمامہ تھا۔ اس کے بعد والی روایت میں ہے: انصار نے یوم بعاث جو ایک دوسرے کو کہا تھا وہ گا رہی تھیں۔ باب: "اذا فاتته العيد يصلى ركعتين" میں ہے کہ وہ دف بجا کر گا رہی تھیں اور یہ ایام منیٰ میں واقع ہوا تھا۔ بعاث مدینہ طیبہ میں کسی جگہ کا نام ہے، یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے انصار کرام کے دونوں قبیلے اوس وخزرج میں بہت ہی خون ریز تباہ کن معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری تھا جو ایک سو بیس سال تک رہا، آخری معرکہ جنگ بعاث تھی۔ اس میں حضرت اُسید کے والد حضیر اوس کے سردار تھے، جو اس معرکے میں زخمی ہوئے اور انہیں زخموں کی وجہ سے مدت کے بعد جاں بحق ہوئے۔ اور خزرج کا سردار عمرو بن نعمان تھا، پہلے خزرج کا پلّہ بھاری تھا مگر بعد میں وہ کمزور پڑ گئے، یہاں تک کہ عمرو بن نعمان کو ایک تیر لگا اور مر گیا، تو خزرج میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جنگ میں انصار کے بڑے بڑے نامور مار ڈالے گئے اور انصار کی قوت فنا ہو گئی، اس لیے خزرج کے کچھ حضرات مکہ معظمہ آئے تھے کہ قریش سے باہمی تعاون کا معاہدہ کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے یہ کہہ کر ہم جس کام کے لیے آئے ہیں یہ اس سے بڑھ کر ہے، اسلام قبول کر لیا، جیسا کہ نزہۃ القاری، ج ۱ ص ۲۷۵، رقم: ۱۸، بہ عنوان: بیعت عقبہ، پر گزر چکا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جنگ بعاث ہی نے انصار کو اسلام سے مشرف فرمایا، ہوتا یہی ہے کہ سرداری اور بڑائی کا غرور قبول حق سے عموماً مانع ہوتا ہے۔ اس جنگ میں ایسے تمام سردار ختم ہو گئے تھے اور جو بچے تھے وہ سہارے کے متلاشی تھے۔ جب رحمت عالم کا دامن کرم ملا تو اس میں پناہ لے لی۔ باب: "اذا فاتته العيد" میں یہ ہے کہ حضور نے اپنے آپ کو کپڑے سے ڈھک لیا تھا۔ ہشام کی روایت میں یہ زائد ہے کہ حضور نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: ہر قوم کے لیے ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کپڑا اوڑھ کر لیٹے تھے، حضرت ابوبکر نے یہ خیال فرمایا کہ حضور کی لاعلمی میں یہ گا رہی ہیں۔ اور عام طور پر یہ معلوم تھا کہ گانا بجانا اسلام میں ممنوع ہے، اس لیے حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا۔ نسائی[1] میں ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہم نے شور اور بچوں کی آواز سنی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، دیکھا کہ حبشی مسجد میں کھیل رہے ہیں اور بچے انہیں گھیرے ہوئے ہیں۔ مجھ سے فرمایا: اے حمیرا! دیکھنا چاہتی ہو! میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضور بار بار پوچھتے: کیا تو سیر نہیں ہوئی؟ کیا تو سیر نہیں ہوئی؟ میں عرض کرتی: نہیں! تاکہ میری جو حیثیت حضور کے نزدیک ہے، اسے دیکھوں[2]۔ "باب من فاتته العيد" میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور حبشیوں کو منع فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ کنکری مارنے لگے تو حضور نے ارشاد فرمایا: اے عمر! بنی ارفدہ کو امن دو۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چھوٹی بچیوں کی آواز عورت نہیں، شادی عید وغیرہ کے موقع پر ایسا گانا جو فحش وخرافات نہ ہو، گانا اور سننا جائز ہے۔ دف جبکہ بغیر جھانجھ کے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ تمرین ومشاقی کے لیے تلوار نیزہ وغیرہ آپس میں چلانا جائز ہے۔

۵۹۴ - ح: لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یوم الفطر (کی نماز) کے لیے تشریف نہ لے جاتے جب تک چند چھوہارے تناول نہ کر لیتے]

---

[1] نسائی۔ کتاب العیدین۔ باب: الرخصة في الاستماع الى الغناء ص ۲۳۶ [2] عمدۃ القاری۔ ص ۲۷۰

٥٩٤ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَّقَالَ مُرَجَّا بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الفطر کو (نماز کے لیے) اس وقت تک تشریف نہ لے جاتے جب تک چند چھوہارے تناول نہ فرما لیتے اور انہیں طاق عدد میں کھاتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الاکل یوم الفطر قبل الصلوٰۃ ص ۱۳۰)

عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھا کر عیدگاہ جانا مستحب ہے، اگر چھوہارے یا کھجوریں ہوں تو اور بہتر ہے۔ آج کل عام رواج ہے کہ عید کے دن سویاں لوگ کھاتے ہیں، اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ شارحین نے چھوہارے کھانے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ اس میں مٹھاس ہوتی ہے جو آنکھ کی روشنی بڑھاتی ہے اور سویاں بھی میٹھی ہی پکتی ہیں، اسے بدعت کہنا جہالت ہے۔

٥٩٥- ح: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ

[جس نے نماز سے قبل قربانی کی وہ دوبارہ کرے]

٥٩٥ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهٰى فِيْهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ مِنْ جِيْرَانِهِ فَكَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَهُ قَالَ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا اَدْرِيْ اَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ اَمْ لَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہے وہ دوبارہ کرے، تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یہ ایسا دن ہے کہ اس میں گوشت کی خواہش کی جاتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کا تذکرہ کیا، گویا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے سچ جانا، انہوں نے عرض کیا: میرے پاس بکری کا ایک سال سے کم کا بچہ ہے جو مجھے دو گوشت والی بکریوں سے زیادہ عزیز ہے، تو انہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی، میں نہیں جانتا کہ یہ اجازت ان کے علاوہ بھی کسی کو ہے یا نہیں؟

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الاکل یوم النحر ص ۱۳۰، باب: کلام الامام والناس فی خطبة العیدین ص ۱۳۴، ج ۲۔ کتاب الاضاحی۔ باب: ما یشتھی من اللحم یوم النحر ص ۸۳۲، باب: من ذبح قبل الصلوٰۃ اعادھا ص ۸۳۴، مسلم۔ کتاب الذبائح، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

٥٩٦- ح: مَنْ نَّسَكَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ لَا نُسُكَ لَهٗ

[جس نے نماز سے قبل قربانی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی]

٥٩٦ - عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاَضْحٰى بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ اَصَابَ النُّسُكَ وَمَنْ نَّسَكَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَلَا نُسُكَ لَهٗ فَقَالَ اَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ خَالُ الْبَرَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّيْ نَسَكْتُ شَاتِيْ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَعَرَفْتُ اَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّاَحْبَبْتُ اَنْ يَّكُوْنَ شَاتِيْ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں یوم الاضحیٰ میں نماز کے بعد خطبہ دیا، فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی تو اس کی قربانی درست ہوئی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو وہ نماز سے پہلے ہے، اور اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ اس پر ابو بردہ بن نیار، حضرت براء کے ماموں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بکری کی قربانی نماز سے پہلے کر ڈالی اور میں نے یہ سمجھا کہ آج کا دن کھانے پینے کا دن

اَوَّلَ شَاةٍ مَّا تُذْبَحُ فِيْ بَيْتِيْ فَذَبَحْتُ شَاتِيْ وَتَغَدَّيْتُ قَبْلَ اَنْ اٰتِيَ الصَّلٰوةَ قَالَ شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَّنَا جَذَعَةً هِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ شَاتَيْنِ اَفَتَجْزِيْ عَنِّيْ قَالَ نَعَمْ وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ.

ہے اور میں نے یہ پسند کیا کہ میری بکری سب سے پہلی ہو جو میرے گھر میں ذبح کی جائے' اس لیے میں نے اپنی بکری ذبح کر دی اور نماز کے لیے آنے سے پہلے کھا بھی لیا ہے۔ ارشاد فرمایا: تیری بکری گوشت کی بکری ہے' تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو ایک سال سے کم کا ہے' وہ مجھے دو بکریوں سے زیادہ پسند ہے' کیا وہ میری طرف سے کافی ہوگا؟ ارشاد فرمایا: ہاں! اور تیرے بعد کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الاکل یوم النحر ص ۱۳۰۔۱۳۰' باب: الخطبة بعد العید ص ۱۳۱' باب: التکبیر للعید ص ۱۳۲' باب: کلام الامام والناس فی خطبة العید ص ۱۳۴' باب: سنة العیدین لاھل الاسلام ص ۱۳۰' ج ۲۔ کتاب الاضاحی۔ باب: سنة الاضحیة ص ۸۳۲' ج ۲۔ کتاب الاضاحی۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی بردة ص ۸۳۳' باب: الذبح بعد الصلوٰة ص ۸۳۴' باب: من ذبح قبل الصلوٰة اعادھا ص ۸۳۴' کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا حلف ناسیا ص ۹۸۷' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الضحایا)

جذعة

امام قاضی عیاض نے فرمایا: "جذعة" بھیڑ یا بکری کے تندرست فربہ بچے کو کہتے ہیں جو ایک سال سے کم کا ہو۔ قاموس میں ہے کہ جس بچے کے ابھی دانت نہ نکلے ہوں اسے جذعہ کہا جاتا ہے۔ عناق بکری کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں' اس لیے اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ بھیڑ کا ایک سال کا بچہ' صحیح نہیں۔ یہاں جذعہ سے بکری کا بچہ مراد ہے۔ اس پر دوسری روایت نص ہے۔ الاضاحی میں "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی بردة" میں یہ تصریح ہے: "وان لی داجنا من المعز" میرے لیے بکری کا ایک بچہ ہے اور یہ بچہ ایک سال سے کم کا تھا۔ اس پر دوسری روایتیں صراحتاً دال ہیں۔ "باب التکبیر للعید" اور الاضاحی "باب الذبح بعد العید" میں ہے: "وجزعة خیر من مُسِنَّةٍ" اور میرے پاس ایک بچہ ہے جو سال بھر والے سے اچھا ہے۔ علاوہ ازیں بعد کا یہ ارشاد: "لَنْ تجزی عن احد بعدك" تیرے بعد کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگا' بھی اس پر قرینہ ہے کہ اس سے مراد بکری کا سال بھر سے کم کا بچہ ہے' اس لیے کہ بھیڑ اور دنبے کا ششماہی بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو' بالاتفاق اس کی قربانی درست ہے۔

مسائل

ہمارے نزدیک نمازِ عیدین واجب ہے' اس کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا اسے پوری پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہے' اس طرح کہ کبھی ترک نہیں فرمایا۔ شیخ الاسلام نے اس پر اس آیت کریمہ سے استدلال فرمایا:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ. رمضان کی گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو' اس پر کہ (البقرہ:۱۸۵) اُس نے تم کو ہدایت دی۔

اس آیت کریمہ میں تکبیر سے مراد نمازِ عید الفطر ہے' اسی طرح عید الاضحیٰ کا وجوب اس آیت سے ثابت ہے کہ فرمایا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر:۲) اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو ۝

نمازِ عید کی صحت وفرضیت کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کی ہیں' عیدین میں نماز کے بعد خطبہ سنت ہے۔ بکری کے ایک سال سے کم کے بچے کی قربانی درست نہیں۔ اگرچہ بہت فربہ ہو' دیکھنے میں سال بھر یا اس سے زائد کا معلوم ہوتا ہو۔ حضور اقدس ﷺ کو

اختیار ہے وہ جو چاہیں جس کے لیے چاہیں خاص کر سکتے ہیں' جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کر سکتے ہیں۔

۵۹۷- ح: يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى

[آپ (ﷺ) عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے]

۵۹۷ - عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَّبْدَأُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ فَإِنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ فِي أَضْحٰى أَوْ فِطْرٍ فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلّٰى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيْدُ أَنْ يَّرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهِ فَجَبَذَنِيْ فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَقُلْتُ لَهُ غَيَّرْتُمْ وَاللّٰهِ فَقَالَ يَا أَبَا سَعِيْدٍ قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ فَقُلْتُ مَا أَعْلَمُ وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّمَّا لَا أَعْلَمُ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُوْنُوْا يَجْلِسُوْنَ لَنَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ.

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الخروج الی المصلی بغیر منبر' ص ۱۳۱' مسلم۔ کتاب العیدین)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے' سب سے پہلے نماز پڑھتے' پھر رُخ بدلتے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے تو انہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور انہیں حکم دیتے۔ اب اگر کہیں لشکر بھیجنا ہوتا تو اسے الگ کر دیتے یا اگر کسی بات کا حکم دینا چاہتے تو اس کا حکم دیتے' پھر لوٹتے۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا: لوگ اسی طریقے پر رہے' یہاں تک کہ میں مروان کے ساتھ عیدگاہ چلا اور وہ مدینہ کا حاکم تھا' عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر میں۔ جب ہم عیدگاہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک منبر ہے جسے کثیر بن صلت نے بنایا ہے اور مروان چاہتا ہے کہ منبر پر چڑھے تو میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر اس کو کھینچا' اس پر اس نے مجھے کھینچا اور منبر پر نماز سے پہلے چڑھ گیا' اور خطبہ دیا میں نے اس سے کہا: تم نے سنت بدل ڈالی' اللہ کی قسم! تو اس نے کہا: اے ابوسعید! جو تم جانتے ہو وہ چلا گیا' تو میں نے کہا: جو میں جانتا ہوں یہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا' اس پر اس نے کہا: لوگ نماز کے بعد ہمارے لیے نہیں بیٹھتے' اس لیے میں نے اسے نماز سے پہلے کر دیا ہے۔

کثیر بن صلت بن معاویہ الکندی' عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور عہد فاروقی میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور یہیں بس گئے اور بنی جمع کے حلیف بن گئے اور ان کا نام قلیل تھا۔ حضرت عمر نے بدل کر کثیر رکھا' عیدگاہ کے پاس قبلہ رُخ ان کا بہت بڑا مکان تھا' اسی لیے انہوں نے منبر بنایا تھا' یہ منبر کچی اینٹوں سے بنایا تھا۔ (مسلم۔ العیدین۔ ص ۲۹۰)

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوئے: عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہے' عیدین سے قبل خطبہ کی بدعت مروان نے ایجاد کی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حتی الوسع فرض ہے' نماز عید عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے' عیدگاہ میں منبر بنانے میں کوئی حرج نہیں' اس لیے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے منبر بنانے پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔

۵۹۸ تا ۶۰۱- ح: كَانَ يُصَلِّيْ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ

[آپ (ﷺ) عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز پڑھتے اور نماز کے بعد خطبہ دیتے]

۵۹۸ تا ۶۰۱- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں نماز پڑھتے' پھر نماز کے بعد خطبہ دیتے۔

اَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ قَالَ وَاَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَرْسَلَ اِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِيْ اَوَّلِ مَا بُوْيِعَ لَهٗ اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ اِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن نکلے تو نماز خطبہ سے پہلے پڑھی۔

عطاء نے مجھے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے' حضرت ابن زبیر کی جب بیعت کی گئی تو اس کے شروع ہی میں یہ کہلا بھیجا کہ عیدالفطر کے دن اذان نہیں ہوتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہی ہے۔

وَاَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْاَضْحٰى.

اور عطاء نے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں اذان نہیں ہوتی تھی۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ فَاَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّاُ عَلٰى يَدِ بِلَالٍ وَّبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهٗ يُلْقِيْ فِيْهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً قُلْتُ لِعَطَاءٍ اَتَرٰى حَقًّا عَلَى الْاِمَامِ الْاٰنَ اَنْ يَّاْتِيَ النِّسَاءَ فَيُذَكِّرَهُنَّ حِيْنَ يَفْرُغُ قَالَ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ اَنْ لَّا يَفْعَلُوْا.

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو پہلے نماز پڑھی' اس کے بعد لوگوں کو خطبہ دیا اور جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نماز سے) فارغ ہو گئے تو اترے اور عورتوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں نصیحت فرمائی' اس وقت حضور حضرت بلال کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور حضرت بلال اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے جس میں عورتیں صدقہ ڈالتی تھیں۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا آج بھی امام پر لازم ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر عورتوں کے پاس آئے اور انہیں وعظ کرے؟ عطاء نے کہا: ضرور یہ ان پر حق ہے اور انہیں کیا ہو گیا کہ ایسا نہیں کرتے۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: المشی والرکوب الی العید بغیر اذان و لا اقامة ص ۱۳۱' مسلم۔ کتاب العیدین' ابوداؤد۔ کتاب الصلوۃ)

یہاں باب کا عنوان ہے: اذان و اقامت کے بغیر عید کے لیے پیدل یا سوار ہو کر جانا۔ اس کے چار جز ہیں: عید کے لیے پیدل چلنا' عید کے لیے سوار ہو کر چلنا' بغیر اذان کے جانا' بغیر اقامت کے نماز پڑھنا۔ ان میں تیسرے جز کا اثبات ان احادیث سے صراحۃً ہوتا ہے اور چوتھے کا التزاماً' جہاں اذان نہیں وہاں اقامت بھی نہیں۔ اس بارے میں صریح احادیث بھی ہیں۔ مسلم[1] وغیرہ میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے بارہا حضور کے ساتھ عیدین پڑھی' ان میں نہ اذان تھی نہ اقامت۔ ابوداؤد[2] میں حضرت ابن

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۹۰۔ کتاب العیدین [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۶۳۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ترک الاذان فی العید

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان نے عیدین بغیر اذان واقامت کے پڑھی' عیدین میں اذان واقامت نہیں' صرف دوبار "الصلوٰۃ جامعۃ" کہنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ اس بناء پر کہ امام زہری سے ایک حدیث مرسل میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کے دن مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ یہ پکارے: "الصلوٰۃ جامعہ"[1] البتہ پہلے اور دوسرے جز کا اثبات ظاہر نہیں۔

اقول: ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے گئے ہوں گے۔ روایات میں تخصیص نہیں۔ اگر پیدل جانا یا سواری پر جانا فرض یا واجب ہوتا تو صحابہ کرام ذکر فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح جانا جائز ہے' البتہ افضل یہ ہے کہ پیدل جائے' نیز ابن ماجہ[2] میں حضرت سعد قرظ اور حضرت ابن عمر سے یہ روایت ہے کہ پیدل جاتے بھی اور واپس بھی ہوتے۔ ترمذی[3] میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ عیدگاہ پیدل جائے اور جانے سے پہلے کچھ کھالے' اس لیے کہ طبرانی میں معجم کبیر میں بہ طریق محمد بن عبید اللہ بن رافع عن ابیہ عن جدہ راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدگاہ پیدل جاتے تھے' پیدل اس لیے تشریف لے جاتے تھے کہ عیدگاہ مسجد اقدس سے صرف ایک ہزار ہاتھ کے فاصلے پر تھی[4] اب اگر عیدگاہ کافی فاصلہ پر ہو جیسا کہ ہندوستان میں عام طور پر عیدگاہیں شہر سے باہر میل دو میل بلکہ اس سے بھی زیادہ فاصلے پر ہوتی ہیں تو سواری پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

وارسل الی ابن الزبیر

اواخر ربیع الاوّل ۶۴ھ میں یزید پلید ہلاک ہوگیا' اس کے ہلاک ہونے کی اطلاع اوّل ربیع الآخر میں ملی' جبکہ حصین بن نمیر مکہ معظمہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اور منجنیق سے پتھر اور آگ برسا رہا تھا۔ اس نے اُم فروہ نامی منجنیق سے آگ پھینکی جس سے کعبہ کا پردہ اور کچھ کڑیاں جل گئیں۔ رکن یمانی' رکن اسود کی درمیانی دیوار تین جگہ سے پھٹ گئی اور پوری دیوار کالی ہوگئی' اسی اثناء میں یزید کے مرنے کی اطلاع ملی۔ جب اہل شام کو اس کی اطلاع ہوئی تو حصین بن نمیر نے حضرت عبد اللہ بن زبیر سے کہا: جس کے لیے ہم لڑ رہے تھے' وہ مر گیا۔ دروازہ کھول دو کہ ہم طواف کر کے واپس جائیں۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے لڑائی بند کر کے دروازہ کھول دیا' طواف کرتے ہوئے حصین بن نمیر نے حضرت عبد اللہ بن زبیر سے کہا کہ میرے ساتھ شام چلو! میں تمہارے لیے بیعت کرا دوں گا۔ انہوں نے اس کی بات پر اعتبار نہیں کیا اور اسے سخت جواب دیا' اس نے کہا: میں تم کو عرب کے دانشوروں میں جانتا تھا' میں تم کو خلافت کے لیے بلا رہا ہوں اور تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہے ہو۔ اس کے بعد حضرت ابن زبیر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی' چونکہ بنی اُمیہ نے عیدین میں اذان واقامت کی بدعت پھیلا دی تھی' اس لیے حضرت ابن عباس نے حضرت ابن زبیر کے پاس پیغام بھیجا تھا۔

ثم نزل

اس حدیث اور دوسری احادیث میں تصریح ہے کہ عیدگاہ میں منبر کثیر بن صلت نے بنایا تھا' جو تابعی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منبر نہ تھا' مگر یہاں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ خطبہ سے فارغ ہو کر حضور اترے۔ علامہ احمد خطیب قسطلانی نے یہ توجیہ بیان کی کہ "نزل" "انتقل" کے معنی کو متضمن ہے' یعنی وہاں سے چل کر عورتوں کے پاس آئے۔

اقول: اس کا بھی احتمال ہے کہ مردوں نے جہاں نماز پڑھی ہو وہ جگہ اونچی تھی' عورتیں نشیب میں تھیں۔ اس تقدیر پر "نَزَلَ"

---

[1] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۳۷۷ [2] ابن ماجہ۔ کتاب العیدین۔ ص ۹۳
[3] ترمذی۔ ج ۱ ص ۶۹۔ کتاب العیدین۔ باب فی المشی یوم العید [4] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۷۹

اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے درست ہے۔

نمازِ عید کہاں پڑھیں؟

آج کل غیر مقلدین کے ایک طبقہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ آبادی میں عیدین صحیح نہیں' اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے آبادی میں مسجد نبوی ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھی بلکہ میدان میں پڑھی۔

اقول: یہ صحیح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مسجد نبوی میں عیدین نہیں پڑھی' مگر یہ کہنا غلط ہے کہ صحرا میں پڑھی۔ حضور اقدس ﷺ جہاں عیدین پڑھتے تھے وہ جگہ مدینہ طیبہ کے بیچ میں تھی۔ عمدۃ القاری[1] میں ہے کہ کثیر بن صلت کا گھر وادی بطحان کے کنارے وسط مدینہ میں تھا۔ مسجد اقدس میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ سب لوگ آسکیں' اس لیے وہاں میدان میں پڑھتے تھے۔ اسی لیے فتح مکہ کے بعد جب مسجد حرام میں عیدین کی نماز قائم ہوئی تو انہیں میدان میں پڑھنے کا حکم نہیں دیا' وہ لوگ مسجد حرام ہی میں عیدین پڑھتے رہے' وہاں پڑھنے سے روکا نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ مسجد میں بھی عیدین کی نماز بلا کراہت درست ہے مگر عیدگاہ میں جا کر پڑھنا افضل ہے۔

۶۰۲- ح: فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ

[یہ سب حضرات (ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم) خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے]

۶۰۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُّ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں عید میں رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ حاضر ہوا' یہ سب حضرات خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الخطبة بعد العيد ص ۱۳۱' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الممتحنہ۔ ص ۷۲۷' مسلم' ابوداؤد)

۶۰۳- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ اور حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الخطبة بعد العيد ص ۱۳۱' باب: خروج الصبيان الى المصلى ص ۱۳۳' باب: الصلوٰة قبل العيد ص ۱۳۵' کتاب الزکوٰۃ۔ باب: من احب تعجيل الصدقة من يومها ص ۱۹۲' کتاب اللباس۔ باب: خاتم للنساء' باب: القلائد والسخاب للنساء ص ۸۷۳' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلهم فی کتاب الصلوٰۃ)

۶۰۴- ح: صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا

[آپ (ﷺ) نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے قبل یا بعد کوئی نہیں پڑھی]

۶۰۴- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلْنَ يُلْقِيْنَ تُلْقِي الْمَرْاَةُ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی' نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی نہ اس کے بعد' نماز سے فارغ ہو کر عورتوں کے پاس آئے اور حضور کے ہمراہ حضرت بلال تھے' حضور نے انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا تو وہ صدقہ دینے لگیں' بالی اور ہار حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الخطبة بعد العيد ص ۱۳۱)

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۸۰

لگیں۔

یہی ہمارا مذہب ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کوئی بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے' خواہ گھر میں پڑھے یا عیدگاہ میں۔ اس پر اجماع ہے کہ عیدین کی نماز دو رکعت ہے۔

ت۱۸۵ - وَقَالَ الْحَسَنُ نُهُوْا اَنْ يَّحْمِلُوا السِّلَاحَ يَوْمَ الْعِيْدِ اِلَّا اَنْ يَّخَافُوْا عَدُوًّا.

اور امام حسن بصری نے فرمایا: عید کے دن ہتھیار لے جانے سے لوگوں کو منع کر دیا گیا' مگر یہ کہ کسی دشمن کا خطرہ ہو۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: ما یکرہ من حمل السلاح یوم العید ص ۱۳۲)

۶۰۵- ح: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِيْنَ اَصَابَهٗ سِنَانُ الرُّمْحِ

[میں اس وقت ابن عمر کے ہم راہ تھا جب آپ کو نیزے کا پھل لگا]

۶۰۵- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِيْنَ اَصَابَهٗ سِنَانُ الرُّمْحِ فِيْ اَخْمَصِ قَدَمِهٖ فَلَزِقَتْ قَدَمُهٗ بِالرِّكَابِ فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا وَذٰلِكَ بِمِنًى فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ فَجَآءَ يَعُوْدُهٗ فَقَالَ الْحَجَّاجُ لَوْ نَعْلَمُ مَنْ اَصَابَكَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَنْتَ اَصَبْتَنِيْ قَالَ وَكَيْفَ قَالَ حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِيْ يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيْهِ وَاَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ فِي الْحَرَمِ.

حضرت سعید بن جبیر شہید سے روایت ہے کہ میں اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا' جب ان کے پاؤں کے تلوے میں نیزے کا پھل لگا تھا' اتنا کہ ان کا قدم رکاب سے چپک گیا۔ میں سواری سے اترا اور اسے نکالا' یہ منٰی میں ہوا تھا' جب اس کی خبر حجاج کو ملی تو وہ عیادت کے لیے آیا اور کہا: کاش! میں جانتا کہ کس نے چبھویا ہے؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: تو نے' اس نے کہا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: جس دن ہتھیار نہیں لایا جاتا تھا تو نے حرم میں ہتھیار داخل کیا' حالانکہ حرم میں ہتھیار داخل نہیں کیا جاتا تھا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: ما یکرہ من حمل السلاح فی العید ص ۱۳۲)

۶۰۶- ح: دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ

[حجاج' ابن عمر کے پاس آیا]

۶۰۶- حَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَاَنَا عِنْدَهٗ قَالَ كَيْفَ هُوَ قَالَ صَالِحٌ فَقَالَ مَنْ اَصَابَكَ قَالَ اَصَابَنِيْ مَنْ اَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِيْ يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيْهِ حَمْلُهٗ يَعْنِي الْحَجَّاجَ.

عمرو بن سعید اموی نے کہا: حجاج' حضرت ابن عمر کے پاس آیا اور کہا: کیسے ہیں؟ فرمایا: اچھا ہوں' اس نے پوچھا: کس نے آپ کو نیزہ مارا ہے؟ فرمایا: جس نے اس دن ہتھیار لانے کا حکم دیا' جس دن ہتھیار لانا حلال نہیں' ان کی مراد حجاج تھا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: ما یکرہ من حمل السلاح یوم العید ص ۱۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حجاج کی بدعنوانیوں پر ہمیشہ تنقید کرتے رہتے۔ حجاج نے عبدالملک بن مروان سے شکایت کی تو اس نے حجاج کو حکم دیا کہ حضرت ابن عمر کی مخالفت مت کرو' اس نے ایک شخص کو حکم دیا' اس نے مزدلفہ سے واپسی پر منٰی میں بھیڑ کر کے زہر آلود نیزہ ان کے قدم میں چبھو دیا' اس کے صدمے سے آپ چند دن بیمار رہے اور پھر وصال فرما گئے۔ حجاج نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی' ذی طوٰی میں مہاجرین کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

عید کے دن ہتھیار اٹھانا

عید میں پورا شہر اکٹھا ہوتا ہے' دوست دشمن سب اکٹھے ہوتے ہیں' ہتھیار رکھنے میں خطرات ہیں' اس لیے عیدین کے موقعوں پر عیدگاہ میں ہتھیار لے جانا منع ہے۔ ابن ماجہ[۱] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلادِ اسلام میں عیدین میں ہتھیار لگا کر جانے سے منع فرمایا' مگر یہ کہ جب دشمن کے مقابل ہوں۔

ثبوت باب

یہاں امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے: عید اور حرم میں ہتھیار لے جانا منع ہے۔ امام حسن بصری کے ارشاد سے عیدین اور حضرت ابن عمر کے ارشاد سے حرم میں ہتھیار لے جانے کی صراحۃً ممانعت ثابت ہے۔ حضرت ابن عمر کے اس ارشاد سے کہ تو اس دن ہتھیار لایا جس دن ہتھیار نہیں لایا جاتا تھا' سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ منٰی میں ایامِ منٰی میں ہتھیار لانا ممنوع ہے۔ علت' ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہے' اور یہی بات عیدین میں بھی ہے' اس لیے عیدین میں ہتھیار لے جانے کی اس سے ممانعت ثابت ہوئی۔

ت۱۸٦ - وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ اِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ وَذٰلِكَ حِيْنُ التَّسْبِيحِ.

اور حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم اس وقت نمازِ عید سے فارغ ہو جاتے تھے' اور یہ نمازِ چاشت کا وقت تھا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: التکبیر للعید ص ۱۳۲)

یہاں باب یہ ہے: عید کے لیے سویرے جانا۔ اس حدیث میں تسبیح سے مراد نمازِ چاشت ہے' جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے: یعنی وقت کراہت گزر جانے کے بعد۔ اس تعلیق کو ابوداؤد اور ابن ماجہ[۲] نے اس تفصیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے لیے گئے۔ امام کا دیر کرنا ناگوار ہوا تو فرمایا: ہم اس وقت تک فارغ ہو جاتے تھے اور یہ تسبیح کا وقت تھا۔ اس باب میں حضرت براء بن عازب والی حدیث: ۵۹٦ لائے ہیں' باب پر استدلال یوں ہوا کہ یہاں ''اوّل ما نبتدأ في يومنا هذا ان نصلي'' اس دن ہم سب سے پہلے کام یہ کرتے کہ نماز پڑھتے' زائد ہے' اس سے متبادر ہے کہ دن نکلنے کے بعد وقت ہوتے ہی ہم لوگ نماز پڑھ لیتے۔

ت۱۸۷ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ اَيَّامُ الْعَشْرِ وَالْاَيَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اور اللہ کو یاد کرو چند معلوم دنوں میں' اس سے ایام العشر مراد ہیں اور الایام المعدودات ایامِ تشریق ہیں۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: فضل العمل فی ایام التشریق ص ۱۳۲)

اس تعلیق کو سعید بن منصور نے اپنی تفسیر میں یوں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے: اللہ کی یاد کر ایامِ معلومات میں اور اللہ کا ذکر کر ایامِ معدودات میں۔ ایامِ معلومات سے ذوالحجہ کے دس دن مراد ہیں اور ایامِ معدودات سے مراد ایامِ تشریق ہیں۔

ت۱۸۸ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ اِلَى السُّوْقِ فِيْٓ اَيَّامِ الْعَشْرِ يُكَبِّرَانِ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيْرِهِمَا. (ایضاً)

اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذوالحجہ کے دس دنوں میں بازار جاتے اور تکبیر کہتے اور لوگ ان دونوں کی تکبیر پر تکبیر کہتے۔

---

۱ ابن ماجہ۔ کتاب العیدین۔ باب: لبس السلاح فی یوم العید ص ۹۴

۲ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱٦۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: وقت الخروج الی العید' ابن ماجہ۔ کتاب العیدین۔ باب: وقت صلوٰۃ العیدین ص ۹۴

ت۱۸۹ - وَكَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ.

اور محمد بن علی (امام باقر) نفل نماز کے بعد بھی تکبیر کہتے تھے۔

(کتاب العیدین۔ باب: فضل العمل فی ایام التشریق ص ۱۳۲)

٦٠٧- ح: مَا الْعَمَلُ فِيْ اَيَّامٍ اَفْضَلُ مِنْهَا فِيْ هٰذِهٖ

[ان دنوں میں کسی عمل سے افضل دوسرے دنوں کا عمل نہیں]

٦٠٧- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا الْعَمَلُ فِيْ اَيَّامٍ اَفْضَلُ مِنْهَا فِيْ هٰذِهٖ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ. (ایضاً ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ان دنوں میں کسی عمل سے افضل دوسرے دنوں کا عمل نہیں، لوگوں نے عرض کیا: جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی نہیں مگر وہ شخص جو اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال کر دشمن سے مقابلہ کرے اور کچھ واپس نہ لائے۔

هٰذه

''هٰذهٖ'' سے ذوالحجہ کے عشرۂ اولیٰ کی طرف اشارہ ہے، بلکہ ابوذر کی روایت میں ''فی هذهٖ'' کی جگہ ''فی هذا العشر'' ہے۔ اور اسی کی تائید حدیث کے دوسرے طرق کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ ترمذی، مسند امام احمد وغیرہ میں یہی لفظ ہے، بلکہ دارمی کی روایت میں ''من ایام عشر ذی الحجة'' وارد ہے۔ اس تقدیر پر اس حدیث کو باب سے کوئی مناسبت نہیں رہے گی۔ اس لیے کہ باب یہ ہے: ایامِ تشریق میں عمل کی فضیلت۔ اور ایامِ تشریق دس تا تیرہ ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کو ایامِ عشر والی روایت نہ پہنچی ہو اور انہوں نے ''فی هٰذهٖ'' سے ایامِ تشریق سمجھ لیا ہو۔

العمل

یہ اپنے عموم پر ہے، یعنی ذوالحجہ کے عشرۂ اولیٰ کے اعمالِ حسنہ دوسرے ایام کے اعمالِ حسنہ سے افضل ہیں، حتیٰ کہ جہاد سے بھی، مگر یہ کہ دشمن کے مقابلے میں شہادت نصیب ہو اور مال بھی جاتا رہے، مگر باب کے مناسب یہ توجیہ ہے کہ ان دنوں میں تکبیر سے افضل کوئی عمل نہیں، اب لامحالہ فرائض و واجبات کی تخصیص کرنی پڑے گی، اسی لیے ابن بطال نے اسے نوافل کے ساتھ خاص کیا۔

فلم يرجع بشي

اس کا ترجمہ بہ ظاہر یہ ہے کہ کچھ لوٹا کر نہیں لایا۔ با تعدیہ کے لیے ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود لوٹا مگر مال جاتا رہا، مگر چونکہ شی نکرہ تحت نفی ہے جو عموم کا افادہ کرتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اوپر جو مذکور ہے ان میں سے کچھ بھی نہیں لوٹا، تو یہ جان و مال دونوں کو شامل ہوا۔ اس معنی پر ابوعوانہ کی روایت نص ہے، اس میں یہ ہے: ''الا من لا يرجع بنفسه ولا ماله'' دوسرے طریقے میں ہے: ''الا ان لا يرجع'' تیسرے میں ہے: ''الا من عقر جواده و اهريق دمه''۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد کے بھی مختلف درجات ہیں، سب سے افضل یہ ہے کہ شہادت نصیب ہو جائے۔ نیز یہ ثابت ہوا کہ ذوالحجہ کا عشرۂ اولیٰ دوسرے ایام سے افضل ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جیسے ایک جگہ کو دوسری جگہ پر فضیلت حاصل ہے، ویسے ہی ایک وقت کو بھی دوسرے پر فوقیت ہے۔ ان ایام میں سب سے افضل عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کا دن ہے۔

ت١٩٠- وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهٖ بِمِنًى فَيَسْمَعُهٗ اَهْلُ الْمَسْجِدِ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُكَبِّرُ اَهْلُ الْاَسْوَاقِ حَتّٰى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيْرًا.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں اپنے قبہ میں تکبیر کہتے' اسے مسجد والے سنتے تو وہ بھی تکبیر کہتے' بازار والے بھی کہتے' یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج اٹھتا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: التکبیر ایام منیٰ ص ١٣٢)

ت١٩١- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ بِمِنًى تِلْكَ الْاَيَّامَ وَخَلْفَ الصَّلَوَاتِ وَعَلٰى فِرَاشِهٖ وَفِيْ فُسْطَاطِهٖ وَمَجْلِسِهٖ وَمَمْشَاهُ وَتِلْكَ الْاَيَّامَ جَمِيْعًا. (ایضا)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں ان دنوں تکبیر کہتے اور نمازوں کے بعد اپنے بچھونے پر اور اپنے خیمے میں' بیٹھے رہنے کی حالت میں' چلنے کی حالت میں اور ان سب دنوں میں۔

ت١٩٢- وَكَانَتْ مَيْمُوْنَةُ تُكَبِّرُ يَوْمَ النَّحْرِ. (ایضا)

اور اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا یوم النحر میں تکبیر کہتی تھیں۔

ت١٩٣- وَكَانَ النِّسَاءُ يُكَبِّرْنَ خَلْفَ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ لَيَالِيَ التَّشْرِيْقِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ. (ایضا)

ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مسجد میں ایامِ تشریق میں تکبیر کہتی تھیں۔

٦٠٨- ح: كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّيْ لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ

[تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا' اس پر کوئی انکار نہ کرتا]

٦٠٨- حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَّنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِّنًى اِلٰى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّيْ لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ.

محمد بن ابوبکر ثقفی نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے تکبیر کے بارے میں پوچھا کہ آپ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا' اس پر کوئی انکار نہیں کرتا' اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا اور اس پر کوئی انکار نہیں کرتا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: التکبیر ایام منیٰ ص ١٣٢' کتاب المناسک۔ باب: التلبیۃ و التکبیر اذا غدا من منی الی عرفۃ ص ٢٢٥' مسلم۔ کتاب الحج' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک)

تعلیق: ١٩٠ کو سعید بن منصور نے اپنی تفسیر میں موصولاً روایت کیا ہے' اور تعلیق: ١٩١ کو ابن منذر نے اور فاکہی نے اخبارِ مکہ میں اور بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے۔ تعلیق: ١٩٢ کو بیہقی نے روایت کیا ہے' اس حدیث اور آثار سے متعلق مندرجہ ذیل باتیں ہیں:

(١) ایامِ تشریق کتنے دن ہیں؟ صحیح یہ ہے کہ چار دن ہیں ١٠ تا ١٣' مگر چونکہ دسویں ذوالحجہ کا مستقل نام یوم الاضحیٰ اور یوم النحر ہے' اس لیے اسے یوم تشریق نہیں کہتے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو امام شعبی سے مرسلاً مروی ہے کہ فرمایا: جس نے تشریق سے پہلے قربانی کی' وہ دوبارہ کرے۔ (فتح الباری۔ ج ٢ ص ١-٣٨٠)

(٢) ان ایام میں تکبیر تشریق واجب ہے' یہی ہمارا مذہب ہے' البتہ حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف فرائض کے بعد اس مقیم پر واجب ہے' جس نے جماعت مستحبہ کے ساتھ فرائض ادا کیے ہوں اور وہ شہر میں ہو' اس لیے نہ مسافر پر واجب ہے نہ منفرد پر' نہ نماز وتر و عیدین و نوافل کے بعد اور نہ دیہات میں نماز پڑھنے والوں پر۔ یوں ہی اگر تنہا عورتوں نے جماعت کی تو ان پر بھی نہیں۔ یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ امام محمد اور امام ابو یوسف نے فرمایا: ہر فرض کے بعد ہے خواہ تنہا پڑھے خواہ جماعت سے' مقیم یا مسافر' شہر میں ہو یا دیہات میں۔ احناف کا عمل اسی پر ہے' اور یہی امام مالک کا بھی مذہب ہے۔ امام

شافعی نے فرمایا کہ فرائض کے ساتھ نوافل کے بعد بھی ہے' حتیٰ کہ نمازِ جنازہ کے بعد بھی' البتہ اگر عورتوں نے ایسی جماعت سے نماز پڑھی جس میں کوئی مرد نہ ہو یا مسافروں نے پڑھی جس میں کوئی مقیم نہ ہو تو ان پر تکبیر واجب نہیں۔

(۳) تکبیر تشریق کب سے کب تک ہے؟ اس میں نو اقوال ہیں' ہمارا مذہب یہ ہے کہ نویں کی فجر سے لے کر تیرھویں کی عصر تک ہے۔

(۴) اس تکبیر کے کلمات کیا ہیں؟ ہمارے نزدیک مختار یہ ہیں: ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد'' یہی حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور یہی امام احمد کا بھی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ ان کا خیمہ مسجد خیف میں لگتا' وہ نماز کے بعد تکبیر کہتے تو مسجد کے سبھی لوگ اور بازار والے جو نماز میں شریک ہوتے' تکبیر کہتے' یا یہ کہ تکبیر سے خاص یہ تکبیر مراد نہیں' اور یہی حضرت ابن عمر کے اثر کا بھی محمل ہے۔

اور حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں بھی تکبیر سے خاص یہ تکبیر مراد نہیں' بلکہ وہ کلمات مراد ہیں جو تلبیہ میں اضافہ کرتے تھے۔
واللہ تعالیٰ اعلم!

یہاں باب کا عنوان ہے: ایامِ منیٰ میں تکبیر کا بیان۔ اس کے تحت علاوہ ان آثار اور حدیث مذکور کے حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا حدیث: ۲۲۷ بھی لائے ہیں جو جلد اوّل صفحہ ۶۶۷ میں گزر چکی ہے' یہاں یہ زائد ہے: ''فیکن خلف الناس ویکبرن بتکبیرھم'' عورتیں عیدگاہ میں مردوں کے پیچھے رہتیں اور ان کے ساتھ تکبیر بھی کہتیں۔ امام بخاری نے یہاں تکبیر سے مراد تکبیر تشریق لیا ہے' ورنہ باب سے تعلق نہ رہے گا' مگر تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد عیدین کی نماز ہے' اس لیے کہ دوسری روایتوں میں ''ولیشھدن الخیر'' ہے اور خیر سے بالاتفاق نمازِ عیدین مراد ہے۔ ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے' خود قرآن مجید میں نماز عید کا حکم ''لتکبروا'' سے آیا ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کے ساتھ دعا مانگیں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ نمازِ عیدین کے بعد دعا ہے۔

۶۰۹- ح: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الخ)

[(عید کے خطبہ کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ سے نکلے]

۶۰۹- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يُصَلُّونَهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يُخْطَبُ بَعْدُ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجَلِّسُ بِيَدِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتّٰى جَاءَ النِّسَاءَ مَعَهُ بِلَالٌ فَقَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ (الممتحنة: ۱۲) الْآيَةَ ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ مِنْهَا أَنْتُنَّ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَتِ امْرَأَةٌ وَّاحِدَةٌ مِّنْهُنَّ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا نَعَمْ لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ قَالَ فَتَصَدَّقْنَ فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ ثُمَّ قَالَ هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَاءٌ أَبِي

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عیدالفطر میں شریک ہوا' وہ اس کو خطبہ سے پہلے پڑھتے' بعد میں خطبہ دیتے' (عید کے خطبہ کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ سے نکلے گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں' جب آپ اپنے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے' پھر لوگوں کے درمیان سے چلے یہاں تک کہ عورتوں میں تشریف لائے' حضور کے ساتھ حضرت بلال تھے اور فرمایا: اے نبی! جب تمہارے پاس عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو حاضر ہوں کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور خود گڑھ کر بہتان نہیں باندھیں گی

وَاُمِّيْ فَيُلْقِيْنَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيْمَ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ.

(کتاب العیدین۔باب:موعظة الامام النساء يوم العيد ص ۱۳۳' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔سورۂ ممتحنہ۔باب:اذا جاءك المؤمنات ص ۷۲۶' مسلم ابوداؤد ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو' اللہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کی تلاوت سے جب فارغ ہوئے تو فرمایا: تم اسی روش پر ہو؟ تو ان میں سے ایک عورت نے کہا: جی حضور! اس کے علاوہ کوئی عورت نہیں بولی۔ حسن نہیں جانتے تھے کہ یہ کون تھی؟ اس کے بعد عورتوں نے صدقہ دینا شروع کیا تو حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا' پھر کہا: لاؤ! تم پر میرے ماں باپ قربان! تو عورتیں چھلے اور انگوٹھیاں حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔

یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث: ۶۰۴ کا بقیہ حصہ ہے' جو کتاب التفسیر میں مکمل ہے۔ جہاں ابتدائی حصے میں یہ زائد ہے: ابن جریج نے امام عطاء سے پوچھا کہ عورتیں صدقہ فطر دیتی تھیں؟ تو انہوں نے کہا: نہیں! یہ صدقہ تھا جو اس وقت دیتی تھیں' یعنی یہ صدقہ نافلہ تھا۔ ''هلُمّ لكُنَّ فداء ابي وامي'' حضرت بلال کا مقولہ ہے' اس میں فتخ کا لفظ آیا ہے۔ یہ ''فتخة'' کی جمع ہے۔ امام بخاری نے اخیر میں امام عبدالرزاق صاحبِ مصنف کا یہ قول نقل فرمایا کہ فتخ بڑی انگوٹھیوں کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھیں' مگر خلیل نے کہا کہ ایسی انگوٹھیاں ہیں جن میں نگ نہ ہوں۔ ثعلب نے کہا کہ یہ پاؤں کی انگوٹھیوں کو کہتے ہیں۔ الخواتیم پر عطف سے بھی یہی متبادر ہے' اس لیے خاتم سے اطلاق کے وقت وہ انگوٹھیاں مراد ہوتی ہیں جو ہاتھ کی انگلیوں میں پہنی جائیں۔

۶۱۰- ح: صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ

[نبی ﷺ نے یوم نحر میں نماز پڑھی' خطبہ دیا' پھر قربانی کی]

۶۱۰- عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ.

حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے یوم نحر میں نماز پڑھی' پھر خطبہ دیا' پھر قربانی کی اور فرمایا: جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا ہے وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے قربانی نہیں کی ہے' وہ اللہ کے نام سے ذبح کرے۔

(بخاری۔کتاب العیدین۔باب: كلام الامام والناس في خطبة العيد ص ۱۳۴' ج ۲۔ کتاب الصید والذبائح۔باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم فليذبح باسم الله ص ۸۲۷' کتاب الاضاحی۔باب: من ذبح قبل الصلوٰة اعاده ص ۸۳۴' کتاب الایمان والنذور۔باب: اذا حنث ناسيا ص ۹۸۷' نسائی۔کتاب الضحایا)

۶۱۱- ح: اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ

[آپ (ﷺ) عید کے دن راستہ بدل کر آتے جاتے]

۶۱۱- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ راستہ بدل کر آتے جاتے۔

(بخاری۔کتاب العیدین۔باب: من خالف الطريق اذا رجع يوم العيد ص ۱۳۴)

مطلب یہ ہے کہ جس راستے سے عیدگاہ جاتے' اس کے علاوہ دوسرے راستے سے واپس ہوتے۔ شارحین حدیث نے اس میں یہ اسرار لکھے ہیں: (١) تاکہ دونوں راستے گواہ ہو جائیں (٢) دونوں طرف کے مکان گواہ ہو جائیں (٣) تاکہ دونوں راستے حضور کے قدم سے مشرف ہوں (٤) دونوں راستوں کے باشندوں کے لیے سرمایۂ افتخار ہو (٥) دونوں راستوں والے حضور کی زیارت اور گزرنے سے برکت حاصل کریں (٦) اگر کوئی حاجت مند ہو تو اس کی حاجت پوری فرمائیں (٧) اگر کوئی دینی مسئلہ پوچھے تو بتا دیں (٨) اسلام کی شوکت ظاہر ہو جائے (٩) اللہ عزوجل کے ذکر کا اعلان عام ہو جائے (١٠) منافقین یہود جلیں (١١) ان پر رعب ہو (١٢) بھیڑ میں کمی ہو جائے۔ اس قسم کے بہت سے اسرار نکل سکتے ہیں' بعض شراح نے بیس تک بیان کیے ہیں۔

ت١٩٤ - **لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا عِيْدُنَا يَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ.**

نبی ﷺ کا فرمان: یہ ہماری عید ہے' اے اہلِ اسلام!

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: اذا فاتته العيد يصلي ركعتين ص ١٣٤)

محدثین نے فرمایا کہ یہ ارشاد ہمیں کہیں نہیں ملا۔ علامہ عینی نے فرمایا: قیاس یہ ہے کہ یہ دو حدیثوں کے اجزاء ہیں' جنہیں اکٹھا کر دیا ہے۔ "ھٰذا عیدنا" اس حدیث کا جز ہے جو بخاری ص ١٣٠ پر بہ طریق ہشام عن ابیہ عن عائشہ مروی ہے اور "اھل الاسلام" اس حدیث کا جز ہے جسے اہل سنن نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' جس میں یہ ہے: "ایام منٰی عیدنا اھل الاسلام"۔

مطابقت باب

یہاں یہ باب ہے: جب نمازِ عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھے' اور ایسے ہی عورتیں اور جو لوگ گھروں اور دیہاتوں میں ہوں' وہ بھی نمازِ عید پڑھیں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ہماری عید ہے' اے اہل اسلام! اس ارشاد سے استدلال یوں ہے کہ نمازِ عید شکرانۂ عید ہے اور حضور نے اس کا عید ہونا تمام اہل اسلام کے لیے عام فرمایا۔ اس میں مرد' عورت' شہری' دیہاتی' امام کے ساتھ والے' نہ ساتھ والے' کسی کی تخصیص یا کسی کا استثناء نہیں' جب عید سب کے لیے ہے تو اس کے شکر کی ادائیگی بھی سب پر لازم ہے۔

ت١٩٥ - **وَاَمَرَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُ ابْنَ اَبِيْ عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ اَهْلَهٗ وَبَنِيْهِ وَصَلّٰى كَصَلٰوةِ اَهْلِ الْمِصْرِ وَتَكْبِيْرِهِمْ.**

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابن ابی عتبہ کو زاویہ میں حکم دیا تو انہوں نے ان کے اہل اور بیٹوں کو جمع کیا اور شہر والوں کی طرح نماز پڑھی اور تکبیر کہی۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: اذا فاتته العيد يصلي ركعتين ص ١٣٤)

ت١٩٦ - **وَقَالَ عِكْرِمَةُ اَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُوْنَ فِي الْعِيْدِ يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ.** (ایضاً)

اور عکرمہ نے کہا: دیہات والے عید کے دن اکٹھے ہوں اور امام کی طرح دو رکعت پڑھیں۔

حضرت انس والے اثر کو ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس کبھی کبھی اپنے اہل وعیال اور خدام کو جمع فرماتے' انہیں عبداللہ بن عتبہ نماز پڑھاتے۔ عکرمہ والے اثر کو بھی ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن دیہات میں ہوں یا سفر میں ہوں' وہ بھی اکٹھے ہوں اور نماز پڑھیں' ان میں سے کوئی امامت کرے۔ حضرت انس کے اثر میں "وتکبیرھم" اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس اثر میں نماز سے مراد عیدین ہی کی نماز ہے' جس میں زائد تکبیریں ہوتی ہیں مطلق نماز مراد نہیں۔ ان آثار سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نمازِ عید کے لیے نہ شہر شرط ہے نہ اذنِ امام۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں چیزیں

شرط ہیں، دلائل کتاب الجمعہ میں گزر چکے، اور حضرت انس کے فعل کا جواب بھی وہیں مذکور ہے۔ رہ گیا عکرمہ کے قول کا جواب، تو وہ یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں، اور تابعی کا قول احناف پر حجت نہیں، خصوصاً جبکہ وہ حدیث کے معارض ہو۔

ت۱۹۷ - وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. اور امام عطاء نے فرمایا: جب نمازِ عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھے۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: اذا فاتته العید یصلی رکعتین ص۱۳۵)

اس سے قبل گزر چکا کہ ہمارے نزدیک عیدین کی قضا نہیں، اور حضرت عطاء تابعی ہیں، ان کی رائے ہم پر حجت نہیں۔ امام بخاری کے نزدیک اقوالِ رجال حجت ہیں، اس لیے ان کو دلیل میں پیش فرمایا۔ امام بخاری کو اس باب کے ثبوت کے لیے کوئی حدیث صحیح نہیں ملی، اس لیے اقوالِ رجال کی تقلید فرمائی۔ اس باب کے ضمن میں حدیث: ۵۹۳ لائے جس میں دو بچیوں کے گانے کا تذکرہ ہے، یہاں اخیر میں یہ اضافہ ہے: مسجد میں حبشی نیزہ بازی کر رہے تھے تو انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈانٹا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو! بنی ارفدہ کو امن دو! مگر اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں۔

ت۱۹۸ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَرِهَ الصَّلٰوةَ قَبْلَ الْعِيدِ. حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عید سے پہلے نماز پڑھنا مکروہ جانا۔

(بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب: الصلوٰۃ قبل العید وبعدہا ص۱۳۵)

ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ عید کے دن نمازِ عید سے پہلے نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے خواہ گھر پڑھے خواہ مسجد میں خواہ عیدگاہ میں۔ اسی طرح نمازِ عید کے بعد عیدگاہ میں مکروہ ہے۔ گھر یا محلہ کی مسجد میں مکروہ نہیں، اسی طرح جس مسجد میں نمازِ عیدین ہوتی ہو، اس مسجد میں بھی عیدین کے بعد مکروہ ہے۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

١٤- اَبْوَابُ [كِتَابُ] الْوِتْرِ

[وتر کا بیان]

ت١٩٩- وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتّٰى يَاْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ. (بخاری۔ کتاب الوتر۔ باب: ما جاء في الوتر ص١٣٥)

اور نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر میں ایک اور دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے، یہاں تک کہ اپنی بعض حاجتوں کے لیے حکم فرماتے۔

ت٢٠٠- قَالَ الْقَاسِمُ وَرَاَيْنَا اُنَاسًا مُنْذُ اَدْرَكْنَا يُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ وَاِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ اَرْجُوْ اَنْ لَّا يَكُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ بَاْسٌ. (بخاری۔ کتاب الوتر۔ باب: ما جاء في الوتر ص١٣٥، باب: صلى الله عليه وسلم ودعائه بالليل ص٢٦١)

امام قاسم نے فرمایا: ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، ہم نے لوگوں کو تین رکعت وتر پڑھتے دیکھا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سب (یعنی خواہ تین پڑھے خواہ ایک رکعت) جائز ہے اور مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

وتر ایک رکعت ہے یا تین؟ اس بارے میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر صرف ایک رکعت ہے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ تین رکعت ہے۔ آج کل غیر مقلدین نے اسے بھی افتراق بین المسلمین کا ذریعہ بنالیا ہے، اس لیے اس پر کچھ تفصیلی کلام ضروری ہے۔ کچھ بحث حدیث: ١٣٨ کے تحت جلد اول صفحہ ٤٩٦ پر ہو چکی ہے۔ ہمارے دلائل حسب ذیل ہیں:

(١) نسائی نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (ج١۔ باب: كيف الوتر بثلث ص٢٤٨)

(٢) اس میں ایک سطر بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پہلی میں "انا انزلنا" دوسری میں "قل يا ايها الكفرون" تیسری میں "قل هو الله احد"۔

(٣) اسی میں اس کے بعد والے باب میں متعدد طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعت وتر پڑھے۔

(٤) امام حاکم مستدرک میں علیٰ شرط الشیخین ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ (عمدۃ القاری۔ ج٧ ص٤)

(٥) دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کا وتر تین رکعت ہے، دن کے وتر مغرب کی طرح۔ (ایضاً)

(٦) امام ابوجعفر طحاوی نے ابوخالد سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے بتایا کہ وتر تین رکعت ہے۔ (ایضا)

(٧) علامہ ابن عبدالبر تمہید میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے کہ رسول اللہ ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا یعنی صرف ایک رکعت نماز پڑھنے سے۔

(٨) مسلم اور ابوداؤد نے بہ طریق علی بن عبداللہ بن عباس عن ابیہ روایت کیا' وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں سویا' اس کے اخیر میں ہے کہ حضور نے وتر تین رکعت پڑھے۔

سردست یہ سات حدیثیں ہیں' صحابہ کرام میں حضرت عمر' حضرت علی' حضرت انس' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا یہی مذہب ہے' حتیٰ کہ حضرت امام حسن بصری اور امام کرخی نے فرمایا کہ مسلمانوں نے اسی پر اجماع کیا ہے کہ وتر تین رکعت ہے' آخر کے سوا کہیں سلام نہ پھیرے۔ تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور فقہاء سبعہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

جن روایتوں میں ''اوتر بواحدة'' یا ''یوتر بواحدة'' آیا ہے' ان سے مراد یہ ہے کہ پہلی والی دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے یا اس کو وتر بنا دیتے۔ ''باء'' کا اصلی معنی الصاق ہے اور سلام سے جب فصل ہو گیا تو الصاق نہ رہا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا جواب حضرت حسن بصری نے یہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عمر سے بدرجہا افقہ اعلم اور اورع ہیں' وہ تین پڑھتے تھے۔

تعلیق ثانی میں قاسم سے مراد قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم ہیں جو مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ اور تابعین کرام کے صف اوّل کے بزرگوں میں سے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ یہ ہیں: قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق' عروہ بن زبیر حواری رسول اللہ' سعید بن مسیب' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' خارجہ بن زید' سلیمان بن یسار' عبیداللہ بن عبداللہ۔

٦١٢- ح: كَانَ يُصَلِّي إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً

[آپ (ﷺ) گیارہ رکعت پڑھتے]

٦١٢- حَدَّثَنِي عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ تَعْنِي بِاللَّيْلِ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهُ وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلٰوةِ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے اور یہ حضور کی رات کی نماز تھی' اس میں آپ سجدہ اتنا طویل فرماتے کہ اس میں تم میں سے کوئی پچاس آیت پڑھ لیتا اس سے پہلے کہ آپ اپنا سر انور اٹھاتے اور آپ نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت (نفل) پڑھتے' پھر داہنی کروٹ پر لیٹتے یہاں تک کہ مؤذن نماز کے لیے حاضر ہوتا۔

(بخاری۔ کتاب الوتر۔ باب: ما جاء في الوتر ص ١٣٥' کتاب التہجد' باب: طول السجود في قيام الليل ص ١٥١)

ان گیارہ رکعات کی تفصیل یہ ہے: چھ نفل' تین وتر' دو فجر کی سنتیں۔ حضور اقدس ﷺ رات میں کتنی رکعت نماز پڑھتے تھے اس میں روایات مختلف آئی ہیں۔ سات' نو' گیارہ' تیرہ' سترہ' یہ مختلف اوقات کے لحاظ سے ہے' یعنی کبھی سات رکعت پڑھتے کبھی نو وغیرہ۔

اشکال یہ ہے کہ خود حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے روایتیں مختلف آئی ہیں۔ ابوداؤد[1] میں حضرت امام مالک سے بہ طریق ہشام بن عروہ جو روایت ہے اس میں تیرہ رکعت مذکور ہے۔ مسلم[2] ابوداؤد[3] میں ابوسلمہ سے جو روایت ہے اس میں بھی تیرہ مذکور ہے۔ نیز ابوداؤد (ص ۱۸۸) میں بہ طریق قاسم بن محمد بھی تیرہ کا ذکر ہے۔ نیز اسی میں اسود بن یزید کی جو حدیث ہے اس میں ہے کہ تیرہ پڑھتے تھے (ص ۱۹۳) پھر گیارہ پڑھا کرتے، دو رکعت چھوڑ دی وصال کے وقت نو رکعت پڑھتے، رات کی آپ کی اخیر نماز وتر ہوتی۔ نیز سعد بن ہشام سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ انہوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ قیام لیل کے بارے میں بیان فرمایئے! تو انہوں نے بیان فرمایا، پھر عرض کیا کہ وتر کے بارے میں بیان فرمایئے! تو یہ بیان فرمایا: آٹھ رکعتوں کے ساتھ ملا کر وتر پڑھتے تھے اور صرف آٹھویں اور نویں رکعت پر بیٹھتے اور صرف نویں رکعت پر سلام پھیرتے، اس کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعت پڑھتے، یہ کل گیارہ رکعت ہوئیں۔ جب سن زیادہ ہو گیا اور بدن بھاری ہو گیا تو سات رکعتیں وتر پڑھتے، صرف چھٹی اور ساتویں رکعت پر بیٹھتے اور صرف ساتویں پر سلام پھیرتے، اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے، یہ نو رکعتیں ہوئیں اے بیٹے!

ان سب میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں، اس لیے علامہ عینی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اختلاف راویوں سے ہوا ہو۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ قیام لیل کی رکعات کی تعداد معین نہیں تھی۔ اُم المومنین نے بھی اکثر احوال کو بیان فرمایا، کبھی دوسرے احوال کو، اس میں ان کی کوئی خاص مصلحت ہو گی۔

مطابقت باب

یہاں باب ہے: جو کچھ وتر میں آیا ہے۔ اس حدیث میں بہ ظاہر وتر کا ذکر نہیں، مگر سب کو معلوم ہے کہ ان گیارہ رکعتوں میں تین وتر کی ہیں، اس لیے اس حدیث کو باب سے مطابقت ہو گئی۔

۶۱۳- ح: يُصَلِّىْ مِنَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات میں دو دو رکعت پڑھتے]

۶۱۳- حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ اَرَاَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ اُطِيْلُ فِيْهِمَا الْقِرَائَةَ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ مِنَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ وَّيُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَكَاَنَّ الْاَذَانَ بِاُذُنَيْهِ قَالَ حَمَّادٌ اَىْ بِسُرْعَةٍ.

انس بن سیرین نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا آپ یہ بہتر جانتے ہیں کہ میں فجر کی نماز سے پہلی دو رکعتوں میں قراءت لمبی کروں؟ تو انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں دو دو رکعت پڑھتے تھے اور ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے، نمازِ فجر سے پہلے والی دو رکعت ایسے پڑھتے گویا اذان حضور کے کانوں میں ہے۔ حماد نے کہا: یعنی تیزی سے۔

(بخاری۔ کتاب الوتر۔ باب: ساعات الوتر ص ۱۳۶، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

"کان الاذان فی اذنیہ" میں اذان سے مراد اقامت ہے، مطلب یہ ہوا کہ جیسے اقامت سننے والا نماز میں ہو تو مختصر پڑھے گا، اسی طرح حضور بھی فجر کی سنتیں مختصر پڑھتے تھے۔

وتر کا وقت

ہمارے نزدیک عشاء کے بعد صبح صادق طلوع ہونے تک ہے، صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اس کا وقت نہیں، البتہ ساقط بھی

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۸۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی صلوٰۃ اللیل
[2] مسلم۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: صلوٰۃ اللیل ص ۲۵۴
[3] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۸۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی صلوٰۃ اللیل

نہیں قضا واجب ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد[1] ترمذی[2] ابن ماجہ[3] اور حاکم نے خارجہ بن حذافہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف لائے اور فرمایا: اللہ عزوجل نے تم کو ایک ایسی نماز کا حکم دیا ہے جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور یہ وتر ہے' اور اسے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان رکھا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا' یہ حدیث حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت عمرو بن عاص' حضرت عقبہ بن عامر' حضرت ابوسعید خدری' حضرت خارجہ بن حذافہ' ابونضرہ غفاری اور عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ' مسند ابن راھویہ' دار قطنی' طبرانی' مستدرک وغیرہ میں مروی ہے۔ ان کے بعض رواۃ پر کلام کیا گیا ہے' اگر وہ کلام صحیح بھی ہو تو تعدد طرق سے یہ حدیث حسن ہو کر لائق استدلال ہوگئی[4] امام مالک کا مذہب مشہور امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک فجر نہ پڑھے' وتر پڑھ سکتا ہے۔

٦١٤- ح: كُلَّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ

[آپ (ﷺ) نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھے]

٦١٤- عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُلَّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْتَهَى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھا' صبح صادق ہونے تک۔

(بخاری۔ کتاب الوتر۔ باب: ساعات الوتر ص١٣٦' مسلم' ابوداؤد۔ صلوٰۃ)

٦١٥- ح: اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا

[رات کی نماز کے آخر کو وتر بناؤ]

٦١٥- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: رات کی نماز کے آخر کو وتر بناؤ۔

(بخاری۔ کتاب الوتر۔ باب: ولیجعل اٰخر صلٰوته باللیل وترا ص١٣٦' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ وتر کا وقت صبح صادق تک ہے "کل اللیل" سے مراد عشاء کے بعد کا حصہ ہے۔ اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے عشاء اور فجر کے درمیان رکھا ہے' جس شخص کو اعتماد ہو کہ اخیر رات میں جاگ جائے گا' اسے بہتر یہ ہے کہ وتر اخیر رات میں پڑھے ورنہ عشاء کے بعد پڑھ لے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوقتادہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا: تم کب وتر پڑھتے ہو؟ عرض کیا: سونے سے پہلے' اور حضرت عمر سے پوچھا: تم کب پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا: سوتا ہوں' پھر اُٹھ کر وتر پڑھتا ہوں' تو حضور نے ابوبکر سے فرمایا: تم نے احتیاط کو اختیار کیا اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے قوت کو اختیار کیا[5] حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے اس کا اندیشہ ہو کہ رات کے اخیر پہر میں نہیں اُٹھ سکے گا' وہ اوّل لیل میں وتر پڑھ کر سو جائے اور جس کو اُمید ہو کہ آخر رات میں جاگ جائے گا' تو اخیر رات میں وتر پڑھے۔ اس لیے کہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔

---

١ ابوداؤد۔ باب: استحباب الوتر ص٢٠١ ٢ ترمذی۔ ج١ ص٦٠۔ کتاب الوتر۔ باب: فی فضل الوتر
٣ ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: ما جاء فی الوتر ص٨٣ ٤ فتح القدیر۔ ج١ ص١٧٥-١٧٦۔ باب: صلوٰۃ الوتر۔ لکھنؤ
٥ ابوداؤد۔ ج١ ص٢٠٣۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الوتر قبل النوم

(ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الوتر۔ باب:في الوتر اول الليل وآخره ص ٦٠ ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوات۔ باب:ما جاء في الوتر آخر الليل ص ٨٤)

٦١٦- ح: كَانَ يُوْتِرُ عَلَى الْبَعِيْرِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اونٹ پر (بھی) وتر پڑھتے]

٦١٦- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهُ قَالَ كُنْتُ اَسِيْرُ مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ فَقَالَ سَعِيْدٌ فَلَمَّا خَشِيْتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَاَوْتَرْتُ ثُمَّ لَحِقْتُهُ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ خَشِيْتُ الصُّبْحَ فَنَزَلْتُ فَاَوْتَرْتُ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فَقُلْتُ بَلٰى وَاللّٰهِ قَالَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ عَلَى الْبَعِيْرِ.

سعید بن یسار نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں سفر کر رہا تھا' جب مجھے صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو میں سواری سے اُترا اور وتر پڑھے' پھر ان سے جا ملا' تو حضرت عبداللہ بن عمر نے پوچھا: کہاں تھے تم؟ میں نے عرض کیا: میں نے صبح ہو جانے کا اندیشہ کیا تو اترا اور میں نے وتر پڑھے۔ اس پر حضرت عبداللہ نے کہا: کیا تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اچھا نمونہ نہیں' میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! ہے' تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر وتر پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری۔ باب:الوتر على الدابة ص ١٣٦' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

٦١٧- ح: يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سفر میں اپنی سواری پر (نماز) پڑھتے]

٦١٧- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ. (بخاری۔ باب:الوتر في السفر ص ١٣٦)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں فرائض کے علاوہ رات کی نماز اپنی سواری پر پڑھتے تھے' سواری جس طرف بھی حضور کا رُخ انور کر دیتی اور اشارے سے پڑھتے تھے' اور وتر سواری پر پڑھتے تھے۔

سواری پر وتر جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صحیح ہے اور یہی امام شافعی' امام مالک' امام احمد کا مذہب ہے' البتہ امام مالک اس کے لیے مسافت قصر کی قید لگاتے ہیں مگر امام شافعی مطلقاً اسے جائز جانتے ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر کا یہی مذہب ہے کہ سفر کی حالت میں سواری پر جائز ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ بلا عذر سواری پر جائز نہیں اور یہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی مذہب ہے۔ یہ اختلاف اس کی فرع ہے کہ وتر واجب ہے یا نفل؟ امام شافعی وغیرہ اسے نفل کہتے ہیں' اس لیے دیگر نوافل کی طرح اسے بھی سواری پر اشارے سے پڑھنے کو جائز کہتے ہیں' ہمارے نزدیک چونکہ واجب ہے جیسا کہ حدیث: ٦١٦ میں ہے: اس لیے سواری پر اشارے سے جائز نہیں۔

٦١٨- ح: اَقَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصُّبْحِ؟

[کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صبح (کی نماز) میں قنوت پڑھی؟]

٦١٨- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَقَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصُّبْحِ قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ قَالَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ

محمد بن سیرین نے کہا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ صبح میں قنوت پڑھی' فرمایا: ہاں! تو عرض کیا گیا کہ رکوع سے پہلے یا بعد؟ تو فرمایا: رکوع کے بعد تھوڑے

يَسِيْرًا. (بخاری۔ باب:القنوت قبل الركوع وبعده ص١٣٦) دنوں تک۔

٦١٩- ح: كَانَ الْقُنُوْتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ

[رکوع سے پہلے قنوت ہے]

٦١٩- حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَدْ كَانَ الْقُنُوْتُ قُلْتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ قَالَ فَإِنَّ فُلَانًا اَخْبَرَنِيْ عَنْكَ اَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ كَذَبَ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ زُهَاءَ سَبْعِيْنَ رَجُلًا اِلٰى قَوْمٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ دُوْنَ اُوْلٰٓئِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَّدْعُوْ عَلَيْهِمْ.

عاصم نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: قنوت ہے' میں نے پوچھا: رکوع سے پہلے یا بعد؟ تو فرمایا: رکوع سے پہلے۔ عاصم نے کہا: فلاں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ رکوع کے بعد ہے' تو فرمایا: اس نے غلط کہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی' حضور نے کچھ لوگوں کو مشرکین کی ایک قوم کی جانب بھیجا تھا جنہیں قراء کہا جاتا تھا جو ستر تھے' ان لوگوں کے علاوہ' ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین عہد تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت پڑھی' آپ ان کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔

(بخاری۔ باب:القنوت قبل الركوع وبعده ص١٣٦' کتاب الجنائز۔ باب:من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن ص١٧٣' کتاب الجهاد۔ باب:دعاء الامام على من نكث عهدا ص٤٤٩' ج٢۔ کتاب المغازی۔ باب:غزوة الرجيع ص٥٨٧' کتاب الدعوات۔ باب:الدعاء على المشركين' مسلم)

٦٢٠- ح: قَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک ماہ (تک) قنوت پڑھی]

٦٢٠- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَّدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے قنوت پڑھی' رعل اور آپ ذکوان کی بربادی کی دعا فرماتے تھے۔

(بخاری۔ باب:القنوت قبل الركوع وبعده ص١٣٦' کتاب المغازی۔ باب:غزوة الرجيع ص٥٨٧' مسلم)

''سُئِلَ'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا' سائل کا نام معلوم نہیں' مگر مسلم میں ہے کہ محمد بن سیرین نے کہا: میں نے پوچھا کہ ''یسیــرًا'' سے مراد تھوڑے زمانے تک ہے' جس کی میعاد ایک مہینہ تھی' جیسا کہ حدیث:٦١٧۔٦١٨ میں تصریح ہے۔ حدیث:٦١٧ ''دون اولئك'' میں ''اولئك'' کا مشار الیہ' اس سے قبل مذکور ''قوم من المشركين'' ہے' مطلب یہ ہے کہ جن مشرکین کی طرف بھیجا تھا' یہ اور لوگ تھے اور جن کی بربادی کی دعا کی' یہ لوگ دوسرے تھے۔

سریہ بیر معونہ

اس کی تفصیل یہ ہے: صفر ۴ھ میں قبیلہ کلاب کا رئیس ابو براء عامر بن مالک بن جعفر کلابی' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہدیہ پیش کیا جسے حضور نے قبول نہیں فرمایا۔ حضور نے اس پر اسلام پیش کیا' اس نے قبول نہیں کیا اور عرض کیا کہ میرے ساتھ کچھ مبلغین کر دیں' جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور نے فرمایا: مجھے اہل نجد کی طرف سے اندیشہ ہے' اس کی بنا یہ تھی کہ علاقہ نجد کے رئیس عامر بن طفیل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: میرے اور تیرے درمیان تین باتیں ہیں' دیہاتوں کے مالک تم ہو

اور شہروں کا میں' یا اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بناؤ' یا میں غطفان کو لے کر حملہ کروں گا۔ حضور اقدس ﷺ نے ان باتوں کو نامنظور کر دیا۔[1] ابو براء نے جواب دیا کہ میں ضامن ہوں۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے ستر قراء کو ساتھ کر دیا۔ یہ لوگ انتہائی مرتاض بزرگ تھے' ان کے اکثر اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ یہ دن بھر لکڑیاں جمع کرتے' شام کو بیچ کر جو ملتا ان میں سے کچھ اصحابِ صفہ کی نذر کرتے' کچھ بچا لیتے' میٹھا پانی لا کر ازواجِ مطہرات کے دروازوں پر رکھ دیتے۔ ان لوگوں نے بیر معونہ پر پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو حضور اقدس ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل مذکور کے پاس بھیجا' اس عامر نے حضرت حرام بن ملحان کو شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل عصیہ' رعل' ذکوان کو جمع کر کے ان قراء کے مقابلے کے لیے نکلا' جب حضرت حرام بن ملحان کی واپسی میں دیر ہوئی تو یہ لوگ خود آگے بڑھے' راستے میں مڈبھیڑ ہوئی' عامر نے تمام حضرات کو شہید کر دیا۔ حضرت کعب بن زید کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا مگر ان میں کچھ رمق حیات باقی تھی۔ کسی طرح مدینہ طیبہ واپس آئے' غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو گرفتار کیا' پھر عامر نے ان کی چوٹی کاٹ کر یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی' اس لیے تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔ اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع جب حضور اقدس ﷺ کو ہوئی تو آپ کو اتنا رنج ہوا کہ زندگی میں کبھی نہ ہوا تھا اور مسلسل ایک مہینے تک نمازِ فجر میں آپ نے ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی۔ اس ظالم عامر بن طفیل کا انجام یہ ہوا کہ ایک سلولی عورت کے گھر اسے طاعون ہو گیا' کان کے نیچے گردن میں بہت بڑی گلٹی نکل آئی جیسے اونٹ کے نکلتی ہے' اس حال میں اس نے یہ کہا: گلٹی اونٹ کی گلٹی کی طرح اور سلولیہ عورت کے گھر میں موت' میرا گھوڑا لاؤ۔ گھوڑا آیا تو اس پر سوار ہو کر بھاگنا چاہا مگر گھوڑے کی پیٹھ پر موت نے کام تمام کر دیا۔

قنوت قبل رکوع ہے یا بعد رکوع

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ قنوت رکوع کے بعد ہے۔ ان کی دلیل حضرت محمد بن سیرین والی حدیث ہے' لیکن وہ وتر کی قنوت کے بارے میں ہے ہی نہیں' اس لیے اس سے استدلال درست نہیں۔ وہ ایک ہنگامی صورت حال میں صرف ایک مہینے تک حضور اقدس ﷺ نے پڑھی۔ ابوداؤد[2] میں تصریح ہے: ''ثم ترکه'' اس کے بعد حضور نے اسے چھوڑ دیا' ہماری دلیل حضرت انس ہی کی حدیث: ۶۱۷ ہے جو بہ طریق عاصم مروی ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے' اس کے علاوہ مزید یہ احادیث ہیں۔ اوّل: ابن ماجہ[3] اور نسائی[4] میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔ ثانی: ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے[5] ثالث: محمد بن نصر مروزی نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' رسول اللہ ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں ''قل ھو اللّٰہ احد'' اور قنوت پڑھتے تھے۔ اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے: اور قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے[6]

ان احادیث سے تین فائدے حاصل ہوئے' ایک یہ کہ صرف وتر میں قنوت ہے' وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں نہیں۔ وتر پورے سال پڑھے جائیں گے' قنوت رکوع سے پہلے ہے۔ کتاب المغازی میں یہ زائد ہے: اور حضور یہ فرماتے: اور عصیہ نے اللہ اور اس

---

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۵۸۶۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة الرجيع

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۰۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القنوت في الصلوات

[3] ابن ماجہ۔ کتاب اقامة الصلوٰۃ۔ باب: في القنوت قبل الركوع وبعده ص ۸۴

[4] نسائی۔ ج ۱ ص ۲۴۸۔ باب: ذكر اختلاف الناقلين بخبر ابي بن كعب

[5] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۹　[6] ایضاً

کے رسول کی نافرمانی کی۔ ابوداؤد[1] میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۔ یہ قنوت خاص اس حادثے کی وجہ سے تھی اور عارضی تھی؛ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی حادثے کے وقت قنوت پڑھنا سنت ہے۔ ہم حدیث: ۵۱۴ کے ضمن میں اس پر تفصیلی کلام کر چکے ہیں؛ اعادے کی حاجت نہیں۔

۞۞۞۞۞

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۰۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: القنوت فی الصلوات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۵- اَبْوَابُ [كِتَابُ] الْاِسْتِسْقَاءِ

[نمازِ استسقاء کا بیان]

۶۲۱- ح: غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا [اللہ غفار کی مغفرت فرمادے]

۶۲۱- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ وَقَالَ ابْنُ اَبِى الزِّنَادِ عَنْ اَبِيْهِ هٰذَا كُلُّهُ فِى الصُّبْحِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بھی فرمایا) اور غفار کی اللہ مغفرت فرمائے اور اسلم کو سلامت رکھے' اور ابن ابی زناد نے کہا: یہ دعا حضور صبح کی نماز میں کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الاستقاء۔ باب: دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم سنی کسنی یوسف ص ۱۳۷' مسلم)

یہ تعلیق نہیں' سند متصل کے ساتھ حدیث مرفوع ہے۔ غفار کنانہ کی ایک شاخ ہے' جس کے فرد حضرت ابوذر غفاری تھے اور قبیلہ اسلم خزاعہ کی شاخ ہے' اسی قبیلہ کے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تھے۔ قبیلہ غفار چونکہ پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا' اور قبیلہ اسلم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی تھی' اس لیے ان کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعائے خیر فرمائی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کے نام سے فعل مشتق کر کے دعا کرنا سنت ہے' جیسے کسی کا نام احمد ہو تو یہ دعا کی جائے: ''احمد اللہ عاقبتک'' کسی کا نام علی ہو تو یہ دعا کی جائے: ''اعلی اللہ در جاتك'' اسے علم البدیع میں جناس الاشتقاق کہتے ہیں۔

حضرت انس والی حدیث میں جو دعا ہے' اسی کا جز ہے' جیسا کہ خفاف بن ایماء غفاری سے جو حدیث مروی ہے' اس میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز میں یہ دعا کی: اے اللہ! بنی لحیان' رعل' ذکوان' عصیہ پر لعنت فرما! جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ مسلم میں اخیر میں یہ زائد ہے: یہ میں از خود نہیں کہتا' اللہ نے مجھ سے کہلوایا ہے۔

۶۲۲- ح: اَللّٰهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوْسُفَ [اے اللہ! حضرت یوسف (علیہ السلام) کی طرح سات سال (کا قحط) مسلط فرما]

۶۲۲- عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِى الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَاٰى مِنَ النَّاسِ اِدْبَارًا قَالَ اَللّٰهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوْسُفَ فَاَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ

مسروق نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ انہوں نے فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں (مکہ والوں) کی اسلام سے روگردانی دیکھی تو یہ دعا کی: اے اللہ! حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ان پر سات سال کا قحط مسلط فرما' تو انہیں قحط نے آلیا' جس نے ہر چیز ختم کر دی یہاں تک کہ ان لوگوں نے چمڑے

كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى اَكَلُوا الْجُلُوْدَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ وَيَنْظُرَ اَحَدُكُمْ اِلَى السَّمَآءِ فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوعِ فَاَتَاهُ اَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ تَاْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ وَاِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ ﴿اِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ (الدخان:۱۰-۱۶) فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَاٰيَةُ الرُّوْمِ.

مردار تک کھائے اور جب آسمان کی جانب دیکھتے تو بھوک کی وجہ سے انہیں دھواں دکھائی دیتا، تو ابوسفیان خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! تم اللہ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہو اور تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، اللہ سے ان کے لیے دعا کرو۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''تو تم اس دن کا انتظار کرو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا'' اللہ عزوجل کے اس ارشاد تک ہم کچھ دنوں کے لیے عذاب کھولے دیتے ہیں، تم پھر وہی کرو گے جس دن ہم سب سے بڑی گرفت کریں گے'' یہ گرفت واقعہ بدر ہے، دھواں اور یہ گرفت اور تسلط اور روم کی نشانی ظاہر ہو چکی۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب:دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم سنی کسنی یوسف ص۱۳۷، باب:اذا استشفع المشرکون بالمسلمین عند القحط ص۱۳۹، ج۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ یوسف۔ باب:قولہ وراودتہ التی ھو فی بیتھا ص۶۸۰، ج۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ روم۔ ص۷۰۳، ج۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ ص۔ باب:قولہ وما انا من المتکلفین ص۷۱۰، ج۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ دخان۔ ص۷۱۴-۷۱۵۔ چار ابواب میں مسلسل، مسلم۔ کتاب التوبہ، ترمذی۔ کتاب التفسیر، نسائی)

کتاب التفسیر میں یہ حدیث یوں ہے کہ جب قریش نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی تو یہ دعا فرمائی: یوسف علیہ السلام کی طرح ان پر قحط نازل فرما! تو ان پر قحط اور مشقت آن پڑی، یہاں تک کہ ہڈیاں تک کھا گئے، اگر کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے آسمان اور اپنے مابین دھوئیں کی طرح دیکھتا، اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''تم اس دن کا انتظار کرو جب آسمان کھلا ہوا دھواں لائے گا، جو لوگوں کو ڈھانک لے گا، کھلا ہوا عذاب''۔ اس حال کے بعد کوئی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مضر کے لیے دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو گئے، تو فرمایا: مضر کے لیے؟ تم بہت بے باک ہو، حضور نے بارش کی دعا فرمائی تو بارش ہوئی۔ اس پر یہ آیت اُتری: ''تم پھر وہی کرو گے''۔ جب انہیں کشائش پہنچی تو اپنے پہلے حال پر لوٹ گئے، اس پر اللہ عزوجل نے یہ نازل فرمایا: ''جس دن ہم سب سے بڑی گرفت کریں گے، ہم مجرموں سے بدلہ لیں گے'' اس سے مراد واقعہ بدر ہے۔ اسی میں یہ طریق وکیع اور یہ طریق شعبہ جو روایت ہے، اس کے شروع میں یہ ہے: یہ بھی علم ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو تو یہ کہہ دے: اللہ خوب جانتا ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: ''تم فرما دو! میں اس (تبلیغ دین) پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا، میں تکلیف دینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ قریش جب نبی ﷺ پر غالب آ گئے تو حضور نے یہ دعا فرمائی۔ مسلم[1] میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ مسجد میں ایک شخص تفسیر بالرائے کر رہا ہے۔ آیت کریمہ: ''فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ'' (الدخان:۱۰) کے یہ معنی بیان کر رہا ہے کہ قیامت کے دن ایک دھواں اُٹھے گا اور سانس جکڑ دے گا، جیسے زکام جکڑتا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انسان جو بات جانتا ہو، اُسے بیان کرے اور جو نہ جانتا ہو یہ کہے: اللہ خوب جانتا ہے۔ یہ سمجھداری کی بات ہے کہ جو نہ جانتا ہو، اس کے بارے میں کہہ دے: اللہ خوب جانتا ہے، یہ یعنی دھوئیں کا عذاب جب قریش نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی تو حضور نے ان کے حق میں یہ دعا کی، الخ۔ بخاری سورۂ روم میں ہے کہ ایک شخص مقام کندہ پر یہ بیان کر رہا تھا کہ قیامت کے دن

[1] مسلم۔ ج۲، ص۳۷۳۔ باب:صفۃ المنافقین

دھواں اُٹھے گا اور منافقین کے کانوں اور آنکھوں کو پکڑ لے گا اور مسلمانوں کو زکام کی طرح پکڑے گا۔ اس کی یہ بات سن کر ہم گھبرا گئے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں آئے، وہ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، یہ سن کر غضب ناک ہو گئے اور بیٹھ گئے اور فرمایا: انسان جو جانتا ہوا سے کہے، الخ۔

قد مضت

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ''البطشة الکبری'' سے مراد بدر میں قریش کی شکست فاش ہے جس سے قریش کا غرور ملیامیٹ ہو گیا، ان کا رعب ختم ہو گیا۔ اور حضور اقدس ﷺ کی ہیبت پورے عرب کے ظاہر بینوں پر بھی بیٹھ گئی۔ ''لزام'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور محمد بن کعب، امام مجاہد، قتادہ، ضحاک نے فرمایا کہ اس سے غزوۂ بدر میں قریش کے طواغیت کا قتل مراد ہے۔ اس تقدیر پر ''البطشة الکبری'' اور ''لزام'' ایک ہی ہوئے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ بھی گزر چکا، مگر امام حسن بصری نے فرمایا کہ لزام سے مراد قیامت ہے، انہیں سے ایک روایت ہے کہ موت مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ کوئی خاص عذاب مراد ہے۔ محکم میں ہے کہ اس سے حساب مراد ہے، اس تقدیر پر ''لزام'' ابھی نہیں ہوا۔

اٰية الروم

ابتداء بعثت میں فارس اور روم کے مابین جنگ چھڑی، ابتداءً فارس کو فتح حاصل ہوئی، اس پر مشرکین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی مجوس نصاریٰ پر غالب آئے ہیں، اسی طرح اگر ہم تم میں جنگ ہو گی تو ہم بھی تم پر غالب آئیں گے۔ مجوس آتش پرست ہیں اور قریش بت پرست تھے، اس لیے ان کا رجحان مجوس کی طرف تھا، اور نصاریٰ چونکہ اہل کتاب ہیں، اس لیے بہ نسبت مجوس نصاریٰ کی طرف مسلمانوں کا رجحان تھا۔ اس پر سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں فرمایا گیا: ''روم قریب ترین زمین میں ہار گئے، یہ مغلوب ہونے کے بعد بہت جلد غالب ہوں گے چند سال میں''۔ ان آیات کو سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ آئندہ روم فارس پر غالب آئیں گے، یہ سن کر ابوجہل یا ابی بن خلف نے کہا کہ میعاد مقرر کر کے شرط کر لو۔ پانچ چھ سال کی میعاد مقرر ہوئی، جب حضور اقدس ﷺ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ تین سے نو تک پر بولا جاتا ہے، نو سال کی میعاد مقرر کر لو۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ میعاد نو سال کر دی۔

غزوۂ بدر کے موقع پر روم کو فارس پر فتح حاصل ہوئی، جس سے مسلمانوں کو دوگنی خوشی حاصل ہوئی۔ ابوجہل اور ابی بن خلف دونوں جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے ان کے وارثین سے شرط کا مال اونٹ وصول کیا۔ حضور نے فرمایا: اسے صدقہ کر دو، انہوں نے صدقہ کر دیا، اس عظیم غیب کی خبر کی سچائی پر بہت سے سعادت مندوں نے اسلام قبول کر لیا۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں متفق ہیں کہ دخان قبل ہجرت واقع ہوا تھا، جبکہ حضور اقدس ﷺ مکہ معظمہ میں تھے، اس لیے کہ یہاں دو باتیں قطعی ہیں، ایک یہ کہ یہ بدر سے پہلے واقع ہوا، ہجرت اور بدر کے درمیان ابوسفیان مدینہ طیبہ نہیں آئے ہیں اور حدیث میں تصریح ہے کہ ابوسفیان ہی نے دعائے خیر کی درخواست کی تھی۔ ان دونوں کا لازم نتیجہ ہے کہ دخان کا قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ دمیاطی نے کہا ہے کہ ان بدبختوں نے جب نماز کی حالت میں پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی تھی، اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے قحط کی دعا کی تھی۔ یہ واقعہ اور ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ۵۱۳ میں جو مذکور ہے وہ دوسرا واقعہ ہے، جو مدینہ طیبہ میں اس وقت کا ہے جب حضرت عیاش بن ابی ربیعہ وغیرہ کی نجات کے ساتھ اہل مکہ کے لیے قحط سالی کی دعا فرمائی تھی، جو نماز میں کی تھی۔

مطابقت باب

یہاں استسقاء کے ابواب چل رہے ہیں اس حدیث میں استسقاء کا کوئی ذکر نہیں۔

اقول: یہاں اختصار ہے آگے باب "اذا استشفع المشرکون بالمسلمین" میں اخیر میں ہے کہ اسباط نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہ زائد کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو بارش ہوئی۔ نیز اور بھی جگہ ہے اس سے استسقاء سے مناسب ہو گئی اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ کتنی جگہ باب کے تحت جو حدیث جتنی بیان فرماتے ہیں اس کو باب سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا مگر وہی حدیث دوسری جگہ جس طرح بیان فرماتے ہیں اس سے باب کو مناسبت ہوتی ہے جس پر تنبیہ کئی بار ہو چکی۔

٦٢٣- ح: يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ اَبِي طَالِبٍ [ابوطالب کا یہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھا]

٦٢٣- **حَدَّثَنَا** عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ اَبِي طَالِبٍ

عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابوطالب کا یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

اور گورے رنگت والے جن کے روئے انور کے صدقے میں بادل سے بارش مانگی جاتی ہے یتیموں کے حامی اور بیواؤں کی پناہ ہیں۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: سوال الناس الامام الاستسقاء ص ۱۳۷)

ت ۲۰۱- **وَقَالَ** عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا سَالِمٌ عَنْ اَبِيْهِ رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلٰى وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ فَمَا يَنْزِلُ حَتّٰى يَجِيْشَ كُلُّ مِيْزَابٍ ـ

اور عمر بن حمزہ نے کہا: ہم سے سالم نے اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہوئے کہا: اور کبھی شاعر کے اس قول کو یاد کرتا ہوں اور نبی ﷺ کے روئے انور کو دیکھتا جو بارش کی دعا کرتے ہوئے اس وقت تک منبر سے نہیں اترتے جب تک تمام پرنالے زوردن سے گرنے نہیں لگتے

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

اور گوری رنگ والے جن کے روئے انور کے صدقے سے بادل سے بارش مانگی جاتی ہے یتیموں کے حامی اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔

وَهُوَ قَوْلُ اَبِي طَالِبٍ. (ایضاً ابن ماجہ)

اور یہ ابوطالب کا شعر ہے۔

یہاں یہ باب ہے: لوگوں کا امام سے استسقاء کا سوال کرنا جبکہ قحط ہو۔ اس کے ضمن میں جو حدیث اور اثر مذکور ہے کسی میں کسی کے سوال کا ذکر نہیں مگر حقیقت میں یہ دونوں مختصر ہیں۔ مفصل واقعہ وہ ہے جو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے پاس کوئی اونٹ نہ رہا جو بولے اور نہ کوئی ایسا بچہ رہا جو خراٹا لے۔

اتيناك والعذراء يدمى لبانها
وقد شغلت ام الصبى عن الطفل
والقى بكفيه الصبى استكانة

ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ کنواری بچی کا سینہ کام کرتے کرتے زخمی ہو گیا ہے اور ماں نے بچے سے منہ موڑ لیا ہے بھوک کی کمزوری کی وجہ سے بچے کو الگ کر دیا

من الجوع ضعفا مایمر ومایحلی
ولا شی مما یاکل الناس عندنا
سوی الحنظل العاهی والعلهز الغسل
ولیس لنا الا الیك فرارنا
واین فرار الناس الا الی الرسل

ہے' نہ میٹھی بات منہ سے نکالتی ہے نہ کڑوی۔ ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے' سوائے کڑوے حنظل اور ردی علہز کے' سوائے حضور کے کہیں پناہ نہیں اور لوگوں کو رسولوں کی بارگاہ کے علاوہ کہاں پناہ مل سکتی ہے۔

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے' منبر پر تشریف لے گئے' اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی' پھر دعا کی: اے اللہ! ہمیں سیراب فرما' آخر حدیث تک۔ اخیر میں ہے کہ نشیبی علاقے کے لوگ آکر فریاد کرنے لگے: ہم ڈوب گئے' ہم ڈوب گئے' تو رسول اللہ ہنس پڑے' یہاں تک کہ ان کے نوکیلے دانت بھی ظاہر ہو گئے' پھر ارشاد فرمایا: اگر ابوطالب حاضر ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ کون ان کے شعر کو سنائے گا۔ اس پر حضرت علی نے کہا: یارسول اللہ! حضور کی مراد ان کا یہ قول ہے: ''وابیض یستسقی الغمام بوجهه'' اس قصیدے کے چند اشعار سنائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر بنی کنانہ کے ایک صاحب نے یہ اشعار پڑھے:

لك الحمد والحمد ممن شکر
سقینا بـه وجـه النبی المطر
فـلـم یك الـا کالف الـرداء
واسـرع حتـی راینـا الـدرر

اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے اور شکر کرنے والے کی جانب سے حمد ہے' نبی ﷺ کے روئے انور کے صدقے ہمیں بارش ملی' چادر اُلٹتے بلکہ اس سے بھی کم وقفے میں ہم نے بادل دیکھا۔

اب باب سے مطابقت بالکل واضح ہے۔

قصیدہ ابوطالب

ابوطالب کا یہ قصیدہ لامیہ ایک سو دس اشعار کا ہے جو بحر طویل میں ہے۔ ابوطالب نے یہ قصیدہ کب کہا تھا اور کہنے کا سبب کیا ہوا؟ یہ تحقیقی طور پر معلوم نہیں۔ خطابی نے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے عہد میں مسلسل کئی سال قحط پڑا تو حضرت عبدالمطلب قریش کے ساتھ کوہ ابوقبیس پر گئے۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی ہمراہ لے گئے' حضور کو کاندھے پر بٹھا کر بارش کے لیے دعا کی تو فوراً بارش ہوئی[1] علامہ سہیلی نے فرمایا کہ اسی موقع پر ابوطالب نے یہ قصیدہ کہا تھا[2] قول و باللہ التوفیق! اس قول سے قصیدے کے اشعار لیا کرتے ہیں' جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔ علامہ زرقانی[3] نے ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ جلہمہ بن عرفطہ نے بیان کیا کہ میں مکہ آیا' اس وقت قحط کی وجہ سے اہل مکہ سخت تنگی میں تھے۔ کسی نے کہا: لات و عزیٰ کے پاس چلیں' کسی نے کہا: نہیں! تیسرے بت مناۃ کے پاس چلو۔ ایک معمر خوبصورت صاحب الرائے نے کہا: کہاں بھٹکتے جاتے ہو' تم میں بقیہ ابراہیم سلالہ اسماعیل موجود ہیں۔ لوگوں نے کہا: تمہاری مراد ابوطالب ہیں' انہوں نے کہا: ہاں! سب لوگ ابوطالب کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ باہر آئے' سب ان کی طرف لپکے اور کہا: اے ابوطالب! اس وادی میں قحط ہے' اہل و عیال تنگی میں ہیں' چلو اور بارش کی دعا کرو۔ یہ سن کر ابوطالب نکلے' ان کے ساتھ ایک صاحبزادے تھے جو ایسے سورج معلوم ہوتے تھے جس پر سے ابھی کالی گھٹا چھٹی ہو۔ ان کے ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے تھے' ابوطالب نے ان صاحبزادے کو لیا اور ان کی پشت کعبہ سے لگا دی۔ ان صاحبزادے نے اپنی انگلی

[1] زرقانی علی المواہب۔ ج ۱ ص ۱۹۱ [2] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۳۰ [3] علی المواہب۔ ج ۱ ص ۹۰۔ ۱۸۹

آسمان کی طرف اٹھائی' اس وقت آسمان میں بادل کا ٹکڑا نہیں تھا' اب ہر چہار طرف سے بادل اٹھا اور موسلادھار برسنے لگا کہ وادی بہہ اٹھی اور شہر دیہات والے سب کے سب سیراب ہو گئے' اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو طالب کہتے ہیں:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه	اور گوری رنگت والے جن کے روئے انور کے صدقے میں
ثمال الیتامی عصمة للارامل	بارش مانگی جاتی ہے' یتیموں کے ماویٰ' بیواؤں کے پناہ۔
تلوذبه الهلاك من آل هاشم	آل ہاشم کے تباہ حال ان سے پناہ لیتے ہیں' یہ لوگ ان کی
فهم عنده فی نعمة وفواضل	بارگاہ میں نعمت وفضل میں ہیں۔

مگر قصیدے کے اشعار یہ بتاتے ہیں کہ یہ انہوں نے اس وقت کہا تھا' جب قریش نے بنی ہاشم سے مقاطعہ کا عہد کیا تھا' اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

لما رایت القوم لاود عندهم	جب میں نے دیکھا کہ اس قوم میں محبت نہیں' انہوں نے ہر
وقد قطعوا کل العرا والوسائل	رشتہ وتعلق کاٹ ڈالا'
وقد جاهرونا بالعداوة والاذی	اور ہماری عداوت وایذاء رسانی کا اعلان کر دیا اور علیحدہ پسند
وقد طاوعوا امر العد والمزایل	دشمن کی بات مان لی'
وقد حالفوا قوما علینا اظنة	اور ہمارے خلاف ایسی قوم سے معاہدہ کر لیا جو متہم ہیں اور
یعضون غیضا خلفنا بالاانامل	ہمارے پیچھے غصے سے انگلیاں چباتے ہیں'
صبرت لهم نفسی بسمراء سمهه	میں نے گندمی نیزے اور بادشاہوں سے ملی ہوئی تیغ براں
وابیض عضب من تراث المقاول	کے ساتھ صبر کیا۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے بعد خود ابو طالب نے بھی بارش کے لیے حضور اقدس ﷺ سے توسل کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابو طالب نے دوبار حضور اقدس ﷺ کے وجود باجود کے طفیل بارش ہوتے ہوئے دیکھا تھا' جس سے متاثر ہو کر قصیدہ مذکور کہا ہے' مگر یہ سوال اب بھی تشنہ جواب ہے کہ کہاں کب؟ قصیدے کا یہ شعر:

وقد حالفوا قوما علینا اظنة	ہمارے خلاف ایسی قوم سے معاہدہ کر لیا ہے جو ہماری عداوت
یعضون غیظا خلفنا بالانامل	میں متہم ہے اور ہمارے پیچھے غصے میں انگلیاں چباتے ہیں۔

یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ قصیدہ کسی ایسے معاہدے کے بعد کہا گیا جو بنی ہاشم کے خلاف کیا گیا تھا' ایسا معاہدہ صرف ایک ہوا ہے' جس کے نتیجے میں بنی ہاشم "شعب ابی طالب" میں محصور ہوئے تھے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ قصیدہ شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام میں ابو طالب نے کہا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے اسلام کی دعوت عام دینی شروع کی جس سے مشتعل ہو کر تمام قبائل آپ کے دشمن ہو گئے' اس وقت ابو طالب نے یہ قصیدہ کہا تھا' یہ ہماری بات کے معارض نہیں' جیسا کہ ظاہر ہے۔

٦٢٤- ح: اِسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ [حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی]

٦٢٤- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا قَحِطُوا اسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب

عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ.

رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور یہ کہتے: اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر آتے تو ہمیں تو سیراب کرتا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہم پر مینہ برسا، تو مینہ برستا۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: سوال الناس الامام الاستسقاء ص ۱۳۷، کتاب المناقب۔ باب: ذکر عباس بن عبد المطلب ص ۵۲۶)

زبیر بن بکار نے انساب میں ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے یہ دعا، عام الرمادہ میں کی تھی[1]
ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ عام الرمادہ کا مشہور دو قحط ۱۸ھ میں پڑا تھا، نو مہینے تک قطعاً بارش نہ ہوئی، بارش نہ ہونے سے پوری زمین گرد و غبار ہو گئی تھی، اس لیے اس کو عام الرمادہ کہتے ہیں، رماد کے معنی راکھ کے ہیں۔

ابو صالح کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عباس منبر پر تشریف لے گئے تو حضرت عمر نے پہلے یہ دعا کی: ''اللّٰھم انا توجھنا الیك بعم نبیك وصنوابیه فاسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین'' اے اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا اور ان کے والد کے برابر کو وسیلہ بنا کر تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں، تو بارش برسا اور ہمیں مایوس ہونے والوں میں مت کرنا، پھر حضرت عباس سے فرمایا: آپ دعا کریں، تو انہوں نے یوں دعا کی: اے اللہ! بغیر گناہ کے کوئی بلا نہیں اُترتی اور توبہ کے بغیر کوئی بلا نہیں ٹلتی، میرا وسیلہ لے کر قوم تیری جناب میں متوجہ ہے، تیرے نبی کے ساتھ میری قربت کی وجہ سے، گناہوں سے آلودہ ہمارے ہاتھ تیری طرف اُٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ، ہمیں بارش سے سیراب کر۔ اس دعا کے بعد آسمان میں پہاڑوں کے مثل پرنالے کھول دیئے گئے، یہاں تک کہ زمین سرسبز ہو گئی اور لوگ جی گئے۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صالح اور دین دار لوگوں سے اور اہل بیت سے اللہ کی بارگاہ میں سفارش طلب کرنا مستحب ہے۔

زبیر بن بکار نے انساب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دن یہ خطبہ دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس کو باپ کی جگہ جانتے تھے۔ اے لوگو! اپنے چچا عباس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو برتاؤ تھا اس کی پیروی کرو اور انہیں اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ، الحدیث۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں بہ طریق محمد بن مثنیٰ سند مذکور کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز اسماعیلی نے بھی بہ طریق محمد بن مثنیٰ سند مذکور کے ساتھ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے، نیز عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز امام ابو القاسم ابن عساکر نے بھی کتاب الاستسقاء میں انہیں سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت اور بزرگانِ دین کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا مستحب ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے تصریح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل تمام صحابہ کرام کے مجمع میں ہوا اور سب نے اس پر عمل کیا، تو توسل کا مستحب ہونا اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا۔

اس پر غیر مقلدین اور توسل کے منکرین یہ کہتے ہیں: اس حدیث میں توسل سے مراد دعا کی درخواست ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس سے دعا کی درخواست کی تھی۔

[1] المواہب اللدنیہ قسطلانی۔ ج ۲

اقــول : دوسری روایتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر یہ لوگ صرف بخاری ہی کی روایت پر ایمان رکھتے تو ایسی بے تکی بات نہ کرتے۔ بخاری کے الفاظ پر ایک نظر ڈالیں' حضرت عمر عرض کرتے ہیں: ''انا کنا نتوسل. الحدیث'' حضرت عمر بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کرتے ہیں: اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں' ہمیں سیراب فرما! یہ عرض اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہے' حضرت عباس کی خدمت میں نہیں۔ اس میں صاف صاف تصریح ہے کہ اے اللہ! ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں' ہم کو سیراب فرما۔ یہ عرضداشت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہے' حضرت عباس کے وسیلے سے' پھر یہ کہنا کہ توسل سے یہاں مراد دعا کی درخواست ہے۔ ابلہ فریبی اور حدیث کی تحریف معنوی نہیں تو کیا ہے۔ دوسرے طرق میں جو دعا کے کلمات مروی ہیں' ان میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے۔

کبھی ان میں سے کچھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ زندہ کا توسل درست ہے' مردہ کا مشرک۔

اقــول : اولاً اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اقدس ﷺ دنیوی جسمانی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں' تو یوں بھی حضور اقدس ﷺ سے توسل درست ہوا' اور یہ کہنا کہ اگر حضور اقدس ﷺ سے توسل اب بھی جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ہی سے کیوں توسل نہیں کیا' حضرت عباس سے کیوں کیا؟ یہ پہلے سے بھی بڑی جہالت ہے' اگر کسی کام کے چند طریقے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا' اس کی دلیل نہیں کہ دوسرے طریقے غلط ہیں خصوصاً جبکہ اختیار کردہ طریقے میں کوئی خاص فائدہ ہو۔ یہاں بجائے حضور اقدس ﷺ کے حضور حضرت عباس سے توسل میں ایک اہم افادہ مقصود تھا۔ حضور اقدس ﷺ سے توسل کا استحباب سب کو معلوم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کو وہم ہوتا کہ غیر نبی سے توسل حرام ہے' تو حضرت عمر نے حضرت عباس کو وسیلہ بنا کر بتا دیا کہ غیر نبی سے توسل اسی طرح مستحب ہے جیسے انبیاء کرام سے ہے۔ ثانیاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری[1] میں اور علامہ احمد خطیب قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے خازن مالک داری کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے' تو ایک صاحب نبی ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی اُمت کے لیے بارش طلب فرمایئے! لوگ ہلاک ہو گئے' ایک صاحب کے خواب میں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: عمر سے جا کر کہہ دو کہ عنقریب بارش آئے گی۔ سیف نے الفتوح میں لکھا ہے کہ یہ صاحب حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس حدیث کو علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ احمد خطیب قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں صحیح کہا ہے' اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ' ج ۱۱' میں روایت کیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین میں الاستیعاب کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ کبھی کبھی صحابہ کرام مزار حضور اقدس ﷺ پر حاضر ہو کر حضور سے بھی استغاثت کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ بارگاہ قدس کے خواص کے مزارات پر طلب حاجات کے لیے حاضری صحابہ کرام کی سنت ہے اور یہ تو ثابت ہی ہے کہ بعد وصال صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے' حل مشکلات کے لیے درخواست کرتے' اس لیے یہ کہنا کہ بعد وصال حضور اقدس ﷺ سے توسل حرام یا شرک ہے' اس حدیث صحیح کا رد ہے۔

متن ۲۰۲ - وَزَادَ اَسْبَاطٌ عَنْ مَّنْصُوْرٍ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُقُوا الْغَيْثَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا وَّشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا

اسباط نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہ زیادہ کیا: پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو بارش ہوئی اور سات دن تک مسلسل ہوتی رہی اور لوگوں نے بارش کی زیادتی کی شکایت کی تو

[1] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۴۱۲

وَلَا عَلَيْنَا فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَأْسِهٖ فَسُقُوا النَّاسُ حَوْلَهُمْ. کہا: اے اللہ! ہمارے اردگرد ہم پر نہیں، تو حضور کے سر سے بادل چھٹ گئے اور لوگوں کے اردگرد بارش ہوتی رہی۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: اذا استشفع المشرکین المسلمین عند القحط ص۱۳۹)

اس تعلیق کو بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ داؤدی وغیرہ نے یہ اعتراض کیا کہ یہاں امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی سند کو حضرت انس کی حدیث کے متن کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ دمیاطی نے بھی اس کی تائید کی حتیٰ کہ علامہ عینی نے بھی، مگر علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مکہ میں بھی قحط دور ہونے اور پھر بارش رکنے کی دعا فرمائی ہے، جیسا کہ بخاری[1] ہی میں سورۂ دخان کی تفسیر میں ہے، اور دوسری میں بھی ہے اور مسند امام احمد[2] اور ابن ماجہ[3] میں حضرت کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست اقدس اُٹھائے اور یہ کہا: ''اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مَّرِيْئًا مُّرِيْعًا طَبَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ'' اے اللہ! ہم کو سیراب کر، پوری بارش سے جو تازگی لانے والی ہو، جلد ہو دیر میں نہ ہو، نافع ہو نقصان دینے والی نہ ہو۔ دوسرا جمعہ نہیں آیا کہ دعا قبول ہوئی، اس کے بعد پھر لوگ آئے اور بارش کی زیادتی کی شکایت کی اور عرض کیا: یارسول اللہ! گھر گر گئے اور حضور نے یہ دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد اور ہم پر نہیں، تو بادل دائیں بائیں چھٹنے لگا۔

مسند امام احمد میں ''انك جرئ'' کے بعد یہ زائد ہے: یارسول اللہ! آپ نے اللہ سے مدد مانگی تو اس نے آپ کی مدد کی، آپ نے دعا کی تو اللہ نے قبول کی، تو حضور نے دعا کے لیے دست مبارک اٹھائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مکہ میں بھی بارش کی زیادتی کی وجہ سے بارش روکنے کے لیے درخواست کی گئی اور حضور نے دعا فرمائی۔ کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب کی حدیث میں ہے کہ بارش کی دعا کی درخواست کرنے والے نے خاص مضر کے لیے دعا کی درخواست کی تھی، جس پر حضور نے فرمایا: تم بہت جری ہو، مضر کے لیے؟ بارش دوسرا جمعہ آنے سے پہلے ہوئی، اور حضرت انس کی حدیث میں خاص مضر کے لیے دعا کی درخواست نہیں، مطلق ہے۔ اور نہ یہ ہے کہ حضور نے درخواست پر کچھ فرمایا ہو، درخواست سنتے ہی دعا فرمائی اور یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر ہی پر تھے کہ بارش تیزی سے ہونے لگی، اس لیے حضرت انس اور حضرت کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب کی حدیثوں میں دو واقعے ہوئے اور دو جگہ ہوئے۔ ایک مدینہ طیبہ میں بعد ہجرت اور دوسرا مکہ معظمہ میں قبل ہجرت، اس لیے امام بخاری پر اعتراض مذکور درست نہیں۔

اسباط

اسباط دو ہیں، ایک اسباط بن محمد قاص، دوسرے اسباط بن نصر ہمدانی، ابو یوسف اور ان کو ابو نصر کوفی بھی کہتے ہیں۔ ابن معین نے لیس ثقہ کہا، امام احمد نے توقف کیا۔ امام نسائی نے فرمایا: قوی نہیں، یہاں دوسرے اسباط مراد ہیں۔

۶۲۵- ح: فَاسْتَسْقٰى ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ [بارش کے لیے دعا کی، پھر دو رکعت (نماز) پڑھی]

۶۲۵- عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ خَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِىُّ وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَّزَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاسْتَسْقٰى فَقَامَ لَهُمْ عَلٰى رِجْلَيْهِ عَلٰى غَيْرِ مِنْبَرٍ فَاسْتَسْقٰى ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ

ابو اسحاق سبیعی سے روایت ہے کہ عبداللہ بن یزید انصاری اور ان کے ساتھ حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شہر سے باہر نکلے اور بارش کے لیے دعا کی، وہ اپنے دونوں پاؤں پر کھڑے ہوئے اور بارش کے لیے دعا کی، پھر دو رکعت نماز پڑھی

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۷۱۵۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ دخان [2] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۲۳۶

[3] ابن ماجہ۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: الدعاء فی الاستسقاء ص۹۱

وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ وَرَاٰى عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. جس میں قراءت بلند آواز سے کی' نہ اذان دی نہ اقامت کہی۔ ابواسحاق نے کہا: اور عبداللہ بن یزید نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: الدعاء فی الاستسقاء قائما ص ۱۳۹' مسلم۔ کتاب المغازی)

حضرت عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ عہد نبوی میں پیدا ہوئے' ایک روایت کی بناء پر حدیبیہ میں شریک تھے۔ ابوعمرہ نے کہا کہ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین' جمل' نہروان میں شریک ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی جانب سے کوفہ کے امیر بھی رہے اور انہیں کے عہد میں واصل بحق ہوئے۔

قال لنا

ابتدائی سند میں تھا: ''قال لنا'' اس کی توجیہ علامہ کرمانی نے یہ کی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حدیث بہ طور مذاکرہ سنی ہے اور حدثنی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اثناء تعلیم میں یہ حدیث سنی ہے' مگر بخاری کے یہاں یہ فرق نہیں کیونکہ بہت سی حدیثوں کو انہوں نے اپنی اس جامع میں ''قال لنا'' سے ذکر کیا اور دوسری تصنیف میں صیغہ تحدیث سے درج کیا ہے' بلکہ وہ حدیث موقوف اور متابعات میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔

خرج

مراد یہ ہے کہ میدان میں شہر سے باہر آئے' یہ ۶۴ھ کا واقعہ ہے۔ مختار بن عبید ثقفی کذاب کے کوفہ پر غلبہ سے پہلے کا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے انہیں استسقاء کا حکم دیا تھا۔ سنن کبریٰ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نماز حضرت زید بن ارقم نے پڑھائی تھی۔

فاستسقى فقام

''فاستسقی'' اجمال ہے' ''فقام الخ'' اس کی تفسیر ہے' یعنی بارش کی دعا کی' کیسے کی؟ اسے ''فقام الخ'' سے بیان فرمایا' ''فاستسقی'' سے مراد خطبہ نہیں۔

صلى ركعتين

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ نماز استسقاء کا جز نہیں' استسقاء کے سلسلے میں جو عام روایات ہیں' ان میں نماز کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ استسقاء توبہ' استغفار اور دعا کا نام ہے۔ ارشاد باری ہے: ''اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۝'' (نوح: ۱۰۔۱۱) اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو' بے شک وہ بخشنے والا ہے ۝ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا ۝ اس سے ثابت ہوا کہ استسقاء صرف استغفار اور دعا ہے۔ امام ابو یوسف' امام محمد اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ استسقاء میں نماز سنت ہے' ہمارے نزدیک قول مختار و مفتی بہ یہ ہے کہ یہ نماز سنت نہیں' چاہیں تو پڑھ لیں۔ صحیح یہ ہے کہ استسقاء کی نماز بھی عام نمازوں کی طرح ہے' اس میں زائد تکبیریں نہیں اور یہ نماز صرف دو رکعت ہے' جیسا کہ طبرانی نے اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز استسقاء دو رکعت پڑھی اور صرف ایک ہی تکبیر پڑھی[1] اور بعض روایتوں میں جو یہ آیا ہے کہ عید کے مثل پڑھی' اس سے مراد یہ ہے کہ نماز عید کی طرح میدان میں بلند قراءت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں' جیسا کہ اس حدیث میں تینوں باتیں مذکور ہیں۔ تشبیہ کے لیے تمام اوصاف میں مشارکت لازم نہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۴ ص ۳۵

خطبہ

نمازِ استسقاء میں خطبہ نماز کے بعد ہے' جیسا کہ مسند امام احمد[1] میں حضرت عبداللہ بن زبیر والی حدیث: ۶۲۴ میں یہ تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی۔ نیز ابن ماجہ[2] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی' نہ اذان دی نہ اقامت کہی' اس کے بعد خطبہ دیا اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے قبلہ کی جانب منہ کیا' پھر چادر پلٹی تو اس کا دایاں سرا بائیں پر اور بایاں دائیں کندھے پر کرلیا۔

۶۲۶- ح: خَرَجَ يَسْتَسْقِي فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ

[جس دن استسقاء کے لیے تشریف لے گئے اور آپ (ﷺ) نے اپنی پیٹھ کو لوگوں کی طرف کیا]

۶۲۶- عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي قَالَ فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو ثُمَّ حَوَّلَ رِدَائَهُ ثُمَّ صَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَائَةِ.

عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید مازنی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو اس دن دیکھا جس دن آپ استسقاء کے لیے تشریف لے گئے' حضور لوگوں کی طرف پشت مبارک اور قبلہ کی جانب رخ انور کر کے دعا کرتے رہے' پھر اپنی چادر پلٹی' اس کے بعد ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قراءت کی۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: كيف حول النبى صلى الله عليه وسلم رداءه ص۱۳۹' باب: خروج النبى صلى الله عليه وسلم فى الاستسقاء ص۱۳۶' باب: الجهر بالقراءة فى الاستسقاء ص۱۳۹' باب: الدعاء فى الاستسقاء قائما ص۱۳۹' باب: صلوٰة الاستسقاء ركعتين ص۱۴۰' باب: الاستسقاء فى المصلى ص۱۴۰' باب: استقبال القبلة فى الاستسقاء ص۱۴۰' باب: تحويل الرداء فى الاستسقاء ص۱۳۷۔ دو طریقے سے' ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء مستقبل القبلة ص۹۳۹' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

باب تحویل الرداء میں سند یوں ہے: "حدثنا سفيان عن عبد الله بن ابى بكر انه سمع عباد بن تميم يحدث اباه عن عمه عبد الله بن زيد" عبداللہ بن ابوبکر سے روایت کرتے ہوئے ہم سے سفیان نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے عباد بن تمیم کو سنا کہ وہ اپنے چچا عبداللہ بن زید سے روایت کرتے ہوئے ان کے والد سے حدیث بیان کرتے ہیں' اس میں "اباه" کی ضمیر کا مرجع عبداللہ ہیں اور راوی عبداللہ کے والد ابوبکر ہیں۔

اخیر میں ہے کہ ابن عیینہ نے کہا کہ یہ عبداللہ بن زید' اذان والے عبداللہ بن زید ہیں' لیکن اس معاملے میں ان سے وہم ہو گیا ہے یہ عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی انصاری ہیں۔ انصار والے مازن سے ہیں' بنی تمیم والے مازن سے نہیں۔

تحویل رداء

امام اثنائے خطبہ میں اپنی چادر کو پلٹ دے' اس طرح کہ نیچے کا اوپر اور اوپر کا نیچے ہو جائے۔ یہ حالت بدلنے سے فال ہے' حضور اقدس ﷺ کی چادر چار ہاتھ ایک بالشت لمبی اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی۔ امام واقدی نے فرمایا کہ چھ ہاتھ لمبی اور تین ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی اور تہبند چار ہاتھ ایک بالشت لمبا اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑا تھا۔

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۴۱

[2] ابن ماجہ۔ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء۔ ص ۹۱

یہ نماز کس سنہ میں ہوئی؟

یہ نماز استسقاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ھ رمضان المبارک میں پڑھی تھی[1] اس کی تفصیل ابوداؤد[2] اور ابن حبان میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قحط کی شکایت کی تو حضور نے عیدگاہ میں منبر رکھوایا اور ایک خاص دن کے لیے لوگوں سے وعدہ فرمایا' اس دن جب سورج نکل آیا تو حضور تشریف لے گئے اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور تکبیر پڑھی اور اللہ عزوجل کی حمد کی' پھر فرمایا: تم نے اپنے دیار کے قحط اور وقت سے بارش کے مؤخر ہونے کی شکایت کی ہے اور تمہیں تمہارے رب عزوجل نے دعا کا حکم دیا ہے اور تم سے وعدہ فرمایا ہے کہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ'' سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو بہت مہربان رحمت والا ہے' قیامت کے دن کا مالک ہے' سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں' جو چاہتا ہے کرتا ہے' اے اللہ! تو ہی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو غنی ہے اور ہم تیرے محتاج ہیں' ہم پر بارش برسا اور جتنی بھی برسا اسے ہمارے لیے قوت اور موت کے وقت تک عمر گزارنے کا ذریعہ بنا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اُٹھایا اور اوپر کرتے رہے یہاں تک کہ حضور کے بغل کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں کی طرف اپنی پشت مبارک کی اور اپنی چادر پلٹی' اس حالت میں کہ اپنے دست مبارک اُٹھائے رہے۔ اس کے بعد لوگوں کی طرف رخ انور فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے بادل پیدا فرما دیا' گرجا چمکا پھر اللہ کے اذن سے برسا۔ حضور اپنی مسجد میں نہیں پہنچے کہ نالے بہہ گئے' جب لوگوں کے چھپنے میں جلدی دیکھی تو اتنا ہنسے کہ آپ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے اور فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

بزار اور طبرانی میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے کہ بارش رُک گئی تو ہم نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں تو دوسرے دن صبح کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے۔ اصحاب سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرانے کپڑے پہنے ہوئے عاجزی و انکساری کی حالت میں استسقاء کے لیے نکلے۔

۶۲۷- ح: لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ دُعَاءِهٖ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) استسقاء کے سوا کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے]

۶۲۷- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ دُعَاءِهٖ اِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ وَاِنَّهٗ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے اور اتنا اُٹھاتے کہ آپ کی بغل کی سفیدی دکھائی دیتی۔

(بخاری۔ کتاب الاستسقاء۔ باب: رفع الامام یدہ فی الاستسقاء ص ۱۴۰' باب: صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۰۳' مسلم' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الاستسقاء)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کے علاوہ کسی اور موقع پر دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے حالانکہ گزر چکا کہ عام دعاؤں میں بھی آپ ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اتنا اونچا نہیں اُٹھاتے کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگے' اتنا بلند کرنا استسقاء کے ساتھ خاص ہے۔ ورنہ دعا کے آداب میں سے ہے کہ کندھوں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں اور یہ

[1] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۴۱۵ [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۶۵۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: رفع الیدین فی الاستسقاء

خود حضور اقدس ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

ت ۲۰۳- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿كَصَيِّبٍ﴾ الْمَطَرُ وَقَالَ غَيْرُهُ صَابَ وَأَصَابَ يَصُوبُ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "صَیِّبٌ" کے معنی بارش کے ہیں اور کسی نے کہا: صاب اصاب' یصوب۔

(بخاری۔ باب: ما یقال اذا مطرت ص ۱۴۰)

قرآن مجید میں ہے: "اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ" یا جیسے آسمان کی بارش حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صیب کے معنی بارش کے ہیں' چونکہ اس باب کی حدیث میں "صيبا نافعا" آیا ہے تو امام بخاری نے مناسب جانا کہ اس کی وہ تفسیر ذکر فرمادیں جو سید المفسرین نے کی ہے۔ اس اثر کو ابو جعفر طبری نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "قال غيره" سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ "صيب' صاب يصوب" باب نصر ینصر سے اجوف واوی ہے۔ "صَيِّبٌ" اصل میں "صَيْوِبٌ" تھا۔ "سَيِّدٌ" کے قاعدے سے واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کر دیا گیا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ تھی: "صاب يصوب اصاب" ناسخین نے بے توجہی میں اصاب کو یصوب پر مقدم کر دیا' اس قول کا ایک فائدہ یہ ہے: صاب مجرد' اصاب مزید فیہ دونوں کے معنی ایک ہیں۔

۶۲۸- ح: كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ (الخ) [جب بارش دیکھتے تو (یہ دعا) پڑھتے]

۶۲۸- عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! اسے نفع دینے والی بارش بنا!

(بخاری۔ باب: ما یقال اذا مطرت ص ۱۴۰' نسائی۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الدعا)

ابن ماجہ میں ہے کہ جب آسمان کے کسی کنارے سے حضور بادل آتا ہوا دیکھتے تو ہر کام چھوڑ دیتے اگر چہ نماز ہی کیوں نہ ہو اور بادل کی طرف منہ کر کے یہ دعا کرتے: اے اللہ! جو بھیجا جا رہا ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اگر بارش ہونے لگتی تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! اسے نفع دینے والی بارش بنا! دو یا تین بار۔

اس میں خاص سر یہ تھا کہ قوم عاد پر جب عذاب کے لیے آندھی' کالے بادلوں کی شکل میں اُٹھی تو انہوں نے اسے بادل سمجھا اور یہ کہا: یہ ہمارے پاس آ رہا ہے' بارش برسائے گا' دوسرے یہ کہ بارش مضر بھی ہو سکتی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔

۶۲۹- ح: كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ إِذَا هَبَّتْ [جب سخت ہوا چلتی (تو اس کا اثر)]

۶۲۹- أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ إِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذٰلِكَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سخت ہوا چلتی تو اس کا اثر نبی ﷺ کے چہرے میں پہچانا جاتا۔

(بخاری۔ باب: اذا هبت الريح ص ۱۴۱)

کتاب التفسیر سورۂ احقاف[1] میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اُم المومنین صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اتنا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ حضور کے کوے دکھلائی دیتے ہوں۔ حضور صرف مسکراتے تھے اور جب بادل یا ہوا دیکھتے تو اس کا اثر چہرۂ

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۷۱۵۔ کتاب التفسیر

انور پر دکھائی دیتا۔ اُم المومنین نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں' اس اُمید پر کہ بارش ہو گی۔ اور حضور کو دیکھتی ہوں کہ جب یہ دیکھتے ہیں تو چہرے پر ناگواری ظاہر ہوتی ہے۔ فرمایا: اے عائشہ! مجھے اس سے امن نہیں کہ اس میں عذاب ہو' ایک قوم کو ہوا سے عذاب دیا گیا ہے۔ ایک قوم نے عذاب دیکھا تو یہ کہا: یہ آرہا ہے' ہم پر برسے گا۔ بخاری[1] اور مسلم[2] میں ہے کہ جب آسمان پر بادل چھا جاتا تو حضور کا رنگ بدل جاتا' باہر نکلتے اندر آتے' آگے جاتے' پیچھے آتے۔ جب بارش ہونے لگتی تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔ اُم المومنین نے وجہ دریافت کی تو مذکورہ بالا جواب عنایت فرمایا۔

۶۳۰- ح: نُصِرْتُ بِالصَّبَا [پروائی ہوا سے میری مدد کی]

۶۳۰- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُھْلِکَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پُروائی ہوا سے میری مدد کی گئی اور پچھوائی ہوا سے عاد کو ہلاک کیا گیا۔

(بخاری۔ باب: نصرت بالصبا ص ۱۴۱' کتاب بدء الخلق۔ باب: ما جاء فی قولہ تعالیٰ وھو الذی ارسل الریاح ص ۵۵۵' کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللہ عزوجل والی عاد اخاھم ھودا ص ۴۷۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: ص ۵۸۹' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

صحیح یہ ہے کہ صبا اس ہوا کو کہتے ہیں جو مشرق سے مغرب کو خط استواء پر چلتی ہے' اور دبور اُس کے بالمقابل مغرب سے مشرق چلتی ہے' یہ غزوہ خندق کے موقع پر ہوا تھا۔ دس ہزار فوج نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور یہ مسلسل بیس یا بائیس دن رہا' فاقہ' خوف' بے خوابی کی وجہ سے جو حال صحابہ کرام کا ہوا' اس کی تصویر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:

اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا○ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا○ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اِلَّا غُرُوْرًا○ (الاحزاب: ۱۱ تا ۱۳)

جب کافر تم پر بالائی طرف اور نشیبی طرف سے آپڑے اور آنکھیں ٹھٹک گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے○ اس وقت مسلمانوں کی آزمائش ہوئی اور شدت کے ساتھ جھنجھوڑے گئے○ جبکہ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری تھی' کہنے لگے: ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے فریب دیا تھا○

حال یہ تھا کہ حضرت جابر جیسے مخلص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کلیجے منہ کو آگئے' کوئی دعا ارشاد فرمائیں۔ اس ہمت شکن صبر آزما حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوشنبہ' سہ شنبہ' چہارشنبہ تین دن تک مسلسل یہ دعا کی:

یَا صَرِیْخَ الْمَکْرُوْبِیْنَ یَا مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ اِکْشِفْ ھَمِّیْ وَغَمِّیْ وَکُرْبَتِیْ تَرٰی مَا نَزَلَ بِیْ وَبِاَصْحَابِیْ.

اے مصیبت زدہ کی فریاد سننے والے! اے پریشان حالوں کی دعا قبول کرنے والے! میری پریشانی اور میرے غم کو دور فرما! مجھ پر اور میرے صحابہ پر جو افتاد پڑی ہے تو اسے دیکھ رہا ہے۔

تو اللہ عزوجل نے فرشتوں اور صبا' پروائی ہوا سے اپنے محبوب کی مدد فرمائی۔ اس زور کی ٹھنڈی ہوا چلی کہ چولہوں سے دیگیں اُلٹ گئیں' خیمے اکھڑ گئے' طنابیں ٹوٹ گئیں' آدمی گر پڑے' گھوڑے بدک بدک کر بھاگنے لگے۔ اس لشکر الٰہی کی تاب نہ لاکر ابوسفیان نے

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۴۵۵۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: ما جاء فی قولہ تعالیٰ وھو الذی ارسل الریاح

[2] مسلم۔ کتاب الاستسقاء۔ فصل: فی الخوف برؤیۃ الریح ص ۲۹۴

واپسی کا طبل بجا دیا' اور پورا لشکر راتوں رات بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر یہ حال تھا اور حضور اقدس ﷺ کے لشکر میں چراغ تک جلتے رہے' جب قریش چلے گئے تو غطفان وغیرہ بھی واپس ہو گئے۔ بیس بائیس دن کے بعد مدینہ کی فضا صاف ہو گئی۔ اسی کو اللہ عزوجل نے یوں بیان فرمایا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ (الاحزاب:۹)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم پر کئی لشکر آ پڑے تو اس نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجا جسے تم دیکھ نہ پائے۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بزار وغیرہ نے رجال صحیح سے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس رات بادِ صبا نے بادِ شمال سے کہا: چلو! رسول اللہ کی مدد کریں' تو اس نے جواب دیا کہ "الحرائر لا تھب باللیل" شریف عورتیں رات میں نہیں چلتیں۔ مدارج میں یہ لفظ ہے: "الحرۃ لا تسیر باللیل" شریف عورت رات میں نہیں نکلتی' تو اس پر اللہ عزوجل نے غضب فرمایا اور اسے بانجھ کر دیا۔ (الزرقانی علی المواھب۔ ج ۲ ص ۲۔۱۲۱' مدارج النبوۃ۔ ج ۲ ص ۲۴۷)

اسی کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے الملفوظ حصہ چہارم میں ذکر فرمایا ہے' جس پر دیوبندیوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ اس کا مفصل مکمل رد' تحقیقات میں ملاحظہ فرمائیں۔

واهلكت عاد

قوم عاد پر حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے' انہوں نے جب سرکشی کی اور تمسخر کے طور پر عذاب کا مطالبہ کیا تو ان پر انتہائی تند و تیز آندھی بھیجی گئی جو ان پر آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی' چہار شنبہ کی صبح کو شروع ہوئی اور دوسرے چہار شنبہ کو دن ڈوبنے پر بند ہوئی۔ اس آندھی کے دباؤ سے ان کے پھیپھڑے پھٹ گئے اور یہ لوگ خون پھینک پھینک کر مر گئے۔ یہ بڑے قد آور تنو مند تھے۔ ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ یہ میدان میں یوں مرے پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے درخت اکھڑ کر زمین پر پڑے ہوں۔ جب آندھی کے مرغولے کالے رنگ کے فضا میں اُٹھے اور تیزی سے ان کی طرف بڑھے تو انہوں نے اسے بادل سمجھا اور بڑی بے پرواہی سے کہا: یہ بادل ہے جو ہم پر آ کر برسے گا۔ (قرآن مجید و عامہ تفاسیر)

۶۳۱- ح: مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ

[غیب کی پانچ کنجیاں ہیں]

۶۳۱- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَّا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَّا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ وَّلَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَّا يَكُوْنُ فِي الْاَرْحَامِ وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَمَا يَدْرِيْ اَحَدٌ مَّتٰى يَجِيْءُ الْمَطَرُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔

(بخاری۔ باب: لا یدری متی یجیئ المطر الا اللہ عزوجل ص ۱۴۱)

نزہۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۰۔ ۳۲۴' رقم: ۴۳ پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ وہیں ہم نے دلائل قاہرہ سے ثابت کر دیا ہے کہ "لا یعلمها الا اللہ" سے مراد علم ذاتی قدیم واجب غیر متناہی بالفعل ہے۔ یہ بلاشبہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے' رہ گیا عطائی وہ اللہ

عزوجل کی عطا سے انبیاء کرام، اولیاء عظام کو بھی حاصل ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

مراد آن است کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل کس اینہاں نمی داند از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آں راند اند مگر آنکہ وے تعالٰی از نزد خود کسے رابد ناند بوحی والہام۔ (اشعۃ اللمعات۔ ج۱ص۴۴)

مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کو اللہ عزوجل کے بتائے بغیر عقل کے حساب سے کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ اُمورِ غیبیہ میں سے ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، مگر یہ کہ اللہ تعالٰی وحی یا الہام کے ذریعہ کسی کو بتادے۔

ہر انصاف پسند کے لیے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ "لا یعلمھا الا اللّٰہ" جنہیں سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، یہاں اس بات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ جملہ اثبات اور نفی دونوں پر مشتمل ہے، اس میں باری تعالٰی کے لیے اثبات ہے اور غیر باری تعالٰی کے لیے نفی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس علم کا باری تعالٰی کے لیے اثبات ہے، اسی کی غیر سے نفی ہے اور یہ طے ہے کہ باری تعالٰی کے لیے علم ذاتی قدیم واجب غیر متناہی بالفعل کا اثبات ہے، تو اسی کی مخلوقات سے نفی ہوگی اور یہ اہل سنت کے عقیدے کو مضر نہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مخلوقات کا علم عطائی حادث ممکن متناہی بالفعل ہے، اس لیے یہ ارشاد ہمارے عقیدے کو مزاحم نہیں، اس ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ بغیر اللہ عزوجل کی عطا کے ان چیزوں کا علم کسی کو نہیں۔ اللہ عزوجل کی عطاء سے ہے، جیسا کہ نزہۃ القاری، ج۱ص۳۲۱ پر ہم نے احادیث اور اقوالِ علماء سے ثابت کیا ہے۔

علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ (ص۸۴) میں فرماتے ہیں:

ولم یخرج صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللّٰہ بھذہ الامور الخمسۃ.

اور حضور اقدس ﷺ کو اللہ عزوجل نے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے ان پانچوں باتوں کا علم عطاء فرمادیا تھا۔

علامہ صاوی سورۂ لقمان کی تفسیر (ج۳ص۲۹۱۔۲۹۰) میں لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انہ لم یخرج نبینا من الدنیا حتی اطلعہ اللّٰہ علی تلک الخمس ولکنہ امر بکتمھا.

علماء نے فرمایا: حق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اللہ عزوجل نے انہیں ان پانچوں باتوں پر مطلع نہیں فرمادیا، البتہ ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا تھا۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

١٦- اَبْوَابُ [كِتَابُ] الْكُسُوْفِ

نمازِ کسوف کا بیان

٦٣٢- ح: فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ (الخ)

[سورج گہن کا لگنا]

٦٣٢- عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجُرُّ رِدَائَهٗ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَیْنِ حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰى یُكْشَفَ مَا بِكُمْ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (جلدی سے) اُٹھے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے اور ہم بھی داخل ہوئے اور ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی' یہاں تک کہ سورج کھل گیا' اس کے بعد فرمایا کہ سورج اور چاند میں گہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا اور جب تم اسے دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو' یہاں تک کہ گہن دور ہو جائے۔

(بخاری۔ باب: الصلوٰة فی کسوف الشمس ص ١٤١' باب: قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یخوف اللّٰه عباده بالکسوف ص ١٤٣' باب: الصلوٰة فی کسوف القمر ص ١٤٥' ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: من جر ازاره من غیر خیلاء ص ٨٦١' نسائی۔ کتاب الصلوٰة)

تکمیل

بخاری' صفحہ ١٤٣ پر یہ حدیث یوں ہے: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' کسی کے مرنے پر ان میں گہن نہیں لگتا' البتہ اللہ ان سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اور صفحہ ١٤٥ پر یہ زائد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے جن کا نام ابراہیم تھا' وصال فرما گئے تھے تو لوگوں نے یہ کہا تھا۔ ''کسوف'' کے معنی ہیں: حالت کا بدلنا' اور عرف میں گہن لگنے کے معنی میں ہے' فقہاء زیادہ تر سورج گہن کو کسوف اور چاند گہن کو خسوف کہتے ہیں' جوہری نے کہا کہ یہ زیادہ فصیح ہے مگر ایک کا دوسرے میں بھی استعمال احادیث میں وارد ہے' اس لیے افصح کہنا درست نہیں۔

نمازِ گہن

ہمارے نزدیک سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور جماعت سے پڑھنی مستحب ہے مگر جماعت کے لیے وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں' خطبہ کے سوا اگر وہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو لوگ تنہا تنہا پڑھیں خواہ گھر میں خواہ مسجد میں۔ شرائط جمعہ پائی جانے کے وقت بھی اگر لوگ تنہا تنہا پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔ چاند گہن کی نماز مستحب ہے' اس میں جماعت مشروع نہیں' لوگ تنہا تنہا

نماز پڑھیں۔ دو یا تین آدمی جماعت کر سکتے ہیں' گہن کی نماز کم از کم دو رکعت ہے اور یہ بھی اور نمازوں کی طرح صرف ایک رکوع اور دو سجدے سے پڑھی جائے۔ یہی حضرت ابن عمر' حضرت ابوبکرہ' حضرت سمرہ بن جندب' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت قبیصۃ الہلالی اور حضرت نعمان بن بشیر' حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے' دو رکعت سے زائد بھی پڑھ سکتے ہیں' بہتر یہ ہے کہ نماز اتنی لمبی کی جائے کہ جب تک گہن رہے نماز میں مشغول رہے اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی گہن رہے تو دوسرے اذکار و استغفار وغیرہ کرتے رہیں تا آنکہ گہن ختم ہو جائے۔ سورج گہن میں قراءت آہستہ ہو گی' چاند گہن میں بلند' اگر اوقاتِ مکروہہ میں گہن لگے تو نماز نہ پڑھیں' استغفار و اذکار میں مشغول رہیں۔

یہ گہن کب لگا تھا؟

جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تھا' اس دن یہ گہن لگا تھا' ان کی ولادت کے بارے میں اصحاب سیر متفق ہیں کہ ۸ھ کے ذوالحجہ میں ہوئی تھی' البتہ وصال کی تاریخ کے بارے میں کثیر اختلافات ہیں۔ ارباب سیر نے یہ اقوال ذکر کیے ہیں: ستر دن کے بعد سولہ مہینے آٹھ دن' سترہ مہینے آٹھ دن' ایک سال دس مہینے چھ دن' بخاری میں اُم المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سترہ مہینے یا اٹھارہ مہینے پر۔ مسند امام احمد میں اُم المومنین اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ اٹھارہ ماہ پر وصال ہوا' عام طور پر اسی کو ترجیح دی جاتی ہے[1] کس مہینے میں انتقال ہوا؟ اس پر بھی روایات متفق نہیں' ابن حزم نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تین ماہ قبل' اس کا حاصل یہ ہوا کہ ذوالحجہ میں وصال ہوا۔ ایک اور قول صراحت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ رمضان میں۔ ایک قول ہے کہ ربیع الاوّل میں[2] مدارج[3] میں ہے: محرم میں' تاریخ میں بھی یہی حال ہے' مدارج میں ہے کہ دس تاریخ تھی محرم کی یا ربیع الاوّل کی[4]

علامہ ابن حجر[5] اور علامہ عینی[6] دونوں نے یہ لکھا کہ جمہور اہل سیر نے کہا کہ ان کی وفات ١٠ھ میں ہوئی۔ ربیع الاوّل یا رمضان یا ذوالحجہ میں اور اکثر کا قول یہ ہے کہ چاند کی دس تاریخ کو ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ چار کو اور ایک قول یہ ہے کہ چودہ کو' زرقانی میں بھی تاریخ کے بارے میں یہی تفصیل ہے[7]

یہ قول کہ ١٠ھ ذوالحجہ کو ان تاریخوں میں وصال ہوا' بالکلیہ ساقط الاعتبار ہے' اس لیے کہ ١٠ھ کے ذوالحجہ کی ان تاریخوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے مکہ میں تھے یا راستے میں' اور اس پر اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے اور دفن میں شرکت فرمائی۔ اب رمضان' ربیع الاوّل اور محرم کا قول باقی رہ جاتا ہے' مگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کے بارے میں جتنے اقوال ہیں' ان میں کسی کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی ہے' اس لیے کہ اگر محرم میں وصال مانیں تو ان کی عمر مبارک گیارہ مہینے کی ہوتی ہے۔ ربیع الاوّل مانیں تو پندرہ مہینے کی اور رمضان مانیں تو انیس مہینے کی ہوتی ہے' چونکہ ترجیح حضرت اُم المومنین کے قول کو ہے کہ ان کی عمر اٹھارہ مہینے تھی اور گنتی میں ذوالحجہ یا رمضان میں سے کسی کو پورا مہینہ نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیں تو ان دونوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

اقول: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت اُم المومنین کی بخاری کی روایت میں سترہ یا اٹھارہ شک کی بناء پر نہیں بلکہ انہوں نے اندازے سے

---

١ زرقانی علی المواہب۔ ج ٣ ص ٢١٣ ٢ ایضاً۔ ص ٢١٤ ٣ مدارج۔ ج ٢ ص ٥٨١ ٤ ایضاً

٥ فتح الباری۔ ج ٢ ص ٤٣٨ ٦ عمدۃ القاری۔ ج ٧ ص ٦٩ ٧ زرقانی۔ ج ٣ ص ٢١٨

ایک تخمینہ بتایا ہے، تو بات اور صاف ہو جاتی ہے۔ علامہ عینی نے ایک جگہ اس پر جزم فرمایا ہے کہ ان کا وصال سہ شنبہ کے دن دس ربیع الاول ١٠ھ میں ہوا ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ٧ ص ٦٤)

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

سورج گہن کا سبب اہل ہیئت یہ بتاتے ہیں کہ چاند، سورج اور زمین کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ صرف چاند کی اٹھائیس یا انتیس تاریخ کو ہو سکتا ہے۔ دوسری تاریخوں میں محال ہے، اس لیے چاند کی دس یا چار یا چودہ کو سورج گہن ہونا محال ہے۔

اقول: اسباب عادیہ کی بناء پر یہی صحیح ہے، مگر اللہ عز و جل اس پر قادر ہے کہ وہ سورج گہن سبب عادی کے بغیر لگا دے بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ اس گہن کے لگنے پر لوگوں کا جو گمان ہوا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کی وجہ سے لگا ہے، اسی بناء پر تھا کہ اٹھائیس یا انتیس کے بجائے دس کو لگا تھا۔ دس کو گہن لگنے کا کوئی سبب عادی نہیں تھا، تو لوگوں نے وہ گمان کیا۔

نماز کسوف

اس سے قبل گزر چکا کہ یہ نماز بھی دوسری نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ یہ تفصیلی بحث علامہ عینی نے اس موقع پر فرمائی ہے۔ نیز امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اسے احادیث صحاح سے ثابت فرمایا ہے جس کی طرف تھوڑا سا ہم نے اشارہ بھی کر دیا ہے کہ آٹھ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ خود اسی حدیث زیر بحث میں نسائی[1] میں یوں ہے: "فصلی ركعتين كما تصلون" حضور نے دو رکعت نماز پڑھی جیسے تم اور نمازیں پڑھتے ہو۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد رکوع کیے ہوتے تو اس کو ضرور بیان فرماتے اور "كما تصلون" نہ فرماتے۔

٦٣٣ - عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلٰكِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا.

قیس بن حازم بجلی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند میں لوگوں میں سے کسی کی موت کی وجہ سے گہن نہیں لگتا، لیکن یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب اسے دیکھو تو اٹھو اور نماز پڑھو۔

(بخاری۔ باب: الصلوٰۃ فی کسوف الشمس ص ١٤٢، باب: لا تنكسف الشمس لموت احد ولا لحياته ص ١٤٤، کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة الشمس والقمر بحسبان ص ٤٥٥، مسلم، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الخسوف)

٦٣٤ - ح: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ

[سورج اور چاند گہن (لوگوں میں سے) کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا]

٦٣٤ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے خبر دیتے ہیں کہ سورج اور چاند میں کسی کے مرنے یا پیدا ہونے کی وجہ سے گہن نہیں لگتا، لیکن یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم اسے دیکھو تو نماز پڑھو۔

(بخاری۔ باب: الصلوٰۃ فی کسوف الشمس ص ١٤٢، کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة الشمس والقمر بحسبان ص ٤٥٤، مسلم، نسائی)

[1] نسائی۔ ج ١ ص ٢٢٣۔ باب: الكسوف الامر بالدعاء في الكسوف

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "ولا لحیاته" زائد ہے اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جو بدءالخلق میں ہے اس میں بھی ہے، چونکہ عرب کا اعتقاد یہ تھا کہ کسی عظیم بات کے ظہور کے وقت گہن لگتا ہے اور عظیم بات جس طرح کسی کی موت ہو سکتی ہے اسی طرح کسی کی پیدائش بھی، اس لیے "ولا لحیاته" کا فرمانا موقع کے مناسب ہے۔

٦٣٥- ح: كَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ

[حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال والے دن سورج میں گہن لگا]

٦٣٥- عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج میں گہن لگا جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج میں گہن لگا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند میں کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے گہن نہیں لگتا ہے، جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو۔

(بخاری۔ باب: الصلوٰة فی کسوف الشمس ص ١٤٢، باب: الدعاء فی الکسوف ص ١٤٥، ج ٢۔ کتاب الادب۔ باب: من سمی باسماء الانبیاء ص ٥١٩، مسلم)

٦٣٦- ح: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورج گہن میں لوگوں کو نماز پڑھائی جس میں قیام کو طویل کیا]

٦٣٦- عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْاُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج میں گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، حضور نے اس نماز میں قیام کیا تو لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا تو رکوع بھی لمبا کیا، اس کے بعد پھر قیام کیا تو لمبا قیام کیا، مگر پہلے والے قیام سے کم۔ اس کے بعد رکوع کیا تو رکوع کو طویل کیا، مگر یہ پہلے والے رکوع سے کم تھا، اس کے بعد پھر سجدہ کیا تو سجدہ بھی طویل کیا، اس کے بعد دوسری رکعت میں بھی اسی کے مثل عمل کیا جو پہلے میں کیا تھا، پھر نماز سے فارغ ہوئے تو سورج کھل چکا تھا، اس کے بعد لوگوں کو خطبہ دیا تو اللہ کی حمد کی اور ثناء کی، اس کے بعد فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت اور پیدائش کی وجہ سے ان میں گہن نہیں لگتا، جب تم گہن دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور تکبیر پڑھو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو، اس کے بعد فرمایا: اے محمد کی اُمت! اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی باندی زنا کرے، اے محمد کی اُمت! جو میں

جانتا ہوں، اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

(بخاری۔ باب: الصدقة فی الکسوف ص ۱۴۲، باب: خطبة الامام فی الکسوف ص ۱۴۲، باب: هل کسفت او خسفت ص ۱۴۳، باب: لا تنکسف الشمس لموت احد ولا لحیاته ص ۱۴۵، باب: الجهر بالقراء ة فی الکسوف ص ۱۴۵، کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة الشمس والقمر بحسبان ص ۴۵۵، مسلم، نسائی، ابوداؤد)

"باب الجهر بالقراء ة فی الکسوف" میں اسی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے خسوف کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی۔ احناف، مالکیہ، شوافع سب اس کے قائل ہیں کہ سورج گہن کی نماز میں قراءت آہستہ پڑھی جائے گی۔ ہماری دلیل حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے[1] انہوں نے کہا کہ میں نے سورج گہن میں نبی ﷺ سے ایک حرف نہیں سنا۔ نیز بیہقی نے تین طریقوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ میں سورج گہن کی نماز میں نبی ﷺ کے پہلو میں کھڑا تھا، میں نے آپ سے ایک حرف نہیں سنا۔

فاطال القیام

"باب صلوٰة الکسوف جماعة" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث میں ہے کہ سورۂ بقرہ کی مقدار قیام طویل فرمایا[2] ابوداؤد[3] میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دونوں رکعتوں میں کوئی لمبی سورت پڑھی نیز اسی میں ہے کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: میں نے اندازہ لگایا تو یہ اندازہ ہوا کہ پہلی میں سورۂ بقرہ اور دوسری میں سورہ آل عمران پڑھی ہوگی۔

فخطب الناس

ہمارے نزدیک گہن کی نماز میں خطبہ سنت نہیں اور اس وقت لوگوں کے عقیدے کی اصلاح کے لیے وہ خطبہ ارشاد فرمایا، آج بھی عند الضرورت وعظ کہا جاسکتا ہے۔

فادعوا اللّٰہ

نماز سے قبل جب تک نمازی نہ آجائیں، دعا، تکبیر، تہلیل، تسبیح، تحمید میں مصروف رہیں۔ اسی طرح نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر معلوم ہو کہ ابھی گہن ہے تو دعا و ذکر میں مصروف رہے، چاہے تو مزید نماز پڑھے۔ گہن کے وقت صدقہ کرنا بھی مسنون ہے۔ حضرت اسماء کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے غلام آزاد کرنے کا بھی حکم دیا۔

ان یزنی عبده

جس طرح اپنا کوئی قریبی عزیز بدکاری میں مبتلا ہوتا ہے تو ہمیں غیرت آتی ہے اور سارے مرد اور عورتیں اللہ عزوجل کے بندے ہیں جب اس کا کوئی بندہ یا بندی بدکاری میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ بھی غیرت فرماتا ہے اور بندوں سے بہت زیادہ۔

٦٣٧- ح: اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ [حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۶۸۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من قال اربع رکعات، ترمذی۔ ج ۱ ص ۷۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کیف القراء ة فی الکسوف، نسائی۔ کتاب الکسوف۔ باب: ترك الجهر فیها بالقراء ة ص ۲۲۲، ابن ماجہ۔ باب: ما جاء فی صلوٰة الکسوف ص ۹۱

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۹۲ [3] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۶۸۔ باب: القراء ة فی الکسوف

يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ

[''یوم خسفت الشمس'' بیان کرتے تھے]

٦٣٧- وَكَانَ يُحَدِّثُ كَثِيْرُ بْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ اِنَّ اَخَاكَ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِالْمَدِيْنَةِ لَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ قَالَ اَجَلْ لِاَنَّهُ اَخْطَاَ السُّنَّةَ.

اور کثیر بن عباس یہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی عروہ عن عائشہ کے مثل حدیث بیان کرتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں: میں نے عروہ سے کہا کہ جب مدینہ میں سورج گہن لگا تھا تو آپ کے بھائی نے صبح کے مثل دو رکعت پڑھی تھی اور کچھ اضافہ نہیں کیا تھا' تو انہوں نے کہا: ہاں! انہوں نے ایسا کیا تھا' انہوں نے سنت کے خلاف کیا۔

(بخاری۔ باب: خطبة الامام فی الکسوف ص ۱۴۲' باب: الجهر بالقراء ة فی الکسوف ص ۱۴۵)

''وكان يحدث'' امام زہری کا مقولہ ہے' اور اس کے پہلی والی حدیث کی سند میں مذکور ''حدثني عروة'' پر معطوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے عروہ نے حضرت عائشہ سے حدیث مذکور روایت کی ہے' اسی کے مثل کثیر بن عباس نے حضرت ابن عباس سے بھی حدیث روایت کی ہے۔ اس سے بہ ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ پوری حدیث میں مماثلت ہے' مثلاً جیسے اس حدیث میں قراءت بالجہر مذکور ہے' ویسے ہی حضرت ابن عباس کی حدیث میں بھی قراءت بالجہر مذکور ہے' مگر مسلم[1] میں یہ حدیث مفصل یوں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف یہ حصہ ذکر فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں چار رکوع اور چار سجدے کیے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مماثلت صرف اس بات میں ہے کہ ہر دو رکعت میں دو رکوع کیے۔

اخطا السنة

کسی وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شام جانے کے ارادے سے مدینہ طیبہ آئے اور سورج میں گہن لگا تو انہوں نے نماز کسوف پڑھائی تھی' جو نمازِ فجر کی طرح دو رکعت ایک ایک رکوع سے تھی۔ اسی کو امام زہری نے حضرت عروہ سے کہا تو انہوں نے جواب دیا: یہ صحیح ہے کہ انہوں نے نمازِ صبح کی طرح پڑھا' انہوں نے سنت کے خلاف کیا۔

اقول: یہاں سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ نماز اہل مدینہ کے مجمع عام میں پڑھائی جس میں کثیر صحابہ کرام شریک ہوئے ہوں گے۔ کسی نے نہ ان کو ٹوکا اور نہ بعد میں اس پر تنقید کی' اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ ان کا عمل سنت کے مطابق تھا سنت کے خلاف نہیں تھا۔ ورنہ لوگ ضرور ٹوکتے اور تنقید کرتے' نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس پر اہل مدینہ کا اجماع ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص نماز تھی' اگر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس اس کی کوئی سند نہ ہوتی تو وہ ایسا ہرگز نہیں کرتے۔ صحابہ کرام سے دریافت کرتے' اپنی صوابدید پر وہ ایسا اقدام کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا کہ انہوں نے سنت کے خلاف کیا صحیح نہیں' خصوصاً ایسی صورت میں کہ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف میں بھی ایک رکعت میں صرف ایک رکوع کیا تھا' تو حضرت عبداللہ بن زبیر کے عمل کو خلاف سنت کہنا اور زیادہ ساقط ہو جاتا ہے۔

٦٣٨- ح: اَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَاءَتْ تَسْاَلُهَا

[ایک یہودیہ (آپ رضی اللہ عنہا کے پاس) مانگنے آئی]

٦٣٨- عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَاءَتْ

عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے ام المومنین حضرت عائشہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات سے روایت کیا کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۹۶۔ کتاب الکسوف۔ باب اول

تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ مَّرْكَبًا فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا (ثُمَّ سَاقَ مِثْلَ حَدِيْثِ عُرْوَةَ اِلٰى اَنْ قَالَ) وَانْصَرَفَ فَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

میں مانگنے کے لیے آئی تو کہا: اللہ آپ کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھے! اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کیا لوگوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس سے اللہ کی پناہ! اس کے بعد ایک دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر کہیں تشریف لے گئے اور سورج میں گہن لگ گیا' چاشت کے وقت لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے حجروں کے درمیان سے گزرے' پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور لوگ حضور کے پیچھے کھڑے ہوئے' حضور نے طویل قیام فرمایا (پھر عمرہ نے عروہ کی حدیث کے مثل بیان کیا) اخیر میں کہا: اور فارغ ہو کر جو اللہ نے چاہا کہا' پھر لوگوں کو حکم دیا کہ عذابِ قبر سے پناہ مانگا کریں۔

(بخاری۔ باب: التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف ص ۱۴۳' باب: صلوٰۃ الکسوف فی المسجد ص ۱۴۴' باب: الرکعۃ الاولیٰ فی الکسوف اطول ص ۱۴۵' مسلم' نسائی)

فرکب

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گہن لگنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے تھے' گہن لگنے کے بعد چاشت کے وقت تشریف لائے اور نماز پڑھی' یہ نہیں بتایا کہ کہاں تشریف لے گئے تھے اور حضرت مغیرہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ گہن اس دن لگا تھا جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تھا' حضرت ابراہیم کے وصال کی تفصیل جن احادیث میں ہے' ان میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت کے غیر ہونے کی اطلاع ملی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عوالی مدینہ ابوسیف کے گھر تشریف لے گئے اور آپ کے تشریف لے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ان کا وصال ہو گیا۔ اب اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کا وصال صبح ہی کے وقت ہوا اور چاشت کے وقت تک ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ بھی ہو گئے تو حضرت اُم المؤمنین کے علم میں یہ بات یقیناً رہی ہو گی کہ حضور کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ پھر روایت میں اتنی اہم بات اُم المؤمنین نے کیوں نہیں ذکر فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ مبارک میں گہن ایک بار سے زائد لگا ہے' نیز آگے حدیث آ رہی ہے کہ گہن کی نماز کے لیے اعلانِ عام ہوا تھا مگر حضرت اسماء کی روایت میں ہے کہ وہ مسجد میں آئیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو حضرت اُم المؤمنین سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ منادی کے ذریعہ کیا جانے والا اعلان عام حضرت اسماء مدینہ میں رہتے ہوئے نہ سنیں' ممکن تو ہے مگر بہت مستبعد ہے۔ اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ گہن کی نماز متعدد بار ہوئی۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور جلدی سے چادر کھینچتے ہوئے اُٹھے۔ مسلم[1] میں حضرت اسماء کی حدیث میں ہے کہ حضور اتنا گھبرا گئے کہ بجائے چادر کے اپنے اہل بیت میں سے کسی کا کرتا پہن لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گہن لگنے کے وقت گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ نسائی[2] میں حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نے ایک گہن میں زمزم کے سائبان میں نماز پڑھی۔ یہ اس پر نص ہے کہ گہن کی نماز ایک بار مکہ معظمہ میں بھی پڑھی

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۹۸۔ کتاب الکسوف [2] نسائی۔ ج ۲ ص ۲۱۷۔ کتاب الکسوف۔ باب: صلوٰۃ الکسوف

تھی۔ اور حدیث زیر بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت باہر تشریف لے گئے تھے اور مسجد میں تشریف لا کر حجروں میں گئے بغیر نماز شروع کر دی' اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ نمازِ کسوف ایک بار سے زائد ہوئی اور یہی علامہ ابن عبدالبر کی بھی تحقیق ہے اور علامہ عینی نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۶۴)

اس سے ان تمام روایتوں میں تطبیق ہو جائے گی جو نماز کسوف کے بارے میں وارد ہیں' مثلاً یہی کہ عام روایتوں میں ہے کہ دو ہی رکعت پڑھیں اور عام نمازوں کی طرح ہر رکعت میں ایک ہی رکوع کیا۔ اور بعض میں ہے کہ چھ رکعتیں پڑھیں' ہر دو رکعت کے بعد دریافت فرماتے تھے کہ گہن ہے یا ختم ہو گیا' یا یہ کہ ہر دو رکعت میں دو یا دو سے زائد رکوع فرمائے' وغیرہ وغیرہ۔

فرجع ضحًی

ہمارے نزدیک اس کا کوئی وقت مقرر نہیں' جس وقت گہن لگے نماز پڑھیں' سوائے اوقاتِ مکروہہ کے۔ اگر ان اوقات میں گہن لگے تو دعاء واستغفار کریں۔

٦٣٩- ح: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ نُوْدِیَ اَنَّ الصَّلٰوۃَ جَامِعَةٌ

[جب سورج گہن لگا تو یہ نداء دی گئی: "اَنَّ الصَّلٰوۃَ جَامِعَةٌ"]

٦٣٩- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهٗ قَالَ لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْدِیَ اَنَّ الصَّلٰوۃَ جَامِعَةٌ فَرَكَعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِیْ سَجْدَةٍ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِیْ سَجْدَةٍ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ جُلِّیَ عَنِ الشَّمْسِ قَالَ وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهَا.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب سورج میں گہن لگا تو یہ ندا دی گئی تھی: "الصلوٰۃ جامعة" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں دو رکوع کیے تھے' پھر کھڑے ہوئے اور دوسری رکعت میں دو رکوع کیے' اس کے بعد بیٹھے' اس کے بعد گہن ختم ہوا۔ ابو سلمہ نے کہا: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے کبھی اس سے زیادہ لمبا سجدہ نہیں کیا۔

(بخاری۔ باب: طول السجود فی الکسوف ص ۱۴۳' باب: النداء بالصلوٰۃ جامعة فی الکسوف ص ۱۴۲' مسلم' نسائی)

اس حدیث میں "نودی" ہے مگر چونکہ عہد مبارک کی بات ہے' اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ندا ہوئی تھی جیسا کہ خود بخاری ہی میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہے جو ص ۱۴۵ پر مذکور ہے۔ علاوہ ازیں نسائی وغیرہ میں بھی حضرت اُم المومنین سے صراحت کے ساتھ مروی ہے کہ حضور نے ایک صاحب کو حکم دیا کہ وہ پکار آئیں۔ نمازِ کسوف میں اذان واقامت نہیں مگر "الصلوٰۃ جامعة" کے ساتھ ندا کی اجازت ہے بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سنت ہے: "نودی ان الصلوٰۃ جامعة" وہ روایت ہے: "اَنِ الصلوٰۃ جامعة" اس طرح کہ ان حرف تفسیر اور "الصلوٰۃ" مبتدا' "جامعةٌ" اس کی خبر' دوسرے یہ کہ "ان الصلوٰۃ جامعةً"' "اِنَّ" حرف مشبہ بالفعل "الصلوٰۃ" اس کا اسم "حاضرۃٌ" اس کی خبر محذوف اور "جامعة" حال۔

ت ٢٠٤- وَصَلّٰى لَهُمُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِیْ صُفَّةِ زَمْزَمَ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو نمازِ کسوف زمزم کے سائبان میں پڑھائی۔

(بخاری۔ باب: صلوٰۃ الکسوف جماعة ص ۱۴۳)

اس اثر کو امام شافعی اور سعید بن منصور نے موصولاً ذکر کیا ہے کہ طاؤس نے کہا کہ سورج میں گہن لگا تو ہمیں حضرت ابن عباس نے چھ رکوع دو رکعت میں کرائے۔ ابن جریج نے سلمان سے جو روایت کی ہے' اس میں یہ ہے کہ دو رکعت پڑھائیں' ہر رکعت میں چار

رکوع تھے۔ اور ابن حزم نے صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے یہ روایت کی کہ دو رکعت پڑھی اور ہر رکعت میں دو رکوع تھے۔

ت ٢٠٥- وَجَمَعَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَّصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ. (ایضا)

اور علی بن عبداللہ بن عباس نے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت ابن عمر نے نماز پڑھائی۔

علی بن عبداللہ بن عباس، سلاطین عباسیہ کے جد اعلیٰ ہیں۔ جس دن حضرت علی شہید ہوئے، اسی دن یہ پیدا ہوئے، اسی لیے ان کا نام علی اور کنیت ابوالحسن رکھی گئی۔ یہ ثقہ متدین عابد تابعی تھے، روزانہ ہزار سجدہ کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا بھی لقب سجاد ہے۔ شام بلقا کے علاقے میں حمیمہ میں ان کا انتقال ہوا۔ سنہ وصال ١١٤ھ یا ١١٨ھ ہے، سلطنت عباسیہ کے بانی سفاح ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی انہیں کا پوتا تھا۔

علی بن عبداللہ کے اثر کی سند کوئی نہیں ملی، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے یوں روایت کیا ہے۔ عاصم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ گہن میں تیزی سے جماعت کے لیے مسجد جا رہے ہیں، ان کی چپل ہاتھ میں ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے: ''وصلی ابن عمر'' علی بن عبداللہ کے اثر کا حصہ ہو۔

٦٤٠- ح: اِنْخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى فَقَامَ قِيَامًا (الخ)

[سورج گہن لگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز میں قیام طویل کیا]

٦٤٠- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ وَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا وَّلَوْ اَصَبْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَاُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورج گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی، اس میں سورۂ بقرہ پڑھنے کی مقدار لمبا قیام فرمایا، پھر لمبا رکوع کیا، اس کے بعد سر اُٹھایا اور طویل قیام فرمایا، یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور یہ پہلے والے رکوع سے کم تھا، اس کے بعد سجدہ کیا پھر لمبا قیام فرمایا اور یہ پہلے والے قیام سے کم تھا، اس کے بعد لمبا رکوع کیا اور یہ پہلے والے رکوع سے کم تھا، پھر سر اُٹھایا اور لمبا قیام کیا اور یہ پہلے والے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور یہ پہلے والے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہو گئے اور گہن ختم ہو چکا تھا تو ارشاد فرمایا: بے شک چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے ان میں گہن نہیں لگتا، جب تم اسے دیکھو تو اللہ کی یاد کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے حضور کو دیکھا کہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے حضور نے کچھ لیا ہے، پھر ہم نے دیکھا کہ حضور پیچھے ہٹ آئے، تو فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا چاہا کہ ایک گچھا لے لوں، اگر میں اسے لے لیے ہوتا تو جب تک دنیا رہتی تم لوگ اسے کھاتے اور میں نے جہنم کو دیکھا اس سے زیادہ ہولناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، جہنمیوں میں

اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

میں نے زیادہ تر عورتوں کو دیکھا' لوگوں نے عرض کیا: کیوں؟ یا رسول اللہ! تو فرمایا: ان کے کفر کی وجہ سے' عرض کیا گیا: کیا عورتیں اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں' اگر ان کے ساتھ زمانہ بھر احسان کرو اور پھر تم سے کوئی ناگوار بات دیکھیں گی تو کہیں گی: میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی ہے۔

(بخاری۔باب: الصلوٰۃ الکسوف جماعۃ ص ۴-۱۴۳' کتاب الایمان۔باب: کفران العشیر ص ۹' کتاب الصلوٰۃ۔باب: من صلی وقدامہ تنور او نار ص ۶۲' کتاب الاذان۔باب: رفع البصر الی الامام ص ۱۰۳' کتاب بدء الخلق۔باب: صفۃ الشمس والقمر بحسبان ص ۴۵۴' ج ۲۔ کتاب النکاح۔باب: کفران العشیر ص ۳-۷۸۲)

یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا صرف اخیر کا حصہ مذکور تھا: "اُرِیْتُ النَّارَ" سے اخیر تک' یہاں مفصل مذکور ہے۔ ابوداؤد[1] میں اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر اور مزی نے کہا: یہ وہم ہے' صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے۔

نحوا من قراءۃ سورۃ البقرۃ

اس سے قبل گزر چکا کہ اس نماز میں حضرت ابن عباس' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے' اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں قراءت بالجہر کی ہوتی تو وہ ضرور سنتے' پھر وہ یہ ضرور بتاتے کہ کون سی سورت پڑھی اور کتنی پڑھی۔ اور وہ یہ نہ فرماتے کہ سورۂ بقرہ کے قریب قریب قراءت کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف میں قراءت بالسر کی۔

بکفرھن

کفر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں' اور براءت و بیزاری ظاہر کرنے کے ہیں' یہاں مراد ناشکری ہے' چونکہ ناشکری کو احسان چھپانا اور محسن سے بیزاری لازم ہے۔ اس علاقے سے یہ ناشکری کے معنی میں ہے' کفر کے شرعی معنی ضروریاتِ دین میں سے کسی کا یا کل کا انکار کرنا ہے' چونکہ اس میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری ہوتی ہے' اس لیے اسے کفر کہتے ہیں۔ عرف عام میں کفر کا یہی معنی متعین ہے' اسی وجہ سے صحابہ کرام کو تعجب ہوا اور انہوں نے سوال کیا۔

٦٤١- ح: اَمَرَ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورج گہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا]

٦٤١- عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ.

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(بخاری۔باب: من احب العتاقۃ فی کسوف الشمس ص ۱۴۴' کتاب العتق۔باب: ما یستحب من العتاقۃ فی الکسوف ص ۳۴۲۔ ابوداؤد۔کتاب الاستسقاء' مسند امام احمد۔ج ۶ ص ۳۴۵)

٦٤٢- ح: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَزِعًا

[سورج گہن لگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھبرا کر اٹھے]

[1] ابوداؤد۔ج ۱ ص ۱۶۸۔کتاب الصلوٰۃ۔باب: القراءۃ فی صلوٰۃ الکسوف

٦٤٢- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَّخْشٰی اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ رَاَیْتُهٗ قَطُّ یَفْعَلُهٗ وَقَالَ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِهٖ وَلٰكِنْ ﴿یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ﴾ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَدُعَاۗءِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ.

(باب: الذکر فی الکسوف ص ١٤٥، مسلم، نسائی)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورج میں گہن لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اُٹھے، حضور کو اندیشہ ہوا کہ قیامت آ گئی، آپ مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے قیام اور رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ میں نے کبھی آپ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا، اور ارشاد فرمایا: ان نشانیوں کو اللہ عزوجل ہی بھیجتا ہے، کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا، اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب ان میں کچھ دیکھو تو اللہ کے ذکر اور دعا اور اس سے معافی مانگنے کی طرف بڑھو۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷- [کِتَابُ] سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

[قرآن مجید کے سجدوں کا بیان]

٦٤٣- ح: قَرَأَ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيْهَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ میں سورۂ نجم پڑھی اور سجدہ کیا]

٦٤٣- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ مَّعَهٗ غَيْرَ شَيْخٍ اَخَذَ كَفًّا مِّنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا فَرَاَيْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں سورۂ نجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا اور حضور کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے سجدہ کیا' علاوہ ایک بوڑھے کے جس نے ایک مٹھی کنکری یا دھول لی اور اسے اپنی پیشانی تک اٹھایا اور کہا: یہ مجھے کافی ہے' اس کے بعد میں نے اس کو دیکھا کہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

(بخاری۔ باب: فی سجود القران ص ۱۴٦' باب: سجدة النجم ص ۱۴٦' باب: مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۴۳' ج ۲' کتاب المغازی۔ باب: قتل ابی جهل ص ۵٦٦' کتاب التفسیر۔ باب: قوله فاسجدوا للّٰہ واعبدوه ص ۷۲۱' مسلم' ابوداؤد)

تفسیر میں ہے کہ پہلی سورت جس میں سجدہ ہے' سورۃ النجم نازل ہوئی' حالانکہ یہ طے ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرا نازل ہوئی ہے' اس میں بھی سجدہ ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ مراد یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں سجدہ ہے مکمل سب سے پہلے سورۃ النجم نازل ہوئی ہے' اور سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات تو ضرور سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں مگر اس کے اخیر کا حصہ بعد میں نازل ہوا ہے جن میں ابوجہل کی شرارتوں کا ذکر ہے اور اس کا رد ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ یہ اولیت اضافی ہے' اس طرح کہ ابن مردویہ نے یوں روایت کیا ہے کہ پہلی وہ سورت جس کا اعلان عام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا' وہ النجم ہے۔ نیز اسی میں یہ ہے کہ سب سے پہلی سورت جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین پر تلاوت فرمایا' وہ النجم ہے۔

غیر شیخ

تفسیر میں یہ ہے کہ یہ امیہ بن خلف تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ عقبہ بن ربیعہ تھا۔ طبری میں ہے کہ یہ سعید بن عاص تھا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت قریش کے دو شخصوں کے سوا سب نے سجدہ کیا' اس سے ان کا مقصود اپنی نام آوری تھی۔ نسائی میں مطلب بن ابووداعہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی تو سجدہ کیا اور حضور کے

ساتھ سب نے سجدہ کیا' میں نے اپنا سر اٹھالیا اور سجدہ کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف امیہ بن خلف کو دیکھا' جو دیکھا تھا اسے بیان فرمایا۔ ہوسکتا ہے کہ اور لوگوں نے بھی سجدہ نہ کیا ہو' جنہیں یہ نہیں دیکھ سکے کیونکہ مجمع عام تھا اور یہ پستہ قد بزرگ تھے کہ کھڑے ہونے پر بیٹھنے والوں کے برابر ہوتے تھے' اس لیے ان روایات میں تنافی نہیں' جس نے جو دیکھا وہ بیان کیا۔

مسائل

ہمارے نزدیک قرآن مجید میں چودہ جگہ سجدہ واجب ہے۔ تالی پر بھی اور سامع پر بھی' خواہ وہ واقعی سن رہا ہو یا سننے والوں کے حکم میں ہو' مثلاً مقتدی ہے اور امام نے آیت سجدہ تلاوت کی' یہ دور ہے قراءت نہیں سن رہا ہے' مگر اقتداء کی وجہ سے سامع کے حکم میں ہے' اس لیے اس پر بھی واجب ہے۔ امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے اس پر حدیث سے استدلال فرمایا: ''السجدة على من سمعها السجدة وعلى من تلاها'' جو سنے اس پر بھی سجدہ ہے اور جو تلاوت کرے اس پر بھی۔ اس پر یہ نقض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے' ثابت نہیں۔

اقول: ہم مقدمہ میں بھی اور کئی جگہ اثناء بحث میں بھی بتا آئے ہیں کہ فقیہ کا کسی حدیث سے استدلال اس کے لائق استدلال ہونے کی دلیل ہے' اگرچہ کتب مصنفہ میں وہ نہ ملے۔ بخاری[1] میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''السجود على من استمع'' اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد مروی ہے: ''السجدة على من سمعها'' جو سنے اس پر سجدہ ہے۔ رہ گیا تالی پر وجوب' یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں ہماری دلیل آیات سجود ہیں' جن میں ''فاسجدوا' واسجد'' صیغہ امر کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ اور بعض آیات میں سجدہ نہ کرنے والوں پر زجر و توبیخ بھی کی گئی ہے۔ امر میں اصل وجوب ہے' خصوصاً جب ترک پر زجر و توبیخ ہو۔ اس کا مقتضی تھا کہ سجدۂ تلاوت فرض ہوتا مگر چونکہ ان میں اس کا بھی احتمال تھا کہ نماز کا سجدہ مراد ہو' اس احتمال کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کا مراد ہونا قطعی نہ رہا' اس لیے فرض نہیں کیا گیا اور چونکہ ان آیات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا' اس سے اس کو ترجیح حاصل ہوگئی کہ مراد سجدۂ تلاوت ہے' مگر یہ ثبوت خبر احاد سے ہے' اس لیے وجوب کا حکم دیا گیا ہے۔

آیات سجدہ

ہمارے نزدیک چودہ آیتیں ایسی ہیں جن میں سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ اس سلسلے میں علامہ عینی نے گیارہ اقوال ذکر فرمائے ہیں' آج جن کے قائلین موجود ہیں وہ صرف چار ہیں: اوّل: ہمارا مذہب' دوسرا: امام شافعی کا اصح مذہب یہ ہے کہ چودہ ہیں۔ ان کے نزدیک سورۂ حج میں دو سجدے ہیں' سورۂ ص میں سجدہ نہیں اور یہی امام احمد کا قول ہے' تیسرے پندرہ ہیں' چودہ وہ جو ہمارے نزدیک ہیں اور سورۂ حج کا دوسرا سجدہ۔ مدنی حضرات نے امام مالک کا یہی مذہب روایت کیا ہے' امام احمد سے بھی یہی ایک روایت ہے' چوتھے گیارہ۔ مفصل کے تین سجدے چھوڑ کر بقیہ سب یعنی بہ استثنائے سورۂ نجم' سورۂ انشقاق' سورۂ اقراء۔ امام مالک سے ظاہر روایت یہی ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

ہمارے نزدیک سورۂ حج میں اٹھارھویں آیت پر سجدہ ہے' یعنی ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ'' اور ستتر ویں یعنی ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

(صفحہ سابقہ کے حوالہ جات) [1] فتح الباری۔ ج ۲ ص ۴۵۶ [2] نسائی۔ ج ۱ ص ۱۵۲۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: السجود فی النجم

[1] بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: ازدحام الناس ص ۱۴۶

اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" اس میں رکوع کے ذکر نے یہ متعین کردیا کہ اس سجدے سے نماز کا سجدہ مراد ہے جیسے رکوع سے بالاتفاق نماز کا رکوع مراد ہے ورنہ لازم کہ اس آیت پر رکوع بھی کریں اور اس کے قائل نہ امام مالک ہیں نہ امام شافعی نہ کوئی اور امام۔

٦٤٤- ح: لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ [(صٓ) حتمی سجدوں میں سے نہیں ہے]

٦٤٤- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صٓ حتمی سجدوں میں سے نہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: سجدۃ ص ١٤٦' کتاب الانبیاء۔ باب: واذکر عبدنا داوٗد ذالاید ص ٤٨٦)

ہمارے نزدیک سورۂ ص میں آیۂ کریمہ "وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝" (ص: ٢٣) اب داؤد نے سمجھا کہ ہم نے اسے آزمایا تھا تو معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا۔ پر سجدہ واجب ہے' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واجب نہیں' البتہ نماز کے باہر مستحب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے اور ہماری دلیل کتاب الانبیاء (باب: ص ٤٨٦' ج ٢۔ سورۂ ص ص ١٠۔ ٧٠٩) کتاب التفسیر میں روایت ہے کہ امام مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا: کیا آپ ص میں سجدہ کرتے ہیں؟ تو انہوں نے "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ" سے لے کر "فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ" تک تلاوت کی' یعنی ابراہیم کی نسل سے داؤد اور سلیمان ہیں' تم ان کی راہ پر چلو۔ (الانعام: ٨٤۔ ٩٠) پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کی راہ چلیں۔ کتاب التفسیر میں ہے: اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا۔ اس سے قبل والی حدیث میں یہ زائد ہے کہ حضرت ابن عباس اس میں سجدہ کرتے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ پھر ماوشما پر بھی فرض ہے کہ ان کی پیروی کریں۔ نسائی[1] میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ص میں سجدہ کرتے دیکھا ہے' فرمایا: داؤد نے توبہ کے لیے سجدہ کیا تھا اور ہم شکر کے لیے کرتے ہیں۔ نیز ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورۂ ص پڑھی اور منبر سے اتر کر سجدہ فرمایا۔ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ص میں سجدہ کیا۔ حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ص میں سجدہ کیا۔ نیز حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم اس میں سجدہ کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۂ ص میں سجدہ ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ٧ ص ٩٨)

ایک اغلاق

اس حدیث سے پہلے امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے کہ سورۂ تنزیل السجدہ میں سجدہ۔ اس کے ضمن میں حضرت ابوہریرہ والی حدیث: ٥٦٠ لائے ہیں' جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر میں الم تنزیل اور ھل اتٰی پڑھتے تھے۔ اس پر علامہ عینی نے فرمایا کہ اسے باب سے کوئی مطابقت نہیں۔

اقول: سورۂ الم تنزیل میں آیۂ کریمہ یہ "اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا. الاية" (السجدہ: ١٥) ہے' ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں جنہیں ہماری آیتیں جب یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

غالباً امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اس سورت میں سجدہ ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت پڑھا کرتے تھے تو سجدہ بھی کرتے

[1] نسائی۔ ج ١ ص ١٥٢۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: السجود فی صٓ

تھے' باب سے اتنی مناسبت کافی ہے' اگرچہ ہمارے نزدیک بلکہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک اس جگہ سجدہ نہیں۔

ت ۲۰۶- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْجُدُ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بغیر وضو بھی سجدہ کرلیا کرتے تھے۔

(بخاری۔ باب: سجود المسلمین والمشرکین ص ۱۴۶)

یہاں اکثر روایات یہی ہیں' البتہ اصیلی کی روایت "علی وضوء" ہے "غیر" کے حذف کے ساتھ مگر "غیر وضوء" والی روایت صحیح ہے' اس لیے کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا کہ حضرت سعید بن جبیر شہید مظلوم کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنی سواری سے اترتے اور پیشاب کرتے' پھر سوار ہوکر آیت سجدہ پڑھتے' پھر سجدہ کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

یہاں امام بخاری نے آیہ کریمہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" (التوبہ:۲۸) ذکر فرمائی ہے' اس سے کیا مقصود ہے؟ یہ غور طلب ہے۔ اگر امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ مشرکین نجس ہیں' اور انہوں نے سجدہ کیا تو ثابت کہ حالت نجاست میں سجدہ صحیح ہے' تو حالت حدث میں بہ درجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔

اقول: اور یہ قریب قریب اجماع کے خلاف ہے' سوائے حضرت ابن عمر اور شعبی کے پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاوضو سجدۂ تلاوت صحیح نہیں۔ ثانیاً: مشرکین غسل جنابت نہیں جانتے تھے تو جنبی بھی تھے' تو کیا حالت جنابت میں سجدۂ تلاوت درست ہے؟ ثالثاً: سجدۂ تلاوت عبادت ہے اور صحت عبادت کے لیے ایمان شرط' پھر مشرکین کا یہ سجدہ کالعدم' پھر اس سے استدلال کیسے درست؟ مگر یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت جتنے مسلمان موجود تھے سب نے سجدہ کیا' اور ظاہر ہے کہ سب کے سب باوضو نہ رہے ہوں گے' اس لیے کہ پہلے سے وہ سجدۂ تلاوت کرنے یا نماز کے لیے جمع نہ تھے' تو ثابت ہوا کہ بلاوضو سجدہ درست ہے' لیکن یہ بالکل ابتداء کی بات ہے' اس لیے اس میں کلام کی گنجائش ہے۔

۶۴۵- ح: سَجَدَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ

[مسلمانوں اور مشرکوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سورۂ نجم میں سجدہ کیا]

۶۴۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم میں سجدہ کیا تو حضور کے ساتھ مسلمانوں' مشرکوں' جن و انس نے سجدہ کیا۔

(بخاری۔ باب: سجود المسلمین والمشرکین۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ والنجم ص ۷۲۱' ترمذی)

اس سلسلے میں تفسیر کی کتابوں میں ایک نہایت ہی لغو حکایت تحریر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں اور مشرکوں کے ملے جلے مجمع میں سورۃ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے' جب "اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰىO وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰىO" (النجم:۲۰-۲۱) پر پہنچے تو شیطان نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مثل بنا کر یہ پڑھ دیا: "تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترجى" حاضرین نے سمجھا کہ یہ حضور ہی کی تلاوت ہے' اس پر مشرکین بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کی تعریف کرنے لگے ہیں' اس لیے جب حضور نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا' چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وقفہ وقفہ سے تلاوت کرتے تھے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں اور جو یاد کرنا چاہیں' یاد کرلیں' اس لیے شیطان کو موقع مل گیا' یہ سب سے محفوظ روایت ہے ورنہ اس سے بھی زیادہ خطرناک روایتیں موجود ہیں' مثلاً یہ کہ شیطان نے خود حضور کو یہ القاء کیا اور حضور نے بھی تلاوت کی' پھر جبریل آئے اور عرض کیا: تلاوت کیجئے!

تو حضور نے اس کلمہ کفر کی بھی تلاوت کی تو جبریل نے تصحیح کی کہ میں یوں نہیں لایا تھا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ. (الحج:۵۲)

تم سے پہلے والے ہر رسول اور ہر نبی کے پڑھنے میں شیطان نے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ ملا دیا' اللہ شیطان کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے۔

امام قاضی عیاض اور علامہ عینی وغیرہ نے اس کی صحت کا شدومد کے ساتھ انکار فرمایا اور اسے باطل محض قرار دیا' اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے تبلیغ رسالت میں خطا و سہو بھی شرعاً محال ہے' چہ جائیکہ شیطان کی مداخلت۔ حضور اقدس ﷺ کے لیے وعدۂ الٰہی ہے کہ ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' (المائدہ:۶۷) تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان سے محفوظ نہ رکھے۔ وہ بھی تبلیغ احکام میں خود ارشاد فرمایا: ''ولکن اعاننی اللّٰہ علیہ فاسلم'' اللہ نے شیطان کے مقابلے میں میری مدد فرمائی تو میں اس سے سلامت رہتا ہوں۔ اور جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور کی شبیہ نہیں اختیار کر سکتا' تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بیداری میں وہ تلاوتِ وحی کے وقت شیطان آپ کی آواز کے مثل آواز پیدا کر کے وحی میں خلط ملط کر سکے۔

اقول: اس قصے کی تغلیط خود بعد کی آیتیں کر رہی ہیں' ارشاد ہے:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ○ (النجم:۲۱-۲۳)

کیا تمہارے لیے بیٹا اور اللہ کے لیے صرف بیٹی ○ یہ بہت ہی بھونڈی تقسیم ہے ○ یہ صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اُتاری ہے' یہ لوگ صرف گمان اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کر رہے ہیں' حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے ○

کیا یہ لات و عزیٰ اور مناۃ کی کھلم کھلا اس طرح دھجیاں بکھیرنے کے بعد بھی مشرکین اتنے بدھو تھے کہ وہ نہیں سمجھ پائے کہ حضور اقدس ﷺ ان کے معبودانِ باطل کو قلع قمع کرنے کے لیے تحریک چلا رہے ہیں' جس نے مکہ کے ان مشرکین کو اتنا بڑا بدھو سمجھا اس سے بڑھ کر بدھو کون؟ یہ آیات صاف صاف بتا رہی ہیں کہ لات و مناۃ کی کوئی بنیاد نہیں اور جب ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں تو بارگاہ خداوندی میں ان کی شفاعت کا سوال ہی نہیں' انہیں معبود جاننا نفس کی پیروی ہے۔ ان کے بالمقابل ہدایت آ چکی ہے' پھر اس کلمہ کفر کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے' جس پر پھول کر مشرکین نے سجدہ کر لیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مشرکین نے اس عداوت و مخالفت کے باوجود سجدہ کیسے کر لیا؟

اقول: اس قسم کا سوال صرف یہیں نہیں پیدا ہوتا بلکہ سینکڑوں جگہ پیدا ہوتا ہے جس کو آج تک حل نہیں کیا جا سکا۔ عہد مبارک کی ہزاروں باتیں پردۂ خفا میں ہیں' ایک یہی نہیں۔ کیا جہاں جہاں اس قسم کے سوالات پیدا ہوں اور حل نہ ہو سکیں تو حل کے لیے فرضی قصہ بنا کر چسپاں کرنا دیانت ہے' جس کی تکذیب قرآن مجید و احادیث اور اُمت کے مسلمہ اصول کر رہے ہوں۔ ہوئی ہوگی کوئی بات جس سے متاثر ہو کر مشرکین نے بھی سجدہ کر لیا' وہ بھی سب نے کہاں کیا' گزر گیا کہ کچھ ایسے تھے جنہوں نے اس وقت بھی سجدہ نہیں کیا' رہ گئی سورۂ حج کی آیت مذکورہ تو اس سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کے اُمت میں پھیلنے کے بعد شیطان اس میں کچھ ملا دیتا ہے اور لوگ اسے کلامِ الٰہی جاننے لگتے ہیں تو رسول کی حیاتِ ظاہری میں اللہ عزوجل اس پر تنبیہ فرما کر اسے مٹا دیتا ہے اور اپنے ارشادات کو محفوظ

کر دیتا ہے' جیسا کہ مسلم[1] میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں دو پہر کو خدمت اقدس میں حاضر ہوا' حضور نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے' تو حضور ہم میں تشریف لائے اور غضب کے آثار آپ کے چہرۂ اقدس میں ظاہر تھے۔ ارشاد فرمایا: تم سے پہلے والے کتاب اللہ میں اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ مسند امام احمد[2] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سورۂ احقاف ایک شخص کو پڑھتے ہوئے سنا' اس نے کچھ پڑھا اور دوسرے شخص نے کچھ اور' میں نے کچھ اور' ہم سب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا عرض کیا تو فرمایا: کتاب اللہ میں اختلاف مت کرو' تم سے پہلے والے کتاب اللہ میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے' تم میں سب سے بڑا جو قاری ہو اس کی قراءت اختیار کرو۔

٦٤٦- ح: قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ

[میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (سورۂ) ''وَالنَّجْمِ'' پڑھی]

٦٤٦- عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا.

عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس والنجم پڑھی اور حضور نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: من قرأ السجدة ولم يسجد ص ۱۴۶' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

اس سے قبل روایت میں ہے: ''انه سال'' یعنی عطاء بن یسار نے حضرت زید سے سوال کیا' کیا سوال کیا؟ مسئول عنہ محذوف ہے' مگر مسلم میں یہی حدیث مفصل ہے' اس میں مسئول عنہ مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام کے ساتھ قراءت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ امام کے ساتھ قراءت نہیں۔ اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سورۂ والنجم پڑھ کر سنائی اور آپ نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا' اخیر کا ارشاد بہ طور مزید اضافہ تھا۔

اس حدیث سے چار فریقوں نے استدلال کیا ہے' ایک وہ جو یہ کہتا ہے کہ سورۂ والنجم میں سجدہ نہیں۔ دوسرے وہ فریق جو سجدہ تلاوت کو واجب نہیں جانتے۔ تیسرے وہ جو صرف تالی پر واجب جانتے ہیں اور سامع پر نہیں۔ چوتھے وہ جو کہتے ہیں کہ اگر تالی سجدہ کرے تو سامع بھی کرے' ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ سورۂ والنجم میں سجدہ ہے' تالی پر بھی اور سامع پر بھی خواہ تالی سجدہ کرے خواہ نہ کرے۔ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ فی الفور حضور نے سجدہ نہیں فرمایا' خواہ اس وجہ سے کہ وضو نہ رہا ہو' خواہ اس وجہ سے کہ وہ وقت مکروہ رہا ہو' جبکہ دوسرے دلائل سے سجدۂ تلاوت کا وجوب ثابت ہے۔ اور سورۂ والنجم میں سجدہ ہونا حدیث صحیح سے ثابت' تو ان حضرات کے استدلالات ساقط' اور پہلے ہم ثابت کر آئے کہ سجدۂ تلاوت سامع اور تالی دونوں پر ہے' اگر تالی سجدہ نہ کرے تو بھی سامع پر ہے۔

٦٤٧- ح: قَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ (الانشقاق: ۱) فَسَجَدَ بِهَا

[جب انہوں نے ''اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ'' پڑھی تو سجدہ کیا]

٦٤٧- عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ (الانشقاق: ۱) فَسَجَدَ بِهَا فَقُلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَلَمْ أَرَكَ تَسْجُدُ قَالَ لَوْ لَمْ أَرَ

ابو سلمہ نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے سورۂ اذا السماء انشقت پڑھی تو اس میں سجدہ کیا۔ میں نے عرض کیا: اے ابو ہریرہ! کیا میں نے آپ کو سجدہ کرتے نہیں دیکھا' تو

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۳۳۹۔ کتاب العلم　[2] مسند امام اعظم۔ ج ۲ ص ۴۰۱

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ لَمْ اَسْجُدْ.

فرمایا: اگر میں نے نبی ﷺ کو سجدہ کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں سجدہ نہیں کرتا۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: سجدۃ اذا السماء انشقت ص ۱۴۶، مسلم نسائی ابوداؤد ابن ماجہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورہ اذا السماء انشقت میں سجدہ ہے، یہی ہمارا اور امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے، اس کے برخلاف ابوداؤد[1] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مفصل کی کسی سورہ میں سجدہ نہیں کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے وجوہ ضعف کو علامہ عینی نے مفصل بیان فرمایا ہے، نیز اگر روایۃً ثابت بھی ہوتی تو معناً فاسد ہے، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور اقدس ﷺ کے وصال سے تین سال پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو سورۂ اذا السماء انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

(طحاوی۔ باب: المفصل هل فيه سجود ام لا ص ۱۷۵)

ت ۲۰۷- وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لِتَمِيْمِ بْنِ حَذْلَمٍ وَّهُوَ غُلَامٌ فَقَرَاَ عَلَيْهِ سَجْدَةً فَقَالَ اسْجُدْ فَاِنَّكَ اِمَامُنَا فِيْهَا.

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمیم بن حذلم سے فرمایا: یہ نوعمر تھے، انہوں نے ان کے سامنے آیت سجدہ پڑھی کہ سجدہ کر، اس لیے کہ تم اس میں ہمارے امام ہو۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: من سجد بسجود القاری ص ۱۴۱)

اس اثر کو سعید بن منصور نے موصولاً روایت کیا ہے، یہاں یہ باب ہے: جو قاری کے سجدہ کرنے کی وجہ سے سجدہ کرے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس باب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سامع بھی نہ کرے۔ وہ یہ اشارہ بہ طور مفہوم مخالف نکال رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کا یہی مقصد ہو، لیکن صحیح یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت سامع اور قاری دونوں پر ہے جیسا کہ گزر چکا، اس لیے کہ سجدۂ تلاوت کا سبب، قاری کا سجدہ کرنا نہیں، اس کا تعلق آیت سجدہ کی تلاوت اور اس کے سننے سے ہے۔ سامع نے سنا ہے، اس لیے اس پر مستقل سجدہ ہے، امام کرے یا نہ کرے۔ رہ گیا حضرت ابن مسعود کا ارشاد، یہ تمیم بن حذلم کی تعلیم کے لیے تھا، وہ کم عمر تھے یہ نہیں جانتے تھے کہ سجدۂ تلاوت بھی کوئی چیز ہے، تو انہیں تعلیم دی کہ یہ آیت سجدہ ہے، اس پر سجدہ کرو۔ امام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ تمہاری تلاوت کی وجہ سے ہم پر سجدہ واجب ہوا ہے تو ہم اس میں تمہارے تابع ہوئے تم متبوع۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر تم سجدہ نہ کرو گے تو ہم پر بھی سجدہ نہیں، اس لیے کہ گزر چکا کہ سامع پر مستقل سجدہ واجب ہے، قاری کرے یا نہ کرے۔

امام ابن ہمام نے فرمایا: اگر کسی جماعت کے سامنے کوئی آیت سجدہ تلاوت کرے تو سنت یہ ہے کہ سب لوگ صف باندھیں اور تالی کو امام بنائیں، البتہ یہ امام قوم کے آگے نہیں رہے گا، اس لیے کہ حقیقت میں جماعت نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ امام سے پہلے سر نہ اُٹھائیں۔ (فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۴۶۶، ۴۳۱ لکھنؤ)

کشمیری صاحب کا خبط

فیض الباری میں ہے کہ اس موقع پر صف بنا کر سجدہ کرنے کو شیخ ابن ہمام نے مستحب لکھا ہے، حالانکہ فتح القدیر میں یہ مسئلہ دو جگہ مذکور ہے، دونوں جگہ سنت لکھا ہے، البتہ امام سے پہلے سر نہ اُٹھانے کو مستحب لکھا ہے جسے کشمیری صاحب نے صف بندی کرکے سجدہ کرنے کے ساتھ فٹ کر دیا ہے۔ حضرت ابن مسعود کے اس ارشاد کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے۔

۶۴۸- ح: يَقْرَاُ السَّجْدَةَ [آپ (ﷺ آیت) سجدہ پڑھتے تو سجدہ کرتے

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۹۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من لم یر السجود فی المفصل

فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ — اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے]

۶۴۸- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیت سجدہ پڑھتے اور ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضور سجدہ کرتے اور ہم بھی حضور کے ساتھ سجدہ کرتے، اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ ہمیں کوئی جگہ پیشانی رکھنے کے لیے نہ ملتی کہ جس پر سجدہ کریں۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: من سجد لسجود القاری ص ۱۴۶۔ دو طریقے سے، باب: من لم یجد موضعا للسجود من الزحام ص ۱۴۷، مسلم، ابوداؤد)

اگر باب مذکور کا مطلب یہ لیا جائے کہ قاری سجدہ کرے تو سامع بھی کرے ورنہ نہیں، تو حدیث سے باب کی مطابقت نہیں ہوگی، اس لیے کہ حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت سجدہ کی تلاوت پر حضور نے بھی سجدہ کیا اور صحابہ نے بھی۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سامع بھی نہ کرے، اس لیے باب کا مطلب یہی ہے کہ اگر بھیڑ اتنی ہو کہ سجدہ کرنے کی جگہ نہ ہو تو اپنے آگے والے کی پیٹھ پر سجدہ کر لے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدۂ تلاوت خارج صلوٰۃ تلاوت پر بھی ہے، اس لیے کہ کہیں مروی نہیں کہ صحابہ کرام نے عہد رسالت میں اتنی بھیڑ میں نماز پڑھی ہو کہ سجدے کی جگہ نہ ملے۔ ہوا یہ ہوگا کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوں گے اور حضور نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا تو صحابہ کرام جیسے بیٹھے تھے سجدے میں جھک گئے اور چونکہ مل جل کر بیٹھے تھے، اس لیے سجدہ کی جگہ نہ ملی۔

ت ۲۰۸- قِيْلَ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الرَّجُلُ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَجْلِسْ لَهَا قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا. (بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: ان اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ایک شخص آیت سجدہ سنتا ہے اور اس کے لیے بیٹھا نہیں تو فرمایا: بتاؤ! اگر وہ اس کے لیے بیٹھا ہوتا تو کیا ہوتا؟ (گویا وہ سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں جانتے تھے)

اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے، یہاں باب کا عنوان یہ ہے: جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ عزوجل نے سجدہ واجب نہیں فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اثر سے باب ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ ''لو قعدلها'' کی جزاء محذوف ہے۔ غالباً امام بخاری نے اس کی جزاء محذوف ''لم يجب عليه السجدة'' مانا ہے، اسی لیے یہ اضافہ فرمایا: ''كانه لا يوجبه'' گویا وہ اسے واجب نہیں جانتے تھے۔ ہم کہتے ہیں: اس کی جزا محذوف ''ما زاد شيئا'' ہے، یعنی چلتے چلتے آیت سجدہ سن لی، اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہو گیا اور بیٹھ بھی جاتا تو یہی ہوتا کہ سجدۂ تلاوت واجب تھا، واجب رہتا۔ مزید اور سجدہ واجب نہ ہوتا، اور سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں کہ رک کر فوراً کرتا، کبھی کر لے گا۔ بیٹھتا تو بھی علی الفور واجب نہ ہوتا، پھر چلے جانے اور بیٹھنے میں کیا فرق۔

ت ۲۰۹- وَقَالَ سَلْمَانُ مَا لِهٰذَا غَدَوْنَا.

اور حضرت سلمان نے کہا کہ ہم اس کے لیے نہیں آئے ہیں۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: ان اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۶)

اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی مسجد میں آئے اور مسجد میں کچھ لوگ قرآن مجید پڑھ رہے تھے، ان لوگوں نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا تو ان کے ساتھی نے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا اچھا ہوتا کہ ہم ان کے پاس نہ چلتے، تو فرمایا: ہم اس کے لیے نہیں آئے ہیں۔ اور امام عبدالرزاق نے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت سلمان کچھ لوگوں کے پاس

سے گزرے جو بیٹھے تھے تو ان لوگوں نے آیت سجدہ پڑھی اور سب نے سجدہ کیا۔ ان سے گزارش کی گئی تو فرمایا: ہم اس کے لیے نہیں آئے ہیں۔

اس سے علی سبیل البدلیت دو باتیں ثابت ہو رہی ہیں' یا تو حضرت سلمان سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں جانتے تھے' یا یہ کہ وہ سجدہ تلاوت صرف اس شخص پر واجب جانتے تھے جو بالقصد قرآن مجید سنے اور یہی دوسرا پہلو ظاہر ہے' اگرچہ اس تقدیر پر باب سے مناسبت نہیں رہے گی۔

ت ٢١٠- وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلٰى مَنِ اسْتَمَعَهَا. (ایضا)

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سجدہ صرف اس شخص پر ہے جو بالقصد آیت سجدہ سنے۔

اس تعلیق کو امام عبد الرزاق نے سند متصل کے ساتھ یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک واعظ کے قریب سے گزرے تو اس نے آیت سجدہ پڑھی تاکہ حضرت عثمان بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں' تو حضرت عثمان نے فرمایا: سجدہ صرف اس پر ہے جو بالقصد اسے سنے' پھر آگے بڑھ گئے۔

مناسبت باب

یہ تینوں آثار اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں جبکہ باب کا عنوان یہی ہے' یہ زیادہ سے زیادہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جو بالقصد نہ سنے اس پر سجدہ نہیں بلکہ حضرت عثمان کے ارشاد سے بالقصد سننے والے پر سجدۂ تلاوت کا وجوب صراحۃً ثابت ہے' اس لیے کہ ''علی'' وجوب پر نص ہے' یہ باب کے معارض ہے۔

ت ٢١١- وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا تَسْجُدْ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ طَاهِرًا فَاِذَا سَجَدْتَّ وَاَنْتَ فِيْ حَضَرٍ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَاِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلَا عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ. (ایضا)

اور امام زہری نے فرمایا: اگر تم پاک نہ ہو تو سجدہ مت کرنا' اگر مقیم ہو اور سجدہ کرو تو قبلہ کو منہ کرو اور جب سواری پر ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں جدھر بھی تمہارا منہ ہو۔

اس تعلیق کو عبد اللہ بن وہب نے موصولاً ذکر کیا ہے' اس تعلیق کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت شرط ہے' یہ نہ سجدۂ تلاوت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور نہ عدم وجوب پر۔ باب کی مطابقت دوسرے جز سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ فرض و واجب سواری پر اور بغیر استقبال قبلہ کے صحیح نہیں اور جب امام زہری نے سواری پر سجدۂ تلاوت کی اجازت دی' تو وہ بھی اس تعمیم کے ساتھ کہ چاہے قبلہ کو منہ ہو' چاہے نہ ہو' تو معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں نفل ہے۔

ت ٢١٢- وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ لَا يَسْجُدُ لِسُجُوْدِ الْقَاصِّ. (ایضا)

اور حضرت سائب بن یزید واعظ کے سجدہ کرنے پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر سجدہ نہ کرنا' ہوسکتا ہے کہ اس بناء پر ہو کہ وہ آیت سجدہ سنتے ہی نہ ہوں یا یہ کہ اس وقت نہ کرتے ہوں' بعد میں کر لیتے ہوں۔

٦٤٩- ح: قَرَاَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُوْرَةِ النَّحْلِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ النحل پڑھی]

٦٤٩- اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ

ابو بکر بن ابی ملیکہ نے عثمان بن عبد الرحمن تیمی سے روایت کرتے ہوئے انہوں نے ربیعہ بن عبد اللہ بن ہدیر تیمی سے روایت

التَّيْمِيِّ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّكَانَ رَبِيعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ عَمَّا حَضَرَ رَبِيعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَرَاَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُوْرَةِ النَّحْلِ حَتّٰى اِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَاَ بِهَا حَتّٰى اِذَا جَاءَ السَّجْدَةُ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ اَصَابَ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

کرتے ہوئے اس واقعہ کی خبر دی جو اس وقت پیش آیا جب حضرت ربیعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر تھے ابوبکر نے کہا کہ حضرت ربیعہ اچھے لوگوں میں سے تھے کہ حضرت عمر نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل پڑھی جب آیت سجدہ آئی تو منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور سب لوگوں نے بھی سجدہ کیا یہاں تک کہ جب آئندہ والا جمعہ آیا تو اسے پھر پڑھا جب سجدہ کی آیت آئی تو فرمایا: اے لوگو! ہم آیت سجدہ سے گزر جاتے ہیں جو سجدہ کرلے تو ٹھیک ہے نہ کرے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔

(بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: ان اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷)

"عما حضر ربیعة" میں "عما حضر" "اخبرنی" سے متعلق ہے اور "عن عثمان بن عبد الرحمٰن" میں "راویاً" محذوف ہے "ما" مصدریہ ہے تقدیر عبارت یہ ہوئی: "اخبرنی ابوبكر بن ابی ملیكة راویاً عن عثمان بن عبدا الرحمٰن عن قصة حضور ربیعة مجلس عمر رضی اللّٰه عنه" یعنی ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مجلس کی خبر دی جس میں وہ حاضر تھے۔

فقد اصاب

"اصاب" کا مفعول بہ "السنة" ہے مطلب یہ ہوا کہ جس نے فوراً سجدہ کرلیا اس نے سنت پر عمل کیا اور جس نے فوراً سجدہ نہیں کیا اس پر گناہ نہیں۔ سجدۂ تلاوت فوراً واجب نہیں یہی بتانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے جمعہ کو سجدہ نہیں کیا۔

ت ۲۱۳- وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُوْدَ اِلَّا اَنْ نَشَاءَ. (بخاری۔ کتاب سجود القرآن۔ باب: من رای ان اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷)

اور نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہوئے یہ زیادہ کیا (حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا) کہ اللہ نے سجدۂ تلاوت فرض نہیں فرمایا ہے مگر یہ کہ ہم چاہیں۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ "وزاد نافع الخ" ابن جریج کا قول ہے جو سند مذکور کے ساتھ مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے اور "ان اللّٰه لم یفرض الخ" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے مگر علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے جیسا کہ کرمانی نے کہا اور معلق ہے جیسا کہ امام حمیدی اور امام مزی نے فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

لم یفرض

اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے جب ہم آیت سجدہ تلاوت کریں اور آیت سجدہ کی تلاوت ہمارے اختیار میں ہے ہم چاہیں تلاوت کریں چاہیں تو نہ کریں۔ ایسا نہیں کہ اللہ عزوجل نے ہم پر یہ فرض فرمایا ہے کہ ہم آیت سجدہ ضرور تلاوت کریں اور پھر سجدہ کریں۔ اگر آیت سجدہ تلاوت نہ کریں تو گنہگار ہو جائیں ایسا نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸- اَبْوَابُ [کِتَابُ] تَقْصِیْرِ الصَّلٰوۃِ

[نمازِ قصر کا بیان]

۶۵۰- ح: اَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِسْعَۃَ عَشَرَ یَقْصُرُ

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ میں) انیس دن قیام کیا اور قصر کرتے رہے]

۶۵۰- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ اَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِسْعَۃَ عَشَرَ یَقْصُرُ فَنَحْنُ اِذَا سَافَرْنَا تِسْعَۃَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَاِنْ زِدْنَا اَتْمَمْنَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ میں) انیس دن قیام فرمایا اور قصر کرتے رہے، اس لیے ہم لوگ جب انیس دن کے لیے کہیں جاتے تو قصر کرتے اور اگر اس سے زیادہ کے لیے جاتے تو پوری پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: ما جاء فی التقصیر ص ۱۴۷، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح ص ۶۱۵، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

توضیح باب

یہاں باب کے دو عنوان ہیں: ''تقصیر الصلوٰۃ'' اور ''کم یقیم حتی یقصر'' پہلا عنوان واضح ہے، دوسرا عنوان توضیح طلب ہے۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اگر کہیں چند دن رہنے کا ارادہ ہو تو کتنے دنوں تک رہنے پر قصر ہے اور کتنے دنوں کے بعد پوری نماز ہے۔ بہ ظاہر یہ جملہ اس معنی کو ادا نہیں کرتا، اس لیے کہ اس کا ترجمہ یہ ہے: کتنے دن ٹھہرے یہاں تک کہ قصر کرے، بلکہ جملہ ہی مہمل ہو جاتا ہے اس لیے کہ ''حتی'' انتہائے غایت کے لیے آتا ہے، اقامت قصر کا سبب نہیں اور نہ قصر اقامت کی غایت، اس لیے شراح کو توجیہ میں بڑی عرق ریزی کرنی پڑی۔ سب سے عمدہ توجیہ علامہ عینی کی ہے کہ یہاں ''کم'' استفہامیہ ہے، معنی میں ''ای عدد'' کے، اور ''حتی'' تعلیل کے لیے ہے۔ ''حتی'' تین معنوں کے لیے آتا ہے: انتہائے غایت اور یہی اکثر ہے، تعلیل کے لیے اور ''الا'' کے معنی میں استثناء کے لیے۔ ''یقیم'' ''یمکث'' کے معنی میں ہے، ترجمہ یہ ہوا کہ کتنے دن کہیں ٹھہرے تو قصر کرے؟ اس کا جواب محذوف ہے، مثلاً انیس دن یا پندرہ دن۔

تسعۃ عشر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دن مکہ میں رہے؟ اس بارے میں چار روایتیں ہیں۔ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ دس دن اسے اصحاب ستہ نے روایت کیا۔ ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں ہے کہ سترہ دن، انہیں کی دوسری حدیث

میں ہے کہ پندرہ دن جسے ابوداؤد (ایضاً) نسائی، ابن ماجہ نے[1] انہیں روایت کیا ہے۔ ابوداؤد[2] ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عمران بن حصین کی ایک حدیث میں ہے کہ اٹھارہ دن۔ یہاں بخاری میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ انیس دن۔

تطبیق یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو دس دن کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دس دن قیام فرمایا، اسی میں منٰی میں قیام بھی داخل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چار ذوالحجہ یک شنبہ کی صبح کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور چودہ ذوالحجہ ہی کی صبح کو چہار شنبہ کو مدینہ کے لیے چلے اور بقیہ اختلافات فتح مکہ کے موقع پر قیام کے بارے میں ہے۔ ان روایتوں میں بیہقی نے یہ تطبیق دی ہے، مکہ معظمہ میں کل قیام سترہ دن تھا، جن لوگوں نے یوم خروج و یوم دخول کو لیا، انہوں نے انیس کہا اور جن لوگوں نے ان میں سے ایک لیا، انہوں نے اٹھارہ کہا اور جنہوں نے دونوں کو چھوڑ دیا، سترہ کہا۔ اور پندرہ دن کی روایت ضعیف ہے، جیسا کہ امام نووی نے خلاصہ میں کہا ہے، علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ روایت بھی صحیح ہے، اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بہ طریق ابن اسحاق اور نسائی نے بہ طریق عراک بن مالک روایت کیا، اگر علامہ نووی نے ابن اسحاق کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے تو درست نہیں، اوّلاً ابن اسحاق ثقہ ہیں جیسا کہ گزر چکا۔ ثانیاً جب دوسرے طریقے سے مروی ہے جس میں کوئی طعن نہیں تو اسے ضعیف کہنا درست نہیں۔ اب توجیہ یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے، اس لیے ترجیح سترہ ہی کی روایت کو ہوئی۔

وطن اقامت

انسان کہیں جائے اور کچھ دن قیام کا ارادہ ہو تو اسے وطن اقامت کہتے ہیں۔ از روئے شرع کوئی جگہ کسی کی وطن اقامت کب ہوتی ہے؟ اس میں بائیس اقوال ہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی آبادی میں پندرہ دن رہنے کا ارادہ ہو تو وہ جگہ وطن اقامت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں امام مجاہد سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتے تو چار رکعت پڑھتے[3] امام طحاوی نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ ان حضرات نے فرمایا: جب تو کسی شہر میں آئے اور مسافر ہو اور تیرے جی میں یہ ہے کہ وہاں پندرہ دن ٹھہرے گا تو نماز پوری کر۔ اور اگر یہ معلوم نہیں کہ کب واپس ہوگا تو قصر کر[4] رہ گیا فتح مکہ کے موقع پر سترہ دن قیام کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کرنا، ہوسکتا ہے کہ اس بناء پر ہو کہ ارادہ یہی رہا ہو کہ پندرہ دن سے کم میں وہاں سے کوچ فرمادیں گے مگر کسی وجہ سے قیام کی مدت بڑھ گئی۔ مکہ معظمہ ابھی فتح ہوا تھا، لوگوں کے جسم مغلوب ہو گئے تھے مگر دل میں اسلام جاں گزیں نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت بلال نے بام کعبہ پر چڑھ کر جب پہلی اذان دی تو عتاب بن اسید نے کہا: اللہ نے میرے والد پر مہربانی کی (کہ اُسے اٹھالیا) تاکہ یہ (اذان نہ سنے) سنتا تو کڑھتا[5] ایک اور سردار نے کہا: اب جینا بیکار ہے۔ (اصابہ) ایسی صورت میں عین ممکن ہے کہ ایسی اطلاعات مل جاتی رہی ہوں کہ ان کے پیش نظر استحکام امن کے لیے لوٹنے کا ارادہ ہوتے ہوئے بھی مصلحتاً مدت بڑھادی جاتی ہو۔ ایسی صورت میں جبکہ ارادہ ہو کہ پندرہ دن کے اندر اندر یہاں سے واپس ہونا ہے مگر کسی وجہ سے برسوں لگ گئے، تو قصر ہی کرے گا۔ امام شافعی کے نزدیک یہ مدت چار دن ہے مگر یہ حجۃ الوداع کے واقعہ سے

(حوالہ سابقہ صفحہ) ا۔ ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۷۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: متی یتم المسافر

[1] نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المقام الذی یقصر بمثلہ الصلوٰۃ ص ۲۱۲، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: کم یقصر الصلوٰۃ المسافر اذا اقام ببلدۃ ص ۷۶

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۷۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: متی یتم المسافر [3] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۱۶

[4] فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۲۰۴۔ لکھنؤ [5] سیرت ابن ہشام فتح مکہ

مرجوح ہے کہ دس دن مکہ معظمہ میں قیام رہا' مگر قصر فرمایا۔ اور یہ کہنا کہ چونکہ درمیان میں منٰی اور عرفات تشریف لے گئے' تو مکہ معظمہ میں دس دن قیام کہاں رہا۔

اقول: مقدار مسافت سے کم سفر وطن اقامت کو باطل نہیں کرتا' جیسا کہ خود امام شافعی نے کتاب الام[1] میں تصریح فرمائی ہے اور منٰی بلکہ عرفہ بالاتفاق مسافت سفر کی دوری پر نہیں' اسی میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے دریافت کیا گیا کہ عرفہ تک جانے میں قصر ہے' تو فرمایا: نہیں! (ایضاً ص ۱۶۲)

چار رکعتیں کب فرض ہوئیں؟

امام ضحاک نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے: تحویل قبلہ سے پہلے ظہر' عصر' عشاء بھی دو رکعتیں تھیں۔ حضور اقدس ﷺ ظہر کی دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ جبریل امین تحویل قبلہ کی آیت لے کر اترے اور حضور اقدس ﷺ کا رخ کعبہ کی طرف پھیرا اور اشارہ کیا کہ دو رکعت اور پڑھ لیں۔ اور حکم دیا کہ عصر اور عشاء بھی چار رکعتیں پڑھیں اور عرض کیا کہ پہلی مقدار آپ کی اُمت کے مسافروں اور غازیوں کے لیے ہے۔ اس کی تائید اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا: اللہ عزوجل نے جب نماز فرض فرمائی تھی تو سفر اور حضر دونوں میں دو دو رکعت مقرر فرمائی تھی۔ سفر کی نماز اسی مقدار پر باقی رکھی گئی اور حضر کی نماز میں زیادتی کر دی گئی۔ (بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء ص ۵۱)

۶۵۱- ح: خَرَجْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

[ہم مدینہ سے مکہ گئے تو آپ (ﷺ) بائیں رکعتیں پڑھتے رہے]

۶۵۱- **حَدَّثَنِي** يَحْيَى بْنُ اَبِي اِسْحَاقَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِينَةِ قُلْتُ اَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا.

یحیٰی بن ابو اسحاق نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ گئے تو حضور دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس ہوئے' میں نے پوچھا: مکہ میں آپ لوگوں نے کچھ قیام کیا؟ تو فرمایا: ہم وہاں دس دن ٹھہرے تھے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: ما جاء فی التقصیر ص ۱۴۷' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح ص ۶۱۵' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

مسلم بن شعبہ عن یحیٰی بن اسحٰق کی روایت میں ہے: ''الی الحج'' اس سے متعین ہوگیا کہ حضرت انس کا یہ ارشاد حجۃ الوداع کے موقع کے لیے ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ حضور اقدس ﷺ چار ذوالحجہ یوم یک شنبہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور چودہ ذوالحجہ چہار شنبہ کو صبح کے وقت واپس ہوئے۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی آبادی میں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو نماز پوری پڑھے۔ یہ حدیث ان پر حجت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مکہ میں دس دن قیام فرمایا اور قصر کیا۔

۶۵۲- ح: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ

[نبی ﷺ کے ساتھ منٰی میں دو رکعت پڑھیں]

[1] کتاب الام۔ ج ۱ ص ۱۶۶

٦٥٢- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِّنْ اِمَارَتِهٖ ثُمَّ اَتَمَّهَا.

حضرت عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت عثمان کے ساتھ بھی ان کی خلافت کے ابتدائی ایام میں، پھر انہوں نے پوری پڑھی۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ بمنی ص ۱۴۷، کتاب المناسک۔ باب: الصلوٰۃ بمنی ص ۲۲۵، مسلم، نسائی)

٦٥٣- ح: صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنَ مَا كَانَ (الخ)

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کی حالت میں (منیٰ میں دو رکعت) پڑھائی]

٦٥٣- سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ.

حارثہ بن وہب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے طور پر امن کی حالت میں ہمیں منیٰ میں دو رکعت پڑھائیں۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ بمنی ص ۱۴۷، کتاب المناسک۔ باب: الصلوٰۃ بمنی ص ۲۲۵، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی)

٦٥٤- ح: صَلّٰى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بِمِنًى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ

[حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے منیٰ میں چار رکعت پڑھائیں]

٦٥٤- سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ زَيْدٍ يَّقُوْلُ صَلّٰى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقِيْلَ فِيْ ذٰلِكَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ فَلَيْتَ حَظِّيْ مِنْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ.

عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ہمیں منیٰ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں پڑھائیں۔ اس کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو انہوں نے انا للہ پڑھا، پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں، کاش! ان چار رکعتوں کے بجائے میرا حصہ قبول کی ہوئی دو رکعتیں ہوتیں۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ بمنی ص ۱۴۷، کتاب المناسک۔ باب: الصلوٰۃ بمنی ص ۲۲۵، مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الحج)

امام المتصدقین امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یکم محرم ۲۴ھ کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ کو شہید ہوئے اور مدت خلافت بارہ دن کم بارہ سال ہے، اپنی خلافت کے ابتدائی چھ یا آٹھ سال تک منیٰ میں بھی قصر کرتے تھے پھر عرفات سے واپسی کے بعد ایام رمی میں منیٰ میں پوری پڑھنے لگے، اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر و دیگر صحابہ کرام کو اعتراض تھا۔ یہ لوگ جماعت سے پڑھتے تو چار پڑھتے اور تنہا پڑھتے تو دو۔ اس کی سب سے قوی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عثمان حالت سفر میں قصر فرض نہیں جانتے تھے بلکہ رخصت اور اختیاری جانتے تھے۔ ابتداءً قصر کرتے رہے، اس لیے کہ یہی سنت متوارثہ تھی، پھر یہ بتانے کے لیے کہ قصر کرنا عزیمت نہیں، رخصت ہے، پوری پڑھنی بھی جائز ہے، عرفات سے واپسی کے بعد پوری پڑھنے لگے۔ جن حضرات کو اعتراض تھا وہ اس بناء پر تھا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی روش کے خلاف تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان بزرگوں

کے نزدیک حالت سفر میں قصر عزیمت اور حتمی رہا ہو۔

منٰی وغیرہ میں قصر ہے یا اتمام

اس کو ہم نزہۃ القاری‘ ج ۲ ص ۵۸۔۵۹‘ رقم: ۲۴۳ میں ثابت کر آئے ہیں کہ حالت سفر میں قصر عزیمت اور حتمی ہے‘ رخصت اور اختیاری نہیں۔ اس میں نہ منٰی وعرفہ کی تخصیص ہے نہ کسی اور جگہ کی‘ اس لیے کہ قصر کا حکم کسی جگہ کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں‘ سفر کی بناء پر ہے‘ تو جہاں سفر ہے وہاں قصر ہے اور جہاں سفر نہیں وہاں قصر نہیں‘ وہ کوئی بھی جگہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ منٰی کے باشندے ایامِ حج میں پوری پڑھیں گے اور جو مسافر نہیں اسے قصر جائز نہیں‘ اس میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجۃ الوداع میں مسافر ہی تھے۔ اسی طرح حضرات شیخین بھی جب ادائیگی حج کے لیے حاضر ہوتے تو مسافر ہی ہوتے تھے‘ اس لیے یہ لوگ بالالتزام منٰی وغیرہ میں قصر کرتے تھے‘ جو لوگ مکہ معظمہ میں بہ نیت حج حاضر ہوں اور مکہ معظمہ میں بشمول منٰی وعرفات بلکہ قیام بعد حج کے بھی پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ لوگ مکہ معظمہ میں بھی قصر کریں گے اور منٰی وغیرہ میں بھی اور جو حضرات مکہ معظمہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کا ارادہ رکھتے ہوں‘ اگرچہ منٰی وغیرہ اور بعد کے قیام کے ایام شامل کر کے وہ لوگ مکہ معظمہ میں بھی پوری نماز پڑھیں گے اور منٰی عرفات مزدلفہ ہر جگہ میں۔

حجاج کے لیے ضروری تنبیہ

آج کل مسلمانوں کی بدقسمتی سے حجاز مقدس پر نجدیوں کی حکومت ہے۔ نجدی‘ عقائد کے اعتبار سے گمراہ بددین ہیں‘ بلکہ جمہور فقہاء کے طور پر کافر۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں صرف یہی مسلمان ہیں‘ اس کے علاوہ ساری دنیا کے مسلمان کافر مشرک ہیں‘ جیسا کہ دیوبند کے سابق شیخ الحدیث مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے‘ الشہاب الثاقب میں لکھا ہے‘ اور یہ متفق علیہ ہے کہ جو ساری دنیا کو تو بہت بڑی بات ہے‘ کسی ایک مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے جیسا کہ متعدد احادیث اور فقہ کی کثیر عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ اور نماز صحیح ہونے کے لیے ایمان شرط ہے‘ جب ایمان ہی نہیں تو نماز کیسی‘ اس لیے مسلمانوں کو نجدی امام کے پیچھے نماز ہرگز ہرگز نہیں پڑھنی چاہیے۔ علاوہ اس کے منٰی اور عرفات میں نجدی امام مقیم ہوتے ہوئے قصر کرتا ہے‘ یوں بھی اس کی نماز صحیح نہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنی نہ پڑھنے کے برابر ہے‘ بلکہ اس سے بدتر‘ مفضی الی الکفر ہے۔

۶۵۵- ح: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ

[نبی ﷺ چوتھی (ذوالحجہ کی) صبح کو (مکہ) تشریف لائے]

۶۵۵ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ يُلَبُّوْنَ بِالْحَجِّ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّجْعَلُوْهَا عُمْرَةً اِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ اور صحابہ چوتھی (ذوالحجہ) کی صبح کو (مکہ میں) آئے‘ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے تو حضور نے انہیں حکم دیا کہ اسے عمرہ کر دیں مگر وہ لوگ جن کے ساتھ قربانی کے جانور ہیں۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: کم اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ ص ۱۴۷‘ مسلم‘ نسائی۔ کتاب الحج)

یلبون بالحج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے علم کی بات بیان فرمائی۔ یہ جائز نہیں کہ جو لوگ میقات سے حج کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ

آئیں وہ اسے عمرہ سے بدل دیں۔ اب یہ کہنا پڑے گا کہ یہ ان حضرات کے ساتھ خاص تھا' قربانی کا جانور ساتھ لانے والے حضرات اس لیے مستثنیٰ کردیئے گئے کہ انہیں اس کی اجازت نہیں کہ قربانی کرنے سے پہلے احرام کھولیں۔ ارشاد ہے: ''حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ'' (البقرہ:۱۹۶)۔

سفر حجۃ الوداع

۲۶ ذوالقعدہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ظہر کی نماز پڑھ کر نکلے اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز پڑھی[۱] رات وہاں گزاری' صبح کو احرام باندھا' یک شنبہ چار ذوالحجہ کی صبح کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ پہنچ گئے' صبح کی نماز ذوطویٰ میں پڑھی' آٹھ ذوالحجہ پنج شنبہ کو چاشت کے وقت منیٰ تشریف لے گئے' ۹ ذوالحجہ بروز جمعہ عرفات گئے۔ بعد مغرب مزدلفہ آئے' نماز فجر اور وقوف کے بعد سورج نکلنے سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چلے اور چاشت کے وقت جمرۃ العقبہ کی رمی فرمائی' پھر زوال سے پہلے مکہ معظمہ آئے' طواف زیارت فرمایا اور اسی دن منیٰ واپس ہو گئے۔ تیرہ کو زوال سے قبل رمی کر کے ظہر کے وقت مکہ معظمہ تشریف لائے اور محصب میں قیام فرمایا اور وہیں ظہر پڑھی اور رات بسر کی۔ اسی رات میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنعیم سے عمرہ کیا' یہ چودھویں شب تھی۔ صبح کو نماز فجر سے پہلے طواف وداع فرمایا اور مدینہ واپس ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس سال ذوالحجہ کا چہار شنبہ کا دن گزار کر پنج شنبہ کو رات میں ہوا تھا۔

یہ پوری تفصیل اس طرح معلوم ہوئی کہ یہ ثابت ہے کہ حجۃ الوداع جمعہ کو تھا اور اسے لازم ہے کہ رؤیت ہلال چہار شنبہ کو ہوئی ہو' ذوالحجہ کو لامحالہ یک شنبہ ہوگا اور چودہ کو چہار شنبہ۔

عمرے سے حج کی تبدیلی

جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ میقات سے حج کا احرام باندھیں اور پھر اسے عمرے سے بدل دیں' البتہ امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری اسے جائز جانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ان صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہے جو حجۃ الوداع میں شریک تھے۔ تخصیص کی دلیل ابوداؤد[۲] اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! حج کا فسخ کرنا ہمارے ساتھ خاص ہے یا ہمارے بعد والوں کے لیے بھی ہے؟ فرمایا: خاص تمہارے لیے۔ نیز ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوذر فرماتے تھے: حج فسخ کر کے عمرہ کرنا صرف ان حضرات کے لیے تھا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تھا۔ (ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب المناسک۔ باب: الرجل یهل بالحج ثم یجعلها عمرة ص ۲۵۱)

ت ۲۱۴- سَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّفَرَ يَوْمًا وَّلَيْلَةً.

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اور رات کو سفر کہا۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: فی کم یقصر الصلوٰۃ ص ۱۴۷)

یعنی ایک دن کا سفر بھی سفر ہے بہ اعتبار لغت اور عرف سفر شرعی کا جز ہونے کے اعتبار سے۔

ت ۲۱۵- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ اور حضرات ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم چار برید کے فاصلے

---

[۱] بخاری۔ ج ۱ ص ۱۴۸۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: یقصر اذ خرج من موضعه

[۲] ابوداؤد۔ کتاب المناسک۔ باب: الرجل یهل بالحج ثم یجعلها عمرة ص ۲۵۱' ابن ماجہ۔ کتاب المناسک۔ باب: من قال کان فسخ الحج لهم خاصة ص ۲۲۰

عَنْهُمْ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِي أَرْبَعَةِ بُرُدٍ. (ایضا) پر جاتے تو قصر کرتے اور روزہ نہ رکھتے۔

چار برید کی مقدار امام بخاری نے سولہ فرسخ بتائی ہے اور فرسخ تین میل کا' تو سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوئے اور ایک برید بارہ میل کا۔ یہ امام بخاری کا ارشاد ہے' اس میں اور اقوال بھی ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا کہ برید دو فرسخ ہے' ایک قول یہ ہے کہ دو منزلوں کی درمیانی جگہ کو برید کہتے ہیں۔ صاحب الجامع نے کہا: برید چند میل معروف و مشہور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چار فرسخ ہے' اور ایک فرسخ تین میل۔ الواعی میں ہے: راستے کے حصوں میں سے ایک حصہ جو بارہ میل ہوتا ہے' یہی صحاح وغیرہ میں بھی ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: فرسخ تین یا چھ میل ہے' میل حد نظر کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ میل گھوڑے کے دس جست کو کہتے ہیں' یہ دو سو ہاتھ کا ہوتا ہے۔ مُطرزی کی مُغرب میں ہے: تین سو سے لے کر چار سو ہاتھ تک ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جتنی دور تیر گرے' وہ فاصلہ میل ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ سب سے صحیح قول یہ ہے کہ میل تین ہزار پانچ سو ہاتھ کا یا چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اونٹ کے قدم سے ہزار قدم۔ ایک قول یہ ہے کہ اتنی دوری کو میل کہتے ہیں کہ جہاں اگر کوئی ہو تو معلوم ہو سکے کہ آ رہا ہے یا جا رہا ہے' مرد ہے کہ عورت۔ عیاض نے کہا کہ بارہ ہزار قدم۔ علامہ عینی نے تحریر فرمایا کہ میل چھ ہزار ہاتھ ہے اور ہر ہاتھ چوبیس انگل' اور انگل متوسط چھ جَو کی چوڑائی کے برابر[1] ان سب اقوال میں کسی ایک کو ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں' اس لیے احناف نے مقدارِ مسافت کے لیے دوسرا معیار مقرر فرمایا جو ابھی آ رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں متفق ہے کہ وہ چار برید پر قصر کرتے تھے مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ نافع کہتے ہیں کہ سب سے کم وہ مسافت ہے جس پر حضرت ابن عمر قصر کرتے تھے' وہ خیبر میں ان کی زمین تھی اور خیبر مدینہ سے اکیانوے میل ہے۔ امام وکیع کی روایت میں ہے کہ مدینہ سے سویدا جاتے تو قصر کرتے۔ سویدا مدینہ سے بہتر میل ہے۔ امام عبد الرزاق ہی نے سالم سے روایت کیا کہ ریم گئے تو قصر کیا' اور یہ تیس میل کی دوری پر ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: اگر ایک گھنٹے کے لیے سفر کروں تو قصر کروں گا۔ امام ثوری نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: اگر ایک میل کے لیے بھی نکلوں تو قصر کروں گا۔ یہ سارے اختلافات اس بنیاد پر ہیں کہ سفر پر قصر کا حکم ہوا اور اس کی مقدار شارع سے مروی نہیں۔ اب ہر مجتہد نے اپنی صوابدید سے اس کے بارے میں رائے قائم کی۔ ہمارا صحیح مسلک اور اس کی تائید ابھی آ رہی ہے۔

٦٥٦- ح: لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ [عورت تین دن کی مسافت پر نہ جائے]

٦٥٦- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت پر محرم کے بغیر نہ جائے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: فی کم یقصر الصلوۃ ص ۱۴۷' مسلم)

اس حدیث کی سند میں ہے: "حدثنا اسحٰق" ابو علی جیانی نے کہا کہ جب امام بخاری "حدثنا اسحٰق" کہیں تو اس سے مراد یہ تین حضرات ہوتے ہیں: اسحٰق بن راھویہ' ابو نصر السوری' ابن منصور کوسج۔ علامہ کرمانی نے فرمایا: یہاں مراد اسحٰق بن راھویہ ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ صحیح ہے' اس لیے کہ اسحٰق بن راھویہ کی مسند میں یہ حدیث اسی سند کے ساتھ مذکور ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۱۹

مطابقت باب

یہاں باب کا عنوان ہے: کتنی مسافت کے سفر پر قصر ہے؟ ظاہر ہے کہ اس حدیث کو باب سے کوئی مطابقت نہیں، مگر مقدمہ میں صفحہ ۱۲۳، بہ عنوان: "مطابقت کے چند اصول" میں ہم بتا آئے کہ امام بخاری ایسا بھی کرتے ہیں کہ اگر دو مختلف احکام کی علت مشترک ہو اور اس علت میں ابہام ہو، اب اگر ان دو احکام میں سے کسی حکم کی علت کسی حدیث میں مصرح ہو تو امام بخاری باب میں وہ حکم ذکر کرتے ہیں، جس کی علت بالتصریح کسی حدیث میں مذکور نہیں۔ اور اس کے تحت حدیث وہ لاتے ہیں جس میں دوسرا حکم اور اس کی علت صراحۃً مذکور ہو، یہاں وہ حکم ہے۔ ایک نماز میں قصر دوسرے عورت کا بغیر محرم کے سفر نہ کرنا، دونوں کی علت سفر شرعی ہے۔ اس حدیث میں دوسرے حکم کے ساتھ تین دن کے سفر کی قید ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ سفر شرعی کم از کم تین دن کی مسافت ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ تین دن یا اس سے زائد مسافت کے سفر پر گھر سے نکلے تو قصر کرے گا اور اگر تین دن سے کم کی مسافت کے قصد سے نکلے تو قصر نہیں۔

مقدار سفر میلوں سے

احناف نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر یہ فرمایا کہ مسافت سفر اتنی دوری کا نام ہے جہاں آدمی تین دن میں پہنچے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس سے دن رات چلنا مراد نہیں بلکہ لمبی مسافت کے لیے عادۃً جتنی دیر لوگ چلتے ہوں، اتنی دیر روزانہ چلنا مراد ہے، وہ بھی پیدل یا اونٹ کی سواری پر معتدل رفتار سے، اس لیے کہ یہی معتاد ہے۔ ہدایہ میں ہے:

وعن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ التقدیر بالمراحل وھو قریب من الاول ولا معتبر بالفراسخ ھو الصحیح.	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ ہے کہ منزلوں سے اس کی تعیین ہے فرسخ کا اعتبار نہیں، یہی صحیح ہے۔

اس کے تحت امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا: یہ اس سے احتراز ہے جو لوگوں نے فرسخ سے اس کی مقدار مقرر کی تھی۔ کسی نے کہا: اکیس فرسخ۔ کسی نے کہا: اٹھارہ فرسخ۔ کسی نے کہا: پندرہ فرسخ، جس نے جو مقدار بتائی، اس بناء پر بتائی کہ اس نے اسی مقدار کو تین دن کی مسافت سمجھا۔ مراحل سے مسافت کی تعیین کو صحیح اس بناء پر کہا گیا کہ اگر راستہ دشوار گزار ہو، مثلاً جنگل ہو پہاڑ ہو۔ تین دن میں فرسخ بھی نہ طے ہو پائے تو جتنی دوری پر تین دن چل لے، مسافر ہو گیا۔ (ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ لکھنؤ)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ احناف کا مذہب صحیح یہ ہے کہ تین منزل کی دوری پر جانے کا قصد ہو تو وہ مسافر ہے، مگر اب منزلیں ختم ہو گئیں۔ ہوائی جہاز پر سفر ہونے لگا، اس لیے اس زمانے میں میلوں سے اس کی تعیین ضروری ہوئی۔ اعلیٰ حضرت (جد الممتار۔ ج ۱) امام احمد رضا قدس سرہٗ نے مختلف منازل کے فاصلوں کو سامنے رکھ کر حساب لگایا تو اوسطاً تین منزل کی مسافت ساڑھے ستاون میل ہوئی، جو موجودہ اعشاریہ پیمانے سے بانوے کلو میٹر ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب[1] نے یہ لکھا ہے: مسافت قصر مذہب میں تین دن اور رات کی مسافت ہے، پھر لوگوں نے منازل سے اس کی مقدار معین کی، پھر اس میں اختلاف کیا، ایک قول یہ ہے کہ یہ سولہ فرسخ ہے اور ہر فرسخ تین میل کا تو یہ اڑتالیس میل ہوئے، جیسا کہ حدیث میں ہے، اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ یہ اخیر کے لوگوں کا مذہب ہے۔

اس تین سطر کی عبارت میں کشمیری صاحب نے مندرجہ ذیل غلطیاں کی ہیں:

(۱) پہلے کہا کہ اصل مذہب تین دن اور رات کی مسافت ہے۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ اعتبار دن و رات چلنے کا ہے، ایسا نہیں بلکہ

[1] فیض الباری۔ ج ۲ ص ۳۹۲

دن میں چلنے کا ہے وہ بھی بہ قدرِ معتاد پورے دن نہیں۔

(۲) پھر کہا کہ پھر لوگوں نے منازل سے اس کی مقدار معین کی، یہ بھی غلط یہ خود امام مذہب امام اعظم کا قول ہے جیسا کہ ہدایہ کی عبارت گزری۔

(۳) پھر کہا کہ منازل کے بارے میں اختلاف کیا، ایک قول یہ ہے کہ یہ سولہ فرسخ ہے، سولہ فرسخ کا کوئی قول نہیں، اکیس، اٹھارہ، پندرہ کا قول ہے۔

(۴) پھر کہا: جیسا کہ حدیث میں ہے، اوپر تین باتیں مذکور ہوئیں، تین منزل سولہ فرسخ ہے، ہر فرسخ تین میل کا، کل اڑتالیس میل ہوئے۔ معلوم نہیں یہ اشارہ کس کی طرف ہے، کسی کی طرف ہو، ان تین باتوں میں سے کوئی بھی کسی حدیث میں نہیں، البتہ بخاری میں چار برید کی مقدار، اڑتالیس میل بتائی، مگر یہ حدیث نہیں، امام بخاری کا ارشاد ہے۔

(۵) پھر کہا: اسی پر فتویٰ دیا گیا، یہ بھی غلط ہے۔ ابھی فتح القدیر کے حوالہ سے گزرا کہ فرسخ کا اعتبار نہیں۔ عالمگیری[1] میں ہے: ''ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح كذا في الهداية'' درمختار[2] میں ہے: ''ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب'' اصل مذہب کے لحاظ سے فرسخ کا اعتبار نہیں، یہی صحیح ہے۔ اور قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و خرق اجماع ہے۔ درمختار میں ہے: ''الفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع'' ہمارے فقہائے احناف ایسا بے تکا فتویٰ کیسے دے سکتے ہیں؟ ہموار اور آسان راستے میں تو میل کی بات چل جائے گی، مگر پہاڑی، جنگل اور دشوار گزار راستوں میں میل کی تعین کا مطلب ہوگا اصل مذہب سے عدول۔ اصل مذہب یہ ہے: تین دن کی مسافت، بعض پہاڑی راستوں میں تین دن میں بیس میل بھی آدمی نہیں چل پائے گا۔ اگر آپ یہ کہتے کہ آج جبکہ پیدل کوئی نہیں چلتا، سواریاں ایک سے ایک تیز رفتار ایجاد ہوگئی ہیں تو ضرورۃً میلوں سے اس کی مقدار معین کرنا ضروری ہے اور وہ اتنے میل ہیں تو کچھ لگتی بات ہوتی۔

(۶) آپ نے لکھا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل ہے، حالانکہ شامی[3] میں ہے کہ کسی نے کہا: اکیس فرسخ ہے، کسی نے کہا: اٹھارہ فرسخ ہے، کسی نے کہا کہ پندرہ فرسخ ہے اور فتویٰ ثانی قول پر ہے، اس لیے کہ یہ درمیانی بات ہے۔ مجتبیٰ میں ہے کہ ائمہ خوارزم کا فتویٰ تیسرے قول پر ہے۔

اقول: مگر قول ثانی یا ثالث پر بھی فتویٰ دینا درست نہیں، اس لیے کہ یہ طے ہے کہ فتویٰ اس پر ہے، جو متون میں ہے۔ نیز صاحب ہدایہ کی تصحیح کے مقابلے میں فتویٰ دینا صحیح نہیں۔ اسی لیے عالمگیری اور درمختار میں اسی کو اختیار فرمایا، جسے صاحب ہدایہ نے صحیح کہا، ان حضرات کے فتوے کو ذکر بھی نہیں فرمایا، پھر فتویٰ ہے تو اٹھارہ یا پندرہ پر، سولہ کا کوئی قول ہی نہیں کہ اس پر کوئی فتویٰ دے۔ یہ قول آپ نے جی سے گڑھا اور خود تراشا کہ اسی پر فتویٰ دیا گیا، جس سے دھوکہ ہوا کہ فقہائے احناف نے اس پر فتویٰ دیا ہے، اگر آپ کہتے کہ میں فتویٰ دیتا ہوں تو کم از کم فریب دہی تو نہ ہوتی۔

پھر آپ نے میل کی مقدار نہیں بتائی، آپ کے نیاز منداس سے وہ میل سمجھیں گے جو انگریزوں نے مقرر کیا ہے، جو آج کل پوری دنیا میں رائج ہے یعنی سترہ سو ساٹھ گز، اور ہر گز تین فٹ کا، یعنی تقریباً دو ہاتھ کا۔ اور فقہاء نے چار ہزار ہاتھ کا ایک میل مانا ہے، یعنی دو ہزار گز کا۔ اور ہر ہاتھ چوبیس انگل اور ہر انگل چھ جَو اور ہر جو خچر کے چھ بال کے برابر۔ اب جوڑیے! آپ کے یہ اڑتالیس میل ساڑھے چون میل سے بھی زائد ہوئے۔ اب کشمیری صاحب کے نیاز مندوں کو سوچنا ہے کہ کشمیری صاحب نے اپنے جی سے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ ج ۱ ص ۱۷۔ مجیدی [2] درمختار۔ ج ۱ ص ۵۲۷۔ نعمانیہ [3] درمختار۔ ج ۱ ص ۵۲۷

ایک قول گڑھا' پھر اس پر فتویٰ دے کر عوام مسلمین کو دھوکے میں ڈالا یا نہیں۔

اقول باللہ التوفیق: ابھی گزرا کہ علامہ شامی نے فرمایا کہ جو لوگ میلوں سے یہ مسافت متعین کرتے ہیں' وہ فتویٰ اس پر دیتے ہیں کہ یہ مسافت اٹھارہ فرسخ ہے' اور اٹھارہ فرسخ کا انگریزی میل اٹھاون میل سے بھی زائد ہوتا ہے' پھر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ساڑھے ستاون میل پر فتویٰ دیا' یہ بھی تو صحیح نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ظاہر مذہب کو اختیار فرما کر تین منزل کی یہ مسافت بیان فرمائی ہے۔ جد الممتار میں لکھتے ہیں: ''المشھور المتعاد فی بلادنا ان کل مرحلۃ'' ۱۲ کوس'' وقد جربت مرارا کثیرۃ بمواضع شھیرۃ ان المیل الرابح فی بلادنا خمسۃ اثمان کوس المعتبر ھھنا. فاذا ضربت الاکواس فی ۸.وقسم الحاصل علی ۵ کانت امیالا فاذن امیال مرحلۃ واحدۃ.۱۹ ۵/۱. وامیال مسیرۃ ثلاثۃ ایام ۵.۵۷/۱.۳ عنی ۶.۵۷.۳۶۲/۳۶۱'' ہمارے بلاد میں معتاد و معہود یہ ہے کہ ہر منزل بارہ کوس کی ہوتی ہے۔ میں نے بار بار بہ کثرت مشہور جگہوں میں آزمایا ہے کہ اس وقت ہمارے بلاد میں جو میل رائج ہے وہ ۸ / ۵ کوس ہے' جب کوسوں کو ۸ میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو ۵ پر تقسیم کریں تو حاصل قسمت میل ہوگا۔ اب ایک منزل ۱۹۔ ۵ / ۱ میل کا ہوا اور تین دن کی مسافت ۵۷۔ ۵ / ۳ میل یعنی ۵۷۔۶ میل۔

غیر محرم کے ساتھ حج

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کو اپنے شوہر یا محرم کے بغیر تین دن یا اس سے زائد مسافت پر جانا جائز نہیں۔ یہ سفر عام ہے' اس سے کہ حج کے لیے ہو یا اپنی نجی ضرورتوں کے لیے ہو' مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کے لیے شوہر اور محرم کے بغیر بھی جا سکتی ہے' حالانکہ اس حدیث میں حج کا استثناء نہیں' تو یہ اپنے عموم کے لحاظ سے سفر حج کو بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں خاص حج کے بارے میں حدیث وارد ہے۔ بخاری[۱] اور مسلم[۲] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ مرد و عورت تنہائی میں اکٹھے نہ ہوں' مگر یہ کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ اس پر ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری عورت حج کرنے جا رہی ہے اور میں نے فلاں فلاں غزوہ میں نام لکھوا دیا ہے' تو فرمایا: جا! اپنی عورت کے ساتھ حج کر' اگر عورت کا شوہر یا محرم کے بغیر حج کرنے کے لیے جانا جائز ہوتا تو حضور یہ فرما دیتے: کوئی حرج نہیں' تم غزوہ میں جاؤ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ حج کرے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب نے کہا: حنفیہ کی عام کتابوں میں ہے کہ عورت کا محرم کے بغیر سفر جائز نہیں اور میرے نزدیک جائز ہے' اعتماد اور امن کی شرط کے ساتھ۔ میں نے احادیث میں اس کی بہت سی نظیریں پائی ہیں' اور جو فقہ میں ہے وہ مسائل فتن سے ہے۔ اس پر ان کے تلمیذ بدر عالم صاحب میرٹھی نے لکھا: مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو العاص کو لکھا کہ سیدہ زینب کو ایک شخص کے ساتھ بھیج دیں جو ان کا محرم نہیں تھا اور واقعۂ افک میں حضرت عائشہ صدیقہ لشکر میں غیر محرم کے ساتھ واپس آئیں۔ اس پر یہ گزارشات ہیں:

(۱) کشمیری صاحب کے ارشاد کا سیاق بتا رہا ہے کہ وہ یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ صرف احناف کا مذہب ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ باتفاق علماء حرام ہے۔

(ج ا۔ باب: سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ ص ۴۳۴)

---

[۱] بخاری۔ کتاب العمرۃ۔ باب: حج النساء ص ۲۵۰ [۲] مسلم۔ ج ا ص ۴۳۴۔ کتاب الحج۔ باب: سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ

(۲) حنفی ہونے کے دعویٰ کے بعد آپ کو یہ حق کہاں سے ملا کہ ایک متفق علیہ مسئلہ کے خلاف فتویٰ دیں۔ اعلان کر دیجئے کہ اب ہم مجتہد مطلق ہو گئے ہیں یا غیر مقلد ہو گئے۔ حنفیت کا لبادہ اوڑھ کر غیر مقلدیت کی روش اچھی نہیں۔

(۳) اگر آپ نے وہ نظائر پیش کر دیئے ہوتے تو ہم بھی دیکھتے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ آپ کے تلمیذ نے غالباً آپ سے سن کر دو مثالیں دیں تو ان سے گزارش ہے کہ دونوں اس ارشاد سے مقدم ہیں۔ بخاری و مسلم کی حضرت ابن عباس والی حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ یا تو ۹ھ کا ہے یا ۱۰ھ حجۃ الوداع کا۔ کیا آپ کے نزدیک مؤخر مقدم کا ناسخ نہیں۔

(۴) علاوہ اس کے مواقع ضرورت ہمیشہ مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ معظمہ سے آنا تھا' جو دارالحرب تھا۔ کیا کوئی عورت دارالحرب میں پھنسی ہو اور اسے نکلنے کا موقع نہ ملے تو دارالحرب ہی میں رہے گی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ آتیں تو اسی میدان میں اکیلی رہتیں۔ یہ جب تک لشکر میں آتے اور کوئی محرم لے کر جاتے' وہ میدان میں تنہا رہتیں' جس میں خطرات تھے۔ مواقع ضرورت سے عمومی احوال پر استدلال کرنا کس مد میں آتا ہے وہ آپ کے نیازکیش بتائیں۔

٦٥٧- ح: لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ اَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ

[کسی بھی عورت کے لیے ایک دن اور ایک رات (بغیر محرم) کے سفر جائز نہیں]

٦٥٧- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو' اسے جائز نہیں کہ ایک دن اور رات کی دوری پر محرم کے بغیر سفر کرے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: فی کم تقصیر الصلوۃ ص ۱۴۸' مسلم)

عورت کا محرم وہ مرد ہے جس سے اس کا نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو' اور اگر کسی عارض کی وجہ سے حرام ہو اور عارض دور ہونے کے بعد درست ہو جائے تو وہ محرم نہیں' مثلاً بہنوئی' دیور' شوہر کا چچا وغیرہ۔ اس حدیث کی بناء پر امام شعبی وغیرہ نے فرمایا کہ بغیر محرم کے عورت کو سفر کرنا مطلقاً جائز نہیں' مسافت تھوڑی ہو یا زیادہ' ہمارے نزدیک ایک دن یا دو دن کی مسافت پر بغیر محرم کے بھی عورت سفر کر سکتی ہے۔ پہلی والی حدیث کہ تین دن کی مسافت پر عورت بغیر محرم سفر نہ کرے حضرت ابن عمر سے مروی ہے' وہ تفقہ میں حضرت ابوہریرہ سے بدرجہا بڑھ کر ہیں' اس لیے ہم نے اسے ترجیح دی۔

ت ٢١٦- وَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَصَرَ وَهُوَ يَرَى الْبُيُوْتَ فَلَمَّا رَجَعَ قِيْلَ لَهُ هٰذِهِ الْكُوْفَةُ قَالَ لَا حَتّٰى نَدْخُلَهَا. (بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: یقصر اذا خرج من موضعہ ص ۱۴۸)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (کوفہ سے) نکلے اور ابھی گھروں کو دیکھ رہے تھے اور قصر کیا اور جب لوٹے (اور قصر کیا) تو ان سے عرض کیا گیا: یہ کوفہ ہے' تو فرمایا: جب تک اس میں داخل نہ ہو لیں گے پوری نہیں پڑھیں گے۔

اس تعلیق کو امام حاکم اور بیہقی نے موصولاً روایت کیا ہے۔ بیہقی میں مفصل یوں ہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادھر یعنی شام کی طرف چلے تو دو رکعت پڑھی اور جب واپس ہوئے اور کوفہ نظر آنے لگا اور نماز کا وقت ہو گیا تو لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! یہ کوفہ ہے' کیا نماز پوری پڑھیں گے؟ تو فرمایا: نہیں! جب تک کوفہ میں داخل نہ ہو جائیں۔ ابن ابی شیبہ نے اور امام عبدالرزاق نے حضرت علی ہی کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بصرہ سے نکلے اور ایک چھپر دیکھا تو نماز پوری پڑھی' اور فرمایا: اگر اس

چھپر سے آگے بڑھ گیا ہوتا تو قصر کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان دونوں اعمال سے معلوم ہوا کہ جب تک آبادی سے پورے طور پر باہر نہ ہو قصر نہ کرے۔ یوں ہی جب تک آبادی میں داخل نہ ہو جائے' قصر کرتا رہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قصر کے لیے مسافت سفر پوری کرنا ضروری نہیں' جب سفر شروع ہو گیا قصر کرے' یہی ہمارا بلکہ امام مالک' امام شافعی' امام احمد کا مذہب ہے۔

٦٥٨- ح: صَلَّيْتُ الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا (الخ)

[میں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں]

٦٥٨- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَّالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں عصر دو رکعت۔

(ایضاً۔ کتاب المناسک۔ باب: من بات بذی الحلیفۃ ص ۲۰۹ ' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

کتاب المناسک میں یہ زائد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں رات بسر فرمائی اور وہیں صبح کی' جب اپنی سواری پر تشریف لے گئے اور وہ سیدھی ہو گئی تو تلبیہ پڑھا۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں کہ آبادی میں رہتے ہوئے محض سفر کی نیت ہی کے بعد قصر نہیں' جب تک آبادی سے باہر نہ ہو جائے نیز آبادی سے نکلنے کے بعد قصر لازم ہے' ایسا نہیں کہ مسافت سفر پوری ہونے کے بعد قصر کی جائے۔ ذوالحلیفہ مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ جسے ابیار علی بھی کہتے ہیں' یہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں' کوئی اور شخص علی نام کا تھا' اس کی طرف نسبت ہے۔

جو لوگ قبل حج مدینہ طیبہ حاضر ہوتے ہیں' انہیں غیر اختیاری طور پر یہ سعادت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مسجد ذوالحلیفہ سے حج یا عمرے کا احرام باندھتے ہیں اور اس طرح انہیں اس مبارک مسجد میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس خادم اور اس کے ہمراہیوں کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی' نیز یہ بھی کہ ظہر مسجد نبوی میں ادا کی اور عصر مسجد ذوالحلیفہ میں۔ فالحمد علیٰ ذلک! ہم نزہۃ القاری' ج ا ص ۶۳۵' رقم: ۲۰۸' اور ج ا ص ۶۵۶' رقم: ۲۲۲' پر بتا آئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شنبہ کو بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے حج کے لیے نکلے۔ تاریخ پچیس ذوالقعدہ تھی یا چھبیس اور چار ذوالحجہ یا پانچ کو مکہ معظمہ پہنچے تھے' اگر چار کو پہنچے تھے تو یک شنبہ کا دن تھا اور اگر پانچ کو پہنچے تھے تو دو شنبہ کا دن تھا۔ سفر میں کل نو دن یا دس دن صرف ہوئے تھے۔ مسلم شریف میں تردید کے ساتھ ہے کہ چار کو یا پانچ کو پہنچے۔ اور بخاری میں بلا تردید یہ ہے کہ چار کو پہنچے۔ مسلم شریف میں جو تردید ہے وہ شک راوی بھی ہو سکتا ہے' اس لیے ترجیح بخاری کی روایت کو ہے۔ اب حاصل یہ نکلا کہ شنبہ کو مدینہ طیبہ سے نکلے اور یک شنبہ کی رات میں سرف پہنچے اور صبح کو نویں دن مکہ معظمہ جلوہ فرما ہو گئے۔ اگر مدینہ طیبہ سے پچیس ذوالقعدہ کو چلے تھے' تو اس سال ذوالحجہ کا چاند بہ روز دو شنبہ انتیس کا تھا اور اگر چھبیس کو چلے تھے تو رؤیت ہلال تیس ذوالقعدہ ہوئی' اس لیے کہ یہ طے ہے کہ حجۃ الوداع جمعہ کو تھا' اس حساب سے پہلی ذوالحجہ پنج شنبہ کو ہوئی۔

٦٥٩- ح: اَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَانِ

[ابتداء میں (نماز) فرض کی گئی تو دو رکعت تھیں]

٦٥٩- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتِ الصَّلٰوةُ اَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَانِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَاُتِمَّتْ صَلٰوةُ الْحَضَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ فَمَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ مَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ.

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: شروع میں جب نماز فرض کی گئی تو دو رکعتیں تھیں' سفر کی نماز برقرار رہی اور حضر کی پوری کر دی گئی۔ امام زہری نے کہا: میں نے حضرت عروہ سے پوچھا کہ پھر حضرت عائشہ کیوں پوری پڑھتی ہیں؟ تو انہوں نے بتایا

کہ انہوں نے تاویل کر لی جیسے حضرت عثمان نے تاویل کر لی تھی۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔باب:یقصر اذا خرج من موضعہ ص ۱۴۸' مسلم۔کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ص ۲۴۱ ' دارمی)

یہ حدیث نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۵۸' رقم:۲۴۳ میں گزر چکی ہے' مگر ''قال الزھری'' والا حصہ وہاں نہیں' یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ سفر میں صرف دو ہی رکعت فرض ہے' یہ عزیمت ہے جس پر ''فرضت'' اور ''اقرت'' بہ منزلہ نص ہے۔ حضرت امام زہری نے اس حدیث کا یہی مطلب سمجھا کہ حالت سفر میں قصر عزیمت ہے اور چار رکعت پڑھنا جائز نہیں' ورنہ ان کو حضرت اُم المؤمنین کے قصر نہ کرنے پر حیرت کیوں ہوتی۔ اور وہ حضرت عروہ سے دریافت کیوں کرتے؟ حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا سفر میں قصر نہیں کرتی تھیں' پوری پڑھتی تھیں۔ اور وہ کچھ تاویل کرتی تھی' وہ تاویل کیا تھی؟ نہ اُم المؤمنین نے بتایا' نہ ہمیں معلوم ہوئی۔ ہمیں کیا ضرورت کہ اپنی طرف سے کوئی تاویل گڑھیں۔

کچھ لوگوں نے یہ تاویل گڑھی ہے کہ اُم المؤمنین نے فرمایا: میں تمام مؤمنین کی ماں ہوں اور بیٹے کا گھر ماں کا گھر ہے' تو ہر مسلمان کا گھر میرا گھر ہے۔ اس پر یہ کہا گیا کہ پھر ہر اُمتی کا گھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہوا' پھر حضور نے کیسے قصر کیا؟ پھر اُم المؤمنین کا ماں ہونا روحانی طور پر ہے' اور بیٹے کا گھر ماں کا گھر ہونا ظاہری احکام سے ہے' ظاہری احکام باطنی وجوہات سے ثابت نہیں ہوتے۔

٦٦٠- ح: إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب میں تاخیر کرتے]

٦٦٠- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَآءِ قَالَ سَالِمٌ وَّكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ وَزَادَ اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَالِمٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ قَالَ سَالِمٌ وَّأَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ وَكَانَ اسْتُصْرِخَ عَلٰى امْرَأَتِهٖ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِيْ عُبَيْدٍ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ سِرْ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ سِرْ حَتّٰى سَارَ مِيْلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيْمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيْهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتّٰى يُقِيْمَ الْعِشَآءَ فَيُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کو دیر میں پڑھتے' اتنی کہ مغرب اور عشاء ساتھ پڑھتے۔ سالم نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے' جب سفر میں جلدی ہوتی اور لیث نے یہ زیادہ کیا کہ مجھ سے یونس نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ سالم نے فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایام حج میں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کے مابین جمع فرماتے۔ سالم نے کہا: حضرت ابن عمر نے مغرب میں دیر کی' اور انہیں یہ خبر ملی تھی کہ ان کی زوجہ صفیہ بنت ابو عبید کی حالت نازک ہے' تو میں نے عرض کیا: نماز کا وقت ہو گیا ہے' تو فرمایا: چلو! پھر میں نے عرض کیا: نماز پڑھ لیں' تو فرمایا: چلے چلو! یہاں تک کہ دو یا تین میل چلے' پھر اُترے اور نماز پڑھی' پھر فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چلنے میں جلدی ہوتی تو یونہی کیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چلنے میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کی اقامت کہلاتے پھر تین رکعت پڑھتے' پھر

ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَآءِ حَتّٰى يَقُوْمَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. (بخاری۔ کتاب التقصیر۔ باب: یصلی المغرب ثلاثا فی السفر ص ۱۴۸)

سلام پھیرتے' پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے' پھر عشاء کی اقامت کہلاتے اور اسے دو رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے اور عشاء کے بعد نفل نہیں پڑھتے' حتیٰ کہ جب رات میں اُٹھتے تو پڑھتے۔

جمع صوری کی بحث

یہاں ایک حدیث مسند ہے اور تین تعلیقات ہیں' پہلی تعلیق کو چھوڑ کر ان سب کا حاصل ایک ہے کہ سفر میں یہ جائز ہے کہ مغرب کو اتنی دیر میں پڑھا جائے کہ اس کا اخیر وقت ہو جائے اور اتنا وقت ہو کہ نماز پڑھتے پڑھتے ختم ہو جائے' پھر چونکہ فوراً عشاء کا وقت ہو جائے گا تو عشاء پڑھ لے۔ یہ بہ ظاہر دو نمازوں کا جمع ہے مگر حقیقت میں ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ہے۔ یہاں تیسری تعلیق میں ''فلما یلبث'' اس پر قرینہ ہے' یہ تھوڑی دیر ٹھہرنا اس اطمینان کے لیے تھا کہ عشاء کا وقت ہونے میں شبہہ نہ رہے' جیسا کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہی عمل اور ارشاد دوسری احادیث میں یہ مروی ہے کہ شفق غروب ہونے کے قریب ہوئی تو اُترے اور مغرب پڑھی اور جب شفق ڈوب گئی تو عشاء پڑھی۔ ابوداؤد[1] میں ہے: ''حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا اعجل بہ امر صنع مثل ما صنعت'' یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اترے اور مغرب پڑھی' پھر انتظار فرمایا جب شفق ڈوب گئی تو عشاء پڑھی' پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو جیسے میں نے کیا ہے آپ ویسا ہی کرتے تھے۔ ابوداؤد (ایضا) ہی میں دوسرے طریقے سے ہے: ''حتی اذا کان عند ذھاب الشفق نزل فجمع بینھما'' جب شفق ڈوبنے کے قریب ہوئی تو اترے اور مغرب اور عشاء جمع کیں۔ نسائی[2] میں ہے: ''حتی اذا کان فی اخر الشفق نزل فصلی المغرب ثم اقام العشاء وقد تواری الشفق فصلی بنا ثم اقبل علینا فقال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا اعجل بہ السیر صنع ھکذا'' جب شفق کا اخیر حصہ رہا' اتر کر مغرب پڑھی' پھر عشاء کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی تھی۔ اس وقت عشاء پڑھی' پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔ نسائی (ایضا) اور امام ابوجعفر طحاوی نے یہ الفاظ روایت فرمائے ہیں: ''حتی اذا کان الشفق قرب ان یغیب نزل فصلی المغرب وغاب الشفق فصلی العشاء ثم اقبل علینا فقال ھکذا کنا نصنع مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم''[3] جب شفق ڈوبنے کے قریب ہوئی' اتر کر مغرب پڑھی اور شفق ڈوب گئی تو عشاء پڑھی' پھر ہماری طرف منہ کر کے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ روایتیں اس پر حجت قاطع ہیں کہ جمع سے مراد یہ ہے کہ ایک نماز کو اس کے اخیر وقت میں پڑھا اور دوسری کو اس کے اوّل وقت میں۔ اور یہ جمع صوری ہے' حقیقی نہیں۔ نیز ابوداؤد کی پہلی روایت جس میں یہ ہے: ''ثم انتظر حتی غاب الشفق'' مغرب پڑھ کر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی تو عشاء پڑھی۔ یہ بخاری میں وارد لفظ ''فلما یلبث'' تھوڑی دیر ٹھہرنے کی تفسیر ہے' یہ صیغہ اپنے اصلی معنی کے لحاظ سے اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہمیشہ یہی عادت تھی۔

اس کی مکمل بحث اور اس میں غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی قدم قدم پر ٹھوکریں دیکھنا ہوں تو اعلیٰ

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۷۱۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الجمع بین الصلوتین

[2] نسائی۔ ج ۱ ص ۹۹۔ باب: الوقت الذی یجمع فیہ المسافرین المغرب والعشاء

[3] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۸۰۔ باب: الجمع بین الصلوتین کیف ھو

حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین'' کا مطالعہ کریں جو فتاوٰی رضویہ ج ۲ ص ۲۸۱ تا ۴۱۴ میں مطبوع ہے۔ اس کے مطالعہ سے حق پسندوں کی آنکھیں روشن ہوں گی، دل مطمئن ہوں گے۔ احناف کے عمل بالحدیث کا اذعان کامل ہوگا، اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حدیث دانی کے وہ جلوے نظر آئیں گے کہ کہنا پڑے گا: یہ اپنے وقت کے بخاری و مسلم تھے۔ کاش! کوئی جناب علی میاں ندوی کو ہدایت دے کہ وہ کم از کم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا یہی ایک رسالہ دیکھ لیں تو انہیں بھی اپنے والد کی طرح کہنا پڑے: ''فاق اقرانہ''[1] اور جو انہوں نے ''قلیل البضاعۃ فی الحدیث'' کی پھبتی کسی ہے، اس سے توبہ کرنی پڑے گی، اگرچہ انہیں توبہ کی توفیق کہاں؟ ہم اس بحث کو اس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتے، جسے مکمل بحث دیکھنی ہو تو وہ ''حاجز البحرین'' کا ضرور مطالعہ کرے۔

صفیہ بنت ابی عبید

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زوجہ، مشہور کذاب، مختار بن ابی عبید ثقفی کی بہن تھیں۔ ان کے والد حضرت ابوعبید صحابی ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شہید ہوئے، حضرت صفیہ کے صحابیہ ہونے میں اختلاف ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ انہیں زمانہ اقدس میں بھی ملا اور انہوں نے حضور سے سنا بھی ہے۔ یہی قسطلانی میں ہے کہ صحابیہ، ثقفیہ ہیں، عابدہ بیبیوں میں تھیں۔ تقریب میں ہے دار قطنی نے عہد اقدس پانے کا انکار کیا ہے، مگر اصابہ میں قرائن سے یہ تحقیق فرمائی کہ انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملا، مگر کچھ سنا نہیں، یہ بیمار ہو گئیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ میرا دم واپسیں ہے۔ یہ خط پا کر حضرت ابن عمر تیزی سے چلے یہاں تک کہ ایک دن میں تین دن کی راہ طے فرمائی۔

٦٦١- ح: يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ [سواری پر (نفل) نماز پڑھتے]

٦٦١- عَنْ نَّافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا وَيُخْبِرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری پر (نفل) نماز پڑھتے تھے اور وتر بھی اور بتاتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: صلوۃ التطوع علی الدواب ص ۱۴۸، باب: ینزل للمکتوبۃ ص ۱۴۸، کتاب الوتر۔ باب: الوتر علی الدابۃ ص ۱۳۶)

٦٦٢- ح: يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ [سفر میں سواری پر نفل نماز (اشارے سے) پڑھتے]

٦٦٢- قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ اَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ وَذَكَرَ عَبْدُ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں اپنی سواری پر (نفل) نماز اشارے سے پڑھتے تھے، سواری ان کا منہ کدھر بھی کیے ہو، اور حضرت عبداللہ نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ باب: الایماء علی الدابۃ ص ۱۴۸، باب: من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلوات و قبلها ص ۱۴۹)

٦٦٣- ح: رَاَيْتُ وَهُوَ عَلٰى [میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سواری پر سر

---

[1] نزہۃ الخواطر۔ ج ۸ ص ۳۸

الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ

[... کے اشارے سے نفل پڑھتے دیکھا]

٦٦٣- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ اَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيعَةَ اَخْبَرَهٗ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ يُوْمِئُ بِرَاْسِهٖ قِبَلَ اَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ.

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سر کے اشارے سے نفل پڑھتے، جدھر بھی رخ انور ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: ینزل للمکتوبۃ ص۱۴۸، باب: التطوع علی الدواب ص۱۴۸، باب: من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلوات وقبلھا ص۱۴۹، مسلم)

٦٦٤- ح: كَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مشرق کی جانب منہ ہوتے ہوئے اپنی سواری پر (نماز) پڑھتے]

٦٦٤- حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوْبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرق کی جانب منہ ہوتے ہوئے اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے اور جب فرض پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اترتے اور قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: ینزل للمکتوبۃ ۱۴۸، باب: التطوع علی الدواب ص۱۴۸)

٦٦٥- ح: اِسْتَقْبَلْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِيْنَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ (الخ)

[جب شام سے آرہے تھے تو ہم نے حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کا استقبال کیا]

٦٦٥- اَخْبَرَنَا اَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ قَالَ اسْتَقْبَلْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِيْنَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ فَلَقِيْنَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ فَرَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْ عَلٰى حِمَارٍ وَّوَجْهُهٗ مِنْ ذَا الْجَانِبِ يَعْنِيْ عَنْ يَّسَارِ الْقِبْلَةِ فَقُلْتُ رَاَيْتُكَ تُصَلِّيْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ لَمْ اَفْعَلْهُ رَوَاهُ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: صلوٰۃ التطوع علی الحمار ص۱۴۹)

انس بن سیرین نے خبر دی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب شام سے آرہے تھے تو ہم نے ان کا استقبال کیا، ہم نے عین التمر میں ان سے ملاقات کی، میں نے ان کو دیکھا کہ گدھے پر سوار ہوتے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کا منہ اس طرف ہے یعنی قبلہ کے بائیں، تو میں نے ان سے عرض کیا: میں آپ کو غیر قبلہ کی طرف منہ کیے نماز پڑھتے دیکھ رہا ہوں، تو فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ ابراہیم بن طہمان نے بہ طریق حجاج عن انس بن سیرین عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں نفل نماز سواری پر جائز ہے، بشرطیکہ سواری چل رہی ہو، اگر کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے، رکوع وسجدے پر قدرت نہ ہو تو اشارے سے پڑھے، قبلہ کو منہ نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر سواری جانور

ہے اور کھڑی ہو تو سواری پر نہ پڑھے۔ اس میں بلا ضرورت جانور کو ایذاء پہنچانا ہے۔ ہاں اگر موٹر ریل گاڑی وغیرہ غیر جاندار سواری ہو تو کھڑی رہنے کی حالت میں بھی اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں البتہ فرائض چلتی ہوئی سواری پر صحیح نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ قیام پر قدرت ہوتے ہوئے اشارے سے پڑھے۔ نیز فرائض میں یہ بھی ضروری ہے کہ قبلہ کی جانب رخ ہو۔ موٹر ریل گاڑی وغیرہ کھڑی ہوں تو فرائض بھی اس پر ہو جائیں گے۔ چلتی ہوئی ٹرین اور موٹر میں فرائض درست نہیں اگر چہ کھڑے ہو کر رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھے۔ اس کی مفصل بحث گزر چکی۔

ہمارے نزدیک وتر واجب ہیں اس لیے یہ بھی سواری پر اور اشارے سے اور قبلہ کی جانب رُخ کیے بغیر صحیح نہیں اور یہی حکم فجر کی سنت کا بھی ہے اس لیے کہ اس کا تاکد اور سنن کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث: ۶۵۹ میں ہے کہ وہ سواری پر وتر پڑھتے تھے۔ ہماری دلیل وہ ہے جو امام طحاوی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے اور جب وتر پڑھنے ہوتے تو زمین پر پڑھتے فرماتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یزید بن سفیان امام نسائی کے شیخ ہیں اور ابو عاصم نبیل امام بخاری کے۔ اور حنظلہ سے پوری جماعت نے روایت کیا ہے نفل سواری پر پڑھتے پڑھتے وتر اتر کر زمین پر پڑھنا اس کی دلیل ہے کہ سواری پر وتر صحیح نہیں۔ ابھی حدیث: ۶۵۹ مذکور سے ظاہر ہے کہ وتر بھی سواری پر پڑھتے تھے تو وتر سواری پر صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں تردّد پیدا ہو گیا اور ظاہر ہے کہ عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے۔ اس لیے ہم نے کہا کہ سواری پر وتر درست نہیں۔ نیز دونوں احادیث میں تعارض ہے اور عند التعارض کسی ایک کو ترجیح قیاس سے ہوتی ہے چونکہ قیاس اس کا مقتضی ہے کہ سواری پر وتر درست نہ ہو اس لیے ترجیح اسی کو ہے۔ قیاس یہ ہے کہ ہم پہلے ثابت کر آئے کہ وتر واجب ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ فرائض کی طرح واجبات بھی سواری پر درست نہیں۔ نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ صحت والی حدیث مقدم ہو اور عدم صحت ثابت کرنے والی مؤخر۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ معاملہ برعکس ہو تو پہلی صورت میں صحت والی حدیث منسوخ ہو گی اور اس پر عمل جائز نہ ہو گا تو سواری پر وتر کی صحت مشتبہ ہو گئی اس لیے اس پر عمل نامناسب اور زمین پر بلاشبہ بالاتفاق درست تو اس پر عمل ضروری ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث: ۶۵۹ کی اس روایت میں جو "باب ینزل للمكتوبة" میں ہے یہ زائد ہے کہ حضرت ابن عمر رات کی نماز مسافرت کی حالت میں سواری پر پڑھتے مگر رات کی تخصیص نہیں دن کے نوافل بھی سفر کی حالت میں پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح بعض طرق میں سفر مذکور نہیں۔ یوں ہی بعض میں نفل کا ذکر نہیں مگر دوسری روایتیں اس کی مخصص ہیں۔ مراد یہی ہے کہ سفر کی حالت میں صرف نفل کی سواری پر اجازت ہے۔

عين التمر

عین التمر عراق کا مشہور مقام ہے جسے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال ایرانیوں کو شکست دے کر فتح کیا تھا۔ اسی میں حمران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام اور محمد بن سیرین کی والدہ سیرین قید کیے گئے تھے یہ انبار کے قریب کوفہ سے مغرب ہے۔

٦٦٦- ح: فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ

[میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سفر میں نفل پڑھتے نہیں دیکھا]

٦٦٦- أَنَّ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ صَحِبْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حفص بن عاصم نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے (سفر میں نفل کے بارے میں) پوچھا تو فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱).

ساتھ رہا مگر میں نے حضور کو سفر میں نفل پڑھتے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: من لم يتطوع في السفر ص۱۴۹، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

٦٦٧- ح: فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سفر میں دو رکعت سے زائد نہ پڑھتے]

٦٦٧ - عَنْ عِيْسَى بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. (ایضا)

عیسیٰ بن حفص نے کہا کہ میرے والد نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا، حضور سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم پڑھتے تھے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر احوال میں سنن و نوافل نہیں پڑھتے، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ چاشت فتح مکہ کے موقع پر سفر کی حالت میں پڑھی تھی، یا مراد یہ ہے کہ فرائض کے ساتھ زمین پر نہیں پڑھتے تھے، ورنہ ابھی حدیث گزری کہ سواری پر پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں سنن مؤکدہ، مؤکدہ نہیں رہتیں۔

ت۲۱۷- وَرَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِي السَّفَرِ.

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھیں۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: من تطوع في السفر في غيره دبر الصلوات وقبلها ص۱۴۹)

اس تعلیق کو امام مسلم نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے[1] یہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے، جس میں وہ واقعہ مذکور ہے کہ سو جانے کی وجہ سے نمازِ فجر قضا ہو گئی تھی، نیز مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث میں ہے۔ ابوداؤد[2] میں ہے: سب نے فجر کی سنتیں پڑھیں پھر فجر پڑھی۔ یہاں باب یہ ہے: نمازوں کے بعد اور پہلے کے سوار کا سفر میں نفل پڑھنا۔ یعنی فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں جو سنن رواتب ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی نماز سفر کی حالت میں پڑھنی۔ اب اس اثر کو باب سے کوئی مناسبت نہیں، اس لیے کہ سنت فجر، سنن رواتب میں ہے اور فجر سے پہلے ہے۔ علامہ عینی وغیرہ نے فرمایا کہ باب کے اس جزء "غیر دبر الصلوٰۃ" کے مناسب ہے۔ یہ بعد میں نہیں فیہ ما فیہ۔ اسی کے ضمن میں چاشت والی حدیث ذکر فرمائی ہے، اسے ضرور باب سے مناسبت ہے۔ نیز حدیث: ٦٦٤، اور ٦٦٥ بھی لائے ہیں۔ ان دونوں سے باب ثابت ہے، ہو سکتا ہے اس تعلیق کے ذکر سے امام بخاری کا منشاء یہ ہو کہ بقیہ سنن رواتب تو معاف ہیں مگر فجر کی سنت معاف نہیں۔ اسے سفر میں بھی ضرور پڑھنا لازم ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔

ت۲۱۸- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کو جمع فرماتے اور مغرب اور عشاء کو بھی۔

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۳۹۔ کتاب المساجد۔ باب: قضاء الفائتة [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۶۲۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: في من نام عن صلوٰة او نسيها

الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ.

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء ص۱۴۹)

سابقاً گزر چکا کہ اس سے مراد جمع صوری ہے، حقیقی نہیں۔

۶۶۸- ح: كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سفر میں ان دونوں نمازوں (مغرب اور عشاء) کو جمع کرتے]

۶۶۸- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفر میں ان دونوں نمازوں مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: هل یؤذن او یقیم اذا جمع بین المغرب والعشاء ص۱۴۹)

اس حدیث پر عنوان یہ ہے: جب سفر میں مغرب اور عشاء کو جمع کرے تو اذان اور اقامت کہے۔ پہلے حضرت ابن عمر والی حدیث: ۶۵۸ لائے جس میں اقامت کی تصریح ہے کہ مغرب کی نماز کے لیے بھی اقامت کہی اور پھر عشاء کے لیے بھی۔ اس طرح اس حدیث سے باب کا ایک جز ثابت ہو گیا، مگر حضرت انس کی حدیث میں نہ اذان کا ذکر ہے نہ اقامت کا۔ علامہ کرمانی نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ "الصلوٰتین" سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ دونوں نمازیں اپنے تمام ارکان و شرائط و سنن کے ساتھ پڑھیں جن میں اذان و اقامت دونوں داخل ہیں، یا یہ کہا جائے کہ حضرت انس کی حدیث کی تفسیر حضرت ابن عمر کی حدیث ہے۔

رہ گئی یہ بحث کہ جمع صوری میں اذان اور اقامت کہی جائے گی یا نہیں، مجھے اس کی کہیں تصریح نہیں ملی، مگر جب فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ مسافر کو اذان و اقامت دونوں کو چھوڑنا مکروہ ہے حتیٰ کہ تنہا ہو جب بھی، البتہ اگر تمام ساتھی موجود ہوں تو اذان نہ کہنا مکروہ نہیں، مگر اقامت کا چھوڑنا اب بھی مکروہ ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں کے لیے اذان بھی کہے اور اقامت بھی، ورنہ کم از کم دونوں کے لیے اقامت ضرور کہے، جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔

ت ۲۱۹- فِيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: یؤخر الظهر الی العصر اذا ارتحل قبل ان یزیغ الشمس ص۱۵۰)

اس تعلیق سے قبل متصل یہ باب ہے: ظہر کو عصر تک مؤخر کرے جبکہ سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرے۔ اس تعلیق کو امام احمد[1] نے اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ جس میں حسین بن عبداللہ بن عباس ہے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیسے نماز پڑھتے تھے؟ ہم نے عرض کیا: ضرور بتائیے! تو فرمایا: اگر منزل پر سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر ایک ساتھ سوار ہونے سے پہلے پڑھ لیتے اور جب سورج منزل پر نہ ڈھلتا تو روانہ ہو جاتے یہاں تک کہ جب عصر کا وقت ہو جاتا تو اترتے اور ظہر و عصر ساتھ پڑھتے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۷ ص۱۵۲)

اس حدیث کا ایک راوی حسین بن عبداللہ بہت ہی ضعیف ہے۔ ابن مدینی نے کہا: میں نے اس کی حدیث ترک کر دی۔ حضرت

[1] مسند امام احمد۔ ج۱ ص۳۶۷

امام احمد نے فرمایا: اس کے لیے منکر اشیاء ہیں۔ ابن معین نے کہا: ضعیف ہے' نسائی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔ ابن حبان نے کہا: سندیں بدل دیتا ہے اور مسانید کو مرفوع کر دیتا ہے' اس لیے یہ حدیث لائق احتجاج نہیں۔

٦٦٩- ح: اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ (الخ)

[جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے]

٦٦٩- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ. ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَاِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرماتے' پھر دونوں کو جمع فرماتے اور جب سورج ڈھل جاتا تو ظہر پڑھ کر سوار ہوتے۔

(ایضاً۔ ص ۱۵۰۔ دو طریقے سے)

امام شافعی اور امام احمد سفر میں جمع حقیقی کے جواز کے قائل ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان کے یہاں یہ تفصیل ہے: اگر پہلی نماز کے وقت منزل پر ہو تو افضل یہ ہے کہ پہلی ہی کے وقت میں دوسری کو بھی پڑھ لے اور اگر پہلی نماز کے وقت میں سفر کر رہا ہو تو افضل یہ ہے کہ اس کو مؤخر کر دے۔ اور دوسری نماز کے وقت میں پڑھے' مگر شرط یہ ہے کہ پہلی کے وقت میں یہ نیت کر لے کہ اسے دوسری کے وقت میں پڑھوں گا اور دونوں کے وقت میں سفر ہی کر رہا ہو تو اسے اختیار ہے' خواہ پہلی کو مؤخر کر کے دوسری کے وقت میں پڑھے' خواہ دوسری کو پہلی کے وقت میں پڑھے۔ ان کے یہاں جمع صرف ظہر و عصر اور مغرب و عشاء میں ہے۔ عشاء اور فجر میں یا عصر و مغرب میں نہیں۔ جمع کے شرائط ان کے یہاں یہ ہیں: اگر عصر کو ظہر کے وقت میں یا عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھنا چاہتا ہے تو تین شرطیں ہیں: پہلی کو پہلے پڑھے اور پہلی سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے جمع کی نیت کر لے' دونوں کے مابین کسی منافی صلوٰۃ کا فصل نہ ہو' اور اگر ظہر کو عصر کے وقت میں یا مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ ظہر کا وقت نکلنے سے پہلے۔ یونہی مغرب کا وقت نکلنے سے پہلے جمع کی نیت کر لے۔ (ردالمحتار۔ ج ۱۔ باب الاوقاف۔ ص ۲۵۶)

جواب

اس حدیث سے شوافع کا استدلال تام نہیں' نہ جمع تاخیر کا نہ جمع تقدیم کا۔ جمع تاخیر کا یوں نہیں کہ یہ جو فرمایا کہ ظہر کو عصر تک مؤخر فرمایا: اولاً: اس میں اس کا بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہے کہ عصر کے وقت کے قریب تک مؤخر فرمایا' اور قریب وقت کو عین وقت سے تعبیر کرنا دنیا کے ہر عرف میں شائع اور ذائع ہے۔ حدیث حضرت ابن عمر: ۶۵۸ کے پیش نظر دفع تعارض کے لیے یہ احتمال مراد لینا لازم۔ ثانیاً: یہ فرمایا کہ ظہر کو عصر تک مؤخر فرمایا' یعنی ظہر کو اس وقت پڑھا کہ ظہر سے فارغ ہوتے ہی عصر کا وقت آ گیا۔ اب یہ کہنا بالکل درست کہ ظہر کو عصر تک مؤخر فرمایا اور جمع تقدیم کا اس میں پتہ نہیں۔ صرف یہ مذکور ہے کہ اگر بعد زوال کوچ فرماتے تو ظہر پڑھ کر سوار ہوتے۔ یہ کہاں مذکور ہے کہ عصر بھی پڑھتے' بلکہ مقام کا اقتضاء یہ تھا کہ اگر واقعی ظہر ہی کے وقت میں عصر بھی پڑھتے تو ضرور مذکور ہوتا۔ یہاں بہ اعتبار ظاہر عدم ذکر' ذکر عدم متبادر ہے۔

دوسری کتب حدیث میں یہ ضرور ہے کہ بعد زوال کوچ فرماتے تو ظہر و عصر پڑھتے۔ امام حاکم نے اربعین میں اپنی سند کے ساتھ ابن شہاب زہری سے روایت کیا اور فریابی نے بہ تفرد اسحاق بن راہویہ سے اور طبرانی نے اوسط میں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن الفضل سے روایت کیا ہے۔ اولاً یہ روایتیں ضعیف ساقط الاعتبار ہیں' جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے حاجز البحرین میں

بدلائل ثابت فرمایا۔ نیز غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل معیار میں امام حاکم اور طبرانی کو ضعیف مان چکے ہیں۔ ثانیاً غیر مقلدین کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ صحیحین کے مقابلے میں غیر صحیحین کی روایت مرجوح' پھر غیر مقلدین کا اس سے استدلال ان کے طور پر فاسد۔ ثالثاً ان روایتوں میں یہ کہاں ہے کہ عصر کو ظہر کے وقت پڑھتے تھے' ظہر اور عصر پڑھ کر کوچ فرماتے تھے۔ اس کا صاف صریح مطلب یہ ہے کہ ظہر پڑھ کر قیام فرماتے' جب عصر کا وقت ہو جاتا تو عصر کو اس کے وقت میں پڑھ کر سوار ہوتے۔ اسی وجہ سے امام ابوداؤد نے فرمایا کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث قائم نہیں۔

مسک الختام

جمع حقیقی' نص قرآنی کے معارض ہے' ارشاد ہے:

(۱) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا○ (النساء:۱۰۳) — بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے○

جب ہر نماز کا وقت مقرر ہے تو ایک نماز بالقصد وقت گزار کر پڑھنا' یا وقت سے پہلے پڑھنا' اس ارشاد کی خلاف ورزی ہے۔

(۲) حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى. (البقرہ:۲۳۸) — تمام نمازوں کی محافظت کرو اور بیچ والی کی۔

محافظت کے معنی وقت پر ادا کرنا بھی ہے۔ بیضاوی میں ہے: ''ای بالاداء لوقتها ولمداومتها''۔ ارشاد العقل السلیم میں ہے: ''ای داوموا علی ادائها لاوقاتها من غیر اخلال بشيء'' یعنی محافظت کے معنی یہ ہیں کہ نماز کو ان کے وقتوں پر ادا کرو اور اس کی پابندی کرو۔

اس مضمون کی ایک ہی نہیں متعدد آیتیں ہیں:

(۳) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ. (مریم:۵۹) — پھر ان کے پسماندہ وہ آئے جنھوں نے نماز ضائع کی۔

اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمائی: ''اخروها عن مواقیتها وصلوها لغیر وقتها''[۱] یہ لوگ نمازوں کے ان کے وقتوں سے ہٹاتے ہیں اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب[۱] نے یہ تفسیر کی: ''هو ان لا یصلی الظهر حتی اتی العصر'' نماز ضائع کرنا یہ ہے کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا۔

جب جمع حقیقی' خواہ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر' نصوص قرآنیہ کے معارض ہے' تو اس کا اثبات احادیث آحاد' وہ بھی محتمل الدلالت سے کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص درست نہیں' نیز اس تقدیر پر احادیث میں تعارض لازم آئے گا اور جمع صوری مراد لینے میں تعارض بھی ختم ہوتا ہے اور احادیث میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے' اس لیے احناف نے جمع حقیقی کو ناجائز کہا اور اس باب میں وارد احادیث کو جمع صوری پر محمول فرمایا۔ ناظرین اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے حاجز البحرین[۲] کا ضرور مطالعہ کریں۔

۶۷۰- ح: اِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ [کھڑے ہو کر نماز پڑھنا افضل ہے]

۶۷۰- عَنْ اَبِيْ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَّكَانَ مَبْسُوْرًا قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ — عبداللہ بن بریدہ نے کہا: مجھ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی اور یہ بواسیر کے مریض تھے' میں نے رسول

---

[۱] عمدۃ القاری۔ ج ۵ ص ۱۷ [۲] اثر محی السنہ حاجز البحرین' فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۳۲۵

وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا فَقَالَ اِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ.

اللہ ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھنی افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اسے کھڑے ہو کر پڑھنے کا آدھا ثواب ہے اور جو سو کر پڑھے اسے بیٹھ کر پڑھنے والا کا آدھا۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: صلٰوۃ القاعد بالایماء ص ۱۵۰' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

ت ۲۲۰- وَقَالَ عَطَاءٌ اِنْ لَّمْ يَقْدِرْ اَنْ يَّتَحَوَّلَ اِلَى الْقِبْلَةِ صَلّٰى حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ.

اور عطاء نے کہا: اگر قبلہ کی جانب منہ کرنے پر قادر نہ ہو تو جدھر منہ ہو' اسی طرف نماز پڑھے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: صلٰوۃ القاعد بالایماء ص ۱۵۰)

۶۷۱- ح: كَانَ بِيْ بَوَاسِيْرُ (الخ)

[مجھے بواسیر تھی]

۶۷۱- عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ بِيْ بَوَاسِيْرُ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بواسیر تھی' اس لیے میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر پڑھ' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر' اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کروٹ پر۔

(بخاری۔ باب: اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ص ۱۵۰' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ)

حضرت عطاء کی تعلیق کو امام عبدالرزاق نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے متعلق دو خاص بحثیں ہیں:

پہلی بحث: یہ ہے کہ فرض نماز قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ احناف کا مسلک یہ ہے کہ درست نہیں اس لیے کہ قیام فرض ہے اور بلا عذر فرض کے چھوڑنے سے نماز فاسد ہوتی ہے' اور حدیث میں بیٹھ کر یا لیٹ کر پڑھنے کی اجازت اس وقت ہے کہ قیام کی یا قعود کی استطاعت نہ ہو۔ ''نائمًا'' سے مراد لیٹ کر ہے' حقیقی سونا مراد نہیں' اگر کوئی واقعی سو رہا ہو' نیند میں ہو تو وہ نماز کیسے پڑھ سکے گا۔ لیٹ کر نماز پڑھنے کی تین صورتیں ہیں: دائیں کروٹ پر لیٹے یا بائیں کروٹ پر لیٹے اور منہ قبلہ کو ہو' یا چت لیٹے اور پاؤں قبلہ کی جانب ہوں' مریض کی جیسی حالت ہو اس کے مطابق کرے۔ اگر تینوں میں یکساں قدرت ہو تو افضل یہ ہے کہ چت لیٹ کر نماز پڑھے مگر گھٹنے کھڑے رکھے' اس لیے کہ قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانا مکروہ ہے' رکوع سجدے کے لیے سر سے اشارہ کرے رکوع کے لیے کم' سجدے کے لیے زیادہ اور سر کے نیچے تکیہ رکھ لے' اس سے منہ بھی قبلہ کی جانب ہو گا اور اشارے میں آسانی بھی ہو گی۔ اور اگر سر سے اشارہ بھی نہ کر سکے تو اس وقت نماز نہ پڑھے۔ اگر چھ سے زیادہ نمازوں کا وقت اسی طرح گزر گیا تو یہ نمازیں معاف ہیں' چھ سے کم میں افاقہ ہوا' اگرچہ اتنا ہی کہ سر کے اشارے سے پڑھ سکتا تھا تو قضا لازم۔ نفل نماز قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے' البتہ بیٹھنے پر قدرت ہوتے ہوئے لیٹ کر پڑھنے کی اجازت نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بیٹھنا بھی نماز کے ارکان میں ہے' مگر لیٹنا نہیں۔ اور اگر مریض نہ خود قبلہ کی طرف منہ کر سکتا ہے نہ دوسرا کرا سکتا ہے تو جدھر منہ ہو سکے' اسی طرف منہ کر کے پڑھے۔

دوسری بحث: یہ ہے کہ یہ جو فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب آدھا ہے تو اس سے فرائض مراد ہیں یا نوافل؟ قدرت کی حالت میں مراد ہے یا عذر کی حالت میں؟ امام نووی وغیرہ نے فرمایا: اس سے مراد صرف نوافل ہیں اور قدرت کی حالت بھی' یعنی قیام

پر قدرت ہوتے ہوئے جو نفل نماز بیٹھ کر پڑھے گا اسے آدھا ثواب ملے گا' لیکن جو شخص کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کا عادی تھا' بہ وجہ عذر' بیماری' ضعف بیٹھ کر نماز پڑھے گا اسے پورا ثواب ملے گا' فرائض مراد نہیں' اس لیے کہ قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر فرائض درست ہی نہیں' پھر اس میں آدھے ثواب کا سوال ہی نہیں۔

مطابقت باب

یہاں تقصیر صلوٰۃ کے ابواب چل رہے ہیں۔ تقصیر کے شرعی معنی بجائے چار کے دو رکعت پڑھنی ہے' مریض کے لیے یہ تخفیف نہیں' مگر قصر سفر میں ہوتا ہے اور سفر میں کبھی ایسا سانحہ پیش آ جاتا ہے کہ آدمی سواری سے اتر نہیں سکتا جیسے نیچے کیچڑ ہے جس پر سجدہ نہیں ہو پائے گا جس کی وجہ سے وہ سجدہ پر قادر نہیں' سواری پر اشارے سے نماز پڑھے' اتنی مناسبت بھی کافی ہے' یا یہ کہ تقصیر کے لغوی معنی مراد لیے جائیں' یعنی کمی کرنا' چونکہ اشارے سے نماز پڑھنے میں یا بیٹھ کر پڑھنے میں قیام بالکلیہ اور رکوع وسجدہ بروجہ مسنون چھوٹ جاتا ہے' اس اعتبار سے کمی ہوئی۔ اسی حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: بیٹھنے والے کی نماز اشارے سے۔ حدیث میں اشارے کا کوئی ذکر نہیں' صراحۃً ذکر نہیں مگر لزوماً ہے' اس لیے کہ لیٹ کر جب نماز پڑھیں گے تو اشارے ہی سے پڑھیں گے' رکوع سجدے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اسماعیلی اور خطابی نے کہا کہ ''نائمًا'' تصحیف ہے' یہ ''بالایماء'' تھا مگر ایسا نہیں۔ کریمہ وغیرہ کے نسخوں میں یہ زائد ہے: ابوعبداللہ یعنی امام بخاری نے کہا: ''نائمًا'' کے معنی میرے نزدیک لیٹنے والے کے ہیں' ان لوگوں نے ''نائمًا'' کا معنی حقیقی سمجھ لیا' حالانکہ اس کا مجازی معنی لیٹنا مراد ہے۔

ت ۲۲۱- وَقَالَ الْحَسَنُ إِنْ شَآءَ الْمَرِيْضُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَاعِدًا وَّرَكْعَتَيْنِ قَائِمًا.

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا: مریض چاہے تو دو رکعت بیٹھ کر پڑھے اور دو رکعت کھڑے ہو کر۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: اذا صلى قاعدا ثم صح او وجد خفة تمم ما بقى ص ۱۵۰)

ابن ابی شیبہ نے اس تعلیق کے ہم معنی موصولاً ذکر کیا ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: مریض کی جو حالت ہو اس کے مطابق نماز پڑھے۔ الفاظ یہ ہیں: ''يصلي المريض على الحالة التي هو عليها'' مطلب یہ ہے کہ اگر پوری نماز میں قیام پر قادر نہیں تو پوری نماز بیٹھ کر پڑھے اور اگر کچھ حصے میں خواہ اول خواہ اوسط میں یا آخر میں قیام پر قدرت ہو تو اتنی دیر کھڑے ہو کر پڑھے' اسی کی فرع حضرت حسن کا ارشاد بھی ہے۔

۶۷۲- ح: يُصَلِّي صَلٰوةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا

[(میں نے آپ ﷺ) کو صلوٰۃ اللیل بیٹھ کر پڑھتے (کبھی نہیں دیکھا)]

۶۷۲- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتّٰى اَسَنَّ فَكَانَ يَقْرَاُ قَاعِدًا حَتّٰى اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَقَرَاَ نَحْوًا مِّنْ ثَلٰثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً ثُمَّ رَكَعَ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سن رسیدہ ہونے سے پہلے صلوٰۃ اللیل بیٹھ کر پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا' حضور کا جب سن مبارک زیادہ ہو گیا تو بیٹھ کر پڑھتے رہتے' جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوتے اور تیس یا چالیس آیت کے قریب پڑھتے' پھر رکوع کرتے۔

(بخاری۔ کتاب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب: اذا صلى قاعدا ثم صح او وجد خفة تمم ما بقى ص ۱۵۰' کتاب التہجد۔ باب: قيام النبي صلى الله

علیہ وسلم فی رمضان وغیرہ ص ۱۵۴' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' مسلم)

٦٧٣- ح: كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیٹھ کر نماز اور قرآن پڑھتے]

٦٧٣- عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ نَحْوٌ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ فَإِذَا قَضٰى صَلَاتَهٗ نَظَرَ فَإِنْ كُنْتُ يَقْظٰى تَحَدَّثَ مَعِيَ وَإِنْ كُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ. (ایضاً)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے' قرآن مجید بیٹھے بیٹھے پڑھتے' جب مقدار قراءت میں سے تیس یا چالیس آیتوں کے قریب باقی رہتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے کھڑے پڑھتے پھر رکوع فرماتے' پھر سجدہ' دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے' جب نماز پوری فرما لیتے تو دیکھتے کہ اگر میں جاگتی رہتی تو مجھ سے بات کرتے اور اگر میں سو جاتی تو لیٹ جاتے۔

یہ دونوں احادیث ایک ہی ہیں' ایک مختصر ہے دوسری مفصل۔ پہلی میں یہ مضمون زائد ہے کہ سن رسیدہ ہونے سے پہلے میں نے آپ کو تہجد بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا' بقیہ مضمون ایک ہی ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ نماز کا کچھ حصہ بیٹھ کر ادا کیا جائے اور کچھ حصہ کھڑے ہو کر' یہی ہمارا مسلک ہے۔ ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ اگر اتنی قدرت ہو کہ صرف تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہہ سکے تو فرض ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے' پھر بیٹھ جائے اور اگر اتنی قدرت کے باوجود تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر نہیں کہی تو نماز نہ ہوگی۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹ - كِتَابُ التَّهَجُّدِ

[نمازِ تہجد کا بیان]

٦٧٤- ح: إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ (الخ)

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب رات میں تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ پڑھتے تھے: اے اللہ! تیری حمد ہے]

٦٧٤- عَنْ طَاوُسٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَّقَوْلُكَ حَقٌّ وَّالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ قَالَ سُفْيَانُ وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُوْ أُمَيَّةَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.

امام طاؤس سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں تہجد کے لیے اُٹھتے تو یہ پڑھتے تھے: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے' تو آسمانوں اور زمین اور ان میں جتنے ہیں سب کو قائم رکھنے والا ہے اور تیرے ہی لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان میں جتنے ہیں سب کا نور ہے' اور تیرے ہی لیے حمد ہے' تو آسمان و زمین اور جتنے ان میں ہیں ان سب پر تیری ہی حکومت ہے اور تیرے ہی لیے حمد ہے' تو حق ہے' اور تیرا وعدہ حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے اور تیرا ارشاد حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور تمام انبیاء حق ہیں اور محمد حق ہیں اور قیامت حق ہے' اے اللہ! میں تیرا ہی تابع فرمان ہوا اور تجھی پر ایمان لایا اور تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع ہوا اور تجھی سے میں نے انصاف چاہا اور تجھی کو حاکم مانا' تو مجھے بخش دے جو لغزشیں مجھ سے پہلے ہوئیں یا جو بعد میں ہوں گی اور جو میں نے چھپ کر کیا اور جن کو میں نے علانیہ کیا' تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے' سوائے تیرے کوئی معبود نہیں اور تیرے علاوہ اور کوئی پرستش کے لائق نہیں' اور تیری توفیق کے بغیر گناہوں سے کوئی بچ سکتا ہے اور نہ نیکیاں کر سکتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: التہجد باللیل ص ۱۵۱۔ ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: اذا انتبہ من اللیل ص ۹۳۵' کتاب التوحید۔ باب: قول

اللّٰہ عزوجل وھو الذی خلق السموات والارض ص۱۰۹۸' باب:قول اللّٰہ ووجوہ یومئذ ناضرۃالٰی ربھا ناظرۃ ص۱۱۰۵' باب:قول اللّٰہ یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰہ ص۱۱۱۶- مسلم'ابن ماجہ)

کسی مخلوق کو قیوم کہنا جائز نہیں

''اللّٰھم قیم السموات والارض'' بعض نسخوں میں ''اللّٰھم لك الحمد قیم الخ'' ہے' ابوالزبیر کی روایت مذکورہ میں ''انت قیام السموات والارض'' ہے' اس روایت میں ''قیم'' سے پہلے ''انت'' محذوف مبتدا ہے' جس کی خبر ''قیم السموات'' ہے' ''قیّمٌ' قیّام' قیّوم'' ہم معنی ہیں' البتہ لفظ قیوم' اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے۔ کسی مخلوق کو قیوم کہنا جائز نہیں' حتیٰ کہ مجمع الانہر اور شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ کسی مخلوق کو قیوم کہنا کفر ہے' اگرچہ صحیح یہ ہے کہ کفر اس وقت ہے جبکہ خاص اس معنی کو لے کر غیر اللہ پر اس کا اطلاق کریں' مگر ممنوع ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''قیوم'' کے معنی ہیں: ''الذی لا یزول'' جس کے لیے زوال وفنا نہیں۔ قتادہ نے کہا: ''القائم بنفسه بتدبیر خلقه المقیم لغیرہ'' جو اپنی مخلوق کی تدبیر کے ساتھ قائم ہو اور دوسرے کو قائم کرنے والا ہو۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس کے معنی ہیں: ''الدائم القیام بتدبیر الخلق المعطی'' جو مخلوق کی تدبیر پر ہمیشہ قائم ہو اور ہر چیز کا عطاء کرنے والا ہو۔ قاموس میں اس کے معنی یہ بتائے: ''الذی لا ندله'' جس کا کوئی مثل نہ ہو' یہ قیوم کے شرعی معنی ہیں' جن کے لحاظ سے وہ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ بہ اعتبار لغت' یہ قیام سے مبالغہ کا صیغہ ہے' اصل میں ''قَیْوِمٌ'' تھا۔ ''سیّدٌ'' کے قاعدے سے واؤ کو یاء سے بدلا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا۔ لفظ ''قیم'' باری تعالیٰ کی صفت خاصہ نہیں' اس کا اطلاق احادیث میں بھی مخلوق پر آیا ہے۔ ارشاد ہے: ''حتی یکون لخمسین امراۃ القیم الواحد''[1] یہاں تک کہ پچاس عورت کے لیے ایک نگہبان ہوگا۔

انت الحق

''حق'' مصدر ہے' معنی میں ثابت ہونے کے۔ یہاں بہ معنی مفعول ہے' یعنی وہ ہستی جو بلاشک وشبہہ موجود ہو یا جو بہ ذاتہٖ موجود ہو' اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو' یا وہ موجود جو مسبوق بالعدم نہ ہو اور قابل زوال نہ ہو۔ پہلا معنی عام ہے اور اس معنی کے اعتبار سے جنت دوزخ وغیرہ پر حق کا حمل ہوا' بعد والے دونوں معنی باری عزاسمہ کے ساتھ خاص ہیں۔

''فاغفرلی'' کی توجیہ

مراد یہ ہے کہ وہ اُمور جو اگرچہ فی نفسہٖ گناہ نہیں مگر میری شان ارفع و اعلیٰ کے مناسب نہیں تھے' مجھ سے سہواً صادر ہوئے' انہیں درگزر فرما' جیسا کہ فرمایا گیا: ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' خود ارشاد فرمایا: ''انه لیغان علی قلبی فاستغفر اللّٰہ'' اس لیے کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی ہر قسم کے گناہوں سے خواہ صغائر ہوں خواہ کبائر' معصوم ہیں۔

کتاب التوحید ''باب وجوہ یومئذ ناضرۃ الٰی ربھا ناظرۃ'' میں ''وما اعلنت'' کے بعد یہ زائد ہے: ''وانت تعلم'' اور تو جانتا ہے۔ کتاب الدعوات میں ''لا الٰہ الا انت'' اور ''لا الٰہ غیرك'' کے درمیان ''الٰھی'' کا اضافہ ہے۔

۶۷۵- ح اِذَا رَاٰی رُؤْیَا قَصَّھَا عَلٰی [جب کوئی خواب دیکھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بخاری۔ج اص ۱۸۔ کتاب العلم۔ باب:رفع العلم وظھور الجھل

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

٦٧٥ - عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَاٰى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَمَنَّيْتُ اَنْ اَرٰى رُؤْيَا فَاَقُصَّهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا وَّكُنْتُ اَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَيْتُ فِي النَّوْمِ كَاَنَّ مَلَكَيْنِ اَخَذَانِيْ فَذَهَبَا بِيْ اِلَى النَّارِ فَاِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَاِذَا لَهَا قَرْنَانِ وَاِذَا فِيْهَا اُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ قَالَ فَلَقِيَنَا مَلَكٌ اٰخَرُ فَقَالَ لِيْ لَمْ تُرَعْ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ اِلَّا قَلِيْلًا۔

[...سے بیان کرتا]

حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں جب کوئی شخص کوئی خواب دیکھتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کرتا' مجھے بھی تمنا ہوئی کہ کوئی خواب دیکھوں اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کروں اور میں نوعمر جوان تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں سوتا تھا' میں نے خواب دیکھا' گویا دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور جہنم کے پاس لے گئے' میں نے جہنم دیکھا' وہ کنویں کی طرح پختہ بنی ہوئی ہے اور اس کے دو گوشے ہیں اور اس میں کچھ لوگ ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں' میں کہنے لگا: جہنم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں' اس کے بعد ہمیں ایک دوسرا فرشتہ ملا اور اس نے مجھ سے کہا: مت ڈرو! میں نے اسے حضرت حفصہ سے بیان کیا اور حضرت حفصہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: عبداللہ اچھا شخص ہے' اگر یہ رات میں نماز پڑھتا۔ (سالم نے) کہا: اس کے بعد وہ رات میں بہت کم سوتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: فضل قيام الليل ص ۱۵۱' باب: فضل من تعار من الليل فصلى ص ۱۵۵' کتاب المساجد۔ باب: نوم الرجال فی المسجد ص ۶۳' کتاب المناقب۔ باب: مناقب عبد الله بن عمر رضى الله عنهما ص ۵۲۹' مسلم۔ کتاب الفضائل)

تکمیل

باب "اذا تعار من الليل" میں یہ زائد ہے: فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں قناویز (موٹا ریشم کا کپڑا) ہے' میں جنت میں جس جگہ چاہتا ہوں مجھے اُڑا لے جاتا ہے۔ اخیر میں ہے کہ حضرت حفصہ نے صرف ایک خواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا۔

كنت انام في المسجد...... (مسجد میں سونے کا حکم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مٹی کا اپنے لیے گھر بنانا چاہا مگر کسی نے ان سے تعاون نہیں کیا' ان کا کوئی گھر نہیں تھا' اس لیے وہ ابتداء میں مسجد میں سوتے تھے۔ ہوسکتا ہے وہ اعتکاف کی نیت کر لیتے ہوں' اس لیے کہ معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونا جائز نہیں بعض علماء نے اس مسافر کو بھی جس کا کوئی ٹھکانا نہ ہو' مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ج ۲ ص ۱۵۰' رقم: ۳۰۶ پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

مطوية

اس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا ہے کہ دوزخ کنویں کی طرح پیچ دار ہے' مگر علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے اس کے معنی "مبنية كبناء البير" کیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کنویں کو پتھر یا اینٹ وغیرہ جوڑ کر باندھ دیتے ہیں کہ گرنے نہ پائے' اسی طرح دوزخ بھی پختہ کنویں کی طرح تھی۔

قرنان

قرن کے معنی سینگ یا سر کے گوشے کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جیسے کنوؤں کے اوپر دو ستون گاڑ کر دونوں کے بیچ میں لکڑی یا لوہا لگا دیتے ہیں جس میں چرخی ہوتی ہے' جس پر رسی رکھ کر پانی کھینچتے ہیں' اسی طرح دوزخ کے ارد گرد بھی دو کھمبے تھے۔

خواب اور تعبیر میں مناسبت' خواب کے دو جز ہیں' ایک یہ کہ جہنم دکھائی گئی اور پھر کہا گیا کہ ڈر مت۔ دوسرا جز ان کے صالح ہونے کی دلیل ہے اور پہلا جز اس کی کہ کمال صلاح تک پہنچنے میں کچھ کمی ہے' جس پر آمادہ کرنے کے لیے جہنم دکھائی گئی۔ اس کو حضور اقدس ﷺ نے بتا دیا کہ وہ نمازِ تہجد نہ پڑھنا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تہجد جہنم سے بچانے والا بھی ہے اور درجات بلند کرنے والا بھی۔

٦٧٦- ح: اِشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً اَوْ لَيْلَتَيْنِ

[نبی ﷺ بیمار ہوئے تو ایک دو رات تہجد نہ پڑھی]

٦٧٦- عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبًا يَقُوْلُ اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً اَوْ لَيْلَتَيْنِ. وَعَنْهُ قَالَ احْتَبَسَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ امْرَءَةٌ مِّنْ قُرَيْشٍ اَبْطَاَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ فَنَزَلَتْ ﴿وَالضُّحٰىO وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰىO مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىO﴾ (الضحیٰ: ١-٣).

حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ علیل ہو گئے تو آپ نے ایک دو رات تہجد نہیں پڑھی اور انہیں سے مروی ہے کہ حضرت جبریل کچھ دن نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوئے تو قریش کی ایک عورت نے کہا: اس کے شیطان نے اس کے پاس آنا بند کر دیا' تو سورہ والضحیٰ نازل ہوئی: قسم ہے چاشت کے وقت کیO قسم ہے رات کی جب تاریکی پھیلا دےO تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا اور نہ دشمن بنایا ہےO

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ترك القيام للمريض ص ١٥١' ج ٢۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ والضحیٰ۔ ص ٩-٧٣٨۔ دو طریقے سے' کتاب فضائل القرآن۔ باب: کیف نزل الوحی ص ٧٤٥' مسلم۔ کتاب المغازی' ترمذی' نسائی۔ کتاب التفسیر)

کتاب التفسیر' سورہ والضحیٰ میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھی نے دیر کر دی' اس حدیث کے راوی حضرت جندب بن عبداللہ بن ابو سفیان بجلی رضی اللہ عنہ ہیں' ان کو کبھی باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ابن عبداللہ کہا جاتا ہے' کبھی دادا کی طرف منسوب کر کے ابن ابی سفیان۔ کتاب التفسیر میں جندب بن ابی سفیان کہا ہے۔ پہلی حدیث بہ طریق ابو نعیم سفیان بن عیینہ سے مروی ہے اور دوسری بہ طریق محمد بن کثیر۔ سفیان بن عیینہ سے آخر تک دونوں کی سند ایک ہے۔ اسی طرح "فقالت امراۃ من قریش" سے اخیر تک دونوں کا متن بھی ایک ہے' ابتدائی حصہ مختلف ہے۔ پہلی میں یہ ہے کہ ناسازی مزاج اقدس کی وجہ سے ایک دو رات تہجد نہیں پڑھی تو اس بدبخت قریشیہ نے وہ کہا۔ دوسری میں ہے کہ جبریل کی حاضری میں دیر ہوئی تو اس نے وہ طعنہ دیا۔

اشتکی

حضور اقدس ﷺ کی علالت کیا تھی؟ یہ کسی حدیث میں مذکور نہیں' البتہ ترمذی میں ہے کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں غزوہ انمار میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھا' حضور کی کوئی انگلی زخمی ہو گئی تو حضور نے فرمایا: "هل انت الا اصبع دميت.

وفی سبیل اللّٰہ ما لقیت" "تو کیا ہے ایک انگلی جو زخمی ہوئی اور راہِ خدا میں تجھے کسی بڑی افتاد سے سابقہ نہیں پڑا۔ اور جبریل نے حاضری میں دیر کر دی تو مشرکین نے کہا: محمد کو چھوڑ دیا گیا' تو یہ آیت نازل ہوئی: "تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا ہے نہ تم کو دشمن بنایا ہے"۔ اس پر یہ عرض ہے کہ سورۂ والضحیٰ اوّل بعثت میں نازل ہوئی ہے اور حضرت جندب بعد میں شرف صحبت سے بہرہ ور ہوئے ہیں' جیسا کہ بغوی نے حضرت امام احمد سے معجم الصحابہ میں نقل کیا ہے۔ اب یا تو یہ کہا جائے کہ ترمذی کا یہ واقعہ اور ہے اور اس حدیث میں جو مذکور ہے یہ اور واقعہ ہے۔ ان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس حدیث میں کہنے والی قریش کی کوئی عورت ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ مشرکین نے کہا: یا پھر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا نزول مکرر ہوا ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ وحی کے رکنے کی وجہ سے جو قلق اور اضطراب تھا' وہی "اشتکی" سے مراد ہو۔

فقالت امراة من قریش

امام حاکم کی روایت میں ہے: یہ ابولہب کی جورو' حمالۃ الحطب' اُم جمیل عوراء بنت حرب بن امیہ' حضرت ابوسفیان کی بہن ہے اور یہی صحیح ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں اور ابوداؤد نے اعلام نبوت میں' قاضی اسماعیل نے احکام میں روایت کیا کہ یہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا۔ یہ روایت اگرچہ بہ اعتبار صحیح ہے مگر بالکلیہ غلط ہے۔ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ جیسی کامل الایمان خاتون یہ کیسے کہہ سکتی ہے جبکہ انہوں نے ابتداء نزولِ وحی ہی کے وقت جبکہ ان کو ابھی ایمان کی دعوت بھی نہیں دی گئی تھی' یہ عرض فرمایا تھا: "کلا لا یخزیك اللّٰہ ابدًا" اور حضرت ورقہ سے سن چکی تھیں کہ غارِ حرا میں حاضر ہونے والا وہ ناموسِ اکبر ہیں جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل ہوئے تھے۔ سنید بن داؤد نے کہا کہ یہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ تھیں۔ یہ دروغ کسی رافضی کا گڑھا ہوا ہے۔ حضرت صدیقہ اس وقت یا تو پیدا ہی نہ ہوئی ہوں گی اور پیدا ہوئی ہوں گی تو بہت چھوٹی شیر خوار رہی ہوں گی۔

البتہ اتنا طے ہے کہ جس نے یہ کہا تھا کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا' یہ کوئی بد باطن اور تھی اور جس نے یہ عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے صاحب نے آپ کو چھوڑ دیا' کوئی مؤمنہ تھیں۔ پہلا قول استہزاء اور ایذاء رسانی کے لیے کہا گیا ہے اور دوسرا قول اظہارِ افسوس و ہمدردی کا جملہ ہے۔ پہلی نے یا محمد کہا اور دوسری نے یا رسول اللہ کہا۔ پہلی نے "شیطانك" کہا' اس نے "صاحبك"۔ اس نے کہا تھا: "ترکك" اور اس نے عرض کیا: "ابطاك" یعنی آنے میں دیر کی۔

کتنے دن وحی رُکی؟

اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ چالیس دن۔ فراء کی کتاب المعانی میں ہے کہ پندرہ دن۔ ابن جریج سے منقول ہے کہ بارہ دن' ایک قول یہ ہے کہ بیس دن۔ ان اقوال اور پہلی روایت میں تعارض نہیں کہ فرمایا: وہ ایک رات تہجد نہیں پڑھی' ہوسکتا ہے کہ ابتداء حسب عادت تہجد پڑھتے رہے ہوں' جب تاخیر بہت ہوئی' بے چینی اور گھبراہٹ زیادہ ہوئی' یا کوئی مرض لاحق ہو گیا تو دو ایک رات تہجد نہ پڑھی ہو۔

٦٧٧- ح: طَرَقَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ لَيْلَةً فَقَالَ اَلَا تُصَلِّيَانِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک رات حضرت علی اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لائے' فرمایا: تم دونوں نماز نہیں پڑھتے]

٦٧٧- اَخْبَرَنِیْ عَلِیُّ بْنُ حُسَيْنٍ اَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ

حضرت امام زین العابدین علی بن حسین نے خبر دی کہ حضرت

اَخْبَرَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ اَلَا تُصَلِّيَانِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَاِذَا شَاءَ اَنْ يَّبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ حِيْنَ قُلْنَا ذٰلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ اِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۝﴾ (الكهف: ٥٤).

امام حسین بن علی نے خبر دی کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ان کے اور حضرت فاطمہ بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تم دونوں نماز نہیں پڑھتے، تو میں (حضرت علی) نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری جان اللہ کے قبضے میں ہے، جب چاہتا ہے کہ ہمیں اُٹھا دے تو ہم اُٹھ جاتے ہیں، (جب ہم نے یہ عرض کیا تو) حضور واپس ہوگئے اور مجھ سے کچھ نہیں فرمایا، پھر جب رخ انور موڑ لیا تو میں نے سنا کہ اپنے زانوئے اقدس پر ہاتھ مار رہے ہیں اور یہ فرما رہے تھے کہ انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۝

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: تحریض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی قیام اللیل ص ١٥٢، ج ٢۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ کہف۔ ص ٦٨٧، الاعتصام۔ باب: قوله وکان الانسان اکثر شیء جدلا ص ١٠٩١، باب: المشیئة والارادة ص ١١١٢، مسلم، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث سے یہ مسائل معلوم ہوئے: تہجد فرض نہیں نفل ہے مگر اتنا مؤکد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تحریض کے لیے رات میں حضرت امیر المؤمنین شیر خدا کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، اس میں حضرت اسد اللہ کا فضل و کمال ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا واقعہ جس میں ان کی کچھ خلاف شان بات تھی، برملا بیان فرمایا۔ آیت کریمہ "وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۝" (الکہف: ٥٤) میں "الانسان" اپنے عموم پر ہے، اس میں مؤمن کافر بھی داخل ہیں۔

٦٧٨- ح: لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ (الخ)

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عمل چھوڑ دیتے حالانکہ اس عمل کو پسند کرتے]

٦٧٨- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يَّعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ وَمَا سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَةَ الضُّحٰى قَطُّ وَاِنِّيْ لَاُسَبِّحُهَا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عمل چھوڑ دیتے تھے حالانکہ اسے کرنا پسند فرماتے تھے، اس اندیشے کی وجہ سے کہ لوگ وہ عمل کریں تو ان پر فرض کر دیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ چاشت کبھی نہیں پڑھی اور میں اسے پڑھتی ہوں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل ص ١٥٢، باب: من لم یصل صلوٰۃ الضحٰی ورٰاہ واسعا ص ١٥٧، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

یہاں یہ ہے کہ اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ چاشت نہیں پڑھی اور باب "من لم یصل الضحی" میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ چاشت پڑھتے نہیں دیکھا۔ اسی پر یہاں کی روایت بھی محمول ہے، اس لیے کہ مسلم[1] میں انہیں سے مروی ہے کہ اگر سفر سے آتے تو پڑھتے۔ نیز (ص ٢٤٩) اسی میں انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت چار رکعت پڑھتے اور جو چاہتے زیادہ فرمادیتے، چونکہ نمازِ چاشت کا وقت وہ ہے کہ اس وقت حضور دولت خانے میں تشریف نہیں رکھتے تھے،

[1] مسلم۔ ج ١، ص ٢٤٨۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: استحباب صلوٰۃ الضحٰی

عموماً باہر یا مسجد میں یا کسی صحابی کے گھر رہا کرتے تھے اور اُم المؤمنین کے یہاں نو دن میں صرف ایک دن قیام رہتا' اس لیے انہیں نمازِ چاشت پڑھتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا' مگر دوسروں سے سن کر علم ہوا کہ چار رکعت یا اس سے زائد پڑھتے تھے' یا مطلب یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ اس طرح کہ کبھی قضا نہ ہو' نہیں پڑھتے تھے۔ جس پر حدیث میں اشارہ موجود ہے۔ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کو چھوڑ دیتے تھے' چھوڑنا عمل کے بعد ہی ہوگا۔

نماز چاشت کتنی رکعت ہے؟

ابھی گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے اور جو چاہتے زیادہ فرماتے۔ حضرت اُم ہانی کی حدیث میں ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھیں' کم از کم دو رکعتیں بھی آئی ہیں۔ حضرت ابوذر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں دو ہی رکعت وارد ہے[1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسے بدعت کہتے تھے' کبھی فرماتے: اچھی بدعت ہے' کبھی فرماتے: "ما ابتدع المسلمون بدعة افضل منها"[2] مسلمانوں نے اس سے افضل کوئی بدعت نہیں ایجاد کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مستحب کام کے لیے کوئی مخصوص طریقہ اور وقت مقرر کر لینے سے وہ بدعت سیہ اور حرام نہیں ہوتا' مستحب ہی رہتا ہے۔

٦٧٩- ح: لِيَقُوْمُ اَوْ لِيُصَلِّيَ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی نماز پڑھتے کہ آپ کے قدم پر ورم آ جاتا]

٦٧٩- سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَقُوْمُ اَوْ لِيُصَلِّيَ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ اَوْ سَاقَاهُ فَيُقَالُ لَهُ فَيَقُوْلُ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی نماز پڑھتے تھے کہ حضور کے قدم یا حضور کی پنڈلیوں پر ورم آ جاتا' خدمت اقدس میں عرض کیا جاتا تو فرماتے: کیا میں شکر گزارہ بندہ نہ بنوں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اللیل حتی ترم قدماه ص ۱۵۲' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الفتح۔ ص ۷۱۶' الرقاق۔ باب: الصبر عن محارم اللّٰه ص ۹۵۸' مسلم' نسائی' ابن ماجہ' ترمذی۔ کلهم فی کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۲۵۱-۲۵۵)

"قدماه او ساقاه" یہ شک راوی ہے' دونوں میں منافات نہیں' زیادہ دیر کھڑے رہنے سے قدم میں بھی ورم آ جاتا ہے اور پنڈلی میں بھی' ویسے خلاد کی روایت میں بلا شک "قدماه" ہے۔

فیقال

بزار میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تفصیل یہ ہے: اس پر یہ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ یہ کرتے ہیں حالانکہ اللہ عزوجل کی طرف سے حضور کے بارے میں یہ آ چکا ہے کہ اللہ نے آپ کی اگلی پچھلی ہر لغزش سے درگزر فرما دیا۔

افلا اکون

مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ عزوجل کے جو بے شمار احسانات اور لامحدود انعامات ہیں' ان کا شکر ادا کرنے کے لیے اتنی عبادت کرتا ہوں۔

٦٨٠- ح: اَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى

[تمام نمازوں سے زیادہ اللہ کو محبوب

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۵۰۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: استحباب صلوٰۃ الضحی [2] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۴۱

اللّٰہِ صَلٰوۃُ دَاوٗدَ [حضرت داؤد (علیہ السلام) کی نماز ہے]

۶۸۰- اَنَّ عَمْرَو بْنَ اَوْسٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلٰوۃُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ صِیَامُ دَاوٗدَ وَکَانَ یَنَامُ نِصْفَ اللَّیْلِ وَیَقُوْمُ ثُلُثَہٗ وَیَنَامُ سُدُسَہٗ وَیَصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمًا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام نمازوں سے زیادہ اللہ عزوجل کو محبوب حضرت داؤد کی نماز ہے اور سب روزوں سے بڑھ کر اللہ کو پسند حضرت داؤد کا روزہ ہے' آپ آدھی رات تک سوتے اور تہائی رات تک قیام کرتے اور چھٹے حصے میں سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: من نام عند السحر ص ۱۵۲' کتاب الانبیاء۔ باب: احب الصلٰوۃ الی اللہ صلٰوۃ داؤد ص ۴۸۶' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصوم)

چونکہ انسان پر نماز اور روزے کے علاوہ اور بھی فرائض عائد ہیں' مثلاً اہل وعیال کی پرورش' جہاد' حج وغیرہ۔ اور ہمیشہ رات بھر جاگنے سے اور مسلسل روزے رکھنے سے ان چیزوں میں خلل واقع ہوگا اور کمزوری کے باعث ان کی ادائیگی نہیں ہو پائے گی' اس لیے صلٰوۃ داؤد اور صوم داؤد زیادہ محبوب ہوا۔ نیز ابھی حدیث آرہی ہے کہ پابندی کے ساتھ اعمال زیادہ محبوب ہیں' بہ نسبت شروع کر کے چھوڑ دینے یا ناغے کے ساتھ کرنے سے اور ہمیشہ رات بھر جاگنے' مسلسل روزے رکھنے میں مداومت نہیں ہو پائے گی' اس لیے صوم داؤد اور صلٰوۃ داؤد افضل ہے۔

۶۸۱- ح: اَحَبُّ الْعَمَلِ الدَّائِمُ [پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے]

۶۸۱- سَمِعْتُ مَسْرُوْقًا قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَیُّ الْعَمَلِ کَانَ اَحَبَّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الدَّائِمُ قُلْتُ مَتٰی کَانَ یَقُوْمُ قَالَتْ یَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔

امام مسروق نے کہا: میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا؟ فرمایا: جو ہمیشہ کیا جائے' میں نے عرض کیا: کب تہجد پڑھتے تھے؟ فرمایا: جب مرغ کی آواز سنتے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: من نام عند السحر ص ۱۵۲' ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: القصد والمداومۃ للعمل ص ۹۵۷' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب الصلٰوۃ)

۶۸۲- ح: مَا اَلْفَاہُ السَّحَرُ عِنْدِیْ اِلَّا نَائِمًا [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صبح میرے یہاں ہمیشہ سونے کی حالت میں ہوتی]

۶۸۲- عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ مَا اَلْفَاہُ السَّحَرُ عِنْدِیْ اِلَّا نَائِمًا تَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح میرے یہاں ہمیشہ سونے کی حالت میں ہوئی۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: من نام عند السحر ص ۱۵۲' مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الصلٰوۃ)

محمد بن ناصر نے کہا: مرغ کی عادت یہ ہے کہ وہ آدھی رات کو بولتا ہے۔ اب یہ حضرت ابن عباس کی حدیث کے معارض نہیں

ہوگا' جس میں مذکور ہے کہ جب آدھی رات ہوگئی یا آدھی سے کچھ کم ہوئی یا کچھ زیادہ۔ ابن بطال نے کہا: جب تہائی رات رہ جاتی ہے تب بولتا ہے' تجربہ اسی کی شہادت دیتا ہے۔ اس تقدیر پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا محمل یہ ہوگا کہ خاص اس رات اس وقت اُٹھے اور اُم المؤمنین کا ارشاد اکثر جو عادتِ کریمہ تھی اس کے مطابق ہے۔ دوسری حدیث میں ''نائمًا'' سے مراد لیٹے رہنا ہے' تاکہ دوسری احادیث کے معارض نہ ہو۔

٦٨٣- ح: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا

[میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' آپ دیر تک کھڑے رہے]

٦٨٣- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِاَمْرِ سَوْءٍ قُلْنَا مَا هَمَمْتَ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَاَذَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' حضور اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ میں نے ایک معیوب کام کا ارادہ کرلیا' ہم نے پوچھا: کیا ارادہ کرلیا تھا؟ تو فرمایا کہ میں نے قصد کرلیا کہ بیٹھ جاؤں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دوں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل ص ٣-١٥٢' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ' ترمذی۔ شمائل' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث پر باب یہ ہے کہ تہجد میں لمبی نماز پڑھنا۔ باب سے حدیث کو مناسبت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تندرست قوی جوان تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے اور اتباع کے شوقین' پھر انہوں نے بیٹھنے کا ارادہ اسی وقت کیا ہوگا جبکہ وہ بہت تھک گئے ہوں گے' اتنا کہ کھڑا رہنا دشوار ہوگیا ہوگا۔ یہ اسی وقت ہوگا جبکہ قیام بہت طویل ہو۔ احناف کے نزدیک قیام کا طویل کرنا بہ نسبت رکوع وسجود کی زیادتی کے افضل ہے' جیسا کہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: کون سی نماز افضل ہے؟ تو ارشاد فرمایا: ''طول القنوت'' اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''طول القیام'' اس حدیث نے قنوت کے معنی کی توضیح کردی کہ اس سے مراد قیام ہی ہے۔

اعتذار

اس کے بعد امام بخاری حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے ہیں جس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں (تہجد کے لیے) اُٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف فرماتے۔ یہ حدیث نزہۃ القاری' ج ١ ص ٦٠١' رقم: ١٧٩ پر گزر چکی ہے' اس کا باب سے کوئی تعلق نہیں۔

ابن منیر نے کہا کہ امام بخاری کا مقصود اس سے حضرت حذیفہ کی اس حدیث کی یاددہانی ہے' جو امام مسلم نے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور نے سورۂ بقرہ شروع فرمادی' میں نے جی میں کہا کہ سو آیت پر رکوع فرمائیں گے' حضور آگے بڑھ گئے' میں نے کہا: اس سورت کو ایک رکعت میں پڑھیں گے' حضور آگے بڑھ گئے' میں نے کہا: اس پر رکوع فرمائیں گے آخر حدیث تک۔ اس پر علامہ عینی نے فرمایا: ایک حدیث سے کسی اجنبی حدیث کی یاددہانی عجیب تر ہے پھر خود یہ فرمایا: تھوڑی سی مناسبت یوں پیدا کی جاسکتی ہے کہ اس حدیث میں تہجد کے لیے اُٹھنا مذکور ہے۔ اور عادتِ کریمہ تھی کہ تہجد میں قیام طویل فرماتے تھے۔ اور طول قیام کے لیے طول صلوٰۃ لازم' مگر یہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ یہ تقریر بھی اثبات باب کے لیے کہاں تک کافی ہے۔

٦٨٤- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تیرہ

صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَعْنِي بِاللَّيْلِ
رکعت تھی یعنی رات میں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: کیف صلوۃ اللیل ص ۱۵۳' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۳۳۸)

٦٨٥- ح: صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ (الخ)

[رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز میں سات' اور نو' اور گیارہ رکعتیں ہیں (علاوہ فجر کی رکعت کے)]

٦٨٥- عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. (ایضاً)

امام مسروق نے کہا: میں نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: سات اور نو اور گیارہ فجر کی دو رکعت کے علاوہ۔

٦٨٦- ح: كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً

[آپ (ﷺ) نے رات میں تیرہ رکعت کی نماز پڑھی]

٦٨٦- عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِّنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ. (ایضاً)

امام قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے' انہیں میں وتر اور فجر کی دو رکعت سنت بھی ہوتیں۔

حضور اقدس ﷺ تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ اس خصوص میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے' وہ یہ ہیں: تیرہ۔ ان کی عام روایتوں میں یہی ہے۔ کتاب العلم' باب ''السمر بالعلم'' اور کتاب الاذان' باب: ''من یقوم عن یمین الامام'' میں ہے کہ پانچ رکعتیں پڑھیں۔ کتاب التفسیر باب ''قوله ان في خلق السموات والارض'' کی پہلی روایت میں ہے کہ گیارہ رکعتیں پڑھیں۔ ان میں سے تین وتر کی نکال دی جائیں تو تہجد کی دس' آٹھ' دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث: ٦٨٣ میں یہاں یہ ہے: سات' نو' گیارہ۔ ان میں سے تین وتر کی نکال دی جائیں تو علی الترتیب چار' چھ' آٹھ رکعتیں تہجد کی ہوتی ہیں اور حدیث: ٦٨٢ کا بھی حاصل یہی ہے کہ آٹھ ہیں لیکن اگر وتر کی ایک رکعت مانیں جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے تو اس حدیث سے بھی دس رکعت تہجد کی نماز ثابت ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت اُم المومنین کی ان تمام احادیث کا حاصل یہ ہوا کہ کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ دس رکعت حضور اقدس ﷺ نے تہجد کی نماز پڑھی۔ صوفیاء کرام بارہ رکعت پڑھتے ہیں۔

غالباً ان کی بنیاد اس پر ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کی صرف ایک رکعت ہے' ایک رکعت وتر وضع کرنے کے بعد بارہ رکعتیں تہجد کی ہو گئیں۔ تیرہ رکعتوں میں وتر بھی داخل ہے۔ اس پر حدیث: ٦٨٤' اور موطا[1] کی یہ حدیث دلیل ہے کہ اُم المومنین نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے' پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔ نیز مسند امام احمد[2] اور

---

[1] موطا امام مالک۔ باب: صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر ص ۴۵ [2] فتح القدیر۔ ج ۴ ص ۱۷

ابوداؤد[1] میں حضرت اُم المؤمنین ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ وتر کبھی چار اور تین پڑھتے، کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین، کبھی دس اور تین، تیرہ سے زیادہ اور سات سے کم نہیں پڑھتے تھے۔
نسائی[2] میں حضرت اُم المؤمنین ہی سے مروی ہے کہ نو رکعتیں پڑھتے تھے، جب عمر مبارک زیادہ ہوگئی تو سات رکعتیں پڑھنے لگے تھے۔ ابھی باب قیام رمضان میں آرہا ہے کہ فرمایا: نبی ﷺ رمضان ہو یا اور کوئی مہینہ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔
ان سب کے ذکر سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ تہجد کی رکعات کے سلسلے میں روایات مختلف آئی ہیں۔ خود حضرت اُم المؤمنین سے جو روایتیں آئی ہیں، ان میں بھی اختلاف ہے۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اس کی تعداد مقرر نہ تھی، مختلف احوال میں مختلف تعداد رہی۔ مرض، تکان، عمر، وقت کے لحاظ سے تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ یہی بات رکعات کی تعداد میں اختلاف کا باعث بن گئی۔ حضور اقدس ﷺ کبھی کبھی وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ ایضاً۔ سنت فجر کے علاوہ، ہوسکتا ہے بعض راویوں نے اسے جوڑ کر تیرہ کر دیا ہو۔

ت ۲۲۲- قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا نَشَأَ قَامَ بِالْحَبَشِيَّةِ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "نشأ" کے معنی حبشی زبان میں "قَامَ" ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص ۱۵۳)

سورۂ مزمل میں آیا ہے: "اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝" (المزمل: ٦) بے شک رات کو اٹھنا بہت زیادہ زبان و دل میں موافقت پیدا کرتا ہے اور بات بہت صحیح نکالنے والا ہے ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "نَاشِئَةٌ" کا مادہ "نشأ" ہے، جس کے معنی اُٹھنے کے بھی ہیں، اور یہ لفظ حبشہ میں بھی اُٹھنے ہی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حبشیوں سے عرب نے لیا ہے اور جو "نشأ" بہ معنی "قام" ہے، وہ حبشی الاصل ہے، اس لیے کہ صحیح یہ ہے کہ قرآن کریم کے تمام کلمات کریمہ عربی الاصل ہیں۔ کوئی کلمہ عجمی الاصل نہیں اور جو چند کلمات کے بارے میں بعض اسلاف نے فرمایا ہے کہ فلاں زبان کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان زبانوں میں بھی مستعمل ہیں، یہی جمہور اُمت کا مذہب ہے۔
قرآن مجید میں کوئی غیر عربی کلمہ نہیں، اس پر برہان قاطع یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے منکرین کو چیلنج فرمایا کہ اگر تم اسے کلام الٰہی نہیں مانتے اور یہ کہتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ ہی کا کلام ہے تو تم لوگ بھی انہیں کی طرح عربی ہو، اس کی ایک چھوٹی سی سورت کے مثل لاؤ، مگر وہ عاجز رہے اور نہ لا سکے۔ اب اگر قرآن مجید کے کچھ کلمات کو غیر عربی الاصل مان لیا جائے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ اس میں عجمی کلمات ہیں۔ ہم عجمی زبان سے واقف نہیں، اس لیے اس کے مثل کلام پر قادر نہیں۔ اس تعلیق کو عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور "وطأ" کے معنی یہ بتائے: "مواطاةً للقران" یعنی قرآن کا کان، آنکھ، دل کے موافق ہونا۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر مصحف سے دیکھ کر پڑھے گا تو نظر چوکے گی نہیں، جو لکھا ہے اس کو صحیح صحیح دیکھے گی اور زبان اس کو صحیح صحیح ادا کرے گی، اگر بے دیکھے پڑھے گا تو بھی دماغ حاضر ہوگا، صحیح پڑھے گا، اور قراءت کان کو بھلی معلوم ہوگی، بغور سنے گا اور اس کا مضمون دل میں جمے گا۔ اس کے معانی دل میں اتریں گے۔ یہ امام بخاری کی تفسیر ہے۔ علامہ عینی نے سمرقندی کے حوالے سے اس کے معنی اثقل نقل فرمائے ہیں، یعنی نفس پر بھاری ہے۔ علامہ ابن حجر نے بھی فرمایا کہ لغت میں "وطأ" کے معنی ثقل کے ہیں۔ اس تعلیق کو عبد بن حمید نے امام مجاہد سے موصولاً ذکر کیا ہے: "ليواطئوا" ليوافقوا" یہ سورۂ براءت کی آیت کریمہ يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۹۳۔ باب: فی الصلوة اللیل [2] نسائی۔ ج ۱ ص ۲۵۰۔ کتاب قیام اللیل۔ باب: کیف الوتر بتسع

حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ'' (توبہ:٣٧) ایک سال اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور ایک سال اسے حرام' تاکہ اللہ نے جتنے مہینوں کو حرام فرمایا ہے ان کی تعداد پوری کر لیں اور اللہ نے جسے حرام فرمایا اسے حلال بنالیں۔ اس آیت میں ''لِيُوَاطِئُوْا'' کے معنی ''لِيُوَافِقُوْا'' کے ہیں' یعنی برابر بنالیں۔ اس تعلیق کو طبری نے حضرت ابن عباس سے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے' البتہ طبری میں ''ليوافقوا'' کے بجائے ''ليتنابهوا'' ہے۔

نمازِ تہجد کی فرضیت اور نسخ

سورۂ مزمل کے نزول کے بعد تہجد حضور اقدس ﷺ پر بھی اور صحابہ پر بھی واجب و فرض تھی' ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا O نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا O اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا O (المزمل:١-٤)

اپنے جسم پر کمبل لپیٹنے والے O رات میں قیام کرو مگر تھوڑی سی رات O آدھی یا کچھ کم کرو O یا زیادہ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو O

سال بھر تک یہ حکم باقی رہا' پھر اسی سورۂ مبارکہ کی اخیر آیت سے فرضیت یا وجوب منسوخ ہو گیا۔ ارشاد ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا . (المزمل:٢٠)

تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات قیام کرتے ہو اور تمہارے ساتھ والے بھی اور اللہ رات دن کا اندازہ فرماتا ہے' اسے معلوم ہے کہ رات کا حساب نہ لگا پاؤ گے تو وہ اپنی مہربانی سے تم پر متوجہ ہوا' اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو پڑھو' اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار ہوں گے اور کچھ زمین پر سفر کریں گے' اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے اور کچھ لوگ راہِ خدا میں جہاد کریں گے تو قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو پڑھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

امام مسلم[1] نے میں سعد بن ہشام بن عامر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے قیامِ لیل کے بارے میں سوال کیا تو اُم المؤمنین نے فرمایا: کیا تو نے ''يايها المزمل'' نہیں پڑھتا' میں نے عرض کیا: ہاں! پڑھتا ہوں' تو فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اس سورت کے شروع میں قیامِ لیل کو فرض فرمایا' اللہ کے نبی اور ان کے صحابہ نے ایک سال قیام فرمایا' اور اس کے اخیر کا حصہ بارہ مہینے تک اللہ نے آسمان میں روک رکھا' یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اس سورت کے اخیر میں تخفیف نازل فرمائی' تو قیامِ لیل فرض کے بعد نفل ہو گیا۔ نسائی[2] اور مسند امام احمد[3] میں یہ زائد ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور ان کے صحابہ نے قیام کیا' یہاں تک کہ ان کے قدم سوج گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے: ''قُمِ الَّيْلَ'' رات کو قیام کرو یعنی پوری رات مگر کچھ کم' تو یہ نبی ﷺ اور صحابہ پر شاق ہوا اور وہ پوری رات قیام کرتے اور کچھ کم کی حد نہیں متعین کر سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ''نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا'' نازل فرمایا'

---

[1] مسلم - ج ا ص ٢٥٦ - كتاب صلوة المسافرين - باب: صلوٰة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم

[2] نسائی - ج ا ص ٢٣٧ - كتاب الصلوٰة - باب: قيام الليل [3] مسند امام احمد - ج ٦ ص ٥٤

یہ بھی ان پر سخت تھا۔ اب بھی پوری رات قیام کرتے اور ان کے قدم سوج گئے۔ اور یہ پنجگانہ نمازوں سے پہلے تھا۔ سال بھر وہ حضرات یہی کرتے رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ناسخ نازل فرمایا' یعنی "عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ" یعنی تم لوگ تہائی اور چوتھائی کا اندازہ نہیں کر سکتے' جب نماز پنجگانہ فرض کی گئی تو قیام لیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی' جیسے زکوٰۃ نے ہر صدقہ اور رمضان کے روزے نے ہر روزے کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔

علامہ ابن جوزی کی تفسیر میں ہے کہ اس اندیشے کی وجہ سے' ہمیں تہائی اور آدھی رات کے قیام کا حکم ہوا اور اس کا اندازہ نہیں ہو پاتا تھا' لوگ رات رات بھر قیام کرتے' یہ بہت شاق تھا تو اللہ عزوجل نے ایک سال کے بعد تہائی یا آدھی رات تک قیام کو اپنے اس ارشاد "عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (المزمل:۲۰) اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اندازہ نہیں کر پاؤ گے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی' اب جتنا آسان ہو قرآن پڑھو' جتنی دیر ہو سکے نماز پڑھو' اگرچہ اتنی دیر جتنی دیر میں بکری دوہ لی جاتی ہے' مگر قیام لیل اب بھی واجب رہا' پھر اس کے وجوب کو سال بھر بعد نماز پنجگانہ فرض کر کے منسوخ فرما دیا' تو وجوب اور تخفیف میں سال بھر کا فصل رہا اور وجوب بالکلیہ منسوخ ہونے میں دو سال کا فصل رہا۔

خلاصۂ کلام

ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ سورۂ مزمل میں تین ناسخ اور تین منسوخ ہیں' پہلے "قُمِ الَّيْلَ" سے پوری رات کا قیام فرض ہوا' پھر "نِصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ" سے پوری رات کا قیام منسوخ ہوا' اور کم از کم تہائی رات کا فرض رہا' پھر "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" سے تہائی رات کا قیام منسوخ ہوا اور بہ قدر وسعت فرض ہوا' پھر "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" سے قیام لیل کی فرضیت امت کے حق میں بالکلیہ منسوخ ہوگئی اور یہ نفل ہوگیا۔ "هٰذا ما عندی و العلم بالحق عند ربی و علمه جل مجده اتم و احکم" صحیح یہ ہے کہ نماز تہجد حضور اقدس ﷺ پر نماز پنجگانہ کی فرضیت کے بعد بھی فرض رہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول مروی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (بنی اسرائیل:۷۹) اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھو' خاص آپ کے لیے زیادہ ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۸۹)

علامہ محمد بن عبدالباقی' زرقانی شرح مواہب[1] میں لکھتے ہیں:

الذی علیه الجمهور و اکثر اصحاب الشافعی وغیرهم انه لم ینسخ لقوله تعالیٰ و من اللیل فتهجد به نافلة لك ای عبادة زائدة فی فرائضك.

جمہور اور اکثر اصحاب شافعی وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے حق میں منسوخ نہیں ہوا' اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھو خاص آپ کے لیے زیادہ ہے" یعنی آپ کے فرائض میں زیادہ عبادت۔[1]

۶۸۷- ح: كَانَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ.

[آپ (ﷺ) مہینے میں روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ آپ روزہ نہیں رکھیں گے]

۶۸۷- عَنْ حُمَيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مہینے میں روزہ نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم لوگ گمان کرتے کہ اب اس مہینے

[1] زرقانی شرح المواہب۔ ج ۱ ص ۲۳۶

اَنْ لَّا يَصُومَ مِنْهُ وَيَصُومُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَّكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهُ.

میں روزہ نہ رکھیں گے اور روزہ رکھتے تو اتنا کہ ہم گمان کرتے کہ اب روزہ نہ چھوڑیں گے اور حضور کا یہ حال تھا کہ اگر تم رات میں آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھتے اور سویا ہوا دیکھنا چاہتے تو سویا ہوا بھی دیکھتے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل ص ۱۵۳ ' کتاب الصوم۔ باب: ما يذكر من صوم النبي صلى الله عليه وسلم ص ۲۶۴)

کتاب الصوم میں بہ طریق سلیمان بن حبان احمر' شروع میں یہ زائد ہے کہ حمید نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں پوچھا' تو حضرت انس نے وہ ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل پورے مہینے کے سوائے رمضان کے کسی مہینے روزے نہیں رکھتے تھے اور نہ کوئی مہینہ روزے سے خالی رہتا۔ یہی قیام لیل کا حال تھا۔ نہ پوری رات قیام فرماتے اور نہ کوئی رات قیام سے خالی رہتی' اس کا وقت مقرر نہ تھا۔ اور وہ جو حدیث: ۶۷۹ میں گزرا کہ اُم المومنین نے فرمایا کہ جب مرغ کی آواز سنتے تو قیام لیل کے لیے اُٹھتے' یہ اکثر احوال کے اعتبار سے ہے:

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ وَاَبُو خَالِدِ نِ الْاَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ.

سلیمان اور ابو خالد احمر نے حمید سے روایت کرتے ہوئے اس کی متابعت کی۔

سلیمان سے مراد سلیمان بن بلال ابوایوب ہیں اور ابوخالد سے مراد سلیمان بن حبان احمر ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ حمید طویل سے اس حدیث کو محمد بن جعفر کے علاوہ سلیمان بن بلال ابوایوب نے اور ابوخالد سلیمان بن حبان احمر نے بھی روایت کیا ہے۔ ان دونوں کی روایتیں کتاب الصوم' باب "ما يذكر من صوم النبي صلى الله عليه وسلم" میں مذکور ہیں۔ ابوایوب سلیمان بن بلال کی روایت اس کے بالکل مطابق ہے' مگر ابوخالد سلیمان بن حبان احمر کی روایت کے الفاظ بدلے ہیں اور مضمون بھی زائد ہے جو کتاب الصوم میں مذکور ہوگی۔

۶۸۸ - ح: يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ (الخ)

[(تم میں جو سوتا رہے) تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے]

۶۸۸ - عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عِنْدَ كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہ لگا دیتا ہے اور ہر گرہ کے وقت تھپکی دیتا ہے کہ تیرے لیے ابھی لمبی رات باقی ہے سو یارہ' اب اگر وہ جاگ گیا اور اس نے اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے' پھر اگر وضو کرے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے' پھر اگر نماز پڑھ لے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے' تو وہ ہشاش و بشاش خوش و خرم صبح کرتا ہے ورنہ وہ افسردہ سست رہتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: عقد الشيطان على قافية الراس ص ۱۵۳ ' کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة ابليس وجنوده ص ۴۶۳ ' مسلم۔ کتاب صلوۃ المسافرین' ابوداؤد۔ کتاب التطوع' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوات' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۴۳)

یہاں باب کا عنوان یہ ہے: شیطان کا سر کی گدی پر گرہ لگانا' جبکہ رات میں نماز نہ پڑھے۔ اور حدیث عام ہے خواہ کوئی نماز پڑھے خواہ نہ پڑھے' جب سوتا ہے تو شیطان گرہ لگاتا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے سے گرہ کھل گئی تو گویا لگی ہی نہیں' اس لیے باب کو حدیث سے مطابقت ہے۔

اقول : ہوسکتا ہے امام بخاری اس حدیث کو اپنے عموم پر نہ رکھتے ہوں اور صرف اس کے ساتھ خاص مانتے ہوں جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سوئے۔ اسی افادے کے لیے باب میں "واذا لم یصل" کی قید لگائی مگر تخصیص کی کوئی دلیل نہیں' اس لیے بالفرض امام بخاری اسے خاص مانتے ہوں تو وہ صحیح نہیں۔

یعقد

نصوص کو ظاہر معنی پر محمول کرنا ضروری ہے' جب تک ظاہر معنی سے پھیرنے والی کوئی دلیل نہ ہو' اور یہاں اس پر کوئی دلیل نہیں' اس لیے ظاہر معنی مراد لینا ہی متعین ہے۔ اگرچہ ہم اس گرہ کو محسوس نہ کریں' بلکہ اس کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے۔ مسند امام احمد[1] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے: تمہاری گدی پر رسی ہے جس میں تین گرہیں ہیں۔ نیز ابن ماجہ[2] میں بھی ہے کہ فرمایا: تمہاری گدی پر رات کو شیطان رسّی سے تین گرہیں لگا دیتا ہے۔

٦٨٩- ح: ذُكِرَ رَجُلٌ فَقِيلَ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ (الخ)

[آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک شخص کا تذکرہ ہوا اور یہ کہا گیا کہ (وہ) صبح تک سوتا رہا]

٦٨٩- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيلَ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي اُذُنِهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص کا تذکرہ ہوا اور یہ کہا گیا کہ وہ صبح تک سوتا رہا' نماز کے لیے نہیں اٹھا' تو فرمایا: شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: اذا نام ولم یصل بال الشیطان فی اذنہ ص ۱۵۳' کتاب بدء الخلق۔ باب: صفۃ ابلیس وجنودہ ص ۴۶۳' مسلم۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ)

صحیح یہی ہے کہ یہ اپنے معنی حقیقی پر ہے' یعنی جب شیطان دیکھ لیتا ہے کہ اس نے میرا کام کر دیا تو اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے' اس کی تذلیل و تحقیر کے لیے یا مقصد یہ ہے کہ پیشاب کر کے کان بند کر دیتا ہے کہ اذان نہیں سنتا کہ اٹھ کر نماز پڑھتا۔ اور یہ نماز فرض چھوڑنے والے کے لیے ہے۔

٦٩٠- ح: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ (الخ)

[ہمارا رب تبارک تعالیٰ ہر رات سے قبل آسمان پر تجلی خاص فرماتا ہے]

٦٩٠- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات پہلے آسمان پر تجلی خاص فرماتا ہے' جبکہ آخری تہائی رات باقی رہتی ہے' تو فرماتا ہے: کون مجھے

[1] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۵۳ [2] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: فی قیام اللیل ص ۹۵

يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَ لَهٗ. پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنوں گا، کون مجھ سے کچھ مانگتا ہے، میں اسے دوں گا، کون مجھ سے مغفرت چاہتا ہے، اسے بخش دوں گا۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: الدعاء والصلوٰة آخر الليل ص ۱۵۳، ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء نصف الليل ص ۹۳۶، کتاب التوحید۔ باب: قول اللّٰہ یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰہ ص ۱۱۱۶، مسلم۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین، ابوداؤد۔ کتاب السنۃ، ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الدعوات، ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ، دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۶۴)

مسند امام احمد[1] میں یہ زائد ہے: اسی وجہ سے آخری رات کی نماز اوّل رات سے افضل ہے۔ مسلم[2] میں یہ اور ہے: کون ایسی ذات کو قرض دیتا ہے جو نہ نادار ہے نہ ظالم۔ یہاں روایتیں کئی طرح آئی ہیں۔ اوّل: یہی جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے تو اللہ عزوجل الخ۔ امام ترمذی[3] نے اس کو اصح کہا۔ ثانی: یہ کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ عزوجل الخ۔ اسے بھی امام ترمذی نے روایت فرمایا اور دوسرے محدثین نے بھی۔ ثالث: یہ ہے کہ جب آدھی رات رہ جاتی ہے یا آدھی رات گزر جاتی ہے، یہ اسماعیل بن جعفر حماد بن سلمہ، ابن اسحاق کی روایت ہے۔ رابع: تردید کے ساتھ کہ جب آدھی رات ہو جاتی ہے یا اخیر تہائی رات، یہ امام اوزاعی کی روایت ہے۔ خامس: جب آدھی یا تہائی رات گزر جاتی ہے، یہ محمد بن جعفر کی روایت ہے[4] سادس: یہ کہ جب آدھی یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے، اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

تطبیق

ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اوقات میں وحی ہوئی، ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف روایات میں بیان فرمایا، راوی نے جو سنا بیان کر دیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ ابتداءً ثلث اوّل گزرتے ہی یہ تجلی خاص ہوتی ہو، اس کی وحی ہوئی تو اسے بیان فرما دیا، پھر آدھی رات گزرنے پر یہ تجلی خاص ہونے لگی اور اس کی وحی ہوئی تو اسے بیان فرمایا، پھر تہائی رات رہ جانے پر تجلی ہونے لگی اور اس کی وحی ہوئی تو اسے بیان فرمایا، یا ترتیب اس کے برعکس ہو۔ ان سب کا قدر مشترک یہ ضرور نکلا کہ رات کی اخیر تہائی رات میں یہ تجلی خاص ضرور ہوتی ہے، اس لیے کہ مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ صبح صادق تک یہ تجلی رہتی ہے۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب: ص ۲۵۸)

ینزل ربنا

اللہ عزوجل نزول، عروج، جگہ، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے آنے سے منزہ ہے، اس لیے کہ یہ سب جسم کے لوازم سے ہیں اور اللہ عزوجل جسم و جسمانیات سے پاک ہے، اس لیے کہ وہ قدیم واجب بالذات ہے۔

اقول: یہ بھی متشابہات سے ہے، جس میں مذہب اسلم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے پر ایمان رکھا جائے اور معنی اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا جائے۔ بعض حضرات نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں "امر" یا "ملك" محذوف ہے، یعنی حکم الٰہی نازل ہوتا ہے یا اللہ عزوجل کے حکم سے فرشتہ اترتا ہے۔ اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ پھر ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ ندا کرے، جیسا کہ دارقطنی نے بہ طریق اہل بیت اسد اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے[5] وجہ تائید یہ

[1] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۶۴ [2] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۵۸۔ کتاب الصلوٰۃ المسافرین۔ باب: قیام اللیل

[3] ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی نزول الرب تبارک و تعالیٰ الی السماء الدنیا کل لیلۃ

[4] یہ پوری تفصیل عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۹۷ سے ماخوذ ہے [5] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۹۸

ہے کہ عام احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ عزوجل ندا فرماتا ہے' اور اس میں ہے کہ فرشتے کو ندا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مامور کا فعل حقیقت میں آمر کا ہی ہوتا ہے' چونکہ اللہ کے حکم سے فرشتہ اترتا ہے' اس لیے اس کی اسناد اللہ عزوجل کی طرف کردی گئی ہے۔ دوسری یہ ہے کہ اس سے رحم و کرم کی خاص تجلی مراد ہے۔

۶۹۱- ح: كَيْفَ كَانَ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ؟ (الخ)

[رات میں نبی ﷺ نماز کیسے پڑھتے تھے؟]

۶۹۱- عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَيْفَ كَانَ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَنَامُ اَوَّلَهُ وَيَقُوْمُ اٰخِرَهُ فَيُصَلِّيْ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى فِرَاشِهِ فَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ فَاِنْ كَانَ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ وَاِلَّا تَوَضَّاَ وَخَرَجَ.

حضرت اسود نے کہا: میں نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: رات میں نبی ﷺ کیسے نماز پڑھتے تھے؟ تو فرمایا: رات کے اوّل میں سوتے اور آخر میں اُٹھتے اور نماز پڑھتے' پھر اپنے بچھونے پر تشریف لے جاتے' جب مؤذن اذان کہتا تو تیزی سے اُٹھتے' اگر غسل کی حاجت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرماتے اور نماز کے لیے باہر تشریف لے جاتے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: من نام اوّل اللیل واحیی اخرہ ص ۱۵۴' ترمذی۔ شمائل' نسائی)

مسلم[1] میں یہ حدیث یوں ہے کہ ابن اسحاق نے کہا: میں نے اسود بن یزید سے اس حدیث کو پوچھا جو اُم المومنین حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں بیان فرمائی ہے' تو انہوں نے بیان کیا کہ اُم المومنین نے یہ فرمایا کہ رات کے اوّل میں سوتے اور اخیر میں نماز پڑھتے' پھر اگر اپنے اہل کی طرف حاجت ہوتی تو حاجت پوری کرتے' پھر سوتے۔ جب ندا اوّل یعنی اذان کا وقت ہوتا تو تیزی سے اُٹھتے۔ بخدا! نہ انہوں نے یہ فرمایا کہ اپنے جسم پر پانی بہاتے اور بخدا! نہ انہوں نے یہ فرمایا کہ غسل کرتے۔ میں جانتا ہوں ان کی مراد کیا ہے' اور اگر جنب نہ ہوتے تو مرد کی طرح نماز کے لیے وضو فرماتے اور دو رکعت پڑھتے۔

اسماعیلی نے کہا: اس حدیث میں غلطی ہے' اس لیے کہ احادیث میں یہ ہے کہ حضور اگر جنب ہوتے اور سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو فرمالیتے اور جو کوئی اس کے بارے میں پوچھتا تو اسے بھی یہ بتاتے۔

۶۹۲- ح: مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً

[آپ (ﷺ) رمضان یا کسی اور مہینے میں گیارہ سے زائد رکعت نہ پڑھتے]

۶۹۲- عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی کہ انہوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان یا کسی اور مہینے میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے' چار رکعت پڑھتے' اس کی خوبی اور درازی کو مت پوچھو پھر چار پڑھتے اس کی خوبی اور درازی کو مت پوچھو اس کے بعد تین رکعت

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۵۵۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: صلوٰۃ اللیل

ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

(وتر) پڑھتے۔ عائشہ نے کہا: میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وتر پڑھنے سے پہلے آپ سو جاتے ہیں؟ تو فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان وغیرہ ص ۱۵۴' باب: قیام رمضان ص ۲۶۹' کتاب المناقب۔ باب: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ ص ۵۰۴' مسلم۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

''فی رمضان ولا فی غیرہ'' اس پر نص ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے۔ اس کی پوری بحث گزر چکی۔ غیر مقلدین کا یہ کہنا ہے کہ حضور اقدس ﷺ رمضان میں بھی تہجد کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ہمارے نزدیک رمضان میں تہجد کے علاوہ نمازِ تراویح بھی سنت ہے۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ[1] کا یہ ارشاد کہ فرمایا:

والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون برید اخر اللیل.

جس سے تم لوگ سو جاتے ہو اور نہیں پڑھتے' اس سے افضل ہے جسے تم ادا کرتے ہو یعنی آخری رات میں۔

''التی'' سے وقت مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے نماز ہی مراد ہے۔ ایک نماز کو افضل اور دوسری کو مفضول کہنا' اس کی دلیل ہے کہ یہ دونوں دو نمازیں ہیں' نیز اس کی دلیل یہ ہے کہ تہجد کی نماز کے لیے ضروری ہے کہ عشاء کے بعد سوئے پھر اُٹھ کر پڑھے' جیسا کہ طبرانی[2] نے کبیر اور اوسط میں حضرت حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: تم یہ گمان کرتے ہو کہ جب رات میں صبح تک نماز پڑھتے رہو تو تم نے تہجد پڑھ لی' ایسا نہیں ''انما التهجد بعد رقدة'' تہجد سونے کے بعد ہی ہے۔ یہ خود تہجد کے معنی ہی سے ظاہر ہے۔ ابوعبیدہ کی کتاب المجاز میں ہے: ''فتهجد به. ای اسهر بصلوٰة يقال تهجدت ای سهرت وهجدت ای نمت'' یعنی نماز پڑھتے ہوئے جاگو۔ ''تهجدت'' کے معنی ہیں: میں جاگا اور ''هجدت'' کے معنی ہیں: میں سویا۔ ابن نیانی کی موعب میں صاحب العین سے ہے: ''هجد القول هجودا ناموا. وتهجدوا ای استيقظوا للصلوٰة اولامر قال تعالٰى فتهجد به. ای انتبه بعد النوم واقرأ القرآن''۔ ''هجد'' کے معنی ہیں: سویا' اور ''تهجد'' کے معنی ہیں: نماز یا کسی بھی کام کے لیے جاگا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''فتهجد به'' یعنی سونے کے بعد اُٹھو اور قرآن پڑھو۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ مجرد میں اس کا معنی سونے کے ہیں' اور باب تفعل میں سو کر جاگنے کے' یا یہ کہا جائے کہ یہ اضداد میں سے ہے' مگر مجرد میں سونے کے معنی میں شائع و ذائع ہے' اور باب تفعل میں سو کر اُٹھنے کے معنی میں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ تراویح عشاء کے بعد متصلاً پڑھی جاتی ہے۔ تراویح سے پہلے کوئی نہیں سوتا' اس لیے یہ کہنا کہ تراویح اصل میں نمازِ تہجد ہے' سراسر غلط ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔

۶۹۳- ح: يَا بِلَالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ؟

[اے بلال! مجھے بتاؤ! تم نے اسلام میں کون سا ایسا عمل کیا؟]

۶۹۳- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَا بِلَالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت بلال سے نمازِ فجر کے وقت فرمایا: اے بلال! مجھے بتاؤ تم نے اسلام میں کون سا ایسا عمل کیا ہے جس پر ثواب کی اُمید سب سے زیادہ ہو کیونکہ جنت میں میں نے تمہاری چپلوں کی آواز اپنے

---

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۲۶۹۔ کتاب الصوم۔ باب: فضل قیام رمضان

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۰۳

أَرْجٰی عِنْدِیْ أَنِّیْ لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةِ لَیْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِیْ أَنْ أُصَلِّیَ۔

آگے سنی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے اس کے علاوہ اور کوئی ایسا عمل نہیں کیا ہے جس پر مجھے سب سے زیادہ ثواب کی اُمید ہو سوائے اس کے کہ میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے جتنی میرے مقدر میں ہوتی ہے نماز پڑھتا ہوں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: فضل الطهور بالليل والنهار ص ۱۵۴، ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: قول الله قل فاتوا بالتوراة فاتلوها ص ۱۱۲۴، مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ، نسائی، مسند امام احمد۔ ج ۲)

کسی اُمتی کا موت سے پہلے جنت میں جانا شرعاً ممکن نہیں، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیسے جنت میں چلے گئے؟ اس لیے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے، بعض نے فرمایا: یہ بہ طور تمثیل ہے۔

اقول: اس عموم سے کہ جنت میں کوئی موت سے پہلے نہیں جا سکتا حضرت آدم و حوا مستثنیٰ ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت کی وجہ سے حضرت بلال بھی مستثنیٰ ہوں، کیا بعید ہے۔

رہ گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو شب معراج جنت میں تشریف لے گئے۔ علامہ عینی نے اس موقعہ پر بہت ہی ایمان افروز بات کہی ہے۔ لکھتے ہیں:

والنبی صلی الله علیه وسلم لما جاوز السموات السبع وبلغ الی سدرة المنتهٰی خرج من ان یکون من اهل هذا العالم فلا یمتنع بعد هذا دخوله الجنة قبل الموت. (عمدة القاری۔ ج ۷ ص ۲۰۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتوں آسمانوں سے آگے تشریف لے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے تو اس عالم والوں میں سے نہ رہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ جنت میں وصال سے پہلے تشریف لے جائیں۔

اقول: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خواب میں آئندہ پیش آنے والے واقعہ کو اس طرح دکھایا جاتا ہے جیسے ہو گیا ہے۔ اس کی نظیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مبارک خواب ہے کہ فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں، اس سے پانی کھینچ رہا ہوں کہ ابوبکر اور عمر آئے، ابوبکر نے ڈول لیا، ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے ڈول کھینچنے میں کچھ سستی ہے، اللہ انہیں معاف فرمائے، پھر ابوبکر کے ہاتھ سے ڈول عمر نے لے لیا، تو وہ بڑھ کر مشک ہو گیا، میں نے کسی ماہر تجربہ کار کو ان کی طرح کام کرتے نہ دیکھا، یہاں تک کہ لوگوں کو آسودہ کر دیا۔ (بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الرؤیا۔ باب: نزع الماء من البیر ص ۱۰۳۹)

رہ گیا یہ سوال کہ جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی جنت میں نہیں جائے گا، پھر بلال کیسے پہلے چلے گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت بلال خادم خاص تھے، حیات مبارکہ میں حضور کے آگے آگے چلتے تھے، اور کوئی عالی جاہ مخدوم کہیں بھی جاتا ہے تو اپنے خدم و حشم کے ساتھ جاتا ہے، خدم و حشم مخدوم کے تابع ہوتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب جنت میں جائیں گے تو اسی شان سے جائیں گے کہ خادم خاص آگے آگے ہو، تابع حکم میں متبوع کے ہوتا ہے۔ اس کا داخلہ حقیقت میں متبوع کا داخل ہوتا ہے۔

اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا حاصل یہ ہوا کہ تمہارا وہ کون سا عمل ہے جس کے صلے میں تم جنت میں بھی اپنے اس خصوصی منصب پر فائز ہو گے۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت اعمال حسنہ کا صلہ ہے حالانکہ یہ محض کرم ایزدی ہے، جواب یہ ہے کہ اعمال حسنہ موجب کرم ہیں اور ذریعے کا ذریعہ بھی ذریعہ ہوتا ہے۔

۶۹۴- ح: دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ [نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لائے تو دیکھا

وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ

[دوستونوں پر رسی بندھی ہے]

٦٩٤- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَقَالَ مَا هٰذَا الْحَبْلُ قَالُوْا هٰذَا حَبْلٌ لِّزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حُلُّوْهُ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لائے تو دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان ایک رسّی بندھی ہے۔ دریافت فرمایا: یہ کیسی رسّی ہے؟ تو لوگوں نے کہا: یہ حضرت زینب کی رسّی ہے' جب تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی ہیں۔ حکم دیا: اسے کھول دو! جب تک نشاط ہو' نماز پڑھو' جب تھک جاؤ تو بیٹھ جاؤ۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ ص ۱۵۴' مسلم۔ کتاب صلوۃ المسافرین' ابوداود۔ کتاب الصلوۃ' نسائی۔ کتاب قیام اللیل' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوۃ' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۱۰۱)

یہ زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا تھیں' جیسا کہ خطیب نے اپنے مبہمات میں ذکر کیا ہے اور علامہ کرمانی نے بھی یہی لکھا ہے۔ ابوداود[1] میں بہ طریق زیاد بن ایوب صرف زینب مذکور ہے بغیر نسبت کے' مگر بہ طریق ہارون بن عباد ازدی ہے کہ یہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش تھیں۔ اور یہی مسند امام احمد[2] میں بھی ہے' اور اسی میں صفحہ ۱۰۱' پر صرف زینب بغیر نسبت کے ہے اور صفحہ ۲۰۴' پر "فلانہ" بغیر نام کے ہے' ہوسکتا ہے کہ یہ شوق متعدد خواتین کو ہوا ہو۔

٦٩٥- ح: لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ

[فلاں کی مثل نہ ہو جانا جو رات میں قیام کرتا تھا پھر چھوڑ دیا]

٦٩٥- حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! فلاں کے مثل نہ ہو جانا' جو رات میں قیام کرتا تھا' پھر چھوڑ دیا۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ما یکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ ص ۱۵۴' مسلم۔ کتاب الصوم' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوۃ)

٦٩٦- ح: اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَقُوْمُ اللَّيْلَ وَتَصُوْمُ النَّهَارَ

[مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور دن بھر روزہ رکھتے ہو (کیا یہ صحیح ہے؟)]

٦٩٦- سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَقُوْمُ اللَّيْلَ وَتَصُوْمُ النَّهَارَ قُلْتُ اِنِّيْ اَفْعَلُ ذٰلِكَ قَالَ فَاِنَّكَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ وَاِنَّ لِنَفْسِكَ حَقًّا وَّلِاَهْلِكَ حَقًّا فَصُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو' کیا یہ صحیح ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور! میں یہ کرتا ہوں' تو فرمایا: جب تم یہ کرو گے تو تمہاری آنکھ کمزور ہو جائے گی اور تم خود کمزور ہو جاؤ گے' تمہاری ذات کا تم پر حق ہے' تیرے اہل کا تم

[1] ابوداود۔ ج ا ص ۱۸۶۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: النعاس فی الصلوۃ
[2] مسند امام اعظم۔ ج ۳ ص ۲۵۶۔ ۱۸۴

وَنَمْ. پر حق ہے تو روزہ رکھ بھی اور چھوڑ بھی اور قیام بھی کر سو بھی۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب۔ ص ۱۵۴' الصوم۔ باب: صوم داود علیہ السلام ص ۲۶۶' کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل اتینا داوٗد زبورا ص ۴۸۵' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصوم)

کتاب الصوم اور کتاب الانبیاء میں یوں ہے: مجھ سے یہ فرمایا: تم صوم دہر رکھتے ہو اور رات میں قیام کرتے ہو' تو میں نے عرض کیا: جی حضور! تو فرمایا: تم جب یہ کرو گے تو آنکھ کمزور ہو جائے گی اور جسم ناتوان ہو جائے گا۔ جس نے صوم دہر رکھا اس نے روزہ نہیں رکھا' (ہر مہینے) تین دن کا روزہ صوم دہر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں' فرمایا: تو صوم داوٗد رکھو وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے اور دشمن کا مقابلہ ہوتا تو منہ نہ پھیرتے۔

٦٩٧- ح: مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

[جس کی رات میں آنکھ کھلی اور یہ پڑھا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"]

٦٩٧- حَدَّثَنِيْ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اَوْ دَعَا اُسْتُجِيْبَ لَهُ فَاِنْ تَوَضَّاَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ.

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: فضل من تعار من اللیل فصلی ص ۱۵۵' ابوداود۔ کتاب الادب' ترمذی۔ کتاب الدعوات' ابن ماجہ۔ کتاب الدعا)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس کی رات میں آنکھ کھلی اور اس نے یہ پڑھا: اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے ملک ہے' اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ پاک ہے اور اللہ بہت بڑا ہے' گناہوں سے بچنے اور نیکیاں کرنے کی طاقت اللہ ہی کی عطاء سے ہے' اس کے بعد کہے: اے اللہ مجھے بخش دے! یا اور کوئی دعا کرے تو قبول ہو گی' پھر اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز بھی قبول ہو گی۔

٦٩٨- ح: اِنَّ اَخًا لَّكُمْ لَا يَقُوْلُ الرَّفَثَ

[تمہارے بھائی فحش بات نہیں کہتے]

٦٩٨- اَخْبَرَنِي الْهَيْثَمُ بْنُ اَبِيْ سِنَانٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُصُّ فِيْ قَصَصِهٖ وَهُوَ يَذْكُرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخًا لَّكُمْ لَا يَقُوْلُ الرَّفَثَ يَعْنِيْ بِذٰلِكَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَهٗ
اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِّنَ الْفَجْرِ سَاطِعٌ
اَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوْبُنَا
بِهٖ مُوْقِنَاتٌ اَنَّ مَا قَالَ وَاقِعٌ
يَبِيْتُ يُجَافِيْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ

ہیثم بن ابی سنان نے خبر دی کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وعظ میں بیان کر رہے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ کر رہے تھے کہ آپ نے فرمایا: تمہارے بھائی (عبداللہ بن رواحہ) فحش بات (اشعار میں) نہیں کہتے' انہوں نے کہا ہے:

اور ہم میں اللہ کے رسول ہیں جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں' جب مشہور و معروف فجر بلند ہوتی ہے
ہم کو گمراہی کے بعد ہدایت دکھائی' ہمارے دل یہ یقین کر چکے ہیں کہ انہوں نے جو فرمایا ہے صحیح ہے
رات میں اپنا پہلو اپنے بستر سے جدا رکھتے ہیں' جب مشرکین

إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِيْنَ الْمَضَاجِعُ
بستر پر بھاری رہتے ہیں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: فضل من تعار من الليل فصلى ص ١٥٥' ابوداؤد۔ کتاب الادب' ترمذی۔ باب: هجاء المشركين ص ٩٠٩)

٦٩٩- ح: صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ وَّرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا

[آٹھ رکعت پڑھتے اور دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے]

٦٩٩- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ وَّرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا وَّرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَائَيْنِ وَلَمْ يَكُنْ يَّدَعُهُمَا اَبَدًا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء پڑھتے' پھر آٹھ رکعت پڑھتے اور دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے اور دو رکعتیں دونوں نداؤں کے درمیان پڑھتے اور آپ ان دونوں کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: المداومة على ركعتي الفجر ص ١٥٥' ابوداؤد' نسائی)

ہمارے نزدیک فجر کی سنت' سنت مؤکدہ قریب واجب کے ہے' یہ بہ نسبت اور سنتوں کے زیادہ مؤکد ہے' حتیٰ کہ ابوداؤد[1] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر کی سنت مت چھوڑو اگرچہ تم کو دشمن کے گھوڑے روند ڈالیں۔ اس کو ہمارے ائمہ نے واجب اس وجہ سے نہیں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مثابرہ میں اس کو بھی ذکر فرمایا' اور اس میں کوئی نماز واجب نہیں' اس لیے یہ بھی واجب نہیں۔

٧٠٠- ح: اِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اِضْطَجَعَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فجر کی دو رکعت (سنت) پڑھ کر لیٹ جایا کرتے]

٧٠٠- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت سنت پڑھ کر دائیں کروٹ پر لیٹ جایا کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: التهجد على الشق الايمن بعد ركعتي الفجر ص ١٥٥)

٧٠١- ح: كَانَ اِذَا صَلَّى فَاِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ

[جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے بات کرتے]

٧٠١- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلَّى فَاِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ وَاِلَّا اضْطَجَعَ حَتّٰى يُؤْذَنَ بِالصَّلٰوةِ۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو اگر میں جاگتی رہتی تو مجھ سے بات کرتے' ورنہ لیٹ جاتے یہاں تک کہ نماز کے لیے اذان ہوتی۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: من تحدث ولم يضطجع ص ١٥٥' باب: الحديث بعد ركعتي الفجر ص ١٥٦' مسلم۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین' ابوداؤد' ترمذی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی سنت کے بعد جب تک جماعت کا وقت نہ ہوتا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لیٹا کرتے تھے مگر یہ

---

[1] ابوداؤد۔ ج ١ ص ١٧٩۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: رکعتی الفجر

عمل دوامی نہیں تھا۔ مسند امام احمد[1] میں ہے: اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتیں پڑھ کر کبھی کبھی لیٹ جایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں خود بخاری[2] ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور تہجد سے فارغ ہوکر لیٹے اور جب مؤذن آیا تو دو رکعت پڑھیں، پھر باہر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھی۔ نیز یہاں مذکور دوسری حدیث سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ عمل پابندی کے ساتھ نہ تھا، بلکہ جب اُم المؤمنین جاگتی رہتیں تو بیٹھے ان سے باتیں کرتے۔ حدیث کے ظاہر سے یہی سمجھ میں آ رہا ہے، اور یہی امام بخاری نے بھی سمجھا ہے۔ اسی لیے یہاں باب یہ قائم فرمایا: جس نے گفتگو کی اور لیٹا نہیں۔ یہی ہمارا مذہب ہے کہ فجر کی سنت کے بعد لیٹنا واجب نہیں اور نہ سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی تہجد کا عادی ہے تو وہ فجر کی سنت سے پہلے یا بعد میں لیٹ لے تاکہ تکان دور ہو جائے اور تازہ دم ہوکر انبساط کے ساتھ نمازِ فجر پڑھ سکے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اسے بدعت کہتے تھے اور لوگوں کو سختی سے روکتے تھے۔

ت ۲۲۳- وَيُذْكَرُ ذٰلِكَ عَنْ عَمَّارٍ وَّاَبِيْ ذَرٍّ وَّاَنَسٍ وَّجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَّعِكْرِمَةَ وَالزُّهْرِيِّ. (بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ما جاء في التطوع مثنى مثنى ص ۱۵۵)

نفل دو رکعت ہے، یہ حضرت عمار اور حضرت ابوذر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اور جابر بن زید اور عکرمہ اور زہری سے مروی ہے۔

''ذالك'' کا اشارہ باب کی طرف ہے، یعنی نفل دو دو رکعت ہے۔ باب کا اطلاق رات اور دن دونوں کے نوافل کو شامل ہے۔

چھ حضرات مذکور ہیں، ان میں سے تین پہلے والے صحابی ہیں اور تین بعد والے تابعی۔ حضرت عمار کی تعلیق کو طبرانی نے کبیر میں ان الفاظ میں روایت کیا: حضرت عمار نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے سے پہلے وتر پڑھ لے اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے، مگر اس کے راویوں میں ربیع بن بدر ضعیف ہے۔ ہاں ابن ابی شیبہ نے حضرت عمار کے بارے میں روایت کیا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت مختصر پڑھیں۔ اسی طرح اسی میں حضرت ابوذر کے بارے میں بھی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک ستون کے پاس آئے اور دو رکعت پڑھیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تعلیق مفصل، باب ''هل يصلي الامام بمن حضر'' میں گزر چکی ہے[3] جس کے اخیر میں ہے: پھر حضور نے دو رکعتیں پڑھیں۔ رہ گئے جابر بن زید اور عکرمہ اور زہری، تو علامہ عینی نے فرمایا: ان میں سے صرف عکرمہ کے بارے میں ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یہ روایت کیا ہے کہ وہ مسجد میں آئے اور دو رکعت پڑھیں۔ ان تعلیقات سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے، صرف دو رکعت نماز پڑھنا صحیح ہے۔ اگر امام بخاری کا مقصد یہی ہے تو باب ثابت، لیکن اگر امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ نفل نماز دو رکعت سے زائد پڑھنا درست نہیں، تو یہ ان تعلیقات سے ثابت نہیں۔

ت ۲۲۴- وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ الْاَنْصَارِيُّ مَا اَدْرَكْتُ فُقَهَآءَ اَرْضِنَا اِلَّا يُسَلِّمُوْنَ فِيْ كُلِّ اِثْنَتَيْنِ مِنَ النَّهَارِ.

اور یحییٰ بن سعید انصاری نے کہا: میں نے اپنی سرزمین کے فقہاء میں سے کسی کو ایسا نہ پایا جو دن میں ہر دو رکعت پر سلام نہ پھیر دیتے ہوں۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ما جاء في التطوع مثنى مثنى ص ۱۵۵)

یحییٰ بن سعید انصاری، تابعین میں سے ہیں، یہ مدینہ کے قاضی تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے کبار تابعین نے، جن میں سب سے اقدم ابو جعفر منصور عراقی ہیں، ان کو ہاشمیہ کی قضا سپرد ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ بغداد کے بھی

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۱۲۱

[2] بخاری۔ ج ۱ ص ۱۳۵۔ کتاب الوتر۔ باب اوّل

[3] بخاری۔ ج ۱ ص ۹۲۔ کتاب الاذان۔ باب: هل يصلي الامام بمن حضر

قاضی تھے۔ ۱۴۲ھ میں وصال فرمایا۔ ہماری سرزمین سے مراد مدینہ طیبہ ہے' ان کے زمانے میں وہاں فقہاء یہ تھے: زہری' نافع' سعید بن مسیب' عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق' امام جعفر صادق' ربیعہ بن عبدالرحمٰن بن ہرمز وغیرہ' اس تعلیق میں بھی وہی تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

۷۰۲- ح: يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا

[ہمیں تمام کاموں کے لیے استخارہ کی تعلیم دیتے]

۷۰۲- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ إِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ قَالَ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے' فرماتے تھے: جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو تو دو رکعت نماز پڑھو' فرض نہیں نفل' پھر یہ عرض کرو: اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قوت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں' اس لیے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں نہیں رکھتا' تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے' اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین' میرے معاش اور میرے انجام میں بہتر ہے' یا یہ فرمایا کہ ابھی یا آئندہ تو اسے میرے لیے مقدر فرما اور اسے میرے لیے آسان فرما' پھر اس میں میرے لیے برکت عطاء فرما اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین' میرے معاش اور میرے انجام میں برا ہے' یا فرمایا: ابھی یا آئندہ تو اسے مجھ سے پھیر دے' اور مجھے اس سے پھیر دے اور بھلائی جہاں کہیں ہو میرے لیے مقدر فرما' پھر مجھے اس پر راضی کر دے' اور اپنی حاجت بیان کرے۔

(بخاری' کتاب التہجد' باب: صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی ص ۱۵۵' ج ۲' کتاب الدعوات' باب: الدعاء عند الاستخارۃ ص ۹۴۴' کتاب التوحید' باب: قولہ ھو القادر ص ۱۰۹۹' ابوداؤد' کتاب الصلوٰۃ' ترمذی' کتاب الوتر' نسائی' کتاب النکاح' ابن ماجہ' کتاب اقامۃ الصلوٰۃ' مسند امام احمد' ج ۳ ص ۳۴۴)

مسند امام احمد میں "هٰذا الامر" کے بعد ہے کہ اپنی حاجت کا نام لے' جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو استخارہ کی نماز مستحب ہے' بشرطیکہ وہ عبادات نہ ہوں یا منہیات نہ ہوں' اس لیے کہ عبادات کی ادائیگی اور منہیات سے اجتناب مطلقاً خیر ہے' ہاں! یہ جائز ہے کہ کسی عبادات غیر موقت کے وقت کے بارے میں استخارہ کیا جائے' مثلاً حج' جہاد کے بارے میں یہ کہا جائے کہ امسال کروں یا نہ کروں؟ یا کسی سرکش بااقتدار کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں استخارہ کیا جائے' چھوٹا کام ہو یا بڑا سب کے لیے استخارہ مستحب ہے۔ کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے حوادث و نقصانات کا سبب بن جاتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ استخارہ متعدد بار کرے۔ ایک

حدیث ضعیف میں سات بار کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جب دعا فرماتے تو تین بار دعا فرماتے[1] اس سے تین بار پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ نماز استخارہ کی پہلی رکعت میں "قل یا ایها الكافرون" اور دوسری میں "قل هو الله احد" پڑھے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں یہ لکھا ہے، اگر چہ یہ تعیین کسی حدیث سے ثابت نہیں، نمازِ استخارہ دو رکعت سے زائد بھی پڑھی جا سکتی ہے، جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثم صلّ ما كتب الله لك" پھر اللہ نے جتنا مقدر میں لکھا ہے اتنی نماز پڑھ۔ استخارہ کرنے کے بعد جس پر دل جمے وہ کرے۔ بعض علماء نے لکھا ہے[2] کہ اگر خواب میں سفید یا سبز رنگ دیکھے تو کرے اور اگر سرخ یا سیاہ دیکھے تو نہ کرے۔

حدیث میں جو دعا آئی ہے اس میں ایک جگہ "ان هذا الامر" ہے، یہاں اپنی ضرورت کا ذکر کرے۔ آگے ہے: "في عاقبة امري او قال عاجل امري و آجله" یہاں کسی راوی سے شک ہو گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے "في عاقبة امري" فرمایا تھا یا اس کی جگہ "عاجل امري و آجله" فرمایا تھا، یہاں بہتر یہ ہے کہ دونوں پڑھے یعنی "في عاقبة امري وعاجل امري و آجله"۔

۷۰۳- ح: لَمْ يَكُنْ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا

[آپ (ﷺ) نوافل پر سخت پابندی نہ فرماتے]

۷۰۳- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ کسی نفل پر فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ سخت پابندی نہیں فرماتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: تعاهد ركعتي الفجر ص ۱۵۶، ابوداؤد، نسائی، مسلم)

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فجر کی سنت کو نوافل میں شمار کیا، یہ دلیل ہے کہ یہ واجب نہیں سنت ہے۔

۷۰۴- ح: يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً

[آپ (ﷺ) رات میں تیرہ رکعت پڑھتے]

۷۰۴- عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّيْ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے، پھر جب اذان سنتے تو مختصر دو رکعتیں پڑھتے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ما يقرأ في ركعتي الفجر ص ۱۵۶، ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہاں یہ باب ہے: "ما يقرأ في ركعتي الفجر" فجر کی دو رکعتوں میں کیا پڑھے؟ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: "ما" کبھی صفت کے بارے میں سوال کے لیے آتا ہے۔ اب باب کا مطلب یہ ہوا: فجر کی رکعتوں میں قراءت

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۱۰۸۔ کتاب الجهاد۔ باب: ما لقي النبي صلى الله عليه وسلم من اذى المشركين
[2] بہار شریعت۔ حصہ ۴ ص ۲۷

کی صفت کیا ہے طویل یا قصیر؟ ام المومنین نے فرمایا: خفیف یعنی مختصر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ مختصر قراءت کرے۔
حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضور اس کی پہلی رکعت میں ''قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور دوسری میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھا کرتے تھے۔ بعض اور آیتوں کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تہجد دس رکعت بھی پڑھی ہے۔

۷۰۵- ح: يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ

[صبح کی نماز سے پہلی والی دو رکعت مختصر پڑھتے]

۷۰۵- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَقُوْلُ هَلْ قَرَاَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ.

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ صبح سے پہلی والی دو رکعتیں مختصر پڑھتے تھے، اتنی کہ میں کہتی: ام القرآن (سورۂ فاتحہ) بھی پڑھی یا نہیں؟

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: ما یقرأ فی رکعتی الفجر ص ۱۵۶، مسلم۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین، ابوداؤد، ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ، نسائی۔ کتاب الافتتاح۔ کتاب قیام اللیل، موطا امام مالک۔ کتاب صلوٰۃ اللیل، مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۵۔ ۱۶۴)

۷۰۶- ح: كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ بَعْدَ مَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) طلوع فجر کے بعد دو رکعت مختصر پڑھتے]

۷۰۶- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَحَدَّثَتْنِيْ اُخْتِيْ حَفْصَةُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ بَعْدَ مَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَكَانَتْ سَاعَةً لَا اَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: اور مجھ سے میری بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہونے کے بعد دو مختصر رکعتیں پڑھتے تھے اور یہ وہ وقت تھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نہیں جاتا تھا۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: التطوع بعد المکتوبۃ ص ۱۵۷، باب: الرکعتین قبل الظہر ص ۱۵۷)

یہ باب الجمعہ میں گزری ہوئی حدیث: ۵۸۶ کا حصہ ہے، ابتدائی حصہ یہ ہے: حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد اور مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد اور جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھیں، اس پر پورا کلام گزر چکا ہے۔ ناظرین حدیث: ۵۸۶ ملاحظہ فرمائیں۔

ت ۲۲۵- وَقَالَ ابْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ اَهْلِهٖ.

اور ابن ابی الزناد نے بروایت موسیٰ بن عقبہ عن نافع یہ کہا: عشاء کے بعد اپنے اہل میں۔

(بخاری۔ باب: التطوع بعد المکتوبۃ ص ۱۵۶)

اس تعلیق کی توجیہ میں شارحین کے تین قول ہیں، علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس حدیث کے ابتدائی حصے میں ایک جگہ ہے: ''وسجدتین بعد العشاء'' یہاں اخیر میں اسی روایت میں ''فی اهله'' زائد ہے، اس کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ یہ تمام سنتیں اپنے اہل میں آ کر پڑھتے تھے اور یہی ظاہر ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ عشاء کے بعد والی دو رکعت اپنے اہل میں آ کر پڑھتے تھے۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کے ابتدائی جز کے اخیر میں ہے: "فاما المغرب والعشاء ففی بیتہ" مغرب اور عشاء کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے۔ "ففی بیتہ" کے بعد ہے: "بعد العشاء فی اھلہ" علامہ خطیب قسطلانی نے فرمایا کہ "ففی بیتہ" کی جگہ "فی اھلہ" ہے۔

۷۰۷- ح: اَتُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا

[نماز چاشت کے متعلق پوچھا کہ آپ پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا: نہیں]

۷۰۷- عَنْ مُوَرِّقٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَتُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَاَبُوْ بَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِخَالُهٗ.

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: صلوٰۃ الضحی فی السفر ص ۱۵۷)

مورق نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز چاشت کے بارے میں پوچھا کہ آپ پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا: حضرت عمر پڑھتے تھے؟ فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا: حضرت ابوبکر؟ تو فرمایا: نہیں، میں نے پوچھا: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو فرمایا: میں نہیں گمان کرتا کہ حضور پڑھتے ہوں گے۔

یہاں عنوان ہے: سفر میں نمازِ چاشت۔ اور حدیث میں مطلقاً نفی مذکور ہے، سفر یا حضر کی تقیید نہیں، اس کے عموم سے سفر میں نفی پر استدلال ہوسکتا تھا کہ نہ سفر میں ہے نہ حضر میں۔ علامہ قسطلانی نے کہا کہ چونکہ نمازِ چاشت کے بارے میں روایات متعارض ہیں۔ امام بخاری نے ان سب میں تطبیق دینے کے لیے باب باندھا ہے کہ نفی کی روایات سفر پر محمول ہیں اور اثبات کی حضر میں، مگر اس کے بعد ہی حضرت ام ہانی کی حدیث آ رہی ہے جس میں نمازِ چاشت کا ذکر ہے اور وہ فتح مکہ کے موقع پر حالت سفر میں حضور نے پڑھی تھی۔ تطبیق کی صورت وہی ہے جو حدیث: ۶۷۸ کے ضمن میں گزر چکی۔

۷۰۸- ح: اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ

[میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین وصیتیں کیں]

۷۰۸- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ لَّا اَدَعُهُنَّ حَتّٰى اَمُوْتَ صَوْمِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّصَلٰوةِ الضُّحٰى وَنَوْمٍ عَلٰى وِتْرٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے، میں ان کو مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا، ہر مہینے میں تین دن کا روزہ اور نمازِ چاشت اور وتر پڑھ کر سونا۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: صلوٰۃ الضحی فی الحضر ص ۱۵۷، کتاب الصوم۔ باب: صیام البیض ثلث عشرۃ واربع عشرۃ وخمس عشرۃ ص ۲۶۶، مسلم، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہاں باب کا عنوان ہے: حضر میں نمازِ چاشت کا بیان۔ اس پر استدلال حدیث کے ان الفاظ سے ہو رہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان کو مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا، اس میں حضر بھی داخل ہے۔ ہر مہینے میں تین دن سے مراد ایام بیض کے روزے ہیں، یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ۔ یہاں بخاری کی روایت میں نمازِ چاشت کی رکعتیں مذکور نہیں، مگر مسلم[1] میں "ورکعتی الضحی" ہے، یعنی چاشت کی دو رکعتیں۔ نیز مسلم[2] ہی میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے اور جو

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۵۰۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: استحباب صلوٰۃ الضحی
[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۴۹۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب: صلوٰۃ الضحی

چاہتے زیادہ کرتے۔ حضرت اُم ہانی کی حدیث میں آٹھ رکعتیں مذکور ہیں۔سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا خاص حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کے لیے حکم فرمایا' کیونکہ سونے میں اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں قضا نہ ہو جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ جنہیں یہ اعتماد نہ ہو کہ اخیر شب میں اُٹھ سکیں گے' ان کے لیے ضروری ہے کہ وتر سونے سے پہلے پڑھ لیں اور جنہیں اعتماد ہو کہ اُٹھ سکیں گے' ان کے لیے افضل یہ ہے کہ رات میں تہجد کے بعد پڑھیں۔(نزہۃ القاری۔ج ا ص ٦٢٦' رقم:٢٠١)

کتاب الصوم میں امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا ہے: صیام بیض تیرہ' چودہ' پندرہ کو ہے۔اس حدیث میں کسی بھی تاریخ کی تعیین نہیں' پھر اس سے ایامِ بیض کے روزے مراد لینا اور ایامِ بیض سے مذکورہ بالا تواریخ متعین کرنا کیسے درست ہے۔

یہ بارہا گزر چکا کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ باب کے ضمن میں جو حدیث لاتے ہیں' اس سے باب کی مطابقت نہیں ہوتی' مگر وہی حدیث کسی اور طریقے سے کہیں مذکور ہوتی ہے' اس میں باب کے مناسب کلمات ہوتے ہیں' چنانچہ اسی حدیث کو امام ابومحمد بن عبداللہ بن عطاء ابراہیمی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے حضور نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: سونے سے پہلے وتر کی اور دو رکعت نمازِ چاشت پڑھنے کی اور ہر مہینے تین دن روزہ رکھنے کی' تیرہ' چودہ' پندرہ اور یہ بیض ہیں' یعنی روشن دن[1] اس لیے کہ دوسرے دنوں کی طرح ان کے دنوں میں روشنی ہوتی ہی ہے' راتوں میں بھی رات بھر چاندنی رہتی ہے' اسی لحاظ سے یہ ایام کی صفت ہیں[2] ایام سے مراد دن اور رات دونوں کا مجموعہ ہے۔

ان ایام کے علاوہ اور بھی تین دن ہر مہینے روزے کے فضائل آئے ہیں' ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے' اس سلسلے میں دس اقوال ہیں: (١) ہر مہینے میں غیر متعین تین دن کے روزے اور تعیین مکروہ ہے' یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے (٢) ہر مہینے تیرہ' چودہ' پندرہ کے روزے' یہ اکثر اہل علم کا قول ہے اور یہی حضرت فاروق اعظم اور حضرت ابن مسعود' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ نیز اکثر تابعین اور امام شافعی اور امام اعظم ان کے صاحبین امام احمد' امام اسحٰق کا بھی (٣) بارہ' تیرہ' چودہ کے روزے (٤) ہر مہینے کے ابتدائی تین دنوں کے روزے' جنہیں ایامِ غرّ کہتے ہیں۔یہ امام حسن بصری کا مذہب ہے (٥) ہر مہینے کے پہلے شنبہ' یک شنبہ' دوشنبہ پھر اس کے بعد والے مہینے میں پہلے سہ شنبہ' چہار شنبہ' پنج شنبہ کے روزے۔ یہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے (٦) ہر مہینے کے آخری تین دن کے روزے جنہیں ایامِ سود کہتے ہیں۔ یہ ابراہیم نخعی کا مختار ہے (٧) پہلے دوشنبہ' پنج شنبہ اور پھر دوسرے دوشنبہ کے روزے (٨) ہر مہینے کی پہلی' دسویں' بیسویں کے روزے' یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (٩) ہر مہینے کی پہلی' گیارھویں' بیسویں کے روزے۔ یہ ابواسحٰق بن شعبان مالکی کا مختار ہے (١٠) پہلے پنج شنبہ پھر اس کے بعد والے دوشنبہ' پھر اس کے بعد والے دوشنبہ کے روزے۔

(ایضاً ص ١٩٨)

٧٠٩- ح: لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظہر سے قبل چار (رکعت) نہ چھوڑتے]

٧٠٩- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے چار اور صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔

(کتاب التہجد۔ باب: الرکعتین قبل الظہر ص ١٥٧' ابوداؤد' نسائی)

---

[1] عمدۃ القاری۔ج ١١ ص ٩ [2] فتح الباری۔ج ۴ ص ١٩٦

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔ اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ چار رکعت۔ ترجیح اسی کو ہے' ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ اکثر اقل کا نافی نہیں' پھر اس کا بھی احتمال ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت گھر کے اندر پڑھتے ہوں جیسا کہ مسند امام احمد اور ابوداؤد میں ہے کہ چار رکعت گھر میں پڑھتے تھے' جنہیں اُم المؤمنین ملاحظہ فرماتی ہوں' اور دو رکعت مسجد میں تشریف لا کر پڑھتے ہوں جنہیں حضرت ابن عمر نے دیکھا[1] ہو سکتا ہے کہ یہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہو' پوری بحث ہو چکی ہے۔ اس حدیث پر باب ہے: ظہر سے پہلے دو رکعت' اور حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت مذکور ہے' اس کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔

۷۱۰- ح: يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ (الخ)

[مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت پڑھتے]

۷۱۰- سَمِعْتُ مَرْثَدَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْيَزَنِيَّ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعْجِبُكَ مِنْ اَبِيْ تَمِيْمٍ يَّرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ.

مرثد بن عبداللہ یزنی نے کہا: میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا: آپ کو ابوتمیم کی یہ بات تعجب میں نہیں ڈالتی کہ وہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہیں' تو حضرت عقبہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم اسے پڑھتے تھے' میں نے عرض کیا: اب کیا چیز روکتی ہے؟ تو فرمایا: مشغولیت۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: الصلوٰۃ قبل المغرب ص ۱۵۸' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۱۵۵)

مغرب سے قبل نفل ہے یا نہیں' اس کی پوری بحث گزر چکی ہے' جو لوگ اسے مشروع مانتے ہیں وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہی پڑھے جو طہارت' وضو وغیرہ کے ساتھ ہو' تاکہ مغرب کی نماز اوّل وقت پڑھ سکے' اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز ہر موسم میں اوّل وقت پڑھنا مستحب ہے۔ احناف کے نزدیک مغرب سے پہلے کوئی نفل نہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ امام طاؤس نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا کہ اسے پڑھتا ہو[2] نیز طبرانی نے مسند شامیین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج سے دریافت کیا: آیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟ تو سب نے فرمایا: ہم نے نہیں دیکھا' ہاں! حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایک بار میرے یہاں حضور نے پڑھیں' جب میں نے پوچھا: یہ کون سی نماز ہے؟ تو فرمایا: عصر سے پہلے کی سنت نہیں پڑھ سکا تھا' انہیں پڑھا ہے[3] نیز حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ یہ نماز نہ حضور نے پڑھی ہے نہ حضرت ابوبکر نے نہ حضرت عمر نے نہ حضرت عثمان نے' اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بدعت ہے[4] کوفہ میں خیار صحابہ حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت عمار' حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ ان میں سے کوئی مغرب سے پہلے یہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔

اور یہ کہنا کہ بخاری کی روایت کو ان روایات پر ترجیح ہے' درست نہیں' جیسا کہ ہمارے علماء نے دلائل قاہرہ سے اسے ثابت فرمایا' خصوصاً امام ابن ہمام نے اس مسئلہ پر بحث فرماتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] فتح الباری۔ ج ۳ ص ۴۸
[2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۸۲۔ باب: الصلوٰۃ قبل المغرب
[3] فتح القدیر۔ ج ۱ ص ۱۸۸۔ لکھنؤ
[4] ایضاً۔ عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۴۶

اگر بخاری میں مروی حضرت انس کی یہ حدیث صحیح ہوتی کہ اذان ہوتے ہی لوگ تیزی سے ستونوں کی طرف بڑھتے' اتنی کثرت سے لوگ نماز پڑھتے کہ ایک اجنبی یہ خیال کرتا کہ جماعت ہو چکی ہے' تو حضرت ابن عمر اور عامہ صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہم یہاں تک کہ ازواج مطہرات سے بات پوشیدہ رہتی اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم اس پر عمل نہ کرتے بلکہ عامہ صحابہ اسے چھوڑ بیٹھتے۔

اسے دار قطنی اور بیہقی نے حبان بن عبید اللہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مغرب کے سوا ہر دو اذان یعنی اذان واقامت کے مابین نماز ہے[۱] ابن شاہین نے کہا کہ اس حدیث سے قبل مغرب کی نماز منسوخ ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۴۶)

علامہ ابن جوزی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے' اس لیے کہ اس کا ایک راوی حبان' کذاب ہے' مگر ان کا یہ کہنا اشتباہ کی بناء پر ہے' اس لیے کہ حبان دو ہیں' ایک ابن عبداللہ' دوسرے ابن عبید اللہ' کذاب ابن عبداللہ ہے اور ابن عبید اللہ ثقہ ہیں' جیسا کہ علامہ زیلعی نے لکھا ہے۔

نیز بخاری کی حضرت انس والی حدیث سے بھی اس کا استحباب ثابت نہیں ہوتا' اس میں یہ ہے: "قام ناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" صحابہ میں سے کچھ حضرات ستونوں کی طرف بڑھتے اور نماز پڑھتے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تمام صحابہ نہیں پڑھتے تھے' کچھ حضرات پڑھتے تھے' آگے ہے: "حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یہاں تک کہ نبی ﷺ باہر تشریف لاتے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے بعد صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات نے یہ سوچا کہ بیکار رہنے سے بہتر یہ ہے کہ جب تک حضور باہر تشریف نہ لائیں' ہم نماز ہی پڑھیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ نماز منجانب شرع مقرر نہیں تھی' ورنہ تمام صحابہ کرام پڑھتے جبکہ اس کا موقع تھا' جو لوگ پڑھتے تھے وہ وقت کو اہم عبادت میں مصروف کرنے کے لیے پڑھتے تھے۔ اور یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ اس وقت نفل مشروع نہیں' اگر کوئی مختصر پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں' جیسا کہ امام ابن ہمام نے فرمایا ہے۔ (فتح القدیر۔ ص ۱۸۸۔ لکھنؤ)

قبل عصر

عصر سے قبل بھی چار رکعت نفل مشروع ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند[۲] میں اور ترمذی نے اپنی جامع[۳] میں' ابوداؤد نے اپنی سنن[۴] میں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس شخص پر رحم فرمائے! جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لے۔ نیز امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے[۵] مگر چونکہ یہ دونوں حدیثیں امام بخاری کی شرط پر نہیں' اس لیے انہیں ذکر نہیں فرمایا۔

۷۱۱- ح: وَيَزِيْدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّوْمِ

[اور سرزمین روم پر یزید بن معاویہ (امیر) تھا]

۷۱۱- قَالَ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِيْهِمْ أَبُوْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيُّ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ حدیث ان لوگوں کے سامنے بیان کی جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی

۱- فتح القدیر۔ ص ۱۸۸۔ لکھنؤ ۲- مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۱۷

۳- ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ماجاء فی الاربع قبل العصر

۴- ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۸۰۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: الصلوۃ قبل العصر

۵- ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۸۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ماجاء فی الاربع قبل العصر' نسائی۔ ج ۱ ص ۱۴۰۔ باب: الصلوۃ قبل العصر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ فَأَنْكَرَهَا عَلَيَّ أَبُو أَيُّوبَ قَالَ وَاللَّهِ مَا أَظُنُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا قُلْتَ قَطُّ فَكَبُرَ ذٰلِكَ عَلَيَّ فَجَعَلْتُ لِلَّهِ عَلَيَّ إِنْ سَلَّمَنِي حَتَّى أَقْفُلَ مِنْ غَزْوَتِي أَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنْ وَجَدْتُهُ حَيًّا فِي مَسْجِدِ قَوْمِهِ فَقَفَلْتُ فَأَهْلَلْتُ بِحَجَّةٍ أَوْ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ سِرْتُ حَتَّى قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَأَتَيْتُ بَنِي سَالِمٍ فَإِذَا عِتْبَانُ شَيْخٌ أَعْمَى يُصَلِّي لِقَوْمِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوةِ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَأَخْبَرْتُهُ مَنْ أَنَا ثُمَّ سَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثَنِيهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: صلوٰۃ النوافل جماعۃ ص ۱۵۸)

حضرت ابوایوب انصاری موجود تھے' اس غزوہ میں جس میں انہوں نے وفات پائی تھی اور ان پر سرزمین روم میں یزید بن معاویہ امیر تھا' تو حضرت ابوایوب نے اس کا انکار فرمایا اور کہا: بخدا! میں یہ گمان نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ فرمایا ہوگا جو تم نے کہا' یہ بات مجھ پر بہت گراں گزری اور میں نے اللہ کے لیے عہد کر لیا کہ اگر اللہ نے مجھے سلامت رکھا یہاں تک کہ میں اس جنگ سے لوٹوں تو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کی قوم کی مسجد میں پوچھوں گا' اگر ان کو زندہ پاؤں گا تو' میں لوٹا اور حج یا عمرے کا احرام باندھا اور مدینہ آیا' پھر بنی سالم کے محلے میں آیا تو دیکھا کہ عتبان بوڑھے نابینا ہیں اور اپنی قوم کو نماز پڑھا رہے ہیں' جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے انہیں سلام کیا اور بتایا کہ میں کون ہوں' پھر اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو جیسے انہوں نے پہلے بیان کیا تھا' ویسے ہی پھر بیان فرمایا۔

یہ نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۱۳۶ ۔ ۱۳۷ پر گزری ہوئی حدیث: ۲۹۴ کا تتمہ ہے' جسے یہاں بھی امام بخاری نے پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے شک کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے جہنم پر حرام فرمایا ہے' جس نے اللہ کی رضا کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ اس سے بہ ظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مومنین میں جو فساق و فجار ہیں وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ یہ بہت سی آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ اس لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے انکار فرما دیا۔ حضرت محمود بن ربیع نے یہ خیال کر کے کہ شاید مجھ سے سننے میں یا یاد رکھنے میں غلطی ہو گئی ہو دوبارہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطمینان فرما لیا کہ میں نے جو یاد رکھا تھا' وہ صحیح ہے۔

ویزید بن معاویۃ علیہم ...... (قسطنطنیہ پر پہلا حملہ)

عام طور پر مشہور ہے کہ یہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ تھا' اس کی وجہ سے ایک اشکال یہ پیدا ہو گیا کہ اس لشکر کا سپہ سالار یزید تھا یا کم از کم اس میں شریک ضرور تھا۔ اور خود بخاری' کتاب الجہاد[1] میں یہ حدیث ہے: ''اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورۃ لہ'' ''میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا' اسے بخش دیا جائے گا۔ اس لشکر میں یزید شریک تھا' اس لیے ثابت ہوا کہ وہ بخشا بخشایا ہے' حتیٰ کہ مہلب جیسے عظیم محدث بھی اس رو میں بہہ گئے۔ اگرچہ مہلب کی اس نکتہ آفرینی کا جملہ محدثین نے رد کیا ہے' جو فتح الباری' عمدۃ القاری' قسطلانی وغیرہ دیکھنے والوں کو معلوم ہے' ہم نے اپنے مضامین میں اس پر بہت کچھ لکھا ہے' جو پاسبان کے مخصوص نمبر ''کربلا کا مسافر'' میں پھر مقالات امجدی میں چھپ چکا ہے۔

حضرت علامہ الحاج مبین الدین امروہوی دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے رسالہ مبارکہ شہید معظم میں اس پر بحث کا یہ رخ اختیار فرمایا ہے' اسی کی روشنی میں ہم اب ایک نئے سرے سے اس بحث کو ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: ما قیل فی قتال الروم ص ۴۱۰

یہاں بنیادی طور پر دو باتیں غور طلب ہیں' اس حدیث میں قسطنطنیہ کا نام نہیں' مدینہ قیصر ہے یعنی قیصر کے شہر' مدینہ قیصر کا ترجمہ یا مطلب کسی لغت میں قسطنطنیہ نہیں' پھر محدثین نے اس سے قسطنطنیہ کیسے مراد لے لیا؟ یہ لاینحل معمہ ہے' قیصر کے حدود سلطنت کا کوئی بھی شہر مدینہ قیصر ہو سکتا ہے۔ اب آیئے دیکھئے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ کب ہوا؟

تاریخ و سیر کا ادنیٰ واقف کار جانتا ہے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ خود حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک ۸ھ جمادی الاولیٰ میں ہوا' جس کا نام غزوۂ موتہ ہے۔ اب اس بشارت کے مستحق غزوۂ موتہ کے شرکاء ہیں اور اگر ''مدینہ قیصر'' سے اس کا دار السلطنت مراد لیا جائے تو جس وقت حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا' اس وقت قیصر کا دار السلطنت حمص تھا' جو عہد فاروقی ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ اب اس بشارت کے مورد فاتحین حمص ہیں۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اگر کسی کو ضد ہو کہ مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے تو اگرچہ ضد کا کوئی علاج نہیں مگر حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے کہ خاص اس ضد کا علاج موجود ہے۔ حدیث کی یہ بشارت اس لشکر کے لیے ہے جو سب سے پہلے مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا اور جس لشکر میں یزید شریک تھا' وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر نہیں تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یزید جس لشکر کا امیر تھا وہ ۵۰ھ یا اس کے بعد ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر گیا تھا' اس سے پہلے قسطنطنیہ پر چار بار حملہ ہو چکا تھا۔ پہلی بار ۳۲ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں' حضرت معاویہ کی سربراہی میں حملہ ہوا تھا۔ البدایہ والنہایہ[1] میں ہے:

ثم دخلت سنة ثنتين وثلاثين وفيها غزا معاوية بلاد الروم حتى بلغ المضيف مضيق قسطنطنية.	۳۲ھ میں معاویہ نے بلادِ روم میں جنگ کی' یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی گھاٹی تک پہنچ گئے۔

دوسری بار ۴۳ھ میں بُسر بن ابی ارطاۃ کی سرکردگی میں[2] اور تیسری بار ۴۴ھ میں' چوتھی بار ۴۶ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید سیف اللہ کی سرکردگی میں' اسی میں ہے:

سنة ثلث واربعين فيها غز البسر بن ابی ارطاة بلاد الروم فوقع فيها حتى بلغ مدينة قسطنطنيه سنة اربع واربعين فيها غزا عبد الرحمٰن بن خالد بن الوليد بلاد الروم ومعه المسلمون. (ایضاً ص ۲۷)	۴۳ھ میں بسر بن ارطاۃ نے بلادِ روم میں جنگ کی' بڑھتے گئے یہاں تک کہ شہر قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ ۴۴ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد نے بلادِ روم میں جہاد کیا اور ان کے ساتھ بہت سے مسلمان تھے۔
سنة ست واربعين فيها شتى المسلمون ببلاد الروم مع اميرهم عبد الرحمٰن بن خالد وقيل كان اميرهم غيره. (ایضاً ص ۳۰)	۴۶ھ میں مسلمانوں نے اپنے امیر عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ بلادِ روم میں جہاد کیا' ایک قول یہ ہے کہ امیر کوئی اور تھا۔

۴۳ھ میں بسر بن ابو ارطاۃ نے جو جنگ کی' اس کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ بدایہ نہایہ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ قسطنطنیہ تک پہنچے مگر بدایہ اور نہایہ سے بہ درجہا راجح کتاب ابوداؤد[3] میں ہے کہ یہ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا تھا' نیز یہ کہ اس میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ ابوداؤد میں یہ تفصیل ہے:
اسلم بن ابو عمران نے کہا کہ ہم مدینہ سے قسطنطنیہ پر جہاد کے لیے نکلے اور امیر لشکر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ اور رومی اپنی پیٹھ

---

[1] البدایہ والنہایہ۔ ج ۸ ص ۱۵۹ [2] ایضاً۔ ج ۸ ص ۳۴

[3] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۳۴۰۔ کتاب الجہاد۔ باب: في قوله عزوجل ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة

شہر پناہ سے چپکائے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے دشمن پر حملہ کیا تو لوگوں نے کہا: ٹھہر ٹھہر! لا الہ الا اللہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس پر ابوایوب انصاری نے فرمایا: یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے: "جب اللہ نے اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام غالب ہوگیا" تو ہم نے کہا کہ اپنے کاروبار میں لگ جائیں انہیں درست کرلیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ ہلاکت میں مت پڑو" اپنے کام میں لگ جانا جہاد چھوڑنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ابوعمران نے کہا: ابوایوب جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔

ترمذی[1] میں تھوڑی زیادتی اور کچھ اختصار کے ساتھ یہ روایت موجود ہے اس میں یہ ہے کہ مصر پر عقبہ بن عامر اور ایک جماعت پر فضالہ بن عبید تھے سپہ سالار کون تھا؟ یہ ترمذی میں نہیں۔ طبری میں البتہ پوری تفصیل ہے ابوداؤد والی سند کے ساتھ ہے کہ اہل مصر پر عقبہ بن عامر تھے اور پوری جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد۔ طبری ہی میں دوسری روایت ہے کہ اہل مصر پر عقبہ بن عامر اور اہل شام پر فضالہ بن عبید تھے۔ ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ لشکر کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ تھے۔ اور اہل مصر کے مجاہدین کے سردار حضرت عقبہ بن عامر اور اہل شام کے فضالہ بن عبید اس طرح ابوداؤد اور ترمذی کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں سن مذکور نہیں مگر چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو ٤٦ھ میں زہر دے کر مار ڈالا گیا تھا[2] تو ضروری ہے کہ یہ جہاد ٤٦ھ میں یا اس سے پہلے ہوا ہو۔ یزید پلید جس لشکر میں شریک ہوا خواہ وہ سپہ سالار کی حیثیت سے رہا ہو خواہ کسی ٹولی کے سردار کی حیثیت سے خواہ عام فوجی کی حیثیت سے وہ قسطنطنیہ پر ٤٩ھ یا ٥٠ھ یا اس کے بعد حملہ آور تھا۔ بدایہ ونہایہ میں ہے:

سنۃ تسع واربعین فیھا غزا یزید بن معاویۃ بلاد الروم حتی بلغ قسطنطنیۃ. (ایضاً ص ٣٢)

٤٩ھ میں یزید بن معاویہ نے بلادِ روم پر حملہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔

عمدۃ القاری[3] وغیرہ میں اسی حدیث کے تحت ہے کہ یہ جنگ ٥٠ھ میں یا اس کے بعد ہوئی تھی۔ خود بدایہ نہایہ میں ٥٢ھ کے واقعات میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا وصال اسی سال یعنی ٥٢ھ میں ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ایک سال پہلے یا اس کے ایک سال بعد۔ بہرحال یزید جس لشکر میں شریک تھا وہ ٤٩ھ سے پہلے قسطنطنیہ نہیں گیا۔ اور ثابت ہوگیا کہ ٤٩ھ سے پہلے قسطنطنیہ پر کم از کم تین بار ورنہ چار بار حملہ ہو چکا ہے۔ پہلے ٣٢ھ میں حضرت معاویہ نے کیا ٤٣ھ میں بسر بن ابوارطاۃ نے کیا ٤٤ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے کیا ٤٦ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ یا کسی اور صاحب کی سربراہی میں ہو۔ اب اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے تو "اوّل جیش من امتی" متعین کر رہا ہے کہ اس کے مصداق حضرت معاویہ یا بسر بن ابوارطاۃ یا حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ اور ان کے ہمراہی ہیں جس لشکر میں یزید تھا وہ اس حدیث کا مصداق ہرگز نہیں اس لیے کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا یہ پہلا لشکر نہیں تھا بلکہ پانچواں یا چوتھا۔ اور بشارت صرف اس لشکر کے لیے ہے جو پہلی بار حملہ کرے گا۔

ایک شبہہ کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ اس حدیث میں پہلے جزیرہ قبرص (کریٹ) پر جہاد کا تذکرہ ہے اور مدینہ قیصر پر حملے کا ذکر بعد میں ہے نیز حضرت اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے جب یہ عرض کیا کہ دعا فرمایئے کہ میں ان میں سے ہوں تو ارشاد فرمایا: تو پہلے والے میں

[1] ترمذی۔ ج ٢ ص ١٤١۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البقرہ [2] بدایہ ونہایہ ج ٨ ص ٣١ [3] عمدۃ القاری۔ ج ٧ ص ٤٤٩

ہے۔ ان دونوں سے متبادر ہوتا ہے کہ مراد وہ حملہ ہے جو قبرص کے بعد ہوا۔

اقول: اوّلاً یہ وہی کہہ سکتا ہے جو حدیث تو بہت اہم ہے' عوام کے بھی کلام کے سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو' سب کو معلوم ہے تقدم فی الذکر تقدم فی الوقوع کو مستلزم نہیں' اور نہ ترتیب فی الذکر' ترتیب فی الوقوع کو مستلزم یعنی یہ ضروری نہیں کہ اگر چند واقعات مذکور ہوں تو جس ترتیب سے مذکور ہوں' اسی ترتیب سے واقع بھی ہوں کہ جس کا ذکر پہلے ہو' وہ پہلے واقع ہوا اور جس کا ذکر بعد میں ہو' اس کا وقوع بعد میں ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ واقعات کے رونما ہونے کی ترتیب کچھ اور ہوتی ہے۔ بیان کرنے والا اس کا لحاظ کیے بغیر پہلے رونما ہونے والے کو بعد میں اور بعد میں رونما ہونے والے کو پہلے ذکر کرتا ہے۔ ثانیاً اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی یزید پرستوں کو مفید نہیں' اس لیے کہ قبرص ۲۸ھ میں فتح ہو چکا تھا[1] یہی صحیح اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ابو معشر نے کہا کہ قبرص ۳۳ھ میں فتح ہوا تھا' اس تقدیر پر حضرت معاویہ کا ۳۲ھ والا جہاد اس میں داخل نہ ہوگا' مگر اس بشارت سے یزید پلید اب بھی خارج ہی رہا' کیونکہ اس کے حملے سے پہلے ۴۳ھ میں بسر بن ابو ارطاۃ یا ۴۴ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ اس شرف کو حاصل کر چکے تھے۔

اس موضوع کا ایک نیا رخ

ثم اقول وباللہ التوفیق: یہ سطور لکھ چکا تو اس حدیث کے سلسلہ میں ایک نیا رخ ذہن میں آ گیا۔ یہ حدیث بخاری' ج ۱ ص ۴۱۰' باب: "**قتال الروم**" پر بہ طریق عمیر بن اسود عنسی' حضرت اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' یہاں جو کلمات ہیں' ان کا ترجمہ یہ ہے:

عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' وہ حمص کے ساحل پر اپنی عمارت میں اترے ہوئے تھے' ان کے ساتھ اُم حرام بھی تھیں' تو اُم حرام نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے: میری اُمت کے اس لشکر نے جو سمندر پر پہلا حملہ کرے گا' واجب کر لیا۔ اُم حرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان میں ہوں؟ فرمایا: تو ان میں ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے اس لشکر کو جو سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا' اسے بخش دیا جائے گا۔ (اُم حرام کہتی ہیں) کہ پھر میں نے عرض کیا: میں ان میں ہوں؟ یارسول اللہ! تو فرمایا: نہیں!

اس کے تحت علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری[2] میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اُم حرام سے اس سے زیادہ تام (کامل) روایت کیا ہے جو اوائل الجہاد' باب الدعاء بالجہاد میں مذکور ہے۔ بخاری' ج ۱ ص ۳۹۱ پر یہ حدیث مفصل یوں مذکور ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اُم حرام بنت ملحان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے' وہ خدمت اقدس میں کھانا پیش کرتیں اور اُم حرام' عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں' (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے' انہوں نے ماحضر پیش کیا جسے حضور نے تناول فرمایا اور حضور کے سر اقدس سے جوئیں تلاش کرنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے' پھر بیدار ہوئے اور مسکرا رہے تھے' اُم حرام نے بتایا کہ میں نے دریافت کیا: کیوں مسکرائے؟ یارسول اللہ! فرمایا: میری اُمت کے کچھ لوگ فی سبیل اللہ غازی مجھ پر پیش کیے گئے جو اس (سبز) سمندر کے بیچ میں سوار ہیں جو تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں' یا تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہوں کے مثل ہیں۔ اسحٰق سے شک ہو گیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے ان میں کر دے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی' اس کے بعد حضور نے سر اقدس رکھا اور پھر سو گئے' پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے' میں نے عرض کیا: حضور کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ فرمایا: میری اُمت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو فی سبیل اللہ اس (سبز) سمندر

---

[1] بدایہ ونہایہ۔ ج ۷ ص ۱۵۳ [2] عمدۃ القاری۔ ج ۱۴ ص ۱۹۸

کے بیچ میں جہاد کرنے جا رہے ہیں، وہ تخت پر بادشاہ ہیں یا تخت پر بادشاہوں کے مثل ہیں۔ اسحق نے شک کیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے ان میں کر دے! فرمایا: تو پہلے والوں میں ہے۔ اس کے بعد ام حرام، معاویہ بن ابوسفیان کے زمانے میں سمندر میں سوار ہوئیں، سمندر پار کرنے کے بعد اپنی سواری سے گر پڑیں اور وفات پا گئیں۔

اس تفصیل کے ساتھ امام بخاری نے اس حدیث کو مزید تین جگہ ذکر فرمایا ہے۔ کتاب الجہاد، باب: "غزوة المرأة في البحر" ص ۴۰۳، کتاب الاستیذان، باب: "من زار قوما فقال عندهم" ص ۹۲۹، کتاب تعبیر الرؤیا، باب: "الرؤيا في النهار" ص ۱۰۰۲۔ علاوہ ازیں بقیہ صحاح ستہ کے علاوہ داری، مؤطا امام مالک، مسند امام احمد وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

اس حدیث کے دونوں طریقوں میں سے ہر ایک طریقے میں کچھ باتیں زائد ہیں، جو دوسرے میں نہیں۔ عمیر بن اسود کے طریقے میں یہ زائد ہے: "أول جيش من امتي يغزون البحر اوجبوا" "میری اُمت کا وہ پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے، جنت کا مستحق ہو گیا" مگر حضرت انس کی روایت میں نہ تو اوّل جیش ہے اور نہ اوجبوا ہے، اسی طرح عمیر کی روایت میں یہ زائد ہے: "أول جيش امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم" "میری اُمت کے اس پہلے لشکر کو جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا بخش دیا گیا" مگر حضرت انس کی روایت میں یہ نہیں۔ اسی طرح حضرت انس کی روایت میں دونوں جگہ یہ تفصیل ہے: "يركبون ثبج هذا البحر" "اس سمندر کے بیچ میں سوار ہوں گے" مگر یہ عمیر کی روایت میں نہیں، مگر یہ راویوں کا عام طریقہ ہے کہ روایت میں کبھی پوری حدیث ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس میں اختصار کر دیتے ہیں، جس کی نظیر اسی بخاری میں صدہا ہیں۔ اس اختصار کا مطلب یہ نہیں ہوتا، یہ دو حدیثیں ہیں یا دو واقعے ہیں، اس لیے یہاں اس کی گنجائش نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ دونوں دو حدیثیں ہیں یا دو واقعے ہیں۔ علامہ عینی کی تصریح گزر چکی کہ یہ دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ حضرت انس کی روایت زیادہ تام ہے، اب پوری حدیث یہ ہوئی کہ میری اُمت کا وہ پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا اور میری اُمت کا وہ لشکر جو سب سے پہلے بحری سفر کر کے مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا، بخش دیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغفرت کی بشارت کے لیے تین شرطیں ہیں، اوّل وہ بحری سفر کر کے حملہ کرے، دوسرے وہ مدینہ قیصر پر حملہ کرے، تیسرے یہ کہ پہلا لشکر ہو، جس حملہ آور لشکر میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی، وہ مغفرت کا مستحق ہے۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو اس بشارت کا مستحق نہیں۔ یزید میں ان باتوں میں سے دو مفقود ہیں، نہ تو یہ جس لشکر میں شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر تھا اور نہ اس نے بحری راستے سے حملہ کیا تھا، وہ باپ کے جبر و دباؤ سے خشکی کے راستے سے قسطنطنیہ گیا تھا، اس لیے یزید اس بشارت کا کسی طرح مستحق نہیں، البتہ عقبہ بن عامر بحری راستے سے قسطنطنیہ گئے تھے، وہ اس بشارت کے مستحق ہو سکتے ہیں، یزید پلید کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰- [اَبْوَابُ (كِتَابُ) فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ]

[مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت]

۷۱۲- ح: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ

[تین مسجدوں کے سوا کسی (مسجد) کے لیے کجاوہ نہ باندھا جائے]

۷۱۲- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَمَسْجِدُ الرَّسُوْلِ وَمَسْجِدُ الْاَقْصٰى.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کے لیے کجاوہ نہ باندھا جائے، یعنی سفر نہ کیا جائے، مسجد حرام، مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ ابواب: فضل الصلوۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ ص ۱۵۸، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد۔ کتاب المناسک، نسائی۔ کتاب المساجد، ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوۃ، مؤطا امام مالک۔ کتاب الجمعۃ، مسند امام احمد۔ ج ۲۔ ج ۶)

وہابی یہ کہتے ہیں کہ بزرگانِ دین کے مزارات، مشاہد مآثر کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانا حرام ہے، اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ استثناء مفرغ ہے، یعنی کلام غیر موجب میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے، تو لازم کہ مستثنیٰ اعم الاعم ہو، وہ یہاں موضع یا مکان ہوگا۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کہیں سفر کرنا جائز نہیں۔ اس عموم میں اولیاء عظام کے مزارات، مشاہد مآثر داخل ہیں۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ محبوبانِ بارگاہ کے مزارات و مقابر و مآثر پر سفر کر کے جانا جائز و مستحسن ہے۔

اقول: اوّلاً: اس حدیث کا مطلب یہ بتانا ظاہر البطلان ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر کہیں کا کوئی سفر کسی بھی مقصد کے لیے جائز نہ ہوگا، مثلاً جہاد، طلب علم، تبلیغ دین، تجارت، سیاحت وغیرہ کسی کے لیے سفر جائز نہ ہو، اور یہ اُمت کے اجماع سے باطل بلکہ خود وہابیوں کے عمل سے بھی۔ ثانیاً: استثناء مفرغ میں مستثنیٰ کے اعم الاعم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی قید ہی نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ مستثنیٰ منہ محذوف مستثنیٰ کی جنس بلکہ نوع بلکہ صنف سے ہو، اور پوری صنف کو عام ہو، جیسے کہتے ہیں: ''ما رأیت الا زیدًا'' میں نے صرف زید کو دیکھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ قائل نے نہ زمین دیکھی نہ آسمان نہ در و دیوار بلکہ جانوروں کے دیکھنے کی بھی نفی نہیں ہوتی، بلکہ انسانوں

کے دیکھنے کی بھی نہیں ہوتی' مثلاً آپ کو کسی مخصوص طبقے کے افراد کی تلاش ہے' آپ نے کسی سے پوچھا ان میں سے کسی کو دیکھا ہے' اس نے اس طبقے کے علاوہ سینکڑوں انسانوں کو دیکھا ہوگا' مگر ان میں سے صرف زید کو دیکھا ہو' بقیہ کسی کو نہ دیکھا ہو' تو کہے گا: ''ما رأیت الا زیدًا'' میں نے صرف زید کو دیکھا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس طبقے کے افراد میں سے صرف زید کو دیکھا ہے۔ اب یہاں مستثنیٰ منہ محذوف یہ ہوا کہ اس طبقہ کے افراد' اس کا مطلب یہ ہوا کہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ محذوف کا مستثنیٰ کی جنس بلکہ نوع صنف کا ہونا لازم ہے۔ یہاں مستثنیٰ مساجد ثلثہ مخصوصہ ہیں تو مستثنیٰ منہ محذوف بھی مسجد ہوگا۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان تینوں مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کا نماز پڑھنے کے لیے سفر جائز نہیں' اس لیے کہ ان کے علاوہ بقیہ مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے' جو ثواب مقامی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے' وہی ثواب دہلی کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے' پھر نماز کے لیے سفر کرنا بے سود ہے۔ ان تینوں مسجدوں میں نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے' اس لیے ان کی جانب سفر نفع بخش ہے۔ اس کی تائید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسند امام احمد[1] میں شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ میں نے کوہِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سواری کا کجاوہ نہیں کسنا چاہیے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔ علامہ ابن جوزی نے فرمایا: شہر حسن الحدیث ہے' اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے۔

بالفرض اگر اس حدیث میں مستثنیٰ' مکان یا موضع مان لیا جائے تو بھی اس سے بزرگانِ دین کے مزارات کے لیے سفر کرنے کا عدمِ جواز ثابت نہ ہوگا' اس لیے کہ اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت سے مقصود صاحب مزار ہوتے ہیں' عمارت نہیں ہوتی ہے۔

توضیح مزید

مسند امام احمد کی اس حدیث کی روشنی میں ہم نے یہ قید بڑھائی کہ کسی مسجد کی جانب اس میں نماز پڑھ کر زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے سفر جائز نہیں' نیز اس لیے بھی کہ ان تین مساجد کا استثناء اسی وجہ سے ہے کہ ان میں نماز پڑھنے پر زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے تو مستثنیٰ منہ' مستثنیٰ کی صنف سے اسی وقت ہوگا کہ اس میں بھی یہ قید ملحوظ رہے' اس لیے کسی مسجد کی تعمیر کے لیے یا بنیاد رکھنے کے لیے یا کسی عالم یا شیخ کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت سے سفر جائز بلکہ مستحسن ہوگا' اس لیے کہ حدیث میں ہے: ''من صلی خلف عالم تقی کانما صلی خلف نبی'' جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا اس نے کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ حضرت ابوسعید کی مذکورہ بالا حدیث نے واضح کر دیا کہ حدیث ''لا تشد الرحال'' کا تعلق زیارتِ قبور وغیرہ کے سفر سے ہے ہی نہیں۔ یہ صرف مساجد کے ساتھ خاص ہے' وہ بھی صرف نماز پڑھنے کی نیت سے سفر ہو تو۔ اگر کسی مسجد ہی کی جانب سفر ہو مگر نماز پڑھنے کے لیے نہ ہو اور مقاصد کے لیے تو اس کا بھی اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ جب اس حدیث میں مستثنیٰ مسجد ہے تو بقیہ سفر اپنے اصل اور مقصد کے لحاظ سے فرض یا واجب یا مستحب یا حرام ہوں گے' مثلاً جب جہاد فرض ہو تو جہاد کے لیے سفر فرض' کسی واجب کی ادائیگی کے لیے واجب' مستحب کے لیے مستحب' مباح کے لیے مباح' حرام کے لیے حرام' زیارتِ قبور سنت ہے تو بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری کے لیے سفر کرنا کم از کم مستحب ضرور ہوگا۔

ابن تیمیہ کا رد

ابن تیمیہ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے۔ اس پر اس عہد کے اور بعد کے بھی علماء اہل سنت نے شدید رد فرمایا' اس لیے کہ مزار پر انوار کی زیارت بالاجماع

[1] مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۶۴

مسنون بلکہ قریب بہ واجب ہے' اور یہ اعظم قربات سے ہے۔ آج کل ابن تیمیہ کے مقلدین ہندوستان کے دیوبندی اور غیر مقلدین اور نجد کے نجدیوں کا یہی مذہب ہے' یہی نہیں کہ اسے حرام جانتے ہیں بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا: کسی کی قبر پر یا چلہ پر یا کسی کے تھان پر دور دور سے قصد کرنا اور سفر کی رنج و تکلیف اُٹھا کر میلے کیلیے ہو کر وہاں پہنچنا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا' وہاں شکار نہ کرنا' درخت نہ کاٹنا' گھاس نہ اُکھاڑنا اور اس قسم کے کام کرنے اور ان سے کچھ دین و دنیا کے فائدے کی توقع رکھنی شرک ہے۔ ص ۳۴' یہاں کسی کی قبر کہا۔ اس کے عموم میں حضور اقدس ﷺ کا مزار پر انوار بھی ضرور داخل ہے' مگر اس سے پہلے ص ۱۰ پر تو صاف صاف تعمیم ہے' لکھا: پھر جو کوئی کسی پیر و پیغمبر کو' سچی قبر کو یا جھوٹی قبر کو' پیغمبر کہنے کے بعد اب کیا شبہہ رہ جاتا ہے کہ اس عموم میں مزار پر انوار بھی داخل ہے۔ اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ مزار پر انوار کی نیت سے سفر کرنا شرک ہے' یہی سارے دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کا مذہب ہے۔

۷۱۳- ح: صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ (الخ)

[میری مسجد میں ایک نماز (مسجد الحرام کے سوا دوسری مساجد کی) ہزار نمازوں سے بہتر ہے]

۷۱۳- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ ابواب: فضل الصلوٰة في مسجد مكة والمدينة ص ۱۵۹' مسلم۔ کتاب الحج' ترمذی۔ کتاب الصلوٰة' نسائی۔ کتاب الحج' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰة)

مسند امام احمد[1] اور ابن ماجہ[2] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: میری مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے' سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

ابن ماجہ[3] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ فرمایا: مسجد اقصیٰ میں ایک نماز' پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری اس مسجد میں ایک نماز' پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت میمونہ مولاۃ نبی ﷺ سے بیت المقدس میں نماز کے بارے میں ہے: اس میں نماز پڑھو' اس میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں کے مثل ہے۔ بزار میں ہے: مسجد حرام میں ایک نماز کی فضیلت دوسری مسجدوں کی ایک لاکھ نمازوں پر ہے اور میری مسجد میں ہزار نماز پر اور بیت المقدس میں پانچ سو پر[4] اسی کے مثل طبرانی[5] میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز اس کی دس گنا' ایک لاکھ کے برابر۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۵۶)

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۳۴۳۔ ۳۹۷

[2] ابن ماجہ۔ آخر کتاب الصلوٰة۔ باب: فضل الصلوٰة في المسجد الحرام ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم ص ۱۰۲

[3] ابن ماجہ۔ آخر کتاب الصلوٰة۔ باب: ما جاء في الصلوٰة في المسجد الجامع ص ۱۰۳

[4] مرقاۃ۔ ج ۱ ص ۴۴۵۔ باب: المساجد فصل اوّل [5] ایضاً

خلاصہ احادیث

ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ تمام احادیث اس پر متفق ہیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز لاکھ نمازوں کے مثل یا اس سے افضل ہے۔ مسجد نبوی کے بارے میں تین روایتیں ہیں' ایک ہزار کے مثل یا اس سے افضل' دس ہزار کے مثل' پچاس ہزار کے مثل' اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں بھی تین قسم کی روایات ہیں: پانچ سو' ایک ہزار' پچاس ہزار۔

تطبیق

یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف وحی ہوئی۔ ابتداءً وحی یہ ہوئی کہ مسجد نبوی میں ایک نماز ہزار نماز کے مثل ہے' پھر وحی ہوئی کہ ہزار نماز سے افضل ہے' پھر وحی ہوئی کہ دس ہزار کے مثل ہے' پھر وحی ہوئی کہ پچاس ہزار کے برابر ہے' اور یہی حال مسجد اقصیٰ کے بارے میں بھی ہوا۔ ان مختلف وحیوں کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ منجانب اللہ ان مساجد میں نماز کا ابتداءً وہی ثواب تھا' پھر اللہ عزوجل نے اس اُمت پر کرم کرتے ہوئے بڑھا دیا' پھر مزید کرم فرمایا اور زیادہ کر دیا۔ اس کی احادیث میں متعدد نظیریں ہیں جو مذکور ہو چکی ہیں' اور آئندہ موقع بموقع مذکور ہوں گی۔

"مسجدی ھٰذا" کی توضیح

صحیح یہ ہے کہ عہد مبارک کے بعد مسجد اقدس میں جو اضافہ ہوا ہے' وہ بھی اس فضیلت کا حامل ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کریم میں اضافہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: یہ مسجد اگر عیدگاہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ ذوالحلیفہ تک بڑھ جائے تو سب مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے' بلکہ اس خصوص میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع بھی آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میری اس مسجد میں کچھ زیادہ کیا جائے تو سب میری مسجد ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر صنعاء تک بڑھا دی جائے تو میری مسجد ہوگی۔

(مرقاۃ ج ا۔ باب: المساجد فصل اوّل ص ۴۴۴)

مکہ افضل ہے یا مدینہ؟

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ مسجد نبوی افضل ہے یا مسجد حرام؟ احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مکہ معظمہ افضل ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اقول! اس حدیث سے مسجد حرام کے سوا مکہ معظمہ کے دوسرے حصوں کی افضلیت پر دلیل لانا درست نہیں' اس لیے کہ یہ خاص ہے مسجد حرام کے ساتھ۔ ہاں! حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ[1] میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ثواب کی یہ زیادتی پورے حرم میں ہے۔ نیز حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ یہ زیادتی صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں' ہر طاعت پر یہ زیادتی ہے۔ اور فرمایا: مکہ معظمہ میں ایک روزہ لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ لاکھ کے برابر' بلکہ ہر نیکی لاکھ کے برابر ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث حسن بھی مروی ہے کہ ارشاد فرمایا کہ حرم کی ایک نیکی لاکھ کے برابر ہے۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ[2] نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ فرمایا: جس نے مکہ میں رمضان پایا اور روزہ رکھا اور جتنا میسر آیا قیام کیا تو اس کے لیے دوسری جگہوں کے رمضان کی بہ نسبت لاکھ رمضان کا ثواب لکھا جائے گا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور امام مجاہد' امام احمد بن حنبل اور دوسرے حضرات کا مذہب یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک گناہ بھی لاکھ گناہ کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کے روبرو اس کے دربار میں اس کی حکم عدولی جتنی سنگین ہے اتنی بادشاہ کے دربار کے باہر سنگین نہیں۔

[1] مرقاۃ ص ۴۴۶ [2] ابن ماجہ۔ کتاب المناسک۔ باب: صوم شهر رمضان بمكة ص ۲۳۲

اور مکہ معظمہ کے جلال کا یہ عالم ہے کہ گناہ کے ارادے پر بھی گرفت ہے' اگرچہ ارتکاب نہ کرے[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے آیۂ کریمہ "وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍO" (الحج:۲۵) اور جو اس میں کجروی کا ارادہ کرے گا ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے' سے اخذ فرمایا ہے۔ اس تقدیر پر مکہ معظمہ کا مدینہ طیبہ سے افضل ہونا ظاہر' مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں: مکہ معظمہ میں جس طرح ایک نیکی لاکھ نیکیاں ہیں' یوں ہی ایک گناہ لاکھ گناہ ہے اور وہاں گناہ کے ارادے پر بھی گرفت ہے' جس طرح نیکی کے ارادے پر ثواب ہے۔ مدینہ طیبہ میں نیکی کے ارادے پر ثواب اور گناہ کے ارادے پر کچھ نہیں' اور گناہ کرے تو ایک ہی گناہ اور نیکی کرے تو پچاس ہزار نیکیاں۔ عجب نہیں کہ حدیث میں "خیرٌ لھم" کا اشارہ اسی طرف ہو کہ ان کے حق میں مدینہ ہی بہتر ہے۔ (الملفوظ۔ حصہ دوم ص ۵۲)

جمہور کے استدلال کے دو جوابات حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے جذب القلوب اور اشعۃ اللمعات میں دیئے ہیں۔

اوّل: یہ کہ افضلیت کثرتِ ثواب میں نہ منحصر نہ یہ بنیاد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کثرتِ ثواب کے علاوہ دوسرے اسباب ایسے ہوں جو افضلیت کے مقتضی ہوں' ثواب کی یہ زیادتی مکہ معظمہ کے ساتھ خاص ہے مگر اس کا امکان ہے کہ دیگر کرامات و برکات میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور اسلام اور اہلِ اسلام کی منفعت کے لحاظ سے مدینہ افضل ہو' جیسے ایامِ منیٰ' منیٰ میں یوم عرفہ عرفات میں' شب مزدلفہ' مزدلفہ میں نماز پڑھنی' مسجد حرام میں پڑھنے سے افضل ہے' حالانکہ ان مقامات پر ان دنوں میں نماز پڑھنے پر اتنے ثواب کی بھی کوئی روایت نہیں' جو مسجد حرام میں پڑھنے پر آئی ہے۔ اس کی وجہ اتباعِ رسول ہے' ہوسکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب ان برکات کا سبب بنے جو مکہ معظمہ میں حاصل نہ ہوسکیں' جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہو۔ اس کو یوں سمجھئے کہ پچاس ہزار اشرفیاں ایک لاکھ درہم سے گنتی میں نصف ہیں مگر قیمت میں اس سے زائد۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے عبادات میں جو حضور قلب' خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے' اس کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عبادات قیمت میں بڑھ جائیں' کیا بعید ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اندرونِ کعبہ مسجد حرام سے افضل ہے تو چاہیے کہ اندرونِ کعبہ نماز' مسجد حرام سے افضل ہو۔ حالانکہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کعبہ کے اندر نماز فرض صحیح بھی ہے یا نہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں' پھر ثواب کی زیادتی کا کیا سوال۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضلیت کی بنیاد کثرتِ ثواب میں منحصر نہیں بلکہ دوسرے اسباب بھی افضلیت کے موجب ہیں' جن کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں قبول اور جو دلامتناہی کا حصول زیادہ اور بارگاہِ احدیت میں تقرب زیادہ ہوتا ہے۔

دوم: چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار پر انوار ان تمام مقامات سے افضل ہے جہاں اللہ عزوجل کی رحمت کا نزول ہوتا ہے' اس کا کرم متوجہ ہوتا ہے' یہ مہبط ملائکہ ہے' تو ہوسکتا ہے اس کی برکت سے طاعت میں وہ نورانیت اور اخلاص پیدا ہو جائے جو ثواب کی گنتی کی زیادتی پر فوقیت لے جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اُمت کے لیے شفاعت و استغفار فرماتے رہتے ہیں۔

سوم: مکہ معظمہ کی افضلیت پر دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرمانے لگے تو حزورہ (مسجد حرام کے قریب بازار میں ایک چھوٹے سے ٹیلے کا نام تھا' اب یہ حصہ مسجد حرام میں داخل کرلیا گیا ہے' جس طرف یہ ٹیلہ تھا' باب الحزورہ بنا ہوا ہے' یہ مغربی دروازوں میں باب الہجرت کے متصل ہے) پر کھڑے ہوکر فرمایا: اے مکہ! تو مجھے سارے شہروں سے زیادہ محبوب ہے' اگر تیری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں

---

[1] مرقاۃ۔ ج اص ۴۴۷۔ باب: المساجد فصل اوّل

نہ نکلتا۔ نیز ترمذی[1] ابن ماجہ[2] دارمی[3] اور مسند امام احمد[4] میں حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: حضور حزورہ پر کھڑے ہو کر مکہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ بخدا! تو اللہ کی ساری زمینوں سے بہتر ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب' اگر میں نہ نکالا جاتا تو نہ نکلتا۔ مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے[5]

اس کا جواب حضرت علامہ محمد بن عبدالباقی نے زرقانی شرح مواہب[6] میں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں یہ دیا کہ یہ ارشاد ہجرت کے وقت کا ہے' اس وقت تک مدینہ طیبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف نہیں ہوا تھا' اس وقت تک مکہ پوری سرزمین سے افضل تھا مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ شرف اسے حاصل ہو گیا۔

حضرت عمر اور ابن عمر اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین اور امام مالک اور اکثر اہل مدینہ کا متاخرین میں علامہ سمہودی' علامہ سیوطی' علامہ احمد خطیب قسطلانی اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ' مکہ معظمہ سے افضل ہے اور مسجد نبوی' مسجد حرام سے۔ مؤطا امام مالک[7] میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عیاش مخزومی سے فرمایا: تم یہ کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے بہتر ہے' انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کا حرم ہے' اس میں اللہ کا گھر ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں اللہ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہتا' پھر فرمایا: تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کیا: وہ اللہ کا حرام ہے' اس میں اس کا گھر ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں اللہ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہتا' اس کے بعد لوٹ گئے۔

دلائل

مدینہ طیبہ کے مکہ مکرمہ سے افضل ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اوّل: بخاری[8] اور مسلم[9] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لیے یہ دعا فرمائی: اے اللہ! مدینہ میں مکہ کی دوگنی برکت عطاء فرما!

دوم: بخاری[10] ہی میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! مدینہ کو ہمیں مکہ کے مثل محبوب بنا دے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور یہ متفق علیہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ضرور قبول ہوئی' تو پہلی والی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ مدینہ طیبہ میں مکہ معظمہ کی بہ نسبت دگنی دنیوی و دینی برکت ہے' اس لیے کہ تخصیص بلا مخصص جائز نہیں' لہٰذا ''البرکۃ'' اپنے عموم پر رہے گی جو دینی اور دنیوی دونوں کو عام ہے' اور دینی برکتوں کا مکہ معظمہ سے دوگنی ہونا مستلزم ہے افضلیت کو۔ یونہی دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ مدینہ طیبہ کی محبت' محبوب خدا نے مکہ معظمہ سے زیادہ مانگی جو ضرور ملی۔ اور محبوب خدا کی محبت دلیل افضلیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ معظمہ کی فتح کے بعد بھی وہاں سکونت نہیں اختیار فرمائی۔ فتح مکہ کے بعد جب حالات قابل اطمینان ہو گئے تو فوراً مراجعت فرمائی۔ مدینہ طیبہ سے محبت کا عالم یہ تھا کہ جب سفر سے واپس ہوتے اور مدینہ طیبہ کے قریب ہوتے تو مدینہ کی محبت میں سواری کو تیز کر دیتے اور ''ھذہ طابۃ'' فرماتے۔

---

1. ترمذی۔ ج ۲ ص ۲۳۲۔ کتاب المناقب۔ باب: فی فضل مکۃ
2. ابن ماجہ۔ کتاب المناسک۔ باب: فضل مکہ ص ۲۳۱
3. دارمی۔ کتاب السیر۔ ص ۶۶
4. مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۰۵
5. ایضاً
6. زرقانی شرح المواہب۔ ج ۱ ص ۳۲۸۔ باب: ھجرت
7. مؤطا امام مالک۔ ص ۲۱
8. بخاری۔ ج ۱ ص ۲۵۳۔ کتاب فضائل المدینہ۔ باب
9. مسلم۔ کتاب الحج۔ باب: فضل المدینۃ ص ۴۴۲
10. بخاری۔ ج ۱ ص ۲۵۳۔ کتاب فضائل المدینہ۔ باب

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب فضائل مدینہ۔ باب: المدینہ طابۃ ص ۲۵۲۔ باب۔ ص ۲۵۳)

سوم: امام مسلم نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مدینہ کے دونوں سنگستانوں (شرقی غربی) کے درمیان درخت کاٹنے، جانور مارنے کو حرام کرتا ہوں، مدینہ طیبہ ان کے لیے بہتر ہے، اگر یہ لوگ جانتے۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الحج۔ باب: فضل المدینہ ص ۴۴۰)

یہ حدیث مدینہ کی افضلیت پر نص صریح ہے، اس لیے کہ "خیر" کا مفضل علیہ مذکور نہیں، جس سے عموم مستفاد ہوتا ہے اور اس کے عموم میں مکہ معظمہ بھی داخل ہے۔

چہارم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین مدینہ کی طرف سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنی بل میں سمٹ آتا ہے[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جیسے اللہ عزوجل نے مدینہ طیبہ کو یہ شرف عطاء فرمایا کہ دین وہیں سے دنیا میں پھیلا ہے۔ اسی طرح اخیر زمانے میں بھی اللہ عزوجل مدینہ طیبہ ہی کو یہ شرف عطاء فرمائے گا کہ دین کا مرجع و ماویٰ ہوگا۔ سارے ثواب واکرام اور اعزاز دینی، دین ہی پر موقوف ہیں، جب دین نہ ہوگا تو کیسا ثواب اور کیسا اعزاز و اکرام، تو جو مبارک شہر دین کا منبع بھی ہو، ماویٰ بھی ہو، وہ ضرور دوسرے تمام شہروں سے افضل ہوگا۔

پنجم: اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی قیام گاہ کے لیے مدینہ طیبہ کو پسند فرمایا اور ہر محبّ اپنے محبوب کو اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ رکھنا پسند کرتا ہے، تو لازم آیا کہ مدینہ طیبہ پورے عالم بالا و پست سے زیادہ اللہ عزوجل کو پسند ہو، حتیٰ کہ مکہ معظمہ سے بھی۔ اور اللہ عزوجل کا کسی چیز کو سب سے زیادہ پسند کرنا یقیناً اس کی افضلیت کی دلیل ہے، تو ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ، مکہ معظمہ سے بھی زیادہ افضل ہے۔

علامہ احمد خطیب قسطلانی قدس سرہٗ شافعی ہیں۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مکہ افضل ہے، مگر انہوں نے یہ اختیار فرمایا کہ مدینہ افضل ہے اور اپنے امام کے اس مذہب کے ترک کا عذر یہ بیان فرمایا:

هوى كل نفس حيث حل حبيبها. ہر جان کا میلان اسی طرف ہوتا ہے جہاں اس کا محبوب ہوتا ہے۔

اسی کو اعلیٰ حضرت امام احمد قدس سرہٗ نے فرمایا:

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

مدینہ طیبہ کی افضلیت کے اور بھی دلائل اس خادم کے ذہن میں ہیں، مگر ہم بھی اس مبارک شعر پر بات بڑھانے کے بجائے ختم کر دیتے ہیں۔ لا عطر بعد العروس.

افادہ جلیلہ

مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی افضلیت کی جو بحث ہے اس سے مزار پر انوار اور کعبہ مقدسہ مستثنیٰ ہیں۔ محدث جلیل ابن عساکر، علامہ باجی اور امام قاضی عیاض قدست اسرارہم نے فرمایا: اس بارے میں تو اختلاف ہے کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ، مگر اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ مزار پر انوار کا وہ حصہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے ملا ہوا ہے، وہ کل زمین سے افضل ہے، حتیٰ کہ کعبہ

---

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۲۵۲۔ کتاب فضائل المدینہ۔ باب: الایمان یارز الی المدینۃ، مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب: بیان ان الاسلام بدء غریبا ص ۸۴، ابن ماجہ۔ کتاب المناسک۔ باب: فضل المدینہ ص ۲۲۱، مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۸۴

سے بھی۔ اسے امام نووی نے شرح مسلم[1] میں، علامہ ابن حجر نے شرح بخاری[2] میں، علامہ بدرالدین محمود عینی نے عمدۃ القاری[3] میں، علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب[4] میں، علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء[5] میں، حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ[6] میں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب[7] میں، علامہ محمد علاء الدین حصکفی نے درمختار میں، علامہ محمد امین ابن عابدین شامی نے ردالمحتار[8] میں اور دوسرے کئی حضرات نے اپنی اپنی تصانیف میں نقل فرمایا ہے اور برقرار رکھا، بلکہ ابن عقیلی حنبلی نے یہاں تک فرمایا کہ عرش سے بھی افضل ہے۔[9] حضرت شیخ لکھتے ہیں: اگرچہ قوم کی کتابوں میں آسمانوں اور عرش کا ذکر صریح نہیں، لیکن یہ بات اس قبیل سے ہے کہ جس سے بھی کہی جائے گی، اس پر توقف اور انکار کی مجال تنگ ہو جائے گی۔

اسی طرح یہ بھی متفق علیہ ہے کہ کعبہ مقدسہ مدینہ طیبہ حتیٰ کہ مسجد نبوی سے بھی افضل ہے، سوائے مزار پرانوار کے، اس لیے کہ مزار پرانوار کعبہ سے بھی افضل ہے۔

زمین افضل ہے یا آسمان؟

اسی ضمن میں یہ بحث بھی طے ہو جاتی ہے کہ زمین و آسمان میں کون افضل ہے؟ صحیح یہ ہے کہ زمین افضل ہے، جیسا کہ علامہ فاکہانی نے تصریح کی ہے[10] اس لیے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کا مسکن اور مدفن ہے اور انبیاء کرام حیاتِ حقیقی جسمانی دنیوی کے ساتھ زندہ ہیں، تو ان کے مزاراتِ مبارکہ ان کے اجسامِ مبارکہ و ارواحِ طیبہ کے مخزن ہوئے اور مکین کے شرف سے مکان مشرف ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ زمین کا ایک حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار پرانوار عرش سے بھی افضل ہے۔ اسی کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا:

خم ہو گئی ہے پشت فلک طعن زمیں سے ۔۔۔ سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

یہ بحث گزر چکی کہ ان تینوں مساجد میں نماز پر ثواب کی زیادتی فرائض کے ساتھ خاص ہے۔

٧١٤- ح: لَا يُصَلِّي مِنَ الضُّحَى إِلَّا فِي يَوْمَيْنِ

[چاشت کے وقت صرف دو دن نماز پڑھتے]

٧١٤- عَنْ نَّافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ لَا يُصَلِّيْ مِنَ الضُّحٰى اِلَّا فِيْ يَوْمَيْنِ يَوْمَ يَقْدَمُ بِمَكَّةَ فَاِنَّهٗ كَانَ يَقْدَمُهَا ضُحًى فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ وَيَوْمَ يَاْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ فَاِنَّهٗ كَانَ يَاْتِيْهِ كُلَّ سَبْتٍ فَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَرِهَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنْهُ حَتّٰى يُصَلِّيَ فِيْهِ قَالَ وَكَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُوْرُهٗ رَاكِبًا وَّمَاشِيًا قَالَ

نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کے وقت صرف دو دن نماز پڑھتے، جس دن مکہ آتے، مکہ ہمیشہ چاشت ہی کے وقت آتے تھے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتے اور جس دن مسجد قباء آتے وہاں ہر ہفتہ کے دن آتے، جب مسجد میں داخل ہو جاتے تو اسے ناپسند کرتے کہ بغیر نماز پڑھے مسجد سے نکلیں۔ نافع نے کہا: اور حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کی زیارت کے لیے پیدل

---

[1] شرح مسلم نووی۔ ج ۱ ص ۴۴۶۔ کتاب الحج۔ باب: فضل مدینۃ [2] فتح الباری۔ ج ۳ ص ۵۵ [3] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۵۷
[4] شرح زرقانی علی المواہب۔ ج ۱ ص ۳۲۴ [5] وفاء الوفاء۔ ج ۱ ص ۲۸ [6] مرقاۃ۔ ج ۱ ص ۴۴۷۔ باب: المساجد فصل اوّل
[7] جذب القلوب۔ ص ۱۸ [8] ردالمحتار۔ ج ۲ ص ۲۵۷۔ کتاب الحج [9] مرقاۃ۔ ج ۱ ص ۴۴۷، زرقانی علی المواہب۔ ص ۳۲۴
[10] زرقانی علی المواہب۔ ص ۳۲۴

وَكَانَ يَقُوْلُ اِنَّمَا اَصْنَعُ كَمَا رَاَيْتُ اَصْحَابِيْ يَصْنَعُوْنَ وَلَا اَمْنَعُ اَحَدًا اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ اَيِّ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ غَيْرَ اَنْ لَّا يَتَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا.

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ ابواب: فضل الصلوٰة في مسجد مكة والمدينة ص۱۵۹۔ باب: مسجد قباء)

اور سواری پر جاتے۔ نافع نے کہا: اور ابن عمر کہتے ہیں کہ میں وہی کرتا ہوں جو میں نے اپنے ساتھیوں کو کرتے ہوئے دیکھا ہے' اور میں رات اور دن کے کسی بھی حصے میں نماز پڑھنے سے کسی کو منع نہیں کرتا' البتہ سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت بالقصد نہ پڑھو۔

۷۱۵- ح: كَانَ يَاْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد قباء ہر شنبہ کو آتے]

۷۱۵- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَّرَاكِبًا وَّكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهٗ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد قباء ہر شنبہ کو پیدل اور سواری پر آتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ ابواب: فضل الصلوٰة في مسجد مكة والمدينة ص۱۵۹۔ باب: من اتى مسجد قباء كل سبت' مسلم۔ ج۱۔ کتاب الحج' ابوداود۔ ج۱۔ کتاب المناسک' نسائی۔ ج۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: المساجد' مؤطا امام مالک۔ کتاب السفر' مسند امام احمد۔ ج۲)

لفظ ''قباء'' میں اہل لغت نے دونوں قول اختیار کیے ہیں' مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ' یعنی الف کے بعد ہمزہ بھی اور بغیر ہمزہ کے بھی۔ جب ہمزہ کے ساتھ ہو اور یہ لفظ مذکر ہو اور الف ممدودہ الحاق کے لیے مانیں تو منصرف ہوگا اور اگر اس کو مؤنث مانیں تو الف تانیث کے لیے ہوگا اور یہ غیر منصرف ہوگا۔ یہاں بخاری میں مذکر استعمال ہوا ہے۔ پہلی حدیث میں ہے: ''كان ياتيه'' اس کے لیے مذکر کی ضمیر لائے ہیں۔ وفاء الوفاء میں ہے کہ اگر بقعہ کا نام مانیں تو مؤنث اور غیر منصرف' اور مکان کا نام مانیں تو مذکر اور منصرف۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی کی پیمائش کے مطابق اس کا فاصلہ باب جبریل سے سات ہزار دو سو ہاتھ سے کچھ زائد ہے' اور ہاتھ چوبیس انگل اور ہر انگل چھ جو کے برابر۔ اور ایک میل ان کی تصریح کے بموجب تین ہزار پانچ سو ہاتھ کا' تو باب جبریل سے باب قباء کا فاصلہ اس حساب سے دو میل دو سو ہاتھ سے کچھ زائد ہوا۔ مشارق عیاض میں ہے کہ قبا تین میل ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ایک فرسخ اور فرسخ تین میل کا۔ دونوں کا حاصل ایک ہوا۔ یہ اختلاف میل کی مقدار کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اس کی تفصیل باب تقصیر الصلوٰۃ میں گزر چکی۔ خود علامہ سمہودی نے جلد ا صفحہ ۱۰۳' پر میل کی مقدار تین ہزار پانچ سو ہاتھ بتائی اور جلد ۴ صفحہ ۲۸۵' پر صرف تین ہزار ہاتھ بتائی' مگر صحیح اول ہے' اس لیے کہ خود یہ لکھا: ''وذلك ميلان وخمسا سبع ميل على المعتمد'' یہ حساب اسی وقت درست ہوگا' جبکہ میل ساڑھے تین ہزار ہاتھ کا مانیں۔ اس کے بعد والی روایت میں ابن نمیر کی بہ طریق عبیداللہ عن نافع یہ زیادتی مذکور ہے: ''ويصلي فيه ركعتين'' اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے۔

[مسجد قباء کے] فضائل

مسجد قباء شریف کے دفتر فضائل کا زریں ورق یہ ہے کہ ہجرت کے بعد اسلام کی یہ پہلی مسجد ہے۔ اس سے بھی بدرجہا برتر و اعلیٰ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعمیر اپنے دست مبارک سے فرمائی۔ نیز جلیل القدر سابقین اولین مہاجرین و انصار نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اسے بنایا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو دیکھا کہ پیٹ پر پتھر ڈھوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بنیاد رکھتے تھے' اگر یہ مسجد کہیں دور دراز اطراف میں ہوتی تو وہاں جانے کے لیے ہم اونٹوں کے جگر کو مارتے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۵۸)

متعدد احادیث میں وارد ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز عمرے کے برابر ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں چار رکعت وارد ہے[1] احادیث سے یہی ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ (ہفتہ) کو مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور یہ بالالتزام تھا' مگر کچھ لوگوں نے ''سبت'' سے ہفتہ مراد لیا ہے' یعنی ہر ہفتے میں کسی دن تشریف لے جاتے تھے' مگر یہ صحیح نہیں' اس لیے کہ ابن حبان کی صحیح میں ''کل یوم سبت'' آیا ہے[2] دوشنبہ اور ستائیسویں رمضان کی صبح کو بھی قبا جانے کی روایات آئی ہیں۔ ابن شیبہ نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کو بھی تشریف لے جاتے تھے[3] عمرو بن شیبہ نے اخبارِ مدینہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ستائیسویں رمضان کی صبح کو قبا جاتے تھے۔ اہل مدینہ کا آج بھی اس پر عمل ہے[3] ابن غزیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو جایا کرتے تھے۔ (وفاء الوفاء۔ ج ۳ ص ۸۰۳)

نکتہ

ہر ہفتہ کے دن جانے کی حکمت شراح نے یہ بیان کی ہے کہ قبا میں جمعہ نہیں ہوتا تھا' وہاں سے لوگ مسجد نبوی میں جمعہ پڑھنے آتے تھے مگر کچھ لوگ نہیں آپاتے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کرم فرماتے ہوئے ہفتہ کے دن خود تشریف لے جاتے تاکہ سبھی لوگ جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہولیں۔ دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ جمعہ کا دن جمعہ کی تیاری اور نمازِ جمعہ میں مصروفیت کا تھا۔ اور ہفتہ کا دن خالی تھا' اس لیے وہاں تشریف لے جاتے۔

ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے: چونکہ اہل قبا جمعہ پڑھنے مدینہ طیبہ آجاتے تھے اور جمعہ کو مسجد قبا خالی رہ جاتی' اس لیے ہفتہ کے دن تشریف لے جاتے کہ اس تعطل کی مکافات ہو جائے' مگر اس پر عرض یہ ہے کہ سبھی اہل قبا جمعہ کے لیے نہیں حاضر ہوتے تھے' کچھ لوگ وہیں نمازِ ظہر باجماعت پڑھتے تھے' اس لیے مسجد قباء کے تعطل کا سوال ہی نہیں۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چونکہ اہل قبا جمعہ کو حاضر خدمت ہوتے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مکافات میں ہفتہ کو ان کے یہاں تشریف لے جاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد قباء کی زیارت سنت ہے اور ہفتہ کو ہونا بہتر' نیز معلوم ہوا کہ کسی کارِ خیر کے لیے دن کی تعیین اور اس پر پابندی سنت ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: ''فی ھذا الحدیث دلالۃ علی جواز تخصیص بعض الایام بعض الاعمال الصالحۃ والمداومۃ علی ذلک''[5] اس حدیث میں اس پر دلالت ہے کہ بعض دنوں کو بعض اعمالِ صالحہ کے ساتھ خاص کرنا اور اس پر پابندی کرنا جائز ہے' نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام' اولیاء عظام کے مشاہد کی زیارت کے لیے جانا مستحسن ہے' مثلاً ان کے مولد ومسکن' ان کی مسجد کی زیارت کے لیے۔

طبرانی نے کبیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب اہل قبا نے مسجد بنانے کی درخواست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی میری اونٹنی پر سوار ہو تو' حضرت ابوبکر سوار ہوئے' اونٹنی کو اُٹھانا چاہا مگر نہ اُٹھی' پھر حضرت عمر سوار ہوئے تو بھی اونٹنی نہ

---

[1] وفاء الوفاء۔ ج ۳ ص ۸۰۳ [2] وفاء الوفاء۔ ج ۳ ص ۸۰۳ [3] ایضاً۔ ص ۸۰۳

[4] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۵۹ [5] فتح الباری۔ ج ۳ ص ۵۷

اٹھی پھر حضرت علی سوار ہوئے' ان کے سوار ہوتے ہی اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: اس کی مہار ڈھیلی کر دو' اس کی گردش کی جگہ بنیاد رکھو۔ یہ مامور ہے' اس کا ایک راوی یحییٰ بن علی ضعیف ہے' صحیح یہ ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کی داغ بیل ڈالی تھی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۵۹)

۷۱۶- ح: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ

[میرے گھر اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے]

۷۱۶- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.

حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ ابواب: فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ ص ۱۵۳۔ باب: فضل مابین القبر والمنبر' مسلم۔ کتاب الحج۔ باب: فضل ما بین قبرہ و منبرہ ص ۴۴۶' نسائی۔ کتاب المساجد' مؤطا امام مالک۔ کتاب القبلۃ)

۷۱۷- ح: وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ

[اور میرا منبر میرے حوض پر بنے گا]

۷۱۷- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بلفظہٖ مروی ہے' انہوں نے اتنا زائد کیا کہ فرمایا: میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد۔ ابواب: فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ ص ۱۵۳۔ باب: فضل مابین القبر والمنبر' کتاب فضائل المدینہ ص ۲۵۳' ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: الحوض ص ۹۷۵' الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۹۰' مسلم۔ کتاب الحج' ترمذی۔ کتاب المناقب' مؤطا امام مالک۔ کتاب القبلۃ' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۳۶)

اس پر اجماع ہے کہ حدیث میں "بیتی" سے مراد بیت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے' اس لیے کہ دوسری اسی معنی کی حدیث میں بجائے "بیتی" کے "قبری" ہے[1] جمہور محدثین اس پر ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ مقدس حصہ بعینہٖ جنت میں جائے گا۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اتنا حصہ جنت کا ٹکڑا ہے' وہاں سے آیا ہے جیسے حجر اسود۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس حصے میں عبادت کرنی دخولِ جنت کا سبب ہے۔ یہ بھی بعض شراح نے فرمایا کہ یہ فی الحال جنت کا حصہ ہے' مگر دنیا میں رہنے کی وجہ سے اس میں وہ خواص ولوازم نہیں جو جنت کے ہیں۔ مثلاً گرمی سردی نہ ہونا' بھوک' پیاس نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

منبری علی حوضی

یہ بھی اپنے ظاہر پر ہے' یعنی بعینہٖ یہی مقدس منبر حوضِ کوثر پر نصب ہوگا۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ منبر اقدس کی زیارت وہاں نماز و عبادت حوضِ کوثر سے سیراب ہونے کا خاص سبب ہے۔ حوض سے مراد حوضِ کوثر ہے۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں آج یہ منبر اقدس ہے یہیں قیامت کے دن حوضِ کوثر رہے گا' اس لیے کہ ایک حدیث میں ہے کہ محشر سرزمین شام پر قائم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ شام جیسے چھوٹے سے ملک میں تمام اولین و آخرین سما نہیں سکتے' اس لیے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ محشر کا مرکزی مقام شام ہوگا' خلائق کا پھیلاؤ جہاں تک ہو' اس تقدیر پر اس کا امکان ہے کہ حوضِ کوثر کی جائے وقوع مدینہ طیبہ ہو۔

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۶۴

مسائل

اس حدیث سے مسجد نبوی کی یہ خاص فضیلت ثابت ہوئی کہ اس کا ایک حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے' اگرچہ ہر مسجد کو ریاض الجنۃ بعض احادیث میں فرمایا گیا ہے۔ اس کے مطابق پوری مسجد نبوی شریف ریاض الجنت ہے' پھر بھی اس مخصوص حصے کو روضۃ من ریاض الجنۃ فرمانا یقیناً کسی خاص اہمیت اور خصوصیت کی بناء پر ہے۔ بعض مالکیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مسجد نبوی' مسجد حرام سے اور مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے' اس لیے کہ ایک حدیث میں فرمایا: ''لموضع سوط من الجنۃ خیر من الدنیا وما فیھا'' جنت کی ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور شرف جز شرف کل کو مستلزم۔ نیز اس حدیث سے اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظیم فضیلت ثابت ہوئی' وہ اس طرح کہ تمام ازواج مطہرات کے حجراتِ مقدسہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی گھر تھے' مگر اس حدیث میں خاص حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کو ''بیتی'' فرمایا' تو جس طرح کعبہ مقدسہ کو بیت اللہ کہنے میں اس کی برتری و عظمت کا اظہار ہے' اسی طرح حجرۂ عائشہ کو 'بیتی'' کہنے میں اس کی دیگر بیوت پر افضلیت اور برتری ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور یہ مستلزم ہے حضرت اُم المؤمنین کی عظمت و فضیلت کو۔ اس مضمون کی ایک حدیث میں ''بیتی'' دوسرے میں ''قبری''۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میں کہاں دفن ہوں گا' اور یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے۔ نیز ''منبری علی حوضی'' میں بھی غیب کی خبر ہے۔

۷۱۸- ح: یُحَدِّثُ بِاَرْبَعٍ فَاَعْجَبْنَنِي وَ اٰنَقْنَنِي

[چار باتیں بیان کیں' جو مجھے پسند آئیں اور مجھے خوش کر دیا]

۷۱۸- عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ سَمِعْتُ قَزَعَةَ مَوْلٰى زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ بِاَرْبَعٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْجَبْنَنِي وَ اٰنَقْنَنِي قَالَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَةُ يَوْمَيْنِ اِلَّا مَعَهَا زَوْجُهَا اَوْ ذُو مَحْرَمٍ وَّلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ.

قزعہ مولیٰ زیاد نے کہا: میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ چار باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے تھے' یہ مجھے پسند آئیں اور انہوں نے مجھے خوش کر دیا' فرمایا کہ کوئی عورت دو دن کا سفر اسی وقت کرے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم ہو' اور دو دن فطر اور قربانی کے دن روزہ نہیں اور دو نمازوں کے بعد نماز نہیں' صبح کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور نہ عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے' تین مسجدوں کے علاوہ کہیں کے لیے کجاوہ نہ باندھا جائے' مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔

(بخاری۔ ابواب: فضل فی مسجد مکۃ والمدینۃ ص ۱۵۸' باب: مسجد بیت المقدس ص ۱۵۹' کتاب المناسک۔ باب: جزاء الصید ص ۲۵۱' باب: الصوم یوم النحر ص ۲۶۷۔۸' ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوات۔ باب: ما جاء فی الصلوٰۃ فی مسجد بیت المقدس' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۳۴)

باب: ''فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ'' کی ابتداء میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے اس حدیث کا آخر حصہ مروی ہے' وہاں یہ زائد ہے کہ انہوں نے یعنی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بارہ غزوات کیے تھے۔ یہاں یہ حدیث مفصل مذکور ہے' اس میں چار احکام مذکور ہیں۔ اوّل کوئی عورت شوہر یا محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ دوم عید الفطر اور

عیدالاضحیٰ کے دن روزہ نہیں۔ سوم نمازِ فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک اور نمازِ عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک کوئی نماز نہیں۔ چہارم تین مساجد، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر جائز نہیں۔ ان میں تین پر مفصل کلام ہو چکا ہے۔ عیدین کے دن روزہ پر کلام کتاب الصوم میں مذکور ہوگا۔

لا تسافر المرأة يومين

یہاں بخاری میں ہے کہ عورت دو دن کا سفر شوہر یا محرم کے بغیر نہ کرے، مگر مسند امام احمد۔ ج ۳ کے ص ۷۔ ۵۳۔ ۷۷ پر ہے کہ تین دن اور ص ۴۵ پر ہے: ''فوق ثلثة ايام'' یعنی تین دن سے زائد کا سفر نہ کرے۔ اس کی پوری بحث گزر چکی۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۱- [کِتَابُ الْعَمَلِ فِی الصَّلٰوۃِ]

[نماز میں کسی کام کا بیان]

بَابُ اسْتِعَانَۃِ الْیَدِ فِی الصَّلٰوۃِ اِذَا کَانَ مِنْ اَمْرِ الصَّلٰوۃِ

نماز کے دوران' نماز کے متعلق کسی معاملہ میں ہاتھ سے مدد لینا

ت۲۲۶- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَسْتَعِیْنُ الرَّجُلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ مِنْ جَسَدِہٖ بِمَا شَآءَ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آدمی نماز میں اپنے جسم کے جس حصے سے چاہے مدد لے۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: استعانۃ الید فی الصلوۃ ص۱۵۹)

ت۲۲۷- وَوَضَعَ اَبُوْ اِسْحَاقَ قَلَنْسُوَتَہٗ فِی الصَّلٰوۃِ وَرَفَعَھَا. (بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: استعانۃ الید فی الصلوۃ ص۱۵۹)

اور ابو اسحٰق نے نماز میں اپنی ٹوپی رکھی اور اٹھالی۔

ت۲۲۸- وَوَضَعَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَفَّہٗ عَلٰی رُسْغِہِ الْاَیْسَرِ اِلَّا اَنْ یَّحُکَّ جِلْدًا اَوْ یُصْلِحَ ثَوْبًا.

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلی اپنے بائیں گٹے پر رکھتے مگر جبکہ جسم کھجلانا ہوتا یا کپڑا درست کرنا ہوتا۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: استعانۃ الید فی الصلوۃ ص۱۵۹)

بعض نسخوں میں یہاں یہ ہے: ''ابواب العمل فی الصلوۃ'' یعنی نماز میں کام کا بیان۔ اس کے بعد ''باب استعانۃ الید الخ'' ہے۔ بعض میں اخیر میں یہ زائد ہے: ''کما وضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی رأس ابن عباس وفتل اذنہ وادارہ'' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت ابن عباس کے سر پر رکھا اور ان کا کان مروڑا اور انہیں گھمایا۔

مقصد باب

نماز میں خشوع وخضوع کا حکم ہے' ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ○ (المؤمنون: ۱۔۲)

ان ایمان والوں نے کامیابی حاصل کرلی○ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں○

خشوع کے ایک معنی یہ بھی ہیں: وقار وسکون کے ساتھ رہنا' کوئی لغو وبے ہودہ کام نہ کرنا۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء ساکن رہتے۔ سورہ

البقرہ کی یہ آیت کریمہ ''وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ'' (البقرہ:۴۵) کی تفسیر' جلالین میں ہے: ''الساكنين الى طاعة الله'' بے شک نماز بھاری ہے مگر سکون کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرنے والوں پر۔ معالم میں ہے: ''اشار الى ان اصل الخشوع السكون'' اس طرف اشارہ کیا کہ خشوع کے اصل معنی سکون کے ہیں' تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں ادائے ارکان کے علاوہ کسی قسم کی حرکت یا کوئی کام جائز ہے یا نہیں۔ یہ باب قائم کر کے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ نماز کی تحسین و تکمیل کے لیے نماز میں کوئی بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور اگر اس عمل کا تعلق نماز سے نہیں تو ممنوع ہے۔

اس کی تائید کے لیے تین تعلیقیں اور حدیث: ۱۰۰ بھی جو ج ا ص ۲ ۴۱ اور ج ا ص ۴۹۵' رقم: ۱۳۸ میں مذکور ہو چکی ہے' لائے ہیں' جس میں یہ مذکور ہے کہ نمازِ تہجد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں جانب آ کر کھڑے ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا کان پکڑ کر انہیں داہنی طرف کر دیا۔

باب میں ہاتھ سے کام لینے کی قید ہے۔ ابو اسحٰق سبیعی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے تو یہ ثابت ہے' اس لیے کہ ٹوپی کا رکھنا اور اُٹھانا ہاتھ ہی سے ہوتا ہے' اسی طرح کھجلانا اور کپڑا درست کرنا' مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر میں ہاتھ مذکور نہیں' اس کا جواب ظاہر ہے کہ ہاتھ جسم ہی کا جز ہے' جب جسم کے کسی حصے سے کام لیا جا سکتا ہے تو ہاتھ سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ ان آثار میں جو مذکور ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ بہ ضرورت ایک یا دو بار کی اجازت ہے' ایک رکن میں ایک ہی عمل' ایک ہی کام تین بار کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے' مثلاً ایک رکن میں تین بار کہیں کھجلایا تو نماز فاسد ہو جائے گی' کھجلانا نماز کے کام سے یوں ہے کہ کھجلی اُٹھنے سے دل بٹتا ہے جو خشوع خضوع کے منافی ہے۔ کھجلانے سے سکون پیدا ہو جائے گا تو اطمینان ہو جائے گا۔ ابو اسحٰق سبیعی کا نام عمرو بن عبد اللہ ہے۔ یہ کبار تابعین اور ثقات میں سے ہیں۔ انہوں نے اڑتیس صحابہ کرام سے حدیثیں سنی ہیں' سیدنا امام اعظم کے مشائخ میں سے ہیں' ۹۶ سال کی عمر پائی' ۱۲۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

۷۱۹- ح: كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ

[ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے حالانکہ آپ نماز میں ہوتے]

۷۱۹- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا وَقَالَ اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ شُغْلًا.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے حالانکہ حضور نماز میں ہوتے تو آپ ہمارے سلام کا جواب دیتے' جب ہم نجاشی کے یہاں سے لوٹے اور حضور کو سلام کیا تو آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا' اور فرمایا: نماز میں مشغولیت ہے۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوٰۃ۔ باب: ما ينهى من الكلام فى الصلوٰة ص ۱۶۰' باب: لا يرد السلام فى الصلوٰة ص ۱۶۲' باب: هجرة الحبشة ص ۵۴۷' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ)

۷۲۰- ح: اِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ

[ہم حالت نماز میں بات کرتے]

۷۲۰- عَنْ اَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ اِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُ اَحَدُنَا صَاحِبَهٗ بِحَاجَتِهٖ

ابو عمرو شیبانی نے کہا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم نماز کی حالت میں بات کیا کرتے تھے' ہم اپنے ساتھی سے اپنی حاجت بیان کر دیا کرتے تھے'

حَتّٰی نَزَلَتْ ﴿حَافِظُوا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ O﴾ (البقرۃ:۲۳۸) فَاُمِرْنَا بِالسُّکُوْتِ. یہاں تک کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: ''تمام نمازوں کی نگہداشت کرو خصوصاً نمازِ وسطیٰ کی' اور اللہ کے لیے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو O'' تو ہمیں چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔

(بخاری۔کتاب العمل فی الصلوۃ۔باب:ما ینھی من الکلام فی الصلوۃ ص ۱۶۰' ج ۲۔کتاب التفسیر۔سورۂ بقرہ۔باب:قولہ وقوموا للّٰہ قانتین ص ۶۵۰' مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔کتاب الصلوۃ۔کتاب التفسیر' نسائی۔کتاب الصلوۃ)

نجاشی' یہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہے' جیسے قیصر روم کے اور کسریٰ ایران کے بادشاہ کا۔

زید بن ارقم

یہ انصاری صحابی ہیں' قبیلہ خزرج کے فرد ہیں' ۶۸ھ میں وصال فرمایا[1] غزوۂ اُحد میں کم عمر ہونے کی وجہ سے واپس کر دیے گئے تھے۔ پہلا غزوہ جس میں انہوں نے شرکت کی' خندق یا مریسیع ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سترہ غزوات میں شرکت کی۔ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں تھے' جنگ صفین میں ان کے ساتھ رہے۔ مختار بن عبید ثقفی کذاب کے ایام حکومت میں' کوفہ میں وصال فرمایا۔ (اصابہ۔ج ۱ ص ۵۶۰)

یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبَی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا۔ حضور اقدس ﷺ نے جب اس سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس پر سورۂ منافقون نازل ہوئی' جس میں ان کی تصدیق ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے زید! اللہ نے تیری تصدیق فرمائی[2] حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ جن کے مکان میں حضور اقدس ﷺ ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے تک' خفیہ خفیہ اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے۔ یہ مہاجرین اوّلین میں سے مخزومی صحابی ہیں۔ دس بزرگوں کے بعد ایمان قبول فرمایا تھا' بلکہ امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ ساتویں مسلمان ہیں۔ ان کا یہ مقدس مکان صفا کے قریب تھا۔ زید بن ارقم ان کے صاحبزادے نہیں' حضرت ارقم بن ابی ارقم یہ بدر وغیرہ تمام مشاہد میں شریک رہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں ۵۰ھ میں پچاسی سال سے زائد کی عمر میں وصال فرمایا۔ وصیت کے بہ موجب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (اصابہ۔ج ۱ ص ۳۸)

حبشہ کی طرف ہجرت

امام واقدی نے فرمایا: رجب ۵ نبوی میں حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی تھی۔ اس ہجرت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ابن جریر نے کہا کہ دوسرے لوگوں نے کہا کہ بیاسی مرد تھے' ان کی عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے جن میں حضرت عثمان اور ان کی رفیقہ حیات سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ خبر مشہور ہوئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے تو واپس آئے' مگر یہ خبر غلط تھی۔ واپسی پر مکہ کے جفاکاروں کی ستم رانیاں پہلے سے بھی زیادہ ہونے لگیں تو دوبارہ پھر بہت سے لوگ حبشہ چلے گئے' اس مرتبہ پہلے کے بہ نسبت دوگنا مہاجر تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دوبارہ بھی ہجرت فرمائی' جب حضور اقدس ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو ان میں سے بہت سے حضرات مدینہ آ گئے' ان میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں جب مدینہ واپس آیا تو حضور غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے[3] بقیہ حضرات کو ۷ھ میں حضور اقدس ﷺ نے بلوا لیا' یہ لوگ غزوۂ خیبر کے موقع پر واپس آئے۔ اب شراح حدیث میں اختلاف ہے کہ نماز میں سلام وکلام سے ممانعت مکہ معظمہ میں ہوئی' جب

[1] عمدۃ القاری۔ج ۷ ص ۲۶۷ [2] بخاری۔ج ۲ ص ۷۲۷۔کتاب التفسیر۔سورۂ منافقون [3] عمدۃ القاری۔ج ۷ ص ۲۶۸

حضرت عبداللہ بن مسعود پہلی مرتبہ حبشہ سے واپس آئے تھے یا مدینہ طیبہ میں ہوئی جب یہ دوبارہ ہجرت کے بعد واپس ہوئے۔ صحیح یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں شروع شروع میں نماز میں سلام وکلام کی اجازت تھی۔ اور وہیں آیۂ مذکورہ کے نازل ہونے کے بعد ممانعت ہوئی اور حدیث اوّل میں حبشہ سے واپسی سے مراد دوبارہ واپسی ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کلام کرتے تھے، جب یہ آیہ مذکورہ نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں بات کرنے سے روک دیا گیا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ چونکہ انصاری ہیں، انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع مدینہ ہی میں ملا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ حکم مدینہ میں ہی ہوا۔

(۲) آیت مذکورہ سورۂ بقرہ کی ہے اور سورۂ بقرہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

(۳) طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اگر کوئی نماز میں ایسے وقت شامل ہوتا کہ کچھ ہو چکی ہوتی تو جو صاحب اس کے پہلو میں ہوتے، ان سے پوچھتا وہ بتا دیتے، یہاں تک کہ ایک دن معاذ آئے" الحدیث بطوله "[1] حضرت ابوامامہ اور حضرت معاذ دونوں ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مدینہ میں بھی ابتداءً نماز میں کلام ممنوع نہیں تھا، وہیں بعد میں ممنوع ہوا۔

شغلا

مطلب یہ ہے کہ نماز میں تلاوتِ قرآن، تسبیح، تکبیر، اذکار میں مشغولیت ہے۔ سلام وکلام اس میں مزاحم ہوگا، یا مراد یہ ہے کہ نماز میں نمازی اللہ عزوجل کی طرف توجہ اور حضور میں مشغول ہے، سلام وکلام اس میں مخل ہوگا۔

والصلٰوة الوسطى

صلوٰۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟ علامہ بدرالدین عینی قدس سرہ نے بیس اقوال ذکر فرمائے ہیں۔ اخیر میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ یہ نمازِ عصر ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے، بقیہ اقوال میں کچھ ضعیف ہیں، کچھ مردود ہیں۔

امرنا بالسكوت

ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلم[2] میں ہے: " نهينا عن الكلام " اور بات کرنے سے ہمیں منع کر دیا گیا۔ " السكوت " اور " الكلام " پر الف لام عہد خارجی کا ہے، مراد اس سے چپ رہنا اور وہ کلام ہے جو پہلے مذکور ہو چکا ہے، یعنی دنیوی کلام، جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ اپنے پہلو والے سے بات کرتے۔ طبرانی کی حدیث گزری کہ وہ پوچھتا: کتنی نماز ہو چکی ہے۔

ہمارے نزدیک کلام خواہ عمداً ہو خواہ سہواً، اختیار سے ہو یا بلا اختیار، بہر حال مفسد نماز ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ۔

باب ہجرت الحبشہ میں اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ سلیمان نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ اگر کوئی آپ کو نماز کی حالت میں سلام کرے تو کیا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: اپنے جی میں جواب دے دیتا ہوں، یہ حضرت ابراہیم کا اجتہاد تھا، ورنہ یہ حدیث کے ارشاد " ان فى الصلوة شغلا " کے منافی ہے اور بے فائدہ بھی ہے۔

۷۲۱- ح: اَلتَّصْفِيقُ لِلنِّسَآءِ [تالی عورتوں کے لیے اور

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۲۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی نسخ الکلام فی الصلوٰۃ

[2] مسلم۔ ج ۱ ص ۲۰۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: تحریم الکلام فی الصلوٰۃ

وَالتَّسْبِيحُ لِلرِّجَال
[تسبیح مردوں کے لیے ہے]

۷۲۱ - عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّصْفِيقُ لِلنِّسَآءِ وَالتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: تالی عورتوں کے لیے ہے اور تسبیح مردوں کے لیے۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: التصفيق للنساء ص ۱۶۰، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابوداود۔ کتاب الصلوۃ)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث: ۴۴۸ کی بعض روایتوں میں یہ آیا ہے: ''فاخذ الناس بالتصفيح قال سهل هل تدرون ما التصفيح هو التصفيق'' اس پر علامہ عینی نے فرمایا کہ تصفیح اور تصفیق ہم معنی ہیں، یہی جوہری، خطابی، ابوعلی قالی اور بہت سے لوگوں نے کہا ہے، حتیٰ کہ ابن حزم نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، مگر قاضی عیاض نے نقل فرمایا کہ تصفیح کے معنی ہیں: ایک ہاتھ کی پشت کو دوسرے پر مارنا۔ اور تصفیق کے معنی ہیں کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی پر مارنا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ڈرانے اور تنبیہ کے لیے دو انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی پیٹھ پر مارنا تصفیح ہے اور لہو ولعب کے لیے سب کو بجانا تصفیق ہے۔

عورتوں کو تسبیح کے بجائے تصفیق کا حکم اس لیے ہے کہ ان کی آواز بھی عورت ہے اور نماز میں غیر محرم بھی شریک رہتے ہیں، یہاں مراد یہی ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں کی پشت پر مارے۔ تالی کا معہود طریقہ کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بجائے، مراد نہیں اور نہ نماز میں اس کی اجازت ہے، یہ لہو ولعب میں داخل ہے۔

۷۲۲- ح: نَادَتِ امْرَاَةٌ اِبْنَهَا وَهُوَ فِيْ صَوْمَعَتِهٖ (الخ)
[ایک عورت نے اپنے لڑکے کو پکارا اور وہ عبادت خانہ میں تھا]

۷۲۲ - قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَادَتِ امْرَاَةٌ اِبْنَهَا وَهُوَ فِيْ صَوْمَعَتِهٖ قَالَتْ يَا جُرَيْجُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اُمِّيْ وَصَلٰوتِيْ قَالَتْ يَا جُرَيْجُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اُمِّيْ وَصَلٰوتِيْ قَالَتْ يَا جُرَيْجُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اُمِّيْ وَصَلٰوتِيْ قَالَتِ اللّٰهُمَّ لَا يَمُوْتُ جُرَيْجٌ حَتّٰى يَنْظُرَ فِيْ وُجُوْهِ الْمَيَامِيْسِ وَكَانَتْ تَاْوِيْ اِلٰى صَوْمَعَتِهٖ رَاعِيَةٌ تَرْعَى الْغَنَمَ فَوَلَدَتْ فَقِيْلَ لَهَا مِمَّنْ هٰذَا الْوَلَدُ قَالَتْ مِنْ جُرَيْجٍ نَزَلَ مِنْ صَوْمَعَتِهٖ قَالَ جُرَيْجٌ اَيْنَ هٰذِهِ الَّتِيْ تَزْعُمُ اَنَّ وَلَدَهَا لِيْ قَالَ يَا بَابُوْسُ مَنْ اَبُوْكَ قَالَ رَاعِي الْغَنَمِ. (بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: اذا دعت الام ولدها في الصلوة ص ۱۶۰، کتاب المظالم۔ باب: اذا هدم حائطا فليبن مثله ص ۳۳۷، مسلم۔ کتاب البر والدين۔ باب: ودعاء الوالدة على الولد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت نے اپنے لڑکے کو پکارا اور وہ اپنے عبادت خانے میں تھا، اس کی ماں نے کہا: اے جریج! جریج نے کہا: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز، پھر آواز دی: اے جریج! اس نے کہا: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز، اس کی ماں نے پھر پکارا: اس نے کہا: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز، اب اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! جریج جب تک زانیہ کا منہ نہ دیکھ لے نہ مرے۔ بکریاں چرانے والی ایک عورت اس کے عبادت خانے میں پناہ لیتی تھی، اس نے ایک لڑکا جنا، اس سے پوچھا گیا: یہ لڑکا کس کا ہے؟ تو اس نے بتایا: جریج کا ہے، یہ اپنے عبادت خانے سے اترا تھا۔ جریج نے کہا: کہاں ہے وہ جو گمان کرتی ہے کہ اس کا لڑکا مجھ سے ہے؟ جریج نے اس لڑکے سے پوچھا: اے بابوس! تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا: بکریوں کا چرواہا۔

تکمیل

مسلم شریف میں ہے: جریج نام کا ایک راہب تھا، اپنے عبادت خانہ میں اللہ عزوجل کی عبادت کرتا تھا، ایک دن اس کی ماں آئی

اور اس نے کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں' مجھ سے بات کر۔ اس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا' اس نے ماں کو کوئی جواب نہیں دیا اور یہ کہا: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز۔ اس نے نماز کو اختیار کیا' دوبار یہی ہوا' اب اس کی ماں نے یہ دعا کی: اے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے میں نے اس سے بات کرنی چاہی مگر اس نے نہیں کی' اے اللہ! یہ اس وقت تک نہ مرے جب تک زانی عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اگر اس کی ماں یہ بد دعا دیتی کہ اسے فتنے میں ڈال تو وہ فتنے میں پڑ جاتا۔ ایک بھیڑ کا چرواہا اس کے دیر میں پناہ لیا کرتا تھا' ایک دن ایک عورت بستی سے اپنی ضرورت کے لیے نکلی تو اس چرواہے نے اس سے ہم بستری کی' اسے حمل رہ گیا' اس نے ایک بچہ جنا' اس سے پوچھا گیا: یہ کیا ہے؟ اس عورت نے بتایا کہ اس دیر والے کا ہے' اب بستی والے کلہاڑیاں پھاوڑے لے کر آئے اور اسے پکارا' اس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا' اس لیے نہیں بولا۔ اب یہ لوگ اس کے عبادت خانے کو گرانے لگے' اس نے جب یہ دیکھا تو اترا۔ دوسری روایت [1] میں ہے کہ ایک آوارہ عورت جو اتنی حسین تھی کہ اس کے حسن کی مثال دی جاتی تھی' اس نے کہا: اگر تم لوگ چاہو تو میں جریج کو فتنے میں ڈال دوں' وہ جریج کے سامنے آئی مگر انہوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' اس کے بعد ایک چرواہے کے پاس آئی اور اس سے بدکاری کروائی' جس سے بچہ پیدا ہوا' پوچھنے پر اس نے جریج کو بدنام کیا' اس پر ان لوگوں نے جریج کو اتارا اور اسے مارنے لگے اور اس کے عبادت خانے کو ڈھا دیا۔ اس نے پوچھا: معاملہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا: تو نے اس بدکار عورت سے زنا کیا ہے اور تیرے نطفے سے اس کا لڑکا ہوا ہے۔ جریج نے کہا: لڑکا کہاں ہے؟ لوگ لڑکے کو لائے' اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھوں گا۔ نماز سے فارغ ہو کر لڑکے کے پاس آیا' اس کے پیٹ میں کونچا دیا اور پوچھا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے کہا: فلاں چرواہا۔ اب لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے' اسے بوسہ دینے لگے' اس کو چھونے لگے' اور کہا: ہم تیرے عبادت خانے کو سونے کا بنا دیں گے۔ اس نے کہا: نہیں! جیسا پہلے تھا ویسا ہی مٹی کا بنا دو۔ لوگوں نے بنا دیا۔

''**میامیس**''، ''**مومسۃ**'' کی جمع ہے' اس کے معنی ہیں: علانیہ زنا کرانے والی۔ ''**یا یابوس**'' یا حرف نداء ہے' بابوس کے بارے میں قزاز نے کہا: اس کے معنی چھوٹے بچے کے ہیں۔ یہ لفظ عربی ہے یا عجمی' دونوں قول ہیں۔ داؤدی نے کہا کہ یہ اس لڑکے کا نام تھا۔ ابن بطال نے کہا کہ اس کے معنی دودھ پینے والے بچے کے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگلی شریعتوں میں نماز کے اندر کلام جائز تھا۔ اسی لیے جریج کی ماں کی بد دعا اسے لگی' جیسا کہ ہماری شریعت میں بھی ابتداءً جائز تھا۔ آیہ کریمہ ''وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ'' کے نازل ہونے کے بعد ممنوع ہوا۔ یہ بہ اعتبار ظاہر کے ہے' ورنہ یہ ممکن ہے کہ نماز نفل رہی ہو اور ان کی والدہ کو اس کا علم نہ رہا ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے والدین' دادا' دادی بلائیں تو وہ کیا کرے؟ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اگر کسی بڑی مصیبت میں پڑنے پر بلا رہے ہوں تو فوراً نماز توڑ دے' اگرچہ فرض ہو' مثلاً آگ لگ گئی' کوئی انہیں جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے' اور اگر معمولی تکلیف پر بلا رہے ہوں تو توڑنا جائز نہیں۔ اور اگر نفل نماز میں ہے اور انہیں معلوم ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو معمولی تکلیف پر نہ توڑے' اور اگر یہ معلوم نہیں کہ نماز پڑھ رہا ہے تو توڑ دے' اگرچہ معمولی طور پر بلائیں۔ (الدر المختار ورد المحتار۔ ج ۲۔ اخیر مکروہات۔ ص ۴۴۰)

تلویح میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اگر حضور کسی کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس پر واجب ہے کہ فوراً جواب دے اور اس کی نماز باطل بھی نہ ہوگی [2] اس کا مفصل بیان اپنی جگہ آئے

---

[1] بخاری۔ کتاب المظالم۔ باب: اذا ھدم حائطاً ص ۳۳۲' مسلم۔ ج ۲ ص ۳۱۳۔ کتاب بر الوالدین

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۷۔ ص ۲۸۶

گا۔ قدرے ذوالیدین کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

اس حدیث سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے' یعنی جس طرح وطی حلال سے زانی پر مزنیہ کے اصول وفروع اور مزنیہ پر زانی کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں' اسی طرح زنا سے بھی۔ وہ اس طرح کہ اس حدیث میں زانی کو باپ کہا گیا' اس سے ثابت ہوا کہ جیسے حلال وطی سے نسب ثابت ہوتا ہے ویسے ہی حرام سے بھی' اور نسب ہی حرمت مصاہرت کی بنیاد ہے اور باپ ہونا حرمت نکاح کو مستلزم۔ وہ اس طرح کہ اگر یہ بجائے بچہ کے بچی ہوتی تو زانی چونکہ اس کا باپ ہے' اس پر حرام ہوتی' مگر یہ استدلال درست نہیں' اسے باپ مجازاً کہا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کس کے نطفے سے ہے۔ اسی لیے باپ کے دوسرے احکام جاری نہیں ہوتے' مثلاً ایک دوسرے کی میراث پانا' یا ہوسکتا ہے ان کی شریعت میں یہ حکم رہا ہو کہ زانی سے نسب مانا جاتا ہو' اگر چہ ہمارے نزدیک زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے' جس کی دلیل کتب فقہ واصول فقہ میں مذکور ہے' مگر اس حدیث سے ثابت نہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی کرامت حق ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ استاذی حافظ ملت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں ایسی ہے جیسے نبی کی دعا اُمتی کے حق میں۔

لیث بن سعد نے حضرت یزید بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر جریج عالم فقیہ ہوتا تو جانتا کہ ماں کا جواب دینا اللہ کی عبادت سے افضل ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۸۲)

طفولیت میں کلام کرنے والے

عادۃً بچے جس عمر میں کلام نہیں کرتے' اس عمر میں کلام کرنے والے یہ حضرات ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہ بچہ' اور اس عورت کا بچہ جس نے ایک شخص کو سج دھج کے ساتھ ایک عمدہ گھوڑے پر دیکھا تو کہا: اے اللہ! میرے بچے کو اس کے مثل کر دے! تو بچے نے اس کی چھاتی چھوڑ کر کہا کہ اے اللہ! اس جیسا مجھے مت کرنا' جیسا کہ بخاری[1] اور مسلم میں ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شاہد یوسف علیہ السلام بھی بچہ تھا۔ مشہور امام تفسیر حضرت ضحاک نے بھی بچپن میں کلام کیا تھا' اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور اصحاب اُخدود نے جب عورت کو آگ کی خندق میں ڈالنا چاہا اور وہ جھجکی تو اس کی گود کے بچے نے کہا: اے ماں! صبر کر' تو حق پر ہے۔
(مسلم۔ باب: قصۃ اصحاب الاخدود ص ۴۱۵)

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری[2] میں ہے: اگر نفل نماز پڑھ رہا ہے تو نماز توڑ کر ماں کو جواب دے۔

اقول: ابھی درمختار اور ردالمحتار کے حوالے سے گزرا کہ نفل نماز میں بھی یہ تفصیل ہے کہ ماں کے علم میں ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور کسی بڑی مصیبت کے لیے نہیں بلا رہی ہے تو نماز توڑنا جائز ہے۔ ہاں! اگر ماں کے علم میں نہ ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز توڑ کر ماں کو جواب دے۔

پھر آگے ہے کہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ماں کے بلانے پر نماز توڑ دینی واجب ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل' اس لیے کہ یہ ماں کے پکارنے پر دلالت کرتی ہے' میں کہوں گا کہ باب دعا باب تشریع کا غیر ہے' تو ایسی دعا کا بھی قبول ہو جانا ممکن ہے' جسے قبول نہ ہونا چاہیے' جیسا کہ مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے لیے فرمایا: اللہ! تیرا ہاتھ کاٹ دے!

---

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۴۹۳۔ باب: ذکر بنی اسرائیل' مسلم۔ ج ۲ ص ۳۱۳۔ کتاب برالوالدین [2] فیض الباری۔ ج ۲ ص ۴۲۷

اور باہر تشریف لے گئے' واپس آئے تو ان کا ہاتھ ٹیڑھا ہو گیا تھا' دعا فرمائی تو ٹھیک ہو گیا۔

اقول : یہ حدیث مسند کے ج۶ ص ۵۲ پر ہے' اس میں ''قد اعوجت یداها'' نہیں' پوری حدیث یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قیدی کو اُم المومنین کے حوالے کر کے باہر تشریف لے گئے' یہ غافل ہو گئیں اور قیدی بھاگ گیا۔ دوبارہ رسول اللہ ﷺ آئے اور پوچھا: قیدی کیا ہوا؟ عرض کیا: میں غافل ہو گئی اور وہ بھاگ گیا۔ فرمایا: تیرا کیا حال ہے؟ اللہ تیرا ہاتھ کاٹے! اور باہر تشریف لے گئے' لوگوں کو بتایا' لوگ تلاش کر کے اسے لائے۔ اب پھر حضور اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ یہ دونوں ہاتھ اُلٹ پلٹ رہی ہیں' پوچھا: پاگل ہو گئی ہو؟ عرض کیا: حضور نے بددعا کر دی تھی' اسی کا نتیجہ ہے' دیکھتی ہوں کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا' اب حضور نے اللہ کی حمد اور ثناء کی اور ہاتھوں کو اُٹھایا اور عرض کیا: اے اللہ! میں بشر ہوں جیسے اور انسانوں کو غصہ آتا ہے' میں بھی غضب فرماتا ہوں' جس مسلمان مرد و عورت کے لیے بددعا کر دوں' اسے اس کی ظاہری اور باطنی پاکیزگی کے لیے سبب بنا۔

شاہ صاحب قبلہ سے دو غلطیاں ہوئیں: ایک تو یہ کہ حدیث ''اعوجت یداها'' نہیں ''وانا اقلب یدی'' ہے' دوسرے یہ کہ قیدی حوالہ فرمایا' اس کی نگہداشت ضروری تھی۔ اس سے اُم المومنین نے غفلت برتی۔ یہ غضب کا بہرحال سبب ہے' پھر یہ مسئلہ عدم الاجابۃ کے قبیل سے کیسے ہو گیا۔ ہاں! یہ بات ضرور ثابت ہوئی کہ کبھی کبھی حالت غضب میں بہ طور عتاب انبیاء کرام و اولیاء عظام سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جو بہ ظاہر دعاء بد کے ہوتے ہیں' ان کا مقصد بددعا نہیں ہوتا' مگر پھر بھی ان کلمات کا ظاہر مدلول واقع ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا مقصد بددعا ہرگز نہیں تھا۔ اور جریج کی ماں کا مقصد بددعا تھا' بلکہ اظہارِ خفگی تھا' مگر جو منہ سے نکلا ویسا ہی ہو گیا۔ اس سے محبوبانِ بارگاہ کی بارگاہِ الٰہی میں عظمت ظاہر ہوئی۔

۷۲۳- ح: قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ

[آپ (ﷺ) نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سجدہ کرنے کی جگہ مٹی برابر کرتا ہے]

۷۲۳ - حَدَّثَنِيْ مُعَيْقِيْبٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً۔

حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سجدہ کرنے کی جگہ کی مٹی برابر کرتا تھا' اگر تجھے کرنا ہی ہے تو صرف ایک بار۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: مسح الحصا فی الصلوۃ ص ۱۶۱' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الصلوۃ)

امام بخاری نے اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے: نماز میں کنکری برابر کرنا۔ اور حدیث میں کنکری کا لفظ نہیں' تراب' دھول مذکور ہے۔ اس کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ مسلم میں اسی حدیث کے ایک طریقے میں ہے: ''يسوى يعني الحصى'' دوسرے طریقے میں ''يسوى التراب'' ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حصی کنکری' تراب دھول' دونوں کا حکم ایک ہے کہ صرف ایک مرتبہ برابر کرنے کی اجازت ہے۔ اس پر بار بار عرض گزر چکی کہ باب امام بخاری باندھیں اور مطابقت پیدا کی جائے' مسلم کی حدیث سے۔ مطابقت کی صحیح تقریر یہ ہے کہ حدیث میں اگرچہ تراب مذکور ہے۔ امام بخاری نے باب میں حصی ذکر کر کے یہ افادہ فرمایا کہ دونوں کا حکم ایک ہے اس لیے کہ دونوں کا اثر نماز پر یکساں ہے۔

ت ۲۲۹- وَقَالَ قَتَادَةُ اِنْ اُخِذَ ثَوْبُهٗ يَتْبَعُ السَّارِقَ وَيَدَعُ الصَّلٰوةَ (بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوۃ۔ باب: اذا انفلتت الدابۃ فی الصلوۃ ص ۱۶۱)

اور قتادہ نے فرمایا: اگر نمازی کا کپڑا کوئی لے کر بھاگے تو چور کا پیچھا کرے اور نماز چھوڑ دے۔

اس اثر کو امام عبد الرزاق نے موصولاً بہ اختلاف الفاظ روایت کیا ہے۔ اخیر میں یہ زائد ہے: اگر لڑکے کو کنویں پر دیکھے اور اندیشہ ہو کہ کنویں میں گر پڑے گا تو نماز توڑ دے۔

یہاں باب یہ ہے کہ اگر نماز کی حالت میں چوپایا بھاگے تو کیا کرے؟ اس کے تحت حدیث لائے ہیں' جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے' ان کے گھوڑے کی لگام ان کے ہاتھ میں تھی' گھوڑا چھڑا کر بھاگنا چاہتا تھا اور یہ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ صحیح ہو تو نماز توڑنا جائز ہے۔ مال سے اہم جان ہے' اگر جان جانے یا عضو کے کاٹے جانے یا ضرب شدید یا لمبی قید کا اندیشہ ہو تو بھی اجازت ہے۔ تھوڑے سے مال کے لیے نماز توڑنا جائز نہیں۔ زیادہ ہو تو اجازت ہے' اگر ایک درہم یا اس سے زائد قیمت کا ہو تو زیادہ ہے ورنہ تھوڑا۔ (الدر المختار ورد المحتار۔ ج ۱۔ کتاب المکروہات۔ ص ۴۴۰)

ت ۲۳۰- وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو نَفَخَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سُجُوْدِهٖ فِيْ كُسُوْفٍ.

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز کے سجدے میں پھونک ماری۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوٰۃ۔ باب: ما يجوز من البصاق والنفخ فی الصلوٰۃ ص ۱۶۲)

اس تعلیق کو امام ابو داؤد' امام نسائی اور امام احمد اور امام حاکم نے' المستدرک میں موصولاً روایت کیا ہے۔ ابو داؤد[1] میں یہ ہے: پھر آخر سجدے میں پھونک ماری اور اُف اُف کہا۔ مسند امام احمد اور نسائی[2] میں یوں ہے: آخری رکعت کے دوسرے سجدے میں رونے لگے اور پھونکنے لگے اور یہ عرض کرنے لگے: اے رب! کیا تو نے یہ وعدہ نہیں فرمایا ہے جب تک میں ان میں ہوں' ان پر عذاب نہیں فرمائے گا اور کیا تو نے اس کا وعدہ نہیں فرمایا ہے کہ میں ان پر عذاب نہیں فرماؤں گا' جب تک یہ استغفار کرتے رہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ جنت میرے سامنے لائی گئی' میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ اس کے گچھوں میں سے لے لوں اور جہنم میرے سامنے لائی گئی تو میں اسے پھونکنے لگا' اس ڈر سے کہ کہیں تم پر چھا نہ جائے۔ امام بخاری نے اسے صیغہ تمریض سے اس لیے ذکر کیا کہ یہ عطا بن سائب عن ابیہ مروی ہے۔ ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں اختلاف ہے۔ اور آخر عمر میں انہیں اختلاط بھی ہو گیا تھا' لیکن امام ابن خزیمہ نے سفیان ثوری سے یہ حدیث روایت کی ہے اور سفیان ثوری نے اختلاط سے پہلے عطاء سے حدیث سنی ہے۔ عطاء کے والد سائب کی عجلی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ ابو داؤد میں پھونک مارنے کی تفسیر یہ ہے کہ اُف اُف کہا۔ اُف کلام اس وقت ہو گا جب فاء کو مشدد پڑھیں اور اگر فاء کو ساکن پڑھیں تو کلام نہ ہو گا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ جو شخص پھونک مار رہا ہو' وہ اسے تشدید کے ساتھ نہیں ادا کرتا' بلکہ شاید ہی اسے اپنے مخرج سے کما حقہ نکالتا ہو' اس طرح کہ دونوں ہونٹ مل جاتے ہوں۔ غالباً علامہ عینی یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُف اُف فرمایا' یہ نماز میں کلام کرنا نہ ہوا۔ اسی لیے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر نماز میں اُف اُح اُہ نکل جائے تو نماز فاسد نہیں ہو گی' مگر اس میں تفصیل ہے' اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے اف تف آہ آہ نکلے تو نماز فاسد ہو گی۔ اور اگر جنت یا دوزخ کے ذکر سے یہ الفاظ نکلے تو نماز نہ گئی۔ اسی طرح اللہ عزوجل کی عظمت' اس کے جلال و کبریائی کے تصور سے نکلے تو بھی فاسد نہ ہو گی۔ یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے جو اف نکلا یہ دوزخ دیکھ کر نکلا تھا' اس لیے اس سے بھی نماز فاسد نہ ہو گی اور یہ وہ نفخ نہیں جس سے ممانعت آئی ہے۔ ترمذی[3] میں ہے: افلح نے نماز میں پھونک ماری تو حضور اقدس

---

[1] ابو داؤد۔ ج ۱ ص ۱۶۹۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من قال یرکع رکعتین

[2] مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۸۸' نسائی۔ ج ۱ ص ۲۱۷-۸۔ کتاب صلوٰۃ الکسوف (مزید حوالہ اگلے صفحہ پر)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ترب وجهك" تیرا چہرہ خاک آلود ہو!

ایک باب کی تنقیح

امام بخاری نے ایک باب قائم کیا: مردوں میں سے کوئی نماز میں تالی بجائے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر وہ نہ جانتا ہو۔ اس کے ثبوت کے لیے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیا ہے' نہ جانتا ہو' یہ مذکور نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ نماز میں تالی بجانا مفسد صلوٰۃ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ یہ جانتا ہے کہ نماز میں تالی بجانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بجائے تو فاسد ہو جائے گی۔ علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے "جاهلا" کی توجیہ یہ کی کہ قصداً نہ ہو۔ اس سے متبادر ہوا کہ عمداً ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مختار یہ ہے کہ اگر امام کو لقمہ دینے کے لیے تالی بجائے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ قصداً ہو یا بلاقصد۔ حضرت سہل بن سعد کی حدیث میں یہی ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت صدیق اکبر کو یہ بتانے کے لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں' تالیاں بجائی تھیں۔ اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ صحابہ کرام نے بلاقصد تالی بجائی تھی بلکہ ظاہر حدیث یہی ہے کہ انہوں نے قصداً تالی بجائی تھی۔ اس لیے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کو لقمہ دینے کے لیے تالی بجانے سے نماز فاسد نہ ہوگی' اور اگر کوئی لہو ولعب کے لیے تالی بجائے تو ضرور نماز فاسد ہو جائے گی خواہ قصداً بجائے خواہ بلاقصد۔ سابقاً گزر چکا کہ یہاں تالی بجانے سے مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں کی پشت پر مارے۔

ایک اور باب کی تنقیح

اس کے بعد باب ہے: جب مصلی سے کہا جائے: آگے بڑھو یا انتظار کرو اور اس نے انتظار کیا تو کوئی حرج نہیں' اس میں یہ تصریح نہیں کہ نماز کی حالت میں کہا جائے یا نماز شروع کرنے سے پہلے کہا جائے' چونکہ اس سے پہلے جو باب ہیں' ان میں یہی بحث ہے کہ نماز کی حالت میں یہ افعال جائز ہیں یا نہیں۔ اس سے بہ ظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث: ۲۵۰ لائے ہیں' جس میں یہ مذکور ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ تہبند چھوٹا ہونے کی وجہ سے گردنوں پر باندھے رہتے' تو عورتوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے سروں کو اس وقت تک نہ اُٹھائیں جب تک مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں۔ اس حدیث میں "فقيل" ہے فاء کے ساتھ جو تعقیب کے لیے آتا ہے' اس سے پہلے "كانوا يصلون" ہے' اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ نماز کی حالت میں مردوں سے یہ کہا گیا' اس طرح باب کے ساتھ مطابقت ہو جاتی ہے۔

اقول: یہ کہنا کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کی حالت میں یہ کہا گیا' قطعی نہیں۔ ایک اور احتمال بھی ہے جو پہلے والے سے بھی زیادہ ظاہر کہ "كانوا يصلون" صحابہ کرام کی عام عادت کا بیان ہے کہ جن کے پاس تہبند چھوٹے تھے' وہ اسے گردنوں پر باندھ کر نمازیں عام طور پر پڑھا کرتے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھی گئی تو کسی بھی موقع پر نماز کے باہر عورتوں سے وہ کہا گیا۔ اسی طرح امام بخاری نے اس کا التزام نہیں فرمایا ہے کہ مسلسل ایک روش کی پوری پوری پابندی کریں کہ اس کے پہلے والے ابواب سے یہ استدلال کیا جائے کہ نماز کی حالت میں یہ کرنے کا بیان ہے' جیسا کہ کتاب الوضو میں دیکھ لیں کہ درمیان میں استنجاء کے ابواب داخل کر دیئے ہیں۔ اس تقریر پر باب اور حدیث میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے اور کوئی خلجان نہیں رہتا۔

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری میں ہے: حدیث خارج صلوٰۃ مسئلہ کی تعلیم کے بارے میں ہے' اور ترجمہ درمیان نماز اصلاح کے بیان میں ہے۔

(سابقہ صفحہ کا حوالہ) ۳۔ ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۰۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: كراهية النفخ في الصلوٰة

۱۔ فیض الباری۔ ج ۲ ص ۴۳۸

کہاں یہ کہاں وہ، مگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے ترجمے کو حدیث سے کسی قسم کے استنباط سے لیا ہو۔

اقــول : اس کی بنیاد ایک تو وہی ہے کہ نماز میں کچھ کرنے کے بیان کا سلسلہ چل رہا ہے' تو یہاں بھی وہی مراد ہے' یا یہ کہ حضرت نے ''للمصلی'' سے یہ سمجھا ہے کہ مصلی کسی کو اسی وقت تک سمجھا جائے گا جب تک وہ نماز پڑھ رہا ہے' اس کے پہلے یا بعد اس کو مصلی کہنا غلط ہے۔

۷۲۴- ح: نُهِيَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلٰوةِ

[نماز میں کولہے پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت]

۷۲۴- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نُهِيَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلٰوةِ. وَقَالَ هِشَامٌ وَاَبُوْ هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں کولہے پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ہشام اور ابوہلال نے ابن سیرین سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوٰۃ۔ باب: الخصر فی الصلوٰۃ ص ۱۶۳' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' کلھم فی کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کے الفاظ مختلف آئے ہیں' خود بخاری ہی میں بعد والی حدیث ہے' مختصراً ہے۔ کشمیہنی سے ابوذر کی روایت میں مختصراً اور نسائی کی روایت میں ''متخصراً'' اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ''نھی عن الاختصار'' اور بیہقی کی ایک روایت میں ''نھی عن التخصر'' آیا ہے۔ ترمذی نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ کوئی اپنا ہاتھ اپنے کولہے پر نماز میں رکھے۔ ابوداؤد نے بھی یہی تفسیر کی ہے' ''فی الصلوٰۃ'' کے حذف کے ساتھ' امام ترمذی نے جو تفسیر کی ہے وہی حضرت محمد بن سیرین نے بھی کی ہے' جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے' نیز ہشام بن حسان ابوعبداللہ قردوسی نے بھی یہی تفسیر کی ہے' جیسا کہ بیہقی نے اپنی سنن میں ان سے روایت کیا ہے[1] اور یہی صحیح ہے' نماز میں کولہے پر ہاتھ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کراہت کی اصل وجہ یہود کے ساتھ تشبہ ہے' جیسا کہ بخاری[2] ہی میں حضرت اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کولہے پر ہاتھ رکھنے کو مکروہ جانتی تھیں۔ فرماتی تھیں کہ یہود ایسا کرتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے یہ زائد کیا' یعنی نماز میں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جہنمیوں کی راحت ہے۔ یہ بھی خود اُم المؤمنین حضرت صدیقہ ہی سے مروی ہے' جیسا کہ ابن ابی شیبہ ہی میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کولہے پر ہاتھ رکھے دیکھا تو فرمایا: جہنمی جہنم میں ایسے ہی رہیں گے بلکہ بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں کولہے پر ہاتھ رکھنا جہنمیوں کی راحت ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابلیس جب اتارا گیا تو کولہے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا' جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے موقوفاً روایت کیا' نیز یہ طریقہ اترانے والے اور متکبرین کا ہے۔ نیز فاحشہ عورتیں ناچتے وقت زیادہ تر اسی ہیئت پر رہتی ہیں۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۹۷)

ت ۲۳۱- وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنِّيْ لَاُجَهِّزُ جَيْشِيْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لشکر کو نماز میں درست کرتا ہوں۔

(بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوٰۃ۔ باب: تفکر الرجل الشیء فی الصلوٰۃ ص ۱۶۳)

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے' چونکہ لشکر کی ترتیب و درستگی جہاد کے لیے ہے' جو دینی بات ہے' اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۷۲۵- ح: يَقُوْلُ النَّاسُ اَكْثَرَ

[لوگ کہتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۲۹۷

[2] بخاری۔ ج ۱ ص ۴۹۱۔ کتاب الانبیاء۔ باب: ذکر بنی اسرائیل

اَبُوْ هُرَيْرَةَ

[نے بہ کثرت روایتیں کیں]

۷۲۵ - قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ النَّاسُ اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَلَقِيْتُ رَجُلًا فَقُلْتُ بِمَ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَارِحَةَ فِي الْعَتَمَةِ فَقَالَ لَا اَدْرِيْ فَقُلْتُ اَلَمْ تَشْهَدْهَا قَالَ بَلٰى قُلْتُ لٰكِنْ اَنَا اَدْرِيْ قَرَاَ سُوْرَةَ كَذَا وَكَذَا. (بخاری۔ کتاب العمل فی الصلوٰۃ۔ باب:تفکر الرجل الشیء فی الصلوٰۃ ص ۱۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے بہ کثرت روایت کیا ہے تو میں نے ایک صاحب سے ملاقات کی اور پوچھا: کل رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتمہ یعنی عشاء میں کیا پڑھا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا' اب میں نے کہا کہ آپ اس میں حاضر نہیں تھے' انہوں نے فرمایا: حاضر تو تھا' میں نے کہا: میں جانتا ہوں' یہ یہ سورت پڑھی۔

''اکثر ابو هريرة'' سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بہ کثرت بیان کرنا ہے' جیسا کہ مدخل میں ہے' اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ راوی کو یقین ہو کہ مجھے صحیح یاد ہے۔ اس کی مکمل بحث گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جتنی زیادہ احادیث مروی ہیں' کسی اور صحابی سے نہیں۔ ان کی مرویات جو شمار میں آئی ہیں وہ پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں۔

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲-کِتَابُ السَّھْوِ

[سہو کا بیان]

۷۲٦-ح: صَلّٰی مِنَ الْمَغْرِبِ رَکْعَتَیْنِ فَسَلَّمَ

[انہوں نے مغرب کی دو رکعت پڑھیں اور سلام پھیر دیا]

۷۲٦- قَالَ سَعْدٌ وَّرَاَیْتُ عُرْوَۃَ ابْنَ الزُّبَیْرِ صَلّٰی مِنَ الْمَغْرِبِ رَکْعَتَیْنِ فَسَلَّمَ وَتَکَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰی مَا بَقِیَ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ وَقَالَ ھٰکَذَا فَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

سعد نے کہا: میں نے عروہ بن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے مغرب کی دو رکعت پڑھی اور سلام پھیر دیا اور بات کی' اس کے بعد مابقیہ پڑھی اور دو سجدے کیے اور کہا: ایسے ہی نبی ﷺ نے کیا ہے۔

(بخاری۔ باب: اذا سلم فی رکعتین او فی ثلث فسجد سجدتین ص ۱۶۴)

یہ سعد بن ابراہیم اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس سے قبل والی حدیث کے ساتھ جو سند مذکور ہے' اسی سے یہ بھی مروی ہے۔ غالباً حضرت عروہ نے ''ھکذا فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' سے ذوالیدین والی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے' جو بخاری میں ابھی اس سے پہلے مذکور ہے اور نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۱٦۸' رقم: ۳۴۳ پر گزر چکی ہے' جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا۔ سلام پھیر کر ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر قبلہ کی طرف پیٹھ اور صحابہ کرام کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ ذوالیدین نے جب بتایا تو حضور نے دوسرے حضرات سے دریافت فرمایا اور دو رکعت پوری فرمائی' پھر سجدۂ سہو کیا۔ اس سے حضرت عروہ نے یہ سمجھا کہ نماز کی اصلاح کے لیے کلام نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اور انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا' مگر ہم نزہۃ القاری' ج ۲ ص ۱۱۵' رقم: ۲۷۹ پر بتا آئے کہ حضور اقدس ﷺ سے کلام نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اور ابھی چند ورق پہلے تلویح کے حوالے سے گزرا۔ نیز علامہ نووی نے بھی لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے خطاب نہ ہمارے نزدیک نماز کو باطل کرتا ہے اور نہ کسی اور کے نزدیک[1] اس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اس لیے حضرت عروہ کا اس حدیث کے مطابق عمل درست نہیں۔ عروہ کا یہ کہنا کہ ''ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ارسال ہے مگر یہ ثقہ ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ ثقہ کی حدیث مرسل حجت ہے' ان کا امکان ہے' انہوں نے حدیث مذکور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہو' اس لیے کہ ان کے دوسرے رفقاء جیسے سعید بن مسیب' عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ' ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

---

[1] شرح مسلم۔ ص ۲۱۴

اشکال..... (ذوالیدین وذوالشمالین کی تحقیق)

ہم نے نزہۃ القاری، ج ۲ ص ۱۶۸، رقم: ۳۳۳ پر علامہ عینی وغیرہ کی متابعت میں یہ لکھا ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی صاحب ہیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے، مگر مسلم شریف[1] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ذوالیدین والی اس حدیث میں ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ''بینا انا اصلی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. الحدیث'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ اس پر نص ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس نماز میں شریک تھے۔ اور حضرت ابو ہریرہ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ اب ثابت ہوا کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔ اس وقت ذوالشمالین موجود نہ تھے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ ذوالیدین اور بزرگ ہیں اور ذوالشمالین اور ہیں، مگر نسائی[2] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے دو طریقے سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیرا، تو ذوالشمالین نے عرض کیا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ذوالیدین کیا کہہ رہا ہے؟ امام طحاوی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے[3] اس سے ظاہر ہو گیا کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی بزرگ ہیں۔ اس تقدیر پر احناف کی طرف سے یہ بھی جواب ہوگا کہ یہ منسوخ ہے، مگر اب دو شبہات وارد ہوتے ہیں کہ جب ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی بزرگ ہیں اور وہ غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے، تو مسلم میں حضرت ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ کیسے مروی ہے کہ ''بینا انا اصلی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. الحدیث'' دوسرے یہ کہ نسخ کا دعویٰ غلط ہو گیا۔ یہ وہ اشکال ہے کہ علامہ ابن نجیم کو لکھنا پڑا ''لم ارعنہ جوابا شافیا''[4] میں اس کا کوئی شافی جواب نہیں جانتا۔

اقول باللّٰہ التوفیق: ہو سکتا ہے یہ دونوں دو بزرگ ہوں۔ ان میں سے ایک صاحب کو صرف ذوالشمالین کہا جاتا ہو، ان کی شہادت غزوۂ بدر میں ہو گئی۔ اس حدیث میں یہ مراد نہیں۔ دوسرے وہ صاحب جنہیں ذوالیدین بھی کہا جاتا ہو اور ذوالشمالین بھی، یہ بعد تک باحیات رہے ہوں اور اس حدیث میں یہی مراد ہوں۔ رہ گئی نسخ کی بات تو ہم اسے منسوخ نہیں مانتے بلکہ اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے مانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بار ایسا ہی سہو ہوا جیسا کہ ذوالیدین کی حدیث میں مذکور ہے تو انہوں نے سجدۂ سہو نہیں فرمایا بلکہ دوبارہ نماز پڑھی[5] اور یہ نماز باجماعت میں صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا تھا مگر کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا، حالانکہ ذوالیدین والے قصے کے وقت حضرت عمر موجود تھے اور اس کا ظن غالب ہے کہ اور بھی ایسے حضرات اس وقت موجود رہے ہوں جو ذوالیدین والی حدیث کے واقعے میں بھی شریک تھے، مگر کسی نے نہیں ٹوکا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ کلام کا مفسد نماز نہ ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

ت ۲۳۲- وَسَلَّمَ اَنَسٌ وَّالْحَسَنُ وَلَمْ يَتَشَهَّدَا وَقَالَ قَتَادَةُ لَا يَتَشَهَّدُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری نے سلام پھیرا، تشہد نہیں پڑھا اور قتادہ نے کہا: تشہد نہ پڑھے۔

(بخاری۔ باب: من لم یتشھد فی سجدتی السھو ص ۱۶۳-۴)

یہاں امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: جو سجدۂ سہو میں تشہد نہ پڑھے۔ اس کے ثبوت میں تین تعلیقیں اور ذوالیدین والی

---

۱ مسلم۔ ج ۱ ص ۲۱۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من ترک الرکعتین او نحوھا فلیتم

۲ نسائی۔ ج ۱ ص ۱۸۲-۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ما یفعل من سلم من ثنتین ناسیا وتکلم

۳ شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۲۱۵۔ باب: الکلام فی الصلوٰۃ لما یحدث فیھا من السھو

۴ البحر الرائق۔ ج ۲ ص ۳ ۵ شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۲۱۷۔ باب: الکلام فی الصلوٰۃ لما یحدث

حدیث ذکر فرمائی ہے۔ اخیر میں امام ابن سیرین کا ارشاد پیش فرمایا۔ امام بخاری نے جن الفاظ میں تعلیقات ذکر کی ہیں' ان سے تو ضرور باب ثابت ہے مگر حضرت انس اور امام حسن بصری کا جو ارشاد امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں' حضرت انس کے اثر کے الفاظ یہ ہیں' حضرت انس دوسری رکعت میں بیٹھے رہے' لوگوں نے تسبیح پڑھی تو کھڑے ہوئے اور چار رکعتیں پوری فرمائیں' پھر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا' اس کے بعد قوم کی طرف منہ کر کے فرمایا: ایسے ہی کیا کرو۔ اسی میں حضرت قتادہ سے یہ روایت ہے کہ حضرت انس اور امام حسن بصری نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا اور سلام نہیں پھیرا۔ امام بخاری نے یہ تفصیل نہیں ذکر کی کہ سجدۂ سہو سے پہلے تشہد نہ پڑھے یا سجدۂ سہو کے بعد نہ پڑھے۔ ان تعلیقات سے اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں پڑھا اور ذوالیدین والی حدیث سے بھی زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے' رہ گیا سجدۂ سہو سے پہلے تشہد نہ پڑھنا تو ثابت نہیں' بلکہ یہ طے ہے کہ دو رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ جب کیا ہوگا تو ضرور تشہد پڑھا ہوگا۔ رہ گئے قتادہ تو ان سے مصنف عبدالرزاق میں یہ منقول ہے کہ سجدۂ سہو میں تشہد بھی پڑھا اور سلام بھی پھیرا۔

۷۲۷- ح: فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ تَشَهُّدٌ [سجدہ سہو میں تشہد ہے]

۷۲۷- عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ قَالَ قُلْتُ لِمُحَمَّدٍ فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ تَشَهُّدٌ قَالَ لَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ. (بخاری۔ باب: من لم يتشهد في سجدتي السهو ص ۱۶۴)

سلمہ بن علقمہ نے کہا: میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا: سجدۂ سہو میں تشہد ہے؟ فرمایا: ابوہریرہ کی حدیث میں نہیں ہے۔

یعنی ذوالیدین والی جو روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس میں تشہد مذکور نہیں' لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ عدم ذکر' ذکر عدم نہیں اور روایت میں حذف واختصار کی عام عادت سب کو معلوم ہے' اس لیے اس حدیث میں تشہد مذکور نہ ہونے سے یہ دلیل لانا کہ سجدۂ سہو میں تشہد نہیں' درست نہیں' جبکہ دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنے اور سلام کا ذکر موجود ہے۔ ابوداؤد[1] ترمذی[2] میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی اور سہو ہو گیا' تو حضور نے دو سجدے فرمائے پھر تشہد پڑھا پھر سلام پھیرا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: شیخین کی شرط پر ہے' اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی' نیز ابوداؤد[3] میں عبیداللہ بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدے کے بعد تشہد پڑھ پھر سلام پھیر۔ بیہقی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی سجدۂ سہو میں تشہد پڑھنے کی روایت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ان دونوں احادیث کی اسناد میں ضعف ہے' مگر یہ تینوں احادیث درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں۔ علائی نے کہا: یہ بعید نہیں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود سے بھی یہ مروی ہے[4] علاوہ ازیں امام طحاوی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھے اور سلام پھیرے[5] نیز طبرانی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ مروی ہے۔

۷۲۸- ح: اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَآئِشَةَ (الخ) [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا]

---

1. ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۴۹۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: سجدتي السهو فيها تشهد وتسليم
2. ترمذی۔ ج ۱ ص ۵۲۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: في التشهد في سجدتي السهو
3. ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۱۴۷۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: يتم على اكبر ظنه
4. فتح الباری۔ ج ۳ ص ۷۹
5. شرح معانی الآثار۔ باب: الرجل يشك في صلوته ص ۲۱

۷۲۸- عَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَزْهَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالُوْا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيْعًا وَّسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَقُلْ لَهَا اِنَّا اُخْبِرْنَا اَنَّكِ تُصَلِّيْهِمَا وَقَدْ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُمَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّكُنْتُ اَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْهَا قَالَ كُرَيْبٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِيْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَاَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا فَرَدُّوْنِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا اَرْسَلُوْنِيْ بِهٖ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهَا ثُمَّ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْهِمَا حِيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ وَعِنْدِيْ نِسْوَةٌ مِّنْ بَنِيْ حَرَامٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْمِيْ بِجَنْبِهٖ فَقُوْلِيْ لَهٗ تَقُوْلُ لَكَ اُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا فَاِنْ اَشَارَ بِيَدِهٖ فَاسْتَاْخِرِيْ عَنْهُ فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَاسْتَاْخَرَتْ عَنْهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا ابْنَتَ اَبِيْ اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهٗ اَتَانِيْ نَاسٌ مِّنْ عَبْدِالْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ.

کریب سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہم نے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور کہا: ان کی خدمت میں ہم سب کا سلام عرض کرنا اور ان سے دریافت کرنا کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور عرض کرنا ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ انہیں پڑھتی ہیں اور ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس نے کہا: اور میں حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ لوگوں کو اس سے روکتا تھا۔ کریب نے کہا: اب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان لوگوں کا پیغام انہیں پہنچا دیا' تو انہوں نے فرمایا: اُم سلمہ سے پوچھو! میں ان لوگوں کے پاس واپس آیا' ان کے ارشاد کو بتایا' اب ان لوگوں نے مجھے حضرت اُم سلمہ کی خدمت میں وہی پیغام دے کر بھیجا جو حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیجا تھا' حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ان سے منع فرمایا تھا' پھر میں نے دیکھا کہ عصر کے بعد انہیں پڑھ رہے ہیں' پھر میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس انصار کے قبیلہ بنی حرام کی کچھ عورتیں تھیں' میں نے لونڈی کو حضور کے پاس بھیجا' میں نے لونڈی کو سکھایا کہ حضور کے پہلو میں کھڑی ہو جا اور کہہ! حضور سے اُم سلمہ کہتی ہیں کہ یارسول اللہ! میں نے حضور ہی سے سنا ہے کہ حضور ان دونوں رکعتوں سے منع فرماتے ہیں اور میں دیکھ رہی ہو کہ حضور انہیں پڑھ رہے ہیں' اگر حضور ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ آنا۔ اس لونڈی نے ایسے ہی کیا تو حضور نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا' وہ پیچھے ہٹ آئی' جب حضور نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: اے ابوامیہ کی بیٹی! تو نے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ ہوا یہ کہ عبدالقیس کے کچھ افراد میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے مشغول کر لیا' میں ظہر کے بعد والی دو رکعتوں کو نہیں پڑھ سکا تھا' یہ وہی ہیں۔

اس حدیث پر بہ قدر ضرورت بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد "كنت اضرب الناس مع عمر بن الخطاب عنها" اس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ میں حضرت عمر کے ساتھ اس کے پڑھنے پر لوگوں کو مارتا تھا' اس ترجمہ کو صحیح تو کہا جا سکتا ہے' لیکن "عن" کا صحیح مدلول مجاوزت و اعراض ہے۔ اسی لیے شیخ نور الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے تیسیر القاری میں یہ

ترجمہ فرمایا: بودم من کہ دفع کردم مردم را بعمر بن خطاب رضی اللہ عنہ از گزاردن ایں دو رکعت۔ اس کی مؤید دوسری روایت[1] میں ہے جس میں "واصرف الناس" صاد اور فاء کے ساتھ ہے۔ اسی لیے میں نے یہاں یہ ترجمہ کیا ہے: میں حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ لوگوں کو اس سے روکتا تھا۔ ہاں ابوالوقت کے ایک نسخے میں "علیها" ہے[2] اس نسخے کا یہ ترجمہ درست ہے۔

فارسلت اليه الجارية

مغازی میں "الجارية" کی جگہ "الخادم" ہے اس لیے میں نے اس کا ترجمہ لونڈی کیا ہے جو دونوں پر صادق ہے۔ حضرت علامہ ابن حجر نے قیاس فرمایا کہ ہوسکتا ہے اس سے مراد حضرت اُم سلمہ کی صاحبزادی زینب ہوں جو ان کے سابق شوہر حضرت ابوسلمہ سے تھیں اگر چہ یہ صرف قیاس ہی ہے کسی روایت سے ثابت نہیں۔

يا ابنت ابى امية

اس سے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ مراد ہیں یہ ان کے والد کی کنیت ہے۔ ان کا نام حذیفہ یا سہیل بن مغیرہ مخزومی تھا۔

اتاني اٰت

مغازی میں ہے: میری خدمت میں عبدالقیس کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے اور یہاں بھی ابوالوقت کے نسخے میں "آت" کے بجائے "ناس" ہے۔ اسی نسخے کو علامہ ابن حجر اور علامہ عینی علامہ قسطلانی نے لیا ہے۔ اب "فشغلونی" جمع کے ساتھ بلا تردد صحیح ہے۔

توجیہ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ کی قضا ہے۔ نیز یہ کہ نمازِ عصر کے بعد قضا پڑھنے کی اجازت ہے۔ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سنن مؤکدہ کی قضا نہیں اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اس کی دلیل اسی حدیث کی دوسری روایت ہے[3] کہ حضرت اُم سلمہ نے دریافت کیا: کیا ہم لوگ بھی اس کی قضا پڑھیں؟ ارشاد فرمایا: نہیں! رہ گیا عصر کے بعد قضا پڑھنا احناف کے نزدیک عصر کے بعد جب تک آفتاب میں زردی نہ آجائے یعنی غروب سے بیس منٹ پہلے تک قضا پڑھ سکتے ہیں البتہ آفتاب میں زردی آجانے کے بعد غروب تک قضا کی بھی اجازت نہیں۔

تم تسويد الجزء الثالث من نزهة القارى باتمام شهر ربيع الاوّل وقد مضى من هجرة النبوية على صاحبها افضل السلام وازكى التحية اربع عشر سنة بعد الالف ومن الميلادية تسع وعشر سنة بعد الالف وكان شهر نومبر وكان مضى منه ثلثة وعشرون يوما ليلة يوم الاثنين.

فالحمد لله على الانتهاء كما له الحمد على الابتداء والصلوٰة والسلام على اوّل خلقه وجودا وآخر انبيائه بعثا. وعلى اٰله وصحبه واوليائه.

❁❁❁❁❁

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۳۱۶ [2] ارشاد الساری۔ ج ۲ ص ۳۰۵ [3] عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۳۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۲۳- کِتَابُ الْجَنَائِزِ

[جنازوں کا بیان]

جنائز، جنازہ کی جمع ہے، جیم کے فتحہ کے ساتھ وہ میت جو چارپائی پر لاد کر دفن کے لیے لے جائی جاتی ہو۔ جیم کے کسرہ کے ساتھ، وہ چارپائی جس پر مردہ دفن کے لیے لے جایا جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معاملہ برعکس ہے۔ اگر چارپائی پر مُردہ نہ ہو تو اسے عربی میں سریر اور نعش کہتے ہیں۔ جنازہ کے اصل معنی چھپانے کے ہیں۔ بولتے ہیں "جنز یجنز اذا ستر"۔

ت ۲۳۳- قِيْلَ لِوَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَلَيْسَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا لَهٗ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهٗ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَاِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ. (بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء فی الجنائز ص ۱۶۵)

وہب بن منبہ سے کہا گیا: کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں؟ فرمایا: ہے، لیکن ہر کنجی کے دندانے ہوتے ہیں، اگر دندانے والی کنجی لائے گا تو تیرے لیے کھولی جائے گی ورنہ نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ کی اس حدیث مقطوع کا مضمون، ایک حدیث مرفوع میں بھی آیا ہے جسے بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا: اہل کتاب تمہارے پاس آئیں گے اور پوچھیں گے: جنت کی کنجی کیا ہے؟ تو انہیں بتا دینا کہ لا الہ الا اللہ کی گواہی ہے، لیکن یہ کنجی بے دندانے کے ہے، اگر دندانے والی کنجی لاؤ گے تو کھلے گی ورنہ نہیں کھلے گی۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۸ ص ۳)

دندانے سے مراد طاعات کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب ہے۔ اور مراد دخولِ اوّل ہے یعنی جو مومن ہوگا اور کبائر کا مرتکب ہوگا، وہ اپنے معاصی کی سزا بھگتے بغیر جنت میں نہیں جائے گا، لیکن جو مومن معاصی کا مرتکب نہ ہوگا، وہ جہنم میں گئے بغیر جنت میں جائے گا۔

اقول: اس راقم الحروف کے ذہن میں آتا ہے کہ خطاب اہل کتاب سے ہے۔ اہل کتاب موحد تھے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتے تھے مگر وہ جنت کے نہ دخولِ اوّل کے مستحق ہیں نہ ثانوی کے۔ اس لیے کہ وہ نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے تھے نہ اسلام کو حق مانتے تھے نہ قرآن کو کتاب اللہ۔ اگر صرف اتنا ہی جواب دے کر چھوڑ دیا جاتا کہ جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ کی گواہی ہے تو ان کی چار آنکھیں ہو جاتیں کہ بقول مسلمانوں کے ہم بھی جنتی ہیں، ان کے وسوسے کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ہر کنجی کے دندانے ہیں، بے دندانے کی کنجی بیکار ہے۔ اب ان دندانوں کی تفسیر میں کہا جا سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اور اسلام کی حقانیت کی اور قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کی تصدیق ہے۔ قابل غور یہ ہے کہ دندانے کنجی کی ماہیت میں داخل ہیں۔

۷۲۹- ح: مَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِيْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

[جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا]

۷۲۹- عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَوْ قَالَ بَشَّرَنِيْ اَنَّهٗ مَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِيْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پروردگار کی بارگاہ سے میری خدمت میں ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے یہ خبر دی یا یہ فرمایا کہ مجھے بشارت دی کہ میری اُمت میں سے جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ زنا کرے، چوری کرے؟ فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے، چوری کرے۔

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء فی الجنائز ص ۱۶۵، کتاب الاستقراض۔ باب: اداء الدیون ص ۳۲۱، بدء الخلق۔ باب: ذکر الملائکة ص ۴۵۷، ج ۲۔ کتاب الاستیذان۔ باب: من اجاب بلبیک وسعدیک ص ۹۲۷، کتاب الرقاق۔ باب: المکثرون هم المقلون ص ۹۵۳، باب: قول النبی صلی الله علیه وسلم ما احب ان لی مثل احد ذهبا ص ۹۵۴، کتاب التوحید۔ باب: کلام الرب مع جبریل ص ۱۱۱۵، مسلم۔ کتاب الایمان، نسائی۔ کتاب عمل فی الیوم واللیلة، ترمذی)

۷۳۰- ح: مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ

[جو مشرک ہو کر مرے گا وہ جہنم میں جائے گا]

۷۳۰- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ اَنَا مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مشرک ہو کر مرے گا جہنم میں جائے گا اور میں کہتا ہوں: جو اس حال میں مرے کہ مشرک نہ ہو، وہ جنت میں جائے گا۔

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء فی الجنائز ص ۱۶۵)

اٰت من ربی

یہ جبریل امین تھے، جیسا کہ دوسرے ابواب کی روایتوں میں تصریح ہے: خواب میں حاضر ہوئے تھے یا بیداری میں۔ کتاب اللباس[1] کی روایت میں تصریح ہے کہ خواب میں آئے تھے۔ دوسرے ابواب کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیداری میں حاضر ہوئے تھے۔ اس روایت میں "وان زنی وان سرق" ایک بار ہے۔ دوسری روایتوں میں تین بار، بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ "علی رغم الف ابی ذر"۔

توجیہات

اوّل: اللہ عزوجل کی ذات یا صفات یا عبادت یا تینوں میں یا دو میں کسی کو شریک کرنے کو شرک کہتے ہیں، یہ کفر کی خاص قسم اور سب سے بدتر ہے، اس لیے شرک نہ کرنے سے کفر کی دوسری قسموں کی نفی نہیں ہوتی، اور جہنم میں ابدالآباد تک رہنے کا سبب ہر کفر ہے،

---

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۸۶۷۔ کتاب اللباس۔ باب: الثیاب البیض

اگر چہ شرک نہ ہو۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان احادیث میں شرک سے کفر مراد ہے جیسے آیہ کریمہ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' (النساء: ۴۸-۱۱۶) اللہ شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا' اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ شرک سے تعبیر اس وجہ سے ہے کہ قرآن کے مخاطب اوّل مشرکین عرب تھے۔ وہ جب شرک چھوڑتے تو مؤمن مخلص ہو جاتے گویا ترک شرک کو ایمان لازم تھا' تو بہ طور عموم مجاز مراد ایمان ہے۔

ثانی

کتاب اللباس میں ''لا یشرک باللّٰہ شیئا'' کی جگہ ''قال لا الٰہ الا اللّٰہ'' ہے' دونوں کا حاصل ایک ہی ہے' ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ صرف اقرار توحید نجات کے لیے کافی ہے' حالانکہ صرف توحید کا اقرار اور تصدیق ایمان کے لیے کافی نہیں۔ رسالت کی تصدیق اور اقرار بھی جزو ایمان ہے' بلکہ تمام ضروریات کی تصدیق اور اقرار بھی۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پورے کلمہ طیبہ کا علم اور نام ہے' جیسے الحمد' سورۂ فاتحہ کا' قل ھو اللہ' سورۂ اخلاص کا' کلمہ طیبہ کا علم' صرف لا الٰہ نہیں ہو سکتا تھا' اس لیے کہ یہ خالص کفر ہے' اس لیے کہ اس کے معنی ہیں: کوئی معبود نہیں' اس لیے لا الٰہ الا اللہ پورا نام ہوا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جس نے پورا کلمہ طیبہ پڑھا اور اسے پڑھنے کو لازم ہے ''جمیع ما جاء بہ الرسول'' کی تصدیق' تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ جس نے مذہب اسلام کو حق مان لیا یا یہ کہ لا الٰہ الا اللہ اس مخصوص ترکیب اور عربی کلمات کے ساتھ پڑھنا اسلام کا شعار ہے' توحید کے دوسرے دعوے دار اگر چہ اقرار توحید کرتے ہیں مگر اس اقرار کے الفاظ دوسری زبان کے ہوتے ہیں اور ترکیب اور ہوتی ہے' تو اب لا الٰہ الا اللہ کہنا دلیل ہے اسلام قبول کرنے کی' تو حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جو مسلمان ہونے کی حالت میں مرا' وہ جنت میں جائے گا۔

ثالث

اس سے قبل گزر چکا کہ جنت میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا' اگر چہ اپنے اعمال بد کی سزا بھگتنے کے بعد' یا مراد یہ ہے کہ یہ کلمہ پڑھنا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے' جس نے اسے پڑھا جنت کا مستحق ہو گیا' اگر چہ کچھ تاخیر کے ساتھ جائے' یا مراد یہ ہے کہ جس نے موت کے وقت اخلاص کے ساتھ اس کو پڑھا' وہ جنت میں جائے گا' اس لیے کہ اخلاص کے ساتھ جب پڑھے گا تو اعمال سیئہ پر ندامت اور توبہ بھی ضرور کرے گا' جس کی وجہ سے وہ جنت میں جائے گا۔

قلت

حضرت ابوذر والی حدیث میں ہے: ''قلت وان زنی وان سرق'' میں نے کہا: اگر چہ زنا کرے' اگر چہ چوری کرے۔ اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہو کہ حضور نے جبریل امین سے ارشاد فرمایا ہو۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوذر کی گزارش ہو۔ اس حدیث کے یہاں جو کلمات ہیں' وہ دونوں احتمال رکھتے ہیں' مگر دوسری روایتوں میں تصریح ہے: ''قال ابو ذر یا رسول اللّٰہ وان زنی وان سرق'' اور ایک روایت میں یہ زائد ہے: ''علی رغم انف ابی ذر'' اس سے متیقن ہے کہ یہ حضرت ابوذر ہی کا مقولہ ہے۔

وقلت انا

کتاب التفسیر[۱] میں حضرت ابن مسعود ہی سے یوں روایت ہے: نبی ﷺ نے ایک بات کہی اور میں نے دوسری بات کہی۔ اور یہی کتاب الایمان[۲] میں بھی ہے' اس کا حاصل یہ ہوا کہ صحیحین کی روایات اس پر متفق ہیں کہ مرفوع وعید ہے اور موقوف وعدہ ہے۔

---

[۱] کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرہ۔ باب: قولہ تعالی ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ اندادا ص۶۴۶

(مزید حوالہ اگلے صفحہ پر)

مگر امام حمیدی نے جمع بین الصحیحین اور مغلطائی نے اس کی شرح میں اور جن لوگوں نے اس سے لیا' یہ کہا ہے کہ وکیع اور ابن نمیر کی روایت بالعکس ہے۔ یعنی مرفوع وعدہ ہے اور موقوف وعید ہے۔ حدیث یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا وہ جنت میں جائے گا اور میں نے کہا: جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ امام نووی نے فرمایا کہ صحیح مسلم کے بعض اصول معتمدہ میں ایسا پایا گیا ہے[1] جمع بین الصحیحین کے علاوہ ابوعور کی کتاب المخرج علی صحیح مسلم میں بھی یہی ہے' اس کے دونوں حصے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ہیں' جیسا کہ مسلم[2] ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دونوں جملے حضور سے سنے تھے۔ ایک وقت ایک حصہ یاد آیا تو اسے حضور کی طرف نسبت کر کے بیان کیا اور دوسرا اپنے استنباط سے اضافہ کیا اور دوسرے وقت دوسرا یاد آیا اسے حضور کا ارشاد بتایا' اور ایک کو اپنا استنباط بتایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

مطابقت باب

وہب بن منبہ کے اثر اور ان احادیث پر امام بخاری نے باب کے دو عنوان قائم کیے ہیں' ایک یہ کہ جنائز کے بارے میں جو کچھ آیا ہے' دوسرے یہ اور جس کا آخر کلام لا الٰہ الا اللہ ہو۔ بہ ظاہر اس اثر اور احادیث کو باب کے کسی جز سے تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

اقول: دونوں حدیثوں کے باب کے دوسرے جز سے مناسبت یہ ہے کہ فرمایا: "من مات من امتی لا یشرك باللّٰه شیئا" اس میں "لا یشرك الخ" حال ہے۔ حال اور ذوالحال کے عامل میں اقتران بالزمان لازم ہے۔ کسی نے کہا: میرے پاس زید ہنستا ہوا آیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنے کے وقت ہنس رہا تھا۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص مرتے وقت شرک سے ملوث نہ ہو' لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوا مرے' وہ جنت میں جائے گا۔ پوری عبارت یوں ہوئی: جس کا آخر کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ شرک سے ملوث نہ ہوگا' اس لیے وہ جنت میں جائے گا۔

۷۳۱- ح: اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَّنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ

[نبی ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا]

۷۳۱- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَّنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ اَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِیْ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَاِبْرَارِ الْقَسَمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَنَهَانَا عَنْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَخَاتَمِ الذَّهَبِ وَالْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْقَسِّيِّ وَالْاِسْتَبْرَقِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہے: جنازوں کے پیچھے چلنے اور بیمار پرسی اور دعوت قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے اور قسم پوری کرنے اور سلام اور چھینک کا جواب دینے کا حکم دیا اور چاندی کے برتن استعمال کرنے' سونے کی انگوٹھی اور حریر اور دیبا' قسی اور استبرق پہننے سے منع فرمایا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب: الامر باتباع الجنائز ص۱۶۶' کتاب مظالم۔ باب: نصر المظلوم ص۳۳۱' ج۲۔ کتاب النکاح۔ باب: حق اجابة الولیمة ص۷۷۷' کتاب الاشربة۔ باب: آنیة الفضة ص۸۴۲' کتاب الطب۔ باب: وجوب عیادة المریض ص۸۴۳' کتاب اللباس۔ باب: لبس القسی ص۸۶۸' باب: خواتیم الذهب ص۸۷۱' کتاب الادب۔ باب: تشمیت العاطس ص۹۱۹' کتاب الاستیذان۔ باب: افشاء

(سابقہ صفحہ کا حوالہ) [2] باب: اذا قال واللہ لا اکلم الیوم فصلی ص۹۸۸

[1] شرح مسلم۔ ج۱ ص۶۷ [2] مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب: الدلیل من یشرك باللّٰه دخل الجنة ص۶۶

السلام ص ۹۴۱' کتاب الایمان والنذور۔ باب:قول اللّٰه تعالیٰ واقسموا باللّٰه جهد ایمانهم ص ۹۸۴ 'مسلم۔ کتاب الاطعمۃ' ترمذی۔ کتاب الاستیذان' نسائی۔ کتاب الجنائز۔ کتاب الایمان والنذور۔ کتاب الزینۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الکفارات)

''ابراء القسم'' اور ایک روایت میں ہے: ''وابرار القسم'' یعنی قسم کھانے والے کی بات پوری کرنا۔ ابرار' حنث کی ضد ہے' اس کے معنی سچا کرنا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر تم سے کوئی یہ کہے: اللہ کی قسم! تم کو یہ کرنا ہوگا۔ اور وہ کام جائز اور تمہاری وسعت میں ہو تو ضرور کردو۔

تشمیت

''تشمیت'' کے معنی دعائے خیر کرنا ہے' یہاں مراد یہ ہے کہ چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ حریر' نرم ریشم کے کپڑے کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔ دیباج کے معنی' دیبا' یک ریشم کا مخصوص قسم کا کپڑا۔ ''قسی'' سوت اور ریشم سے مخلوط ایک خاص کپڑا جو مصر سے آتا تھا۔ سمندر کے کنارے تنیس کے قریب ایک شہر قس تھا' وہاں تیار ہوتا تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ بحر دمیاط کے ساحل پر قس' تنیس اور فرما شہر تھے' جہاں سے عمدہ قسم کے کپڑے پوری دنیا میں جاتے تھے۔ استبرق' ریشم کا دبیز کپڑا۔

توجیہ

حدیث میں مذکور ہے کہ سات چیزوں سے منع فرمایا' اور مذکور یہاں چھ ہیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ بخاری سے سہو ہوا' یا ان کے کسی شیخ سے ہوا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ امام بخاری کے شیخ ابوالولید سے سہو ہوا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ بخاری کے نقالین سے چھوٹ گیا ہو۔ علامہ عینی نے فرمایا: امام بخاری یا ان کے شیخ کی طرف سہو کی نسبت سے بہتر یہ ہے کہ ناسخین کی غلطی مانی جائے' اس لیے کہ کتاب اللباس میں ساتویں کا ذکر ہے' یعنی میثرۃ الحمراء' سرخ رنگ کے زین پوش سے۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل معلوم ہوئے: جنازے کے ساتھ جانا اور نماز و دفن میں شریک ہونا۔ جنازے کے ساتھ جا کر نماز پڑھ کر واپس آنے پر ایک قیراط ثواب ہے اور دفن تک شریک رہنے پر دو قیراط اور تلقین تک رہنے پر تین قیراط[1] جو شخص نمازِ جنازہ پڑھ لے' اسے اولیاء میت کی اجازت کے بغیر واپس نہیں ہونا چاہیے[2] ہمارے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ یہ اسی حدیث سے ثابت' اس لیے کہ اتباع کے معنی پیچھے چلنے کے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک آگے چلنا افضل ہے۔ بیمار کی عیادت' مزاج پرسی سنت ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ واجب ہے۔ وجوب کی دلیل اس کے بعد والی حدیث ہے۔ بیمار پرسی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا ہاتھ بیمار کی پیشانی یا ہاتھ پر رکھے اور پوچھے: وہ کیسا ہے؟[3] اس کے سر کے پاس بیٹھے اور ہو سکے تو دعاء صحت کرے' تسلی و تشفی دے۔ دعوت قبول کرنا سنت ہے' یہاں تک کہ فرمایا: جس نے دعوت قبول نہ کی' اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وہاں کوئی حرام کام نہ ہو' اگر کوئی ناجائز کام ہو' اور اس کو اطمینان ہو کہ میں جاؤں گا تو وہ کام بند ہو جائے گا' یا میں منع کروں گا تو وہ لوگ اس حرام سے باز آجائیں گے تو ضرور جائے' ورنہ جانا جائز نہیں۔ جسے قدرت ہو' اس پر مظلوم کی مدد واجب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کروں گا' یہ ارشاد فرمائیں کہ ظالم کی کیسے مدد کروں؟ فرمایا: اسے ظلم سے روک دے' یہ اس کی مدد ہے[4] کسی کی قسم پوری

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۸ ص ۷' بحوالہ داؤدی [2] عالمگیری۔ ج ۱ ص ۸۵ [3] مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۲۶۰

[4] بخاری۔ ج ۱ ص ۳۳۱' کتاب المظالم۔ باب: اعن اخاك ظالما او مظلوما

کرنا بھی مکارمِ اخلاق سے ہے جبکہ وہ جائز ہو اور اسے پوری کرنے پر قادر ہو۔ نیز اس کا پورا کرنا مصلحت کے خلاف نہ ہو جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ایک خواب بیان کیا، یہ سن کر حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اجازت دیجئے کہ میں اس کی تعبیر بیان کروں، فرمایا: بیان کرو! حضرت ابوبکر نے تعبیر عرض کی اور پوچھا: یارسول اللہ! فرمایئے کہ میں نے صحیح تعبیر دی ہے یا غلط؟ فرمایا: کچھ صحیح ہے کچھ غلط، عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں حضور کو قسم دیتا ہوں کہ بتایئے! میں نے کیا غلطی کی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ دو۔ (ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الرؤیا۔ باب: رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۳)

رد السلام

سلام کا جواب دینا واجب ہے، اگر کسی جماعت کو سلام کیا جائے تو اس میں سے ایک کا جواب دینا کافی ہے، اگرچہ وہ بچہ ہو، اگر وہ سمجھ دار ہے تو سلام کرنا سنت ہے، مگر سلام کہنے میں زیادہ ثواب ہے، اگر مرد کسی عورت کو سلام کرے تو عورت پر بھی سلام کا جواب دینا واجب ہے، مگر وہ آہستہ جواب دے اور اگر عورت مرد کو سلام کرے تو مرد بھی آہستہ جواب دے۔ اسی طرح چھینک کا بھی جواب دینا واجب ہے۔

تشمیت العاطس

جب کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ الحمد للہ کہے۔ بہتر یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین کہے۔ اب سننے والے پر جواب دینا واجب۔ اس کے جواب میں سننے والا کہے: "یرحمك اللّٰه" اس پر چھینکنے والا کہے: "یغفر اللّٰه لنا ولکم" یا یہ کہے: "یھدیکم اللّٰه ویصلح بالکم" ایک مجلس میں اگر بار بار چھینک آئے تو پہلی بار جواب دینا واجب ہے اور دوبارہ مستحب، اس کے بعد نہیں۔

جن سے منع فرمایا

وہ سات چیزیں جن سے منع فرمایا، یہ ہیں: چاندی کا برتن، مرد کو بھی ناجائز ہے اور عورت کو بھی، حتیٰ کہ چاندی کا آئینہ عورت کو بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح سونے کے برتن بھی، زیب و زینت کے لیے رکھ سکتے ہیں۔ سونے چاندی کے صرف زیور عورتوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔

انگوٹھی کے احکام

مردوں کو حرام عورتوں کو جائز، بعض لوگوں نے سونے کی انگوٹھی مردوں کے لیے جائز کہی ہے۔ ان کی دلیل حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی اور پوچھا تو فرمایا کہ ایک موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا اور مجھے یہ انگوٹھی عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا: "البس ما کساك اللّٰه ورسوله" پہن جسے اللہ اور اس کے رسول نے تجھے پہنایا۔ تم لوگ کیسے مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اسے اتار دوں، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہن جسے اللہ اور اس کے رسول نے تجھے پہنایا۔ (مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۲۹۴، شرح معانی الآثار۔ ج ۲۔ الکراھیۃ۔ باب: التختم بالذھب ص ۳۵۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز فرمادی تھی اور یہ طے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جو چیز چاہیں جس کے لیے چاہیں جائز فرمادیں۔ اس کے دلائل قاہرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتاب منتظاب الامن والعلی میں اور اس خادم کے مجموعہ مضامین، مقالات امجدی میں ملاحظہ کرلیں۔

چاندی کی ایک انگوٹھی وہ بھی ایک نگ کی، وہ بھی جو ساڑھے چار ماشے سے کم کی ہو تو مردوں کے لیے جائز ہے۔ پورے ساڑھے چار ماشے کی یا اس سے زائد کی یا دو نگوں کی یا کئی انگوٹھیاں پہننا مردوں کو حرام ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پا رہا ہوں، انہوں نے اسے پھینک دیا۔ دوبارہ آئے تو لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں، انہوں نے اسے بھی پھینک دیا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ تو ارشاد فرمایا: چاندی کی، اور ایک مثقال پوری مت کر[1] ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے جو موجودہ اعشاریہ اوزان سے ۵ / ۴ گرام ہوا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ[2] میں اس کے تحت لکھتے ہیں: پوشیدن دو انگشتری و زیادہ برآں مکروہ است، یعنی دو یا دو سے زیادہ انگوٹھیاں پہننا مکروہ ہے۔

بادشاہ، قاضی، مفتی جسے انگوٹھی کی ضرورت ہو، اسے پہننا سنت ہے۔ جسے ضرورت نہیں، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ نہ پہنے۔

عن الحرير

ریشمی کپڑا جس کا تانا بانا دونوں ریشم ہو یا بانا ریشم تانا سوت، اُون وغیرہ ہو، اس کا پہننا مردوں کو حرام ہے، عورتوں کے لیے حلال۔ اور جس کا بانا سوت وغیرہ ہو اور تانا ریشم ہو، وہ مردوں کو بھی جائز۔ ریشم سے یہاں مراد وہ ریشم ہے جو کیڑے سے جدا ہوتا ہے۔ آج کل جو سلک کے بہت قسم کے کپڑے نکلے ہیں، یہ اس ریشم سے نہیں بنتے بلکہ وہ کسی درخت کی چھال یا گوند وغیرہ کے دھاگے سے بنتے ہیں۔ وہ مرد و عورت دونوں کو جائز ہیں۔ دیبا، استبرق، قسی، یہ سب ریشمی کپڑوں کی قسمیں ہیں، یہ سب حریر میں داخل ہیں، مگر ان کے نام علیحدہ ہیں، اس لیے ان کو تخصیص بعد تعمیم کے طور پر علیحدہ ذکر فرمایا۔

الميثرة الحمراء

زین پر جو گدا رکھتے ہیں اسے المیثرہ کہتے ہیں، یہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ درندوں کی کھال کے، ریشمین یہ دونوں ممنوع ہیں، یوں ہی سوت یا اُون کا ہو اور وہ سرخ ہو تو بھی ممنوع ہے۔

ایک اشکال کا جواب

ان میں بعض باتوں سے عورتیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً جنازے کے ساتھ جانے اور سونے کی انگوٹھی اور ریشمی لباس کے پہننے کی ممانعت سے، اور حکم عام ہے، تخصیص نہیں، جواب یہ ہے کہ عورتوں کا استثناء دوسری احادیث سے معلوم ہوا۔ حدیث سے حدیث کی تخصیص بالاتفاق درست ہے۔

۷۳۲- ح: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ

[مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں]

۷۳۲- أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

---

[1] ابوداؤد، ج ۲ ص ۲۲۳، کتاب الخاتم، باب: فی خاتم الحدید، نسائی، ج ۲ ص ۲۸۸، کتاب الزینۃ، باب: مقدار ما يجعل في الخاتم من الفضة

[2] اشعۃ اللمعات، ج ۳ ص ۵۶۲

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ.

سلام کا جواب دینا' بیمار پرسی کرنا اور جنازے کے ساتھ جانا اور دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

(بخاری۔ باب: الامر باتباع الجنائز ص۱۶۶' نسائی۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ)

پہلے میں سات ہیں' اس میں پانچ' مگر کم زیادہ کی نفی نہیں کرتا' اس لیے کوئی حرج نہیں۔ حصر نہ اس حدیث میں مقصود ہے نہ اس میں۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پانچوں واجب ہیں۔ ''حق المسلم علی المسلم'' کا یہی مفاد ہے' مگر گزر چکا کہ ایسا نہیں۔ ان میں سے کچھ واجب ہیں کچھ سنت کچھ مستحب۔ اور اس صیغے سے ارشاد زیادتی ترغیب کے لیے ہے' جیسے فرمایا: ''حق علی المسلم ان یغتسل کل جمعة'' مراد یہ ہے کہ اسلامی اخوت کا مقتضی یہی ہے' ہم نے کہا: اسی میں حصر نہیں' اس لیے کہ دوسری احادیث میں زائد اور چیزیں بھی وارد ہیں' مثلاً مسلم[1] کی ایک حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے' یہ چیزیں زائد ہیں: جب ملاقات کرے تو اسے سلام کر' اور جب تجھ سے مشورہ طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر۔

۷۳۳- ح: اَقْبَلَ اَبُوْ بَكْرٍ مِنْ مَّسْكَنِهٖ فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهٗ

[حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (ظاہری وصال کے بعد) بوسہ لینا]

۷۳۳- اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ اَنَّ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ اَقْبَلَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى فَرَسِهٖ مِنْ مَّسْكَنِهٖ بِالسُّنْحِ حَتّٰى نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَّجْهِهٖ ثُمَّ اَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهٗ ثُمَّ بَكٰى فَقَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ فَاَخْبَرَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اجْلِسْ فَاَبٰى فَقَالَ اجْلِسْ فَاَبٰى فَتَشَهَّدَ اَبُوْ بَكْرٍ فَمَالَ اِلَيْهِ النَّاسُ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ اِلٰى ﴿الشّٰكِرِيْنَ﴾

ابو سلمہ نے خبر دی کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقہ حیات نے خبر دی' فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے سخ والے گھر سے آئے' اُتر کر مسجد میں گئے اور کسی سے نہیں بولے' عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد کیا اور حضور حبرہ کی چادر سے ڈھانکے ہوئے تھے' انہوں نے حضور کے چہرے سے چادر ہٹائی' پھر جھکے اور حضور کا بوسہ لیا' اس کے بعد روئے پھر کہا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ عزوجل آپ پر دو موت جمع نہیں فرمائے گا' جو وفات اللہ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پا چکے۔ ابو سلمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے خبر دی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے کلام کر رہے تھے' حضرت ابو بکر نے ان سے فرمایا: بیٹھ جاؤ! مگر وہ نہ مانے' پھر فرمایا: بیٹھ جاؤ! اب بھی وہ نہ مانے تو حضرت ابو بکر نے کلمہ شہادت پڑھا' اب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر کو چھوڑ دیا' اس کے بعد حضرت ابو بکر نے شہادت کے بعد کہا: (کہنا یہ ہے) کہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو وہ سن لے' وہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جو اللہ عزوجل کی پرستش کرتا تھا

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۱۳۔ کتاب السلام۔ باب: حق المسلم علی المسلم

(آل عمران:۱۴۴) وَاللّٰهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَهَا حَتّٰى تَلَاهَا أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ فَمَا يُسْمَعُ بَشَرٌ إِلَّا يَتْلُوهَا.

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب: الدخول علی المیت بعد الموت ص ۱۶۶' کتاب المناقب۔ باب: فضل ابی بکر ص ۵۱۷' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ووفاتہ ص ۶۴۲' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

وہ سن لے کہ اللہ زندہ ہے' وہ کبھی نہیں مرے گا' اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اور محمد رسول ہی ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں' کیا اگر وہ وصال فرما جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے اور جو بھی اپنی ایڑی پر پلٹے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑے گا اور شکر کرنے والوں کو اللہ جلد انعام دے گا۔ بخدا! گویا لوگ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے' یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی تو لوگوں نے ان سے سن کر اسے یاد کر لیا' اب ہر شخص سے سنا جاتا کہ وہ اس کی تلاوت کر رہا ہے۔

تکمیل

کتاب المناقب میں شروع میں یہ زائد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر سنح میں تھے۔ اسماعیلی نے کہا: یعنی عالیہ میں مدینہ طیبہ کے بالائی حصے میں۔ حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور یہ کہنے لگے: بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا ہے۔ اُم المومنین نے فرمایا: حضرت عمر نے کہا کہ بخدا! میرے دل میں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں آتی تھی' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حضور کو اُٹھائے گا اور حضور کچھ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے کہ حضرت ابوبکر آئے' الخ۔ اخیر میں آیت کریمہ ''وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ'' سے پہلے ''إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ'' کا اضافہ ہے۔ آخر میں ہے کہ روتے روتے لوگوں کی گھگی بندھ گئی۔ المغازی میں اخیر میں ہے کہ امام زہری نے کہا کہ مجھے سعید بن مسیب نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! حضرت ابوبکر کو اس کی تلاوت کرتے سنا تو میں دہشت زدہ ہو گیا۔ اور میرے پاؤں نے مجھے اُٹھائے رکھنے سے جواب دیا اور میں زمین پر گر پڑا' جب میں نے حضرت ابوبکر کو یہ کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

بالسنح

مدینہ طیبہ کے بالائی حصے میں جسے عوالی کہتے ہیں' ایک جگہ کا نام ہے' یہ مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے' یہاں بنی حارث بن خزرج رہتے تھے' انہیں میں حضرت صدیق اکبر نے شادی کر لی تھی' اور وہاں ان کا ایک مکان تھا۔

هُوَ مُسَجًّى

اس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد میت کو ڈھانک دینا چاہیے' یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ سوائے غسل دینے والوں اور خاص اعزہ کے اور کوئی نہ دیکھے۔ حبرہ ایک قسم کی مخطط قیمتی چادر ہے۔ داؤدی نے کہا کہ سبز رنگ کے کپڑے کو کہتے ہیں۔

قَبَّلَ

میت پر جھکنا اور اسے بوسہ دینا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضور تشریف لے گئے اور ان کے اوپر جھکے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور اتنا روئے کہ آپ کے آنسو رخساروں پر بہتے تھے[1]۔ نسائی میں تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضور کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تھا۔

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۱۸۔ کتاب الجنائز۔ باب: تقبیل المیت

(ج ا۔کتاب الجنائز۔باب:تقبیل المیت ص ۲۶۰)

لا یجمع اللہ علیك موتتین

وصال کے بعد کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حضور اقدس ﷺ پھر زندہ ہوں گے اور کچھ لوگوں کو سزا دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گزر چکا' اس کے ازالے کے لیے حضرت صدیق اکبر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ حضور پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ مغازی کی روایت میں ہے: دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائے گا' یعنی اب حضور دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے کہ آپ کو دوبارہ موت کا مزہ چکھنا پڑے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں دوبارہ نہ آپ زندہ ہو کر تشریف لائیں گے' نہ دوبارہ اس دنیا میں موت آئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں دوبارہ آپ پر موت نہیں آئے گی۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام اپنے مزارات میں دنیوی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ مسند امام احمد[۱] نسائی[۲] ابن ماجہ[۳] اور دارمی میں حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء وزاد ابن ماجه عن ابی الدرداء رضی اللہ عنه فنبی اللہ حی یرزق.

بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ اور ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ زائد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہے' اسے روزی دی جاتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ سلوک اقرب السبل[۴] فی التوجہ الی سید الرسل میں فرماتے ہیں:

باچندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ درمیان علماء امت ست یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت بحقیقت حیات بلاشائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی است و بر احوال امت حاضر وناظر وطالبان حقیقت و متوجہان آنحضرت را مفیض ومربی است۔

اتنے اختلافات وکثرتِ مذاہب کے باوجود جو علماء اُمت کے مابین ہیں' کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں' جس میں مجاز کا شائبہ اور تاویل کا توہم نہیں اور اُمت کے حالات پر حاضر وناظر ہیں اور طالبانِ حقیقت اور متوجہان آنحضرت کو فیض عطاء فرمانے والے اور تربیت کرنے والے ہیں۔

مسائل

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرام سے مطلقاً اعلم تھے' سب سے زیادہ صائب الرائے اور سب سے زیادہ باتدبیر اور وقت کے تقاضے کے مطابق مناسب تر اقدام کرنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے اور سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ساحر البیان خطیب تھے۔ غور کریں! حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔ اس کا صدمہ حضرت صدیق اکبر کو کتنا رہا ہو گا۔ صدمہ اور اتنے عظیم صدمے کے وقت جذبات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بیٹھ کے رویا جائے' مگر وہ وقت ایسا تھا کہ اگر دیگر حضرات کی طرح حضرت

---

[۱] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۸ [۲] نسائی۔ کتاب الجمعہ۔ باب: اکثار الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ۔ ج ا ص ۲۰۴

[۳] ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: فضل یوم الجمعۃ ص ۷۷' کتاب الجنائز۔ باب: ذکر وفاتہ ودفنہ ص ۱۱۹

[۴] سلوک اقرب السبل فی التوجہ الی سید الرسل۔ برحاشیہ اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۱

صدیق اکبر بھی رونے دھونے میں رہتے تو دین کا اللہ حافظ تھا۔ منافقین شر انگیزی کے لیے آمادہ بیٹھے تھے۔ دیہاتی اعراب کی طرف سے اطمینان نہ تھا' اگر لوگوں کی صحیح رہنمائی نہ کی جاتی تو کیا ہوتا' اس کے تصور سے روح کانپ جاتی ہے' اس وقت رونے' پاؤں توڑ کے بیٹھنے کا وقت نہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اب واپس نہ آئیں گے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کے لائے ہوئے دین و مذہب کو باقی رکھا جائے' اسے مضبوط و مستحکم کیا جائے۔ اور اس کی ترقی و اشاعت کی کوشش کی جائے' اسے حضرت صدیق اکبر نے محسوس کیا اور اپنے سینے پر پتھر کی سل رکھ کر بلا دریغ آگے بڑھے۔ اپنی ذمہ داری کا احساس فرمایا اور اسے کما حقہ ادا فرمایا۔ منبر رسول خالی تھا' انتظار کر رہا تھا کہ رسول کے بعد جسے اس پر خطبہ دینے کا حق ہے' آئے اور رسول کی نیابت کا حق ادا کرے اور جو حق دار ہے' وہ اس پر کھڑا ہو اور حسرت زدہ' شکستہ خاطر' الم رسیدہ اُمت کو صبر و تلقین بھی دے اور انہیں صحیح راہ پر چلائے۔ اس فرض کو صدیق اکبر نے جس خوبی سے ادا فرمایا' اس کا دنیا کو اعتراف ہے۔ سب سے بڑا عظیم قائد وہ ہے جو وقت پر صحیح رہنمائی کرے۔

یہ دونوں آیتیں کسی صحابی کو معلوم نہ تھیں' جو مضمون انہوں نے ارشاد فرمایا' وہ سارے صحابہ کا ایمان تھا مگر وقتی غم واندوہ نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ یہ حضرت صدیق اکبر کا ظرف تھا کہ سب سے زیادہ غمگین و ملول ہوتے ہوئے بھی ان پر کوئی حجاب نہ پڑا اور انہیں وہ سب نظر آ گیا جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ قرآن مجید حفظ رکھنا' یہ ایک کمال ہے مگر اس سے برمحل استشہاد اور استنباط وہ کمال ہے جہاں تک سب کی رسائی نہیں۔ صدیق اکبر کا یہ خطبہ وہ خطبہ ہے' جس کا مثل پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ اختصار کے ساتھ فصاحت' بلاغت' سلاست' حکمت' موعظت' زور بیان' قوتِ استدلال' تاثیر' وہ کون سی خوبی ہے جو اس خطبہ میں نہیں اور وہ بھی اپنے اوجِ کمال پر۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام کی آنکھوں سے پردے ہٹ گئے' اور انہیں راہ مل گئی۔ یہ حدیث اس کی بھی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وقعت سب سے زیادہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جب منبر پر کھڑے ہوئے تو سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ حضرت عمر کو چھوڑ دیا۔ نیز یہ حدیث اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھی فضل و کمال کی دلیل ہے کہ اس عالم میں بھی انہوں نے اتنے اہم واقعے کی جزئیات تک محفوظ رکھیں۔

٧٣٤- ح: وَفَاتُ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنَ

[عثمان بن مظعون کی وفات]

٧٣٤- حَدَّثَنِیْ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ الْاَنْصَارِيُّ اَنَّ اُمَّ الْعَلَاءِ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَائِهِمْ قَدْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ طَارَ لَهُمْ سَهْمُهُ فِي السُّكْنٰى حِيْنَ اَقْرَعَتِ الْاَنْصَارُ سُكْنَى الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَتْ اُمُّ الْعَلَاءِ فَسَكَنَ عِنْدَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ فَاشْتَكٰى فَمَرَّضْنَاهُ حَتّٰى اِذَا تُوُفِّيَ وَجَعَلْنَاهُ فِيْ ثِيَابِهِ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِيْ عَلَيْكَ لَقَدْ اَكْرَمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيْكِ اَنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَهُ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

خارجہ بن زید انصاری نے خبر دی کہ حضرت اُم العلاء رضی اللہ عنہا نے جو ایک انصاری عورت تھیں' جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی' خبر دی کہ جب انصار نے مہاجرین کی رہائش کے لیے قرعہ اندازی کی تو عثمان بن مظعون ان کے حصے میں آئے۔ حضرت اُم العلاء فرماتی ہیں کہ پس عثمان بن مظعون ہمارے نزدیک رہنے لگے' پھر بیمار پڑ گئے' ہم نے ان کی تیمارداری کی۔ جب ان کی وفات ہو گئی اور ہم نے ان کو ان کے کپڑے میں کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک تشریف لائے' تو میں نے کہا: اے ابوالسائب! تم پر اللہ کی رحمت ہو! آپ کے بارے میں میری گواہی یہ ہے کہ ضرور اللہ نے آپ کو عزت دی ہے تو مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اسے عزت دی ہے؟ میں نے عرض کیا:

وَسَلَّمَ اَمَّا عُثْمَانُ فَقَدْ جَآئَهُ وَاللّٰهِ الْيَقِيْنُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِهٖ قَالَتْ فَوَاللّٰهِ لَا اُزَكِّيْ اَحَدًا بَعْدَهٗ اَبَدًا وَّاَحْزَنَنِيْ ذٰلِكَ قَالَتْ فَنِمْتُ فَاُرِيْتُ لِعُثْمَانَ عَيْنًا تَجْرِيْ فَجِئْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ذٰلِكَ عَمَلُهٗ.

یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں نہیں جانتی' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! عثمان کو موت آ گئی اور میں اس کے لیے بھلائی کی اُمید کرتا ہوں' بخدا! میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اُم العلاء نے کہا: اللہ کی قسم! اب میں کسی کی صفائی نہیں بیان کروں گی' اس نے مجھ کو غمگین کر دیا۔ اُم العلاء نے کہا. پھر میں سوئی تو مجھے عثمان کے لیے ایک چشمہ دکھایا گیا جو بہتا ہے' اب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور خواب بیان کیا تو فرمایا: یہ اس کا عمل ہے۔

(بخاری۔ باب: الدخول علی المیت بعد الموت' کتاب الشہادات۔ باب: القرعة فی المشکلات ص ۳۶۹' کتاب الجنائز۔ باب: الدخول علی المیت بعد الموت ص ۱۶۷' باب: مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة ص ۵۵۹' ج ۲۔ کتاب الرؤیا۔ باب: العین الجاریة فی المنام ص ۱۰۳۹' مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۴۳۶' نسائی۔ کتاب الرؤیا)

چونکہ کتاب الجنائز کی بہ نسبت کتاب الشہادات کی روایت زیادہ مکمل تھی' اس لیے ہم نے اسی کو لیا ہے' یہ مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور کی بات ہے۔ مدینہ طیبہ میں منافقین بہ کثرت تھے جو بہ ظاہر مؤمن مخلص بنے ہوئے تھے' جن کا پتہ عام حضرات کو نہیں تھا' خصوصاً عورتوں کو۔ حضرت اُم العلاء نے عثمان بن مظعون کے اعمالِ صالحہ کو دیکھ کر وہ کہا تھا' اگر اس کو روکا نہ جاتا تو رواج پڑنے کا اندیشہ تھا' جو بھی مرتا' خواہ وہ حقیقت میں منافق ہی کیوں نہ ہوتا' جس سے لوگ واقف نہ ہوتے صرف اس کے ظاہری حالات کی بناء پر اس قسم کی گواہی دینے لگتے۔ اس کی روک تھام کے لیے حضور اقدس ﷺ نے وہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ عوام کو یہ مناسب نہیں کہ ہر مرنے والے کے بارے میں اس کے قطعی طور پر جنتی ہونے کی شہادت دیں۔ ہاں! وہ کہیں جو میں کہتا ہوں کہ اس کے لیے خیر کی اُمید ہے۔ اور یہ بات صرف عوام کے لیے ہے۔ رہ گئے حضور اقدس ﷺ' وہ جس کے بارے میں جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔ انہیں سب کا ظاہری و باطنی حال معلوم ہے اور اس کا انجام بھی' جیسا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بخاری[1] ہی میں ہے۔ یہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ ان کی والدہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی ورنہ میں کیا کروں گی' حضور ملاحظہ فرمائیں گے۔ ارشاد فرمایا: تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔ اس کے بعد حدیث آ رہی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کے لیے فرمایا جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے کہ جب تک میں نے ان کو اُٹھایا نہیں تھا' فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے رہے' بلکہ تمام شرکاءِ بدر کے لیے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے ان کی جانب خصوصی توجہ فرما کے ارشاد فرما دیا ہے: تمہارا جو جی چاہے کرو میں نے تمہارے لیے جنت واجب کر دی ہے' یا یہ فرمایا کہ میں نے تم کو بخش دیا۔[2] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت اُم العلاء نے یہ جسارت حضور اقدس ﷺ کے حضور کی تھی' یہ مناسب نہ تھا' اس لیے تنبیہ فرمائی۔

---

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۳۹۴۔ کتاب الجہاد۔ باب: من اتاہ سہم غرب' کتاب المغازی۔ ج ۲ ص ۵۶۸۔ باب: فضل من شہد بدراً

[2] بخاری۔ ج ۲ ص ۵۶۷۔ کتاب المغازی۔ باب: فضل من شہد بدراً

''ما یفعل به'' کی توجیہ

شہادات کی روایت میں ''ما یفعل به'' ہے، الرؤیا کی روایت میں ''ما یفعل بی ولا بکم'' اور جنائز کی روایت میں ''ما یفعل بی'' ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ میں اللہ کا رسول ہوں، یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ عام شراح نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھی اور صحابہ کرام کا بھی انجام سورۂ فتح میں بتا دیا گیا، جیسا کہ ترمذی میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیبیہ سے لوٹتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح:۱) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے ان سب سے زیادہ محبوب ہے، پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو! اللہ عزوجل نے آپ کو بتا دیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ...... فَوْزًا عَظِيْمًا'' (الفتح:۵) تک اللہ عزوجل نے آپ کو اس لیے فتح مبین عطا فرمائی کہ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اس توجیہ پر حضرت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ تیسیر القاری[1] میں فرماتے ہیں: پوشیدہ نہ رہے کہ یہ توجیہ مسلمانوں کا عقیدت مند دل قبول نہیں کرے گا کہ سورۂ فتح کے نازل ہونے تک ان اکرام روز افزوں اور ترقیات بے نہایت کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عاقبت کے بالخیر ہونے میں متردد تھے۔

اقول وبالله التوفیق: مولیٰ عزوجل حضرت شیخ نور الحق قدس سرہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جزاء خیر دے۔ اس توجیہ کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں ابتداء اسلام ہی میں سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ:۴-۵)	بلاشبہ آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے ۝ اور بہت جلد آپ کو آپ کا پروردگار اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے ۝

مکہ معظمہ ہی میں سورۂ بنی اسرائیل نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا: ''عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝'' (بنی اسرائیل:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا ۝ مکہ معظمہ ہی میں سورۂ کوثر نازل ہوئی، جس میں فرمایا: ''اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝'' (الکوثر:۱) ہم نے آپ کو کوثر عطا فرما دیا ۝ اب اس کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہجرت کے بعد دو سال تک حضور کو اپنے انجام کے بالخیر ہونے میں تردد تھا، صحیح توجیہ یہ ہے۔

صحیح توجیہ

''ما یفعل بی'' کی روایت صحیح نہیں۔ داؤدی نے کہا کہ یہ وہم ہے، صحیح ''ما یفعل به'' ہے۔ خود امام بخاری نے اس کے بعد دوسری تعلیق ذکر فرمائی: ''وقال نافع بن زید عن عقیل ما یفعل به'' اس سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیث سے محفوظ یہی ہے اور یہی درست ہے۔ ''ما یفعل بی'' درست نہیں، جیسا کہ علامہ عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد خطیب قسطلانی نے تصریح فرمائی ہے۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر[2] میں لکھتے ہیں: ہر نبی کو اس کا یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ نبی ہے اور نبی ہونے کی وجہ سے گناہوں سے معصوم ہے، پھر اس کی کیا گنجائش کہ وہ اپنی عاقبت کے بارے میں متردد ہو۔ نیز اللہ عزوجل نے اولیاء امت کے بارے میں فرمایا:

---

[1] تیسیر القاری۔ ج ا ص ۳۱۶ [2] تفسیر الکبیر۔ تفسیر سورۂ احقاف۔ ج ۲۸ ص ۸

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا. (الاحقاف:١٢-١٣)

جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے' پھر ثابت قدم رہے' نہ اُن پر خوف ہے نہ ان کو غم ہے○ وہ جنت والے ہیں' ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

انبیاء کرام' اولیاء اُمت سے بہ درجہا افضل ہیں' پھر حضور اقدس ﷺ جو رئیس الاتقیاء قدوۃ الانبیاء والاولیاء ہیں' اپنی عاقبت کے بارے میں مطمئن نہ ہوں' یہ کسی عقل مند کو باور ہوسکتا ہے۔ نیز ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ. (الانعام:١٢٤)

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔

اس سے بارگاہِ الوہیت میں انتہائی قرب اور اعلیٰ کمالات پر فائز ہونا مراد ہے' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نبی اپنے بارے میں یہ بھی نہ جانے کہ وہ مغفور ہے یا معذب' اس لیے یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ کو اپنا انجام نہ معلوم تھا' سخت جرأت اور بے باکی ہے۔

توضیح مزید

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب ''ما یفعل به'' کی روایت صحیح ہے تو اتنا لازم آتا ہے کہ اس وقت حضور اقدس ﷺ' حضرت عثمان بن مظعون کے انجام سے واقف نہ تھے۔

اقول بالله التوفیق: اس کو صحیح ماننے کی صورت میں قرآن مجید کی نص صریح سے تعارض لازم آتا ہے' نیز خود اسی حدیث میں بھی۔ ابھی سورۂ احقاف کی آیت گزری کہ فرمایا: جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے' نہ انہیں کوئی خوف ہے نہ غم۔ یہ لوگ جنت والے ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی مضمون سورۂ حٰم السجدہ کی تیسویں آیت میں بھی ہے۔ سورۂ احقاف اور حٰم السجدہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ ان سے ثابت ہوگیا کہ مکہ معظمہ ہی میں ہر مؤمن مخلص کے لیے بتایا جاچکا تھا کہ وہ یقیناً جنتی ہے اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا ایمان و اخلاص اور استقامت ہر شبہہ سے بالاتر ہے' یہ ان سابقین اولین میں سے ہیں جو تیرہ حضرات کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حبشہ کی بھی ہجرت کی اور مدینہ طیبہ کی بھی' اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں' ایک بار لبید مشہور شاعر نے حرم میں یہ شعر پڑھا:

الا کل شی ما خلا اللّٰه باطل.

سنو! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

حضرت عثمان نے خوش ہوکر داد دی' مگر جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا: ''کل نعیم لا محالة زائل'' ہر نعمت یقیناً زائل ہے' تو ضبط نہ ہوسکا' فرمایا: تم جھوٹے ہو! جنت کی نعمت کبھی زائل نہ ہوگی۔ پورے مجمع میں آگ لگ گئی' لوگوں نے لبید سے اس شعر کو دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی' لبید نے دوبارہ پڑھا تو پھر حضرت عثمان نے پہلے مصرعہ کی تصدیق کی اور دوسرے کی تکذیب۔ اب ولید بن مغیرہ کے اشتعال دلانے پر ایک شخص نے اس زور سے انہیں تھپڑ مارا کہ آپ کی ایک آنکھ زرد پڑ گئی۔ کچھ لوگوں نے اس پر ملامت کی تو فرمایا: میری دوسری آنکھ بھی اس کی متمنی ہے[1] ان سب پر مستزاد یہ کہ یہ اصحاب بدر سے ہیں۔ اور تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے اصحاب بدر سے فرمادیا ہے: تم جو چاہو کرو' جنت تمہارے لیے واجب ہے' پھر یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ اس وقت حضرت عثمان کے انجام سے واقف نہ تھے' کیسے صحیح ہوسکتا ہے' پھر اسی حدیث میں ہے' فرمایا: ''وانی لارجو له الخیر'' میں بلاشبہہ یقینی طور پر اس کے لیے خیر کی اُمید رکھتا ہوں' اور یہ طے ہے کہ اللہ اور رسول کے ارشادات میں ''ترجی'' بھی تحقیق کے لیے ہے' تو اب یہ ''ترجی'' بھی تحقیق ہوئی تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا: یقیناً بلاشبہہ ضرور ان کے لیے خیر ہے' اب اگر کوئی کہے کہ حضور اقدس ﷺ ان کا انجام نہیں جانتے تھے تو

[1] اسد الغابہ۔ ج ٣ ص ٦-٣٨٥

خود اس حدیث ہی میں تعارض ہوا۔ اب صلائے عام ہے' آئیں اور ان دونوں تعارضات کو وہ بدعقیدہ لوگ دور کریں جو کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ اپنا انجام جانتے تھے نہ کسی اور کا۔

اقول بالله التوفيق: درایت کے ایک معنی یہ آتے ہیں: قرائن وعلامات وغیرہ دیکھ کر کوئی حکم لگانا۔ قاموس میں ہے: ''دریته علمته ای بضرب من الحیلة'' کسی حیلے سے میں نے اس کو جانا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت اُم العلاء رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان کی ظاہری حالت دیکھ کر وہ کہا تھا تو حضور اقدس ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا اور مزید تاکید کے لیے فرمادیا کہ ان کے ظاہر حالات سے اندازہ کر کے میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ ہاں! بحیثیت رسول اپنی غیب دان قوت سے مجھے معلوم ہے کہ ان کا انجام بلاشبہہ یقیناً بخیر ہے۔ اس میں حکمت وہ تھی جو شروع تشریحات میں ہم بتا آئے کہ مدینہ طیبہ میں منافقین بھی تھے جو کلمۂ شہادت بھی پڑھتے' نمازیں بھی پڑھتے' روزے رکھتے' جہاد میں شریک ہوتے۔ اگر ظاہر حالت دیکھ کر ہر کس وناکس کو اس کی اجازت دے دی جاتی کہ وہ یہ فیصلہ دے دے کہ یہ جنتی اور مرحوم ومغفور بخشا بخشایا ہوا ہے تو منافقین کے بارے میں بھی لوگ ایسا ہی کہنے لگتے۔ اس کی پیش بندی کے لیے اس سے منع کردیا گیا کہ عوام کو یہ جائز نہیں کہ کسی کے ظاہر حال کی بناء پر اس کے جنتی ہونے کا حکم لگائیں۔ یہ بات ایسی ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے بغیر نہیں جانی جاسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

تقویۃ الایمان کی ایک عبارت کا رد

تقویۃ الایمان[1] میں اسماعیل دہلوی صاحب نے اسی حدیث کے تحت لکھا: جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں' خواہ قبر میں' خواہ آخرت میں' اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں' نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا نہ دوسرے کا۔

مسلمان ظلم ملاحظہ کریں! حضور اقدس ﷺ کے فضل وکمال کو گھٹانے اور تحقیر کی نیت سے اس حصے کو بھی دلیل بنایا' جسے علماء نے لکھا ہے کہ یہ محفوظ نہیں' درست نہیں' یہ وہم ہے' پھر سارے علماء متفق ہیں کہ یہ ارشاد ابتداء کا ہے۔ بعد میں حضور اقدس ﷺ کو اپنے بھی انجام بخیر ہونے اور صحابہ کرام کے انجام کے بخیر ہونے کا بتادیا گیا' مگر سب کے علی الرغم یہ وہی گا رہا ہے۔ اگر تقویۃ الایمان کی یہ بات صحیح مان لی جائے تو ان تمام احادیث وآیات کا انکار لازم آئے گا جن میں فرمایا گیا کہ اللہ نے آپ کو فتح مبین عطاء فرمائی۔ آپ کے غلاموں کو جنت میں داخل فرمائے گا' انہیں زمین میں خلافت عطاء فرمائے گا' زمین کا وارث بنائے گا۔ اور فرمایا: میری اُمت ایران' شام' فلسطین فتح کرے گی' مجھے زمین کے تمام مشارق ومغارب دکھائے گئے' میری اُمت کا ملک وہاں تک پہنچے گا جہاں تک مجھے دکھایا گیا ہے' میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا' سب سے پہلے میں جنت میں جاؤں گا اور میرے ساتھ ستر ہزار میرے اُمتی ہوں گے۔ تقویۃ الایمان کے مصنف کو احادیث کے دفتر میں صرف یہی حدیث نظر آئی اور یہ کثیر در کثیر آیات واحادیث نظر نہ آئیں۔ بات یہی ہے کہ تقویۃ الایمان' محبوبانِ بارگاہ کی عظمت ومنزلت گھٹانے کی نیت سے لکھی گئی ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب کو یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ اپنے امام کی پوری بات لکھ سکیں' بہ مجبوری یہ لکھنا پڑا کہ حضور اقدس ﷺ یہ تو جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا' مگر اجمالی طور پر جانتے تھے' تفصیل معلوم نہ تھی' اس لیے حضور کو سکون نصیب نہ ہوا' ہمیشہ مضطرب' غمگین' آخرت کے معاملے میں متفکر وغم زدہ رہتے تھے۔ (فیض الباری۔ ج ۲ ص ۴۴۵)

انا للہ وانا الیہ راجعون! یہ بات اس شخص کی ہے جسے ان کے نیاز مند چودھویں صدی کا سب سے بڑا محدث مفسر مانتے ہیں۔

---

[1] تقویۃ الایمان۔ ص ۲۲

اسے شارحین حدیث کے ارشادات نظر نہ آئے تو کم شکایت کی بات ہے۔ اسے سورۂ کوثر' سورہ والضحیٰ' سورۂ فتح بھی نظر نہ آئی' احادیث کے وہ ارشادات نہیں دکھائی دیئے کہ فرمایا: ''انا سید ولد آدم یوم القیمة ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم ومن سواہ الاتحت لوائی. انا اوّل شافع واوّل مشفع یوم القیمة ولا فخر وانا اوّل من یحرك حلق الجنة فیفتح اللّٰہ لی فیدخلنیها ومعی فقراء المؤمنین ولا فخر وانا اکرم الاوّلین والاخرین علی اللّٰہ ولا فخر ''[1]
اورفرمایا: ''انا اوّل الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطیبهم اذا انصتوا. وانا مستشفعهم اذا حبسوا وانا مبشرهم اذا أیسوا والکرامة والمفاتیح یومئذ بیده ولواء الحمد یومئذ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی یطوف علی الف خادم کانهم بیض مکنون او لؤلؤ منثور ''(ایضاً) میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ فخر نہیں اور لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہو گا اور یہ فخر نہیں' آدم اور تمام انبیاء میرے لواء کے نیچے ہوں گے اور یہ فخر نہیں' میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا' پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت قبول ہو گی اور یہ فخر نہیں' میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کی زنجیر ہلاؤں گا تو میرے لیے جنت کھولی جائے گی تو میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمن ہوں گے اور یہ فخر نہیں' اور میں اللہ کے حضور سب اوّلین آخرین سے زیادہ معزز ہوں اور یہ فخر نہیں' جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اُٹھوں گا اور جب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا' اور جب سب چپ ہوں گے تو میں ان کا ترجمان ہوں گا اور جب سب روکے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا' اور جب سب مایوس ہوں گے تو میں انہیں بشارت دوں گا' عزت اور سب کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اپنے رب کے حضور تمام اولادِ آدم سے زیادہ معزز ہوں۔ میرے اردگرد ہزار خادم ہوں گے گویا وہ چھپائے ہوئے انڈے ہیں یا بکھرے ہوئے موتی۔ جس کو ذرا بھی عقل ہو گی' ایمان ہو گا' وہ کبھی یہ کہہ سکتا ہے کہ جس ذاتِ گرامی صفات کے یہ ارشادات ہیں وہ اپنے انجام کے بارے میں متفکر' غم زدہ اور بے قرار ہو گا' مگر وہابیت کے زہر سے اللہ بچائے۔

ایمان کی بات تو وہ ہے جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمائی ہے:

دراں روز ظاہر گردد کہ وے صلی اللّٰہ علیہ وسلم نائب مالک یوم الدین است روز روز اوست و حکم حکم اوست بہ حکم رب العالمین۔

اس دن ظاہر ہو جائے گا کہ حضور ﷺ مالک یوم الدین کے نائب ہیں' دن ان کا دن ہے اور حکم ان کا حکم ہے رب العالمین کے حکم سے۔

(مدارج النبوۃ منقول از الامن والعلی ص ٦١)

۷۳۵- ح: لَمَّا قُتِلَ اَبِیْ جَعَلْتُ اَکْشِفُ الثَّوْبَ عَنْ وَّجْهِهٖ

[جب (غزوۂ احد میں) میرے والد شہید کر دیئے گئے تو میں نے آپ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا]

۷۳۵- سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا قُتِلَ اَبِیْ جَعَلْتُ اَکْشِفُ الثَّوْبَ عَنْ وَّجْهِهٖ اَبْکِیْ وَیَنْهَوْنِیْ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَنْهَانِیْ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب (غزوۂ احد میں) میرے والد شہید کر دیئے گئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر روتا تھا اور لوگ مجھے منع کرتے تھے اور نبی ﷺ منع نہیں

[1] مشکوٰۃ۔ باب: فضائل سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۳ بحوالہ ترمذی' داری

فَجَعَلَتْ عَمَّتِيْ فَاطِمَةُ تَبْكِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْكِيْنَ اَوْ لَا تَبْكِيْنَ مَا زَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُظِلُّهُ بِاَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رَفَعْتُمُوْهُ.

فرماتے تھے' پھر میری پھوپھی فاطمہ رونے لگیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: روؤیا مت روؤ' فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کیے رہے یہاں تک کہ تم نے انہیں اُٹھالیا۔

(بخاری۔باب:الدخول علی المیت بعد الموت ص۱۶۶۔باب۔ص ۱۷۲' کتاب الجہاد۔باب:فضل قول اللّٰہ و لا تحسبن الذین قتلوا الایۃ ص۳۹۵' ج۲۔کتاب المغازی۔باب:من قتل من المسلمین یوم احدٍ ص۵۴۸' مسلم۔کتاب الفضائل' نسائی۔کتاب الجنائز۔کتاب المناقب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے' مشرکین نے ان کی ناک اور کان کاٹ کر صورت بگاڑ دی تھی۔ یہ غزوہ ۳ھ شوال میں ہوا تھا۔تاریخ کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔۱۱'۱۷'۱۸'۱۹' امام مالک نے فرمایا کہ نصف شوال میں۔ انہیں کا ایک قول ہے کہ ہجرت کے اکتیسویں مہینے کی ابتداء میں' اس کا حاصل بھی ۳ھ کے شوال کا قریب قریب نصف ہے' البتہ اتنا طے ہے کہ بدھ کے دن قریش نے اُحد کے مقابل عینین کے دامن میں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ جمعہ کو حضور اقدس ﷺ وہاں پہنچے تھے' ہفتہ کو معرکہ ہوا تھا۔

کتاب الجہاد کی روایت میں ہے کہ میرے والد کو نبی ﷺ کی خدمت میں حضور کے سامنے لایا گیا' ان کی صورت بگاڑ دی گئی تھی۔ میں ان کے چہرے سے کپڑا ہٹانے لگا تو میری قوم نے مجھے منع کیا کہ میں نے ایک عورت کی چیخ سنی' تو کہا گیا کہ عمرو کی بیٹی یا عمرو کی بہن ہے۔ عمرو حضرت جابر کے دادا کا نام تھا۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضرت جابر کی پھوپھی تھیں' یا ان کے والد کی۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر کی پھوپھی ان کے والد کی حقیقی بہن تھیں۔ روؤیا مت روؤ' یہ شک راوی نہیں' حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ رونے یا نہ رونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ انہیں یہ اعزاز بہرحال ملا ہے کہ فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کیے ہوئے رہے۔

۷۳۶- ح: نَعَى النَّجَاشِيِّ [نجاشی کی موت کی خبر]

۷۳۶- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ خَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے مرنے کی اسی دن خبر دی جس دن وہ فوت ہوئے آپ عید گاہ تشریف لے گئے اور صحابہ کی صف بنائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(بخاری۔باب:الرجل ینعی الی اھل المیت بنفسہ ص۱۶۷' باب:الصفوف علی الجنازۃ ص۱۷۶' باب:الصلوٰۃ علی الجنازۃ بالمصلی والمسجد ص۱۷۷' باب:التکبیر علی الجنازۃ اربعا ص۱۷۸' کتاب المناقب۔باب:موت النجاشی ص۵۴۸' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔کتاب الجنائز' ابن ماجہ)

"باب الصفوف علی الجنازۃ" میں ہے کہ حضور آگے بڑھے اور لوگوں نے حضور کے پیچھے صف بنائی۔ اور کتاب المناقب میں ہے کہ نجاشی صاحب حبشہ مرگیا' اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو' ان کا نام اصحمہ تھا[1] مصنف ابن ابی شیبہ میں ان کا نام صحمہ مذکور ہے نجاشی نون کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔ حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ طبقات ابن سعد[2] میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد محرم ۶ھ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے بدست دعوت اسلام کا والا نامہ بھیجا تھا۔ والا نامہ جب

۱۔ بخاری۔کتاب الجنائز۔باب:الصفوف علی الجنازۃ ص۱۷۶ ۲۔ عمدۃ القاری۔ج۹ص۱۹۸

پہنچا تو اس نے اسے لیا' آنکھوں سے لگایا اور اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھا۔ اور جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور غزوۂ تبوک سے واپسی پر ۹ ھ کے رجب میں وفات پائی۔ مسلم[1] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت بہ طریق یوسف بن حماد المعنی ہے' اس میں یہ ہے کہ جس نجاشی کو مفاوضہ عالیہ ارسال فرمایا تھا' یہ وہ نہیں جس پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ شاید یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔

اقول: ہوسکتا ہے مفاوضہ عالیہ جنہیں امضاء فرمایا تھا' ان کا وصال ہو گیا ہو۔ اور جو ان کے جانشین ہوئے' ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

الی المصلی

ابن ماجہ میں بہ طریق عبد الاعلیٰ عن معمر یہ ہے کہ بقیع میں نماز پڑھی۔ علامہ ابن حجر نے یہ توجیہ کی کہ ابن ماجہ میں بقیع سے' بقیع بطحان مراد ہے' جہاں عیدگاہ تھی' بقیع غرقد نہیں' اس لیے کہ بقیع کے معنی میدان کے ہیں' یا یہ ہوسکتا ہے کہ بقیع میں کوئی جگہ نمازِ جنازہ کے لیے متعین ہو' وہ مراد ہو۔ اب مصلی اپنے لغوی معنی پر ہوگا۔ عیدگاہ کے معنی میں نہیں۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی کے مرنے کا اعلان کرنا مستحسن ہے' جبکہ مقصود یہ ہو کہ لوگ زیادہ سے زیادہ جنازے اور دفن میں شریک ہوں' میت کے لیے دعائے خیر اور استغفار کریں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ مسجد میں نمازِ جنازہ ممنوع ہے' خواہ جنازہ مسجد میں ہو' خواہ نہ ہو' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کی خبر مسجد میں دی' مگر وہاں نماز نہ پڑھی' عیدگاہ میں جا کر پڑھی۔ نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسجد میں میت پر نماز پڑھی' اس کے لیے کچھ نہیں۔

ابوداؤد[2] میں ''فلا شیء له'' ہے۔ ابن ماجہ[3] میں ''فلیس له شیء'' ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ[4] میں ہے: ''فلا صلوٰة له'' اس حدیث پر جو جرحیں کی گئی ہیں' ان کے تحقیقی جوابات علامہ عینی نے دیئے ہیں۔ نمازِ جنازہ صف بنا کر پڑھی جائے۔ ترمذی[5] میں مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر تین صفوں نے نماز پڑھی' اس کے لیے واجب ہے یعنی جنت یا مغفرت۔ نسائی[6] میں ابو الملیح نے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر ایک اُمت نماز پڑھے گی' اس میت کی شفاعت کرا دے گی۔ لوگوں نے ابو الملیح سے پوچھا: اُمت کتنی ہوتی ہے؟ تو بتایا کہ چالیس آدمی۔ اسی میں ام المومنین حضرت صدیقہ سے مروی ہے کہ اُمت سے مراد سو آدمی ہیں۔

غائبانہ نمازِ جنازہ

امام شافعی' امام احمد بن حنبل نے اس سے اور اس کے بعد آنے والی حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ صحیح ہے' مگر امام نووی نے فرمایا کہ اگر میت اسی شہر میں ہو تو جائز نہیں۔ امام رافعی نے فرمایا کہ یہ ضروری ہے کہ میت اور نمازیوں کے درمیان

---

1. مسلم۔ ج ۲ ص ۹۹۔ کتاب الجہاد۔ باب: کتب النبی صلی الله علیه وسلم الی ملوك الكفار
2. ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۹۸۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوٰة على الجنازة فی المسجد
3. ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوٰة على الجنازة فی المسجد ص ۱۱۰ — 4. عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۲۰
5. ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۲۲۔ کتاب الجنائز۔ باب: کیف الصلوٰة على الميت والشفاعة له
6. نسائی۔ ج ۱ ص ۲۸۲۔ کتاب الجنائز۔ باب: فضل من صلی علیه

دوسو سے تین سو ہاتھ کا فاصلہ نہ ہو۔

ہمارے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں۔ نمازِ جنازہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ میت کا کل یا اکثر جسم سر کے ساتھ نمازی کے سامنے موجود ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو اپنی کمال رحمت و شفقت و عنایت کی بناء پر مسلمانوں کے نمازِ جنازہ میں شرکت کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اگر رات میں یا دوپہر میں کوئی مرتا' اس خیال سے کہ رات کی تاریکی اور دھوپ کی وجہ سے تکلیف ہو گی' آرام میں خلل ہو گا' صحابہ کرام اطلاع نہ دیتے اور دفن کر دیتے تو حضور فرماتے: ایسا نہ کرو اپنے جنازے کے لیے بلا لیا کرو۔[1] میری نماز مردے کے لیے رحمت ہے۔[2] یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں' میں اپنی نماز سے انہیں روشن فرما دیتا ہوں۔[3] اس کے باوجود زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دوسری جگہوں میں وفات پائی' شہید ہوئے' مگر کسی حدیث میں وارد نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ کیا وہ حضور اقدس ﷺ کی رحمت کے محتاج نہ تھے' کیا ان پر رحمت عالم کی شفقت نہ تھی۔ کیا ان کی قبور اپنی نماز سے پرنور فرمانا نہ چاہتے تھے' کیا جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوتے' انہیں کی قبریں اس مبارک روشنی کی محتاج تھیں اور وہی لوگ قابل شفقت تھے اور جگہ فوت ہونے والے نہیں۔ مقتضی ہوتے ہوئے کوئی فعل نہ کرنا' اس کی دلیل ہے کہ وہ مشروع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے علاوہ دوسری جگہوں کے مسلمانوں نے خود حضور اقدس ﷺ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی۔ وصال کے وقت پورا عرب مسلمان تھا' مگر کسی نے حضور کی نمازِ غائبانہ نہ پڑھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کی بھی' کون اُمتی ہو گا کہ وہ اس کی تمنا نہ رکھتا ہو گا کہ خاتم الانبیاء رحمت ہر دوسرا کی نمازِ جنازہ پڑھ کر سعادت حاصل کرے' اگر نمازِ جنازہ غائبانہ مشروع ہوتی تو کیا صحابہ کرام باز رہتے۔ خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں ہزار ہا ہزار صحابہ' تابعین جہادوں میں شہید ہوئے' کیا کہیں مروی ہے کہ خلفائے راشدین نے کبھی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھی' اگر مشروع ہوتی تو کیوں نہیں پڑھتے۔

مخالفین کے استدلال کا جواب

صرف تین واقعے ایسے ہیں جن سے غائبانہ نمازِ جنازہ کے مشروع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے' ایک یہی حضرت اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کا' دوسرے حضرت معاویہ بن معاویہ لیثی کا' تیسرے غزوۂ موتہ کے امراء کا۔ یہ تینوں بہ ظاہر غائبانہ نمازیں تھیں مگر حقیقت میں تینوں کے واقعے میں جنازے روئے انور کے سامنے تھے۔

حضرت نجاشی کے جنازے کے بارے میں صحیح ابن حبان میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے:

فصلینا خلفه ونحن لا نرى الا ان الجنازة قدامنا. (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۲۲) ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم دیکھتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے ہے۔

پھر یہ کہ حضرت نجاشی کے نمازِ جنازہ پڑھنے میں مصالح تھے' وہ حبشہ میں فوت ہوئے' وہاں اُن کی نمازِ جنازہ نہ ہوئی۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنے اس دور افتادہ غلام پر نمازِ جنازہ پڑھی' نیز کچھ لوگوں کو ان کے مسلمان ہونے میں شک تھا۔ اعلانِ عام کے ساتھ عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھ کر یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ مومن مخلص تھے۔

بھوپالی صاحب پر تعقب

شوہر ریاست بھوپال ہز ہولی نس نے عون الباری میں اس حدیث کے تحت لکھا: اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جنازہ ہے'

۱۔ بخاری۔ ج۱ ص۱۶۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: الاذن بالجنائز' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: فی الصلوٰۃ علی القبر۔ ص۱۱۱

۲۔ ابن ماجہ۔ ایضاً ۳۔ فتاوی رضویہ۔ ج۴ ص۶۹۔ بحوالہ ابن حبان

اگر چہ جنازہ غیر جہت قبلہ میں ہو اور نمازی قبلہ رو ہو۔ اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ تعقب فرمایا۔ یہ اس مدعی اجتہاد کی کورانہ تقلید ہے' نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے' تو جنازہ غیر جہت قبلہ میں کب تھا۔ ان مجتہد صاحب کا جہل قابل تماشا ہے' جن کو سمت قبلہ تک معلوم نہیں' پھر نبی ﷺ کا ان کے جنازہ پر نماز ان کی غیر سمت پڑھنے کا ادعا' دوسرا جہل۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور نے جانب حبشہ نماز پڑھی۔

(رواہ الطبرانی۔ عن حذیفة بن اسید رضی اللہ عنہ)

دوسرا واقعہ

حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے' تبوک میں حضور اقدس ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کا ایک راوی نوح بن عمرو سکسکی ہے۔ ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا۔ ایک سخت ضعیف شخص اسے حضرت انس سے روایت کرتا تھا۔ اس نے اسے بقیہ بن ولید کے سر باندھا۔ یہ حدیث طبقات ابن سعد میں حضرت انس سے دو اور طریقوں سے مروی ہے۔ ایک میں محبوب بن ہلال مزنی اور دوسرے میں علاء بن یزید ثقفی ہے۔ یہ دونوں ضعیف نا قابل احتجاج ہیں' علاء کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ابن حبان نے کہا: یہ حدیث اسی کی گھڑی ہوئی ہے' اس سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی۔ علامہ عبدالبر نے فرمایا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں۔ دربارۂ احکام اصلاً حجت نہیں۔ صحابہ میں کوئی صاحب معاویہ بن معاویہ نام کے معلوم نہیں[1] ابن حبان نے بھی کہا کہ اس نام کے صحابہ میں کوئی صاحب مجھے یاد نہیں۔

ثانیاً فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے بعض طرق سے ضعیف نہ رہے' جیسا کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اختیار فرمایا' یہ بہ فرض غلط' صحیح لذاتہ سہی' پھر بھی نہ ہمیں مضر نہ مخالف کو مفید۔ خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور اقدس ﷺ کی نظر انور کے سامنے کر دیا گیا' تو یہ نماز حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر۔ طبرانی کی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جبریل نے عرض کیا: کیا حضور یہ پسند کرتے ہیں کہ میں حضور کے لیے زمین لپیٹ دوں۔ اخیر کے الفاظ یہ ہیں: فرمایا: ضرور! تو انہوں نے اپنے پر زمین پر مارے۔

فرفع له سريره فصلى عليه. وخلفه صفان من الملائكة كل صف سبعون الفا.

اب تو معاویہ کی چارپائی حضور کے سامنے ہوگئی' اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی اور پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں' ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔

ابواحمد حاکم کے یہاں یہ الفاظ ہیں: جبریل امین نے اپنا دایاں بازو پہاڑوں پر رکھا' وہ پست ہو گئے۔ اور بایاں بازو زمین پر رکھا' وہ برابر ہوگئی' یہاں تک کہ مدینہ ہمیں نظر آنے لگا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور جبریل اور فرشتوں نے ان پر نماز پڑھی۔

حضرت انس کی حدیث کے الفاظ بہ طریق محبوب یہ ہیں' جبریل امین نے عرض کیا: کیا حضور ان پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! پس جبریل نے زمین پر اپنا پر مارا' کوئی درخت کوئی ٹیلہ نہ رہا' جو پست نہ ہوا ہو۔ اور ان کا جنازہ حضور کے سامنے لایا گیا' یہاں تک کہ نظر انور کے سامنے ہوگیا۔ اس وقت حضور نے اس پر نماز پڑھی۔ یہ طریق علا کے الفاظ یہ ہیں: جبریل نے عرض کیا کہ حضور ان پر نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین سمیٹ دوں؟ فرمایا: ضرور! جبریل نے ایسا کیا' تب حضور نے ان پر نماز پڑھی[2] دونوں احادیث کا سیاق بتا رہا ہے کہ اگر غائبانہ نماز جنازہ درست ہوتی تو پھر زمین لپیٹ کر جنازہ سامنے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

---

[1] اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۳۷

[2] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴۔ رسالہ الهادی الحاجب

تیسرا واقعہ

امام واقدی نے مغازی میں، عاصم بن عمر اور عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی، جب مقامِ موتہ میں لڑائی شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ عز وجل نے حضور کے لیے پردے اُٹھا دیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں حضور نے فرمایا: زید بن حارثہ نے علم اُٹھایا، وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ شہید ہوا۔ حضور نے اپنی صلاۃ اور دعا سے نوازا۔ اور صحابہ سے فرمایا: اس کے لیے استغفار کرو، وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: پھر جعفر بن ابی طالب نے علم لیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا۔ انہیں بھی اپنی صلاۃ اور دعا سے نوازا۔ اور ارشاد فرمایا: اس کے لیے استغفار کرو۔ وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا اور اس میں اپنے پروں سے جہاں چاہتا ہے، اُڑتا پھرتا ہے۔ اس پر گزارش ہے، اولاً: یہ دونوں طریقوں سے مرسل ہے۔ عاصم بن عمر، حضرت قتادہ بن نعمان صحابی رضی اللہ عنہ کے پوتے اوساط تابعین میں سے ہیں، اور عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم صحابیب صغار تابعین سے ہیں۔ حدیث مرسل شوافع اور غیر مقلدین کے یہاں نا قابل احتجاج۔ ثانیاً: امام واقدی کو شوافع اور غیر مقلدین سخت مجروح اور نا قابل اعتبار مانتے ہیں، پھر ان کی روایت ان کے نزدیک قابل احتجاج کیسے ہوئی؟ تعجب ہے، یہاں اپنے اصول کو خیر باد کہہ دیا۔ ثالثاً: عبداللہ بن ابی بکر کے تلمیذ، امام واقدی کے شیخ عبدالجبار بن عمارہ، مجہول ہیں، تو یہ مرسل نا معتضد ہوئی۔ رابعاً: الفاظ حدیث یہ ہیں: ”فصلي عليه ودعا له“ اس کی کیا دلیل کہ یہاں صلوٰۃ بہ معنی نمازِ جنازہ متعین۔ اس کا احتمال بھی ہے کہ صلاۃ بہ معنی مطلق دعا ہے اور یہ عطف تفسیری ہے، تعمیم بعد تخصیص نہیں، بلکہ حدیث کا سیاق اسی کی تائید کر رہا ہے کہ کیوں کہ مذکور ہوا، حضور اقدس ﷺ دونوں حضرات کی شہادت کے وقت منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہیں مذکور نہیں کہ منبر سے اتر کر نماز پڑھی، پھر منبر پر تشریف لے گئے، پھر صحابہ کرام سے نماز پڑھنے کو نہیں فرمایا اور نہ کہیں مذکور کہ صحابہ نے نماز پڑھی۔ اگر یہ نمازِ جنازہ تھی تو صحابہ نے کیوں نہیں پڑھی، بلکہ نمازِ غائبانہ جائز ماننے والوں کے طور پر یہاں صلاۃ بہ معنی دعا متعین کیونکہ وہ شہداء پر نمازِ غائبانہ نہیں مانتے، جیسے شہداءِ اُحد پر وارد صلاۃ کو بہ معنی دعا۔ امام نووی، علامہ قسطلانی، علامہ سیوطی قدس اللہ اسرارہم مانتے ہیں، حالانکہ ”فصلى على احد صلاته على الميت“[1] میں مذکور ہے۔

شوکانی صاحب کا رد

وہابیہ کے بعض جاہلان بے خرد جیسے شوکانی، صاحب نیل الاوطار، یہاں اپنی شانِ اجتہاد دکھانے کو یوں گلفشانی کرتے ہیں کہ صلوٰۃ بہ معنی نماز حقیقت شرعیہ ہے اور حقیقت سے بلا دلیل عدول جائز نہیں۔ سبحان اللہ! دعویٰ اجتہاد اور اتنی بھی خبر نہیں کہ صلاۃ بہ معنی ارکان مخصوصہ، حقیقت شرعیہ ہے نہ بہ معنی نمازِ جنازہ، نمازِ جنازہ میں رکوع، سجود، قعود بالا جماع نہیں اور قراءت ہمارے نزدیک نہیں۔ اسی لیے علماء نے فرمایا کہ نمازِ جنازہ صلوٰۃ مطلقاً نہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ دعا مطلق اور صلوٰۃ مطلقہ کے درمیان برزخ ہے۔ اسی لیے علامہ بدر الدین محمود عینی نے فرمایا کہ نمازِ جنازہ پر صلاۃ کا اطلاق مجازاً ہے۔

اس کی مکمل محقق بحث دیکھنی ہو تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ الہادی الحاجب عن صلوٰۃ الجنازۃ علی الغائب کا مطالعہ کریں۔ ہم نے اسی کی چند سطروں کا اقتباس درج کر دیا ہے، جو بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ کافی شافی ہے۔

نمازِ جنازہ کی تکبیرات

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ اخیر میں اسی پر عمل درآمد برقرار رہا۔ نمازِ جنازہ میں دیگر نمازوں

[1] ابوداؤد۔ ج ۲، ص ۱۰۳۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوۃ علی القبر بعد حین

کی طرح ہمارے نزدیک دو سلام ہیں، مگر جمہور کے نزدیک ایک' اس حدیث میں سلام مذکور نہیں، مگر سعید بن مسیب کی حدیث جو ابن حبیب عن مطرف عن مالک مروی ہے' اس میں ہے۔

۷۳۷- ح: اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ

[علم (جھنڈا) زید نے لے لیا (اور وہ) شہید ہوئے]

۷۳۷- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ وَاِنَّ عَيْنَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَذْرِفَانِ ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ مِنْ غَيْرِ اِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهٗ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ علم زید نے لیا اور وہ شہید کر دیئے گئے' پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید کر دیئے گئے' پھر عبداللہ بن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید کر دیئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے (اور فرمایا:) پھر علم خالد بن ولید نے بغیر حکم کے لیا' انہیں فتح نصیب ہوئی۔

(بخاری۔ باب: الرجل ینعی اهل المیت ص ۱۶۷' کتاب الجہاد۔ باب: من تامر فی الحرب من غیر امرۃ ص ۴۳۱' کتاب المناقب۔ باب: علامات النبوۃ ص ۵۱۲' باب: خالد بن الولید ص ۵۳۱' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ موتہ ص ۶۱۱' نسائی۔ کتاب الجنائز)

مناقب مغازی کی روایت میں ابتدائی کلمات یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید' جعفر' عبداللہ بن رواحہ کی خبر آنے سے پہلے ہی ان کے بارے میں بتا دیا کہ یہ لوگ شہید کر دیئے گئے۔ اخیر میں ہے کہ پھر علم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا' اللہ نے اس کے ہاتھ فتح عطا فرمائی۔ الجہاد میں' درمیان میں ہے: مجھے یاد ہے' یہ فرمایا کہ انہیں ہمارے پاس رہنے میں خوشی نہیں' یعنی شہادت کے بعد انہیں جو اعزاز و اکرام ملا ہے' اس کے بعد بہ نسبت یہاں کے وہیں خوش ہیں۔

غزوۂ موتہ

بیت المقدس سے دو منزل کے فاصلے پر بلقا کے ادھر موتہ نامی ایک مقام ہے۔ یہاں یہ جنگ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ہوئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصریٰ کے حاکم یا قیصر کے پاس ایک مفاوضہ عالیہ ارسال فرمایا تھا۔ انہیں شرحبیل بن عمرو نے شہید کر دیا تھا' یہ اگرچہ عربی نژاد تھا مگر قیصر کے ماتحت اس علاقے کا حکمران تھا۔ اس دور میں بھی قاصدوں کا قتل کرنا بہت بڑا جرم تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرحبیل بن عمرو کی تادیب کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تین ہزار کی فوج ترتیب دے کر بھیجا' ہدایت فرما دی' اگر زید شہید ہو جائیں تو علم جعفر بن ابی طالب لے لیں اور وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ لے لیں۔ اسے ایک یہودی نے سنا تو کہا: اگر یہ نبی ہیں تو تم تینوں اس جنگ میں مارے جاؤ گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے جعفر بن ابی طالب کو شہیدوں میں تلاش کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر نیزے اور تیر کے نوے زخم تھے' سب سامنے تھے' پیچھے ایک بھی نہ تھا۔ جب ان کا دایاں ہاتھ کٹا تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ یہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے علم تھاما۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں' ایک یمنی تلوار رہ گئی۔

زید بن حارثہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور نے ان کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا اور انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔

جب آیہ کریمہ "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" (الاحزاب:۴۰) نازل ہوئی تو یہ کہنا بند ہوا' ان کے والد انہیں لینے کے لیے آئے' مگر حضور کو چھوڑ کر نہیں گئے' یہ حضور اقدس ﷺ کو اتنے پیارے تھے کہ آپ نے اپنی پھوپھی کی صاحبزادی حضرت زینب سے پہلے ان کا نکاح کیا تھا۔ صحابہ کرام میں یہ فخر صرف انہیں کو حاصل ہے کہ قرآن کریم میں ان کا نام مذکور ہے۔ "فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا" (الاحزاب:۳۷)۔

جعفر بن ابی طالب

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں' پہلے حبشہ ہجرت کی' وہاں امیر المہاجرین رہے' پھر غزوۂ خیبر کے موقع پر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ

یہ قبیلہ خزرج کے ممتاز فرد اور لیلۃ العقبہ کے نقباء میں تھے۔ بہت خوش گو شاعر بھی تھے۔

اللّٰھم لو لا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اگر حضور نہ ہوتے تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ صدقہ دیتے' نہ نماز پڑھتے' انہیں کا ہے۔

حضرت خالد بن ولید

دنیا کے مانے ہوئے سپہ سالار جنہوں نے کسی معرکے میں کبھی شکست نہیں کھائی' جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے سیف اللہ فرمایا' جن کی شمشیر خارا شگاف نے روم جیسی عظیم طاقت کے پرزے اُڑا دیے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ غیب جانتے تھے۔ نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ مسلمانوں کا اجتماعی یا انفرادی نقصان ہو رہا ہے اور اس میں صلاحیت ہے کہ وہ ان کا کام سرانجام دے تو نقصان نہ ہوگا تو اسے از خود بغیر کسی کی دعوت و سپردگی کے وہ کام سرانجام دینا چاہیے' بلکہ یہ ایک حد تک واجب ہے۔ یہ حدیث بخاری میں مختصر ہے' کتب سیر میں مفصل ہے۔ اسی سے شوافع اور آج کل کے غیر مقلدین غائبانہ نمازِ جنازہ کے جواز پر دلیل لاتے ہیں۔ اس کا جواب پہلے گزر چکا۔

۷۳۸- ح: فَاَتٰی قَبْرَهٗ فَصَلّٰی عَلَیْهِ

[آپ (ﷺ) ان کی قبر پر آئے اور نماز جنازہ پڑھی]

۷۳۸- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَاتَ اِنْسَانٌ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُهٗ فَمَاتَ بِاللَّیْلِ فَدَفَنُوْهُ لَیْلًا فَلَمَّا اَصْبَحَ اَخْبَرُوْهُ فَقَالَ مَا مَنَعَکُمْ اَنْ تُعْلِمُوْنِیْ قَالُوْا کَانَ اللَّیْلُ فَکَرِهْنَا وَکَانَتْ ظُلْمَةٌ اَنْ نَّشُقَّ عَلَیْكَ فَاَتٰی قَبْرَهٗ فَصَلّٰی عَلَیْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک صاحب وفات پا گئے' رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے' وہ رات میں فوت ہو گئے اور لوگوں نے رات ہی میں انہیں دفن کر دیا' جب صبح ہوئی تو حضور کو باخبر کیا' فرمایا: تمہیں کس چیز نے مجھے بتانے سے روکا؟ لوگوں نے عرض کیا: رات تھی اور اندھیرا تھا' ہم نے یہ پسند نہیں کیا کہ حضور کو مشقت میں ڈالیں تو حضور ان کی قبر پر آئے اور نماز جنازہ پڑھی۔

(بخاری۔ باب: الاذن بالجنازۃ ص ۱۶۷' باب: ما قیل فی اولاد المسلمین ص ۱۸۴' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

علامہ عینی نے فرمایا: کہا گیا ہے کہ یہ صاحب طلحہ بن براء بن عمیر بلوی انصار کرام کے حلیف تھے' جیسا کہ طبرانی نے حضرت حصین بن رجوح انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ طلحہ بن براء بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ طلحہ مرنے والا ہے' مجھے خبر کرنا اور جلدی کرنا۔ ابھی حضور بنی سالم بن عوف میں نہیں پہنچے ہوں گے کہ وہ وفات پا گئے اور جب رات ہوگئی تو طلحہ نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو دفن کر دینا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مت بلانا' اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ حضور کو یہودیوں سے کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ تشریف لائے اور ان کی قبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں نے بھی صف بندی کی' پھر حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا: اے اللہ! طلحہ سے اس طرح ملاقات کر کہ وہ بھی ہنستا ہوا ہو اور تو بھی' یعنی تو اس سے خوش ہو۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں' انسان سے مراد یہی حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ ہوں۔

جب مردے کو نمازِ جنازہ پڑھ کے دفن کیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ اور جہاں مذکور ہے' اس سے مراد صلوٰۃ بہ معنی دعا ہے' جیسا کہ ابھی طبرانی کی حدیث گزری' جس میں تشریح ہے کہ صف بندی بھی ہوئی مگر حضور نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی بلکہ صرف دعا مانگی۔ طبرانی کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا سنت ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں فرمایا کہ نمازِ جنازہ کے بعد بھی قبر پر نماز پڑھنا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے' دوسرے کو جائز نہیں۔ اور تخصیص کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا: یہ قبریں تاریکی سے پُر رہتی ہیں' میں اپنی نماز سے انہیں روشن فرما دیتا ہوں' جیسا کہ ابن حبان کی روایت گزر چکی۔ ظاہر ہے کہ اگر قبر پر نماز جائز ہوتی تو اُمت خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پُر انوار پر اور صحابہ کرام اور اسلاف کے مزارات پر ضرور نماز پڑھتی۔ اس فضل سے کیوں محروم رہتی۔ ہاں! اگر کسی کی نمازِ جنازہ نہ ہوئی ہو تو جب تک اس کا ظن غالب نہ ہو کہ میت پھول پھٹ گئی ہوگی' پڑھ سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف نے تین دن تک اجازت دی ہے مگر یہ صحیح نہیں' یہ میت اور موسم اور زمین کے لحاظ سے کم و بیش ہوسکتا ہے۔

۷۳۹- ح: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُتَوَفّٰى لَهٗ ثَلَاثٌ [جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں]

۷۳۹- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنَ النَّاسِ مِنْ مُّسْلِمٍ يُتَوَفّٰى لَهٗ ثَلَاثٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمْ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اللہ اسے اپنی رحمت بے غایت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔

(بخاری۔ باب: فضل من مات له ولد ص ۱۶۷' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

چھوٹے بچوں کی جدائی کا داغ ایسا ہے جس سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ یہ زخم ایسا سنگین ہے کہ زندگی بھر مندمل نہیں ہوتا' اس لیے اس سلسلے میں انتیس صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں۔ ان سب کے مضمون متقارب ہیں۔ علامہ بدرالدین محمود عینی قدس سرہٗ نے ان سب احادیث کو بیان فرمایا ہے۔

امام بخاری نے یہاں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی ذکر فرمائی ہے' جو نزہۃ القاری' ج ا ص ۳۶۸' رقم: ۵۰ پر گزر چکی ہے۔ جس میں فرمایا کہ جس عورت کے تین بچے آگے چلے جائیں تو وہ اسے جنت میں داخل کریں گے۔ ایک عورت نے عرض کیا: اور دو؟ یارسول اللہ! تو فرمایا: اور دو بھی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ زائد ہے: جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔ ان دونوں

حدیثوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ حضرت ابوسعید کی حدیث میں مخاطب عورتیں ہیں؛ جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ ثواب انہیں کے لیے ہے؛ مگر اس تخصیص کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نے ختم کر دیا کہ فرمایا: ''ما من الناس من مسلم'' کسی بھی مسلمان کے تین بچے۔ حضرت انس کی حدیث میں تین مذکور ہیں؛ مگر حضرت ابوسعید کی حدیث میں تین کی تحدید نہیں؛ دو کے لیے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابوسعید کی حدیث میں ''ولد'' مذکور ہے؛ جو بالغ اولاد کو بھی شامل ہے۔ اس تعمیم کو حضرت انس کی حدیث نے ختم کر دیا کہ فرمایا: ''لم یبلغوا الحنث''؛ جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں؛ دو کی بھی تخصیص نہیں۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تین نابالغ بچوں کو آگے بھیج دے؛ وہ اس کے لیے مضبوط قلعے ہوں گے۔ اس پر حضرت ابوذر نے عرض کیا: میں دو بھیج چکا ہوں؛ تو فرمایا: اور دو بھی۔ اب اُبی بن کعب سیّد القراء نے عرض کیا: میں ایک بھیج چکا ہوں؛ تو فرمایا: ایک بھی[1] اسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس کے دو بچے پیشرو ہو چکے ہوں گے؛ وہ اسے جنت میں داخل کریں گے۔ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا: اور آپ کی اُمت میں سے جس کا ایک گیا ہو تو؟ فرمایا: اے خیر کی توفیق یافتہ! جس کا ایک ہو وہ بھی؛ پھر عرض کیا: اور جس کا ایک بھی نہ ہو تو؟ فرمایا: میں اپنی اُمت کا پیشرو ہوں؛ اور محمد جیسا پیشرو ہرگز نہ پائیں گے۔ (ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: فی ثواب من قدم ولدا ص ۱۲۶)

بلکہ ابن ماجہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ناتمام گرا ہوا بچہ اپنے نال سے اپنی ماں کو گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا؛ اگر وہ روکی گئی تو۔ نیز اسی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچے بچے کے ماں باپ اگر جہنم میں جائیں گے تو یہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا تو اس سے کہا جائے گا: اے اپنے رب سے جھگڑنے والے کچے بچے! اپنے والدین کو جنت میں داخل کر؛ تو یہ اپنی نال سے انہیں گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا۔ (کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء فیمن اصیب بسقط ص ۱۱۶)

۷۴۰- ح: لَا يَمُوتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ

[(ایسا نہیں ہوسکتا کہ) کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہوں (اور وہ دوزخ میں جائے)]

۷۴۰- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمُوتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَيَلِجَ النَّارَ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مریں اور وہ جہنم میں جائے؛ مگر قسم پوری ہونے کے لیے۔

(بخاری۔ باب: فضل من مات له ولد فاحتسب ص ۱۶۷؛ مسلم۔ کتاب الادب؛ ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث اور حضرت ابوسعید کی حدیث میں ''لم یبلغوا الحنث'' کی قید نہیں؛ اس لیے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بالغ اولاد کو بھی شامل ہے؛ مگر یہ صحیح نہیں۔ ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔ جب دوسری احادیث میں یہ قید ہے تو وہ ضرور ملحوظ ہوگی۔ اس سے پہلی والی حدیث کے آخر اور کتاب العلم میں خود حضرت ابوہریرہ کا ارشاد مذکور ہے: ''لم یبلغوا الحنث'' جو بچہ جنون کی حالت میں بالغ ہوا اور اسی حال میں مر گیا؛ وہ بھی اس میں داخل ہے۔ رہ گئے پوتے اور نواسے؛ تو اس پر اتفاق ہے کہ نواسے اور نواسیاں داخل نہیں اس لیے کہ ولد کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا۔ رہ گئے پوتے؛ پوتیاں تو ان میں کلام ہے۔ نسائی[2] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

[1] ترمذی۔ کتاب الجنائز۔ ج ا ص ۱۲۶۔ باب: فی ثواب من قدم ولدا؛ ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء فی ثواب من اصیب بولدہ ص ۱۱۶

[2] نسائی۔ کتاب الجنائز۔ ج ا ص ۲۶۴۔ باب: من احتسب ثلثة من صلبه [3] عمدۃ القاری۔ ج ۴ ص ۹۷۔ بحوالہ طبرانی۔ ص ۲۸

جو حدیث بہ طریق حفص بن عبیداللہ مروی ہے اس میں یہ ہے: ''من احتسب ثلاثة من صلبه دخل الجنة'' جو اپنی صلب کی تین اولاد کے مرنے پر ثواب کی اُمید رکھے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کی[1] بھی حدیث میں ہے: ''من سلف بين يديه ثلاثة من صلبه في الاسلام'' جو اسلام میں اپنی تین صلبی اولاد کو آگے بھیج دے۔ ان احادیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ پوتے پوتیاں ان میں داخل نہیں' مگر علامہ عینی نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی داخل ہیں' اس تقدیر پر ''من صلبه'' کی قید اولاد بنات کے اخراج کے لیے ہوگی۔ بخاری کی حضرت انس والی حدیث' نیز اور کثیر احادیث میں من مسلم فی الاسلام' مؤمن مؤمنہ وغیرہ کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ ثواب صرف اس کے لیے ہے' جس کے اسلام کی حالت میں بچے فوت ہوئے ہوں' اور اگر قبل اسلام ہوئے ہوں تو نہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے' حتیٰ کہ وہ کچا بچہ بھی۔ کفار کے بچوں کے بارے میں صحیح مذہب توقف ہے' جس کی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔

''تحلة القسم'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ (مریم:۷۱-۷۲)

اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر جہنم پر نہ ہو' یہ تمہارے رب پر (اس کی) لازم کردہ طے شدہ بات ہے ۝ پھر (ہم سے) ڈرنے والوں کو ہم نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرتا ہوا چھوڑ دیں گے ۝

''تحلة القسم'' قسم پوری ہونے سے مراد یہی ہے' یہاں حقیقی قسم مراد نہیں مگر جیسے قسم کھانے والا قسم کھا کر اپنے اوپر وہ بات لازم کر لیتا ہے جو اس پر لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ہر شخص کو جہنم پر گزارے گا' حالانکہ اس پر کچھ لازم نہیں' اس لیے اسے ''تحلة القسم'' سے تعبیر کیا۔ یا ''تحلة القسم'' سے مراد تھوڑی دیر ہے' جتنی دیر میں قسم پوری ہوتی ہے' وہ محض ایک آن ہے' کسی نے قسم کھائی: میں آج فلاں کے گھر جاؤں گا تو جس آن گھر کے اندر داخل ہوا' قسم پوری ہوگئی۔ اگرچہ گھر میں جاتے ہی فوراً واپس ہو جائے' چند سیکنڈ بھی نہ ٹھہرے۔ مراد یہ ہے کہ ایک آن کے لیے۔ یہاں جہنم میں ورود سے کیا مراد ہے؟ اس میں صحیح اور راجح امام حسن بصری اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ پل صراط پر گزرنا مراد ہے' جس کی پوری تفصیل: ۵۱۴ پر گزر چکی۔ اس کی دلیل حضرت عبدالرحمٰن بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا کہ فرمایا کہ جس کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں' وہ جہنم میں ہرگز نہیں جائے گا مگر جیسے راہ چلتا انسان[2] مراد یہ ہے کہ صرف گزر ہوگا۔ کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ اس سے مراد جہنم میں داخل ہونا ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے امام احمد[3] اور امام حاکم نے روایت کی ہے کہ فرمایا: ''الورود'' داخل ہونا ہے' کوئی بھی ایسا نہیں خواہ نیک ہو خواہ بد ہو' جو جہنم میں نہ داخل ہو۔ اس وقت جہنم مؤمنین پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جائے گی۔ ترمذی[4] میں امام سدی سے ہے کہ میں نے ہمدانی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ جہنم میں جائیں گے' پھر اس سے اپنے اپنے اعمال کے مطابق نکلیں گے' پہلی جماعت بجلی کی لپک کی طرح' پھر ہوا کی طرح' پھر گھوڑے کی دوڑ کی طرح' پھر سوار کی طرح' پھر دوڑتے ہوئے' پھر چلتے ہوئے۔ یہ حدیث حسن ہے' شعبہ نے بھی اسے سدی سے روایت کیا' مگر اسے مرفوع نہیں کیا۔

۷۴۱- ح: اَلصَّبْرُ عِنْدَ اَوَّلِ صَدْمَةٍ [بے شک صبر صدمہ کی ابتداء کا وقت ہے]

1. عمدۃ القاری- ج۹ ص ۳۴
2. عمدۃ القاری- ج۹ ص ۳۴
3. مسند امام احمد- ج۳ ص ۳۲۹
4. ترمذی- ج۲ ص ۱۷۲

۷۴۱- حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ لِامْرَاَةٍ مِّنْ اَهْلِهٖ تَعْرِفِيْنَ فُلَانَةً قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهَا وَهِيَ تَبْكِيْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ فَقَالَتْ اِلَيْكَ عَنِّيْ فَاِنَّكَ خِلْوٌ مِّنْ مُصِيْبَتِيْ قَالَ فَجَاوَزَهَا وَمَضٰى فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَ مَا قَالَ لَكِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا عَرَفْتُهٗ قَالَ اِنَّهٗ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَآءَتْ اِلٰى بَابِهٖ فَلَمْ تَجِدْ عَلَيْهِ بَوَّابًا فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا عَرَفْتُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ اَوَّلِ صَدْمَةٍ۔

ثابت بنانی نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا' اپنی ایک اہلیہ سے فرماتے تھے: تم فلانہ کو پہچانتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے اور یہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی' تو فرمایا: اللہ سے ڈرو اور صبر کرو! تو اس نے کہا: میرے پاس سے جاؤ! تم پر میری مصیبت نہیں پڑی ہے' حضور نے اسے چھوڑ دیا اور تشریف لے گئے' اس کے بعد اس عورت پر ایک صاحب گزرے اور پوچھا: تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو اس عورت نے جواب دیا: میں نے انہیں نہیں پہچانا' اس مرد نے کہا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' اب وہ عورت حضور کے دروازے پر آئی' وہاں اس نے دربان نہیں پایا اور عرض کیا: یارسول اللہ! بخدا! میں نے حضور کو پہچانا نہیں' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک صبر صدمے کی ابتداء کے وقت ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: لم یکن له بواب ص ۱۰۵۹' ج ۱۔ کتاب الجنائز۔ باب: قول الرجل للمرأة عند القبر اصبری ص ۱۶۷' باب: زیارۃ القبور ص ۱۷۱' باب: الصبر عند الصدمة الاولیٰ ص ۱۷۴' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ کتاب الجنائز)

عند القبر

مسلم کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبر اس کے بچے کی تھی۔ اس میں ہے: ''تبکی علی صبی لها'' یحییٰ بن کثیر کی مرسل میں جسے عبدالرزاق نے روایت کیا' اس کی تصریح ہے۔ اس میں ہے: ''قد اصیب بولدها'' غالباً اس عورت کا رونا زور زور سے یا چیخ چیخ کر تھا۔ یحییٰ بن کثیر کی مرسل میں ہے: ''تسمع فیها ما یکره فوقف علیها'' بغیر آواز کے رونے کی اجازت ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے' اگر بغیر آواز کے روتی ہوتیں تو منع نہ فرماتے۔

الیك عنی

''الیك'' اسم مصدر ہے' معنی میں ''تنح'' کے ہے' مسلم کی روایت میں ہے: ''ما تبال بمصیبتی'' ''تمہیں میری مصیبت کی کیا پرواہ۔ مسند ابو یعلیٰ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''انا الحری الثکلی ولو کنت مصابا عذرتنی'' میں وہ عورت ہوں جس کا بچہ مر گیا ہے' اگر تمہیں میری مصیبت پہنچی ہوتی تو مجھے معذور رکھتے۔

فمر بها رجل

طبرانی کی اوسط میں بہ طریق عطیہ حضرت انس ہی سے ہے کہ یہ صاحب حضرت فضل بن عباس تھے۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ انہوں نے اس سے پوچھا: کیا تو انہیں پہچانتی ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں! مسلم میں ہے کہ جب اس نے یہ جان لیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو شرمندگی اور ہیبت کی وجہ سے اس پر موت جیسی حالت طاری ہوگئی۔

فلم تجد بوابا

عام حالات میں کوئی دربان نہیں رہتا تھا مگر کبھی کبھی خاص حالات میں رہا کرتا تھا' جیسا کہ حدیث ایلاء میں بہ تصریح مذکور ہے۔

اوّل صدمة

جنائز کی روایت میں ہے: ''انما الصبر عند الصدمة الاولٰی'' صدمہ کے معنی کسی چیز سے ٹکر لگنے کے ہیں، چونکہ مصیبت سے بھی دل کو ایک دھچکا لگتا ہے، اس لیے مصیبت کے اثر کو صدمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں صبر سے مراد صبر کامل ہے، جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے ورنہ مصیبت خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، رفتہ رفتہ صبر آ ہی جاتا ہے۔ کسی مصیبت پر اجر، صبر جمیل اور حسن نیت ہی پر ہے۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو بھی زیارتِ قبور کی اجازت ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے اس عورت سے یہ نہیں فرمایا کہ تو قبر پر کیوں آئی؟ رونے پر منع فرمایا، اگر عورتوں کو زیارتِ قبور منع ہوتی تو یہ بھی ضرور فرماتے کہ تو یہاں کیوں آئی؟ صحیح یہی ہے کہ ابتداءً مردوں، عورتوں دونوں کو منع فرمادیا تھا۔ اور ''الا فزوروھا'' سے دونوں کو اجازت مل گئی، البتہ اس زمانے میں عورتوں کو زیارتِ قبور سے بالکلیہ روک دینا ضروری ہے۔ اعزہ کی قبروں پر رونا دھونا آہ وزاری کریں گی اور محبوبانِ بارگاہ کے مزارات پر یا تو تعظیم میں غلو کریں گی، یا پھر بے ادبی کر بیٹھیں گی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ[1] میں فرمایا:

قبور اقرباء پر خصوصاً بحالِ قربِ عہدِ ممات تجدیدِ حزن لازم نساء ہے۔ اور مزاراتِ اولیاء کرام پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراطِ ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے۔ لہٰذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا۔

اقول: مگر اب بات اس سے آگے بڑھ چکی ہے۔ خصوصاً اعراس میں مردوں کے ساتھ عام مجمعوں میں دھکے کھاتی پھرتی ہیں، بے پردہ انتہائی بے باکی، بے حیائی کے ساتھ گھومتی پھرتی ہیں، منہ کے علاوہ پورے جسم پر لفافہ لپیٹے، دوکانوں پر سودا سلف کرتی پھرتی ہیں۔ ایسی صورت میں کبھی بھی ان کو عرسوں میں جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، لیکن اس خصوص میں عورتوں سے زیادہ ان کے مردوں کے شوق کو دخل ہے، جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنی مستورات کی نمائش پر فخر کرتے ہیں۔ اسی بناء پر اکبرالہ آبادی نے کہا ہے:

اللہ کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں ۔۔۔ انہیں غصہ نہیں آتا، انہیں پردہ نہیں آتا

عرسوں ہی کی بات نہیں رہی، اب تو مسلمان عورتوں میں یہ رواج پڑ گیا ہے کہ وہ برقعے کے نام سے کالا لفافہ جسم پر منڈھے چہرہ کھولے عام طور پر رہتی ہیں۔ غالباً اس کالے لفافے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ یہ اعلان کریں کہ ہم مسلمان عورتیں ہیں، جو اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف بے پردہ رہنے لگی ہیں۔

ت ۲۳۴- وَحَنَّطَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ابْنًا لِسَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَّحَمَلَهٗ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت سعید بن زید کے ایک لڑکے کو خوشبو لگائی اور اسے اٹھالیا اور اس پر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

ت ۲۳۵- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَلْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَّلَا مَيِّتًا.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان نجس نہیں ہوتا ہے نہ زندگی میں نہ مرنے کے بعد۔

ت ۲۳۶- وَقَالَ سَعِيْدٌ لَوْ كَانَ نَجِسًا مَا مَسِسْتُهٗ.

اور سعید نے کہا کہ اگر ناپاک ہوتا تو میں اسے نہ چھوتا۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴ ص ۱۶۵

(بخاری۔ الثلثۃ۔ باب:غسل المیت ووضوء ہ بالماء والسدر ص ۱۶۷)

پہلے اثر کو امام مالک نے مؤطا[1] میں سند متصل کے ساتھ روایت فرمایا ہے' اور دوسرے کو عطاء سے اور تیسرے اثر کو حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

توضیح باب......(میت پاک ہے یا ناپاک؟)

ان تعلیقات پر امام بخاری نے یہ باب قائم فرمایا ہے: مردے کو پانی اور بیری سے غسل دینا اور وضو کرانا۔ اس باب میں چار مسائل مذکور ہیں' اوّل: میت پاک ہے یا ناپاک؟ دوم: میت کا غسل واجب ہے یا سنت؟ سوم: وضو کا کیا حکم ہے؟ چہارم: خالص پانی سے نہلانا کافی ہے یا بیری کا پانی واجب ہے؟ پہلا مسئلہ بعد والی تعلیقوں سے صراحۃً ثابت ہو رہا ہے اور پہلی تعلیق سے لزوماً' وہ اس طرح کہ مردہ اگر ناپاک ہوتا تو غسل سے بھی پاک نہ ہوتا' جیسے اور جاندار کہ مرنے کے بعد لاکھ نہلائیے' پاک نہ ہوں گے' پھر حضرت عمر ابن عمر حنوط کیوں ملتے؟ اس لیے کہ نجس کو چھونا جائز نہیں۔

اقول باللہ التوفیق: اس پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ امام نووی نے تصریح کی ہے کہ میت کو غسل دینا کفن پہنانا' اس پر نماز جنازہ پڑھنا اسے دفن کرنا فرض کفایہ ہے' اگر ناپاک نہیں تو غسل کی کیا حاجت۔

ہمارے ائمہ احناف نے اس قدر پر اتفاق کے بعد اس میں اختلاف کیا کہ یہ نجاست حقیقی ہے یا حکمی؟ جمہور کا قول ہے کہ یہ حقیقی ہے۔ بدائع میں اسے اظہر فرمایا' کافی میں فرمایا: یہی صحیح ہے۔ فتح القدیر میں فرمایا: یہی اقیس ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ موت سے دم مسفوح جو ناپاک ہے' جسم میں رہ گیا' اس نے مردے کو نجس کر دیا۔ اسی وجہ سے اگر مسلمان مردہ کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہے' کل پانی نکالا جائے گا' اس کے منہ سے بہا ہوا پانی ناپاک ہے' اس پر یہ وارد ہوا کہ پھر غسل سے پاک نہ ہونا چاہیے' جیسے اور حیوانات پاک نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مسلمان کو کرامۃً غسل سے پاک مانا گیا۔ اس پر یہ گزارش ہے کہ اس کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے اسے مردار کی طرح ناپاک مانا' پھر غسل سے پاک۔ مقتضائے کرامت یہ تھا کہ اسے مردار کی طرح ناپاک نہ مانتے' جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "المؤمن لا ینجس" "مؤمن ناپاک نہیں ہوتا"[2] اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ زیادہ کیا: "لا حیا ولا میتا" نہ زندہ ناپاک ہوتا ہے نہ مردہ۔ حلیہ میں ہے کہ امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مردے کو نجس مت جانو' اس لیے کہ مؤمن نہ زندہ نجس ہوتا ہے نہ مردہ۔ اور کہا کہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ ضیاء الدین نے اپنی کتاب میں کہا: یہ میرے نزدیک صحیح کی شرط پر ہے۔

دوسرے مشائخ نے فرمایا: مردے کی نجاست حکمی ہے' موت سے غفلت اور استرخاء مفاصل پیدا ہوا' جو حدث ہے جیسے نیند اگرچہ بالعرض۔ اس لیے غسل واجب ہوا' زندہ میں بھی قیاس یہی تھا کہ حدث سے غسل واجب ہوتا' مگر حدث بار بار ہوتا ہے' اس سے غسل کرنے میں حرج تھا اور مردے میں حرج نہیں۔ علامہ ابن نجیم نے بحر[3] میں افادہ فرمایا کہ یہ اصح ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ دلیل افادہ فرمائی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں میت کے لیے تیمم کافی ہے اور تیمم صرف نجاست حکمیہ کے لیے مطہر ہے نہ کہ نجاست حقیقیہ کے لیے' ارشاد ہے:

---

[1] مؤطا امام مالک۔ باب: ما لا یجب فیہ الوضوء ص ۹

[2] رواہ الستۃ عن ابی ھریرۃ واحمد والخمسۃ الا الترمذی عن حذیفۃ والنسائی عن ابن مسعود والطبرانی فی الکبیر عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہم

[3] بحر۔ باب: الانجاس ص ۲۴۵

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (المائدہ:۶)
یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے آیا ہو یا عورتوں کو چھوئے ہوئے ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی لو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ[1] جلد اوّل کے حاشیہ میں فرمایا کہ حدیث اس کی نفی کرتی ہے کہ موت سے مردہ نجس ہوتا ہے اس لیے دونوں محققین علامہ شامی، علامہ ابن نجیم نے جو فرمایا اسی کو ترجیح دینی واجب ہے کہ میت کا غسل حدث کی وجہ سے ہے۔ رہ گیا وہ حکم کہ قلیل پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ یہ اس پر متفرع ہے کہ اس کی نجاست حقیقی ہے اور ہم بھی اسی پر احتیاطاً عمل کرتے ہیں۔

اقول باللہ التوفیق: اسی سے بحمدہٖ تعالیٰ! "ان المؤمنين لا ينجس" سے استدلال کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ اس حدیث میں نجاست سے مراد نجاست حقیقیہ ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت جنبی تھے تو اس حدیث میں نجاست حکمیہ کی نفی کسی طرح درست نہیں۔ دوم: اس سے ظاہر ہوگیا کہ میت کا غسل واجب ہے۔ سوم: وضو مسنون ہے۔ چہارم: بیری کے پانی سے غسل دینا بھی مسنون ہے۔ تیسرا اور چوتھا مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہے، جو اس باب میں ذکر کی ہے۔

ت۲۳۷- وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ لَا بَاْسَ اَنْ يُّنْقَضَ شَعَرُ الْمَرْاَةِ. (بخاری۔ باب: نقض شعر المراۃ ص ۱۶۸)
اور امام ابن سیرین نے فرمایا: عورت کے بال کھولنے میں کوئی حرج نہیں۔

ت۲۳۸- وَقَالَ الْحَسَنُ الْخِرْقَةُ الْخَامِسَةُ تَشُدُّ بِهَا الْفَخِذَيْنِ وَالْوَرِكَيْنِ تَحْتَ الدِّرْعِ.
(بخاری۔ باب: کیف الاشعار ص ۱۶۸)
اور امام حسن بصری نے فرمایا: کفن کا پانچواں کپڑا وہ ہے جس سے ران اور سرین کرتے کے نیچے باندھا جائے۔

پہلی تعلیق کو سعید بن منصور نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا۔ علامہ ابن حجر نے دوسری تعلیق کے لیے فرمایا کہ اسے ابن ابی شیبہ نے موصول کیا، اس پر علامہ بدر الدین عینی نے فرمایا کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کس نے اور کہاں اسے موصول کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں، پھر فرمایا کہ جوزقی نے بہ طریق ابراہیم بن حبیب بن شہید، ہشام بن حسان عن حفصہ عن ام عطیہ روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے زینب کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا اور ان کو وہ خمار اوڑھایا جو زندگی میں اوڑھتی تھیں۔ رہ گیا وہ پانچواں کپڑا جسے امام حسن بصری نے فرمایا، وہ اصل میں سینہ بند ہے جو میت کی بغل سے لے کر کم از کم گھٹنے تک ہوتا ہے۔

مطابقت

یہاں باب ہے: اشعار کیسے ہے؟ اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں، اس کے اخیر میں حضرت ایوب کا قول ہے کہ اشعار کے معنی یہ ہیں کہ اس تہبند کو ان کے جسم پر لپیٹ دو۔ امام حسن بصری کے قول کا یہ مطلب ہے کہ پانچواں کپڑا جسم پر کرتے کے نیچے لپیٹا جائے، صرف جسم پر لپیٹنے میں مناسبت ہے۔

ہمارے نزدیک بھی عورت کو کفن میں پانچ کپڑے دینا مسنون ہے: کرتا، ازار، لفافہ، سینہ بند، خمار۔ البتہ ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ سینہ بند لفافے کے بھی اوپر ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ازار اور لفافے کے درمیان رہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ کرتے کے اوپر اور ازار کے نیچے ہو۔ (ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۵۸۰)

---

[1] احسن النعم۔ ص ۶۱۱

٧٤٢- ح: غُسْلُ بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دینا]

٧٤٢- اَنَّ اَيُّوْبَ اَخْبَرَهُ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ يَقُوْلُ جَاءَتْ اُمُّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِمْرَاَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مِنَ اللَّاتِيْ بَايَعْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَتِ الْبَصْرَةَ تُبَادِرُ ابْنًا لَهَا فَلَمْ تُدْرِكْهُ فَحَدَّثَتْنَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ قَالَتْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اَلْقٰى اِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَلَمْ تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا اَدْرِيْ اَيُّ بَنَاتِهِ وَزَعَمَ اَنَّ الْاِشْعَارَ الْفُفْنَهَا فِيْهِ وَكَذٰلِكَ كَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يَاْمُرُ بِالْمَرْاَةِ اَنْ تُشْعَرَ وَلَا تُؤْزَرَ.

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا ایک انصاری خاتون جنہوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تھی' بصرہ میں اپنے ایک لڑکے کو تلاش کرنے آئیں' جو انہیں ملا نہیں۔ انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم ان کی ایک صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: اسے تین یا پانچ بار' اگر ضرورت سمجھو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ پانی اور بیری سے غسل دو اور اخیر میں کافور ملا لو اور جب فارغ ہو جاؤ مجھے خبر دینا' انہوں نے کہا: جب ہم غسل دے چکیں تو حضور نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا۔ اور فرمایا: اسے جسم پر لپیٹ دینا' انہوں نے اس سے زیادہ نہیں بیان کیا' اور میں نہیں جانتا کہ یہ کون سی صاحبزادی تھیں اور گمان کیا کہ اشعار کا مطلب یہ ہے کہ لپیٹ دو اور ابن سیرین یہی حکم دیتے تھے کہ عورت کو کپڑے میں لپیٹا جائے' تہبند نہ باندھا جائے۔

(بخاری۔ باب: کیف الاشعار ص ۱۶۸' کتاب الوضوء۔ باب: التیمن فی الوضوء والغسل ص ۲۸' کتاب الجنائز۔ باب: غسل المیت والوضوء' باب: ما یستحب ان یغسل وترا۔ باب: یبدأ بمیامن المیت ص ۱۶۷' باب: مواضع الوضوء۔ باب: هل تکفن المیت فی ازار الرجل۔ باب: یجعل الکافور فی الاخیرة۔ باب: نقض شعر المرأة۔ باب: هل یجعل شعر المرأة ثلثة قرون۔ باب: یلقی شعر المرأة خلفها ثلثة قرون ص ۱۶۸' مسلم' نسائی' ابوداؤد' کلھم فی کتاب الجنائز)

یہ حدیث بخاری' کتاب الاذان' ج ۱ ص ۵۰۷۔۸۷۹ پر گزر چکی ہے' مگر وہاں اس کا صرف چھوٹا سا حصہ مذکور تھا' اس لیے یہاں اس کا جو سب سے زیادہ مفصل متن تھا' اس کو درج کر دیا۔

یہ صاحبزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں' جیسا کہ مسلم[1] میں تصریح ہے۔

من اللاتی بایعن

اس بیعت کی تفصیل مسلم[2] میں یوں ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: "يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ" (الممتحنہ: ۱۲) جب مؤمن عورتیں آپ کے پاس آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نیکی میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی۔ ان سے جن باتوں پر بیعت لی تھی' اس میں یہ تھا کہ نوحہ نہیں کریں گی' تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مگر آل فلاں پر' اس لیے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں میرے ساتھ نوحہ کیا تھا تو فرمایا: مگر آل فلاں پر۔

۱۔ مسلم۔ ج ۱ ص ۳۰۵۔ کتاب الجنائز۔ باب: فی غسل المیت للالا الخ

۲۔ مسلم۔ ج ۱ ص ۳۰۴۔ کتاب الجنائز۔ فصل: فی نھی النساء عن النیاحۃ

اُمِ عطیہ نے کہا: اس بیعت کو پانچ عورتوں کے علاوہ اور کسی نے پورا نہیں کیا' ان پانچ میں اُمِ سلیم بھی تھیں۔

تبادر ابنالها

تیزی سے آئی تھیں' اپنے ایک بیٹے کے لیے جو گھر سے چلے آئے تھے مگر وہ جب بصرہ آئیں تو نہیں ملے' یا تو وہ کہیں چلے گئے یا ان کا وصال ہو گیا۔

او اکثر ذلك

ہشام بن حسان کی جو روایت حضرت ابن سیرین کی بہن حفصہ سے ہے' اس میں یہ ہے: اسے طاق بار غسل دو' تین یا پانچ بار۔ ایوب عن حفصہ کی روایت میں یہ ہے: ''ثلثا او خمسا او سبعا'' تین یا پانچ یا سات بار' سات بار سے زائد عام روایت میں نہیں۔ البتہ ابوداؤد[1] کی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ سات بار یا اس سے بھی زیادہ' اگر تم اس کی ضرورت سمجھو۔

ان رأيتن ذلك

یعنی اگر تین سے زائد پانچ یا سات مرتبہ دھونے کی حاجت تم سمجھو تو وہ عدد پورا کرو' یعنی اگر تین سے کماحقہٗ غسل نہ ہو سکے تو پانچ بار دھوؤ اور اگر اس سے بھی کماحقہٗ غسل نہ ہو تو سات مرتبہ اور اگر اس سے اچھی طرح غسل نہ ہو سکے تو اور عدد بڑھا دو۔

میت کو ایک بار غسل دینا فرض ہے' اور تین بار سنت ہے۔ اور بہ وقت ضرورت اس سے زائد میں بھی حرج نہیں' حتیٰ کہ سات مرتبہ سے بھی زائد میں حرج نہیں۔ بلاضرورت تین بار سے زائد غسل دینا مکروہ ہے' اس میں پانی کی فضول خرچی ہے۔

(ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۵۷۵)

اشعرنها

اشعار کے معنی ہیں: کپڑے کو بدن کے متصل بلا کسی حائل کپڑے کے لپیٹنا۔ حضرت حفصہ کی روایت میں یہ زائد ہے کہ ہم نے کنگھی سے ان کے بالوں کے تین حصے کیے۔ دوسری روایت میں انہیں سے یوں ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے بالوں کے تین حصے کیے' اسے کھولا پھر دھویا' پھر تین حصے کیے۔ یہ اس لیے کیا کہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے' ہمارے نزدیک میت کے بالوں کو کنگھی کرنا نہیں چاہیے کہ یہ زینت ہے' اور میت کی زینت کے کیا معنی۔ اور عورت کے بالوں کو دو حصے کر کے سینے پر ڈال دیا جائے گا۔

لا ادری ای بناته

یہ حدیث کے راوی' ایوب کا قول ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ مسلم میں ہے کہ یہ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ مسلم کی روایت حضرت حفصہ ہی سے ہے مگر وہ عاصم احول سے ہے' بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں' جیسا کہ ابوداؤد[2] میں لیلیٰ بنت قائف ثقفیہ سے مروی ہے کہ میں ان عورتوں میں سے تھی' جنہوں نے سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا' سب سے پہلے حضور اقدس ﷺ نے ازار دیا' پھر کرتا' پھر لفافہ' پھر وہ ایک اور کپڑے میں لپیٹی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس بیٹھے تھے' حضور کے پاس ان کے کفن تھے جنہیں یکے بعد دیگر عطاء فرماتے تھے' مگر یہ خود حدیث کی راویہ حضرت حفصہ ہی نے تصریح کر دی کہ یہ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں' تو اب دوسری روایتوں کی بناء پر اس حدیث کی مراد کی تعیین درست نہیں۔ حضرت سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا واقعہ الگ ہے۔

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۹۳۔ کتاب الجنائز۔ باب: کیف غسل المیت [2] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۹۴۔ کتاب الجنائز۔ باب: فی کفن المرأۃ

دونوں واقعات کی تفصیل الگ الگ مذکور ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سیّدہ اُم کلثوم کا اس لیے نہیں ہوسکتا کہ ان کا وصال غزوۂ بدر کے موقع پر ہوا تھا جبکہ حضور ابھی واپس نہیں ہوئے تھے۔ علامہ عینی نے فرمایا: اور بالکل صحیح فرمایا کہ اس موقع پر حضرت سیّدہ رقیہ کا وصال ہوا تھا۔ حضرت سیّدہ اُم کلثوم کا تو ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔ حضرت اُم کلثوم کا وصال ۹ھ میں ہوا ہے، حضرت سیّدہ زینب کا ۸ھ میں اور حضرت سیّدہ رقیہ کا ۲ھ میں۔ بعض حضرات نے یہ کہا: چونکہ اُم عطیہ ہی نے سیّدہ اُم کلثوم کو بھی غسل دیا تھا، اس لیے یہ سیّدہ اُم کلثوم ہی ہیں۔ گویا ان کے خیال میں ایک خاتون دو میتوں کو غسل نہیں دے سکتی، بعض بزرگوں نے ابوداؤد والی حدیث کو ضعیف بتا کر مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے، اس کی کوئی ضرورت نہیں، نہ دونوں میں تعارض ہے نہ ترجیح کی حاجت اور واقعاتِ عامہ میں وہ ضعف جو انہوں نے بتایا ہے، قابلِ احتجاج ہونے سے روایت کو ساقط نہیں کرتا۔ وجہ ضعف میں یہ بتایا کہ اس کے ایک راوی نوح بن کلیم، مجہول ہیں۔ اور ایسے راوی ہیں جو مشہور نہیں اور محمد بن اسحاق ہیں، سابقاً گزر چکا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اور جہالت راوی یہاں مضر نہیں۔

بعض روایتوں میں یہ زائد ہے کہ آخر میں کافور ملالیں۔ اور اخیر میں ہے کہ ہم نے ان کی تین چوٹیاں بنائیں اور انہیں نیچے کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرت اُم عطیہ کا اپنا فعل ہے۔ روایت کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہو، یا اسے ملاحظہ فرمایا ہو۔

ت۲۳۹- قَالَ وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ نَاصِيَتُهَا وَقَرْنَيْهَا. وکیع نے از سفیان کہا کہ تین حصے یہ تھے: سر کے اگلے حصے کے بال اور سر کے دونوں کناروں کے بال۔

(بخاری۔ باب: ھل یجعل شعر المرأۃ ثلثۃ قرون ص۱۲۸)

اس اثر کو اسماعیلی نے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مسائل

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بزرگانِ دین کے لباس سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے۔ میت کو طاق بار غسل دینا اور کم از کم تین بار سنت ہے۔ میت کے غسل میں وضو مسنون ہے، البتہ اس میں نہ تو پہلے گٹے تک ہاتھ دھویا جائے گا اور نہ کلی کرائی جائے گی اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے گا، البتہ اس میں حرج نہیں کہ کوئی باریک کپڑا انگلی میں لپیٹ کر دانتوں اور ناک میں پھیر دیا جائے۔ اس میں سر کا مسح ہے، بیری یا اس قسم کی کوئی بھی چیز پانی میں اُبال کر غسل دیا جائے، جس میں میل خوب صاف ہو جائے۔ اگر کچھ نہ ملے تو صابن سے اخیر میں کافور ملا ہوا پانی استعمال کیا جائے۔

۷۴۳- ح: كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ [آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تین (یمنی سفید) کپڑوں میں کفن دیا گیا]

۷۴۳- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَةٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهِنَّ قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین یمنی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جو سحول کے بنے ہوئے روئی کے تھے، ان میں نہ کرتا تھا اور نہ عمامہ۔

(بخاری۔ باب: الثیاب البیض للکفن۔ باب: الکفن بغیر قمیص۔ باب: الکفن بغیر عمامۃ ص۱۶۹، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

یمانی، یمن کی طرف منسوب ہے اس کی اصل "یمنیۃ" تھی یائے نسبت کو حذف کر کے الف زیادہ کر دیا۔

"سحولیۃ" سحول یمن میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں یہ کپڑے بنتے تھے۔

اس سلسلہ میں روایتیں مختلف آئی ہیں علامہ عینی نے فرمایا: اس سلسلے کی تمام روایتوں سے صحیح یہی اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردوں کو کفن میں تین کپڑے دینے مسنون ہیں۔ امام شافعی امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ تین کپڑے ازار چادر لفافہ ہے گرتا نہیں۔ ہمارے نزدیک بھی تین ہی کپڑے مسنون ہیں مگر یہ تین کپڑے: گرتا ازار چادر ہیں ایک چادر میت کے قد کے برابر یہ ازار ہے۔ دوسری اتنی بڑی کہ دونوں طرف اتنی بڑھی ہوئی ہو کہ اسے باندھا جا سکے اور پکڑ کر اُٹھایا جا سکے یہ لفافہ ہے۔ گرتا گلے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے اور ٹخنوں کے اوپر تک۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جسے ابن عدی نے کامل میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا گرتا ازار لفافہ۔ کفن میں عمامہ نہیں ہمارے بعض مشائخ نے اسے علماء و مشائخ کے لیے مستحسن بتایا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے واقد کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا۔ گرتا عمامہ اور تین لفافے اور عمامے کو ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹا۔ اسے سعید بن منصور نے روایت کیا[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد کو کفن میں تین سے زائد کپڑے دینا جائز ہے۔

۷۴۴- ح: رَجُلٌ وَّاقِفٌ بِعَرَفَةَ اِذْ وَقَعَ عَنْ رَّاحِلَتِهٖ

[ایک صاحب عرفہ میں وقوف کیے ہوئے تھے کہ اپنی سواری سے گر پڑے]

۷۴۴- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ وَّاقِفٌ بِعَرَفَةَ اِذْ وَقَعَ عَنْ رَّاحِلَتِهٖ فَوَقَصَتْهُ اَوْ قَالَ فَاَوْقَصَتْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِغْسِلُوْهُ بِمَآءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْنِ وَلَا تُحَنِّطُوْهُ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَاْسَهٗ فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُلَبِّيًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک صاحب عرفہ میں وقوف کیے ہوئے تھے کہ اپنی سواری سے گر پڑے جس نے ان کی گردن توڑ دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے پانی اور بیری سے نہلا دو اور دو کپڑوں میں کفن دو اور اسے خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو کیونکہ یہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اُٹھے گا۔

(بخاری۔ باب: الكفن فى ثوبين۔ باب: الحنوط للميت۔ باب: كيف يكفن المحرم ص ۱۶۹ کتاب العمرة۔ باب: يموت بعرفة۔ باب: سنة المحرم اذا مات ص ۲۴۹ مسلم ابوداؤد نسائی)

موت سے ہر عبادت ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ عبادت نیت تقرب کے ساتھ مخصوص افعال کی ادائیگی کا نام ہے اور موت کے بعد نہ نیت ہے نہ کسی فعل کی ادائیگی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا: جب انسان مر گیا تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے اس لیے موت سے احرام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا حالت احرام میں مرنے والے کے غسل و کفن میں ممنوعات احرام کی پابندی نہیں رہتی اسی لیے ان صاحب کو بیری سے غسل دینے کا حکم دیا حالانکہ حالت احرام میں بیری کے پانی سے غسل ممنوع ہے۔ اسی وجہ سے محرم مر جائے تو اسے خوشبو بھی لگائیں گے اور عام مُردوں کی طرح اس کا سر بھی ڈھانکیں گے اور ان صاحب کے لیے ممانعت ان پر خاص شفقت کی بناء پر تھی۔ دو کپڑوں میں کفن دینے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس وقت ان کے بدن پر صرف دو ہی کپڑے تھے۔ ہو سکتا ہے اس سے زائد کپڑے نہ رہے ہوں۔ کتاب العمرہ کی روایت میں ہے کہ اسے اس کے دونوں کپڑوں میں کفناؤ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عذر کی وجہ سے تین کپڑوں

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۸ ص ۵۰

سے کم کفن دینے میں حرج نہیں، البتہ بلاعذر مکروہ ہے۔ دو کپڑے کفنِ کفایت ہے اور ایک کفن ضرورت۔

۷۴۵- ح: اِبْنُ اُبَیٍّ لَمَّا تُوُفِّیَ جَآءَ ابْنُہٗ

[ابن اُبَی (رأس المنافقین جب) مر گیا تو اس کا بیٹا آیا]

۷۴۵- عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ اُبَیٍّ لَمَّا تُوُفِّیَ جَآءَ ابْنُہٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَعْطِنِیْ قَمِیصَكَ اُكَفِّنْہُ فِیْہِ وَصَلِّ عَلَیْہِ وَاسْتَغْفِرْ لَہٗ فَاَعْطَاہُ قَمِیْصَہٗ فَقَالَ اٰذِنِّیْ اُصَلِّیْ عَلَیْہِ فَاٰذَنَہٗ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیْہِ جَذَبَہٗ عُمَرُ فَقَالَ اَلَیْسَ اللّٰہُ نَہَاكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ فَقَالَ اَنَا بَیْنَ خِیَرَتَیْنِ قَالَ ﴿اسْتَغْفِرْ لَہُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ﴾ (التوبہ: ۸۰) فَصَلّٰی عَلَیْہِ فَنَزَلَتْ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْہُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ﴾ (التوبہ: ۸۴).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی (رأس المنافقین) جب مر گیا تو اس کے فرزند نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اپنا کُرتا عنایت فرمائیں تا کہ اس میں اسے کفن دوں اور اس پر نماز پڑھ دیں اور اس کے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ حضور نے انہیں اپنا کُرتا عنایت فرمایا، ارشاد فرمایا: مجھے اطلاع دینا اس پر نماز پڑھ دوں گا۔ انہوں نے اطلاع دی، جب حضور نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے حضور کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا: حضور! کیا اللہ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ تو ارشاد فرمایا: مجھے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا ہے، ارشاد فرمایا: ان کی بخشش چاہو یا نہ چاہو، اگر ستر مرتبہ بخشش چاہو تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، حضور نے اس پر نماز پڑھی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ''منافقین میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز مت پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا''۔

(بخاری۔ باب: الکفن فی القمیص الذی یکف او لا یکف ص ۱۶۹، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البراء۔ باب: قولہ استغفرلھم او لا تستغفرلھم ص ۶۷۳، باب: قولہ ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ص ۶۷۴، کتاب اللباس۔ باب: لبس القمیص ص ۸۶۲، مسلم۔ کتاب اللباس۔ کتاب التوبۃ، ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ کتاب الجنائز، ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

عبداللہ بن ابی بن سلول، تمام منافقین کا سربراہ تھا، جنگ بعاث کے بعد حضور اقدس ﷺ کی مدینہ طیبہ آمد سے پہلے انصار کرام نے طے کر لیا تھا کہ اسے مدینہ طیبہ کا بادشاہ بنائیں گے۔ ابھی اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا تھا کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا، اپنی اس ناکامی پر اسے جو رنج تھا، اس کی بناء پر وہ ہمیشہ کڑھتا تھا جس کا اظہار اس نے متعدد موقعوں پر کیا جو جستہ جستہ اپنے موقع پر آئے گا۔ سلول اس کی ماں کا اور اُبی صیغہ تصغیر کے ساتھ اس کے باپ کا نام ہے۔ اس کے صاحبزادے انتہائی مخلص اور جان نثار صحابی تھے۔ ایک موقع پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں گے اس کو مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ ان کا نام قبل اسلام حباب تھا، حضور اقدس ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ابن ابی ابن سلول ۹ ھ میں بیس دن بیمار رہ کر مرا۔ اخیر شوال میں بیمار ہوا اور ابتدائی ذوالقعدہ میں مرا۔ ایامِ مرض میں حضور اقدس ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے فہمائش کی تھی کہ مجھے کفن کے لیے کرتا عنایت فرمائیں اور نماز جنازہ پڑھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اسے قبول فرما لیا۔ اسی وعدے کی وجہ سے اسے قمیص مبارک بھی

عطاء فرمائی اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی۔ نیز جنگ بدر میں حضرت عباس کو اس نے اپنا کرتا دیا تھا' اس کی تلافی بھی مقصود تھی۔ اس عنایت کا یہ اثر ہوا کہ بنوخزرج کے ہزار افراد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔[1] تفسیر کی روایات میں ہے کہ آپ اس پر نماز پڑھیں گے حالانکہ یہ منافق ہے۔ آگے یہ زائد ہے کہ میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔

اشکال

اللہ عزوجل کا یہ ارشاد "اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" (التوبہ:۸۰) اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بخشش چاہیں اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ اس بارے میں صریح ہے کہ منافقین کی مغفرت نہیں ہوگی' اگرچہ کتنی ہی بار ان کے لیے استغفار کیا جائے' اگرچہ حضور ہی کیوں نہ استغفار کریں' پھر حضور اقدس ﷺ کا یہ فرمانا کہ مجھے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا ہے' کیسے درست ہے؟ جبکہ حضور اقدس ﷺ قرآن کریم کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "تلقی المخاطب المتکلم بغیر ما ارادہ لمصلحۃ" کے قبیل سے ہے' یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متکلم کی مراد کے علاوہ مخاطب کسی مصلحت کی بناء پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ کلام کا مطلب یہ ہے' اس بناء پر کہ یہ دوسرا مطلب اسے پسند ہے اور اسے اُمید ہے کہ اسے متکلم مان لے گا۔

حضور اقدس ﷺ خوب جانتے تھے کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے مگر خلق خدا پر حضور کو جو شفقت و رحمت ہے' اس کی بناء پر چاہتے تھے کہ میرا ستر بار سے زائد استغفار کرنا قبول ہو جائے۔ اسی لیے یہاں سبعین کے لفظ کو جو تحدید کے لیے نہیں تھا' تحدید پر محمول کر کے فرمایا کہ میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا' جیسا کہ کتاب التفسیر کی روایات میں ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ آیہ کریمہ نازل فرما کر ظاہر فرما دیا کہ ان کی مغفرت کا نہ ہونا قطعی ہے' اس میں تبدیلی نہیں: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" (التوبہ:۸۵) ان میں سے کوئی مرے تو نہ اس کے جنازے پر نماز پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میرا کرتا اسے اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچائے گا' میں اُمید کرتا ہوں کہ اس کی وجہ سے اس کے قبیلے والے مسلمان ہو جائیں گے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۵۴)

توضیح باب...... (سلے اور بغیر سلے ہوئے کپڑے میں کفن دینا)

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: سلے ہوئے کپڑے میں کفن دینا یا بغیر سلے ہوئے میں۔ اور یکف کو دو طرح یاد رکھا گیا ہے: "یکف" اور "لا یکف" صیغہ مجہول کے ساتھ۔ یہ کف سے ہے' جس کے معنی کپڑے کے کنارے کو سینے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ایسا کرتا جس کے دونوں کنارے سلے ہوئے ہوں' یا نہ سلے ہوئے ہوں۔ ایک روایت "یَکُفُّ" ہے صیغہ معروف کے ساتھ یہ "کفّ" سے ہے' جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی سے ہے: "کف ثوب" نماز میں مکروہ ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوا کہ کرتے میں کفن دینا' روکے یا نہ روکے' یعنی سرکنے سے۔ سلا ہوا ہوگا تو سرکنے سے روکے گا۔ بے سلا ہوا ہوگا تو نہ روکے گا تو اس کا بھی حاصل وہی ہوا۔ حضرت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ عذاب سے روکے یا نہ روکے۔ مطلب یہ بیان فرمایا کہ صلحاء کے کرتے کو کفن بنانا خواہ مردے کو عذاب سے روکے یا نہ روکے۔ (تیسیر القاری۔ ج۵ ص ۲۲۲)

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کفن میں کرتا دینا جائز ہے' خواہ اس کے کنارے سلے ہوئے ہوں خواہ بغیر سلے ہوئے البتہ بالاسلا

[1] عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۵۴

ہو ادینا بہتر ہے۔ کسی کافر کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ کفر ہے اس لیے کہ نمازِ جنازہ اصل میں استغفار ہے اور کافر کے لیے استغفار کا مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کی تکذیب ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ'' (النساء:۴۸) اللہ عزوجل مشرک کو نہیں بخشے گا۔ نیز نمازِ جنازہ پڑھنا اس کی دلیل ہے کہ میت کو مسلمان جانا اور کافر کو مسلمان جاننا کفر بلکہ اس کے کافر ہونے میں شک بھی کفر ہے۔ رہ گیا غسل، کفن دفن تو اگر اس کافر کے متعلقین ہیں تو انہیں دے دیا جائے اگر کوئی نہ ہو تو بلا رعایت سنت اس کے جسم پر پانی بہا کر کسی کپڑے میں لپیٹ کر اس نیت سے کسی گڑھے میں داب دیا جائے کہ اس کی بدبو سے ایذا نہ ہو۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بزرگانِ دین کے آثار سے برکت حاصل کرنا سنت ہے۔ تبرک کے لیے سوال جائز ہے، اگر چہ سائل مالدار وغنی ہو۔ اس میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تین فضیلتیں ثابت ہوئیں: ایک تو کفار ومنافقین پر شدت، دوسرے قرآن مجید کے معنی کو سمجھنے کی استعداد، تیسرے ان کی رائے کے مطابق قرآن کا نازل ہونا۔

بَابُ الْكَفَنِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ

کفن پورے مال سے ہے

ت۲۴۰- وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ وَّالزُّهْرِيُّ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ وَقَتَادَةُ. (بخاری۔باب:الکفن من جمیع المال ص۱۷۰)

اور یہی عطاء اور زہری اور عمرو بن دینار اور قتادہ نے کہا۔

یعنی میت کے ترکے میں سب سے پہلے کفن دیا جائے گا، پھر جو بچے گا اس سے دین، پھر وصیت، پھر ورثہ پر تقسیم ہوگا اور اگر ترکہ اتنا ہی ہے کہ اس سے صرف کفن ہی دیا جا سکے تو سب کفن ہی میں صرف کریں گے۔

ت۲۴۱- وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ الْحَنُوطُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ. (ایضا)

اور عمرو بن دینار نے فرمایا کہ میت کو خوشبو بھی پورے مال سے دی جائے۔

ت۲۴۲- وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ يُبْدَأُ بِالْكَفَنِ ثُمَّ بِالدَّيْنِ ثُمَّ بِالْوَصِيَّةِ. (ایضا)

اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ سب سے پہلے کفن دیا جائے، پھر دین پھر وصیت۔

ت۲۴۳- وَقَالَ سُفْيَانُ أَجْرُ الْقَبْرِ وَالْغَسْلِ هُوَ مِنَ الْكَفَنِ. (ایضا۔باب:الکفن من جمیع المال ص۱۷۰)

اور سفیان ثوری نے فرمایا: قبر اور غسل کی اُجرت کفن سے ہے۔

ان سب تعلیقات کا حاصل یہ ہوا کہ میت کے ترکے سے سب سے پہلے اس کے کفن دفن، غسل، خوشبو وغیرہ کا بہ طریق مسنون انتظام کیا جائے اس کے بعد بچے تو دین ادا کیا جائے، اس سے بچے تو وصیت پوری کی جائے، اس سے بچے تو وارثین پر تقسیم کیا جائے گا اور اگر اتنا مال ہو کہ تجہیز و تکفین ہی میں سب صرف ہو جائے تو اسی میں صرف کیا جائے گا۔ پہلی تعلیق میں حضرت عطاء کے قول کو دارمی نے اور زہری، قتادہ اور عمرو بن دینار کے قول کو عبدالرزاق نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، نیز دوسری تعلیق کو بھی عبدالرزاق نے اور تیسری تعلیق کو دارمی نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۷۴۶- ح: قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَّكُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ

[حضرت مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت ہوئی اور ایک چادر میں کفن دیا گیا]

۷۴۶- أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَّكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَّهُوَ خَيْرٌ مِّنِّي كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانا لایا گیا اور وہ روزے سے تھے تو فرمایا: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (احد میں) شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے انہیں ایک چادر میں کفن

رِجْلَاهُ وَاِنْ غُطِّیَ رِجْلَاهُ بَدَا رَاْسُهُ وَاُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّیْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْ قَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِیْ حَتّٰی تَرَكَ الطَّعَامَ. (بخاری۔باب:اذا لم یوجد الاثواب واحد. باب:الکفن من جمیع المال ص ۱۷۰، ج ۲۔کتاب المغازی۔باب:غزوۃ احد ص ۵۷۹)

دیا گیا' اگر ان کا سرڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پیر ڈھانکا جاتا تو ان کا سر کھل جاتا' میں گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا: اور حضرت حمزہ (اُحد میں) شہید کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے' پھر ہمارے لیے دنیا کشادہ کر دی گئی' جتنی کشادہ کی گئی۔ یا یہ فرمایا: ہمیں دنیا میں سے دیا گیا جو دیا گیا' ہمیں ڈر ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ جلدی نہ دے دیا گیا ہو' پھر رونے لگے یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا۔

۷۴۷- ح: فَمِنَّا مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ

[ہم میں سے بہت فوت ہو گئے اور اپنے اجر میں سے کچھ نہ کھایا]

۷۴۷- **حَدَّثَنَا** خَبَّابٌ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللّٰهِ فَوَقَعَ اَجْرُنَا عَلَی اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا مِّنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَّمِنَّا مَنْ اَيْنَعَتْ لَهٗ ثَمَرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهٗ اِلَّا بُرْدَةً اِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَاْسَهٗ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَاِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَاْسُهٗ فَاَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُغَطِّیَ رَاْسَهٗ وَاَنْ نَجْعَلَ عَلٰی رِجْلَيْهِ مِنَ الْاِذْخِرِ.

حضرت خباب (بن ارت) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی رضاجوئی کے لیے ہجرت کی تو ہمارا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہو گیا' ہم میں سے بہت فوت ہو گئے اور اپنے اجر میں سے کچھ نہیں کھایا' انہیں میں مصعب بن عمیر بھی ہیں اور ہم میں وہ ہیں جن کا پھل پک گیا اور وہ چن چن کر کھا رہے ہیں' یہ اُحد کے دن شہید ہوئے تو ہمیں انہیں کفنانے کے لیے سوائے چھوٹی سی چادر کے کچھ نہیں ملا' جب ہم اس سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پاؤں نکل جاتے اور جب ان کے پاؤں ڈھانکتے تو ان کا سر ان سے باہر آ جاتا' تو ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے سر کو ڈھانک دیں اور ان کے پاؤں پر اِذخر ڈال دیں۔

(بخاری۔باب:اذا لم یجد کفنا الا ما یواری راسہ ص ۱۷۰' باب:ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۵۱۔۵۵۶۔۵۵۷' ج ۲۔کتاب المغازی۔باب:غزوۃ احد ص ۵۷۹' باب:من قتل من المسلمین یوم احد ص ۵۸۴' کتاب الرقاق۔باب:فضل الفقر ص ۹۵۵)

''اَيْنَعَتْ'' اس کا مادہ ''ینع'' ہے' یہ باب افعال سے ہے۔ اس کا مصدر ''ایناع'' ہے' پھل کا پک جانا۔ ''يَهْدِبُهَا'' کا مصدر ''ھدبۃ'' ہے' چننے کے معنی میں پہلی حدیث کی امام بخاری نے یہاں دو طریقوں سے تخریج کی ہے۔ پہلے احمد بن مکی سے' پھر محمد بن مقاتل سے۔ پہلے پر باب کا عنوان یہ ہے: کفن پورے مال سے ہے۔ اس میں یہ زائد ہے: ''فلم یوجد ما یکفن فیہ الا بردۃ'' انہیں کفنانے کے لیے سوائے ایک چھوٹی سی چادر کے اور کچھ نہیں پایا گیا' یعنی ان کے متروکہ مال سے جیسا کہ مغازی میں حضرت خباب کی حدیث میں ہے: ''فلم یترك الا نمرۃ'' تو انہوں نے ایک خط دار کمبل کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ یہی ان کا کل سرمایہ تھا جس سے انہیں کفن دیا گیا تھا' اسی سے باب ثابت ہے۔

پھر اسی حدیث پر یہ باب باندھا ہے: جبکہ صرف ایک کپڑا پایا جائے' اس کے تحت بہ طریق محمد بن مقاتل تخریج فرمائی۔ اس میں باب کے مناسب یہ جملہ ہے: ''کفن فی بردۃ'' ایک چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس سے زائد کپڑا میسر ہوتا تو

ضرور اسے کفن میں دیا جاتا' تو ثابت ہوا کہ صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ اسی سے ثابت ہوا کہ کفن ضرورت ایک کپڑا ہے۔

حضرت خباب والی حدیث پر یہ عنوان ہے: جب صرف اتنا کفن پائے جو یا تو سر کو چھپائے یا قدموں کو تو سر چھپا دیا جائے۔ یہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث کے پہلے طریقے میں شک کے ساتھ ہے' اور حمزہ شہید ہوئے یا کوئی اور صاحب جن کے لیے بھی سوائے ایک چادر کے اور کچھ نہیں ملا' مگر دوسرے طریقے میں بلا تردید حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام ہے مگر بعد والا جملہ نہیں' البتہ اس روایت میں "اراہ" ہے یعنی ابراہیم یہ کہہ رہے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ یہ کہا: اور حمزہ شہید کیے گئے۔ یہ تردید یا شک اس میں نہیں کہ حضرت حمزہ اُحد میں شہید ہوئے کہ نہیں' وہ تو قطعی ہے' تردید یا شک اس میں ہے کہ انہوں نے حضرت حمزہ کا نام لیا تھا یا کسی اور کا؟ اور دوسرے طریقے کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم راوی کا یہ گمان ہے کہ حضرت حمزہ ہی کا نام لیا تھا' غزوۂ اُحد کے مظلوم شہداء کی مفلسی و تنگ دستی کی انتہاء یہ ہے کہ سب کو ایک ایک کپڑا بھی نہ ملا' اور ایک ایک کپڑے میں دو دو حضرات لپیٹے گئے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: من قتل من المسلمین یوم احد ص ۵۸۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

باپ کا نام عوف اور ماں کا نام شفاء' دونوں بنی زہرہ کے فرد ہیں۔ ان کا نسب' نسب نبوی سے کلاب بن مرہ پر جا کر مل جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ قصی اور ان کے جد اعلیٰ زہرہ' کلاب کے فرزند تھے۔ قبل اسلام یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں تھے' انہیں کی طرح پاک باز' سلیم الطبع بزرگ تھے۔ شراب نوشی سے توبہ کر لی تھی اور جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو حضرت صدیق اکبر کی رہنمائی کے بہ موجب اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے جبکہ ابھی حضور نے دار ارقم میں ارشاد و تبلیغ کی خفیہ مجلس قائم نہیں فرمائی تھی اور چند نفوس ہی اس دولت سے مالا مال ہوئے تھے۔ یہ ان دس منتخب سابقین اوّلین بزرگوں میں ہیں جنہیں نام بہ نام زندگی ہی میں جنت کا مژدہ ملا' جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے' پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو یہ بلا تاخیر مدینہ حاضر ہوئے۔ تمام غزوات میں ساتھ رہے' جنگ اُحد میں اس بے جگری سے لڑے کہ بیس سے زائد زخم لگے اور پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے کہ زندگی بھر یادگار رہے' لنگڑا کر چلتے تھے۔ بہت ہی صائب الرائے بزرگ تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جن چھ بزرگوں کو خلیفۃ المسلمین چننے کا حق دیا تھا' ان میں ایک یہ بھی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس اہم کام کو بہت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کاروبار خلافت کے سرانجام دینے کے لیے جو مجلس شوریٰ منعقد کی تھی' اس کے ایک اہم رکن یہ بھی تھے۔ جنگ قادسیہ کے موقع پر جب ایرانیوں نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت اکٹھی کر کے یورش کی تھی تو انہیں کی نگاہ حق بین حضرت سعد بن ابی وقاص پر سپہ سالاری کے لیے پڑی تھی۔ حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پچھتر سال کی عمر پا کر ۳۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ حضرت عثمان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت علی نے جنازے پر کھڑے ہو کر کہا: اے ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جنازہ اٹھانے والوں میں شامل تھے' یہ کہتے جاتے: "واجبلاہ" ہائے یہ پہاڑ بھی چل بسا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو محمد اور والد کا نام عمیر' والدہ کا خناس بنت مالک ہے۔ ان کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر جا کر شجرۂ نبوی سے مل

جاتا ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ عبدالدار اور حضور اقدس ﷺ کے جد اعلیٰ عبد مناف بھائی ہیں۔ یہ انتہائی حسین و جمیل بزرگ تھے اور ان کی ظاہری شکل و شباہت حضور اقدس ﷺ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ ماں باپ کے بہت ہی چہیتے اور پیارے تھے انہوں نے انہیں بہت ہی ناز و نعمت سے پالا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک سے سجتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبو سے معطر رہتے۔ حضور اقدس ﷺ جب ان کا تذکرہ فرماتے تو ارشاد فرماتے: میں نے مکہ میں مصعب سے زیادہ حسین و خوش پوشاک پروردہ نعمت نہیں دیکھا' مگر اس ناز و نعمت میں پلے ہوئے پیکر جمیل نے شراب توحید ایسی پی کہ سرشاری کا عالم سن چکے تھے کہ شہادت کے بعد ان کے جسم پر صرف ایک چھوٹی سی کملی رہ گئی تھی۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ باطنی حسن بھی فطرت میں ودیعت تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب حضور دار ارقم میں تشریف فرما تھے کہ یہ دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ ابتداءً اسلام کو چھپایا مگر ایک دن عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا تو ان کے والد کو خبر کر دی' اس جرم میں گھر کے اندر قید کر دیئے گئے۔ جب حبشہ کی طرف ہجرت شروع ہوئی تو موقعہ پا کر ایک دن حبشہ چلے گئے' کچھ دنوں کے بعد مکہ واپس ہوئے تو وہ ظاہری حسن و جمال و رعنائی رخصت تھی۔ ماں باپ نے دیکھا تو ترس آ گیا اور گھر پناہ ملی۔

جب انصار کرام نے بیعت عقبہ اولیٰ کی اور ایک مبلغ کی درخواست پیش کی تو نگاہ انتخاب ان پر پڑی اور یہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور سال بھر میں وہ انقلاب برپا کر دیا کہ سال آئندہ عازمین حج میں بہتر افراد حلقہ بگوش اسلام تھے۔ جنگ بدر اور جنگ اُحد میں جب صحابہ کرام انتشار عام کے شکار تھے' یہ بڑی پامردی سے لواء اسلام لیے اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار سے ان کا دایاں ہاتھ قلم کر دیا' تو بائیں ہاتھ میں علم لے لیا اور آیہ کریمہ "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" (آل عمران: ۱۴۴) کی تلاوت کی' اس نے اسے بھی قلم کر دیا' تو دونوں بازوؤں سے تھام کر سینے سے چمٹا کر علم اسلام بلند کیے رہے' اس ظالم نے جھلا کر سینے پر ایسا نیزہ مارا کہ اس کی انی سینے ہی میں رہ گئی اور یہ داعی توحید آیت مذکورہ کی تلاوت کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ اب علم بڑھ کر ان کے بھائی ابوالروم بن عمیر نے اُٹھا لیا' جو اخیر دم تک لیے رہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان کی مبارک لاش کے قریب کھڑے ہو کر یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ. (الاحزاب: ۲۳)　　　مؤمنین میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔

پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا' تم سے زیادہ حسین اور خوش پوشاک کوئی جوان نہ تھا اور آج دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے بال اُلجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے' اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن ضرور اللہ عزوجل کے حضور حاضر ہو گے' شہادت کے وقت ان عمر مبارک چالیس سال سے کچھ زائد تھی۔

خوشا رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے' یہ قبیلہ تمیم کے چشم و چراغ تھے۔ غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچے گئے' ان کا اسلام لانے والوں میں چھٹا نمبر ہے' اسی لیے یہ سادس الاسلام کہلاتے تھے۔ ان کا مکہ میں کوئی حامی و مددگار نہ تھا' اس لیے ان پر ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ جنہیں سن کر کلیجہ کانپ کانپ جاتا ہے' ستمگر انہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ کر چڑھ جاتے اور اس وقت تک

نہ چھوڑتے جب تک انگارے زخم کے پانی سے بجھ نہ جاتے۔ رحمت عالم ان کو تسلی دیتے۔ ان کے ظالم آقا کو یہ بھی برداشت نہ ہوا' اس نے لوہا تپا کر ان کے سر کو داغا۔ ان مصائب نے بھی ان میں کوئی تزلزل نہیں پیدا کیا۔ جبل استقامت بنے ہوئے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ ایک بار خدمت اقدس میں عرض کیا: دعا فرمائیں کہ اللہ عزوجل مجھے اس عذاب سے نجات دے! حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! خباب کی مدد کر! ان کا عاص بن وائل کے اوپر قرض تھا' یہ تقاضا کرتے تو وہ یہ کہتا کہ میں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک محمد کا ساتھ نہ چھوڑو گے۔ تیرہ سال تک مسلسل یہ آلام و مصائب برداشت کرتے رہے' پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی اور تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کا اتنا احترام کرتے کہ اپنی سواری پر بٹھاتے اور فرماتے کہ اس سواری پر بیٹھنے کے لائق تمہارے سوا صرف ایک اور شخص ہے اور وہ بلال ہے۔ یہ فرماتے کہ بلال کیسے مستحق ہوگا' اس کے بہت سے حامی تھے' میرا کوئی مددگار نہ تھا' مجھ پر یہ یہ گزری۔

کوفہ میں علیل ہوئے اور زمانہ دراز تک بیمار رہے' مرض کی درازی سے گھبرا کر فرمایا کرتے کہ حضور اقدس ﷺ نے موت کی دعا مانگنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں موت کی دعا مانگتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے کہ وصال کی خبر سنی اور جنازے کی نماز پڑھائی۔ وصیت کے مطابق کوفہ سے باہر سپرد خاک کیے گئے' اس تقدیر پر ان کا سن وصال ۳۷ھ ہے۔ ایک روایت ہے کہ عہد فاروقی میں ۱۹ھ میں وفات پائی۔

۷۴۸- ح: جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ مَنْسُوجَةٍ فِيهَا حَاشِيَتُهَا

[ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بنی ہوئی حاشیہ دار بردہ (چادر) لائیں]

۷۴۸- عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ مَنْسُوجَةٍ فِيهَا حَاشِيَتُهَا أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ قَالُوا الشَّمْلَةُ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ نَسَجْتُهَا بِيَدِي فَجِئْتُ لِأَكْسُوَكَهَا فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ فَحَسَّنَهَا فُلَانٌ فَقَالَ اكْسُنِيهَا مَا أَحْسَنَهَا فَقَالَ الْقَوْمُ مَا أَحْسَنْتَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلْتَهُ وَعَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ قَالَ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهُ إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفَنَهُ. (بخاری۔ باب: من استعد الکفن فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۷۰' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: البردۃ والحبرۃ والشملۃ ص ۸۶۲۔ کتاب الادب۔ باب: حسن الخلق والسخاء ص ۸۹۲' نسائی۔ کتاب الزینۃ' ابن ماجہ۔ کتاب اللباس' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۳۳' ۳۳۴)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک خاتون' نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بنی ہوئی حاشیہ دار بردہ لائیں' کیا تم لوگ جانتے ہو بردہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے بتایا: چادر' انہوں نے فرمایا: ہاں! اس نے عرض کیا: اسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنا ہے اور اس لیے لائی ہوں کہ حضور کو پہناؤں' اسے نبی ﷺ نے لے لیا' حضور کو اس وقت اس کی ضرورت تھی' کاشانۂ اقدس سے ہماری طرف تشریف لائے اور اس چادر کا تہبند پہنے ہوئے تھے' فلاں صاحب نے کہا: بہت اچھی ہے اور عرض کیا: مجھے عنایت فرما دیں' بہت عمدہ ہے۔ لوگوں نے کہا: تو نے اچھا کام نہیں کیا' اسے نبی ﷺ نے اس حال میں پہنا تھا کہ آپ کو اس کی ضرورت تھی' پھر تو نے مانگ لیا اور تجھے معلوم ہے کہ حضور کسی کو محروم نہیں فرماتے۔ انہوں نے کہا: بخدا! میں نے اس لیے نہیں مانگی تھی کہ اسے پہنوں' میں نے اس لیے مانگی ہے کہ میرا کفن ہو۔ حضرت سہل نے فرمایا: یہ مبارک چادر ان کا کفن ہوئی۔

کتاب اللباس میں یہ زائد ہے کہ اسے پہن کر حضور اقدس ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور کچھ دیر بیٹھے پھر اسے اتار کر تہہ کر کے انہیں دے دیا۔ کتاب الادب میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ تشریف لے گئے تو لوگوں نے ان سے کہا' اور جواب میں انہوں نے کہا: میں برکت کے لیے لے رہا ہوں۔ کتاب اللباس میں ہے کہ جب حضرت سہل نے پوچھا: بردہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا: وہ چادر جس میں حاشیہ ہو۔ اور کتاب الادب میں ہے کہ لوگوں نے کہا: شملہ' تو فرمایا: وہ شملہ جس میں حاشیہ بنا ہوا ہو۔ بردہ' خط دار کمبل' شملہ' وہ کمبل جو جسم پر لپیٹا جائے' بردہ عام ہے اور شملہ خاص مگر ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔ فلاں' کون صاحب تھے؟ محب طبری نے کہا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔ اسی کی ایک روایت میں ہے کہ ایک اعرابی تھے' مگر اس کی سند میں زمعہ بن صالح ہے جو ضعیف ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اپنی زندگی میں کفن تیار کر کے رکھ سکتے ہیں' اس سے موت یاد آتی رہے گی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

افضل المؤمنين ايمانا اكثرهم للموت ذكرا واحسنهم استعدادا.

مؤمنین میں ایمان کے اعتبار سے افضل وہ ہے جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو اور اس کی سب سے اچھی تیاری کرتا ہو۔

اور اس کا جواز صحابہ کرام کے سکوت سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی نے ان پر انکار نہیں فرمایا' البتہ قبر کھود کر رکھنا ممنوع ہے' کیا معلوم کہاں موت آئے؟ کفن تو جہاں جائے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے' پھر بھی بہت سے صالحین سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی قبریں تیار کر لی تھیں۔ کسی نے اپنی زندگی میں قبر کھود کر بنا رکھنے کے ناجائز ہونے کی دلیل میں یہ کہا تھا کہ یہ صحابہ کرام سے منقول نہیں' تو علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ صحابہ کرام سے کسی چیز کا واقع نہ ہونا' اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں' اس لیے کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ خصوصاً جبکہ اس فعل کو صلحاء واخیار کی ایک جماعت نے کیا ہو۔

اقول بالله التوفيق: یہاں یہ قید لگانی ضروری ہے کہ اس فعل کا کوئی مقتضی نہ ہو جب عدم فعل دلیل عدم جواز نہیں' اور مقتضی ہوتے ہوئے صحابہ کرام کا کوئی فعل نہ کرنا' اس کے مشروع نہ ہونے کی دلیل ہے' جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے الھادی الحاجب میں اس کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا صحابہ کی سنت ہے۔ نیز یہ ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ سائل کو محروم نہیں فرماتے تھے' اگرچہ خود تکلیف اٹھانی پڑے۔

۷۴۹- ح: قَالَتْ نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ [ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا]

۷۴۹ - عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا اور قطعی طور پر نہیں منع کیا گیا۔

(بخاری۔ باب: اتباع النساء الجنازة ص ۱۷۰' کتاب الحیض۔ باب: الطیب للمرأة عند غسلها من الحیض ص ۴۵' ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: القسط للحادة۔ باب: تلبس الحائض لباس العصب ص ۸۰۴)

یہ ایک لمبی حدیث کا جز ہے' نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۶۵۳' رقم: ۲۲۰ پر گزر چکی ہے' مگر وہاں جنازے کے ساتھ عورتوں کے جانے کی تشریح نہیں کی گئی ہے' اس لیے اسے پھر تحریر کیا ہے۔ حدیث کے ظاہر سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کی حد تک ہے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا: میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاری نے باب میں نہ جواز کی تصریح کی ہے نہ حرمت کی۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اس سلسلے میں احادیث مختلف آئی ہیں۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایک جنازے میں تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو

دیکھا تو اس پر چیخے' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! اے عمر! اس لیے کہ آنکھ رو رہی ہے اور جان پر مصیبت آن پڑی ہے' جدائی کا زمانہ قریب ہے۔[1] اس حدیث سے اجازت نکلتی ہے' مگر یہ حدیث متعدد وجوہ سے مجروح ہے' اس لیے قابل استناد نہیں' اس کے برخلاف امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم نے ایک صاحب کو دفن کیا' جب ہم لوٹے اور حضور اپنے دروازے کے برابر پہنچے تو سامنے ایک خاتون کو دیکھا۔ ہمارا گمان یہ نہیں تھا کہ حضور نے انہیں پہچان لیا ہے۔ انہیں دیکھ کر حضور نے فرمایا: اے فاطمہ! کہاں سے آتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اہل میت کے یہاں سے۔ میں نے ان کی میت کے لیے رحمت کی دعا کی اور انہیں تسلی دی' فرمایا: شاید تم قبر تک گئی تھیں؟ عرض کیا: معاذ اللہ! میں ان کے ساتھ قبر تک جاتی' حالانکہ میں حضور سے سن چکی ہوں کہ اس بارے میں حضور کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: اگر تم ان کے ساتھ قبر تک جاتیں تو اس وقت تک جنت نہ دیکھتیں جب تک تمہارے باپ کے دادا نہ دیکھتے۔ امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث شیخین امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر ہے' اس سے ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ (ایضاً)

امام مالک نے فرمایا کہ جنازے کے ساتھ عورتوں کو جانا بلا کراہت جائز ہے' البتہ جوان عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔ عبدری نے امام مالک سے یہ نقل فرمایا کہ اگر میت عورت کی اولاد یا شوہر یا ایسا رشتہ دار ہے جس سے ملاقات کے لیے زندگی میں جاتی تھی تو جا سکتی ہے' ورنہ نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے' البتہ حرام نہیں۔ امام نووی شافعی نے فرمایا کہ بدعت ہے' یہ سب اس دور کے لیے تھا اور اب جبکہ مسجدوں میں جماعت کے لیے جانا ممنوع ہے تو جنازے کے ساتھ جانے کی کیسے اجازت ہوگی۔ اسی لیے غنیہ میں فرمایا کہ یہ مت پوچھ کہ یہ جائز ہے یا ناجائز' یہ پوچھ کہ اس عورت پر کتنی لعنت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور کتنی فرشتوں کی طرف سے اور کتنی صاحب قبر کی طرف سے۔

٧٥٠- ح: قَالَتْ نُهِينَا اَنْ نُحِدَّ اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ

[فرمایا: کسی کا تین دن سے زیادہ سوگ نہیں]

٧٥٠- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ تُوُفِّيَ ابْنٌ لِاُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ دَعَتْ بِصُفْرَةٍ فَتَمَسَّحَتْ بِهٖ وَقَالَتْ نُهِيْنَا اَنْ نُحِدَّ اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ اِلَّا بِزَوْجٍ.

حضرت محمد بن سیرین نے فرمایا: حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کے ایک صاحبزادے فوت ہو گئے' پس جب تیسرا دن ہوا تو انہوں نے پیلے رنگ کی خوشبو منگا کر ملی' اور فرمایا کہ ہمیں شوہر کے علاوہ کسی اور کا تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے منع کیا گیا ہے۔

(بخاری۔ باب: احداد المرأة على غير زوجها ص ١٧٠' ج ٢۔ کتاب الطلاق۔ باب: الكحل للحادة ص ٨٠٤)

٧٥١- ح: لَمَّا جَآءَ نَعْيُ اَبِيْ سُفْيَانَ مِنَ الشَّامِ

[جب شام سے ابوسفیان کی وفات کی خبر آئی]

٧٥١- عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا جَآءَ نَعْيُ اَبِيْ سُفْيَانَ مِنَ الشَّامِ دَعَتْ اُمُّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِصُفْرَةٍ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَمَسَحَتْ عَارِضَيْهَا

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب شام سے ابوسفیان کی وفات کی خبر آئی' ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیسرے دن پیلے رنگ کی خوشبو منگائی اور اسے اپنے دونوں رخساروں

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۱۲

وَذِرَاعَيْهَا وَقَالَتْ اِنِّيْ كُنْتُ عَنْ هٰذَا لَغَنِيَّةً لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ وَّعَشْرًا.

ور بازوؤں پر ملا اور فرمایا: میں اس سے مستغنی ہوں' اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو عورت اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتی ہو' اسے یہ جائز نہیں کہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے' ہاں! شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ منائے۔

(بخاری۔ باب: احداد المرأة على غير زوجها ص ۱۷۰' ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن ص ۸۰۴' مسلم۔ کتاب الطلاق)

۷۵۲- ح: لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ (الخ)

[کسی عورت کے لیے میت پر (تین دن سے زیادہ) سوگ جائز نہیں]

۷۵۲- عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ثُمَّ دَخَلْتُ عَلٰى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَخُوْهَا فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فَمَسَّتْ بِهٖ ثُمَّ قَالَتْ مَا لِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تُحِدُّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا.

حضرت زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی رفیقہ حیات اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئی تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو' اسے جائز نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے' ہاں شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ منائے' اس کے بعد اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کے یہاں آ گئی جبکہ ان کے بھائی فوت ہوئے تھے تو انہوں نے خوشبو منگائی اور اسے ملا اور فرمایا: مجھے خوشبو کی حاجت نہیں' سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو' اسے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے' البتہ شوہر پر چار مہینے دس دن منائے۔

(بخاری۔ باب: احداد المرأة على غير زوجها ص ۱۷۰' ج ۲۔ باب: تحد المتوفى عنها زوجها اربعة اشهر وعشرا ص ۸۰۳' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الطلاق)

''تُحِدُّ'' کا مصدر الاحداد ہے' اس کا مصدر ثلاثی مجرد سے ''حَدٌّ حِدَادٌ'' ہے۔ نصر ینصر اور ضرب یضرب' دونوں سے آتا ہے۔ اس کا معنی کسی مرنے والے پر غمگین ہونا اور زینت چھوڑ دینا ہے۔ ''صفرة'' پیلا رنگ' اس کا اکثر استعمال پیلے رنگ کی خوشبو کے معنی میں ہے۔ کتاب الطلاق میں ''بصفرة'' کے بجائے ''بطیب'' ہے اور محمد بن یوسف سے جو روایت ہے' اس میں یہ ہے: ''بطيب فيه صفرة خلوق او غيره فدهنت منه جاريته'' یعنی خوشبو منگائی جس میں صفرہ خلوق یا اور کچھ تھا' لونڈی کو حکم دیا' اس نے اس میں سے کچھ لے کر تیل ملایا' پھر اُم المؤمنین نے اسے لے کر اپنے رخساروں اور کلائیوں پر ملا۔ تیسری حدیث میں وہاں یہ زائد ہے کہ اُم المؤمنین حضرت زینب نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: خلوق اس عہد کی ایک مشہور خوشبو ہے جسے زعفران وغیرہ ملا کر بناتے تھے۔

حضرت ابوسفیان کا وصال کہاں ہوا؟

"نعی ابی سفیان" "نَعْیٌ، نَعِیٌّ" "موت کی خبر" یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے والد ماجد ہیں۔ یہ حدیث اس پر نص ہے کہ حضرت ابوسفیان کا وصال شام میں ہوا تھا۔ اگر چہ تمام اہل سیر اس پر متفق ہیں کہ ان کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا' حتیٰ کہ خود علامہ بدرالدین عینی نے بھی حدیث ہرقل کے تحت یہی لکھا۔ اسی کی پیروی کرتے ہوئے' نزہۃ القاری' ج ا ص ۲۴۰' رقم: ۷ میں' میں نے یہی لکھا' مگر یہاں علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ "بالشام" کہنے میں نظر ہے۔ یہ اضافہ حضرت سفیان بن عیینہ کی روایت میں ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہم ہے' اس روایت میں "ابن" چھوٹ گیا ہے' اس لیے کہ شام میں یزید بن ابی سفیان کا وصال ہوا تھا۔ علامہ عینی نے اس کا حسب عادت بہت شدومد کے ساتھ ردّ فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ سفیان بن عیینہ کی شان یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم چلا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علامہ عینی کی تحقیق یہی ہے کہ ان کا وصال شام میں ہوا۔ اور ابن ابی شیبہ' دارمی اور مسند امام احمد کی روایت میں جو آیا ہے کہ ان کے بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار کی موت کی خبر آئی تو اُم المؤمنین نے خوشبو لگائی۔ اس کی توجیہ خود علامہ ابن حجر نے یہ فرمائی کہ ہوسکتا ہے دونوں کے وصال کی خبر پر ایسا کیا ہو۔

اقول باللہ التوفیق: مگر تیسری حدیث سے اس پر اشکال ہے' اس لیے کہ اس میں اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے بعد ہے: "ثم دخلت علی زینب بنت جحش" اور کتاب الطلاق میں "فدخلت" ہے' "ثم" "تراخی کے لیے ہے اور "فا" "تعقیب کے لیے ہے' دونوں کی دلالت ترتیب پر ہے۔ اب ماحصل یہ نکلا کہ زینب بنت ابوسلمہ کہہ رہی ہیں کہ اُم المؤمنین اُم حبیبہ کے بعد میں اُم المؤمنین حضرت زینب کے یہاں گئی' اُم المؤمنین حضرت زینب کا وصال ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں ہو گیا تھا' تو ماننا پڑے گا کہ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ کا واقعہ ۲۰ھ یا ۲۱ھ سے پہلے کا ہے۔ اور حضرت ابوسفیان کا وصال ۳۴ھ میں ہوا ہے۔ علامہ عینی نے یہ جواب دیا کہ "ثم" اور "فا" "ترتیب کے لیے ہے' اس میں اختلاف ہے۔ اور اگر ترتیب کے لیے ہے بھی تو یہاں ترتیب ذکر کرنے میں ہے نہ کہ واقع ہونے میں۔ اگر چہ حدیث کا سیاق اس کے خلاف ہے مگر امام بخاری کی عظمت شان کے لحاظ سے اسے قبول ہی کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

اخوھا

اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے تین بھائی تھے' عبیداللہ' یہ حبشہ میں نصرانی ہو کر مرا۔ دوسرے عبداللہ' یہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے' اس وقت اُم المؤمنین حبشہ میں تھیں اور ابھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔ تیسرے ابواحمد' جن کا نام عبد یا عبداللہ تھا' یہ اُم المؤمنین کے بعد تک باحیات رہے۔ عبیداللہ کا انتقال ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حیات ظاہری کے ساتھ جلوہ فرما تھے' پھر اُم المؤمنین کے اس ارشاد کا کوئی محل نہیں' مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما تھے تو خوشبو کی کیوں حاجت نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے یہ فوت ہونے والا اُم المؤمنین کا کوئی سوتیلا بھائی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

مسائل

عورت پر اپنے شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن فرض ہے' مگر یہ غیر حاملہ کے لیے ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے' اگر شوہر کی وفات کے بعد فوراً ہی بچہ پیدا ہو جائے تو عدت پوری ہو گئی۔ ارشاد ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق:۴)

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (البقرہ:۲۳۴) اور تم میں جو لوگ فوت ہوں اور بیبیاں چھوڑیں تو یہ بیبیاں چار مہینے دس دن اپنے کو روکے رکھیں۔

یہ دونوں آیتیں جزوی طور پر متعارض ہیں' اگر کوئی مر گیا اور اس کی زوجہ حاملہ ہو تو سورۂ بقرہ کی آیت کے مطابق اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے' اور سورۂ طلاق کے مطابق وضع حمل ہے' یہ چند منٹ میں بھی ہو سکتا ہے اور چار مہینے دس دن سے زائد میں بھی' مگر چونکہ سورۂ طلاق بعد میں نازل ہوئی ہے' اس لیے یہ اس صورتِ خاص میں اس کی ناسخ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سورۂ نساء قصریٰ سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام بخاری نے حضرت زینب بنت ابی سلمہ اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ سبیعہ اسلمیہ کے ان کے شوہر کی وفات کے چند رات بعد بچہ پیدا ہوا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نکاح کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ (بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ص ۸۰۲)

شوہر کے علاوہ اور کسی میت پر سوگ واجب نہیں' تین دن تک منانے کی اجازت ہے اور یہی حال مطلقہ کی عدت کا بھی ہے' یعنی آیہ کریمہ ''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' (البقرہ:۲۲۸) اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو تین حیض روکے رکھیں' کے عموم سے غیر مدخولہ حاملہ آئسہ صغیرہ خاص ہیں۔ غیر مدخولہ پر عدت نہیں' حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور آئسہ صغیرہ کی عدت تین مہینہ ہے۔

اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام رملہ' یہ حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی اور حضرت معاویہ کی بہن تھیں۔ یہ قدیم الاسلام خاتون ہیں' پہلے ان کا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا' یہ پہلے اسلام لایا اور حضرت اُم حبیبہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گیا اور وہاں جا کر نصرانی ہو گیا۔ ۵ھ یا ۶ھ میں مر گیا' اس کی موت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر نجاشی شاہِ حبشہ نے ان کا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا' چار سو دینار یا چار سو درہم مہر مقرر ہوا' جسے نجاشی نے خود ادا کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر مدینہ طیبہ بلوا لیا۔ اس وقت تک غیر محرم کے ساتھ عورت کو سفر کرنے کی ممانعت نہ تھی' ان کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب حضرت ابوسفیان فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ طیبہ آئے اور ان کے گھر گئے' چاہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھ جاؤں تو انہوں نے بستر سمیٹ لیا۔ حضرت ابوسفیان نے پوچھا: بیٹی! کیا بات ہے؟ میں اس بستر کے لائق نہیں یا یہ بستر میرے لائق نہیں؟ اس پر اُم المؤمنین نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے' تم مشرک ہو' تمہیں اس پر کیسے بیٹھنے دوں؟ ۴۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ جنت البقیع میں بقیہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ آرام فرما ہیں۔

باب کی توضیح

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب باندھا: ''باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت الخ'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان: میت کو اس کے بعض اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے' جبکہ میت پر چلانا اس کی عادت ہو۔ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے: ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب

نگہبان ہو اور تم سب سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا جنہیں تمہاری نگہبانی میں دیا گیا ہے اور اگر میت پر چیخنا اس کا طریقہ نہیں تو وہ ایسے ہے' جیسے حضرت عائشہ نے فرمایا: کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی اور وہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بوجھ سے لدی ہوئی کوئی جان بوجھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو وہ اس بوجھ میں سے کچھ نہ اُٹھائے گی' اور اس کا بیان کہ چلائے بغیر رونے کی اجازت ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی کسی کو ظلماً قتل کرے گا تو پہلے آدم کے بیٹے قابیل پر اس خون کا حصہ رہے گا' اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل ایجاد کیا۔

اس میں ''بعض'' بعینہٖ حدیث کا جز ہے۔ ایک حدیث کے بعد وہ حدیث یہیں مذکور ہے' پھر بعد میں امام بخاری نے یہ افادہ فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ'' بے شک میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میت پر رونا مرنے والے کی عادت ہو۔ اس کی تائید میں پہلے سورۂ تحریم کی یہ آیت پیش فرمائی:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (التحریم:۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنے ماں باپ کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہی کرتا ہے' جب ماں باپ کی عادت نوحہ کرنے کی ہوگی تو ان کی دیکھا دیکھی اس کے اہل بھی نوحہ کریں گے' تو ماں باپ اہل و عیال کے نوحہ کرنے کے سبب ہوئے۔ اگر ان کی عادت نہ ہوتی تو اس کے اہل و عیال نوحہ نہ کرتے' تو نوحہ کرکے وہ بھی جہنم کے مستحق ہوئے اور ان سے سیکھ کر اہل و عیال بھی۔ نوحہ کرنے والوں نے نہ اپنے آپ کو جہنم سے بچایا نہ اپنے اہل و عیال کو بچایا۔ اب ثابت ہوا کہ جس کی عادت نوحہ کرنے کی ہو' اس پر مرنے کے بعد نوحہ کرنے والوں کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے: ''کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ'' تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اس کے بارے میں سوال ہوگا جس کی نگہبانی اس کے ذمے ہے۔

اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب کوئی گناہ میں مبتلا ہو اور اسے دیکھ کر اس کے اہل و عیال گناہ کریں تو اس سے مواخذہ ہوگا' اب اگر کوئی نوحہ کرنے کا عادی ہو اور اس سے سیکھ کر اس کے اہل و عیال نوحہ کریں تو وہ ضرور عذاب کا مستحق ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا: اور اگر اس کی نوحہ کرنے کی عادت نہیں تو وہ ایسا ہے جسے اُم المؤمنین حضرت عائشہ نے فرمایا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ. (فاطر:۱۸) کسی پر دوسرے کا گناہ نہیں لادا جائے گا' اور اگر بوجھ سے لدا ہوا کوئی اپنا بوجھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو وہ اس کے بوجھ سے کچھ نہیں اُٹھائے گا۔

آیت کے پہلے حصے کا مطلب یہ ہے کہ منجانب اللہ ایسا نہ ہوگا کہ کسی کے گناہ پر دوسرے سے مواخذہ ہو' اور دوسرے حصے کا یہ ہے کہ اگر کوئی گناہوں سے گراں بار کسی کو بلائے کہ میرا کچھ گناہ اپنے ذمے لے لو تو کوئی تیار نہیں ہوگا' اگرچہ قریبی رشتہ دار ہو' تو پھر پسماندگان کے نوحہ کرنے پر میت پر عذاب ہونے کا سوال ہی نہیں' پھر امام بخاری نے فرمایا کہ چیخے چلائے بغیر میت پر رونے کی اجازت ہے۔ یہ باب کا دوسرا جز ہے۔ اس مضمون کی طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت قرظہ بن کعب اور حضرت

ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت بغیر آواز کے رونے کی ہمیں رخصت دی گئی ہے‘ مگر چونکہ یہ امام بخاری کی شرط پر نہیں‘ اس لیے اسے اپنی صحیح میں درج نہیں فرمایا اور اسے باب کا عنوان قرار دیا۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۷۱)

اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر فرمائی:

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلٰى ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا وَذٰلِكَ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ.

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر اس خون کا حصہ ہوگا‘ اس لیے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

یہ حدیث امام بخاری نے کتاب الانبیاء‘ باب خلق آدم اور کتاب الدیات ”باب من احیاها“ اور کتاب الاعتصام ”اثم من دعا الی ضلالة“ میں موصولاً ذکر فرمائی ہے۔ یہاں اس کی تائید میں لائے ہیں کہ میت پر نوحہ کرنے سے عذاب اس وقت ہوگا جبکہ میت کی عادت نوحہ کرنے کی ہو۔ وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح گناہ کے موجد پر بعد کے سب عمل کرنے والوں کا وبال ہے‘ کیونکہ بعد والوں نے اسی سے سیکھا ہے‘ اسی طرح جب میت سے سیکھ کر اس کے گھر والے نوحہ کر رہے ہیں تو میت پر عذاب ہوگا۔

۷۵۳- ح: اَرْسَلَتْ بِنْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اِنَّ ابْنًا لِّيْ قُبِضَ

[نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کے پاس خبر بھیجی کہ میرا ایک بیٹا قریب المرگ ہے]

۷۵۳- حَدَّثَنِيْ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَرْسَلَتْ بِنْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اِنَّ ابْنًا لِّيْ قُبِضَ فَاْتِنَا فَاَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَّاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَّزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَّرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهٗ تَتَقَعْقَعُ قَالَ حَسِبْتُهٗ اَنَّهٗ قَالَ كَاَنَّهَا شَنٌّ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ وَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث بیان کی‘ فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے حضور کے پاس خبر بھیجی کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں‘ میرا ایک بیٹا قریب المرگ ہے‘ حضور نے ان کے پاس کہلایا: جاؤ! کہہ دو وہ سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں: بے شک اللہ ہی کا ہے‘ جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کی بارگاہ میں میعاد مقرر ہے‘ اسے چاہیے کہ صبر کرے اور ثواب کی اُمید رکھے‘ پھر ان کی صاحبزادی نے حضور کے پاس کہلایا کہ وہ حضور کو قسم دیتی ہے کہ ضرور تشریف لائیں‘ اب حضور اُٹھے اور حضور کے ساتھ سعد بن عبادہ‘ معاذ بن جبل اور اُبی بن کعب اور زید بن ثابت اور بہت سے لوگ تھے‘ جب حضور وہاں پہنچے تو وہ بچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اور حضور نے اسے گود میں لے لیا‘ وہ دم توڑ رہا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ انہوں نے کہا: گویا وہ مشک ہے‘ اس کے اثر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس پر سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ شفقت ہے‘ جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمایا ہے‘ اور اللہ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم فرماتا ہے جو رحم

کرنے والے ہیں۔

(بخاری۔ باب: قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ ص ۱۷۱، ج ۲۔ کتاب المرضیٰ۔ باب: عیادۃ الصبیان ص ۸۴۴، کتاب القدر۔ باب: قولہ وکان امر اللّٰہ قدرا مقدورا ص ۹۷۶، کتاب الایمان والنذور۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم ص ۹۸۴، کتاب التوحید۔ باب: قل ادعوا اللّٰہ او ادعوا الرحمٰن ص ۱۰۹۷، باب: ما جاء فی قول اللّٰہ ان رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین ص ۱۱۰۸، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

بنت النبی ﷺ یہ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں اور یہ وہ صاحبزادے تھے جن کا نام علی تھا نہ کہ حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا، اس لیے کہ حضرت امامہ، حضور اقدس ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اور اہل تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے صرف دو ہی بچے ہوئے، ایک حضرت امامہ، دوسرے حضرت علی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ حضرت علی اتنے بڑے ہونے تک جیے کہ قریب بلوغ پہنچ چکے تھے، انہیں فتح مکہ کے موقع پر حضور نے اپنے ساتھ اپنی سواری پر بٹھایا تھا، اتنے بڑے بچے کو صبی یعنی لڑکا نہیں کہا جاتا۔ علامہ عینی نے فرمایا: ابن سیدہ نے کہا کہ پیدائش کے وقت سے جب تک بڑا نہ ہو جائے، صبی کہا جاتا ہے اور یہی ہمارے عرف میں لڑکے بچے کا حال ہے۔ اس لیے جن روایتوں میں بنت کا لفظ آیا ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہے، حضرت علامہ ابن حجر کا رجحان یہ ہے کہ حضرت امامہ تھیں جو حضور اقدس ﷺ کی برکت سے اس مرض سے صحت یاب ہو گئیں کیونکہ بہت سی حدیثوں میں ان کے نام کی تصریح بھی آئی ہے، جیسا کہ مسند امام احمد بن حنبل[1] میں اسی سند کے ساتھ اور طبرانی[2] میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قبض

یہ معنی میں اس کے ہے کہ قریب ہے کہ اس کی روح قبض کر لی جائے، اس لیے کہ کتاب القدر میں ہے: "ان ابنھا یجود بنفسہ" کہ ان کے صاحبزادے دم توڑ رہے ہیں۔ کتاب التوحید میں ہے کہ ان کے صاحبزادے دم توڑ رہے ہیں، پھر اسی حدیث کا اخیر حصہ اس کی دلیل ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے فوت نہیں ہوئے تھے۔

فرفع الیہ

کتاب الایمان میں ہے: اور انہیں اپنی گود میں بٹھایا۔

ونفسہ تتقعقع

اس کا مصدر "تقعقع" ہے، اس کے معنی مضطرب ہونا، بے قرار ہونا، متحرک ہونا، سوکھی چیز کی حرکت سے جو آواز نکلے۔ مراد یہ ہے کہ ان کی سانس اکھڑ چکی تھی، وہ دم توڑ رہے تھے۔

یہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ اور متعدد کتب حدیث میں مذکور ہے، کہیں "ابنا" ہے کہیں "بنتا" ہے، کہیں اُمیمہ ہے۔ خود بخاری کتاب المرضیٰ میں "ابنتی" ہے اگرچہ کہیں ایک نسخہ میں "ابنی قد حضر" بھی ہے، مگر کسی میں انجام مذکور نہیں، اسی لیے علامہ ابن حجر نے یہ نکتہ پیدا فرمایا کہ یہ مریض حضور اقدس ﷺ کی برکت سے صحت یاب ہو گیا، اس لیے وہ اسے ترجیح دیتے ہیں کہ یہ حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما تھیں، جبکہ بعض روایتوں میں صراحۃً ان کا نام مذکور ہے۔

مگر حدیث کا سیاق یہ بتا رہا ہے کہ وہ مریض بچے نہیں، اس لیے علامہ عینی اسے راجح فرما رہے ہیں کہ وہ حضرت علی بن ابوالعاص

---

[1] مسند امام احمد۔ ص ۲۰۴ [2] فتح الباری۔ ج ۳ ص ۱۳۵

رضی اللہ عنہما تھے۔

کانها شن

"شن" پرانی سوکھی مشک کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ صاحبزادے بالکل سوکھ گئے تھے جیسے پرانا سوکھا مشک ہو ضعف و نقاہت سے صرف ہڈی چمڑا رہ گیا تھا۔ کتاب التوحید کی روایت میں ہے: "کانها فی شن" گویا وہ مشک میں تھے یعنی بدن سوکھے مشک کی طرح ہو گیا تھا اور سانس یوں چل رہی تھی جیسے سوکھے مشک میں کنکری ڈال کر ہلائیں اور آواز ہو جس کو ہمارے عرف میں کہتے ہیں کہ سانس اکھڑ چکی ہے۔

ففاضت عيناه

یعنی بچے کا یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازراہِ شفقت یارائے ضبط نہ رہا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا اس لیے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و ضبط کو بارہا ملاحظہ فرما چکے تھے۔ غزوۂ اُحد کی اس قیامت خیز گھڑی میں زخمی ہونے کے باوجود ان کی زبان سے اُف تک نہ نکلی غزوۂ خندق کی اس شدت میں جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ دل حلقوم تک آ گئے تھے پہاڑ سے بھی زیادہ استقامت تھی اور آج بچے کا یہ حال ملاحظہ فرما کر رو رہے ہیں یا تعجب اس پر ہوا کہ میت پر رونے سے منع فرمایا ہے پھر یہ آنسو کیوں بہہ رہے ہیں؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شفقت کا مقتضی ہے جو اختیاری نہیں فطری ہے اور یہ ممنوع نہیں بلکہ محمود ہے اس لیے کہ اللہ عزوجل اپنے انہیں بندوں پر مہربانی فرماتا ہے جو خود دوسروں پر مہربان ہوتے ہیں۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بیمار پرسی واجب نہیں ہے سنت ہے نیز یہ کہ میت کی تجہیز و تکفین واجب عین نہیں کفایہ ہے۔ چھوٹے بچوں کی بیمار پرسی بھی مسنون ہے۔ اپنے بڑے کو یا چھوٹے کو کسی مسنون بلکہ مستحب بلکہ مباح کام کے لیے قسم دلانا جائز ہے اور ایسی قسم کا پورا کرنا مستحب ہے۔ کوئی بزرگ کہیں جائیں تو ان کے اصحاب و تلامذہ کو ساتھ جانا چاہیے اگر کوئی حرج نہ ہو چھوٹے بچوں کو گود میں لینا سنت ہے کسی میت پر رونے میں حرج نہیں جبکہ بہ طور جزع فزع اور چیخ چلا کر نہ ہو بلکہ محمود ہے۔

٧٥٤- ح: شَهِدْنَا بِنْتًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی قبر پر حاضر ہوئے]

٧٥٤- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْنَا بِنْتًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ قَالَ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ قَالَ فَقَالَ هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَا قَالَ فَانْزِلْ قَالَ فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی کی قبر پر ہم حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر بیٹھے تھے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں فرمایا: تم میں کوئی شخص ایسا ہے جو آج رات عورت کے قریب نہیں گیا ہے؟ تو ابوطلحہ نے عرض کیا: میں! تو فرمایا: ان کی قبر میں اترو! تو وہ ان کی قبر میں اترے۔

(بخاری۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہ ص ١٧١ باب: من یدخل قبر المرأۃ ص ١٧٥ ترمذی)

الشمائل)

یہ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں جن کا وصال ۹ ھ میں ہوا تھا' حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نہیں ہیں' اس لیے کہ ان کا وصال اس وقت ہوا تھا جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تشریف فرما تھے' اور آپ واپسی سے پہلے ہی دفن ہو چکی تھیں۔

جالس علی القبر

مراد یہ ہے کہ قبر کے کنارے بیٹھے تھے' یہ مراد نہیں کہ قبر کے اوپر بیٹھے تھے' اس لیے کہ ابھی حضرت سیدہ اُم کلثوم دفن بھی نہیں ہوئی تھیں۔ نیز خود فرمایا کہ کوئی انگارے پر بیٹھے اور وہ اس کے کپڑے جلا دے' پھر وہ کھال تک پہنچ جائے' بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی کسی قبر پر بیٹھے۔ (مسلم۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ فصل: فی النھی عن الجلوس علی القبر ص ۳۱۲)

عینیہ تدمعان

اس سے ثابت ہوا کہ بے جزع فزع' بے آواز کے رونا ممنوع نہیں' محمود ہے۔ اس حصے سے باب کے دونوں جز ثابت ہو گئے۔
حضرت سیدہ فاطمہ زہرا' حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کے کنارے رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ یا کپڑے سے ان کے آنسو پونچھنے لگے۔

لم یقارف

اس کے معنی "لم یقارب" کے ہیں' اس کا مفعول محذوف المرأۃ ہے' یہی جمہور شراح کی توجیہ ہے مگر خطابی نے فرمایا کہ "الذنب" ہے اور یہی اس حدیث کے ایک راوی فلیح کا بھی قول ہے' مگر یہ بعید ہے' اس لیے کہ اس تقدیر پر لازم آئے گا کہ سوائے حضرت ابوطلحہ کے تمام حاضرین نے اس رات گناہ کا ارتکاب کیا تھا' لہٰذا پہلی ہی توجیہ راجح ہوئی۔ اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے' جسے امام بخاری نے تاریخ اوسط میں اور امام حاکم نے ذکر کیا ہے کہ فرمایا: قبر میں ایسا کوئی نہ اترے جو آج رات اپنے اہل کے قریب گیا ہو' تو حضرت عثمان ہٹ گئے۔ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اس رات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کسی باندی سے قربت کر لی تھی۔ یہ ان پر تعریض تھی' لیکن ان کی طرف سے یہ معذرت کی جا سکتی ہے کہ انہیں کیا معلوم تھا کہ آج ہی حضرت سیدہ اُم کلثوم کا وصال ہو جائے گا' اور ان کی علالت طویلہ کی وجہ سے وہ مجبور رہے ہوں' بیوی کے مرنے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے' اس لیے حضرت عثمان بھی اجنبی ہو گئے تھے۔ اب ان کی اور حضرت ابوطلحہ کی حیثیت برابر ہو گئی تھی' چونکہ میت کفن میں لپٹی ہوتی ہے' اس لیے اسے قبر میں اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہو سکتا ہے' اس وقت حضرت سیدہ اُم کلثوم کے محارم میں سے کوئی موجود نہ رہا ہو' ایسی صورت میں کوئی بھی عورت کو قبر میں اتار سکتا ہے' البتہ صلحاء اتقیاء کو ترجیح ہے۔ حضرت ابوطلحہ کے صالح اور متقی ہونے میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ وہ قبر کھودنے کے ماہر تھے' نیز ان کی وجہ ترجیح یہ ہو سکتی ہے کہ وہ قبر کو اچھی طرح تیار کر سکتے تھے۔

۷۵۵- ح: اَلَا تَنْهَى عَنِ الْبُكَاءِ [عورتوں کو رونے سے منع کرنا]

۷۵۵- اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمَكَّةَ وَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَاِنِّیْ لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا اَوْ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى اَحَدِهِمَا ثُمَّ جَاءَ

عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی کا مکہ میں وصال ہوا اور ہم لوگ آئے تاکہ ان کے جنازے میں شرکت کریں اور وہاں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس بھی موجود تھے' میں دونوں کے بیچ میں بیٹھا تھا' یا یہ کہ میں

الْاٰخَرُ فَجَلَسَ اِلٰی جَنْبِیْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ اَلَا تَنْہٰی عَنِ الْبُکَاءِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَہْلِہٖ عَلَیْہِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَدْ کَانَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِکَ ثُمَّ حَدَّثَ قَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَّکَّۃَ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْبَیْدَاءِ اِذَا ھُوَ بِرَکْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَۃٍ فَقَالَ اذْھَبْ فَانْظُرْ مَنْ ھٰؤُلَآءِ الرَّکْبُ قَالَ فَنَظَرْتُ فَاِذَا صُہَیْبٌ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ ادْعُہٗ لِیْ فَرَجَعْتُ اِلٰی صُہَیْبٍ فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَلَمَّا اُصِیْبَ عُمَرُ دَخَلَ صُہَیْبٌ یَبْکِیْ یَقُوْلُ وَا اَخَاہُ وَا صَاحِبَاہُ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ یَا صُہَیْبُ اَتَبْکِیْ عَلَیَّ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُکَاءِ اَہْلِہٖ عَلَیْہِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِعَائِشَۃَ فَقَالَتْ رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ وَاللّٰہِ مَا حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیُعَذِّبُ الْمُؤْمِنَ بِبُکَاءِ اَہْلِہٖ عَلَیْہِ وَلٰکِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَیَزِیْدُ الْکَافِرَ عَذَابًا بِبُکَاءِ اَہْلِہٖ عَلَیْہِ وَقَالَتْ حَسْبُکُمُ الْقُرْاٰنُ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (الانعام:١٦٤) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِکَ وَاللّٰہُ ﴿ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی﴾ قَالَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ وَاللّٰہِ مَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَیْئًا.

(بخاری۔ باب: قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اہلہ ص ۱۷۲، مسلم نسائی۔ کتاب الجنائز)

ایک کے پاس بیٹھا کہ دوسرے صاحب آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عمرو بن عثمان سے فرمایا: تم عورتوں کو رونے سے کیوں نہیں منع کرتے؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کچھ کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد حدیث بیان کی' فرمایا کہ حضرت عمر کے ساتھ میں مکہ سے لوٹ رہا تھا' جب ہم بیداء پر پہنچے تو ایک قافلہ ایک ببول کے درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا' مجھ سے فرمایا: جاؤ! دیکھو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے نگاہ کی تو وہ حضرت صہیب تھے' میں نے حضرت عمر کو خبر کی تو فرمایا: انہیں بلاؤ! میں لوٹ کر حضرت صہیب کے پاس گیا اور میں نے کہا: امیر المؤمنین سے ملو' اس کے بعد جب حضرت عمر کو زخمی کیا گیا تو حضرت صہیب ان کے پاس آ کر رونے لگے' ہائے بھائی! ہائے دوست! اس پر حضرت عمر نے ان سے فرمایا: اے صہیب! تم مجھ پر روتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مردہ اپنے اہل خانہ کے بعض کے رونے پر مبتلائے عذاب کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ حضرت عمر پر رحم فرمائے! بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اللہ مؤمن پر اس کے اہل کے رونے سے عذاب فرماتا ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: بے شک اللہ کافر پر عذاب بڑھا دیتا ہے' اس کے اہل کے اس پر رونے سے' اور اُم المؤمنین نے فرمایا: تمہیں قرآن کافی ہے' کسی کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جائے گا۔ اس وقت حضرت ابن عباس نے کہا: اور اللہ ہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر حضرت ابن عمر کچھ نہیں بولے۔

یہ صاحبزادی اُم ابان بنت عثمان تھیں' جیسا کہ مسلم[1] میں ہے۔

[1] مسلم۔ کتاب الجنائز۔ فصل: ان المیت یعذب ببکاء اہلہ ص ۳۰۲

حضرت صہیب بن سنان

ان کی کنیت ابو یحییٰ ہے، یہ موصل کے قریب دجلہ کے کنارے یا دجلہ وفرات کے دو آبے میں ایک گاؤں کے باشندے تھے۔ ان کے والد کسریٰ کی طرف سے ابُلّہ کے حاکم تھے۔ ان کے بچپن میں رومیوں نے حملہ کیا اور مال ومتاع کے ساتھ انہیں بھی اُٹھا لے گئے۔ ان کی نشو ونما رومیوں میں ہوئی، جب جوان ہو گئے تو بنی کلب رومیوں سے خرید کر انہیں مکہ لائے اور عبداللہ بن الجدعان کے ہاتھ بیچ دیا، اس نے ان کو آزاد کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ خود بھاگ کر مکہ آئے اور عبداللہ کے حلیف بن گئے۔ حضور اقدس ﷺ جب دار ارقم میں تشریف فرما تھے کہ تیسویں نمبر پر یہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ یہ سب سے آخری مہاجر ہیں۔ حضور اقدس ﷺ ابھی قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر تھے کہ یہ بھی پہنچ گئے، سب لوگ کھجوریں کھا رہے تھے۔ یہ بھوکے تھے کھجوروں پر ٹوٹ پڑے، ان کی ایک آنکھ میں آشوب تھا، کھجوریں آشوب میں مضر ہیں۔ حضرت صہیب خوش طبع تھے، حضرت عمر نے چھیڑا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ملاحظہ فرمائیں کہ صہیب کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں اور کھجوریں کھا رہے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا: صہیب! اس حال میں کھجوریں کھا رہے ہو؟ عرض کیا: جو آنکھ دُکھ رہی ہے اس طرف سے نہیں کھا رہا ہوں، جو اچھی ہے اس طرف سے کھا رہا ہوں۔ حضور ہنس پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر بہت اعتماد تھا، اسی وجہ سے وصیت فرمائی کہ جب تک شوریٰ کسی خلیفہ کا انتخاب نہ کرے، صہیب نماز پڑھائیں گے اور اُمورِ خلافت کو انجام دیں۔ چنانچہ تین دن تک یہ اس منصب پر فائز رہے۔ ۳۸ھ میں جب عمر مبارک ۷۲ سال کی ہوئی تو مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا اور دنیائے اسلام کے سب سے متبرک قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: صہیب روم کا پہلا پھل ہے۔

توجیہ حدیث

یہ حدیث مشکل ترین احادیث میں شمار کی جاتی ہے، اس حدیث میں متعدد اشکال ہیں۔

پہلا اشکال

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ میت پر اس کے اہل کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اس حدیث میں چار عموم ہیں، میت عام ہے اس سے کہ کافر ہو یا مسلمان، اس کے رونے کی عادت ہو یا نہ ہو، اس نے رونے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ دوسرا عموم عذاب میں ہے، جسمانی ہو یا روحانی۔ تیسرا عموم رونے میں ہے، یہ رونا اختیاری ہو یا غیر اختیاری، آواز سے ہو یا بلا آواز، جزع فزع وغیرہ کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔

اور حضرت ابن عباس سے حضرت عمر کی جو حدیث مروی ہے، اس میں بکاء کی بعض بکاء کے ساتھ تخصیص ہے اور یہ تخصیص مبہم ہے، وہ بعض رونا کیا ہے؟ یہ ظاہر نہیں، اس اشکال کو امام بخاری نے دو طرح عنوان میں حل فرمایا ہے، ایک یہ کہ حضرت ابن عمر کی حدیث کا عموم حضرت ابن عباس کی حدیث سے خاص ہے، یعنی یہ اس کی مخصص ہے۔ اس میں بھی مراد بعض ہی بکاء ہے، پھر اس کے ابہام کو دو طرح واضح فرمایا، ایک یہ کہ میت پر عذاب اس وقت ہوگا جب میت کی خود بھی نوحہ کرنے کی عادت ہو۔ یہ تخصیص میت میں ہوئی پھر ان کے واسطے سے رونے والوں میں، پھر رونے میں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد آواز کے ساتھ بے صبری اور جزع فزع کے ساتھ رونا ہے۔ اب یہ رونے میں ہوئی۔ ہر ایک کو امام بخاری نے قرآن مجید اور حدیث سے مبرہن فرمایا، جیسا کہ مفصل گزرا۔

حضرت ابن عمر کی حدیث کی تیسری تخصیص حضرت ام المومنین کی حدیث سے ہوئی کہ میت سے مراد کافر ہے۔ چوتھی توجیہ یہ

ہے کہ میت پر عذاب اس وقت ہوتا ہے جب اس نے نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ جب وہ نوحہ کرنے کو پسند کرتا ہو۔ چھٹی توجیہ یہ ہے کہ یہ عذاب یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: کیا تو ایسا تھا' کیا تو ایسا تھا۔ یہ تخصیص عذاب میں ہے' یعنی روحانی عذاب ہوگا' جیسا کہ اسی مضمون کی حدیث آگے آرہی ہے۔

دوسرا اشکال

حضرت اُم المؤمنین نے فرمایا: بخدا! رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اللہ مؤمن پر اس کے اہل کے رونے سے عذاب فرماتا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر کی حدیث میں مؤمن نہیں' میت ہے اور میت کا لفظ کافر کو بھی شامل' پھر اس شدت سے اُم المؤمنین کے انکار کی کیا وجہ۔ حل یہ ہے کہ حضرت صہیب حضرت عمر پر روئے تھے' جس پر حضرت عمر نے وہ حدیث بیان فرمائی۔ اس سے اُم المؤمنین نے یہ سمجھا کہ حضرت عمر اس ارشاد کو مؤمن کے حق میں سمجھے ہوئے ہیں۔ اس کو اُم المؤمنین فرمارہی ہیں کہ ان کا یہ سمجھنا درست نہیں۔ اس ارشا سے مراد صرف کافر ہے' مؤمن نہیں۔

تیسرا اشکال

یہ ہے کہ اُم المؤمنین نے اپنے مدعا پر آیہ کریمہ "لَا تَـزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْـرٰی" (الانعام:۱۶۴) کوئی دوسرے کے بوجھ کو نہیں اُٹھائے گا' اس سے استدلال فرمایا' تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو حق ہے کہ ایک مؤمن پر دوسرے مؤمن کا گناہ نہیں لادا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک کافر پر دوسرے کافر کا گناہ لادا جائے گا' جس کی بناء پر کافر پر اس کے اہل کے رونے سے عذاب ہوگا۔ ظاہر آیت یہی بتارہی ہے کہ اس میں مؤمن کی تخصیص نہیں۔ کافر کا بھی یہی حال ہے اور یہی مقتضائے عدل ہے۔ یہ اشکال علامہ کرمانی کا ہے۔ علامہ عینی نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ چونکہ کافروں کی عادت تھی کہ وہ نوحہ کرنے کی وصیت کرجاتے تھے' جیسا کہ اہل جاہلیت کے اشعار سے ظاہر ہے۔ طرفہ بن عبد کہتا ہے:

اذا مت فانعني بما انا اهله وشقي على الجيب يا ام معبد

"میں جب مرجاؤں تو اے اُم معبد! میرے کمالات بیان کرکے رونا اور گریبان پھاڑنا"۔

اس لیے کافر پر عذاب ہوتا ہے اور مؤمن پر نہیں۔ اس جواب کا ماحصل یہ ہوا کہ یہ آیت کریمہ اُم المؤمنین نے اپنے مدعیٰ کے پہلے جز پر پیش فرمائی کہ ایک کا گناہ دوسرے پر لادا نہیں جاتا' اور مؤمن نوحہ کرنے کی وصیت بھی نہیں کرتا' پھر اس پر اہل خانہ کے نوحہ کرنے سے کیوں عذاب ہوگا۔ کافر پر ہوگا' اس لیے کہ وہ وصیت کرجاتا ہے۔

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اس عذاب سے مراد یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو ایسا ہی تھا؟ کیا تو ایسا ہی تھا؟ جیسا کہ حضرت مغیرہ اور حضرت ابن عمر کی حدیث ابھی آرہی ہے۔ یہ عذاب بھی کم نہیں' اس کی مثال وہ ہے جو قرآن کریم میں ابوجہل کے بارے میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن جہنم میں اس سے کہا جائے گا: "ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝" (الدخان ۴۹) چکھ! تو تو بڑا عزت والا بہت شریف ہے ۝ زیادتی عذاب ہے' مراد مقررہ عذاب پر مزید عذاب' یہ طعن ہے۔

او قال

یہ شک ابن جریج سے ہے' مسلم میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ اُم ابان بنت عثمان کے جنازے کا ہم لوگ انتظار کررہے تھے' اور وہیں عمرو بن عثمان بھی تھے۔ اتنے میں حضرت ابن عباس آئے' انہیں ایک رہبر لارہا تھا (ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں) اور حضرت ابن عمر کی جگہ بتائی تو وہ آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب میں دونوں کے

درمیان ہو گیا کہ گھر میں سے آواز آئی تو حضرت ابن عمر نے وہ فرمایا۔

بیداء

''بیداء'' کے معنی میدان کے ہیں' یہاں وہ میدان مراد ہے جو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے۔

فلما اُصیب

یہ ملاقات حضرت فاروق اعظم کے اخیر حج میں ہوئی تھی' جیسا کہ ایوب کی روایت میں ہے: جب ہم مدینہ آ گئے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت عمر کو زخمی کر دیا گیا۔

قال ابن عباس

اللہ ہی وہ ہے جس نے ہنسایا اور رُلایا' یعنی آنسو پر خود رونے والا اختیار نہیں رکھتا' پھر مجھ پر دوسرے کے رونے سے کیوں عذاب ہو گا۔

ما قال ابن عمر شیئاً

یعنی حضرت ابن عباس کی یہ حدیث سن کر حضرت ابن عمر کچھ نہیں بولے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر کا سکوت اس لیے تھا کہ انہوں نے اسے قبول کر لیا' لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے بحث وتکرار سے بچنے کے لیے سکوت فرمایا' خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ایک حدیث مرفوع بیان کر چکے ہیں۔

اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اپنی بیان فرمودہ حدیث کی تاویل سوچ رہے ہوں اور فوراً تاویل ذہن میں نہ آئی ہو' اس لیے سکوت فرمایا۔

۷۵۶- ح: لَمَّا اُصِيبَ عُمَرُ جَعَلَ صُهَيْبٌ (الخ)

[جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) زخمی کیے گئے تو حضرت صہیب (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے]

۷۵۶- عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ لَمَّا اُصِيبَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَعَلَ صُهَيْبٌ يَقُوْلُ وَا اَخَاهُ فَقَالَ عُمَرُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کیے گئے تو حضرت صہیب کہنے لگے: ہائے بھائی! اس پر حضرت عمر نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک زندہ کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔

(بخاری۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم المیت یعذب ص ۱۷۲)

دونوں حدیثوں کے ایک حصے کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے' یہاں یہ: کیا تم نہیں جانتے' زائد ہے اور وہاں بکاء مقید ہے۔ بعض کے ساتھ اور یہاں مطلق ہے۔ وہاں ''اھل'' ہے یہاں ''الحی'' ہے' اس حدیث میں دو عموم ہوئے' ایک بکاء میں اور ایک باکی' رونے والے میں' مگر گزشتہ حدیث کی تشریح میں گزر چکا کہ جن احادیث میں ''ببعض بکاء'' نہیں ہے' ان میں مراد یہی ہے اور چونکہ میت پر زیادہ اہل وعیال ہی روتے ہیں' اس لیے اہل فرمایا' ورنہ اہل کی تخصیص نہیں کوئی بھی روئے اس کا اثر وہی ہو گا جو اہل وعیال کے رونے کا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ''الحی'' کے معنی قبیلہ ہو۔ اب دونوں کا مضمون ایک ہو گیا' مگر پہلا راجح ہے' ایک تو

میت کا تقابل اس کا مقتضی ہے' دوسرے حضرت صہیب' حضرت عمر کے قبیلہ سے نہیں تھے۔

۷۵۷- ح: مَرَّ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يَّبْكِيْ عَلَيْهَا اَهْلُهَا

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک یہودیہ کے قریب سے گزر ہوا (جس پر اس کے گھر والے) رو رہے تھے]

۷۵۷- عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يَبْكِيْ عَلَيْهَا اَهْلُهَا فَقَالَ اِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَاِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا. (ایضاً)

عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی عورت پر گزرے' جس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے' تو فرمایا: یہ سب اس پر روتے ہیں اور اس کی قبر میں اس پر عذاب ہو رہا ہے۔

یہ ایک حدیث کا اخیر جز ہے' جسے امام مالک نے مؤطا[1] میں ذکر فرمایا ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا گیا کہ عبداللہ بن عمر یہ کہتے ہیں کہ میت کو زندہ کے رونے سے عذاب دیا جائے گا' تو حضرت عائشہ نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن کو اللہ معاف فرمائے! وہ جھوٹ ہرگز نہیں بولتے ہیں' مگر وہ یا تو بھول گئے یا چوک گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی عورت پر گزرے' الخ۔
حدیث "ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ" کی تاویل یہ بھی ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی: "ای عند بکاء اھلہ علیہ" با ظرف کے لیے معنی میں "عند" کے ہے' جیسے "مطرنا بنوء کذا. ای عند نوء کذا" فلاں نچھتر کے وقت بارش ہوئی۔

ت ۲۴۴- وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَعْهُنَّ يَبْكِيْنَ عَلٰى اَبِيْ سُلَيْمَانَ مَا لَمْ يَكُنْ نَقْعٌ اَوْ لَقْلَقَةٌ وَّالنَّقْعُ التُّرَابُ عَلَى الرَّاْسِ وَاللَّقْلَقَةُ الصَّوْتُ.

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو! ابوسلیمان پر روئیں جب تک سر پر دھول نہ ڈالیں اور آواز نہ نکالیں اور نقع کے معنی سر پر دھول ڈالنا اور اللقلقہ کے معنی آواز ہیں۔

(بخاری۔ باب: ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت ص ۱۷۲)

اس تعلیق کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو بنی مغیرہ کی عورتوں نے اکٹھی ہو کر ان پر رونا شروع کر دیا تو حضرت عمر سے کہا گیا کہ کسی کو بھیج کر انہیں منع فرما دیا تو حضرت عمر نے فرمایا: یہ ابوسلیمان پر آنسو بہاتی ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں' جب تک سر پر خاک نہ ڈالیں اور چلائیں نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بے آواز کے میت پر رونا ممنوع نہیں' البتہ آواز کے ساتھ چلا کر رونا منع ہے' اسی سے باب کو مناسبت ہے۔

توضیح باب

یہاں باب کے کلمات یہ ہیں: "ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت" یہاں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ "ما" موصولہ ہے' اب مطلب یہ ہوگا کہ میت پر جو نوحہ کرنا مکروہ ہے' اس کا بیان۔ دوسرے یہ کہ یہ ماء مصدریہ ہے' اب مطلب یہ ہوگا کہ میت پر نوحہ کے مکروہ ہونے کا بیان۔ دونوں تقدیروں پر من بیانیہ ہے' تبعیضیہ کا ہونا دونوں تقدیروں میں سے کسی پر درست نہیں' اس لیے کہ نیاحت کے معنی آواز سے رونے کے ہیں' اور یہ قطعاً جائز نہیں' یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے' جو ناجائز ہے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب نے فیض الباری میں فرمایا: یہاں من تبعیضیہ ہے' اور بعض نوحہ جائز ہے' جیسا کہ حضرت جابر کے والد ماجد پر

[1] مؤطا امام مالک۔ کتاب الجنائز۔ باب: النہی عن البکاء علی المیت ص ۸۸

ان کی پھوپھی روئیں اور حضور نے منع نہیں فرمایا۔

اقول وباللہ التوفیق: حضرت کو یاں حافظ وہمہ دانی یہ خبر ہی نہیں کہ اُس وقت نوحہ کرنا ممنوع ہی نہیں تھا۔ مسند امام احمد[1] ابن ماجہ[2] میں ہے: غزوۂ اُحد سے واپسی کے بعد بنو عبدالاشہل کی خواتین اپنے شہداء پر بین کرنے لگیں تو حضور نے فرمایا: "اما حمزة فلا بواكي له" حمزہ کے لیے رونے والیاں نہیں۔ انصار کرام کو خبر ہوئی تو ان کی خواتین کا شانۂ اقدس میں جمع ہو کر بین کرنے لگیں۔ حضور اقدس ﷺ سو گئے تھے۔ چیخنے چلانے کی آواز سن کر آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا: انصار کی عورتیں حمزہ پر رو رہی ہیں۔ فرمایا: ان سے کہہ دو کہ جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں۔ کیا حدیث منسوخ پر عمل جائز ہے۔

۷۵۸- ح: مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ

[جس پر نوحہ کیا جائے گا' اس کو نوحہ کے سبب عذاب دیا جائے گا]

۷۵۸- عَنِ الْمُغِيْرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ.

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی اور پر جھوٹ باندھنے کے مثل نہیں' جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے' وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے اور میں نے نبی ﷺ سے سنا' فرماتے تھے: جس پر نوحہ کیا جائے گا' اس کو نوحہ کے سبب عذاب دیا جائے گا۔

(بخاری۔ باب: ما یکرہ من النیاحۃ ص ۱۷۲' مسلم' ترمذی۔ کتاب الجنائز)

۷۵۹- ح: يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهٖ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ

[اس کی قبر میں نوحہ کے سبب عذاب دیا جائے گا]

۷۵۹- عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهٖ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ. (بخاری۔ باب: ما یکرہ من النیاحۃ ص ۱۷۲' مسلم' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد ماجد' حضرت عمر سے اور انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا' آپ فرماتے ہیں: میت کو اس کی قبر میں اس پر نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

ت ۲۴۵- وَقَالَ اٰدَمُ عَنْ شُعْبَةَ الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ. (باب: ما یکرہ من النیاحۃ ص ۱۷۲)

اور آدم نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے کہا: میت کو زندہ کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔

"وقال آدم" سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسی سند کے ساتھ آدم بن ایاس نے شعبہ سے "المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیہ" کے بجائے "المیت یعذب ببکاء الحی علیہ" روایت کیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: اس سند کے ساتھ "ببکاء الحی" تنہا آدم نے روایت کیا ہے' دوسرے رواۃ "بما نیح علیہ" روایت کرتے ہیں۔

بما نیح علیہ

اس میں باء سببیہ ہے اور "ما" مصدریہ معنی یہ ہوئے: اس پر نوحہ کرنے کی وجہ سے۔ اب آدم بن ایاس کی روایت اور یہ دونوں ہم معنی ہوں گے۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "بما نیح" حال ہو اور "ما" موصولہ۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی: "یعذب

---

[1] مسند امام اعظم۔ ج ۲ ص ۹۲

[2] ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: البکاء علی المیت ص ۱۱۵' کتاب الجنائز۔ باب: المیت یعذب بما نیح علیہ ص ۱۱۵

متلبسا بالذی نیح علیه'' یعنی جن الفاظ سے نوحہ کیا جائے گا' انہیں سے عذاب دیا جائے گا' اس طرح کہ اس سے کہا جائے گا: کیا تو ایسا تھا' کیا تو ایسا تھا' جیسا کہ ابن ماجہ[1] میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میت کو سختی کے ساتھ جھنجھوڑا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تو ایسا ہے؟ تو ایسا ہے؟

مسائل

ان تمام احادیث کا ماحصل یہ نکلا کہ میت کی دائمی جدائی کے اثر سے اگر بے اختیار آنسو نکل پڑیں یا حالت اضطرار میں کچھ آواز نکل جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ محمود ہے لیکن بالقصد چیخ چیخ کر چلا کر رونا' سر پیٹنا' چہرے پر تھپڑ مارنا' سینہ پیٹنا' گریبان پھاڑنا' سر پر خاک ڈالنا حرام و ممنوع ہے۔ یہی نوحہ اور بین ہے' اگر میت کی خود نوحہ کرنے کی عادت ہو یا وہ وصیت کر گیا ہو تو نوحہ کرنے کی وجہ سے اس پر عذاب ہو گا۔

۷۶۰- ح: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّطَمَ الْخُدُوْدَ [جو گالوں پر تھپڑ مارے وہ ہم میں سے نہیں]

۷۶۰- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ.

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو گالوں پر تھپڑ مارے اور گریبانوں کو پھاڑے اور زمانہ جاہلیت کی طرح پکارے وہ ہم میں سے نہیں۔

(بخاری۔ باب: لیس منا من شق الجیوب ص ۱۷۲' باب: لیس منا من ضرب الخدود۔ باب: ما ینھی من الویل ص ۱۷۳' کتاب مناقب قریش۔ باب: ما ینھی من دعوی الجاھلیة ص ۴۹۹' مسلم۔ کتاب الایمان' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز)

لیس منا

اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے طریقے پر چلنے والوں میں سے نہیں' اس لیے کہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ یہ ارشاد ان افعال کی قباحت و شناعت کو بتانے کے لیے تغلیظاً فرمایا۔

دعوی الجاهلية

جاہلیت سے مراد زمانہ فترت ہے' یعنی وہ زمانہ جس میں کوئی رسول تشریف نہ لایا ہو۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان کی مدت ہے جو تقریباً پانچ سو برس ہے۔

دعویٰ جاہلیت سے مراد عام ہے' ہر وہ نداء اور قول جو اسلام کے خلاف اس عہد میں رائج ہو' سب دعویٰ جاہلیت ہے' جیسے ذرا ذرا سی بات پر اپنے قبیلے کو پکارنا' اور مرنے والے کے ایسے اوصاف بیان کر کے چیخنا چلانا جو اس میں نہ ہوں' جیسے ''واجبلاه' واعضداه' واأسداه'' وغیرہ وغیرہ۔

۷۶۱- ح: اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ [اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑنا]

۷۶۱- عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَّجَعٍ اِشْتَدَّ بِيْ

عامر بن سعد بن ابی وقاص نے اپنے والد ماجد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے سال میری بیمار پرسی کے لیے آئے' میری اس بیماری میں جو

[1] ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: البکاء علی المیت ص ۱۱۵' کتاب الجنائز۔ باب: المیت یعذب بما نیح علیه ص ۱۱۵

فَقُلْتُ إِنِّي قَدْ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا فَقُلْتُ بِالشَّطْرِ فَقَالَ لَا ثُمَّ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ أَوْ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا إِلَّا ازْدَدْتَّ بِهِ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً ثُمَّ لَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ حَتّٰى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَّيُضَرَّ بِكَ آخَرُوْنَ اَللّٰهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ يَرْثِي لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

سخت ہو گئی تھی' میں نے عرض کیا: بیماری نے مجھے اس حد کو پہنچا دیا ہے اور میں مال دار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے' کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں؟ فرمایا: نہیں! تو میں نے عرض کیا: آدھا؟ تو فرمایا: نہیں! پھر حضور نے خود ہی فرمایا: تہائی اور تہائی بڑا ہے' یا یہ فرمایا: بہت ہے' تم اپنے وارثین کو مال دار چھوڑو' یہ بہتر ہے اس سے کہ ان کو تنگ دست چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تو جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرے گا اس پر ثواب پائے گا' یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے گا اس پر بھی ثواب ملے گا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنے اصحاب کے چلے جانے کے بعد مکہ میں پیچھے رہ جاؤں؟ فرمایا: تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے' اس کے بعد تم جو بھی نیک عمل کرو گے' اس کے ذریعہ تم اپنے درجے اور مرتبے کو بلند کرو گے' اس کے بعد تم زندہ رہو گے' یہاں تک کہ تم سے کچھ قوموں کو نفع پہنچے گا اور دوسروں کو نقصان۔ اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت پوری فرمانا اور انہیں ایڑیوں کے بل مت پلٹانا' لیکن قابل رحم سعد بن خولہ' ان کے لیے رسول اللہ ﷺ دکھ کا اظہار فرما رہے تھے کہ وہ مکہ میں فوت ہوئے۔

(بخاری۔ باب: رثاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سعد بن خولہ ص ۱۷۳' کتاب الوصایا۔ باب: ان یترک ورثتہ اغنیاء ص ۳۸۳' باب: الوصیۃ بالثلث ص ۳۸۴' کتاب الہجرۃ۔ باب: باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰھم امض لاصحابی ھجرتھم ص ۵۶۰' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجۃ الوداع ص ۶۳۲-۳' کتاب النفقات۔ باب: فضل النفقۃ علی لاھل ص ۸۰۶' کتاب المرضیٰ۔ باب: وضع الید علی المریض ص ۸۴۵' باب: قول المریض انی وجع ص ۸۴۶' کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء یرفع الوباء ص ۹۴۳' کتاب الفرائض۔ باب: میراث البنات ص ۹۹۷' ج ۱۔ کتاب الایمان۔ باب: ما جاء الاعمال بالنیۃ والحسبۃ ص ۱۳' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' الموطا' دارمی۔ کتاب الوصایا' مسند امام احمد)

اس حدیث کا یہ جز "انک لن تنفق. الی فی فی امرأتک" نزہۃ القاری' کتاب الایمان' ج ۱ ص ۳۳۱' رقم: ۴۷ پر گزر چکا ہے۔

الثلث کثیر

اس سے ثابت ہوا کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں' اگر کوئی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر جائے تو بھی صرف تہائی ہی موصی لہ یعنی وہ پائے گا جس کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ ہاں! اگر وارث عاقل بالغ ہوں اور سب راضی ہوں تو نافذ ہو گی' اور اگر سب نابالغ ہوں یا سب مجنون ہوں' یا کچھ نابالغ اور کچھ مجنون تو نافذ نہ ہو گی' اگرچہ سب راضی ہوں' اگر کچھ بالغ ہیں کچھ نابالغ یا کچھ مجنون اور کچھ عاقل یا سب عاقل بالغ ہیں' مگر کچھ راضی ہیں اور کچھ راضی نہیں تو جتنے عاقل بالغ راضی ہوں' ان کے حصے میں نافذ اور جو لوگ راضی نہیں یا نابالغ یا مجنون ہیں' ان کے حصے میں نافذ نہیں۔

انك ان تذر

عام طور پر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ وارثین کے لیے مال چھوڑنے میں ثواب نہیں، یا بال بچوں کی پرورش میں ثواب نہیں، یہ حدیث ان کا ردّ ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ ارشاد ہے کہ پسماندگان کے لیے مال چھوڑا جائے، اس میں زیادہ ثواب ہے، بہ نسبت اس کے کہ کل مال مسجد وغیرہ میں دے دیا جائے اور وارثین کو بھک منگا چھوڑا جائے۔ اسی طرح اہل و عیال کی پرورش میں صرف کرنا بھی موجب اجر و ثواب ہے۔

اخلف بعد اصحابي

اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ کیا اسی مرض میں میری موت مقدر ہے؟ کیا میں یہیں دفن ہوں گا؟ یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ یہ چیز ان کو پسند نہ تھی کہ ہجرت کے بعد مکہ ہی میں دفن ہوں، جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے: مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اسی سرزمین میں نہ مروں جہاں سے ہجرت کر چکا ہوں۔ حضور دانائے غیوب ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ ہوگا، تم اس مرض سے شفاء پاؤ گے اور اس کے بعد زندہ رہو گے اور اعمالِ صالحہ کرو گے، جس سے تمہارا درجہ اور بلند ہوگا، تم سے ایک قوم کو فائدہ پہنچے گا اور ایک کو نقصان پہنچے گا۔ کتاب المرضیٰ میں ان کی دوسری صاحبزادی سے جن کا بھی نام عائشہ ہی ہے، مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کی پیشانی پر رکھا، پھر حضرت سعد کے چہرے اور پیٹ پر ملا اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطاء فرما اور ان کی ہجرت کو پورا فرما! حضرت سعد فرماتے ہیں کہ دست مبارک کی ٹھنڈک میں ہمیشہ محسوس کرتا ہوں، حتیٰ کہ اس وقت بھی۔

حضور اقدس ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور غیب کی خبر سچی ہوئی۔ اس واقعے کے بعد حضرت سعد پینتالیس یا سینتالیس سال زندہ رہے۔ یہ واقعہ ۱۰ھ کا ہے اور ان کا وصال ۵۵ھ یا ۵۷ھ میں ہوا۔ اللہ عزوجل نے انہیں کے ہاتھ ایران فتح فرمایا، جس سے ایرانیوں کو نقصان پہنچا اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچا۔ نیز جب یہ عراق کے والی تھے تو کچھ بدنصیب مرتد ہو گئے، یہ پکڑ کر ان کی خدمت میں پیش کیے گئے، انہوں نے ان کو توبہ کا حکم دیا، کچھ نے توبہ کی، انہوں نے دارین کا خیر حاصل کیا، کچھ اَڑے رہے، جنہیں قتل کرا دیا، یہ بھی ایک قوم کو نفع پہنچانا اور ایک قوم کو نقصان پہنچانا ہے۔

سعد بن خوله

یہ اپنے اصل کے اعتبار سے عجمی تھے اور یمن کے باشندے تھے، بنی عامر بن لوی کے حلیف تھے، اس لیے بعض لوگوں نے ان کو بنی عامر کا فرد کہہ دیا ہے۔ یہ سابقین اوّلین میں سے ہیں، پہلے حبشہ ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ، بدر، اُحد، خندق، صلح حدیبیہ کے مشاہد میں شریک رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں وفات پائی، اللہ کی رضا کے لیے جس پیارے وطن کو ترک کیا تھا، وہاں پیوند خاک ہونا مہاجرین اور خود حضور اقدس ﷺ کو پسند نہ تھا، اسی لیے فرمایا: لیکن قابل رحم سعد بن خولہ ہے۔

يرثي له

"رثیتہ" جب بغیر صلہ کے ہو تو اس کے معنی ہیں: موت کے بعد کسی کی مدح بیان کی۔ اور جب لام کے صلے کے ساتھ بولا جائے: "رثیت لہ" تو اس کے معنی مرنے والے پر غمگین ہوا۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے مکہ معظمہ میں فوت ہونے پر اظہار غم فرما رہے ہیں۔ یہ مراثی ممنوعہ میں داخل نہیں، ممنوع وہ مرثیہ ہے جو تجدید حزن و غم کے لیے ہو، جیسا کہ حدیث[1] میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مراثی سے منع فرمایا ہے، اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا۔ "یرثی لہ" سے آخر تک حضور اقدس

[1] مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۵۶۔ ۳۸۳

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں' یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صرف ایک صاحبزادی حضرت عائشہ تھیں' یہ صحابیہ ہیں۔ اس کے بعد اور اولاد ہوئی' جن میں عامر اور عمرو شقی بھی ہیں' جو کربلا میں یزیدی فوج کا سپہ سالار تھا' حضرت سعد کے سترہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں ہوئیں' جن میں دو کے نام عائشہ ہیں' ایک صحابیہ ہیں جن کا نام اس حدیث میں ذکر نہیں' دوسری تابعیہ ہیں' جن سے امام مالک روایت کرتے ہیں اور جن سے کتاب وصایا میں حدیث مذکور کا کچھ حصہ مروی ہے۔

ت۷۴۶- حَدَّثَنِیْ اَبُوْ بُرْدَةَ ابْنُ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَجِعَ اَبُوْ مُوْسٰی وَجَعًا فَغُشِیَ عَلَیْهِ وَرَاْسُهٗ فِیْ حَجْرِ امْرَاَةٍ مِّنْ اَهْلِهٖ فَلَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یَّرُدَّ عَلَیْهَا شَیْئًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِّمَّنْ بَرِئَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ.

ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابو موسیٰ سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہوگئی اور ان کا سر ان کی ایک اہلیہ کی گود میں تھا' انہیں اتنی طاقت نہ تھی کہ کچھ کہہ سکیں' جب افاقہ ہوا تو فرمایا: میں بیزار ہوں' اس سے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت پر چیخنے والی اور سر مونڈانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے بیزار ہیں۔

(بخاری۔باب: ما ینھی من الحلق عند المصیبۃ ص ۱۷۳)

امام بخاری نے اس حدیث کی سند کو یوں بیان فرمایا ہے: "قال الحکم" یہ حکم بن موسیٰ ابو صالح قنطری ہیں' ان کا وصال ۲۳۲ھ میں ہوا ہے۔ امام بخاری نے اگرچہ ان کا زمانہ پایا ہے مگر ان سے حدیث نہیں سنی ہے' اسی لیے "قال الحکم" کہا "حدثنی" یا "عن الحکم" نہیں کہا' اس لیے کہ جن لوگوں نے امام بخاری کے شیوخ کو جمع کیا ہے' انہوں نے حکم کو نہیں ذکر کیا ہے۔ یہ علامہ ابن حجر کی رائے ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ امام بخاری نے ان حکم سے حدیث سنی ہے' اس کی دلیل ابوالوقت کی روایت ہے' جس میں "حدثنی الحکم" ہے۔ نیز دار قطنی نے حکم اور قاسم بن مخیمرہ کو ان لوگوں میں ذکر کیا ہے جن کی حدیث امام بخاری نے لی ہے۔ ابن تین نے کہا کہ اسے بہ طریق مسند اس لیے نہیں ذکر کیا کہ وہ قاسم بن مخیمرہ کی حدیث کی تخریج نہیں کرتے اور بعض لوگوں (علامہ ابن حجر) نے کہا کہ یہی حال حکم کا بھی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مصیبت پر چیخنا چلانا' سر منڈانا' کپڑے پھاڑنا حرام ہے۔ اسی کے حکم میں منہ نوچنا' بال نوچنا' بکھیرنا' سینہ پیٹنا وغیرہ وغیرہ ہیں۔

۷۶۲- ح: لَمَّا جَآءَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ [جب حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے]

۷۶۲- اَخْبَرَتْنِیْ عَمْرَةُ قَالَتْ سَمِعْتُ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا جَآءَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٍ وَّابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ یُعْرَفُ فِیْهِ الْحُزْنُ وَاَنَا اَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ شَقِّ الْبَابِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ نِسَآءَ جَعْفَرٍ وَّذَكَرَ بُكَآئَهُنَّ فَاَمَرَهٗ اَنْ یَّنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِیَةَ لَمْ یُطِعْنَهٗ فَقَالَ انْهَهُنَّ فَاَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ غَلَبْنَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَزَعَمَتْ اَنَّهٗ قَالَ فَاحْثُ فِیْ اَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ فَقُلْتُ اَرْغَمَ اللّٰهُ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو حضور ایسے بیٹھے کہ حضور کا اندرونی غم ظاہر ہو رہا تھا اور میں دروازے کے سوراخ سے دیکھ رہی تھی' اتنے میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ جعفر کی عورتیں رو رہی ہیں تو اسے حضور نے حکم دیا کہ انہیں روک دے' وہ گیا پھر دوبارہ آیا (اور کہا:) انہوں نے بات نہیں مانی' تو فرمایا: انہیں منع کر دے! پھر وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوا اور کہا: بخدا! وہ ہم پر غالب آگئیں' یارسول اللہ! ام المومنین کا گمان

اَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا اَمَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ.

ہے کہ فرمایا: ان کے منہ میں دھول ڈال دو! تو میں نے اس شخص سے کہا: اللہ تیری ناک خاک آلود کرے! رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا تو نے نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کو کوفت پہنچانے سے بھی باز نہیں آیا۔

(بخاری۔ باب: من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن ص ۱۷۳، باب: ما ينهى من النوح والبكاء ص ۱۷۴، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة موته ص ۶۱۱، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الجنائز)

ان حضرات کی شہادت غزوۂ موتہ میں ہوئی تھی، جو ۸ھ کے جمادی الاولیٰ میں ہوا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرئ القیس کلبی قضاعی رضی اللہ عنہ بنو قضاعہ کے چشم و چراغ تھے، یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ یہ ابھی بہت کمسن تھے کہ ان کی والدہ، سعدیٰ بنت ثعلبہ اپنے میکے بنی معن میں گئیں جو بنی طے کی شاخ تھی۔ اتفاق کی بات کہ بنو قیس نے اس پر حملہ کیا اور غارت گری میں حضرت زید کو بھی اُٹھالائے اور بازار حباشہ میں حکیم بن حزام کے ہاتھ چار سو درہم میں بیچ ڈالا، انہوں نے اپنی پھوپھی اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا، اُم المؤمنین نے حضور اقدس ﷺ کو نذر کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو اپنا متبنّٰی بنالیا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے دستور کے مطابق زید بن محمد ﷺ کہے جاتے تھے۔ جب آیۂ کریمہ ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ'' (الاحزاب: ۵) انہیں ان کے باپ کے نام کے ساتھ پکارو۔ نازل ہوئی تو مولیٰ رسول اللہ ﷺ کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ ایک دفعہ ان کے والد تلاش کرتے کرتے مکہ معظمہ پہنچے اور انہیں پالیا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے بچے کو واپس مانگا۔ حضور نے فرمایا: ان سے پوچھ لو! اگر یہ جانا چاہیں تو لے جاؤ۔ حضرت زید نے والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور حضور کی غلامی قبول فرمائی۔

حضور نے ان کا نکاح حضرت اُم ایمن سے کر دیا تھا، جن سے حضرت اسامہ حِب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے، ان کی تین اولادیں ہوئیں: اسامہ، زید بن زید، رقیہ، یہ دونوں صغرسنی میں وفات پاگئے، صرف حضرت اسامہ زندہ رہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

یہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے، یہ بھی سابقین اوّلین میں سے ہیں، پہلے حبشہ ہجرت کی، پھر غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ طیبہ آگئے۔ غزوۂ موتہ میں اس بہادری سے لڑے کہ ان کے دونوں بازو کٹ گئے مگر علم گرنے نہیں دیا۔ اللہ عزوجل نے ان کو کٹے ہوئے بازوؤں کے عوض دو بازو عطاء فرمائے، جن سے وہ فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں، اسی لیے ان کو ذوالجناحین اور جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ اس بہادری سے لڑے تھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد دیکھا گیا تو انہیں نوے سے زائد زخم لگے تھے۔ سب سامنے تھے، پیٹھ پر ایک بھی نہ تھا[1] حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بہتر زخم بیان کرنے والے واعظین سے درخواست ہے کہ وہ اسلام پر اس فدا ہونے والے کے نوے سے زائد زخموں کو بھی کبھی کبھی بیان کر دیا کریں۔

ان کی بیبیوں میں صرف حضرت اسماء بنت عمیس کا حال معلوم ہے، ان کے بطن سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے: عبداللہ، محمد، عوف۔ ان کی نسل صرف حضرت عبداللہ سے چلی۔

---

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۶۱۱۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ موتہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

یہ بنی خزرج کے ممتاز افراد اور انصار کرام کے سابقین اوّلین میں سے ہیں' لیلۃ العقبہ کے نقباء میں یہ بھی ہیں۔ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے' یہاں تک کہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ ان سے حضرت انس بن مالک' حضرت اسامہ' حضرت ابن عباس نے روایت کی ہے' جب کہیں لشکر اسلام جاتا تو یہ سب سے پہلے جاتے اور سب سے آخر میں لوٹتے۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: ''وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ O'' (الشعراء: ۲۲۴) ترجمہ: شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں O' تو یہ بہت دلگیر ہوئے اور کہا: میں انہیں میں سے ہوں' تو یہ آیت نازل ہوئی: ''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' (الشعراء: ۲۲۷) مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے۔ عرب کے ممتاز شعراء میں تھے' ایمان سے مشرف ہونے کے بعد صرف نعت سے شغل رہ گیا:

اللّٰھم لو لا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

انہیں کے مدحیہ قصیدے کا پہلا شعر ہے۔

ان نساء جعفر

اس وقت حضرت جعفر کے عقد میں صرف حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں' یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت اسماء اور ان کی دوسری رشتہ دار عورتیں روتی تھیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ رونا آواز سے ہو' جو ممنوع ہے اور حرام ہے' اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمانے کا حکم دیا۔ ان عورتوں نے رونا بند نہیں کیا کیونکہ مصیبت سخت تھی' اس لیے صبر نہ کر سکیں' اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ آواز سے نہیں رو رہی تھیں' مگر اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں آواز سے نہ رونے لگیں اس لیے منع فرمایا۔ یہ ممانعت مکروہ تنزیہی تھی' اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو نہیں بھیجا۔

لم تفعل

لم فعل مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اب اس کا ترجمہ یہ ہوا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا' وہ تو نے نہیں کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ حکم دیا تھا کہ انہیں رونے سے منع کر دو۔ وہ انہوں نے کر دیا' اور منہ میں دھول ڈال دو' یہ دوسرا حکم ابھی دیا ہی تھا کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو نے نہیں کیا۔ ابھی دوسرے حکم پر عمل کرنے کا موقع ہی کہاں ملا تھا کہ یہ فرمانا درست ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُم المومنین نے قرینے سے جان لیا تھا کہ وہ یہ کریں گے نہیں' اور اس پر انہیں یقین تھا' اس لیے اس کو صیغہ ماضی سے تعبیر فرمایا' مگر کتاب الجنائز کی دوسری روایت' اور مغازی کی روایت میں ہے: ''وما انت بفاعل'' ''تم یہ نہیں کرو گے۔ اس روایت پر کوئی اشکال نہیں۔ اور ''لم تفعل'' کی روایت کسی راوی کا تصرف ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''لم تفعل'' سے مراد یہ ہے کہ تو ان کو چپ نہیں کرا سکا تو منع کرنا نہ کرنے کے برابر ہے' اس لیے فرمایا: تو نے نہیں کیا۔

فاحث

تو ان کے منہ میں دھول بھر دو۔ بعض شراح نے اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے کہ واقعی یہی مطلب تھا کہ ان کے منہ میں دھول بھر دو تا کہ رو نہ سکیں' مگر یہ مناسب نہیں' مصیبت زدہ کی غم خواری لازم ہے یا انہیں اور اذیت پہنچانا' اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ زجر و توبیخ کے لیے ہے۔

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت اس طرح بیٹھنا کہ غم ظاہر ہو' سنت ہے۔ طریقہ سنت اعتدال ہے' مصیبت کے

باوجود ہنسنا' خوش وخرم رہنا' سنگ دلی اور قساوت ہے۔ اور چیخنا چلانا' بے صبری دکھانا تنگ ظرفی ہے اور دونوں کے مابین رہنا کہ چہرے سے غم ظاہر ہو' آنسو بہہ رہے ہوں' اعتدال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو یہ جائز ہے کہ پردے میں رہ کر اجنبی مردوں کو بہ ضرورت دیکھیں۔ اور اگر وہ کوئی قابل اعتراض کام کر رہے ہوں اور کوئی منع نہ کرے تو پردے میں رہ کر منع کر سکتی ہے' کسی خبر کی تاکید کے لیے قسم کھانا جائز ہے۔

ت۲۴۷- وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ اَلْجَزَعُ الْقَوْلُ السَّيِّئُ وَالظَّنُّ السَّيِّئُ.

اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا: ناپسندیدہ بات کہنا اور بدگمانی جزع ہے۔

(بخاری۔ باب: من لم يظهر حزنه عند المصيبة ص ۱۷۳)

قول سیئ

ناپسندیدہ بات وہ جس سے غم برانگیختہ ہو' اور ظن سوء بدگمانی یہ ہے کہ اس سے مایوس ہو جائے کہ اس کا بدل نہیں مل سکتا یا مصیبت پر جو ثواب کا وعدہ ہے' اسے مستبعد جانے۔

۷۶۳- ح: اِشْتَكَى ابْنٌ لِاَبِي طَلْحَةَ قَالَ فَمَاتَ

[حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) کے ایک صاحبزادے بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے]

۷۶۳- اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي طَلْحَةَ اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ اشْتَكَى ابْنٌ لِاَبِي طَلْحَةَ قَالَ فَمَاتَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ خَارِجٌ فَلَمَّا رَاَتِ امْرَاَتُهُ اَنَّهُ قَدْ مَاتَ هَيَّاَتْ شَيْئًا وَنَحَّتْهُ فِي جَانِبِ الْبَيْتِ فَلَمَّا جَاءَ اَبُوْ طَلْحَةَ قَالَ كَيْفَ الْغُلَامُ قَالَتْ قَدْ هَدَاَ نَفْسُهُ وَاَرْجُوْ اَنْ يَكُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ وَظَنَّ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَّهَا صَادِقَةٌ قَالَ فَبَاتَ فَلَمَّا اَصْبَحَ اِغْتَسَلَ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ اَعْلَمَتْهُ اَنَّهُ قَدْ مَاتَ فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانَ مِنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُبَارِكَ لَكُمَا فِي لَيْلَتِهِمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَرَاَيْتُ لَهُمَا تِسْعَةَ اَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ.

اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوطلحہ کے ایک صاحبزادے بیمار ہوئے اور مر گئے اور حضرت ابوطلحہ باہر تھے' جب ان کی اہلیہ نے دیکھا کہ بچہ مر گیا تو کچھ کھانا تیار کیا اور بچے کو گھر کے ایک کنارے علیحدہ کر دیا' جب حضرت ابوطلحہ آئے تو پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ سکون کے ساتھ ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام پا گیا۔ اور حضرت ابوطلحہ نے یہ سمجھا کہ یہ سچ کہہ رہی ہے اور وہ سوئے' جب صبح ہوئی' غسل کیا' جب باہر جانے کا ارادہ کیا تو ان کی اہلیہ نے انہیں بتایا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اب حضرت ابوطلحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جو ان کی بیوی کی طرف سے پیش آیا تھا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل تم دونوں کو اس رات میں برکت دے گا! سفیان نے کہا: انصار کے ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے ان کے نو بیٹے دیکھے' سب قرآن پڑھے ہوئے تھے۔

(بخاری۔ باب: من لم يظهر حزنه عند المصيبة ص ۱۷۳-۴' ج ۲- كتاب العقيقة- باب: تسمية المولود وغداة يولد ص ۸۲۲' كتاب الادب- باب: المعاريض مندوحة عن الكذب ص ۹۱۷' مسلم- كتاب الادب- كتاب فضائل الصحابة' مسند امام احمد- ج ۳)

اِبْنٌ لِّاَبِیْ طَلْحَةَ

یہ صاحبزادے ابوعمیر تھے' جب نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ان سے فرماتے: اے ابوعمیر! نغیر کیا ہوا؟ اس وقت وہ دودھ پیتے بچے تھے' ایک چھوٹی چڑیا ان سے بہت مانوس تھی' ان کے ساتھ کھیلتی تھی۔

هیات شیئاً

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس دن حضرت ابوطلحہ روزے سے تھے' تو ان کے لیے کھانا پکایا اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچے کو نہلایا' کفن پہنایا' حنوط لگایا جیسا کہ عمارہ بن زاذان عن ثابت کی روایت میں ہے۔

قد هدأ نفسه

''ھدأ'' کا معنی ''سکن'' ہے' مطلب یہ ہے کہ بیماری سے سانس میں جو اضطراب تھا' وہ جاتا رہا۔ اُم سلیم کی مراد یہ تھی کہ موت سے سانس ختم ہو گئی' مگر ابوطلحہ نے یہ سمجھا کہ مرض دور ہو گیا اور بچہ سو گیا' یہ توریہ ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس کے دو معنی ہوں' یہ بہ وقت ضرورت جائز ہے۔

فبات

اس سے مراد یہ ہے کہ ابوطلحہ نے اُم سلیم کے ساتھ ہم بستری بھی کی' جس کی جانب ''اغتســـل'' سے اشارہ ہے۔ کتاب العقیقہ میں ہے: اُم سلیم نے ان کے سامنے کھانا رکھا اور انہوں نے کھایا اور ان سے ہم بستری کی۔ دوسری روایتوں میں ہے: پھر بہترین بناؤ سنگھار کیا' ایسا کہ اس سے پہلے نہیں کرتی تھیں' پھر خوشبو ملی' پھر ابوطلحہ کے سامنے آئیں اور انہوں نے ہم بستری کی۔

لعل الله

علامہ عینی نے لکھا ہے:

لعل للترجي الا اذا وردت عن الله ورسوله واولياء ه فان معناه التحقيق. لعل ترجی کے لیے ہے' مگر جب اللہ اور اس کے رسول یا اس کے اولیاء فرمائیں تو تحقیق کے لیے ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ص۹۰)

چنانچہ یہ ارشاد حرف بہ حرف پورا ہوا' کتاب العقیقہ کی ایک روایت میں ہے کہ پھر اُم سلیم کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ حضرت ابوطلحہ نے ان سے کہا: بچے کو حفاظت سے رکھ! اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا ہے' پھر حضرت انس کے ذریعہ اس بچے کو خدمت اقدس میں بھیجا' حضور نے دریافت فرمایا: تیرے ساتھ کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: چند کھجوریں ہیں' حضور نے ان کھجوروں کو لے کر خوب اچھی طرح چبایا اور پھر بچے کے تالو میں چپکا دیا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔

قال رجل من الانصار

بیہقی کی دلائل النبوۃ وغیرہ میں ہے کہ یہ صاحب عبایہ بن رفاعہ تھے' یہ نو اولادیں حضرت عبداللہ کی نسل کی تھیں' سب بلا واسطہ ان کی اولاد نہ تھیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عزیمت یہی ہے کہ مصیبت پر غم کا اظہار نہ کیا جائے اور راضی بہ قضائے الٰہی رہا جائے۔ رضا بالقضا کا درجہ صبر سے اونچا ہے' یہی عزیمت ہے اور اظہارِ غم رخصت۔ ایک تو یہ ہے کہ انسان فطرۃً اتنا سنگدل ہے کہ اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا' یہ مذموم ہے اور محمود یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ بندے کا تعلق اتنا مضبوط ہو کہ اس تصور سے کہ ہر مصیبت اس کی عطاء ہے' انسان

مطمئن رہے جیسا کہ حضرت نظام الحق والدین محبوب الٰہی نے فرمایا:

چوں درد بلاء تست بر جانم بادا

۷۶۴- ح: دَخَلْنَا عَلٰى اَبِى سَيْفٍ الْقَيْنِ [ہم ابوسیف لوہار کے گھر گئے]

۷۶۴- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِى سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِيْمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَّاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لوہار کے گھر گئے' حضرت ابراہیم انہیں کے گھر پرورش پا رہے تھے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو لیا' انہیں بوسہ دیا اور سونگھا' اس کے بعد ہم لوگ پھر گئے تو ابراہیم آخری سانس لے رہے تھے' اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' حضرت عبدالرحمن بن عوف نے عرض کیا: آپ! یارسول اللہ! تو فرمایا: اے ابن عوف! یہ شفقت ہے' پھر اس کے بعد دوبارہ آنسو نکلے تو حضور نے فرمایا: بے شک آنکھ روتی ہے' دل غم زدہ ہے مگر زبان پر وہی ہے جسے ہمارا پروردگار پسند فرماتا ہے اور اے ابراہیم! تیری جدائی پر ہم غمگین ہیں۔

(بخاری۔ باب: قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا بك لمحزون ص ۱۷۴)

حضرت ابراہیم کب پیدا ہوئے؟ کب وصال فرمایا؟ اس پر تفصیلی سے بحث کتاب الکسوف میں ہو چکی ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' جنہیں شاہ نجاشی نے نذر کیا تھا۔ یہ جب پیدا ہوئے تو انصار کرام کی خواتین اس کی خواہش مند ہوئیں کہ دودھ پلانے کی خدمت انہیں سپرد کی جائے' مگر قرعہ فال حضرت اُم بردہ بنت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام نکلا۔ انہیں کے شوہر ابوسیف لوہار تھے' ان کا نام اَوس بن براء تھا۔ یہ دونوں بنی نجار کے فرد تھے' جن میں حضور کے جد کریم حضرت عبدالمطلب کا ننھیال تھا' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابراہیم زندہ رہتا تو میں قبطیوں سے جزیہ معاف فرما دیتا۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۷ ص ۱۰۳)

اس بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی یا نہیں؟ صحیح یہی ہے کہ پڑھی گئی۔ امام عطاء نے بہ واسطہ ابن عجلان' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر چار تکبیریں پڑھیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دفن کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایک مشک لائے۔ ایک انصاری نے حکم کی تعمیل کی' انہیں سے فرمایا: ابراہیم کی قبر پر چھڑک دے! جب دفن میں حضور شریک تھے تو پھر یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ نماز جنازہ نہ پڑھی ہوگی' جبکہ نماز جنازہ اس سے پہلے مشروع ہو چکی تھی۔ جنت البقیع میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون دفن ہوئے' ان کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مگر یہ صحیح نہیں' اس درمیان بہت سے لوگ جنت البقیع میں دفن ہوئے ہیں۔ منہ) حضرت عثمان بن مظعون کے دفن کے وقت ہی حضور نے فرمایا: ایک پتھر لاؤ کہ نشان کے لیے گاڑ دوں' میرے اہل سے جو مرے گا' ان کے قریب دفن کروں گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مصیبت پر آنسو بہانا اور ایسے کلمات کہنا جن سے اندرونی غم ظاہر ہو اور وہ ناشائستہ نہ ہوں سنت ہے۔ اولاد کو گود میں لینا' ان کا بوسہ لینا' سونگھنا سنت ہے اور اسی کے حکم میں اظہار محبت کے اور طریقے ہیں۔

۷۶۵- ح: اِشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ [حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنی ایک بیماری

شَکْوٰی لَهٗ فَاَتَاهُ
[جب سعد بن عبادہ اپنی ایک بیماری میں مبتلا ہوئے تو آپ (ﷺ) ان کے پاس تشریف لائے]

۷۶۵ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اِشْتَکٰی سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَکْوٰی لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّسَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَّعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیْهِ فَوَجَدَهٗ فِیْ غَاشِیَةِ اَهْلِهٖ فَقَالَ قَدْ قَضٰی فَقَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَکَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَی الْقَوْمُ بُکَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَکَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَیْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰکِنْ یُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی لِسَانِهٖ اَوْ یَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَهْلِهٖ عَلَیْهِ وَکَانَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَضْرِبُ فِیْهِ بِالْعَصَا وَیَرْمِیْ بِالْحِجَارَةِ وَیَحْثِیْ بِالتُّرَابِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سعد بن عبادہ اپنی ایک بیماری میں مبتلا ہوئے تو ان کے پاس ان کی عیادت کے لیے نبی ﷺ تشریف لائے اور حضور کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن وقاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے' جب ان کے پاس پہنچے تو انہیں اپنے لوگوں کے جھرمٹ میں پایا' دریافت فرمایا: قضا کر گئے؟ تو لوگوں نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ! اس پر نبی ﷺ رو پڑے' جب لوگوں نے نبی ﷺ کے رونے کو دیکھا تو سب رونے لگے' اس پر ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ نہیں سنتے' آنکھ کے آنسو' دل کے غم پر اللہ ہرگز عذاب نہیں فرماتا' ہاں! اس پر عذاب فرماتا ہے اور زبان کی طرف اشارہ فرمایا' یا رحم فرماتا ہے اور بے شک میت کے اہل کے رونے سے اس پر عذاب ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں ڈنڈے سے مارتے' پتھر پھینکتے اور مٹی ڈالتے۔

(بخاری۔ باب: البکاء عند المریض ص ۱۷۴' مسلم۔ کتاب الجنائز)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ "ان المیت یعذب ببکاء اهله علیه" میں رونے سے چلا کر بلند آواز سے رونا مراد ہے' جو ممنوع ہے اور صرف آنسو بہانا یا کلمات خیر کہنا سنت ہے۔

یعذب بھٰذا

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیخے گا یا زمانہ جاہلیت کی طرح بین کرے گا تو عذاب کا مستحق ہے' اور اگر اچھی بات کہے گا' کلمات صبر و شکر ادا کرے گا تو اس پر رحم ہوگا' یا مراد یہ ہے کہ چیخنے چلانے پر بھی اللہ عزوجل کو اختیار ہے' چاہے عذاب دے' چاہے رحم فرمائے۔

۷۶۶- ح: اَخْذُ الْبَیْعَةِ اَنْ لَّا نَنُوْحَ
[نوحہ نہ کرنے کی بیعت لینا]

۷۶۶- عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَخَذَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْبَیْعَةِ اَنْ لَّا نَنُوْحَ فَمَا وَفَتْ مِنَّا امْرَاَةٌ غَیْرَ خَمْسِ نِسْوَةٍ اُمِّ سُلَیْمٍ وَّاُمِّ الْعَلَاءِ وَابْنَةِ اَبِیْ سَبْرَةَ امْرَاَةِ مُعَاذٍ وَّامْرَاَتَیْنِ اَوِ ابْنَةِ اَبِیْ سَبْرَةَ وَامْرَاَةِ مُعَاذٍ وَّامْرَاَةٍ اُخْرٰی.

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم عورتوں سے نبی ﷺ نے بیعت کے وقت یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی' پانچ عورتوں کے سوا ہم میں سے کسی نے اس کو پورا نہیں کیا' اُم سلیم اور اُم العلاء اور ابوسبرہ کی صاحبزادی' معاذ کی اہلیہ اور دو عورتیں' یا یہ کہا: ابوسبرہ کی صاحبزادی اور معاذ کی اہلیہ اور ایک اور عورت نے۔

(بخاری۔ باب: ما ینھی عن النوح والبکاء ص ۱۷۵' مسلم' نسائی۔ کتاب الجنائز)

اُم سلیم بنت ملحان' حضرت انس کی والدہ' حضرت ابوطلحہ انصاری کی زوجہ ہیں اور اُم العلاء بنت حارث بن خارجہ انصاریہ' حضرت زید بن ثابت کی زوجہ۔

او ابنة ابي سبرة

یہ شک کسی راوی سے ہوا ہے' دونوں میں فرق یہ ہے کہ''او'' سے پہلے جو کچھ ہے'اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانچ عورتیں یہ ہیں: اُم سلیم' اُم العلاء' ابنۃ ابی سبرۃ' حضرت معاذ کی زوجہ اور دو اور دوسری عورتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان پانچ میں سے تین کا نام حضرت اُم عطیہ نے لیا اور دو کا نہیں۔ اور ابنۃ ابی سبرۃ' حضرت معاذ کی زوجہ ہیں اور''او'' کے بعد کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ ان پانچ میں سے چار کو ذکر کیا۔ اُم سلیم' اُم العلاء' ابنۃ ابی سبرۃ اور حضرت معاذ کی اہلیہ' صرف ایک کا نام نہیں لیا' نیز یہ بھی کہ ابنۃ ابی سبرۃ اور ہیں اور حضرت معاذ کی زوجہ کوئی اور خاتون ہیں۔

٧٦٧- ح: اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ جَنَازَةً فَلْيَقُمْ

[جب تم میں سے کوئی جنازہ دیکھے تو کھڑا ہو جائے]

٧٦٧- عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ جَنَازَةً فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَاشِيًا مَعَهَا فَلْيَقُمْ حَتّٰى يُخَلِّفَهَا اَوْ تُخَلِّفَهُ اَوْ تُوْضَعَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُخَلِّفَهُ. (بخاری۔ باب: متی یقعد اذا قام للجنازۃ ص ۱۷۵' مسلم' نسائی۔ کتاب الجنائز)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جنازہ دیکھے' اگر وہ اس کے ساتھ جانا نہ چاہتا ہو تو کھڑا ہو جائے' یہاں تک کہ یہ جنازے کو پیچھے چھوڑ دے یا جنازہ اسے پیچھے چھوڑ دے یا پیچھے چھوڑنے سے پہلے زمین پر رکھ دیا جائے۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ان سابق الاسلام بزرگوں میں سے ہیں' جنہوں نے اس وقت دولت ایمان حاصل کی' جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف رکھتے تھے' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے حلیف تھے۔ ان کے والد خطاب نے ان کو متبنّٰی بنا لیا تھا۔ اسی لیے یہ عامر بن خطاب کہے جاتے تھے' جب آیہ کریمہ ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ'' (الاحزاب: ۵) انہیں ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو' نازل ہوئی تو عامر بن ربیعہ کے نام سے پکارے جانے لگے' انہوں نے دوبار حبشہ کی طرف ہجرت کی' پھر مدینہ طیبہ آ گئے' ان کی زوجہ لیلٰی بنت ابی حثمہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ مدینہ طیبہ ہجرت کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔ تمام غزوات میں ہم رکاب رسالت رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ شام کے سفر میں ساتھ رکھا' حج کے سفر میں ساتھ رکھتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب شورش برپا ہوئی تو گوشہ نشین ہو گئے۔ گوشہ نشینی ہی کی حالت میں حضرت عثمان کی شہادت کے چند دنوں بعد واصل بحق ہو گئے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازے کو دیکھ کر بیٹھے رہنا ممنوع ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ کھڑے ہو جانا واجب ہے' مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ مسلم[1] میں' ابوداؤد[2] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے لیے کھڑے ہوتے تھے' اس کے بعد پھر بیٹھے رہے (یعنی جنازہ دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے) ابن حبان کی صحیح میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: ہمیں جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیتے تھے' اس کے بعد پھر بیٹھے رہتے اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ حازمی نے کہا کہ میرے پاس سے جنازہ گزرا تو میں کھڑا ہو گیا تو حضرت علی نے فرمایا: تمہیں یہ فتویٰ کس نے دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ابوموسیٰ اشعری نے' تو حضرت علی نے فرمایا: صرف ایک بار حضور جنازے کے لیے کھڑے ہوئے تھے' جب یہ منسوخ ہو گیا تو منع فرما دیا[3] احناف اور شوافع اور حنابلہ کا مذہب یہی ہے کہ جنازے کے لیے کھڑا ہونا ضروری نہیں۔

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۱۰۔ کتاب الجنائز۔ فصل: فی استحباب القیام للجنازۃ

[2] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۹۶۔ کتاب الجنازۃ۔ باب: القیام للجنازۃ [3] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۱۰۷

۷۶۸- ح: اِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا

[جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ]

۷۶۸ - عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ.

(بخاری۔باب:متی یقعد اذا قام للجنازۃ ص ۱۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو جنازہ کے ساتھ جائے تو جب تک کہ زمین پر نہ رکھ دیا جائے' نہ بیٹھے۔

۷۶۹- ح: كُنَّا فِيْ جَنَازَةٍ فَاَخَذَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (الخ)

[ہم ایک جنازہ میں تھے کہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے (مروان کا) ہاتھ پکڑا]

۷۶۹- عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا فِيْ جَنَازَةٍ فَاَخَذَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِيَدِ مَرْوَانَ فَجَلَسَا قَبْلَ اَنْ تُوْضَعَ فَجَآءَ اَبُوْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَخَذَ بِيَدِ مَرْوَانَ فَقَالَ قُمْ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمَ هٰذَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ صَدَقَ.

(بخاری۔باب:من تبع جنازۃ فلا یقعد حتی توضع ص ۱۷۵)

سعید مقبری اپنے والد کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم ایک جنازے میں تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان کا ہاتھ پکڑا اور دونوں بیٹھ گئے اور ابھی جنازہ زمین پر رکھا نہیں گیا تھا' اتنے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آ گئے اور مروان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: کھڑا ہو' بخدا! انہیں معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا' تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دو باتیں مستفاد ہوئیں' ایک یہ کہ جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔ اس کے بارے میں گزر چکا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ دوسری یہ کہ جو لوگ جنازے کے ساتھ جائیں وہ لوگ اس وقت تک نہ بیٹھیں جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے۔ اور سعید مقبری والی حدیث سے صرف دوسری بات ثابت ہوتی ہے اور یہ حکم باقی ہے۔ ''حتی توضع'' میں دو احتمال ہیں' زمین پر رکھا جائے یا لحد میں' صحیح یہی ہے کہ مراد زمین پر رکھنا ہے۔ امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا۔ اس حدیث کو سہل بن بیضا نے اپنے والد کے توسط سے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ''حتی توضع بالارض'' اور ابومعاویہ نے سہل ہی سے یہ روایت کی: ''حتی توضع فی اللحد'' اور سفیان ثوری ابومعاویہ سے احفظ ہیں[1] مطلب یہ ہوا کہ سفیان ہی کی روایت کو ترجیح ہے۔

اقول: حضرت سفیان ثوری' ابومعاویہ سے افقہ بھی ہیں' اس لیے بھی ترجیح ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیٹھنا اس کی دلیل ہے کہ یہ نہی تنزیہہ کے لیے تھی' خصوصاً ایسی صورت میں کہ انہیں یہ حدیث معلوم تھی۔

۷۷۰- ح: اِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا

[جب جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ]

۷۷۰- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَرَّ بِنَا جَنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا بِهِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ قَالَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمارے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے کھڑے ہو گئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے اور ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ یہودی کا جنازہ

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۹۶۔ کتاب الجنائز۔ باب: القیام للجنازۃ

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُومُوا.

ہے' تو فرمایا: جب جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔

(بخاری۔ باب: من قام لجنازة یهودی ص ۱۷۵' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الجنائز)

۷۷۱- ح: أَلَيْسَتْ نَفْسًا؟

[کیا یہ جان نہیں؟]

۷۷۱- سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلٰى قَالَ كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَّقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ فَمَرُّوا عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِيلَ لَهُمَا إِنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ أَيْ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهِ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُودِيٍّ فَقَالَ أَلَيْسَتْ نَفْسًا.

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ حضرت سہل بن حنیف اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہم قادسیہ میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے تو دونوں کھڑے ہو گئے' ان سے عرض کیا گیا کہ یہ یہاں کا کاشتکار یعنی ذمی ہے' تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے' عرض کیا گیا: یہ یہودی کا جنازہ ہے' تو فرمایا: کیا یہ جان نہیں۔

(بخاری۔ باب: من قام لجنازة یهودی ص ۱۷۵' مسلم' نسائی۔ کتاب الجنائز)

سہل بن حنیف

وہی' انصاری' صحابی ہیں' ان سے چالیس حدیثیں مروی ہیں۔ قیس بن سعد بن عبادہ مشہور انصاری صحابی حضرت سعد بن عبادہ کے خلف الرشید صحابی بن صحابی جواد بن جواد کریم بن کریم بزرگ ہیں۔ افاضل صحابہ اور عقلاء عرب میں سے ہیں اور دنیا کے مشہور بہادر قد آوروں میں سے ہیں' ایک دفعہ ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ میرے گھر کے چوہے لاٹھی کے سہارے چلتے ہیں۔ فرمایا: میں ایسا کردوں گا کہ شیر کی طرح کودیں گے' پھر اس کے گھر کو بھر دیا۔ (حیات الحیوان) بہت حسین و جمیل تھے' مگر ان کے ڈاڑھی میں ایک بال بھی نہ تھا۔ انصار کہتے تھے: اگر ڈاڑھی کہیں ملتی تو ہم اپنے مال سے ان کے لیے خرید دیتے۔ ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔

عبدالرحمٰن قاسم بن ابی لیلیٰ

ابولیلیٰ کا نام یسار تھا' یسار بن ابی لیلیٰ' حضرت فاروق اعظم کے عہد میں پیدا ہوئے۔ ۸۱ھ یا ۸۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ان کے صاحبزادے محمد بن عبدالرحمٰن تھے' انہیں بھی ابن ابی لیلیٰ کہا جاتا ہے' یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے معاصر اور کوفہ کے قاضی تھے۔ جلیل القدر تابعی' محدث' فقیہ' صاحب مذہب تھے۔ محدثین جب ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں تو ان کے والد عبدالرحمٰن مراد ہوتے ہیں۔ اور جب فقہاء ابن ابی لیلیٰ بولتے ہیں تو محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ مراد ہوتے ہیں۔

قیام کا راز

اس حدیث میں ہے کہ فرمایا: کیا وہ جان نہیں۔ اور حضرت جابر ہی کی ایک حدیث میں ہے: موت گھبراہٹ کی چیز ہے[۱] ان دونوں کا ماحصل ایک ہے کہ اس میں بھی جان ہے' جس پر موت آئی۔ یہ تصور گھبرانے والا ہے۔ جنازہ دیکھ کر موت یاد آ گئی۔ دوسری احادیث میں ہے کہ جنازے کے ساتھ جو فرشتے ہیں' ان کے لیے کھڑے ہو' یعنی ہر میت کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ مومن کے ساتھ رحمت کے اور کافر کے ساتھ عذاب کے۔ بعض احادیث میں ہے کہ جو روح قبض کرتا ہے اس کے لیے کھڑے ہو[۲]۔ نسائی میں سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے کھڑے ہوئے کہ یہ ناپسند فرمایا کہ سر اقدس سے یہودی کا جنازہ

[۱] نسائی۔ ج۱ ص ۲۷۲۔ کتاب الجنائز۔ باب: القیام لجنازة اهل الشرك [۲] عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۱۰۸

[۳] نسائی۔ ج۱ ص ۲۷۲۔ کتاب الجنائز۔ باب: القیام لجنازة اهل الشرك

بلند رہے۔ طحاوی[1] میں ان سے اور ابن عباس سے روایت ہے کہ کھڑے ہونے کا سبب یہ بیان فرمایا: اس کی بدبو نے مجھے ایذاء پہنچائی۔

اھل الارض

اس کی تفسیر اہلِ ذمہ سے کی' اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ممالک فتح کر کے اراضی وہاں کے مقامی باشندوں کو خراج پر دے دی تھی' خود کاشتکاری نہیں کرتے تھے' اس لیے اس زمانے کے کاشتکار کافر ہی تھے۔

ت۲۴۸- وَقَالَ زَكَرِيَّاءُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى كَانَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ وَّقَيْسٌ يَقُوْمَانِ لِلْجَنَازَةِ.

اور زکریا نے شعبی سے' وہ ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: حضرت ابن مسعود اور قیس رضی اللہ عنہما جنازے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔

(بخاری۔ باب: من قام لجنازة یھودی ص۱۷۵)

تعلیق: ۲۴۸ کو امام سعید بن منصور نے سفیان بن عیینہ سے سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۷۷۲- ح: اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ [جب میت چارپائی پر رکھی جائے]

۷۷۲- عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِيْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ يَا وَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَهٗ لَصَعِقَ.

سعید مقبری نے اپنے والد (کیسان) سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت چارپائی پر رکھ دی جاتی ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھالیتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتی ہے تو کہتی ہے: مجھے آگے لے چلو! اور اگر نیک نہیں ہوتی تو کہتی ہے: ہائے! اسے کہاں لے جاتے ہو؟ اس کی آواز کو انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔

(بخاری۔ باب: حمل الرجال الجنازة دون النساء ص۱۷۵' باب: قول المیت وھو علی الجنازة ص۱۷۶' باب: کلام المیت مع الجنازة ص۱۷۴' نسائی۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد۔ ج۳ ص۵۸۔۴۱)

الجنازة

اس سے قبل گزر چکا کہ اس کا اطلاق میت اور چارپائی دونوں پر ہوتا ہے' یہاں میت کے معنی میں ہے' مطلب یہ ہے کہ جب میت چارپائی پر رکھ دی جاتی ہے' جیسا کہ ابوذئب[2] کی روایت میں ہے جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ "ولو سمعه" کی ضمیر مفعول کا مرجع غیر صالح میت کا قول ہے جس پر "قالت" دلالت کر رہا ہے "علٰی اعناقھم" سے مراد کندھے ہیں' گردن پر جنازہ اُٹھانے کا سوال ہی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ اتنے بھیانک انداز سے چیختا ہے کہ انسان اس کی تاب نہیں لا سکتا' سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد بھی ہر میت میں خواہ وہ مؤمن ہو خواہ کافر' حیات ہوتی ہے جس سے وہ ادراک کرتا ہے حتیٰ کہ بولتا اور چیختا ہے' آنے والے خطرات کا احساس رکھتا ہے۔

---

[1] شرح معانی الآثار۔ ج۱ ص۲۳۵۔ کتاب الجنائز۔ باب: الجنازة مرت بالقوم ایقومون ام لا

[2] نسائی۔ ج۱ ص۲۰۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: السرعة بالجنازة

باب سے مطابقت

یہاں باب یہ ہے: جنازے کو مرد اُٹھائیں نہ کہ عورتیں۔ حدیث میں یہ ہے: ''واحتملها الرجال'' یہ اگرچہ اخبار ہے مگر شارع علیہ السلام کا قول ہے اور شارع علیہ السلام کا قول جہاں تک ممکن ہو تشریع پر محمول کرنا ضروری ہے۔ اب اس سے ثابت ہو گیا کہ مشروع یہی ہے کہ مرد جنازہ اُٹھائیں' عورتوں کے لیے جنازہ اُٹھانا مشروع نہیں۔

اس سے قبل گزر چکا کہ عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانا ہی منع ہے' پھر جنازہ اُٹھانے کا سوال ہی نہیں۔ اس سلسلے میں اس سے زیادہ صریح حدیث مروی ہے' مگر وہ امام بخاری کی شرط پر نہیں' اس لیے اسے ذکر نہیں فرمایا۔ ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے میں عورتوں کو ملاحظہ فرمایا' تو ارشاد فرمایا: کیا یہ جنازے کو اُٹھائیں گی؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں! پھر فرمایا: کیا یہ دفن کریں گی؟ عرض کیا گیا: نہیں! تو فرمایا: لوٹ جائیں! ''ما زورات غیر ماجورات'' گناہ بٹورتے ہوئے نہ کہ ثواب حاصل کرتے ہوئے۔ (فتح الباری۔ ج ۳ ص ۱۴۶)

کشمیری صاحب پر تعقب

کشمیری صاحب نے لکھا ہے کہ میت ''قدمونی'' غسل کے وقت کہتی ہے' سبحان اللہ! حدیث میں صاف تصریح ہے: ''واحتملها الرجال علی اعناقهم فان کانت'' اور مرد اپنی گردنوں پر اُٹھا لیتے ہیں تو میت اگر نیک ہے' الخ۔ فاء تعقیب کے لیے ہے' جس کی دلالت اس پر صریح ہے کہ اُٹھانے کے بعد کہتی ہے: کیا اُٹھانے کی حالت میں غسل دیا جاتا ہے۔ غالباً قبلہ کو نسائی[1] کی اس حدیث سے دھوکہ ہوا جو ابن ابی ذئب نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' جس میں یہ ہے: ''فاذا وضع الرجل الصالح علی سریرہ قال قدمونی'' مگر یہ خیال نہ آیا کہ اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر حمل کریں گے تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے تعارض لازم آئے گا جو دفع نہ ہو سکے گا اور جب حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھیں گے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آسانی سے تاویل ہو سکے گی' جس سے تعارض اُٹھ جائے گا۔ نیز یہ شخص سوچے کہ ''قدمونی'' کہنا غسل کے وقت زیادہ مناسب ہے' یا کندھوں پر اُٹھانے کے وقت۔

ت۲۴۹- وَقَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْتُمْ مُشَيِّعُوْنَ فَامْشُوْا بَيْنَ يَدَيْهَا وَخَلْفَهَا وَعَنْ يَّمِيْنِهَا وَعَنْ شِمَالِهَا وَقَالَ غَيْرُهُ قَرِيْبًا. (بخاری۔ باب: السرعة بالجنازة ص ۱۷۵)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میت کو رخصت کرنے والے ہو تو اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں چلو اور ایک دوسرے صاحب نے کہا: جنازے کے قریب چلو۔

اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق نے موصولاً روایت کیا ہے' یہاں باب یہ ہے کہ جنازے کو تیز لے کر چلنا۔ ظاہر ہے کہ اس اثر کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ ابن منیر نے یوں مناسبت پیدا کی کہ ساتھ والوں کے لیے کوئی جہت اسی لیے معین نہیں کی کہ جنازہ تیزی کے ساتھ لے جایا جائے۔ اگر ساتھ والوں کے لیے جہت متعین کر دی جائے گی تو ان کا لحاظ ضروری ہوگا' اور وہ قوی بھی ہیں کمزور بھی ہیں' تیز رو بھی ہیں سست رو بھی۔ ساتھیوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تا کہ جنازہ کو تیز لے چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو' لیکن اگر ساتھیوں کے لیے پیچھے کی جہت متعین کر دی جائے تو جنازے کے لے چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی' اس لیے مناسبت کی یہ تقریر تام نہیں۔ سابقاً گزر چکا کہ افضل جنازے کے پیچھے چلنا ہے۔ دوسرے صاحب کا قول تو تیز لے چلنے کے منافی ہے۔ جب ساتھیوں پر یہ پابندی ہے کہ جنازے کے قریب رہیں تو کمزور سست رفتار قریب کیسے رہ پائیں گے' اس لیے زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ کہا جائے یہ

[1] نسائی۔ ج ۱ ص ۲۷۰۔ کتاب الجنائز۔ باب: السرعة بالجنازة

تعلیق اس لیے لائے ہیں کہ آئندہ اس باب میں آنے والی حدیث میں تیز لے چلنے سے مراد معتدل رفتار سے چلنا ہے' تا کہ کمزور سست رفتار بھی ساتھ رہ سکیں۔

۷۷۳- ح: اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ

[جنازہ کو تیزی سے لے کر چلو]

۷۷۳- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ. (بخاری۔ باب: السرعة بالجنازة ص۱۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جنازے کو تیزی سے لے چلو' اگر وہ نیک ہے تو خیر ہے' جسے آگے کر رہے ہو اور اگر اس کے سوا ہے تو شر کو اپنی گردنوں سے اتارو گے۔

اسرعوا بالجنازة

جنازہ تیز لے چلنے سے مراد ہے: متوسط رفتار' جیسا کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ[1] کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ ہم جنازے میں اس رفتار سے چلتے جو رمل کے قریب ہوتی۔ اس سے واضح وہ حدیث ہے جسے امام ابو بکر بن ابی شیبہ[2] نے اپنی مصنف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد ماجد نے یہ وصیت کی تھی کہ جب تم مجھے چارپائی پر اُٹھانا تو دونوں چالوں کے درمیان چلنا اور جنازے کے پیچھے رہنا' اس لیے کہ اس کا اگلا حصہ فرشتوں کے لیے ہے اور پچھلا بنی آدم کے لیے۔ نیز ابوداؤد[3] میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنازے کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: دوڑنے سے کم۔ اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ تجہیز و تکفین میں جلدی کرو' جیسا کہ ابوداؤد[4] میں حضرت حصین بن وحوح سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جلدی کرنا' یہ مناسب نہیں کہ مسلمان کی لاش اس کے اہل کے سامنے روکی رکھی رہے۔ نیز طبرانی[5] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے روکو مت' جلدی کرو۔ اس تقدیر پر "تضعونه عن رقابكم" کے معنی مجازی ہوں گے' یعنی جو ذمہ داری تھی' اسے پوری کر لو گے۔

۷۷۴- ح: صَلّٰی عَلَی النَّجَاشِیِّ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نجاشی پر جنازہ پڑھی]

۷۷۴- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلَی النَّجَاشِیِّ فَكُنْتُ فِی الصَّفِّ الثَّانِیْ اَوِ الثَّالِثِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی پر نمازِ جنازہ پڑھی' میں دوسری یا تیسری صف میں تھا۔

(بخاری۔ باب: من صف صفین او ثلثة ص۱۷۶' باب: هجرة الحبشة ص۵۴۷)

۷۷۵- ح: قَدْ تُوُفِّیَ الْیَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنَ الْحَبَشِ

[آج حبشہ کا ایک نیک شخص وفات پا گیا ہے]

۷۷۵- اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

مجھے عطاء نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج حبشہ کا

---

[1] نسائی۔ ج۱ ص۲۷۱۔ کتاب الجنائز۔ باب: السرعة بالجنازة' مسند امام احمد۔ ج۵ ص۸۔۲۶

[2] عمدة القاری۔ ج۹ ص۱۱۳

[3] ابوداؤد۔ ج۲ ص۹۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: الاسراع بالجنازة

[4] ابوداؤد۔ ج۲ ص۹۴۔ کتاب الجنائز۔ باب: تعجیل الجنازة

[5] عمدة القاری۔ ج۹ ص۱۱۳

قَدْ تُوُفِّيَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنَ الْحَبَشِ فَهَلُمُّوْا فَصَلُّوْا عَلَيْهِ قَالَ فَصَفَفْنَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَنَحْنُ صُفُوْفٌ قَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ كُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِيْ.

ایک نیک شخص وفات پا گیا ہے' آؤ اس پر نماز پڑھیں' تو ہم نے صف بنائی اور نبی ﷺ نے نماز پڑھائی اور ہم لوگ کئی صفوں میں تھے اور میں دوسری صف میں تھا۔

(بخاری۔ باب: الصفوف علی الجنازۃ ص ۱۷۶' باب: هجرۃ الحبشۃ ص ۵۴۷' مسلم' نسائی۔ کتاب الجنائز)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس دن نجاشی کا وصال ہوا تھا' اسی دن حضور اقدس ﷺ نے ان کی وفات کی خبر دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ غیب جانتے تھے۔

توضیح باب

یہاں ایک باب کا عنوان ہے: "سنة الصلوٰة علی الجنازة" جنازے پر نماز کا طریقہ' یعنی مشروع طریقہ' مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جنازے میں کیا شرائط و ارکان مقرر فرمائے' اس کے شرائط میں طہارت' ستر عورت' استقبال قبلہ' نیت' میت کے کل یا اکثر جسم کا آگے ہونا' اس کا پاک ہونا' ارکان میں تکبیریں ہیں' اس میں کلام جائز نہیں۔ امام بخاری نے پہلے تین حدیث کے اجزاء نقل فرمائے' جن میں اس کی تعبیر "صَلّٰى" ہے یا "صَلُّوا" ہے' پھر فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اسے نماز فرمایا' حالانکہ اس میں رکوع سجدہ نہیں' پھر بھی یہ نماز اس لیے ہے کہ اس میں نماز کے احکام و ارکان ہیں' اس میں کلام جائز نہیں' اس میں تکبیر ہے' تسلیم ہے۔

ت ۲۵۰- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُصَلِّيْ اِلَّا طَاهِرًا وَّلَا يُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبِهَا وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بغیر طہارت کے نماز نہیں پڑھتے تھے اور طلوع آفتاب اور غروب کے وقت بھی نہیں پڑھتے تھے اور ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے۔

(بخاری۔ باب: سنة الصلوٰة علی الجنازة ص ۱۷۶)

یہ تعلیق اس کے ثبوت میں لائے کہ نماز جنازہ نماز ہے' اس لیے کہ جیسے اور نماز بغیر طہارت صحیح نہیں اور آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت جائز نہیں' ویسے ہی یہ بھی ہے' جیسے اور نمازوں میں رفع یدین ہے ویسے ہی اس میں بھی ہے۔ اس تعلیق کے تین جزء ہیں' پہلے جزء کو امام مالک نے مؤطا میں ذکر فرمایا اور دوسرے جزء کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں' اور تیسرے جزء کو امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں سند متصل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

احناف کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہے' باقی تکبیروں میں نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر تکبیر میں رفع یدین ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنازے پر تکبیر پڑھی' اور پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھایا' پھر داہنے کو بائیں پر رکھا[1] دارقطنی میں یہ زائد ہے: "ثم لا يعود" پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ دارقطنی ہی میں حضرت ابن عباس سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ مبسوط میں ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے فرمایا: تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کہیں ہاتھ نہ اُٹھایا جائے۔ ابن حزم نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر سے بھی یہی نقل کیا' اور یہ بھی کہا کہ تکبیر تحریمہ کے سوا اور کسی تکبیر میں ہاتھ اُٹھانے کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں اور نہ اجماع ہے۔ ابن منذر نے پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھانے پر اجماع نقل کیا ہے۔

---

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۲۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: رفع الیدین علی الجنازة

نمازِ جنازہ میں دوبار سلام ہے

بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا کہ انہوں نمازِ جنازہ میں دائیں بائیں سلام پھیرا۔ اور فارغ ہوئے تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے' میں اس پر زیادتی نہ کروں گا۔ معرفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین باتیں وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے' لوگوں نے چھوڑ دی ہیں' ان میں ایک نمازِ جنازہ میں اور نمازوں کی طرح دو سلام ہیں۔

ت ۲۵۱- وَقَالَ الْحَسَنُ اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَاَحَقُّهُمْ عَلٰى جَنَائِزِهِمْ مَنْ رَّضُوْهُ لِفَرَائِضِهِمْ وَاِذَا اَحْدَثَ يَوْمَ الْعِيْدِ اَوْ عِنْدَ الْجَنَازَةِ يَطْلُبُ الْمَآءَ وَلَا يَتَيَمَّمُ وَاِذَا انْتَهٰى اِلَى الْجَنَازَةِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ يَدْخُلُ مَعَهُمْ بِتَكْبِيْرَةٍ.

(بخاری۔ باب:سنة الصلوٰة علی الجنازة ص۱۷۶)

اور امام حسن بصری نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اس طریقے پر پایا کہ نمازِ جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جسے لوگوں نے اپنے فرائض کی امامت کے لیے پسند کیا ہو' اور نمازِ عید اور نمازِ جنازہ میں وضو ٹوٹ جائے تو پانی تلاش کرے اور تیمم نہ کرے اور جب جنازے تک اس وقت پہنچے کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو تکبیر کہہ کے شامل ہو جائے۔

حضرت حسن بصری نے چار مسائل بیان فرمائے' اوّل یہ کہ نمازِ جنازہ کی امامت کا حق اسے ہے جو فرائض کا امام ہو' اور یہی اس وقت کے صحابہ و تابعین کا عمل تھا' چونکہ نماز کی امامت کا حق سب سے پہلے سلطانِ اسلام یا اس کے نائب کا ہے' اس لیے نمازِ جنازہ کا بھی سب سے زیادہ استحقاق والی ہی کو ہے' یہی احناف کا مذہب ہے۔ اس پر نصِ صریح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو انہوں نے سعید بن العاص اموی حاکم مدینہ سے فرمایا' جبکہ وہ سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھا: آگے بڑھو اگر یہی طریقہ نہ ہوتا تو تجھے میں آگے بڑھنے نہیں دیتا۔[1] یہ ارشاد صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

دوسرا' تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ میں اگر حدث ہو جائے تو بقیہ نماز تیمم کر کے نہ پڑھے بلکہ پانی تلاش کر کے وضو کر کے پھر پڑھے۔ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اگر اسے اس کا اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرے گا تو امام فارغ ہو جائے گا تو تیمم کر کے نماز پڑھے' خواہ جب آیا تو وضو نہ تھا' یا اثنائے نماز میں وضو ٹوٹا ہو۔[2] اس لیے کہ نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ کی نہ قضا ہے نہ بدل۔ حضرت امام حسن بصری کا یہ ارشاد اس پر محمول ہے کہ اسے ظن غالب ہو کہ امام کے فارغ ہونے کے پہلے پہلے نماز میں شامل ہو جائے گا' اس لیے کہ سعید بن منصور نے انہیں کا یہ قول ذکر فرمایا ہے کہ اس صورت میں اگر نمازِ جنازہ فوت ہو جانے کا خوف ہو تو تیمم کرے۔[3] چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت پہنچا کہ نمازِ جنازہ ہو رہی تھی تو وہ بلا تاخیر تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے۔ اس کا انتظار نہ کرے کہ جب امام تکبیر کہے تو شامل ہو' ہمارے نزدیک تفصیل ہے۔ اگر ایسے وقت آیا کہ امام تکبیر تحریمہ کہہ چکا تھا' ابھی دوسری تکبیر نہیں کہی تھی تو تکبیر کہہ کے فوراً شامل ہو جائے' دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے اور اگر دوسری یا تیسری تکبیر کے بعد آیا تو فوراً شامل نہ ہو' انتظار کرے جب امام تکبیر کہے تو اس وقت شامل ہو۔ امام حسن بصری کے اخیر والے دونوں ارشادات کو امام ابن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا۔

ت ۲۵۲- وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ يُكَبِّرُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالسَّفَرِ وَالْحَضَرِ اَرْبَعًا.

اور امام سعید بن مسیّب نے فرمایا: رات ہو یا دن' سفر ہو یا حضر چار تکبیریں کہے۔

---

[1] عمدة القاری۔ ج۹ ص۱۲۴ [2] بہار شریعت۔ حصہ ۲ ص۹۳ [3] عمدة القاری۔ ج۹ ص۱۲۴

(بخاری۔ باب:سنة علی الجنازة ص۱۷۶)

ت۲۵۳- وَقَالَ اَنَسٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَلتَّکْبِیْرَۃُ الْوَاحِدَۃُ اِسْتِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ. (ایضا)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک تکبیر نماز شروع کرنے کی ہے۔

ان دونوں اثروں کا حاصل ایک ہی ہے کہ نمازِ جنازہ میں کل چار تکبیریں ہیں، ان میں ایک یعنی پہلی تکبیر تحریمہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام سعید بن منصور نے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

ت۲۵۴- وَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اِذْ صَلَّیْتَ فَقَدْ قَضَیْتَ الَّذِیْ عَلَیْکَ. (بخاری۔ باب:فضل اتباع الجنازة ۱۷۲)

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تو نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو میت کا جو حق تم پر تھا، وہ ادا کر چکے۔

یہاں باب ہے: جنازے کے ساتھ چلنے کی فضیلت کا بیان، مطابقت یہ ہے کہ کسی کا حق ادا کرنا ثواب کا کام ہے، نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے جنازے کے ساتھ جانا ضروری ہے۔

اقول: غالباً امام بخاری پر یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جس نے نمازِ جنازہ میں شرکت کر لی، وہ حکماً جنازے کے ساتھ گیا۔

ت۲۵۵- وَقَالَ حُمَیْدُ بْنُ ھِلَالٍ مَّا عَلِمْنَا عَلَی الْجَنَازَۃِ اِذْنًا وَّلٰکِنْ مَّنْ صَلّٰی ثُمَّ رَجَعَ فَلَہٗ قِیْرَاطٌ. (ایضا)

اور حمید بن ہلال نے کہا: جنازے پر ہم اجازت نہیں جانتے، ہاں! جو نماز پڑھ کر لوٹا اس کے لیے ایک قیراط ہے۔

حمید بن ہلال تابعی ہیں، ان کے ارشاد کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ نمازِ جنازہ میت کا حق ہے، جو حصول ثواب کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اولیائے میت کا حق نہیں کہ لوٹنا ان کی اجازت پر موقوف ہو، نماز پڑھ کر جس کا جی چاہے چلا جائے، کوئی حرج نہیں۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم صحابہ کرام میں سے اور عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، امام حسن بصری، قتادہ، ابوقلابہ کا یہی عمل تھا کہ نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد لوٹ آتے، اجازت نہیں لیتے تھے۔ اس کے برخلاف حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت مسور بن مخرمہ رضوان اللہ علیہم اور امام نخعی اجازت لیے بغیر واپس نہ ہوتے۔ امام مالک نے فرمایا کہ اجازت لیے بغیر واپس ہونا پسندیدہ بات نہیں، مگر یہ کہ دفن میں دیر ہو، ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ بغیر اجازت واپس نہ ہو، اس لیے کہ جس طرح نماز جنازہ میت کا حق ہے اسی طرح دفن بھی حق ہے، اور یہ اس سے اہم اور بہ نسبت اس کے کچھ محنت کا طالب ہے۔ اگر سب چھوڑ کر چلے جائیں تو دفن کون کرے گا؟ اس سلسلے میں احادیث بھی وارد ہیں، اگرچہ سب ضعیف ہیں مگر استحباب کے اثبات کے لیے کافی ہیں۔ امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو امیر ہیں حالانکہ امیر نہیں، وہ عورت جو قوم کے ساتھ حج کرے اور اسے حیض آ جائے اور وہ مرد جو جنازے کے ساتھ جائے اور نماز پڑھے تو اسے یہ حق نہیں کہ اہل جنازہ کی اجازت حاصل کیے بغیر لوٹے۔ امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جنازے کے ساتھ گیا اور اسے کاندھے سے اتارا، اور اس پر مٹی ڈال دی اور بیٹھا، یہاں تک کہ اسے اجازت دی گئی تو وہ دو قیراط لے کر لوٹا۔ امام عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا: دو امیر ہیں اور امیر نہیں، وہ شخص جو جنازے کے ساتھ رہے اور اس پر نماز پڑھے تو اسے میت کے ولی کی اجازت کے بغیر لوٹنا نہیں چاہیے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۱۲۶)

۷۷۶- ح: مَنْ تَبِعَ جَنَازَۃً فَلَہٗ قِیْرَاطٌ [جو جنازہ کے پیچھے چلا اس کے لیے ایک قیراط ہے]

۷۷۶- سَمِعْتُ نَافِعًا یَقُوْلُ حُدِّثَ ابْنُ عُمَرَ اَنَّ اَبَا

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلَهٗ قِيْرَاطٌ فَقَالَ اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَلَيْنَا فَصَدَّقَتْ يَعْنِي عَائِشَةَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُهٗ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَقَدْ فَرَّطْنَا فِيْ قَرَارِيْطَ كَثِيْرَةٍ. (بخاری۔ باب: فضل اتباع الجنائز ص ۱۷۷، مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الجنائز)

گئی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو جنازے کے پیچھے گیا اس کے لیے ایک قیراط ہے تو انہوں نے کہا: ابوہریرہ کثرت سے حدیث بیان کرنے کے عادی ہیں اس کی اطلاع جب اُم المؤمنین حضرت عائشہ کو ہوئی تو انہوں نے ابوہریرہ کی تصدیق کی اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیے۔

۷۷۷- ح: مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهِ

[جو جنازہ میں شریک ہوا حتیٰ کہ (جنازہ بھی) پڑھا]

۷۷۷- اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلِّيَ فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَ حَتّٰى يُدْفَنَ كَانَ لَهٗ قِيْرَاطَانِ قِيْلَ وَمَا الْقِيْرَاطَانِ قَالَ مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ. (ایضاً)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جنازے پر حاضر ہوا یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی تو اس کے لیے ایک قیراط ہے اور جو دفن کے وقت تک موجود رہا اس کے لیے دو قیراط ہیں عرض کیا گیا: قیراط کیا ہیں؟ تو فرمایا: دو بڑے پہاڑوں کے برابر۔

ترمذی میں یہ حدیث بہ طریق ابوسلمہ یوں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنازے پر صرف نماز پڑھے اس کے لیے ایک قیراط ہے اور جو جنازے کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن کر دیا جائے اس کے لیے دو قیراط۔ ان میں ایک یا یہ فرمایا: ان دونوں میں سے چھوٹا اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ راوی نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کو ذکر کیا تو انہوں نے حضرت عائشہ کے پاس آدمی بھیجا کہ ان سے دریافت کرے تو اُم المؤمنین نے فرمایا کہ ابوہریرہ نے سچ کہا اس پر حضرت ابن عمر نے کہا: ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیے۔

قیراط

اصل میں قرراط تھا اس لیے کہ اس کی جمع قراریط آتی ہے واحد میں راء کو خلاف قیاس یاء سے بدل دیا جیسے دینار میں نون کو یاء سے بدلا کیونکہ دینار اصل میں دنّار تھا اس لیے اس کی جمع دنانیر آتی ہے۔

قیراط کے یہ معانی ہیں: املی کا بیج دانگ کا آدھا درہم کے چھٹے حصے کے برابر ایک سکہ ہوتا تھا دینار کا بیسواں حصہ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے کسی چیز کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ کسی چیز کا ٹکڑا جز حصہ۔ یہاں حدیث میں حصہ ہی مراد ہے مثل اُحد یا مثل الجبلین العظیمین بہ طور تمثیل ہے مراد یہ ہے کہ بہت زیادہ ثواب ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقی معنی مراد ہو۔

اکثر ابوہریرہ

یعنی بہت زیادہ ثواب ذکر کر دیا یا یہ کہ روایت بہ کثرت کی جو محیر العقول ہے۔ کہیں انہیں اشتباہ تو نہیں ہوا چونکہ بخاری کی اس روایت کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس لیے حضرت ابن عمر نے وہ کہا۔ حضرت ابوہریرہ نے جب سنا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری سے مجھے میدان میں درخت لگانا اور بازار میں

خرید وفروخت نہیں روکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے میری طلب صرف ایک لقمے کی تھی جو کھلا دیتے اور ارشاد کی تھی جو سکھا دیتے' تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: ابوہریرہ ہم سے زیادہ خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور ہم سے زیادہ حدیث کے جاننے والے تھے۔

(عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۱۲۸)

فرطت ضَیَّعْتُ من امر اللّٰہ

یہ امام بخاری کا قول ہے' اس حدیث میں بھی ''فرطت'' آیا ہے' اور قرآن کریم میں بھی ایک جگہ فرمایا: ''یَا حَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ'' (الزمر:۵۶) ہائے افسوس! جو تقصیر میں نے اللہ کے حق میں کی۔ امام بخاری نے حسب عادت اس کی تفسیر فرما دی کہ ''فَرَّطْتُ ضَیَّعْتُ'' کے معنی میں ہے' یعنی میں نے ضائع کیا۔

۷۷۸- ح: جَاءُوْا بِرَجُلٍ وَامْرَاَۃٍ زَنَیَا

[(یہودی) ایک مرد اور یک عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا]

۷۷۸- عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ الْیَہُوْدَ جَاءُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ مِّنْہُمْ وَامْرَاَۃٍ قَدْ زَنَیَا فَقَالَ لَہُمْ کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ بِمَنْ زَنٰی مِنْکُمْ قَالُوْا نُحَمِّمُہُمَا وَنَضْرِبُہُمَا فَقَالَ لَا تَجِدُوْنَ فِی التَّوْرَاۃِ الرَّجْمَ فَقَالُوْا لَا نَجِدُ فِیْہَا شَیْئًا فَقَالَ لَہُمْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ کَذَبْتُمْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرَاۃِ فَاتْلُوْہَا اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ فَوَضَعَ مِدْرَاسُہَا الَّذِیْ یُدَرِّسُہَا مِنْہُمْ کَفَّہٗ عَلٰی اٰیَۃِ الرَّجْمِ فَطَفِقَ یَقْرَاُ مَا دُوْنَ یَدِہٖ وَمَا وَرَائَہَا وَلَا یَقْرَاُ اٰیَۃَ الرَّجْمِ فَنَزَعَ یَدَہٗ عَنْ اٰیَۃِ الرَّجْمِ فَقَالَ مَا ہٰذِہٖ فَلَمَّا رَاَوْا ذٰلِکَ قَالُوْا ہِیَ اٰیَۃُ الرَّجْمِ فَاَمَرَ بِہِمَا فَرُجِمَا قَرِیْبًا مِّنْ حَیْثُ مَوْضِعُ الْجَنَائِزِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ فَرَاَیْتُ صَاحِبَہَا یَحْنِیْ عَلَیْہَا یَقِیْہَا وَالْحِجَارَۃَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں یہودی ایک مرد اور ایک عورت کو لائے' جنہوں نے زنا کیا تھا' ان سے حضور نے فرمایا: تم میں جو زنا کرتا ہے اس کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ یہودیوں نے کہا: ہم ان دونوں کا منہ کالا کرتے ہیں اور انہیں مارتے ہیں' تو فرمایا: توریت میں تم رجم نہیں پاتے؟ انہوں نے کہا: ہم اس میں کچھ نہیں پاتے' تو ان سے حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: یہ تم جھوٹے بولے' توریت لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم لوگ سچے ہو۔ (توریت لائی گئی) تو توریت کے معلم نے اپنی ہتھیلی آیت رجم پر رکھ دی اور اس کے قریب اور اس کے علاوہ اور جگہ سے پڑھنے لگا اور آیت رجم نہیں پڑھی تو انہوں نے اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور کہا: یہ کیا ہے؟ جب یہودیوں نے اسے دیکھا تو کہا: یہ آیت رجم ہے' اب ان دونوں کے بارے میں حکم دیا اور انہیں مسجد کے پاس جنائز کی جگہ کے قریب سنگسار کیا گیا' میں نے اس عورت کے یار کو دیکھا اس پر جھکا پڑتا تھا اور اسے پتھر سے بچاتا تھا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قولہ تعالٰی فاتوا بالتوراۃ ان کنتم صادقین ص ۶۵۴' ج ۱۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۱۷۷' کتاب المناقب۔ باب: قول اللہ تعالٰی یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم ص ۵۱۳' ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۹۰' کتاب التوحید۔ باب: ما یجوز من تفسیر التوراۃ ص ۱۱۲۵' مسلم' ابوداؤد' داری' موطا۔ کتاب الحدود' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۵)

یہ حدیث کتاب الجنائز میں مختصر تھی' اس لیے ہم نے کتاب التفسیر کی روایت یہاں درج کی ہے' یہاں باب یہ ہے: عیدگاہ اور

مسجد میں نمازِ جنازہ۔ حسبِ عادت امام بخاری نے یہاں اپنا کوئی موقف نہیں ظاہر فرمایا۔ اس باب میں دو حدیثیں لائے ہیں' ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی' جس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید گاہ میں صف بنائی اور نجاشی پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ اور ایک حدیث مذکور' مگر دونوں میں سے کسی میں مسجد میں نماز پڑھنے کا تذکرہ نہیں۔ پہلی میں عید گاہ میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے' دوسری میں یہ بھی نہیں۔ صرف یہ ہے کہ مسجد کے پاس جنازے کی جگہ' اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ اس حدیث کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے نزدیک مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا ممنوع ہے خواہ جنازہ مسجد میں ہو خواہ نہ ہو۔ ہماری دلیل ابو داؤد[1] اور ابن ماجہ[2] کی یہ حدیث ہے' جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من صلّٰی علٰی جنازة فی المسجد فلا شیء له وفی ابن ماجة فلیس له شیء'' جس نے مسجد میں جنازے پر نماز پڑھی اس کے لیے کچھ نہیں' یعنی اس کے لیے کوئی ثواب نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا: ابو داؤد کے صحیح نسخے میں ''فلا شیء علیه'' ہے' مگر علامہ زیلعی نے فرمایا کہ صحیح نسخہ ''فلا شیء له'' ہے۔ اس کی تائید ابن ماجہ کی روایت سے ہوتی ہے' جس میں ''فلیس له شیء'' ہے' اس میں کتابت کی غلطی کا احتمال نہیں' نیز ابن ابی شیبہ میں ''فلا صلٰوة له'' اس حدیث کے ایک راوی صالح مولی التوأمہ پر یہ جرح کی گئی ہے کہ اخیر عمر میں حافظہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے ان سے خلط ہو جاتا تھا' لیکن اس حدیث کو صالح سے ابن ابی ذئب نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس اختلاط کا عارضہ ہونے سے پہلے سنا تھا۔ تفصیل' الجوہر النقی' ج ۱ ص ۲۷۸ میں ہے' اس لیے یہ حدیث کم از کم حسن ضرور ہے۔ امام محمد نے مؤطا میں یہ استدلال فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد کے پہلو میں تھی' اگر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں تھا تو مسجد کے باہر نمازِ جنازہ کے لیے جگہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز نجاشی کی نمازِ جنازہ عید گاہ جا کر پڑھی' جبکہ ان کا جنازہ مدینہ طیبہ میں نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دو بار مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی ہے' اس کی کوئی خاص وجہ رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ حضور اعتکاف میں رہے ہوں' مزاج ناساز رہا ہو' وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعہ اول' اول کا ہے' جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے' اس کے بعد سورۂ نور نازل ہوئی جس میں زانی اور زانیہ کی سزا سو کوڑے نازل ہوئی' خواہ وہ محصن ہو خواہ غیر محصن' پھر آیت رجم سے محصن کے حق میں کوڑے کی سزا منسوخ ہو گئی' رجم مقرر ہوئی' محصن ہونے کے لیے یہ شرطیں ہیں: آزاد' عاقل' بالغ ہونا اور نکاح صحیح کے ساتھ کسی عورت سے ہم بستر ہونا' اگرچہ ایک بار ہی۔

ت۲۵۶- وَلَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعُوْا صَائِحًا يَّقُوْلُ اَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَاَجَابَهُ الْاٰخَرُ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا.

(بخاری۔ باب: ما یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور ص ۱۷۷)

اور جب حضرت حسن بن حسن' حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پوتے کا وصال ہو گیا تو ان کی اہلیہ نے ان کی قبر پر قبہ تانا' جو ایک سال تک رہا' پھر اٹھا لیا تو لوگوں نے سنا کوئی بلند آواز سے کہتا ہے: جو چیز انہوں نے گم کی تھی' اسے پایا؟ تو دوسرے نے جواب دیا: نہیں! بلکہ مایوس ہوئے اور لوٹ گئے۔

امام حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ' یہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں' کربلا میں اپنے عم مکرم کے ساتھ تھے' عورتوں بچوں کے ساتھ گرفتار ہوئے' ائمہ اہل بیت میں سے ممتاز فرد ہیں۔ حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر عبد الملک بن مروان کے پاس تشریف لے گئے' اس

[1] ابو داؤد۔ ج ۲ ص ۹۸۔ باب: الصلوة علی الجنازة فی المسجد۔

[2] ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوة علی الجنازة فی المسجد ص ۱۱۰

نے ان کی بہت تعظیم وتکریم کی اور حجاج کی تعدی سے بچایا۔ ایک دفعہ ایک رافضی نے ان سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہے: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" فرمایا: ضرور فرمایا ہے' اگر اس سے خلافت مراد ہوتی تو حضور اقدس ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے اور فرماتے: اے لوگو! میرے بعد یہ تمہارے کاموں کا ولی اور یہی تم پر قائم ہوگا' اس کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو' بخدا! اگر اللہ اور اس کے رسول نے علی کو خلافت کے لیے منتخب کیا تھا اور علی نے چھوڑ دیا' تو یہ پہلے وہ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو چھوڑا۔ ان کی والدہ کا نام خولہ بنت منظور فزاری ہے۔ ۹۹ھ میں وصال فرمایا' ان کی اہلیہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا' حضرت امام حسین شہید کربلا کی صاحبزادی ہیں' یہ بھی کربلا میں موجود تھیں' امام حسن مثنیٰ کے وصال کے بعد ان کا عقد حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا' جن سے محمد دیباج پیدا ہوئے' یہ فاطمہ صغریٰ کے نام کے ساتھ مشہور ہیں' صحیح یہ ہے کہ ان کی ملاقات ان کی دادی حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے نہیں۔

قبہ

گول خیمے کو کہتے ہیں' یہاں خاص بات یہ ہے کہ ۹۹ھ میں یہ ہوا' یہ زمانہ صحابہ کرام کا اخیر دور تھا اور تابعین کا دور اوسط تھا۔ سال بھر تک امام حسن مثنیٰ کے مزار پر قبہ رہا' مگر کسی نے منع نہیں کیا اور نہ کوئی ایسی روایت ملتی ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ غرضِ صحیح کے لیے مزارات پر قبے بنانے جائز ہیں' یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ اور اسی پر جملہ اہل سنت کا عمل ہے۔ "لا يُرفع عليه بناء" سے اس کی حرمت پر استدلال صحیح نہیں' اس لیے کہ اس سے مراد قبر پر ایسی عمارت بنانا ہے جیسے یہود و نصاریٰ ستون نما سادی بناتے ہیں۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ "عَلٰی" کے حقیقی معنی استعلاء کے ہیں' اور استعلاء اس وقت ہوگا جبکہ میت کے محاذی اوپر عمارت بنائیں اور اگر ارد گرد بنائیں گے تو استعلاء نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں' جیسے ارشاد ہے: "وابنوا المساجد واتخذوها جُمًّا" "مسجدوں کو مُنڈی بناؤ' یعنی اس میں مینارے نہ بناؤ' مگر عہد تابعین ہی سے اس کے برخلاف مساجد میں مینارے بننے لگے تھے۔ وجہ یہی ہوئی کہ عہد صحابہ تک شعائر دین کی عظمت شعائر دین کی وجہ سے دلوں میں بھرپور تھی۔ نیز عام مکانات بھی بہت معمولی اور سادے ہوتے تھے' جب فتوحات ہوئیں اور دولت کی کثرت ہوئی اور مکانات عالی شان بننے لگے' اب اگر مسجدیں اسی طرح منڈی اور معمولی حیثیت کی رہتیں تو عام نگاہوں میں ان کی وقعت نہ ہوتی' غیر ہنستے کہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ایسی معمولی' تو مساجد کی عمارتیں عالی شان سے عالی شان بننے لگیں' مینارے گنبد بننے لگے۔ اس سے مقصود شعائر دین کی دلوں میں عظمت بٹھانا ہے۔ اسی طرح عہد سابق میں ہر مسلمان' مسلمان کی قبر کا احترام کرتا تھا' اور علماء' صلحاء' مشائخ کے مزارات کی ان کے شایانِ شان عظمت دلوں میں تھی' مگر اب جبکہ بصیرت باطنی کا فقدان ہے اور ظاہری شان و شوکت ہی عظمت کا نشان بن چکا ہے۔ علمائے کرام نے علماء و مشائخ کے مزارات پر قبے بنانے کی اجازت دے دی ہے' بلکہ اسے مستحسن بتایا ہے۔ علامہ فتنی نے مجمع بحار الانوار میں' اور ملا علی قاری نے فرمایا' حتیٰ کہ مولوی اعزاز علی مفتی دار العلوم دیوبند نے بھی شرح نقایہ ملا علی کے حاشیے (ص ۱۳۹) میں بھی ذرا تغیر کے ساتھ لکھا:

قد اباح السلف البناء علٰی قبر المشائخ والعلماء المشهورين ليزورهم الناس وليستريحون بالجلوس فيه.

مشائخ اور علماء مشہورین کے مزارات پر عمارات بنانے کو علماء سلف نے جائز بتایا' تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اس میں بیٹھنے پر آرام پائیں۔

نیز اس میں بہت سے فوائد ہیں، زائرین بہ اطمینان وحضورِ قلب تلاوت، ذکر اذکار کریں گے، جس سے دونوں کو فائدہ ہوگا۔ بارش، دھوپ، سردی سے محفوظ رہیں گے، قبے سے لوگ پہچان جائیں گے کہ یہ کسی محبوب بارگاہ کا مزار ہے، تو حاضر ہوں گے اور فیض حاصل کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے، حتیٰ کہ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار (ج۱ ص۶۰۱) میں فرمایا:

ولا یرفع علیه بناء وقیل لا باس به وهو المختار. قبر پر عمارت نہ بنائے، ایک قول یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اور یہی مختار ہے۔

اور علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے ردالمحتار (ج۱ ص۶۰۱) میں فرمایا:

وفی الاحکام عن جامع الفتاوٰی وقیل لا یکره اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات. احکام میں جامع فتاویٰ سے ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں، جبکہ میت مشائخ اور علماء اور سادات سے ہو۔

طحطاوی علی المراقی (ص۳۷۰) میں درمختار کا قول نقل کر کے برقرار رکھا، یہ دلیل ہے کہ ان کا بھی مختار یہی ہے۔

۷۷۹- ح: لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى [اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے]

۷۷۹- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا قَالَتْ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَاَبْرَزَ قَبْرَهٗ غَيْرَ اَنِّيْ اَخْشٰى اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اپنی اس بیماری میں جس میں آپ نے وصال فرمایا، ارشاد فرمایا: اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے! انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ اُم المؤمنین نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں حضور کا مزار ظاہر کر دیتی، مگر مجھے اندیشہ ہے کہ مسجد نہ بنا لیا جائے۔

(بخاری۔ باب: ما یکره من اتخاذ المسجد علی القبور ص۱۷۷، باب: ما جاء فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم ص۱۸۶، ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی الله علیه وسلم ص۶۳۹، مسلم۔ کتاب المساجد، مسند امام احمد۔ ج۶ ص۸۰)

یہود ونصاریٰ انبیائے کرام کے مزارات ہی کو مسجد بناتے اور اس پر سجدہ کرتے، اس لیے ان پر لعنت فرمائی، لیکن انبیائے کرام یا اولیائے عظام کے مزارات کے قریب مسجد بنانا بالاجماع جائز ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: لیکن اگر کوئی کسی صالح کی قبر کے جوار میں مسجد بنائے، اس طرح پر کہ قبر مسجد سے خارج ہو اور مقصود ان کے قرب سے برکت حاصل کرنا ہو اور قبر کی طرف منہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، بلکہ اس میں نفع کی امید ہے۔ کشمیری صاحب نے فیض الباری میں اسے نقل کر کے برقرار رکھا، یہ دلیل ہے کہ وہ اس سے متفق ہیں۔

لابرز قبره

حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مزار اقدس اور اپنی قیام گاہ کے درمیان دیوار بنا دی تھی، اسی کو فرما رہی ہیں۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد نبوی کی جدید تعمیر کی تو حجرۂ مبارکہ کے ارد گرد پانچ پہل کی دیوار قائم کر کے حجرۂ مبارکہ کو محفوظ کر دیا۔ شمالی دیوار کو مثلث کر دیا، اس طرح تاکہ اس کا توہم بھی نہ ہو سکے کہ حجرۂ مبارکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جا رہی ہے۔

قادیانی دجال کا ردّ

قادیانی دجال نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو چکا ہے' وہ زندہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے ہیں' بلکہ اس نے یہ تک بندی کی ہے کہ کشمیر میں ان کا مزار ہے' کشمیر سری نگر میں ایک قبر نور آسف کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دجال کہتا ہے کہ یہ لفظ مسیح کا محرف ہے' اور یہ حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر یوں نہیں کہ اگر ان کی قبر ہوتی تو بیت المقدس کی طرف ہوتی' نہ کہ کعبہ کی طرف۔ نیز اس حدیث میں تصریح ہے کہ نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجد بنالیا' اور اس پر کوئی مسجد نہیں' نہ اس پر کوئی سجدہ کرتا ہے۔ یہ دجال یوں بہکاتا ہے کہ نصاریٰ کے نبی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں' اگر ان کا وصال نہیں ہوا تو ان کی قبر کو نصاریٰ نے مسجد کیسے بنالیا؟ اس لعین نے یہ نہیں دیکھا کہ حدیث میں ''قبور انبیاء هم'' صیغہ جمع کے ساتھ ہے۔ اس سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے مراد ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ جیسے ہم اس کے مکلّف ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ساتھ تمام انبیائے سابقین پر ایمان لائیں' اسی طرح نصاریٰ بھی اس کے مکلّف تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ تمام انبیائے کرام پر ایمان لائیں۔ اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علاوہ دوسرے انبیائے کرام کو ان کا نبی کہا گیا' ورنہ ''انبیاء هم'' فرمانا درست نہ ہوتا۔

ت۲۵۷- وَقَالَ حُمَيْدٌ صَلّٰى بِنَا اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ سَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ كَبَّرَ الرَّابِعَةَ ثُمَّ سَلَّمَ.

اور حمید نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں جنازے کی نماز پڑھائی اور تین تکبیر پر سلام پھیر دیا' ان سے کہا گیا تو پھر قبلہ کو منہ کیا اور چوتھی تکبیر کہی پھر سلام پھیرا۔

(بخاری۔ باب: التکبیر علی الجنازۃ اربعا ص۱۷۷)

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے بہ طریق معمر عن قتادہ ذکر کیا ہے' یہ حمید' حمید الطویل کے ساتھ مشہور ہیں۔ تابعی رواۃ حدیث میں ہیں' یہی ہمارا مذہب بھی ہے کہ جنازے میں چار تکبیریں ہیں۔ بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنازے میں تین ہی تکبیریں ہیں' یا انہوں نے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس میں تین دفعہ ہی تکبیر کہی۔ اس سے مراد تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور تکبیریں ہیں' جیسا کہ گزر چکا کہ فرمایا: چوتھی تکبیر' تکبیر افتتاح ہے۔

ت۲۵۸- عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى اَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ اَرْبَعًا وَّقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَعَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ سَلِيْمٍ اَصْحَمَةَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو چار تکبیریں کہیں۔ یزید بن ہارون اور عبدالصمد نے سلیم سے روایت کرتے ہوئے کہا: اصحمہ۔

(بخاری۔ باب: التکبیر علی الجنازۃ اربعا ص۱۷۸' باب: الصفوف علی الجنازۃ ص۱۷۶' کتاب المناقب۔ باب: موت النجاشی ص۵۴۷)

حضرت نجاشی کے نام میں روایتیں مختلف آئی ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یزید ہی سے مروی ہے' صحمہ ہمزہ کے حذف کے ساتھ' اسماعیل نے بیان کیا کہ عبدالصمد کی روایت میں اصخمۃ' خاء معجمہ کے ساتھ ہے' اس لیے امام بخاری نے محمد بن سنان کی روایت کے بعد یزید بن ہارون اور عبدالصمد کی روایت بھی ذکر فرمائی کہ یہی صحیح ہے۔ ان کا نام اصحمہ تھا' اس کا معنی عربی میں ''عَطِيَّة'' ہے۔

ت۲۵۹- وَقَالَ الْحَسَنُ يَقْرَاُ عَلَى الطِّفْلِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّسَلَفًا وَّاَجْرًا.

اور امام حسن بصری نے فرمایا: بچے کی نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھے اور یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّسَلَفًا

(باب:قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة ص۱۷۸) وَّاَجْرًا"۔

اس تعلیق کو امام ابونصر عبدالوہاب بن خفاف نے کتاب الجنائز میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

"فَرَط" اسے کہتے ہیں جو قافلے سے آگے بڑھ کر منزل پر ضروری سامان مہیا کرے۔ "سلف" اسے کہتے ہیں جو پہلے گھر پہنچ کر سامان مہیا کرے۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے بارے میں صحابہ کرام کا عمل مختلف ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سے انکار کرتے تھے۔ مؤطا امام مالک[1] میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہی ہمارا مذہب ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرآن مجید کی قراءت واجب نہیں۔ اگر بہ نیت دعا پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں، جن صحابہ کرام سے سورۂ فاتحہ پڑھنا مروی ہے، اس کا محمل یہی ہے کہ وہ دعا اور ثناء کی نیت سے پڑھتے تھے۔

نمازِ جنازہ کی دعائیں

نمازِ جنازہ کے لیے کوئی دعا معین نہیں، احادیث میں کثیر دعائیں آئی ہیں، جو چاہے پڑھے۔ ان سب کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے "المنّةُ الممتازَہ" میں جمع فرما دیا ہے، جو فتاویٰ رضویہ، ج ۴ میں چھپ چکا ہے، ان سب دعاؤں کو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے بہارِ شریعت، حصہ چہارم میں درج فرمایا ہے۔

۷۸۰- ح: فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ [انہوں نے فاتحہ پڑھی]

۷۸۰- عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِيَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ.

(ایضا ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ کلھم فی کتاب الجنائز)

طلحہ بن عبداللہ بن عوف نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے جنازے کی نماز پڑھی، تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: (میں نے اس لیے پڑھی) کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

۷۸۱- ح: اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ (الخ) [جب کوئی (شخص) اپنی قبر میں رکھ دیا جائے]

۷۸۱- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَاَقْعَدَاهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْكَافِرُ اَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ كُنْتُ اَقُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے لوگ منہ پھیر کر جانے لگتے ہیں، حتیٰ کہ وہ ان کے جوتوں کی چاپ سنتا رہتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور دونوں اس سے پوچھتے ہیں: تو اس مرد محمد کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس پر اس سے کہا جائے گا: جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ! اللہ نے اس کے بدلے جنت میں تیرا ٹھکانہ بنا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] مؤطا امام مالک، ص ۹۷

مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ اُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَّسْمَعُهَا مَنْ يَّلِيهِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ. (بخاری۔باب:المیت یسمع خفق النعال ص۱۷۸،مسلم۔کتاب صفۃ النار،ابوداؤد۔کتاب السنۃ۔ باب:فی المسلۃ فی القبر۔نسائی۔کتاب الجنائز)

فرمایا: وہ دونوں کو دیکھے گا، لیکن کافر یا منافق تو وہ یہ کہے گا: میں نہیں جانتا، جو لوگ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا، تو اس سے کہا جائے گا: تو نے نہ اپنی عقل سے جانا نہ بتانے سے مانا، اس کے بعد لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے دونوں کانوں کے درمیان مارا جائے گا، جس سے وہ چیخے گا اتنے زور سے کہ انسان اور جن کے علاوہ آس پاس کی سبھی چیزیں سنیں گی۔

حیات موتی

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مردہ کو خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، مرنے کے بعد زندگی ملتی ہے، جو حیاتِ برزخی ہے، یہ دنیوی حیات سے قوی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ قبر کے باہر کی بھی باتیں دیکھتا اور آوازیں سنتا ہے، سمجھتا ہے، آرام و تکلیف محسوس کرتا ہے، دنیا کی باتیں یاد رکھتا ہے، جواب دینے کی قدرت رکھتا ہے، فرق یہ ہے کہ مؤمن صالح آزاد ہوتا ہے اور فاسق و کافر مقید، اس کی پوری تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے رسالہ مبارکہ ''حیات الموات'' میں مطالعہ کریں۔ سماع موتی میں ہمارا مؤقف اتنا قوی ہے کہ مخالفین کے امامِ وقت کشمیری صاحب کو بھی کہنا پڑا:

والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححه ابوعمرو ان احدا اذا سلم علی المیت فانه یرد علیه ویعرفه ان کان یعرفه فی الدنیا (بالمعنی) واخرجه ابن کثیر ابضا وتردد وفیه فالانکار فی غیر محله سیما اذا لم ینقل من أئمتنا رحمهم الله تعالیٰ فلا بد بالتزام السماع فی الجملة. (فیض الباری۔ج۲ص۴۶۷)

مُردوں کے سننے کے بارے میں احادیث تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے، جسے ابوعمرو نے صحیح کہا کہ جب میت پر کوئی سلام کرتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے، اگر اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو پہچان لیتا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس کی تخریج کی اور تردد ظاہر کیا۔ سماع موتی سے انکار بے محل ہے، خصوصاً جبکہ ہمارے ائمہ سے انکار منقول نہیں تو فی الجملہ سماع کا التزام ضروری ہے۔

دیوبندی بزرگوں کی حیات بعد ممات

یہ تو عام اموات کے بارے میں ہے، اپنے طبقے کے مردوں کے بارے میں تو اتنا کچھ ہے کہ تقویۃ الایمان کی رُو سے شرک ہے۔ ارواحِ ثلثہ میں ہے: ایک صاحب کشف حضرت حافظ (ضامن) صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے لگے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں؟ بڑے دل لگی باز ہیں، جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ! فاتحہ کسی مردہ پر پڑھو، یہاں زندہ پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو، یہ کیا بات ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں[1]۔ ایک مرتبہ نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی، سو جو شخص مولانا (یعقوب) کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا، اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم، کئی مرتبہ مٹی ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہوگئی، یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتا پہنے

---

[1] ارواح ثلثہ ص ۲۰۴۔

تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے، بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا، جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی، ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا، پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔ (ارواح ثلثہ۔ ص ۲۲۲)۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نکیرین کے سوالات کس زبان میں ہوں گے؟

ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ منکر نکیر دونوں سوال کریں گے، تاکہ مردے پر ہیبت ہو، اور سوال و جواب عربی ہی میں ہو گا، جیسا کہ مرقاۃ میں حضرت ملا علی قاری نے فرمایا: قبر میں جا کر سب عربی ہو جائیں گے اگرچہ عجمی رہے ہوں، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ سے نقل فرمایا کہ سریانی زبان میں ہوں گے۔ اب یہ کہنا ضروری ہوگا کہ حضور اقدس ﷺ کے مخاطب سریانی نہیں جانتے تھے، اس لیے ان کو عربی زبان میں فرمایا۔

لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ

یعنی تجھے اللہ عزوجل نے عقل دی تھی، اس سے کام لے کر تو نے نہیں جانا کہ تیرا رب کون ہے؟ اور یہ کون ہیں؟ جبکہ اللہ عزوجل کی ربوبیت اور ان کی رسالت کی حقانیت کے دلائل و براہین آفتاب سے زیادہ روشن ہیں، عقل سے نہیں جانا تھا تو اسلام کے مبلغین، علماء و مشائخ سے سن کر ان کی پیروی کرنی چاہیے تھی۔ وہ بھی تو نے نہیں کی، یا یہ کہ تو نے قرآن مجید کی تلاوت نہیں کی، جس سے تجھ پر حق واضح ہو جاتا۔

"تَلَيْتَ" کے بارے میں خطابی نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں "اِبْتَلَيْتَ" ہے۔ باب افتعال سے اس کا مادہ "اَلْوٌ" ہے، معنی میں طاقت کے، یعنی اس کی تجھے استطاعت نہ ہوئی، مگر علامہ عینی وغیرہ عام محدثین فرماتے ہیں کہ محدثین کے سر غلط روایت کیوں منسوب کی جائے۔ یہ اصل میں "تَلَوْتَ" تھا "دَرَيْتَ" کی مشاکلت کے لیے واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ اس کی نظیر "عثایا، غدایا، مازورات، ماجورات" ہے، حدیث میں ہے: "اِرْجِعْنَ مَازُوْرَاتٍ غَيْرَ مَاجُوْرَاتٍ"۔

اِلَّا الثَّقَلَيْنِ

ثقلین سے مراد جن و انس ہیں، یعنی انسان جن کے علاوہ قریب کی تمام چیزیں اس کی چیخ و پکار سنیں گے، مثلاً فرشتے، حیوانات، یہ اللہ کا فضل ہے کہ انسان اور جن اس کو نہیں سنتے، ورنہ معیشت تباہ ہو جاتی اور پھر ایمان، ایمان بالغیب نہ رہتا۔

۷۸۲- ح: اُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰى مُوْسٰى

[جب ملک الموت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس بھیجے گئے]

۷۸۲- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰى مُوْسٰى فَلَمَّا جَاءَهٗ صَكَّهٗ فَرَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ فَقَالَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰى عَبْدٍ لَّا يُرِيْدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَيْنَهٗ وَقَالَ ارْجِعْ فَقُلْ لَهٗ يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهٗ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهٖ يَدُهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ قَالَ اَیْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ فَالْاٰنَ فَسَاَلَ اللّٰهَ اَنْ يُّدْنِيَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ملک الموت بھیجے گئے تو حضرت موسیٰ نے انہیں ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی، وہ اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ گئے اور عرض کیا کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا تھا جو موت نہیں چاہتے، اب اللہ نے پھر ان کی آنکھ درست فرما دی اور فرمایا: جاؤ! اور ان سے عرض کرو: اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھیں، ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے عوض ایک

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَاَرَيْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰى جَانِبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ.

(بخاری۔ باب: من احب الدفن فی الارض المقدسۃ ص ۱۷۸، کتاب الانبیاء۔ باب: وفاۃ موسٰی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۸۴، مسلم۔ کتاب الانبیاء، نسائی۔ کتاب الجنائز)

سال زندگی ملے گی۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے پروردگار! پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت! تو عرض کیا: ایسا ہے تو ابھی، اور اللہ سے سوال کیا کہ ایک پتھر پھینکنے بھر ارضِ مقدس سے انہیں قریب فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو ان کا مزار راستے کے کنارے سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس تم کو دکھاتا۔

اشکال

ظاہر ہے کہ حضرت ملک الموت، اللہ عزوجل کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں روح قبض کرنے کے لیے آئے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ کیسے جائز تھا کہ انہیں مارتے اور روح قبض نہ کرنے دیتے، پھر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس پر کوئی باز پرس نہیں فرمائی۔ اسی لیے کچھ بدمذہب اور جہمیہ اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔

جواب

یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ بغیر ان کی اجازت کے ملک الموت قبض نہیں کرتے، یہاں ملک الموت انسانی شکل میں آئے اور بلا اذن لیے روح قبض کرنی چاہی۔ نیز انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا جاتا ہے، وہ چاہیں تو دنیا میں رہیں، چاہیں تو رفیق اعلیٰ میں رہیں۔ ابھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اس بارے میں سوال ہی نہیں ہوا تھا، اس لیے انہیں جلال آ گیا۔ ان کا جلال تو مشہور ہی ہے۔ جب غضب طاری ہوتا تو کلاہ مبارک مشتعل ہو جاتی۔ سر مبارک سے گز بھر اوپر شعلے نکلنے لگے، شب معراج رب تبارک وتعالیٰ سے تیز تیز باتیں کرتے۔ جب حضور اقدس ﷺ نے سنی تو حضرت جبریل امین سے فرمایا: یوں اپنے رب سے کلام فرماتے ہیں، تو جبریل امین نے عرض کیا: ان کا رب ان کے مزاج کی حدت کو جانتا ہے، توریت لے کر جب طور سے بنی اسرائیل میں واپس تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو گئوسالہ پوجتے دیکھا تو ایسا جلال آیا کہ الواحِ توراۃ چھوڑ دیں۔ حضرت ہارون کے سر اقدس کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے، اور جب عذر خواہی کے لیے ستر افراد کو لے کر حاضر بارگاہ ہوئے اور زلزلے میں گرفتار ہوئے تو عرض کیا:

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ. کیا ہم میں کے چند بے عقلوں نے جو کیا ہے اس پر ہم کو ہلاک فرمائے گا، یہ تیری ہی آزمائش ہے۔ (الاعراف: ۱۵۵)

پھر اس کی کیا شکایت کہ آدابِ نبوت کی خلاف ورزی پر حضرت ملک الموت کے ساتھ وہ کیا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ محبوبانِ بارگاہ کے ساتھ اس کا معاملہ کیا ہے، اسے ہم کیا جانیں، خاص بات یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا وقت موعود آ پہنچا تھا تو پھر اتنی مہلت کیسے ملی۔ اور خود اللہ عزوجل کی حضرات انبیاء کرام کے وصال کے بارے میں جو سنت الٰہیہ تھی، اس کے بغیر ملک الموت کو کیوں بھیجا، اس رمز کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے محبوب ومحب کے ناز ونیاز کی چاشنی ملی ہو۔

رمية بحجر

اس میں دو احتمالات ہیں، ایک یہ کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما تھے، وہاں سے پتھر پھینکنے کی مقدار ارض مقدس سے قریب فرما دے۔ دوسرے یہ کہ مجھے وہاں پہنچا دے جہاں سے ارضِ مقدس اتنے فاصلے پر ہو۔ یہاں یہ سوال ہے کہ ارض مقدس میں جانے کا سوال کیوں نہیں فرمایا۔ علماء نے فرمایا کہ پھر ان کی قبر معلوم ہو جاتی اور یہود اس کی پرستش کرنے لگتے۔ میرا ذوق

یہ ہے کہ اس وقت وہاں جبارین کا تسلط تھا‘ اگر وہاں انہیں کوئی دفن کرتا تو اس کا اندیشہ تھا کہ بے حرمتی کرتے۔

[حضرت موسیٰ علیہ السلام کا] وصال اور مزار مبارک

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال اس زمانے میں ہوا ہے‘ جب بنی اسرائیل میدانِ تیہ میں پھنسے ہوئے تھے‘ وصال مبارک کی کیفیت کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تشریف لیے جا رہے تھے‘ دیکھا کہ کچھ فرشتے ایک بہترین قبر کھود رہے ہیں۔ دریافت فرمایا: کس کے لیے کھود رہے ہو؟ فرشتوں نے عرض کیا: کیا آپ اس میں دفن ہونا پسند فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں! فرشتوں نے کہا: تو اس میں لیٹ جائیے اور اپنے رب کی طرف توجہ کیجئے۔ حضرت موسیٰ لیٹ گئے اور ہلکی سی سانس لی اور روح پرواز کر گئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ملک الموت جنت سے ایک سیب لائے‘ اسے سونگھا اور روح اعلیٰ علیین میں چلی گئی۔ (قسطلانی۔ ج ۲ ص ۳۵۷)

علامہ محمود بدر الدین عینی نے مزار مبارک کے بارے میں سات اقوال نقل فرمائے ہیں:

(۱) تیہ میں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مزار وہیں ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) بیت المقدس میں باب لُد پر۔ ابن جریر طبری نے کہا: یہی صحیح ہے۔

(۳) حافظ ابو القاسم نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ ان کا مزار پاک دمشق میں مسجد قدم کے قریب عالیہ عویلہ دو محلوں کے درمیان ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواب میں یہ دیکھا بھی گیا ہے‘ مگر ان کا اپنا فیصلہ ہے کہ تیہ میں ہے۔

(۴) بصریٰ اور بلقا کے مابین آب کے میدان میں ہے۔

(۵) دمشق میں ہے‘ حافظ ابو القاسم نے اسے کعب احبار سے نقل کیا۔

(۶) امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا کہ ان کا مزار پاک مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کے درمیان مدین میں ہے۔

(۷) اُریحا میں ایک قبر ہے‘ جو سرخ ٹیلے اور راستے کے قریب ہے‘ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کا مزار پاک ہے‘ یہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ راجح یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا مزار پاک تیہ میں ہے‘ یہی حضرت ابن عباس‘ وہب بن منبہ اور عام علماء کا قول ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس حدیث میں ارضِ مقدس سے مراد بیت المقدس ہے‘ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے حاشیۂ بخاری میں فرمایا‘ قرینہ بھی اسی کو چاہتا ہے‘ اس لیے کہ بیت المقدس سے جبارین کو نکالنے کے لیے مصر سے چلے تھے‘ مگر بنی اسرائیل نے بزدلی دکھائی‘ جس کے نتیجے میں تیہ میں پھنس گئے‘ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو گیا‘ تو یہ بات سامنے آئی کہ دل میں اس ارضِ مقدس کی تڑپ رہی ہوگی‘ تو آخر وقت میں یہی تمنا فرمائی کہ قربت نصیب ہو۔

[مسائل]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقاماتِ متبرکہ میں دفن ہونا بہتر ہے‘ خواہ وہ انبیائے کرام کا مدفن ہو یا اولیائے عظام و مشائخ عظام کا یا کسی اور دینی وجہ سے متبرک ہو‘ تاکہ وہاں جس رحمت کا نزول ہوتا ہے‘ اس سے اس کو بھی حصہ ملے۔ صحیح یہ ہے کہ دفن کے بعد میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا ممنوع ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضراتِ انبیاء کرام کی جسمانی قوت بھی رسل ملائکہ کی ملکوتی قوت سے بڑھ کر ہے‘ جس سے ثابت ہو گیا کہ محبوبانِ بارگاہ کو مافوق الفطرت قوت حاصل ہے۔

دجال قادیانی کا رد

یہ دجال حیاتِ مسیح پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ اتنی لمبی عمر انسان کو ملنی محال ہے‘ غور کیجئے! اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دنیا

میں رہنا مزید قبول فرما لیتے تو ان کی عمر مبارک کتنی ہوتی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک چالیس ہاتھ تھا' تو دست مبارک اسی تناسب سے کتنا وسیع ہوگا؟ جب وہ بیل کی پیٹھ پر دست مبارک رکھتے تو کتنے بال اس کے نیچے آتے۔ علیٰ سبیل التنزل یہی مان لیجئے کہ ان کا دست مبارک عام انسانوں اتنا تھا تو بھی کبھی بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر گنیں' کتنے بال آتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک معتدل انسان کے سر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار بال ہوتے ہیں۔ بیل کا بال انسان کے بال سے باریک ہوتا ہے' خود حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک ساڑھے نوسو سال سے زائد ہوئی۔

۷۸۳- ح: يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ

[شہدائے احد میں دو دو لوگوں کو (ایک کپڑے میں) اکٹھا کیا]

۷۸۳- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَ لَهٗ اِلٰى اَحَدِهِمَا قَدَّمَهٗ فِي اللَّحْدِ وَقَالَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِيْ دِمَائِهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوْا وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے اُحد میں سے دو دو حضرات کو ایک کپڑے میں جمع فرماتے' پھر ارشاد فرماتے: ان میں قرآن کسے زیادہ یاد ہے' جب کسی کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اسے لحد میں پہلے رکھتے' اور فرمایا: میں قیامت کے دن ان کا گواہ ہوں اور انہیں خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا' نہ انہیں غسل دیا گیا اور نہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔

(بخاری۔ باب: الصلوٰۃ علی الشہید ص۱۷۹' باب: دفن الرجلین والثلثة فی قبر واحد۔ باب: من لم یر غسل الشہداء۔ باب: من یقدم فی اللحد ص۱۷۹' ج۲۔ کتاب المغازی۔ باب: من قتل من المسلمین یوم اُحد ص ۵۸۴' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کلھم فی کتاب الجنائز)

اس غزوے میں ستر شہداء تھے اور بقیہ مجاہدین یا زخمی تھے' یا تھک کر چور ہو چکے تھے' یا غم واندوہ سے نڈھال ہو چکے تھے' اس لیے انصار کرام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمیں زخم اور مشقت پہنچی ہے۔ ارشاد فرمایا: قبر کھودو اور چوڑی بناؤ' دو یا تین ایک قبر میں رکھو۔ اسی پر عمل ہوا' عند الضرورت آج بھی یہ جائز ہے' البتہ دو میتوں کے درمیان کچھ مٹی رکھ دینی چاہیے' اسی طرح جب کفن کے لیے کپڑے نہ ہوں تو چند مُردوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کیا جا سکتا ہے۔

۷۸۴- ح: فَصَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ

[اہل احد پر (جنازہ کی طرح) نماز پڑھی]

۷۸۴- عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ صَلَاتَهٗ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنِّيْ فَرَطٌ لَّكُمْ وَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰى حَوْضِي الْاٰنَ وَاِنِّيْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ وَلٰكِنْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے گئے اور اہل اُحد پر نمازِ جنازہ کی طرح نماز پڑھی' پھر منبر کی طرف واپس ہوئے اور فرمایا: میں تمہارا میر سامان ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور میں بخدا! اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کل کنجیاں یا زمین کی سب کنجیاں دی گئی ہیں اور بخدا! مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ان خزانوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کرو گے۔

(بخاری۔ باب: الصلوٰۃ علی الشہید ص ۱۷۹' کتاب علامات النبوۃ ص ۵۰۸' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: احد یحبنا ص ۵۸۵' کتاب الحوض۔ باب: قول اللہ انا اعطیناک الکوثر ص ۹۷۵' مسلم۔ کتاب فضائل النبی ﷺ' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الجنائز)

شہداء احد کی نماز جنازہ

علامہ عینی نے فرمایا: یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ شہداء کی بھی نمازِ جنازہ ہے۔ ہمارے نزدیک جب تک اس کا ظنِ غالب نہ حاصل ہو کہ میت پھٹ گئی ہوگی' نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور شہدائے اُحد کے اجسام جوں کے توں تھے' اس لیے اتنی طویل مدت پر بھی ان پر نماز پڑھنی درست تھی۔ یہ نماز وصال سے چند دن پہلے پڑھی تھی' سات سال پانچ ماہ بعد۔

اقول: مگر اس حدیث سے استدلال اس وقت درست ہوگا جبکہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ شہداء اُحد پر دفن کے وقت نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی' اس لیے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے نزدیک جائز نہیں' اس سے تفصّی کے لیے کہنا پڑے گا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کا شہداء اُحد پر خصوصی کرم تھا' پھر اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ صحیح استدلال وہی ہے جو امام طحاوی اور خود علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ دوسری متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے شہداءِ اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی' جیسا کہ خود علامہ عینی نے اس سلسلے میں تین احادیث ذکر کی ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ بن عباس کی' دوسری حضرت عبداللہ بن زبیر کی' تیسری ابو مالک غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین کی۔ ابن ماجہ' طحاوی' بزار' مستدرک للحاکم' معجم طبرانی' بیہقی نے' ابن ہشام نے اپنی سیرت میں' دار قطنی نے' ابوداؤد نے مراسیل میں ان کی تخریج کی ہے کہ سات سات یا دس دس شہداء لائے جاتے اور حضور ان پر نماز پڑھتے۔ اور حضرت حمزہ شروع سے اخیر تک اسی طرح رکھے رہے' یعنی اور شہداء پر ایک ایک بار نماز پڑھی اور حضرت حمزہ پر سات بار یا دس بار پڑھی' چونکہ اصل یہی ہے کہ ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے' جب تک کسی دلیل سے کسی نوع کے لیے سقوط کا حکم نہ ہو' اصل کے اعتبار سے باقی رہے گی' اور شہداء سے نمازِ جنازہ کے ساقط ہونے کی کوئی دلیل نہیں' اس لیے وہ باقی رہے گی۔ علاوہ ازیں خود حضرت جابر سے بھی ایک روایت آئی ہے کہ شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ حضور نے پڑھی' جیسا کہ اکلیل میں ابن عقیل سے روایت ہے[1] بخاری کی حضرت جابر والی حدیث میں ہے کہ ان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔ یہ احتمال ہے کہ ان کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو' جب وہ اپنے والد کو مدینہ لے جانے کے لیے سر و سامان کرنے کے لیے شہر چلے گئے ہوں' اس اثناء میں نماز پڑھی ہو اور یہ بات ان کے علم میں نہ آسکی۔

شبلی صاحب پر تعقب

شبلی صاحب نے سیرت النبی' جلد اوّل میں لکھا ہے: ان شہداء پر نمازِ جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی'[2] پھر ثانی میں ہے: غزوۂ اُحد کے بیان میں گزر چکا کہ شہداء اُحد کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی[3] اس پر خود ان کے تلمیذ سلیمان ندوی صاحب نے جلد اوّل کے حاشیہ میں تنبیہ کردی ہے' اس لیے ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ت ۲۶۰ - قَالَ جَابِرٌ فَكُفِّنَ اَبِیْ وَعَمِّیْ فِیْ نَمِرَةٍ وَّاحِدَةٍ (بخاری۔ باب: من یقدم فی اللحد ص ۱۷۹) حضرت جابر نے کہا: میرے والد اور چچا ایک کمبل میں کفنائے گئے۔

حضرت جابر کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے ساتھ حضرت عمرو بن جموح بن زید بن حرام رضی اللہ عنہما مدفون تھے' یہ حضرت جابر کے چچا زید کے صاحبزادے تھے' چچا نہ تھے۔ انہیں ان کی تعظیم و تکریم کے لیے چچا کہہ دیا' جیسا کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ احتراماً ہر اپنے سے بڑے کو چچا کہہ دیتے تھے۔ امام واقدی اور ان کے تلمیذ ابن سعد نے فرمایا کہ یہ دونوں دو کپڑوں میں کفنائے گئے تھے۔ اب

---

[1] عمدۃ القاری' ج ۹' ص ۱۵۵ [2] سیرت النبی ﷺ۔ ج ۱' ص ۳۸۵ [3] سیرت النبی ﷺ۔ ج ۲' ص ۱۷۱

تطبیق یہ ہے کہ ایک کمبل کو پھاڑ کر دونوں کو کفن دیا گیا۔

۷۸۵- ح: حَرَّمَ اللّٰہُ مَکَّةَ فَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ

[مکہ کو حرم بنایا گیا، مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہ ہوا]

۷۸۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَرَّمَ اللّٰہُ مَکَّةَ فَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَلَا لِاَحَدٍ بَعْدِیْ اُحِلَّتْ لِیْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ لَّایُخْتَلٰی خَلَاهَا وَلَا یُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا یُنَفَّرُ صَیْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اِلَّا الْاِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَقُبُوْرِنَا فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ وَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِقُبُوْرِنَا وَبُیُوْتِنَا وَقَالَ اَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِیَّةَ بِنْتِ شَیْبَةَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا لِقَیْنِهِمْ وَبُیُوْتِهِمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مکہ کو حرم بنایا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ ہوا اور میرے بعد کسی کے لیے حلال نہ ہوگا، میرے لیے تھوڑی دیر کے لیے حلال کیا گیا، اس کی گھاس نہ صاف کی جائے، اس کا درخت نہ کاٹا جائے، اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے، اس میں پڑی ہوئی چیز نہ اُٹھائے مگر تشہیر کرنے والا، اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: سوائے اذخر کے، یہ ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے لیے ہے، تو فرمایا: سوائے اذخر کے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضرت عباس نے کہا تھا کہ وہ ہماری قبروں اور ہمارے گھروں کے لیے ہے۔ اور ابان بن صالح نے حسن بن مسلم سے، انہوں نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل سنا ہے، اور مجاہد نے طاؤس سے روایت کرتے ہوئے ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت عباس نے کہا تھا کہ وہ ہمارے لوہار اور ہمارے گھروں کے لیے ہے۔

(بخاری۔ باب: الاذخر والحشیش فی القبر ص ۱۸۰، کتاب الحج۔ باب: فضل الحرم ص ۲۱۶، کتاب الجہاد۔ باب: اثم الغادر للبر والفاجر ص ۴۵۲، کتاب البیوع۔ باب: ما قیل فی الصواعین ص ۲۸۰، کتاب اللقطۃ۔ باب: کیف تعرف لقطة مکة ص ۳۲۸، ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة الفتح ص ۶۱۷، مسلم۔ کتاب الحج، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب المناسک، مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۲۵۳)

یہ خطبہ فتح مکہ کے موقع پر دیا، مغازی کی روایات میں اس کی تصریح ہے، وہیں یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے جس دن آسمان و زمین پیدا فرمایا، اسی دن مکہ کو حرم بنایا۔

الا لمعرف

یعنی حرم میں کوئی پڑی ہوئی چیز ملے تو اسے وہی اُٹھائے جو اس کی تشہیر کرے تاکہ جس کی ہو وہ لے جائے۔ دوسری روایتوں میں "لمنشد" ہے، انشاد کے معنی آواز بلند کرنا ہے، اس کے معنی بھی وہی ہیں، کہیں کوئی پڑی ہوئی چیز ملے تو اسے وہی اُٹھائے جو اس کی سال بھر تک تشہیر کرے۔ سال پورا ہونے پر بھی پتہ نہ چلے تو صدقہ کر دے، یہ حکم ہر جگہ کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لیے خاص اس لیے یہ فرمایا کہ وہاں اس کا امکان بہت زیادہ ہے کہ گری پڑی چیزیں رہ جائیں، غالباً اس وقت یہ عادت رہی ہوگی کہ لوگ اسے اُٹھا کر رکھ لیتے ہوں، اس لیے اسے بھی خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا۔

لصاغتنا

"صاغة"، "صائغ" کی جمع ہے، بہ معنی سنار، بعض روایتوں میں "لقيننا" ہے، یعنی ہمارے لوہار کے لیے، بعض روایتوں میں "لسقف بيوتنا" ہے، یعنی ہمارے گھروں کی چھت کے لیے ہے۔ حضرت عباس کی عرض داشت کا مطلب یہ تھا کہ اذخر ہماری بھٹیوں ہمارے مکانات کی چھتوں اور قبروں میں کام آتی ہے، اگر اس کا کاٹنا ممنوع رہے گا تو اہل مکہ کو سخت دشواری رہے گی، اس لیے اس کا استثناء فرمادیں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں، جس چیز کو چاہیں حرام فرمادیں اور جس حکم میں چاہیں تغیر فرمادیں۔ تفصیل کے لیے منبہ اللبیب کا مطالعہ کریں، یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ مکہ معظمہ بہ ذریعۂ جنگ فتح ہوا ہے، حرم میں جو درخت اور گھاس خودرو ہوں، ان کا کاٹنا اور اکھاڑنا جائز نہیں۔ ہمارے نزدیک جانوروں کو چرانا بھی جائز نہیں، کاٹنے اکھاڑنے، چرانے پر اس کی قیمت واجب ہے اور جو درخت لگائے جائیں اور جو سبزیاں بوئی جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔

قال ابوهريرة

اس حدیث میں صرف "لصاغتنا وقبورنا" تھا، تکمیل کے لیے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بہ طریق مجاہد عن طاؤس کو تعلیقاً ذکر فرمایا، پہلے میں "لبيوتنا" زائد ہے اور دوسری میں "لصاغتنا" کی جگہ "لقينهم" ہے۔

۷۸۶- ح: اَتَى عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اُبَيٍّ بَعْدَ مَا اُدْخِلَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عبداللہ بن ابی کے پاس آئے جب وہ گڑھے میں ڈالا جاچکا تھا]

۷۸۶- قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اُبَيٍّ بَعْدَ مَا اُدْخِلَ حُفْرَتَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ فَوَضَعَهٗ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَنَفَثَ عَلَيْهِ مِنْ رِيْقِهٖ وَاَلْبَسَهٗ قَمِيْصَهٗ فَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا قَالَ سُفْيَانُ وَقَالَ اَبُوْ هَارُوْنَ وَكَانَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيْصَانِ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْبِسْ اَبِيْ قَمِيْصَكَ الَّذِيْ يَلِيْ جِلْدَكَ قَالَ سُفْيَانُ فَيُرَوْنَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَسَ عَبْدَاللّٰهِ قَمِيْصَهٗ مُكَافَاَةً لِمَا صَنَعَ

عمرو بن دینار نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لائے، جب وہ اپنے گڑھے میں ڈالا جاچکا تھا تو حکم دیا، وہ نکالا گیا، اسے اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا، اللہ خوب جانتا ہے اور اس نے حضرت عباس کو کرتا پہنایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو کرتے پہنے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے فرزند نے حضور سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والد کو وہ کرتا پہنائیں جو حضور کے جسم سے متصل ہے۔ سفیان نے کہا: لوگوں کا گمان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کو اپنا کرتا اس کے بدلے میں پہنایا تھا جو اس نے حضرت عباس کے ساتھ کیا تھا۔

(بخاری۔ باب: هل يخرج الميت من القبر واللحد ص ۱۸۰، باب: الكفن في القميص الذي يكف ص ۱۶۹، کتاب الجهاد۔ باب: كسوة الاسارى ص ۴۲۲، ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: لبس القميص ص ۸۶۲، مسلم۔ کتاب التوبہ، نسائی۔ کتاب الجنائز)

اس حدیث پر مفصل بحث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ضمن میں ہوچکی ہے۔

۷۸۷- ح: مَا اُرَانِیْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِیْ اَوَّلِ مَنْ یُّقْتَلُ

[میرا ظن غالب ہے کہ میں (سب سے) پہلے قتل کیا جاؤں گا]

۷۸۷- عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا حَضَرَ اُحُدٌ دَعَانِیْ اَبِیْ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِیْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِیْ اَوَّلِ مَنْ یُّقْتَلُ مِنْ اَصْحٰبِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّیْ لَا اَتْرُكُ بَعْدِیْ اَعَزَّ عَلَیَّ مِنْكَ غَیْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ عَلَیَّ دَیْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَیْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِیْلٍ وَّدُفِنْتُ مَعَهٗ اٰخَرَ فِیْ قَبْرِهٖ ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِیْ اَنْ اَتْرُكَهٗ مَعَ اٰخَرِ فَاسْتَخْرَجْتُهٗ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَاِذَا هُوَ كَیَوْمِ وَضَعْتُهٗ هُنَیَّةً غَیْرَ اُذُنِهٖ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اُحد کا دن آیا تو مجھے میرے والد نے رات میں بلایا اور فرمایا: میرا ظن غالب ہے کہ میں صحابہ کرام میں سب سے پہلے قتل کیا جاؤں گا اور میں رسول اللہ ﷺ کے سوا تم سے زیادہ پیارا کسی کو نہیں چھوڑ رہا ہوں اور مجھ پر قرض ہے' اسے ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا' صبح ہوئی تو سب سے پہلے وہی شہید ہوئے اور میں نے ان کے ساتھ ایک اور صاحب کو دفن کر دیا تھا' پھر مجھے گوارا نہ ہوا کہ ان کے ساتھ کسی دوسرے کو رہنے دوں تو میں نے چھ مہینے کے بعد انہیں نکالا تو وہ ویسے ہی تھے' جیسے میں نے دفن کیا تھا سوائے کان کے۔

(بخاری۔ باب: هل یخرج المیت من القبر ص ۱۸۰' ابوداؤد۔ بادنیٰ تغیر)

اس کے متصل والی روایت میں ہے: میں نے اپنے والد کو علیحدہ قبر میں کر دیا' حضرت جابر کے والد ماجد کو یہ گمان اس بناء پر تھا کہ انہوں نے خواب میں حضرت مبشر بن عبداللہ المنذر کو دیکھا' یہ بدر میں شہید ہوئے تھے کہ وہ کہہ رہے ہیں: تم انہیں دنوں میں ہمارے پاس آنے والے ہو۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے خواب بیان فرمایا' تو آپ نے فرمایا: یہ شہادت ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ یہ دوسرے صاحب حضرت عمرو بن جموح بن زید بن حرام' حضرت جابر کے چچازاد بھائی تھے۔ یہ حضرت جابر کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے دوست بھی تھے اور ان کے بہنوئی بھی تھے۔ ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کرنے کا حکم خود حضور اقدس ﷺ نے دیا تھا' چھ ماہ بعد شہداء کے جسموں کا جوں کا توں رہنا اسلام کی حقانیت کی دلیل قاطع ہے۔

مدینہ طیبہ کی تمام تواریخ وفاء الوفاء' جذب القلوب وغیرہ نیز کتب حدیث و سیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت معاویہ نے مدینہ طیبہ میں پانی لانے کے لیے نہر نکالی اور اس کے لیے کھدائی ہوئی تو حضرت جابر کے والد ماجد کی قبر کھل گئی تو وہ اس وقت بھی تر و تازہ تھے۔ ہاتھ کے ایک زخم پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے' جب زخم سے ہاتھ ہٹایا گیا تو خون بہنے لگا' پھر جب ہاتھ زخم پر رکھ دیا گیا تو زخم سے خون نکلنا بند ہو گیا۔ ان کے کفن اور پیروں پر جو گھاس ڈالی گئی تھی' جوں کی توں تھی۔ کھودتے وقت پھاوڑا حضرت حمزہ کے پاؤں پر لگا تو اس سے خون بہہ نکلا۔ اسی طرح دوسرے شہداء بھی تر و تازہ تھے۔ یہ چالیس سال کے بعد کا واقعہ ہے' پھر چھ سال کے بعد سیلاب سے قبریں کھلیں تو بھی یہ شہداء تر و تازہ تھے۔

ت ۲۶۱- وَقَالَ الْحَسَنُ وَشُرَیْحٌ وَّاِبْرَاهِیْمُ وَقَتَادَةُ اِذَا اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا فَالْوَلَدُ مَعَ الْمُسْلِمِ.

اور حسن بصری اور شریح اور ابراہیم نخعی اور قتادہ نے کہا: ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو نابالغ بچہ مسلمان کے ساتھ ہے۔

(بخاری۔ باب: اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ص ۱۸۰)

امام حسن بصری اور قاضی شریح کے اثر کو بیہقی نے اور حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت قتادہ کے اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں موصولاً روایت کیا ہے۔ یہاں باب کے دو جز ہیں: نابالغ بچہ مسلمان ہو جائے اور مر جائے تو کیا اس کے جنازے کی نماز

پڑھی جائے؟ دوسرا جزیہ ہے: اور کیا نابالغ بچے پر اسلام پیش کیا جائے گا؟ کافر کا بچہ اگر سمجھ دار ہے اور اسلام لائے تو اس کا اسلام معتبر ہے۔ ایسی صورت میں اگر مر جائے تو اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی۔ یوں ہی ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو گیا ہو تو اس بچے کی بھی نماز جنازہ ہے اگر چہ وہ ناسمجھ ہے۔ اب اس تعلیق کو باب کے پہلے جز سے بھی مناسبت ہو گئی اور دوسرے جز سے یوں مطابقت ہے کہ جب ماں باپ میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے سے بچہ مسلمان ہے تو اس پر اسلام پیش کرنے کی حاجت نہیں۔

ت ۲۶۲- وَقَالَ الْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى. اسلام خود بلند ہوتا ہے اسے بلند نہیں کیا جاتا۔

(بخاری۔ باب: اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ص ۱۸۰)

یہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے جسے دار قطنی نے حضرت عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عائذ بن عمرو اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو صحابہ نے خوش ہو کر کہا: یہ عائذ بن عمرو اور ابوسفیان تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عائذ بن عمرو اور ابوسفیان ہیں۔ اسلام ان سے بھی زیادہ معزز ہے اسلام بلند ہوتا ہے بلند نہیں کیا جاتا[1] علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ واو عاطفہ سے ظاہر ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے[2] ابن حزم کے محلی میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہودی یا نصرانی عورت مسلمان ہو تو ان کے شوہروں اور ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اس لیے کہ اسلام بلند رہتا ہے اس پر کوئی چیز بلند نہیں ہوتی۔ اس تعلیق کو باب سے صرف اتنی مناسبت ہے کہ نابالغ بچہ ماں باپ میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے سے مسلمان ہو گیا اس میں اس کے قصد و اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ یہ اسلام کے از خود بلند ہونے کی دلیل ہے کہ اس پر خود بخود بغیر اس کے قصد و ارادے کے غلبہ کر لیا۔

۷۸۸- ح: قِصَّةُ ابْنِ صَيَّادٍ [واقعہ ابن صیاد]

۷۸۸- اَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهٗ اَنَّ عُمَرَ انْطَلَقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ حَتّٰى وَجَدُوْهُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ عِنْدَ اُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ الْحُلُمَ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتّٰى ضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ اَتَشْهَدُ اَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ الْاُمِّيِّيْنَ فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدُ اَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَفَضَهٗ وَقَالَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ فَقَالَ لَهٗ مَاذَا تَرٰى قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ يَاْتِيْنِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِّطَ عَلَيْكَ الْاَمْرُ ثُمَّ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي قَدْ خَبَاْتُ لَكَ خَبِيْئًا فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ هُوَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک جماعت کے ہم راہ ابن صیاد کی جانب چلے یہاں تک کہ بن مغالہ کے ٹیلوں کے پاس ابن صیاد کو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا اور ابن صیاد بالغ ہونے کے قریب تھا اسے خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھا پھر ابن صیاد سے فرمایا: کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو ابن صیاد نے حضور کی جانب دیکھا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اُمیوں کے رسول ہیں پھر ابن صیاد نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو حضور نے اسے چھوڑ دیا اور فرمایا: میں اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لایا پھر اس سے فرمایا: تو کیا دیکھتا ہے؟ ابن صیاد نے کہا: میرے پاس سچا بھی آتا ہے اور جھوٹا بھی تو نبی ﷺ نے فرمایا: تجھ پر معاملہ خلط ملط ہے اس کے بعد نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: میں نے تیرے لیے

1 فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۵ 2 ایضاً

الدُّخُّ فَقَالَ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَضْرِبْ عُنُقَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ وَقَالَ سَالِمٌ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ انْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلَى النَّخْلِ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ ابْنُ صَيَّادٍ فَرَآهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ يَعْنِي فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْزَةٌ أَوْ زَمْرَةٌ فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ يَا صَافِ وَهُوَ اسْمُ ابْنِ صَيَّادٍ هٰذَا مُحَمَّدٌ فَثَارَ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ وَقَالَ شُعَيْبٌ فَرَفَصَهُ زَمْزَمَةٌ وَقَالَ إِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ وَعُقَيْلٌ رَمْرَمَةٌ وَقَالَ مَعْمَرٌ رَمْزَةٌ.

ایک بات دل میں رکھی ہے (وہ کیا ہے؟) تو ابن صیاد نے کہا: وہ دُخ ہے، اس پر فرمایا: دُر ہو! تو اپنی بساط سے آگے ہرگز نہیں بڑھ پائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اجازت دیجئے! میں اس کی گردن اُڑا دوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر قابو نہیں پاؤ گے، اور اگر وہ نہیں تو اس کے قتل میں تمہارے لیے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اور سالم نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر سے سنا، فرماتے تھے: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی بن کعب کھجوروں کی طرف چلے، جن میں ابن صیاد رہتا تھا، حضور یہ چاہتے تھے کہ کسی حیلے سے ابن صیاد کی کچھ بات سنیں، قبل اس کے وہ حضور کو دیکھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا کہ وہ اپنی چادر میں لیٹا ہوا ہے، اس میں گنگناہٹ ہے، ابن صیاد کی ماں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کہ کھجور کے درختوں میں چھپے ہوئے آ رہے ہیں، تو اس نے ابن صیاد سے کہا: اے صاف! یہ ابن صیاد کا نام ہے، یہ محمد، تو ابن صیاد کود پڑا، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اسے چھوڑ دیتی تو کھل جاتا، اور شعیب نے کہا: "زمـــزمـــة" اور اسحٰق کلبی اور عقیل نے کہا: "رمرمة" اور معمر نے کہا: "رمزة"۔

(بخاری۔ باب: اذا اسلم الصبی ثم مات هل یصلی علیه ص۱۸۰-۱۸۱، کتاب الشهادات۔ باب: شهادة المختبی ص۳۵۹، کتاب الجهاد۔ باب: ما یجوز من الاختیال والحذر ص۴۲۵، کتاب الجهاد۔ باب: کیف یعرض الاسلام علی الصبی ص۴۲۹-۴۳۰، ج۲۔ کتاب الادب۔ باب: قول الرجل للرجل اخسأ ص۹۱۲، کتاب القدر۔ باب: یحول بین المرء وقلبه ص۹۷۹، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب الملاحم، مسند امام احمد۔ ج۲ ص۱۴۸)

ابن صیاد

یہودیوں میں یا یہودیوں کے حلیف بنی النجار میں صیاد نام کے ایک شخص کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام صافی یا عبداللہ تھا، اس میں کچھ عجیب و غریب باتیں تھیں، مثلاً وہ پیدا ہوا تو اس طرح رویا جیسے ایک مہینے کا بچہ روتا ہے، آئندہ کی باتیں بتاتا جن میں کچھ کبھی کبھی صحیح نکلتیں۔ مسند امام احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت کے ایک بچہ پیدا ہوا، جس کی ایک آنکھ غائب تھی اور دوسری اُبھری ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دجال نہ ہو۔ مسند امام احمد میں حضرت ابوبکرہ کی حدیث میں ہے: دجال کے ماں باپ کو تیس سال تک اولاد نہ ہوگی، پھر ایک کانا لڑکا ہوگا، بہت زیادہ ضرر رساں اور بہت کم نفع بخش، اس کی آنکھیں سوئیں گی اور دل جاگتا رہے گا، اور دجال کے ماں باپ کا یہ حلیہ بیان فرمایا: اس کا والد لمبا لحیم ہوگا، اس کی ناک چونچ کی طرح ہوگی اور اس کی ماں موٹی ہوگی، اس کے پستان لمبے ہوں گے، یہود میں اس قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش کے بارے میں ہم نے سنا تو میں اور زبیر بن عوام گئے، اور دیکھا تو اس کے ماں باپ ویسے ہی تھے۔ نیز ابی مین اور بزار میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ماں کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس سے پوچھو: یہ کتنے دن پیٹ میں رہا؟ تو اس کی ماں

نے بتایا کہ بارہ مہینے' اور جب پیدا ہوا تو ہم اس کے قریب سے گزرے' وہ دھوپ میں چادر میں لپٹا ہوا تھا' اس نے ہم سے پوچھا: تم لوگ کس پھیر میں ہو؟ ہم نے کہا: تو نے سن لیا' اس نے کہا: آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے۔

دجال کی بعض علامتیں ابن صیاد میں تھیں' اس لیے اس کی تفتیش کے لیے حضور اقدس ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے' صحابہ کرام میں بہت سے حضرات کو یقین تھا کہ یہی دجال ہے' جو اخیر زمانے میں ظاہر ہو گا۔ ابوداؤد[1] میں ہے کہ یہ واقعۂ حرہ میں غائب ہو گیا۔ اسی میں ہے کہ حضرت ابن عمر' حضرت جابر حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو یقین تھا کہ یہی دجال ہے۔

مسلم[2] میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اور عمار اور ابن صیاد حج کے ارادے سے مکہ چلے' ایک منزل پر لوگ متفرق ہو گئے' میں اور ابن صیاد اکیلے رہ گئے۔ اس کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا تھا' اس کی وجہ سے مجھے سخت وحشت ہوئی' اس نے اپنا سامان لا کر میرے پاس رکھنا چاہا تو میں نے کہا: گرمی بہت ہے' اس درخت کے سائے میں رکھ' اس نے ایسا ہی کیا۔ ہمارے سامنے بکریوں کا ایک ریوڑ آیا' وہ گیا اور دودھ لایا' مجھ سے کہا: لو پی لو' میں نے کہا: گرمی سخت ہے اور دودھ گرم ہے' حالانکہ میں اس کے ہاتھ سے پینا نہیں چاہتا تھا۔ اب اس نے کہا: اے ابوسعید! میرے بارے میں جو کہا جاتا ہے اس کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ کسی درخت میں رسّی لٹکا کر گلا گھونٹ لوں۔ اے گروہِ انصار! لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث پوشیدہ ہو تو ہو مگر تم پر پوشیدہ نہیں' کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ (مسیح دجال) کافر ہے اور میں مسلمان ہوں' کیا یہ نہیں فرمایا ہے کہ وہ بانجھ ہے اور میں نے مدینہ میں اپنی اولاد چھوڑی ہے۔ کیا یہ نہیں فرمایا کہ وہ مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہو گا اور میں مدینہ سے آ رہا ہوں اور مکہ جا رہا ہوں۔ حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ میں اس سے معذرت کرنے والا ہی تھا کہ اس نے کہا: میں اس (دجال) کو پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا مولد کہاں ہے' اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ اس کے پہلے والی روایت میں ہے کہ میں اس کے ماں باپ کو پہچانتا ہوں' اس سے کہا گیا: کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو وہ شخص ہو؟ تو اس نے کہا: اگر یہ بات مجھ پر پیش کی جائے تو ناپسند نہ کروں گا' اس پر حضرت ابوسعید نے کہا: تیرے لیے پورے دن بربادی ہو!

سیف نے کتاب الفتوح میں لکھا ہے کہ جب نعمان نے سوس کا محاصرہ کیا اور اس کا فتح کرنا مشکل ہو گیا' تو سوس کے پادریوں نے کہا: اے اہل عرب! ہمارے اگلے علماء نے کہا ہے کہ اسے صرف دجال فتح کرے گا' اگر تم میں دجال ہے تو تم لوگ فتح کر پاؤ گے ورنہ نہیں' ابن صیاد اس لشکر میں تھا' وہ دروازے پر غصہ ہو کر آیا اور اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار کر کہا: کھل! تو زنجیریں ٹوٹ گئیں اور تالے ٹوٹ گئے اور دروازہ کھل گیا' اور مسلمان اندر داخل ہو گئے۔

بعد کے علماء میں بھی یہ اختلاف رہا۔ ابن تین نے کہا: اصح یہ ہے کہ یہ دجال نہیں' علامہ قرطبی' ابن تین سے متفق نہیں' ابن جریر وغیرہ نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے' عمارہ حضرت امام مالک کے شیخ اسی کے فرزند تھے۔

ابن صیاد اس بارے میں تین روایتیں ہیں: صیاد' صائد' سائد' الامیین اُمی کی جمع ہے' اس میں تین احتمال ہیں: یہ اُمۃ العرب سے ہے' یا اُم القریٰ سے ہے جو مکہ معظمہ کا نام ہے' یا اُم سے ہے' یعنی جو لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے اسی حالت پر ہے جیسے ماں نے جنا ہے' اُمی اس زمانے میں اہل عرب کو کہا جاتا تھا۔

ماذا ترٰی

یعنی خواب میں کیا دیکھتا ہے؟ جو دیکھتا ہے وہ سچ ہوتا ہے یا جھوٹ؟ یا مراد مطلقاً دیکھنا ہے یعنی پوشیدہ باتیں۔ اس کا جواب اس

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۵۹۹۔ کتاب الملاحم۔ باب: ابن صیاد [2] مسلم۔ ج ۲ ص ۳۹۸۔ کتاب الفتن۔ باب: ذکر ابن صیاد

نے یہ دیا کہ سچ بھی ہوتی ہیں اور جھوٹ بھی' آنے والا سچا ہوتا ہے جو سچی خبر دیتا ہے اور جھوٹا بھی آتا ہے' جس کی باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔

خلط عليك الامر

یعنی تیرا شیطان تیرے پاس آکر جھوٹ ملا کر تجھے بتاتا ہے اور تجھے جھوٹ اور سچ میں امتیاز نہیں ہو پاتا۔

قد خبئت لك خَبيئاً

حضور اقدس ﷺ نے آیہ کریمہ ''يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍO'' (الدخان:۱۰) دل میں رکھی تھی' اس نے بتایا: دُخ' اس سے صحابہ کرام پر ظاہر ہو گیا کہ یہ کذاب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹے مدعی نبوت کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لیے اس سے معجزہ طلب کیا جا سکتا ہے۔

اخسأ فلن تعدو قدرك

یعنی تو نبی نہیں' تو صرف کاہن ہے' اس سے زیادہ تیری حیثیت نہیں' مگر یہاں سوال یہ ہے کہ وہ اس آیہ کریمہ میں سے ایک ہی لفظ کو کیسے جان گیا۔ علامہ عینی نے یہ جواب ارشاد فرمایا: ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے پہلے صحابہ کرام کو بتا دیا ہو' اسے اس کے شیطان نے کچھ سن لیا ہو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ رسول اللہ ﷺ نے دل میں آیت مذکور کو رکھا تھا' یہی ظاہر ہے' اس لیے کہ پہلے سے بتا دینے سے صحابہ کرام کو اطمینان کلی ہو گیا' یا یہ کہ روزانہ کے اُمور کے لیے اللہ عز و جل فرشتوں کو حکم دیتا ہے' پھر فرشتے اسے ایک دوسرے سے کہتے ہیں' شیاطین ان میں سے استراق سمع کر کے کچھ سن لیتے ہیں' اسی طرح اس کے شیطان نے صرف دخان سنا ہو اور اسے بتا دیا ہو۔

اقول: حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں میں فطری طور پر اس کی قوت ہوتی ہے کہ وہ تھوڑی بہت پوشیدہ باتیں جان لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابن صیاد میں بھی یہ قوت رہی ہو' اس کی وجہ سے اس نے اتنا جان لیا۔

وقال سالم

یہ حدیث سابق کا تتمہ ہے' مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد پھر کبھی حضور اقدس ﷺ' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے تو یہ واقعہ پیش آیا' یہ اطلاع ملی ہو گی کہ ابن صیاد لیٹے لیٹے کچھ بُدبداتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے چاہا کہ اسے سنوں کیا بکتا ہے' اور صحابہ کرام کو بتا دوں جس سے ان کو حق الیقین حاصل ہو جائے کہ یہ کاہن ہی ہے' مگر اس کی ماں کی مداخلت کی وجہ سے اسے سن نہ سکے اور جو مقصد تھا وہ پورا نہ ہوا۔

قال شعيب

''فيها رمزة'' میں چار روایتیں ہیں: ''رمزة' زمرة' زمزمة' رمرمة'' ان سب کے معنی قریب قریب ہیں' منہ سے ایسی آواز نکالنی جو سننے والے کو سمجھ میں نہ آئے' بدبدانا' گنگنانا۔

قادیانی کا ردّ

قادیانی دجال نے اس حدیث کے اس جزء سے: اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر قدرت نہ پاؤ گے' سے استدلال کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو دجال کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ اس لعین نے ''اِنْ يَّكُنْ'' میں ''اِنْ'' کو شک کے لیے سمجھ لیا ہے' اس دجال کو یہ معلوم نہیں کہ یہ

بالکل ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ''قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ O'' (الزخرف:۸۱) فرمادو کہ اگر رحمٰن کے کوئی بیٹا ہے تو میں سب سے پہلے اس کی پرستش کرنے والا ہوں O ہمت ہے تو کہہ کے دیکھے یہاں بھی ''اِنْ'' شک کے لیے ہے' اس جاہل کو کیا پتہ۔ کبھی موقع اور حال کا مقتضیٰ یہ ہوتا ہے کہ ایک یقینی اور قطعی بات کو شرط و جزا کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ اسلوب زیادہ مؤثر ہوتا ہے' اور شک وتردّد کو بالکلیہ قطع کر دیتا ہے' مثلاً نصاریٰ کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں' اس کے ردّ کے لیے ایک طریقہ یہ ہے کہ فرمایا گیا: مسیح' اللہ کے بیٹے نہیں' مگر آیت مذکور میں ردّ جتنا مؤثر اور قوی ہے' وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح یہاں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے قتل کر دینا چاہتے تھے' اس سے روکنے کے لیے اتنا ارشاد کافی تھا کہ قتل مت کرو' مگر حدیث کے جملہ مذکور میں ممانعت جس قوت کی ہے' وہ سب پر ظاہر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعیت کے ساتھ یہ جانتے تھے کہ یہ دجال نہیں۔ اس کی دلیل کتاب الجہاد[1] کی یہ حدیث ہے جو اسی حدیث کا تتمہ ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء کی' ایسی جس کے وہ لائق ہے۔ اس کے بعد دجال کا ذکر فرمایا' اور فرمایا: میں تم لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا' نوح نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا' لیکن میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی' تم لوگ جانتے ہو کہ وہ کانا ہے' اور اس سے اللہ عزوجل منزہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق: بعض اسرار ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کسی پر ظاہر کرنے کی من جانب اللہ اجازت نہیں ہوتی' اگرچہ انبیاء کرام اسے جانتے ہیں' جیسے قیامِ قیامت کا علم۔ تصریح گزر چکی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا' مگر اس کے چھپانے کے مامور تھے۔ اسی طرح ابن صیاد کے بارے میں کوئی واضح فیصلہ نہیں فرمایا' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔ ہوسکتا ہے یہ بھی انہیں رموزِ خاصہ میں سے ہو' جس کے اظہار کی اجازت نہ ہو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

ابن صیاد نے دعوائے نبوت کیا' جس کی وجہ سے وہ واجب القتل تھا' پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم کو اسے قتل کرنے سے کیوں روک دیا؟ اس کے علماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں' ایک یہ کہ وہ یہودی تھا' اور یہ واقعہ مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بالکل ابتداء کا ہے' اس وقت یہود سے معاہدہ تھا' اسے قتل کرنا اس معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ وہ نابالغ تھا' اس لیے چھوڑ دیا۔

اقول وباللہ التوفیق: اُمور دو قسم کے ہیں: تشریعی اور تکوینی' اُمت شریعت کے مطابق عمل کرنے کی مکلف ہے' اگرچہ یہ معلوم ہو کہ کامیابی نہ ہوگی' مگر انبیاء کرام کو یہ حق ہے کہ شریعت کے خلاف اور تکوینی کے بموجب عمل فرمائیں اور عمل کرنے کا حکم دیں' جیسے ذوالخویصرہ تمیمی نے شانِ اقدس میں گستاخی کی اور یہ کہہ دیا: ''اِعْدِلْ يَا مُحَمَّد'' اور گستاخِ رسول کی سزا شریعت میں قتل ہے' اس کے بموجب حضرت عمر یا حضرت خالد نے اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی تو فرمایا: رہنے دو! اس کی نسل سے ایسے لوگ نکلیں گے' جن کی نمازوں کے آگے تم اپنی نمازوں کو' ان کے روزوں کے آگے تم اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ قرآن پڑھیں گے' مگر ان کے ٹینٹووں سے آگے نہیں بڑھے گا' دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے۔ حکم شریعت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ ذوالخویصرہ کو قتل کر دیا جائے' مگر من جانب اللہ یہ مقدر تھا کہ یہ زندہ رہے اور اس کی نسل سے یہ گمراہ پیدا ہوں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکوین کے مطابق عمل کا حکم دیا۔ اسی طرح ابن صیاد واجب القتل تھا' مگر من جانب اللہ یہ مقدر تھا کہ یہ زندہ رہے۔ اس امر تکوینی کے مطابق حضور اقدس

[1] بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: کیف یعرض الاسلام علی الصبی ص ۴۳۰

ﷺ نے حضرت فاروق اعظم کو قتل کرنے سے روک دیا۔

مطابقت

باب سے مطابقت حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہے کہ فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

۷۸۹- ح: كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی ﷺ کا ایک یہودی غلام بچہ]

۷۸۹- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهِ فَقَالَ لَهُ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک یہودی بچہ' نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا' وہ بیمار ہو گیا تو اس کی عیادت کے لیے نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھے اور اس سے فرمایا: مسلمان ہو جا! تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور وہ بھی اس کے پاس تھا' اس کے باپ نے اس سے کہا: ابوالقاسم کی بات مان لے! اس پر وہ مسلمان ہو گیا' اب نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے: اس اللہ کا شکر جس نے اسے جہنم سے نجات دی۔

(بخاری۔ باب: اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ص ۱۸۰' ج ۲۔ کتاب المرضٰی۔ باب: عیادۃ المشرک ص ۸۴۴' ابوداؤد۔ کتاب الجنائز' نسائی۔ کتاب السیر)

ان بچے کا نام عبدالقدوس تھا' اس حدیث میں دو باتیں ثابت ہوئیں کہ سمجھ دار بچے کا اسلام معتبر ہے۔ دوسرے یہ کہ کفار کے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ جہنم میں رہیں گے' مگر یہ قطعی نہیں' مکمل بحث آگے آ رہی ہے۔

۷۹۰- ح: كُنْتُ اَنَا وَاُمِّيْ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ

[میں اور میری والدہ مستضعفین میں سے تھے]

۷۹۰- قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ كُنْتُ اَنَا وَاُمِّيْ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ اَنَا مِنَ الْوِلْدَانِ وَاُمِّيْ مِنَ النِّسَآءِ.

عبیداللہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں اور میری ماں مستضعفین میں سے تھے' میں بچوں میں اور میری ماں عورتوں میں۔

(بخاری۔ باب: اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ص ۱۸۱' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ النساء۔ باب: قوله مالكم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین ص ۶۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ کا نام لُبابہ بنت الحارث تھا اور کنیت اُم الفضل۔ یہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں' یہ قدیم الاسلام خاتون ہیں۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد خواتین میں انہیں کا نمبر ہے۔ حضرت ابن عباس ہجرت سے تین سال قبل اس وقت پیدا ہوئے تھے جبکہ کفار مکہ نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تمام بنی ہاشم کو شعب ابوطالب میں محصور کر رکھا تھا۔ حضرت ابن عباس نے آغوشِ توحید میں ہوش سنبھالا۔ ابتداء ہوش ہی سے مسلمان رہے۔

۸ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مع اہل و عیال مدینہ طیبہ آئے۔

حضرت عباس غزوۂ بدر سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے

صحیح یہ ہے کہ حضرت عباس غزوۂ بدر کے بعد ہی اسلام قبول فرما چکے تھے۔ مسند امام احمد[1] میں ہے کہ جب بدر میں حضرت عباس گرفتار ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فدیہ طلب فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں پہلے سے مسلمان ہوں، یہ لوگ جبریہ مجھے لائے ہیں۔ فرمایا: آپ جو کہتے ہیں حق ہے تو اللہ آپ کو اجر دے گا۔ ظاہر حال یہ ہے کہ آپ ہم سے لڑنے آئے تھے، فدیہ دیجئے، تو عرض کیا: میرے پاس مال نہیں، ارشاد فرمایا: آپ کا وہ مال کہاں ہے جو مکہ سے چلتے وقت اُم الفضل کے پاس رکھ آئے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میرے اور اُم الفضل کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں اور میں جانتا ہوں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ کئی بار ہجرت کی اجازت چاہی مگر مصلحتاً اجازت نہیں ملی، انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ سے پہلے کیا تھا۔ ہجرت کر کے مدینہ آ رہے تھے کہ راستے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے، حضور نے انہیں بھی ساتھ لے لیا، اور فرمایا: آپ آخری مہاجر ہیں۔

مستضعفین

اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو مکہ معظمہ میں بہ وجہ مجبوری رہ گئے تھے، ہجرت نہ کر سکے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت بالغ نہیں تھا اور صرف میری والدہ مسلمان تھیں، مگر میں بھی مسلمانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نابالغ بچہ "خیر الابوین دینا" کے تابع ہے، اگر اس کے ماں باپ میں کوئی مسلمان ہو تو مسلمان مانا جائے گا۔ اس طرح اس باب کے دوسرے جز سے مطابقت ہوگئی اور اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں نابالغ تھا اور سمجھ دار، اس وقت میرا اسلام معتبر تھا، تو اسے باب کے پہلے جز سے مطابقت ہوگئی۔

۷۹۱- ح: يُصَلّٰى عَلٰى كُلِّ مَوْلُوْدٍ مُتَوَفًّى

[ہر فوت شدہ بچے پر نماز پڑھی جائے گی]

۷۹۱ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ يُصَلّٰى عَلٰى كُلِّ مَوْلُوْدٍ مُتَوَفًّى وَّاِنْ كَانَ لِغَيَّةٍ مِّنْ اَجْلِ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ يَدَّعِي اَبَوَاهُ الْاِسْلَامَ اَوْ اَبُوْهُ خَاصَّةً وَّاِنْ كَانَتْ اُمُّهٗ عَلٰى غَيْرِ الْاِسْلَامِ اِذَا اسْتَهَلَّ صَارِخًا صُلِّيَ عَلَيْهِ وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى مَنْ لَّا يَسْتَهِلُّ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ سِقْطٌ فَاِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُحَدِّثُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰) الْاٰيَةَ.

حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا: ہر فوت شدہ بچے پر نماز پڑھی جائے گی اگر چہ وہ زانیہ کا ہو، اس وجہ سے کہ وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے، اس کے والدین اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں یا صرف اس کا باپ کرتا ہو، اگر چہ اس کی ماں اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب پر ہو، جبکہ پیدائش کے وقت آواز کے ساتھ روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی، اور اگر نہ روئے تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس لیے کہ وہ کچا بچہ ہے، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ چوپایہ صحیح و سالم بچہ جنتا ہے، کیا تم ان میں کوئی کن کٹا دیکھتے ہو؟ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت

[1] مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۵۳

فرماتے: ''اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا''۔

(بخاری۔ باب: اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ ص۱۸۱' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ روم۔ باب: قولہ لا تبدیل لخلق اللّٰہ ص۷۰۴' القدر۔ باب: واللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین ص۹۷۶' مسلم۔ کتاب القدر' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۱۵۔ ۲۷۵)

اس میں دو باتیں مذکور ہیں' ایک حضرت ابن شہاب زہری کا ارشاد' اس ارشاد میں دو فتوے ہیں۔ اول: نابالغ بچے کے ماں باپ دونوں یا صرف باپ مسلمان ہو تو وہ بچہ مسلمان ہے۔ کافر اس وقت مانا جائے گا جبکہ ماں باپ دونوں کافر ہوں' ہمارے نزدیک اس میں اور توسیع ہے۔ اگر باپ اہلِ کتاب ہو اور ماں مشرکہ یا برعکس ہو تو بچہ اہلِ کتاب ہوگا' یعنی بچہ ''خیر الابوین دیناً'' کے تابع ہوگا' ماں باپ میں جس کا دین بہتر ہوگا' بچہ اس دین کا مانا جائے گا۔ دوم: نومولود مسلمان کا بچہ اگر پیدائش کے بعد آواز سے روئے تو اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی' ورنہ نہیں۔ یہی ہمارا بھی مذہب ہے کہ جسم کے اکثر حصے کے باہر آنے کے بعد بچہ زندہ تھا تو اس کے جنازے کی نماز ہے' ورنہ نہیں۔ آواز سے رونا زندگی کی علامت ہے' اور اکثر یہی ہوتا ہے' اس لیے اسے ذکر کیا۔ زندگی کی خاص علامت نبض کی اور دل کی حرکت ہے' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبض محسوس نہیں ہوتی مگر دل حرکت کرتا ہے' جسے تھامسکوپ سے بہ آسانی سنا جا سکتا ہے۔ اگر پیدائش کے بعد کوئی بچہ نہ چیخے مگر اس کی نبض چل رہی ہے یا دل حرکت کر رہا ہے تو وہ زندہ ہے' اس کو بہ طریق مسنون غسل دیا جائے' بہ طریق مسنون کفن پہنایا جائے اور نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ عوام اس سے بہت غافل ہیں' اس پر پوری توجہ دینی ضروری ہے' بچہ خواہ زندہ پیدا ہو' خواہ مُردہ اس کا نام رکھا جائے۔

لِغَيَّةٍ

حضرت ابن شہاب زہری کے ارشاد میں ''لِغَيَّةٍ'' آیا ہے۔ ''غَيَّةٌ ' غَوَايَةٌ'' سے ہے' جس کے معنی گمراہی کے ہیں' جس کا مطلب یہ ہوا کہ گمراہ عورت کا بچہ یعنی کافرہ کا' مگر عرف میں اس کا اطلاق زانیہ پر بھی ہوتا ہے۔ ولد الزنا کو ولد الغیہ' اور ثابت النسب کو ولد الرشدہ کہتے ہیں۔ اب اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زانیہ کا بیٹا۔ شارحین نے دونوں احتمال لیے ہیں' مگر ولد زنا کا کوئی باپ نہیں ہوتا' اس لیے اس احتمال پر یہ اشکال ہے کہ پھر آگے یہ کہنا درست نہیں ہوگا' اگر اس کے ماں باپ یا صرف باپ مسلمان ہوں' اس لیے یہاں پہلا احتمال متعین ہے کہ یہ کافرہ کے معنی میں ہو' مگر اس پر یہ اشکال ہے کہ یہ کہنا صحیح نہ ہوا کہ ماں باپ دونوں مسلمان ہوں۔ سند الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: امام زہری اور امام مالک کا یہی مذہب ہے کہ ولد الزنا اسلام کے معاملے میں اس کا تابع ہے' جس نے اس کی ماں سے زنا کیا ہے' اب متعین ہوگیا کہ ''غیة' زانية'' کے معنی میں ہے۔ آگے کی عبارت اس پر نص ہے کہ کافرہ مراد لینا صحیح نہیں' اسی لیے میں نے ترجمہ صرف زانیہ کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام زہری نے اپنے فتوے کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''کل مولود یولد علی الفطرة'' ذکر فرمائی ہے' اس سے ظاہر ہوگیا کہ ان کے نزدیک حدیث میں فطرت سے مراد دینِ اسلام ہے۔

حدیث منقطع حجت ہے

امام زہری کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں' ان کی ولادت قریباً ۵۲ھ میں ہوئی' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ۵۹ھ میں وصال ہوا' اس لیے یہ حدیث منقطع ہے' مگر امام زہری نے اس سے استدلال فرمایا' معلوم ہوا کہ ثقہ کی روایت کردہ حدیث منقطع حجت ہے۔

''علی الفطرة'' کی تشریح

''فطرةٌ'' کے معنی خلقت کے ہیں' یہ وزن بیانِ نوع کے لیے ہے جیسے ''جلست جلسة القاری'' اس سے مراد مخصوص نوع کی خلقت ہے' یہ کیا ہے؟ اس بارے میں علامہ عینی نے سات اقوال نقل کیے ہیں۔ سب سے پہلے اس قول کو ذکر فرمایا کہ اس حدیث میں فطرت سے' مراد طبیعتِ سلیمہ خالیہ' سادہ مراد لینا زیادہ ظاہر ہے' جو موانع اور بواعث کے ارتفاع کے وقت خود بہ خود اسلام قبول کر لے۔ غالباً جو علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں فطرت سے مراد اسلام ہے' ان کی مراد بھی یہی ہے' ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام اور ایمان شعور تام چاہتا ہے اور نومولود بچے میں شعور کہاں' نیز لازم آیا کہ کم از کم جو بچے سنِ شعور کو نہ پہنچے ہوں' وہ قطعی طور پر مسلمان ہوں اور ان کی نمازِ جنازہ لازم ہو' اگرچہ ان کے ماں باپ دونوں کافر ہوں' پھر ان کا جنتی ہونا بھی یقینی ہو' اس میں توقف کی کوئی راہ نہ ہو۔

کما تُنتج البهیمة

صیغۂ مجہول کے ساتھ' مطلب یہ ہے کہ جیسے چوپائے کا بچہ صحیح وسلامت پیدا ہوتا ہے' اگر اس کے اعضاء پر کوئی آفت نہ آئے تو وہ پورا کام کریں گے' مگر آفت آنے کے بعد بے کار یا عیب دار ہو جاتے ہیں' ویسے ہی انسان کے بچے پر ذہنی آفت نہ آئے تو اس کی فطرت صحیح کام کرے گی اور وہ مسلمان ہو گا' مگر اس کے ماں باپ اپنی محبت' شفقت' احسان سے اثر ڈال کر یہودی' نصرانی' مجوسی بنا دیتے ہیں۔

یقول ابو هریرة

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اضافہ ہے' اس حدیث کے مضمون پر قرآن مجید سے استشہاد فرما رہے ہیں۔ اس آیت میں فطرت سے دینِ اسلام مراد ہونا متعین ہے' اس لیے کہ پوری آیت یہ ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ. (الروم:۳۰)

تو اپنے آپ کو دین کے لیے یک سو ہو کر مستعد رکھ جو اللہ کی ڈالی ہوئی بنا ہے' جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا' اللہ کی تخلیق کو بدلنا مت' یہی سیدھا دین ہے۔

پہلے فرمایا: ''فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا'' اور اسی کو فطرت فرمایا' بعد میں ارشاد ہوا: ''ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ'' اس میں اشارہ خلق اللہ کی طرف ہے اور اس سے مراد فطرت ہے' تو متعین ہو گیا کہ آیت میں فطرت سے مراد دین اسلام ہے۔ جب اس آیت میں فطرت سے مراد دین اسلام ہے' اور یہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ نے لوگوں کو اسی پر پیدا فرمایا ہے' تو اس سے لازم آیا کہ حدیث میں بھی ''علی الفطرة'' سے دین اسلام ہی مراد ہو۔ یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے استشہاد کی بنیاد ہے۔ الملفوظ[۱] میں ہے: جو رکوع و سجود میں تعدیل نہ کرے' اس کی نمازیں قبول نہ ہوں گی۔ حدیث[۲] میں ہے: ''لو متّ علٰی ذٰلك لمتّ علٰی غیرِ الفطرة. التی فطر اللّٰهُ محمدًا صلی اللّٰه علیه وسلم'' یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ ''غیر الفطرة'' کے بعد ہے: ''التی فطر اللّٰهُ محمدًا صلی اللّٰه علیه وسلم'' یعنی اگر تو اسی پر مرا تو اس فطرت کے غیر پر مرے گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا' اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مراد فطرت سے دین اسلام ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس کی

۱۔ الملفوظ حصہ اول ص ۱۲

۲۔ بخاری۔ ج ۱ ص ۱۰۹۔ کتاب الاذان۔ باب: اذا لم یتم الرکوع' نسائی۔ ج ۱ ص ۱۹۳۔ کتاب السہو۔ باب: تطفیف الصلوٰة' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۳۸۴

تفسیر فرمائی: ''ای غیر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم''۔

شرح فقہ اکبر[1] میں فرمایا کہ فطرۃ سے مراد وہ میثاق ہے' جو عالمِ ارواح میں ساری مخلوقات سے اقرار ربوبیت کا لیا گیا تھا' سب اسی پر پیدا کیے جاتے ہیں' بعد میں جو کافر ہوتا ہے وہ بدل دیتا ہے' اور جو مؤمن رہ جاتا ہے' وہ اس پر ثابت رہتا ہے۔

۷۹۲- ح: لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ

[جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت آ پہنچا]

۷۹۲- اَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَائَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ عِنْدَهُ اَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ وَّعَبْدَاللّٰهِ بْنَ اَبِىْ اُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِىْ طَالِبٍ يَّا عَمِّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ وَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِىْ اُمَيَّةَ يَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيَعُوْدَانِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ حَتّٰى قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ اٰخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ بِهِ هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَاَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا وَاللّٰهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ (التوبۃ: ۱۱۳) الْاٰيَةَ.

سعید بن مسیب نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے خبر دی کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو وہاں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ کو موجود پایا' رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب سے کہا: اے چچا! لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجیے' میں اللہ کے حضور آپ کے لیے اس کی گواہی دوں گا' اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ نے کہا: اے ابوطالب! تم عبدالمطلب کی ملت سے پھر و گے؟ رسول اللہ ﷺ اس پر کلمۂ توحید مسلسل پیش فرماتے رہے اور وہ دونوں وہی لوٹاتے رہے' یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخیر بات کہی' وہ یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخدا! میں ضرور آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا' جب تک روکا نہ جاؤں' تو یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: ''نبی اور مسلمانوں کے شایان نہیں کہ مشرکین کے لیے بخشش طلب کریں اگر چہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں' جبکہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ دوزخی ہیں''۔ (التوبۃ: ۱۱۳)

(بخاری۔ باب: اذا قال المشرک عند الموت لا الٰہ الا اللہ ص ۱۸۱' کتاب بنیان الکعبۃ۔ باب: قصۃ ابی طالب ص ۵۴۸' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البراءۃ۔ ص ۶۷۵' مسلم۔ کتاب الایمان' نسائی۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۴۳۸)

باب قصہ ابی طالب میں یہ زائد ہے' اور آیۂ کریمہ ''اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ'' (القصص: ۵۶) بھی اسی موقع پر نازل ہوئی' یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے' اس لیے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے وقت موجود نہیں تھے اور ان کا نام نہیں لیا' جن سے یہ واقعہ سنا تھا' مگر یہ طے ہے کہ انہوں نے یا تو خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا یا کسی صحابی سے' ہوسکتا ہے عبداللہ بن ابوامیہ سے سنا ہو' اس لیے کہ یہ بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے' اور صحابہ بلا استثناء ثقہ ہیں' اس لیے مراسیلِ صحابہ بالاجماع مقبول ہیں۔

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے کہ جب مشرک نے موت کے وقت لا الٰہ الا اللہ کہا' اس کا جواب امام بخاری نے نہیں دیا' کیونکہ اس میں تفصیل

[1] شرح فقہ اکبر ص ۵۶-۷

بھی ہے اور اختلاف بھی' ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ غرغرہ سے پہلے پہلے ایمان معتبر ہے' اگر چہ مریض کو موت کا پورا یقین ہو[1] اور یہ خود اس حدیث سے مستفاد ہے کہ ابو طالب کا حال یہی تھا کہ وہ ان کا آخری وقت تھا۔ انہیں بھی اور دوسروں کو بھی موت کا یقین تھا' مگر حضور اقدس ﷺ نے ابو طالب پر اسلام پیش فرمایا' اگر قبول کر لیتے تو ضرور مسلمان بلکہ صحابی ہو جاتے۔

ابو طالب

حضور اقدس ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اور ابو طالب حقیقی بھائی ایک ماں کے بطن سے تھے' اسی وجہ سے حضرت عبد المطلب نے وفات کے وقت حضور اقدس ﷺ کو انہیں کے سپرد فرمایا' انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی پرورش اور اعانت میں مرتے دم تک کوئی کمی نہیں کی۔ اسی لیے ان کے انتقال سے حضور اقدس ﷺ کو شدید صدمہ ہوا۔ اتفاق سے اسی سال تین دن آگے پیچھے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہوا تھا' اس لیے یہ غم بالائے غم ہو گیا۔ اس سال کا نام عام الحزن خود حضور نے رکھا۔ ان دونوں کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا ہے' حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا وصال رمضان میں ہوا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

اترغبُ عَن مِلَّةِ عبدِ المطلب

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے آباء کرام اور امہات عظام میں کچھ مشرک بھی تھے' ان کے طور پر کوئی اشکال نہیں' لیکن جو علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ اور حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تک تمام آباء کرام و امہات عظام کم از کم ناجی موحد تھے' ان میں کوئی مشرک نہیں تھا' اور یہی صحیح ہے' جیسا کہ اس خادم نے اشرف السیر' حصہ اوّل میں اسے ثابت کیا ہے' اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک خاص رسالہ لکھا ہے' جس کا نام "شمول الاسلام لاباء الوسول الکرام" ہے' نیز خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے سات رسالے لکھے ہیں۔ "شمول الاسلام" میں ان علماء کے اسماء شمار فرمائے ہیں' جن کا یہ مذہب ہے۔ اس تقدیر پر حضرت عبد المطلب موحد اور ناجی ہیں' ان کی ملت پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابو طالب موحد تھے اور موحد ہی دنیا سے گئے' پھر ان کی نجات میں شبہہ کی کیا گنجائش۔

اقول وباللہ التوفیق: حضرت عبد المطلب زمانۂ فترت میں تھے' یعنی اس زمانے میں جب کوئی نبی اور رسول نہیں تھا' اس عہد میں نجات کے لیے توحید اور شرک سے اجتناب کافی تھا' لیکن جب حضور اقدس ﷺ مبعوث ہوئے تو اب صرف توحید کافی نہیں' بلکہ حضور اقدس ﷺ کی رسالت اور قرآن جتنا نازل ہو چکا تھا' ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ابو طالب نے حضور اقدس ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کیا' اس لیے وہ ناجی نہیں۔ سابقاً گزر چکا کہ لا الٰہ الا اللہ پورے کلمۂ طیبہ کا علم ہے' اور اسے قبول اسلام لازم ہے' اس لیے حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے' کا مطلب پورے کلمۂ طیبہ کا کہنا' اور اسلام کا قبول کرنا ہے۔ (ابتداء کتاب الجنائز۔ ص ۷)

فانزل اللہ تعالیٰ

امام واحدی نے کہا کہ ابو اسحاق زجاج نے کہا کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔[2] یہ آیت سورۂ توبہ کی ہے اور سورۂ توبہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اب یہ ماننا پڑے گا کہ یہ آیت مکی ہے' اگر چہ اس اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں' اس لیے کہ اس آیہ کریمہ کے شان نزول میں اور بھی روایات ہیں۔ لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی۔

---

[1] درمختار مع البحر الرائق۔ ص ۷۱ ۵

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۱۸۱

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس آیت میں ہے کہ نبی اور مؤمنین کے شایانِ شان یہ نہیں کہ مشرکین کے لیے بخشش طلب کریں اور ابھی گزرا کہ بر بنائے مذہب صحیح ابوطالب مشرک تو نہیں تھے مگر کافر ضرور تھے' جواب ظاہر ہے کہ اس آیت میں مشرک سے مراد کافر ہے' اس لیے کہ جیسے مشرک کے لیے دعائے مغفرت ممنوع ہے' ویسے ہی کافر کے لیے بھی اور قرآن کے عرف میں مشرک بہ معنی کافر شائع ذائع ہے۔

ابوطالب کا حکم

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ابوطالب کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اور یہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' البتہ ابن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت ایمان سے مشرف نہ تھے' کان لگا کر سنا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا: اے برادر زادے! جس کلمے کے پڑھنے کے لیے تم نے ان سے کہا تھا' وہ پڑھ رہے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام۔ ج ۲ ص ۲۷)

اس کے برخلاف خود حضرت عباس ہی کی روایت اسی بخاری کے باب قصہ ابی طالب میں ہے کہ حضرت عباس نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ابوطالب کو آپ نے کیا فائدہ پہنچایا' وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے' آپ کے دشمنوں سے عداوت رکھتے تھے۔ فرمایا: وہ صرف ٹخنے تک دوزخ میں ہیں' جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے' اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔ نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباس کو ابوطالب کے مومن ہونے کی خبر نہ تھی' ورنہ وہ یہ سوال کیوں کرتے' اس لیے ابن اسحٰق کی روایت قابل قبول نہیں' بلکہ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں' ضعیف ہے۔ اور بر بنائے صحت' انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انکار کے بعد اس وقت کلمہ طیبہ پڑھا' جبکہ بولنے کی قوت جواب دے چکی تھی۔ ہوسکتا ہے یہ یاس کی حالت رہی ہو' اس وقت کا ایمان معتبر نہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَأْسَنَا. جب ہمارا عذاب دیکھ چکے تو ان کے ایمان نے انہیں کوئی نفع نہیں پہنچایا۔ (غافر: ۸۵)

اور فرمایا:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ. اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو (عمر بھر) برائیاں کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی موت آ پہنچی تو کہا: میں اب توبہ کرتا ہوں۔ (النساء: ۱۸)

اس آیت میں سیئات' کفر اور معاصی دونوں کو عام ہے' جیسا کہ تفسیر رازی' قرطبی' بیضاوی' کشاف میں تصریح ہے۔[1] درمختار میں ہے: ''المختار قبول توبة الیاس لا ایمانه'' مختار یہ ہے کہ زندگی سے مایوس کی توبہ مقبول ہے' ایمان مقبول نہیں۔ اس کے تحت شامی میں ہے: ''اما ایمان الیاس فلا یقبل اتفاقاً'' اس پر اتفاق ہے کہ زندگی سے مایوس کا ایمان قبول نہیں۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب ابوطالب مر گئے تو حضرت علی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے بوڑھے گمراہ چچا مر گئے' فرمایا: جاؤ! اسے چھپا دو۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: وہ مشرک مرے ہیں' فرمایا: جاؤ! چھپا آؤ' اور میں جب انہیں دفن کر کے واپس لوٹا تو فرمایا: نہا لو۔

[1] ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۵۷۱

(ابوداؤد۔ج ۲۔کتاب الجنائز۔باب: الرجل يموت له قرابة مشرك ص ۱۰۲' نسائی۔ج ا۔کتاب الجنائز۔باب: مواراة المشرك ص ۲۸۳)

شبلی صاحب پر تعقب

اس موضوع پر شبلی صاحب رقمطراز ہیں: لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابلِ حجت نہیں کہ اخیر راوی مُسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے' اور ابوطالب کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بناء پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ روایت مرسل ہے' ابن اسحٰق کے سلسلۂ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت ابن عباس ہیں' یہ دونوں ثقہ ہیں' لیکن بیچ کا راوی یہاں بھی رہ گیا ہے' اسی بناء پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں۔ (سیرۃ النبی۔ج اص ۲۴۸)

اقول وبالله التوفيق: علامہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کی مرسل حدیث حجت ہے' اور یہ قول آپ کے ابن اسحٰق کی روایت میں اگر کوئی چھوٹا ہے تو عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت ابن عباس کے درمیان' اور عباس بن عبداللہ تابعی ہیں' اور تابعی سے جو روایت منقطع ہو' اس کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے' جمہور محدثین اسے حجت نہیں مانتے' پھر سعید بن مسیب والا سقم اس میں بھی ہے کہ راوی حضرت ابن عباس ہیں جو عبدالمطلب کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے' تو یہ قول آپ کے ایک سقم میں دونوں شریک' اور ابن اسحٰق کی روایت میں مزید انقطاع پھر چنداں تفاوت کیوں نہیں؟

ویسے آپ کو دھوکہ لگا' ابن اسحٰق کی روایت میں انقطاع نہیں' بیچ کا راوی مجہول ہے' اس کا نام مذکور نہیں' صرف اتنا ہے: انہوں نے بعض اپنے خاندان والوں سے روایت کی' جہالت راوی بھی موجب طعن' تو بھی ایک سقم زائد رہا۔ علاوہ ازیں آپ نے خود مقدمہ میں ابن اسحٰق کے بارے میں لکھا: ان کے ثقہ غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین کا اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں[1] اور امام بخاری کا اعلیٰ درجے کا ثقہ ہونا اتفاقی ہے' پھر دونوں کی روایت میں چنداں فرق کیوں نہیں؟

ت۲٦٣- وَأَوْصَى بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ يُّجْعَلَ فِيْ قَبْرِهٖ جَرِيْدَانِ. (بخاری۔باب: الجريد على القبر ص ۱۸۱)

اور حضرت بریدہ (بن حصیب) اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھی جائیں۔

اس تعلیق کو ابن سعد نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے' اکثر روایت "فی قبرہ" ہے مگر مستملی کی روایت "علی قبرہ" ہے' اس پر پوری بحث نزہۃ القاری' ج اص ۳ ۵۴۳۔ ۵۴۷' رقم: ۱۵۹ میں ہو چکی ہے۔

ت۲٦٤- وَرَأَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فُسْطَاطًا عَلٰى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ انْزِعْهُ يَا غُلَامُ فَإِنَّمَا يُظِلُّهٗ عَمَلُهٗ. (بخاری۔باب: الجريد على القبر ص ۱۸۱)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر خیمہ دیکھا تو فرمایا: اے لڑکے! اسے اکھاڑ دے' اس پر اس کا عمل سایہ کیے ہوئے ہے۔

اس اثر کو ابن سعد نے موصولاً ذکر کیا ہے' یہ صاحبزادے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ ابن سعد ہی میں ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خیمہ اکھاڑنے کو کہا تو اس غلام نے عرض کیا: میری مالکہ ماریں گی' اسی میں بہ طریق عون ہے' لوگ ذوطویٰ میں جب حضرت عبدالرحمٰن کے دفن سے فارغ ہو گئے تو حضرت اُم المؤمنین تشریف لائیں اور ان کی قبر پر خیمہ تنوایا اور ایک شخص کو وہاں مقرر فرمایا اور چلی گئیں' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اسے جائز جانتی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت اُم المؤمنین نے یہ خیمہ اس لیے تنوایا ہو کہ اس میں لوگ آرام کے ساتھ ان کے لیے دعا و استغفار کریں۔ اس نیت سے قبروں پر خیمہ اور عمارتیں بنانا بلاشبہہ جائز ہے' جیسا کہ گزر چکا۔ حضرت ابن عمر اس سے آگاہ نہ رہے ہوں گے' اس لیے اکھاڑنے کا حکم دیا۔ علامہ عینی نے بعض

[1] ایضاً ص ۲۳

شارحین سے نقل فرمایا کہ قبر پر خیمہ کسی غرضِ صحیح کے لیے ہو مثلاً دھوپ سے بچنے کے لیے تو جائز ہے اور میت پر سایہ کرنے کی نیت سے ہو تو ممنوع ہے۔

ت۲٦۵- وَقَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ رَأَيْتُنِي وَنَحْنُ شُبَّانٌ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَإِنَّ أَشَدَّنَا وَثْبَةً الَّذِي يَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ حَتّٰى يُجَاوِزَهُ.

(بخاری۔ باب: الجرید علی القبر ص ۱۸۲)

اور خارجہ بن زید نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا اور ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جوان تھے، ہم میں سب سے لمبی چھلانگ لگانے والا وہ ہوتا جو عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔

اس تعلیق کو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں موصولاً ذکر فرمایا ہے، خارجہ بن زید انصاری، ثقات تابعی اور فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔

ت۲٦٦- وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ أَخَذَ بِيَدِيْ خَارِجَةُ فَأَجْلَسَنِيْ عَلٰى قَبْرٍ وَّأَخْبَرَنِيْ عَنْ عَمِّهٖ يَزِيْدَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ إِنَّمَا كُرِهَ ذٰلِكَ لِمَنْ أَحْدَثَ عَلَيْهِ.

(بخاری۔ باب: الجرید علی القبر ص ۱۸۲)

اور عثمان بن حکیم نے کہا: خارجہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک قبر پر بٹھایا اور اپنے چچا یزید بن ثابت سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے کہا ہے: قبر پر اسے بیٹھنا مکروہ ہے جو اس پر بول و براز کرے۔

اسے مسدد نے مسند کبیر میں موصول ذکر کیا۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ عثمان بن حکیم نے حضرت خارجہ سے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: مجھے انگارے پر بیٹھنا کہ وہ میرے گوشت کے سوا کو جلا کر مجھ تک پہنچ جائے، زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں قبر پر بیٹھوں، تو خارجہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور قبر پر بٹھایا۔

ت۲٦۷- وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَجْلِسُ عَلَى الْقَبْرِ. (بخاری۔ باب: الجرید علی القبر ص ۱۸۲)

اور نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر پر بیٹھتے تھے۔

اس اثر کو امام طحاوی نے سند متصل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

توضیح باب

ان تعلیقات پر یہ باب ہے: قبر پر کھجور کی شاخ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ضمن میں پانچ آثار اور حدیث: ۱۵۹ لائے ہیں، جو جلد اصفحہ ۵۴۸ میں گزر چکی ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو ایسی قبروں سے گزرے جن پر عذاب ہو رہا تھا تو کھجور کی شاخ منگا کر دونوں پر رکھی اور فرمایا: جب تک یہ سوکھیں گی نہیں ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ حضرت بریدہ کی وصیت اور حدیث سے ثابت ہو گیا کہ قبر پر کھجور کی شاخ رکھنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے، مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر بقیہ آثار کا باب سے کیا تعلق۔

امام بخاری کا مقصود اس باب سے صرف کھجور کی شاخ کے رکھنے کے جواز تک منحصر نہیں، بلکہ یہ ہے کہ قبر پر مٹی کے علاوہ اور کوئی وزنی چیز رکھنی جائز ہے یا نہیں: کھجور کی شاخ رکھنے اور حضرت خارجہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہو گیا کہ جائز ہے، اسی طرح اسے پھلانگنا بھی جائز ہے، البتہ قبر پر بول و براز کرنا ممنوع ہے۔ اور خیمہ تاننا بھی جبکہ اس سے کوئی غرض صحیح وابستہ نہ ہو۔ اس کو دوسری عبارت میں یوں ادا کر لیجیے کہ باب کا مقصد یہ ہے کہ قبر کے اوپر کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔

قبر پر بیٹھنا ناجائز ہے

رہ گیا یہ کہ قبر پر بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو احناف کا مذہب مختار یہ ہے کہ ناجائز ہے۔ مسلم شریف[1] اور ابو داؤد شریف[2] میں حضرت

---

[1] مسلم۔ ج ا ص ۳۱۲۔ فصل: النھی عن الجلوس علی القبر [2] ابو داؤد۔ ج ا ص ۴۶۰۔ کتاب الجنائز۔ باب: فی کراھیۃ القعود علی القبر

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی انگارے پر بیٹھے اور وہ اس کے کپڑے کو جلا کر کھال تک پہنچ جائے' اس سے بہتر ہے کہ کسی قبر پر بیٹھے۔ نیز امام مسلم (ایضا) ابوداؤد (ایضا) اور امام ترمذی[1] امام طحاوی نے حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: قبر کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ اس پر بیٹھو[2] امام احمد اور امام طحاوی[3] نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا: قبر سے اُتر' نہ تو صاحبِ قبر کو ایذاء دے اور نہ وہ تجھے ایذاء دے[4] فتح القدیر[5] میں ہے کہ قبر پر بیٹھنا اور اسے روندنا مکروہ ہے۔ ردالمحتار[6] میں ہے کہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ قبر کو روندا نہ جائے مگر بہ ضرورت' اور دور سے زیارت کی جائے' نہ قبر پر بیٹھا جائے' اگر ایسا کیا تو مکروہ ہے۔ اور حلیہ سے نقل فرمایا کہ نوادر' تحفہ' بدائع' محیط وغیرہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے قبر کو روندنے' اس پر بیٹھنے' اس پر سونے اور قضائے حاجت سے منع فرمایا ہے۔ درمختار میں ہے کہ قبرستان کے نئے راستے پر چلنا مکروہ ہے' یہاں تک کہ اگر اپنے عزیز کی قبر تک قبر کو روندے بغیر نہ جا سکے' نہ جائے۔

کشمیری صاحب پر تعقب

فیض الباری میں ہے کہ قبر پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے' ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جیسا کہ فتح میں ہے۔

اقول: حافظ نا شدنی والی بات یہاں بھی ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ فتح القدیر میں مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح ہے' حالانکہ ایسا نہیں۔ فتح القدیر میں صرف مکروہ لکھا ہے۔ تحریمی یا تنزیہی کی تشریح نہیں' پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ امام ابن ہمام کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عند الاطلاق کراہت سے تحریم مراد ہوتی ہے اور امام ابن ہمام نے مطلقاً مکروہ فرمایا ہے تو اس سے کراہت تحریم متبادر ہے' لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطلق کراہت سے تنزیہہ بھی مراد ہوتی ہے۔

۷۹۳- ح: مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ [جو سعادت مند ہوگا]

۷۹۳- عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا فِیْ جَنَازَةٍ فِیْ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ فَاَتَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهٗ وَمَعَهٗ مِخْصَرَةٌ فَنَكَّسَ فَجَعَلَ یَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهٖ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ مَا مِنْ نَفْسٍ مَّنْفُوْسَةٍ اِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَاِلَّا قَدْ كُتِبَ شَقِیَّةً اَوْ سَعِیْدَةً فَقَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰی كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَیَصِیْرُ اِلٰی عَمَلِ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَیَصِیْرُ اِلٰی عَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ قَالَ اَمَّا اَهْلُ السَّعَادَةِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بقیع غرقد میں ہم ایک جنازے میں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور بیٹھے اور ہم حضور کے اردگرد بیٹھے اور حضور کے ساتھ ایک چھڑی تھی' حضور نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور اپنی چھڑی سے زمین کریدنے لگے' پھر فرمایا: تم میں سے ہر شخص' یا فرمایا: ہر مخلوق کی جگہ جنت اور دوزخ میں لکھی جا چکی ہے' اور یہ بھی کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت' اس پر ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کیوں نہ ہم اپنے نوشتہ پر بھروسہ کرلیں اور عمل چھوڑ دیں' جو سعادت مند ہوگا وہ نیک بختوں جیسا عمل کرنے لگے گا اور جو بد بخت ہوگا وہ بد بختوں جیسا عمل کرے

---

[1] ترمذی- ج ۱ ص ۱۲۵- کتاب الجنائز- باب: فی کراهیة الوطی علی القبور

[2] شرح معانی الآثار- ج ۱ ص ۲۴۸- کتاب الجنائز- باب: الجلوس علی القبر

[3] شرح معانی الآثار- ج ۱ ص ۲۴۸- کتاب الجنائز- باب: الجلوس علی القبر

[4] عمدۃ القاری- ج ۹ ص ۱۵۲ [5] فتح القدیر- کتاب الجنائز- ج ۲ ص ۱۰۲ [6] ردالمحتار- کتاب الجنائز- ج ۱ ص ۶۰۶

فَيُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا اَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاَ ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○﴾ (الليل:۵-۱۰) الْاٰيَةَ.

گا۔ فرمایا کہ نیک بختوں کو نیک بختوں کے عمل کرنے کی توفیق دی جائے گی اور بد بختوں کو بد بختوں کے عمل میسر ہوں گے پھر حضور نے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں: ''لیکن وہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری کو اختیار کیا ○ اور سب سے اچھی بات کی تصدیق کی ○ تو ہم اسے آسانی مہیا کریں گے ○ اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا ○ ہم اسے بہت جلد دشواری مہیا کریں گے ○''۔

(بخاری۔ باب: موعظة المحدث عند القبر ص ۱۸۲، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ اللیل۔ مسلسل پانچ بابوں میں۔ کتاب الادب۔ باب: الرجل ينكت الشيء بيده في الارض ص ۹۱۸، کتاب القدر۔ باب: قوله و كان امر الله قدرا مقدورا ص ۹۷۷، مسلم۔ کتاب القدر، ابوداؤد۔ کتاب السنۃ، ترمذی۔ کتاب القدر، نسائی۔ کتاب التفسیر، ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مسئلہ تقدیر حق ہے، بندے دنیا میں آنے کے بعد جو اعتقاد رکھنے والے تھے، جو عمل کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم ازلی سے اسے جانتا تھا، اسی کے مطابق لکھ دیا۔ اس کی پوری تفصیل حدیث جبریل، ج ۱ ص ۳۰۷، رقم: ۴۳ میں گزر چکی ہے، ناظرین اسے دیکھ لیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبر کے پاس وعظ و نصیحت، دینی باتیں مستحسن ہیں، اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ موت اور قبر و نشر و حشر امورِ آخرت کی باتیں کی جائیں۔

للیسریٰ

اس آیت میں ''یسریٰ'' سے جنت اور ''عسریٰ'' سے دوزخ مراد ہے، جیسا کہ جلالین میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم مومن متقی کو ایسے اعمال کی توفیق دیں گے جو حصولِ جنت کے ذریعے ہیں، اور کافر بخیل بدکار کو ایسے اعمالِ بد کی جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

۷۹۴- ح: مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ (الخ)

[جو (اسلام کے علاوہ کسی دین پر ہونے کی) جھوٹی قسم کھائے گا]

۷۹۴- عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ.

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ جو اصحاب شجرہ میں سے تھے، ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اسلام کے علاوہ کسی دین پر ہونے کی جھوٹی قسم کھائے، وہ ویسا ہی ہے جیسا کہا اور آدمی جس کا مالک نہیں اس میں منت نہیں، اور جو دنیا میں جس چیز سے اپنے کو قتل کرے گا اسی سے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کسی کا مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کے مثل ہے اور کسی مومن کو کافر کہنا، اس کے مار ڈالنے کے مثل ہے۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما ينهى من السباب واللعن ص ۸۹۳، باب: من اكفر اخاه بغير تاويل ص ۹۰۱، کتاب الایمان والنذور۔

باب: من حلف بغیر ملة الاسلام ص ۹۸۴' ج ۱۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء فی قاتل النفس ص ۱۸۲' مسلم۔ کتاب الایمان' ترمذی۔ کتاب النذور' نسائی۔ کتاب الایمان' ابن ماجہ۔ کتاب الکفارات' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۳۳)

پہلی حدیث کتاب الادب کی روایت میں زیادہ مفصل اور جامع تھی' اس لیے ہم نے اسی کو یہاں لیا۔ یہاں ''کاذبا متعمدا'' زائد ہے' ''من حلف علی ملة غیر الاسلام'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں قسم کھائے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا ہندو ہوں۔ اس حدیث کے ظاہر سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اگر وہ واقعی جھوٹا ہے تو یہودی یا نصرانی ہو جائے گا اور یہی بہت سے علماء کا مذہب ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے' اگر حالف یعنی قسم کھانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اگر وہ جھوٹا ہے یا آئندہ اس قسم کے بعد قسم توڑے گا تو کافر ہو جائے گا' تو جھوٹی قسم کھانے یا آئندہ قسم توڑنے پر وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا تو کافر نہیں۔ (درمختار۔ ج ۳۔ ورد المختار۔ ص ۵۵)

لیس علی ابن ادم

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ منت مانے کہ اگر میرا بیٹا پردیس سے آ جائے تو زید کا گھر مسجد پر وقف ہے' یہ منت لغو ہے۔ یعنی اس چیز کی منت مانی جو دوسرے کے مِلک میں ہو تو لغو ہے' لیکن اگر یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو ہزار روپے خیرات کروں گا' تو یہ منت صحیح ہے' اگرچہ اس وقت اس کی مِلک میں ہزار روپے نہ ہوں' اس لیے کہ اس کا امکان ہے کہ وہ آئندہ ہزار روپے کا مالک ہو جائے۔

من لعن مؤمنا

لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہونے کے ہیں' مؤمن کتنا ہی گنہگار ہو' وہ کبھی نہ کبھی نجات پا کر جنت میں جائے گا' اس لیے کسی مؤمن پر لعنت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہے' یہ گویا اُسے قتل کرنا ہے' جیسے مقتول ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیوی زندگی سے محروم ہو جاتا ہے۔

ومن قذف مؤمنا

کسی پر زنا کا الزام لگانا اس کی عزت و آبرو برباد کرنا ہے اور جس کی عزت و آبرو برباد ہو جائے' وہ بہ ظاہر زندہ تو رہتا ہے مگر مُردے کے مثل اس کا کوئی وقار نہیں رہتا۔ اس لیے کسی پر زنا جیسی بے حیائی کا الزام اس کے قتل کے مثل ہے۔

۷۹۵- ح: اَلَّذِیْ یَخْنُقُ نَفْسَهٗ [جو اپنا گلا گھونٹ کر مرے گا]

۷۹۵- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ یَخْنُقُ نَفْسَهٗ یَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ یَطْعُنُهَا یَطْعُنُهَا فِی النَّارِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنا گلا گھونٹ کر مرے گا' وہ جہنم میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو اپنے کو نیزہ بھونک کر مرے گا' وہ جہنم میں بھی اپنے آپ کو نیزہ بھونکتا رہے گا۔

(بخاری۔ باب: ما جاء فی قاتل النفس ص ۱۸۲' ج ۲۔ کتاب الطب۔ باب: شرب السم ص ۸۶۰)

کتاب الطب میں یہ حدیث بہ طریق ذکوان مزید تفصیل کے ساتھ یوں ہے: جو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر مار ڈالے تو وہ جہنم کی آگ میں اپنے کو گراتا رہے گا ہمیشہ ہمیشہ' جو زہر چاٹ کر اپنے کو قتل کرے گا تو جہنم کی آگ میں اس کے ہاتھ میں وہ زہر رہے گا

جسے ہمیشہ ہمیشہ چاٹتا رہے گا اور جو شخص اپنے آپ کو لوہے سے ہلاک کرے گا تو یہ لوہا اس کے ہاتھ میں رہے گا' جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اسے اپنے پیٹ میں بھونکتا رہے گا۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ خودکشی کرنے والا جس طرح اپنے آپ کو ہلاک کرے گا' اسی طرح جہنم میں وہ خود اپنے آپ کو سزا دیتا رہے گا۔ خودکشی حرام اور سخت حرام ہے' حتیٰ کہ اس حدیث میں فرمایا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا' اگرچہ بربنائے تحقیق یہ مدت کی درازی کو بتانے کے لیے فرمایا ہے' آدمی کسی وجہ سے گھبرا کر خودکشی کر لیتا ہے مگر جب موت کے پنجے میں جکڑا جاتا ہے تو ہزار جان سے آرزو کرتا ہے کہ کسی طرح بچ جاتا تو پھر یہ اقدام نہ کرتا' یہ دُنیا کا سخت عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

مطابقت

ان احادیث پر باب یہ ہے: قاتلِ نفس کے بارے میں جو آیا ہے۔ قاتل نفس شامل ہے' اسے بھی جو اپنے آپ کو خود قتل کرے یا کسی دوسرے کو قتل کرے۔ حدیث میں صرف پہلی قسم کا بیان ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ من کل الوجوہ مطابقت ضروری نہیں' ایک جز سے مطابقت ہے' یہی کافی ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: حدیث میں اپنے آپ کو قتل کرنے والے کا حکم صراحۃً مذکور ہے' اسی سے دوسرے کو قتل کرنے والے کا حکم بھی معلوم ہو گیا' اس لیے کہ خودکشی سے بڑھ کر دوسرے کو قتل کرنا ہے تو اس کا یہ حکم بہ درجۂ اولیٰ ہو گا۔

اقول: مگر یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کتاب الجنائز میں اس کے ذکر کی کیا حاجت! یہاں تو یہ مذکور ہونا چاہیے کہ اس کو غسل و کفن بہ طریق مسنون دیا جائے گا' نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس حدیث سے ان اُمور کا دور سے بھی کسی طرح تعلق نہیں۔

۷۹۶- ح: لَمَّا مَاتَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُبَیٍّ (الخ) [جب عبداللہ ابن ابی کی موت ہوئی]

۷۹۶- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ لَمَّا مَاتَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُبَیٍّ ابْنُ سَلُوْلَ دُعِيَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَبْتُ اِلَيْهِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُصَلِّيْ عَلَى ابْنِ اُبَیٍّ وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا اُعَدِّدُ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَخِّرْ عَنِّيْ يَا عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ اِنِّيْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ لَوْ اَعْلَمُ اَنِّيْ اِنْ زِدْتُّ عَلَى السَّبْعِيْنَ يُغْفَرُ لَهُ لَزِدْتُّ عَلَيْهَا قَالَ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَمْكُثْ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى نَزَلَتِ الْاٰيَتَانِ مِنْ بَرَاءَةٍ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ ﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ (التوبۃ:

حضرت ابن عباس' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب عبداللہ بن اُبَی بن سلول مرا تو رسول اللہ ﷺ کو بلایا گیا کہ اس کے جنازے کی نماز پڑھیں' پس جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو میں حضور کی طرف تیزی سے بڑھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ابن اُبَی کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کہا ہے اور میں اس کے قول کو گنانے لگا تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: اے عمر! رہنے دو' جب میں نے بار بار عرض کیا تو فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا تو میں نے ایک صورت اختیار کر لی' اگر میں جانتا کہ اگر ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا تو اسے بخش دیا جائے گا تو میں زیادہ کرتا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی' پھر واپس ہوئے' تھوڑی دیر کے بعد سورۂ براءت کی دو آیتیں نازل ہوئیں: "ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ ان کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں" اللہ عزوجل کے ارشاد "وھم فاسقون" تک اور نہ اس کی قبر پر

۸۴) قَالَ فَعَجِبْتُ بَعْدُ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ وَّاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ.

تشریف رکھیں' انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمان ہونے کی حالت ہی میں مرے''۔ حضرت عمر نے کہا: اس کے بعد اس دن رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی جرأت پر مجھے تعجب ہوا اور اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔

(بخاری۔ باب: ما یکرہ من الصلوٰۃ علی المنافقین ص ۱۸۲' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ البراءۃ۔ ص ۶۷۴' ترمذی۔ کتاب التفسیر' نسائی' مسند امام احمد۔ ج ۱ ص ۱۶)

یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے گزر چکی ہے اور اس پر مفصل کلام ہو چکا ہے۔ یہاں چند کلمات کی تشریح ضروری ہے۔

''اِنِّیْ خُيِّرْتُ'' مطلب یہ ہے کہ منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ○ (التوبہ: ۸۰)

ان کے لیے بخشش چاہو یا نہ چاہو' اگر تم ستر بار بھی ان کی بخشش چاہو گے تو اللہ عزوجل ہرگز نہیں بخشے گا اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا○

اگر چہ اس آیت کا مفاد ممانعت ہے' مگر چونکہ صراحۃً ممانعت کا صیغہ نہیں' اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے اپنی شان رحمۃ للعالمینی کے مقتضیٰ کے مطابق انسانوں پر جو کمال رحمت وشفقت تھی' اس کی بناء پر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس سے اسے تو کوئی فائدہ نہ ہوا' مگر اس شانِ کریمی کے نتیجے میں اس کی قوم کے ہزار افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حَتّٰی نَزَلَتِ الْاٰيَتَانِ

ان دو آیتوں سے ایک تو وہی مراد ہے جو متن میں مذکور ہے یعنی ''لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ. الاٰية'' دوسری کون سی آیت ہے' معلوم نہ ہو سکی۔ علامہ عینی نے فرمایا: اس سے مراد اس کے پہلے والی آیہ کریمہ ''اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ'' مراد ہے۔

اقول: مگر حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ پہلے ہی نازل ہو چکی تھی۔ اسی سے تو حضور نے یہ استدلال فرمایا تھا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ خود علامہ عینی نے بھی ''اِنِّیْ خُيِّرْتُ'' کے تحت اس آیت کو ذکر فرمایا ہے' پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ دوسری آیت یہ ہے۔ اب یا تو آیتان سے اس آیت کے دونوں مضمونوں کو مراد لیا جائے' ایک نمازِ جنازہ نہ پڑھنا' دوسرے قبر پر کھڑا نہ ہونا' یا یہ کہا جائے جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ پہلی آیت کے اخیر کا حصہ یعنی ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' آخر آیت تک پہلے نہیں نازل ہوا تھا' بعد میں نازل ہوا' اور ''الآیتان'' سے یہ اور ''وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ'' مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

فَعَجِبْتُ

یہ خوشی کا اظہار ہے' اس لیے رسول اللہ ﷺ کے حضور جرأت بہ ظاہر اچھی بات نہیں' مگر اللہ عزوجل نے میری تائید فرما دی۔ ترمذی میں اتنا زائد ہے کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نہ نمازِ جنازہ پڑھائی اور نہ کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

کافر کی نمازِ جنازہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کافر کی نمازِ جنازہ پڑھنا یا اس کے لیے دعاء مغفرت کرنی جائز نہیں' بلکہ بر بنائے مذہب مختار کفر

ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ''وقد علمت ان الصحيح خلافه فالدعاء به كفر لعدم جوازه عقلا ولا شرعا ولتكذيبه النصوص القطعية''۔ (ج ا ص ۳۵۱)

۷۹۷- ح: مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا

۷۹۷- سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا وَجَبَتْ قَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ.

[لوگ ایک جنازہ کو لے کر گزرے تو لوگوں نے اس کی اچھائی بیان کی]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزر رہے تھے تو لوگوں نے اس کی اچھائی بیان کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہو گئی' پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو لوگوں نے اس کی برائی بیان کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہو گئی۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا: ایک کی تم نے اچھائی بیان کی تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی' اور ایک کی تم نے برائی بیان کی تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو گئی' تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

۷۹۸- ح: فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ فَاُثْنِيَ

۷۹۸- عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ فَجَلَسْتُ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ فَاُثْنِيَ عَلٰى صَاحِبِهَا خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِاُخْرٰى فَاُثْنِيَ عَلٰى صَاحِبِهَا خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَاُثْنِيَ عَلٰى صَاحِبِهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ اَبُو الْاَسْوَدِ فَقُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ فَقُلْنَا وَثَلَاثَةٌ قَالَ وَثَلَاثَةٌ فَقُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْاَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ.

[میں بیٹھا تھا کہ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے تو اس کی تعریف کی گئی]

ابوالاسود نے کہا: میں مدینہ آیا اور وہاں بیماری پھیلی ہوئی تھی' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے تو اس کی تعریف کی گئی' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واجب ہو گئی' تو دوسرا گزرا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واجب ہو گئی' پھر تیسرا گزرا تو اس کی برائی کی گئی تو فرمایا: واجب ہو گئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا چیز واجب ہو گئی؟ اے امیر المومنین! فرمایا: میں نے وہی کہا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس مسلم کی بھلائی کی چار آدمی گواہی دیں' اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا' تو ہم نے عرض کیا: اور تین؟ تو فرمایا: اور تین' پھر ہم نے عرض کیا: اور دو؟ تو فرمایا: اور دو' اس کے بعد ہم نے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا۔

(بخاری۔ باب: ثناء الناس على الميت ص ۱۸۳' الشهادات۔ باب: تعديل كم يجوز ص ۳۶۰' ترمذی' نسائی۔ کتاب الجنائز)

ترمذی کی روایت میں اختصار ہے' ابتداء میں بجائے چار کے تین ہے۔ بخاری' کتاب الشہادات میں شروع میں یہ ہے کہ میں مدینہ آیا اور وہاں بیماری پھیلی ہوئی تھی' وہاں کے باشندے بہت تیزی سے مر رہے تھے۔

فَاثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا خَیْرًا

اکثر اصول میں ''خیرًا'' ''شرًا'' نصب کے ساتھ ہے، از روئے قواعد یہ درست نہیں، اس لیے کہ یہ ''اثنِیَ'' کا مفعول مالم یُسم فاعلہ ہے۔ شراح کو اس توجیہ میں بہت عرق ریزی کرنی پڑی۔ ابن بطال نے کہا کہ جار مجرور کو مفعول اوّل کا اور خیرًا کو مفعول ثانی کا قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ منصوب بنزع خافض ہے، اصل یہ تھا: ''بخیرٍ''۔

اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ

اللہ عزوجل کا اس اُمت پر یہ کرم خاص ہے کہ اپنے بندوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو قبول فرما لیتا ہے، حتیٰ کہ ایک حدیث میں ہے، جسے امام ابو یعلیٰ موصلی نے روایت کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی مرنے والے کے بارے میں ایسی ثناء کریں جو اس میں نہ ہو تو بھی اس کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: کبھی بندے کو عوام کی جانب سے تعریف، پردہ پوشی اور محبت ملتی ہے تو محافظ فرشتے یہ کہتے ہیں: اے رب! تو بھی جانتا ہے اور ہم بھی اس کے خلاف جانتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں، تو فرمائے گا: تم گواہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ جو نہیں جانتے، اسے میں نے بخش دیا اور ان کی شہادت قبول کر لی۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۱۹۷)

۷۹۹- ح: اِذَا اُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِیْ قَبْرِهٖ　[جب مؤمن اپنی قبر میں بٹھایا جائے گا]

۷۹۹- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِیْ قَبْرِهٖ اُتِیَ ثُمَّ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ ﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراہیم:۲۷) وَزَادَ شُعْبَةُ نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتے بھیجے جاتے ہیں، اس کے بعد وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، یہی اللہ عزوجل کا قول ہے کہ اللہ ایمان والوں کو قول ثابت پر ثابت قدم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ شعبہ نے یہ زیادہ کیا: یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔

(بخاری۔ باب: ما جاء فی عذاب القبر ص ۱۸۳، ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ ابراہیم۔ باب: قوله یثبت اللّٰه الذین آمنوا ص ۶۸۲، مسلم۔ کتاب صفۃ النار، ابو داؤد۔ ج ۲۔ کتاب السنۃ، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر، نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الجنائز، ابن ماجہ۔ کتاب الزهد)

عذابِ قبر

عذابِ قبر حق ہے، اس پر اہل سنت کا اجماع ہے، البتہ روافض اور معتزلہ اس کے منکر ہیں، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذابِ قبر خبر آحاد سے تو ثابت ہے مگر قرآن مجید سے ثابت نہیں، اس لیے امام بخاری نے پہلے قرآن مجید کی تین ایسی آیتیں ذکر فرمائیں جن سے عذابِ قبر ثابت ہے، پھر احادیث لائے، پہلی آیت سورۂ انعام کی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ. (الانعام:۹۳)

اور کاش تم ظالموں کو اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختی میں ہوں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھوں کو بڑھائے ہوئے ہوں (اور کہتے ہوں:) ''نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا''۔

عذاب قبر پر استدلال

آیت کے اس جز سے ہے: ''اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ'' آج تم لوگوں کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ آج سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے' اور عذاب قبر سے مراد یہی ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے عالم برزخ میں عذاب ہوتا ہے' اس لیے جو لوگ مدفون نہ ہوں' جلا دیے جائیں' درندے کھالیں' ان پر بھی عذاب ہوتا ہے اگر چہ ہم محسوس نہ کریں۔

دوسری آیت سورۂ توبہ کی یہ ہے' فرمایا:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ O (التوبہ:۱۰۱) بہت جلد ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے' اس کے بعد وہ بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے O

یہ طے ہے کہ عذاب عظیم سے جہنم مراد ہے' اس سے پہلے دو مرتبہ عذاب سے مراد ایک مرتبہ دنیا میں ذلیل اور رسوا کرنا ہے اور دوبارہ عذاب قبر ہے۔

طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے فلاں! نکل جا تو منافق ہے' اے فلاں! نکل جا تو منافق ہے۔ اس طرح تمام منافقین کو مسجد سے نکال دیا اور انہیں ذلیل کیا۔ ادھر سے منافقین مسجد سے نکل رہے تھے' اُدھر سے حضرت عمر آ رہے تھے' انہیں دیکھا تو سمجھے کہ نماز ہو چکی ہے' یہ نماز سے فارغ ہو کر نکل رہے ہیں' نماز قضا ہونے کے احساس پر حیاء آئی اور چھپ گئے اور منافقین نے حضرت عمر کو دیکھا تو مارے شرم کے چھپ گئے' پھر حضرت عمر مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی ہے' ایک صاحب نے حضرت عمر سے کہا: آپ کو بشارت ہو! اللہ نے منافقین کو رسوا کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مسجد سے ذلیل کر کے نکالا جانا پہلا عذاب تھا اور دوسرا عذاب قبر ہے۔ یہی حضرت امام سفیان ثوری اور حضرت امام سدی نے بھی فرمایا ہے۔

تیسری آیت سورۂ مؤمن کی ہے۔ ارشاد ہے:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ O اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ O (المومن:۴۵-۴۶) اور فرعون کے متبعین کو برے عذاب نے گھیر لیا O آگ جس سے صبح و شام جلائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہوگی' حکم ہوگا کہ فرعون کے تابع داروں کو سخت ترین عذاب میں دھکیل دو O

اس آیت میں واضح طور پر عذاب قبر کا بیان ہے' اس طرح کہ ''اشد العذاب'' سے جہنم کا عذاب مراد ہے جو قیامت کے دن ہوگا' اس سے پہلے جو عذاب ہے وہ عذاب قبر ہے۔ ہم نے ''يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا'' کا ترجمہ یہ کیا: جس سے جلائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ علامہ بدر الدین عینی نے فرمایا:

وعرضهم عليها احراقهم بها يقال عرض الاسارى على السيف اذا قتلتهم به. آگ پر پیش کرنے کا معنی آگ سے جلانا ہے' کہا جاتا ہے: ''عرض الاسارى على السيف'' جب تو انہیں تلوار سے قتل کر دے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ

اس آیہ کریمہ میں قول ثابت سے مراد شہادتین کی تصدیق اور اس کا اقرار ہے کہ اللہ عزوجل دنیا میں بھی مومنوں کو اس پر قائم رکھتا ہے اور آخرت یعنی قبر میں بھی۔ اس آیت میں آخرت سے قبر مراد ہے' اس لیے کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے۔ اس

پر قرینہ یہ ہے کہ کافر کا کفر پر ثبات قبر ہی تک محدود ہے' قیامت کے دن تو سبھی توحید و رسالت کی حقانیت تسلیم کریں گے۔

نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ

اس آیت کا عذابِ قبر سے تعلق یہ ہے کہ اخیر میں ہے: ''وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ'' اور ظالموں کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ نکیرین کے سوالات کے جوابات نہیں دے پائیں گے اور عذابِ قبر میں مبتلا ہوں گے' یعنی اس آیت میں عذابِ قبر کا سبب مذکور ہے' سبب سے مسبب کا تعلق سب کو معلوم ہے۔

۸۰۰ - ح: اِطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ الْقَلِيْبِ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اہلِ قلیب پر جھانکا]

۸۰۰- حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهٗ قَالَ اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَهْلِ الْقَلِيْبِ فَقَالَ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقِيْلَ لَهٗ تَدْعُوْ اَمْوَاتًا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ.

نافع نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ قلیب پر جھانکا اور فرمایا: تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ فرمایا تھا' کیا تم نے اس کو برحق پایا؟ تو حضور سے عرض کیا گیا: حضور مردوں کو بلاتے ہیں' فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں مگر وہ جواب نہیں دیتے۔

(بخاری۔ باب: ما جاء فی عذاب القبر ص ۱۸۳' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قتل ابی جهل ص ۵۶۷' مسلم' نسائی۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۱۳۱)

۸۰۱- ح: اِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ الْاٰنَ

[(یہ لوگ اس وقت) ضرور جان لیں گے]

۸۰۱- عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ الْاٰنَ اَنَّ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (النمل: ۸۰).

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: یہ لوگ اس وقت یہ ضرور جان لیں گے کہ جو میں ان سے فرماتا تھا وہ حق ہے اور اللہ عز و جل نے فرمایا: تم مردوں کو سنا نہیں سکتے۔

(بخاری۔ باب: ما جاء فی عذاب القبر ص ۱۸۳' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قتل ابی جهل ص ۵۶۷)

امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کے متنوں کو کتاب المغازی میں ایک ہی سند کے ساتھ اکٹھے' ایک متن میں جمع فرما دیا ہے۔

قلیب

بغیر من کا کنواں' پرانا کنواں۔ مغازی میں حضرت ابوطلحہ کی حدیث میں یہ ہے: ''فِي طَوِيٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ'' بدر کے کنویں میں سے ایک گندے گھنونے کنویں میں۔ طی اس کنویں کو کہتے ہیں جس کا من بندھا ہو۔ تطبیق یہ ہے کہ وہ پہلے من والا تھا' پھر گر گیا تھا۔ ستر مقتولین میں سے چوبیس کو جو رؤساء قریش تھے' اس ایک کنویں میں پھنکوایا تھا اور بقیہ کو دوسری جگہوں میں پھنکوایا۔ امام واقدی نے فرمایا: یہ قلیب جس نے کھدوایا تھا' اس کا نام نار تھا۔ (زرقانی علی المواہب۔ ج ۱ ص ۴۳۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قلیب کی کنگھر پر کھڑے ہوئے اور ان میں سے عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' امیہ بن خلف اور ابوجہل کا نام لے کر پکارا اور وہ فرمایا۔[۱] امیہ بن خلف اگرچہ قلیب میں نہیں تھا مگر اس کو بھی آواز دی' ہوسکتا ہے قریب ہی دابا گیا ہو۔

---

[۱] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۸۷' کتاب الجنۃ۔ باب: عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار' نسائی۔ ج ۱ ص ۲۹۳۔ کتاب الجنائز۔ باب: ارواح المؤمنین

فقیل له

یہ عرض کرنے والے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے' جیسا کہ بخاری ہی میں مغازی کی اس حدیث میں ہے جو حضرت ابوطلحہ سے اور مسلم اور نسائی کی اس حدیث میں ہے جو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فائدہ جلیلہ

مسند امام احمد[1] کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا: یارسول اللہ! حضور انہیں تین دن کے بعد پکارتے ہیں' کیا یہ سنتے ہیں؟ حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: تمہارے سنائے مُردے نہیں سنتے' تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ علامہ زرقانی نے یہ روایت مسلم[2] کی بتائی ہے۔

آیت کریمہ "فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" (الروم:۵۲) سے سماع موتی کی نفی پر دلیل لانے والوں کی شورش کو یہ حدیث جڑ سے کاٹ دیتی ہے۔ غور کریں! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ظاہر الفاظ پر نظر کرتے ہوئے اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت فرمایا' اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ یہ اس پر نص ہے کہ اس آیت کا سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں' جیسا کہ تفصیل کے ساتھ بحث آ رہی ہے کہ موتی سے مراد کفار ہیں' یا "لا تسمع" سے مراد خلق سماع ہے۔

تعارض اور تطبیق

حضرت ابن عمر اور حضرت اُم المؤمنین کی حدیثوں میں بہ ظاہر تعارض ہے۔ اس واقعہ کے وقت ان دونوں میں کوئی موجود نہ تھا' اس لیے علامہ سہیلی کا یہ کہنا کہ چونکہ حضرت اُم المؤمنین موقع پر موجود نہیں تھیں' اس لیے حضرت ابن عمر کی روایت کو ترجیح ہے' جو واقعہ کے وقت موجود تھے' صحیح نہیں' کیونکہ حضرت اُم المؤمنین نے کسی صحابی ہی سے سنا ہوگا۔ صحابی کی حدیث مرسل بالاتفاق مقبول ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جملے ارشاد فرمائے' جس نے حضرت ابن عمر کو بتایا' اس نے اخیر کا چھوڑ دیا۔ جس نے اُم المؤمنین کو سنایا اس نے اوّل چھوڑ دیا' اور بہ نظر دقیق ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں' علم سماع کے منافی نہیں' بلکہ ثبوتِ علم کو ثبوتِ حیات لازم اور حیات کو سماع لازم۔ اس واسطے سے علم کو سماع اور سماع کو علم لازم' جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت دوسرے اور صحابہ سے بھی مروی ہے' مثلاً حضرت عمر' حضرت ابوطلحہ' حضرت انس' حضرت ابن مسعود' حضرت عبداللہ بن سیلان رضی اللہ عنہم۔

سماع موتی

اس حدیث سے سماع موتی کا ثبوت صراحۃً ہو رہا ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے' البتہ معتزلہ اور اس زمانے میں معتزلہ کے مقلد غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا مستدل حضرت اُم المؤمنین کا ارشاد مذکور ہے' لیکن اُم المؤمنین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل فرمایا ہے وہ خود مردوں کے لیے حیاتِ برزخی پر نص ہے' اس لیے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّهُمْ لیعلمون الآن اَنَّ ما کنت اقول لهم حق" اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ اس وقت جانتے ہیں کہ میں جو کہتا تھا وہ ضرور حق ہے' اور علم حیات ہی کی فرع ہے' اس لیے اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ کسی قسم کی حیات نہیں رکھتے تھے تو جانتے کیسے تھے' اور حیات ہی پر سماع بھی متفرع۔ جب حیات ہے تو سننا لازم۔ علاوہ ازیں حدیث گزر چکی کہ مردے دفن سے فارغ ہو کر واپس ہونے والوں کے جوتوں کی چاپ سنتے ہیں۔ نکیرین آ کر جو سوالات کرتے ہیں انہیں سنتے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ کہتے ہیں وہ سنتے ہیں' اگر

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۲۸۷ [2] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۳۲

سماع موتی کا انکار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ نکیرین کے سوالات لغو ہیں۔

آیت کریمہ کا جواب

آیت کریمہ ''فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى'' کا جواب تمام شراح حدیث نے یہ دیا ہے کہ موتی سے مراد کفار ہیں۔ اس پر اس آیت کا سیاق برہان قاطع ہے۔ یہ آیت قرآن مجید میں دو جگہ ہے۔ سورۂ نمل اور سورۂ روم میں، دوسری جگہ آیت میں فا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ (النمل: ۸۰-۸۱)

بے شک تمہارا پیغام تمہارے سنائے نہ مُردے سنتے ہیں اور نہ بہرے، جب وہ منہ موڑ کر بھاگ لیں○ اور نہ اندھوں کو منزل تک پہنچا سکتے ہو، تمہارے سنائے وہی سنتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور بات مانتے ہیں○

یہاں ''من یومن بایتنا'' سے تقابل متعین کر رہا ہے کہ اس سے قبل مذکور ''موتٰی'' مُردے ''صُمّ'' بہرے ''عُمْیٌ'' اندھے سے مراد کفار ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں ''ان تسمع'' سے مراد سماع قبول ہے۔ یعنی کسی بات کو سن کر مان لینا، مطلب یہ ہوا کہ تمام پیغام سن کر قبول صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کے لیے ایمان مقدر ہے اور جن میں حق بات ماننے کا جذبہ ہے تو اس کے مقابل ''لا تسمع'' سے مراد قبول نہ کرنا ہی متعین ہے نہ کہ حاسہ، یعنی کان سے بہ طریق معہود سننا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا سماع موتی سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

روح البیان میں ہے:

هذه الاية واردة فى حق الكفار وقطع الطمع للنبى صلى الله عليه وسلم فى هدايتهم فان كونهم كالموتى موجب لقطع الطمع وانما شبههم بالموتى لعدم انتفاعهم بما يتلى عليهم من الايات والمراد المطبوعون على قلوبهم فلا يخرج ما فيها من الكفر ولا يدخل ما لم يكن فيها من الايمان.

یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے اور نبی ﷺ کی اس خواہش کو دور کرنے کے لیے کہ وہ ایمان اور ہدایت قبول کر لیں، اس لیے کہ کافروں کا مُردوں کے مثل ہونا، اس خواہش کو ختم ہونے کا موجب ہے، ان کو مُردوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ یہ ان آیتوں سے جو ان پر تلاوت کی جا رہی ہے، نفع نہیں حاصل کرتے، مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے تو اندر کا کفر نہ باہر نکل سکتا ہے، نہ ایمان اندر جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی سورۂ فاطر میں بھی ایک آیت ہے، فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ○ (فاطر: ۲۲)

بے شک اللہ جسے چاہے سنائے اور تمہارے سنائے وہ نہیں سنتے جو قبروں میں ہیں○

اس آیت میں بھی ''من فی القبور'' سے مراد کفار ہیں اور عدم اسماع سے مراد منوا لینا ہے۔ یہاں بھی اس کے اوپر کی آیات قرینہ ہیں۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ○ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ○ وَلَا الظُّلُمٰتُ

اے محبوب! تمہیں ڈرانا انہیں کو نفع بخش ہے جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو پاک و صاف ہوا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہوا، اور سب کو اللہ ہی کی طرف

وَ لَا النُّوْرُO وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُO وَمَا يَسْتَوِی الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِO اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌO (فاطر:۱۸-۲۳)

لوٹتا ہےO اندھا اور بیناء برابر نہیںO تاریکی اور روشنی برابر نہیںO سایہ اور تیز دھوپ برابر نہیںO زندے اور مردے برابر نہیں' اللہ جسے چاہے سنائے اور تم انہیں نہیں سنا سکتے ہو جو قبروں میں ہیںO اور تم اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہوO

ہر ذی فہم خود فیصلہ کر لے کہ کیا ابتدائی آیت اور اخیر کی آیت کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی گنجائش ہے کہ "من فی القبور" سے قبر میں مدفون مردے مراد ہوں؟ اور یہ کہ اگر "من فی القبور" سے مردے مراد ہوں تو یہ کلام کتنا بے تکا ہوگا۔ اوّل میں ایمان سے بہرہ ور ہونے والے سعادت مندوں اور اس سے محروم ہونے والے بدنصیبوں کا ذکر ہے اور اخیر میں "ان انت الا نذیر" فرما کر حضور اقدس ﷺ کو تسلی دی گئی کہ وہ ایمان قبول نہیں کرتے تو تم رنجیدہ خاطر کیوں ہو' تم نے اپنا کام کر دیا' تمہارا منصب ارشاد و تبلیغ ہے' وہ تم نے پورا کر دیا' دل میں ایمان پیدا کرنا' یہ میرا کام ہے' تم دل پر غبار نہ لاؤ' یہ بیچ میں سماعِ موتی اور عدمِ سماعِ موتی کا کیا تک ہے' اب یہ کہنا کہ "من فی القبور" سے مردے مراد ہیں' حقیقت میں قرآن مجید میں دھبہ لگانا ہے' اسی لیے جلالین (پارہ بائیس۔ ص۳۶۶) میں فرمایا:

وَمَا يَسْتَوِی الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ الْمُؤْمِنُوْنَ والكفار وما انت بمسمع من فی القبور ای الكفار شبههم بالموتى فلا يجيبون.

مردے اور زندے برابر نہیں یعنی مؤمنین اور کفار اور تمہارے سنائے وہ نہیں سنیں گے' جو قبروں میں ہیں یعنی کفار' انہیں مردوں کے مشابہ بنایا' اس لیے وہ قبول نہیں کریں گے۔

اور اگر بالفرض کسی صاحب کو ضد ہو کہ ان آیات میں "موتٰی" اور "من فی القبور" اپنے حقیقی معنی میں ہے اور مراد قبر میں پڑے ہوئے مردے ہیں تو یہ آیت کریمہ:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ. (الانفال:۱۷) اے مسلمانو! تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا۔

اور آیہ کریمہ "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (الانفال:۱۷) اور جب تم نے (خاک) پھینکی تھی تو تم نے نہیں پھینکی تھی' ہاں! اللہ نے پھینکی تھی' کے قبیل سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ جو مردہ اجسام تمہارا کلام سن رہے ہیں' یہ تم نے انہیں نہیں سنایا' بلکہ اللہ نے سنایا: "اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِO" (فاطر:۲۲) یہ اسی کی قدرت سے ہوا کہ ان خالی بدنوں میں روح نے عود کیا' جس کے آتے ہی گئے ہوئے ہوش و حواس درست ہو گئے اور وہ سننے لگے۔

حضرت اُم المؤمنین کا مذہب

بعد موت میت کو ادراک ہوتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت اُم المؤمنین کا مذہب اسی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ ادراک اور علم کی قائل ہیں صاف صاف ہے کہ فرمایا: حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: بے شک یہ اس وقت ضرور جانتے ہیں کہ جو میں کہتا تھا' حق ہے' وہ بھی ایسا عظیم ادراک کہ ان کافروں نے دنیا میں جو کچھ سنا تھا' وہ اب بھی ان کو یاد ہے۔ علاوہ ازیں مشکوٰۃ میں بحوالہ امام احمد و حاکم مروی ہے' وہ فرماتی ہیں: اس مکان عرش آستان میں جہاں حضور اقدس ﷺ دفن ہیں میں بے لحاظ ستر و حجاب خصوصی چلی جاتی اور جی میں کہتی: یہاں کون ہیں؟ میرے شوہر یا میرے والد۔ جب سے عمر دفن ہوئے اللہ کی قسم! میں پورا بدن بغیر چھپائے نہ گئی' عمر سے حیاء کی وجہ سے۔

اب اگر یہ مان لیا جائے کہ میت کو کچھ نظر نہیں آتا تو اس حیاء کے کیا معنی؟ اور جب نظر آنا ثابت ہے تو سننا بدرجہ اولیٰ ثابت' ان

لیے کہ جب حضرت اُم المؤمنین دفن کے بعد دیکھنے کی قائل ہیں اور اسے لازم کہ ادراک مانتی ہیں اور وہ ایسا ادراک جو قبر کے باہر اُمورِ دنیویہ کا ہے تو سننے سے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی' اس لیے کہ اگر درمیان میں کوئی دبیز چیز حائل ہو تو دیکھنا ناممکن مگر سننا ثابت۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں یہ حدیث روایت فرمائی کہ حضرت اُم المؤمنین نے ملاحظہ فرمایا کہ نہلاتے وقت ایک عورت کے سر میں عورتیں زور زور سے کنگھی کر رہی ہیں' تو فرمایا: کیوں اپنی میت کے پیشانی کے بال کھینچتی ہو۔ یہ فرمانا اسی بناء پر تھا کہ اس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف کا احساس بھی ادراک وعلم ہے۔ یہ بات کس کی عقل میں آئے گی کہ خود اُم المؤمنین دیکھنا مانیں لمس مانیں اور سماع کا انکار کریں۔ اسی لیے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے حیات الموات میں فرمایا کہ اُم المؤمنین کی مراد یہ ہے کہ یہ اجسام نہیں سنتے' اس لیے کہ حقیقت میں مردہ جسم ہی ہیں' قبروں میں جسم ہی ہیں۔ رہ گئی روح وہ زندہ ہے اور وہ قبر میں مدفون نہیں' وہ سنتی ہے دیکھتی ہے' راحت وتکلیف محسوس کرتی ہے' علم وادراک رکھتی ہے' جو اس موضوع پر کما حقہ اطلاع چاہتا ہو' وہ اس رسالہ مبارکہ ضرور مطالعہ کرے' جو علیحدہ بھی چھپا ہے اور فتاویٰ رضویہ' جلد چہارم میں بھی چھپا ہے۔

۸۰۲ - ح: يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا [یہودیوں کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے]

۸۰۲- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا.

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور سورج ڈوب چکا تھا تو ایک آواز سنی' اس پر فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

(بخاری۔ باب: التعوذ من عذاب القبر ص ۸۴' مسلم۔ کتاب فی صفۃ اھل النار' نسائی۔ کتاب الجنائز)

یَهُوْدُ

اصل میں یہودیین تھا' یا کو تخفیفاً حذف کر دیا' جیسے زنجبین اور زنج۔ افرنجبین اور افرنج' اسی لحاظ سے اس پر الف لام کا لانا درست ہے ورنہ اصل میں یہ معرفہ مؤنث ہے۔ ''علم للقبیلة'' جیسا کہ جوہری نے کہا' طبرانی میں یہ حدیث یوں ہے: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سورج ڈوبنے کے بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلا اور میرے ساتھ پانی کا کوزہ تھا' حضور نے قضاء حاجت فرمائی اور وضو بنایا' پھر فرمایا: جو میں سنتا ہوں وہ تم سن رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں' فرمایا: میں ان یہودیوں کی آوازیں سن رہا ہوں جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

۸۰۳- ح: يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ [آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عذاب قبر سے پناہ مانگتے]

۸۰۳- حَدَّثَتْنِيْ بِنْتُ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔

(بخاری۔ باب: التعوذ من عذاب القبر ص ۱۸۴' ج ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب: التعوذ من عذاب القبر ص ۹۴۲' نسائی۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۲۸۷)

کتاب الدعوات میں یہ زائد ہے: راوی حدیث موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ میں نے اُم خالد سے سنا' ان کے علاوہ اور کسی سے یہ نہیں سنا کہ اس نے (یہ) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو۔ اُم خالد نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی راویہ بنت خالد کی کنیت اُم خالد ہے' یہ صحابیہ ہیں' یہ حبشہ میں پیدا ہوئیں' ان سے حضرت

زبیر رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا' جن سے خالد اور عمر پیدا ہوئے۔ ان کے والد حضرت خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ان کا نمبر پانچواں ہے' ان کے اسلام لانے کا سبب ایک خواب ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہیں جس کے نیچے آگ ہے۔ ان کے والد سعید بن عاص نے چاہا کہ انہیں اس میں پھینک دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمر پکڑ لی۔ صبح کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کروں گا' وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں' ان کے والد کو جب یہ خبر ملی تو اس نے ان کو کھانا دینا بند کر دیا اور ان کے بھائیوں کو حکم دے دیا کہ ان سے بات نہ کریں۔ یہ اپنی اہلیہ بنت خالد بن اسعد خزاعیہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے' پھر غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب وغیرہ کے ساتھ مدینہ طیبہ واپس آئے' ان کے مشاہد میں پہلا عمرۃ القضاء ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اجنادین یا مرج الصفر میں شہید ہوئے۔ ان کی صاحبزادی اُم خالد رضی اللہ عنہا نے کہا: سب سے پہلے تسمیہ میرے والد نے لکھا' یہ ساری تفصیلات اصابہ جلد اوّل سے لی گئی ہیں۔ یہ بنی اُمیہ میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے' ان کے دو بھائی حضرت ابان و عمرو رضی اللہ عنہما بھی دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

عذابِ قبر سے پناہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ اجماع اُمت معصوم ہیں' دنیا اور آخرت کے ہر عذاب سے مامون' بلکہ دوسروں کو بچانے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ قبر سے پناہ مانگنا' اُمت کی تعلیم و ترغیب کے لیے تھا۔

٨٠٤- ح: اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

[اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں]

٨٠٤- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے' جہنم کے عذاب سے' زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔

(بخاری۔ باب: ما جاء فی عذاب القبر ص ١٨٤' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہی حدیث تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے' جو گزر چکی' وہیں مفصل کلام ہو چکا ہے۔

٨٠٥- ح: اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ

[جب کوئی مر جائے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اس پر پیش ہوتا ہے]

٨٠٥- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اگر جنتی ہے تو جنتیوں میں سے اور

اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

اگر جہنمی ہے تو جہنمیوں میں سے اور اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے' یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ قیامت کے دن اسے قبر سے اُٹھائے۔

(بخاری۔ باب: المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ص ۱۸۴' مسلم۔ کتاب صفۃ اھل النار' نسائی۔ کتاب الجنائز)

قبر میں دن رات صبح وشام نہیں' مراد یہ ہے کہ دنیا کے صبح وشام کے وقت روزانہ دو بار دکھایا جائے گا' یہ بھی عذاب کی انتہائی سنگین صورت ہے' جو قبر میں ہوگا۔

۸۰۶- ح: مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ

[جنت میں دودھ پلانے والی]

۸۰۶ - عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم کا وصال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔

(باب: ما قیل فی اولاد المسلمین ص ۱۸۴' کتاب بدء الخلق۔ باب: ما جاء فی صفۃ الجنۃ ص ۴۶۱' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: من سمی باسماء الانبیاء ص ۹۱۴' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز' مسند امام احمد۔ ج ۴ ص ۲۸۴)

اس سے قبل گزر چکا کہ تقریباً اٹھارہ ماہ کے تھے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے' چونکہ ایامِ رضاعت پورے نہیں ہوئے تھے' اللہ عزوجل نے انہیں یہ اعزاز عطاء فرمایا کہ جنت میں انہیں دودھ پلانے والی دایہ عطاء فرمائی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی نابالغ اولاد جو فوت ہو جائیں وہ جنت میں ہیں' اس سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے ہیں کہ جس کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں' اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے' جس میں ہے: یہ بچے اس کے لیے جہنم سے آڑ ہو جائیں گے۔ ان دونوں احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مسلمانوں کے نابالغ بچے جنت میں رہیں گے۔

۸۰۷- ح: سُئِلَ عَنْ اَوْلَادِ الْمُشْرِكِيْنَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں سوال]

۸۰۷ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَوْلَادِ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ اللّٰهُ اِذْ خَلَقَهُمْ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ نے جب ان کو پیدا کیا تھا تو وہ خوب جانتا تھا کہ یہ کیا کریں گے۔

(بخاری۔ باب: ما قیل فی اولاد المشرکین ص ۱۸۵' ج ۲۔ کتاب القدر۔ باب: اللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین ص ۹۷۶' مسلم۔ کتاب القدر' ابوداؤد۔ کتاب السنۃ' نسائی۔ کتاب الجنائز)

نابالغ مرنے والے بچے کہاں رہیں گے؟

جو نابالغ بچے مر جاتے ہیں' وہ کہاں رہیں گے؟ یہ بہت ہی معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جو ہمیشہ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ اس بارے میں نو اقوال ہیں۔ اول: وہ اللہ عزوجل کی مشیت پر ہیں وہ جو چاہے ان سے معاملہ کرے' یہ حماد بن سلمہ' حماد بن زید' عبد اللہ بن مبارک اور اسحٰق کا مذہب ہے۔ بیہقی نے خاص کفار کے بچوں کے بارے میں امام شافعی کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ امام مالک سے اس

بارے میں کوئی صریح قول منقول نہیں، مگر ان کے اصحاب نے یہ تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں رہیں گے اور کافروں کے بچے مشیت ایزدی میں ہیں۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ فرمایا: "اللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین" اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے۔ ثانی: وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہیں، مسلمانوں کے بچے ان کے ساتھ جنت میں اور کافروں کے بچے جہنم میں۔ اس کی تائید بعض احادیث ضعاف سے بھی ہوتی ہے۔ یہ خوارج کے فرقہ ازارقہ کا مذہب ہے۔ ثالث: وہ جنت اور دوزخ کے درمیان رہیں گے، کیونکہ انہوں نے کوئی ایسا اعتقاد نہیں رکھا اور نہ کوئی ایسا عمل کیا جس کی جزاء میں جنت یا دوزخ میں جائیں۔ رابع: وہ جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ اس بارے میں حضرت انس اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے حدیث ضعیف بھی مروی ہے۔ خامس: وہ مٹی ہو جائیں گے، یہ ثمامہ بن اشرس سے منقول ہے۔ سادس: جہنم میں رہیں گے۔ سابع: قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا، ان کے لیے آگ بلند کی جائے گی اور اس میں جانے کا حکم ہوگا، جو اطاعت کریں گے اور اس میں داخل ہوں گے، ان پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور جو سرکشی کریں گے وہ عذاب دیئے جائیں گے۔ ثامن: توقف۔ تاسع: امساک، یہ دونوں مذہب قریب قریب ہیں۔

یہ بیان مذاہب تھا، مگر علامہ نووی نے فرمایا: معتمد علمائے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں رہیں گے اور کفار کے بچوں کے بارے میں تین مذہب ہیں۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے، اور ایک گروہ نے توقف کیا۔ اور صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ بھی جنت میں جائیں گے[1] یہی محققین کا مذہب ہے، اس کی دلیل ابھی آنے والی حدیث ہے۔

امام بخاری نے یہاں باب کا عنوان یہ رکھا ہے: مشرکین کی اولاد کے بارے میں کیا کہا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مذہب بھی توقف ہے، مگر اس کے تحت جو احادیث لائے ہیں، ان میں سے دو سے توقف ثابت ہوتا ہے، اور دوسے یہ کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ حضرت ابن عباس کی حدیث زیر بحث اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث اوّل سے توقف ثابت ہوتا ہے اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث دوم "کل مولود یولد علی الفطرۃ" اور حضرت سمرہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جنت میں رہیں گے۔ یہ اس جانب مشعر ہے کہ ان کا مذہب بھی توقف ہی ہے۔

۸۰۸- ح: رَاَیْتُ اللَّیْلَۃَ رَجُلَیْنِ اَتَیَانِی

[میں نے آج رات دو آدمیوں کو دیکھا کہ وہ میرے پاس آئے]

۸۰۸ - عَنْ سَمُرَۃَ ابْنِ جُنْدَبٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی صَلٰوۃً اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَقَالَ مَنْ رَّاٰی مِنْکُمُ اللَّیْلَۃَ رُؤْیَا قَالَ فَاِنْ رَّاٰی اَحَدٌ قَصَّھَا فَیَقُوْلُ مَا شَآءَ اللّٰہُ فَسَاَلَنَا یَوْمًا فَقَالَ ھَلْ رَاٰی اَحَدٌ مِّنْکُمْ رُؤْیَا قُلْنَا لَا قَالَ لٰکِنِّیْ رَاَیْتُ اللَّیْلَۃَ رَجُلَیْنِ اَتَیَانِیْ فَاَخَذَا بِیَدِیْ فَاَخْرَجَانِیْ اِلٰی اَرْضٍ مُّقَدَّسَۃٍ فَاِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَّرَجُلٌ قَائِمٌ بِیَدِہٖ قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا عَنْ مُّوْسٰی کَلُّوْبٌ مِّنْ حَدِیْدٍ یُدْخِلُہٗ فِیْ شِدْقِہٖ حَتّٰی

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ کے فارغ ہوتے تو اپنا رُخِ انور ہماری طرف کر کے متوجہ ہوتے اور فرماتے: آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اب اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو بیان کرتا، اس پر جو اللہ چاہتا آپ فرماتے۔ حضور نے ایک دن ہم سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! تو فرمایا: لیکن میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا کہ میرے پاس آئے اور میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر مجھے ارضِ مقدس تک لے گئے، وہاں

[1] شرح مسلم۔ ج ۲ ص ۳۳۷

يَبْلُغَ قَفَاهُ ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْآخَرِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَيَلْتَئِمُ
شِدْقُهُ هٰذَا فَيَعُودُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا
انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى
قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِهِ بِفِهْرٍ أَوْ صَخْرَةٍ فَيَشْدَخُ
بِهَا رَأْسَهُ فَإِذَا ضَرَبَهُ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهُ
فَلَا يَرْجِعُ إِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَأْسُهُ وَعَادَ رَأْسُهُ كَمَا
هُوَ فَعَادَ إِلَيْهِ فَضَرَبَهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا
إِلٰى نَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّورِ أَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَأَسْفَلُهُ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ
تَحْتَهُ نَارًا فَإِذَا اقْتَرَبَ ارْتَفَعُوا حَتّٰى كَادُوا يَخْرُجُونَ
فَإِذَا خَمِدَتْ رَجَعُوا فِيهَا وَفِيهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ
فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ
مِنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى وَسَطِ النَّهَرِ قَالَ يَزِيدُ
وَوَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ وَعَلٰى شَطِّ النَّهَرِ
رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهَرِ
فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ رَمَاهُ الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِي فِيهِ فَرَدَّهُ
حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِي فِيهِ
بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا إِلٰى رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فِيهَا شَجَرَةٌ
عَظِيمَةٌ وَفِي أَصْلِهَا شَيْخٌ وَصِبْيَانٌ وَإِذَا رَجُلٌ قَرِيبٌ
مِنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُوقِدُهَا فَصَعِدَا بِي فِي
الشَّجَرَةِ فَأَدْخَلَانِي دَارًا لَمْ أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ وَأَفْضَلَ
مِنْهَا فِيهَا رِجَالٌ شُيُوخٌ وَشَبَابٌ وَنِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ ثُمَّ
أَخْرَجَانِي مِنْهَا فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ فَأَدْخَلَانِي دَارًا
هِيَ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ فِيهَا شُيُوخٌ وَشَبَابٌ قُلْتُ طَوَّفْتُمَانِي
اللَّيْلَةَ فَأَخْبِرَانِي عَمَّا رَأَيْتُ قَالَا نَعَمْ أَمَّا الَّذِي رَأَيْتَهُ
يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالْكَذْبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ
حَتّٰى تَبْلُغَ الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَالَّذِي
رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَنَامَ عَنْهُ
بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيهِ بِالنَّهَارِ يُفْعَلُ بِهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک شخص کھڑا تھا' اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا تھا جسے اس کے جبڑے میں داخل کر کے گدی تک لے جاتا' پھر اس کے دوسرے جبڑے کے ساتھ یہی کرتا اور اس کا پہلا والا جبڑا ابھر جاتا' پھر لوٹتا اور ویسے ہی کرتا۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا: چلئے! ہم چلے' یہاں تک کہ چت لیٹے ہوئے ایک شخص کے پاس پہنچے' ایک شخص اس کے سر پر لوہے کا موسل یا پتھر لیے کھڑا ہے اور اس سے اس کے سر کو مارتا ہے' جب مارا تو پتھر لڑھک جاتا' یہ شخص جا کر اس پتھر کو لے آتا' وہ جب تک لوٹتا اس کا سر ٹھیک ہو جاتا اور اس کا سر ویسے ہی ہو جاتا جیسا پہلے تھا۔ وہ شخص پلٹ کر پھر اسے مارتا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ ان دونوں نے کہا: تشریف لے چلئے! اب ہم تنور کے مثل ایک سوراخ پر پہنچے' اس کے اوپر کا حصہ تنگ ہے اور نیچے کا چوڑا ہے' اس کے نیچے آگ بھڑک رہی ہے' پس جب وہ اوپر قریب ہوتے اتنا کہ معلوم ہوتا کہ نکل پڑیں گے تو آگ ٹھنڈی ہو جاتی' جب آگ دھیمی پڑ جاتی تو پھر اس میں لوٹ جاتے' اس میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں' میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو ان دونوں صاحبوں نے کہا: آگے چلیں! ہم چلے' یہاں تک کہ ایک خون کی ندی پر آئے' اس میں ایک شخص کھڑا ہے اور ندی کے بیچ میں یا ندی کے کنارے بھی ایک شخص کھڑا ہے' جس کے آگے پتھر ہیں' جو شخص ندی میں ہے وہ آگے آتا ہے' جب چاہتا ہے کہ نکل جائے' وہ شخص پتھر سے اس کے منہ پر مارتا ہے تو اسے وہیں لوٹا دیتا ہے جہاں تھا' جب بھی وہ آتا ہے کہ نکل جائے اس کے منہ پر وہ شخص دوسرا پتھر مارتا ہے تو جہاں تھا وہیں لوٹ جاتا ہے' میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا: چلئے! پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک ہرے بھرے باغ تک پہنچے جس میں ایک بڑے درخت کی جڑ میں ایک بزرگ ہیں اور کچھ بچے ہیں اور اس درخت کے قریب ایک شخص ہے جس کے آگے آگ ہے جسے بھڑکا رہا ہے' وہ دونوں مجھے لے کر اس درخت پر چڑھے اور مجھے ایسے گھر میں لے گئے کہ اس سے اچھا عمدہ کوئی گھر میں نے نہیں دیکھا تھا' اس میں کچھ بوڑھے کچھ جوان مرد ہیں اور کچھ عورتیں اور بچے ہیں'

وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی النَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی النَّهْرِ اٰكِلُوا الرِّبَا وَالشَّیْخُ فِیْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ اِبْرَاهِیْمُ وَالصِّبْیَانُ حَوْلَهٗ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَالَّذِیْ یُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلٰی الَّتِیْ دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَآءِ وَاَنَا جِبْرِیْلُ وَهٰذَا مِیْكَائِیْلُ فَارْفَعْ رَأْسَكَ فَرَفَعْتُ رَأْسِیْ فَاِذَا فَوْقِیْ مِثْلُ السَّحَابِ قَالَا ذَالِكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِیْ اَدْخُلْ مَنْزِلِیْ قَالَا اِنَّهٗ بَقِیَ لَكَ عُمُرٌ لَّمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَلَوِ اسْتَكْمَلْتَ اَتَیْتَ مَنْزِلَكَ.

(بخاری۔ باب۔ ص ۱۸۵' کتاب البیوع۔ باب: اکل الربٰوا وشاهده ص ۲۷۹' کتاب الجهاد۔ باب: درجات المجاهدین ص ۳۹۱' کتاب بدء الخلق۔ باب: اذا قال احدکم 'امین ص ۴۵۷' کتاب ذکر الانبیاء۔ باب: قول اللّٰه عزوجل واتخذ اللّٰه ابراهیم خلیلا ص ۴۷۳' کتاب صلوٰۃ اللیل۔ باب: عقد الشیطان علی قافیة الراس ص ۱۵۳' کتاب الادب۔ باب: قول اللّٰه واتقوا اللّٰه وکونوا مع الصادقین ص ۹۰۰' کتاب تعبیر الرؤیا۔ باب: بعد صلوٰۃ الصبح ص ۱۰۴۳' ابن ماجہ۔ کتاب التجارات' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۱۴)

پھر مجھے اس گھر سے باہر لائے اور اس درخت پر لے کر چڑھے اور مجھے ایک گھر کے اندر لے گئے جو پہلے سے بھی اچھا اور عمدہ تھا' اس میں کچھ بوڑھے کچھ جوان تھے۔ میں نے کہا: تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا' اب جو کچھ میں نے دیکھا ہے اسے بتاؤ! دونوں نے کہا: ضرور! وہ جس کا جبڑا چیرا جاتا تھا' جھوٹا ہے' جو جھوٹ بولتا ہے اور اس سے نقل کر کے دور دور پہنچ جاتا ہے' اس کے ساتھ قیامت تک یہی کیا جائے گا' اور جس کے سر کو کچلا جاتا تھا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطاء فرمایا' اس سے غافل ہو کر رات کو سویا اور دن میں اس پر عمل نہیں کیا' اس کے ساتھ قیامت تک یہی کیا جائے گا' اور جنہیں غار میں دیکھا زانی ہیں اور جنہیں ندی میں دیکھا سود خور ہیں اور اس درخت کی جڑ میں جو بزرگ تھے وہ ابراہیم ہیں اور ان کے ارد گرد لوگوں کے بچے ہیں' اور جو آگ بھڑکا رہے ہیں' مالک جہنم کے خازن ہیں اور وہ پہلا گھر جس میں آپ تشریف لے گئے تھے' عام مسلمانوں کا گھر ہے اور یہ شہداء کا' اور میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں' اپنے سر کو اُٹھائیے! میں نے اپنے سر کو اُٹھایا تو میرے اوپر بادل کے مانند ہے' انہوں نے بتایا: یہ آپ کی جگہ ہے' اب میں نے کہا: مجھے چھوڑ دو! میں اپنے گھر میں جاؤں! تو کہا: آپ کی عمر ابھی باقی ہے' جسے پوری نہیں فرمایا ہے' جب اسے پوری فرمائیں گے تو اپنے گھر تشریف لے جائیں گے۔

تکمیل

یہ یہاں کے علاوہ دوسرے ابواب میں اختصار کے ساتھ ہے' البتہ کتاب التعبیر میں اس سے بھی زیادہ تفصیل اور زیادتی کے ساتھ ہے' البتہ کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ وہاں عالم بے عمل کا قصہ پہلے ہے اور جھوٹے کا بعد میں اور یہ زیادتی ہے کہ اس کے منخر اور آنکھ کو بھی جبڑے کی طرح چیرتا ہے اور زانیوں کے بارے میں یہ ہے: تنور کے مثل ایک عمارت کے پاس آئے' اس میں شور و شغب تھا۔ اس میں جھانک کر دیکھا تو ننگے مرد عورتیں تھے۔ جب انہیں آگ کی لپٹ پہنچتی تو چیختے۔ اور سود خوار کے بارے میں ہے کہ ہم ایک ندی کے پاس آئے جو خون کی طرح سرخ تھی' اس میں ایک شخص تیر رہا ہے' وہ تیرتا ہوا نہر کے کنارے والے کے پاس آتا ہے جس نے بہت پتھر جمع کر رکھے ہیں تو یہ اس کا منہ کھول کر اس میں پتھر ڈال دیتا ہے۔ اور خازن نار کے بارے میں ہے کہ ہم ایک ایسی خوف ناک صورت والے مرد کے پاس آئے کہ تم نے زیادہ سے زیادہ جو خوف ناک صورت والا دیکھا ہوگا' اس سے بھی زیادہ خوف ناک تھا۔ آگے ہے: پھر ہم ایک گھنے باغ میں گئے' جس کے بیچ میں ایک اتنے دراز قد شخص ہیں کہ ان کا سر فضا میں اتنا اونچا ہے کہ میں اسے دیکھ نہیں سکا۔ اس کے بعد ہے: ہم ایسے بڑے باغ کے پاس پہنچے کہ اس سے بڑا اور اچھا باغ میں نے نہیں دیکھا۔

اوپر چڑھے تو ایک ایسے شہر میں پہنچے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا' دروازہ کھلوا کر اندر گئے تو ہم کو ایسے لوگ ملے کہ ان کا آدھا دھڑ خوبصورت سے خوبصورت تر ہے اور آدھا بدصورت سے بدصورت۔ میرے دونوں ساتھیوں نے ان لوگوں سے کہا: ہمارے ساتھ آؤ! اور اس نہر میں جاؤ۔ ایک چوڑی نہر بہہ رہی تھی' اس کا پانی سفید براق تھا۔ اس نہر میں وہ لوگ گئے اور نکلے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور حسین تر ہو گئے۔ مجھے ان دونوں نے بتایا کہ یہ جنت عدن ہے اور آپ کی یہ جگہ ہے۔ میں نے اوپر نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ تہ بہ تہ جمے ہوئے بادل کی طرح ایک محل ہے۔ ان دونوں نے کہا: یہ آپ کی جگہ ہے۔ اخیر میں یہ زائد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اردگرد بچے ہیں جو فطرت پر مرے ہیں۔ کچھ مسلمانوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور مشرکین کی اولاد بھی؟ تو فرمایا: اور مشرکین کی اولاد بھی۔

ارضِ مقدسہ

اس سے بیت المقدس مراد ہے' مسند امام احمد کی روایت میں یہ ہے: ایک کھلی ہوئی سرزمین پر لے گئے' ظاہر ہے کہ دونوں میں منافات نہیں۔

اثبات باب

حدیث کا یہ حصہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس لوگوں کے بچے تھے' اس کی دلیل ہے کہ نابالغ بچے جنت میں جائیں گے۔ اس کے عموم میں کفار کے بچے بھی داخل ہیں بلکہ تعبیر الرویاء کی روایت اس پر نص ہے کہ کفار کے بچے بھی جنت ہی میں رہیں گے۔

اقول وباللہ التوفیق: اس کے معارض دوسری احادیث ہیں' مثلاً اسی باب کی پہلی حدیث کہ فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے۔

نیز مشکوٰۃ کی یہ حدیث کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے ان دو بچوں کے بارے میں دریافت کیا جو پہلے شوہر سے تھے تو فرمایا: جہنم میں ہیں' دریافت فرمایا کہ حضور سے جو بچے تھے وہ؟ تو فرمایا: جنت میں' پھر ارشاد فرمایا: مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہیں' اور مشرکین اور ان کی اولاد جہنم میں' پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ'' (الطور: ۲۱) ایمان والوں کی اولاد ان کے تابع ہے[1] نیز اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مؤمنین کی اولاد کہاں ہوگی؟ تو فرمایا: اپنے آباء کے ساتھ' میں نے عرض کیا: بغیر عمل کے؟ فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے' پھر میں نے پوچھا: اور مشرکین کی اولاد؟ تو فرمایا: اپنے آباء کے ساتھ' میں نے عرض کیا: بغیر عمل کے؟ تو فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے۔ (مشکوٰۃ۔ ج ا۔ ص ۲۲' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب السنۃ۔ باب: ذراری المشرکین ص ۲۹۲)

نیز ابھی حدیث گزری ہے کہ یہودی بچہ جب مسلمان ہو گیا تو فرمایا: اس اللہ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچایا' اس سے ثابت ہوا کہ اگر مسلمان نہ ہوتا تو جہنم میں ہوتا۔

مذہب احناف' اولاد مشرکین کے بارے میں

جب دلائل متعارض ہیں اور ترجیح کی کوئی صورت نہیں تو حق وہی ہے جو احناف کہتے ہیں کہ توقف کرنا چاہیے۔ امام ابوالبرکات نسفی نے کافی میں فرمایا کہ توقف کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے تمام بچوں کے بارے میں ایک حکم نہیں لگا سکتے' ان میں کچھ نجات

[1] مشکوٰۃ۔ ج ا ص ۲۳' مسند امام احمد۔ ج ا ص ۱۳۴

پائیں گے اور کچھ عذاب' یہی امام مالک کا مذہب ہے جیسا کہ علامہ عبدالبر نے تمہید میں ذکر فرمایا ہے' اور امام شافعی کا بھی' اور امام احمد سے دو قول مروی ہیں' البتہ ابن قیم نے شفاء العلیل میں یہ اختیار کیا کہ نجات پائیں گے' آج کل کے نجدیوں نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ مشہور یہ کیا جاتا ہے کہ ابن تیمیہ کا بھی یہی مذہب ہے مگر اس کے فتاویٰ میں توقف ہے۔

۸۰۹- ح: وَفَاتُ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

۸۰۹ - عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ فِیْ کَمْ کَفَّنْتُمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فِیْ ثَلَاثَۃِ اَثْوَابٍ بِیْضٍ سَحُوْلِیَّۃٍ لَیْسَ فِیْہَا قَمِیْصٌ وَّلَا عِمَامَۃٌ وَّقَالَ لَہَا فِیْ اَیِّ یَوْمٍ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ قَالَ فَاَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا قَالَتْ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ قَالَ اَرْجُوْ فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ اللَّیْلِ فَنَظَرَ اِلٰی ثَوْبٍ عَلَیْہِ کَانَ یُمَرَّضُ فِیْہِ بِہٖ رَدْعٌ مِّنْ زَعْفَرَانٍ فَقَالَ اغْسِلُوْا ثَوْبِیْ ھٰذَا وَزِیْدُوْا عَلَیْہِ ثَوْبَیْنِ فَکَفِّنُوْنِیْ فِیْہَا قُلْتُ اِنَّ ھٰذَا خَلَقٌ قَالَ اِنَّ الْحَیَّ اَحَقُّ بِالْجَدِیْدِ مِنَ الْمَیِّتِ اِنَّمَا ھُوَ لِلْمُھْلَۃِ فَلَمْ یَتَوَفَّ حَتّٰی اَمْسٰی مِنْ لَیْلَۃِ الثُّلَاثَاءِ وَدُفِنَ قَبْلَ اَنْ یُّصْبِحَ.

(بخاری۔ باب: موت یوم الاثنین ص۱۸۶)

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وصال]

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی تو انہوں نے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تم نے کو کتنے کپڑوں میں کفنایا تھا؟ میں نے بتایا کہ تین سفید سحولی کپڑوں میں جس میں (سلا ہوا) کرتا اور عمامہ نہ تھا اور انہوں نے اُم المؤمنین سے پوچھا: کس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی' اُم المؤمنین نے بتایا: دوشنبہ کو' انہوں نے پوچھا: یہ کون سا دن ہے؟ انہوں نے عرض کیا: دوشنبہ' تو فرمایا: میں اُمید کرتا ہوں کہ میری وفات اس وقت اور رات کے درمیان ہے' پھر اپنے اس کپڑے کو دیکھا جو ان کے بدن پر تھا' جس میں بیماری کے دن گزار رہے تھے' جس پر زعفران کا دھبہ تھا تو فرمایا کہ میرے اس کپڑے کو دھو لینا اور دو اور کپڑے بڑھا کر ان میں مجھے کفنانا' میں نے کہا: یہ پرانا ہے' تو فرمایا: زندہ بہ نسبت مُردے کے نئے کا زیادہ حق دار ہے' یہ نیا کپڑا مہلت والے کے لیے ہے' مگر اس دن وفات نہ ہوئی یہاں تک کہ سہ شنبہ کی رات آ گئی تو وفات ہوئی اور صبح سے پہلے پہلے دفن کر دیے گئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سہ شنبہ کی رات میں عشاء اور مغرب کے درمیان ۱۳ھ میں ۶۳ سال کے ہو کر واصل بحق ہوئے' رات ہی میں صبح صادق سے پہلے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بر بناء قول صحیح اس طرح دفن ہیں کہ ان کا روئے انور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کے مقابل ہے' اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ان کے سینے کے مقابل ہے' اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پاؤں حجرہ مبارکہ کی شرقی دیوار کے متصل تھا' یہاں تک کہ جب ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حجرۂ مبارکہ کی دیوار گرا کر بنیاد کھدوائی تو ان کا پاؤں کھل گیا تھا' جیسا کہ بخاری میں ابھی آ رہا ہے۔

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا] مرضِ وصال

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال کس مرض میں ہوا؟ اس بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں' اول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے صدمے سے گھلتے گھلتے قویٰ نے جواب دے دیا' یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے' جیسا کہ سیف بن عمر نے کہا ہے۔ ابن سعد نے امام زہری سے نقل کیا کہ کھانے میں ایک سال کا میعادی زہر ملا کر کسی نے بھیجا تھا' اسے حضرت صدیق اکبر اور حارث بن کلدہ نے کھایا' اس کے بعد دونوں بیمار رہے اور ایک سال پر ایک دن دونوں نے انتقال کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک دن ٹھنڈک تھی' غسل فرمایا' جس

کے اثر سے بخار آیا، پندرہ دن علیل رہ کر وصال فرمایا۔ ان اقوال میں تعارض نہیں، ہوسکتا ہے تینوں اسباب جمع ہو گئے ہوں۔

ان الحی حق بالجدید

یہ صدیق اکبر کی تواضع تھی، ورنہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ مُردوں کو اچھا کفن دو، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا: مجھے اسی کپڑے میں کفنانا، میں اس میں نماز پڑھتا تھا[1] اس سے معلوم ہوا کہ جس لباس میں عبادت کی جائے وہ بھی متبرک ہو جاتا ہے اور اسے کفن بنانا صحابہ کی سنت ہے۔ علامہ عینی نے ایک احتمال یہ نکالا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کپڑا حضور اقدس ﷺ نے عطا فرمایا ہو۔

للمهلة

''انما هو للمهلة''، ''مُهلةٌ'' کے کئی معنی آتے ہیں، پیپ اور پانی جو جسم سے نکلے، پگھلایا ہوا سیسہ، تیل کا سیاہ تلچھٹ، قطران کی ایک قسم معنی مشہور، یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ضمیر کا مرجع جدید ہو، اب معنی یہ ہوں گے کہ نیا کپڑا اس کے لیے ہے کہ جسے مہلت ہے، یعنی زندہ رہنا ہے، دوسرے یہ کہ اس کا مرجع کفن ہو، جس پر ''کفنونی'' دلالت کر رہا ہے اور ''مُهلةٌ'' کے معنی پیپ کے ہوں۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ کفن اس پانی اور پیپ میں آلودہ ہونے کے لیے ہے جو میت کے جسم سے نکلے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دوشنبہ کے دن موت اچھی ہے، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال اسی دن ہوا ہے، اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جس دن اور جس وقت اللہ عزوجل کا کوئی محبوب بندہ واصل بحق ہوا ہو، وہ دن اور وہ وقت موت کے لیے اچھا ہے، اسی طرح جس دن، جس وقت، جس چیز کو صلحا سے نسبت ہو، وہ متبرک ہے۔

۸۱۰- ح: اِنَّ اُمِّیْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا [میری ماں اچانک انتقال کر گئی]

۸۱۰ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میری ماں اچانک انتقال کر گئیں، میں گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت بول پاتیں تو صدقہ کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو انہیں ثواب ملے گا، فرمایا: ضرور ملے گا۔

(بخاری۔ باب: موت الفجاة والبغتة ص۱۸۶، کتاب الوصایا۔ باب: ما یستحب لمن توفی فجاة ان یتصدقوا عنه ص۳۸۶، مسلم۔ کتاب الزکوۃ۔ کتاب الوصیۃ، ابن ماجہ۔ کتاب الوصایا، مسند امام احمد۔ ج۶ ص۵۱)

یہ صاحب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ دوسری احادیث میں مذکور ہے، یہ حدیث ایصال ثواب کی اصل ہے جس پر تفصیلی بحث اثبات ایصال ثواب (یہ رسالہ دائرۃ البرکات سے شائع ہو چکا ہے) میں ہو چکی ہے اور آئندہ اس پر کلام ہوگا۔

۸۱۱- ح: اَیْنَ اَنَا الْیَوْمَ اَیْنَ اَنَا غَدًا؟ [آج کے دن میں کہاں ہوں، کل کہاں رہوں گا؟]

۸۱۱ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَتَعَذَّرُ فِیْ مَرَضِهٖ اَیْنَ اَنَا الْیَوْمَ اَیْنَ اَنَا غَدًا اِسْتِبْطَاءً لِیَوْمِ عَائِشَةَ فَلَمَّا كَانَ یَوْمِیْ قَبَضَهُ اللّٰهُ بَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ وَدُفِنَ فِیْ بَیْتِیْ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرضِ وصال میں عائشہ کی باری میں دیر کا احساس کر کے اس طرح کوفت کو ظاہر فرماتے تھے: آج میں کہاں ہوں؟ کل میں کہاں رہوں گا؟ جب میری باری کا دن ہوا تو اللہ نے انہیں اس حال میں

[1] عمدۃ القاری ج۸ ص۲۳۰، بحوالہ ابن سعد

اُٹھایا کہ میرے سینے اور گلے کے مابین تھے' اور میرے گھر میں دفن ہوئے۔ (بخاری۔ باب: ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۸۶' مسلم۔ کتاب فضائل الصحابہ)

یہ حدیث اختصار و تفصیل کے ساتھ بخاری میں جہاد' فضائل صحابہ' مغازی' نکاح میں بھی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی مرضی معلوم ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات نے اس کی اجازت دے دی' اور حضور اقدس ﷺ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے' جس کی قدرے تفصیل گزر چکی ہے' بقیہ آئندہ آئے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو حضرت عائشہ کے ساتھ کتنی محبت تھی؟ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا اندازہ لگائیں کہ وہ محبوبِ خدا کی محبوب ہیں' اس لیے جو بدنصیب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عداوت رکھے' حقیقت میں وہ محبوبِ خدا کا دشمن ہے۔ حضرت شیر خدا نے فرمایا: تیرے دشمن تین ہیں' براہِ راست تیرا دشمن' تیرے دوست کا دشمن اور تیرے دشمن کا دوست۔

۸۱۲ - ح: قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی ﷺ کی قبر انور]

۸۱۲ - عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا۔

سفیان تمار سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کی قبر انور کو دیکھا ہے کہ وہ کوہان نما ہے۔

(بخاری۔ باب: فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۸۶)

سفیان تمار کبار تابعین میں سے ہیں' صحابہ کرام کا زمانہ پایا مگر کسی صحابی سے روایت نہیں کی۔ یہ سفیان بن دینار عصفری کوفہ کے باشندے تھے۔ امام بخاری نے ان کا صرف یہی ایک قول ذکر فرمایا ہے' ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

تکمیل

امام ابن ابی شیبہ نے یہ زیادہ کیا ہے: ابوبکر اور عمر کی قبریں بھی مسنم یعنی کوہان نما ہیں۔ حضرت امام ابراہیم نخعی نے فرمایا: جس شخص نے نبی ﷺ اور صاحبین کی قبریں دیکھی ہیں' اس نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ سب مسنم زمین سے اُبھری ہوئی ہیں۔ ان پر سفید سنگ مرمر ہے۔ امام شعبی نے فرمایا: میں نے خود شہداء اُحد کی قبریں مسنم دیکھی ہیں۔ اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی قبریں بھی' ایسی ہی یعنی کوہان نما بنائی گئی تھیں۔ ان سب سے ثابت ہوا کہ قبر کو کوہان نما مسنم بنانا چاہیے نہ کہ ہموار چبوترے کے مثل۔

۸۱۳- ح: فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا

[ایک قدم ظاہر ہوا تو لوگ گھبرا گئے]

۸۱۳ - عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ لَمَّا سَقَطَ عَلَيْهِمُ الْحَائِطُ فِيْ زَمَانِ الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ اَخَذُوْا فِيْ بِنَائِهٖ فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا وَجَدُوْا اَحَدًا يَّعْلَمُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللّٰهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هِيَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ۔

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جب حجرۂ حضرت عائشہ کی دیوار (شرقی) گر گئی لوگوں نے اس کی تعمیر شروع کی تو ایک قدم ظاہر ہوا' اس پر لوگ گھبرا گئے اور لوگوں نے گمان یہ کیا کہ یہ نبی ﷺ کا قدم ہے' کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو یہ جانتا ہو یہاں تک کہ عروہ نے کہا: بخدا! یہ نبی ﷺ کا قدم نہیں' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔

(بخاری۔ باب: ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۸۶)

ولید مشہور اموی سفاک عبدالملک کا سب سے بڑا بیٹا تھا' عبدالملک کی وصیت کے مطابق اس کے مرنے کے بعد ۸۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ۹۶ھ وسط جمادی الآخرہ میں مر گیا۔ اسی کے عہد میں اسپین' ترکستان کا اکثر حصہ اور سندھ فتح ہوا تھا۔ اس کے یادگار

کارناموں میں دمشق کی جامع اموی ہے اور مسجد نبوی کی توسیع۔ جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد اقدس تنگ ہوگئی تو اس نے ازواج مطہرات سے حجرات مبارکہ خریدے اور والی مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ حجرات مبارکہ گرا کر مسجد میں شامل کر لیے جائیں۔ اسی موقع پر جب حجرۂ حضرت عائشہ کی مشرق والی دیوار گرا کر بنیاد کھودی جانے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم پاک ظاہر ہوگیا' جگہ کی تنگی کی وجہ سے ان کی لحد مبارک کا کچھ حصہ مشرقی دیوار کے اندر آ گیا تھا' حجرۂ مبارکہ کی تعمیر کے بعد حجرۂ مبارکہ کے چاروں طرف ایک پنج پہل احاطہ بنوا دیا' جس کا شمالی حصہ مثلث نما ہے۔

پھر متوکل عباسی شہنشاہ نے اس پر سنگ مرمر چڑھایا' اس کے بعد ۵۴۸ھ میں عباسی شہنشاہ مقتفی نے اس کی تجدید کی اور اس کے اردگرد صندل اور آبنوس کی چھت تک بلند جالیاں لگا دیں۔

۸۱۴- ح: وَادْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي

[مجھے میری ازواج کے ساتھ (بقیع) میں دفن کرنا]

۸۱۴ - عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا اَوْصَتْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا تَدْفِنِّي مَعَهُمْ وَادْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي بِالْبَقِيعِ لَا اُزَكّٰى بِهٖ اَبَدًا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت کی کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ مت دفن کرنا' دوسری ازواج کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا' میں یہاں دفن ہو کر ہرگز اپنا تقدس ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔

(بخاری۔ باب: قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۸۶' ج۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۰۸۹)

اس کے بعد حدیث آ رہی ہے کہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کا پہلے یہی ارادہ تھا کہ اسی حجرے میں دفن کی جاؤں' مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب وہاں دفن ہو گئے تو ارادہ بدل دیا' اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت اُم المؤمنین کی غیرت نے اسے پسند نہ کیا ہو۔ حجرۂ مبارکہ میں اب بھی ایک قبر کی جگہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب نے فرمایا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے۔ (عمدۃ القاری۔ ج۸ ص۲۲۵)

۸۱۵- ح: وَفَاتُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

[حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وصال]

۸۱۵ - عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْ يَقْرَاُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلَامَ ثُمَّ سَلْهَا اَنْ اُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ قَالَتْ كُنْتُ اُرِيْدُهٗ لِنَفْسِي فَلَاُوْثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلٰى نَفْسِي فَلَمَّا اَقْبَلَ قَالَ لَهٗ مَا لَدَيْكَ قَالَ اَذِنَتْ لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مَا كَانَ شَيْءٌ اَهَمَّ اِلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ الْمَضْجَعِ فَاِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُوْنِي ثُمَّ سَلِّمُوْا ثُمَّ قُلْ يَسْتَاْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاِنْ اَذِنَتْ لِي فَادْفِنُوْنِي وَاِلَّا فَرُدُّوْنِي اِلٰى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ اِنِّي

عمرو بن میمون اودی نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا' انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ عمر بن خطاب آپ کو سلام کہتا ہے' اس کے بعد ان سے سوال کرو (کہ میں چاہتا ہوں) کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جاؤں۔ (حضرت ابن عمر نے ایسا ہی کیا) تو اُم المؤمنین نے فرمایا: اس جگہ کا میں اپنے لیے ارادہ رکھتی تھی' آج انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب وہ واپس آئے تو حضرت عمر نے پوچھا: تیرے پاس کیا خبر ہے؟ عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اُم المؤمنین نے آپ کو اجازت دے دی' تو فرمایا: اس آرام گاہ سے زیادہ

لَا اَعْلَمُ اَحَدًا اَحَقَّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ فَمَنِ اسْتَخْلَفُوْا بَعْدِيْ فَهُوَ الْخَلِيْفَةُ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا فَسَمّٰى عُثْمَانَ وَعَلِيًّا وَّطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرَ وَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَّسَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَّوَلَجَ عَلَيْهِ شَابٌّ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اَبْشِرْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِبُشْرٰى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ كَانَ لَكَ مِنَ الْقَدَمِ فِي الْاِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ ثُمَّ اسْتُخْلِفْتَ فَعَدَلْتَ ثُمَّ الشَّهَادَةُ بَعْدَ هٰذَا كُلِّهٖ فَقَالَ لَيْتَنِيْ يَا ابْنَ اَخِيْ وَذٰلِكَ كَفَافٌ لَّا عَلَيَّ وَلَا لِيْ اُوْصِي الْخَلِيْفَةَ مِنْ بَعْدِيْ بِالْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ خَيْرًا اَنْ يَّعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ وَاَنْ يَّحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ وَاُوْصِيْهِ بِالْاَنْصَارِ خَيْرًا ﴿الَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ﴾ (الحشر:۹) اَنْ يُّقْبَلَ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَيُعْفٰى عَنْ مُّسِيْئِهِمْ وَاُوْصِيْهِ بِذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّوَفّٰى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَاَنْ يُّقَاتَلَ مِنْ وَّرَائِهِمْ وَاَنْ لَّا يُكَلَّفُوْا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ.

(بخاری۔ باب: قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۸۶، مناقب عثمان۔ باب: قصۃ والبیعۃ والاتفاق علی عثمان ص ۵۲۴)

میرے نزدیک کوئی چیز اہم نہ تھی' جب میری روح قبض کر لی جائے تو مجھے اُٹھا کر (دردولت پر لے جانا) پھر سب لوگ سلام عرض کرنا' اس کے بعد اے عبداللہ! تم عرض کرنا کہ عمر بن خطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے' اگر پھر اجازت مرحمت فرمائیں تو وہاں مجھے دفن کرنا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں لوٹا دینا' میں خلافت کا زیادہ حق دار اس گروہ سے زیادہ کسی کو نہیں جانتا جن سے رسول اللہ ﷺ راضی رہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے' میرے بعد یہ لوگ جسے خلیفہ بنا دیں وہ خلیفہ ہے' اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا اور حضرات عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کا نام لیا۔ اور امیر المؤمنین کی خدمت میں انصار کا ایک جوان حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ کو اللہ عزوجل کی جانب سے بشارت ہو! آپ قدیم الاسلام ہیں یا اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے وہ سب جانتے ہیں' پھر خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے عدل کیا' پھر ان سب کے بعد آپ کو شہادت نصیب ہوئی' اس پر فرمایا: کاش کہ اے بھتیجے! یہ سب برابر سرابر ہوتا' نہ مجھ پر عذاب ہو اور نہ ثواب ملے' اپنے بعد والے خلیفہ کو مہاجرین اوّلین کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کا حق پہچانے اور ان کی عزت کی حفاظت کرے اور انصار کے لیے اچھائی کی وصیت کرتا ہوں' جنہوں نے دارالہجرت کو مسکن بنایا اور سچے دل سے ایمان قبول کیا کہ ان کے احسان کرنے والے کے احسان کو قبول کرے اور لغزش کرنے والوں کی لغزش سے درگزر کرے اور اللہ و رسول کے ذمے کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرے اور ان کی حفاظت میں لڑے اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔

یہ ایک لمبی حدیث کا جز ہے' جو مناقب عثمان میں مفصل آئے گی۔ معلوم نہیں وہاں تک شرح لکھنے کی توفیق ہو یا نہ ہو' اس لیے جو حصہ یہاں مذکور ہے' اسے تحریر کر دیا۔ کتاب الاعتصام میں حضرت عروہ کی حدیث میں ہے کہ بہت سے صحابہ نے حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہی مگر کسی کو اجازت نہیں ملی۔ جب حضرت فاروق اعظم کا پیغام پہنچا تو بلاتوقف اجازت مرحمت فرما دی اور وہ ارشاد فرمایا جو حدیث میں مذکور ہے کہ انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ام المؤمنین کے قلب میں حضرت عمر کی کتنی عظمت تھی' ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمر' ام المؤمنین کا کتنا ادب ملحوظ فرماتے تھے۔ ان کے قلب نازک پر ادنیٰ سا دباؤ

بھی ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسی لیے یہ بھی وصیت فرمادی کہ غسل وکفن کے بعد درِاقدس پر حاضر ہو کر دوبارہ اجازت کی درخواست پیش کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ حیاتِ ظاہری میں رعب ودباؤ محسوس کر کے اجازت دی ہو، یہ اپنے حجرے میں دفن کی اجازت حضرت اُم المؤمنین کا اتنا بڑا ایثار ہے، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

فمن استخلفوا فهو الخليفة

اس سے ظاہر ہو گیا کہ خلیفہ وقت اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے چند افراد کی کمیٹی بنادے اور وہ کسی کو خلیفہ مقرر کردیں تو اس کی خلافت برحق ہے۔ اور اگر کسی کو نامزد کردے تو وہ بھی خلیفہ برحق ہے، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم کو نامزد کر دیا، اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو انتخاب کا حق صرف اربابِ حل وعقد، اصحابِ دین ودیانت عقل وفراست کو ہے، جیسے صدیق اکبر کا ہوا تھا۔

یزید کی نامزدگی صحیح نہیں تھی

آج کل وہابیوں کے مختلف طبقات کے افراد اس کا بہت زور وشور سے پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یزید خلیفہ برحق تھا، اس لیے سیّدنا امام حسین کا خروج یقیناً بغاوت تھا، اس لیے کہ جب سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد فرمادی تو وہ خلیفہ برحق ہو گئے، پھر جب انہوں نے یزید کو اپنا ولی عہد بنادیا تو وہ بلاشبہ خلیفہ برحق ہو گیا۔

اس پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے، اس خادم نے بھی اس پر مقالاتِ امجدی میں سیر حاصل بحث کی ہے، جسے تفصیل کا شوق ہو، وہ اس کا مطالعہ کرے۔ یہاں ایک اہم نکتے کی طرف ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو غیر مشروط طور پر خلافت نہیں سپرد فرمائی تھی کہ انہیں یہ حق حاصل ہو، تاکہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کریں۔ اس صلح نامے کی سب سے اہم اور بنیادی شرط یہ تھی کہ تمہارے بعد خلافت کا حق مجھے ہوگا اور میں خلیفہ ہوں گا۔ اس شرط کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی بھر خلافت کا حق تھا، اپنے بعد کسی کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق ہی حاصل نہیں تھا، اس لیے کہ وہ خلیفہ مطلق نہ تھے۔ ان کی خلافت مشروط و محدود تھی، اس لیے ان کا یزید کو ولی عہد بنانا صحیح نہ تھا، اور اس سے وہ کسی طرح خلیفہ نہ ہوا، اس لیے سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف جدوجہد بغاوت نہیں تھی، بلکہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے احیاء کی سعی جمیل تھی۔

ثم الشهادة

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے رسول کے شہر میں وفات عطا فرما! اس وقت اسلام کی شان وشوکت اوجِ ثریا سے ہمکنار تھی۔ غازیانِ اسلام ہند وچین، افریقہ کی سرحدیں پار کر چکے تھے، مدینہ طیبہ میں کسی جہاد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، بہ ظاہر اس دعا کا قبول ہونا متعذر تھا، مگر دنیا نے دیکھا کہ ایک اللہ کے محبوب بندے کی دعا کس طرح قبول ہوئی۔

[حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا] واقعۂ شہادت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ میں عجمی غلام رہیں مگر حضرت عباس کا اصرار تھا کہ کوئی حرج نہیں، غالباً یہ اس بناء پر تھا کہ اہل عرب عموماً صنعت وحرفت سے نا آشنا تھے اور عجمی اس کے ماہر تھے۔ حضرت عباس کا مقصود یہ رہا ہوگا کہ ان سے اہل عرب سیکھ لیں اور تمدن میں ترقی ہو۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا، ابولولو فیروز اس کا نام تھا۔ ایک دن وہ راستے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ملا اور درخواست کی کہ میرے اوپر میرے آقا نے ایک دینار یومیہ مقرر کر رکھا ہے، حضرت عمر نے فرمایا: یہ کچھ زیادہ نہیں تو بڑھئی بھی ہے، لوہار بھی ہے، نقاش بھی ہے، پھر اس سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تو ایسی چکی بنانا چاہتا ہے جو ہوا

سے چلے؟ اس نے کہا: میں آپ کے لیے ایسی چکی بنا دوں گا جس کا غلغلہ پوری دنیا میں ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ یہ مجھے دھمکی دے رہا ہے۔ یہ سہ شنبہ کا واقعہ ہے' دوسرے دن چہارشنبہ کو ابولؤلؤ دودھاری زہر آلود خنجر لیے ہوئے مسجد میں چھپا رہا' جب نماز فجر کی جماعت کا وقت ہوا تو فاروق اعظم نماز کے لیے مسجد آئے اور الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہتے ہوئے مصلّٰی پر کھڑے ہوئے کہ پیچھے سے ابولؤلؤ نے آکر خنجر سے حملہ کر دیا' تین یا چھ زخم لگائے۔ ایک اتنا کاری تھا کہ ناف پار کر گیا تھا۔ حضرت عمر یہ فرماتے ہوئے: مجھے کتے نے مار ڈالا' مجھے کتے نے مار ڈالا' گر پڑے۔ ابولؤلؤ دوطرفہ خنجر چلاتا ہوا بھاگا' تیرہ آدمیوں کو زخمی کیا جن میں چھ واصل بحق ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس پر چادر پھینک کر اسے دبوچ لیا' جب اس نے دیکھا کہ اب پھنس گیا ہوں تو اسی خنجر سے خودکشی کر لی' حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور لوگ حضرت عمر کو اٹھا کر گھر لائے۔ گھر آ کر دریافت فرمایا کہ مجھے کس نے قتل کیا ہے؟ جب بتایا گیا کہ ابولؤلؤ نے' تو اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ کسی مسلمان کا ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ ہوا' پھر طبیب کو بلایا' طبیب نے نبیذ پلائی جو بعینہٖ زخم سے باہر نکل آئی چونکہ نبیذ کا رنگ بھی سرخ ہوتا ہے' اس لیے صحیح تشخیص نہ ہو سکی کہ نبیذ ہی نکلی ہے یا خون؟ پھر دودھ پلایا گیا' یہ بھی زخم سے باہر آ گیا تو طبیب نے عرض کر دیا کہ اب امید زیست نہیں' جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے' اس کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے شوریٰ مقرر فرمائی' اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجرۂ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ تین دن کے بعد وصال فرمایا اور یک شنبہ کو دفن ہوئے۔ تاریخ وصال کے بارے میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ ۲۶ ذوالحجہ کو زخمی ہوئے اور یکم محرم کو دفن ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ۲۸ ذوالحجہ بروز دوشنبہ واصل بحق ہوئے' یہ حادثہ ۲۳ھ کا ہے۔ عمر مبارک تریسٹھ سال ہوئی۔ مدتِ خلافت دس سال چھ مہینے کچھ دن ہے' اگر ۲۸ ذوالحجہ کو وصال ہوا تو چھ دن اور پہلی محرم کو ہوا تو دس یا گیارہ دن۔

لیتنی

یہ ارشاد یا تو ازراہِ تواضع تھا یا اس بناء پر تھا کہ ایمان خوف و رجا کے مابین ہے' ورنہ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے بعد شبہہ اور شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

بالمهاجرين الاوّلين

مہاجرین اوّلین کے بارے میں تین قول ہیں' ایک یہ کہ وہ حضرات ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے خواہ حقیقۃً خواہ حکماً۔ یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی کہ شرکاءِ بدر کی مجموعی تعداد تین سو تیرہ ہے مگر میدانِ کارزار میں تین سو پانچ حضرات ہی تھے' اسی مہاجرین اور بقیہ انصار کرام' آٹھ حضرات جنگ میں شریک نہ ہوئے مگر انہیں بدر کے مالِ غنیمت سے حصہ ملا' اور بہ اتفاق وہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ ایک حضرت ذوالنورین عثمان رضی اللہ عنہ جنہیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ روک دیا تھا۔ دوسرے اور تیسرے حضرت طلحہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما' جو قریش کے کاروانِ تجارت کے تجسس میں بھیجے گئے تھے اور پانچ انصار کرام ہیں' ان کے اسماء گرامی معلوم نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ مہاجرین اوّلین وہ حضرات ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھی ہو' اس کا حاصل یہ ہوا کہ جن حضرات نے تحویل قبلہ سے پہلے ہجرت فرمائی' تیسرے وہ حضرات جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے ہوں' جن کی تعداد چودہ سو ہے۔

الذين تبوؤ الدار والايمان

''الدار'' سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ امام حسن بصری نے فرمایا: مدینہ طیبہ کے ناموں میں سے ایک ''الایمان'' بھی ہے اور اگر

یہاں ایمان کا معنی شرعی مراد لیا جائے تو اس کا عامل محذوف ہے یعنی ''اجابوا الی الایمان'' جنہوں نے صدقِ دل سے ایمان قبول کیا۔ انصار کرام اصل میں یمن کے باشندے تھے ان کے مورث اعلیٰ عمرو بن عامر نے جب سدِّ مآرب کی تباہی کے آثار دیکھے تو وہاں سے ترکِ سکونت کر کے بہ اشارۂ غیبی مدینہ طیبہ آ کر بس گئے۔ انہیں کی نسل میں حارثہ یا ثعلبہ العنقا ہے۔ اوس' خزرج اسی کے فرزند ہیں جن سے انصار کرام ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ محبوبانِ بارگاہ کے قریب دفن ہونے کی تمنا صحابہ کرام کی سنت ہے' تا کہ ان پر نازل ہونے والی رحمتوں اور زائرین کی دعائے خیر سے انہیں بھی نفع ہو۔

۸۱۶- ح: لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ [مُردوں کو بُرا نہ کہو]

۸۱۶- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُردوں کو بُرا مت کہو' کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا' اس کا بدلہ پا چکے۔

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما ینھی من سب الاموات ص ۱۸۷' نسائی۔ کتاب الجنائز)

''الاموات'' پر الف لام عہد کا ہے' اس سے مراد مسلمان مردے ہیں' جو فاسق معلن نہ ہوں' اس کی دلیل ابوداؤد اور ترمذی کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم'' اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی بُرائیوں سے منہ بند رکھو۔[1] فاسق معلن کے بارے میں عمدۃ القاری[2] میں محدث ابن بطال کا یہ قول مذکور ہے: ''وان کان فاسقاً معلناً فلا غیبة له فکذلك المیت'' فاسق معلن کے فسق کو بیان کرنا غیبت نہیں۔ اسی طرح فاسق معلن میت کا بھی جیسا کہ حدیث میں فرمایا: ''اذکروا والفاسق بما فیه متی یحذره الناس'' فاسق کے فسق کو بیان کرو' ورنہ لوگ اس سے کیسے بچیں گے۔ نیز اس حدیث میں ''الاموات'' سے صرف مسلمان مراد ہونا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے بھی ظاہر ہے جسے امام بخاری نے اس باب کے بعد ''باب ذکر شرار الموتٰی'' کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے' جس میں ہے:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: تیرے لیے دن بھر بربادی ہو! تو سورۂ تبت یدا نازل ہوئی' جس کی پہلی آیت یہ ہے: ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو گیا''۔ یہاں دوسرے نسخے میں ''علیه لعنة اللّٰه'' ہے' اسی کو علامہ عینی نے لیا ہے۔ اور ایک نسخے میں ''لعنه اللّٰه'' ہے' اسے سندالحفاظ علامہ ابن حجر نے لیا ہے۔ اسی سے باب کی مطابقت ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت ابن عباس اس پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ نیز یہ بتانا ہے کہ ابولہب ہی کے بارے میں سورۂ تبت یدا نازل ہوئی ہے۔ اس میں بھی اس کی ہجو اور بُرائی ہے' اس سے ثابت ہو گیا کہ کفار کی بُرائی بیان کرنا جائز ہے' اگرچہ وہ مر گئے ہوں۔

البتہ اگر مرنے والے کفار کے اہل و عیال مسلمان ہوں اور ان کے کافر ماں باپ اصول کی بُرائی کرنے سے انہیں ایذاء پہنچے تو اس سے بچنا ضروری ہے کہ اب یہ ایذاء مسلم ہے اور ایذاء مسلم جائز نہیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس ہی سے امام احمد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ کسی انصاری نے حضرت عباس کے کسی ایسے رشتہ دار کو جو کہ عہد جاہلیت میں مر چکے تھے' بُرا کہا تو مشتعل ہو کر حضرت عباس نے اس انصاری کو تھپڑ مار دیا۔ اس پر انصار بھڑک گئے' کہنے لگے: ہم انتقام لیں گے' یہاں تک کہ ہتھیار لگا کر آ گئے' اس کی

---

[1] ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۳۱۵۔ کتاب الادب۔ باب: فی النھی عن سب الموتٰی' ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۲۱۔ کتاب الجنائز۔ باب آخر

[2] عمدۃ القاری۔ ج ۸ ص ۲۳۰

اطلاع جب حضور اقدس ﷺ کو ہوئی تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور انصار سے فرمایا: عباس مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں' ہمارے مُردوں کو بُرا نہ کہو کہ ہمارے زندوں کو اذیت پہنچاؤ۔ انصار نے عرض کیا: ہم حضور کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں[1]

ایک دفعہ ابولہب کی صاحبزادی حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کو کسی نے بنت حطب النار کہہ دیا' انہوں نے خدمت اقدس میں شکایت کی تو حضور کو جلال آ گیا' ارشاد فرمایا:

ما بال اقوام یوذوننی فی قرابتی من اذانی فقد اذی اللّٰہ.

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میری قرابت کی وجہ سے مجھے ایذاء دیتے ہیں' جس نے مجھے ایذاء دی' اُس نے اللہ کو ایذاء دی۔

ان سب کے باوجود ضرورتِ شرعیہ کے وقت مسلمانوں کے معائب بہ قدرِ ضرورت بیان کرنا' کبھی جائز' کبھی واجب' کبھی فرض ہیں' اگر چہ وہ مر چکا ہو' مثلاً راویانِ احادیث پر جرح' گواہوں پر جرح وغیرہ وغیرہ۔

❁❁❁❁❁

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۸ ص ۲۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٢٤- کِتَابُ الزَّکٰوۃِ

[زکوٰۃ کا بیان]

زکوٰۃ کے لغوی معنی یہ ہیں: پاک کرنا' درست کرنا' بڑھنا' مدح۔ شریعت میں زکوٰۃ کے معنی یہ ہیں: مال کے ایک حصے کا جو شرع نے مقرر فرمایا ہے' اللہ کے لیے کسی مسلمان فقیر وغیرہ کو مالک کر دینا' بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی نہ ہو۔ زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی فرضیت قطعی اجماعی ہے' جو اس کا منکر ہو' کافر ہے اور جو نہ دے مستحق قتل ہے۔ اور تاخیر کرنے والا فاسق' مردود الشہادۃ ہے۔ اگر کسی بستی والے یا کوئی جماعت زکوٰۃ نہ دے تو سلطانِ اسلام کو اس سے قتال کا حکم ہے۔ یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ٨ ص ٢٥٥)

زکوٰۃ ہر مسلمان مرد وعورت' عاقل بالغ پر فرض ہے' جو ایسے مال نامی کا مالک ہو' جو بہ قدرِ نصاب ہو اور اس پر پورا سال گزر چکا ہو اور اس کی حوائج اصلیہ سے فاضل ہو' مال نامی تین چیزیں ہیں: سونا چاندی خواہ ان کی سلیں ہوں یا زیور' برتن یا سکّے' اگرچہ رکھے ہوئے ہوں' مالِ تجارت کچھ بھی ہو' چرائی کے جانور۔

فرضیت مذکورہ کے دلائل

اس کا فرض ہونا قرآن مجید کی کثیر آیتوں سے ثابت ہے' یہاں امام بخاری نے صرف ایک آیت ''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' (البقرۃ: ١١٠) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو' ذکر فرمائی ہے۔ یہ آیت چھ سورتوں میں مذکور ہے' سورۃ البقرہ میں تین جگہ آیت: ٤٣' ٨٢' ١١٠' سورۃ النساء: ٧٧' سورۃ النور: ٥٦' سورۃ المزمل: ٢٠' سورۃ الحج: ٧٧ اور سورۃ المجادلہ: ١٢ میں۔ یہاں ابتداء میں واؤ کے بجائے فا ہے' ''فاقیموا الصلٰوۃ'' اب یہ حقیقت میں آٹھ آیتیں ہو گئیں' ان سب میں ''اٰتُوا الزَّکٰوۃ'' میں امر ہے جو وجوب کے لیے ہے' جس سے فرضیت قطعی طور پر ثابت۔ مزید براں اس کی فرضیت کی دلیل میں چھ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ اوّل حدیث ہرقل' جو مفصل جلد ا صفحہ ٢٣٦۔ ٢٤٠' رقم: ٧ میں گزر چکی ہے۔ اس میں ہے: ''یامرنا بالصلٰوۃ والزکٰوۃ والصلۃ والعفاف'' حضرت ابوسفیان نے ہرقل کو بتایا کہ یہ (نبی) ہمیں نماز' زکوٰۃ' صلہ رحمی اور پاک دامنی کا حکم کرتے ہیں' یہ بھی فرضیت پر قطعی ہے۔ دوم: حدیث معاذ' جس میں نص صریح ہے: ''افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم'' اللہ عزوجل نے ان کے مال میں صدقہ فرض فرمایا' جو ان کے مال داروں سے لیا جائے اور ان کے فقیروں پر تقسیم کیا جائے۔ سوم: یہ حدیث کہ ایک صاحب نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے؟ تو فرمایا: اللہ کی عبادت کر' اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ دے اور صلہ رحمی کر۔ چہارم: حدیث اعرابی جو قریب قریب اسی مضمون کی ہے۔ پنجم: حدیث عبدالقیس۔ ششم: مانعین زکوٰۃ کی حدیث'

انہیں چھ احادیث پر انحصار نہیں اس کی فرضیت کی کثیر احادیث ہیں جن میں کچھ بہارِ شریعت حصہ پنجم کے شروع میں درج ہیں۔

۸۱۷- ح: بَعْثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ
[(آپ ﷺ نے) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا]

۸۱۷ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ اَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے ارشاد فرمایا: (پہلے) ان کو اس کی دعوت دو کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں پس اگر وہ اسے قبول کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض فرمائی ہیں اگر یہ بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اموال میں صدقہ فرض فرمایا ہے جو ان کے مال داروں سے لیا جائے اور ان کے محتاجوں پر لوٹا دیا جائے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: وجوب الزکوٰۃ ص ۱۸۷ باب: لا توخذ کرائم اموال الناس ص ۱۹۶ باب: اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد الی الفقراء ص ۲۰۲ کتاب المظالم۔ باب: الاتقاء والحذر عن دعوۃ المظلوم ص ۳۳۱ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن ص ۶۲۳ کتاب التوحید۔ باب: دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ الی توحید اللہ ص ۱۰۹۶ مسلم۔ کتاب الایمان ابوداؤد ترمذی نسائی دارمی ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ ہی میں ص ۲۰۳ پر اور مغازی میں یہ زائد ہے:

فایاك وكرائم الاموال واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين اللّٰه الحجاب.

زکوٰۃ میں عمدہ مال لینے سے بچو اور مظلوم کی دعا سے ڈرو اس لیے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

مظالم میں صرف اخیر کا حصہ ہے۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ربیع الآخر ۹ھ میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تھا یمن پر پانچ حضرات کا تقرر ہوا تھا۔ جندل پر حضرت معاذ کا زبید عدن ساحل پر حضرت ابوموسیٰ کا خالد بن سعید کا صنعا پر مہاجرین اُمیہ کا کندہ پر اور زیاد بن لبید کا حضرموت پر۔ حضرت معاذ کا والی اور قاضی کے عہدے پر تقرر ہوا تھا اور انہیں کے ذمہ یہ بھی تھا کہ عاملین سے زکوٰۃ وصول کریں۔

یمن میں نصرانی بھی تھے اس کی طرف دوسری روایتوں میں اشارہ بھی ہے کہ فرمایا:

تم عنقریب ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب ہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینی چاہیے (۲) مؤمن ہونے کے لیے زبان سے اقرار ضروری ہے (۳) بعض حضرات نے حدیث کے اس جزء سے کہ زکوٰۃ ان کے مال داروں سے لی جائے اور ان کے محتاجوں پر تقسیم کی جائے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب تھا۔ خراسان سے زکوٰۃ آئی تو انہوں نے اسے خراسان لوٹا دیا مگر اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ دوسری جگہ کے فقراء کو اگر زکوٰۃ دے دی

جائے تو ادا ہو جائے گی۔ اس حدیث میں "فقرائھم" میں ضمیر کا مرجع مسلمین ہیں، یا یہ کہ یہ ارشاد بہ طورِ استحباب خاص ان لوگوں کے لیے اس بناء پر تھا کہ وہاں کے فقراء زیادہ ضرورت مندر ہے ہوں گے (۴) علامہ طیبی وغیرہ نے "توخذ من اغنیائھم" سے استدلال کیا کہ نابالغ بھی اگر مالک نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ہمارے نزدیک واجب نہیں کیونکہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیق.

تین شخص مرفوع القلم ہیں، سونے والا جب تک جاگ نہ جائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور پاگل جب تک صحت مند نہ ہو جائے۔

(بخاری۔ ابن ماجہ۔ کتاب الطلاق۔ باب: طلاق المعتوہ ص ۱۴۱، مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۱۰۰)

ترمذی وغیرہ میں جو یہ حدیث ہے کہ فرمایا: جو کسی یتیم کا ولی ہو اسے چاہیے کہ تجارت کرے کہ اس کا مال صدقہ یا زکوٰۃ نہ کھا جائے، ضعیف ہے (۵) یہ حدیث اس پر نص ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کریم میں مذکور آٹھوں اصناف کو دیا جائے، کسی ایک صنف کو دینا کافی ہے، کیونکہ اس حدیث میں صرف فقراء میں تقسیم کرنے کو فرمایا (۶) کسی پر ظلم حرام و گناہ ہونے کے ساتھ ظالم کی تباہی کا بھی باعث ہے، اس لیے کہ مظلوم کی آہ رائیگاں نہیں جاتی، اگرچہ مظلوم فاسق و فاجر حتیٰ کہ کافر ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان فاجرا ففجورہ علی نفسہ" مظلوم کی دعا مقبول ہے اگر وہ فاجر ہے تو اس کا فجور اس کی ذات پر ہے۔ حدیث مذکور بعض طرق سے مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں "وان کان کافرا" زائد ہے[۱] واضح ہو کہ چوری ڈاکہ ردّت کی سزا دینا ظلم نہیں، یہ حکمِ شریعت تادیبی کارروائی ہے بلا جرم ناحق ستانا یا شریعت کی مقرر کردہ سزا سے زائد دینا ظلم ہے۔

۸۱۸- ح: اَخْبِرْنِیْ عَنْ عَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ

[ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے]

۸۱۸ - عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ قَالَ مَا لَہٗ مَا لَہٗ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَبٌ مَّا لَہٗ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَّتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ.

حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے؟ فرمایا: تو لوگوں نے کہا کہ اسے کیا ہو گیا، اسے کیا ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اس سوال کی حاجت ہے، اللہ کی عبادت کر، اس حال میں کہ اس کا کسی کو شریک مت کرنا اور نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ دیتے رہنے اور صلہ رحمی کرتے رہنا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: وجوب الزکوۃ ص ۱۸۷، ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: فضل صلۃ الرحم ص ۸۸۵، مسلم۔ کتاب الایمان، نسائی۔ کتاب الصلوۃ، کتاب العلم)

ابن قتیبہ نے کہا کہ یہ عرض کرنے والے خود حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ کتاب الادب کی روایت میں ہے کہ اخیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دے۔ راوی کہتے ہیں کہ گویا حضور سواری پر تھے۔ یعنی سائل نے یہ سوال ایسے وقت کیا

۱؎ عمدۃ القاری۔ ج ۶ ص ۲۳۸ ۲؎ ایضا

تھا کہ حضور اقدس ﷺ سواری پر تھے' کہیں جانے کا قصد تھا یا کہیں جا رہے تھے' اثناء راہ میں سائل نے سواری کی نکیل پکڑ کر روکی اور وہ سوال کیا' اسی وجہ سے لوگوں کو تعجب ہوا اور بول پڑے: اسے کیا ہو گیا ہے' اسے کیا ہو گیا ہے؟ اور حضور نے فرمایا: ضرورت مند ہے' پوچھنے دو۔ حضرت سیدنا ابو ایوب جیسے سراپا ادب و اخلاص سے یہ حرکت مستبعد ہے' یہ شان کسی اعرابی ہی کی ہو سکتی ہے' اس لیے حضرت علامہ ابن حجر کی یہ رائے زیادہ وقیع ہے کہ یہ اور اس کے بعد والی حدیث ایک ہی ہے۔ اب باب کا اثبات بھی واضح ہو جائے گا' اس لیے اس میں "تؤدی الزکوۃ المفروضۃ" ہے۔ اس کی تائید مسلم کی روایت سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے کہ ایک اعرابی نے راستہ روکا' اونٹنی کی نکیل تھام لی اور وہ سوال کیا۔

۸۱۹- ح: دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذْ عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ

[ایسا عمل بتائیے جس کو کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں]

۸۱۹ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذْ عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَّتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا. (ایضاً مسلم۔ کتاب الایمان' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جسے کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں؟ فرمایا: اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرا اور فرض نماز قائم کر اور فرض زکوۃ ادا کر اور رمضان کا روزہ رکھ۔ ان اعرابی نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں اس پر کچھ زیادہ نہ کروں گا۔ جب وہ چلے گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہو' اس دیہاتی کو دیکھے۔

نزہۃ القاری' ج ا ص ۳۰۱' رقم: ۴۰ پر اسی مضمون کی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی' توجیہات وہاں دیکھ لیں' صرف دو باتیں معروض ہیں۔ عقلاً عادۃً یہ ممکن تھا کہ یہ شخص اس کی خلاف ورزی کرتا۔ معاذ اللہ مرتد بھی ہو سکتا تھا' اس کے باوجود اسے جنتی کہنا یہ حضور اقدس ﷺ کے غیب داں ہونے کی دلیل ہے' نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ قدرت تھی کہ یہ معلوم کر لیں کہ کس کا خاتمہ بالخیر ہو گا اور کس کا نہیں۔

۸۲۰- ح: كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ

[اہل عرب میں سے کچھ نے کفر کیا]

۸۲۰ - اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور اہل عرب میں سے کچھ نے کفر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ کلمہ طیبہ پڑھ لیں' جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا' اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے محفوظ کر لی' مگر اسلام کے حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم! جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا

وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ۔

میں اس سے ضرور ضرور لڑوں گا' زکوۃ حق مال ہے' رسول اللہ ﷺ کو اگر بکری کا چھوٹا سا بچہ بھی زکوۃ میں دیتے تھے' اگر اس کے بھی دینے سے انکار کریں گے تو ان سے اس پر ضرور لڑوں گا۔ اب حضرت عمر نے کہا: بخدا! اللہ نے ابوبکر کے سینے کو قتال کے لیے کھول دیا تھا' اب میں نے پہچانا کہ یہی حق ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: وجوب الزکوۃ ص ۱۸۸' ج ۲۔ کتاب استتابۃ المعاندین والمرتدین۔ باب: قتل من ابی قبول الفرائض ص ۱۰۲۳' کتاب الاعتصام۔ باب: الاقتداء بسنن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ص ۱۰۸۱' مسلم۔ کتاب الایمان' ابوداؤد۔ کتاب الزکوۃ' ترمذی۔ کتاب الایمان' نسائی۔ کتاب الایمان۔ کتاب المحاربۃ۔ کتاب الجہاد)

کفر من کفر من العرب

مرتدین کی دو قسمیں تھیں' ایک وہ جو مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے تابع ہو گئے' دوسرے وہ جو کسی دین کے پابند نہ تھے' دہریے ملحد ہو گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہی دونوں مراد ہیں' رہ گئے مانعین زکوۃ' ان پر اس عہد میں حکم کفر درست نہیں تھا' اس لیے کہ وہ عام اعراب دیہاتی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے' انہیں زکوۃ کی فرضیت کا علم نہ تھا' پھر کچھ ایسے بھی تھے جنہیں ان کے رؤسا نے بہکا کر زکوۃ وصول کر کے خود ہی تقسیم کر لی تھی۔ یہ خلیفۂ اسلام کو زکوۃ دینے سے منکر تھے۔ ان کو باغی کہنا زیادہ مناسب ہے' اسی لیے ان سے قتال کے بارے میں ابتداء میں اختلاف ہوا' آج جبکہ زکوۃ کی فرضیت ہر عام و خاص کو معلوم ہے' اگر کوئی زکوۃ کے فرض ہونے سے انکار کرے گا تو ضرور کافر ہو جائے گا۔

اس کی اطلاع جب مدینہ پہنچی تو بلا توقف حضرت ابوبکر نے ان سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب یہاں دو سوال پیدا ہو گئے' اوّل: یہ کہ حالات قتال کے قطعاً مساعد نہ تھے' مدینہ طیبہ اور اطراف میں منافقین اپنے کھلے پڑے تھے' ذرا سی غفلت اور کمزوری پر ان سے اندرونی خلفشار کا اندیشہ قوی تھا۔ دوسرے یہ کہ وصال سے قبل خود حضور اقدس ﷺ نے شام کی جانب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا تھا جو جرف پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ مزاجِ اقدس کی بہت زیادہ ناسازی اور پھر وصال کی خبر سن کر رک گیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر نے باوجود فہمائش کے اس لشکر کو روکا نہیں' بلکہ روکنے کے لیے اصرار کرنے پر فرمایا: جس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا ہے اور جس جھنڈے کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا ہے' ابوقحافہ کے بیٹے کی مجال نہیں کہ اسے روکے اور وہ جھنڈا باندھے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

ایسی صورت میں جبکہ اندرونی دسیسہ کاروں سے اندیشہ ہے اور چیدہ چیدہ افراد ایک مہم پر جا چکے ہیں' ان مرتدین سے قتال کامیاب ہو گا یا نہیں؟ یہ ایک بہت بنیادی سوال تھا مگر دوسری طرف اس سے بھی اہم سوال یہ تھا کہ اگر سستی برتی جاتی اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو کیا ہوتا؟ جب یہ منظم ہو جاتے' قوت پکڑ جاتے اور پھر انہیں دیکھ کر اور مذبذبین ایسا کر دیتے تو اس سے جو نتیجہ نکلتا وہ اسلام کی بربادی و تباہی ہوتی۔ اسی لیے جانشین رسول نے اسلام کی بقاء و تحفظ کے لیے اعلانِ جہاد فرما دیا۔

فقال عمر ...... (مانعین زکوۃ سے جہاد)

حضرت فاروق اعظم کو تردد صرف مانعین زکوۃ سے جہاد کرنے میں تھا۔ بحث و تمحیص کے بعد حضرت فاروق اعظم کو بھی تسلیم

کرنا پڑا کہ حق وہی ہے جو صدیق اکبر کہتے ہیں۔ اس طرح بہ اتفاقِ صحابہ ان تینوں قسم کے لوگوں سے جہاد شروع ہوا۔ اللہ عزوجل نے اپنے دین کی مدد فرمائی اور سارے مرتدین کا قلع قمع ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی مارے گئے اور مانعین زکوۃ راہِ راست پر آ گئے اور پورا عرب اسلامِ خالص سے مالا مال ہو گیا۔ اسی سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

لقد قام ابوبکر یوم الردة مقام نبی من الانبیاء. یوم ردّت ابوبکر نے ایک نبی کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

اصابت رائے، بروقت ضروری اقدام اور اعلیٰ کامیابی کی اس سے بہتر نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے، اس وقت کے حالات کے پیش نظر انسان اپنی تدبیر پر بھروسہ کر کے اتنا اہم اقدام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، جب تک کہ منجانب اللہ وہ مؤید نہ ہو۔ زکوۃ کی فرضیت حضرت صدیق اکبر کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ جو جو نماز و زکوۃ کے مابین فرق کرے گا، اس سے لڑوں گا۔

لو منعونی عناقا

''عَنَاق'' بکری کے سال بھر سے کم عمر کے بچے کو کہتے ہیں اور بعض روایتوں میں ''عقالا'' ہے، یعنی جانور باندھنے کی رسّی، یہ بر سبیل مبالغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی حقیر چیز بھی زکوۃ میں دیتے تھے، اب نہ دیں گے تو ان سے جہاد کروں گا۔

۸۲۱- ح: تَأْتِي الْإِبِلُ عَلٰى صَاحِبِهَا

[(روزِ قیامت) اونٹ اپنے مالک کے پاس آئے گا]

۸۲۱ - اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْاَعْرَجَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأْتِي الْإِبِلُ عَلٰى صَاحِبِهَا عَلٰى خَيْرِ مَا كَانَتْ اِذَا هُوَ لَمْ يُعْطِ فِيْهَا حَقَّهَا تَطَؤُهُ بِاَخْفَافِهَا وَتَأْتِي الْغَنَمُ عَلٰى صَاحِبِهَا عَلٰى خَيْرِ مَا كَانَتْ اِذَا لَمْ يُعْطِ فِيْهَا حَقَّهَا تَطَؤُهُ بِاَظْلَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا قَالَ وَمِنْ حَقِّهَا اَنْ تُحْلَبَ عَلَى الْمَآءِ قَالَ وَلَا يَأْتِي اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِشَاةٍ يَحْمِلُهَا عَلٰى رَقَبَتِهٖ لَهَا يُعَارٌ فَيَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُ وَلَا يَأْتِي بِبَعِيْرٍ يَحْمِلُهٗ عَلٰى رَقَبَتِهٖ لَهٗ رُغَاءٌ فَيَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُ.

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: اثم مانع الزکوۃ ص ۱۸۸، مسلم۔ کتاب الزکوۃ، ابوداؤد، نسائی۔ کلاھما مختصرا فی کتاب الزکوۃ)

عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اونٹ میں سے اس کا حق نہ دیا جائے تو قیامت کے دن جیسا تھا، اس سے بہتر ہو کر اپنے مالک کے پاس آئے گا اور اسے اپنے پاؤں سے کچلے گا اور جب بکری میں اس کا حق نہ دیا جائے تو وہ قیامت کے دن جیسی تھی اس سے بہتر ہو کر اپنے مالک کے پاس آئے گی اور اسے اپنے پاؤں سے کچلے گی اور اسے اپنے سینگوں سے مارے گی۔ فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ اسے پانی پر دوہا جائے، فرمایا: تم میں کوئی قیامت کے دن اپنی گردن پر بکری لادے نہ آئے جو بول رہی ہو اور کہے: یا محمد! (فریاد ہے) اور میں کہوں: میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے پہنچا دیا تھا اور کوئی اپنی گردن پر اونٹ لادے نہ آئے جو بول رہا ہو اور کہے: اے محمد! (فریاد ہے) اور میں کہوں: میں تیرے لیے اللہ کے ہاں کچھ نہیں کر سکتا، میں نے پہنچا دیا تھا۔

مسلم شریف میں یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ یوں مذکور ہے کہ فرمایا: سونے اور چاندی کا مالک جو اس کا حق ادا نہیں کرے گا، قیامت کے دن اس سے سونے اور چاندی کی چادر بنائی جائے گی اور اسے جہنم کی آگ سے تپا کر اس کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ کو داغا جائے گا، یہ چادر جب ٹھنڈی ہو جائے گی تو پھر تپائی جائے گی اور پھر داغا جائے گا، اسی طرح اس دن میں جو پچاس ہزار برس کا

ہوگا' دن بھر یہی کیا جائے گا یہاں تک کہ بندوں کا فیصلہ ہوگا۔ اب یہ شخص اپنا راستہ دیکھے گا' یا جنت کا یا دوزخ کا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور اونٹ؟ تو فرمایا: جو اونٹ کا مالک اونٹ کا حق ادا نہ کرے اور اونٹ کا حق یہ بھی ہے کہ جس دن پانی پر اترے اسی دن دوہا جائے' تو یہ اونٹ بہت تندرست ہو کر آئیں گے اور اس کے مالک کو برابر میدان میں لٹایا جائے گا' وہ اونٹ اسے روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے' جب پچھلی جماعت گزر جائے گی تو پھر اگلی آئے گی اور اس دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا' دن بھر یہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ عزوجل بندوں کا فیصلہ فرمادے گا' اب وہ اپنی راہ دیکھے گا خواہ جنت کی خواہ جہنم کی اور گائے' بکری کے بارے میں بھی فرمایا: اگر ان کا حق ادا نہ کیا تو ان کے مالک کو ہموار میدان میں لٹایا جائے گا اور وہ سب گائیں اور بکریاں آئیں گی' نہ ان میں کوئی مڑے ہوئے سینگ کی ہوگی نہ بے سینگ کی نہ ٹوٹے ہوئے سینگ کی' یہ سب سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گی اور کھروں سے کچلیں گی' جب ایک جماعت گزرے گی تو دوسری آئے گی' اس دن جو پچاس ہزار برس کا ہوگا' دن بھر یہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ عزوجل بندوں کے مابین فیصلہ فرمادے گا' اب یہ اپنا راستہ دیکھے گا' جنت کا یا دوزخ کا۔

ان تحلب علی الماء

عرب کی عادت تھی کہ جب چوپائے پانی پینے کے لیے تالاب یا چشمے یا کنویں پر جاتے تو انہیں دوہتے' اس موقع پر محتاج تنگ دست جمع ہو جاتے تا کہ انہیں بھی کچھ دودھ مل جائے' اور کچھ ایسے بھی تھے جو جانور وہاں نہیں دوہتے تا کہ کسی کو کچھ دینا نہ پڑے۔ اسی پر یہ فرمایا' یہ ارشاد مکارم اخلاق سے ہے۔

لا املک لک شیئا

یہ ارشاد یا اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں شفاعت سے روک دیا گیا ہے' یا یہ ارشاد زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ یہ افادہ مقصود ہے کہ ایسے لوگوں کی میں بھی کوئی مدد نہیں کروں گا' جبکہ سب کچھ میں نے بتا دیا تھا۔

۸۲۲- ح: مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ

[(جو زکوۃ نہ دے گا) اس کے مال کو روزِ قیامت گنجا سانپ بنا دیا جائے گا]

۸۲۲- عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِىْ بِشِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا ﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (آل عمران: ۱۸۰) (بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: اثم مانع الزکوۃ ص ۱۸۸' ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ آل عمران۔ باب: قولہ ولا تحسبن الذین یبخلون ص ۶۵۵' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے اللہ نے مال دیا' پھر اس نے اس کی زکوۃ نہ دی تو اس کا یہ مال قیامت کے دن گنجا سانپ بنا دیا جائے گا' جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی' یہ سانپ قیامت کے دن اس کے گلے میں لپٹ جائے گا' پھر اس کے دونوں جبڑوں کو بھبوڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں' اس کے بعد حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی' (اللہ عزوجل نے فرمایا:) ''جو اس مال میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے وہ اسے ہرگز اپنے لیے اچھا خیال نہ کریں' بلکہ یہ ان کے لیے برا ہے' جس مال میں بخل کیا جائے وہ قیامت کے ان کے گلے کا طوق بنایا جائے گا''۔

''اقرع'' کے معنی گنجے کے ہیں' ہر سانپ گنجا ہوتا ہے' کسی سانپ کے سر پر بال نہیں ہوتے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ زیادہ مدت

تک زہر جمع رہنے سے اس کے سر سے کھال کی ایک آدھ تہ جھڑ جاتی ہے۔"زبیتان' زبیب" کے معنی اصل میں جھاگ کے ہیں' یہاں مراد سیاہ نکتہ ہے جسے جتی کہتے ہیں' یہ چتیاں یا تو دونوں آنکھوں کے اوپر ہوتی ہیں یا سر پر یا منہ کے دونوں کناروں پر یا حلق کے نیچے کچھ گوشت لٹکتا ہے' وہ مراد ہے۔ ظاہر پہلے دو معنی ہیں' جتی دار یہ سانپ سب سے زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

٨٢٣- ح: مَعْنٰى ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ (التوبہ:٣٤)

[اس کا مطلب کہ "اور وہ جو سونا (اور چاندی) جمع رکھتے ہیں" (التوبہ:٣٤)]

٨٢٣ - عَنْ خَالِدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ اَخْبِرْنِيْ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:٣٤) قَالَ ابْنُ عُمَرَ مَنْ كَنَزَهَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا فَوَيْلٌ لَّهٗ اِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تُنْزَلَ الزَّكٰوةُ فَلَمَّا اُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللّٰهُ طُهْرًا لِّلْاَمْوَالِ.

خالد بن اسلم نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو ایک دیہاتی نے کہا: مجھے اللہ کے اس ارشاد کا مطلب بتائیے: "جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: جس نے انہیں جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ نہ دی' اس کے لیے ہلاکت ہے' یہ زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا' جب زکوٰۃ نازل ہو گئی تو اللہ نے اسے مالوں کو پاک کرنے والا بنا دیا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: ما ادی زكوته فليس بكنز ص ١٨٨' ج ٢۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ توبہ۔ باب: قوله والذين يكنزون الذهب والفضة ص ٦٧٢' نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ)

سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (التوبہ:٣٤)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو ○

اس آیت کا صریح مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی جمع نہ کیا جائے' جو آئے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے' اس لیے ان اعرابی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب پوچھا' انہوں نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ کے مشروع ہونے سے پہلے یہی حکم تھا' مگر زکوٰۃ کے حکم کے بعد بہ قدر زکوٰۃ مال دے دینے کے بعد جو بچے' اس کا جمع کرنا ممنوع نہیں' اور اب بھی زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں یہی وعید ہے۔

٨٢٤- ح: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ

[پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں]

٨٢٤ - اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ.

یحییٰ بن عمارہ نے کہا کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں اور نہ پانچ اونٹ سے کم میں' اور نہ پانچ وسق سے کم میں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: ما ادی زكوته فليس بكنز۔ باب: زكوة الورق ص ١٩٤' باب: ليس فيما دون خمس ذود صدقة ص ١٩٦' باب: ليس فيما دون خمس اوسق صدقة ص ٢٠١' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

بخاری' صفحہ ١٩٦ پر تھوڑی سی تفصیل ہے کہ پانچ وسق سے کم کھجور میں اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں اور پانچ اونٹوں سے کم

میں صدقہ نہیں۔ ''اواق'' ''اوقیہ'' کی جمع ہے' اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے' اس طرح چاندی کی نصاب دو سو درہم ہوئی اور ایک درہم تین ماشے ڈیڑھ (١.٥٠) رتی کا۔ اس طرح چاندی کی نصاب ساڑھے باوّن (٥٢.٥٠) تولے ہوا۔ انگریزوں کے عہد میں جو چاندی کا روپیہ چلتا تھا' وہ سوا گیارہ ماشے کا تھا۔ ان روپوں سے نصاب چھپن روپے بھر ہوا۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے' اس پر اجماع ہے۔ ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا' اس طرح سونے کے نصاب ساڑھے سات تولے ہوا' موجودہ رائج اعشار یہ وزن سے چاندی کا نصاب ۶۴۲ گرام ۹۶ ملی گرام ہے اور سونے کا ۹۱ گرام ۲۸۷ ملی گرام۔ اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہے' یہ متفق علیہ ہے' غلے کا نصاب پانچ وسق ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کو وسق کہتے ہیں' مگر مختار یہ ہے کہ ساٹھ صاع کا ایک وسق ہے۔ اس طرح غلے کا نصاب تین سو صاع ہوا۔ اس سے کم پیداوار میں عشر نہیں' یہی امام شافعی' امام ابو یوسف' امام محمد کا مذہب ہے' مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں' تھوڑی پیداوار ہو یا زیادہ سب میں عشر واجب ہے۔ ان کی دلیل خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ صفحہ ۲۰۱ والی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ فرمایا:

فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر.

جب بارش یا چشمے سینچیں یا بے سینچے پیداوار ہو جائے' اس میں عشر ہے اور جو چھڑک کر سینچی جائے' اس میں نصف عشر۔

اس حدیث میں کلمہ ما عام ہے' قلیل و کثیر سب پر صادق ہے اور عبادات میں احتیاط پر عمل واجب' اس لیے زمین کی پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ' سب میں عشر واجب۔ مفصل بحث عشر کے بیان میں' اس حدیث کے تحت آ رہی ہے۔

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: جس مال کی زکوۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں' یعنی وہ کنز نہیں جس پر وعید آئی ہے۔ جب یہ نص وارد ہو گئی کہ پانچ اوقیے سے کم چاندی اور پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں تو ثابت ہوا کہ اس سے کم جمع کرنا بلاشبہ جائز یا زکوۃ دے دینے کے بعد یہ مقدار بھی جمع کرنا بلا کراہت جائز۔ جس طرح زکوۃ ادا کرنے کے بعد پانچ اوقیہ چاندی بلکہ انتالیس درہم مزید رکھنا درست' اسی طرح زکوۃ دینے کے بعد پانچ بلکہ نو اونٹ تک رکھنا درست' تو اگر اس مقدار سے زیادہ بھی ہوا اور زکوۃ ادا کر دی جائے' تو اس کا جمع کرنا بلا کراہت درست ہوگا اور یہ وہ کنز نہ ہوگا جو ممنوع ہے۔

٨٢٥- ح: مَرَرْتُ بِالرَّبَذَةِ فَإِذَا أَنَا بِأَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

[میرا ربذہ سے گزر ہوا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی]

٨٢٥- عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ مَرَرْتُ بِالرَّبَذَةِ فَإِذَا أَنَا بِأَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقُلْتُ لَهُ مَا أَنْزَلَكَ مَنْزِلَكَ هٰذَا قَالَ كُنْتُ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفْتُ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ فِي ﴿الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (التوبة:٣٤) قَالَ مُعَاوِيَةُ نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الْكِتَابِ فَقُلْتُ نَزَلَتْ فِينَا وَفِيهِمْ فَكَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فِي ذٰلِكَ وَكَتَبَ إِلَى عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَشْكُونِي فَكَتَبَ إِلَيَّ عُثْمَانُ أَنِ اقْدَمِ الْمَدِينَةَ فَقَدِمْتُهَا فَكَثُرَ عَلَيَّ

زید بن وہب نے کہا: میں ربذہ سے گزرا تو میری ملاقات حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہوئی' میں نے ان سے کہا: کس چیز نے آپ کو اس جگہ پہنچایا؟ تو انہوں نے فرمایا: میں شام میں تھا' مجھ میں اور معاویہ میں اس آیت کے بارے میں اختلاف ہوا: ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں' انہیں دردناک عذاب کی بشارت دو'' معاویہ نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے' میں نے کہا کہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس سلسلے میں

النَّاسُ حَتّٰى كَاَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْنِي قَبْلَ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعُثْمَانَ فَقَالَ لِي اِنْ شِئْتَ تَنَحَّيْتَ فَكُنْتَ قَرِيْبًا فَذَاكَ الَّذِي اَنْزَلَنِي هٰذَا الْمَنْزِلَ وَلَوْ اَمَّرُوْا عَلَيَّ حَبَشِيًّا لَسَمِعْتُ وَاَطَعْتُ.

(بخاری۔کتاب الزکوۃ۔باب:ما ادی زکوۃ فلیس بکنز ص۱۸۹ ج۲۔کتاب التفسیر۔باب:قوله والذین یکنزون الذهب والفضة ص۶۷۲ نسائی۔کتاب التفسیر)

میرے اور ان کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی' انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس میری شکایت لکھی' اس پر حضرت عثمان نے مجھے لکھا کہ تم مدینہ آ جاؤ' میں مدینہ آ گیا' لوگ میرے پاس بہ کثرت جمع ہو گئے' گویا اس سے پہلے مجھے انہوں نے دیکھا ہی نہیں تھا' میں نے حضرت عثمان سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: اگر تم چاہو تو کہیں قریب پاس میں گوشہ نشین ہو جاؤ' اسی وجہ سے میں یہاں ہوں اور اگر لوگ حبشی کو مجھ پر امیر بنا دیں تو میں اس کا بھی حکم سنوں گا اور مانوں گا۔

جلد اوّل میں گزر چکا کہ ربذہ مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے زکوۃ کے اونٹوں کی چراگاہ بنا دیا تھا۔ مسند ابویعلیٰ میں انہیں زید بن وہب سے مروی ہے کہ خود حضرت ابوذر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! جب مدینہ کی آبادی کوہ سلع تک پہنچ جائے تو تم شام چلے جانا۔ اسی ہدایت کے بہ موجب جب مدینہ طیبہ کی آبادی کوہ سلع تک پہنچ گئی تو یہ شام دمشق چلے گئے' وہاں اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ والی تھے۔ حضرت ابوذر کا مذہب یہ تھا کہ جتنی آمدنی ہو' حاجت سے جو بچے سب کا صدقہ کرنا فرض ہے۔ حاجت سے زائد جمع کرنا حرام ہے۔ آدمی بہت پر جوش اور جری تھے' اپنے اس مسلک کی علانیہ تبلیغ فرماتے تھے۔ اس سے وہاں ایک خلفشار مچا ہوا تھا' چونکہ سابقین اوّلین میں سے اور بہت معزز صحابی تھے' اس لیے عوام کا رجحان ان کی طرف زیادہ تھا۔ آخر حضرت معاویہ سے زوردار گفتگو ہوئی۔ حضرت ابوذر نے آیت کریمہ مذکورہ تلاوت فرمائی۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اس آیت میں "ولا ینفقونها" سے مراد بہ قدر حاجت سے جو زائد ہو' سب کا سب خرچ کرنا ہے۔ صرف بہ قدر زکوۃ صرف کرنا مراد نہیں۔ اور حضرت معاویہ کا خیال تھا کہ یہ یہود و نصاریٰ' احبار و رہبان کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس لیے کہ آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الْاٰيَة. (التوبہ:۳۴)

بہت سے احبار و رہبان لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں' اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں۔

حالانکہ دونوں حضرات سے خطاء ہوئی' نہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے اور نہ "ینفقونها" سے کل مراد مال ہے' بلکہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور "ینفقونها" سے زکوۃ ادا کرنا مراد ہے' کل مال کا صرف کرنا نہیں۔ اس پر اجماع ہے اور یہ آیات و احادیث سے بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا○ (بنی اسرائیل:۲۹)

اور ہاتھ ایک دم مت پھیلا دے' پھر ملامت خوردہ حسرت زدہ ہو کر بیٹھا رہے○

فكثر علی الناس

حضرت ابوذر مشہور صحابی تھے اور ان کا مذہب پوری اُمت سے الگ تھا' اس لیے لوگ جوق در جوق آتے' ان سے طرح طرح کے سوال کرتے' جس سے گھبرا کر حضرت عثمان کی خدمت میں شکایت کی۔ حضرت عثمان نے دو باتیں پیش کیں' آپ چاہیں تو میرے گھر رہیں' اونٹنیاں دروازے پر حاضر کی جائیں گی' یعنی نہ کہیں جائیں نہ کسی سے ملیں جلیں یا چاہیں تو مدینہ کے قریب کہیں بود و باش

اختیار کرلیں۔ حضرت ابوذر نے دوسری صورت اختیار کرلی اور ربذہ جا کر فروکش ہوگئے۔ یہ بہتان ہے کہ حضرت عثمان نے انہیں جلاوطن کر کے ربذہ بھیجا تھا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ جب ان کے گھر رہنا پسند نہ فرمایا تو ربذہ رہنے کی رائے دی؛ جسے حضرت ابوذر نے قبول فرمایا۔

۸۲۶- ح: فَجَآءَ رَجُلٌ خَشِنُ الشَّعَرِ وَالثِّيَابِ

[پراگندہ بالوں اور کپڑوں والا ایک آدمی آیا]

۸۲۶ - اَنَّ الْاَحْنَفَ بْنَ قَيْسٍ قَالَ جَلَسْتُ ح وَ حَدَّثَنِي اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُالصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو الْعَلَاءِ بْنُ الشِّخِّيرِ اَنَّ الْاَحْنَفَ بْنَ قَيْسٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى مَلَاٍ مِّنْ قُرَيْشٍ فَجَآءَ رَجُلٌ خَشِنُ الشَّعَرِ وَالثِّيَابِ وَالْهَيْئَةِ حَتّٰى قَامَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ بَشِّرِ الْكَانِزِيْنَ بِرَضْفٍ يُّحْمٰى عَلَيْهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ثُمَّ يُوْضَعُ عَلٰى حَلَمَةِ ثَدْيِ اَحَدِهِمْ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ نُغْضِ كَتِفِهٖ وَيُوْضَعُ عَلٰى نُغْضِ كَتِفِهٖ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ حَلَمَةِ ثَدْيِهٖ يَتَزَلْزَلُ ثُمَّ وَلّٰى فَجَلَسَ اِلٰى سَارِيَةٍ وَّتَبِعْتُهٗ وَجَلَسْتُ اِلَيْهِ وَاَنَا لَا اَدْرِيْ مَنْ هُوَ فَقُلْتُ لَهٗ لَا اُرَى الْقَوْمَ اِلَّا قَدْ كَرِهُوْا الَّذِيْ قُلْتَ قَالَ اِنَّهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا قَالَ لِيْ خَلِيْلِيْ قَالَ قُلْتُ وَمَنْ خَلِيْلُكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَتُبْصِرُ اُحُدًا قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَى الشَّمْسِ مَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ وَاَنَا اُرٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرْسِلُنِيْ فِيْ حَاجَةٍ لَّهٗ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا اُنْفِقُهٗ كُلَّهٗ اِلَّا ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ وَاِنَّ هٰؤُلَاءِ لَا يَعْقِلُوْنَ اِنَّمَا يَجْمَعُوْنَ الدُّنْيَا لَا وَاللّٰهِ لَا اَسْاَلُهُمْ دُنْيَا وَلَا اَسْتَفْتِيْهِمْ عَنْ دِيْنٍ حَتّٰى اَلْقَى اللّٰهَ.

احنف بن قیس نے کہا: میں قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک صاحب آئے؛ جن کے بال پراگندہ کپڑے کھردرے اور ہیئت بھدی تھی اور ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور سلام کیا؛ پھر فرمایا: جوڑ جوڑ کر مال جمع کرنے والوں کو خوشخبری ہو کہ ایک پتھر جہنم کی آگ پر تپایا جائے گا؛ پھر ان کے پستان کی گھنڈی پر رکھا جائے گا؛ جو پار کر کے اس کے کندھے کی پتلی ہڈی سے باہر ہو جائے گا اور اس کی شانے کی پتلی ہڈی پر رکھا جائے گا جسے چھید کر اس کی پستان کی گھنڈی کے پار ہو جائے گا؛ وہ پتھر ہلتا رہے گا؛ پھر وہ واپس ہو گئے اور ایک کھمبے کے پاس بیٹھ گئے؛ میں ان کے پیچھے ہولیا اور ان کے پاس بیٹھا اور میں نہیں جانتا تھا؛ یہ کون بزرگ ہیں؟ میں نے ان سے کہا: میرا اندازہ ہے کہ لوگوں نے آپ کی بات کو ناپسند کیا؛ تو فرمایا: یہ لوگ نہیں سمجھتے؛ مجھ سے میرے خلیل نے فرمایا؛ میں نے پوچھا کہ خلیل سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو بتایا کہ نبی ﷺ؛ اے ابوذر! اُحد دیکھتا ہے؟ یہ سن کر میں نے سورج دیکھا کہ کتنا دن رہ گیا ہے؛ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی کام سے مجھے بھیجیں گے؛ میں نے عرض کیا: ہاں! دیکھتا ہوں؛ فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہو؛ مگر یہ کہ کل کا کل بانٹ دوں؛ سوائے تین دینار کے؛ اور یہ لوگ سمجھتے نہیں؛ دنیا جمع کرتے ہیں؛ بخدا ان سے دنیا کا کوئی سوال نہیں کروں گا اور نہ دین کے بارے میں کچھ پوچھوں گا؛ یہاں تک کہ اللہ سے ملوں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: ما ادی زکوۃ فلیس بکنز ص ۱۸۹؛ مسلم۔ کتاب الزکوۃ)

حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد اپنی شانِ ارفع و اعلیٰ کے مطابق تھا؛ جو اللہ عزوجل پر توکل؛ دنیا سے بے رغبتی؛ خلق خدا پر رحمت اور سخاوت کا مظہر تھا۔ یہ حکم تشریعی نہیں تھا؛ جس کے خلاف عمل پر مواخذہ ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ذوق کے مطابق حکم تشریعی سمجھا اور جو اس لوگ اس پر عمل پیرا نہ تھے؛ ان پر ناراض رہتے تھے۔ تین دینار بچانے کی حکمت علامہ قرطبی نے یہ بتائی کہ ایک

اپنے اہل کے لیے‘ ایک غلام آزاد کرنے کے لیے‘ ایک قرض کے لیے۔ یہ ان کا ذوق ہے‘ ہوسکتا ہے اس ارشاد کے وقت جن کا نان نفقہ حضور پر واجب تھا‘ وہ تین دینار یومیہ رہا ہو‘ یا کسی کا قرض کچھ رہا ہو۔ ورنہ حدیث گزر چکی کہ یہ بھی پسند نہیں فرمایا کہ سونے کا ایک ٹکڑا گھر میں رات بھر رہے۔

مطابقت باب

حضرت ابوذر والی دونوں حدیثیں بہ ظاہر باب کے معارض ہیں‘ مگر بہ نظر غائر یہ مناسبت ہے کہ حضرت امام بخاری اس بات کی ضرورت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ آیت مذکورہ کو سامنے رکھ کر حضرت ابوذر کی طرح اور کوئی بھی اس کے ظاہر سے یہ اخذ کر سکتا ہے کہ حاجت سے زائد مال جمع کرنا جائز نہیں‘ تو ضرورت ہوئی کہ آیت مذکورہ کی صحیح تفسیر پیش کر دی جائے کہ اس میں ''ینفقونها'' سے مراد زکوۃ ہے‘ نیز اشارے اشارے میں خود ان احادیث سے بھی یہ تخصیص سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت ابوذر کی رائے کو صحابہ کرام میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت عثمان غنی نے بھی تسلیم نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ان سب حضرات کا مذہب یہی ہے کہ اس آیت میں ''ینفقونها'' سے مراد زکوۃ ہے۔

۸۲۷- ح: وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ [اور اللہ صرف پاک ہی قبول فرماتا ہے]

۸۲۷- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پاک کمائی سے کھجور کے برابر صدقہ کرے تو اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اللہ صرف پاک ہی قبول فرماتا ہے‘ پھر اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتا ہے جیسے تم لوگ اپنے بچھڑے کو پالتے ہو کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة من كسب طيب ص ۱۸۹‘ مسلم۔ کتاب الزکوۃ)

عِدْل

عین کے کسرہ کے ساتھ کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ قیمت میں برابر ہونا‘ اور عین کے فتحہ کے ساتھ اپنی ہم جنس کے ساتھ برابر ہونا۔ ''فَلُوّ'' گھوڑے کا بچہ جب دودھ پینا چھوڑ دے‘ اس کی جمع ''اَفْلاء'' جیسے عدو کی اعداء۔

بیمینه

اللہ عزوجل اعضاء و جوارح‘ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے‘ یہاں بہ طور تمثیل حسن قبول کی یہ تعبیر ہے‘ ہم اور آپ پسندیدہ چیزیں دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اسے حسن قبول عطا فرماتا ہے۔

۸۲۸- ح: يَّمْشِیْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ [آدمی صدقہ لے کر گھومے گا مگر کسی کو نہ پائے گا]

۸۲۸- سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا فَاِنَّهٗ يَاْتِیْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَّمْشِیْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَّقْبَلُهَا يَقُوْلُ

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: لوگو! صدقہ کرو اس لیے کہ تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان صدقہ لے کر گھومے گا مگر ایسے کو نہیں پائے گا

الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْأَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَأَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِي فِيهَا.

جو اسے لے وہ کہے گا: اگر کل لائے ہوتے تو لے لیتا' آج مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة قبل الرد ص ۱۹۰' باب: الصدقة باليمين ص ۱۹۱' ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب۔ ص ۱۰۵۴)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ اُم کلثوم بنت جرول خزاعیہ تھی' جس کے بطن سے عبید اللہ بن عمر ہیں۔ حضرت فاروق اعظم مسلمان ہو گئے مگر یہ کفر پر اَڑی رہی' اس لیے دونوں میں تفریق ہو گئی' پھر اس کا نکاح وہب سے ہوا اور حارثہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث میں یہ غیب کی خبر ہے' ایک وقت وہ آئے گا کہ مال کی اتنی کثرت ہو گی کہ کوئی زکوۃ لینے کو آمادہ نہ ہو گا۔

۸۲۹- ح: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ

[قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مال کی بہتات نہ ہو گی]

۸۲۹ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ حَتّٰى يُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ يَقْبَلُ صَدَقَتَهُ وَحَتّٰى يَعْرِضَهُ فَيَقُولَ الَّذِي يَعْرِضُهُ عَلَيْهِ لَا أَرَبَ لِي.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ مال کی بہتات ہو جائے گی اور وہ بہنے لگے گا یہاں تک کہ مال والے کو یہ فکر رہے گی کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا' یہاں تک کہ وہ کسی کو دینا چاہے گا' تو وہ یہ کہے گا: مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة قبل الرد ص ۱۹۰' ج ۲۔ کتاب الفتن۔ باب۔ ص ۱۰۵۴' مسلم۔ کتاب الزکوۃ' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۱۲)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ یہ قربِ قیامت میں ہو گا' صحابہ میں جو واقعات زکوۃ قبول نہ کرنے کے ہوئے ہیں' وہ مال کی فراوانی کی وجہ سے نہیں بلکہ صحابہ کرام کی خودداری اور زہد و قناعت کی وجہ سے رونما ہوئے۔

۸۳۰- ح: فَجَاءَهُ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا يَشْكُو الْعَيْلَةَ

[دو شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک نے تنگدستی کی شکایت کی]

۸۳۰ - سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا يَشْكُو الْعَيْلَةَ وَالْآخَرُ يَشْكُو قَطْعَ السَّبِيلِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا قَطْعُ السَّبِيلِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكَ إِلَّا قَلِيلٌ حَتّٰى تَخْرُجَ الْعِيرُ إِلَى مَكَّةَ بِغَيْرِ خَفِيرٍ وَأَمَّا الْعَيْلَةُ فَإِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ حَتّٰى يَطُوفَ أَحَدُكُمْ بِصَدَقَتِهِ لَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ ثُمَّ لَيَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ أَلَمْ أُوتِكَ مَالًا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے' ان میں سے ایک نے تنگ دستی کی شکایت کی اور دوسرے نے ڈاکہ کی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ڈاکہ؟ تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ وقت آئے گا کہ قافلہ بغیر محافظ کے مکہ جائے گا اور تنگ دستی تو قیامت قائم نہ ہو گی (جب تک اتنی دولت کی فراوانی نہ ہو جائے) کہ تم صدقہ لے کر گھومو گے اور کوئی لینے والا نہ پاؤ گے' اس کے بعد تم اللہ کے حضور کھڑے ہو گے اس طرح کہ درمیان میں کوئی حجاب اور ترجمان نہ ہو گا جو ترجمانی کرے' اللہ عزوجل بندے سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے مال

فَلَيَقُوْلَنَّ بَلٰى ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ اَلَمْ اُرْسِلْ اِلَيْكَ رَسُوْلًا فَلَيَقُوْلَنَّ بَلٰى فَيَنْظُرُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهٖ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ فَلْيَتَّقِيَنَّ اَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

(بخاری۔کتاب الزکوۃ۔باب:الصدقة قبل الرد ص ١٩٠' ج ٢۔کتاب الرقاق۔باب:من نوقش بالحساب عذب ص ٥٦٨)

نہیں دیا تھا؟ بندہ عرض کرے گا: ضرور دیا تھا' پھر فرمائے گا: کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ عرض کرے گا: ضرور بھیجا تھا' اب دائیں دیکھے گا تو آگ ہی آگ دکھائی دے گی' پھر بائیں نظر گھمائے گا تو صرف آگ ہی آگ نظر آئے گی' تم آگ سے بچو! اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر اور اگر یہ بھی نہ ملے تو اچھی بات کہہ کر۔

یہ حدیث المناقب۔علامات النبوۃ میں کچھ تغیر وتبدل کے ساتھ مذکور ہے۔غیب کی پہلی خبر حرف بہ حرف پوری ہوئی۔عہد صحابہ ہی میں راستے بالکل محفوظ ہو گئے اور آج جس کا جی چاہے خود مشاہدہ کر لے۔دوسری خبر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ حرف بحرف پوری ہو گی۔

٨٣١- ح: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَّطُوْفُ الرَّجُلُ فِيْهِ بِالصَّدَقَةِ

[ایک وقت آئے گا کہ انسان سونے کا صدقہ لے کر گھومتا پھرے گا جبکہ کوئی شخص لینے والا نہ ہوگا]

٨٣١ - عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَّطُوْفُ الرَّجُلُ فِيْهِ بِالصَّدَقَةِ مِنَ الذَّهَبِ ثُمَّ لَا يَجِدُ اَحَدًا يَّأْخُذُهَا مِنْهُ وَيُرَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ يَتْبَعُهُ اَرْبَعُوْنَ امْرَاَةً يَّلُذْنَ بِهٖ مِنْ قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَآءِ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان سونے کا صدقہ لے کر گھومتا پھرے اور کسی کو نہیں پائے گا جو اسے لے' اور ایک مرد کی ماتحتی اور پناہ میں چالیس عورتیں رہیں گی' مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی کی وجہ سے۔

(بخاری۔کتاب الزکوۃ۔باب:الصدقة قبل الرد ص ١٩٠' مسلم نسائی۔کتاب الزکوۃ)

من الذهب

سونے کی تخصیص نہیں' زکوۃ کی کوئی بھی چیز کوئی قبول نہیں کرے گا۔سونا سب سے عمدہ مال ہے' جب اس کا قبول کرنے والا نہیں ملے گا تو اس سے کم تر درجے کے اموال کو بہ درجۂ اولیٰ کوئی نہیں لے گا۔

اربعون امراة

کتاب العلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: پچاس عورتوں کا نگران ایک مرد ہوگا' اقل اکثر کا نافی نہیں' یہ بھی ہوگا' وہ بھی ہوگا۔

٨٣٢- ح: فَجَآءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ كَثِيْرٍ

[ایک شخص آیا جس نے بہت زیادہ صدقہ دیا]

٨٣٢ - عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ الصَّدَقَةِ كُنَّا نُحَامِلُ فَجَآءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ كَثِيْرٍ فَقَالُوْا مُرَاءٍ وَّجَآءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ فَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَاعِ هٰذَا فَنَزَلَتْ ﴿الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب صدقہ کی آیت اتری تو ہم بار برداری کرتے تھے' ایک صاحب آئے اور بہت زیادہ صدقہ کیا تو منافقین نے کہا: یہ ریاکار ہے اور ایک صاحب آئے اور ایک صاع صدقہ کیا تو منافقین نے کہا: بے شک اللہ اس کے صاع سے

الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ (التوبہ:۷۹) اَلْاٰيَةَ.

(بخاری۔کتاب الزکوٰۃ۔باب:اتقوا النار ولو بشق تمرة ص۱۹۰ ج۲۔کتاب التفسیر۔سورۃ البراءۃ۔باب:قوله والذين يلمزون المطوعين ص ۶۷۳ ،مسلم، نسائی۔کتاب الزکوٰۃ، ابن ماجہ۔کتاب الزھد)

غنی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: ”اور جو لوگ صدقہ کے بارے میں دل کھول کر خیرات کرنے والے اور مزدوری کر کے پوری مزدوری خیرات کرنے والے پر طعن کرتے ہیں اور ان کا مذاق اُڑاتے ہیں، اللہ ان کو سزا دے گا، ان کے لیے دردناک عذاب ہے“۔(التوبہ:۷۹)

۸۳۳- ح: اِنْطَلَقَ اَحَدُنَا اِلَى السُّوْقِ فَيُحَامِلُ

[ہم بازار جاتے تو بار برداری کرتے]

۸۳۳ - عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ اِنْطَلَقَ اَحَدُنَا اِلَى السُّوْقِ فَيُحَامِلُ فَيُصِيْبُ الْمُدَّ وَاِنَّ لِبَعْضِهِمُ الْيَوْمَ لَمِائَةَ اَلْفٍ.

(کتاب الزکوٰۃ۔ایضاً ص۱۹۰، کتاب التفسیر۔سورۃ البراءۃ۔ص ۶۷۳)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے جب ہمیں صدقہ کا حکم دیا تو ہم بازار جاتے اور بار برداری کرتے، ایک مُد ملتا اسے خیرات کرتے اور آج کچھ لوگوں کے پاس ایک لاکھ ہے۔

تفسیر میں ہے کہ ابوعقیل آئے، نصف صاع لائے اور ایک اور دوسرے صاحب اس سے زائد لائے تو منافقین نے وہ کہا۔

اية الصدقة

اس سے مراد آیت کریمہ ”خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ“ (التوبہ:۱۰۳) ان کے مالوں سے صدقہ لے کر ان کو پاک وصاف کرو اور ان کے لیے دعاءِ خیر کرو۔

فتصدق بشي كثير

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے کہ چار ہزار یا آٹھ ہزار پیش فرمایا۔ واحدی کی اسباب نزول میں ہے کہ نبی ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چار ہزار نقد کل اثاثے کا آدھا لائے۔ اور حضرت عاصم بن عدی بن عجلان رضی اللہ عنہ سو وسق کھجور لائے، تو منافقین نے طعن کیا، اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔ ابن جریر نے خود حضرت ابوعقیل سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

بت اجر الجريد على ظهري على صاعين من تمر فانقلبت باحدهما الى اهلي يبلغون به وجئت بالآخر اتقرب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم واتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخبرته فقال انثره على الصدقة قال فسخر القوم وقال لقد كان الله غنيا عن صدقة هذا المسكين فانزل الله تعالى الذين يلمزون المطوعين الآية.

کھجور کی شاخوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر دو صاع کھجور کے عوض میں نے اُٹھایا تھا، ایک صاع گھر والوں کو دے دیا کہ وہ اس سے اپنی حاجت پوری کر لیں اور دوسرا صاع رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا کہ اس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا تقرب حاصل کروں، حضور نے فرمایا: یہ صدقہ پر ڈال دے، اس پر ایک قوم نے مذاق اُڑایا، بے شک اللہ اس مسکین کے صدقے سے غنی ہے، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: جو لوگ دل کھول کر صدقہ کرنے والوں، الخ۔

یہاں غور طلب بات حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

''اتقرب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' کہ میں رسول اللہ ﷺ کا تقرب حاصل کروں۔ وہابی صحابی رسول کے اس ارشاد کو دیکھیں جو کہتے ہیں کہ کسی محبوب بارگاہ کے تقرب کے لیے کوئی عمل خیر کرنا شرک ہے' مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ اللہ عزوجل کی ذات یا صفات یا عبادت یا ان سب میں یا ان میں سے بعض میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ کسی نبی یا ولی کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کچھ کرنا' نہ اللہ عزوجل کی ذات میں کسی کو شریک کرنا ہے' نہ اس کی صفت میں نہ عبادت میں' پھر یہ شرک کیسے ہے۔

فقالوا

یہ طعن کرنے والے معتب بن قشیر اور عبدالرحمٰن بن نبتل منافق تھے۔

وان لبعضھم لمائۃ الف

دونوں جگہ حضرت ابو مسعود انصاری ہی مراد ہیں' جیسا کہ تفسیر میں ''کانہ یعرض نفسہ'' ہے' بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا کہ میں مزدوری کرتا تھا اور آج کثرت فتوحات کی وجہ سے ایک لاکھ کا مالک ہوں۔

٨٣٤- ح: دَخَلَتِ امْرَاَۃٌ مَّعَھَا ابْنَتَان [ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں]

٨٣٤ - عَنْ عَآئِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ دَخَلَتِ امْرَاَۃٌ مَّعَھَا ابْنَتَانِ لَھَا تَسْاَلُ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَۃٍ فَاَعْطَیْتُھَا اِیَّاھَا فَقَسَمَتْھَا بَیْنَ ابْنَتَیْھَا وَلَمْ تَاْکُلْ مِنْھَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ ھٰذِہِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت سوال کرنے کے لیے آئی' اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں' اس نے میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہیں پایا' میں نے وہ کھجور اسے دے دی' اس نے اسے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیا اور اس میں سے اس نے کچھ نہیں کھایا' پھر اُٹھی اور چلی گئی اور نبی ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے' میں نے حضور کو یہ واقعہ بتایا تو فرمایا: جو ان بچیوں سے آزمایا جائے تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ ہوں گی۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ص١٩٠' ج٢۔ کتاب الادب۔ باب: رحمۃ الولد ص٨٨٧' مسلم۔ کتاب الادب' ترمذی۔ کتاب البر)

اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے' ایک یہ کہ ضرورت مند سائل کو حتی المقدور واپس نہیں کرنا چاہیے' جتنی توفیق ہو مدد کرنی چاہیے' اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم ہو۔ دوسرے یہ کہ بچوں کی پرورش' ان کی دل جوئی' خصوصاً بچیوں کی' بہترین نیکی ہے۔

٨٣٥- ح: اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ [تندرستی اور مال کی حرص میں کیا جانے والا صدقہ (افضل) ہے]

٨٣٥ - حَدَّثَنَا اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْھِلُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صاحب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: کون سا صدقہ ثواب میں سب سے زیادہ ہے؟ فرمایا: وہ صدقہ جو تو تندرستی اور مال کی حرص محتاجی کے اندیشے اور مال داری کی آرزو کی حالت میں کرے اور

حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ. اتنا نہ ٹھہر کہ جب جان حلق تک آ جائے تو کہے کہ اتنا فلاں کا اور اتنا فلاں کا' حالانکہ وہ فلاں (وارث) کا ہو گیا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب:ای الصدقة افضل ص١٩١' کتاب الوصایا۔ باب:الوصیة عند الموت ص ٣٨٣' مسلم' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

جب تندرست ہوتا ہے اور یہ اُمید ہوتی ہے کہ ابھی زندہ رہے گا تو مال کو جمع رکھنے کی حرص ہوتی ہے کہ معلوم نہیں آئندہ کیا صورتِ حال ہو۔ ایسے وقت صدقہ کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے' اس لیے اس وقت صدقہ کرنا موت کے وقت صدقہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرنے کے وقت جو غلام آزاد کرے' وہ ایسا ہے جیسے جب پیٹ بھر جائے تو ہدیہ کرے۔ شہنشاہ ہشام بن عبدالملک کی بیوی رقیہ نے مرتے وقت اپنے سب غلام آزاد کر دیئے' یہ خبر جب حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمایا: یہ لوگ مالوں میں دوبار اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں' پہلے بخل کرتے ہیں' پھر جب دوسرے کا ہو جاتا ہے تو اسراف کرتے ہیں۔

وقد کان لفلان

اس میں فلاں سے مراد وارث ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرض الموت میں مورث کے مال میں وارث کا حق ثابت ہو جاتا ہے' اسی وجہ سے تہائی سے زائد وصیت نافذ نہیں اور وارث کے لیے وصیت باطل ہے' مگر یہ کہ وارث اسے نافذ کر دیں۔

٨٣٦- ح: اَطْوَلُكُنَّ يَدًا [جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے]

٨٣٦ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا قَالَ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَاَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا فَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ اَنَّمَا كَانَتْ طُوْلَ يَدِهَا الصَّدَقَةُ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم میں سب سے جلد آپ سے کون ملے گی؟ فرمایا: جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے' وہ چھڑی لے کر ہاتھ ناپنے لگیں تو حضرت سودہ کا ہاتھ سب سے لمبا نکلا' پھر ہم نے بعد میں جانا کہ ان کے ہاتھ کو صدقہ نے لمبا کر دیا تھا' اور یہ ہم سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں اور وہ صدقہ پسند کرتی تھیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب۔ ص١٩١' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

بعض ازواج النبی

ابن حبان کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جمع ہوئیں اور ان میں کوئی رہ نہیں گئی تھیں۔ ''ایـنـا'' سیبویہ نے کہا کہ ''ای'' تانیث میں کل کی طرح ہے' یعنی مؤنث کے لیے تاء کے ساتھ استعمال کرنا فصیح نہیں' مگر یہ سیبویہ کی ذاتی رائے ہے' دونوں طرح فصیح ہے۔ نسائی کی روایت میں ''اینتنا'' ہی ہے' زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ بغیر تاء کے زیادہ فصیح ہے۔

یہ سوال کرنے والی اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں' جیسا کہ صحیح ابن حبان میں بہ طریق یحییٰ بن حماد اسی سند کے ساتھ ہے: ''فقلت''۔

اطولکن یدا

ید کی مناسبت سے ''طولا کن'' چاہیے تھا مگر اضافت کے وقت افعل التفضیل میں مطابقت لازم نہیں۔

یذرعونہا

یہ بعض رواۃ کا تصرف ہے "یذرعنہا" جمع مؤنث کا صیغہ چاہیے تھا۔

اشکال...... (حضرت اُم المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال کب ہوا؟)

حدیث کے ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ "وکانت اسرعنا لحوقا" میں کانت کی ضمیر مستتر کا مرجع حضرت سودہ ہوں۔ اس لیے کہ اور کوئی زوجہ مذکور نہیں تو حدیث کا مفاد یہ ہوا کہ اُم المؤمنین حضرت سودہ ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے واصل بحق ہوئیں، حالانکہ اہل سیر کا اجماع ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، اور صدقہ میں یہی ممتاز بھی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کو اُم المساکین بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا وصال ۲۰ھ اخیر خلافت فاروق اعظم میں ہوا، اور اُم المؤمنین حضرت سودہ کا وصال حضرت معاویہ کے عہد میں شوال ۵۴ھ میں ہوا۔ خود امام بخاری نے تاریخ صغیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کے جنازے کی نماز پڑھی، اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے حضور سے یہی ملیں۔ مسلم[1] میں عائشہ بنت طلحہ سے خود اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کا یہ ارشاد مروی ہے: زینب ہم سب میں لمبے ہاتھ والی تھی، وہ کام کرتی تھیں اور صدقہ کرتی تھیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں بہ طریق عمرہ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ سے روایت کیا، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہم جب اکٹھی ہوتیں تو دیوار پر ہاتھ رکھ کر ناپتیں، یہاں تک کہ زینب بنت جحش کا انتقال ہوا تو ہم نے جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبا ہاتھ ہونے سے صدقہ کرنا مراد لیا ہے، اور یہی یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بھی روایت کیا ہے۔ اسی بناء پر علامہ ابن جوزی نے امام بخاری پر طعن کیا ہے اور شراح پر بھی، حتیٰ کہ علامہ خطابی نے اس حدیث کے تحت یہ لکھا تھا کہ اُم المؤمنین حضرت سودہ کا سب سے پہلے وصال نبوت کی نشانیوں میں سے ہے، تو ان کو بھی نہیں چھوڑا۔

جواب

(۱) یہ قطعی نہیں کہ اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش، اُم المؤمنین حضرت سودہ سے پہلے واصل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئیں۔ بہت سے محدثین نے تصریح کی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت سودہ کا وصال ان سے پہلے حضرت فاروق اعظم کے اخیر عہد خلافت میں ہوا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں، امام بیہقی نے دلائل میں، امام احمد[2] نے اپنی مسند میں، امام ابن سعد نے عفان سے یہی روایت کیا، بلکہ نسائی نے خود اُم المؤمنین حضرت صدیقہ سے جو روایت کیا ہے اس میں تصریح ہے: "فکانت سودۃ اسرعھن لحوقا فکانت اطولھن یدا فکان ذالک من کثرۃ الصدقۃ" سودہ سب سے پہلے حضور سے لاحق ہوئیں اور وہ سب سے لمبے ہاتھ والی تھیں اور یہ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے تھا۔[3] علاوہ ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس پر جزم فرمایا۔ ابن سید الناس نے فرمایا: یہی مشہور ہے۔

ہوسکتا ہے امام بخاری کا مختار یہی ہو، پھر طعن کسی طرح درست نہیں۔ اصحابِ سیر کا اجماع ایسا قطعی نہیں کہ اس سے انکار کی گنجائش نہ ہو۔

(۲) حضرت امام بخاری کبھی کبھی اپنی روایات میں ایسے دقیق رموز رکھتے ہیں جن کی طرف آسانی سے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔

---

[1] مسلم۔ ج ۲ ص ۲۹۱۔ کتاب فضائل الصحابہ۔ باب: فضائل زینب اُم المؤمنین

[2] مسند امام احمد۔ ج ۶ ص ۱۲۱

[3] نسائی۔ ج ۱ ص ۳۵۲۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: فضل الصدقۃ

ابن رشید نے یہاں ایک بہت ہی اہم بات کہی ہے۔ اُم المؤمنین نے پہلے فرمایا کہ ہاتھ ناپنے لگیں تو اُم المؤمنین سودہ کا ہاتھ سب سے لمبا تھا' پھر فرماتی ہیں کہ "فعلمنا بعد انما کانت طول یدها الصدقة" پھر بعد میں ہم نے جانا کہ نبی ﷺ سے سب سے پہلے لاحق ہونے والی کے ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ ہے' یعنی پہلے ہم نے طول ید کا حقیقی معنی سمجھا۔ جب ان خوش نصیب خاتون کا وصال ہوا تو ہم نے جانا کہ طول ید سے مراد معنی مجازی صدقہ ہے' تو ظاہر ہو گیا کہ یہ اُم المؤمنین حضرت سودہ نہیں' ورنہ معنی حقیقی سے عدول کی کوئی وجہ نہ تھی' واقعی ان کا سب سے لمبا ہاتھ تھا' یہ کوئی اور ہیں جن کا ہاتھ واقعی لمبا نہیں تھا' مگر وہ صدقہ میں تمام ازواجِ مطہرات سے ممتاز ہیں' وہ کون ہیں؟ باخبر سامع جانتا ہے کہ وہ اُم المساکین حضرت زینب تھیں' جو صدقہ میں بھی مشہور و معروف تھیں اور سب سے پہلے واصل بالنبی ﷺ ہوئیں۔ اور کبھی کبھی جب سیاق سے مرجع کا متعین ہونا معلوم ہو یا مشہور ہو تو مرجع کے ذکر کے بغیر ضمیر لاتے ہیں جیسا کہ آیت کریمہ "حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ" میں ہے' اب "انما کانت طول یدها الصدقة" میں "یدها" کی ضمیر اور بعد میں دو جگہ مذکور "کانت" کی ضمائر کا مرجع معہود فی الذہن حضرت زینب ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس توجیہ کو پسند فرمایا' علامہ عینی نے ردّ فرمایا۔ اس خادم کا رجحان یہ ہے کہ یہ توجیہ وجیہ قابل قبول ہے۔

نسائی کی روایت پر خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے زہر الربی میں کلام فرمایا اور اخیر میں یہ توجیہ کی' روایت میں تقدیم و تاخیر اور حذف ہو گیا۔ اصل عبارت یہ تھی:

فاخذن یذرعنها فكانت سودة اطولهن یدًا وكانت اسرعهن لحوقا زینب وكان ذلك من كثرة الصدقة۔

ازواجِ مطہرات ہاتھ ناپنے لگیں اور سودہ ان میں سب سے لمبے ہاتھ والی تھیں اور سب سے پہلے حضور سے لاحق ہونے والی زینب ہیں اور یہ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے تھا۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو معلوم تھا کہ کون کب مرے گا؟ نیز یہ کہ ازواجِ مطہرات کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ غیب جانتے تھے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کون کب مرے گا؟ ازواجِ مطہرات کے عقیدے کے مطابق ہم اہل سنت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

۸۳۷- ح: تُصُدِّقَ عَلٰى سَارِقٍ [چور کو صدقہ دیا گیا]

۸۳۷ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ سَارِقٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ عَلٰى سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ زَانِیَةٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰى زَانِیَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِیَةٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ غَنِیٍّ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ عَلٰى غَنِیٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے کہا: میں صدقہ کروں گا' وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور اسے ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا' صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) چور کو صدقہ دیا گیا' اس شخص نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے' میں صدقہ کروں گا' پھر وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور ایک زانیہ کو دے دیا' صبح کو لوگوں نے چرچا کیا کہ آج رات ایک زانیہ کو صدقہ دیا گیا۔ اس نے کہا: اے اللہ! زانیہ کو صدقہ دینے پر تیرے لیے حمد ہے' میں صدقہ کروں گا' پھر وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور ایک مال دار کو دے دیا' صبح کو چرچا ہوا کہ مال دار کو صدقہ دیا گیا۔ اس

عَلٰى سَارِقٍ وَّعَلٰى زَانِيَةٍ وَّعَلٰى غَنِيٍّ فَاُتِيَ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَاَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَاَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهٗ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة على غنى وهو لا يعلم ص ۱۹۱' مسلم' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

نے کہا: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے' چور اور زانیہ اور مال دار کو صدقہ دینے پر' تو اس کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: چور کو صدقہ دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ چوری چھوڑ دے گا اور زانیہ کو صدقہ دینے سے یہ ہے کہ وہ زنا سے آئندہ بچے گی اور مال دار کو دینے سے یہ ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے گا' اللہ عزوجل کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرے گا۔

قال الرجل

ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا' مسند امام احمد میں ابن لہیعہ کے طریقے سے ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔

تصدق على سارق

یہ تینوں جگہ تعجب اور انکار کے لیے ہے' لوگوں کو یہ پسند نہ آیا کہ چور یا زانیہ یا مال دار کو صدقہ دیا جائے' اس پر لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں۔

اللّٰهم لك الحمد

یہ اظہارِ شکر کے لیے بھی ہوسکتا ہے کہ چور ہی وغیرہ کو دیا' اس سے بدتر کو نہ دیا۔ اظہارِ تعجب کے لیے بھی ہوسکتا ہے کہ میں تو صدقہ مستحق کو دینا چاہتا تھا' رات کی تاریکی میں کیا ہوگیا' جیسے اس قسم کے مواقع پر سبحان اللہ بھی کہتے ہیں۔

فاتي فقيل

اسے اس پر دُکھ تھا کہ اس کا صدقہ غیر مستحق کو ملا' تو خواب میں اسے تسلی دی گئی اور حسن نیت کی بدولت قبول ہونے کی بشارت اور اس کا فائدہ بتایا گیا' جیسا کہ مستخرج ابی نعیم اور طبرانی کی مسند الشامیین میں ہے' ان دونوں نیز مسلم میں ہے کہ تیرا صدقہ قبول کرلیا گیا اور اس کا فائدہ یہ ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حسن نیت پر اُمید قبول ہے' اس لیے کہ یہ شخص یہی چاہتا تھا کہ کسی مستحق کو صدقہ دے' مگر لاعلمی سے غیر مستحق کو دے بیٹھا' پھر بھی قبول ہوا۔ اخلاص اور حسن نیت مدار قبول ہے۔ ثابت ہوا کہ لاعلمی میں اگر غیر مستحق کو زکوۃ دے دی' یہ جانتے ہوئے کہ یہ مستحق ہے تو زکوۃ ادا ہوگئی۔ معلوم ہونے کے بعد اعادہ واجب نہیں' جیسا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے' البتہ مستحب ہے کہ اعادہ کرے۔

٨٣٨- ح: لَكَ مَا نَوَيْتَ يَا يَزِيْدُ وَلَكَ مَا اَخَذْتَ

[اے یزید! تجھے تیری نیت کا اجر ہے' (اور اے معن!) جو تو نے لیا وہ تیرا ہے]

٨٣٨ - اَنَّ مَعْنَ بْنَ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهٗ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَاَبِيْ وَجَدِّيْ وَخَطَبَ عَلَيَّ فَاَنْكَحَنِيْ وَخَاصَمْتُ اِلَيْهِ وَكَانَ اَبِيْ يَزِيْدُ اَخْرَجَ دَنَانِيْرَ يَتَصَدَّقُ بِهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَجُلٍ

حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اور میرے والد اور دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور حضور نے میری منگنی کی اور نکاح کر دیا اور میں نے حضور کی بارگاہ میں اپنے والد کے خلاف استغاثہ کیا' میرے والد یزید نے کچھ دینار صدقہ کے لیے

فِي الْمَسْجِدِ فَجِئْتُ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اِيَّاكَ اَرَدْتُ فَخَاصَمْتُهُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَكَ مَا نَوَيْتَ يَا يَزِيْدُ وَلَكَ مَا اَخَذْتَ يَا مَعْنُ. (بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: اذا تصدق علی ابنه وهو لا يشعر ص۱۹۱)

نکالے تھے اور ایک شخص کے پاس مسجد میں رکھ دیئے تھے' میں آیا اور ان دیناروں کو لے لیا اور لے کر والد کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: بخدا! میں تجھے نہیں دینا چاہتا تھا تو ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو حضور نے فرمایا: اے یزید! تجھے تیری نیت کا اجر ہے اور معن جو تو نے لے لیا' وہ تیرا ہے۔

حضرت معن بن یزید بن اخنس بن حبیب سلمی رضی اللہ عنہم بیٹا' باپ' دادا تینوں صحابی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ تینوں بزرگ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت معن فتح دمشق میں بھی شریک تھے۔ حضرت معاویہ کے حامیوں میں تھے۔ جملہ لڑائیو میں ان کے ساتھ رہے۔ ضحاک خارجی کے ساتھ مرج راہط میں جو خونی معرکہ ۶۴ھ میں پیش آیا تھا' اس میں شہید ہوئے۔

وخطب علي

"خطب" اور "انکح" کی ضمیروں کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں' اس لیے کہ قریب ترین مذکور کو مرجع بنانا راجح ہے' نیز حضرت معن' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے گونا گوں تعلقات بیان کر رہے ہیں۔ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ میرے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ یہ تعلقات تھے۔ میں نے اور میرے باپ دادا نے حضور کی بیعت کی' حضور نے میری منگنی بھی کی اور نکاح بھی کیا' میں حضور کی خدمت میں معاملہ بھی لے گیا۔

مسائل

جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صدقہ واجبہ مثلاً زکوٰۃ صدقۂ فطر بیٹے کو دینے سے ادا نہ ہوگی اور اس حدیث میں مراد صدقہ نافلہ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بیٹا مقروض یا غازی ہو تو اسے باپ کی زکوٰۃ وغیرہ لینا جائز ہے' اور اس حدیث کا محمل یہی ہے۔ رہ گئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو ان کا مذہب واضح نہیں' انہوں نے اس حدیث پر باب یہ باندھا ہے: اپنے بیٹے کو صدقہ دے اور یہ نہ جانے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ حکم کیا ہے واضح نہیں فرمایا۔ تائید میں حدیث مذکور لانے سے متبادر یہی ہے کہ ان کے نزدیک یہ درست ہے' اگر ان کی صدقہ سے مراد عام ہے خواہ واجبہ ہو یا نافلہ' تو اس میں کلام ہے' جبکہ بعد میں معلوم ہو جائے کہ یہ بیٹا ہے کہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر مدت العمر یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ بیٹے کو زکوٰۃ دی ہے تو پھر یہ کہنا ہی صحیح نہیں کہ بیٹے کو زکوٰۃ دی' اور اگر صدقہ نافلہ مراد ہے تو صحیح ہے' اور اگر امام بخاری کا مسلک امام شافعی کے مطابق تھا تو "غارمًا او غازيًا" کا اضافہ لازم تھا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ماں یا باپ کا وکیل بیٹے کو صدقہ عطیہ دے تو باپ اسے واپس نہیں لے سکتا۔ اس سے ثبت ہوا کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوگا۔ حضرت یزید نے اپنے وکیل کو مطلق اختیار دیا تھا کہ جسے چاہیں یہ صدقہ دیں۔ اس اطلاق میں بیٹا بھی داخل تھا اور جب انہوں نے بیٹے کو دے دیا تو ادا ہو گیا' حضرت یزید کو واپس لینے کا حق نہ رہا۔

۸۳۹- ح: اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا

[جب عورت خرچ کرے تو اس کے لیے اس کا اجر ہے۔]

۸۳۹- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کسی کو دے' بشرطیکہ نقصان کی نیت نہ ہو تو اسے دینے کا ثواب ملے گا اور اس کے شوہر کو

أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا.

کمانے کا اور خازن کو بھی اس کے برابر ملے گا اور بعض کا ثواب بعض کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(بخاری۔کتاب الزکوٰۃ۔باب:من امر خادمه بالصدقة ص ۱۹۲' باب:اجر الخادم اذا تصدق بامر صاحبه ص ۱۹۳' باب:اجر المرأة اذا تصدقت او اطعمت من بيت زوجها۔ تین طریقوں سے۔کتاب البیوع۔باب:قول الله انفقوا من طيبات ما كسبتم ص ۲۷۷' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الزکوٰۃ' نسائی۔کتاب عشرۃ النساء' ترمذی۔کتاب زکوٰۃ' ابن ماجہ۔کتاب التجارات)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ تقریباً تمام بلاد میں یہ دستور ہے کہ عورتیں سائلین اور حاجت مندوں کو پکے ہوئے کھانے میں سے تھوڑا بہت دیتی ہیں اور شوہر گھر کے مالک اس کو برا بھی نہیں مانتے' یہ عادۃً اجازت ہے۔اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ شوہر کی اجازت سے عورت کچھ صدقہ کر دے تو جائز ہے' اسے بھی ثواب ملے گا اور اس کے شوہر کو بھی۔رہ گیا شوہر کی بلا اجازت تو دینا جائز نہیں۔اجازت عام ہے خواہ صریح ہو خواہ متعارف عمل سے معلوم ہو۔اس میں کھانے کی بھی تخصیص نہیں' کپڑا نقد سب کو عام ہے۔

مطابقت

یہاں باب یہ ہے: جس نے خادم کو صدقہ کا حکم دیا' اپنے ہاتھ سے نہیں دیا۔مطابقت "وللخازن مثل ذلك" سے ہے' اس لیے کہ خادم کے معنی ہیں جو دوسرے کا کام کرے' خواہ وہ اس کا مملوک ہو یا اجیر ہو یا بہ طور تبرع کام کرتا ہو' مال کی حفاظت بھی ایک کام ہے' اس لحاظ سے خادم اس کو بھی شامل ہے۔

فائدہ

اس باب کا فائدہ یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے عباس بن مدینی سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں: وہ کام ایسے تھے کہ حضور اقدس ﷺ انہیں خود انجام دیتے' کسی اہل سے نہیں لیتے۔مسکین کو اپنے ہاتھ سے دیتے اور طہارت کا پانی خود رکھتے۔ابن جوزی کی ترغیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ طہارت کے لیے پانی اور صدقہ دینا کسی اور کو سپرد نہیں کرتے تھے۔اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کسی دوسرے کے ہاتھ صدقہ دلانا ممنوع ہے۔یہ باب باندھ کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ افادہ فرمایا۔اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اپنے خادم یا کسی اور کے ہاتھ سے صدقہ دلایا جائے۔اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان دوسرے کو بھی ثواب ملے گا' اگرچہ اپنے ہاتھ سے دینا اس لیے زیادہ بہتر ہے کہ اس میں مسکین کی دل داری زیادہ ہے۔

۸۴۰- ح: خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى

[بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاجی پیدا نہ ہو]

۸۴۰ - لَفْظُهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاجی نہ پیدا ہو جائے اور سب سے پہلے اپنے اہل و عیال خرچ کرو۔

(بخاری۔کتاب الزکوٰۃ۔باب:لا صدقة الا عن ظهر غنى ص ۱۹۲)

۸۴۱- ح: اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى

[اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے]

٨٤١ - عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ.

(بخاری۔ باب: لا صدقة الا عن ظهر غنی ص ١٩٢)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاج نہ ہو، جو صدقہ لینے سے بچے گا، اللہ اسے بچالے گا اور جو غنی رہنا چاہے اسے غنی کردے گا۔

عن ظهر غنى

یعنی وہ صدقہ سب سے بہتر ہے کہ انسان اس کا محتاج نہ ہو۔ محتاج ہونے کی کئی صورتیں ہیں، وہ مقروض ہے تو اس پر واجب ہے کہ پہلے قرض ادا کرے، خود اپنی ذات کے لیے اسے حاجت ہے یا اپنے اہل وعیال کے لیے حاجت ہے، وہ صدقہ پسند نہیں کہ اس کے ذمے قرض رہے یا نان ونفقہ کی حاجت رہے اور صدقہ کر کے مقروض رہ جائے، خود بھوکا رہے یا خود اس کے اہل وعیال بھوکے رہیں، اس لیے کہ اس صورت میں صدقہ نفل ہوگا اور قرض کی ادائیگی یا اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نان ونفقہ واجب اور واجب کی ادائیگی مقدم ہے۔ اسی کو حضرت حکیم بن حزام کی حدیث میں واضح فرمایا کہ اپنی آمدنی سب سے پہلے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، یہ عقل مندی نہیں کہ خود وہ اور اس کے اہل وعیال بھوکے مریں اور دوسروں کو کھلایا جائے۔ یہاں اگر کسی کا معاملہ اللہ عزوجل کے ساتھ اتنا مضبوط ہو کہ اپنی اور اہل وعیال کی حاجت کے باوجود اللہ عزوجل کے ساتھ رابطہ ویسا ہی رہے تو اسے اجازت ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہ اپنا کل مال صدقہ کردیا تھا، جیسا کہ بہت سے صحابہ کرام خود بھوکے رہ کے دوسروں کو کھلاتے تھے، مگر جو کمزور دل کا ہو کہ بھوک سے جزع فزع کرنے لگے جیسا کہ عام لوگ ہوتے ہیں تو یہ پسندیدہ نہیں۔

اليد العليا

ید علیا سے دینے والا ہاتھ مراد ہے اور سفلی سے لینے والا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں تصریح ہے، یہاں مزید اور اقوال بھی ہیں۔ علیا جو صدقہ لینے سے اجتناب کرے۔ علیا اللہ عزوجل کا ید قدرت ہے، وسطی دینے والے کا، سفلی لینے والا کا، سفلی سے مراد صدقہ نہ دینے والا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں ید بہ معنی نعمت ہے، مطلب یہ ہے کہ زیادہ دینا بہ نسبت کم کے بہتر ہے۔

٨٤٢- ح: ذِكْرَ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ وَالْمَسْأَلَةَ

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صدقہ، سوال کرنے سے بچنے اور بھیک مانگنے کا تذکرہ فرمایا]

٨٤٢ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَذَكَرَ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ وَالْمَسْأَلَةَ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى فَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے فرمایا: اور صدقہ، سوال سے بچنے اور بھیک مانگنے کا تذکرہ فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا بھیک مانگنے والا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: لا صدقة الا عن ظهر غنی ص ١٩٢، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ)

٨٤٣- ح: اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا

[سفارش کرو اجر پاؤ گے]

٨٤٣ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ اَبِي مُوْسٰى عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَهُ السَّائِلُ اَوْ طُلِبَتْ اِلَيْهِ حَاجَةٌ قَالَ اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَآءَ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں جب کوئی سائل آتا یا حضور کی خدمت میں کوئی حاجت پیش کی جاتی تو فرماتے: سفارش کرو' اجر پاؤ گے اور اللہ اپنے نبی ﷺ کی زبان پر جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: التحريض على الصدقة ص ۱۹۲' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: من يشفع شفاعة حسنة ص ۸۹۱' کتاب التوحید۔ باب: في المشية والارادة ص ۱۱۱۳' مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الادب' ترمذی۔ کتاب العلم' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اچھے کام کی سفارش پر اجر ہے' مسلمانوں کو لازم ہے کہ سفارش سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔

٨٤٤- ح: لَا تُوْكِيْ فَيُوْكٰى عَلَيْكِ

[(اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے سے نہ رک ورنہ رزق روک دیا جائے گا]

٨٤٤ - عَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُوْكِيْ فَيُوْكٰى عَلَيْكِ. وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ عَنْ عَبْدَةَ وَقَالَ لَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ.

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مت رُک' ورنہ تیرا رزق روک دیا جائے گا۔ عثمان بن ابی شیبہ نے عبدہ ہی سے ان الفاظ میں روایت کی: گن مت ورنہ اللہ بھی گن کر دے گا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: التحريض على الصدقة ص ۱۹۲' کتاب الھبۃ۔ باب: هبة المرأة زوجها ص ۳۵۳۔ دو طریقوں سے۔ مسلم' نسائی۔ کتاب الزکوۃ۔ کتاب عشرۃ النساء)

کتاب الھبۃ میں تھوڑی تفصیل و اختلاف لفظ کے ساتھ یوں ہے۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی مال نہیں' جو زبیر نے دیا ہے۔ کیا مجھے صدقہ کرنے کی اجازت ہے؟ فرمایا: صدقہ کر' باندھ کر مت رکھ' ورنہ تیرے لیے باندھ دیا جائے گا۔ عبیداللہ بن سعید کی روایت میں ہے: خرچ کر' گن کر مت رکھ' ورنہ اللہ گن کر دے گا اور باندھ کر مت رکھ' ورنہ اللہ تیرے اوپر بندش کر دے گا۔ تین جملے وارد ہیں: "لا توكي فيوكي عليك. لا تحصي فيحصي الله عليك. لا توعي فيوعي الله عليك" سب کا حاصل معنی ایک ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے ہاتھ مت روک' اللہ تیرے اوپر رزق کھلا رکھے گا' یعنی صدقہ کرنے سے مال بڑھتا ہے' اس میں برکت ہوتی ہے اور بخل سے برکت اٹھ جاتی ہے' توکی کا مادہ وکاء ہے' وہ دھاگہ جس سے مشک کا منہ باندھتے ہیں۔ لفظی ترجمہ یہ ہوا: برتن کا منہ باندھ کر مت رکھ' توعی کا مادہ وعاء ہے' جس کے معنی برتن کے ہیں' ترجمہ یہ ہوا کہ برتن میں محفوظ مت رکھ کہ اس میں سے کچھ نہ نکال۔ احصاء کے معنی ہیں: کسی چیز کی مقدار جاننا' گن کر یا تول کر یا وزن کر کے۔ مطلب یہ ہوا کہ صدقہ دے اور گن مت کہ کتنا دیا کتنا رہ گیا۔ اس سے برکت جاتی رہتی ہے۔ "فيوكي' فيحصي' فيوعي" اسناد اللہ عزوجل کی طرف بہ طور مشاکلہ ہے۔ اسی جگہ اس کے بعد والی روایت میں یہ زائد ہے: "اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ" تم سے جتنا ہو سکے دو۔

٨٤٥- ح: اَشْيَاءَ كُنْتُ اَتَحَنَّثُ

[زمانۂ جاہلیت میں چند کام]

بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ

عبادت کی نیت سے کرتا تھا]

۸۴۵- عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ أَشْيَاءَ كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ أَوْ عَتَاقَةٍ وَّصِلَةِ رَحِمٍ فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَجْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کچھ کام میں جاہلیت میں بہ نیت عبادت کرتا تھا' مثلاً صدقہ' غلام آزاد کرنا' صلہ رحمی کرنا' کیا ان میں میرے لیے ثواب ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے کی ہوئی نیکیوں کی بدولت انہیں اسلام نصیب ہوا ہے۔

(بخاری۔ باب: من تصدق فی الشرک ثم اسلم ص ۱۹۳' کتاب البیوع۔ باب: شئی المملوک من الحربی ص ۱۹۵' کتاب العتق۔ باب: عتق المشرک ص ۳۴۴' ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: من وصل رحمہ فی الشرک ص ۸۸۶' مسلم۔ کتاب الایمان' مسند امام احمد۔ ج ۳ ص ۴۰۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ' اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچا کے صاحبزادے تھے' عام فیل سے تیرہ سال قبل پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے' ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے' بہت مخیّر اور سخی انسان تھے۔ زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے اور سو اونٹوں کا بوجھ صدقہ کیا۔ مسلمان ہونے کے بعد حج کیا' تو سو اونٹ ہم راہ تھے۔ عرفہ میں وقوف کے وقت سو غلام تھے' جن کے گلوں میں چاندی کی تختیوں پر لکھا تھا: یہ عتقاء اللہ ہیں' اور ایک ہزار بکریوں کی حج کے موقع پر قربانی کی۔ اپنا مکان ایک بار حضرت معاویہ کے ہاتھ ساٹھ ہزار میں بیچا اور کل کا کل صدقہ کر دیا۔

اتحنث

نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۲۰۶' رقم: ۳ میں حدیث حرا کے تحت اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ کتاب البیوع اور کتاب الادب کی بعض روایتوں میں ''اتحنت'' تاء کے ساتھ ہے' مگر یہ کسی راوی کا تسامح ہے۔ صحیح ''اتحنث'' ثاء ہی کے ساتھ ہے' اس کا مادہ حنث ہے' باب تفعل میں تعبد کے معنی میں آتا ہے۔

اسلمت ما سلف من خیر

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر اگر کفر پر مرے تو اس کے اعمال حسنہ پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ ارشاد ہے: ''عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝'' (الغاشیہ: ۳۔۴) لیکن جو اسلام سے مشرف ہوا اور اسلام پر مرا' اسے زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن بطال اور دوسرے محققین یہ کہتے ہیں کہ اسے ان اعمال خیر کا ثواب ملے گا۔ ان کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ فرمایا کہ کافر جب مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام سچا ہوتا ہے تو اللہ اس کی ہر نیکی کو لکھتا ہے جو پہلے گزر چکی ہے اور ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد ہر نیکی دس گنا سے لے کر سات سو تک لکھتا ہے' اور ایک گناہ کو ایک ہی لکھتا ہے اور چاہے تو معاف کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے غریب حدیث مالک میں نو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ نیز یہ حدیث باب بھی اپنے ظاہر معنی کے لحاظ سے اس کی مؤید ہے مگر امام قاضی عیاض وغیرہ دوسرے ائمہ محققین فرماتے ہیں کہ زمانہ کفر کے اعمال خیر پر اسے اجر نہیں ملے گا اور یہی اصول کے مطابق ہے' اس لیے کہ نیکی کو نیکی ہونے کے لیے نیت طاعت ضروری ہے اور کافر نیت کا اہل نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض خصوصیات کی وجہ سے کسی خاص کافر کو کچھ اجر ملے' جیسے ابوطالب اور ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی بھی اس باب میں یہ خصوصیت ہو کہ وہ زمانہ کفر کے افعال خیر پر اجر

پائیں۔ زمانہ کفر میں انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی بہت خدمت کی ہے۔ شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام میں غلہ بھیجا تھا' ایک دفعہ بہت عمدہ حلّہ خرید کر مدینہ لائے اور نذر کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں کافر کا ہدیہ نہیں قبول کرتا' قیمت لے کر دو تو لوں گا' مجبوراً قیمت لی۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں بھی عہد جاہلیت کے افعال خیر پر کچھ اجر ملے۔ امام قاضی عیاض نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ انہیں افعال خیر کی برکت سے اللہ نے تجھے ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔

۸۴۶- ح: اَلْخَازِنُ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ [خازن صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے]

۸۴۶ - عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِيْنُ الَّذِیْ يُنْفِذُ وَرُبَّمَا قَالَ يُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِهٖ كَامِلًا مُّوَفَّرًا طَيِّبٌ بِهٖ نَفْسُهٗ فَيَدْفَعُهٗ اِلَى الَّذِیْ اُمِرَ لَهٗ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: وہ مسلمان امانت دار خازن جسے کسی کو کچھ دینے کا حکم دیا گیا' پورا پورا خوش دلی سے اسے دیتا ہے' جسے دینے کا حکم دیا گیا ہے' تو وہ صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: اجر الخادم اذا تصدق بامر صاحبہ ص ۱۹۳' کتاب الاجارات۔ باب: استیجار الرجل الصالح ص ۳۰۱' کتاب الوکالۃ۔ باب: وکالۃ الامین فی الخزانۃ ص ۳۱۱' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کلھم فی کتاب الزکوۃ)

۸۴۷- ح: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا [اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے عوض دے]

۸۴۷ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَّوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَّيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: روزانہ صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں' ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا عوض دے! اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو برباد کر دے!

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: قول اللہ تعالی عزوجل فاما من اعطی واتقی ص ۱۹۳' مسلم۔ کتاب الزکوۃ' نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء۔ کتاب الملٰئکۃ)

راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کے لیے عوض سے مراد دنیا میں بھی عوض ملنا مراد ہے اور آخرت میں بھی' اسی طرح بخیل کے مال کی بربادی سے دنیا میں بربادی بھی مراد ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی' خرچ کرنا عام ہے۔ فرائض' واجبات' مستحبات سب میں خرچ کرنا مراد ہے' البتہ ازروئے قواعد بخیل سے یہاں مراد فرائض و واجبات میں خرچ نہ کرنے والا ہے' مگر یہ کہ وہ فطری بخیل کنجوس ہو کہ کما حقہ آل اولاد اور اپنی ذات اور عند الضرورت رشتہ داروں پر خرچ نہ کرتا ہو' مثلاً اس کے رشتہ دار پڑوسی بھوکے رہتے ہیں' یہ خبر گیری نہیں کرتا۔

۸۴۸- ح: مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ [بخیل اور خیرات کرنے والے کی مثال]

۸۴۸ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ مِّنْ ثُدِيِّهِمَا اِلٰى تَرَاقِيْهِمَا فَاَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ اِلَّا سَبَغَتْ اَوْ وَفَرَتْ عَلٰى جِلْدِهٖ حَتّٰى تُخْفِیَ بَنَانَهٗ وَتَعْفُوَ اَثَرَهٗ وَاَمَّا الْبَخِيْلُ فَلَا يُرِيْدُ اَنْ يُّنْفِقَ شَيْئًا اِلَّا لَزِقَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَّكَانَهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بخیل اور خیرات کرنے والے کی مثال ان دو انسانوں کی ہے جو لوہے کے جبے پہنے ہوئے ہیں' چھاتیوں سے ہنسلی تک' خرچ کرنے والا جب خرچ کرتا ہے تو وہ کرتا اس کے پورے جسم پر بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کو چھپا لیتا ہے اور نشان قدم مٹانے لگتا ہے' اور بخیل جب کچھ خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کی ہر کڑی اپنی جگہ

فَهُوَ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ. چپک جاتی ہے وہ پھیلانا چاہتا ہے مگر پھیل نہیں پاتی۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: مثل المتصدق و البخیل ص ۱۹۴، کتاب الجہاد۔ باب: ما قیل فی درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۰۹، مسلم، نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

ثُدِيِّهِمَا

"ثَدْيٌ" کی جمع ہے، یہ اصل میں "ثُدُوْيٌ" تھا، سید کے قاعدے سے واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کر دیا ہے اور یاء کی مناسبت کے لیے دال کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا ہے۔ "تَرَاقِي" "تَرْقُوَةٌ" کی جمع ہے، سینے کے اوپر ٹیڑھی ہڈی کو کہتے ہیں جسے ہنسلی کہا جاتا ہے۔ حنظلہ نے امام طاؤس سے جو روایت کی ہے اس میں "الجبتان" کے بجائے "الجنتان" ہے "جُنَّة" کا تثنیہ۔ زرہ کے معنی میں، بعض شراح نے اس روایت کی تصحیح کی ہے کیونکہ آگے "من حدید" اور "کل حلقة" آ رہا ہے، کڑی زرہ میں ہوتی ہے، کرتے میں نہیں، مگر اس خادم کی رائے یہ ہے: "الجبتان" والی روایت بھی صحیح ہے، زرہ کی تعبیر یہی ہوگی کہ وہ کرتا جس میں کڑیاں ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فیاض اور سخی کا ہاتھ کشادہ ہوتا ہے، اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی اور بخیل کنجوس کا ہاتھ ایسے ہوتا ہے جیسے کسی چیز میں جکڑا ہوا ہو۔

٨٤٩- ح: عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ [ہر مسلمان پر صدقہ ہے]

٨٤٩ - حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ فَقَالُوْا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ يَعْمَلُ بِيَدِهٖ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ يُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلْيُمْسِكْ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهَا لَهٗ صَدَقَةٌ.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ ہے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جو کچھ نہ پائے تو کیا کرے؟ فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کرے، اپنے کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، لوگوں نے عرض کیا: جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھے؟ تو فرمایا: محتاج مظلوم کی مدد کرے، لوگوں نے عرض کیا: یہ بھی میسر نہ ہو تو؟ فرمایا: اچھا کام کرے اور برائی سے بچے، یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: علی کل مسلم صدقة ص ۱۹۴، مسلم، نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

یہاں علیٰ عام ہے، بہ طور وجوب و استحباب دونوں کو شامل ہے۔ صدقے سے مراد مطلقاً ثواب کا کام ہے، جس طرح صدقہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے، اسی طرح مظلوم و مجبور کی مدد سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ تیسری صورت میں شر سے بچے گا تو کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ بھی ایک طرح کا فائدہ پہنچانا ہے۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خلق خدا پر شفقت انسان کا کمال ہے۔ یہ شفقت مال دے کر ہو یا کسی اور طرح نفع پہنچا کر خواہ دینی نفع پہنچا کر خواہ دنیوی۔ فرائض کا ثواب نوافل سے زیادہ ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

ما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما — بندہ جن جن چیزوں سے میرا تقرب چاہتا ہے، ان میں سب

افترضتُ عليه. (بخاری۔ج ۲۔باب۔ص ۹۶۳) سے زیادہ مجھے پسند فرائض ہیں۔

امام الحرمین نے بعض علماء سے نقل کیا کہ فرائض کا ثواب نوافل سے ستر درجے زائد ہے' فرائض کے چھوڑنے پر گناہ اور نوافل کے چھوڑنے پر گناہ نہیں' جو صدقہ پر قادر ہوا سے صدقہ کرنا افضل ہے۔ اپنی کمائی کا پہلا مصرف اپنی ذات ہے۔

٨٥٠- ح: هَاتِ فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا [لاؤ وہ (بکری) اپنی جگہ پہنچ چکی]

٨٥٠ - عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ بُعِثَ اِلٰى نُسَيْبَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ بِشَاةٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى عَائِشَةَ مِنْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقَالَتْ لَا اِلَّا مَا اَرْسَلَتْ بِهٖ نُسَيْبَةُ مِنْ تِلْكَ الشَّاةِ فَقَالَ هَاتِ فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا.

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: نسیبہ انصاریہ کے پاس ایک بکری بھیجی گئی تھی' انہوں نے اس میں سے کچھ حضرت عائشہ کے پاس بھیجا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو فرمایا: نہیں! سوائے اس کے جو نسیبہ نے اس بکری سے بھیجا ہے' تو فرمایا: لاؤ! وہ اپنی جگہ پہنچ چکی۔

(بخاری۔کتاب الزکوۃ۔باب: قدر كم يعطى من الزكوة ص ۱۹۴' باب: اذا تحولت الصدقة ص ۲۰۲' کتاب الھبۃ۔باب: قبول الهدية ص ۳۱' مسلم۔کتاب الزکوۃ)

یہ بکری صدقہ یعنی زکوۃ کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کو دی تھی' جیسا کہ کتاب الھبہ میں تصریح ہے۔ اُم عطیہ ہی کا نام نسیبہ ہے۔ اُم عطیہ نے اس بکری کو لے لیا' زکوۃ ادا ہوگئی اور وہ اس کی مالک ہوگئیں' انہوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا گوشت دیا' یہ ہدیہ ہوا۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ "فقد بلغت محلّها" کا مطلب یہی ہے کہ مستحق نے لے لیا' زکوۃ ادا ہوگئی' اب وہ مالک ہے جسے چاہے دے' دوسرے کے لیے ہدیہ اور عطیہ ہوگا' جیسا کہ حضرت بریرہ والی حدیث میں گزر چکا کہ فرمایا:

هو عليها صدقة وهو لنا هدية. وہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے اور بریرہ نے ہمیں دیا تو یہ اس کی طرف سے ہدیہ ہے۔

حیلہ شرعیہ

حیلہ شرعیہ کی یہ حدیث بھی اصل ہے' ضرورت شرعیہ کے وقت اس قسم کا حیلہ کرنے کی اجازت ہے' یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے تھے' اس لیے اُمت کی تعلیم اور آسانی کے لیے اس پر عمل فرمایا۔ بلا ضرورت شرعیہ زکوۃ وفطرہ کی رقم مستحقین کے علاوہ میں صرف کرنا سخت مذموم ہے' خصوصاً غیر دینی کاموں میں' خصوصاً جب خود اپنے ہی اوپر یا مال داروں پر خرچ ہو۔ دین کی بقاء دینی مدارس سے ہے اور دینی مدارس کی بقاء زکوۃ اور فطرہ پر ہے' میرے ابتدائی ایام تعلیم میں دینی مدارس کا حال بہت ابتر تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مدرسین کی تنخواہ بیس پچیس روپے تھی' مگر مدارس وہ بھی نہیں دے پاتے تھے۔ سال دو سال کی تنخواہیں چڑھ جاتی تھیں' دینی مدارس کا چلانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا' تو علماء نے بہ درجہ مجبوری حیلہ شرعیہ کر کے زکوۃ اور فطرہ کی رقم مدارس میں صرف کرنے کی اجازت دی اور آج اسی کی بدولت سب سے آسان کام مدرسہ قائم کرنا اور چلانا ہو گیا ہے۔

لیکن کچھ دنوں سے عوام میں یہ رجحان ہو چلا ہے کہ دنیوی مدارس اور سوسائٹیاں چلانے کے لیے زکوۃ اور فطرے کی رقم وصول کرنے لگے ہیں۔ اس کی اجازت کسی طرح شریعت نہیں دے سکتی' یہ شرعی ضرورت نہیں بلکہ دنیوی مدارس میں تو زکوۃ خود زکوۃ دینے والوں کے بچوں پر صرف ہوتی ہے' یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں بلکہ بہت سے ناخدا ترس حیلہ کر کے زکوۃ کی رقم خود رکھ لیتے ہیں۔ کیا زکوۃ

اسی لیے مشروع ہوئی تھی' کیا زکوٰۃ کا منشا یہی ہے' کیا یہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار نہیں؟ کیا یہ اصحاب سبت کے فعل سے مشابہ نہیں؟ انہوں نے یہی تو کیا تھا۔

ت٢٦٨- وَقَالَ طَاوُسٌ قَالَ مُعَاذٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِأَهْلِ الْيَمَنِ اِئْتُوْنِي بِعَرْضٍ ثِيَابٍ خَمِيْصٍ اَوْ لَبِيْسٍ فِي الصَّدَقَةِ مَكَانَ الشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ أَهْوَنُ عَلَيْكُمْ وَخَيْرٌ لِأَصْحٰبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ.

اور طاؤس نے کہا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن والوں سے فرمایا: مجھے زکوٰۃ میں جَو اور باجرے کے عوض چادر اور پہنے ہوئے کپڑے دو' یہ تمہارے لیے آسان ہے اور مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے لیے بہتر ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: العرض فی الزکوٰۃ ص ١٩٤)

اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں سند متصل سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ''عــرض'' نقد' حیوانات زمین کے علاوہ اور سامان جیسے کپڑا' برتن وغیرہ۔ ''خمیص'' یہ اصل میں ''خمیس'' سین کے ساتھ ہے' پانچ ہاتھ کی چادر تھان۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں سین ہی ہے' یہ ایک قسم کا مخصوص کپڑا ہے جسے خمیس نامی کسی بادشاہ نے ایجاد کیا تھا' ''لبیــس'' پہنا ہوا کپڑا۔ مطلب یہ ہے کہ غلے کی زکوٰۃ یعنی عشر میں بجائے غلے کے اتنی قیمت کا کپڑا دو' یہ تمہیں آسان ہے کہ تمہارے یہاں تیار ہوتا ہے اور مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کے لیے زیادہ بہتر ہے کہ وہاں کپڑے کی کمی تھی۔ یہ تعلیق احناف کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ اور عشر میں قیمت لینی جائز ہے۔ اور یہی امام بخاری کا بھی مذہب ہے۔ یہ تعلیق اگرچہ مرسل ہے' مگر مرسل ہمارے اور جمہور کے یہاں حجت ہے' اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر دوسری جگہ کے مسلمان زیادہ ضرورت مند ہوں تو ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے۔

٨٥١- ح: اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ الَّتِي اَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وہ لکھا جس کا اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا تھا]

٨٥١- اَنَّ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ الَّتِي اَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ مَخَاضٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وہ لکھا جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا اور جس کی زکوٰۃ بنت مخاض تک پہنچے اور اس کے پاس نہ ہو اور بنت لبون ہو تو اس سے قبول کی جائے' اور زکوٰۃ کا محصّل اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے' اور اگر اس کے پاس بنت مخاض نہیں جیسا کہ واجب ہے اور اس کے پاس ابن لبون ہے تو یہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ کچھ نہیں۔

(بخاری۔ باب: العرض فی الزکوٰۃ ص ١٩٤' باب: لا یجمع بین متفرق ص ١٩٥' باب: ما کان من خلیطین ص ١٩٥' باب: من بلغت عنده صدقة بنت مخاض ولیست عنده ص ١٩٥' باب: زکوٰۃ الغنم ص ١٩٥' باب: لا یوخذ فی الصدقة هرمة ص ١٩٦' کتاب الشرکة۔ باب: ما کان من خلیطین ص ٣٣٨' کتاب الجہاد۔ باب: ما ذکر فی ورع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ٤٣٨' ج ٢۔ کتاب اللباس۔ باب: هل یجعل نقش الخاتم ثلثة اسطر ص ٨٧٣' کتاب الحیل۔ باب: فی الزکوٰۃ لا یفرق بین مجتمع ص ١٠٢٩' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

بنت مخاض، بنت لبون وغیرہ کی تفصیل

بنت مخاض، اونٹنی کی مادہ بچی جو پورے ایک سال کی ہوگئی ہو، دوسرا شروع ہو چکا ہو۔ مخاض کے معنی دردِزہ کے ہیں، جب اونٹنی کی بچی سال بھر کی ہو جاتی ہے تو حاملہ ہونے کے لائق ہو جاتی ہے۔ گویا اب وہ دردِزہ کے لائق ہو گئی، اس لیے اس کی بچی کو بنت مخاض کہتے ہیں، بچہ ہو تو ابن مخاض، بنت لبون، اونٹنی کی وہ بچی جو پورے دو سال کی ہو گئی ہو، تیسرے میں قدم رکھا ہو۔ اونٹنی عام طور پر سال بھر حاملہ رہ کر بچہ دیتی ہے، جب ایک بچہ دو سال کا ہو گیا تو اس کی ماں دودھ والی ہو گئی۔ لبون کا معنی دودھ والی۔ حِقہ، پورے تین سال کی بچی جو چوتھے میں قدم رکھے، چونکہ اس عمر میں جفتی کے لائق ہو جاتی ہے، نیز بوجھ اُٹھانے کے لائق، اس لیے اس کو حقہ کہتے ہیں، اس کا مادہ حق ہے۔ ''جـذعة'' وہ بچی جو پورے چار سال کی ہو گئی ہو اور پانچواں شروع ہو چکا ہے اور جب پورے پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو اسے ثنی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کے وہ دانت جو رباعی کہلاتے ہیں، جھڑ جاتے ہیں اور جب پورے چھ سال کا ہو جاتا ہے تو نر کو رباعی اور مادہ کو رباعیہ کہتے ہیں اور جب پورے سات سال کا ہو جاتا ہے تو اسے سدیس اور سدس کہتے ہیں، اس لیے کہ اب رباعی کے بغل والے دانت جھڑ جاتے ہیں اور جب پورے آٹھ سال کا ہو جاتا ہے اور اس کے کیلے یعنی نوکیلے دانت نکل آتے ہیں تو اس کو بازل کہتے ہیں، یعنی جس کے کیلے نکل آئے اور جب وہ پورے نو سال کا ہو جاتا ہے تو اسے مخلف کہتے ہیں، اس کے بعد کوئی خاص نام نہیں۔

یہ ایک لمبی حدیث کا جز ہے جسے امام بخاری نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی اس کتاب میں دس جگہ ذکر فرمایا ہے، جو حاشیے میں مذکور ہے، زکوٰۃ سے متعلق جو احکامات ہیں، انہیں یہیں متفرق ابواب میں ذکر فرمادیا ہے، البتہ اس کا ابتدائی حصہ جس کا زکوٰۃ سے تعلق نہیں بلکہ جس سے اس والا نامے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، وہ کتاب الجہاد اور کتاب اللباس میں مذکور ہے، ابتدائی جز یہ ہے:

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے انہیں یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا اور ان کو ایک والا نامہ لکھ کر دیا، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے مہر فرمایا، اور اس مبارک مہر کا نقش تین سطر تھا: محمد، ایک سطر، رسول ایک سطر اور اللہ ایک سطر، اس ترتیب سے: محمد رسول اللہ۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ میں جو جانور واجب ہے وہ نہ ہو تو اس سے بڑا لے اور دونوں کی قیمت میں جو تفاوت ہو، وہ واپس کرے، یا اس سے چھوٹا لے اور جو کمی ہو، اس کی قیمت لے۔ اس حدیث میں بنت مخاض کی جگہ بنت لبون لینے پر بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرنے کو تحریر فرمایا ہے۔ یہ تقدیر شرعی نہیں بلکہ اس عہد پاک میں بنت مخاض اور بنت لبون کی قیمتوں میں جو تفاوت تھا، اس کے لحاظ سے وہ مقدار تحریر فرمائی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ میں شے واجب کی قیمت کا لینا درست ہے، اس لیے کہ تصریح ہے کہ جب بنت مخاض واجب ہے اور وہ موجود نہ ہو تو ابن لبون لے لے، اور کچھ نہ لوٹائے، یہ اسی بناء پر ہے کہ اس عہد میں ایک بنت مخاض اور ایک ابن لبون کی قیمتیں برابر تھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ احادیث کا لکھنا جائز ہے۔ ثابت ہوا کہ کوئی شیخ حدیث لکھ کر کسی کو دے دے اور پڑھ کر نہ سنائے اور لینے والا شیخ کو پڑھ کر نہ سنائے تو بھی اس کی روایت درست ہے۔

ت۲۶۹- لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَيُذْكَرُ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. • متفرق کے درمیان نہ جمع کیا جائے اور نہ مجتمع کے درمیان تفریق کی جائے، سالم عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ روایت بیان کی گئی۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: لا يجمع بين متفرق ص۱۹۵)

اس تعلیق کو امام احمد[1] میں، امام ترمذی[2] میں، امام ابوداؤد[3] میں، امام ابن ماجہ[4] میں اور امام حاکم نے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے: نبی ﷺ نے صدقہ کے حساب کی تفصیل لکھی تھی، مگر اس پر عمل کا موقع نہ ملا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اسے اپنی تلوار کے ساتھ رکھ دیا تھا، اس پر حضرت ابوبکر نے عمل کیا، پھر حضرت عمر نے زندگی بھر عمل کیا، اس میں یہ تھا: ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری۔ درمیان کی تفصیل ابھی آ رہی ہے، اخیر میں یہ حصہ تھا: اس کے ایک راوی سفیان بن حسین ہیں جو زہری سے روایت کرتے ہیں، ان کی زہری کی روایت ضعیف ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے اسے صیغہ مجہول سے تحریر کیا ہے جو صیغہ تمریض ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے کہ ترمذی نے کتاب العلل میں ذکر کیا ہے کہ میں نے محمد یعنی امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: مجھے امید ہے کہ یہ محفوظ ہو گی اور سفیان بن حسین صدوق یعنی بہت سچے ہیں، اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ یہاں حدیث انس کے لیے بطور شاہد اسے ذکر کیا ہے۔

لا يجمع بين متفرق

اس کی توجیہ میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، امام مالک نے فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ تین شخصوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں، اس میں تین بکریاں واجب ہیں، یہ جائز نہیں کہ ان سب کو کوئی یہ کہے کہ سب میری ہیں۔ اس صورت میں صرف ایک بکری واجب ہو گی، یا دو شریک ہیں، جن کی دو سو بکریاں ہیں، مجموعہ پر تین بکریاں واجب ہیں، اور اگر الگ کر لیں تو ہر ایک پر ایک بکری یعنی مجموعہ پر دو بکریاں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ مالک اور عامل دونوں سے خطاب ہے۔ مالک کو یہ جائز نہیں کہ متفرق مال کو اکٹھا یا اکٹھے مال کو اس طرح متفرق کرے کہ زکوٰۃ کی مقدار گھٹ جائے اور محصل کو یہ جائز نہیں کہ ایسا اس لیے کرے کہ زکوٰۃ کی مقدار بڑھ جائے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں میں چالیس بکریاں مشترک ہیں، اس صورت میں کسی پر زکوٰۃ نہیں۔ اب عامل کو جائز نہیں کہ دونوں کو ملا کر ایک بکری وصول کرے، اسی طرح کسی ایک کی ایک سو اکیس بکریاں ہیں، اس میں صرف دو بکریاں ہیں، لیکن اگر ان کو متفرق کر دیا جائے تو تین بکریاں واجب ہوں گی، یہ جائز نہیں۔

امام ابو یوسف نے اس کی صورت یہ بتائی کہ کسی شخص کی اسی بکریاں ہیں، جن میں ایک بکری واجب ہے اور عامل کو یہ بتائے کہ ہم تین یا زائد بھائیوں میں مشترک ہیں، اب کچھ واجب نہ ہو گا، یا بھائیوں کے مابین چالیس بکریاں مشترک ہیں اور عامل کہے: نہیں! یہ سب ایک شخص کی ہیں اور زبردستی ایک بکری لے لے۔

حاصل یہ کہ یہ ایک قاعدہ ارشاد فرمایا ہے، اس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ "خشية الصدقه" سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ خطاب مالک سے ہے کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا نہ کرے، زکوٰۃ سے بچنے کے لیے جمع کی مثال یہ ہے کہ دو بھائیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں، اب دو بکریاں واجب ہیں، ان کو ملا دے تو صرف ایک بکری واجب ہو گی۔ اور تفریق کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کی چالیس بکریاں ہیں، ان میں ایک بکری واجب ہے، وہ عامل کو یہ بتائے کہ ان میں بیس میری اور بیس میری بیوی کی ہیں، اب کچھ واجب نہ ہو گا۔ اور ایک صورت اس سے بھی واضح یہ ہے کہ مثلاً مختلف جانور ہیں مگر ان میں کوئی نصاب تک نہیں پہنچتا، مگر ایک جانور کو دوسرے کے ساتھ ملا دیں تو نصاب پورا ہو جاتا ہے، مثلاً کسی کے پاس چار اونٹ اور آٹھ بکریاں ہیں، ان میں سے کسی کا نصاب کامل نہیں، مگر دونوں کو ملا دیں تو اونٹ کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اونٹ کے نصاب میں خمس کی کمی ہے اور بکری کا خمس نصاب آٹھ ہے، مگر

---

[1] مسند امام احمد۔ ج ١ ص ١٥ [2] ترمذی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: فی زکوٰۃ الابل والغنم ص ٧٩

[3] ابوداؤد۔ ج ١ ص ٢٢٠۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: فی زکوٰۃ السائمۃ [4] ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: صدقۃ الغنم ص ١٢١

ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ (بہارِ شریعت۔ حصہ پنجم بحوالہ درمختار وغیرہ۔ ص ۳۱۔۳۰)

۸۵۲- ح: اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ الَّتِي فَرَضَ

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (زکوٰۃ کا) فرض کیا جانا ان کے لیے تحریر کیا]

۸۵۲ - حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ اَنَّ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ الَّتِي فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ.

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: لا یجمع بین متفرق ص ۱۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی جو مقدار مقرر کی لکھی تھی' اس کو ان کے لیے لکھا (اس میں یہ بھی تھا:) زکوٰۃ کے ڈر سے متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور نہ جمع کو متفرق کیا جائے۔

ت ۲۷۰- وَقَالَ طَاوُسٌ وَّعَطَاءٌ اِذَا عَلِمَ الْخَلِيطَانِ اَمْوَالَهُمَا فَلَا يُجْمَعُ مَالُهُمَا.

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: ما کان من خلطین ص ۱۹۵)

اور طاؤس اور عطاء نے کہا: جب دو شریکوں کے اموال معلوم و متعین ہوں تو جمع نہیں کیے جائیں گے۔

ت ۲۷۱- وَقَالَ سُفْيَانُ لَا تَجِبُ حَتّٰى يَتِمَّ لِهٰذَا اَرْبَعُوْنَ شَاةً وَّلِهٰذَا اَرْبَعُوْنَ شَاةً. (ایضاً)

اور سفیان ثوری نے کہا: ان پر زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہ ہوگی جب تک اس کے لیے بھی اور اُس کے لیے بھی چالیس چالیس بکریاں نہ ہو جائیں۔

پہلی تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں موصولاً ذکر کیا ہے اور دوسری تعلیق کو امام عبدالرزاق نے۔ ''خلیط'' کا مادہ ''خلط'' ہے' اس کے معنی شریک کے ہیں' ہمارے نزدیک اس سے مراد شریک فی الملک ہے' خواہ یہ شرکت ارث کی وجہ سے ہو یا ہبہ کی وجہ سے یا شراء یا کسب وغیرہ کی وجہ سے یا شرکت عقد ہو' خواہ عنان ہو یا مفاوضہ ہو۔ مبسوط میں ہے: مال شرکت میں زکوٰۃ اس وقت ہے جبکہ کسی ایک شریک یا دونوں کا جتنا حصہ ہو وہ بہ قدر نصاب ہو' مثلاً اسّی بکریاں دو شخصوں میں برابر برابر مشترک ہیں' تو دونوں پر ایک ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے' اور اگر ایسا ہے کہ ایک کا حصہ دو تہائی ہو اور ایک کا ایک تہائی' تو جس کا دو تہائی ہے اس پر ایک بکری واجب ہے اور دوسرے پر کچھ نہیں۔

امام نووی نے فرمایا کہ یہاں یہ شرکت ملک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے' خواہ شرکت فی الملک ہو بہ طریق شیوع یا اعیان میں ہو' یا اوصاف میں ہو یا شرکت جوار ہو' یعنی وہ سب ایک جگہ رہتے ہیں' اس کی نو شرطیں ہیں:

(۱) یہ شرکت ان لوگوں کے مابین ہو جن پر زکوٰۃ واجب ہو (۲) شرکت کے بعد مال بہ قدر نصاب ہو (۳) شرکت کے بعد ان پر سال پورا ہو چکا ہو (۴'۵'۶) یہ جانور آرام کی جگہ' چراگاہ' پانی پینے کی جگہ میں ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں (۷'۸'۹) ان سب کا چرواہا اور نر اور دودھ دوہنے کا برتن مشترک ہو۔ دوسرے علماء کے بھی اس طرح کے تھوڑے تغیر و تبدل کی یا زیادتی کے ساتھ اقوال ہیں۔

ان کی دلیل حدیث باب ہے۔ اس بنیاد پر کہ لفظ خلیط مذکورہ بالا مفہوم پر صادق ہے۔ اس قول کی بناء پر اگر چند آدمیوں کے جانور مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ اکٹھے رہتے ہوں تو مجموعہ پر زکوٰۃ ہے' اور زکوٰۃ کی جو بھی مقدار ہے وہ سب شرکاء میں مشترک ہوگی' مثلاً چالیس بکریاں دو یا زائد آدمیوں کی اکٹھے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ رہتی ہوں' اگرچہ ہر ایک کی بکریاں متعین ہوں تو بھی ایک بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے' اور یہ سب شرکاء میں بہ قدر حصہ رسدی تقسیم ہوگی۔ ہمارے نزدیک کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ

خلیط کا یہ معنی لے کر زکوۃ واجب کرنا' دوسری صحیح احادیث کے معارض ہے' حدیث گزر چکی کہ پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں۔ قول مذکور پر پانچ اونٹ سے کم پر بھی زکوۃ واجب ہونا لازم آتا ہے' مثلاً ایک شخص کے تین اور دوسرے کے دو اونٹ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ اکٹھے رہتے ہوں تو اس قول پر زکوۃ واجب ہے' یہ تین اور دو اونٹ پر زکوۃ واجب کرنا ہوا' جو حدیث مذکور کے معارض ہے۔ احادیث میں دفع تعارض کے لیے خلیط سے شریک فی الملک مراد لینا ضروری ہوا۔ امام طاؤس' امام عطاء اور امام سفیان کا قول ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔

بالسوية

یہ حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ شرکت برابر برابر ہو۔

٨٥٣- ح: مَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا

[جو زکوۃ دو شریکوں پر واجب ہو' وہ دونوں (برابر بانٹ لیں)]

٨٥٣ - حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ الَّتِي فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ.

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: ما کان من خلیطین ص ١٩٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وہ لکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کی مقدار مقرر فرمائی تھی (اس میں یہ بھی تھا) اور جو زکوۃ دو شریکوں پر واجب ہو' وہ دونوں برابر برابر بانٹ لیں گے۔

٨٥٤- ح: فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ

[دریاؤں سے پار (دور) رہ کر عمل کرو]

٨٥٤ - عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنَّ شَأْنَهَا شَدِيْدٌ فَهَلْ لَّكَ مِنْ إِبِلٍ تُؤَدِّيْ صَدَقَتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَّتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: تیرے لیے خرابی ہو' بے شک ہجرت کا معاملہ سخت ہے' کیا تیرے پاس اونٹ ہے جن کی زکوۃ تو دیتا ہے۔ اس نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: دریاؤں کے پار رہ کر عمل کر' اللہ تیرے عمل سے کچھ ضائع نہیں فرمائے گا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: زکوۃ الابل ص ١٩٥' کتاب الھبۃ۔ باب: فضل النیحۃ ص ٣٥٨' باب: ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ٥٥٨' ج ٢۔ کتاب الادب۔ باب: فی قول الرجل ویلک ص ٩١١' مسلم۔ کتاب الامارۃ' ابوداؤد۔ کتاب الجھاد' نسائی۔ کتاب البیعۃ' مسند امام احمد۔ ج ٣ ص ٦٤)

سأل عن الهجرة

اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنا چاہتے تھے۔

ويحك

یہ کلمہ اصل میں زجر و توبیخ کے لیے ہے' اس کا ترجمہ خرابی ہو تیرے لیے ہے' مگر کبھی کبھی ترحم و شفقت کے لیے بھی بولا جاتا ہے'

جیسے حدیث میں "ویح لعمّار تقتلك الفئة الباغية" میں ہے' یہاں بھی ترحم ہی کے لیے ہے۔

ان شانها شديد

ظاہر ہے' یہ قصہ فتح مکہ کے پہلے کا ہے' ورنہ فرمادیتے کہ اب ہجرت نہیں۔ نیز قبل فتح مکہ بھی ہجرت صرف مکہ معظمہ سے کرنی فرض تھی اور بلاد سے فرض نہ تھی۔ انہیں ہجرت سے اس لیے منع فرمایا کہ ان کے بارے میں نور نبوت سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ اس کا تحمل نہ کر پائیں گے جیسا کہ ایک اعرابی کا قصہ مشہور ہے کہ ہجرت پر بیعت کر کے مدینہ آئے اور جب انہیں بخار آ گیا تو بیعت توڑ دی۔

من وراء البحار

یہ عرب ہی کے باشندے تھے' اس لیے کہ اعرابی عرب کے دیہاتی کو کہتے ہیں۔ سمندر پار کے باشندے نہیں تھے' پھر یہ ارشاد کیسے درست ہوا؟ بعض شارحین نے یہ توجیہ کی ہے کہ بحار اور بحر کبھی کبھی شہر کے معنی میں بھی آتے ہیں' جیسے آیت کریمہ "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ" (الروم:۴۱) میں' ایک قول یہ ہے کہ "بر" سے دیہات اور "بحر" سے شہر مراد ہے۔ خود حدیث میں مدینہ طیبہ پر "بحیرہ" کا اطلاق آیا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"لقد اصلح اهل هذه البحيرة ان يتوجوه"[1] اس شہر والوں نے طے کیا تھا کہ اس کے سر پر تاج باندھ دیں گے' مگر یہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ارشاد بہ طور مبالغہ علی سبیل الفرض ہے۔ یعنی مدینہ سے کتنی ہی دور رہ کر عمل کرو گے' اگرچہ سمندر پار رہ کر' ثواب پورا ملے گا۔

کتاب الہبہ میں اور باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ زائد ہے: ان میں کچھ دوسروں کو دیتا بھی ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں! فرمایا: کیا گھاٹ پر جانے کے دن اسے دوہتا ہے؟ اس نے عرض کی: ہاں

۸۵۵- ح: كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ

[صدقہ فرض ہونے کی تحریر لکھی]

۸۵۵ - حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ اَنَّ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي اَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَّعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ اِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ اِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّيُعْطِي شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَّعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے زکوۃ کی وہ مقدار لکھی جس کا اللہ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا' جس کی زکوۃ جذعہ تک پہنچے اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو اور اس کے پاس حقہ ہو تو اس سے حقہ قبول کر لیا جائے گا اور اس کے ساتھ میسر ہوں تو دو بکریاں' ورنہ بیس درہم بھی لیے جائیں اور جس کی زکوۃ حقہ تک پہنچے اور اس کے پاس حقہ نہ ہو اور اس کے پاس جذعہ ہو تو اس سے جذعہ لے لیا جائے اور محصل مالک کو بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کی زکوۃ حقہ تک پہنچے اور اس کے پاس صرف بنت لبون ہو تو اس سے بنت لبون قبول کر لے اور وہ یعنی مالک دو بکریاں یا بیس درہم دے اور جس کی زکوۃ بنت لبون تک پہنچے اور اس کے پاس حقہ ہو تو یہی قبول کیا جائے اور محصل مالک کو بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کی زکوۃ بنت لبون تک پہنچے اور اس کے پاس نہ ہو اور اس کے پاس بنت مخاض ہو

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۶۵۶۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ آل عمران۔ باب: قوله ولتسمعن من الذين اوتوا الكتاب

بِنْتَ لَبُوْنٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَّيُعْطِي مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ۔ تو یہی لے لی جائے اور مالک بیس درہم یا دو بکریاں دے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہ ص ١٩٥)

سیاق سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد حدیث: ٨٥١ یعنی "ومن بلغت صدقته بنت مخاض" ہے اس کا معطوف علیہ "من بلغت عندہ صدقۃ الجذعۃ الخ" ہے اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حدیث: ٨٥١ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ جو جانور واجب ہے وہ نہ ہو تو اس سے بڑا یا چھوٹا لے لے۔ دونوں کی قیمت میں جو تفاوت ہو وہ محصل دے دے یا مالک سے لے لے۔

مطابقت باب

اس حدیث پر باب کا عنوان یہ ہے: جس کا صدقہ بنت مخاض تک پہنچے اور وہ اس کے پاس نہ ہو (تو وہ کیا کرے؟) مگر اس باب میں جتنی حدیث مذکور ہے اس میں یہ جزئیہ مذکور نہیں اسی وجہ سے ابن بطال نے امام بخاری پر غفلت کا الزام لگایا مگر یہ بے جا ہے۔ امام بخاری کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ باب کے تحت کسی طویل حدیث کا ایک جز ذکر فرماتے ہیں جو باب سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا مگر اس حدیث کے دوسرے اجزاء باب کے مطابق ہوتے ہیں یہاں بھی یہی قصہ ہے۔ اسی حدیث کا جز حدیث: ٨٥١ ہے جس میں یہ جزئیہ صراحۃً مذکور ہے۔ ویسے علامہ ابن حجر وغیرہ نے اتنے حصے سے بھی مطابقت ثابت کر دی ہے جو درست بھی ہے کہ اس حدیث میں مذکور تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ جو جانور واجب ہو وہ مالک کے پاس نہ ہو تو اس سے ایک سال بڑا لے لے اور دو بکریاں یا بیس درہم واپس کر دے یا ایک سال چھوٹا لے لے اور مالک سے دو بکریاں یا بیس درہم لے لے۔ اس سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ جو واجب ہے وہ نہ ہو تو اس سے ایک سال بڑا لے کر دو بکریاں یا بیس درہم واپس کر دے یا اس سے ایک سال چھوٹا لے لے اور ساتھ ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم بھی لے لے۔ اس کے مطابق باب کا حکم معلوم ہو گیا کہ جب بنت مخاض واجب ہے اور وہ نہیں تو بنت لبون لے لے اور دو بکریاں یا بیس درہم واپس کر دے۔ اس کلیہ سے ان صورتوں کا بھی حکم معلوم ہو گیا جو اس حدیث میں مذکور نہیں مگر واقع ہو سکتی ہے مثلاً اسی صورت میں جبکہ بنت مخاض واجب ہے اور وہ موجود نہیں اور بنت لبون بھی نہیں بلکہ حقہ ہے تو کیا کرے۔ اس قاعدے سے معلوم ہو گیا کہ ایک سال کے سن کے تفاوت پر بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرنا ہے تو جب دو سال کا تفاوت ہے تو چالیس درہم یا چار بکریاں واپس کرے۔ یوں ہی اس کے برعکس میں اتنا مزید لے۔ اور فائدہ اس وجہ سے حاصل ہوا کہ وہ حدیث نہیں ذکر کی جس میں یہ حکم صراحۃً مذکور ہے۔ وہ حدیث ذکر فرما دیتے تو نہ کسی کو مزید غور کی حاجت تھی نہ کوئی غور کرتا اور نہ یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا۔

اقول وباللہ التوفیق: یہ حدیث ذکر فرما دیتے تو بھی جنہیں نصوص میں غور کرنے کی عادت ہے وہ غور کر کے یہ قاعدہ استخراج کر لیتے مگر حدیث ذکر نہ کرنے سے یہ شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں لیکن حدیث ذکر کر دینے سے یہ فائدہ ہوتا کہ دوسرا حل بھی معلوم ہو جاتا کہ وہ شی واجب کی قیمت لے لے اس لیے کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر اس صورت میں ابن لبون ہو اور وہ لے لے تو نہ کچھ دینا ہے اور نہ کچھ لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی حل کی صورت ہے کہ قیمت لے لے خواہ اسی قیمت کا جانور یا نقد اس لیے باب سے مطابقت کی وہی صورت بہتر ہے جو علامہ عینی نے بیان فرمائی جو ہم پہلے لکھ آئے۔

٨٥٦- ح: كَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ [اس کے لیے یہ خط لکھا]

۸۵٦ - حَدَّثَنِی ثُمَامَةُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهٗ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِيْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتَّةً وَّثَلَاثِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّاَرْبَعِيْنَ اِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَاِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ يَعْنِيْ سِتًّا وَّسَبْعِيْنَ اِلٰى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَّمَنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهٗ اِلَّا اَرْبَعٌ مِّنَ الْاِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا مِّنَ الْاِبِلِ فَفِيْهَا شَاةٌ وَّفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِّنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا.

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: زکوۃ الغنم ص ۱۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو جب بحرین بھیجا تھا تو یہ لکھ کر دیا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم! یہ زکوۃ کی وہ مقدار ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مقرر فرمائی اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے؛ جس مسلمان سے اس کے مطابق مانگا جائے وہ دے اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے؛ چوبیس اور اس سے کم اونٹ میں ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری ہے؛ پھر جب پچیس سے لے کر پینتیس تک ہو جائے تو ان میں ایک بنت مخاض مادہ ہے؛ پھر جب چھتیس سے لے کر پینتالیس تک پہنچ جائے تو ان میں ایک مادہ بنت لبون ہے؛ پھر جب چھیالیس سے لے کر ساٹھ تک پہنچ جائے تو ان میں ایک حقہ ہے جو نر کی جفتی کے لائق ہو؛ پھر جب اکسٹھ سے لے کر پچھتر تک پہنچ جائے تو ان میں ایک جذعہ ہے؛ پھر جب چھہتر سے لے کر نوے تک پہنچ جائے تو ان میں دو بنت لبون ہیں؛ پھر جب اکانوے سے لے کر ایک سو بیس تک پہنچ جائے تو ان میں جفتی کے لائق دو مادہ حقے ہیں اور جب ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان میں زکوۃ واجب نہیں؛ مگر یہ کہ مالک چاہے تو دے دے؛ جب پانچ اونٹ ہو جائیں تو ایک بکری ہے اور چرنے والی بکریاں اگر چالیس ہوں تو ان میں ایک سو بیس تک ایک بکری ہے؛ اور جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو دو سو تک دو بکریاں؛ پھر جب دو سو سے زائد ہو کر تین سو ہو جائیں تو تین بکریاں؛ پھر جب تین سو سے بڑھ جائیں تو ہر سو میں ایک بکری اور جب چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہو تو ان میں کچھ نہیں؛ مگر یہ کہ مالک بہ خوشی کچھ دے دے؛ اور چاندی میں ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ ہے؛ اور اگر چاندی ایک سو نوے درہم ہو تو اس میں کچھ نہیں؛ مگر یہ کہ مالک بہ خوشی کچھ دے دے۔

یہ حدیث باب زکوۃ میں اصل عظیم ہے؛ اسی پر اس کی ساری تفصیلات مبنی ہیں؛ اس حدیث سے چند بنیادی باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل ہر قسم کے اموالِ زکوٰۃ کا ایک نصاب ہے کہ اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب بہ قدرِ نصاب مال ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اونٹ کا نصاب پانچ اور بکری کا چالیس اور چاندی کا دوسو درہم ہے۔ ان سے زیادہ ہونے کی صورت میں دو نصابوں کے درمیان معاف ہے۔ اونٹوں کی زکوٰۃ میں جہاں اونٹ کا بچہ واجب ہے اس سے مراد مادہ ہے اگر نر دے گا تو قیمت میں جو تفاوت ہو وہ بھی دے اور جہاں بکری واجب ہے وہاں اختیار ہے خواہ نر دے خواہ مادہ اور یہی حکم بھیڑوں کا ہے۔ بکری میں بھیڑ اور دنبہ بھی داخل ہیں۔

لما وجهه الى البحرين

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت انس کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بحرین بھیجا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مشورہ فرمایا تو انہوں نے تائید کی اور کہا: وہ ہوشیار ہیں اور لکھنا جانتے ہیں۔

بحرین بصرہ کے قریب ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کا صدر مقام ہجر تھا۔ یہ بحر ہند اور خلیج فارس کے مابین ہے اسی لیے اس کو بحرین کہتے ہیں۔

بسم الله

ماوردی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی والا نامہ کا جز ہے۔ اس حدیث کی تعمیل میں کہ فرمایا: جو اہم کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہے۔ اس والا نامہ کی ابتداء میں حمد نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ ابتداء بالحمد واجب نہیں اور حدیث استحباب پر محمول ہے۔

فريضة الصدقة

صدقہ بہ معنی زکوٰۃ ہے احناف پر علامہ ابن حجر نے یہ بے جا الزام لگایا ہے کہ وہ صدقہ کا اطلاق زکوٰۃ پر درست نہیں مانتے۔ احناف اس سے مطلقاً انکار نہیں کرتے کہ صدقہ بہ معنی زکوٰۃ بھی آتا ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ ہر جگہ صدقہ بہ معنی زکوٰۃ نہیں بلکہ صدقہ عام ہے فرض واجب نفل کو جہاں قرینہ جس کا مقتضی ہو وہ مراد ہوگا۔

فرض

فرض کے معنی کسی سخت چیز کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کرنا ہے پھر اس کا استعمال تقدیر یعنی مقدار مقرر کرنے کے معنی میں ہونے لگا ہے پھر الزام میں مستعمل ہونے لگا یعنی کسی چیز کا کسی پر لازم ہونا۔ (فتح الباری۔ ج ۳ ص ۲۵۰)

مفردات امام راغب میں ہے: قرآن مجید میں جہاں فرض علی فلان آیا ہے اس کے معنی واجب اور لازم کرنے کے ہیں اور جہاں فرض لہ آیا ہے تو وہ اس معنی میں ہے کہ یہ اس پر حرام نہیں مباح ہے۔ "فرض عليك القراٰن" کے معنی ہیں کہ قرآن پر عمل کرنا واجب ہے۔

یہاں "فرض" "اوجب" یعنی واجب فرمایا کے بھی معنی میں ہو سکتا ہے اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شارع ہیں اور "قدّر" کے معنی میں بھی یعنی مقدار مقرر فرمائی اور "بيّن" و "فصّل" کے بھی معنی ہیں یعنی بیان فرمایا تفصیل ذکر فرمائی۔

فى اربع وعشرين فما دونها من الغنم

"فى اربع وعشرين" یہ مبتدا محذوف "الواجب" کی خبر ہے الواجب میں جو الف لام ہے "الذى" کے معنی میں ہے۔ "من الغنم" اس کا بیان ہے یعنی چوبیس اور اس سے کم اونٹ میں بکری واجب ہے۔ اکثر نسخوں میں "مِن" آیا ہے مگر ابن السکن کے نسخے میں "من" نہیں اور یہ زیادہ واضح ہے۔ "من كل خمس شاة" یہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ امام ابن ہمام نے فرمایا کہ

اونٹ کی زکوٰۃ کو سب سے پہلے ذکر فرمایا' اس لیے کہ یہ عرب کا سب سے اہم اور قیمتی مال تھا۔

في سائمتها

یہ دلیل ہے کہ زکوٰۃ صرف چرنے والے جانوروں پر ہے' یعنی وہ جو سال کے اکثر حصے میں چرنے پر گزر کرتے ہیں' جن جانوروں کو چھ مہینے چارہ دیتے ہوں' چھ مہینے چرائی پر رکھتے ہوں' وہ سائمہ نہیں۔ یہ بھی قید ضروری ہے کہ ان جانوروں سے مقصود نسل یا دودھ حاصل کرنا ہو' یا فربہ کرنا۔ ان جانوروں سے اور کوئی غرض نہ ہو' مثلاً سواری کرنا' بوجھ لادنا' ہل وغیرہ میں لگانا۔ اور اگر جانوروں سے مقصود کام لینا ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں' اگرچہ سال بھر تک چرتے رہتے ہوں۔ ابوداؤد[1] میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "وليس على العوامل شيء" "کام کرنے والی گایوں پر کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر مقصود تجارت ہو تو ان پر سائمہ کی زکوٰۃ نہیں' البتہ مال تجارت کی زکوٰۃ ہے' یعنی بازار بھاؤ سے جوان کی قیمت ہو' اس کا چالیسواں حصہ۔ یہاں حدیث میں یہ قید صرف بکری کے ساتھ مذکور ہے' مگر حقیقت میں اونٹ گائے میں بھی یہ شرط ملحوظ ہے۔ ابوداؤد (ایضا) میں بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"في كل سائمة ابل من الاربعين بنت لبون" "ہر چرنے والے چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون ہے۔

يعني ستا وسبعين

علامہ کرمانی نے فرمایا: شاید "ستا وسبعين" مکتوب نہیں تھا یا کسی راوی نے چھوڑ دیا تھا' اس بناء پر کہ یہ ظاہر تھا' پھر کسی اور راوی نے توضیح کے لیے اس کا اضافہ کر دیا۔

فاذا زادت على مائة وعشرين

اونٹ کی زکوٰۃ پر ایک سو بیس تک پر اتفاق ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے جتنے مکتوب مروی ہیں' سب یہاں تک متفق ہیں' اس کے بعد اختلاف ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بعد ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ' اس کے بعد ہر چالیس اور پچاس پر حساب دائر ہوگا' یعنی اگر چالیس اونٹ زائد ہوں گے تو مزید ایک بنت لبون اور اگر پچاس زائد ہوں گے تو مزید ایک اور حقہ۔ امام شافعی کی دلیل یہی حدیث ہے کہ فرمایا: "فاذا زادت على عشرين ومائة ففي كل اربعين بنت لبون وفي كل خمسين حقة" جب ایک سو بیس سے زائد ہوں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ' مگر ہمارا مذہب یہ ہے کہ ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ پر مزید ایک بکری' ایک سو پینتالیس تک' یعنی دو حقوں کے ساتھ' مثلاً ایک سو پچیس ہوں تو دو حقے اور ایک بکری۔ ایک سو تیس ہوں تو دو حقے اور دو بکریاں۔ علیٰ ھذا القیاس! پھر ایک سو پچاس میں تین حقے۔ اب اگر اس سے زائد ہوں تو جیسے حساب چلا تھا' وہ کریں' یعنی اب ہر پانچ پر ایک بکری' چوبیس تک پھر پچیس میں بنت مخاض' چھتیس میں بنت لبون پینتالیس تک' اور چھیالیس سے ساٹھ تک میں ایک حقہ' الخ۔ یہاں تک کہ ایک سو پچاس میں تین حقے اور ایک بنت لبون' پھر ایک سو چھیانوے سے دو سو تک میں چار حقے یا پانچ بنت لبون' دو سو کے بعد پھر اسی طریقے سے حساب ہوگا' جو ایک سو پچاس کے بعد جاری ہوا ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداؤد نے مراسیل میں اور امام اسحٰق بن راھویہ نے اپنی مسند میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں' حماد بن سلمہ سے روایت کیا' انہوں نے کہا: میں نے قیس بن سعد سے کہا: وہ محمد بن حزم کا صحیفہ لائے اور مجھے ایک صحیفہ دیا

[1] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۲۲۱۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: زکوۃ السائمۃ

اور یہ بتایا کہ یہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے منقول ہے' یہ وہ صحیفہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے دادا کے لیے لکھا تھا' اس کو پڑھا تو اس میں اونٹوں کی زکوۃ کی مقدار لکھی تھی۔ انہوں نے شروع سے پڑھا' یہاں تک کہ اونٹ ایک سو بیس تک پہنچ جائیں اور جب اس سے زائد ہوں تو ابتدائی مقدار کی طرف لوٹیں یعنی ایک سو پچیس سے کم میں ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری۔

(عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۲۰)

ہمارا مذہب اس حدیث کے معارض نہیں۔ اس حدیث میں ایک سو بیس اور ایک سو ساٹھ کی درمیانی مقدار کا حکم مذکور نہیں' اور ابن حزم والی حدیث میں مذکور ہے تو یہ ایک زیادتی ہے جو ثقہ کی ہے' اس لیے مقبول ہے۔ ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہے اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حزم والی حدیث پر عمل ترک فرمایا۔ رہ گئیں وہ جرحیں جو عمرو بن حزم کی اس حدیث پر کی گئی ہیں' ان سب کے جوابات علامہ عینی نے دیے ہیں' جسے شوق ہو مطالعہ کرلے۔

لطیفہ

امام بیہقی اور علامہ ابن جوزی نے عمرو بن حزم کی حدیث پر یہ جرح کی: یہ منقطع ہے۔ اور حدیث زیر بحث کی سند یہ ہے:

''حدثنی محمد بن عبد الله بن المثنی الانصاری قال حدثنی ابی قال حدثنی ثمامة بن عبد الله بن انس رضی الله عنه'' اس پر امام دارقطنی نے ''تتبع علی الصحیحین'' میں لکھا ہے۔ ثمامہ بن عبداللہ نے حضرت انس سے یہ حدیث نہیں سنی ہے اور نہ عبداللہ بن مثنیٰ نے ثمامہ سے سنی ہے۔ مقدسی کی اطراف میں ہے کہ امام ابن معین سے پوچھا گیا: صدقات کے بارے میں ثمامہ بن عبداللہ بن انس کی حدیث کیسی ہے؟ تو فرمایا: صحیح نہیں اور کچھ نہیں۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں عبداللہ بن مثنیٰ ہے۔ ساجی نے کہا کہ یہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: میں اس کی حدیث کی روایت نہیں کرتا۔ ابن جوزی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۳۱)۔ فیه ما فیه. فاعتبروا یا اولی الابصار

وفی الرقة

اصل میں ''ورق'' تھا' ''وَعْدٌ''، ''عِدَةٌ'' کے قاعدے سے واؤ حذف کر کے اخیر میں ''ھا'' بڑھادیا' اس کے معنی ''الفضة المضروبة'' ہے' یعنی چاندی کا سکہ۔

الا تسعین ومائة

اس سے قبل گزر چکا کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ یعنی دو سو درہم ہے' اگر اس سے کم ہو تو زکوۃ واجب نہیں' یہ اسی کا بیان ہے اور ایک سو نوے بطور تمثیل ہے' چونکہ سو کی تجزی دہائیوں میں کی جاتی ہے' سو کے نیچے نوے ہی ہے' اسی لیے اس کو ذکر فرمایا۔

۸۵۷- ح: كَتَبَ لَهُ الَّتِیْ اَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ [فرمان تحریر کیا جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا]

۸۵۷- حَدَّثَنِیْ ثُمَامَةُ اَنَّ اَنَسًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهٗ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ الَّتِیْ اَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا یُخْرَجُ فِی الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَیْسٌ اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فرمان میں لکھا' جس کا اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ زکوۃ میں بوڑھا اور عیبی اور بوک نہ نکالا جائے' مگر یہ کہ محصل چاہے۔

(بخاری۔ باب: لا یوخذ فی الصدقة هرمة ص۱۹۶)

احادیث: ۸۵۱، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷' اور یہ سب ایک ہی حدیث کے اجزاء ہیں' ان کی ترتیب مشکوۃ میں یہ ہے:

حدیث ۸۵۵: "هذه فريضة الصدقة" سے لے کر "ومن بلغت صدقته بنت لبون وليست عنده" سے "او شاتين" تک ابتدائی حصہ ہے۔ اس کے بعد حدیث: ۸۵۱ "ومن بلغت صدقته بنت مخاض وليست عنده" سے "وليس معه شيء" تک ہے، پھر اس کے بعد حدیث: ۸۵۵ کا بقیہ حصہ "وفی صدقة الغنم سائمتها" سے "الا ان يشاء ربها" تک ہے، پھر یہ حدیث: ۸۵۷ "ولا يخرج، ماشاء المصدق" تک ہے، پھر حدیث: ۸۵۳ "ولا يجمع بين متفرق" ہے، پھر حدیث: ۸۵۳ "وما كان من خليطين" ہے، اس کے بعد حدیث: ۸۵۵ کا بقیہ حصہ "وفي الرقة" اخیر تک ہے۔

اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ زکوۃ میں عیبی اور از کار رفتہ بوڑھا، اور وہ نر جس سے جفتی کرائی جاتی ہو، نہیں لیا جائے گا۔ "هرمة" وہ بوڑھا جانور جس کے دانت گر گئے ہوں، جو عمر کی آخری منزل میں ہو۔ "ذات عوار" عیبی، یعنی اس میں ایسا عیب جس کی وجہ سے بیع میں واپس کرنے کا اختیار ہو، یا ایسا کہ اس کی وجہ سے قربانی صحیح نہ ہو۔ "عوار" عین کے کسرہ کے ساتھ، کانا پن۔ "ذات عوار" کانا۔ "تیس" بکرا جس سے جفتی کا کام لیا جاتا ہو۔ "مصدّق" دال کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول یعنی جس سے صدقہ لیا جائے، دال کے کسرہ کے ساتھ، اسم فاعل یعنی زکوۃ وصول کرنے والا۔

جس طرح زکوۃ میں عمدہ جانور لینا ممنوع ہے، اسی طرح عیبی بھی لینا ممنوع ہے، بلکہ بے عیب متوسط درجے کا لیا جائے گا۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ "الا ماشاء المصدّق" میں استثناء منقطع ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ بہت بوڑھی اور عیبی اور بوک نہ دے، وہی دے جو مصدق چاہے، اور ظاہر ہے بہ حکم حدیث وہ متوسط درجے کا بے عیب جانور چاہے گا۔ ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کل جانور عیبی ہیں تو عیبی لے گا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ عیبی نہ دے مگر جبکہ مصدق چاہے، اور وہ کب چاہے گا؟ جب سب جانور عیبی ہوں گے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ استثناء صرف تیس سے ہو، مطلب یہ ہوا کہ بوک فقراء و مساکین کے کام کا نہیں، وہ بدبودار ہوتا ہے، کھایا نہیں جاتا۔ فقراء اسے لے کر کیا کریں گے؟ مگر کبھی اس کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً صدقہ کے مویشیوں کو جفتی کرانی ہے، اگر تو مصدق کوئی مصلحت اور فائدہ اس کے لینے میں جانے تو لے سکتا ہے۔

۸۵۸- ح: تَطَؤُهُ بِاَخْفَافِهَا

[(روزِ قیامت) جانور مالک کو کھروں سے روندے گا]

۸۵۸ - عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اَوْ وَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اَوْ كَمَا حَلَفَ مَا مِنْ رَّجُلٍ تَكُوْنُ لَهٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَّا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَاَسْمَنَهٗ تَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلَاهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: زکوۃ البقر ص ۱۹۶، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الزکوۃ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! یا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، یا جیسے بھی قسم کھائی ہو، جس کسی کے پاس اونٹ یا گائے یا بکری ہو اور اس کا حق نہ ادا کرتا ہو تو قیامت کے دن وہ جانور اور زیادہ فربہ لایا جائے گا، اور وہ اپنے مالک کو اپنے کھروں سے روندے گا اور اپنی سینگوں سے مارے گا، جب پچھلی جماعت آگے بڑھ جائے گی تو پہلی والی آئے گی (لگاتار ایسا ہی ہوتا رہے گا) یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

انتھیت

ان کے قائل حضرت ابوذر ہیں' مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابوذر کہہ رہے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

او کما حلف

یعنی یہ تو طے ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قسم کھائی' الفاظ کیا تھے؟ یہ راوی یاد نہ رکھ سکے۔

لو یؤدّی حقھا

حق سے مراد زکوٰۃ ہے' جیسا کہ مسلم اور ترمذی کی روایت میں ''حقھا'' کے بجائے ''زکوتھا'' کی تصریح ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ گائے میں بھی زکوٰۃ ہے' البتہ اس کی تفصیل بخاری میں مذکور نہیں' یا تو اس وجہ سے کہ امام بخاری کو ایسی کوئی حدیث نہیں ملی' یا اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک صحیح نہ تھی۔ زکوٰۃ صرف تین قسم کے جانوروں پر واجب ہے: اونٹ' گائے اور بکری۔ گائے میں بھینس بھی داخل ہے' دونوں ایک نوع ہیں' جیسا کہ علامہ دمیری نے حیات الحیوان میں تصریح کی ہے' اور بکری' بھیڑ' دُنبہ زکوٰۃ کے معاملے میں ایک حکم میں ہیں۔

۸۵۹- ح: كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا

[حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بیشتر انصار میں سے مال دار تھے]

۸۵۹ - عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ طَلْحَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِّنْ نَخْلٍ وَّكَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهٖ اِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:۹۲) قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَقُوْلُ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ وَاِنَّ اَحَبَّ اَمْوَالِىْ اِلَىَّ بَيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِّلّٰهِ اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَّقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّىْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِى الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِىْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ مال دار تھے' ان کے پاس سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات تھے اور تمام مالوں میں انہیں سب سے زیادہ محبوب بیرحاء تھا اور یہ مسجد کے سامنے تھا اور رسول اللہ ﷺ اس میں جاتے تھے اور اس میں بہت عمدہ پانی تھا' اسے پیتے تھے۔ حضرت انس نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: تم لوگ کبھی بھی نیکی نہیں حاصل کر سکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو' تو حضرت ابوطلحہ اُٹھے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم لوگ کبھی بھی نیکی نہیں حاصل کر پاؤ گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو گے' اور اپنے اموال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے' میں اُمید کرتا ہوں کہ مجھے اس کا ثواب ملے گا اور اللہ کے حضور ذخیرہ ہوگا' یارسول اللہ! جہاں اللہ آپ کے جی میں ڈالے' وہاں اسے صرف کیجیے' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شاباش! یہ نفع دینے والا مال ہے' یہ نفع دینے والا مال ہے اور تم نے جو کچھ کہا میں نے سن

أَقَارِبِهٖ وَبَنِي عَمِّهٖ تَابَعَهُ رَوْحٌ وَّقَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَإِسْمَاعِيلُ عَنْ مَّالِكٍ رَايِحٌ بِالْيَاءِ.

لیا اور میں یہ مناسب جانتا ہوں کہ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو' حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا: ایسا ہی کرتا ہوں' اب حضرت ابوطلحہ نے اسے سب سے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ یحییٰ بن یحییٰ اور اسمٰعیل نے امام مالک ہی سے "رابح" کے بجائے "رایح" روایت کیا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الزكوة على الاقارب ص١٩٧' کتاب الوکالۃ۔ باب: اذا قال الرجل لوكيله ضعها حيث اراك الله ص٣١١' باب: اذا وقف واوصى لاقاربه ص٣٨٥' باب: من تصدق الى وكيله ص٣٨٦' ج٢۔ کتاب التفسیر۔ باب: قوله لن تنالوا البر حتى تنفقوا ص٦٥٤' کتاب الاشربہ۔ باب: استعذاب الماء ص٨٣٩' مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ' نسائی۔ کتاب التفسیر)

بیرحاء

"بیرحاء" میں مختلف لغات مروی ہیں' علامہ باجی نے کہا کہ سب سے فصیح باء کوفتحہ' یا کوسکون' راء کوفتحہ بغیر مد کے ہے۔ اسی پر صنعانی نے بھی جزم کیا اور کہا کہ یہ فیعل کے وزن پر "براح" سے بنا ہے۔ یہ کھجوروں کا ایک عظیم الشان باغ تھا' جس میں ایک کنواں بھی تھا' باغ تو دست بردزمانہ سے ختم ہو گیا' البتہ یہ مبارک کنواں اب بھی باقی ہے۔ باب مجیدی کے سامنے اتر جانب تھوڑے فاصلے پر ہے۔ حضرت انس کے اس ارشاد "مستقبلة المسجد" سے مراد یہی ہے کہ مسجد کے سامنے تھوڑے فاصلے پر ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ "بِيْرُ حَاء" ہے' ترکیب اضافی کے ساتھ' یعنی یہ ایک کنواں ہے' جس کا نام حاء تھا۔ یہاں بخاری کے ایک نسخہ میں بھی یہی ہے۔ ہوسکتا ہے اس باغ میں جو کنواں تھا' اس کا نام حاء رہا ہو اور اسی کے نام پر پورے باغ کا نام رکھ دیا گیا ہو' ورنہ حقیقت میں ایک باغ تھا' جیسا کہ خود بخاری ہی میں کتاب الاشربہ کی ایک روایت میں خود حضرت انس کا قول مذکور ہے: "وكانت حديقة" وہ ایک باغ تھا۔ خود اس روایت کا یہ لفظ "من ماء فيها طيب" حضور اس کے عمدہ پانی کو پیتے تھے' جو اس میں تھا۔ اس جانب مشعر تھا' حضرت ابوطلحہ نے یہ باغ اپنے بنی عم حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔[1] حضرت حسان اور حضرت ابوطلحہ کا نسب تیسری پیڑھی میں حرام بن عمرو پر مل جاتا ہے اور حضرت ابی بن کعب کا چھٹی پیڑھی عمرو بن مالک بن نجار پر ملتا تھا۔ حضرت ابوطلحہ کا نسب نامہ یہ ہے: ان کا نام زید تھا' زید بن سہل بن الاسود بن حرام بن عمرو بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار۔ اور حضرت حسان کا یہ ہے: حسان بن ثابت المنذر بن حرام بن عمرو۔ اور حضرت اُبی کا یہ ہے: اُبی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار۔

مسائل

یہ آیہ کریمہ صدقات نافلہ کے بارے میں ہے' یہی تحقیق ہے۔ ویسے ایک قول یہ ہے کہ ابتداء میں یہی حکم تھا' زکوٰۃ سے منسوخ ہو گیا' مگر یہ اس وقت صحیح ہوگا کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی' اس لیے کہ سورۂ آل عمران مدنی ہے۔

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: اقارب پر زکوٰۃ' یعنی اقارب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر حضرت امام بخاری کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ معدودے چند اقارب کو چھوڑ کر مطابقت کی تقریر جو زین بن المنیر نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث

[1] بخاری۔ ج١ ص٣٨٥۔ کتاب الوصایا۔ باب: اذا وقف او اوصى لاقاربه

سے یہ معلوم ہوا کہ صدقہ نافلہ اقارب کو دینے سے دوگنا ثواب ہے' تو صدقہ واجبہ میں بھی یہی ہوگا۔ اور حدیث میں صدقہ واجبہ کا ذکر نہ ہونا مضر نہیں' اس لیے کہ مقصود دونوں سے ثواب ہے' جب صدقہ نافلہ اقارب کو دینے سے ثواب میں کمی نہیں آتی تو صدقہ واجبہ میں کمی آنے کی کوئی وجہ نہیں' جبکہ وہ صدقہ واجبہ کے مستحق ہوں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مطلق وقف صحیح ہے' اگرچہ اس کی سبیل نہ بیان کرے' بعد میں متعین کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ خواہ نافلہ ہو' خواہ واجبہ اگر اپنے اقرباء ضرورت مند ہوں تو ان کو دینا افضل ہے۔

وقال یحییٰ بن یحییٰ

یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری اور اسماعیل بن اویس نے حضرت امام مالک ہی سے "مالٌ رابح" کے بجائے "مال رایح" یاء کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری کی روایت کتاب الوکالۃ میں اور اسماعیل بن ابی اویس کی روایت تفسیر میں ہے۔ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی کی روایت کتاب الاشربہ میں شک کے ساتھ ہے۔ رابح اور رایح' رابح کی روایت واضح ہے' حتیٰ کہ اسماعیلی نے یہ دعویٰ کیا کہ "رایح" یاء تحتانیہ کے ساتھ غلط ہے' اس کے باوجود شارحین نے اس کی توجیہ کی ہے۔

ابن بطال نے کہا: اس کا یہ معنی ہے کہ اس کی مسافت قریب ہے اور بہترین مالوں میں سے ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا ثواب صبح وشام ملے گا۔

۸۶۰- ح: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَغُلَامِهِ صَدَقَةٌ [مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام پر زکوٰۃ نہیں]

۸۶۰- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَغُلَامِهِ صَدَقَةٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ۔ باب: لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ ص ۱۹۷' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

گھوڑے اگر سواری اور بوجھ لادنے کے لیے ہیں تو ان میں بالاجماع زکوٰۃ نہیں اور اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح غلام بھی اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔ گھوڑے اگر چرائی پر ہوں تو الدوتناسل کے لیے' تو جمہور ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں' حتیٰ کہ امام ابو یوسف اور امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی ہمارے نزدیک مفتیٰ بہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل حدیث زیر بحث ہے' جیسا کہ قاضی خان[۱] میں ہے۔ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں زکوٰۃ ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری[۲] امام مسلم[۳] امام طحاوی[۴] اور بزار[۵] نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ واللفظ للاوّل

الخیل لرجل اجر ولرجل ستر وعلی رجل گھوڑا کسی کے لیے اجر ہے' کسی کے لیے پردہ ہے اور کسی پر

۱- فتاویٰ قاضی خاں۔ ج ۱ ص ۲۴۲۔ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل: فی الخیل

۲- بخاری۔ ج ۲ ص ۷۴۱۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ زلزال' کتاب المساقاۃ۔ باب: شرب الناس والدواب من الانہار ص ۳۱۹

۳- مسلم۔ ج ۱ ص ۳۱۹۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: اثم مانع الزکوٰۃ

۴- شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۳۱۰۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الخیل ھل فیہا صدقۃ ام لا ۵- عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۳۶

وزر (الی ان قال) ورجل ربطها تغنیا وتعففا ثم لم ینس حق اللہ فی رقابھا وظھورھا فھی لذلک ستر.

وبال ہے اور جس نے گھوڑے کو غنا اور تعفف کے لیے باندھا' پھر اس کی ذات اور اس کی پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے' نہ بھولا اس کے لیے پردہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے میں بھی اللہ کا حق ہے اور یہ صرف زکوۃ ہی ہے' اسی لیے اس حق کے ادا کرنے پر ''ستر'' کو مرتب فرمایا' یعنی وہ جہنم سے آڑ ہوگا' اس لیے کہ کلامِ شارع سے یہی متبادر ہے۔ نیز ستر کا یہ معنی کہ اس سے نعمت کا ظہور ہو' وہ اگر حق ادا نہ کرے جب بھی حاصل ہے۔ علاوہ ازیں امام طحاوی[1] امام دار قطنی' اسماعیل بن اسحق قاضی اور ابو عمرو نے تمہید میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کی قیمت لگاتے اور اس کی زکوۃ حضرت عمر بن خطاب کو دیتے۔[2] نیز ابوبکر بن شیبہ (ایضا) نے سائب بن اخت نمرہ سے روایت کیا کہ وہ گھوڑے کے صدقات حضرت عمر بن خطاب کے لیے لاتے تھے' اسے بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا۔ علامہ ابو عمرو نے فرمایا: یہ حدیث کہ حضرت عمر گھوڑوں کی زکوۃ لیتے تھے' صحیح ہے۔ نیز انہوں نے ہی روایت کیا کہ حضرت عمر نے معلی بن مرہ سے فرمایا: ہر چالیس میں ایک ایک بکری لے اور گھوڑے میں کچھ نہ لے' ہر گھوڑے میں ایک دینار لے۔

امام عبدالرزاق نے بہ طریق ابن جریج' ابن شہاب زہری سے روایت کیا کہ حضرت عثمان گھوڑے کی زکوۃ لیتے تھے۔

(فتح القدیر۔ ج۲ص ۱۳۸)

حدیث زیر بحث میں مراد وہ گھوڑا ہے جو جہاد یا سواری یا بوجھ لادنے کے لیے ہو' اس میں بالاتفاق زکوۃ نہیں' کیونکہ یہ حوائج اصلیہ میں سے ہے۔

اور ترمذی میں جو آیا ہے کہ فرمایا: میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ معاف فرما دی' چاندی کی زکوۃ لاؤ' اس سے بھی جہاد یا سواری کا گھوڑا مراد ہے۔

۸۶۱- ح: اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِیْ (الخ)

[اپنے بعد مجھے تم پر جس (بات) کا اندیشہ ہے]

۸۶۱ - حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهٗ فَقَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِیْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَيَاْتِی الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ مَا شَاْنُكَ تُكَلِّمُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُكَلِّمُكَ فَرَاَيْنَا اَنَّهٗ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ فَقَالَ اَيْنَ السَّائِلُ وَكَاَنَّهٗ حَمِدَهٗ فَقَالَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہم حضور کے ارد گرد بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا: میرے بعد تم لوگوں پر اس کا اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کی تروتازگی اور زینت کھول دی جائے گی۔ اس پر ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! کیا خیر شر لائے گا۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' اس سے کہا گیا: تیرا کیا حال ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا ہے اور وہ تجھ سے بات نہیں کرتے' اب ہم کو دکھایا گیا کہ حضور پر وحی اتر رہی ہے' حضور نے پسینہ پونچھا اور فرمایا: سائل کہاں ہے اور گویا حضور نے اس کی تعریف کی' اب فرمایا: خیر شر نہیں لاتا' دیکھوا

---

[1] شرح معانی الآثار۔ ج۵ ص ۲۶۰۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الخیل ھل فیھا صدقۃ ام لا

[2] عمدۃ القاری۔ ج۹ ص ۳۷

إِنَّهُ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَإِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضْرَاءِ أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ وَرَتَعَتْ وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ مَا أَعْطَى مِنْهُ الْمِسْكِيْنَ وَالْيَتِيمَ وَابْنَ السَّبِيْلِ أَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّهُ مَنْ يَأْخُذُهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

بہار جو گھاس اُگاتی ہے وہ مار ڈالتی ہے یا بیمار کر دیتی ہے' سوائے اس جانور کے جو سبزہ کھائے اور جب اس کی کوکھیں بھر جائیں تو سورج کی طرف منہ کر لے۔ لید کرے اور پیشاب کرے اور چرے' بے شک یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے' سو اچھا مسلمان وہ ہے جو اس میں سے مسکین اور یتیم اور مسافر کو دے' یا جیسا نبی ﷺ نے فرمایا: اور جو مال ناحق لیتا ہے' وہ ایسا ہے کہ کھاتا ہے' مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور وہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہ ہوگا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة على اليتمٰى ص١٩٧' کتاب الجمعہ۔ باب: استقبال الناس الامام ص١٢٥' صرف جز اوّل۔ کتاب الجہاد۔ باب: فضل النفقة فى سبيل الله ص٣٩٨' ج٢۔ کتاب الرقاق۔ باب: ما يحذر من زهرة الدنيا ص١٩٥١' مسلم۔ کتاب الزہد' نسائی۔ کتاب الزکوۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الفتن' مسند امام احمد۔ ج٣ ص٧)

کتاب الرقاق میں ابتدائی حصہ یہ ہے: سب سے زیادہ تمہارے اوپر جس چیز کا مجھے اندیشہ ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تمہارے لیے زمین کی برکتیں نکالے گا۔ عرض کیا گیا: زمین کی برکات کیا ہیں؟ تو فرمایا: دنیا کی تروتازگی۔ کتاب الجہاد میں یہ زائد ہے: جب ان صاحب نے سوال کیا: کیا خیر شر لائے گا؟ تو ہم نے کہا کہ حضور کی جانب وحی کی جا رہی ہے اور لوگ خاموش ہوگئے' گویا ان کے سروں پر چڑیاں ہیں۔ فراز نے کہا کہ امام بخاری نے اس حدیث میں حسبِ عادت اختصار اور حذف سے کام لیا ہے۔ ''انه ينزل عليه'' کے بعد ''الوحی'' محذوف ہے' اسی طرح ''ان مما ينبت الربيع يقتل او يلم'' میں ''يقتل'' سے پہلے ''ما'' اور ''يقتل'' کے بعد ''حبطا'' محذوف ہے' اس لیے کہ ''يقتل'' مفعول بہ ہے اور فعل مضارع مفعول بہ نہیں ہو سکتا' لامحالہ ''ما'' محذوف ماننا پڑے گا' اسی طرح گھاس خود قاتل نہیں۔ زیادہ مقدار میں چر لینا کہ بدہضمی ہو جائے' قاتل ہے۔ ''حبطا'' کے معنی پیٹ پھولنا ہے' یہ ایک قسم کی بیماری ہے جو مویشیوں کو ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ درس دیا ہے کہ مال فی نفسہٖ خیر اور اچھی چیز ہے' بشرطیکہ حلال ذریعہ سے حاصل کیا جائے اور اس میں جو حقوق اللہ و حقوق العباد ہیں' ادا کیے جائیں اور اگر مال ایسے ذریعے سے حاصل کیا جائے جو حرام ہو یا اس سے متعلق حقوقِ واجبہ ادا نہ کیے جائیں تو بہ وجہ خارجی خبث کے شر ہے۔

جیسے گھاس ہر قسم کی اُگتی ہے' کچھ چارے کے لیے' کچھ دوسرے کاموں کے لیے اور کچھ گھاس جانور کو مضر ہے۔ اللہ عزوجل نے چوپایوں کو یہ تمیز عطاء فرمائی ہے کہ وہ سونگھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ کون سی چارے کے کام کی ہے' کون سی نہیں اور کتنی ہضم ہوگی' جو جانور اس خداداد قوت ممیزہ سے کام لے کر چکھتا ہے وہ توانا و تندرست رہتا ہے' اور جو اندھادھند ہر سبزے پر منہ مارتا ہے یا وہ مقدار ہضم سے زیادہ چک لیتا ہے' وہ یا تو مر جاتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے مال پیدا فرمایا اور انسان کی زندگی کی بنیاد اس پر رکھی۔ اپنے فضل و کرم سے انسان کو عقل دی' تمیز دی' پھر رسول بھیج کر حرام و حلال بتا دیا اور مال سے متعلق جملہ حقوق بیان فرما دیئے' جو شخص خداداد قوت کاسبہ سے کام لے کر بہ طریق حلال مال حاصل کرتا ہے' پھر اس کے حقوق ادا کرتا ہے' وہ دارین میں کامیاب ہے' اور جو نہ حلال کی پرواہ کرے نہ حرام کی اور اس سے متعلق

حقوق بھی ادا نہیں کرتا' تو وہ دونوں جگہ خائب و خاسر ہے۔

ويكون عليهم شهيدا

جو ناحق مال حاصل کرتا ہے' یہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا یا تو اسے گویائی ملے گی اور وہ کلام کرے گا' ورنہ اتنا تو ظاہر ہی ہے کہ کراماً کاتبین نے جو لکھا ہے' وہ پیش ہوگا' اس میں سب کچھ مندرج ہے۔

فائدہ

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ غنٰی فقر سے افضل ہے' غالباً ان کا استدلال حدیث کے اس جز سے ہے: ''ان هذه المال خضرة حلوة فنعم صاحب المسلم'' ''بے شک یہ مال سرسبز شیریں ہے' مال دار مسلمان اچھا ہے' مگر علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقر غنٰی سے افضل ہے۔ ان کا استدلال غالباً حدیث کے ابتدائی ارشاد سے ہے کہ فرمایا: ''مما اخاف عليكم من بعدى ما يفتح الله عليكم من زهرة الدنيا وزينتها'' اپنے بعد میں تم لوگوں کے لیے جس چیز سے اندیشہ محسوس کرتا ہوں' وہ دنیا کی تروتازگی اور زینت ہے' جو تم پر کشادہ کر دی جائے گی' حضور اقدس ﷺ کا اندیشہ کسی افضل چیز سے نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

٨٦٢- ح: تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ

[صدقہ کرو' اگرچہ اپنے زیوروں سے (کرنا پڑے)]

٨٦٢ - عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيمَ فَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بِمِثْلِهِ سَوَاءً قَالَتْ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ وَكَانَتْ زَيْنَبُ تُنْفِقُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ وَأَيْتَامٍ فِي حَجْرِهَا قَالَ فَقَالَتْ لِعَبْدِ اللّٰهِ سَلْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَجْزِيُّ عَنِّي أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْكَ وَعَلٰى أَيْتَامٍ فِي حَجْرِي مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ سَلِي أَنْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى الْبَابِ حَاجَتُهَا مِثْلُ حَاجَتِي فَمَرَّ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا سَلِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَجْزِيُّ عَنِّي أَنْ أَتَصَدَّقَ عَلٰى زَوْجِي وَأَيْتَامٍ لِي فِي حَجْرِي وَقُلْنَا لَا تُخْبِرْ بِنَا فَدَخَلَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ مَنْ هُمَا قَالَ زَيْنَبُ قَالَ أَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ امْرَأَةُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ

حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں مسجد میں تھی کہ نبی ﷺ کو میں نے دیکھا' آپ نے ارشاد فرمایا: اے عورتو! صدقہ کرو' اگرچہ اپنے زیوروں سے اور زینب اپنے (شوہر) حضرت عبداللہ اور کچھ یتیموں پر خرچ کرتی تھیں' جو ان کی پرورش میں تھے' اب زینب نے حضرت عبداللہ سے کہا: رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ کیا صدقے کی جگہ یہ کافی ہے کہ تم پر اور ان یتیموں پر جو میری پرورش میں ہیں' خرچ کرتی ہوں؟ تو انہوں نے کہا: تمہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھو۔ اب میں نبی ﷺ کی جانب چلی تو دروازے پر ایک انصاری عورت کو پایا' وہ بھی یہی دریافت کرنا چاہتی تھیں' اتنے میں حضرت بلال ہمارے قریب سے گزرے تو ہم نے ان سے کہا کہ نبی ﷺ سے دریافت کرو کہ کیا مجھے یہ کافی ہے کہ اپنے شوہر اور اپنی پرورش میں رہنے والے یتیموں پر صدقہ کرتی ہوں اور ہم نے یہ بھی کہا کہ ہمارے بارے میں بتانا مت' وہ اندر گئے اور حضور سے پوچھا' حضور نے دریافت فرمایا: وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: زینب' فرمایا: کون زینب؟ بلال

نَعَمْ لَهَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ. نے بتایا کہ عبداللہ کی زوجہ' تو فرمایا: اس کے لیے دوگنا ثواب ہے' صلہ رحمی کا اور صدقے کا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔باب: الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر ص ۱۹۸' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الزکوۃ)

یہاں یہ حدیث عمرو بن حارث' اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت کر رہے ہیں اور قریب قریب یہی مضمون ایک صفحہ پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے باب الزکوۃ علی الاقارب میں ایک حدیث میں مذکور ہے۔ وہاں یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو وعظ فرمایا' عورتوں پر گزرے تو فرمایا: اے عورتو! صدقہ کرو' میں نے جہنم میں تم کو سب سے زیادہ دیکھا ہے۔ مثل حدیث: ۲۱۶ ''إِحْدٰی كُنَّ'' تک[1] اس کے بعد ہے:

پھر حضور واپس ہوئے' جب اپنے دولت خانے تشریف لائے تو ابن مسعود کی بیوی زینب حاضر ہوئیں اور اجازت طلب کرنے لگیں' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ زینب ہیں' تو فرمایا: زینبوں میں سے کون سی؟ عرض کیا گیا: ابن مسعود کی زوجہ' فرمایا: ہاں! اسے اجازت ہے' تو اسے اجازت دی گئی' اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور نے صدقہ کا حکم دیا ہے اور میرے پاس زیور ہے' میں نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ابن مسعود نے گمان کیا کہ وہ اور اس کا بچہ سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن مسعود نے سچ کہا' تیرا شوہر اور تیرا بچہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں اور یہی سند الحفاظ علامہ ابن حجر کی رائے ہے' مگر اس پر یہ اشکال ہے کہ جب ایک بار دریافت کر لیا تھا تو دوبارہ پوچھنے کی حاجت کیا تھی۔ اصل میں روایت بالمعنی اور روایات میں اختصار کی وجہ سے دونوں دو واقعے معلوم ہو رہے ہیں' لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ دونوں دو واقعے ہوں' پہلے صرف شوہر اور اپنے بچے پر خرچ کرتی تھیں' تو اس کو دریافت کیا' پھر جب کچھ یتیموں کی پرورش کرنے لگیں تو شبہہ ہوا کہ شاید یہ کافی نہ ہو تو دریافت کیا۔

زینب امرأۃ عبد اللہ

ان کا نام رائطہ تھا' جیسا کہ امام بخاری' کلاباذی اور ابن طاہر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ تلویح میں ہے کہ اس کو اس سے ترجیح حاصل ہے کہ امام قاضی ابو یوسف سے کتاب الزکوۃ میں خود ان کے بھائی عبداللہ بن عبداللہ ثقفی سے اور مسند امام احمد میں عبیداللہ بن عبداللہ عیینہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ یہ صناع تھیں' چیزیں بنا کر بیچتیں اور گھر کا خرچ چلاتی تھیں۔

دوسری بیوی حضرت ابومسعود' عقبہ بن عمرو انصاری کی زوجہ تھیں' ان کا نام بھی زینب ہی تھا جیسا کہ نسائی[2] اور مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے۔ عمدۃ القاری میں مسند طیالسی کے حوالے سے ہے کہ یہ یتیم' ان کے بھتیجے اور بھانجے تھے۔ نسائی میں علقمہ کی روایت میں ہے کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک کے پاس فاضل مال تھا اور اس کی پرورش میں اس کے یتیم بھتیجے تھے۔ اور دوسری کے پاس بھی فاضل مال تھا اور شوہر خفیف الیدین یعنی تنگ دست تھے' مگر نسائی کا جو نسخہ مجتبائی' دہلی کا چھپا ہوا میرے پاس موجود ہے' اس میں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ کے بارے میں یہ ہے: اور عبداللہ خفیف ذات الید تھے' تو اس نے ان سے کہا: اس کی گنجائش ہے کہ میں اپنا صدقہ تجھ اور اپنے یتیم بھتیجوں پر صرف کروں؟ ہو سکتا ہے کہ علامہ عینی کے پاس جو نسخہ ہو' اس میں وہی عبارت ہو۔

---

[1] یہ حدیث نزہۃ القاری۔ ج ۱ ص ۵ ۱۲۴ پر مذکور ہے

[2] نسائی۔ ج ۱ ص ۲۷۱۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقۃ علی الاقارب

تصدقن ولو من حليكن

صحیح اور راجح یہی ہے کہ یہ صدقہ نافلہ تھا' اس پر قرینہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ فرمایا: ''زوجك وولدك احق من تصدقت به عليهم'' تیرا شوہر اور تیرا بچہ سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ بچے کو زکوٰۃ دینا درست نہیں' اگرچہ اس استدلال میں کچھ کلام ہے' اس لیے کہ بیٹے کا نفقہ ماں پر واجب نہیں مگر جبکہ باپ کمانے پر قادر نہ ہو' اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمانے پر قادر تھے۔ یہ صدقہ تطوع تھا' اس پر قوی دلیل شرح معانی الآثار[1] کی روایت ہے' وہ کہتی ہیں: ''وَاللّٰه لقد شَغَلْتَنِيْ اَنْتَ وَوَلَدُكَ عَنِ الصَّدَقَةِ فَمَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَتَصَدَّقَ مَعَكُمْ بِشَيْءٍ'' بخدا! تم نے اور تمہارے بچے نے مجھے صدقہ سے روک رکھا ہے' تم لوگوں کے ہوتے ہوئے میں صدقہ کی استطاعت نہیں رکھتی۔ اخیر میں ہے کہ خدمت اقدس میں عرض کیا: ''انی امرأة ذات صنع ابيع منها وليس لولدى ولا لزوجي شيء فشغلوني فلا اتصدق'' میں ہنرمند عورت ہوں' کچھ بنا کر بیچتی ہوں اور میرے بچے اور میرے شوہر کے پاس کچھ نہیں' ان لوگوں نے صدقے سے مجھے روک رکھا ہے' جب ان کے پاس کچھ بچتا ہی نہ تھا تو اس پر حولان حول کیسے ہوگا؟ اور زکوٰۃ کیسے واجب ہوگئی؟ رہ گئی وہ حدیث جس میں زیور کا ذکر ہے' اوّلاً یہ متفق علیہ نہیں کہ زیور میں زکوٰۃ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: زیور میں زکوٰۃ نہیں' اور جو واجب مانتے ہیں وہ بھی صرف چالیسواں حصہ' کل زیور زکوٰۃ میں نہیں دیا جاتا اور یہ تو کل صدقہ کرنے چلی تھیں' جیسا کہ شرح معانی الآثار[2] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ گھر آئیں اور اپنا زیور لیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے پوچھا: کہاں جا رہی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کا تقرب حاصل کروں گی' اس اُمید پر کہ اللہ مجھے اہل نار میں سے نہ کرے' تو حضرت ابن مسعود نے کہا: تیرے لیے خرابی ہو! اسے لا اور مجھ پر اور میرے بچے پر صدقہ کردے۔ بقیہ مضمون وہی ہے جو اس حدیث میں ہے۔

اور جب یہ صدقہ نافلہ تھا تو اس سے یہ استدلال ساقط ہوگیا کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا کم از کم اس کا احتمال ضرور ہے کہ یہ صدقہ نافلہ ہو' اور جب احتمال نکل آئے تو استدلال تام نہیں ہوتا۔

لا تخبر بنا

سوال یہ ہے کہ جب ان بیبیوں نے منع کردیا تھا کہ ہمارا نام نہ بتانا' تو حضرت بلال نے کیوں بتادیا۔ وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو حضرت بلال پر واجب ہوگیا کہ بتادیں۔ یہ اس کا وجوب ان کے منع کرنے سے زیادہ مؤکد ہے' اور جب ایک وقت دو فرض عائد ہوں تو جو اہم ہو' اس کی ادائیگی مقدم ہے۔

امرأة عبد الله

سائلہ دو صاحبہ تھیں' صرف ایک کی تعیین حضرت بلال نے کی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ان سے عمر میں فضل میں بڑھی ہوئی ہوں' یا یہ کہ حضرت بلال سے انہوں نے ہی کہا ہو۔ اس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ رشتہ داروں پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صدقہ کرنا دوگنا اجر کا موجب ہے' صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی۔

٨٦٣- ح: اَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ اَجْرٌ [ان پر خرچ کرو تمہارے لیے اجر ہے]

٨٦٣ - عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں نے عرض

---

[1] شرح معانی الآثار۔ ج ا ص ٢٥٩۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: المرأة هل يجوز لها ان تعطى زوجها من زكوة مالها ام لا

[2] شرح معانی الآثار۔ ج ا ص ٢٥٩۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: المرأة هل يجوز لها ان تعطى زوجها من زكوة مالها ام لا

قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلِیَ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ عَلٰی بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَۃَ اِنَّمَا ھُمْ بَنِیَّ فَقَالَ اَنْفِقِیْ عَلَیْھِمْ فَلَکِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْھِمْ۔

کیا: یارسول اللہ! کیا میرے لیے کچھ ثواب ہے کہ میں ابوسلمہ کے بچوں پر خرچ کرتی ہوں' وہ میرے ہی بیٹے ہیں؟ فرمایا: ان پر خرچ کر' ان پر جو بھی خرچ کرے گی اس کا ثواب تم کو ملے گا۔

(بخاری۔کتاب الزکوۃ۔باب: الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر ص١٩٨' ج٢۔کتاب النفقات۔باب: علی الوارث مثل ذلک ص١٠٩' مسلم۔کتاب الزکوۃ)

انما ھم بنّی

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سابق شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ کے بطن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں: عمر' محمد' زینب' دُرّہ۔ انہیں کے بارے میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا۔

ت٢٧٢- وَیُذْکَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا یُعْتِقُ مِنْ زَکٰوۃِ مَالِہٖ وَیُعْطِی فِی الْحَجِّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا جاتا ہے کہ اپنے مال کی زکوۃ سے غلام آزاد کرے اور حج میں دے۔

(بخاری۔باب: قول اللّٰہ تعالٰی والغارمین وفی سبیل اللّٰہ ص١٩٨)

اس اثر کو امام ابوبکر بن شیبہ نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے۔ مصارف زکوۃ کی آیۂ کریمہ میں یہ بھی ہے:

وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ (التوبہ:٦٠)

اور گردن چھڑانے اور جس پر تاوان ہو' اور اللہ کے راستے میں اور مسافر کے لیے ہے۔

وفی الرقاب

رقاب' رقبہ کی جمع ہے' جس کے لغوی معنی گردن کے ہیں اور عرف میں اس کے معنی غلام کے ہیں۔ اس سے مراد مکاتب ہے' یعنی وہ غلام جس کے مالک نے مال کی ایک مقدار مقرر کر کے کہہ دیا ہو کہ اتنا مال ادا کر دے تو' تُو آزاد ہے' اور غلام نے اسے قبول بھی کر لیا ہو۔ امام ابن جریر طبری[1] نے اپنی تفسیر میں حضرت امام حسن بصری اور امام ابن شہاب زہری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کیا کہ اس آیت میں رقاب سے مراد مکاتب ہیں' رہ گئے وہ لونڈی اور غلام جو مکاتب نہیں' ان کو زکوۃ کے پیسوں سے خرید کر آزاد کرنا' یا غلام کو دینا کہ مالک کو یہ روپے دے کر آزادی حاصل کر لے' جائز نہیں۔ اس طرح زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں جب اس نے خریدا ہے تو خریداری کے بعد اس کا مالک ہوگا اور اس کی قیمت زکوۃ سے ادا کی ہو' تو ایسا ہوگیا کہ زکوۃ کے پیسے سے اپنے لیے کوئی سامان خریدا' اور ظاہر ہے کہ یہ زکوۃ مستحق زکوۃ کو دینا نہ ہوا بلکہ اپنی ذات پر صرف کرنا ہوا۔ دوسری صورت میں اس نے زکوۃ غلام کو دی تو غلام کے قبضہ کرتے ہی اس کے آقا کی ملک ہوگئی' اس لیے کہ غلام کسی چیز کے مالک ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا' اس کی تمام آمدنی اس کے آقا کی ملک ہے تو لازم آیا کہ زکوۃ غنی کو دی اور یہ جائز نہیں۔ اور حضرت ابن عباس کا جو فتوٰی امام بخاری نے نقل فرمایا' وہ ضعیف ہے۔ (عمدۃ القاری۔ج٩ص٤٥)

فی الحج

اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی حج کے لیے جاتا ہے' مگر اس کے پاس زادِ راہ نہیں یا کچھ کی ہے تو اسے بھی زکوۃ دے سکتا ہے' یہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

---

[1] فتح القدیر۔ج٢ص٢٠٤

ت ۲۷۳- وَقَالَ الْحَسَنُ اِنِ اشْتَرٰی اَبَاهُ مِنَ الزَّكٰوةِ جَازَ وَيُعْطِي فِي الْمُجَاهِدِيْنَ وَالَّذِي لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ تَلَا ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبہ:٦٠) اَلْاٰيَةَ فِي اَيِّهَا اَعْطَيْتَ اَجْزَاَتْ. (بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب:قول اللہ عزوجل وفی الرقاب ص۱۹۸)

اور امام حسن بصری نے فرمایا: اگر اپنے باپ کو زکوۃ کے مال سے خریدے تو جائز ہے اور مجاہدین کو دے اور اسے جس نے حج نہیں کیا ہے' پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "صدقات صرف فقراء ومساکین کے لیے ہیں اور ان کے لیے ہیں جو زکوۃ وصول کرنے کے لیے مقرر ہیں اور جن کی تالیف قلب مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور تاوان والے کے لیے ہے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے ہے' یہ منجانب اللہ مقرر کردہ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے" ان میں کسی ایک کو دے دیا جائے' کافی ہے۔

اس تعلیق کے صرف جزء اول کو امام ابوبکر بن شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: حسن بصری سے سوال ہوا کہ کسی نے اپنے باپ کو زکوۃ کے مال سے خریدا اور اسے آزاد کر دیا' تو فرمایا کہ اس نے بہترین رقاب خریدا' مگر احناف کا مذہب ہے کہ زکوۃ ادا نہ ہوگی' دلیل گزر چکی' ہمارے اوپر تابعی کا قول حجت نہیں۔ امام اعظم نے فرمایا: "ینازعوننا وننازعهم" وہ ہم سے اختلاف کرتے ہیں اور ہم ان سے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بھی تابعی ہیں' حتیٰ کہ باپ اگر مکاتب ہو تو بھی زکوۃ دینا درست نہیں' باپ غلام ہے اور بیٹا ذی استطاعت ہے' تو اسے خود ہی باپ کو آزاد کرانا چاہیے۔

ان آٹھ مصارف زکوۃ میں سے مؤلفۃ القلوب' بالاجماع ساقط ہیں کہ اب انہیں دینے کی حاجت نہ رہی' اللہ عزوجل نے اسلام کو شوکت وقوت عطاء کر دی۔

ت ۲۷٤- وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِي لَاسٍ حَمَلَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ. (بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب:قول اللہ عزوجل وفی الرقاب ص۱۹۸)

اور حضرت ابولاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سواری کے لیے زکوۃ کے اونٹ دیئے۔

اس تعلیق کو طبرانی' امام احمد اور خزیمہ اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابولاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خزاعی یا حارثی صحابی ہیں' ان سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں' ان کے نام میں اختلاف ہے' کسی نے زیاد بتایا' کسی نے عبداللہ بن عتمہ' کسی نے محمد بن اسود۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ اونٹ انہیں حج کرنے کے لیے عطاء فرمایا تھا۔ (عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۴٦)

٨٦٤- ح: مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ

[ابن جمیل نے (صدقہ) دینے سے انکار کیا]

٨٦٤- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَّخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ وَعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهُ وَاَعْتُدَهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَعَمُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقہ کا حکم دیا تو عرض کیا گیا کہ ابن جمیل اور خالد بن ولید اور عباس بن عبدالمطلب نے دینے سے انکار کر دیا ہے' اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل کو یہی نہ برا لگا کہ وہ محتاج تھا تو اللہ اور اس کے رسول نے اسے مال دار کر دیا' اور رہ گئے خالد تو خالد پر تم لوگ ظلم کرتے ہو' اس نے اپنی زرہیں اور ہتھیار وغیرہ اللہ کے راستے میں روک رکھے ہیں اور عباس بن عبدالمطلب' تو یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهِيَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَّمِثْلُهَا مَعَهَا. کے چچا ہیں' یہ ان پر صدقہ ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: قول الله عزوجل وفی الرقاب ص ۱۹۸' مسلم' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الزکوۃ' مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۳۲۲)

''امر رسول الله'' مسند امام احمد' مسلم اور ابوداؤد میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ نسائی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' مگر محفوظ یہ ہے کہ یہ مسند ابوہریرہ ہے' رُواۃ میں حضرت عمر نہیں۔

بصدقة

جمہور محدثین نے فرمایا کہ یہ صدقہ واجبہ تھا' مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے زکوۃ وصول کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا' اسی لیے ان تینوں کے نہ دینے کی شکایت عرض کی' ابن جمیل پر غضب فرمایا۔ اور حضرت خالد اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے معذرت بیان فرمائی' مگر بعض علماء نے فرمایا: یہ صدقہ نافلہ تھا' جیسا کہ امام عبدالرزاق کی روایت میں ہے: ''ان النبی صلی الله علیه وسلم ندب الناس الی الصدقة'' نبی ﷺ نے لوگوں کو صدقہ کرنے پر اُبھارا تھا۔ ابن قصار نے کہا: یہی زیادہ مناسب ہے' اس لیے کہ صحابہ کرام سے مستبعد ہے کہ زکوۃ دینے سے انکار کریں۔

اقول وبالله التوفیق: امام عبدالرزاق کی روایت میں بھی صدقہ نافلہ پر نص نہیں ہے' اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ زکوۃ دینے کی ترغیب فرمائی ہو' علاوہ ازیں بخاری کی اس روایت کے بہ موجب یہ تصریح ہے: ''امر رسول الله صلی الله علیه وسلم'' رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا۔ حضور اقدس ﷺ کے حکم دینے کے بعد یہ صدقہ بھی واجب ہو گیا۔ نیز مسند امام احمد اور مسلم کی روایت میں یہ ہے: ''بعث عمر رضی الله عنه علی الصدقة'' صدقہ وصول کرنے کے لیے حضرت عمر کو بھیجا' اس سے صدقہ واجبہ ہی متبادر ہے۔

فقیل منع ابن جمیل

یہ عرض کرنے والے حضرت عمر فاروق ہی تھے' ابن جمیل بہت ہی مفلس قلاش تھا' حضور اقدس ﷺ نے اس کے لیے فراخی رزق کی دعا کی۔ اس کی برکت سے دن بہ دن اس کے اموال میں برکت ہوتی گئی' جب تک اس کے مدینہ طیبہ والے گھر کے صحن میں اس کے جانور آجاتے' مدینہ طیبہ رہا اور جماعت و جمعہ میں حاضر ہوتا رہا' جب اس کے صحن میں گنجائش نہ رہی تو دیہات میں رہنے لگا۔ جماعت میں حاضری چھوڑ دی' ابتداءً جمعہ میں حاضر ہوتا رہا' پھر جمعہ کی بھی حاضری چھوڑ دی اور زکوۃ کے محصل کو جواب دیا کہ یہ جزیہ ہے' میں نہیں دوں گا' مگر حضور اقدس ﷺ نے کوئی تعرض نہ کیا اور یہی خلفائے راشدین کا بھی عمل رہا۔

اما خالد

''اَعْتُدُہٗ'' یہ ''عَتَدٌ'' کی جمع ہے' اپنی ضروریات کے لیے انسان جو سامان جمع رکھے جیسے جانور' ہتھیار وغیرہ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی گھوڑے کے ہیں۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ خالد کی زرہیں' گھوڑے' اونٹ' ہتھیار جہاد کے لیے ہیں جو حوائج اصلیہ سے ہیں' اس لیے ان پر زکوۃ فرض نہیں' زکوۃ اس مال پر فرض ہے جو حوائج اصلیہ سے فاضل ہو۔

اما عباس

یہاں دو اشکال ہیں: بنی ہاشم کو زکوۃ لینا جائز نہیں' نیز اپنی زکوۃ خود اپنے لینے سے ادا نہ ہو گی۔ محدثین نے ''فهی علیه صدقة

ومثلها معها'' کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس خادم کے نزدیک صحیح تاویل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ اختیار ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے مستثنیٰ کر دیں اور جو چاہیں ردّ و بدل فرما دیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اسی اختیار کے بہ موجب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس صدقے سے مستثنیٰ فرما دیا' یہی نہیں بلکہ انہیں عطاء فرما دیا بلکہ اس کے برابر اور بھی۔

اس کی نظیر وہ واقعہ ہے کہ ایک صاحب پر روزے کا کفارہ واجب ہو گیا' خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور معذرت پیش کی کہ میں نہ غلام آزاد کر سکتا ہوں' مسلسل ساٹھ روزے بھی نہیں رکھ سکتا اور نہ ساٹھ مسکین کو کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اسی اثناء میں ایک زنبیل آئی' وہ انہیں عطاء فرما دی اور حکم دیا: اسے صدقہ کر دو' تو انہوں نے عرض کیا: کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر؟ فرمایا: ہاں! عرض کیا: مدینہ کے دونوں سنگستانوں کے درمیان کوئی گھر میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج نہیں' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خوب ہنسے اور فرمایا: اپنے اہل کو کھلا دے۔ (بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شیء ص ٦۔٢٩٥)

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حوائج ضروریہ پر زکوٰۃ نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ مجاہد کے لیے جہاد کے اسلحہ' سواری وغیرہ حوائج ضروریہ میں سے ہیں۔ حدیث کے اس حصے سے کہ فرمایا: ''فاغناه الله ورسوله'' ابن جمیل کو اللہ اور رسول نے غنی کر دیا۔ ثابت ہوا کہ اللہ عز و جل کی عطاء و دین سے حضور اقدس ﷺ بھی جسے چاہیں غنی بنا دیں۔ ''فصدقته عليه'' سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ جسے چاہیں' جس فرض سے چاہیں سبکدوش فرما دیں۔

ت ٢٧٥ - قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ هِيَ عَلَيْهِ وَمِثْلُهَا مَعَهَا.

اور امام مغازی' محمد بن اسحٰق نے ابوالزناد سے روایت کرتے ہوئے کہا: یہ ان پر ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر بھی۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: قول الله تعالى وفى الرقاب ص ١٩٨)

یہاں روایتیں مختلف ہیں' ایک بہ طریق شعیب و عبدالرحمٰن بن ابی الزناد' اس کے الفاظ وہی ہیں جو مذکور ہوئے یعنی ''فهي عليه صدقة ومثلها معها''۔ دوسری امام المغازی محمد بن اسحاق کی' وہ یہ ہے: ''فهي عليه ومثلها معها'' وہ تو ان پر واجب ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل۔ اس کے ہم معنی بہ طریق ابن جریج بھی مروی ہے' اور ایک روایت میں یہ ہے: ''فهي على ومثلها معها'' عباس پر جو صدقہ واجب ہے وہ میرے ذمے ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی۔

پہلی روایت یعنی ''فهي عليه صدقة'' کا ظاہر مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا' شارحین نے دوسری تاویل یہ کی ہے کہ جو صدقہ ان پر واجب ہے' وہ تو ان کے ذمے ہے ہی اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی ہے' یعنی وہ یہ صدقہ تو دیں گے ہی' اس کے برابر اور بھی دیں گے' اس لیے کہ وہ بخیل نہیں۔

دوسری روایت یعنی ''هي عليه'' میں بھی دونوں احتمال جاری ہو سکتے ہیں۔ تیسری روایت یعنی ''فهي على'' اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے از راہ کرم اپنے چچا کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب تھی' اپنے ذمہ لے لی' وہ بھی ان کے تساہل کی مکافات میں دوگنا۔

امام محمد بن اسحٰق

امام بخاری نے امام المغازی محمد بن اسحٰق کا قول صیغہ تحقیق ''قال'' کے ساتھ ذکر کر کے اسے اپنی اس صحیح میں لیا' یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ ثقہ ہیں' اس سے دیوبندیوں اور ان لوگوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے جو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی

عداوت میں انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ باب الاذان میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

۸٦۵- ح: وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ [اور جو مانگنے سے بچے گا اللہ اسے بچائے گا]

۸٦۵ - عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَآءً خَيْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو انہیں عطاء فرمایا' پھر سوال کیا تو پھر عطاء فرمایا' پھر سوال کیا تو پھر عطا فرمایا' یہاں تک کہ حضور کے پاس جو کچھ تھا سب ختم ہو گیا' تو فرمایا: میرے پاس کچھ بھی مال ہوگا تو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور جو مانگنے سے بچے گا اسے اللہ بچائے گا اور جو مستغنی رہے گا' اللہ اسے غنی کر دے گا اور جو صبر اختیار کرے گا' اللہ اسے صبر دے گا اور کسی کو کوئی بخشش صبر سے بہتر اور وسیع تر نہیں ملی۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الاستعفاف عن المسئلۃ ص ۱۹۸' ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: الصبر عن محارم اللہ ص ۹۵۸)

کتاب الرقاق میں تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یوں ہے: ان میں سے جس کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا تو اسے عطاء فرمایا۔ یہاں کی بھی روایت کے یہی معنی ہیں' البتہ یہ مزید ہے کہ ان انصار کرام نے ایک بار سوال کیا اور انہیں دیا' پھر دوبارہ سوال کیا تو بھی عطاء فرمایا۔ اخیر کے الفاظ یہ ہیں: صبر سے بہتر اور وسیع تر بہتری کسی کو کبھی نہیں دی گئی۔

۸٦٦- ح: لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ [کوئی اپنی رسی لے]

۸٦٦ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَحْتَطِبَ عَلٰى ظَهْرِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ رَجُلًا فَيَسْاَلَهٗ اَعْطَاهُ اَوْ مَنَعَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ تمہارا اپنی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑیاں لاد کر لانا' اس سے بہتر ہے کہ کسی کے پاس جائے اور اس سے سوال کرے' وہ اسے دے یا منع کر دے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الاستعفاف عن المسئلۃ ص ۱۹۹' کتاب البیوع۔ باب: کسب الرجل وعملہ بیدہ ص ۲۷۸' کتاب المساقاۃ۔ باب: بیع الحطب والکلاء ص ۳۱۹' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

۸٦۷ - عَنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بْنِ الْعَوَّامِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی رسی لو اور اپنی پیٹھ پر لکڑی کا گٹھا لاد کر لاؤ اور اسے بیچو' جس کی بدولت اللہ اس کی آبرو بچا لے' بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے' وہ اسے دیں یا نہ دیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الاستعفاف عن المسئلۃ ص ۱۹۹' کتاب البیوع۔ باب: کسب الرجل وعملہ بیدہ ص ۲۷۸' کتاب المساقاۃ۔ باب: بیع الحطب والکلاء ص ۳۱۹)

خودداری و عزتِ نفس انسان کا بہت بڑا کمال ہے۔ ان دونوں احادیث میں اس کی بلیغ ترین طریقے سے تعلیم دی گئی ہے' جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر چن کر لانا' پیٹھ یا سر پر لاد کر بیچنا بہ ظاہر ذلت کا کام ہے' مگر سوال اس سے زیادہ ذلیل کام ہے۔ پہلی صورت میں کوئی یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ تم بھک منگے تھے کہ میں یا میرے باپ نے تمہیں یہ دیا' یہ دیا۔

۸۶۸- ح: لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ

[کسی کا دیا ہوا قبول نہیں کروں گا]

۸۶۸ - عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَاَلْتُهُ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَاَلْتُهُ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهُ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يَدْعُوْ حَكِيْمًا اِلَى الْعَطَاءِ فَيَاْبٰى اَنْ يَّقْبَلَهُ مِنْهُ ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ عَنْهُ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَاَبٰى اَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى حَكِيْمٍ اَنِّيْ اَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَاْبٰى اَنْ يَّاْخُذَهُ فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيْمٌ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تُوُفِّيَ .

حضرت عروہ اور حضرت سعید بن میتب سے روایت ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مانگا تو مجھے عطاء فرمایا' پھر مانگا تو پھر دیا' اس کے بعد پھر مانگا تو دیا' اس کے بعد فرمایا: اے حکیم! بے شک یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جو اسے سیر چشمی کے ساتھ لے تو مبارک ہے اور جو لالچ کے ساتھ لے اسے مبارک نہیں' یہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا' اوپر کا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہے۔ حضرت حکیم نے کہا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! جب تک جیتا رہوں گا آپ کے بعد کسی کا دیا قبول نہ کروں گا۔ حضرت ابوبکر' حضرت حکیم کو دینے کے لیے بلاتے' وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے' پھر حضرت عمر نے بلایا کہ انہیں کچھ دیں تو انکار کر دیا' اس پر حضرت عمر نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! میں حکیم پر تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ مال غنیمت سے ان کا جو حق ہے میں ان پر پیش کرتا ہوں' وہ لینے سے انکار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد حکیم نے کسی کا کچھ دیا نہیں لیا' یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الاستعفاف عن المسئلۃ ص ۱۹۹' کتاب الوصایا۔ باب: تاویل قولہ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین ص ۳۸۴' الجہاد۔ باب: ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبھم ص ۴۴۴' ج ۲۔ کتاب الرقاق۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا المال حلوۃ خضرۃ ص ۹۵۳' مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ' ترمذی۔ کتاب الزھد' نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الرقاق)

''رزا'' کے معنی حاصل کرنا' کم کرنا ہے۔ ''لا ارزا'' کا معنی یہ ہے: میں کسی کا مال لے کر اس کے مال کو کم نہیں کروں گا' یعنی قبول نہ کروں گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان سے سوال عار نہیں' سائل جب مانگنے میں غلو کرے تو اسے منع کر دینا چاہیے۔ کسی نے ضرورت کے وقت سوال کیا تو اس کی ضرورت پوری کرنے کے بعد اسے نصیحت نہ کرے ورنہ وہ نصیحت کو اس پر محمول کرے گا کہ یہ دینا نہیں چاہتا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی کہ بغیر لالچ کے جو مال ملے' وہ لے لیا جائے' مگر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی عطاء قبول نہ کی۔ یہ ان کی اعلیٰ کمال درجے کی بے نیازی تھی' ان کی برکت یہ

ہوئی کہ جب ان کا وصال ہوا تو سب سے زیادہ مال دار تھے۔

۸۶۹- ح: اِذَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَیْءٌ

[اس مال میں سے جب تمہارے پاس کچھ آئے]

۸۶۹ - اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ یَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْنِی الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ مَنْ هُوَ اَفْقَرُ اِلَیْهِ مِنِّیْ فَقَالَ خُذْهُ اِذَا جَائَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَیْءٌ وَّاَنْتَ غَیْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ دیتے تو میں عرض کرتا: اسے عطاء فرمائیں جو مجھ سے بھی زیادہ ضرورت مند ہے' تو فرمایا: لے لو! اس مال میں سے اگر کچھ تمہارے پاس اس طرح آئے کہ تم اس کا لالچ نہ رکھو اور نہ مانگو تو لے لو اور جو اس طرح نہ آئے تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: من اعطاه الله شیئاً من غیر مسئلة ص ۱۹۹' ج ۲۔ کتاب الاحکام۔ باب: رزق الحاکم والعاملین علیها ص ۱۰۶۱' مسلم' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

کتاب الاحکام میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ دیا کرتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ جو اس کا مجھ سے زیادہ حاجت مند ہو' اسے عطاء فرمائیں' یہاں تک کہ ایک بار مجھے کچھ مال عطاء فرمایا' بعد میں میں نے وہی عرض کیا تو فرمایا: لے لو! اپنے پاس رکھو اور صدقہ کرو' جب یہ مال تمہارے پاس آئے۔ الخ

مشائخ عظام کا ارشاد ہے: طمع مت کر' منع مت کر' جمع مت کر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر لالچ اور سوال کے اگر کوئی کچھ دے تو یہ زہد کے منافی نہیں۔ مشائخ عظام کا دونوں طریقوں پر عمل رہا' بعض نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے طریقے کو اپنایا اور بعض نے اس حدیث پر عمل فرمایا۔ بعض نے دونوں طریقوں پر اس طرح کہ سلاطین' حکام کی نذر رد کر دی اور مخلصین فقراء کی قبول کی۔ میں نے سیدی سندی حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کبھی کبھی رؤسا کی نذریں باوجود اصرار کے رد کر دیں اور فقراء کی قلیل نذر حتیٰ کہ چار آنے تک قبول فرمائی۔

۸۷۰- ح: مَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَسْأَلُ النَّاسَ

[انسان لوگوں سے بھیک مانگتا رہے گا]

۸۷۰ - سَمِعْتُ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى یَأْتِیَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَیْسَ فِیْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ وَّقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْاُذُنِ فَبَیْنَا هُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰى ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَزَادَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِی اللَّیْثُ حَدَّثَنِی ابْنُ اَبِیْ جَعْفَرٍ فَیَشْفَعُ لِیُقْضٰى بَیْنَ الْخَلْقِ فَیَمْشِیْ حَتّٰى یَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْبَابِ فَیَوْمَئِذٍ یَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان لوگوں سے بھیک مانگتا رہے گا' یہاں تک کہ قیامت کے دن آئے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا نہیں رہے گا اور کہا: قیامت کے دن سورج نزدیک ہوگا' یہاں تک کہ پسینہ آدھے کان تک پہنچ جائے گا' لوگ اسی حالت میں ہوں گے اور حضرت آدم پھر حضرت موسیٰ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے کہ مخلوق کا فیصلہ کیا جائے' یہاں تک کہ جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ لیں گے' اس دن اللہ تعالیٰ انہیں مقام محمود پر فائز فرمائے گا کہ اس مجمع کے تمام لوگ ان کی حمد کریں گے۔

يَحْمَدُهُ اَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ.

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: من سأل الناس تکثرا' ص۱۹۹' مسلم' نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ)

مُزعة لحم

اس کے معنی ٹکڑے کے ہیں' کہا جاتا ہے کہ "مزعت اللحم قطّعتُهُ قطعة قطعة" میں نے گوشت کو بوٹی بوٹی کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اس کے چہرے پر بالکل گوشت نہ ہوگا' صرف ہڈی ہوگی' سورج کے قریب ہونے کی وجہ سے اسے سخت اذیت ہوگی اور یہ بلاضرورت سوال کرنے کی سزا ہے۔

حتی یبلغ العرق (الخ)

مسلم[1] میں اس کی تفصیل یہ ہے: سورج قریب کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔ اس حدیث کے راوی سلیم بن عامر تابعی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس میل سے میل مسافت مراد ہے' یا سرمے کی سلائی۔ اپنے اعمال کے مطابق لوگ پسینے میں ہوں گے' پسینہ کسی کے ٹخنوں تک ہوگا' کسی کے گھٹنوں تک' کسی کے کمر تک' کسی کے سینے تک' کسی کے گلے تک اور کافر کے تو منہ تک چڑھ کر مثل لگام ہو جائے گا' جس میں وہ ڈبکیاں کھائے گا۔

استغاثوا بآدم

یہاں اختصار ہے' کتاب الرقاق[2] میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت آدم پھر حضرت نوح پھر حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ پھر حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس آئیں گے' پھر ان کی رہنمائی پر شفیع اعظم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وغیر ذلک من التفاصیل!

وزاد عبد الله

اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ حصہ تعلیق ہو' کیونکہ امام بخاری نے صرف زاد عبداللہ کہا ہے' زادنی نہیں کہا۔ یہ عبداللہ بن صالح' امام لیث بن سعد کے کاتب ہیں۔ امام ابو عبداللہ حاکم نے کہا کہ امام بخاری نے عبداللہ بن صالح کاتب لیث کی کوئی حدیث صحیح تام مستقل اپنی صحیح میں نہیں درج کی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: ایسا نہیں' ان کی تام مستقل حدیث لی ہے' مگر بہ وجہ تدلیس' نسبت چھوڑ کر صرف عبداللہ کہہ کر۔ ان کے بارے میں کلام ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ سقیم الحدیث ہے۔

فیشفع لیقضی

قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا' قیامت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا' آدھے دن تک لوگ حیران و پریشان رہیں گے' پھر باہمی مشورے سے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے اور بالآخر حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے' اور حضور بارگاہ اقدس میں عرض معروض کر کے حساب شروع کرائیں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ ہے' جو تمام اہل محشر کے لیے ہوگی حتیٰ کہ کافر کے لیے بھی' جس سے متاثر ہو کر تمام اہل محشر آپ کی مدح وثناء کریں گے' یہی مقام محمود ہے۔

مطابقت باب

یہاں باب کا عنوان ہے: جو لوگوں سے مال زیادہ حاصل کرنے کے لیے سوال کرے۔ ظاہر ہے کہ عند الضرورۃ سوال کرنا جائز

---

[1] مسلم۔ ج۲ ص۳۸۴۔ باب: فی یوم القیمة [2] بخاری۔ ج۲ ص۹۷۱۔ کتاب الرقاق۔ باب: صفة الجنة والنار

اور مباح ہے اس پر سزا کا کوئی سوال ہی نہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے جو بلاضرورت سوال کرتے ہیں' یعنی ان کے پاس بہ قدرِ ضرورت مال ہے' پھر بھی مانگتے ہیں تو یہ مانگنا مال زیادہ کرنے کے لیے ہے۔

٨٧١ - ح: لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِیْ (الخ) [(لقمے دو لقمے کے لیے در بہ در پھرنے والا) مسکین نہیں]

٨٧١ - اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِیْ تَرُدُّهُ الْاُكْلَةُ وَالْاُكْلَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنُ الَّذِیْ لَيْسَ لَهٗ غِنًى وَيَسْتَحْيِیْ اَوْ لَا يَسْاَلُ النَّاسَ اِلْحَافًا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جسے لقمہ دو لقمے دربدر پھرائیں' ہاں! مسکین وہ ہے جسے احتیاج ہو اور شرم کرے اور لوگوں سے لپٹ کر مانگے نہیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: قول اللّٰه لا یسئلون الناس الحافا ص ١٩٩' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ' مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ٤٥٧)

لیس المسکین

اس سے مراد پیشہ ور بھک منگے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی مسکین بھک منگا بھکاری نہیں' اس لیے کہ وہ مانگ مانگ کر مال جمع کرتا ہے' حقیقی مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہیں' پھر بھی کسی سے سوال نہیں کرتا' یا بہ قدرِ ضرورت سوال کرتا بھی ہے تو ان بھکاریوں کی طرح ضد اور اصرار کے ساتھ نہیں کہ جب تک کچھ نہ ملے پیچھا نہ چھوڑیں۔

٨٧٢- ح: اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا [اللہ تعالیٰ کو تین باتیں ناپسند ہیں]

٨٧٢ - حَدَّثَنِیْ كَاتِبُ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلَى الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنِ اكْتُبْ اِلَیَّ بِشَیْءٍ سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيْلَ وَقَالَ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نے کہا کہ حضرت معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا ہے' کچھ میرے پاس لکھو' تو انہوں نے لکھا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ فرماتے تھے: اللہ عزوجل کو تمہارے لیے تین باتیں ناپسند ہیں: قیل وقال اور مال کا ضائع کرنا اور بہ کثرت سوال کرنا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: قول اللّٰه لا یسئلون الناس الحافا ص ١٩٩)

قیل وقال

بہ ظاہر یہ دونوں فعل ماضی ہیں' اوّل مجہول' ثانی معروف۔ مصدر بھی ہو سکتے ہیں' کہا جا سکتا ہے: ''قال قولا وقیلا وقالا'' اور اسم بھی ہو سکتا ہے۔ ابن السکیت نے اسی کو ترجیح دی۔ اس سے مراد لایعنی غیر مفید باتیں کرنا ہے یا جن باتوں کا صحیح ہونا متیقن نہ ہو' انہیں پھیلانا مراد ہو۔

واضاعة المال

مال کے ضائع کرنے کی بے شمار صورتیں ہیں' اس کی حفاظت نہ کرنا' مال بڑھانے کی کوشش نہ کرنا' جو موجود ہے اسی کو بیٹھے بیٹھے کھانا' فضول خرچی کرنا' معاصی میں صرف کرنا' حیثیت سے زیادہ داد و دہش پیش کرنا' قابل انتفاع چیزوں کو پھینک دینا' وغیرہ وغیرہ۔

و كثرة السؤال

یہ عام ہے ہر قسم کے سوال کو' مال کا سوال کرنا ہو یا علمی' علمی سوال کی دو صورتیں ہیں' اوّل: وہ باتیں جن پر اعتقاد رکھنا یا عمل کرنا فرض یا واجب یا سنت یا مستحب ہے یا ممنوع ہے۔ ان کے بارے میں سوال بھی فرض یا واجب یا سنت یا مستحب ہوگا۔ دُوسرے وہ باتیں جن کے جاننے کے ہم مکلف نہیں' جیسے حضرت آدم نے جنت میں سب سے پہلے کیا کھایا تھا؟ دنیا میں آ کر سب سے پہلے کیا کھایا؟ حضرت حوا سے ملاقات ہوئی تو پہلی گفتگو کیا ہوئی؟ حضرت اسماعیل کے فدیے کا گوشت کیا ہوا؟ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ' یہ ممنوع ہیں اور اسی کثرتِ سوال میں داخل ہیں۔

اسی طرح انسان کے نجی و کاروباری تفاصیل کے غیر ضروری سوالات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ واضح ہو کہ کبھی کبھی سوال واجب ہوتا ہے' مثلاً کھانے کو کچھ نہیں اور جان جانے کا اندیشہ ہے تو جان بچانے کے لیے سوال واجب ہے' کیونکہ جان بچانی فرض ہے۔

۸۷۳- ح: فَضَرَبَ فَجَمَعَ بَيْنَ عُنُقِي وَ كَتِفِي

[آپ (ﷺ) نے میری گردن اور شانے کے درمیان مارا]

۸۷۳ - عَنْ اَبِيْهِ عَنْ صَالِحٍ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ يُحَدِّثُ بِهٰذَا فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهِ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ فَجَمَعَ بَيْنَ عُنُقِيْ وَ كَتِفِيْ ثُمَّ قَالَ اَقْبِلْ اَيْ سَعْدُ اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ. (بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی لا يسئلون الناس الحافا ص ۲۰۰)

یعقوب بن ابراہیم اپنے والد ابراہیم سے' وہ صالح سے' وہ اسماعیل بن محمد بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں (اسماعیل بن محمد) نے کہا: میں نے اپنے والد (محمد) سے سنا' وہ یہ حدیث بیان کرتے تھے' اپنی اس حدیث میں یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے میری گردن اور شانے کے درمیان مارا' پھر فرمایا: اے سعد! تو چہ دے' میں ایک شخص کو دیتا ہوں۔

یہ نزہۃ القاری' ج ا ص ۲۸۶ پر گزری ہوئی حدیث: ۲۶ کا درمیانی جز ہے' جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو دیا اور ایک ایسے شخص کو کچھ نہیں دیا جو میرے نزدیک سب سے اچھا تھا۔ میں نے تین بار خدمت میں عرض کیا تو فرمایا: ایک کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا مجھے زیادہ پیارا ہوتا ہے' اس اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں اللہ اسے منہ کے بل جہنم میں نہ ڈال دے' یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ابھی ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوتا تو انہیں تالیف قلب کے لیے دیتا ہوں' تاکہ وہ سچے مؤمن ہو جائیں اور جسے نہیں دیتا وہ راسخ الایمان ہوتا ہے' اسے کچھ دیا جائے یا کچھ نہ دیا جائے' وہ بہر حال ثابت قدم رہے گا۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

محمد بن سعد رضی اللہ عنہ' رسول اللہ ﷺ سے روایت کر رہے ہیں' حالانکہ محمد بن سعد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں ہے۔ اس بناء پر یہ روایت مرسل ہوئی' علامہ عینی نے یہ جواب دیا کہ اس روایت میں ''ھٰذا'' کا اشارہ اس سے پہلے مذکور حدیث سعد کی طرف ہے جس میں تصریح ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو دیا' اب یہ مرسل نہ رہی متصل ہوگئی۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ ﴿فَكُبْكِبُوْا﴾ (الشعراء: ۹۴) قُلِبُوْا مُكِبُّوْا ﴿مُكِبًّا﴾ (الملک: ۲۲) اَكَبَّ الرَّجُلُ اِذَا كَانَ فِعْلُهٗ

ابوعبداللہ نے کہا: ''فكبكبوا'' کے معنی ''قلبوا'' کے ہیں' ''مكبا'' (اکب) سے ہے' ''اكب الرجل'' اس وقت کہا جاتا

غَيْرَ وَاقِعٍ عَلٰى اَحَدٍ فَاِذَا وَقَعَ الْفِعْلُ قُلْتَ كَبَّهُ اللّٰهُ لِوَجْهِهٖ وَكَبَبْتُهٗ اَنَا.

ہے جبکہ اس کا فعل کسی پر واقع نہ ہو جب واقع ہو تو تم یہ کہو گے: ''کبّه اللّٰه لوجهه و كببته انا''۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: لا یسئلون الناس الحافاص۲۰۰)

حدیث میں آیا تھا: ''ان یکبّه اللّٰه فی النار علی وجهه'' کہ کہیں اللہ اسے اوندھے منہ جہنم میں نہ ڈال دے۔ حسب عادت امام بخاری قدس سرہ نے اس کے مناسب قرآن مجید میں وارد ذوالفاظ کی تفسیر کی ہے ایک ''کبکبوا'' ہے سورۃ الشعراء: ۹۴ میں فرمایا: ''فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ O'' (الشعراء: ۹۴) تو جہنم میں وہ اور تمام گمراہ اوندھے منہ ڈال دیئے گئے۔ دوسرے ''مکبّا'' ہے سورۃ الملک: ۲۰ میں فرمایا: ''اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ اَهْدٰى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O'' کیا جو اوندھے منہ کے بل چلے زیادہ راہ پر ہے یا جو سیدھا راہ راست پر چلے O ''کبَّ'' ان چند افعال میں سے ہے جو مجرد میں متعدی ہیں اور باب افعال میں لازم ''کبکبوا'' مجرد ہے اس کے معنی ہیں: منہ کے بل جہنم میں ڈالے گئے۔ ''مکبا'' باب افعال کا اسم فاعل ہے اس کے معنی ہیں: اوندھے ہو کر۔

امام بخاری نے جب اس کا فعل کسی پر واقع نہ ہو سے لازم کی تعبیر کی اور جب کسی پر واقع ہو سے متعدی کی۔

''کَبَّ اَكَبَّ'' کے مثل چند یہ افعال بھی ہیں: ''حَجَمَ. اَحْجَمَ. نَسَلَ. اَنْسَلَّ. مَرٰى. اَمْرٰى. نَزَفَ. اَنْزَفَ. نَشَقَ. اَنْشَقَ. قَشَعَ. اَقْشَعَ''۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ هُوَ اَكْبَرُ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَهُوَ قَدْ اَدْرَكَ بْنَ عُمَرَ.

ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: صالح بن کیسان زہری سے عمر میں بڑے ہیں انہوں نے حضرت ابن عمر کو پایا (یعنی سماع حدیث کی)۔

(بخاری۔ باب: الزکوۃ لا یسئلون الناس الحافاص۲۰۰)

امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صالح بن کیسان امام زہری سے عمر میں بڑے ہیں صالح بن کیسان نے حضرت ابن عمر سے حدیث سنی ہے بہ خلاف امام زہری کے کہ ان کے بارے میں جمہور کا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر سے حدیث نہیں سنی۔ امام احمد امام ابن مدینی امام ابن معین کا بھی یہی قول ہے امام زہری سے دو حدیثیں براہ راست حضرت ابن عمر سے مروی ہیں O مگر دوسروں کی روایت میں درمیان میں سالم ہیں۔ امام زہری کی پیدائش ۵۰ھ یا اس کے بعد کی ہے اور سن ایک سو تیئس یا چوبیس میں ان کا وصال ہوا ہے اور صالح بن کیسان کا وصال سن ایک سو چالیس یا اس سے کچھ پہلے ہوا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا وصال ۷۳ھ میں ہوا ہے۔

۸۷۴ - ح: لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ (الخ)

[وہ مسکین نہیں جو (لوگوں میں) گھومتا رہتا ہو]

۸۷۴ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنِ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مسکین نہیں جو لوگوں پر گھومتا رہتا ہے لقمہ دو لقمہ ایک دو کھجوریں اسے دروازے دروازے پھراتی ہیں ہاں! مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر نہیں پاتا اور اسے جانا بھی نہیں جاتا کہ اسے کچھ دیا جائے اور لوگوں سے مانگتا بھی نہیں۔

(ایضاً۔ ج ٢۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ بقرہ۔ باب: قول الله لا يسئلون الناس الحافا ص ٦٥١' ابوداؤد' نسائی' دارمی۔ کتاب الزکوۃ' مؤطا امام مالک۔ کتاب صفة النبی ﷺ' مسند امام احمد۔ ج ٢ ص ٢٦١)

٨٧٥- ح: لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهُ ثُمَّ يَغْدُوَ

[کوئی صبح کو رسی لے کر (پہاڑ) پر جائے]

٨٧٥ - عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهُ ثُمَّ يَغْدُوَ اَحْسِبُهُ قَالَ اِلَى الْجَبَلِ فَيَحْتَطِبَ فَيَبِيْعَ فَيَاْكُلَ وَيَتَصَدَّقَ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کوئی صبح کو رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور لکڑی جمع کرے' پھر اسے بیچے اور کھائے' صدقہ کرے' یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: قول الله تعالٰى لا يسئلون الناس الحافا ص ٢٠٠' باب: كسب الرجل وعمله ص ٢٧٨' کتاب المساقاۃ۔ باب: بيع الحطب والكلأ ص ٣١٩' نسائی۔ کتاب الزکوۃ)

٨٧٦- ح: غَزَوْنَا غَزْوَةَ تَبُوْكَ

[ہم (آپ ﷺ کے ساتھ) غزوۂ تبوک کے لیے نکلے]

٨٧٦ - عَنْ اَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ فَلَمَّا جَآءَ وَادِيَ الْقُرٰى اِذَا امْرَاَةٌ فِيْ حَدِيْقَةٍ لَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحٰبِهِ اخْرُصُوْا وَخَرَصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةَ اَوْسُقٍ فَقَالَ لَهَا اَحْصِيْ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَلَمَّا اَتَيْنَا تَبُوْكَ قَالَ اَمَا اِنَّهَا سَتَهُبُّ اللَّيْلَةَ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَلَا يَقُوْمَنَّ اَحَدٌ وَّمَنْ كَانَ مَعَهُ بَعِيْرٌ فَلْيَعْقِلْهُ فَعَقَلْنَاهَا وَهَبَّتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَاَلْقَتْهُ بِجَبَلِ طَيِّءٍ وَّاَهْدٰى مَلِكُ اَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةً بَيْضَاءَ وَكَسَاهُ بُرْدًا وَّكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ فَلَمَّا اَتٰى وَادِيَ الْقُرٰى قَالَ لِلْمَرْاَةِ كَمْ جَآءَ حَدِيْقَتُكِ قَالَتْ عَشَرَةَ اَوْسُقٍ خَرْصَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ مُتَعَجِّلٌ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَعَجَّلَ مَعِيْ فَلْيَتَعَجَّلْ فَلَمَّا قَالَ ابْنُ بَكَّارٍ كَلِمَةً مَعْنَاهَا اَشْرَفَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ هٰذِهِ طَابَةُ فَلَمَّا رَاٰى اُحُدًا قَالَ هٰذَا جُبَيْلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ دُوْرِ الْاَنْصَارِ

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے' جب حضور وادی القریٰ پہنچے تو ایک عورت ملی جو اپنے باغ میں تھی' نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اس کی کھجوروں کا اندازہ لگاؤ اور رسول اللہ ﷺ نے دس وسق کا اندازہ لگایا اور اس عورت سے کہا: اس سے جو نکلے' اس کا حساب رکھنا۔ ہم جب تبوک پہنچے تو فرمایا: سنو! آج رات میں سخت آندھی آئے گی' کوئی کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو' وہ اس کی عقال باندھ دے' ہم نے باندھ دیا اور سخت آندھی آئی اور ایک شخص کھڑا ہو گیا تو اسے طے کے پہاڑوں میں پھینک دیا اور ایلہ کے بادشاہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں سفید خچر نذر کی اور حضور نے اسے چادر عطاء فرمائی اور ان کے لیے ان کا سمندر لکھ دیا' پھر جب وادی القریٰ واپس تشریف لائے تو اس عورت سے پوچھا: تیرے باغ میں کتنی کھجوریں آئیں؟ تو اس نے بتایا کہ دس وسق' رسول اللہ ﷺ کے اندازے کے مطابق' اب نبی ﷺ نے فرمایا: میں مدینہ جلد پہنچنا چاہتا ہوں' تم میں سے جو میرے ساتھ جلد مدینہ پہنچنا چاہے تو تیز چلے۔ جب مدینہ نظر آنے لگا تو فرمایا: یہ طابہ ہے اور جب اُحد کو دیکھا تو فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس

قَالُوْا بَلٰی قَالَ دُوْرُ بَنِی النَّجَّارِ ثُمَّ دُوْرُ بَنِی عَبْدِالْاَشْھَلِ ثُمَّ دُوْرُ بَنِیْ سَاعِدَۃَ اَوْ دُوْرُ بَنِی الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ وَفِیْ کُلِّ دُوْرِ الْاَنْصَارِ یَعْنِیْ خَیْرًا قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ کُلُّ بُسْتَانٍ عَلَیْہِ حَائِطٌ فَھُوَ حَدِیْقَۃٌ وَّمَا لَمْ یَکُنْ عَلَیْہِ حَائِطٌ لَّا یُقَالَ حَدِیْقَۃٌ وَّقَالَ سُلَیْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِیْ عَمْرٌو ثُمَّ دَارُ بَنِی الْحَارِثِ ثُمَّ بَنِیْ سَاعِدَۃَ وَقَالَ سُلَیْمَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عُمَارَۃَ بْنِ غَزِیَّۃَ عَنْ عَبَّاسٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ.

سے محبت کرتے ہیں' کیا تمہیں میں انصار کے سب سے بہتر گھر کو نہ بتا دوں' لوگوں نے عرض کیا: ضرور بتائیے! تو فرمایا: بنی نجار کے گھر ہیں' پھر بنی عبدالاشہل کے' پھر بنی ساعدہ کے یا بنی حارث بن خزرج کے گھر اور انصار کے ہر گھر میں خیر ہے۔ ابوعبداللہ امام بخاری نے کہا: جس باغ کے اردگرد دیوار ہو' وہ حدیقہ ہے اور دیوار نہ ہو تو اسے حدیقہ نہیں کہیں گے۔ اور سلیمان بن بلال نے کہا: مجھ سے عمرو نے حدیث بیان کی کہ فرمایا: پھر بنی حارث بن خزرج کے گھر' پھر بنی ساعدہ کے اور سلیمان بن بلال نے کہا سعد بن سعید سے' وہ عمارہ بن غزیہ سے' وہ عباس بن ابوحمید ساعدی سے' وہ اپنے والد سے' وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: خرص التمرۃ ص ۲۰۰' کتاب فضائل المدینۃ۔ ص ۲۵۲' کتاب المناقب۔ باب: فضل دور الانصار ص ۵۳۵' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ تبوک ص ۶۳۵' مسلم۔ کتاب الفضائل' ابوداؤد۔ کتاب الامارۃ' مسند امام احمد۔ ج ۵ ص ۴۲۴)

اس حدیث کا یہ جزء ''فلما اشرف علی المدینۃ فقال ھذہ طابۃ'' سے آخر تک کو مغازی میں اور طابۃ تک فضائل مدینہ میں اور ''خیر دور الانصار'' سے ''فی کل دور الانصار خیر'' تک مناقب میں ذکر فرمایا ہے۔

تبوک

مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب چودہ منزل پر ایک جگہ کا نام ہے' یہاں سے دمشق گیارہ منزل کے فاصلے پر ہے' یہ غیر منصرف ہے ابن قتیبہ کا گمان ہے کہ یہ تفعل کے وزن پر بوک سے فعل مضارع ہے۔ اس کے معنی زمین کے دراڑ میں تیر وغیرہ ڈال کر پانی نکالنا ہے۔ یہاں جب حضور اقدس ﷺ پہنچے تو دیکھا کہ لوگ ایک دراڑ میں سے پیالے سے پانی نکال رہے ہیں' تو فرمایا: ایسے ہی کرتے رہو گے۔ اس وجہ سے اس کا نام غزوۂ تبوک پڑا۔ یہ رجب ۹ ھ میں ہوا تھا' بیس دن وہاں قیام رہا۔ رمضان یا شوال کے آخر میں واپسی ہوئی۔ وادی القریٰ حجاز کے قدیمی شہروں میں سے ہے۔

اخرصوا

خرص اندازے سے کسی چیز کی مقدار بتانا۔ سلاطین و ملوک کی عادت تھی کہ جب کھجور' انگور وغیرہ کے پھل ظاہر ہو جاتے تو کسی ماہر کو بھیجتے' جو یہ اندازہ لگاتا کہ تیار ہونے پر یہ پھل کتنے ہوں گے؟ پھر پھل اترنے کے بعد اسی کے مطابق اس سے عشر وصول کرتے' اس میں یہ فائدہ تھا کہ خرص کے بعد مالک کو اس میں پھل کھانا بیچنا جائز ہو جاتا اور بیت المال کا نقصان بھی نہیں ہوتا۔ خرص کے مطابق عمل لازم ہے یا نہیں اور خرص جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ میں کئی اختلافات ہیں' ہمارے نزدیک یہ منسوخ ہے' جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا: ہماری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ فرمایا: ''نھی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الخرص وقال ارأیتم ان ھلک الثمر ایحب ان یاکل مال اخیہ بالباطل'' [1] نبی ﷺ نے خرص سے منع فرمایا اور فرمایا: بتاؤ! اگر پھل ہلاک

[1] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ ص ۲۱۷۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الخرص

ہو جائے' کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے بھائی کا مال باطل طریقے پر کھاؤ۔ ممانعت کا صریح مفاد یہ ہے کہ پہلے اجازت تھی' پھر ممانعت ہو گئی۔ یہ دلیل نسخ ہے اور نسخ پر عمل ناجائز' اسی لیے علامہ عینی نے اسے مکروہ بتایا اور یہی امام طحاوی نے بھی فرمایا۔

(شرح معانی الآثار۔ ج ا۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الخرص ص ۲۶۶)

تنقیح مسئلہ

یہ ہے کہ جو لوگ خرص کے قائل ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ حکومت کے مقررہ کردہ خارص نے جو مقدار بتا دی' اسی کے مطابق عشر وصول کرنا لازم ہے' اور ہمارے نزدیک ایسا کرنا منع ہے' اس کی مؤید اور بھی حدیثیں ہیں۔ حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تخمینہ لگا لو تو اسی کے مطابق لو اور ایک تہائی چھوڑ دو' اور اگر ایک تہائی نہ چھوڑ سکو تو چوتھائی چھوڑ دو۔ (ایضا ص ۲۶۷) اگر تخمینے کے مطابق لینا واجب ہوتا تو تہائی چوتھائی چھوڑنے کا کیا مطلب۔ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر تخمینہ لگانے کے لیے اس لیے بھیجتے تھے کہ یہودی بد دیانت قوم ہے' اس لیے خاص ان کے لیے بہ طور احتیاط بھیجتے تھے۔ اور بخاری کی حدیث زیر بحث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ عمل دائمی اور وجوبی تھا۔ اس کا احتمال ہے کہ یہ وقتی رہا ہو' پھر یہاں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ لگایا تھا' جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں' جیسا کہ واقع ہوا۔ دوسروں کے تخمینے میں یہ بات کہاں' یہ حکم اجماعی مسئلے کے خلاف ہے۔ عشر اسی میں واجب ہے جو پیداوار ہو۔ پیداوار سے مراد ایسی پیداوار جو قابل انتفاع ہو۔ پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد تجربہ شاہد ہے کہ کتنے پھل ضائع ہو جاتے ہیں' پھر موسم کے بدلنے سے اس کی مقدار میں کافی فرق ہو جاتا ہے۔ اندازہ لگایا کہ دس من کھجوریں اتریں گی' مگر موسم ناموافق ہو گیا تو کم آ سکتی ہیں۔ سازگار ہو گیا تو زیادہ بھی۔ پہلی صورت میں تخمینے کے مطابق لینے میں حق سے زیادہ لینا ہوا' جو ناجائز اور دوسری صورت میں حق سے کم لیا' یہ بھی حق اللہ میں خیانت۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس اندیشے کی بناء پر کہ کاشتکار چوری نہ کر لیں' ان پر دھونس کے لیے تخمینہ لگوا لیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ احناف مکروہ اسے کہتے ہیں کہ تخمینے کے مطابق ہی وصول کیا جائے۔

سَتَهُبُّ

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کی دلیل ہے' یہ اور اس قسم کی متعدد احادیث دلیل ہیں کہ سورۂ لقمان کی اخیر آیہ کریمہ "وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ" میں علم سے علم ذاتی قدیم واجب غیر متناہی بالفعل مراد ہے۔

فلیعقله

مغازی امام ابن اسحٰق میں ہے کہ یہ بھی فرمایا: کوئی باہر نکلے تو کسی کو ساتھ ضرور لے لے۔ بنی ساعدہ کے دو صاحب باہر نکلے' ایک صاحب قضاء حاجت کے لیے نکلے تو ان کا وہیں گلا گھٹ گیا' دوسرے صاحب کا اونٹ بدک گیا' تو اس کے پیچھے نکلے تو آندھی نے اڑا کر انہیں اجا اور سلمی بنی طی کے دونوں پہاڑوں کے درمیان ڈال دیا' جن کا گلا گھٹ گیا تھا' انہیں خدمت اقدس میں لوگ لائے' ان کو شفاء حاصل ہو گئی اور دوسرے صاحب جب حضور تبوک سے واپس ہوئے تو مدینہ طیبہ لوٹے۔

ملك ایله

ایلہ' مکہ معظمہ اور مصر کے درمیان نصف مسافت پر ایک شہر ہے' جو سمندر کے کنارے ہے۔ قرآن کریم میں جو مذکور ہے: "وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ" (الاعراف: ۱۶۳) اس سے یہی ایلہ مراد ہے' اس وقت اس کا بادشاہ یوحنا تھا۔ اس نے خدمت اقدس میں سفید خچر پیش کیا جس کا نام دُلدُل تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چادر عطا فرمائی اور اس کا ملک اس

کے لیے برقرار رکھا' چونکہ اس کا ملک سمندر کے کنارے تھا' اس لیے "ببحرھم" سے تعبیر فرمایا۔

هذا جبل یحبنا

یہ اپنے اصلی معنی پر ہے' ہر مخلوق میں یک گونہ حیات ہے اور شعور بھی ہے اور اسی کی بدولت وہ حضور اقدس ﷺ اور اللہ عزوجل کو جانتی اور مانتی ہے۔ یہ قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا. (الاحزاب:٧٢) ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو ان سب نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے۔

اگر پہاڑوں میں حیات وشعور وادراک نہیں تو پھر امانت کے تحمل سے انکار اور ڈرنے کا سبب کیا تھا۔ انہیں کیا پتہ چلتا کہ یہ امانت کیا چیز ہے۔

مشہور حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت صدیق اکبر' فاروق اعظم' عثمان غنی' اُحد پر چڑھے' وہ ہلنے لگا' فرمایا: ساکن ہو جا! تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ اُحد میں حیات ہے' شعور وادراک ہے' اور محبت کا جذبہ بھی ہے۔

اس لیے اس میں کوئی قباحت نہیں کہ یہاں حقیقی معنی مراد ہو' یعنی اُحد پہاڑ واقعی ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ سے اُحد کے محبت کرنے کی وجہ ظاہر ہے' مگر اُحد سے حضور اقدس ﷺ کیوں محبت کرتے تھے' یہ سربستہ راز ہے۔ بہ ظاہر اس لیے بھی ہوسکتا ہے کہ یوم اُحد اسی پر چڑھ کر دشمن کو بے قابو فرمایا تھا اور اسی کے دامن میں ان وفاشعاروں کے مزارات ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام پر قربان کر دیا مگر محبوبِ خدا پر آنچ نہیں آنے دی۔

یہ حدیث جو بہ طریق وہیب مروی ہے' اس میں یہ شک ہے کہ عبدالاشہل کے بعد دور بنی ساعدہ کہا جاتا تھا کہ بنی الحارث بن الخزرج' مگر جو بہ طریق سلیمان بن بلال ہے' اس میں بلاشک پہلے دور بنی الحارث بن الخزرج ہے' اور اخیر میں دور بنی ساعدہ ہے اور یہی کتاب المناقب کی روایت میں بھی ہے' وہاں یہ زائد ہے: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کے بعد ہم حضرت سعد بن عبادہ سے ملے تو ان سے ابواُسید نے کہا کہ اللہ کے نبی نے انصار کے گھروں کو ایک کو دوسرے سے بہتر بتایا اور ہمیں آخر میں کر دیا۔ یہ سن کر حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کیا: انصار کے گھروں کو ایک دوسرے سے بہتر بنایا گیا اور ہمیں آخر میں کر دیا گیا' تو ارشاد فرمایا: کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تم بہترین گھروں میں سے ہو۔

ت٢٧٦- وَلَمْ یَرَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ فِی الْعَسَلِ شَیْئًا. اور عمر بن عبدالعزیز شہد میں کچھ واجب نہیں جانتے تھے۔

یہاں باب یہ ہے: عشر ان چیزوں میں ہے' جو بارش اور ماء جاری سے سینچی جائیں' اور شہد کسی بھی پانی سے سینچا نہیں جاتا۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ باب سے سمجھ میں آیا کہ جو چیزیں ان دونوں پانیوں سے سینچی نہ جائیں ان میں عشر نہیں۔ شہد بھی اسی میں داخل ہے' چونکہ شہد میں عشر کا وجوب اور عدم وجوب مختلف فیہ ہے' اور غالباً امام بخاری کا مسلک ہے کہ اس میں عشر نہیں' اس لیے اس کو ذکر فرمایا' بقیہ چیزوں میں عشر نہ ہونا متفق علیہ ہے' اس لیے اس سے تعرض نہ فرمایا۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہد میں عشر ہے' خواہ تھوڑی ہو خواہ زیادہ' عشری زمین میں پیدا ہو یا خراجی یا ایسی زمین میں جو عشری ہو نہ خراجی۔ ہماری تائید میں بہ کثرت احادیث ہیں جو عمدۃ القاری اور فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہیں۔

عبرت

خود امام بخاری اور ان کے مقلدین، زمانۂ حال کے غیر مقلدین، احناف کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ حدیث چھوڑ کر اقوال رجال کو مذہب بنائے ہوئے ہیں، منصف حضرات ملاحظہ فرمائیں کہ بہت سے مسائل کی طرح یہاں بھی حدیث صحیح کے خلاف ایک تابعی کے قول کو امام بخاری مذہب بنائے ہوئے ہیں۔

۸۷۷- ح: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ

[جسے بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے]

۸۷۷ - عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جسے بارش اور چشمے سینچیں یا وہ نمناک ہو تو اس میں عشر ہے اور جو پانی چھڑک کر سینچی جائے اس میں نصف عشر ہے (بیسواں حصہ)۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: العشر فيما يسقى بماء السماء ص ۲۰۱، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ زمین کی پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس میں عُشر ہے، عشر واجب ہونے کے لیے نصاب شرط نہیں، اس لیے کہ اس میں کلمہ ما عام ہے، جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہے۔

امام بخاری کی تنقید

ہمارے اس استدلال پر امام بخاری نے یہ تنقید کی ہے کہ اگرچہ یہ حدیث عام ہے مگر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، اس کی مخصص ہے، اس لیے کہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

جواب

علامہ بدرالدین محمود عینی نے یہ جواب دیا کہ عام سے کسی خاص کی تخصیص اس وقت ہوتی ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ خاص بعد میں ارشاد فرمایا گیا ہے، ورنہ نہیں۔ مثلاً زید نے اپنے غلام سے کہا: فلاں کو جتنا چاہو دے دو، پھر حکم دیا کہ دس روپے دینا، تو اب غلام کو دس سے زیادہ دینا جائز نہیں، اور اگر پہلے کہا تھا کہ دس دے دو، پھر کہا: جو جی چاہے دے دو تو اس سے زیادہ دینا جائز ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون سا جملہ کہا تھا اور بعد میں کون سا تو توقف لازم ہے اور زید سے دوبارہ پوچھنا لازم۔ شرائع میں شارع سے دریافت اب ممکن نہیں، اس لیے دوسری دلیل کی طرف رجوع لازم اور دوسری دلیل اوّل کی مؤید، اس لیے ہم نے اوّل کو اختیار کیا۔ باب عبادات میں یہی مناسب ہے کہ اسی میں احتیاط ہے، اس پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

۸۷۸- ح: يُؤْتَى بِالتَّمْرِ فَيَجِيءُ هٰذَا

[کچھ کھجوریں لائی جاتیں اور یہ بھی (اپنی کھجوریں) لاتا]

۸۷۸ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِالتَّمْرِ عِنْدَ صِرَامِ النَّخْلِ فَيَجِيءُ هٰذَا بِتَمْرِهِ وَهٰذَا مِنْ تَمْرِهِ حَتّٰى يَصِيرَ عِنْدَهُ كَوْمًا مِنْ تَمْرٍ فَجَعَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کھجور اترنے کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھجوریں لائی جاتیں، یہ اپنی کھجوریں لاتا اور یہ اپنی، یہاں تک کہ بارگاہ اقدس میں کھجوروں کا ڈھیر لگ جاتا، ایک بار حسن و حسین ان کھجوروں سے کھیلنے لگے، ان میں سے ایک

يَلْعَبَانِ بِذٰلِكَ التَّمْرِ فَاَخَذَ اَحَدُهُمَا تَمْرَةً فَجَعَلَهٗ فِيْ فِيْهِ فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْرَجَهَا مِنْ فِيْهِ فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ لَا يَاْكُلُوْنَ الصَّدَقَةَ.

صاحب نے ایک کھجور لی اور اپنے منہ میں ڈال لی' اسے رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا تو اس کھجور کو ان کے منہ سے نکالا اور فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ آلِ محمد صدقہ نہیں کھاتے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: اخذ صدقة التمر عند صرام النخل ص ۲۰۱' باب: ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم ص ۲۰۲' کتاب الجہاد۔ باب: من تكلم بالفارسية ص ۴۳۲' مسلم۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب السیر)

اس حدیث کا اخیر جز اسی کتاب الزکوٰۃ' باب "ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم" اور کتاب الجہاد میں بھی ہے' یہاں ابہام ہے' یہ مذکور نہیں کہ ان دونوں صاحبوں میں سے کس نے کھجور منہ میں ڈالی تھی' مگر ان دونوں جگہوں میں تصریح ہے کہ یہ سبط اکبر سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان دونوں جگہوں میں یہ زائد ہے: "كِخْ كِخْ" اس میں چھ لغات ہیں' کاف کو فتحہ اور کسرہ خا' ساکن اور مکسور بلا تنوین اور با تنوین۔ یہ وہ کلمہ ہے جو بچوں کو نامناسب باتوں سے روکنے کے لیے بولتے ہیں' جیسے اُردو میں کسی گندی چیز یا مضر چیز کے کھانے پر تھو تھو کہتے ہیں یا عام غلط حرکتوں پر ہاں ہاں کہتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے: ان کے منہ میں انگلی ڈال کر یہ کھجور نکال کر پھینک دی[1] یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ اور اس کے مثل تمام صدقاتِ واجبہ جیسے صدقۂ فطر' کفارات' نذور' آلِ رسول کو لینا جائز نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ زکوٰۃ سلطان یا اس کے نائب کے یہاں لا کر جمع کر دی جائے اور وہ مستحقین پر تقسیم کرے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پھلوں کی زکوٰۃ اس وقت لی جائے' جب پھل درخت سے اُتر جائیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ بچے اگرچہ غیر مکلف ہیں مگر انہیں بھی ممنوعات کے ارتکاب سے روکا جائے اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ چیز کیوں ممنوع ہے۔

۸۷۹- ح: نَهٰى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

[آپ (ﷺ) نے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا حتیٰ کہ وہ پک نہ جائیں]

۸۷۹- سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا وَكَانَ اِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاحِهَا قَالَ حَتّٰى تَذْهَبَ عَاهَتُهٗ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس وقت تک کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کی صلاح نہ ظاہر ہو جائے اور جب صلاح کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس کے تباہ ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: من باع ثماره او نخله الى آخره ص ۱۹۷)

صلاحها

صلاح کے معنی لائق ہونا' درست ہونا' فساد کا زائل ہونا۔ یہاں اخیر معنی مراد ہے جیسا کہ خود حضرت ابن عمر کی حدیث کے اخیر میں اس کی تفسیر ہے کہ اس کے تباہ و برباد ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ عرب میں عام طور پر دو ہی پھل پائے جاتے تھے: کھجور اور انگور۔ ان دونوں میں یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ وہ سرخ ہو جائیں' اسی لیے حضرت انس کی حدیث میں "حتى يبدو صلاحها" کے بجائے "حتى تزهى تحمار" ہے' دوسرے پھلوں میں سرخ یا رنگین ہونا' اس کی حد نہیں' بعض پھل پکنے کے بعد بھی ہرے ہی رہتے ہیں۔ "يبدو صلاحها" سے مراد یہ ہے کہ کھانے کے لائق ہو جائیں۔

[1] شرح معانی الآثار۔ ج ا ص ۱۲۱۔ کتاب الزکوٰۃ' باب: الصدقة على بنى هاشم ص ۲۵۲

توضیح باب

یہاں باب کا عنوان ہے: جس نے اپنے پھلوں یا کھجوروں کے درخت یا کھیتی کو اس وقت بیچا' جب اس میں عشر یا صدقہ واجب ہو چکا تھا اور زکوٰۃ کسی اور چیز سے ادا کی' یا اپنے پھلوں کو ایسے وقت بیچا کہ ابھی اس میں صدقہ واجب نہیں ہوا تھا۔ اس قول میں نخل سے مراد کھجور کے وہ درخت ہیں جن پر کھجوریں ہوں' اسی طرح زمین سے مراد وہ زمین ہے' جس میں کھیتی ہو'اس لیے کہ صرف زمین پر اور درختوں پر بالاجماع زکوٰۃ واجب نہیں۔

اس باب میں صرف سوال ہے اور جواب محذوف ہے' جو ''جاز'' ہے' یعنی یہ جائز ہے' اس پر قرینہ امام بخاری کا استدلال ہے' یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ پر تعریض ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ پھلوں کے قابل انتفاع ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کیے بغیر پھلوں کی بیع جائز نہیں۔

امام بخاری کا استدلال

امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے پھلوں کے بیچنے کی ممانعت کی غایت قابل انتفاع ہونے کو قرار دیا ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ قابل انتفاع ہونے کے بعد بیچنا مطلقاً جائز ہے' خواہ اس کی زکوٰۃ دی گئی ہو خواہ نہ دی گئی ہو' اس میں زکوٰۃ واجب ہو خواہ نہ واجب ہو۔ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی اباحت کے خلاف حکم دیا۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ جب پھل میں زکوٰۃ واجب ہو گئی تو کل پیداوار بائع کی ملک نہ رہی' اس میں مساکین کا حق ثابت ہو گیا' تو بیچنے کا مطلب یہ ہوا کہ بائع نے اس چیز کو بھی بیچا جو اس کی ملک نہیں۔

ہمارا مذہب

احناف کا مذہب یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور مشتری کو اختیار ہے' خواہ بیع نافذ کرے' خواہ فسخ کر دے' عشر کل پیداوار سے لیا جائے گا' یہ دوسری بات ہے کہ محصل اس کے عوض اس کی قیمت میں دوسری چیز لے لے۔ اس طرح امام بخاری کا مذہب ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔

۸۸۰- ح: نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

[پھلوں کی فروخت منع ہے جب تک اس کی صلاح ظاہر نہ ہو جائے]

۸۸۰ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا نَهَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اس وقت تک پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا' جب تک اس کی صلاح ظاہر نہ ہو جائے۔

۸۸۱- ح: نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِىَ

[پھلوں کی فروخت منع ہے حتیٰ کہ سرخ نہ ہو جائیں]

۸۸۱ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِىَ قَالَ حَتّٰى تَحْمَارَّ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جب تک رنگین نہ ہو جائیں' پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا' فرمایا: جب تک سرخ نہ ہو جائیں۔

۸۸۲- ح: تَصَدَّقَ بِفَرَسٍ فَوَجَدَهٗ يُبَاعُ

[آپ نے ایک گھوڑا صدقہ کیا' پھر اسے اس حال میں پایا کہ اسے فروخت کر دیا جائے]

۸۸۲ - اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ تَصَدَّقَ بِفَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهٗ يُبَاعُ فَاَرَادَ اَنْ يَّشْتَرِيَهٗ ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْمَرَهٗ فَقَالَ لَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ فَبِذٰلِكَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَتْرُكُ اَنْ يَّبْتَاعَ شَيْئًا تَصَدَّقَ بِهٖ اِلَّا جَعَلَهٗ صَدَقَةً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حدیث بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک گھوڑے کو اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا' پھر اسے اس حال میں پایا کہ بیچا جائے تو انہوں نے خریدنے کا ارادہ کرلیا' پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اپنے صدقہ کو مت لوٹا' اسی وجہ سے حضرت ابن عمر صدقہ کی ہوئی چیز خریدتے تو اسے دوبارہ پھر صدقہ کر دیتے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: هل يشترى صدقته ص۲۰۱' باب: العجائل والحملان فى سبيل الله ص۴۱۷' کتاب الجہاد۔ باب: اذا حمل فرسا فراها تباع ص۴۲۱' نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ)

۸۸۳- ح: حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فَاَضَاعَهٗ

[میں نے ایک شخص کو سواری کے لیے گھوڑا دیا اس نے اسے برباد کرڈالا]

۸۸۳ - عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِيَهٗ وَظَنَنْتُ اَنَّهٗ يَبِيْعُهٗ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِيْ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ وَاِنْ اَعْطَاكَهٗ بِدِرْهَمٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهٖ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهٖ.

اسلم نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے: میں نے فی سبیل اللہ ایک شخص کو سواری کے لیے گھوڑا دیا' اس نے اسے برباد کرڈالا تو میں نے چاہا کہ اسے خرید لوں اور میرا گمان تھا کہ وہ سستا بیچ دے گا' تو میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اسے مت خرید اور اپنا صدقہ مت لوٹا' اگرچہ وہ تجھے ایک درہم میں دے' کیونکہ صدقہ لوٹانے والا ایسا ہے جیسے قے لوٹانے والا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: هل يشترى صدقته ص۲۰۱' کتاب الھبۃ۔ باب: لا يحل لاحد ان يرجع فى صدقته وهبته ص۳۵۷' باب: اذا حمل رجلا على فرس وهو كالعمرى ص۳۵۹' کتاب الجہاد۔ باب: العجائل والحملان فى سبيل الله ص۴۱۷' باب: اذا حمل فرسا فراها تباع ص۴۳۱' مسلم۔ کتاب الفرائض' نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ' ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام)

کتاب الھبۃ میں یوں ہے: "فان العائد فى صدقته كالكلب يعود فى قيئه" صدقہ واپس لینے والا کتے کے مثل ہے جو قے کرکے پھر کھاتا ہے۔ اور کتاب الجہاد میں "صدقتهٗ" کے بجائے "هبتهٗ" ہے۔

فی سبیل اللہ

مراد یہ ہے کہ کسی کو دیا کہ وہ اس پر کسی کار خیر کے لیے سفر کرے' مثلاً حج کرے یا جہاد کرے۔

فاضاعه

اس سے مراد یہ ہے کہ اسے پیٹ بھر چارہ نہ دیا اور اس کی خدمت نہیں کی' جس کی وجہ سے وہ کمزور ہوگیا' سواری کے لائق نہ رہا۔

فوجده يباع

اس کا ترجمہ عام مترجمین نے یہ کیا ہے: تو دیکھا کہ وہ بیچا جا رہا ہے' مگر یہ ترجمہ حضرت اسلم والی حدیث کے معارض ہے' اس

لیے میں نے یہ ترجمہ کیا: اسے اس حال میں پایا کہ بیچا جائے' یعنی جسے دیا تھا وہ اسے پیٹ بھر چارہ نہیں دے سکتا تھا' اس لیے وہ اسے بیچنا چاہتا تھا۔

لا تعد في صدقتك

صدقہ کا لوٹانا تو یہ ہے کہ بعینہٖ وہی چیز بلاعوض واپس لی جائے اور یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیمت دے کر واپس لینا چاہتے تھے' یہ حقیقت میں لوٹانا نہ ہوا' مگر جیسا کہ حضرت اسلم والی حدیث میں تصریح ہے کہ خود حضرت عمر کا اندازہ تھا کہ وہ بہت کم قیمت پر بیچ دے گا تو یہ حکم میں لوٹانے کے ہو گیا' اس لیے منع ہے اور یہ ممانعت کراہت کی حد تک ہے' کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ صدقہ کرنے والے کو کم قیمت پر دے گا تو حقیقۃً بعض صدقہ کا لوٹانا پایا گیا۔

صدقہ پر جب فقیر قبضہ کر لے تو صدقہ دینے والے کو لوٹانے کا حق نہیں رہتا' مگر ہبہ میں جب موانع رجوع نہ پائے جائیں تو لوٹا سکتا ہے' اگرچہ مکروہ ہے' موانع ردّ چھ چیزیں ہیں' زیادۃ متصلہ جیسے زمین ہبہ کی تھی' اس میں مکان بنا لیا' درخت بو دیا' واہب یا موہوب لہ دونوں یا کسی ایک کی موت' ہبہ کا عوض لے چکا ہو' شی موہوب' موہوب لہٗ کی ملک سے نکل گئی ہو' ہبہ کے وقت عاقدین میں رشتہ زوجیت قائم تھا' اگرچہ بعد میں ختم ہو گیا ہو۔ عاقدین میں نسبی قرابت ہو یعنی ایک دوسرے کے ذو رحم محرم ہوں۔

٨٨٤- ح: هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا؟ [تم نے اس کی کھال سے کیوں نفع حاصل نہیں کیا؟]

٨٨٤ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ وَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةً مَّيْتَةً أُعْطِيَتْهَا مَوْلَاةٌ لِّمَيْمُوْنَةَ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا قَالُوْا إِنَّهَا مَيْتَةٌ قَالَ إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مردہ بکری دیکھی جو صدقہ سے اُم المؤمنین حضرت میمونہ کی باندی کو دی گئی تھی تو فرمایا: تم نے اس کی کھال سے کیوں نہ نفع حاصل کیا' لوگوں نے عرض کیا: یہ مردار ہے؟ فرمایا: اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الصدقة على موالى النبى صلى الله عليه وسلم ص ٢٠٢' کتاب البیوع۔ باب: جلود الميتة قبل ان تدبغ ص ٢٩٦' ج ٢۔ کتاب الذبائح۔ باب: جلود المیتۃ ص ٨٣٠' مسلم۔ کتاب الطہارۃ' ابوداؤد۔ کتاب اللباس' نسائی۔ کتاب الذبائح)

توضیح باب

یہاں باب یہ ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے موالی کو صدقہ دینا۔ حسب عادت امام بخاری نے حکم بیان نہیں فرمایا' مگر اس کے ضمن میں جو حدیثیں لائے ہیں' ان سے یہی ظاہر ہے کہ جائز ہے' اس لیے کہ پہلی حدیث میں ہے کہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی کو صدقے کی بکری اور دوسری حدیث میں ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باندی حضرت بریرہ کو صدقے کا گوشت دیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا' یہ دلیل جواز ہے۔

مگر ان دونوں احادیث میں اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ صدقہ' صدقہ نافلہ رہا ہو گا' بناءً علیہ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ازواجِ مطہرات اور ان کے موالی کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ خلال نے بہ طریق ابن ابی ملیکہ' اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ''انا ال محمد لا تحل لنا الصدقة'' ''ہم آل محمد ہیں' ہمیں صدقہ حلال نہیں۔

ابن ابی شیبہ نے انہیں کے طریقے سے روایت کیا کہ خالد بن سعید بن العاص نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ کی خدمت میں

صدقہ میں سے کچھ بھیجا تو آپ نے فرمایا: ہم آل محمد ہیں ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں[1] اور اس پر اتفاق ہے کہ جسے صدقہ لینا جائز نہیں اس کے موالی کے لیے بھی جائز نہیں۔ اہل سنت کے اصول کے یہی مطابق بھی ہے اس لیے کہ ازواج مطہرات اہل بیت اور آل نبی بلاشبہہ ہیں اور نص صریح ہے کہ ارشاد فرمایا: ''انا لا تحل لنا الصدقة وان موالي القوم منهم'' ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں اور ہر قوم کے موالی انہیں میں سے ہیں۔ اب ضروری ہوگیا کہ ان دونوں حدیثوں میں صدقہ کو صدقہ نافلہ پر محمول کیا جائے۔

انتفعتم بجلدها

اس کی کھال سے نفع کیوں نہیں اُٹھایا؟ اس میں قبل دباغت کی قید نہیں اس لیے اس کے عموم سے اور اس حدیث کے اخیر جملے ''انما حرم اكلها'' سے دلیل لاتے ہوئے کچھ لوگوں نے فرمایا کہ مردار کی کھال سے دباغت کے بغیر بھی انتفاع جائز ہے جیسا کہ امام ابن شہاب امام لیث بن سعد کا قول مشہور یہی ہے مگر ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ دباغت کے بغیر کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں حتیٰ کہ بیچنا بھی۔ یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی مذہب ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک بکری گھسیٹتے لیے جا رہے ہیں تو فرمایا: اگر اس کی کھال لے لیتے تو اچھا ہوتا۔ لوگوں نے عرض کیا: یہ مردہ ہے فرمایا: اس کو پانی اور سَلَم کے پتے پاک کر دیں گے[2] اس زمانے کا دستور تھا کہ سلم کے پتے پانی میں ڈال کر کچی کھال پکاتے تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبل دباغت ناپاک ہے اور ناپاک سے انتفاع بالاتفاق حرام اور بعد دباغت پاک اور اس سے انتفاع جائز۔ اور یہی توجیہ ان احادیث کی بھی ہے جن میں مردار کی کھال یا پٹھے یا کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کو منع فرمایا ہے۔

امام مسلم[3] نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا دبغ الاهاب فقد طهر'' جب کچی کھال کی دباغت کر لی جائے تو وہ پاک ہوگئی اور ایک حدیث مرفوع میں ہے۔

استمتعوا بجلود الميتة اذا دبغت ترابا كان او رمادا او ملحا او ما كان بعد ان يزيد صلاحه.

مردار کی کھال سے نفع حاصل کرو جبکہ اس کی دباغت ہو جائے مٹی سے ہو یا راکھ سے یا نمک سے یا کسی چیز سے بھی ہو جو اس کی اصلاح زیادہ کرے۔

(عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۸۸)

یہ سب احادیث اس کی دلیل ہیں کہ قبل دباغت مردار کی کھال ناپاک ہے۔ اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں اور دباغت کے بعد وہ پاک ہے اس سے انتفاع جائز ہے۔ اخیر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ دباغت کے لیے پکانا لازم نہیں کسی طرح اس کی خلقی رطوبت دور کر دی جائے دباغت ہوگئی مثلاً دھوپ میں سکھا دیا۔

ان احادیث سے ان حضرات کا بھی قول باطل ہوگیا جو بعد دباغت بھی مردار کی کھال سے نفع حاصل کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک انسان اور سانپ اور خنزیر کے علاوہ ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے انسان کی کھال اس وجہ سے کہ انسان مکرم و محترم ہے اگر دباغت سے اس کی کھال کو قابل انتفاع ہونے کا فتویٰ دے دیا جائے تو انسان کی ناموس خطرے میں پڑ جائے گی۔ سانپ کی کھال اتنی سخت ہوتی ہے کہ وہ دباغت قبول ہی نہیں کرتی اور خنزیر نجس العین ہے۔ اس کی کھال کے پاک ہونے کا سوال ہی نہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ج ۹ ص ۸۷

[2] نسائی۔ ج ۲ ص ۱۹۰۔ کتاب الفرع۔ باب: جلود الميتة، ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۲۱۳۔ کتاب اللباس۔ باب: اهب الميتة

[3] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۵۹۔ کتاب الحیض۔ باب: طهور جلود الميتة بالدباغ، ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۲۱۳۔ کتاب اللباس۔ باب: في اهب الميتة

۸۸۵- ح: هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ

[اس کے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے]

۸۸۵ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ وَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَقُلْتُ هٰذَا مَا تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تو میں نے عرض کیا: یہ بریرہ پر صدقہ کیا ہوا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے یہ صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الصدقة على موالى ازواج النبى صلى الله عليه وسلم ص ۲۰۲، ضمہ۔ باب: قبول الهدية ص ۳۵۰، ج ۲۔ کتاب الطلاق۔ باب: لا يكون بيع الامة طلاقا ص ۷۹۵، باب۔ ص ۷۹۶، کتاب الاطعمہ۔ باب: الادم ص ۸۱۶، نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الفرائض)

یہ ایک حدیث کا جز ہے، اس کا ابتدائی حصہ نزہۃ القاری، ج ۲ ص ۱۵۷، رقم: ۳۱۶ پر گزر چکا ہے۔ کتاب الطلاق میں بالاختصار یہ حدیث یوں ہے: اُم المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بریرہ کی ذات سے تین سنتیں معلوم ہوئیں: پہلی یہ کہ وہ آزاد کی گئیں تو انہیں اپنے شوہر کے بارے میں اختیار دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وِلاء اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور ہانڈی گوشت سے اُبل رہی تھی تو حضور کی خدمت میں روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا تو فرمایا: کیا میں نے ہانڈی نہیں دیکھی ہے، جس میں گوشت ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: ضرور! لیکن یہ گوشت صدقہ کا ہے جو بریرہ کو دیا گیا ہے اور حضور صدقہ نہیں کھاتے، تو فرمایا: اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

۸۸۶- ح: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ

[وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے]

۸۸۶ - عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِلَحْمٍ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقے کا گوشت پیش کیا گیا، جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا تو فرمایا: وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: اذا تحولت الصدقة ص ۲۰۲، کتاب الھبۃ۔ باب: قبول الهدية ص ۳۵۰، مسلم، ابوداؤد۔ کتاب الزکوٰۃ، نسائی۔ کتاب العمرۃ)

حیلہ شرعیہ کی یہی اصل ہے، عند الضرورۃ زکوٰۃ فطرہ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ کسی مستحق کو دے کر مالک بنا دیں اور وہ اس پر قبضہ بھی کر لے پھر وہ کسی دینی کام کے لیے یا کسی بھی کارِ خیر کے لیے دے دے۔ آج دین کی بقاء دینی مدارس کی وجہ سے اور دینی مدارس کی بقاء زکوٰۃ اور فطرہ کی رقوم سے ہے، مسلمان ایسا بے حس ہو گیا ہے کہ دینی مدارس کے لیے بشکل عطیہ دیتا ہے، اس لیے علماء نے حیلہ کے بعد زکوٰۃ اور فطرہ کی رقوم مدرسوں میں صرف کرنے کی اجازت دے دی۔ اگر یہ نہ ہو تو دینی مدارس بند ہو جائیں۔ اب کچھ علماء دشمن دین سے آزاد منش افراد نے زکوٰۃ وفطرہ کی رقوم کو ہندی انگریزی حساب جغرافیہ اقلیدس دنیوی تعلیمات دینے والے اسکولوں میں بلکہ ہسپتالوں میں صرف کرنا شروع کر دیا ہے، اس کی کسی طرح اجازت نہیں ہو سکتی۔ اولاً حیلہ کی اجازت ضرورت شرعیہ کے وقت ہے اور اسکولوں، ہسپتالوں میں صرف کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ گورنمنٹ کے اسکول بہ کثرت قائم ہیں اور بہ وقت ضرورت قائم کرائے جا سکتے ہیں۔ ہسپتال بھی بہت ہیں، ڈاکٹروں کی کمی نہیں۔ اگر واقعی کوئی مریض مستحق زکوٰۃ ہے تو اسے نقد دیا جا سکتا ہے۔ ثانیاً: زکوٰۃ اور فطرہ کے مصارف کارِ خیر ہیں اور دینی مدارس بھی کارِ خیر ہیں، بہ خلاف دنیوی مدارس کے کہ وہ محض دنیوی ہیں۔ دینی مدارس میں صرف کرنا زکوٰۃ وفطرے کے مصارف سے قریب تر ہیں، بہ خلاف دنیوی اسکولوں کے کہ اس میں اور زکوٰۃ کے مصارف میں

کوئی لگاؤ نہیں۔

ظاہر یہی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو جو صدقہ کا گوشت دیا گیا تھا' وہ صدقہ نافلہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نافلہ بھی نہیں تناول فرماتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ قبل اسلام صدقہ لے کر آئے تو واپس فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ ان پر زکوۃ فرض نہیں تھی' تو یہ صدقہ نافلہ ہی تھا۔

صدقہ اور ہدیہ

جو چیز کسی محتاج کو صرف ثواب کی نیت سے دی جائے' وہ صدقہ ہے اور جو چیز کسی کو رشتہ یا دوستی کی بناء پر دی جائے' ہدیہ ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: فقیر کو جو کچھ دیا جائے صدقہ ہے' اگرچہ ہدیہ کہہ کر دیا جائے اور مال دار کو جو کچھ دیا جائے' ہدیہ ہے' اگرچہ صدقہ کہہ کر دیا جائے۔

۸۸۷- ح: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی

[اے اللہ! آل ابواوفٰی پر رحمت نازل فرما]

۸۸۷- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِیْ بِصَدَقَتِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی قوم اپنا صدقہ لے کر آتی تو آپ (دعا) فرماتے: اے اللہ! آل فلاں پر رحمت نازل فرما! میرے والد اپنا صدقہ لے کر آئے تو دعا فرمائی: اے اللہ! آلِ ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: صلوۃ الامام ودعائه لصاحب الصدقة ص ۲۰۳' ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوة الحديبيه ص ۵۹۹' کتاب الدعوات۔ باب: قول الله تعالى وصل عليهم ص ۹۳۷' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الزکوۃ)

صَلِّ

"صل"، "الصلوة" کا امر ہے' خطابی نے کہا کہ صلوۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں' اور یہی یہاں متعین ہے۔ لفظ صلوۃ ہی کی تخصیص نہیں کوئی بھی دعائے خیر کی جا سکتی ہے' مثلاً جزاک اللہ' آجرک اللہ' اللّٰہم اغفرلہ وغیرہ وغیرہ' جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے بہت عمدہ اونٹنی زکوۃ میں دی تو یہ دعا کی: اے اللہ! اس میں برکت دے اور اس کے اونٹوں میں بھی۔ اور یہ دعا مستحب ہے واجب نہیں' اس لیے خلفائے راشدین نے محصلین زکوۃ کو دعا کرنے کا حکم نہیں دیا' اگر واجب ہوتی تو ضرور ہدایت فرماتے' بلکہ خود حضور نے بھی تلقین نہیں فرمائی۔ بناء علیہ آیۂ کریمہ "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ" (التوبہ: ۱۰۳) اور ان کے لیے دعا کرو' بے شک تمہاری دعا ان کے لیے اطمینان بخش ہے' میں "صَلِّ" امر وجوب کے لیے نہیں' استحباب کے لیے ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ' مدنی سلمی صحابی ہیں۔ بیعت رضوان میں شریک ہوئے' کوفہ کے ساکنین صحابہ کرام میں سب کے بعد وفات پائی۔ ۸۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔ وصال کے وقت ستر سال کی عمر مبارک تھی' یہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں' جن کی زیارت سے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مشرف ہوئے' باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔

ت ۲۷۷- قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَیْسَ الْعَنْبَرُ بِرِکَازٍ هُوَ شَیْءٌ دَسَرَهُ الْبَحْرُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عنبر رکاز نہیں' یہ ایک چیز ہے جسے سمندر نے پھینکا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: ما يستخرج من البحر ص ۲۰۳)

ت٢٧٨- وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الْعُنْبُرِ وَاللُّؤْلُؤِ الْخُمُسُ. اور امام حسن بصری نے فرمایا: عنبر اور موتی میں خمس ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: ما یستخرج من البحر ص ٢٠٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو بیہقی نے اور امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں موصولاً ذکر کیا ہے' اور امام حسن بصری کے اثر کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔ سمندر سے جو کچھ نکلتا ہے جیسے موتی مونگا عنبر اس میں زکوۃ نہیں۔ یہی حضرت ابن عباس' حضرت عمر بن عبدالعزیز' امام عطاء' امام اعظم' امام مالک' امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہی ہے۔ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ اس کے بعد والے ارشاد سے ظاہر ہے' اور یہی امام ابو یوسف کا بھی مذہب ہے۔

٨٨٨- ح: أَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ سَأَلَ

[بنی اسرائیل کے ایک شخص نے (دوسرے شخص) سے (قرض) مانگا]

٨٨٨ - عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ بِأَنْ يُّسْلِفَهُ أَلْفَ دِيْنَارٍ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيْهَا أَلْفَ دِيْنَارٍ فَرَمٰى بِهَا فِي الْبَحْرِ فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ أَسْلَفَهُ فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے سے ہزار دینار قرض مانگا تو اس کو دے دیا' وہ سمندر میں سفر کے ارادے سے نکلا' مگر اس نے کوئی سواری نہیں پائی تو ایک لکڑی لی اور اس میں سوراخ کیا' اس میں ہزار دینار رکھا اور اس لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا' اتفاق کی بات کہ جس شخص نے قرض دیا تھا وہ نکلا اور لکڑی دیکھی تو اپنے اہل کے ایندھن کے لیے لے لیا' جب اسے چیرا تو مال پایا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: ما یستخرج من البحر ص ٢٠٣' کتاب البیوع۔ باب: التجارۃ فی البحر ص ٢٧٧' کتاب الکفالۃ۔ باب: الکفالۃ فی القرض والدیون ص ٣٠٦' کتاب الاستقراض۔ باب: اذا اقرضہ الی اجل مسمی ص ٣٢٤' کتاب اللقطۃ۔ باب: اذا وجد خشبۃ فی البحر ص ٣٢٨' کتاب الشروط۔ باب: الشروط فی القرض ص ٣٨١' ج ٢۔ کتاب الاستیذان۔ باب: بمن یبدأ فی الکتاب ص ٩٢٦' نسائی۔ کتاب اللقطۃ)

تکمیل

کتاب الکفالۃ میں یہ حدیث مفصل یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا تذکرہ کیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے کسی شخص سے ہزار دینار قرض مانگا' اس نے کہا: گواہوں کو لاؤ جنہیں گواہ بنا دوں' تو اس نے کہا: اللہ کافی گواہ ہے' پھر اس نے کہا: کوئی کفیل (ضامن لاؤ) تو اس نے کہا: اللہ کافی کفیل ہے' تو اس نے کہا: تو نے سچ کہا اور اسے میعاد معین تک کے لیے دے دیا۔ وہ قرض لے کر سمندر میں چلا گیا اور اپنی حاجت پوری کی' اس کے بعد سواری (کشتی) تلاش کی جس پر سوار ہو کر جائے اور مقررہ میعاد پر ادا کرے' تو اس نے کوئی سواری نہیں پائی' تو ایک لکڑی کو لیا' اس میں سوراخ کیا اور اس سوراخ میں ہزار دینار اور ایک خط قرض خواہ کے نام رکھ دیا۔ اور سوراخ کا منہ اچھی طرح بند کر کے وہ لکڑی سمندر کے پاس لایا۔ اور کہا: اے اللہ! تو جانتا ہے میں نے فلاں سے ہزار دینار قرض مانگا تو اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا: اللہ کافی ضامن ہے' وہ اس پر راضی ہو گیا' پھر اس نے مجھ سے گواہ مانگا' تو میں نے کہا: اللہ کافی گواہ ہے' وہ اس پر راضی ہو گیا (اور مجھے قرض دے دیا)' میں نے کوشش کی کہ سواری مل جائے' جس

کے ذریعہ میں اس کا حق اسے پہنچا دوں تو نہیں ملی اور میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں' اس کے بعد اسے سمندر میں پھینک دیا' وہ سمندر کے اندر چلی گئی۔ اس کے بعد یہ شخص لوٹ آیا اور اسی کوشش میں رہا' سواری تلاش کرتا رہا کہ اپنے وطن لوٹے۔ اب قرض خواہ نکلا یہ دیکھنے کے لیے کہ شاید کوئی سواری اس کا مال لے کر آئی ہو۔ اتفاق کی بات کہ اس نے وہ لکڑی دیکھی جس میں وہ مال تھا' اس نے اسے لے لیا کہ اس کے اہل کے لیے ایندھن ہو' جب اسے چیرا تو اس میں مال اور وہ خط پایا' پھر قرض دار آیا اور ہزار دینار لایا اور کہا: میں برابر کوشش کرتا رہا کہ سواری مل جائے تو تیرا مال تجھ تک پہنچا دوں مگر کوئی سواری نہیں ملی' جو لایا ہوں اسے قبول کر لے۔ قرض خواہ نے کہا: کیا تو نے میرے پاس کچھ بھیجا تھا؟ قرض دار نے کہا: کیا میں نے تجھے نہیں بتایا کہ تیرے پاس آنے سے پہلے میں نے کوئی سواری نہیں پائی۔ قرض خواہ نے کہا: بے شک اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا جو تو نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ یہ شخص ہزار دینار کے ساتھ خوشی خوشی واپس ہوا۔

مطابقت باب

یہاں باب یہ ہے: سمندر سے جو چیز نکالی جائے' یعنی اس میں خمس ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں خمس نہیں اور یہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سمندر سے نکالی گئی چیزوں میں خمس نہیں' لکڑی اگرچہ سمندر میں نہیں پیدا ہوتی مگر کنارے کے خودرو درخت کبھی گر کر سمندر میں آ جاتے ہیں جو کسی کی ملک نہیں ہوتے ہیں' وہ جوف سمندر میں پیدا ہونے والی چیزوں کے حکم میں داخل ہیں' جو حکم ان چیزوں کا ہے وہی ان درختوں کا بھی ہے۔

حسن نیت' ایفاء وعدہ' توکل علی اللہ کے اچھے ثمرات دنیا میں بھی ملتے ہیں۔ اس کی یہ حدیث بہترین مثال ہے۔ اللہ عزوجل اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کی جان و مال کو ضائع نہیں فرماتا۔

بالالف دینار

کتاب الکفالۃ کی حدیث کے آخر میں ہے: "انصرف بالالف دینار راشدا" ہزار دینار کے ساتھ خوشی خوشی واپس ہوا۔

"الالف دینار" کی طرف مضاف ہے' اور مضاف پر الف لام کا لانا درست نہیں' مگر کوفیوں کے نزدیک۔

مسائل

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ سمندر میں پیدا ہونے والی چیزیں جسے ملیں' وہ اس کی ہیں اور اس میں خمس نہیں' کیونکہ یہ صاحب لکڑی ایندھن بنانے کے لیے لائے ہیں اور اس کا خمس ادا نہیں کیا' اور حضور اقدس ﷺ نے اس پر کوئی تنبیہ ذکر نہیں فرمائی۔ رہ گیا یہ شبہہ کہ یہ لکڑی قرض دار نے باہر سے لے کر سمندر میں پھینکی تھی' تو یہ تو چیرنے کے بعد خط دیکھنے کے بعد علم میں آیا' جس وقت لائے تھے اس وقت تو یہی سمجھ کے لائے تھے کہ یہ لکڑی سمندر کے اردگرد یا بیچ سمندر کے کسی ٹاپو سے سمندر میں آ گئی ہے' اس لیے ہمارا استدلال تام ہے۔ رہ گئیں وہ چیزیں جو سمندر کی پیداوار نہیں مگر سمندر میں ملیں' جیسے سونا چاندی' سکے' کپڑے وغیرہ ان میں بھی خمس نہیں اور جب مالک معلوم نہ ہو تو پانے والے کی ملک ہیں۔

ت۲۷۹- وَقَالَ مَالِكٌ وَّابْنُ إِدْرِيسَ الرِّكَازُ دِفْنُ الْجَاهِلِيَّةِ فِي قَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ الْخُمُسُ وَلَيْسَ الْمَعْدِنُ بِرِكَازٍ۔ (بخاری۔ کتاب الرکاز۔ باب: فی الرکاز الخمس ص ۲۰۳)

اور مالک اور ابن ادریس نے کہا: رکاز جاہلیت کا دفینہ ہے' اس کے تھوڑے اور کثیر میں خمس ہے اور معدن رکاز نہیں۔

اس تعلیق کو موصولاً امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے۔ ابن ادریس سے کون صاحب مراد ہیں؟ اس میں دو قول ہیں'

ایک یہ کہ یہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ مراد ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن ادریس اودی ہیں۔ امام فربری کے راویوں میں ایک بزرگ ابوزید مروزی ہیں۔ انہوں نے اس پر جزم فرمایا کہ یہ حضرت امام شافعی ہیں۔ امام بیہقی اور جمہور ائمہ نے ان کی متابعت کی۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام شافعی کا مذکورہ بالا ارشاد ملتا ہے' جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب المعرفہ میں نقل فرمایا ہے۔ اودی کا نہیں ملتا ہے۔ حضرت امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے' جسے ابن منذر نے نقل کیا اور اختیار بھی کیا' مگر قول جدید یہ ہے کہ جب تک بہ قدرِ نصاب نہ ہو' اس میں کچھ واجب نہیں۔ اس تعلیق میں قلیل سے مراد یہ ہے کہ مقدار نصاب سے کم ہو اور کثیر سے مراد یہ ہے کہ بہ قدرِ نصاب ہو یا اس سے زائد۔ معدن رکاز نہیں کا مطلب صرف یہ ہے کہ معدن میں خمس واجب نہیں بلکہ ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ واجب ہے۔ شریعت کے اصول میں سے ہے کہ جس میں محنت کم ہے' واجب کی مقدار زیادہ ہے' اور محنت اگر زیادہ ہے تو واجب کم۔ معدن اور رکاز دو الگ الگ چیزیں ہیں' اس پر یہ حضرات اس باب میں مذکور حدیث سے دلیل لائے ہیں کہ ارشاد ہوا: معدن میں ہلاک ہو جانے کا تاوان نہیں اور رکاز میں خمس ہے' اس استدلال پر مفصل کلام ابھی آ رہا ہے۔

ت ٢٨٠- وَاَخَذَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ مِنَ الْمَعَادِنِ مِنْ كُلِّ مِائَتَيْنِ خَمْسَةً.

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے معدن میں ہر دو سو سے پانچ لیے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: فی الرکاز الخمس ص ٢٠٣)

اس اثر کو امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی نے بہ طریق سعید بن ابی عروبہ' قتادہ سے روایت کیا کہ عمر بن عبدالعزیز نے معدن کو بہ منزلہ رکاز قرار دیا کہ اس میں سے بھی خمس لیا جائے' پھر بعد میں دوسری تحریر بھیجی کہ اس میں زکوۃ ہے' نیز کہا کہ عبداللہ بن ابوبکر سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے معادن میں ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم لیے' ابوزناد سے بھی مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز معدن پر ربع عشر لیتے تھے۔

ت ٢٨١- وَقَالَ الْحَسَنُ مَا كَانَ مِنْ رِكَازٍ فِيْ اَرْضِ الْحَرْبِ فَفِيْهِ الْخُمُسُ وَمَا كَانَ مِنْ اَرْضِ السِّلْمِ فَفِيْهِ الزَّكٰوةُ وَاِنْ وَجَدْتَّ اللُّقْطَةَ فِيْ اَرْضِ الْعَدُوِّ فَعَرِّفْهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنَ الْعَدُوِّ فَفِيْهَا الْخُمُسُ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ الْمَعْدِنُ رِكَازٌ مِثْلُ دِفْنِ الْجَاهِلِيَّةِ لِاَنَّهٗ يُقَالُ اَرْكَزَ الْمَعْدِنُ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ قِيْلَ لَهٗ قَدْ يُقَالُ لِمَنْ وُهِبَ لَهٗ شَيْءٌ اَوْ رَبِحَ رِبْحًا كَثِيْرًا اَوْ كَثُرَ ثَمَرُهٗ اَرْكَزْتَ ثُمَّ نَاقَضَهٗ وَقَالَ لَا بَأْسَ اَنْ يَّكْتُمَهٗ فَلَا يُؤَدِّيَ الْخُمُسَ.

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: فی الرکاز الخمس ص ٢٠٣)

اور امام حسن بصری نے فرمایا: دارالحرب میں جو دفینہ ملے اس میں خمس ہے اور اگر یہ دارالصلح میں ملے تو اس میں زکوۃ ہے اور اگر دشمن کی سرزمین میں لقطہ پائے تو اس کی تشہیر کرے۔ پس اگر دشمن کا ہو تو اس میں خمس ہے۔ اور بعض الناس نے کہا: معدن رکاز ہے' جاہلیت کے دفینے کے مثل کیونکہ جب معدن سے کچھ نکالا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ارکز المعدن' اس سے کہا گیا: جب کسی کو کچھ ہبہ کیا جائے یا اسے بہت نفع ہو اور اس کا پھل بہت ہو تو اس سے بھی کہا جاتا ہے: ارکزت' پھر اس کے خلاف کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اسے چھپائے اور خمس ادا نہ کرے۔

اس تعلیق کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ بیان کیا' ان کے الفاظ یہ ہیں: جب دشمن کی زمین میں خزانہ پایا جائے تو اس میں خمس ہے اور اگر عرب میں پایا جائے تو اس میں زکوۃ ہے۔ دفینے کے بارے میں یہ فرق سوائے امام حسن بصری کے اور کسی سے منقول نہیں اور لقطہ کے بارے میں جو کچھ فرمایا' وہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کا احتمال ہو کہ یہ مسلمان کی بھی چیز ہو سکتی ہے' مثلاً لشکر دارالحرب میں ہے' یا کوئی قافلہ امان لے کر دارالحرب میں گیا ہے' اور اگر اس کا احتمال نہ ہو تو تشہیر کی حاجت نہیں۔

امام بخاری کی بعض الناس سے کیا مراد تھی؟ یہ وہی جانیں۔ علامہ ابن تین وغیرہ کا گمان یہ ہے کہ اس سے امام الائمہ سراج الملۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یا بعض حنفیہ مراد ہیں۔ یہاں جس مسئلہ پر تعریض کی ہے وہ صرف حضرت امام اعظم ہی کا مذہب نہیں۔ امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام بخاری نے اپنی تاریخ میں جس بے ڈھنگے انداز میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اس سے علامہ موصوف کے قیاس کی تائید ہوتی ہے، مگر تتبع سے معلوم ہوا کہ ہر جگہ ایسا نہیں، کہیں اس سے عیسیٰ بن ابان مراد ہیں، کہیں امام شافعی۔ اور نہ ہر جگہ ان کا مقصود تعریض ہی ہے، کہیں کہیں وہ خود متردد ہیں اور کہیں وہی ان کا بھی مختار ہے۔

توضیح

امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ معدن سونے چاندی وغیرہ کی کان کو کہتے ہیں اور رکاز، کفار کے دفینے کو۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابھی مذکور ہوگی کہ فرمایا: "المعدن جبار وفی الرکاز الخمس" کان میں ہلاک ہونے کا تاوان نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔ اس حدیث میں رکاز معدن پر معطوف ہے اور عطف تغایر چاہتا ہے، تو معلوم ہوا کہ معدن اور ہے اور رکاز شی دیگر ہے۔ علامہ محمود بدرالدین عینی رضی اللہ عنہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا کہ پوری حدیث یوں ہے: "العجماء جُبار والبیر جُبار والمعدن جُبار وفی الرکاز الخمس" چوپایہ کسی کو مار ڈالے تو تاوان نہیں، کنویں میں گر کر کوئی مرجائے تو تاوان نہیں، کان میں کوئی مرجائے تو تاوان نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "والمعدن جبار" تک ایک الگ حکم فرمایا اور "وفی الرکاز الخمس" میں دوسرا حکم۔ احکام کا تغایر صحت عطف کے لیے کافی ہے۔ اب اگر یہ فرماتے: "وفیہ الخمس" تو التباس کا احتمال تھا کہ شاید ضمیر بیر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس التباس کو دور کرنے کے لیے "وفی الرکاز الخمس" فرمایا۔

اقول: اگر علامہ عینی کی یہ توجیہ نہ مانی جائے تو احادیث میں تعارض لازم آئے گا، جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔

اور ہمارے نزدیک رکاز، معدن، کان اور دفینے دونوں کو عام ہے۔ معدن صرف کان کو کہتے ہیں اور کنز صرف دفینے کو، رکاز دونوں کو۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام محمد محرر مذہب حنفیہ نے اپنے مؤطا[1] میں ذکر فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکاز میں خمس ہے، عرض کیا گیا: رکاز کیا ہے؟ تو فرمایا: وہ مال جسے زمین میں اللہ تعالیٰ نے اس دن پیدا فرمایا جس دن زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ ان کانوں میں خمس ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں بہ طریق امام ابو یوسف تھوڑے اختصار کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نیز امام بیہقی نے اسی میں بہ طریق حبان بن علی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکاز میں خمس ہے، عرض کیا گیا: رکاز کیا چیز ہے؟ تو فرمایا: وہ سونا جسے اللہ نے زمین میں پیدا فرمایا۔ اس سے بھی واضح وہ حدیث ہے جسے امام بیہقی نے کتاب العلل میں بہ طریق ابوصالح، انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکاز وہ ہے جو زمین میں پیدا ہو۔ امام حمید بن زنجویہ نسائی نے کتاب الاموال میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے معدن کو رکاز قرار دیا اور اس میں خمس واجب کیا۔ امام بیہقی ہی نے مکحول سے روایت کیا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے معدن کو بہ منزلہ رکاز قرار دیا کہ اس میں خمس ہے۔

پہلی تعریض

احناف کے ان دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے حضرت امام بخاری نے اس مسئلہ پر تعریض کرنے کے لیے اپنے جی سے احناف کی طرف ایک دلیل منسوب کی اور اس پر تنقید فرمادی، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض الناس نے کہا: معدن رکاز ہے، جاہلیت کے

---

[1] موطا امام مالک۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: الرکاز ص ١٧٨

دفینے کے مثل اس لیے کہ کہا جاتا ہے: ارکز المعدن جب اس سے کچھ نکلے۔ اس طبع زاد دلیل کو امام بخاری یوں رد کرتے ہیں کہ جب کسی کو کچھ ہبہ کیا جائے یا کسی کو بہت نفع ہو یا کسی کے باغ میں پھل بہت آئیں تو اس سے کہا جاتا ہے: "ار کزت" تو لازم آیا کہ ان چیزوں کو بھی رکاز کہا جائے اور ہبہ میں اور نفع میں اور پھل میں بھی خمس ہو حالانکہ ہبہ اور نفع میں نہ خمس ہے نہ زکوۃ جبکہ وہ نصاب سے کم ہو جب تک کہ ان پر سال پورا نہ ہو اور پھل میں عشر ہے۔

علامہ بدرالدین محمود عینی رضی اللہ نے اس پر بھرپور گرفت کی ہے اور انہیں کچھ جلال بھی آ گیا ہے، جس کے لیے وہ معذور بھی ہیں۔ فرماتے ہیں: معدن کو رکاز کہنے والوں میں سے کسی نے بھی یہ دلیل نہیں دی اور اہل عرب میں سے کسی کا یہ مقولہ نہیں البتہ جب کسی کان میں سونا ملتا ہے تو ضرور اہل عرب بولتے ہیں: "ار کز الرجل" "اس شخص نے سونا پایا" "ار کز المعدن" نہیں بولتے کہ لازم آئے کہ ہبہ اور نفع پانے والے اور جس کے باغ میں پھل زیادہ آئے اسے بھی ارکزت کہا جائے اس لیے کہ رکاز کے معنی سونے کے ٹکڑے کے ہیں۔ باب افعال میں جا کر صیرورت کا افادہ ہوا یعنی صاحب ماخذ ہونا جیسے کہتے ہیں: "اغدّ البعير" یعنی اونٹ کو غدہ کی بیماری ہوئی اونٹ غدہ والا ہوا۔ جب رکاز کے معنی سونے کے ٹکڑے کے ہیں تو جسے سونا ملے اسے ارکز الرجل کہنا درست ہے مگر ہبہ پانے والے کو زیادہ نفع حاصل کرنے والے کو جس کے باغ میں پھل بہت آیا ہو اسے ارکز الرجل نہیں کہہ سکتے کیونکہ رکاز کے معنی ہبہ یا نفع یا پھل کے نہیں۔ امام بخاری سے یہاں لغزش اس لیے ہوئی کہ انہوں نے ارکز کے معنی پر غور نہیں فرمایا۔

دوسری تعریض

دوسری تعریض یہ فرمائی کہ اس کے بعد اس بعض الناس نے اس کے خلاف قول کیا اور کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ اسے یعنی دفینے کو چھپا لے اور خمس نہ دے یعنی اس بعض الناس نے پہلے یہ کہا کہ معدن میں خمس ہے اور معدن رکاز ہے پھر کہا کہ اسے یہ جائز ہے کہ رکاز کو خواہ معدن ہو یا دفینہ زکوۃ کے محصل سے چھپا لے اور سب اپنے پاس رکھ لے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضرت امام اعظم کے قول کو کماحقہ نہ سمجھنے کی وجہ سے امام بخاری نے فرمایا ہے۔ امام طحاوی نے حضرت امام اعظم رضی اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کان اور دفینے کا خمس از خود اس کے مستحقین کو ادا کر دے یا وہ خود محتاج ہو تو اپنے صرف میں لائے اس کے عوض جو بیت المال میں اس کا حق ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محصل خمس لے جا کر بیت المال میں جمع کرے گا اور بیت المال پر قبضہ حکام کا ہے۔ حضرت امام اعظم کے عہد کے اموی اور عباسی حکام بیت المال کو اپنی ذاتی ملک سمجھتے تھے۔ مستحقین کے بجائے اپنے خوشامدی شاعروں درباریوں کو دیتے تھے۔ ایسی صورت میں جس نے دفینہ پایا وہ از خود مستحقین میں تقسیم کر دے یا خود ضرورت مند ہے تو رکھ لے تو کوئی حرج نہیں بلکہ یہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا خمس حکام کی ذاتی ملک نہیں بلکہ ان کے پاس امانت ہے۔ اس کے مستحق فقراء و مساکین ہیں۔ جب یہ معلوم ہے کہ حق حق دار کو نہیں ملے گا تو حق دار تک پہنچانا مناسب اقدام ہے۔

٨٨٩- ح: اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ

[جانور سے گھائل اور کنویں میں گرنے والے کا تاوان نہیں]

٨٨٩ - عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ وَّالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّفِی الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانور سے گھائل کا تاوان نہیں کنویں میں گرنے والے کا تاوان نہیں کان میں گھائل اور ہلاک ہونے والے کا تاوان نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: فی الرکاز الخمس ص ۲۰۳، کتاب المساقاۃ۔ باب: من حفر بیرا فی ملکه لم یضمن ص ۳۱۷، کتاب الدیات۔ باب: المعدن جبار والبیر جبار۔ باب: العجماء جبار ص ۱۰۲۱، مسلم۔ کتاب الحدود، ابوداؤد۔ کتاب الدیات، ترمذی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الاحکام، ابن ماجہ۔ کتاب الدیات، دارمی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الدیات، مؤطا امام مالک۔ کتاب العقول، مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۲۸)

عجماء

''عجماء'' کے معنی چوپائے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ چوپایہ کسی کو گھائل کر دے یا مار ڈالے تو اس چوپائے کے مالک سے نہ قصاص لیا جائے گا نہ دیت۔ اس میں تفصیل ہے، جو فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اسی طرح کنویں میں یا کان میں کوئی گر کر مر جائے یا کنوئیں اور کان کی کھدائی میں کوئی دب کے مر جائے تو بھی کنویں اور کان کے مالک پر قصاص یا دیت وغیرہ کچھ نہیں۔

وفی الرکاز الخمس

مسلمان یا ذمی کو اپنے مکان یا دوکان میں کان ملی تو وہ اس کی ملک ہے اور اس میں نہ خمس ہے نہ زکوٰۃ، اور اگر افتادہ غیر مملوکہ زمین یا جنگل یا پہاڑ میں ملی تو اس میں خمس ہے۔ اس کے لیے کوئی نصاب نہیں، تھوڑا ہو یا زیادہ، بہر حال خمس واجب ہے۔ خمس صرف سونا، چاندی، تانبا، پیتل، سیسہ وغیرہ دھاتوں میں ہے، جواہر مثلاً لعل، یاقوت، فیروزہ، عقیق اور موتی، چونا، سرمہ اور پھٹکری، نمک، بہنے والی چیزوں میں نہیں۔

جس دفینے میں اسلامی علامتیں پائی جائیں وہ لقطہ کے حکم میں ہے اور جس میں کافروں کی علامتیں ہوں، مثلاً اس میں بتوں وغیرہ کی تصویریں ہوں تو اس میں خمس لیا جائے گا، خواہ اپنی زمین میں ملے یا دوسرے کی یا غیر مملوکہ زمین میں ملے۔

۸۹۰- ح: فَلَمَّا جَآءَ حَاسَبَهٗ [واپسی پر ان سے حساب لیا]

۸۹۰ - عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اسْتَعْمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَسْدِ عَلٰی صَدَقَاتِ بَنِیْ سُلَیْمٍ یُّدْعَی ابْنُ اللُّتْبِیَّةِ فَلَمَّا جَآءَ حَاسَبَهٗ.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسد کے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنایا، جن کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا، جب وہ واپس آئے تو ان سے حساب لیا۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: قول اللّٰہ تعالٰی والعاملین علیها ص ۲۰۳، ج ۲۔ کتاب الحیل۔ باب: احتیال العامل لیهدی له ص ۱۰۳۳)

یہ ایک طویل حدیث کا ابتدائی حصہ ہے جس کا کچھ جز کتاب الجمعہ میں گزر چکا ہے اور پوری حدیث کتاب الھبہ میں آئے گی۔

۸۹۱- ح: یَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَةِ [صدقہ کے اونٹوں کو داغنا]

۸۹۱ - حَدَّثَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ غَدَوْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ لِیُحَنِّکَهٗ فَوَافَیْتُهٗ فِیْ یَدِهِ الْمِیْسَمُ یَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَةِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ میں صبح کے وقت عبداللہ بن ابوطلحہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ اسے گھٹی دیں تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ آپ کے دست مبارک میں میسم تھا، جس سے آپ صدقے کے اونٹوں کو داغ رہے تھے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: وسم الامام ابل الصدقة بیده ص ۲۰۴، مسلم۔ کتاب اللباس)

علامت کے لیے اہل عرب اونٹوں کو داغتے تھے یا کان کا کچھ حصہ کاٹ دیتے یا پھاڑ دیتے تھے چونکہ کان کو کاٹنا یا پھاڑنا مثلہ کرنا ہے اس لیے اسلام نے اس سے روک دیا' بہ ضرورت داغنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔

بَابُ فَرْضِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ — صدقۂ فطر واجب ہے

حدیث میں اس کے لیے "فَرَضَ" کا لفظ آیا ہے' مگر خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی' نیز فرض کے فقہی معنی بعد کی اصطلاح ہے' اس کے لغوی معنی مقرر کرنے کے ہیں' حدیث میں یہی مراد ہے۔

صدقۂ فطر روزوں کے اتمام کا شکرانہ ہے اور روزوں میں بہ تقاضائے بشریت جو کوتاہی ہو گئی ہو' اس کا کفارہ۔ صدقۂ فطر ہر ایسے آزاد مسلمان پر واجب ہے جو مالک نصاب ہو اور یہ نصاب دَین اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہو' اس کے لیے مال نامی اور حولان حول شرط نہیں' اس کے وجوب کا سبب یوم فطر کی صبح صادق ہے' اس لیے جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے مر گیا' یا غنی تھا فقیر ہو گیا تو اس پر واجب نہیں' یا صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کافر مسلمان ہوا' یا بچہ پیدا ہوا' یا فقیر غنی ہو گیا تو ان پر واجب نہیں' اور اگر کوئی صبح صادق ہونے کے بعد مرا یا صبح صادق سے پہلے بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوا یا فقیر غنی ہو گیا تو واجب ہے۔

جس پر صدقۂ فطر واجب ہے' اس پر اپنی طرف سے دینا واجب ہے' اور اپنی ان نابالغ اور مجنون اولاد کی طرف سے بھی جو خود مالک نصاب نہ ہوں' اور اگر نابالغ یا مجنون مالک نصاب ہیں تو ان کا ولی ان کے مال سے ادا کرے' بہتر یہ ہے کہ عید کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اور عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دے' اور اس سے پہلے اور بعد میں بھی ادا کر سکتے ہیں' اس کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں' اس کی ادائیگی کے لیے بھی تملیک فقیر شرط ہے' جو مالک نصاب نہ ہو' اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں' لیکن اگر ادا کر دے تو ثواب کا بہر حال مستحق ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند[1] میں اور امام بخاری نے اپنی صحیح[2] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صدقة الا عن ظهر غنىً والید العلیا خیر من الید السفلٰی وابدأ بمن تعولُ.

مال داری کے بغیر صدقہ نہیں' پہلے اس پر خرچ کر جو تمہاری پرورش میں ہے۔

غنا اور مال داری کا معیار شریعت نے نصاب کو رکھا ہے' علاوہ ازیں جو مالک نصاب نہ ہو' اس پر صدقۂ فطر واجب کرنے میں حرج بھی ہے۔

ت ۲۸۲- وَرَاٰی اَبُو الْعَالِيَةِ وَعَطَاءٌ وَّابْنُ سِيْرِيْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ فَرِيْضَةً.

ابو العالیہ' عطاء اور ابن سیرین کی رائے یہ ہے کہ صدقۂ فطر فرض ہے۔

(بخاری۔ باب: فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴)

ابو العالیہ اور ابن سیرین کے اثر کو امام ابو بکر بن شیبہ نے موصولاً ذکر کیا ہے' اور امام عطاء کے اثر کو امام عبد الرزاق نے' ان حضرات کی اگر فرض سے مراد فقہی فرض ہے تو یہ صحیح نہیں۔ فرضیت کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی درکار ہے' اور صدقۂ فطر کا ثبوت خبر احاد سے ہے' اس کے ثبوت کے لیے کوئی دلیل قطعی نہیں' نیز یہ تینوں حضرات تابعین میں سے ہیں' ان کے عہد میں احکام کی فرض واجب وغیرہ کی طرف نہ تقسیم ہوئی تھی' اور نہ اس کے اصطلاحی معنی مقرر ہوئے تھے' اس لیے یہ متعین ہے کہ ان کی مراد "فریضۃ" سے لغوی

---

1. مسند امام احمد۔ ج ۲ ص ۲۳۰

2. بخاری۔ ج ۱ ص ۳۸۴۔ کتاب الوصایا۔ باب: تاویل قوله عزوجل من بعد وصية يوصى بها او دين تعليقاً

معنی ہے یعنی من جانب شرع مقرر کردہ وظیفہ۔

۸۹۲- ح: فَرَضَ الْفِطْرَ صَاعًا [ایک صاع کھجور (صدقہ) فطر مقرر کیا گیا]

۸۹۲- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمایا' غلام اور آزاد اور مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے مسلمان پر' اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کے نماز کے لیے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

(بخاری۔ باب: فرض صدقة الفطر ص ۲۰۴۔ یہیں مزید پانچ طریقوں سے' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

"باب صدقة الفطر من التمر" کے تحت جو روایت ہے' اس کے اخیر میں ہے: عبداللہ (ابن عمر) نے فرمایا: اس کے بعد لوگوں نے اس کے برابر دو مُد گیہوں کر دیا۔

علی العبد

اس سے مراد یہ ہے کہ غلام اور باندی کی طرف سے ان کا مالک ادا کرے' کیونکہ غلام اور باندی اگر کچھ کمائیں بھی تو وہ آقا کی ملک ہوتا ہے' ان کی ملک نہیں رہتا' پھر وہ کہاں سے ادا کریں گے۔ مدبر اور اُم ولد کا صدقۂ فطر بھی ان کے مالک پر واجب ہے' البتہ ہمارے نزدیک مکاتب کی طرف سے واجب نہیں' یوں ہی تجارت کے غلام اور باندی کی طرف سے بھی نہیں۔

علی الصغیر

اگر نابالغ خود مالک نصاب ہے تو اس کا ولی اس کے مال سے ادا کرے' اسی طرح مجنون کی طرف سے بھی' اور اگر مالک نصاب نہیں تو ان کا صدقۂ فطر ان کے والد کے ذمے ہے۔

ان تودّی

یہ افضلیت کا بیان ہے' ورنہ تقدیم و تاخیر جائز ہے' جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ وہ فقراء جن کے پاس کچھ نہیں' وہ آج بھوکے نہ رہیں۔

۸۹۳- ح: كُنَّا نُعْطِيْهَا صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ [طعام میں سے ایک صاع (صدقہ فطر) دیتے]

۸۹۳- عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُعْطِيْهَا فِيْ زَمَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ فَلَمَّا جَاءَ مُعَاوِيَةُ وَجَاءَتِ السَّمْرَاءُ قَالَ اُرٰى مُدًّا مِّنْ هٰذَا يَعْدِلُ مُدَّيْنِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے زمانے میں ہم ایک صاع طعام یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع منقیٰ صدقۂ فطر دیتے تھے' جب حضرت معاویہ کا زمانہ آیا اور گیہوں آیا تو انہوں نے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ (گیہوں) ایک مُد دو مُد کے برابر ہے۔

(بخاری۔ باب: صاع من زبیب ص ۲۰۴۔ یہیں مزید تین اور طریقوں سے' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الزکوۃ)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں طعام سے مراد گیہوں ہے' اس لیے کہ عرف میں طعام گیہوں ہی کو

کہتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک کا یہی عرف تھا' مگر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ عہد رسالت کی بات کرتے ہیں' اس زمانے کا عرف یہ تھا کہ طعام جَو اور کھجور کو کہتے تھے۔ مسند امام احمد[1] اور مسلم[2] میں حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد موجود ہے' فرماتے ہیں:

طعامنا يومئذ الشعير. عہد رسالت میں ہمارا طعام جَو تھا۔

ترمذی[3] میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا:

طعامهم بالمدينة التمر والشعير. عہد نبوی میں اہل مدینہ کا طعام کھجور اور جَو تھا۔

علاوہ ازیں خود اسی بخاری میں اسی باب میں ہے کہ خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وكان طعامنا الشعير والزبيب والاقط والتمر. اور ہمارا طعام جَو' منقیٰ' پنیر اور کھجور تھا۔

اس روایت نے واضح کر دیا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مراد طعام سے گیہوں نہیں' بلکہ تمام وہ غذائیں ہیں جو مدینہ طیبہ میں اس وقت رائج تھیں' گیہوں اس عہد میں اس مبارک شہر میں بہت نایاب تھا۔

نیز صحیح ابن خزیمہ[4] میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لم يكن الصدقة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الا التمر والزبيب والشعير ولم يكن الحنطة. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صدقۂ فطر صرف کھجور' منقیٰ اور جَو تھا' گیہوں نہ تھا۔

پھر اگر اس حدیث میں طعام سے گیہوں مراد لیں گے تو دو لاینحل اشکال وارد ہوں گے' ایک یہ کہ اس حدیث کے آخر حصے سے تعارض لازم آئے گا کہ انہوں نے فرمایا: جب حضرت معاویہ کا دور آیا اور گیہوں آیا تو انہوں نے یہ کہا: میرا خیال یہ ہے کہ یہ ایک مُد ان کے دو مُد کے برابر ہے' دوسرے یہ کہ لازم آئے گا کہ گیہوں سے صدقۂ فطر کی جو مقدار عہد نبوی میں رائج تھی' حضرت امیر معاویہ نے اسے گھٹا کر آدھا کر دیا' اور ستم یہ کہ تمام صحابہ کرام اس پر خاموش رہے' بلکہ اسے اختیار فرما لیا۔

اس لیے ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مراد اس حدیث میں طعام سے گیہوں نہیں بلکہ دوسری اور کوئی چیز ہے' جو اس وقت اہل مدینہ کی غذا تھی۔

ہمارے نزدیک گیہوں سے صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع ہے' اس لیے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے' جیسا کہ مسلم[5] میں خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ارشاد اسی حدیث میں ہے:

فاخذ الناس بذالك. سب لوگوں نے اسے اختیار کر لیا۔

رہ گیا حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا اس سے اختلاف' تو ایک دو صاحبان کا اختلاف اجماع میں حارج نہیں۔ عمدۃ القاری[6] میں ہے کہ حضرات خلفائے اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ گیہوں نصف صاع ہے' ان کے علاوہ اجلہ صحابہ مثلاً حضرت ابن مسعود' حضرت جابر' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن زبیر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ثابت ہے۔

---

[1] مسند امام احمد۔ ج٦ ص٤٠٠
[2] مسلم۔ ج٢ ص٢٦۔ باب: الربوٰا
[3] ترمذی۔ ج٢ ص١٢٨۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ نساء
[4] فتاویٰ رضویہ۔ ج١ ص١٤٤۔١٤٥
[5] مسلم۔ ج١ ص٣١٨۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: زکوٰۃ الفطر' ابوداؤد۔ ج١ ص٢٢٨۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: کم یؤدی فی صدقۃ الفطر

ت۲۸۳- وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْمَمْلُوكِيْنَ لِلتِّجَارَةِ يُزَكِّي فِي التِّجَارَةِ وَيُزَكِّي فِي الْفِطْرِ.

اور امام زہری نے تجارت کے غلاموں کے بارے میں فرمایا: تجارت کی بھی زکوۃ دے اور صدقۂ فطر بھی دے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: صدقة الفطر على المملوك والحر ص۲۰۵)

اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کے غلام اور کنیز پر دو صدقے ہیں' ایک زکوۃ دوسرا صدقۂ فطر۔ احناف کے نزدیک صرف زکوۃ ہے' صدقۂ فطر واجب نہیں' اس لیے کہ صدقۂ فطر مالک نصاب پر ان لوگوں کی طرف سے واجب ہوتا ہے جو اس کے عیال میں ہوں' اور ظاہر ہے کہ تجارت کے غلام اور کنیز اس کے عیال نہیں۔

۸۹۴- ح: يُعْطِي التَّمْرَ فَاَعْوَزَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ

[آپ کھجور دیتے تھے اہل مدینہ ایک سال کھجور سے محروم رہے]

۸۹۴- فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُعْطِي التَّمْرَ فَاَعْوَزَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنَ التَّمْرِ فَاَعْطٰى شَعِيْرًا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِي عَنِ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ حَتّٰى اِنْ كَانَ لِيُعْطِي عَنْ بَنِيَّ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِيْهَا الَّذِيْنَ يَقْبَلُوْنَهَا وَكَانُوْا يُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ بَنِيَّ يَعْنِي بَنِي نَافِعٍ قَالَ كَانُوْا يُعْطُوْنَ لِيَجْمَعَ لِلْفُقَرَاءِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کھجور دیتے تھے' ایک سال اہل مدینہ کھجور سے محروم ہو گئے تو انہوں نے جَو دیا اور حضرت ابن عمر ہر چھوٹے اور بڑے کی طرف سے دیتے تھے' حتیٰ کہ میرے بچوں کی طرف سے بھی دیتے تھے اور انہیں کو دیتے تھے جو اسے قبول کرتے اور عید سے ایک دو دن پہلے دے دیتے تھے' اور ابو عبد اللہ امام بخاری نے فرمایا ہے: بنی سے مراد نافع کے بچے ہیں' عید سے ایک دو دن پہلے دینے کا مطلب یہ ہے کہ اکٹھا کر لیتے' یہ نہیں کہ فقراء کو دیتے۔

(بخاری۔ باب: صدقة الفطر على الحر والمملوك ص۲۰۵)

باپ پر اپنی بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ دینا واجب نہیں' اور نہ پوتے اور پوتیوں کی طرف سے واجب ہے' لیکن اگر کوئی دے دے تو ادا ہو جائے گا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے یہ ثابت ہو گیا کہ صدقۂ فطر عید سے پہلے ادا کر دینا درست ہے' اور اسی پر قیاس کر کے یہ بھی درست ہے کہ بعد میں ادا کیا جائے' اور امام بخاری کی تاویل یوں صحیح نہیں کہ صریح لفظ "یعطون" ہے' "اعطاء" کے معنی ہیں: کسی اور کو دینا' جمع کرنا' دینا نہیں۔

۸۹۵- ح: اَنْ يُزَكّٰى مَالُ الْيَتِيْمِ

[یتیم کے مال میں زکوۃ کو واجب ماننا]

۸۹۵- قَالَ اَبُوْ عَمْرٍو وَرَاٰى عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ وَطَاوٗسٌ وَعَطَاءٌ وَابْنُ سِيْرِيْنَ اَنْ يُزَكّٰى مَالُ الْيَتِيْمِ.

ابو عمرو نے کہا کہ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت جابر' حضرت عائشہ اور طاؤس اور عطاء اور ابن سیرین یتیم کے مال میں زکوۃ واجب جانتے تھے۔

(بخاری۔ باب: صدقة الفطر على الصغير والكبير ص۲۰۵)

ت۲۸۴- وَقَالَ الزُّهْرِيُّ يُزَكّٰى مَالُ الْمَجْنُوْنِ.

اور امام زہری نے فرمایا: مجنون کے مال کی زکوۃ دے دی جائے۔ (ایضا)

یتیم اور مجنون اگر مالک نصاب ہوں تو ان کے ولی پر واجب ہے کہ ان کے مال سے ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے' یتیم

[1] عمدۃ القاری۔ ج۹ ص۱۱۳

اگر مالک نصاب نہیں تو اس کے ولی پر اس کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں۔ مجنون اگر مالک نصاب نہیں تو اس کے باپ پر اس کی طرف سے بھی صدقۂ فطر دینا واجب ہے۔ ''یزکی'' سے مراد یہاں صدقۂ فطر ہے، زکوۃ مراد نہیں کیونکہ زکوۃ فرض ہونے کے لیے بالغ، عاقل ہونا شرط ہے، جیسا کہ تمام فرائض وواجبات کے لیے ہے۔ صدقۂ فطر کے لیے چونکہ احادیث میں تصریح ہے کہ یہ صغیر وکبیر سب پر ہے، اس لیے اس کے لیے عاقل بالغ ہونے کی شرط نہیں۔

❁❁❁❁❁